سیرتِ نبوی پر معرکۃ الآرا کتاب

زاد المعاد

اوّل : آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ وشمائل، عادات وخصائل، اسوہ وسنت، معمولات اور اصولِ زندگی، مجاہدات وغزوات، معاملات اور طرزِ زندگی، خادموں سے برتاؤ، دشمنوں سے سلوک، گھر والوں سے معاشرت پر مشتمل ہے۔

دوم : یہ حصہ مشتمل ہے رحمتِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات ومجاہدات، معاملات دینی ودنیوی میں آپؐ کے اسوۂ مبارک اور سنتِ طیبہ، نیز حالات وسوانح اور معمولاتِ نبویؐ کی روشنی میں، بہت ہی اہم نکات ونوادر مسائل فقہیہ پر

www.KitaboSunnat.com

علامہ حافظ ابنِ قیمؒ

نفیس اکیڈیمی - کراچی

زاد المعاد

علامہ حافظ ابن قیم

سیرت النبیؐ پر دنیا کی سب سے زیادہ مستند اور عظیم الشان کتاب

زاد المعاد

فی

ھدی خیر العباد

اوّل۔ دوم

اوّل : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ و شمائل، عادات و خصائل، اسوہ و سنت، معمولات اور اصول زندگی، مجاہدات و غزوات، معاملات اور طرز زندگی، خادموں سے برتاؤ، دشمنوں سے سلوک، گھر والوں سے معاشرت پر مشتمل ہے۔

دوم : یہ حصہ مشتمل ہے رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و مجاہدات، معاملات دینی و دنیوی میں آپؐ کے اسوۂ مبارک اور سنت طیبہ، نیز حالات و سوانح اور معمولات نبویؐ کی روشنی میں بہت ہی اہم نکات و نوادر مسائل فقہیہ پر

مصنفہ: علامہ حافظ ابی عبداللہ محمد ابن قیم

ترجمہ : رئیس احمد جعفری

نفیس اکیڈمی
اردو بازار، کراچی

زادُ المعاد

مصنفہ علامہ حافظ ابن قیم

کے حصہ اوّل، دوم کے اردو ترجمہ کے جملہ حقوق اشاعت

اور طباعت، تصحیح وترتیب وتبویب قانونی دائمی بحق

چوہدری طارق اقبال گاہندری

مالک

نفیس اکیڈمی ۔ [illegible] کراچی

نام کتاب :	زاد المعاد (اوّل، دوم)
مصنفہ :	علامہ حافظ ابن قیم
مترجم :	رئیس احمد جعفری
ناشر :	نفیس اکیڈمی ۔ کراچی
طبع :	۱۹۹۰ء
ایڈیشن :	آفسٹ
ضخامت :	۹۸۰ صفحات

ٹیلیفون : ۲۱۳۳۰۳

احمد برادرز پرنٹرز ۔ ناظم آباد ۔ کراچی

آفتاب رسالت

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

علامہ ابن قیم کی زادالمعاد اہل علم، اہل دل اور اہل نظر اصحاب کے حلقوں میں ہمیشہ سے محبوب اور پسندیدہ رہی ہے، یہ کتاب درحقیقت اپنے فن اور موضوع کی انسائیکلو پیڈیا ہے اور کمال یہ ہے کہ صرف ایک علامہ دھر کے غور و فکر کا نتیجہ۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس موضوع سے متعلقہ مباحث پر دنیا کی کسی زبان میں اس سے زیادہ ہمہ پہلو کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔

یہ اردو زبان کی بدقسمتی تھی کہ ایسی نادر اور جامع الفوائد کتاب سے اس کا دامن خالی تھا، یہ کتاب اب پہلی مرتبہ پوری شان و دلاویزی کے ساتھ اردو زبان میں منتقل ہو کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ مجھ نامۂ سیاہ کو اپنے عزم و ہمت پر حیرت بھی ہے اور فخر بھی کہ ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود ہر طرح کے وسائل سے محرومی کے باوجود، ذاتی الجھنوں اور پریشانیوں کے باوجود اتنی طویل ضخیم اور مفصل کتاب کی طبع و اشاعت کا سر و سامان میں نے بہم پہنچا لیا۔ یہ صرف خدا کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو جس طرح نوازے۔

میں بازار ادب میں ایک عرصہ سے موجود ہوں، میں نے کیا چھاپا؟ ناول اور افسانے بھی، ادب اور لٹریچر بھی تاریخ اور داستان بھی، تحقیق اور تنقید بھی، سوانح اور سفرنامے بھی۔ لیکن اپنے مطبوعات میں اس کتاب سے یہ امید رکھتا ہوں کہ یہ میرے لئے زادالمعاد یعنی توشۂ

آخرت ثابت ہوگی۔

اس کتاب کی طبع و اشاعت میں کئی مرحلوں سے مجھے گزرنا پڑا سب سے بڑا مسئلہ مترجم کا انتخاب تھا۔ کافی غور و فکر کے بعد میری نظر انتخاب مولانا سید رئیس احمد جعفری پر جا کر رک گئی۔ اور مجھے مسرت ہے کہ انہوں نے میری استدعا قبول فرمائی ان کے قلم سے کئی کتابوں کے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ سیرت امام احمد بن حنبل، آثار امام شافعی، آثار امام محمد و امام ابو یوسف، سیرت امام ابن تیمیہ، سیرت امام ابو حنیفہ اور تاریخ خوارج وغیرہ۔

جعفری صاحب کے ترجمہ کا اپنا ایک خاص انداز ہے اور یہ انداز ملک کے ایک بڑے طبقہ کے دلوں کو بھا گیا ہے، ان کی عبارت رواں، سلیس اور شگفتہ ہوتی ہے وہ علمی مباحث کو آسان اور عام فہم اور دل نشین انداز میں بیان کرتے ہیں۔ وہ چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فاضل علامہ سید سلیمان ندوی، شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ اعظمی، شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی اور مولانا محمد شبلی صاحب فقیہہ کے شاگرد رشید ہیں وسعت مطالعہ کا جوہر انہوں نے خود پیدا کیا ہے اور وسعت نظر کا اساتذہ کے فیض صحبت کا نتیجہ ہے اور ان دونوں چیزوں نے ان کے اندر تحقیق کا ملکہ پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ دینی اسلامی اور علمی مباحث سے متعلق کتابوں کے تراجم میں حسب ضرورت جہاں وہ حواشی لکھتے ہیں وہ اختصار کے باوجود ایک مستقل حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں حسب ضرورت انہوں نے حواشی لکھے ہیں۔ لیکن نہایت مناسب مواقع پر، اور نہایت موزوں انداز میں۔

مجھے امید ہے میرا پیش کیا ہوا یہ توشۂ آخرت آپ قبول کریں گے۔

بارگاہِ رسالتؐ میں نذرِ عقیدت

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صفات و خصوصیات میں یکتا تھے، اسی طرح آپؐ کی یہ خصوصیت بھی یگانہ ہے کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی پر دنیا کی ہر زبان میں بالعموم، اور عربی اُردو میں بالخصوص جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، صحت و استناد اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہیں، اُن کا عشرِ عشیر بھی، کسی اور نبی پر کسی زبان میں نہیں لکھا گیا ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شک زاد المعاد، ایک طویل اور ضخیم کتاب ہے لیکن حیرت ہے کہ دوسری بہت سی طویل و ضخیم کتابیں اُردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں، مگر اب تک کسی ناشر نے اس اہم ترین کتاب کے ترجمہ کی طرف توجہ مبذول نہیں کی، جو سیرۃ نبوی کے ماخذ اور مواد کا بہترین سرمایہ ہے، مصنف' زاد المعاد کا یہ قول تو قولِ فیصل ہے، نہ اس کے نکالے ہوئے نتائج و مسائل بلا استثناء ہر فقہی مسلک کے مسلّمہ ہیں لیکن، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے موضوع پر یہ کتاب بلا شبہ حیرت انگیز ہے، اگر زاد المعاد نہ ہو، تو سیرۃ نبوی پر کوئی مستند اور مکمل کتاب نہیں لکھی جا سکتی۔

ایسی مایۂ ناز کتاب کا چند صدیوں کے اس طویل عرصہ میں اُردو زبان میں منتقل نہ ہونا حد درجہ حیرت انگیز ہے، شاید اس میں مصلحت یہ تھی کہ یہ سعادت مجھ نامہ سیاہ کے حصہ میں آئے اور روزِ قیامت یہ تحفہ میں بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کر سکوں۔

یہ کام سرمایہ طلب بھی تھا اور غور طلب بھی، اس گرانی اور کساد بازاری کے زمانے میں تقریباً دو ہزار صفحات کی بڑے سائز پر کتاب کا چھاپنا مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لئے آسان نہ تھا، دوسرا کام مترجم کا انتخاب تھا، سرمایہ کا بندوبست ہوا تو میں نے اس طرف

توجہ مبذول کی، میری نگاہِ انتخاب سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی پر جا کر اٹک گئی، جعفری صاحب کی یہ خصوصیت ہے جیسا کہ معارف اعظم گڑھ نے ان کی ایک مترجمہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا، وہ ترجمہ کرتے وقت مکھی پر مکھی نہیں مارتے، نہ قارئین کتاب تک کے مبلغ علم، رسائی فہم، اور ضبط و ادراک مسائل کی اہلیت کو نظر انداز کرتے ہیں میں تو کہتا ہوں ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ گویا مصنّف نے خود اُردو میں کتاب لکھی ہے، وہ اس کی روح، اس کے خیالات، اس کے انداز، اس کی روش کو جذب کر لیتے ہیں اپنے قلم میں، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ پُرانے زمانہ کی گراں بہا اور گراں مایہ کتابیں اس ڈھنگ پر لکھی گئی ہیں جو کہ ان کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی کئی کئی صفحوں کا ایک ایک پیراگراف، کئی کئی جزو کا ایک ایک باب، کئی کئی صفحوں کی ایک ایک تفصیل، موجودہ زمانہ کا قاری اس طرح کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ جعفری صاحب اپنے ترجمہ میں پیراگرافنگ کرتے ہیں، اور ابواب و فصول کو اس طرح پیش کرتے ہیں قاری بیک نظر باب کی روح کو سمجھ لے اور دلچسپی لینے لگے، چنانچہ میں نے یہ کارِ اہم ان کے سپرد کیا، اور الحمد للہ کہ انھوں نے حسبِ دل خواہ اسے انجام دیا۔

اس دُنیا میں کم ہیں جو پارسائی کا دعویٰ کر سکیں اور مجھ جیسا گنہ گار، جب اپنے نامۂ اعمال پر نظر ڈالتا ہے تو عرقِ خجالت سے آب آب ہو جاتا ہے، لیکن اپنی سعی کے بارے میں مجھے اُمید ہے کہ بارگاہِ رسالت میں مقبول ہو گی، اور یہ خاطی و عاصی رحمت و شفاعت سے نوازا جا سکے گا کہ شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی الطالحون لی (بُرے میرے لئے ہیں) فرما چکے ہیں، بقول مولانا محمد علی

کیونکر نہ فدا ایسے نبیؐ پر ہوں جو فرمائے!

اچھے تو سبھی کے ہیں، بُرے میرے لئے ہیں

فہرستِ مضامین

حصّہ اوّل

فہرست مضامین (حصہ دوم)

نقد و نظر

یہ زادالمعاد کا پہلا حصہ ہے!

یہ کتاب اپنی معنویت، افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے واقعی زادالمعاد یعنی توشۂ آخرت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، ہر مسلمان کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے، دلیل منزل ہے شمع راہ ہے۔ یہی راستہ ایسا ہے۔ جس پر چل کر انسان ہدایت و سعادت فلاح و نجاح اور کامرانی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے اس کے علاوہ جتنے راستہ ہیں وہ گمراہی کے ہیں وہ جنت کی طرف نہیں جاتے جہنم کی طرف اپنے رہرو کو لے جاتے ہیں، اقبال نے سچ ہی تو کہا ہے۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اسلام کی تعلیمات صاف اور سادہ ہیں نہ ان میں کسی طرح کی پیچیدگی ہے نہ اغلاق ہر شخص سمجھ سکتا ہے، ہر شخص برت سکتا ہے ہر شخص ان پر عامل ہو سکتا ہے۔

اور اسلام کی ان تعلیمات وہدایات کا مکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی تھی۔ لہٰذا جب تک کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے نہ ہو اس وقت تک نہ ہم اسلام کو سمجھ سکتے ہیں نہ صحیح طور پر اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

اور اس اسوہ حسنہ کے ہم اس وقت تک رمز شناس نہیں ہو سکتے جب تک آپ کی

سیرت طیبہ کے تمام پہلو ہمارے سامنے نہ ہوں اور آپ کی سیرت طیبہ کے تمام پہلو اگر نظر آ سکتے ہیں تو احادیث میں حدیث ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جو آپ کے قول و فعل دونوں پر حاوی ہے۔

منافقوں اور کج دماغوں کی ایک جماعت ہمیشہ سے اس کام میں مصروف رہی ہے کہ احادیث کی اہمیت، عظمت کا انکار کیا جائے، انہیں قانون کا ماخذ مانا جائے۔ ان تمام کج کاویوں کا مقصد یہ ہے کہ سیرت رسولؐ صحیح آب و رنگ کے ساتھ سامنے نہ آ سکے، اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد منزل بہت آسان ہو جاتی ہے۔ جب احادیث کی حیثیت مجروح ہو گئی اور آپ کی شخصیت کا اصل معیار نظر سے اوجھل ہو گیا تو پھر من مانی کہنے اور کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں باقی رہ جاتی جس طرح چاہیئے قرآن کی تفسیر کیجیئے۔ جس طرح جی چاہے آپؐ کے اقوال و افعال کو دین کا ماخذ ماننے سے انکار کرنے کے بعد احکام اسلامی اور تعلیمات اسلامی کو اپنے ذہن و فکر کے سانچے میں ڈھال لیجیئے یہی کیفیت دیکھ کر تو اکبر نے کہا تھا۔

حکومت کی تم خیر یار و مناؤ
گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسّر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

انکار حدیث کے بعد قرآن کی تشریح و تعبیر میں پوری آزادی حاصل ہو جاتی ہے نہ ایراد کا ڈر نہ اعتراض کا اندیشہ شاید یہی فکر و نظر کا بحران تھا جسے دیکھ کر اقبال کہہ اٹھا تھا۔

احکام ترے حق میں ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند

اور واقعی منکرین حدیث نے نت نئی تاویلیں کر کے قرآن کو معاذ اللہ پازند ہی بنا دیا ہے۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ اردو خواں ناظرین کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کی جائے جس کی بنیاد و اساس حدیث پر ہو اور جو رسول اللہ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ

کے بیان پر مشتمل ہوتا کہ اس فتنہ کا قلع قمع ہو سکے جو انکار حدیث کی صورت میں پاکستان کے اندر روز بروز جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر علامہ ابن قیم کی زاد المعاد (توشۂ آخرت) سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس میں پوری صحت استناد کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کا تفصیلی، تحقیقی اور دقت نظر کے ساتھ ذکر موجود ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے یگانہ اور منفرد ہے اس موضوع پر اس سے اچھی اور اچھوتی کتاب کسی زبان میں بھی نہیں مل سکتی یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے یہ کتاب مجامع علمی اور حلقہ علماء میں دائر و سائر چلی آ رہی ہے۔

اس کتاب کے چار حصے ہیں، ان چاروں کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں، ہر حصہ کے ساتھ اس کے مندرجات اور خصوصیات پر بھی بہ طور مقدمہ ایک سرسری نظر ڈال لی ہے۔

اس پہلے حصہ میں جو مواد مؤلف علام نے پیش کیا ہے وہ زیادہ تر عبادات سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں جو بحثیں کی ہیں، جو علمی نکتے پیدا کئے ہیں جس انداز سے اختلافی مسائل اور مباحث پر نقد و تبصرہ کیا ہے، جس طرح اسناد اور رواۃ پر جرح و تعدیل کی ہے۔ اور پھر پورے طور پر صورت مسئلہ کو منقح کرنے کے بعد جس طرح اصل مسئلہ کا لب لباب پیش کیا ہے وہ کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا تھا جو ایک طرف تفسیر کا عالم یگانہ ہو۔ دوسری طرف حدیث نبوی پر اس کی وسیع اور گہری نظر ہو تیسری طرف فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کا رمز شناس ہو اور ساتھ ہی ساتھ بہترین متکلم بھی ہو۔ علوم متعلقہ میں مہارت ہو، جملہ علوم اسلامیہ اس کی نظر میں ہوں، صرف و نحو کی باریکیاں بھی اس کی گرفت سے باہر نہ ہوں اور بلاشبہ یہ کام ایسے ہی شخص۔ ابن قیمؒ۔ نے کیا ہے۔

اس سے پہلے حصہ میں بعض ان آیات کی نہایت دل کش جامع و مانع اور مدلل و دل نشین تفسیر ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تعلق رکھتی ہیں۔

پھر مکہ مکرمہ کے فضائل بتائے ہیں اور اس کے خواص کی طرف اشارہ کیا ہے لیلۃ القدر اور شب معراج کے اسرار بھی بتائے ہیں۔ حج اکبر کا ذکر بھی ہے۔ بعثت رسل کی ضرورت پر

روشنی ڈالنے کے بعد آپؐ کا نسب تاریخی اور تنقیدی تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے ضمناً یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰیل تھے، نہ کہ حضرت اسحاق پھر اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ آپؐ کی تربیت کس طرح ہوئی؟ والدین کے انتقال کا بھی ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلے جو آیت آپ پر نازل ہوئی اسے پیش کیا ہے اور اس سلسلہ بعض اہم نکتے بیان کئے ہیں۔

اسماءِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شرح معانی ابن قیمؒ نے کی ہے وہ صرف انہی کا حصّہ ہے یہ فصل اپنی ندرت، اہمیت اور انداز بیان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔

دونوں ہجرتوں کا بیان بھی ہے نیز آپ کی اولاد، اعمام، عمات اور ازواج کے احوال پر بھی تحقیقی نظر ڈالی ہے۔ آپ کے خدام اور کتاب (کاتب) کا تذکرہ بھی ضروری بسط وتفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

آپ کے مکاتیب، فرامین اور قاصدوں کا ذکر بھی ہے جن لوگوں کو آپ نے خدمت اذان سونپی اور جنہیں امارت کے منصب پر فائز کیا ان کا ذکر جمیل بھی کتاب میں ضروری تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ کے سلاح جنگ اور اثاثہ پر بھی نام بہ نام روشنی ڈالی ہے۔ آپ کے ملبوسات سواریوں اور جو کپڑے زیب تن فرماتے تھے ان کی نوعیت پر بحث کی ہے یہ بتایا ہے کہ آپ کے آداب طعام کیا تھے؟ آپ نے کتنے نکاح کئے؟ اہل خانہ کے ساتھ آپ کا سلوک اور برتاؤ کیا تھا؟ آپ کس طرح سوتے تھے؟ کیونکر جاگتے تھے؟ آپ کے آداب رکوب کیا تھے؟ خرید وفروخت کا اصول اور طریقہ کیا تھا؟ روزمرہ کی زندگی کا منہاج اور اسلوب کیا تھا؟ آپ چلتے کس طرح تھے؟ بیٹھتے کس طرح تھے؟ ٹیک کس طرح لگاتے تھے۔ قضائے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے؟ آپ بات کس طرح کرتے تھے؟ سکوت کا رنگ کیا تھا؟ آپ ہنستے کس طرح تھے اور گریہ کے وقت آپ کا کیا حال ہوتا تھا؟ آپ کا خطبہ دینے کا انداز کیا تھا؟

یہ ساری باتیں اس پہلے حصّہ میں کہیں اجمال کے ساتھ کہیں تفصیل کے ساتھ لیکن پوری شان تحقیق کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کے بعد عبادات کا بیان شروع ہوتا ہے اور اس

سلسلہ میں بہت سی چیزوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً آپ کے وضو کرنے کا طریقہ کیا تھا؟ وضو کے وقت آپ کیا پڑھتے تھے۔ مسح۔ تیمم۔ انداز صلاۃ۔ نیت نماز کی تفصیل بھی موجود ہے زیادہ تر آپ کن سورتوں کی اور کن موقعوں پر تلاوت کرتے تھے؟ اور اس کا رمز کیا تھا؟ یہ تفصیل بھی اس حصّہ میں آپ کو ملے گی۔ نسک وعبادت سے متعلق ضروری فقہی مسائل بھی پوری مجتہدانہ شان کے ساتھ موجود ہیں۔

خصائص یوم جمعہ، تلاوت قرآن کے آداب، سفر کی صورت میں رخصت اور سہولت نماز عیدین نماز کسوف۔ نماز خوف، جمع بین الصلاتین۔ جنائز اور متعلقہ مباحث ومسائل نیز رفع یدین۔ سجدہ سہو۔ سجدہ شکر۔ قنوت نوازل۔ زیارت قبور۔ تعمیر قبور۔ قبور انبیا نماز خوف زکوٰۃ صدقہ۔ فطرہ۔ روزہ فوائد صوم تطوع وغیرہ مسائل بھی ملتے ہیں۔

یوم عاشورا کے روزے پر جو بحث کی ہے وہ قابل دید ہے حج اور عمرہ کے سلسلہ میں نفیس مباحث موجود ہیں۔ خاص طور پر قران یا تمتع کے ذیل میں جو بحث کی ہے وہ بہت ہی معرکہ آراء ہے۔

غرض اس کے پہلے حصّہ میں اتنا مواد موجود ہے کہ اگر ابن قیم نے صرف یہی پہلا حصّہ لکھا ہوتا تو شمع نبوت کے پروانوں کے لیے وہ کفالت کرتا تھا! یہ حصّہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور جامع ومانع!

رئیس احمد جعفری (ندوی)
۸۹۔ ٹیگور پارک لاہور

علّامہ ابن قیّم

اس کتاب کے مؤلف کی حیات گرامی کے چند پہلو

منقول من کتاب جلاء العینین للسید نعمان الالوسی البغدادی

علّامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر بن ایوب سعد زرعی، دمشقی، یگانہ روزگار فقیہہ اور مسلک حنبلیؒ پر عامل تھے۔ بلند پایہ مفسر قرآن تھے۔ علم نحو کے امام اور فن کلام کے استاد تھے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے متکلم تھے یہ ابن قیم جوزیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

"الشذرات" میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

"علّامہ ابن قیم کو اگر مجتہد کہا جائے تو درست ہوگا۔ بلکہ مجتہد مطلق تھے"

ابن رجب کہتے ہیں۔

ہمارے شیخ (ابن قیم) ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ کے دامن علم سے وابستہ ہوگئے اور ان سے تحصیل علم کرنے لگے جملہ علوم دینیہ و اسلامیہ انہی سے حاصل کئے فن تفسیر میں اپنا جواب آپ تھے، اصول دین کے رمز آشنا تھے۔ حدیث اور فقہ و معانی حدیث پر نہایت گہری نظر رکھتے تھے وقائق استنباط میں یکتا تھے فن فقہ اور اصول عربیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تصوّف کے بھی لذت آشنا تھے اپنے بعض عقائد کی پاداش میں سجن و زنداں کے آلام بھی برداشت کئے، (بیت اللہ کعبہ کے سوا) قبر رسولؐ کی زیارت کے لئے بھی سفر کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

حد درجہ عبادت گزار تھے تہجد پابندی سے پڑھتے تھے۔ نماز اتنے استغراق وانہماک سے پڑھتے تھے کہ کھو جاتے میری نظر سے کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جو ان کی طرح عبادت گزار ہو۔ قرآن حدیث اور حقائق ایمان کا علم تو گویا ان ہی کے لئے تھا۔ وہ معصوم نہ تھے لیکن ان جیسی ہستی کوئی اور میری نظر سے نہیں گزری کئی مرتبہ امتحان وایذا کے سخت ترین مرحلوں سے گزرے مگر پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔ آخری مرتبہ اپنے شیخ، شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قلعہ میں قید کئے گئے لیکن ان سے الگ رکھے گئے۔ رہائی شیخ (ابن تیمیہ) کی وفات کے بعد ہوئی۔

قید وبند کا یہ وقت ابن قیمؒ نے قرآن کی تلاوت اور اس پر تفکر وتدبر میں بسر کیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے خیر کثیر کے دروازے کھول دیے۔ ان کے تصانیف علوم ومعارف کا گنجینہ ہیں کئی مرتبہ حج کیا، مکّہ میں مقیم بھی رہے اہل مکّہ ان کی کثرت طواف وعبادت پر سخت حیرت کرتے تھے ایک خلق کثیر نے ان سے علم اور انتفاع حاصل کیا۔ ان کے شیخ کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔

قاضی برہان الدین زرعی فرماتے ہیں۔

اس آسمان کے نیچے کوئی بھی ان سے زیادہ وسیع العلم نہ تھا۔

ان کی تصانیف میں تہذیب سنن ابی داؤد وایضاح مشکلات اور سفر ہجرتین۔ اور مراحل السائرین اور الکلم الطیب اور زاد المسافرین اور زاد المعاد (چار جلد) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑی بلند پایہ کتاب ہے۔ نیز ان کی کتابوں میں نقد المنقول اور کتاب اعلام الموقعین من رب العالمین (۳ جلد) کتاب بدائع الفوائد، الصواعق المرسلہ علی الجھمیہ والمعطلہ، حادی الارواح الی بلاد الافراح، نزہتہ المشاقین، کتاب الداء والدواء کتاب مفتاح دار السعادۃ بھی ہیں۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے، نیز کتاب الطرق الحکمیہ وکتاب عدوۃ الصابرین وکتاب اغاثتہ اللهفان کتاب الروح، کتاب الصراط المستقیم اور الفتح القدسی اور التحفتہ المکیہ اور الفتاوی وغیرہ بھی ہیں۔

ابن قیم کی وفات ۱۳/رجب ۷۵۱ھ میں ہوئی۔ باب صغیر کے مقبرے میں دفن کئے گئے کئی جگہوں پر ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

موت سے پہلے خواب میں اپنے استاد تقی الدین کو دیکھا اور ان سے ان کے درجہ کا حال پوچھا۔ انھوں نے بعض اکابر سے بھی اسے بلند بتایا۔ پھر کہا تم بہت جلد ہم سے آملو گے۔

علامہ حافظ ابنِ قیّم

امام ابنِ تیمیہؒ کے تلمیذِ رشید کی داستان حیات

یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم امام ابن تیمیہؒ کے تمام شاگردوں کا ذکر کریں۔ لیکن یہ بھی مشکل ہے کہ ہم امام ابن قیمؒ کو نظر انداز کر دیں، کیونکہ امام صاحب کے بعد وہی ان کے جانشین اور ترکۂ علم کے وارث ہوئے، تحریر و تالیف کے لحاظ سے بھی اور مجادلہ و مناظرہ کے اعتبار سے بھی وہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ اپنے استاذ ابنِ تیمیہؒ سے عمر میں تیس۳۰ سال چھوٹے تھے۔ ابن تیمیہؒ ان کے لئے بہ منزلۂ والد مشفق کے تھے۔ اپنے استاذ ابن تیمیہؒ کی طرح ابن قیمؒ بھی ایسے گھر میں پیدا ہوئے جو علم و فضل کا مرکز تھا۔ ان کے والد المدرستہ الجوزیہ کے قیّم (مدیر و مہتمم) تھے، اسی مناسبت سے ان کا نام ابن قیمؒ الجوزیہ پڑ گیا، جو بعد میں صرف ابنِ قیّم رہ گیا۔ اپنے استاذ کی طرح ان کی نشوونما بھی حنبلی ماحول میں ہوئی۔

ابن قیمؒ صحیح معنی میں علم ابن تیمیہؒ کے حامل تھے، اپنے استاذ کے علم کو بڑھانے پھیلانے اور اس کی توسیع و اشاعت میں انہوں نے غیر معمولی حصہ لیا۔ اسی کی طرف انہوں نے دعوت دی۔ اسی کی جانب سے دفاع کیا اور اسی کی تائید کے لئے تحقیق و تنقیح کی پوری کوشش کی۔ جس چیز کی نشر و دعوت پر انہوں نے بہت زیادہ توجہ کی وہ فقہ ابن تیمیہؒ تھی۔ مسئلہ طلاق پر انہوں نے ابن تیمیہؒ کے افکار و آراء کی خوب خوب پشت پناہی کی ہے اور ان کے فتاویٰ اور اصول بڑی عرق ریزی سے جمع کئے ہیں۔ ابن قیم

نے اپنی دو کتابوں۔ اعلام الموقعین" اور" زاد المعاد" وغیرہ میں فقہ ابن تیمیہؒ کا تذکرہ زرخیز کثرت کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ لیکن استاذ سے اس شیفتگی اور عقیدت کے باوجود حریتِ فکر ورائے سے بھی بہرہ ور ہیں۔ انہیں متعدد علوم میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ ان کے دوست اور رفیق درس حافظ ابن کثیر (صاحب البدایہ والنہایہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں

ابن قیمؒ نے حدیث کی سماعت کی اور زندگی کا بڑا حصّہ علمی مشغلہ میں بسر کیا۔ انہیں متعدد علوم میں کمال حاصل تھا۔ خاص طور پر علم تفسیر اور حدیث وغیرہ میں غیر معمولی دستگاہ کے حامل تھے"

ابن تیمیہ کے حلقۂ درس میں

۷۱۲ھ میں امام ابن تیمیہ مصر سے واپس آئے تو ابنِ قیم ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے۔ اس سے پہلے تک ان میں پختگی نہیں آئی تھی۔ لیکن اب انھوں نے امام صاحب کا دامن پکڑا، ان سے فقہ حاصل کی، ان کا منہاج اختیار کیا اور انہی کے ہو رہے، ابن کثیر کہتے ہیں۔

"۷۱۲ھ میں جب شیخ تقی الدین مصر سے واپس آئے تو ابن قیم ان سے وابستہ ہو گئے اور ان کی وفات تک انہی کے دامن سے وابستہ رہے، علمی ذوق اور شغل تو پہلے سے رکھتے تھے۔ اب امام ابن تیمیہؒ سے علم بے نہایت حاصل کر لیا۔ دن رات طلب علم کی دھن تھی لہٰذا متعدد علوم وفنون میں یگانہ روزگار بن گئے۔ ساتھ ہی کثرتِ عبادت اور ابتہال کی صفت سے بھی متصف تھے"

خصائص گوناگوں

ابن قیمؒ گوناگوں خصائص کے حامل تھے، نرم مزاج، قوی الخلق، اپنے استاذ سے انہوں نے عِلم اخلاص اور ایمان کی دولت حاصل کی۔ لیکن مزاج کی تیزی نہیں۔ ابن کثیر اپنے اس رفیق درس اور دوست کے بارے میں کہتے ہیں۔

" ابن قیم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ محبّت سب سے حسد کسی سے بھی نہیں، نہ کسی کے درپے آزار ہوئے، نہ کسی کی عیب چینی

کی، نہ کسی پر شک میں اکثر ان کے ساتھ رہا ہوں، وہ مجھ سے بہت محبّت کا برتاؤ کرتے تھے، مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے زمانہ میں کوئی شخص ان سے زیادہ عبادت گزار رہا ہو، ان کی نماز بڑی طویل ہوتی تھی، رکوع اور سجود بھی خاصے لمبے ہوتے تھے، بہت سے دوست اور ساتھی اس پر کبھی کبھی انہیں ملامت بھی کرتے تھے لیکن انہوں نے کوئی جواب دیا نہ اس معمول کو ترک کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ"

تصوّف سے مناسبت ابن قیمؒ کو تصوف میں بھی بڑا درک تھا، چنانچہ اس موضوع پر انہوں نے ایک یگانہ اور نادر روزگار کتاب لکھی ہے، جس کا نام مدارج السالکین الیٰ منازل ایاک نعبد وایاک نستعین ہے۔ اس کتاب میں علم حقیقت اور علم شریعت کے اسرار وحکم بیان کئے ہیں۔ یہ ایسی کتاب ہے، جس میں فکرِ حکیم، خلق قویم اور تدیّن ومسلکِ سلف کا صحیح فلسفہ سب کچھ موجود ہے۔

ابن قیم نے بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جو ایک طرف تو استاذ (ابن تیمیہؒ) کے علم کا خلاصہ ہے، دوسری طرف استاذ کی تحقیقات کے نتائج وثمرات اور تنویعات وتوجیہات ہیں۔ ابن قیمؒ نے جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

اعلام الموقعین، الوابل الصیّب فی الکلم الطیب، مدارج السالکین، زاد المعاد، اغاثۃ اللهفان، حادی الارواح، بدائع الفوائد، مفتاح دار السعادۃ، الطرق الحکمیہ، عدۃ الصابرین الداء والدواء (الجواب) الکافی اجتماع الجیوش الاسلامیہ، الصراط المستقیم الفتح القدسی۔ التحفۃ المکیّۃ، زاد المسافرین۔

سلف کا نور اور سابقین کی حکمت حافظ ابن قیمؒ کی تحریریں اپنے شیخ ابن تیمیہؒ کی اکثر تصانیف کی طرح جدلی طرز کی نہیں تھیں۔ بلکہ ان میں نرم خوئی اور سکونِ خاطر کی جھلک موجود ہے۔ اگرچہ فکر کی گہرائی، استدلال کی قوت اور جوش بیان پورے طور پر نمایاں ہے، نیز ابن قیمؒ کی تصانیف، حسن ترتیب، خوبی بتویب، نظم افکار اور روانی عبارت کی آئینہ دار ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا

وہ دل جمعی کے عالم میں لکھا، اس امر کی واضح ترمثال میں ان کی تین کتابوں کو پیش کیا جا سکتا ہے، یعنی مدارج السالکین، عدۃ الصابرین اور مفتاح دار السعادۃ ان کتابوں میں فلسفہ کی گہرائی بھی ہے اور جمال فنی بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیم کی تصانیف میں سلف کا نور اور سابقین کی حکمت موجود ہے۔ صحابہ وتابعین کے اقوال سے استشہاد وہ بھی بہت زیادہ کرتے ہیں۔ لیکن اپنے استاذ سے کم۔ اگرچہ یہ سارا فیض استاذ ہی کے چشمۂ صافی کا ہے۔

زاد المعاد کا اسلوب و انداز

امام ابن قیمؒ کے طرزِ نگارش پر ایک نظر

زاد المعاد ایک طویل و ضخیم کتاب ہے اسے اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ گرامی آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور اعمال شب و روز کی انسائیکلو پیڈیا قرار دیا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ سرورِ کائنات کی رفتار و گفتار، سیرت و صورت، خصائل و شمائل، عادات، اخلاق، اوصاف اور صفات سے متعلق کوئی جزئی سے جزئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو ضبطِ تحریر میں نہ آگئی ہو، اس پر نقد و جرح نہ کی گئی ہو، اسے جانچا اور پرکھا نہ گیا ہو، اس کے رواۃ و اسناد پر تحقیقی نظر نہ ڈالی گئی ہو، اس کے مفہوم و معنی پر سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو ظاہر ہے جو کتاب اس اہتمام سے لکھی جائے گی وہ مختصر نہیں ہو سکتی، اسے طویل اور ضخیم ہونا ہی چاہیئے۔ اور اتنی طویل و ضخیم کتاب میں سہو فکر و نظر بھی بالکل طبعی اور قدرتی ہے لیکن من حیث المجموع یہ کتاب یکتا اور بے ہمتا ہے۔ اس پایہ کی کتاب عربی زبان میں نہ اس سے پہلے لکھی گئی نہ بعد میں اور شاید آئندہ بھی نہیں لکھی جا سکے گی۔

علامہ ابن قیمؒ نے یہ کتاب درحقیقت ان لوگوں کے لئے لکھی ہے جو سیرت رسالت مآبؐ کا تحقیقی اور تاریخی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں قرآن کی تفسیر بھی ہے اور حدیث کی تشریح بھی۔ راویانِ حدیث پر جرح بھی ہے اور فقہ کے مسائل بھی۔ غزواتِ نبویؐ کی تاریخ بھی ہے اور مکی و مدنی زندگی کی مستند تفصیل بھی۔ ضمناً اور بھی بہت سے متعلق اور غیر متعلق مباحث آگئے ہیں۔

علامہ ابنِ قیمؒ، امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ انہیں اپنے استاذ پر فخر ہے، ناز ہے وہ استاذ کی ہر بات کی تائید کرتے ہیں، بعض مختلف فیہ مسائل کا تذکرہ کرنے کے بعد کہیں کہیں ایسا بھی کیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کا قول یا مسلک بیان کر دیا ہے اور اسے حرفِ آخر اور قولِ فیصل قرار دے کر گفتگو ختم کر دی ہے، استاذ کی ذات گرامی سے سعادت مند شاگرد کا یہ والہانہ ربط و تعلق بڑی دلچسپ اور سبق آموز چیز ہے۔ لیکن تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ بات ذرا کھٹکتی بھی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک، متعدد مسائل میں جمہور علماء و ائمۂ اسلام سے مختلف ہے، ایسے مواقع پر ابن قیمؒ نے استاذ کا ساتھ دیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر وہ اپنے اور اپنے استاذ کے مطابق فکر کے اسباب و محرکات اور بواعث و علل کو بھی ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتے تو صورتِ مسئلہ اور زیادہ واضح اور منقح ہو جاتی۔

علامہ ابن قیم کا طرز تحریر اور اسلوب نگارش، سادہ، عام فہم اور دلکش ہے، لیکن جہاں کہیں صرفی اور نحوی بحثیں کرتے ہیں، یا معانی و بیان کے دقیق اور بلیغ ہو گیا ہے، جس کا ایک عام آدمی کے لئے سمجھنا آسان نہیں ہے، لیکن ایسے مواقع زیادہ نہیں ہیں یا اگر ہیں تو زیادہ طویل نہیں ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں علامہ ابن قیمؒ کی شخصیت مجمع البحرین ہے۔ وہ علوم عقلی و نقلی میں یکساں کمال رکھتے ہیں اور اپنے مدعا کو بغیر کسی جھجک کے پورے زور شور کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور کوئی شبہ نہیں ان کے دلائل میں زور بھی ہے۔ وزن بھی اور قوت بھی۔ لیکن اپنے نقطہ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے لئے وہ سخت اور درشت الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں، گو یہ چیز اس زمانہ میں جو ابن قیم کا عہد تھا عام تھی۔ اور بحث و مناظرہ میں متحارب فریقین ایک دوسرے کے فکر و نظر کے ساتھ مصالحت برتنے کے قائل نہ تھے اس لئے یہ چیز حیرت انگیز تو نہیں لیکن ابن قیمؒ کی علمی، تحقیقی اور دینی عظمت کی سطح سے مسطح نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کی طرح علامہ ابن قیمؒ کا اصول، مسلک، عقیدہ اور ایمان بھی وہی تھا جس کی ترجمانی اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

وہ کٹر حامی سنّت ہیں، بدعت کے سخت مخالف، جو چیز سنّت رسولؐ کے مطابق نظر آتی ہے اسے دل وجان سے قبول کر لیتے ہیں جو چیز سنّت رسولؐ کے خلاف نظر آتی ہے اسے بیخ وبن سے اکھاڑ ڈالنے میں اپنا سارا زور اور پوری قوت وتوانائی صرف کر دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں نہ کسی کے ساتھ رعایت کرتے ہیں، نہ مصالحت، نہ رواداری۔ چنانچہ دوسرے ائمہ فقہ جو ان کے مسلک سے اتفاق نہیں رکھتے جب ان کا مسلک زیر بحث آتا ہے تو علامہ ابن قیم ان کے خلاف بے دھڑک وہ تمام باتیں کہہ دیتے ہیں جو ان کی نوکِ قلم پر آجاتی ہیں۔

ایک چیز جو خاص طور پر اس کتاب کے مطالعہ سے نظر کے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ علامہ ابن قیم کا دل حبّ رسولؐ کے نشہ سے سرشار تھا، لیکن ان کا حبّ رسولؐ حدود سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ وہ کسی صورت اور کسی حیثیت میں بھی حبّ رسولؐ کو جذبۂ توحید سے متصادم نہیں ہوتے دیتے۔ ان کی توحید اتنی سخت، بے لچک اور غیر مفاہمت پسند ہے کہ مخالفوں نے اس چیز کی آڑ لے کر انہیں اور ان کے استاذ والاشان امام ابن تیمیہؒ کو ہدف مطاعن اور ہدفِ ستم بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی گئیں، ان پر ناواجب اور ناروا پابندیاں عائد کی گئیں، انہیں نظر بند کیا گیا، جلاوطنی کے مصائب برداشت کرنے پڑے، سجن وزنداں کی عقوبتوں کا سامنا کرنا پڑا صعوبتوں لیکن ان کے عزم واستقامت میں فرق نہیں آیا اس لئے نہیں آیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے۔ وہ ان کے اعتقاد جازم کا نتیجہ تھا اور عقیدہ کی ٹکر کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں سہ سکتی۔

اگر امام ابن تیمیہ اور علامہ ابنِ قیم مفاہمت پسند ہوتے، اصولی اور بنیادی معاملات میں مداہنت کی کارفرمائی گوارا کر سکتے، عقیدے کو مصالح اور حالات

پر قربان کر سکتے تو یقیناً انہیں دنیا میں اس سے کہیں زیادہ وقار، دبدبہ اور شکوہ و جلال حاصل ہوتا جو ان کے معاصرین کرام کو حاصل تھا، لیکن انہوں نے یہ راہ نہیں اختیار کی وہ راستہ اختیار کیا، جو روح فرسا اذیتوں، آزمائشوں اور تکلیفوں کا راستہ تھا۔ اس راستے پر چلنے سے جان، جان آفرین کو سونپ دی مگر اس سے روگرداں ہونا گوارا نہ کیا۔

کوئی شبہ نہیں بعض اجل علماء امام ابن تیمیہ اور علامہ ابنِ قیم کی انتہا پسندی کے شاکی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس انتہا پسندی کے باعث ان کی زبان اور قلم سے ایسی باتیں نکل گئیں جنہیں زیادہ سے زیادہ فراخی حوصلہ کے باوجود سہو فکر و نظر قرار دیئے بغیر چارہ نہیں اور کوئی شبہ نہیں اس قول میں وزن بھی ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں صداقت بھی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور میرا خیال ہے ان کا بدترین مخالف بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے افکار و خیالات اور عقائد کی بنیاد جس چیز پر استوار کی تھی وہ تھا حبِ رسولؐ کا جذبہ، اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو وہ اتنی عظیم اور ناقابلِ فراموش قربانیاں نہیں دے سکتے تھے جو انہوں نے دیں۔

قرآن کی تفسیر میں یا حدیث کی شرح میں یا اجتہادی مسائل میں، رسولؐ کے سوا کسی کا قول بھی قولِ آخر نہیں ہو سکتا۔ اس پر بحث و گفتگو اور نقد و جرح کی پوری گنجائش ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ ابن قیم اور اس مکتبِ فکر کے دوسرے اکابر کے افکار و آراء شرح و تفسیر اور مجتہدات کا جہاں تک تعلق ہے انہیں بھی بہر صورت اور بہر نوع حرفِ آخر نہیں قرار دیا جا سکتا ان میں بحث و گفتگو اور نقد و جرح کی گنجائش ہے اور ان حضرات کے زمانہ سے اب تک یہ سلسلہ جاری بھی ہے اور جب تک تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا جاری رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی یہ حضرات جمہور کی ڈگر سے ہٹے ہیں انہوں نے اپنے ساتھ ناانصافی کی ہے، نہ اپنے مخالفوں اور حریفوں کے ساتھ نہ اپنے معتقدین کے ساتھ، نہ اپنے قارئین کے ساتھ، انہوں نے بلاشبہ بڑے زور شور سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور اس کو مرجح اور راوی قرار دیا ہے۔ لیکن دوسروں کے افکار و خیالات، دلائل اور معتقدات، اسلوبِ فکر اور منہاج نظر کو بھی پیش کرنے میں نہ

صرف تحمل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ناانصافی بھی نہیں کی ہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والا گو ان حضرات کے عمیق مطالعہ، گہرائی فکر اور وسعتِ معلومات کا قائل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے سامنے دوسرا نقطۂ نظر بھی پوری وضاحت کے ساتھ آجاتا ہے اور اس روشنی میں وہ خود بھی اپنی بصیرت اور فہم کے مطابق ایک رائے قائم کر سکتا ہے اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ رائے وہی ہو جسے مرجح اور اولیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یہ چیز عام مناظرانہ انداز سے بالکل ہٹی ہوئی ہے مناظر کا مقصد ایک اور صرف ایک ہوتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو حریف کو زک دی جائے، اسے شکست سے آشنا کیا جائے، اس کے دلائل کو بودا ثابت کیا جائے، اس کے ادلّہ اور افکار و خیالات کو مزعومات محض ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا جائے۔ لیکن ایک حق پسند، ایک طالب حق یہ طریقہ نہیں اختیار کرتا۔ اس میں اتنا حوصلہ ہوتا ہے کہ اپنی کہے اور دوسرے کی سنے، خلوص صداقت اور دیانت فکر کو صرف اپنی متاع نہ قرار دے، دوسروں کو بھی اس کا مستحق سمجھے دوسروں کو بھی یہ حق دے کہ وہ آزادی کے ساتھ سوچیں، غور کریں، مطالعہ کریں، دلائل کا موازنہ کریں اور اس کے بعد ایک رائے قائم کریں اور وہ رائے صرف تقلید جامد پر مبنی نہ ہو، بلکہ آزادی فکر و نظر پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہو۔

علمی اور دینی مسائل میں جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ صورت مسئلہ پورے طور پر منقح کر دی جائے، دلائل میں کسی طرح کا جھول نہ ہو، ہر نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی جائے، اسناد، روایات اور رواۃ کے بارے میں پوری تحقیق اور تفتیش کی جائے اور کسی کے ساتھ نہ رعایت کی جائے نہ کسی کو ہدف انتقام بنایا جائے۔ وہاں اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ اپنے مفہوم اور مقصد کو ایسی عبارت، ایسے الفاظ اور ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ وہ عام فہم ہو، اس کے سمجھنے اور تہ تک پہنچنے میں کسی طرح کی دشواری نہ پیش آئے اور بلاشبہ زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے

(سید) رئیس احمد جعفری (ندوی)

زادالمعاد

فی

ھدی خیر العباد

آغازِ سخن

میرے مولیٰ اس بندۂ ناچیز کی مشکل آسان کردے! اے خدائے کریم اس بندۂ مجبور کی اعانت کر اور ہمارے سیدنا محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرما! سب ستائش اللہ کے لئے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ انجام خیر ان کے لئے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور ہلاکت ان کے لئے ہے جو ظالم ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں (تو ہی) اگلوں اور پچھلوں کا معبود ہے، زمینوں اور آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے۔ بعز جنبا کا مالک ہے کہ اس کی اطاعت کے بغیر نہ کوئی کامرانی ہے نہ کامگاری، اس کے جلال کے سامنے عاجزی کے بغیر عزت نہیں۔ اور اس کی احتیاج رحمت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے نورِ (ہدایت) کے بغیر کہیں راہ یابی نہیں۔ زندگی اس کی رضا میں ہے اور نعمت اس کے قرب میں ہے قلب کی صلاح و فلاح صرف اس کا ہو رہنے میں ہے اور اس کی صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس کی اطاعت کرے تو شکر گزار ہو اور اگر غلطی کر بیٹھے تو توبہ و استغفار کرے۔

اور جب اُسے بلایا جائے تو (فوراً) جواب دے اور جب نیک عمل کرے تو ثواب کی اُمید رکھے۔ اور سب تعریفیں اُس باری تعالیٰ کے لئے ہیں کہ تمام موجودات و مخلوقات جس کے پروردگار ہونے کی شاہد ہے اور تمام مصنوعات نے اس کی الہیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بس وہی ایک اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی صنعتیں کیسی حیرت آفرین اور اس کی نشانیاں کیسی تحیر خیز ہیں اس نے عجیب عجیب صنعتیں اور حیرت انگیز چیزیں پیدا فرمائیں ہم اس کی مخلوقات کے شمار اور اس کی رضا کے مطابق اس کے عرش اور اس کے کلمات کی روشنائی کی حد تک اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اس یکتا خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، جس طرح اس کی ربوبیت میں کوئی اس کا وزیر نہیں اسی طرح الہیت

میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کی ذات، صفات اور افعال میں کوئی اس کا شبیہہ نہیں وہ سب ہی سے بڑا ہے۔ وہ حمد کثیر کا سزاوار ہے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ ہی کی پاکیزگی بیان کی جاتی ہے اور وہ ذات پاک ہے کہ آسمان اور اس کے ستارے، زمین اور اس کے ساکنین سمندر اور اس کی مچھلیاں غرض ستارے ہوں یا پہاڑ درخت ہوں یا چوپائے۔ سنگریزے ہوں یا ریت کے ذرّے بلکہ ہر رطب و یابس اور ہر زندہ و مردہ اس کی پاکیزگی میں رطب اللسان ہے۔ یہ ہفت آسمان، یہ زمین اور زمین و آسمان کی مخلوقات۔ غرض ہر ایک کی زبان پر صرف اسی کی حمد و تسبیح ہے۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں، جو اس کی ثنا و صفت میں سرگرم نہ ہو گو تمہارے کان ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ یقیناً وہ علیم ہے بخشنے والا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اس ذات یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی ایک کلمہ ہے جس کے باعث زمین و آسمان قائم ہیں اور ایسی حقیقت کا ظہور ہے جو تمام مخلوقات کا سبب وجود ہے۔ اسی کو لے کر اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السّلام مبعوث ہوئے اور صحائفِ آسمانی نازل ہوئے اور شرائع مرتب ہوئے اور اسی کے ردّو قبول کے لئے میزان نصب کی گئی اور صحیفے لکھے گئے اور جنّت و دوزخ کا بازار لگا اور اسی ردّو قبول کے باعث لوگ مسلمان اور کافر، صالح اور بدکار دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ بس یہی منشاءِ خلق و امر اور ثواب و عقاب ہے۔ یہی وہ حق ہے جس کی خاطر مخلوقات پیدا کی گئی اور اس کے اقرار اور اس کے ادائے حقوق ہی پر سوال و حساب ہوگا۔ اور اسی بنیاد پر قبلہ قائم کیا گیا اور اسی پر ملّت کی اساس ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کی سربلندی کے لئے جہاد کی تلواریں میان سے باہر نکلیں۔ یہ جمیع عباد پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہی کلمۂ اسلام اور مفتاح دار السّلام ہے اور اسی کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پرسش ہوگی۔

اور بندہ دو سوالوں کا جواب جب تک نہ دے لے اس وقت تک اس کے پاؤں سے زمین سے جنبش نہ کر سکیں گے۔

- ایک سوال یہ کہ تم کسے پوجتے تھے؟
- دوسرا سوال یہ کہ انبیاء کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا؟

۔ پہلے سوال کا جواب ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
۔ اور دوسرے کا جواب معرفت، اقرار، انقیاد اور طاعت کے ساتھ یہ ہے کہ بلاشبہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔

یعنی بلاشبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے ہیں، رسول ہیں، امین وحی الٰہی ہیں۔ اس کی مخلوق میں سب سے بہترین اس کے بندوں کے درمیان سفیر ہیں۔ وہ دین قویم اور راہ مستقیم کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمت اللعالمین اور امام المتقین اور تمام مخلوقات کے سامنے ایک حجّت بنا کر بھیجا اور انبیاء علیہم السّلام کے انقطاع کے بعد وہ مبعوث ہوئے۔ آپؐ نے پائیدار راہ کی ہدایت فرمائی اور طریقہ ہائے زندگی کی وضاحت فرمائی۔ اللہ نے بندوں پر ان کی اطاعت، مدد، احترام اور الفت لازم فرمادی۔ اور ان کے ادائے حقوق کی تلقین فرمائی اور جنّت کے لئے کئی راستوں کا آڑ بنادیا، ان میں سے کوئی راستہ بھی نہیں کھل سکتا جب تک وہ آپؐ کا راستہ نہ ہو، خدا نے آپؐ کا شرح صدر فرمایا اور آپؐ کے ذکر کو سربلندی عطا فرمائی، آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا اور جس نے آپؐ کی مخالفت کی اس پر ذلّت اور رسوائی مسلط کر دی۔

مسند میں حضرت ابومنیب جوشی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر مبعوث کیا گیا۔ تاکہ صرف خدائے یکتا کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق میرے نیزے کے سایہ میں لکھ دیا۔ اور جس نے میری مخالفت کی اس پر ذلّت اور رسوائی مسلّط کر دی گئی اور جو جس قوم سے مشابہت رکھے گا وہ اسی کا ایک فرد سمجھا جائے گا۔

چند آیتوں کی تفسیر

پس جب کہ رسوائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے لئے مقدر ہو چکی تو اب عزت اور سربلندی و رفعت صرف آپؐ کے اطاعت گزاروں اور فرمانبرداروں کے لئے ہی ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ یعنی نہ سست ہو اور نہ غم زدہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔

اور (دوسری جگہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین یعنی عزت اللہ اس کے رسول اور صرف مسلمان کے لیے ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون واللہ معکم۔ یعنی سست نہ ہو اور اسلام کی طرف دعوت دیتے رہو، اور تم ہی سربلند رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: یا ایھا النبیّ حسبک اللہ ومن اتّبعک من المومنین۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تیرے اور تیری پیروی کرنے والے مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔ صرف اللہ آپؐ کی مدد کے لئے کافی ہے اور آپؐ کے متبعین کے لئے بھی کافی ہے کہ وہ اس کے علاوہ اور کسی کے محتاج نہ ہوں گے۔

یہاں دو مقدرات ہیں۔ ایک واو (جو حرف عطف ہے) تو اب مَن کو معطوف اور کَ کو معطوف علیہ کہا جائے گا۔ (یاد رکھئے) کہ (علمائے نحو) کے ہاں یہ بھی مختار ہے کہ حرفِ جار

دوبارہ لائے بغیر ضمیر مجرور پر عطف کو جائز سمجھا جائے اور (عربی زبان میں) اس کے شواہد بکثرت ملتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ واؤ کو بمعنی مَعَ لیا جائے اور منصوب حالت پر سمجھتے ہوئے اسی کا عطف حَسْبُ پر کر دیا جائے کیونکہ حسبك کے معنی (كافيك) (تیری مدد کو کافی ہے) ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ ہی تیری (مدد) کو کافی ہے اور جو تیرے فرمانبردار ہیں۔ ان کے لئے بھی وہی کافی ہے۔

جیسا کہ عرب کہتے ہیں حسبك وزيدا درهم یعنی تیرے اور زید کے لئے ایک درہم کافی ہے" جیسا کہ ایک شاعر نے بھی کہا ہے ؎

اذا كانت الهيجاء وانشقت العصا

فحسبك والضحاك سيف مهند

یعنی جب میدان کارزار گرم ہو اور لاٹھی ٹوٹ جائے تو تیرے اور ضحاک کے لئے ہندی تلوار کافی ہے۔

اور یہ آخری تقدیر زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔

یہاں پر ایک تیسری تقدیر بھی بیان کی جاتی ہے کہ مَنْ کہ مبتدا مرفوع مان لیا جائے اور اس کا عطف اللہ پر کیا جائے تو پھر اس کے معنی ہوں گے کہ تیرا اللہ اور تیرے ماننے والے (صحابہؓ) تیری (نصرت کے لئے) کافی ہیں۔

اگرچہ بعض لوگوں نے ایک آخری یعنی چوتھا مطلب بھی لیا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے آیت کا مطلب اس طرح لینا بالکل ہی نامناسب ہے، کیونکہ کافی وافی ہونا تو اللہ جل شانہ، ہی کی صفت خاص ہے جیسے اس پر توکّل کرنا، اس سے ڈرنا، اس کی عبادت کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان يريدوا ان يخدعوك فانّ حسبك الله هو الذى ايّدك بنصره وبالمؤمنين۔

یعنی اگر وہ چاہیں کہ تجھے دغا دیں تو تجھے کافی ہے اللہ۔ وہی ہے جس نے تیری سے اور

مسلمانوں کی اپنی نصرت سے تائید کی۔ تو یہاں پر حسب وَاَیَّدَ (تائید) میں امتیاز بتا دیا اور کافی (حسب) کو اپنی صفت خاص کی حیثیت میں ذکر فرمایا اور اپنی مدد کے وعدے یعنی "تائید" کو اپنی اور بندوں کی صفتِ عامہ فرمایا (نیز) اللہ تعالیٰ نے اپنے متوکل اور موحد بندوں کی تعریف فرمائی کہ انھوں (بندوں) نے اللہ واحد کو ہی کافی سمجھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ایسے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرمایا۔

"الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل"

یعنی جن سے لوگوں نے کہا کہ انھوں نے تمہارے مقابلے کے لئے سرو سامان جمع کیا ہے سو ان سے ڈر گئے۔ پھر ان کا ارمان بڑھ گیا اور انھوں نے کہا کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ کیا خوب کارساز ہے۔

توحید خالص بغیر شرک کے

انھوں نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہمیں تو اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ جب انھوں نے اس طرح اقرار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف اسی (توکل علی اللہ) کی وجہ سے فرمائی۔ (تو جب خدا کے ہاں توحید اس قدر اہم ہے) تو پھر وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیونکر کہہ سکتا تھا کہ اللہ اور تیرے پیروکار تیری (مدد) کے لئے کافی ہیں۔ حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں۔ یعنی صحابہ کرامؓ نے کافی ہونے کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو یکتا تسلیم کر رکھا ہے اور اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے رسول کو اس صفت میں شریک سمجھا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کافی (مددگار) ہونے کی حیثیت اختیار کر کے خود ہی اللہ تعالیٰ کے شریک بن بیٹھتے۔ یہ تو بالکل ہی انہونی اور قطعاً غلط تر بات ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولو انھم رضوا ما اتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون۔

" یعنی (اور) اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جائیں جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے

اور کہیں۔ اللہ کافی ہے ہم کو۔ عنقریب اللہ انہیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی۔ یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔"

ذرا غور تو کیجئے کہ عطا کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت قرار دیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا :

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ

"یعنی جو تمہیں رسول دے اُسے لے لو" اور حسبُ (کافی ہونا) اپنے لئے ہی مخصوص رکھا اور یوں نہیں فرمایا، حسبنا اللہ ورسولہٗ

یعنی ہمیں اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔

بلکہ کافی ہونا اپنا ہی حق جتایا، جیسے کہ مذکورہ آیت میں ہے۔

انّا الی اللہ راغبون۔

"یعنی یقیناً ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں"

اور یہاں پر ساتھ ہی یہ نہیں فرمایا کہ" اور اس کے رسول کی طرف بھی" بلکہ رغبت کو محض اپنی ذات کے لیے مختص فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فاذا فرغت فانصب والی ربّک فارغب

"یعنی پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا"

تو رغبت، توکل، انابت اور حَسْبُ (کافی ہونا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ (بالکل اسی طرح جیسے کہ عبادت، تقویٰ اور سجدہ محض اللہ تعالیٰ کو روا ہے اور نذر و حلف بھی اللہ جل شانہٗ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

الیس اللہ بکاف عبدہٗ۔

"یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں؟

حَسْبُ بھی کافی ہونا ہی ہوتا ہے تو جب اللہ نے آگاہ فرمایا کہ دیکھو وہ (اللہ) تنہا ہی اپنے بندوں کی (مدد) کے لئے کافی ہے تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کافی ہونے کے لئے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین کو بھی شریک بنا لے۔ اس لغو تاویل کو غلط ثابت کرنے

کے لیے ہمارے پاس اتنے دلائل ہیں جن کی تفصیل غیر ضروری ہے اس جگہ مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے سے ہدایت اصلت نفس اور کامرانی عطا ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کی طرف سے عزت، کفایت اور مدد بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہی کے ذریعہ مل سکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں جہاں کی سعادت آپ کی اطاعت میں اور دونوں جہان کی شقاوت آپ کی نافرمانی میں رکھ دی۔ اسی لئے آپ کے ماننے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں ہدایت، امن، کامرانی، عزت، کفایت، مدد، کارسازی، تائید اور آسودگی زندگی کی ضمانت ہے اور آپ کے مخالفین کے لئے دُنیا و آخرت میں ذلت، رسوائی، گمراہی، شقاوت اور بدبختی اٹل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرما دیا ہے۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی جان، بچوں، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ رکھے۔

اور اللہ نے بھی قسم کھا کر فرما دیا۔

"جو آدمی اختلافات و تنازعات کی صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ سمجھے وہ مومن نہیں پھر ان کے فیصلہ پر قلبی رضامندی بھی ضروری ہے۔ جیسا بھی وہ فیصلہ فرما دیں، یہاں تک کہ اُن کے فیصلہ کے خلاف اوّل میں ذرا سی بھی تنگی تک محسوس نہ ہو بلکہ دل و جان سے تسلیم کر لے اور ان کی قیادت کو کلیتہً مان لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً ان يكون لهم الخيرة۔

(یعنی اور کسی مومن مرد، کسی مومن عورت کو حق نہیں کہ جس وقت اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو انہیں کوئی اختیار باقی رہا ہو)

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کے سامنے "اختیار" بھی سلب کر دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پہنچنے کے بعد ایک مومن (تسلیم کے سوا) قطعاً کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بلکہ جب آپؐ نے حکم صادر فرما دیا تو سمجھئے کہ اب یہ حکم ایک امر لازم ہے!

رسول ﷺ کے سوا کوئی مطاع نہیں البتہ آپؐ کے علاوہ دوسروں کے اقوال میں اختیار ضرور حاصل ہوگا۔ کیونکہ ان کا معاملہ غیر واضح ہے جیسے آپ کے علاوہ قرآن وحدیث جاننے والے کے اہل علم وسُنّت! پس ان شرائط کے ماتحت غیر رسول کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ یعنی آپؐ کے سوا کسی کا اتباع "واجب" نہیں ہوگا۔ اب اگر کسی نے غیر رسول کا قول ترک کر دیا تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہگار نہ سمجھا جائے گا۔

ویسے بھی یہ بات قابلِ غور ہے کہ تمام لوگوں پر غیر رسول کی اطاعت کس طرح لازم اور اس کی مخالفت حرام قرار دی جا سکتی ہے؟ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پہنچ جانے کے بعد ہر دوسرے قول کو مسترد کر دے، کیونکہ آپؐ کے حکم کے بعد کسی کا حکم قابل قبول نہیں۔ نہ آپؐ کے قول کے بعد کوئی قول قابلِ تسلیم ہے، نہ آپؐ کے مسلک کے علاوہ کوئی مسلک لائقِ اختیار ہے۔]

غیر رسول کا اتباع اُسی وقت لازم ہوتا ہے جب وہ ایسی بات کا حکم دے جس کا رسولؐ نے حکم دیا ہو۔ اور جس سے رسولؐ نے منع کیا ہو اس سے روکے، اس طرح اس کی حیثیت محض ایک مبلّغ اور خبر رساں کی ہوگی قطعاً اُسے کوئی بنیادی یا اساسی حیثیت حاصل نہ ہوگی لیکن جس نے اپنی سمجھ اور تاویلات سے اُصول وضع کئے اور اساسی قواعد مرتب کئے تو اُمت پر ان کا اتّباع کرنا اور اس کے قول کو قولِ فیصل قرار دینا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ارشادات کے مطابق اور ہم آہنگ نہ ہو، جسے لے کر آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ ایسے اقوال واحکام وحی وتعلیماتِ الٰہی سے متوافق ہونے کی صورت ہی میں قبول کئے جا سکتے ہیں، ورنہ بے تامل ان کا رد واطراح لازم آئے گا اور انہیں کسی صورت میں بھی مورد قبول نہیں قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ہر دو صورتوں میں سے کوئی صورت بھی واضح نہ ہو، تو پھر توقف سے کام لینا پڑے گا۔ اور قول حسن یہی ہے کہ اس قول موقوف کے مطابق فتویٰ دینا اور نہ دینا دونوں جائز ہیں۔

ایک آیۂ کریمہ کی تفسیر علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا تنہا خالق اور مختار کل ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:۔

وربك يخلق ما يشاء ويختار -

"یعنی اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے۔"

اس جگہ متکلمین کا بیان کردہ ارادہ و اختیار مراد نہیں کہ وہ "فاعل مختار ہے" اور اللہ اگرچہ (فاعل مختار) ہے۔ لیکن یہاں اختیار سے ایسا مطلب مراد نہیں کہ یہ اختیار تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "یخلق ما شاء" میں داخل ہے کیونکہ وہ اختیار ہی سے تو پیدا فرماتا ہے اور اس کے فرمان "ما یشاء" میں مستور ہے، کیونکہ مشیت ہی تو اختیار ہے۔

حقیقتاً یہاں اختیار سے مراد اجتباء اصطفا یعنی چن لینا اور پسند کر لینا، یعنی اختیار بعد خلق ہے اور اختیار عام سے مراد اختیار قبل الخلق ہے۔ پس اس امر کے پیشِ نظر یہ صفت عام ہے اور وہ خاص اور جو صورت متاخر ہے وہ مخلوق میں اختیار سے متعلق ہے اور جو پہلی صورت ہے اس سے مراد خلق کرنے یعنی پیدا کرنے کا اختیار ہے اور ہر دو اقوال میں صحیح تر قول، قول تبارکؐ تعالیٰ "یختار" پر وقف تام ہے۔

اور یہ ارشاد کہ:

ما كان لهم الخيرة -

"یعنی انہیں کوئی اختیار نہیں۔"

یہ نفی ہے کہ دراصل اس اختیار کی نفی مخلوق کے لئے ہے۔ کیونکہ اختیار صرف خدائے یکتا کی صفت ہے پس جس طرح وہ خالق ہونے کی حیثیت میں منفرد ہے اسی طرح مختار (اختیار کرنے والا) ہونے کی حیثیت میں منفرد اور یکتا ہے۔ لہٰذا کسی کی مجال نہیں کہ وہ "خلق" کر سکے یا "اختیار" کر سکے۔ خلق اور اختیار تو تمام تر خدا کا کام ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے مواقع اختیار کو بہت اچھی طرح جانتا ہے اور اپنے محل رضا سے آشنا ہے۔ اور مختار ہونے کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ اُسے اور دوسروں کو مشترکہ طور پر حاصل نہیں ہیں ان میں کوئی بھی کسی طرح بھی اس کا شریک نہیں۔

اور وہ لوگ جنہیں تحقیق سے کوئی مس نہیں اس آیتہ کریمہ کی اس طرح شرح کرتے ہیں کہ ما كان لهم الخيرة میں "ما" موصولہ ہے اور یہ (جملہ) مفعول ہے اور رہا لفظ "یختار" تو اس

سے مراد یہ ہے، "وہ لوگ جنہیں اختیار حاصل ہے وہی اختیار کا حق استعمال کرتے ہیں"
یہ بات متعدد وجوہ سے باطل ہے۔
منجملہ ان کے ایک یہ کہ کوئی ایسا مقام نہیں کہ جہاں مرجع محذوف سمجھا جائے نیز اسی طرح جب ہم معنی اور موصولہ حرف جار سے مجرور بنایا جائے تب ہی مجرور محذوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

یاکل مما تاکلون منہ ویشرب مما تشربون۔

"یعنی وہ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم پیتے ہو
اور ایسی ہی دیگر امثال۔
اور نحوی طور پر بھی یہ کہنا غلط ہے۔" جاءنی الذی مررت بہ ورأیت الذی رغبت وغیرہ دوسرے اگر یہ مطلب لیا بھی جائے تو الخیرۃ کو منصوب ماننا پڑے گا اور صلہ کا فعل ایسی ضمیر سے متصف ہوگا۔ جو موصول کی طرف راجع رہی ہے تو اب گویا کہ کلام یوں ہوا۔ ویختار ما کان لھم الخیرۃ۔ یعنی اور وہ ان کو اختیار کرتا ہے کہ جنہیں اختیار حاصل ہے یعنی جو عین اختیار تھا وہ انہیں کو حاصل تھا اور یہ قرأت تو کسی سے بھی مذکور نہیں علاوہ ازیں اس مطلب کو اگر مانا جائے تو کئی مزید اشکالات بھی لاحق ہو جاتے ہیں۔
ایک تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے متعلق ان کے مفروضہ اختیارات اور ارادوں کے جبر کی حکایت کرتا ہے اور اس صفت اختیار میں اپنی انفرادیت بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم أھم یقسمون رحمۃ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیاۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون۔

یعنی اور انہوں نے کہا کیوں نہیں نازل کیا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی اور آدمی پر کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنے والے ہیں۔ ہم نے دُنیا کی زندگی میں

ان کی معاش تقسیم کر رکھی ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے درجوں کے اعتبار سے۔ تاکہ بعض بعض سے کام لے۔ اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔"

تو گویا اللہ سبحانہ، نے ان کی اختیاری حیثیت کا انکار فرمایا۔ اور واضح کر دیا کہ یہ صفت انہیں حاصل نہیں بلکہ یہ صفت تو اس کی ہے جس نے ان کی معاش یعنی رزق اور عمر تقسیم کر رکھی ہے اور اسی طرح وہی ذات پاک ہے جس نے قابل انتخاب افراد اور مناسب و غیر مناسب لوگوں سے آگاہی رکھتے ہوئے اہل ثروت لوگوں پر اپنا فضل تقسیم کر رکھا ہے اور وہی ہے جس نے کچھ لوگوں پر دوسروں کے مراتب بلند کر دیئے ہیں اور انہیں ان کی معاش اور درجاتِ فضلُ کرم بانٹ رکھے ہیں تو گویا تقسیم کرنے والا صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

اور اسی طرح یہ آیت ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے خالق اور مختار ہونے میں اپنی انفرادیت واضح کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہی مواقع انتخاب کی صحیح آگاہی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اس نے کفار کی آمد اور ان کے اعتراضات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

قالوا لن نؤمن حتّٰی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ، اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ۔

یعنی "انہوں نے کہا ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی اُس کی مثل نہ دیا جائے جیسا کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں (نازل فرمائے گا) اور صرف خدا ہی انتخاب عزت اور رسالت و نبوّت سے متصف ہو سکنے کی اہل ذات کو جانتا ہے نہ کہ دوسرے لوگ!

ایک تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشرکین کے اختیار و افتراح سے پیدا ہونے والے شرک سے پاک بتایا۔ اس لئے یوں فرمایا:

ماکان لھم الخیرۃ۔

یعنی "انہیں کوئی اختیار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ جو مشرک کرتے ہیں۔ ان کے شرک کا مقتضاء یہ نہ تھا کہ غیر اللہ کو خالق ثابت کیا جائے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے (اس

وجہ سے) اپنی پاکیزگی بیان فرمائی۔ پس غور کرنا چاہیے کہ یہ ایک نہایت ہی لطیف نکتہ ہے ایک (تفسیر) یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ حج کی آیت میں بیان کردہ ایک مثال کے مشابہ ہے کہ فرمایا:۔

ان الذین یدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ۔ ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا اللہ حق قدرہ، ان اللہ لقوی عزیز۔

یعنی "بے شک وہ جو پکارتے ہیں اللہ کے ماسوا تو وہ ہرگز نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی اور اگرچہ اس کے لئے سب اکٹھے ہوجائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ مانگنے والا اور جس سے مانگا گیا دونوں کمزور ہیں۔ انہوں نے نہیں مدد کی اللہ کی جیسا کہ حق ہے قدر کرنے کا، بے شک اللہ قوی اور غالب ہے"

پھر فرمایا کہ:۔

اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا ومن الناس ان اللہ سمیع بصیر یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم والی اللہ ترجع الامور۔

یعنی "اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اور انسانوں سے رسولوں کا انتخاب فرماتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے جانتا ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف پلٹنے والے ہیں"

ایسی ایک مثال سورۂ قصص میں بھی ملتی ہے:۔

وربک یعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون۔

یعنی "اور تیرا رب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں"

نیز ایک مثال سورۃ انعام میں ہے کہ:۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

یعنی "اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں نازل فرمائے"

تو ان تمام مقامات میں حق تعالیٰ نے صراحت سے فرمادیا کہ اُسے جائے انتخاب کی تخصیص کا علم بھی ہے اور سبب تخصیص کا علم بھی، کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ فلاں فرد دوسرے سے زیادہ موزوں ہے اور کیوں موزوں ہے؟ تو ان مذکورہ آیات پر جب آپ غور کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ یہاں یہی مطلب واضح طور پر نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد ذکر فرما رہا ہے:

ویوم ینادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین فعمیت علیھم الانباء یومئذ فھم لا یتساءلون فلمّا من تاب و امن وعمل صالحا فعسیٰ ان یکون من المفلحین وربک یخلق ما یشاء ویختار۔

یعنی: "اور جس دن وہ ان کو آواز دے گا۔ پس کہے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ پس ان پر خبط کر دی جائیں گی اس دن پر خبریں۔ پس وہ نہیں پوچھے جائیں گے۔ پس جس نے توبہ کی اور مان لیا اور اچھے کام کیے تو یقیناً وہ نجات پانے والوں میں سے ہوگا۔ اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کرتا ہے"

پس جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا ان سب کو پیدا کیا تو ان میں سے جو جھکا یعنی جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے اُسے خدا نے چن لیا۔ اس طرح وہ (نیک افراد) اس کے بندوں میں سے منتخب اور اُس کی مخلوق میں سے چنیدہ تھے اور یہ اختیار (انتخاب) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم کی دلیل ہے اور یہ (انتخاب) اسی کا ہے جو اس کا اہل ہو۔ نہ کہ ان مشرکین کا انتخاب اور اختیار۔ پس اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس سے بلند ہے، کہ جس کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ (سبحان اللّٰہ وتعالیٰ عمّا یشرکون)

اختیار و تخصیص شانِ ربوبیت ہے

جب آپ صفتِ "خالقیت" پر غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ اختیار و تخصیص والا ہے خدائے بزرگ و برتر کی ربوبیت وحدانیت، کمالِ حکمت، علم اور قدرت کاملہ پر، اور بلاشبہ وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اپنی قوتِ خلق سے پیدا فرماتا ہے۔ اپنے اختیار سے انتخاب کرتا ہے اور اپنی قوتِ تدبیر سے چارہ سازی

کرتا ہے۔ پس اس اختیار و تدبیر، اور تخصیص کا اثر اس سارے عالم میں اس کی ربوبیت کے عظیم ترین آیات اور اکبر شواہد وحدانیت اور صفاتِ کمال اور صدق رسل میں مشہور اور نمایاں ہے، اس کی جلوہ گری ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔

اب ہم تھوڑی سی وضاحت بھی اپنے مطلب اور مدعا کی کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ ایک روایت اس امر پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے اور سب سے اُونچے (آسمان) کا انتخاب فرما لیا تو اُسے اپنے مقرب ملائکہ عظام کا مستقر قرار دیا اور اسے اپنی کرسی اور عرش کا تقرب عطا فرمایا۔

اور اپنی پسند کے مطابق مخلوق کو وہاں بسایا تو اس (آسمان) کو دوسرے تمام آسمانوں پر ایک خاص شرف اور فضیلت حاصل ہے اور یہ نہ ہو تو بھی اسے اللہ تبارک و تعالیٰ سے قرب کی مزیت و فضیلت تو حاصل ہی ہے، باوجودیکہ اس کا مادہ وہی ہے جو دوسرے آسمانوں کا ہے۔ لیکن اس (آسمان) کا شرف و تخصیص حق شانہ، کی کمال حکمت اور قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ بلا شبہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) انتخاب فرماتا ہے۔

اور اسی طرح جنّتِ فردوس کو باقی تمام جنتوں پر فوقیت اور تخصیص عطا کی۔ اور (جنت الفردوس) کی چھت اپنے فرش سے بنائی۔ اور بعض احادیث میں آتا ہے کہ سبحانہ، و تعالیٰ نے اس جنّت میں اپنے دستِ مبارک سے (باغات) لگائے اور اپنی مخلوق میں سے چیدہ چیدہ لوگوں کو منتخب فرمایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص خاص ملائکہ جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو باقی فرشتوں میں سے منتخب فرمایا، (یہاں تک) کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں فرمایا کرتے تھے۔

اللهم رب جبريل وميكائيل واسرافيل فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون- اهدني لما اختلف فيه من الحق باذنك انك تهدي من تشاء الى صراط مستقيم-

یعنی "اے اللہ، اے رب جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے، غیب و شہود کے عالم تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ ان کے اختلاف میں جو حق ہے اس کی مجھے اپنے اذن سے ہدایت فرما۔ بے شک تو ہی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تو آنحضرتؐ نے ان تینوں فرشتوں کا اللہ تعالیٰ سے قرب خصوصی اور انتخاب کے باعث ذکر کیا۔ آسمانوں پر اور بھی بہت سے فرشتے ہیں۔ لیکن ان تینوں کے سوا اور کسی کا نام نہیں لیا، کیونکہ جبرائیل علیہ السلام صاحب وحی ہیں کہ جس سے قلوب و ارواح کی زندگی قائم ہے اور میکائیل علیہ السلام اس قطر کے نگران ہیں کہ جس میں زمین، جاندار اور نباتات نمو پاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسرافیل جس کے سپرد صور پھونکنا ہے کہ جب وہ صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے اذن سے مردوں کو زندہ کر دے گا۔ اور مردے قبروں سے نکل آئیں گے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا، جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور پھر رسولوں کو چنا اور اختیار کیا کہ ان کی تعداد امام احمد اور ابن حبان نے اپنی کتاب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے تین سو تیرہ بیان کی ہے:

اور ان (انبیاء اور رسل) میں سے پانچ کو منتخب فرمایا، جن کا تذکرہ سورۃ احزاب اور شوریٰ میں بالفاظ ذیل آتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔

یعنی: اور جب ہم نے انبیاء سے وعدہ لیا اور تجھ سے بھی اور نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے بھی۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔

یعنی: مشروع کیا دین کو جس کی نوح کو وصیت کی اور جس کی ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کی وصیّت کی ہم نے ابراہیم، موسٰی اور عیسٰی کی طرف کہ دین قائم رکھیں اور اس میں متفرق نہ ہوں۔

پھر ان میں سے اللہ تعالیٰ نے دو اولو (ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوست بنایا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے اولادِ اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا۔ پھر ان میں بنی خزیمہ کے قبیلہ بنی کنانہ کو چنا، پھر کنانہ سے قریش اور قریش سے بنو ہاشم کو اور آخر بنو ہاشم میں سے سارے انسانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتخاب فرمایا اور اس طرح تمام جہانوں میں سے ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتخاب کیا اور ان میں سابقون الاوّلون یعنی سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں کو پھر اہل بدر اور بیعتِ رضوان والوں کا انتخاب کیا اور ان کے لیے سب سے مکمّل دین اور سب سے اعلیٰ شریعت اور سب سے پاکیزہ، طیب اور نفیس اخلاق کا انتخاب فرمایا اور آپؐ کے لئے تمام اُمتوں سے بہتر اُمّت کا انتخاب کیا۔ جیسے کہ مسند امام احمد وغیرہ میں ہے کہ بہز بن حکیم بن معاویہ بن جندہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ستر اُمتوں کے برابر ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر اور اعلیٰ ہو۔ علی بن مدینی اور امام احمد نے فرمایا کہ بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے جو روایت کرتے ہیں یہ صحیح ہے اور انتخاب خداوندی کا اثر ان کے اعمال و اخلاق، توحید (حتّٰی کہ) ان کے مقامات جنّت میں بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک بلند و بالا مقام پر فائز ہیں۔

اور ترمذی شریف میں بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس جماعتیں ہوں گی، ان میں سے اسّی ۸۰ اُمّت محمّدی کی اور چالیس دوسری تمام اُمتوں کی ہوں گی۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے ابو سعید خدریؓ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بعث النار کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ:۔

جس ذات بے ہمتا کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس کی قسم، میں چاہتا ہوں کہ تم جنّت

کا حصّہ ہی بن جاؤ اور مزید کچھ نہ فرمایا۔

اس قول نبوی سے مراد یا تو یہ ہے کہ یہ زیادہ صحیح بات ہے اور یا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آرزو تھی کہ ان کی اُمّت اہل جنّت کا حصّہ بن جائے، لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک سو بیس صفوں میں سے اسّی صفیں آپ کی اُمّت کی ہوں گی۔ پس اب دونوں روایات میں کسی طرح کا تناقض باقی نہ رہا۔

اُمّت مسلمہ کی فضیلت کا سبب

اور اس اُمّت کی فضیلت و انتخاب کا سبب یہ ہے کہ اسے وہ علم اور حلم عطا کیا گیا جو دوسری اُمّتوں کو نہیں ملا اور مسند بزار و دیگر کتب حدیث میں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام سے فرمایا کہ میں تیرے بعد ایک اُمّت پیدا کروں گا کہ اگر اس اُمّت کے لوگوں کو دل پسند چیز ملے گی تو حمد و شکر کریں گے اور اگر تکلیف پہنچی، تو ایسے صبر و تحمل سے کام لیں گے کہ کوئی حلم اور علم نہیں پھر عیسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا، یا اللہ کیا کوئی حلم اور علم نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اسے اپنے علم اور حلم کا حصّہ عطا کروں گا!

مکّہ مکرّمہ کے فضائل اور خصوصیات

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے اماکن اور بلاد کا انتخاب ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مکّہ مکرمہ کو سب سے اچھا اور برتر شہر قرار دیا کیونکہ یہی وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اپنے بندوں کے لئے مناسک (حج) ادا کرنے کا مرکز قرار دیا اور دور و نزدیک علاقوں اور دشوار گزار خطوں سے یہاں آنا ہر بندہ مومن پر لازم فرما دیا، سو اب وہ خشوع و خضوع اور انکسار کے ساتھ یوں حاضر ہوتے ہیں کہ ان کے سر ننگے ہوتے ہیں، وہ اہل دنیا کے لباس فاخرہ سے محروم ہو کر آتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو "حرم" قرار دیا جائے امن بنایا، نہ یہاں خون ریزی کی اجازت ہے اور نہ درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ شکار کیا جا سکتا ہے، نہ یہاں کے سبزہ و گیاہ کو چھیڑا اور اکھاڑا جا سکتا ہے اور نہ یہاں کی گری پڑی اشیاء کی تملیک ہو سکتی ہے۔ یہاں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں کا کفّارہ ادا کریں، جو لغزشیں، خطائیں اور فرو گزاشتیں ہو چکی ہیں ان کی تلافی کریں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا جو اس گھر میں حاضر ہوا اور نہ فساد میں مبتلا ہوا، نہ فسق سے آلودہ ہوا، تو اس کی مثال (معصومیت میں) اس بچّہ کے مانند ہے جسے اس کی ماں نے ابھی ابھی جنا ہو، اور خدائے بزرگ و برتر کی رحمت و شفقت کا یہ عالم ہے کہ وہ خود اس گھر کی زیارت کرنے والے کے لئے جنت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں چنانچہ سنن میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حج اور عمرہ کے فرائض ادا کرو

کیونکہ یہ دونوں افلاس اور گناہوں کو اس طرح زائل کرتے ہیں کہ جیسے بھٹی لوہے پر میل کاٹ دیتی ہے۔ چنانچہ حج مبرور کا اجر جنت سے کم نہیں۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرہ اپنے پہلے عمرہ تک کی مدت (کے گناہوں) کا کفارہ ہے اور حج مبرور (مقبول) کی جزا صرف جنت ہے"۔

پس اگر بلد امین خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک خیر بلاد نہ ہوتا اور تمام شہروں سے زیادہ مکرم نہ ہوتا تو خدا اُس کی وادیوں کو اپنے بندوں کے لئے جائے عبادت (حج) قرار نہ دیتا کہ جس کی طرف جانا بندوں کے لئے فرض مؤکدہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ اسی حرمت، اشرف اور احترام کے باعث ہے۔

خدا نے قرآن کریم میں دو جگہ اس (شہر) کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ فرمایا:۔

وھذا البلد الامین۔

اور اس بلد امین کی قسم۔

اور فرمایا: لا اقسم بھذا البلد یعنی قسم ہے اس شہر کی۔

اور کرۂ ارض پر اس جگہ کے سوا کوئی ایسا خطہ نہیں کہ جس کی طرف بشرطِ استطاعت سفر کرنا اور جس گھر کا طواف کرنا فرض ہو۔ اور زمین پر حجرِ اسود اور رکن یمانی کے سوا کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جسے چومنا یا مس کرنا جائز ہو۔ اور جس (کے مس یا چومنے) سے گناہ دھلتے ہوں۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مسجد حرام میں ایک دفعہ نماز پڑھنا ثواب میں (باقی عام مساجد) میں ایک لاکھ مرتبہ نماز پڑھنے کے برابر ہے۔ نسائی اور مسند میں صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اِس مسجد (نبوی) میں ایک بار نماز پڑھ لینا، سوا مسجدِ حرام کے، تمام مساجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور مسجدِ حرام میں پڑھی ہوئی ایک نماز میری اس مسجد (نبوی) سے سوگنا (اجر) والی ہے۔ اس حدیث کو ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

اور یہ تو ایک واضح امر ہے کہ مسجد حرام کا خطہ کرۂ ارض پر علی الاطلاق سب سے زیادہ محترم ہے۔ اسی لئے اس طرف شدِ رحال (عزم سفر) فرض ہے اور مابقی کی طرف مستحب

واجب اور مسند (امام احمد) ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء سے روایت ہے کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب کہ وہ مکہ کے قریب مقام جزورہ میں تشریف فرما تھے اور فرما رہے تھے کہ:

"اے مکہ خدا کی قسم تو اللہ کی سرزمین پر خیرارض ہے اور اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ مقام ہے، اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا گیا ہوتا تو میں ہرگز یہاں سے قدم باہر نہ نکالتا" اس روایت کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیر ارض اور قبلہ واحد

مکہ مکرمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے تمام اہلِ زمین کا قبلہ قرار دیا۔ سطح ارض پر اس کے سوا کوئی قبلہ نہیں۔ نیز اس کی ایک خصوصیّت یہ بھی ہے کہ سارے کرۂ ارض پر یہ ایک ایسا قطعۂ ارض ہے جس کی طرف قضائے حاجت کے وقت پیٹھ کرنا یا منہ کرنا حرام ہے۔ اور اس مسئلہ میں صحیح ترین مسلک یہ ہے کہ یہ پابندی ہر جگہ ہے خواہ وہ میدان ہو یا بیابان۔ اس کی تائید میں اس سے زیادہ دلائل میرے پاس ہیں، جن کا کسی دوسرے موقع پر میں نے ذکر کیا ہے اور ان دلائل کی مقاومت میں کوئی دوسری بات نہیں کہی جاسکتی، نہ میدان اور بیابان کی مقدار کی تعیین کے سلسلے میں کوئی اختلاف و تناقض ہے، لیکن دونوں نقطہ ہائے نظر کی تائید یا مخالفت میں بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔

اور اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مسجد حرام خدا کی اس سرزمین پر پہلی مسجد ہے جیسا کہ صحیحین (بخاری مسلم) میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس پہلی مسجد کے متعلّق دریافت کیا جو کرۂ ارض پر تعمیر کی گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ "مسجد حرام ہے"۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سی مسجد ہے؟ ارشاد ہوا، "وہ مسجد اقصیٰ ہے"! میں نے عرض کیا "دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا"؟ فرمایا "چالیس سال کا"

بعض لوگ صحیح طور پر اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھتے وہ اشکال میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان لوگوں کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تھے۔ جنہوں نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی اور ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار برس کی مدّت حائل ہے۔ لیکن تامل کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ

معترض کا اعتراض نافہمی پر مبنی ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے صرف مسجد اقصیٰ کی مرمت کرائی تھی تعمیر نہیں کی تھی ورنہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر درحقیقت پہلے پہل حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السّلام کے ہاتھوں انجام پائی تھی اور یہ واقعہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے بناء کعبہ ڈالنے کے بعد کا ہے اور یہ مدّت چالیس سال کی ہے۔

اور مکّہ مکرّمہ کی افضلیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے "اُمّ القریٰ" یعنی بستیوں کی ماں فرمایا۔ تو گویا باقی دوسرے تمام شہر اس کے تابع اور فروع ہوئے اور تمام بستیوں کی اصل مکّہ مکرّمہ قرار پایا۔ پس لازم آیا کہ دوسری تمام بستیوں میں کوئی بھی اس کے شرف و احترام میں اس کی عدیل و تمثیل نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ اُمّ القرآن (یعنی قرآن کی ماں) ہے۔ لہٰذا تمام صحف سماوی میں اس کے مساوی اور کوئی سورۃ نہ ہوئی۔

اور مکّہ مکرّمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس شہر میں ان لوگوں کے سوا جو یہاں کے مستقل باشندے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو احرام باندھے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں، اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی شہر اس کا ہم پایہ اور ہم مرتبہ نہیں اور یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو بتایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ جسے حجّت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کہ مکّہ مکرّمہ میں کوئی بھی، عام اس سے کہ وہاں کا باشندہ ہو یا نہ ہو، بغیر احرام باندھے داخل نہیں ہو سکتا۔ ابو احمد بن عدی نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ اور بعض دوسرے راوی ایسے ہیں جو ضعیف راویوں سے بھی روایت کر ڈالتے ہیں اور فقہا کے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔

ایک قول کی رو سے نفی ثابت ہے، دوسرے کے لحاظ سے اثبات ہوتا ہے اور تیسرے کے پیشِ نظر ان لوگوں کے مابین فرق کیا جائے گا، جو مواقیت (حدّ احرام) کے اندر داخل ہوں یا ابھی حد میقات سے باہر ہوں۔ جو لوگ ابھی باہر ہیں وہ احرام کے بغیر میقات سے نہیں گزر سکتے اور جو داخل میقات ہیں اُن کے بارے میں وہی حکم ہو گا۔ جو اہل مکّہ کے بارے میں ہے یعنی دونوں مساوی الحیثیت ہیں۔ یہ آخری قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

اور پہلے دونوں اقوال امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے ہیں۔
اور مکّہ مکرّمہ کی ایک خصوصیّت یہ بھی ہے کہ جہاں پر صرف ارادۂ معصیت پر بھی خدا کے ہاں مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ عملی طور پر اس معصیت کا مداوا نہ ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔

"یعنی اور جو شخص اس میں ظلم و الحاد کا ارادہ کرتا ہے ہم اسے المناک عذاب چکھائیں گے
پس مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ با (بالحادٍ) سے ارادۂ معصیت کو قابلِ عتاب قرار دیا۔ کیونکہ جب یقینی طور پر قصدِ فعل ہو تو اردت بکذا (میں نے یہ ارادہ کیا) نہیں کہا کرتے بلکہ اس وقت ہممت بکذا (میں نے اس کام کا عزم کر لیا) کہا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ معصیت پر وعید کی، کہ جو یہاں ظلم کرنے (حد سے تجاوز کرنے) کا ارادہ کرے گا اسے بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے الم انگیز سزا ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مکّہ میں مقادیر پر سُیّات کیفیت کے اعتبار سے نہ کہ کمیت کے اعتبار سے۔ مضاعف ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ برائی کا بدلہ برائی ہے اور اگر برائی بڑی ہوگی تو اس کی سزا بھی اسی تناسب سے ہوگی اور اگر برائی کم ہوگی تو اس کے بدلے میں جو سزا ملے گی وہ بھی ویسی ہوگی۔ پس اللہ کے حرم اور اللہ کے شہر اور فرش الٰہی پر جو برائی کی جائے گی۔ وہ ان تمام برائیوں سے بڑی متصور ہوگی جس کا ارتکاب کرۂ ارض کے کسی اور گوشہ میں کیا گیا ہو اور اس کی مثال یوں ہے کہ جس خطا اور معصیت کا ارتکاب بادشاہ کے محل میں کی جائے وہ اس خطا اور معصیت سے زیادہ سنگین متصور ہوتی ہے، جو محل شاہی سے دور دراز کسی مقام پر کی گئی ہو۔ بہرحال تضعیف سیّات کے بارے میں یہ نزاع ہے، اصل حقیقت کا علم صرف خدا ہی کو ہے کہ وہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔
اور مکّہ کی اس افضلیت اور خصوصیّت کا راز اس بات سے بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ دل خود بخود اس کی طرف کھنچتے ہیں، طبیعت بے ساختہ اس جانب راغب ہوتی ہے۔ یہ انجذاب، یہ کشش، یہ انعطاف، یہ لگاؤ، یہ محبّت جو اس بلد امین کے لئے پیدا ہوتی ہے جو مقناطیس کے آہن میں ہوتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے شاعر نے:۔

محاسنه هيولى كل حسن ومقناطيس افئدة الرجال

یعنی اس (شہر) کے محاسن ہر خوبی و رعنائی کا پیکر ہیں اور بلا شبہ یہ (شہر) دلوں کے لئے مقناطیسی کشش رکھتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حق شانہٗ نے اس شہر کے متعلق فرمایا۔

اِنَّهٗ مَثَابَةً لِّلنَّاس۔

یعنی بے شک وہ لوگوں کے اجتماع کی جگہ ہے۔ یعنی، لوگ ہر گوشہ اور چپہ سے مسلسل اس کی زیارت کے لئے آیا کریں گے۔ اور سیر نہ ہوں گے بلکہ جتنی مرتبہ زیارت کریں گے۔ اتنا ہی اشتیاق میں اضافہ ہوگا۔

لا یرجع الطرف عنها حین ینظرها

حتی یعود الیها الطرف مشتاقا

یعنی آنکھ اُسے دیکھ کر ابھی پلٹتی بھی نہیں کہ پھر شوق (زیارت) سے اسی طرف لوٹ آتی ہے۔ پس نہ جانے کتنے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے لئے شہید ہو گئے، کتنوں کی کھال کھنچی اور کتنے گھائل ہوئے اور کتنوں نے اس کی محبت میں اپنی جان و مال قربان کر دیا اور کتنوں نے اپنے اہل و عیال، وطن اور جگر گوشوں کی مفارقت رضائے محبوب کی خاطر سہی حالانکہ اُن کے سامنے گوناگوں خوف، لالچ، تکالیف اور مصائب حائل تھے، لیکن زائر حرم ان اذیتوں میں لذت اور ان تکلیفوں میں راحت محسوس کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دل میں بھڑکنے والا جذبۂ شوق ہر طرح کی بہتر سے بہتر سے نعمتوں، آسائشوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے۔

ولیس محبا من یعد شقاءۃ

عذابا اذا ما کان یرضی حبیبه

یعنی اسے دعوائے محبت کب رہتا ہے، جو مرضی (مصائب) کے مقابلہ میں دکھ کو مصیبت خیال کرے۔

اور یہ سب درحقیقت سرّ الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے، وَطَهِّرْ بَيْتِيَ۔ یعنی: اور میرے گھر کو صاف ستھرا کر دو۔ تو گویا اس خاص اضافت کا سبب اس گھر کا اجلال و اکرام ہے اور وہ بھی محبت کا تقاضا ہی تو ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنے بندے اور رسول

کی اضافت اپنی جانب فرمائی، اور اسی طرح صاحب ایمان بندوں کی طرف اضافت جتاکر انہیں بھی وقار، محبت اور عزت سے نوازا اور جب کبھی خدا کے برتر کسی کی نسبت اپنی جانب کرے گا۔ تو یہ مزیت اور اختصاص جو اسے حاصل ہو گا، یہ غیر اللہ کا اختصاص ہوگا کہ اجتباء واصطفا یعنی انتخاب و اختیار صرف اسی کو ہے، اور پھر اس اضافت سے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے تفضیل و تخصیص اور جلالت مزید حاصل ہو گی، جو اضافت و نسبت سے قبل کی تفضیل و تخصیص اور جلالت سے بالا ہو گی، اور یہ نکتہ اس کوتاہ بین کی فہم سے ماوراء ہے جو اعیان و افعال اور ازمان و اماکن کو یکساں سمجھتا ہو اور گمان کرتا ہو کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضلیت و مزیت حاصل نہیں اور یہ جو کچھ ہے ترجیح بلا مرجح ہے، لیکن اس گمان فاسد کے خلاف چالیس سے زیادہ دلائل میرے پاس موجود ہیں جنہیں میں نے دوسری جگہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس جگہ اس فاسد نظریے کے ابطال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اگر اسے مان لیا جائے تو انبیاء علیہم السّلام اور اعداءِ انبیاء (کفار و مشرکین) کی حیثیت ایک ہو جائے گی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تفضیل صرف صفات و مزایا کے باعث ہی اختصاص ذوات کی طرف راجع نہیں ہو جاتی جو دوسروں کو حاصل نہ ہوں۔ اور اسی طرح ایک خطۂ ارض محض بالذات دوسرے خطے پر فوقیت و مزیت نہیں رکھتا بلکہ یہ فوقیت و مزیت جو حاصل ہوتی ہے یہ مبنی ہوتی ہے ان اعمال صالحہ پر جو وہاں واقع ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح کعبہ مکرمہ، مسجد حرام، منیٰ میدانِ عرفات اور مشاعر کو زمین کے دوسرے خطوں پر بالذات فضلیت و مزیت نہیں حاصل ہے۔ بلکہ ان کی افضلیت کچھ خارجی اوصاف کے باعث ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس قول کو آیت میں فرمایا ہے۔ فاذا جاتھم کی آیت کے بعد:

لن نؤمن حتّٰی یوتٰی مثل ما اوتی رسل اللّٰہ

یعنی "ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک کہ ہمیں اُس کی مثل نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ
یعنی: اللہ زیادہ جانتا ہے کہ وہ رسالت کو کہاں نازل فرمائے
یعنی ہر فرد تحمّل رسالت کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اس اہلیت وصلاحیت کے لئے کچھ خصوصیتیں درکار ہیں کہ ان کے بغیر یہ بات سنج نہیں سکتی اور ان خصوصیتوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، وہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون ان خصوصیات کا جامع ہے ورنہ بہ نظر ظاہر سب آدمی برابر ہی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس خیال کا رد نہ فرماتا۔
اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:
وکذالک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھٰؤلاء منّ اللہ علیھم من بیننا الیس اللہ باعلم بالشّاکرین۔
یعنی: اور ایسے ہی ہم نے بعضوں کو بعضوں سے آزمایا تاکہ وہ کہیں کہ کیا یہی ہیں کہ جن پر اللہ نے احسان کیا ہے ہم میں سے۔ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو خوب نہیں جانتا۔
یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس کی نعمتوں پر شکر گزار ہوتے ہیں اور انہی پر اپنا فضل خاص کرتا ہے، وہ احسان ناشکروں پر نہیں (بلکہ) شکر گزاروں پر کرتا ہے۔

اشخاص واماکن کی ایک دوسرے پر فضیلت

پس ہر محل اللہ تعالیٰ کے شکر و احسانات اور شرف کا اہل نہیں ہوتا۔ پس ذوات کو از قبیل اعیان واماکن واشخاص اللہ نے مختار اور منتخب فرمایا۔ وہ ایسے صفات اور امور سے متصف ہیں جو ان کے عہد میں کسی اور میں نہیں پائے جاتے چنانچہ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے انہیں انتخاب فرمالیا۔
اور حق سبحانہٗ نے ان کو اپنے اختیار (انتخاب) سے افضلیت وخصوصیت عطا فرمائی پس یہ ہے اس کا خلق اور یہ ہے اس کا اختیار۔
وربک یخلق مایشاء ویختار
یعنی: اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور انتخاب فرماتا ہے۔

اور اس سے بڑھ کر مہمل اور باطل بات کیا ہو سکتی ہے کہ مکان بیت الحرام تمام دیگر خطوں کے مشابہ ہے اور حجرِ اسود کا ٹکڑا کرۂ ارضی کے دوسرے پتھروں کی طرح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مساوی ہے دوسرے انسانوں کے۔ درحقیقت تفضیل کا معاملہ ان امور سے متعلق ہے جو خارج از ذات اور وابستہ صفات مخصوصہ ہیں۔

اور یہ اقاویل و امثال متکلمین کی ان یاوہ گوئیوں میں سے ہیں جو انہوں نے شریعت پر روا رکھی ہیں اور اس کی جانب منسوب کر دی ہیں، حالانکہ وہ قطعاً ان ہفوات و مہملات سے بری ہے۔ اور ان (متکلمین) کے پاس بعض عام امور میں مساوات کے سوا کوئی دلیل نہیں اور (اس عمومی مساوات) سے حقیقی مساوات بہر حال حاصل نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ مخلوقات کا اشتراک امورِ عام میں، اختلافِ صفات کے باوجود نہ مستبعد ہے نہ ناممکن[1]۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کبھی مشک اور پیشاب میں مساوات نہیں قائم کی۔ اسی طرح نہ پانی اور آگ میں برابری رکھی۔ پس مقاماتِ مقدسہ اور عام مقامات، بزرگ ہستیاں اور عام لوگ، یکساں اور مساوی نہیں، ان کے مابین تو مشک اور بول، آگ اور پانی سے بھی کہیں زیادہ واضح اور نمایاں فرق مراتب موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام اور فرعون کی شخصیتوں میں بھی اسی طرح کا فرق موجود ہے، یوں ہی کعبہ کا جو احترام ہے، وہ محل سلطانی کے احترام و اجلال سے قطعاً جدا اور متفاوت ہے، پس دو ایسے خطے کس طرح شرف و فضل میں یکساں ہو سکتے ہیں جب کہ ایک خطہ کی تفضیل ذکر و عبادت اور دعا کے لئے مخصوص ہونے کے باعث ہے۔ اور دوسرے کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ اس مردود و مرذول مسلک کو زیادہ تفصیل سے رد کرنے کا ہمارا ارادہ نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ انصاف دوست، دانا، اور صحیح قوتِ فیصلہ رکھنے والے اصحاب کے سامنے معاملے کی اصل تصویر پیش کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے اس کے سوا کسی کی پروا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ جب کبھی بھی کسی کو تخصیص اور شرف عطا کرتا ہے تو اس کے

---

[1] مثلاً رسول وغیرہ رسول میں شکل و صورت، کھانا، پینا، سونا اٹھنا بیٹھنا مشترک عادات ہیں۔

تخصص اور شرف کا کچھ اقتضا ہوتا ہے۔ بلا شبہ ترجیح و تخصیص کا عطا کرنے والا خدا ہی ہے، وہی پیدا کرتا ہے، پھر اختیار کرتا ہے۔

وربك يخلق ما يشاء ويختار۔

یعنی: ”اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کر لیتا ہے۔

ایام وشہور کی ایک دوسرے پر فضیلت

اور یہیں سے بعض دنوں اور مہینوں کی دوسرے دنوں اور مہینوں پر فضیلت ثابت ہو جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر دن یوم النحر (قربانی کا دن) ہے۔ یعنی حج اکبر کا دن احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک سب سے افضل دن ”یوم النحر“ ہے۔ پھر یوم النفر، ایک قول ہے۔ کہ عرفات کا دن اس سے افضل ہے اور اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ ان کا قول ہے کہ حج اکبر کا دن اور اس دن کا روزہ دو سال (کے گناہوں) کا کفارہ ہوتا ہے لیکن یوم عرفہ سے زیادہ خدا کسی دن بھی گناہ گاروں کو بند جہنم سے آزاد نہیں فرماتا، یہی دن ہے جب حق سبحانہ، وتعالیٰ بندوں سے قریب آجاتا ہے۔ پھر وقوف کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ کیونکہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے اور اس کی مقاومت کوئی چیز نہیں کر سکتی۔

اور صحیح یہ ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر (قربانی کا دن) ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر۔

اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابو بکر اور علی رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہیں یوم النحر کو اذن ملا نہ کہ یوم عرفات کو اور سنن ابو داؤد میں بالکل صحیح اسناد سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم حج اکبر ہی یوم النحر ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یوم عرفہ یوم نحر (قربانی) سے مقدم ہے۔ کیونکہ یہ دن (یوم عرفات) وقوف، عاجزی، توبہ اور گریہ وزاری کا ہے۔ پھر یوم النحر کا دن ہے جو قربانی اور زیارت کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طواف کو طواف زیارت (کعبہ) کہا جاتا ہے۔

کیونکہ لوگ یومِ عرفات کو جب گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ تو یوم النحر کو انہیں بیت اللہ میں حاضر ہونے اور زیارت کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے اس دن قربانی کرنا، سر منڈوانا اور رمی کرنا اور حج کے اعمال کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لیکن یومِ عرفات کے اعمال جیسے "طہارت اور غسل" یہ اس سے قبل ہوتے ہیں۔

اور ذی الحجہ کے دس دن دوسرے ایام سے افضل ہیں۔ کیونکہ یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقی تمام دنوں سے زیادہ محترم ہیں اور صحیح بخاری میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دس دنوں کے اندر کئے ہوئے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں باقی تمام دنوں میں کئے گئے تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہیں۔

صحابہؓ نے عرض کیا "اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں"؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں جہاد بھی ان سے زیادہ (محبوب) نہیں، ہاں! اگر کوئی انسان اپنی جان و مال لے کر نکلے اور کچھ بھی واپس نہ لائے[1]

اور یہ وہ دس دن ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قسم کھائی ہے۔

والفجر ولیال عشر۔

یعنی، قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی؛ اور اسی لئے ان میں تکبیر و تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) اور حمد کی کثرت کرنا مستحب ہے، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ کہ ان راتوں میں کثرت سے تکبیر و تہلیل اور حمد الٰہی کیا کرو۔

اور باقی ایام کے ساتھ ان ایام کی نسبت ایسے ہی ہے کہ جیسے مقاماتِ حج کی نسبت خطہ ہائے ارض سے ہے۔

اور اسی طرح ماہِ رمضان کی افضلیت تمام دوسرے مہینوں پر ہے اور آخری عشرہ کی افضلیت باقی راتوں پر اور لیلۃ القدر کی ایک ہزار ماہ پر ہے۔ تو اب اگر یہ خیال ہو کہ کونسی دس راتیں سے زیادہ افضل ہیں۔ ذی الحج کی دس راتیں یا رمضان کی دس راتیں اور دو راتوں یعنی لیلۃ القدر اور معراج

---

[1] یعنی صرف ایسا شخص زیادہ ضرور محبوب ہے (رئیس احمد جعفری)

کی رات میں سے کونسی افضل ہے۔ تو میں کہوں گا کہ پہلے سوال کا جہاں تک تعلق ہے تو اس باب میں زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ رمضان کی آخری دس راتیں ذی الحج کی دس راتوں سے افضل ہیں اور ذی الحج کے دس دن رمضان کے دس دنوں سے افضل ہیں اور اس تفضیل سے تمام اشکال وضع ہو جاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رمضان کی دس راتیں اس لئے افضل ہیں کہ لیلۃ القدر انہی میں ہوتی ہے۔ اور ذی الحج کے دس دن اس لئے افضل کیونکہ انہی ایام میں یوم النحر (قربانی کا دن) یوم عرفات اور یوم ترویہ آتا ہے۔

شبِ معراج اور شبِ قدر کے مابین تفاضل کا مسئلہ

رہا دوسرا سوال تو حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ معراج کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ لیلۃ القدر زیادہ افضل ہے تو دونوں میں سے کونسا راستی پر ہے؟

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے جواب دیا، جو یہ کہتا ہے کہ معراج کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے تو اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی، لہٰذا لیلۃ القدر کی نسبت افضل ہے کہ اس رات کو (ہر سال) قیام کرنا اور دعا مانگنا لیلۃ القدر سے زیادہ ثواب ہے تو یہ بات غلط ہے۔ کسی مسلمان نے ایسا فتویٰ نہیں دیا اور یہ واضح طور پر فاسد خیال ہے، اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ عبادت و دعا اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ وہ معین طور پر معلوم بھی ہو لیکن شب معراج کے بارے میں اس کے مہینے عشر اور عین پر کوئی دلیل موجود نہیں، بلکہ اقوال مختلف ہیں اس کے علاوہ شرعی طور پر شب معراج کی عبادت مسلمانوں کے لئے خاص نہیں کی گئی ہے، اس کے برعکس لیلۃ القدر کا معاملہ دوسرا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر کو ایمان اور احتساب کے ساتھ عبادت میں سرگرم رہے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیے گئے اور صحیحین میں ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ رات ایک ہزار ماہ سے افضل ہے، کیونکہ اسی میں قرآن مجید نازل فرمایا گیا۔ اور اگر اس کی مراد اس مخصوص رات سے ہو کہ جس رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

معراج ہوئی اور وہ (علوم و خزانے) حاصل ہوئے جو اور راتوں میں نہ ملے۔ بغیر اس بات کے کہ اس رات کو قیام یا عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے تو اس رات کی بزرگی اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔

اور یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب کسی مخصوص جگہ یا کسی مخصوص وقت میں کوئی نعمت عطا فرمائی تو اس جگہ یا وقت کو جمیع امکنہ یا ازمنہ سے زیادہ احترام حاصل ہوگیا، یہ بات تو اُس وقت صحیح تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات کو جو انعام ہوا وہ لیلۃ القدر کی رات کو قرآن پاک کے نازل فرمانے کے انعام سے اور ان دوسری نعمتوں سے جو آپؐ کو عطا فرمائی گئیں زیادہ ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ ان معاملات پر اس وقت گفتگو کی جا سکتی ہے۔ جب نعمتوں کی مقدار (کا یقینی) اور اشیاء کی اصلیتوں کا صحیح علم ہو۔ اور یہ علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور علم کے بغیر ان مباحث میں حصّہ لینا کسی کے لئے بھی روا نہیں۔

متقدمین میں سے کسی کے متعلق منقول نہیں کہ اس نے معراج کی رات کو باقی راتوں خصوصًا لیلۃ القدر پر افضل قرار دیا ہو اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام معراج کی رات کسی امر (عبادت وغیرہ) کے ساتھ ساتھ مخصوص کرتے تھے۔ بلکہ وہ تو (اس انداز سے) اس کا تذکرہ ہی نہیں کرتے۔ اور یہ بات بھی معلوم نہیں کہ وہ رات (متعین طور پر) کونسی تھی؟ اگرچہ معراج کی رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائلِ مبارکہ میں ایک عظیم الشان حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود شرعًا اس رات یا اس جگہ (جہاں سے معراج ہوئی تھی) کوئی عبادت ضروری قرار نہیں دی گئی، بلکہ غار حرا جس میں ابتداء وحی نازل ہوئی اور بعثت سے پہلے جہاں سے آپؐ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعثت کے بعد مکّہ میں رہتے ہوئے بھی آپؐ نے یا کسی صحابی نے اس (غار) میں عبادتِ مخصوصہ کا قصد نہیں کیا اور نہ نزول وحی کے دن نزول وحی کے باعث آپؐ نے یا صحابہ کرام نے کسی عبادت کی تخصیص کی اور نہ جس جگہ اور جس وقت وحی کی ابتداء ہوئی، کوئی عبادت مخصوص کی گئی۔

اور جن لوگوں نے مقامات اور اوقات مخصوصہ کو ایسے واقعات کی بنا پر عبادات کے لئے

مخصوص کیا ہے وہ اہلِ کتاب ہیں جنہوں نے مسیح علیہ السلام کے حالات (پڑھ) کر مواسم عبادات مقرر کر لئے۔ جیسے یوم میلاد اور یوم تعمید وغیرہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک مخصوص جگہ جا کر (تبرکاً) نماز پڑھتے ہیں انہوں نے معلوم کیا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ جگہ وہ ہے جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی تو انہوں نے فرمایا:

کیا تم چاہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار کو عبادت گاہیں بنا لو؟ تم سے پہلے کے لوگ انہی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ اگر تم یہاں ہو اور نماز کا وقت آجاتا ہے تو بے شک نماز پڑھ لو ورنہ اپنی راہ چلتے رہو۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لیلۃ القدر سے زیادہ افضل ہے اور لیلۃ القدر اُمّت کے حق میں معراج کی رات سے زیادہ افضل ہے۔ لہٰذا اُمّت کے حق میں ہونے کے سبب اس کے لئے بہتر ہے۔ اور معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے کے باعث ان کے لئے زیادہ افضل ہے۔

یوم جمعہ اور یوم عرفہ میں تفاضل کا سوال

اور اگر کہا جائے، جمعہ اور عرفہ میں سے کونسا دن افضل ہے؟ تو ابن حبان نے اپنی کتاب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج جمعہ کے دن سے زیادہ افضل دن پر طلوع نہیں ہوا اور ایسی ہی تمیم بن اوس کی سے روایت بھی ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ بعض علمائے کرام اس حدیث کی دلیل سے جمعہ کے دن کو عرفہ کے دن پر افضلیت دیتے ہیں اور قاضی ابو یعلی نے احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ جمعہ کی رات قدر کی رات سے افضل ہے اور صحیح یہ ہے کہ جمعہ کا دن ہفتے کے تمام دنوں سے افضل ہے اور عرفہ و نحر (قربانی) کا دن تمام سال کے دنوں سے افضل ہے اور اسی طرح قدر کی رات اور جمعہ کی رات کا حکم ہے اور اسی وجہ سے یوم جمعہ کو عرفات میں وقوف کرنا تمام دنوں سے کئی طرح افضل ہے ایک تو یہ کہ دو ایسے دن جو تمام ایام میں افضل ہیں۔ جمع ہو گئے، دوسرے یہ وہ دن ہے کہ اُس دن

قبولیتِ دعا کی ایک خاص یقینی گھڑی ہے اور اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد کی ہے اور وقوف کرنے والے جب وہاں دعا اور عاجزی کرتے ہوئے کھڑے ہوں تو وہ ساعت بھی مستجاب ہے۔ نیز یہ کہ اسی دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تو اس سے بھی موافقت ہو گئی۔ علاوہ ازیں اسی دن اطرافِ ارضی سے مخلوقات خطبہ اور جمعہ کے لئے جمع ہوتی ہے اور یوم عرفہ کو اہلِ عرفات کا یہ اجتماع عرفہ کے مطابق ہوتا ہے تو مساجد میں مسلمانوں کے اجتماع اور عاجزی میں توقف سے وہ مراتب حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے مواقع پر حاصل نہیں ہوتے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اہلِ عرفہ کو یومِ جمعہ کی عید اور عرفہ کی عید بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے عرفات والوں کو روزہ رکھنا مکروہ ہے اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرفات کو روزہ سے منع فرمایا۔ اس کی سند میں شبہ ہے، کیونکہ مہدی بن حرب جوزی غیر معروف ہے اور اس روایت کا مدار اس پر ہے۔ لیکن ام فضل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے یوم عرفات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں شک کیا بعض نے کہا کہ آپؐ کا روزہ ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں آپؐ کا روزہ نہیں ہے۔ پھر ایک دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آں حضرتؐ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے تو آپؐ نے نوش فرمایا۔

اور میدانِ عرفات میں یومِ عرفہ کو افطار کے استحباب کی حکمت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ "تاکہ دعا میں (بدنی) قوت حاصل ہو سکے"۔ یہ حربی وغیرہ کا قول ہے۔ ان کے علاوہ اور حضرات سے بھی منقول ہے۔ جن میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ عرفہ کا دن اہل عرفہ کے لیے عید ہے۔ اس لئے انہیں روزہ رکھنا مناسب نہیں اور فرمایا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو سنن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا۔

اے اہل اسلام یوم عرفات یوم قربانی اور ایام منیٰ ہمارے لئے عید ہیں۔

ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) کا قول ہے کہ یوم عرفات اہل عرفات کے حق میں ان کے اجتماع

کے باعث عید ہے۔ بخلاف باقی لوگوں کے کہ وہ یوم النحر کو جمع ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وجہ سے عید ہوتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ یوم عرفہ اگر جمعہ کے دن ہو تو دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں۔ نیز یہ کہ اس دن کا توافق اس دن سے ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے دین حق مکمل کیا اور نعمت کی تکمیل فرمائی، جیسا کہ صحیح بخاری میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا۔

"اے امیر المومنین آپ اپنی کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہیں۔ اگر ہماری قوم یہود پر یہ آیت اترتی اور میں اس میں اس دن کو جانتا بھی ہوتا جس دن نازل ہوئی تھی تو ہم اس دن کو یوم عید قرار دے دیتے"۔

آپ نے پوچھا "کونسی آیت"؟

اس نے عرض کیا کہ یہ آیت جس میں فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

یعنی: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کے دین پر ہی راضی ہوا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس دن کو جانتا ہوں کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی اور جس جگہ یہ نازل ہوئی۔ یہ آیت جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عرفات کے میدان میں نازل ہوئی اور ہم عرفہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

علاوہ بریں یہ کہ یہ دن قیامت کے دن کے جم غفیر اور اجتماعِ عظیم سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے بہتر دن کہ جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدمؑ کو پیدا کیا گیا اسی دن جنت میں داخل کیا گیا اور اُسی دن اس سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت آئے گی اور اسی دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ اس وقت کوئی بندہ اگر کوئی چیز مانگ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے ضرور وہی چیز عطا فرماتا ہے۔

اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے ایک یوم اجتماع قرار دیا کہ جس میں وہ اکٹھے

ہوتے ہیں۔ اور اس دن آغاز و انجام جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن اسی اُمّت کے لئے یوم اجتماع قرار دیا۔ کیونکہ یہ دن مبداء اور معاد کا دن ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں "سورہ سجدہ" اور "ھل اتی علی الانسان" پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں سورتیں اس دن کے جب آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے تھے تمام کان وما یکون پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں مبداء ومعاد، دخول جنت ونار کا ذکر ہے تو گویا اس دن اُمّت مسلمہ اس کان وما یکون کا ذکر کرتی ہے۔ تو اس طرح انسان دنیا کے سب سے بڑے مواقف اور دنیا کے سب سے بڑے موقف کی یاد تازہ کرتا ہے اور یہ عرفہ کا دن ہے کہ ایک عظیم اجتماع پروردگار کریم کے سامنے اس دن اس طرح کھڑا ہوگا جب تک کہ اہل جنّت اپنے منازل میں نہ پہنچ جائیں اور اہل جہنم اپنے منازل میں!

ایک بات تو یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مسلمان باقی ایام کی نسبت کثرت سے عبادت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر فاسق لوگ بھی جمعہ کے دن اور جمعرات کا احترام کرتے ہیں اور وہ بھی سمجھتے ہیں کہ جو اس روز اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا جلد ہی سزاوار ہو جاتا ہے، اُسے مہلت بھی نہیں ملتی اور یہ عقیدہ اُن کے ہاں راسخ ہے اور تجربات سے انہوں نے سمجھا ہے اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ (یہ دن) اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعظمت اور محترم ہے۔ اور اللہ نے باقی ایّام میں سے اِسے اختیار فرمایا ہے۔ یقیناً اس کا تطابق غیر جمعہ پر باعثِ شرف ہے۔

ایک سبب یہ بھی ہے کہ جمعہ کا دن جنّت کے یومِ زیارت سے مشابہت رکھتا ہے اور یہ وہ دن ہے کہ اہل جنت ایک وادی وسیع میں اکٹھے ہوں گے اور موتیوں، سونے، نوبرجد، یاقوت اور مشک کے ٹیلوں پر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت کریں گے اور وہ ان کو اپنی تجلی سے نوازے گا۔ یہ لوگ اس دن خدا کو آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اور اعمال حسنہ کا اجر فوراً پالیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مسجد کی طرف جانے میں سب سے زیادہ تیز رو ہوں گے اور جو امام کے زیادہ قریب ہوگا وہ اللہ سے زیادہ قریب ہوگا۔ اس لئے اہلِ جنّت یوم زیارت کے مشتاق ہوں گے اور وہ یہی دن ہوگا جب وہ کرامت وبزرگی حاصل کریں گے اور یہ جمعہ

کا دن ہوگا اور اگر اس دن (جمعہ) کا توافق یوم عرفہ سے ہو جائے تو پھر اسے جو فضل، مزیت اور اختصاص حاصل ہوگا وہ سب سے بالا ہوگا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عرفہ کی رات کو وقوف کرنے والوں کے قریب ہو جاتا ہے پھر اپنے ان بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے اور کہتا ہے:

(میرے یہ بندے) کیا چاہتے ہیں؟ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا"

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے باعث انہیں وہ ساعت بھی نصیب ہو جاتی ہے کہ جس میں سائل کا کوئی معقول سوال رد نہیں ہوتا۔ پس وہ دعا کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اللہ ان کے قریب ہو جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قرب دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو قبولت دعا کا قرب اور دوسرا اہلِ عرفات اور ملائکہ کے سامنے خدا کے اظہار فخر کا قرب۔ پس اہلِ ایمان ان امور سعادت کو محسوس کرتے ہیں اور اپنے رب کے فضل وکرم سے ان کی قوت ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ از حد فرحت وانبساط محسوس کرتے ہیں اور امیدوار رحمت ہو کر خوشی مناتے ہیں۔

ان اسباب کے باعث جمعہ کا وقوفِ (عرفات) باقی ایام پر فضیلت رکھتا ہے۔

لیکن یہ جو زبان زد عوام ہے کہ یہ (جمعہ کا وقوفِ عرفات) بہتّر حجوں کے برابر ہے بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

خدا کے نزدیک

ہر طیّب چیز پسندیدہ اور مرغوب ہے

مقصد گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہر جنس میں سب سے پاکیزہ چیز کا انتخاب فرمایا ہے اور اپنے لئے اُسے مخصوص فرمالیا اور اختیار کر لیا، چونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، لہٰذا پاکیزہ چیز ہی کو پسند فرماتا ہے اس طرح پاکیزہ قسم کا قول وفعل اور صدقہ قبول کرتا ہے تو یوں سمجھئے کہ "ہر طیب" اللہ تعالیٰ ہی کا انتخاب کردہ ہے۔ باقی رہا پیدا فرمانا، تو یہ صفت دونوں کے لئے عام ہے۔ اور یہیں سے بندے کی سعادت اور شقاوت کا فرق معلوم ہو جاتا ہے، کیونکہ طیب کی مناسبت طیب ہی سے ہو سکتی ہے۔ پس طیب، طیب کے سوا کسی اور چیز کو پسند نہیں کر سکتا، نہ اُس کے علاوہ کسی اور چیز کو وہ گوارہ کر سکتا ہے نہ اُس کی طرف مائل ہو سکتا ہے، نہ کسی اور چیز سے اُسے سکون مل سکتا ہے، نہ اُس کا میلانِ قلب کسی اور طرف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو کلام بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتا ہے اس کا بھی طیب اور پاکیزہ ہونا ضروری ہے وہ فحش مقال اور تفحش لسان، نیز جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان طرازی، غلط گوئی بلکہ ہر بے ہودہ کلام سے سخت متنفر ہوتا ہے۔ اور یہی حال اعمال کا ہے۔ وہ اچھے اعمال سے مانوس ہوتا ہے اور یہ اعمال صالحہ صرف وہ ہیں کہ جس پر متشرع اور سلیم طباع مطمئن ہیں اور جن کے تقدس کی (گواہی) صحیح اذہان نے دی ہے۔ تو اس طرح ان اعمال کے درست ہونے پر شریعت عقل اور فطرت سب کا اتفاق ہو چکا ہے۔ مثلاً ایک ہی اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کا شریک کسی کو نہ مانا جائے۔ اپنی خواہشات کو اسی کے تابع کرایا جائے اور پوری جدوجہد کے ساتھ اس کی محبت حاصل کی جائے، اس کی مخلوقات سے بقدرِ استطاعت احسان کیا جائے اور دوسروں سے وہی سلوک کرے، جس سلوک کا اپنے لئے ان سے متوقع ہو، ان سے وہی معاملت روا رکھے جو ان سے اپنے

لئے چاہتا ہو۔ دعوت بھی اس انداز سے دے اور تبلیغ بھی ایسے ہی اسلوب سے کرے جو اپنے لئے محبوب رکھتا ہو۔ دوسروں کے بارے میں بھی ایسا ہی فیصلہ کرے، جیسا اپنے لیے چاہتا ہو۔ دوسروں کی پہنچائی ہوئی اذیتیں گوارا کرلے، لیکن خود کسی کو ایذا نہ پہنچائے، ان کی عزت کی حفاظت کرے، اور ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کرے، اگر ان کی نیکی معلوم ہو تو تحسین کرے، لیکن برائی پر پردہ ڈالے اور ان کی معذرتیں قبول کرے جب تک کہ شرع مطہر اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔

اسی طرح اخلاق بھی انتہائی پاکیزہ اور اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ مثلاً بردباری، وقار، سکون خاطر، جذبۂ رحمت، صبر، وفاشعاری، اعتدال، نرم مزاجی، صداقت، فراخ دلی، نیز بغض و حسد، غرور و دروغ سے اجتناب، نیز انکسار اہل ایمان کے ساتھ تواضع، ان کی عزت (کا جذبہ) اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سخت غیر اللہ کے سامنے عجز و فروتنی کے اظہار سے احتراز، پاکدامنی، شجاعت، سخاوت، مروت، اور شریعت و فطرت اور عقل سے پوری پوری ہم آہنگی۔

اسی طرح پاکیزہ، خورد و نوش کا اہتمام و انصرام جو حلال اور خوش گوار ہو اور جسم و روح کا بہتر تغذیہ کرے (اور جس سے) جذبۂ بندگی بھی سلامت رہے۔

اسی طرح نکاح میں بھی پاکیزگی ملحوظ رہے، ماحول بھی بہتر اور طیب مہیا رہے۔ احباب اور ہمنشینوں کا انتخاب اسی اصول پر ہو۔

اسی طرح، جسم، اخلاق و عمل اور بات چیت لباس اور خورد و نوش، گھر بار، اٹھنا بیٹھنا، سب طیب اور پاکیزہ ہونا چاہیئے، ایسے ہی لوگوں کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب موت کے وقت ملائکہ آتے ہیں تو کہتے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔

یعنی "تم پر سلامتی ہو، جو اعمال صالحہ تم کرتے رہے ان کی برکت سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور (قیامت کے دن) جنت کے فرشتے کہیں گے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِيْنَ

یعنی "تم پر سلامتی ہو، خوش رہو، بس اب تم جنت میں ہمیشگی کی زندگی بسر کرو"

آیت مذکورہ کی فا (فادخلوھا) سبب کا معنی رکھتی ہے۔ یعنی تم پاکیزہ خاطر ہونے کی وجہ سے داخل ہو جاؤ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیّبات للطیّبین والطیّبون للطیّبات

یعنی: خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے، پلید مرد پلید عورتوں کے لئے اور پاک مردوں کے لئے پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بتایا گیا ہے، خبیثوں کی باتیں بھی خبیث اور پاکیزہ لوگوں کی باتیں بھی پاک ہوتی ہیں اور یہ بھی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ پاک بیبیاں پاک مردوں کی خاطر اور ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں۔ اس آیت کا مطلب عمومی حیثیت رکھتا ہے، یعنی پاکیزہ لوگوں کا کلام اور اعمال اور بیبیاں سب پاکیزہ اور خبیث لوگوں کا کلام اعمال اور عورتیں سب خبیث ہوتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام پاک سیرت لوگوں کو جنت میں جمع فرما دیا اور تمام بدکردار لوگوں کو دوزخ میں اکٹھا کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے تین "دار" قرار دیئے۔ پاک لوگوں کی خاطر علیحدہ کہ جو ناپاک لوگوں پر حرام ہے اور اس میں ہر طیب چیز فراہم کر دی اس کا نام جنّت ہے۔ اور خبیث لوگوں کے لیئے علیحدہ گھر بنایا۔ اس میں صرف ناپاک لوگ ہی داخل ہوں گے اور یہ دوزخ ہے۔ تیسرا گھر دنیا ہے جس میں پاک و ناپاک مخلوط ہے۔ اسی امتزاج و اختلاط کے باعث یہاں مصائب و آلام آتے ہیں اور یہ سب حکمت خداوندی کا نتیجہ ہے تو جب قیامت برپا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کر دے گا۔ چنانچہ پاک لوگوں اور ان کے اہل و عیال کو علیحدہ گھر عطا ہو گا۔ جہاں دوسرا نہیں جائے گا اور ناپاک لوگوں کو علیحدہ جگہ ملے گی جہاں ان کے سوا دوسرا نہ ہو گا اب اُس وقت دو ہی گھر باقی رہ جائیں گے ایک جنت جو پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ اور دوسرے دوزخ جو خبیث لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے اور اللہ دونوں جماعتوں سے اعمال کے مطابق ثواب و عقاب کا معاملہ کرے گا تو ان کے پاس ہی افعال و اقوال اور اخلاق کو انعامات و لذات میں بدل دے گا اور فرحت و سرور کے مکمل اسباب مرحمت کرے گا۔ (نیز)

ناپاک لوگوں کے اپنے افعال واقوال اور اخلاق، آلام ومصائب میں بدل دیں گے۔ اس طرح حق تعالیٰ اُن کی سزا و عذاب کے کامل اسباب پیدا کر دے گا (اس کی) حکمت عظیم ہے اور اس کی عظمت بلند و بالا ہے، تاکہ اُس کے بندے اس کی کمال ربوبیت وحکمت اور کمال علم وعدل ورحمت کا نظارہ کر سکیں اور حق تعالیٰ شانہٗ کے دشمن کو بھی یقین ہو جائے کہ وہ خود ہی بہتان طراز اور جھوٹے تھے، نہ کہ انبیائے صادقین علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لا یبعث اللہ من یموت بلیٰ وعدا علیہ حقا ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون لیبین لھم الذی یختلفون فیہ ولیعلم الذین کفروا انھم کانوا کاذبین۔

یعنی: اور انھوں نے اللہ کے ساتھ سخت قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو مر جاتے ہیں پھر سے نہیں اُٹھائے گا۔ یوں انھوں نے اپنے آپ پر وعید کی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ وہ چیز بیان کرے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ جان لے کہ جو لوگ کافر ہوئے وہ بے شک جھوٹے تھے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سعادت و شقاوت کو نشان فرق قرار دیا، لہٰذا پاک طینت اور سعید روح پاکیزگی ہی کے مناسب ہے اور پاکیزہ ہی اعمال کرتی ہے اور ان کے اقوال وافعال بھی پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ناپاک طینت اور شقی روحیں خباثت ہی کا ارتکاب کرتی ہیں، انہیں خباثت ہی سے انس ہوتا ہے اور ان سے خبیث قسم کے اعمال ہی سرزد ہوتے ہیں۔ اس طرح ناپاک خصلت کی زبان و جوارح خباثت ہی کے مظہر ہوتے ہیں اور نیک سرشت انسان کی زبان و جوارح منبع حسنات ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ایک انسان میں دونوں قسم کی عادتیں ہوتی ہیں۔ پھر جب اور جس کا غلبہ ہوا اسی قبیل سے بن گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس سے بھلائی کا ارادہ کرے تو موت سے پہلے ہی اُسے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن اُسے پاک ہی اٹھاتا ہے اور اُسے پاک کرنے کی خاطر دوزخ میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی (دنیا میں) کبھی تو صحیح توبہ اور نیکیوں کی توفیق دے کر بندے کے گناہوں کو مٹایا جاتا ہے اور کبھی مصائب میں مبتلا کر کے اس کی (بد

اعمالیوں) کا کفارہ کر دیا جاتا ہے۔ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح پیش ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے تطہیر مذکورہ (کی توفیق) روک لی جاتی ہے۔ پس وہ قیامت کے دن نیکیوں اور بدیوں کو لئے ہوئے پیش ہونے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ کوئی آدمی اُس کے جوار (رحمت) میں (گناہوں کی) نجاست لے کر نہ آئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس مجرم آدمی کو دوزخ میں ڈالتا ہے۔ تاکہ اُسے طہارت، صفائی اور تنزیہ حاصل ہو جائے اور جب اس کا ایمان کھوٹ سے صاف ہو جائے گا تو پھر بے شک اُس کے جوارِ رحمت اور اس کے بندوں کے مقامِ طیبہ میں ٹھہرنے کے قابل ہو جائے گا۔

اور اس قسم کے لوگوں کا وقوفِ جہنم ان کی نافرمانیوں کی کثرت وقلت پر منحصر ہوگا اس طرح کہ جس کے گناہ جلدی دھل جائیں گے وہ جلدی دوزخ سے نکل آئے گا اور دیر سے پاک ہونے والا دیر سے نکل سکے گا بے شک انہیں پوری جزا ملے گی اور تیرا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا (جزاء وفاقا وماربك بظلام للعبيد) اور جب حالت یہ ہو کہ مشرک جیسے نجس عین کو آگ پاک نہ کر سکی بلکہ اس کو نکال (کر دیکھا گیا) تو ناپاک کا ناپاک رہا۔ جیسے ایک کتا ہے کہ اگرچہ وہ سمندر میں بھی نہا کر باہر آئے (تو بھی وہ ناپاک ہی رہتا ہے) پس یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے اور جب پاکیزہ صفت مومن نجاستوں سے منزہ ہوگا تو آگ اُس پر حرام ہوگی، کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں کہ جسے زائل کرنے کے لئے آگ کی ضرورت ہو۔ پس اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اس کی حکمتیں عقل ودانش سے بالاتر ہیں۔ بندوں کی فطرت سلیمہ اور عقل نے بھی گواہی دے دی کہ وہ ہی احکم الحاکمین ہے، سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

بعثتِ رُسُل کی ضرورت

اس بحث سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور ان پر نازل شدہ وحی کی تصدیق کا کس قدر محتاج ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاعات اور اطاعت کا ضروری طور پر کس درجہ پابند ہے، کیونکہ دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پرست میں پنہاں ہے اور اُن کے بغیر پاک و ناپاک کی مفصل معلومات محال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی انہیں حضرات کے مبارک ہاتھوں سے ملتی ہے۔

اس طرح اعمال صالحہ اقوال حسنہ اور اخلاق عالیہ انہیں کا تحفۂ باسعادت اور وحی ہے۔ ان کی حیثیت ایک کسوٹی کی ہے کہ ان کے اقوال و افعال اور افعال پر تمام اقوال و افعال اور اخلاق پرکھے جاتے ہیں اور ان ہی کے اتباع سے ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ تو ان حضرات کی احتیاج حقیقت میں جسم کے لئے روح آنکھ کے لئے نور اور روح کے لئے جان سے بھی شدید تر ہے۔ احتیاج چاہے کتنی لازمی بلکہ فرض بھی ہو۔ لیکن تمام انسانوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی احتیاج و ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ ذرا اندازہ تو کرو کہ اگر تمہیں شریعت اور وحی کا پیغام صرف ایک لمحہ بھر کے لئے نہ پہنچے تو تمہارا قلب (روح دینی) فوراً بگڑ جائے گا اور تم ایسے ہو گے جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر گرم توے پر ڈال دیا جائے تو ایک مومن بندے کی حالت دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی کے انقطاع پر ایسی بلکہ اس سے بھی زیادہ پریشان کن بن جاتی ہے اور صرف قلبِ بیدار

16105

کو ہی اس کا احساس ہوتا ہے اور مردہ دل کے لئے تو احساس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب دونوں جہاں کے اندر بندے کی سعادت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ہی سے وابستہ ہے تو ہر وہ آدمی جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور نجات و سعادت کا متمنیٰ ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ آپ کے تحفہ مبارکہ (وحی) سیرت اور شان رسالت کا گہرا مطالعہ کرے۔ یہی چیز اُسے جہالت سے نکال کر آپ کے اتباع، شیعہ اور جماعت میں داخل کر دے گی۔

اور کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو بالکل ہی محروم ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو تھوڑی پر اکتفا کر رہے ہیں اور بعض خوب خوب سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اور فضل و کرم اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ملتا ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضل عظیم ہے۔

دشواری راہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ و شریعت مطہرہ کو خوب سمجھنا چاہتا ہو اُس کے لئے تو یہ مباحث بہت کم ہیں۔ علمی کم مائیگی اور پریشان حالی کے باوجود چند الفاظ لکھے ہیں، جن سے نہ تو ابواب علم کھل سکتے ہیں اور نہ طالبان (علم و فن) کا اس طرف میلان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ (یہ سب کام) حضر کی بجائے سفر میں کرنا پڑا ہے، قلب سوگوار، حالات پریشان، علمی مواد اور کتابیں مفقود۔ غرض کوئی ایسا معقول ذریعہ نہیں جس سے معلومات میں اضافہ ہو سکتا۔ اس طرح وہ علوم جو مفید اور سعادت مندی کی ضمانت بھی ہوں، عنقا اور ناپید ہو چکے ہیں۔ اہل (علم) پر وحشت چھا چکی ہے اور جہلاء کے غلبہ کے باعث علماء کی زبانیں گنگ ہو چکی ہیں۔ بددیانت اور بدعتی عناصر کی کثرت کے باعث علم کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا ہے۔ اس لئے صبر کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور بس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حامی و ناصر نہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

خاندان ، والدین اور دیگر مباحث

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان کرۂ ارض پر سب سے بہتر خاندان تھا۔ ان کے خاندانی شرف کی گواہی دشمن تک دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ ابو سفیان نے شاہِ روم کے دربار میں اس حقیقت کی گواہی دی کہ ان کی قوم تمام اقوام سے محترم، ان کے قبیلہ تمام قبائل سے زیادہ باوقار اور ان کے آباؤ اجداد تمام لوگوں سے زیادہ ذی شرف ہیں۔

(آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب) اس طرح چلتا ہے محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف، بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب، بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد، بن عدنان اور یہ حضرت اسماعیل الذبیح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ صحابہؓ کرام، تابعین اور جمہور علمائے کرام کی یہی تحقیق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ غلط ہے اور اس کے بیس سے زیادہ دلائل بھی ہیں۔ اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمتہ علیہ سے سنا، فرمایا کرتے تھے "یہ قول ثانی) اہل کتاب کی اسرائیلیات کا ایک حصہ ہے جو ان کی کتاب کے ہی خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ باوجود نہ چاہنے کے اپنے بیٹے کو اور ایک روایت کے مطابق اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اب اہل کتاب اور مسلمان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی

نرینہ اولاد میں سے تھے۔ جن لوگوں نے قول ثانی کی تائید کی ہے۔ انہیں توارات کی اس عبارت سے مغالطہ ہوا کہ "اسے اسحٰق اپنے بیٹے کو ذبح کرے" حالانکہ تورات کی یہ تحریر یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے اور یہ تورات کی دوسری آیت کے خلاف بھی ہے۔

"کہ اپنے نرینہ اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرے"

یہودی بنی اسماعیل سے ان کے خاندانی شرف کی بنا پر حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ شرف (نبوت) عربوں کی بجائے اپنی طرف لے جائیں، حالانکہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے یہ شرف صرف اہل ہی کو عطا فرمانا چاہا۔ دوسرے یہ کیسے ممکن ہے کہ اسحٰق علیہ السلام ذبیح ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ اسحٰق علیہ السلام کی والدہ کو یعقوب بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری دینے کے لیے فرشتے حاضر ہوئے اور خدائے قدوس کا فرمان سنایا:

لا تخف انا ارسلنا الیٰ قوم لوط وامرأته قائمة فضحکت فبشّرناها باسحٰق ومن وّرآء اسحٰق یعقوب۔

یعنی: ڈرو نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں تو وہ ہنس دیں، سو ہم نے انہیں اسحٰق کی خوشخبری دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی۔

پس یہ ناممکن ہے کہ پہلے بیٹے کی خوشخبری دے اور پھر ذبح کر دینے کا حکم دے دے اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ضرور دی گئی اور یہ خوشخبری اسحاق علیہ السلام پر صادق آتی ہے یہ تو الفاظ کا ظاہری مطلب تھا اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر بات اسی طرح ہوتی جیسا تم نے کہا ہے تو یعقوبؑ کو اسحٰقؑ پر معطوف سمجھ کر مجرور ہونا چاہیئے تھا اور پھر عبارت یوں ہوتی ومن ورآء اسحٰق یعقوب یعنی یعقوب اسحاق کے بعد ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالتِ رفعی یعقوب کو بشارت بننے سے نہیں روک سکتی، کیونکہ بشارت ایک کلام خاص ہے اور وہ خبر مقدم کے طور پر مذکور ہے اور اللہ تعالےٰ کا یہ کلام ومن ورآء اسحٰق یعقوب، جملہ نحوی قواعد کے مطابق ہے۔ تو یہ شہادت بلکہ جملہ خبریہ ہونے کی وجہ سے ایک حقیقی بشارت کا درجہ

رکھتی ہے اور اگر یہ مذکورہ کلام طریقہ ادائیگی کے مطابق منصوب ہوتا تو پھر اس کا مطلب یہ تھا کہ وقلنا لہا من وراء اسحٰق یعقوب یعنی ہم نے اس عورت کو اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی اور جب کہنے والا یہ کہتا ہے کہ۔

بشرت فلانا بقدوم اخیہ وثقلہ فی اثرہ۔

یعنی میں نے فلاں کو اس کے بھائی اور ساتھ ہی اس کا سامان آنے کی خوشخبری دی۔

تو دونوں باتوں کی بشارت پائی جاتی ہے اور ذی شعور آدمی کے لئے ریہ قاعدہ نحو) قطعاً مخفی نہیں۔ اور حالت جر میں ایک اور بھی سقم ہے۔ جیسے تم کہو، مررت بزید ومن بعد عمرو یعنی میں پہلے زید کے پاس سے اور پھر عمر کے پاس سے گزرا۔ اس میں عاطف خود حرف جر کا قائم مقام ہے تو اس کے اور مجرور کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ جار و مجرور رہا کرتا ہے۔ سورہ الصافات میں ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ذبیح بیٹے کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

فلما أسلما وتلہ للجبین وناديناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاخرین سلام علیٰ ابراھیم کذلک نجزی المحسنین انہ من عبادنا المؤمنین

یعنی ، پھر جب دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اُسے ماتھے کے بل اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم! تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو بیشک یہی ہے) بلاء مبین، اور اس کے بدلے ہم نے ایک بڑا جانور ذبح کر دیا، اور باقی رکھا ہم نے اسے بعد کی مخلوق میں سلام ہو ابراہیم پر، ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو۔ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے۔

پھر فرمایا: وبشرناہ باسحٰق نبیا من الصّالحین۔

یعنی، اور ہم نے اس کو اسحٰق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہوں گے۔

تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے اوامر پر صبر کرنے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُسے خوشخبری دی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ جس

چیز کی خوشخبری دی جائے وہ پہلے موجود نہیں ہوا کرتی بلکہ بعد میں ہوا کرتی بلکہ بعد میں ہوتی ہے۔ جیساکہ قرآن پاک میں بتایا گیا اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بشارت ثانیہ سے مراد نبوت ہے۔ یعنی والد نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کا مظاہرہ کیا اور بیٹے نے بھی حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس اطاعت پر انعام نبوّت عطا فرمایا: تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ بشارت کا اطلاق مجموعہ ذاتِ نبی وجود نبی اور نبوّت پر ہے اور اسی وجہ سے لفظِ نَبِیًّا منصوب ہے یعنی نبی بھی ہوگا۔ اس طرح بشارت کا اطلاق ذات نبوت سے جو اصل ہے۔ علیحدہ کر کے صفت نبوت پر نہیں ہو سکتا کیونکہ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ کا حصہ جملے کا زاید حصہ ہے اور بشارت کا اطلاق صرف اتنے ہی حصہ پر کرنا قواعد نحوی کے اعتبار سے یکسر غلط ہے۔ جب اطلاق بشارت نبوت پر ہو گا۔ تو ذاتِ نبوت پر بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذبیح علیہ السلام مکّہ میں تھے۔ اسی واسطے یوم النحر کو قربانیاں بھی وہیں کی جاتی ہیں جیساکہ صفا مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمار وغیرہ تاکہ اسماعیل اور ام اسماعیل کی شان کا مظاہرہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔

ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے نہ کہ حضرت اسحاقؑ

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مکّہ میں اسحاق اور ام اسحاق نہیں بلکہ اسماعیل اور ام اسماعیل رہتی تھیں۔ اس لیے ذبح کی جگہ اور اوقات بھی بیت اللہ شریف کے قرب و جوار میں تھے کہ جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام نے مل کر تعمیر فرمائے تھے اور مکّہ میں ذبح کرنا تکمیل حج کے لیے شرط ہے جیساکہ ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں رواج تھا اور اگر یہ شام میں رہتے ہوئے (اور یہ واقعہ ذبح وہیں پیش آتا)، جیسے کہ اہل کتاب کا خیال ہے تو قربانیاں وغیرہ مکہ کی بجائے شام میں ہوا کرتیں، نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت ذبیح علیہ السلام کو صابر بتایا ہے اور فی الواقعہ اُن سے زیادہ کوئی بھی صابر نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر اپنے آپ کو ذبح تک کے لئے پیش کر دیا۔ حالانکہ جب اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ آیا تو انہیں جاننے والا بتایا

جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ھل اتاك حديث ضيف ابراهيم المكرمين اذ دخلوا عليه فقالوا سلاما قال سلام قوم منكرون اور آخر فرمایا کہ قالوا لا تخف وبشروه بغلام عليم

یعنی کیا تمہیں ابراہیم کے معزز مہمان کی بات پہنچی جب وہ اس کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا (اور) کہا یہ اجنبی قوم ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ واقعہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لا تخف وبشروه بغلام عليم۔

یعنی، انہوں نے کہا ڈرو نہیں اور اس کو ایک علیم (باخبر) لڑکے کی خوشخبری دو۔ اور یہ خوش خبری اسحاق علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ یہ صاحبزادے ان کی بیوی کے بطن سے تھے اور اسماعیل علیہ السلام تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تولد ہوئے، اور دوسرے ان دونوں (ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی جو اُمِّ اسحاقؑ ہیں) بڑھاپے اور عالمِ یاس میں بشارت دی گئی تھی۔ بخلاف اسماعیل علیہ السلام کے کہ ان کا تولد اس سے قبل ہو چکا تھا۔ نیز حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو سب سے زیادہ اولادِ نرینہ کی محبت عطا فرمائی ہے اور ابراہیم نے جب اپنے پروردگار سے بیٹے کا سوال کیا اور اللہ جل شانہٗ نے دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور بیٹا عطا فرمایا تو ان کے قلب میں انتہائی شدت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص تعلق پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل ہی بنا لیا۔ اور مقامِ خلیل یہ ہے کہ قلب میں محبوب کے متعلق ایک ایسی منفرد محبت پیدا ہو جائے کہ جس محبت کے بعد (حبِ قلبی) میں کسی دوسرے کا خیال (شرک) تک نہ رہے، تو جب بچے کی خلیل علیہ السلام کے قلب میں آنے لگی تو غیرتِ خُلّت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے اپنے خلیل سے علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب وہ اس اقدام پہ بھی آمادہ ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بیٹے سے کہیں زیادہ تھی تو خلیل علیہ السلام کی خُلّت (محبتِ خداوندی) شرک کے تمام شائبوں سے بھی نکھر کر سامنے آگئی۔ تو اب ذبح کی بھی ضرورت نہ تھی، بلکہ (یہ مقصد) تو فقط عزم اور آمادگی سے ہی حاصل ہو گیا۔ اس لیے حکمِ خداوندی

بھی منسوخ ہوگیا اور ذبیح علیہ السلام کا فدیہ (جنت کا ایک مینڈھا) دے دیا گیا۔ خلیل علیہ السلام نے بھی اطاعت کر دکھائی۔ اور پروردگار کا مقصود (امتحان) بھی پورا ہوگیا۔

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ یہ امتحان وابتلاء تو پہلے بچے پر ہی تھا اور پہلے کی بجائے (اس شدت کا ابتلاء) دوسرے بچے پر نا ممکن تھا، بلکہ جو تقاضے ذبح یعنی خلوصِ خُلتِ خداوند قدوس تھی وہ دوسرے بچہ کے ذریعہ ہرگز اصولاً نہیں ہوسکتی تھی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کے متعلق ایک طبعی سی غیرت تھی کیونکہ یہ باندی تھیں۔ تو جب ان کے ہاں لڑکا تولد ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کی فرطِ محبت دیکھی تو حضرت سارہ کو سخت طیش آیا۔ آخر اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو اس سے دور لے جاؤ اور مکہ کی زمین میں بسادو۔ تاکہ حضرت سارہ کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و نظر التفات کی ایک قسم تھی تو آپ خود ہی غور کیجئے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد پھر (حضرت سارہ) کے بیٹے (اسحاق) کو ذبح کرنے اور ہاجرہ (ایک باندی) کے بیٹے کو چھوڑ دینے کا حکم دے بلکہ اس کی حکمت دیکھیے کہ اس باندی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو اب حضرت سارہ کا دل بھی (حضرت اسماعیل) کی حالت پر تڑپ اٹھا اور ان کا غصہ بھی رحمت میں بدل گیا۔ آخر ان کے سامنے بھی اس بچے اور اس کی ماں کی برکات کھل کر آگئیں۔ اور دکھایا کہ اللہ اس جیسی ماں اور حلیم بچے کو ضائع نہیں کرتا اور اپنے بندوں پر آشکارا کر دیا کہ دکھ کے بعد سکھ اور یاس کے بعد کامرانی آیا کرتی ہے۔

چنانچہ اس بچے اور اس کی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے تنہائی مسافرت اور غریب الدیار ہونے کے باوجود، جس صبر و سکون کے ساتھ اپنے آپ کو ذبح کے لئے پیش کر دیا (اس عدیم النظیر قربانی پر) ان کے قدموں پر علامت کو بھی بعد میں آنے والوں کے لئے نشانِ ہدایت اور مسلمانوں کے لیے قیامت تک ان کے نشان پا کو جائے عبادت اور مناسک حج مقرر کر دیا۔ فروتنی، انکساری اور ضعف کے بعد اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق میں سے جس پر احسان کرنا چاہتا ہے وہاں اپنی اس سنتِ عجیبہ کو تازہ کر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

یعنی: اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور ہیں اور ان کے امام بنا دیں۔ اور ان کو وارث بنا دیں اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ پاک بہت بڑے فضل والا ہے۔

سیرت واخلاق اور وحی

اب ہم پھر اپنے مطالب کی طرف آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واخلاق اور وحی (تحفہ مبارکہ) بیان کرتے ہیں۔ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مکہ میں ہوئی اور ان کا سن پیدائش عام الفیل ہے اور یہ واقعہ (اصحاب فیل کا) بہت اوائل کا ہے یہ اہل کتاب عیسائی تھے اور ان کا دین اہل مکہ سے بہتر بھی تھا کیونکہ اس زمانے میں اہل مکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ پھر بھی اللہ نے انہیں اہل کتاب پر فوقیت عطا فرمائی اس میں کسی بشر کا کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ایک پیش خیمہ اور معجزہ تھا۔

والدین کا انتقال اور واقعات مابعد

آپ کے والد ماجد کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر میں تھے کہ ان کی وفات ہو گئی اور بعض آپ کے تولد مسعود کے بعد بتاتے ہیں لیکن پہلا قول زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ کے والد ماجد آپ کی پیدائش کے سات ماہ بعد فوت ہو گئے اور آپ کی والدہ ماجدہ کے متعلق اتفاق ہے کہ وہ مدینہ سے واپسی پر مقام ابواء میں فوت ہوئیں۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ابھی سات برس کی نہ تھی پھر آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر بعض روایتوں کے مطابق آٹھ برس بعض کے مطابق چھ یا دس برس تک بتائی گئی۔ آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں چلے گئے اور اس چچا نے عرصہ تک آپ کی خدمت کی۔ جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ چچا کے ہمراہ شام کی طرف تشریف لے گئے۔ بعض روایتوں میں نو برس کی عمر

میں سفر بتایا گیا ہے اس سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک عیسائی راہب بحیرا سے ہوئی اس نے آپ کے چچا کو مشورہ دیا کہ آپ انہیں شام نہ لے جائیں کیونکہ یہود سے (قتل کا) خطرہ تھا۔ تو آپ کے چچا نے اپنے غلام کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس مدینہ بھیج دیا۔ ترمذی میں روایت آتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، لیکن یہ روایت بالکل غلط ہے کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ تو اس وقت وہاں تھے ہی نہیں یا اگر تھے بھی تو بہر حال نہ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے پاس تھے نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس۔ بزاز نے بھی اس حدیث کا اپنی مسند میں ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ کے ساتھ ابو طالب نے بلال کو بھیجا بلکہ "ایک آدمی" لکھا ہے۔

سفر شام اور خدیجہ بنت خویلد سے شادی اور سلسلۂ وحی

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو آپ تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے۔ بصرہ تک آپ نے سفر فرمایا، پھر واپس ہوئے اور واپسی کے بعد خدیجہ بنت خویلد سے نکاح فرمایا۔ بعض روایتوں میں آپ کی اس وقت کی عمر تیس برس اور بعض میں اکیس برس بیان کی گئی ہے۔ ام المومنینؓ کی چالیس برس کی تھی اور آپ کی پہلی بیوی تھیں، جن سے نکاح فرمایا۔ اور ان کی وفات تک آپ نے کوئی اور نکاح نہیں فرمایا اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پروردگار کی طرف سے سلام کہیں۔ پھر اللہ تعالٰے نے آپ کے قلب میں تنہائی اور اپنی عبادت کا جذبہ القاء فرمایا، چنانچہ غارِ حرا میں مسلسل راتوں کو عبادت کرتے تھے۔ آپ کے دل میں اپنی قوم کے دین اور بتوں سے نفرت پیدا ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کو ان (قبیح افعال) سے بعثت سے قبل ہی سخت تنفر ہو چکا تھا۔ تو جب آپ کی عمر مبارک چالیس برس کی ہوگئی تو آپ پر انوار نبوت ضوفشاں ہوئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا اور مخلوق کی طرف مبعوث کیا اور اپنے فضل وکرم سے نوازا۔ اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان امینِ وحی قرار دیا۔

آپ کی بعثت بالاتفاق دوشنبہ کو ہوئی، لیکن مہینے میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول

یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی اور عام الفیل کے اکتالیسواں سال آپ کو مبعوث فرمایا گیا۔ بعض حضرات نے رمضان شریف کا مہینہ بتایا ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کے الفاظ میں یہ ہے:۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن۔

یعنی ؛۔ رمضان کا مہینہ کہ جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔

اور ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہی مہینہ تھا کہ جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی گئی اور قرآن مجید نازل کیا گیا۔ علمائے کرام کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے جن میں یحییٰ الصرصری بھی ہیں جو اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:۔

واقت علیه اربعون فاشرقت

شمس النبوة منه فی رمضان

یعنی اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو آپ کو رمضان کے مہینہ میں نورِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔"

اور پہلے قول کے ماننے والے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید تو رمضان شریف میں قدر کی رات کو بیت العزۃ (پہلے آسمان) پر ایک ہی دفعہ سارا نازل فرما دیا گیا۔ پھر تیئیس برسوں میں حسب واقعات نازل ہوتا رہا۔ اور ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید کو رمضان شریف کی عظمت و شوکت جتانے کے لیے اس ماہ میں نازل کیا گیا۔ چنانچہ اس ماہ کے روزے فرض ہوئے۔ بعض نے وحی کی ابتداء رجب کے مہینہ میں بھی روایت کی ہے۔

درجاتِ وحی

نیز حق تعالیٰ شانہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے تمام مکمل درجات عطا فرمائے۔ ایک طریقۂ وحی رویائے صادقہ تھے یہ طریقہ زیادہ تر آغاز میں تھا۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح صادق کی طرح بالکل سچا نکلتا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فرشتہ آپ کے دل میں القاء کر دیتا۔ اور فرشتۂ وحی آپ کو نظر نہ آتا تھا۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے میرے دل میں القاء کیا کہ کوئی جاندار تب تک قطعاً نہ مرے گا۔ جب

تک اُس کا رزق مکمل نہیں ہو جاتا۔ پس اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو اور اچھے انداز سے طلب رزق کرو۔ اور رزق پہنچنے میں دیر ہو جانے پر اللہ کی نافرمانی کر کے اُسے تلاش نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو نعمت ہے وہ صرف اس کی اطاعت پر ہی عطا ہوتی ہے تیسرا یہ طریقہ تھا کہ فرشتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی صورت میں حاضر ہوتا اور آپ سے مخاطب ہوتا تاآنکہ آپ وحی کو یاد کر لیتے۔ اس صورت میں کبھی کبھی صحابہ کرام بھی اس فرشتے کی زیارت کر لیتے۔ چوتھی صورت یہ تھی کہ وہ گھنٹی کی آواز کے صورت میں حاضر ہوتا۔ وحی کا یہ طریقہ آپ پر بہت سخت ہوتا اور فرشتہ بھی خلط ملط ہو جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کی جبین مبارک سخت سردی کے دن بھی پسینہ سے تربتر ہو جاتی۔ اور اگر آپ سواری پر ہوتے، تو سواری بوجھ کے باعث زمین کے ساتھ لگ جاتی۔ اور ایک مرتبہ وحی آئی اور آپ کی ران مبارک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی تو انہیں اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ جیسے ان کی ران ٹوٹنے لگی ہے۔ وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ آپ فرشتے کو اسی صورت میں دیکھتے کہ جس میں اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس طرح جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا وحی کی جاتی۔ اور یہ طریقہ دو مرتبہ پیش آیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں ذکر فرمایا۔ چھٹی صورت وہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے خود وحی فرمائی، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ ساتویں صورت یہ تھی کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بغیر فرشتے کے واسطہ سے کلام فرمایا۔ ایسے آپ سے بھی بلا واسطہ کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو نص قرآن سے اس قسم کا کلام ثابت ہے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث الاسراء (معراج کی رات) سے ثابت ہے۔ بعضوں نے آٹھویں صورتِ وحی بھی بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی حجاب کے (دیکھ کر) کلام فرمانا، اور یہ ان حضرات کا مسلک ہے کہ جن کے خیال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی حجاب کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی زیارت کی۔ اور یہ مسئلہ سلف اور خلف ہر جگہ مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ جمہور صحابہ کرام مع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے قائل ہیں۔ جیسا کہ عثمان بن سعید الدارمی نے صحابہ کرام کا

اس مسئلہ میں اجماع بتایا ہے۔

آں حضرت کا مختون ہونا: اس مسئلہ میں تین مختلف اقوال ہیں:۔
ایک یہ کہ آں حضرت مختون تولّد ہوئے تھے، لیکن اس باب میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے، وہ صحیح نہیں - ابوالفرج جوزی نے اُسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔

اور یہ بات آپ کے خواص میں سے بھی نہیں سمجھی جا سکتی۔ کیوں کہ کئی انسان مادرزاد مختون ہوتے ہیں۔

میمونی کا قول ہے:۔

"میں نے ابوعبداللہ سے کہا کہ ایک مسئلہ بتائیے، ایک ختنہ کرنے والا نے ختنہ کیا۔ لیکن کاٹا نہیں تو اب؟

انہوں نے کہا کہ اس نے نصف حشفے تک (کاٹ لیا) ہے۔ پھر تو دوبارہ ختنہ نہ کرے کیونکہ اب حشفہ موٹا ہو جائے گا اور جب یہ مطلب حاصل ہو جائے تو دوبارہ ختنہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر نصف حشفہ سے کم رہا تو پھر اعادۂ ختنہ ضروری ہے۔

میں نے کہا کہ اعادہ کرنے سے سخت تکلیف ہوگی تو وہ کہنے لگے، میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں۔

پھر میں نے کہا، یہاں ایک آدمی ہے۔ اس کے ہاں مختون لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس بات پر وہ بے حد ملول ہوا، تو میں نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے تجھے تکلیف سے بچا لیا تو کس بات کا غم کرتا ہے؟

اور مجھے ابوعبداللہ، محمد بن عثمان خلیلی بیت المقدس کے محدث نے واقعہ بتایا کہ ان کے ہاں بھی ایسا ہی ایک مختون لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کے گھر والوں نے ختنہ نہیں کیا۔ اور لوگوں میں مشہور ہے کہ جو اس طرح ختنہ شدہ پیدا ہوا ہو، اُسے چاند ختنہ کر دیتا ہے لیکن یہ سب خرافات ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے

بکریاں چراتے ہوئے جب فرشتے نے شق صدر کیا تو اُس وقت ختنہ کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کو آپ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں روز ختنہ کے لیے بٹھایا اور ایک دعوت عام کی۔ نیز آپؐ کا نام محمدؐ رکھا۔ یہ روایت ابوعمرو بن عبدالبر کی ہے۔ مسند کی یہ روایت غریب ہے۔

ہمیں روایت پہنچی، احمد بن محمد بن احمد سے انہیں محمد بن عیسیٰ سے انہیں یحییٰ بن ایوب علاف سے انہیں محمد بن ابی السری عسقلانی سے انہیں ولید بن مسلم سے انہیں شعیب پھر عطا خراسانی پھر عکرمہ سے انہیں ابن عباس سے کہ عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتویں روز ختنہ کیا اور ایک دعوت کی اور محمدؐ نام رکھا۔

یحییٰ بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو تلاش کیا لیکن کسی محدث کے پاس نہیں ملی صرف ابن ابی سری کے ہاں سے یہ روایت ملی۔ اور یہ مسئلہ علمائے خاص کے درمیان باعث اختلاف ہے۔ ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے اور لکھا ہے کہ آپؐ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے روایات بھی تحریر کی ہیں۔ لیکن ان کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔ یہ صاحب کمال الدین بن طلحہ ہیں۔ چنانچہ کمال الدین بن عدیم نے ان پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے ——— کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عربوں کے معمول کے مطابق ختنہ کیا گیا اور عربوں کے ہاں ختنہ کرنا ایک عمومی رواج کے علاوہ نشان شرف بھی سمجھا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں

ان میں سے ایک ابولہب کی باندی ثویبہ تھیں، جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند دن دودھ پلایا۔ حضرت ثویبہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رضاعت میں ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاشد مخزومی کو بھی اپنے بیٹے مسروح کے علاوہ دودھ پلایا۔ اوران کے علاوہ اس نے آپؐ کے چچا حمزہؓ بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا۔ محدثین اسنے ثویبہ کے اسلام لانے میں اختلاف کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ ساتھ آپ کو دودھ پلایا۔ ان کی اولاد میں انیسہ اور جذامہ جو شیما کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ دو بچے اور بھی ہیں۔ حضرت حلیمہ حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعۃ سعدی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والدین کے اسلام میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ آں حضرتؐ کے علاوہ حضرت حلیمہ نے آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اور یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت رکھتا تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر یہ مسلمان ہوگئے اور دل وجان سے اسلام کو قبول کرلیا۔

نیز حضرت حمزہ بنی سعد بن بکر کے ہاں شیر خوار مہمان ننھے تو ان کی ماں نے آپ کو بھی دودھ پلا دیا۔ اور حضرت حمزہ اس وقت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ لہٰذا حمزہؓ آپ کے دو طرح سے رضاعی بھائی بھی ہوئے، ایک ثویبہؓ اور دوسرے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے۔

کس کس کی آغوش میں آپؐ رہے۔

پہلے آپ اپنی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد المناف بن زہرہ بن کلاب کی گود میں پرورش پاتے رہے۔ نیز حضرت ثوبیہؓ اور حلیمہؓ اور ان کی بیٹی شیما جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں اور یہی وہ خاتون ہیں جو بنی ہوازن کے وفد میں تشریف لائی تھیں تو آپ نے ان کے حق کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا تھا۔

ان کے علاوہ حضرت ام ایمن کے گود میں بھی آپ کھیلتے رہے اور یہ آں حضرتؐ کو والدین کی طرف سے ملی تھیں۔ یہ باندی تھیں۔ ان کے خاوند زید بن حارثہ تھے اور اسامہ بن زید انہی کے لڑکے تھے اور یہی وہ خاتون ہیں کہ آپؐ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کے پاس تشریف لائے، تو یہ رو رہی تھیں، انھوں نے فرمایا:

کہ اے ام ایمن کیوں روتی ہو؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے رسولؐ کے لئے یہاں سے کہیں بہتر نعمتیں ہیں۔

فرمانے لگیں میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے رسولؐ کے لئے یہاں کی نسبت بہت عمدہ انعامات ہیں لیکن میں تو اس وجہ سے روتی ہوں کہ آسمان سے جو خبر آیا کرتی تھی وہ اب منقطع ہو چکی ہے۔

اس پر ان دونوں حضرات کا بھی جی بھر آیا اور یہ بھی رونے لگے۔

بعثت اور ابتدائے وحی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس برس کی عمر میں مبعوث فرمایا اور یہ کمالِ عقل کا وقت ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ انبیاء علیہم اسی عمر میں مبعوث ہوا کرتے ہیں اور وہ جو مسیح علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ جب انہیں آسمان پر اٹھایا گیا تو ان کی عمر تینتیس ۳۳ برس کی تھی، تو اس کے متعلق کوئی متصل سند کی حدیث نہیں ملتی کہ جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو صبح صادق کی طرح سچا نکلتا۔ کہتے ہیں کہ یہ حالت چھ ماہ تک رہی اور نبوت کی کگ سے

مدّت تیئیس ۲۳ برس تھی اور رویائے صادقہ بھی نبوّت کے چھیالیس اجزا میں سے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوّت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ آپ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے کہ فرشتہ حاضر خدمت ہوا۔ اس زمانہ میں آپ یہاں خلوت گزیں رہنے لگے تھے سب سے پہلی آیت جو آپؐ پر نازل ہوئی وہ یہ تھی:

اقرأ باسم ربك الذی خلق۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جمہور علمائے کرام سے یہی مسلک منقول ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے یا ایھا المدثر۔ نازل ہوئی لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کئی لحاظ سے زیادہ درست ہے۔ من جملہ ان وجوہ کے۔

ایک تو یہ کہ آیت ما انا بقاری صراحتاً بتا رہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل بالکل امّی تھے۔ دوسرے ترتیب بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ پہلے پڑھنے اور بعد میں انذار (ڈرانے) کا فریضہ ادا کیا جائے، کیونکہ جب آپؐ نے دل میں یوں پڑھا۔

انذر ما قرأه۔

یعنی جو پڑھا ہے وہ لوگوں کو بتا کر ڈرائیے۔

تو ظاہر بات ہے کہ پڑھنا پہلے اور ڈرانا بعد میں ہو سکتا ہے۔

تیسرے اس آیت کے متعلق حضرت جابرؓ کا جو قول ہے وہ ان کا ذاتی ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے براہِ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

چوتھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی وضاحت ہو رہی ہے کہ یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّر کے نزول سے قبل بھی فرشتہ حاضر ہوا تھا کیونکہ حضرت جابر کی روایت کے الفاظ اس طرح مرقوم ہیں۔

"پس میں نے سر اٹھایا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا موجود دیکھا۔ آخر میں اپنے گھر لوٹ آیا اور میں نے کہا کہ مجھ پر کمبل ڈال دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔"

تو اللہ تعالیٰ نے سورہ مُدَّثِّر نازل فرمائی اور یہ روایات تو واضح ہی ہے کہ جو فرشتہ حرا میں حاضر ہوا۔ اس کے ذریعہ اقرأ باسم ربّك الذی خلق ہی نازل کی گئی تو حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی یا ایّھا المُدّثّر کا نزول بعد میں بھی ثابت ہوتا ہے۔ حجت اور دلیل روایت ہوگی نہ کہ کسی کی ذاتی رائے۔

مراتب دعوت اور اس کا طریق کار

پہلی حیثیت: نبوّت۔
دوسری حیثیت: اپنے اقرباء کو تبلیغ۔

تیسری حیثیت: اپنی قوم کو دعوت۔

چوتھی حیثیت اُس قوم کو دعوت کہ جس کے پاس پہلے بھی انبیاء علیہم السّلام تشریف لائے اور یہ لوگ اکثر عرب ہی تھے۔

پانچویں حیثیت قیامت تک تمام جن وانس کے لئے اس دعوت کا توسع، جس جس تک یہ دعوت پہنچ سکے۔ اس کے بعد آپؐ تین برس پوشیدہ طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ پھر آپ کو علانیہ تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا۔

فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین۔

یعنی: جس کا حکم دیا گیا اُسے علانیہ بیان کر اور مشرکوں سے اعراض کر۔

پس آنحضرتؐ نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی، لیکن آپ کی قوم نے معاندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ آپ پر اور مسلمانوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ آخر کار دو مرتبہ ہجرت کی بھی اجازت دی گئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مُبارکہ

آپ کے اسمائے مبارکہ محض ستائش بیان کرنے کے لئے صفائی " اعلام " نہیں بلکہ اسمائے مشتقہ ہیں جو مکمل طور پر صفاتِ مدح و کمال کے ترجمان ہیں۔

ان میں سے ایک اسم محمدؐ ہے، اور یہ اسم مبارک زیادہ مشہور ہے اور تورات میں صراحت کے ساتھ یہ نام مذکور ہے۔ ہم نے جلاء الافہام میں خیر البشر، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کرتے ہوئے مفصل یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اس مضمون سے متعلق یہ ایک منفرد کتاب ہے

کہ جس میں اس سلسلہ سے متعلق کثیر معلومات دیے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کے متعلق احادیث بھی بیان کی ہیں۔ نیز ان کے حسنِ صحت اور علل سے بحث کی ہے۔ مزید برآں معلول روایات کی علل پر خوب تبصرہ کیا ہے۔ پھر درود کے اسرار و فضائل اور فوائد و حکم بیان کئے ہیں۔ پھر اس کے مواقع اور محل نیز وجوب کی مقدار، علمائے کرام کے اختلافی پہلوؤں، علی ترجیح، تحریف محرفین اور طریقہ ہائے تبلیغ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

الحاصل اہلِ کتاب کے علماء کا بھی یہی نظریہ ہے کہ تورات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ ہی مذکور ہے۔

آپ کا ایک نام احمدؐ ہے۔ یہ وہ نام مبارک ہے جو مسیح علیہ السّلام نے بتایا تھا اور اس (نام) میں ایک راز ہے جسے ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے۔

نیز آپ کے اسمائے مبارک متوکّل باحی، حاشر، عاقب، مقفی، بنی التوبہ، بنی الرحمۃ بنی الملحمۃ، فاتح اور امین بھی مذکور ہیں۔

ان اسماء کے علاوہ شاہد، مبشر، بشیر، نذیر، قاسم، ضحوک، قتال، عبداللہ، سراج المنیر سید ولد آدم۔ صاحب لواء الحمد، صاحبِ مقام المحمود وغیرہ بھی تحریر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اسمائے حسنہ ہیں۔ اور جب بھی کسی مخصوص تعریفی کلمہ سے آپ کو یاد کیا جائے گا۔ وہ دراصل آپ کا اسم مبارک ہی تو ہوگا۔ لیکن آپؐ کے مخصوص اور مشترک صفاتی ناموں میں امتیاز قائم رکھنا نیز مشتق اور اغلب صفات کے ترجمان ناموں میں فرق ضروری ہے اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اسمائے مبارکہ کا خود تذکرہ کیا اور فرمایا۔

"میں محمد ہوں۔ احمد ہوں، ماحی (مٹانے والا) ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر مٹا دے گا۔ اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ میرے قدموں میں لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ عاقب (آخری) ہوں کہ جس کے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ دو قسم کے ہیں۔ بعض صرف آپؐ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں کوئی دوسرا پیغمبر شریک نہیں ہے۔ جیسے محمد، احمد، عاقب، حاشر،

مقفی، نبی الملحمہ اور بعض ایسے اسمائے مبارکہ ہیں کہ جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں، لیکن آپ کا ان اسمائے مبارکہ سے کامل اور خاص قسم کا تعلق ہے، جیسے رسول اللہ نبی اللہ، عبداللہ، شاہد، مبشر، نذیر، نبی الرحمۃ، نبی التوبہ۔ اور اگر جمیع اوصافِ حمیدہ کو اسماء قرار دیا جائے تو آپ کے اسمائے مبارکہ دو سو سے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً صادق، مصدوق رؤف، رحیم وغیرہ ہم۔

اور اسی سلسلہ میں کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں۔ یہ قول ابو خطاب بن وحیہ کا ہے۔ اس کا مطلب بھی مع اوصاف کے ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی شرح

محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ حمد کا مفعول ہے

چونکہ آپؐ ان گنت خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ اس لئے آپ کا نام محمد (بہت تعریف کیا گیا) رکھا گیا۔ اسی لئے یہ نام محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ محمود ثلاثی مجرد کا صیغہ ہے اور محمد مضاعف کا صیغہ ہے۔ جس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی آپؐ کی تعریف تمام انسانوں سے زیادہ کی جاتی ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے تورات میں آپ کا یہی اسم مبارک ذکر کیا گیا اور آپ کی امت اور شریعت کی اس قدر تعریف کی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے امتی ہونے کی خواہش ظاہر کی اور اس مطلب کے متعلق ہم نے وہیں دلائل دیے ہیں اور ابو القاسم سہیل جس نے اس مبحث کو از حد خلط ملط کر دیا ہے۔ ہم نے براہین سے اُسے غلط ثابت کیا ہے۔

اور امر واقعہ یہ ہے کہ تورات میں آپ کا نام احمد مرقوم ہے جو لفظ حمد سے مشتق ہے اور افعل التفضیل کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی (وزن) میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت فاعل کا معنی لیتی ہے یعنی آپؐ نے خدا کی دوسروں سے زیادہ حمد کی۔ اس طرف اس کا مطلب ہوگا "اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا"۔ انہوں نے اسی مسلک کو ترجیح دی ہے کیونکہ افعل التفضیل کا صیغہ مفعول پر واقع فعل سے نہیں بلکہ فاعل

کے فاعل سے مشتق ہوتا ہے۔ مزید دلیل دیتے ہوئے انہوں نے بتایا ہے کہ مفعول پر فعل واقع ہونے کے اعتبار سے یہ جملہ نہیں بولا جاتا۔

ما أضرب زیداً۔ زید أضرب من عمرو اور نہ یہ کلام منقول ہے ما أشربه للماء ما أحله للخیر وغیرہ۔ کیونکہ افعل التفضیل اور فعلِ تعجب دونوں صیغے فعل لازم سے بنتے ہیں۔ اس لئے فعل لازم کا عین کلمہ مفتوح مکسور اور مضموم ہر طرح سے آتا ہے۔

اور یہ جو فعل پر ہمزہ کا اضافہ کرتے ہیں تو اس لئے تاکہ ہمزہ کا اضافہ کر کے اُسے مفعول کی طرف فعل متعدی بنایا جائے۔ اب ہمزہ تعدیہ کا شمار ہو گا جیسے ما اظرف زیداً ما أکرم عمراً ان دونوں کا اصل ظرف اور کرم ہے۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے بتایا ہے کہ اصل میں متعجب تو فاعل ہے۔ تو اب امر لازم یہی ہے کہ فعل بھی متعدی نہ ہو، باقی رہی یہ مثال ما اضرب زیداً لعمرو ان کا عین کلمہ مفتوح اور مضموم ہی مذکور ہے انہیں (بعد میں) فعل متعدی بنایا گیا اور اس کی دلیل یہ دی گئی کہ عمرو سے قبل لام کا اضافہ کر کے مذکورہ فعل کو متعدی بنایا گیا۔ اس کی مثال جیسے کہ ما اضرب زیداً لعمرو (اس جملہ میں عمرو سے قبل لام تعدیہ کے لئے ذکر کیا گیا) اور اگر یہ صیغہ ویسے ہی متعدی ہوتا تو (لام ذکر کئے بغیر) یوں جملہ ہوتا ما أضرب زیداً عمراً کیونکہ یہ فعل ایک اسم کی طرف تو ویسے ہے اور دوسرے کی طرف ہمزہ کے اضافہ سے فعل متعدی بن جاتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک اسم کی طرف تو ہمزہ سے اور دوسرے اسم کی طرف لام کے اضافہ سے فعل کو متعدی بنانا پڑا۔ اسی وجہ سے انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ دونوں (افعل التفضیل اور فعل تعجب) مفعول پر واقع فعل سے نہیں بلکہ فاعل کے فعل سے مشتق ہیں۔

دوسرے حضرات نے اس بحث میں ان سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں صیغے مفعول پر واقع اور فاعل کے ہر دو فعل سے مشتق ہو سکتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے:

ما أولعه بكذا۔

یعنی وہ اس بات کا کتنا حریص ہے؟

اب یہ مفعول پر واقع فعل سے مشتق فعلِ متعدی ہے۔ اسی طرح ما أعجبه بكذا ما احبه

الیٰ جیسے جملوں میں تعجب اور محبت جیسا فعل متعدی مفعول پر واقع ہو رہا ہے۔ اس کی مزید مثالیں ما ابغضہ الی وغیرہ ہیں اور امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک علمی نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ جب تم ما بغضنی لہ کہتے ہو تو اگر اس وقت تم خود ہی (فاعل یعنی بغض رکھنے والے، محبت کرنے والے، عداوت رکھنے والے ہو تو پھر گویا تم فاعل کے فعل پر تعجب کر رہے ہو اور جب تم ما ابغضنی الیہ۔ ما امقتنی الیہ اور ماحبنی الیہ کہتے ہو اور تمہارے ساتھ بغض، عداوت یا محبت کی جا رہی ہو تو گویا کہ تم مفعول پر واقع فعل پر تعجب کر رہے ہو تو جو فعل لام سے متعدی ہو گا وہ فاعل کے فعل سے اور جو الیٰ سے متعدی ہو گا وہ مفعول پر واقع فعل سے (مشتق) ہو گا۔

دوسرے نحوی حضرات نے یہ علت بیان نہیں کی۔ حقیقتاً تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ باقی جو علت بتائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ لام معنوی طور پر فاعل (کی تملیک بتانے) کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسے سوال ہو لمن ھذا (یہ کس کا ہے؟) تو جواب ہو گا۔ لزید (زید کا ہے) تو زید اور من سے قبل لام کا اضافہ کر دیا گیا اور یا الیٰ کا ذکر ہو گا۔ جیسے کہ الی من یصل ھذا الکتاب؟ (یہ کتاب کس کو ملے گی؟) تو یہ مفعول (کی طرف اشارہ) کے لئے استعمال کیا گیا۔ تو اس کا جواب الی عبداللہ ہو گا۔ (عبداللہ کو ملے گی) اور اس کا اصل سبب یہ ہے کہ لام ملک، اختصاص اور استحقاق کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور مالک و مستحق بننے والے فاعل کے لئے ذکر کیا جاتا ہے اور الی انتہائے مقصود ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور انتہائے مقصود تقاضائے فعل پر منحصر ہے۔ اس لئے الی مفعول کے لیے زیادہ موزوں ہے لیکن وہی تقاضائے فعل کی انتہا ہوتی ہے اور آں حضرت کے متعلق کعب بن زہیر کا یہ شعر:

فلھو اخوف عندی اذ اکلمہ
وقیل انک محبوس ومقتول،

یعنی "جب میں ان سے مخاطب ہوتا ہوں تو وہ سب سے زیادہ پر رعب نظر آتے ہیں اور مجھ سے کہا جاتا ہے کہ تم یا تو قید ہو جاؤ گے یا قتل کر دیے جاؤ گے۔"

تو یہاں اخوف خیف سے مشتق ہے جس کے معنی پر رعب ہیں۔ اس کا مطلب خود ڈرنا نہیں۔ ایسے ہی ما اجن زیدًا من جنّ۔

یعنی جن زید کو کتنا ڈرانے والا ہے؟

یہاں بھی مذکورہ ترکیب ہی ہے اور یہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔ البتہ بصرہ والے کہا کرتے ہیں کہ یہ مندرجہ بالا امثلہ شاذ اقوال ہیں۔ اس لئے قواعد پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ایسی امثلہ کے متعلق قواعد کی بجائے سماع پر اکتفاء کرنا مناسب ہے لیکن کوفی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مذکورہ قسم کی مثالیں چونکہ عربی زبان میں بکثرت مستعمل ہیں اس لئے انہیں شاذ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ شاذ کلام تو عام زبان کے خلاف اور بہت کم مستعمل ہوتی ہے اور یہ کلام قواعد کے مخالف نہیں۔ اور کوئی حضرات مزید کہتے ہیں کہ فعل کو لازم فرض کر کے فعل کی طرف منسوب کرنا محض زیادتی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

باقی رہا وہ جو فعل پر ہمزہ بڑھا کر اُسے متعدی کرنا پڑتا ہے۔ تو امر واقعہ اس طرح نہیں جیسا کہ آپ نے (غلط) تحقیق کی ہے۔ نیز ہمزہ تعدیہ کی علامت بھی نہیں بلکہ وہ تو صرف تعجب اور افعل التفضیل کے معنی دے رہا ہے جیسے کہ فاعل میں الف مفعول میں م اور واو اور افتعال وغیرہ میں تا مخصوص علامات ہیں۔ ثلاثی مجرد کے افعال پر یہ اضافات، علامات مخصوصہ ہیں۔ اسی طرح ہمزہ کا اضافہ بھی علامت تعدیہ نہیں بلکہ اضافہ مذکورہ بالا ہے۔

باقی جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جو فعل ہمزہ لگانے سے متعدی ہو سکتا ہے وہ صرف جر لگانے یا مضاعف بنانے سے بھی متعدی ہو سکتا ہے مثلاً جلست بہٖ۔ اجلستہٗ قمت بہٖ۔ قمتہٗ وغیرہ (میں اس کے پاس بیٹھا۔ میں نے اسے بیٹھایا میں اس کے ساتھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُسے کھڑا کیا) چونکہ ان امثلہ میں کوئی دوسرا حرف ہمزہ کے قائم مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے واضح ہے کہ یہاں ہمزہ محض علامتِ تعدیہ نہیں۔ دوسرے یہاں تعدیہ کی اصل علامت "با" بھی مذکور ہے۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ ایک فعل میں تعدیہ کی دو علامات جمع نہیں ہو سکتیں۔

یہ مقولہ مشہور ہے۔ ما أعطاہ للدّراھم۔ ما اکساہ للثیاب یہ دونوں جملے

اعطٰی اور اکسا متعدی افعال سے ہیں تو اس اعطٰی کو عطو قرار دے کر اس پر ہمزۂ تعدیہ کا اضافہ کرنا قطعاً درست نہیں، بلکہ ان کا ہمزہ تو علامتِ تعجب و تفضیل ہے۔ جب اس کا ہمزہ حذف کر دیا گیا تو اب یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تعدیہ کا ہمزہ تھا۔ رہی یہ مثال ما اخربہٗ لزیدٍ۔ یہاں زید سے قبل کا لام فعل لازم کے باعث اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے ضعف کو دور کرنے کے لئے "لام" کا اضافہ کیا گیا۔

اب ہم پھر اپنے مطلب یعنی اصل موضوع کی طرف عود کرتے ہیں۔

دونوں اقوال میں سے جو بھی مراد لیا جائے اپنے رب کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا یا دوسرا قول کہ سب لوگوں سے زیادہ تعریف کا مستحق بہر صورت گویا معنوی طور پر بھی آپ کا نام محمدؐ ہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ محمدؐ کا لفظ حمد کے کثیر خصائل کی حامل ہستی پر بولا جائے گا اور احمد کا مطلب دوسروں سے زیادہ حمد کا سزاوار ہوتا ہے۔ پس محمد کثرت و کمیتِ (حمد) اور احمد صفت و کیفیتِ (حمد) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

الحاصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے زیادہ حمد کے سزاوار اور دوسروں سے زیادہ افضلیت کے حامل ہیں۔ آج تک معاشرہ انسان نے آں حضرتؐ سے زیادہ کسی کی حمد نہیں کی۔ یہ دونوں آپؐ کے نام ہیں۔ مدح اور معنی کے لحاظ سے یہ دونوں نام سب سے زیادہ بلیغ اور کامل ہیں اور اگر اس کا مفہوم "فاعل" کا لیا جائے تو پھر آپؐ کا نام حماد ہوگا۔ کیونکہ آپ نے تمام مخلوق سے زیادہ اپنے پروردگار کی حمد فرمائی۔ اس لئے کثرتِ حمد باری تعالیٰ کی وجہ سے آپؐ کو احمد کہا جائے تو آپ کا نام حمّاد زیادہ موزوں ہے جس طرح آپ کی اُمت کا بھی یہی نام مذکور ہے۔

دوسرے یہ دونوں نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصافِ حمیدہ کے مظہر ہیں اس وجہ سے آپ محمدؐ اور احمدؐ دونوں اسمائے مبارکہ کے مستحق ہیں۔ زمین و آسمان اور دنیا و آخرت کی تمام مخلوق آپ کے خصائل حمیدہ کے باعث آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ یہ اوصاف و خصائل اتنے ہیں کہ ان کی تعداد حساب و شمار سے باہر ہے کتاب الصلوٰۃ والسلام میں ہم نے اس مبحث پر مکمل طور پر بحث کی ہے اور اس جگہ پریشانی خاطر اور

سفر کے باعث ہم نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

المتوکل، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام متوکل بھی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مذکور ہے۔ انھوں نے فرمایا۔

میں نے تورات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا حلیہ مبارک پڑھا کہ:

"محمد اللہ کا رسول میرا بندہ، میرا پیامبر ہے۔ میں نے اس کا نام متوکل رکھا۔ نہ وہ بداخلاق ہے، نہ درشت مزاج، نہ کوچہ و بازار میں شور کرنے والا ہے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دے گا۔ بلکہ عفو اور درگزر سے کام لے گا اور میں اسے ہرگز موت سے ہم آغوش نہ کروں گا۔ جب تک اس کے ذریعہ ایک ملّت بیضا نہ پیدا کر دوں۔ جو یہ کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کے سب لوگوں سے زیادہ اہل ہیں کیونکہ آپ نے اقامتِ دین کی خاطر اللہ تعالیٰ پر اس شدت سے اعتماد کیا کہ اس اعتماد میں قطعًا شرک نہیں کیا۔

رہا ماحی، حاشر، مقفی اور عاقب تو ان اسمائے مبارکہ کی جبیر بن مطعم کی روایت میں وضاحت کی گئی ہے۔

ماحی سے مراد یہ ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کفر مٹایا۔ اور تمام مخلوق سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کفر و عصیان کو نابود کیا۔ کیونکہ جب آپ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت ساری زمین پر چند اہل کتاب کے سوا سب کافر آباد تھے۔ مثلاً بت پرست مغضوب یہودی، گمراہ نصرانی، دہریے جو نہ پروردگار اور نہ معاد کے قائل ہیں۔ ستارہ پرست آگ کے پجاری، فلسفی جو نہ انبیاء کے دین کو سمجھتے ہیں اور نہ ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کفّار کو مٹایا۔ حتّٰی کہ اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا اور اسلام کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہونی شروع ہو گئی اور آپ کی دعوت چار دانگِ عالم میں پھیل گئی۔

حاشر، حشر کا مطلب جمع کرنا ہوتا ہے۔ گویا آپ حشر کے قریب ہی مبعوث ہوئے

عاقب، جو تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں تشریف لائے۔ چنانچہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، کیونکہ عاقب آخر ہی میں ہوتا ہے جس طرح (مضمون یا خط) کے آخر میں خاتم (مہر) لگائی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کو مطلقاً عاقب الانبیاء قرار دیا گیا۔

مقفی بھی اسی طرح ہے جو اپنے بزرگانِ سلف کے نقشِ قدم پر چلتا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے ذریعہ (دنیا والوں کو) انبیاء سابقین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشتا ہے۔ اور آپؐ ہی ان میں سے آخری اور خاتم النبیین ہیں۔

رہا نبی التوبہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دنیا پر توبہ کا دروازہ کھولا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس طرح (رحمت سے) توبہ قبول فرمائی کہ آپ سے قبل کسی کو اس قدر شرف حاصل نہ ہوا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سب لوگوں سے زیادہ توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہی مجلس میں سو سو بار۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ۔

یعنی: میرے پروردگار مجھے بخش دے، میری توبہ قبول فرما بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا ہے۔

اور فرمایا کرتے تھے اے لوگو! اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کرو۔ کیونکہ میں بھی دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ پس آپ کی امت کی توبہ تمام سابقہ امم سے زیادہ کامل، زیادہ سہل اور بسرعت مقبول ہے۔ حالانکہ پہلی امتوں کی قبولیت توبہ سب سے مشکل امر تھا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کو اس پاداش میں کہ وہ گئو سالہ پرستی کرتے تھے۔ اپنے آپ کو قتل کرنا پڑا۔ لیکن اس اُمّت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ ان کی ندامت کو بھی توبہ قرار دے دیا۔

نبی الملحمۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اُمّت نے پچھلی تمام اُمتوں سے بڑھ چڑھ کر جہاد کیا ہے۔ چنانچہ اس اُمّت اور کفار کے درمیان جس قدر عظیم معرکے ہوئے اس سے قبل کسی اُمّت کو ایسے ہولناک حالات سے دوچار نہیں ہونا پڑا کیونکہ یہی ایک ایسی امت ہے، جس نے ہر زمانہ میں دُنیا کے چپہ چپہ پر دینِ خدا کے دشمنوں

سے جہاد اور مقابلہ کیا ورنہ ماضی کی کسی قوم کو یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی۔

نبی الرحمۃ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اس لیے آپ نے تمام اہلِ دنیا پر عام اس سے کہ وہ مسلم ہوں کافر سب پر رحم فرمایا، اہلِ اسلام آپؐ کی رحمت سے خوب خوب بہرہ ور ہوئے۔ لیکن کفار اور ان میں سے اہلِ کتاب خاص طور پر ہمیشہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ جود و سخا میں اطمینان سے زندگی گزارتے رہے۔ ہاں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ شروع کر دی۔ انہوں نے خود ہی جہنم کو خوش آمدید کہا اور انہیں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے جو دراصل ان کو شدید تر عذاب کی طرف لے جا رہی تھی۔

فاتح: کھولنے والا، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دوبارہ ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔ اندھوں کو بصارت، بہروں کو شنوائی عطا فرمائی اور زنگ آلود دل سے صیقل کر دیے کفار کے علاقے فتح ہوئے، جنت کے دروازے کھلے، نئے نئے علوم اور اعمالِ حسنہ کی بنیاد رکھی گئی۔ غرض دل و دماغ۔ بصارت و شنوائی بلکہ دنیا و آخرت تک فتح ہو گئی۔

امین (امانت دار) حقیقتاً عالمِ رنگ و بو میں صرف نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس نام کے اہل ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی وحی اور شریعت کے امین ہیں۔ زمینوں اور آسمانوں کی ہر ہر مخلوق کے امین ہیں۔ بلکہ نبوت سے قبل بھی آپ امین کے مبارک نام سے مشہور تھے

ضحوک۔ قتال۔ یہ دونوں نام آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا ذکر نہیں کئے جاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے سامنے (ضحوک) (ہنس مکھ) ہیں۔ نفرت، حقارت، غصہ اور بدمزاجی کا نام تک نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے قتال (قتل کرنے والے) کی حیثیت بھی رکھتے تھے اور (ظالموں کو سزا دینے میں) کسی کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کرتے۔

بشیر (خوشخبری دینے والا) یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا اُسے آپ جنت کی خوشخبری دینے والے ہیں۔

نذیر: (ڈرانے والا) جو آپ کی نافرمانی کرے گا اُسے عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں۔
نیز قرآن پاک میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ سے بھی خطاب فرمایا ہے جیسے:

لمّا قام عبد اللہ یدعوہ۔

اسی طرح

تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ
یعنی پاک ہے وہ ذات کہ جس نے (عبداللہ) اللہ کے بندے پر قرآن نازل کیا۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ

وان کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علیٰ عبدنا

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام سراج المنیر (روشن چراغ) رکھا اور سورج کو سراج وھاج (جلانے والا چراغ) قرار دیا۔ منیر جلائے بغیر روشنی دیتا ہے اور وہاج کی روشنی میں حرارت اور جلانا بھی شامل ہوتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

اولاد، ازواج اور خاندان کا بیان

پہلی اور دوسری ہجرت کا بیان جب مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور کفّار کو ان سے خطرہ لاحق ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین مصائب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ناچار آپؐ نے صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ فرمایا کہ وہاں ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم نہیں کرتا۔ پس بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ بھی تھے اور یہ صحابہ پہلے مہاجر تھے۔ جنہوں نے ہجرت کا آغاز کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ یہ حضرت حبشہ میں بڑے سکون سے زندگی گزارتے رہے پھر انہیں اطلاع ملی کہ قریش مسلمان ہو چکے ہیں، گو یہ خبر غلط تھی مگر یقین کر کے مکّہ واپس آگئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ قریش تو مسلمانوں کے پہلے سے زیادہ دشمن ہیں اس لئے کچھ لوگ واپس چلے گئے اور کچھ مکّہ ہی میں ٹھہر گئے۔ اب یہ حضرات پہلے سے بھی زیادہ قریش کے نشانۂ ستم بنے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ اس بار تراسی۸۳ مردوں اور اٹھارہ۱۸ عورتوں نے ہجرت کی، ان میں عمّار بھی تھے (لیکن راوی کو شک ہے) یہ حضرات شاہ نجاشی کے پاس بڑے اطمینان سے ٹھہرے۔ جب قریش کو اطلاع ملی تو انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر مخزومی کے ساتھ جماعت حبشہ بھیجی تاکہ

نجاشی کو ورغلا سکیں۔ لیکن ان کی ساری چالاکی کام نہ آئی۔

اس کے بعد قریش کی ایذا رسانیاں بڑھ گئیں، جس کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کو شعب ابی طالب میں تین برس اور ایک قول کے مطابق دو برس تک کے لئے محصور رہنا پڑا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے تو آپ کی عمر اڑتالیس برس اور ایک روایت کے مطابق انچاس برس کی تھی۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد آپ کے چچا ابوطالب ستاسی برس کی عمر میں فوت ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اسی نظر بندی کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو کفار سے زیادہ ایذائیں پہنچیں۔ اس کے فوراً ہی بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ (ان کی وفات کے بعد) کفار کی ایذا دہی میں اور اضافہ ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات تبلیغ دین کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ آپ چند دن وہاں تشریف فرما رہے۔ لیکن وہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے کے بجائے آپ کو ایذائیں دینے پر اتر آئے۔ شہر سے نکال دیا۔ آپ پر پل پڑے اور اس قدر پتھر برسائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں لہو لہان ہو گئے۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ تشریف لے آئے۔ راستے میں ایک عیسائی حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور آپ کی تصدیق کی نیز واپسی پر جب آپ وادی نخلہ میں پہنچے تو جنات کی ایک جماعت آپ کو ساتھ لے گئی اور آپ سے قرآن مجید سن کر اسلام لے آئی۔ نیز پہاڑوں پر متعین فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ چاہیں تو یہ پہاڑ اہلِ طائف پر ڈال کر انہیں کچل دوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہیں"!

"مجھے اُمید ہے اللہ تعالیٰ ان کے صلب سے ایسے لوگ ضرور پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ قطعاً کسی کو شریک نہ کریں گے۔ راستہ میں ہی آپ نے وہ مشہور دعا کی جو حدیث میں مذکور ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُو ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ۔

یعنی: اے میرے اللہ میں اپنی توانائی کی قلت اور اسباب کی کمی کے بارے

میں تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کے گھر کے قریب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد ہی آپ کو جسم و روح کے ساتھ مسجد اقصٰی تک سیر کرائی گئی۔ پھر آپ ایسے ہی جسم و روح کے ساتھ ہی آسمانوں سے ہوتے ہوئے اللہ جل شانہٗ کے دربارِ اعلیٰ میں حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور نمازیں فرض کی گئیں۔

معراج اور اس کی نوعیت و کیفیت

صحیح روایت کے مطابق آپ کو ایک ہی بار معراج جسمانی ہوئی۔

بعض کا خیال ہے کہ حالتِ خواب میں معراج ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ یوں کہنا چاہیئے کہ آپ کو معراج کرائی گئی، لیکن بیداری اور حالتِ خواب کے تعین میں خاموش رہنا چاہیے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بیت المقدس تک بیداری میں اور آسمانوں پر حالت خواب میں تشریف لے گئے۔

بعض حضرات دوبارہ معراج کے قائل ہیں ایک بار بیداری اور ایک بار حالت خواب میں ایک قول تین بار کا بھی ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی۔ رہی وہ بات جو شریک کی روایت میں مذکور ہے کہ معراج وحی سے قبل ہوئی، یہ غلط ہے اور یہ ان کے ضعف حافظہ کا نتیجہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وحی سے قبل حالتِ خواب میں اور وحی کے بعد حالتِ بیداری میں معراج ہوئی، بعض کا خیال ہے یہاں "وحی" مقید ہے مطلق نہیں کہ جو بعثت کی ابتداء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معراج کی حقیقت بتانے سے قبل اچانک یہ واقعہ پیش آیا۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدت تک مکہ میں مقیم رہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ ہر میلے اور تہوار میں تشریف لے جا کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے کہ جو بھی تبلیغ دین میں مدد دے گا۔ اس کے لئے پروردگار کے ہاں جنّت کی بشارت ہے۔ لیکن کسی قبیلہ نے دعوت پر کان نہ دھرا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے یہ شرف انصار (مدینہ) کی قسمت میں لکھا تھا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو

سربلندی و عزت بخشنے، اپنا وعدہ پورا کرنے، اپنے نبی کی مدد کرنے، اپنا کلمہ بلند کرنے اور اعدائے اسلام سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا تو انصار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا، کیونکہ یہ شرف انہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ چھ اور ایک روایت کے مطابق آٹھ آدمی حج کے موسم میں یہ مقام عقبہ حلق کے ارادے سے بیٹھے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔

ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا اور وہاں سے جب مدینہ آئے تو اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی آواز کچھ اس طرح پھیلی کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل نہ ہو رہا ہو!

مدینہ میں پہلی مسجد جہاں قرآن مجید کی علانیہ تلاوت کی گئی، مسجد بنی زریق تھی۔ اس کے بعد اگلے سال مدینہ سے بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے، جن میں سے پانچ وہ تھے جو اس سے قبل بھی حاضری سے مشرف ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے مقام عقبہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور مدینہ واپس ہوئے۔ اس سے اگلے سال مدینہ سے تہتر مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں اور یہ آخری جماعت تھی جو مدینہ سے حاضر خدمت ہوئی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی، جس بات سے آپ منع فرمائیں گے وہ اپنی عورتوں، اولاد اور اپنے آپ کو باز رکھیں گے۔

ہجرت کی اجازت

آخر آپ اور آپ کے صحابہ بھی ہجرت فرما کر ان کے ہاں سے تشریف لے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ نقیبوں یعنی (مبلغوں) کا انتخاب فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ ایک جماعت خفیہ طور پر روانہ ہوئی۔ بعض کے نزدیک ابو سلمۃ بن عبدالاشد مخزومی اور بعض کے خیال میں مصعب بن عمیر سب سے پہلے اس سفر پر نکلے اور مدینہ میں انصار کے ہاں اقامت پذیر ہوئے۔

انصار نے ان کی خوب خدمت تواضع کی اور مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی۔ اور آپ ربیع الاوّل اور ایک روایت کے مطابق صفر کے مہینہ میں منگل کے دن مکہ سے روانہ ہوئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ترپن ۵۳ سال تھی اور آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ تھے۔ عبداللہ بن اریقط لیثی راہ نمائی کر رہے تھے، پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں تشریف لے گئے اور تین دن وہیں قیام فرمایا۔ پھر ساحل کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے آپ ربیع الاوّل کی بارھویں رات کو منگل کے دن مدینہ پہنچے۔

مسجد قباء کی تعمیر

بعض نے لکھا ہے کہ آپ مدینہ سے باہر وادی قباء میں بنی عمرو بن عوف اور ایک روایت کے مطابق کلثوم بن ہزم کے ہاں مہمان ہوئے ایک روایت سعد بن خیثمہ کی بھی ملتی ہے۔ آنحضرتؐ ان کے ہاں چودہ دن ٹھہرے رہے اور مسجد قباء تعمیر فرمائی۔ پھر آپ جمعہ کی صبح کو یہاں سے چلے، بنی سالم کے علاقہ میں نماز جمعہ کا وقت ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سو کے قریب آدمی تھے۔ یہ سب جمع ہو گئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ ناقہ پر سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ لوگ ناقہ کی مہار پکڑتے اور درخواست کرتے کہ آپ ہمارے ہاں تشریف رکھیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ مامور من اللہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود ہی جہاں اللہ کو منظور ہوگا بیٹھ جائے گی) چنانچہ اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی۔ جہاں آج کل مسجد نبوی ہے اور یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔

آپ یہاں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مل کر اس خالی زمین پر کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں سے مسجد تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مسجد کے ساتھ ہی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے حجرے تعمیر کیے۔ سب سے پہلا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔ پھر سات ماہ بعد حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان سے منتقل ہو گئے۔ جب ان صحابہ کو، جو حبشہ میں مقیم تھے۔ آپ کی ہجرت مدینہ خبر ملی تو ان میں سے تینتیس ۳۳ آدمی واپس

آگئے، جن میں سے سات راستہ میں مکہ کے کفار نے گرفتار کر لیے اور باقی بخیریت مدینہ منورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگئے اس کے بعد باقی صحابہ فتح خیبر کے سال ۷ھ کو کشتی کے ذریعہ واپس ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ مسعود

سب سے پہلا بچہ القاسم تھا، اسی نام پر آپ نے اپنی کنیت "ابوالقاسم" رکھی۔ لیکن بچپن ہی میں ان کا انتقال ہوگیا، لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی اتنی عمر ہوئی کہ انہوں نے سواری بھی فرمائی اور سفر بھی کیا۔

قاسم کے بعد زینبؓ پیدا ہوئیں۔ ایک قول کے مطابق حضرت زینب کی عمر قاسم سے زیادہ تھی۔

بعد ازاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ ان کی عمروں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رقیہؓ باقی تینوں سے بڑی تھیں اور ام کلثومؓ چھوٹی تھیں۔ پھر حضرت عبداللہ پیدا ہوئے اس میں اختلاف ہے کہ ان کی ولادت بعثت سے بعد یا قبل ہوئی؟ صحیح یہ ہے کہ ان کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی۔ ان کے لقب میں بھی اختلاف ہے، آیا طیب اور طاہر دونوں لقب ان ہی کے ہیں؟ محتاط روایت کے مطابق یہ دونوں القاب حضرت عبداللہ علیہ السلام ہی کے ہیں، واللہ اعلم۔

یہ تمام اولاد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی۔ دوسری ازواج مطہرات سے اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ۸ھ میں ابراہیم پیدا ہوئے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ نے ولادت کی خوشخبری پہنچائی یہ سن کر آپ نے انہیں ایک غلام عنایت فرمایا۔ لیکن ابھی ان کا دودھ نہیں چھوٹا تھا کہ وفات پاگئے آیا آپ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے یا نہیں؟ اس باب میں دو قول مروی ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کی تمام اولاد آپ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی البتہ حضرت فاطمہؓ نے آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و استقلال پر انہیں

تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت بخشی، انہیں خواتین عالم کا سرتاج بنا کر بلند درجات عطا فرمائے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی تمام اولاد میں زیادہ افضل ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جہانوں کی خواتین سے افضل ہیں۔ بعض ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو افضل سمجھتے ہیں، بعض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کے قائل ہیں۔ اور بعض کا خیال یہ ہے کہ اس معاملہ میں سکوت بہتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ رشتے دار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام (چچاؤں) میں ایک اسد اللہ، اسد رسول اللہ سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں نیز حضرت عباسؓ، علاوہ ازیں ابوطالب جن کا اصل نام عبدالمناف تھا اور ابولہب، جس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور زبیر اور عبدالکعبہ اور مقوم اور ضرار اور قثم اور مغیرہ، جس کا لقب حجل تھا اور عیداق، جس کا اصل نام مصعب اور ایک قول کے مطابق نوفل ہے۔ بعض نے نوفل کے ساتھ "العوام" کا اضافہ کیا ہے۔

ان میں سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما اسلام سے مشرف ہوئے آپ کی پھپھیوں میں ایک صفیہؓ والدہ حضرت زبیر بن عوام تھیں۔ نیز عاتکہ، برۃ، اروی، امیمہ، ام حکیم بھی تھیں۔ ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں۔ حضرت عاتکہ اور حضرت اروی کے اسلام میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے حضرت اروی کے قبولِ اسلام کو صحیح مانا ہے۔

حارث آپ کے بڑے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ چھوٹے چچا تھے۔ اور پھر ان کی اولاد کرہ ارضی پر پھیل گئی۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں ان کی مردم شماری ہوئی تو ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ چکی تھی[1]۔ اسی طرح ابوطالب حارث، ابولہب سب کی اولاد میں کافی اضافہ ہوا۔ بعض روایتوں میں حارث اور مقوم ایک آدمی کے دو نام ہیں۔ بعض لوگوں نے عیداق اور حجل کو ایک ہی انسان قرار دیا ہے۔

---

[1] تاریخی و تحقیقی اعتبار سے یہ تعداد حد درجہ مبالغہ آمیز ہے، (رئیس احمد جعفری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد قرشیہ اسدیہ تھیں جن سے بعثت سے قبل ہی آپ کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔ ان کی وفات تک آپؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہوئی۔ آپ کی یہی وہ اہلیہ تھیں۔ جنہوں نے آپؐ کے ساتھ مصائب برداشت کیے، تبلیغ کے سلسلہ میں تعاون کیا اور کسی قسم کی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سلام بھیجا۔ اور یہ اعزاز ہے جو خدیجہؓ کے سوا کسی کو بارگاہ الٰہی سے عطا نہیں ہوا[1]۔ ہجرت سے تین برس قبل ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت سودہ: پھر آپ نے کچھ عرصہ کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ قرشیہ سے نکاح کیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی۔

حضرت عائشہ: ان کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام عبداللہ حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ اور انہیں کے متعلق عرش سے اللہ تعالیٰ نے برأت کی آیات نازل فرمائیں۔ اور نکاح سے قبل ہی ریشم کے ایک ٹکڑے پر ان کی تصویر نازل کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ شوال میں جب ان سے نکاح ہوا تو اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی[2]۔ ہجرت کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تو اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی[2]۔ ان کے سلاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا نہ ان کے علاوہ کسی کے بستر پر وحی نازل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ان ہی سے محبت رکھتے تھے۔ آسمان سے ان کی برأت نازل ہوئی۔ جس نے ان پر تہمت لگائی وہ سب کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے[3]۔

---

[1] اس طرح کی ایک روایت حضرت عائشہ کے بارے میں بھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2،3] حضرت عائشہ کی عمر نکاح و رخصتی کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے (رئیس احمد جعفری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عالم اور فقیہہ بلکہ اُمت مسلمہ کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ ماہر فقہ (مسائل دینی) اور عالم تھیں۔ چنانچہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی طرف (حل مشکلات کے لیئے) رجوع کیا کرتے اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ دیر کے لئے مقاطعہ بھی کیا تھا، لیکن یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ پھر آپؐ نے حفصہؓ بنت عمر بن خطاب سے نکاح کیا۔ ابو داؤد میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دی، لیکن پھر رجوع فرمالیا۔

حضرت زینب بن خزیمہ۔ ان کے بعد بنی ہلال بن عامر کی ایک خاتون حضرت زینب بنت خزیمہ بن حارث قیسیہ سے نکاح فرمایا۔ آپ کے ہاں منتقل ہونے کے دو ماہ بعد ان کی وفات ہوگئی۔

حضرت اُمّ سلمہ: پھر آپ نے ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ قرشیہ سے نکاح کیا۔ ابی امیہ کا اصل نام حذیفہ بن مغیرہ تھا۔ حضرت ام سلمہ نے سب سے آخر میں وفات پائی۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت صفیہ کی وفات سب سے آخر میں ہوئی۔ ان کے ولی نکاح میں اختلاف ہے طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کے ولیٔ نکاح سلمۃ بن ابی سلمہ تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن ابی سلمہ کے نکاح میں ولی بن کر ان کا امامہ بنت حمزہ سے نکاح کیا۔ تو فرمایا "اے سلمۃ یہ اُس بات کا بدلہ ہوگیا" آپ نے یہ اُس لئے فرمایا تھا کیونکہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے نکاح میں ان کے سب گھر والوں میں سے صرف سلمۃ بن ابی سلمۃ ہی ولی نکاح ہوئے تھے۔ طبقاتِ ابن سعد نے حضرت سلمۃؓ کے تذکرہ میں یہ واقعات ذکر کئے ہیں۔ واقدی نے ام سلمۃ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مجمع بن یعقوب سے اور انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمۃؓ سے منگنی کی پھر ان سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کا لڑکا عمر بن ابی سلمۃ بہت چھوٹا تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں لکھا ہے کہ ہمیں عفان سے انہیں حماد بن ابی سلمۃ سے

(باقی حاشیہ) یہ صحیح نہیں کیونکہ تہمت لگانے والوں میں سے شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت بھی تھے جن پر حد قذف بھی جاری ہوئی مگر انہیں کوئی کافر نہیں مانتا (رئیس احمد جعفری)

انہیں ثابت سے روایت پہنچی اور انہوں نے فرمایا! کہ جب انہوں نے ابو سلمۃ کی عدت پوری کرلی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام نکاح بھیجا۔ امّ سلمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ اور عرض کیا کہ میں ایک پریشان حال اور مصیبت زدہ عورت ہوں اور میرا کوئی ولی موجود نہیں، نیز یہ روایت بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عمر سے کہا کہ اُٹھ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھ تو اس نے آپؐ کا نکاح پڑھا۔ لیکن یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے۔ کہ ان دنوں عمر بن ابی سلمہ کی عمر نو برس تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمۃؓ سے ۴ھ شوال کے مہینہ میں نکاح کیا اور اس وقت ان کی عمر تین برس کی تھی۔ اور اتنی چھوٹی عمر کا بچہ ولی نکاح نہیں ہوا کرتا۔ ابن سعد اور دوسرے مورخین نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ روایت سنائی گئی تو فرمانے لگے کہ کون کہتا ہے کہ وہ (عمر بن ابی سلمہ) اُس وقت چھوٹے تھے؟ ابو الفرج بن جوزی نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول عمر بن ابی سلمہ کی اصل عمر معلوم ہو جانے سے قبل کا ہے۔ ابن سعد وغیرہ مؤرخین کی ایک جماعت نے بھی ان کی عمر ذکر کی ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی نکاح عمر بن خطابؓ تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ روایت میں ام سلمۃؓ کے قُمْ یَاعُمَرُ (اٹھو اے عمر) کے الفاظ مذکور ہیں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ عمر بن ابی سلمۃ کے نسب میں لفظ "کعب" مشترک آجانے سے غلط فہمی ہوگئی ہے۔ کیونکہ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ، بن ریاح بن عبداللہ بن قرظ بن رواح بن عدی بن کعب اور ام سلمۃ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرۃ بن کعب دونوں روایتوں میں سلسلہ نسب کعب پر ختم ہوتا ہے، تو جب ام سلمۃؓ نے کہا قُمْ یَاعُمَرُ (اے عمر اٹھو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھاؤ) تو اس روایت کو دیکھ کر بعض محدثین کو اشتباہ ہوا اور انہوں نے عمر کو بن ابی سلمۃ سمجھ لیا۔ اور اس معنوی اشتباہ کی بنا پر محدثین نے اس طرح ذکر کردیا "تو امّ سلمہؓ نے اپنے بیٹے سے کہا"۔ حالانکہ اس فریضہ کی ادائیگی ان کی صغر سنی کے باعث محال تھی۔ اسی طرح یہ بھی فقہاء کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف اس قول کو منسوب کر دیا کہ "اے لڑکے اٹھ اور اپنی والدہ کا نکاح پڑھا" ابو فرج بن جوزی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہم نے یہ روایت کہیں نہیں پڑھی اور فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ازراہِ مذاق فرمایا ہو گا۔ ورنہ اس وقت تو عمر بن ابی سلمۃ کی عمر صرف تین سال تھی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ھ میں نکاح کیا اور جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت عمر بن ابی سلمہؓ کی عمر نو سال تھی۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولی نکاح کے بھی محتاج نہ تھے۔ ابن عقیلؒ نے بتایا ہے کہ امام احمدؒ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ولی کی شرط نہ تھی اور یہ خصوصیاتِ نبویہ میں سے ہے۔

زینب بنتِ جحش

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان اسد بن خزیمہ کی ایک عورت زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ یہ آپ کی چچی امیمہ کی لڑکی تھیں اور انہیں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

فلمّا قضیٰ زید منها وطرًا زوّجناکها۔

یعنی، جب زید کی اس سے مطلب برآری ہو گئی، تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت زینبؓ امہات المومنین کے سامنے فخر یہ فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا لیکن میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے فرمایا۔ اور یہ ان کا خصوصی شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کا ولی نکاح تھا، جس نے رفعت فلک پر سے ان کا نکاح کر دیا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد خلافت کے ابتدائی ایام میں ان کی وفات ہوئی پہلے ان کا حضرت زید بن حارثہ سے نکاح ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو متبنّی بنا لیا تھا۔ جب انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آپؐ سے فرما دیا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اپنے متبنّی کی بیوی سے نکاح کر سکنے کی سہولت ہو جائے۔

حضرت جویریہ بنت حارث:۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت

حارث بن ابی ضرار مصطلقیہ سے بھی نکاح فرمایا۔ یہ بنی مصطلق کے قیدیوں میں آئی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کی رقم ادا کرنے کے لیے مدد کی درخواست کرنے حاضر ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کی کتابت کی رقم ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ اور حبالہ عقد میں لے لیا۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ:- پھر آپ نے اُمّ حبیبہ سے نکاح کیا جن کا اصل نام رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب قرشیہ امویہ ہے۔ ایک روایت میں ان کا نام ہند بھی مذکور ہے۔ ہجرت کے دوران میں جب یہ حبشہ میں تھیں تب ان کا نکاح آپؐ سے ہوا تھا۔ شاہ نجاشی نے چار سو دینار ان کا حق مہر خود ادا کیا تھا۔ وہاں سے مدینہ آگئیں یہ اپنے بھائی معاویہ کے عہد حکومت میں فوت ہوئیں۔ اہل سیر اور مورخین کے نزدیک یہ روایت متواتر و مشہور ہے ان کے خیال میں ان کے نکاح کی یہی صورت ہے، جس طرح حضرت خدیجہؓ کی مکہ میں حضرت حفصہؓ کی مدینہ میں اور حضرت صفیہؓ کی خیبر کے بعد تھی۔ رہی حضرت عکرمہؓ کی روایت کہ ابو سفیانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ میں آپ سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہوں، جو آپ نے قبول فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ "میرے پاس عرب کی سب سے حسین عورت ام حبیبہؓ ہے میں آپ سے اس کا نکاح کر دیتا ہوں" یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ یقیناً یقیناً اس روایت میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور عکرمہ بن عمار متہم بالکذب ہے۔ کیونکہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں۔ ان سے اولاد بھی ہوئی اور انہیں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن بعد میں ان کا خاوند عیسائی ہو گیا۔ اور حضرت ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے ذریعہ ان کے لئے پیغام نکاح بھیجا، تو اس نے ان کا نکاح کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں چار سو دینار رقم مہر دی۔ یہ واقعہ ۶ھ کا ہے ایک مرتبہ ابو سفیانؓ ان کے ہاں آئے، تو ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لپیٹ دیا۔ تاکہ اس پر ابو سفیانؓ نہ بیٹھ سکیں اور اس میں کوئی اختلاف

نہیں کہ ابوسفیانؓ اور معاویہؓ ۸ھ کو فتح مکہ کے موقع پر ساتھ ساتھ اسلام لائے۔ نیز روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں کفار سے جنگ کروں جس طرح کہ پہلے مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا ہوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

اور یہ یقین نہیں کہ آپؐ نے ابوسفیانؓ کو ضرور ہی حکم دیا تھا۔ اس روایت پر کافی جرح بھی کی گئی ہے۔ اور اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ نیز بعض سے منقول ہے "صحیح روایت یہ ہے کہ آپ نے ان سے فتح مکہ کے بعد نکاح کیا" لیکن محض مورخین کے کہنے پر یہ روایت غلط قرار نہیں دی جا سکتی۔ اور جو فن تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو وہ سمجھتا ہے کہ (تنقید) کا یہ انداز قطعاً غلط ہے۔ ایک جماعت اس خیال کی ہے کہ ابوسفیانؓ نے آپ سے دوبارہ نکاح کی درخواست کی تھی۔ تاکہ اسے قلبی فرحت حاصل ہو۔ کیونکہ آپؐ نے اس سے اجازت لئے بغیر نکاح کیا تھا۔ لیکن یہ روایت بھی لغو ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کا غلط گمان نہیں کیا جا سکتا اور ابوسفیانؓ جیسے عقل مند سے بھی یہ حرکت بعید از قیاس ہے۔ امام بیہقیؒ اور امام منذریؒ نے فرمایا ہے، ہو سکتا ہے کہ ابوسفیانؓ نے مدینہ کے اس سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ہو، جب کہ اسے ام حبیبہؓ کے شوہر کی حبشہ میں وفات کی اطلاع ملی ہو۔ تو جب محدثین کو "قتل کفار اور اپنے بیٹے کو کاتب وحی بنانے" کی روایت ملی تو انہیں خیال ہوا کہ شاید یہ دونوں درخواستیں فتح مکہ کے بعد کی گئیں۔ اس لئے راوی نے تینوں باتوں کو ایک ہی حدیث میں جمع کر دیا۔ اس روایت میں اس قدر شدید اشکالات ہیں کہ جو خارج از بحث ہیں۔ محدثین کے ایک گروہ نے اس حدیث کی ایک اور طریقہ سے بھی وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ (ابوسفیانؓ نے درخواست کی) میں اس سے قبل اگرچہ ام حبیبہؓ سے آپ کے نکاح پر راضی نہ تھا، لیکن اب راضی ہوں۔ بلکہ درخواست کرتا ہوں تاکہ ان سے نکاح فرمائیں اس قسم کی وضاحت کتابوں اور اوراق تاریخ میں نہیں ملتی اور اکابر سے مروی ہے اس قسم کی روایات کو درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سینوں کے خزینے نہیں بلکہ غلط مرویات ہیں۔

ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ جب ابو سفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ابلاء میں افواہ سنی کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو مدینہ حاضر ہوا اور یہ سمجھتے ہوئے درخواست کی کہ آپ نے باقیوں کے ساتھ ساتھ انہیں بھی طلاق دے دی۔ حالانکہ یہ بھی مذکورہ روایت کی طرح غلط ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حدیث تو ٹھیک ہے لیکن کسی راوی سے ام حبیبہؓ کے نام لینے میں التباس ہو گیا ہے بلکہ ابوسفیانؓ نے ان کی بہن رملہ سے نکاح کی درخواست کی اور یہ تو کسی سے بھی مخفی نہیں کہ دو بہنوں کو بہ یک وقت زوجیت میں رکھنا حرام ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ان کی بیٹی کی نظروں سے اوجھل ہو۔ حالانکہ وہ ابوسفیان سے بھی زیادہ عالم تھیں اور یہ روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کیا آپ میری بہن اور ابوسفیان کی بیٹی کو چاہتے ہیں؟ اور آپ نے جواب دیا، تمہاری مراد کیا ہے؟ تو عرض کیا، کیا آپ اُس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، کیا تم بھی چاہتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں آپ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتی۔ البتہ میں چاہتی ہوں کہ اس نیکی میں میری ہمشیرہ بھی شریک ہو جائے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں۔"

اصل واقعہ یہ تھا اور یہی ابوسفیان کی درخواست ہو سکتی تھی، مگر راوی نے غلط فہمی سے اُمّ حبیبہ کا نام روایت کر دیا۔ ایک روایت میں ان کی کنیت بھی اُمّ حبیبہ آتی ہے۔ اگر یہ الفاظ حدیث میں نہ بھی ہوں تو بھی یہ جواب زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

نیز "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیانؓ کی ہر درخواست قبول کی" یہ مذکورہ الفاظ بھی راوی سے اُسے سہواً روایت ہوئے۔ کیونکہ آپ نے بعض درخواستیں ہی قبول فرمائیں راوی کے یہ الفاظ کہ آپؐ نے اُسے جو مانگا دیا" ان کا یہ مطلب ہے کہ جو مناسب تھا دیا یا راوی نے مخاطب کے ذہن کے مطابق ہی بات کہہ دی کہ جو درخواست تھی قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔

حضرت صفیہ :۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برادران موسیٰ اولاد ہارون بن عمران اور بنی نصیر (یہود) کے سردار حی بن اخطب کی لڑکی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ

خاتون (ازراہ قومیت)، نبی کی بیٹی تھیں اور نبی ہی کی زوجہ بنیں۔ اور یہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسین تھیں، یہ باندی بنالی گئیں آپؐ نے انہیں آزاد کرایا۔ اور یہ عتق (رقم آزادی) ہی مہر قرار پائی۔

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل امت کے لئے سنت قرار دیا گیا کہ ایک آدمی اپنی لونڈی کو آزاد کرے۔ اور بعد میں نکاح کرنا چاہے تو آزاد کرنے (عتق) ہی کو مہر سمجھ لے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ "میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا اور اس کا عتق ہی مہر قرار دیا" یا یوں کہے کہ "میں نے اپنی لونڈی کے عتق کو مہر نکاح سمجھا" تو عتق اور نکاح دونوں درست ہو گئے اور اب یہ لونڈی تجدید نکاح اور ولی کے بغیر ہی اس کی زوجہ بن جائے گی۔ اکثر محدثین کا یہی مسلک ہے، لیکن بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ طریقہ (نکاح) آپؐ ہی کے ساتھ مختص تھا۔ اور یہ آپؐ کے خصوصیات میں سے ہے جو امت کے لئے نہیں۔ تینوں آئمہ کا یہی مسلک ہے، لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے کیونکہ مسئلہ کی اصل نوعیت عدم اختصاص کی ہے۔ جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کردہ ام المومنینؓ سے نکاح کا حکم دیا، تو فرمایا:

خالصۃ لك من دون المؤمنین

یعنی "صرف تمہارے لئے دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں"۔

اور یہ نہیں فرمایا کہ عتق (آزاد کرنے) کی وجہ سے! اور نہ آپ نے اس میں امت کی سہولت کا ذکر فرمایا، بلکہ امت کی سہولت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے متبنیٰ کی مطلقہ زوجہ سے نکاح کی اجازت دی تاکہ امت پر اپنے متبنیٰ کی منکوحہ سے نکاح کی آسانی ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب آپؐ نے کوئی نکاح کیا تو اس میں امت کو بھی سہولت ہوئی۔ ہاں اگر اللہ اور اس کے رسول کا کوئی واضح حکم نص قطعی سے آپؐ کے تخصیص کر دے تو پھر اس کی عمومیت ختم ہو جائے گی۔ اس کی مزید تفصیلات اس کو حجت قرار دینا اور اس سے قیاساً مسائل کا انبساط کسی دوسرے مقام پر واضح کیے جائیں گے۔

حضرت میمونہ: آپ نے میمونہؓ بنت حارث ہلالی سے نکاح کیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی تھیں۔ سب سے آخر میں آپ نے مکہ میں عمرہ ادا کرنے اور احرام اُتار دینے کے بعد ان سے نکاح کیا۔ ابنِ عباسؓ کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ آپؐ نے احرام اتارنے سے قبل ہی نکاح کیا، لیکن یہ قول (اگر صحیح ہے) تو راویؒ کی فہمی ہوئی ہے، کیونکہ ابو رافعؓ جو اس نکاح کا اصل سبب تھے۔ وہ اس واقعہ سے زیادہ آگاہ ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ آپ نے احرام اتارنے کے بعد نکاح کیا اور حضرت ابو رافعؓ نے فرمایا کہ میں ان دونوں میں پیغام رساں تھا۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی اور وہ موقع پر موجود بھی نہ تھے بلکہ غیر حاضر تھے۔ اور ابو رافعؓ بالغ تھے اور انہی کے ہاتھوں یہ کام مکمل ہوا۔ اور وہ دوسروں کی نسبت اس واقعہ سے زیادہ باخبر تھے اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابو رافع کے قول ہی کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

حضرت میمونہؓ نے حضرت معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں وفات پائی اور مقامِ سرف میں دفن ہوئیں۔

حضرت ریحانہ: ایک روایت کے مطابق حضرت ریحانہؓ بنت زید نضریہ بھی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ موخر الذکر قرظی خاتون تھیں جو بنی قریظہ کے فیصلہ کے دن گرفتار ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئیں۔ آپ نے آزاد کرکے ان سے نکاح کر لیا۔ لیکن پھر ایک طلاق دے دی اور طلاق دینے کے بعد رجوع فرمالیا۔ محدثین کا ایک گروہ ان کو آپؐ کی باندی بتاتا ہے کہ یہ حضورؐ کی آزاد اور موطوءۃ تھیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کو ازواجِ مطہرات سے نہیں بلکہ چار یہ سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ وہ خواتین ہیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ لیکن کچھ ایسی خواتین بھی کتب میں مذکور ہیں کہ جن کو آپؐ نے پیغام نکاح بھیجا یا انہوں نے خود کو زوجیت کے لئے پیش کیا۔ لیکن آپ نے انکار فرما دیا اور نکاح نہ ہو سکا۔ ان کی تعداد چار یا پانچ ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد تیس ہے۔ لیکن اہل سیر حضرات کی تحقیق کے مطابق یہ مؤخر الذکر روایت غلط ہے۔

نیز یہ قول بھی مشہور ہے کہ آپ نے جونیہ کو پیغام نکاح دیا۔ اس کے ہاں آپ تشریف گئے اور پیغام دیا، لیکن اس نے معذرت چاہی۔ آپ نے معذرت قبول فرمائی۔ اسی طرح کلبیہ اور اُس عورت کا واقعہ ہے کہ جس کے جسم پر آپ نے سفیدی دیکھی۔ نیز جس نے اپنے آپ کو زوجیت کے لئے خود پیش کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ساتھ قرآن کی چند سورتیں سکھانے کے مہر پر نکاح کر دیا۔ یہ واقعات ہیں۔ باقی اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی نو ازواج مطہرات زندہ تھیں، جن میں سے آٹھ کی باری بھی مقرر تھی اور ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت ام سلمہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت جویریہؓ ۶۲ھ بہ عہد یزید حضرت سلمہؓ نے وفات پائی۔ رضی اللہ عنہن اجمعین۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جاریہ

ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار جاریہ تھیں۔

حضرت ماریہؓ : یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

حضرت ریحانہؓ، حضرت جمیلہ : یہ بھی جاریہ تھیں جو گرفتار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں۔

ایک اور جاریہ ان کے علاوہ حضرت زینب بنت جحش نے بھی ایک لونڈی سے پیشِ خدمت کی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام

ان میں سے ایک حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کو آپ نے آزاد کرایا اور ام ایمنؓ سے نکاح بھی کر دیا، جن سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت اسلم، ابو رافعؓ ثوبان، ابو کبشہ سلیم، بشقران جس

کا نام صالح ہے۔ رباح نوبی، یسار نوبی جو جنگ حنین میں قتل ہوئے مدعم، کرکرۃ نوبی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخت سفر کے محافظ تھے۔ اور غزوہ خیبر میں انہوں نے آپؐ کے ناقہ کی مہار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ بخاریؒ کی روایت کے مطابق نوبی ایسا غلام جس نے ایک غزوہ کے موقع پر چادر چھپائی تھی۔ جب یہ قتل ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چادر اس پر آگ بن کر جل رہی ہے، لیکن موطا میں روایت ہے کہ جس نے چادر چرائی تھی۔ اس کا نام مدعم ہے، اور یہ دونوں غزوہ خیبر میں مارے گئے تھے۔

ان کے علاوہ آپؐ کے غلام انجشہ، حاوی۔

سفینہ بن فروخ:۔ جس کا اصل نام مہران ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سفینہ (جہاز) کا خطاب دے رکھا تھا۔ کیونکہ یہ آپ کا سامانِ سفر اٹھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "تو جہاز ہے"۔ ابو حاتمؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا، لیکن دوسرے حضرات کا قول ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے انہیں آزاد کیا تھا۔

ان کے علاوہ انیسہ جن کی کنیت ابو مشروح تھی۔

افلح، عبیدۃ، طہمان اور ایک روایت میں ان کا نام کیسان بھی آتا ہے۔ نیز ذکوان، مہران اور مروان بھی آپ کے غلام تھے۔

بعض اقوال میں طہمان کے نام سے متعلق اختلاف بھی آتا ہے ان کے علاوہ حنین۱ٰ، سندر، فضالہ یمینی، مابور خصی، واقد، ابو واقد، قسام، ابو عسیب اور ابو مویہبہ بھی آپ کے غلام تھے اور باندیوں میں سے سلمیٰ، ام رافع، میمونہ بنت سعد، خضیرۃ، رضوی، رزینہ، ام ضمیر، میمونہ بنت ابو عسیب، ماریہ اور ریحانہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

ان میں:۔ حضرت انسؓ بن مالک تھے، جن کے سپرد آپؐ کے عام امور تھے۔

۱ٰ ان کا شمار بھی درحقیقت ازواج مطہرات ہی میں ہے (رئیس احمد جعفری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، جن کے پاس آپ کی نعلین مبارک اور مسواک رہتی تھی۔
عقبہ بن عامر جہنی جو سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے رہتے۔
اور اسلع بن شریک جو آپ کے رفیقِ سفر رہتے تھے۔
حضرت بلالؓ بن رباح موذن تھے۔ ان کے علاوہ حضرت سعدؓ یہ دونوں پہلے حضرت ابوبکر کے غلام تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوذر غفاریؓ ، ایمن بن عبید اور ان کی والدہ حضرت ام ایمنؓ جو آپ کی باندی تھیں۔ یہ سب آپ کے خدام میں شامل تھے۔
حضرت ایمنؓ بن عبید اور ان کی والدہ ام ایمن کے ذمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو وطہارت کی خدمت تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی

ان کے نام حسب ذیل ہیں:
ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عامرؓ بن فہیرہؓ۔ عمروؓ بن عاصؓ۔ ابی بن کعبؓ، عبداللہؓ بن ارقم، ثابتؓ بن قیس بن شماس بن شماس حنظلہؓ بن ربیع اسدی۔ مغیرہؓ بن شعبہ، عبداللہؓ بن رواحہ، خالد بن ولید، خالد بن سعید ابن العاص۔
روایت ہے کہ آپؐ کے پہلے کاتب معاویہؓ بن ابوسفیان اور زیدؓ بن ثابت تھے علاوہ اکثر یہی دونوں حضرات اس فریضہ کو سرانجام دینے کے لئے مخصوص تھے۔

آں حضرت کے مکاتیب وخطوط

ایک مکتوب صدقات کے متعلق تھا۔ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تھا اور حضرت ابوبکرؓ ہی نے حضرت انسؓ بن مالک کے لئے لکھا۔ جب انہیں بحرین بھیجا گیا تھا۔ اس مکتوب پر جمہور مسلمانوں کا عمل بھی ہے۔
ایک مکتوب آنحضرتؐ نے اہلِ یمن کو ارسال فرمایا۔ یہ وہ مکتوب ہے کہ جس کے متعلق ابوبکر بن عمرو بن حزم نے اپنے والد سے اور انہوں نے دادا سے روایت کی ہے اور اسے امام حاکمؒ نے اپنی صحیح مسند میں اور امام نسائی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے، ابوداؤدؒ وغیرہ نے مرسل روایت ذکر کی ہے یہ ایک طویل مکتوب ہے جس میں فقہ کے مختلف مسائل، زکوٰۃ دیت اور احکام سے متعلق مذکور تھے۔ نیز کبائر طلاق، عتق، ایک پارچہ میں احکام نماز اور اسے

لپیٹنا اور لمس قرآن پاک وغیرہ تفصیل سے ذکر فرمائے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واقعہ تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکتوب تحریر فرمایا اسی سے بعد کے فقہاء نے دیات کی مقداریں متعین کی ہیں۔

نیز آپ نے بنی زہیر کی جانب ایک مکتوب بھیجا۔

اس کے علاوہ ایک مکتوب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، جس میں زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل درج تھے۔

سلاطین وملوک کی طرف آپؐ کے نامے

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے اور ان کے ہاں اپنے نامہ بردار رسالے فرمائے۔ اس طرح آپ نے شاہِ روم کو ایک مکتوب ارسال فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ جب تک خط پر مہر نہ ہو اس وقت تک یہ لوگ خطوط نہیں پڑھا کرتے تو آپ نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس پر تین سطریں کندہ کروائیں۔ محمد ایک سطر، رسول ایک سطر اور اللہ ایک سطر تھی۔ مکتوبات کے آخر میں یہی مہر لگایا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ کو ایک ہی دن چھ آدمیوں کو نامہ بھیجا۔

سب سے پہلے عمرو بن امیہ ضمیری کو شاہ نجاشی کی طرف روانہ کیا۔ ان کا اصل نام اصحمۃ بن ابجر مذکور ہے۔ عربی زبان میں اصحمۃ کے معنی "عطیہ" ہوتے ہیں۔

شاہِ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب شریف کی خوب تکریم کی، اسلام قبول کیا اور کلمہ حق کی شہادت دی اور وہ (شاہِ نجاشی) انجیل کا سب سے زیادہ عالم تھا۔ جس دن شاہ نجاشی فوت ہوا اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی محدثین کی ایک جماعت نے جن میں واقدی بھی شامل ہیں، یہی روایت کی ہے۔

لیکن واقعات اس طرح نہ تھے، کیونکہ شاہِ نجاشی، جس کی آپؐ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی، یہ وہ نہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خط ارسال فرمایا تھا۔ مکتوب الیہ تو در اصل دوسرا تھا، جس کے اسلام کا کچھ علم نہیں۔ یہ در اصل پہلا شاہ نجاشی تھا۔ جو حالتِ اسلام

میں فوت ہوا۔

مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خطوط لکھے اور یہ وہ نجاشی نہ تھا جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھا۔ ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ جس نجاشی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا اُس کے نام یہ خط لے کر عمرو بن امیہ تعمیری گئے تھے۔ یہ نجاشی مسلمان نہیں ہوا۔ پہلا قول ابن سعد وغیرہ کا ہے اور دوسرا قول ابن حزم کا ہے۔

نیز آپؐ نے دحیہ بن خلیفہ کلبی کو قیصر شاہ روم کی طرف بھیجا۔ اس کا اصل نام ہرقل تھا۔ اس نے اسلام لانے کا عزم کر لیا۔ لیکن پھر اس کا ارادہ فسخ ہو گیا۔ ایک قول کے مطابق اسلام قبول بھی کیا لیکن یہ قول غلط ہے۔ ابو حاتم اور ابن حبان نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو میرا یہ مکتوب قیصر کو پہنچا دے وہ جنت کا سزاوار ہو گا۔“

ایک آدمی نے عرض کیا ”خواہ وہ (اسلام) قبول نہ بھی کرے؟“

آپ نے فرمایا ”ہاں، اگر وہ قبول نہ بھی کرے۔“

وہ قیصر سے ملا، جب وہ بیت المقدس جا رہا تھا اس نے مکتوب فرش پر پھینک دیا اور ایک طرف چھپ گیا۔ قیصر نے آواز دی کہ ”جو یہ خط لایا ہے اسے امان ہے۔“ اس آدمی نے کہا ”میں لایا ہوں۔“ قیصر نے کہا کہ جب میں واپس آؤں تو ملنا۔ چنانچہ قیصر کی واپسی پر آپ کا نامہ بر اُسے ملا۔ قیصر نے محل کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ آخر دروازے بند کر لئے گئے۔ پھر ایک منادی سے کہا کہ آواز دے دو کہ قیصر نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا اور عیسائیت چھوڑ دی۔ اس آواز کے بعد اس کی مسلح فوج دربار میں گھس آئی، تو قیصر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ بر سے کہا:

”تم دیکھ چکے ہو کہ مجھے اپنی حکومت چھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔“

پھر اُس نے منادی سے کہا کہ اعلان کر دو کہ قیصر تم لوگوں کے دین پر راضی ہے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ میں اسلام لے آیا، اور آپ کی خدمت میں دیناروں کی

تھیلی بھیجی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا، وہ مسلمان نہیں، بلکہ عیسائی ہے اور دیناروں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

ان کے علاوہ عبداللہ بن حذافہ سہمی کو کسریٰ کی طرف بھیجا۔ اس کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

"اے اللہ! اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔"

پھر اللہ نے اس کے ملک اور اس کی قوم کو پارہ پارہ کر دیا۔

آپؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کا نام جریج بن مینا شاہ اسکندریہ تھا۔ یہ قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "بہت خوب، اور اب وقت آپہنچا ہے،" اس نے اسلام قبول نہیں کیا، ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لونڈی ماریہؓ اور اس کی دو بہنوں سیرین اور قیسریٰ کو بھیجا۔ آپ نے سیرین حضرت حسانؓ بن ثابت کو عطا فرمادی۔

نیز اُس نے ایک اور لونڈی، ایک ہزار مثقال سونا، بیس قبطی جوڑے، ایک سفید خچر جو دلدل کے نام سے مشہور ہے۔ ایک سفید گدھا جسے عفیر کہا جاتا تھا۔ ایک خصی غلام جس کا نام مابور تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ غلام ماریہ کے چچا کا لڑکا تھا۔ ایک گھوڑا جو لزاز کے نام سے مشہور تھا۔ ایک شیشہ کا پیالہ اور شہد یہ چیزیں خدمتِ اقدس میں روانہ کیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اس بدبخت نے اپنی حکومت پر بخل کیا۔ حالانکہ اس کی سلطنت (دینا) کو بقا نہیں ہے"

نیز شجاع بن وہب اسدی کو بلقاء کے حکمران حارث بن ابی شمر غسانی کی جانب روانہ فرمایا۔

اسحٰق واقدی نے فرمایا کہ اس میں کئی اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ جبلہ بن ایہم کی طرف بھیجا۔ ایک روایت کے مطابق دونوں کی طرف اور ایک روایت کے مطابق اسے وحیہ بن خلیفہ کے ساتھ ہرقل کی طرف بھیجا۔

آپ نے سلیط بن عمرو کو ہوذہ بن علی حنفی کی طرف یمامہ میں بھیجا اس نے نامہ بر کی خوب

تکریم کی۔

ایک قول کے مطابق آپ نے ہوذہ اور ثمامہ بن آثال حنفی کی طرف نامہ بر بھیجا ہوذہ نے تو اسلام قبول نہیں کیا البتہ ثمامہ اسلام لے آیا۔

غرض یہ چھ حکمران تھے۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نے انہیں نامے لکھے۔

اور ۸ھ ذی قعدہ کے مہینہ میں عمرو بن عاص کو شاہ عمان کے دونوں لڑکوں جیفر اور عبداللہ کے پاس بھیجا گیا۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی اور عمرو بن عاص وہیں صدقہ کی رقم جمع کرنے ٹھہر گئے۔ یہ صحابی وہیں تھے کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ملی۔

نیز آپ نے جعرانہ سے واپسی سے قبل ہی علاء بن حضرمی کو منذر بن ساوی عبدی شاہ بحرین کے پاس بھیجا۔

ایک روایت کے مطابق فتح مکہ سے قبل ہی خط لکھا۔ پھر یہ مسلمان ہو گیا۔ اور تصدیق کی۔

آپؐ نے مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو یمن میں حرث ابن عبد کلال حمیری کی طرف بھیجا۔ اس نے جواب دیا میں غور کروں گا۔

نیز غزوہ تبوک سے واپسی پر ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبل کو بھی یمن کی طرف بھیجا ایک روایت کے مطابق ۱۰ھ میں ان حضرات کو اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا تو وہاں کے اکثر لوگ بے لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد علی بن ابی طالب کو وہاں بھیجا اور مکہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ملاقات فرمائی۔

ان کے علاوہ آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو ذی کلاع حمیری اور ذی عمر کی طرف روانہ فرمایا۔ انہیں اسلام کی دعوت دی گئی اور یہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ جریرؓ ابھی وہیں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

آپؐ نے عمر بن امیہ کو مسیلمہ کذاب کے پاس ایک خط دے کر روانہ فرمایا۔ نیز

سائب رضی بن عوام بہراور زبیر کے ہاتھ بھی اسے خط بھیجا۔ لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا۔

حزوہ بن عمرو جذامی کے پاس بھی اسلام کے لئے دعوت نامہ بھیجا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی طرف دعوت نامہ نہیں بھیجا۔ فروہ معان میں قیصر کی طرف سے گورنر تھا، یہ مسلمان ہوگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام لانے کا عریضہ ارسال کیا اور مسعود بن سعد کے ہاتھ ایک سفید خچر کا ہدیہ پیش کیا، جو فضہ کے نام سے مشہور ہے۔ نیز ایک "ضرب" نام کا گھوڑا اور ایک گدھا جس کا نام یعفور تھا پیشِ خدمت کیا۔ محدثین کے ایک گروہ کی یہی تحقیق ہے۔ عفیر اور یعفور دونوں کا ایک ہی مطلب ہے صرف فرق اتنا ہے کہ عفیر یعفور کی تصغیر ہے، مزید برآں کچھ پارچہ جات۔ ایک سنہری کڑھی ہوئی قبا بھی ارسالِ خدمت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایا قبول فرمائے اور حضرت مسعود بن سعد کو بارہ اوقیہ مرحمت فرمایا۔

ان کے علاوہ آپ نے عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کو ایک نامہ دے کر قبیلہ حمیر کے سرداران حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال کی طرف ارسال فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن

آنحضرتؐ کے چار مؤذن تھے۔ دو مدینہ منورہ میں ایک بلال رضی بن رباح، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سب سے پہلے اذان دی۔ دوسرے نابینا صحابی حضرت عمرو بن ام مکتوم قرشی عامری تھے تیسرے مسجد قباء میں حضرت سعدؓ قرظ جو حضرت عمارؓ بن یاسر کے غلام تھے۔ چوتھے مکہ میں ابو محذورہؓ مؤذن مقررہ تھے، جن کا اصل نام اوس بن مغیرہ جمحی تھا۔ ابو محذورہؓ اذان میں رجعت فرمایا کرتے اور اقامت کو دو دو بار کہتے۔ اور حضرت بلالؓ اذان میں رجعت نہ فرمایا کرتے اور اقامت کے الفاظ ایک بار پڑھا کرتے۔ چنانچہ اہل مکہ اور امام شافعیؒ نے ابو محذورہؓ کی اذان اور حضرت بلالؓ کی اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابو حنیفہ اہلِ عراق نے حضرت بلالؓ کی اذان اور ابو محذورہؓ کی اقامت اختیار کر لی۔ امام احمدؒ و دیگر اہل ظاہر محدثین رضی و اہلِ مدینہ نے حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت دونوں اختیار کر لیں۔ اور امام مالکؒ نے دو مقامات پر اعادہ تکبیر کی اور الفاظ اقامت کو دو دو بار پڑھنے کی مخالفت کی۔ وہ اُن کی تکرار نہیں کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حکام

ایک باذان بن ساسان تھے جو بہرام کے لڑکے

تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی موت کے بعد ان کو تمام اہل یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔ یہ یمن کے پہلے حاکم تھے۔ جو عہد اسلام میں متعین کیے گئے اور شاہان عجم میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ باذان کی وفات کے بعد آپ نے انؐ کے لڑکے شہر بن باذان کو صنعاً کا حاکم مقرر فرمایا۔ شہر بن باذان کو بعد میں قتل کر دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سعید بن العاص کو صنعاء بھیجا اور مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو کندہ اور صوف کا حاکم بنا دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور کوئی نئی فوج روانہ نہ ہوئی۔

بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قبائل کے خلاف فوج روانہ فرمائی اور زیادؓ بن امیہ انصاری کو حضرموت کا، حضرت ابوموسیٰ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل کا حضرت معاذؓ بن جبل کو جند کا۔ حضرت ابوسفیانؓ کو نجران کا۔ نیز ان کے بیٹے یزید کو تیماء کا حاکم مقرر کر دیا۔ علاوہ ازیں عتاب بن اسید کو مکہ کا اور موسم حج میں امور اہلِ اسلام کا ناظم مقرر فرمایا نیز حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یمن میں خمس اکٹھا کرنے پر مامور کیا اور عہدِ قضا پر متعین کر دیا۔ حضرت عمروؓ بن عاص کو عمان اور اس کے گرد و نواح کا حاکم مقرر کیا، صدقات وصول کرنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ ہر قبیلہ اور ہر خاندان ہی میں سے آدمی مقرر کیا جا سکتا تھا۔ جو ان سے صدقات کی رقوم وصول اور جمع کر سکے۔ اسی باعث صدقات جمع کرنے کے لئے کثیر تعداد میں لوگ رکھے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ۹ھ میں حج کی اقامت پر مامور فرمایا

پھر بعد میں حضرت علیؓ کو روانہ کیا گیا تاکہ لوگوں کو سورۃ براۃ پڑھ کر سنائیں (احکام حج بتائیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات حضرت ابوبکرؓ کی مدینہ کی غیر حاضری میں نازل ہوئی تھیں۔ دوسرا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اہلِ عرب اہلِ خانہ کے سوا اغیار کی بات پر مکمل اعتماد نہ کرتے تھے۔ چنانچہ علی کو بھیجا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کو حضرت ابوبکرؓ کا معاون اور مساعد بنا کر روانہ فرمایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا۔ کہ تم امیر ہو یا مامور تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں! رافضی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو معزول کر کے حضرت علیؓ کو امیر بنا دیا گیا۔ یہ محض اس فرقہ کی بہتان تراشی اور اختراع ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ ذی الحج یا ذی قعدہ کے مہینہ میں پیش آیا۔

دونوں اقوال میں اختلاف محض نسیان کے سبب سے ہوا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ صحابہؓ غزوہ بدر میں مقام عریش پر جب نبی صلی اللہ علیہ نے آرام فرمایا۔ تو سعدؓ بن معاذ آپ کے پہرے دار مقرر ہوئے۔

غزوہ احد میں محمد بن مسلمہ آپ کے نگران تھے۔

غزوہ خندق میں حضرت زبیرؓ بن عوام کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ نیز حضرت عباد بن بشر بھی آپ کے حارس تھے۔

ان کے علاوہ کئی دوسرے صحابہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ بننے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی۔

واللہ یعصمک من النّاس۔

یعنی: "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا"

آپ نے لوگوں کو یہ حکم سنایا اور تمام پہرہ چوکی ہٹا دیا۔

بعض صحابہؓ کی دوسری ذمہ داریاں ان حضرات کے اسمائے گرامی جو مجرموں اور دشمنوں کو سزائے قصاص دیتے تھے یہ ہیں۔

علیؓ بن طالب، زبیر بن عوام، مقدادؓ بن عمرو، محمدؓ بن مسلمہ، عاصمؓ بن ثابت ابن ابی فلیح، ضحاکؓ بن سفیان کلابی، حضرت قیسؓ بن سعد عبادہ انصاری بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں میں شامل تھے۔ یوم حدیبیہ کے موقع پر مغیرہ بن شعبہ آپ کے پس پشت تلوار لئے کھڑے تھے

آپ کے ذاتی امور کے منتظم حضرت بلالؓ کو اخراجاتِ خانہ کا انتظام سپرد کر رکھا تھا۔ معیقیبؓ کے پاس مہر ہوتی تھی۔ مسواک اور نعلین مبارک حضرت ابن مسعودؓ کے پاس رہتی تھیں۔ نیز رباح اسودؓ آپ کی لونڈی انیسہؓ، انسؓ بن مالک اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کے ذمہ بھی کچھ انتظامات تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب اور شاعر حضرت کعبؓ بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حسانؓ بن ثابت آنحضرت کے

شعراء تھے، جو اسلام کی طرف سے دفاع کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالک کفار کے مقابلہ میں بہت سخت تھے۔ انہیں کفر و شرک پر عار دلاتے تھے۔ آپ کے خطیب ثابتؓ بن قیس بن شماس تھے۔

حالت سفر میں آنحضرت ﷺ کے حدی خواں

ان حضرات کے نام یہ ہیں:۔ عبداللہ بن رواحہؓ، آنجشہؓ، عامر بن اکوعؓ ان کے چچا سلمۃ بن اکوع۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نہایت خوش آواز حدی خواں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی خوش آواز پر) فرمایا:۔

اے انجشہؓ ذرا آہستہ، آبگینے نہ توڑ دینا!

یعنی، کمزور عورتوں کا خیال رکھو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، وفود اور سرایا

آپ کے تمام غزوات، وفود اور فوجی مہمات، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد صرف دس سال کی مدت میں ہی ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے تعداد ستائیس ۲۷ ہے۔ پچیس ۲۵ اور انتیس ۲۹ کے روایات بھی ملتی ہیں۔ اس سے کم و بیش تعداد بھی بتائی جاتی ہے۔

نو غزوات میں آپ نے شرکت فرمائی، غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ بنو قریظہ غزوہ بنو مصطلق، غزوہ خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے غزوہ بنی نضیر، غزوہ غابہ اور خیبر کے قریب، وادی قریٰ کے جہاد میں شرکت فرمائی۔ رہے آپ کے وفود اور چھوٹے چھوٹے حملے تو وہ ساٹھ کے قریب ہیں۔ لیکن بڑے بڑے غزوات سات ہی ہوئے غزوہ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، تبوک اور فتح مکہ انہیں غزوات کے متعلق آیات قرآن مجید نازل ہوئیں۔

سورۂ انفعال کی آیات، غزوہ بدر کے متعلق، سورہ آل عمران کی آخری آیات غزوہ احد کے متعلق نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وإذ غدوت من أهلك تبوئ المؤمنين مقاعد للقتال الخ

اور غزوہ خندق و بنو قریظہ اور خیبر کے متعلق سورۃ احزاب کی ابتدائی آیات نازل فرمائی گئیں۔ نیز سورہ حشر میں غزوہ بنی نضیر کے متعلق فرمایا گیا۔ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے متعلق سورۂ فتح میں آیات اُتریں اور ان آیات میں فتح مکہ، کی خوشخبری دی گئی۔ اور سورہ نصر میں تو صراحتاً فتح کا ذکر فرما دیا۔ نیز غزوہ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے۔ غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں ملائکہ نے بھی جنگ میں شرکت کی۔ غزوہ خندق میں فرشتوں کا نزول ہوا، جنہیں دیکھ کر کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور بری طرح شکست کھا کر بھاگے اور اس غزوہ میں کافروں کے منہ پر فرشتوں نے پتھر مارے۔ آخر ذلیل ہو کر انہیں بھاگنا پڑا۔

غزوہ بدر اور حنین میں بڑی شاندار فتح حاصل ہوئی۔ غزوہ طائف میں آپ نے منجنیق بھی استعمال کیا۔ غزوہ احزاب میں حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر خندق کھود کر دفاع فرمایا۔

آپؐ کے سلاح جنگ اور سامان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو تلواریں تھیں ایک کا نام ماثور تھا، جو آپ کو والدین کی طرف سے وراثتاً ملی تھی۔ دوسری عضب تیسری ذوالفقار اور دفا کو مکسور اور ق کو منصوب پڑھا جائے گا) جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور کسی وقت بھی الگ نہ کرتے تھے۔ اس تلوار کا دستہ اور دیگر تمام لوازمات چاندی کے تھے۔

ان کے علاوہ آپ کے پاس قلعی، بتار، حنف، رسوب، مخذم، قضیب نام کی تلواریں بھی تھیں۔ موخرالذکر کی نعل سیف چاندی کی تھی۔ ان کے علاوہ اس کا حلقہ بھی چاندی کا تھا۔ ذوالفقار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ بدر میں ملی جسے آپؐ نے رویا میں ملاحظہ فرمایا تھا جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کی اس تلوار پر نقرئی اور طلائی کام تھا۔

آنحضرتؐ کے سلاح جنگ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثاثہ

ذاتِ نبویؐ کے املاک کی ضروری تفصیلات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سات زرہیں تھیں۔

ایک ذات الفضول جسے آپ نے ابوشحم یہودی کے پاس اپنے اہل و عیال کے لیے صاع جو لے کر رہن رکھا تھا۔ یہ قرض ایک سال کے لیے لیا گیا تھا اور یہ زرہ لوہے کی تھی اس کے علاوہ ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضّہ، بتراور خرنق نام کی زرہیں بھی تھیں۔

نیز آپ کے پاس چھ کمانیں تھیں، جن کے نام زوراء، روحاء، صفرا، بیضا، کتوم تھے۔ موخرالذکر غزوہ احد میں، ٹوٹ گئی۔ چنانچہ قتادہؓ بن نعمان اور شدادؓ کو مرحمت ہوئی۔

آپؐ کے پاس تیروں کی ایک تھیلی تھی جس کا نام کافور تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہمیانی تھی اور اس پر تین حلقے سونے کے اور چاندی کے نار کے تھے۔ اس کے اردگرد بھی چاندی جڑی ہوئی تھی۔ یہ بعض حضرات کی تحقیق ہے، لیکن شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی روایت نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر میں ہمیانی باندھی ہو۔

نیز آپ کے پاس زلوق نام کی ایک ڈھال تھی اور فتق ڈھال بھی تھی۔ ایک ڈھال آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے پیش کی گئی، اس پر تصویر تھی۔ آپؐ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے وہ تصویر مٹا دی۔

آپ کے پاس پانچ نیزے تھے۔ ایک کا نام مثوی اور دوسرے کا نام مثنی تھا۔ نیز آپ کے پاس ایک حربہ تھا جس کا نام نبعہ تھا۔ ایک اور بہت بڑا بیضاء نام کا حربہ بھی تھا۔ ایک چھوٹا سا عکاز کی شکل کا تھا۔ جسے عنزہ کہا جاتا تھا اور عید کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے لے کر اسے چلتے تھے اور نماز میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا اور نماز کے لئے اسے سترہ (آڑ) بنالیا جاتا تھا۔ گاہے گاہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے لے کر باہر تشریف لے جایا کرتے۔

آپ کے پاس ایک خود نما (لوہے کی گوپی) جسے موشح کہتے تھے۔ اس پر تانبا لگا ہوا تھا۔ ایک اور سبوغ یا ذوالسبوغ نام کا خود بھی تھا۔

آپ کے تین جبّے جنہیں آپ جہاد کے موقع پر زیب تن فرمایا کرتے۔ ان میں سے ایک سبز ریشم کا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت عروۃؓ بن زبیر کے پاس ایک ریشمی جبّہ تھا جس کے اندر سبز ریشم لگا ہوا تھا اور وہ اسے جہاد میں پہنا کرتے۔ امام احمدؒ کے نزدیک ان روایتوں کی بنا پر جہاد میں ریشم پہننا جائز ہے۔

آپ کے پاس عقاب نام کا ایک سیاہ پرچم تھا۔ سنن ابوداؤد میں ایک صحابیؓ سے مروی ہے، کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم دیکھا، جس کا رنگ زرد تھا ویسے اکثر اوقات جھنڈے کا رنگ سیاہ ہوتا۔

نیز آپ کے پاس کِن نام کا ایک خیمہ تھا۔

اور ایک گز یا اس سے قدرے طویل ایک عصا تھا، اُسے لے کر آپؐ چلتے تھے اور اس کے سہارے سواری پر بیٹھتے تھے اور اُسے اپنے اونٹ پر لٹکا دیا کرتے۔

آپ کے پاس عرجون نام کا ایک مخصرہ (ٹیک لگانے کے لئے ڈنڈا سا) نیز ایک ممشوقہ نام کا عصا بھی تھا۔ اور یہی وہ عصا ہے جو خلفائے راشدین کے پاس رہا۔

آپ کے پاس ایک پیالہ تھا، جس کا نام ریان تھا۔ اس کا نام مغنیا بھی مذکور ہے۔ ایک اور پیالہ تھا جس کے ساتھ سونے کی زنجیر لٹکی ہوئی تھی۔ نیز ایک شیشے کا پیالہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی چارپائی کے نیچے رات کو پیشاب کرنے کے لیے ایک

لکڑی کا پیالہ رکھا رہتا۔

آپ کے پاس صادر نام کا ایک مشکیزہ تھا۔ آپ کے پاس ایک پتھر کا برتن بھی تھا کہ جس سے آپ وضو فرماتے، نیز ایک کپڑا دھونے کا برتن آپ کے پاس سقہ نام کا ایک بڑا پیالہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ ہاتھ دھونے کا ایک برتن تیل کی شیشی ایک تھیلا سا جس میں آئینہ اور کنگھی پڑی رہتی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی کنگھی ساگوان کی بنی ہوئی تھی، ایک سرمہ دانی تھی کہ جب آپؐ رات کو سوتے تو ہر آنکھ میں اثمد کی تین سلائیاں ڈالتے (اثمد سرمہ کی ایک اعلیٰ قسم ہے)۔

نیز آپؐ کے تھیلے میں دو قینچیاں اور مسواک رہتی۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا، جس کے چار کنڈے تھے اور چار آدمی اُسے اُٹھاتے تھے۔ ایک صاع ایک مُد (یہ پیمائش کے پیمانے ہیں) اور ایک چادر بھی تھی۔ آپ کے چار پائی کے پائے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ اور سعد بن زرارہ نے ہدیہ کے طور پر پیش کیے تھے۔ ان کے علاوہ آپؐ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ یہ کل سامانِ رسالت تھا جو مختلف احادیث میں مروی ہے۔ امام طبرانی نے اپنی معجم طبرانی میں آپ کے برتنوں کے متعلق معجم میں ایک جامع حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تلوار تھی جس کا دستہ نقرئی تھا اور اس کے ارد گرد چاندی مڑھی ہوئی تھی یہ ذوالفقار کے نام سے مشہور تھی۔

آپ کے پاس سداد نام کی ایک کمان بھی تھی۔ آپ کے پاس ایک ترکش تھا جسے جمع کہا جاتا تھا اور آپ کے پاس ایک زرہ تھی، جس پر تانبے کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اُسے ذات الفصول کہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس نبعاء نام کا ایک حربہ، دقن نام کی ایک لاٹھی موجز کی ایک سفید ڈھال، سکب نام کا مٹیالہ گھوڑا، داج نام کی ایک کاٹھی، دلدل نام کا ایک سفید خچر، قصواء نام کی ایک اونٹنی، یعفور نام کا ایک حمار، کرد نام کی ایک چٹائی، قمر نام کی ایک بکری صادر نام کا ایک پیالہ اور جامع نام کی ایک قینچی تھی۔

علاوہ ازیں آپؐ کے پاس ایک آئینہ اور ایک ڈنڈا تھا جس کا نام موت تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جانور

ایک سکب گھوڑا تھا، یہ پہلا گھوڑا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔ جس اعرابی کے پاس یہ گھوڑا تھا اس سے آپؐ نے دس اوقیہ میں اسے خریدا تھا۔ یہ گھوڑا سفید پیشانی کھلتے ہوئے بدن کا سیاہ آنکھیں، اس کا رنگ بھی سیاہی مائل تھا۔ دوسرا مرتجز نام کا گھوڑا تھا، جو سفید تھا، جس کے بارے میں خزیمہؓ بن ثابت نے گواہی دی تھی۔ ان کے علاوہ لحیف، لزاز، ظرب، سبحہ اور ورد نام کے گھوڑے بھی تھے، ان کی تعداد سات تھی، جس پر سب راویوں کا اتفاق ہے اور امام ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن جماعتہ، شافعی المسلک نے ان کے نام ایک ہی شعر میں جمع کر دیے ہیں۔

لخیل سکب لحیف سبحہ ظرب

لزاز مرتجز ورد لہا اسرار

یہ ان کے صاحبزادے امام عزالدین عبدالعزیز ابو عمرو نے مجھے بتایا۔

ایک روایت کے مطابق آپؐ کے پاس ان کے علاوہ پندرہ گھوڑے تھے لیکن اس روایت میں اختلاف ہے۔ آنحضرتؐ کی کاٹھی کے اطراف کھجور کی چھال سے بھرے تھے۔ نیز آپؐ کا ایک خچر دلدل تھا۔ شاہ مقوقس نے اسے ہدیۃً پیش کیا تھا۔ ایک اور فضہ نام کا خچر جسے فروۃ جذامی نے پیش خدمت کیا تھا، نیز ایک اور سفید خچر جسے حاکم ایلہ نے بھیجا تھا اور ایک دومتہ الجندل کے حاکم کی جانب سے ہدیۃً بھیجا گیا تھا۔

ایک قول کے مطابق شاہ نجاشی نے بھی ایک خچر ارسال خدمت کیا تھا، جس پر آپ سواری فرماتے۔ ان کے علاوہ ایک عفیر نام کا سفید حمار تھا۔ جسے قبطی حکمران مقوقس نے بھیجا تھا۔ ایک حمار فردہ جذمی نے بھی بھیجا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں ایک حمار پیش کیا اور آپؐ نے سواری فرمائی، آپ کے پاس ایک بہت عمدہ اونٹ تھا جس کا نام قصوی تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی پر آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ نیز عضبا ، جدعاء نام کے اونٹ بھی

تھے۔ ان کے کان، ناک تو درست تھے اور کوئی عیب نہ تھا، لیکن بہر یوں ہی اس نام سے مشہور تھے۔ ایک قول کے مطابق اس کا کان کٹا ہوا تھا، اس لیے اُسے عضباء کہتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ جدعاء اور عضباء دو مختلف وجود یا ایک ہی کے دو نام ہیں۔ عضبا اتنی تیز رفتار تھی کہ کسی اونٹنی کو آگے نہیں بڑھنے دیتی تھی۔ ایک بار ایک اعرابی آیا تو اس کی اونٹنی مقابلہ میں آگے نکل گئی۔ مسلمانوں کو اس بات سے سخت رنج پہنچا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ دنیا کی ہر فانی چیز اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھتی جب تک مائل بہ زوال نہ ہولے۔

غزوہ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو مال غنیمت میں سے ابوجہل کا اونٹ ملا۔ اس کی ناک میں چاندی کی لگام تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ حدیبیہ کے موقع پر پیش کیا گیا۔ تاکہ مشرکین اسے دیکھ دیکھ کر جلیں۔ آپ کے پاس پینتالیس جوان اونٹنیاں تھیں۔ آپ کے پاس ایک اور اونٹنی تھی، جسے سعد بن عبادۃ نے بنی عقیل کے قبیلہ والوں سے لے کر ارسال خدمت کیا تھا۔ آپ کے پاس ایک سو بکریاں تھیں۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس میں اضافہ ہو چنانچہ کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آپ ایک جوان بکری ذبح فرما لیتے۔ نیز آپ کے پاس سات دُیہاڑی قسم کی بکریاں تھیں، جنہیں حضرت اُمّ ایمن چرایا کرتی تھیں۔ آپ کے پاس ایک عمامہ تھا، جس کا نام سحاب تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا لباس

حضرت علیؓ نے بھی اُسے باندھا۔ آپ عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی رکھا کرتے۔ نیز آپ کی عادت مبارک عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی پہننے کی بھی تھی۔ نیز جب آپ عمامہ باندھتے تو اس کے پلو دونوں کاندھوں پر ڈال دیتے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عمروؓ بن حریث سے روایت ہے۔

فرمایا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو منبر پر تشریف فرما دیکھا۔ آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا اور اس کے دونوں سرے دونوں کاندھوں پر لٹکا دیے تھے۔ نیز مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سیاہ عمامہ زیب سر تھا۔ لیکن اس روایت میں پلو (لٹکانے کا) ذکر نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پلو کو ہمیشہ نہیں لٹکایا کرتے تھے۔

ایک یہ روایت بھی ہے کہ آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے جسم مبارک

یہ جنگ کا لباس تھا اور آپ کے سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھا۔ گویا آپؐ نے ہر موقع پر حسب موقع لباس زیب تن فرمایا۔

اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ (اللہ تعالیٰ آپ کو مزید روحانی تقدیس عطا فرمائے) پلو لٹکانے کے متعلق ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ آپ نے رب العزت کی زیارت کی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس بات کے متعلق جھگڑ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: مجھے علم نہیں" اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا تو جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان تھا سب کا علم مجھے حاصل ہو گیا"

یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔ امام بخاریؒ سے دریافت کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا، یہ روایت صحیح ہے۔ پوچھا گیا کہ یہ الفاظ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دونوں کاندھوں پر پلو لٹکا لیتے تھے۔ (کیا یہ بھی درست ہے) انہوں نے فرمایا: صرف جاہل لوگوں کی زبانیں اور دل اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ اور میں تو آپؐ کے سوا اور کسی کے متعلق پلو لٹکانے کی بات ثابت کرنا بھی فضول سمجھتا ہوں۔

نیز آپ نے قمیص بھی پہنی،، قمیص آپ کو نہایت ہی پسند تھی اور اس کی آستینیں پہونچوں تک تھیں۔ نیز آپ نے جبہ اور فروج جو کہ قباء کی طرح ہوتا ہے، زیب تن فرمایا۔ آپؐ نے قباء بھی پہنا، حالتِ سفر میں آپ کا جبہ تنگ آستین کا تھا۔ آپ نے تہ بند اور چادر بھی استعمال فرمائی واقدی بیان کرتے ہیں کہ آپ کی چادر کا طول چھ ذراع اور عرض تین ذراع اور ایک بالشت تھا۔ آپ کا تہ بند عمانی سوت کا تھا۔ جس کا طول چار ذراع ایک بالشت اور عرض دو ذراع ایک بالشت تھا آپ نے سُرخ (حلّہ) لباس بھی زیب تن فرمایا۔

حلّہ (لباس) دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ حلّہ بالکل ہی سُرخ تھا اُسے غلط فہمی ہوئی بلکہ سُرخ جوڑے سے مراد دو یمنی چادریں تھیں، جن پر عام یمنی چادروں کی طرح سُرخ اور سیاہ لکیریں تھیں۔ چونکہ ان میں سُرخ لکیریں ہوتی ہیں اس سبب وہ سُرخ چادروں کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں، کیونکہ بالکل سُرخ لباس تو اسلام میں بڑی شدّت سے ممنوع ہے، جیسا کہ

صحیح بخاری میں روایت آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے گدھوں کی سرخ کاٹھیوں سے منع فرمایا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے بدن پر زعفرانی رنگ سے رنگی ہوئی ایک چادر دیکھی آپ نے فرمایا کہ یہ کیسی چادر ہے، جو تم نے اوڑھ رکھی ہے؟ میں نے آپ کی ناراضی محسوس کر لی میں واپس گھر آیا، تو تنور گرم ہو رہا تھا میں نے چادر تنور میں ڈال دی۔ پھر دوسرے دن حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا، عبداللہ تم نے اُس چادر کا کیا کیا؟ میں نے تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم نے اُسے گھر میں کسی عورت کو کیوں نہ پہنا دیا؟ کیونکہ عورتوں کے لیے اس رنگ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

صحیح مسلم میں انہی صحابیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ پر دو معصفر (کسم میں رنگی ہوئی) چادریں دیکھیں تو آپ نے فرمایا، کہ انہیں مت پہنو یہ کفار کا لباس ہے اور صحیح مسلم میں ایک روایت حضرت علیؓ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے لباس کو کسم کا رنگ دینے سے منع فرمایا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ کسم کے رنگ سے کپڑا سُرخ رنگ کا ہو جاتا ہے اور حدیث کی ایک کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ صحابہؓ کسی سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ تھے تو آپؐ نے اُن کے سامان میں چادریں دیکھیں، جن پر سُرخ دھاریاں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری سواریوں پر یہ سرخی نہ دیکھوں! چنانچہ ہم فوراً تیزی سے اُٹھے حتیٰ کہ ہمارے بعض اونٹ بدک گئے اور ہم نے تمام سُرخ کپڑے اتار لیے۔ اِسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ سُرخ لباس اور سیاہ مرف (اون) رنگ کے لباس کا پہننا بحث طلب امور میں۔ اس کی کراہت تو بہت ہی شدید ہے اس لیے کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپؐ نے گہرا سُرخ لباس پہنا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً اس سے محفوظ رکھا۔ البتہ سُرخ جوڑے کے لفظ پر شبہ ہو سکتا ہے۔

نیز آپ نے نشان زدہ سیاہ کپڑا بھی پہنا اور سادہ کپڑا بھی زیب تن فرمایا۔ سیاہ لباس اور سبز ریشم کی آستینوں والا بڑا لبادہ بھی پہننا۔ امام احمدؒ اور ابو داؤد اپنی اپنی اسناد سے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ شاہِ روم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی

خدمت میں سندس کا ایک قیمتی جبہ بھیجا، آپ نے پہنا۔ گویا مجھے اب بھی آپؐ کے دونوں ہاتھ باہر نکلے نظر آرہے ہیں۔ اصمعی فرماتے ہیں کہ وہ جبّہ بڑا سا لبادہ تھا، جس کی آستینیں لمبی تھیں۔ خطابیؒ فرماتے ہیں، ہوسکتا ہے اس جبّہ پر کچھ ریشم (سندس) لگا ہو۔ ورنہ عام طور پر جبّہ ریشم کا نہیں بنا کرتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک پاجامہ بھی خریدا

ظاہر ہے اسے آپؐ نے پہننے ہی کے لیے خریدا ہوگا

ایک روایت میں آپ کا پاجامہ پہننا بھی مذکورہ ہے اور صحابہؓ تو آپ کی اجازت سے پاجامے پہنا ہی کرتے تھے۔ نیز آپ نے موزے پہنے۔ پاپوش مبارک جو آپ پہنتے تھے اس کا نام "تاسومہ" تھا۔ آپؐ نے انگشتری بھی پہنی، لیکن اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آپؐ نے دائیں ہاتھ میں پہنی یا بائیں ہاتھ میں۔ یہ تمام روایتیں سند کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

نیز آپ نے خود پہنا جس کا نام "خروہ" تھا اور آپ نے زرد بہ نام کی زرہ بھی زیب تن فرمائی، اور غزوۂ احد میں تو معلوم ہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دو زرہیں پہنیں۔

صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا جبہ مبارک ہے اور آپ نے ایک خسروانی بہترین جبّہ نکال کر دکھایا، جس پر ریشم کا کام تھا اور اس کے کناروں پر بھی ریشم لگا ہوا تھا۔ انہوں نے بتایا یہ جبّہ حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، جب وہ انتقال فرما گئیں تو میں نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اسے پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے دھو کر اس کا پانی مریضوں کو دیا کرتے تو انہیں صحت ہو جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی دو سبز چادریں ہیں۔ ایک سیاہ کمبل، ایک سرخ سلا ہوا کمبل اور ایک بالوں کا کمبل تھا۔ آپ کی قمیض سوتی تھی، اس کی لمبائی بھی کم تھی۔ اور اس کی آستینیں بھی چھوٹی تھیں۔ البتہ لمبی اور چوڑی آستینوں والی قمیض نہ آپؐ نے اور نہ صحابہؓ نے کبھی پہنیں۔ یہ سنّت کے خلاف ہیں اور ان کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ یہ متکبرین کا لباس ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم قمیض اور حبرہ (چادر) کو بہت پسند فرماتے۔ حبرۂ چادر کی ایک قسم ہے۔ جس میں سرخ دھاریاں

ہوتی ہیں۔ آپ کو سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا اور آپ نے فرمایا:

یہ سب سے بہتر کپڑا ہے، یہی پہنا کرو اور اسی سے مُردوں کو کفن دیا کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک صحیح روایت مروی ہے کہ انہوں نے ایک پرانا کمبل اور موٹے سوف کی ایک چادر نکالی اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کپڑوں میں فوت ہوئے۔ آپ نے سونے کی انگوٹھی پہنی۔ پھر اُسے پھینک دیا اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے چاندی کی انگوٹھی تبوائی اور اس سے منع نہیں کیا۔

رہی ابو داؤد کی روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض باتوں سے منع فرمایا تو اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حاکم وقت کے سوا باقی سب لوگوں کو انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ میں اس روایت کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

نیز آپ کی انگوٹھی کا نگینہ اندر کی طرف رہتا تھا۔ امام ترمذیؒ حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔ امام ترمذیؒ نے اسے صحیح قرار دیا اور ابو داؤد نے اسے منکر قرار دیا۔ باقی طیلسان (سبز چادر جو عجمیوں کا لباس ہے) کے متعلق کچھ منقول نہیں کہ آپ نے پہنا یا نہیں اور نہ صحابہؓ سے متعلق کچھ منقول ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں حضرت نواسؓ بن سمعان کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اصفہان کے ستّر ہزار یہودیوں کے ساتھ خروج کرے گا جو یہ سبز چادریں پہنے ہوں گے۔ حضرت انسؓ نے ایک جماعت دیکھی جن کے بدن پر سبز چادریں (طیلسان) تھیں۔ تو انہوں نے فرمایا یہ لوگ یہودیوں سے کس قدر مشابہہ ہیں۔ چنانچہ سلف کی ایک جماعت ان کا استعمال مکروہ سمجھتی تھی۔ کیونکہ ابو داؤد اور حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جس نے جس قوم کا چلن اختیار کیا وہ اسی میں شمار ہوگا۔

اور ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو ہمارے سوا کسی دوسری قوم کا چلن اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

باقی حدیث ہجرت میں جو یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سر اور منہ ڈھانپے ہوئے تشریف لائے تو یہ کام آپ نے حالات و مصالح کے ماتحت کیا تاکہ کفار کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں۔ یہ عادت نہ تھی بلکہ ایک وقتی ضرورت کی بناء پر کیا گیا۔ نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ اکثر سر اور منہ ڈھانپ لیا کرتے تو اس کے متعلق اصل بات کا تو اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ گرمی یا کسی دوسری ضرورت کے باعث ایسا کر لیتے ہوں، لیکن یہ اقدام تضع یعنی تطلیس (عادتاً سر اور منہ ڈھانکنا) کے ماتحت نہ تھا۔

سوادات اور کتان کا لباس

اکثر اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سوتی سے لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے گاہے گاہے صوف اور کتان کا لباس بھی پہن لیتے۔

شیخ ابو اسحاق اصفہانی صحیح سند سے حضرت جابر بن ایوب سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت صلت بن راشد حضرت محمد بن سیرینؒ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے بدن پر صوف (سیاہ) کا جبہ، صوف کا تہبند اور صوف کا عمامہ تھا۔ امام محمد بن سیرینؒ کو سخت کوفت محسوس ہوئی۔ فرمایا! میرا خیال یہ ہے کہ بعض لوگ اُون پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسٰی بن مریم علیہ السّلام نے بھی تو یہ لباس پہنا تھا، حالانکہ مجھ سے اس شخص نے روایت کی، جسے میں کذب سے متہم نہیں کرتا کہ آپؐ نے کتان، صوف اور کپاس ہر طرح کا لباس پہنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت زیادہ قابل اطاعت ہے۔ امام ابن سیرینؒ کی مراد یہ تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سیاہ لباس مستقل طور پر استعمال کرنا دوسرے ملبوسات سے افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہی لباس پہنتے ہیں اور دوسرے لباسوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس طرح وہ صرف ایک ہی لباس اختیار کر لیتے ہیں اور ایسے ایسے رسومات اور مخصوص وضع قطع اختراع کر لیتے ہیں، جس کا ترک کرنا موجبِ معصیت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک ہی لباس کو لازم کر دینا اور اسی کو درست سمجھنا یہ بے گناہ اور سب سے بہتر طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا ہے، جو مسنون ہے، جس کا آپؐ نے حکم فرمایا، ترغیب دی اور خود اس پر مسلسل گامزن رہے۔ آپؐ کا طریقہ (سنّت) لباس یہ ہے کہ کپاس کا ہو تو صوف یا کتان کا ہو تو کوئی سا اور جو بھی لباس میسّر آئے پہن لیا جائے، آپؐ نے یمنی چادریں، سبز چادریں، جبّہ، قبا، قمیص، پاجامے، تہ بند، چادر (سادہ) موزہ، جوتا ہر چیز استعمال فرمائی۔ نیز آپؐ نے کبھی عمامہ کا پلو پیچھے کی طرف لٹکا دیا اور کبھی نہیں لٹکایا اور گردن کے نیچے تک عمامہ کے بل لپیٹ لیا کرتے اور جب نیا کپڑا پہنتے تو پہلے اس کا نام لیتے اور پھر دعا پڑھا کرتے۔

اللھم انت کسوتنی ھذا (القمیص او الرداء او العمامة) مسالك خیرہ وخیر ماصنع لہ واعوذ بك من شرہ وشر ماصنع لہ۔

یعنی: اے اللہ تو نے مجھے یہ (قمیص، چادر یا عمامہ) پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے بنی ہے اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور اس کے شر سے اور جس کے لیے بنی ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور جب آپ قمیص پہنتے تو دائیں طرف سے شروع فرماتے۔ اس طرح آپؐ نے سیاہ بالوں کا کمبل بھی اوڑھا۔ صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کا کمبل تھا۔

اور صحیحین (مسلم و بخاری) میں حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کونسا لباس زیادہ پسند تھا۔ انہوں نے فرمایا، حبرہ اور حبرہ یمنی چادروں میں سے ایک قسم کی چادر ہے کیونکہ اس چادر کا زیادہ تر سوت یمن کا ہوتا تھا۔ اور یہ علاقہ قریب بھی تھا، بعض دفعہ شام اور مصر کا بنا ہوا لباس بھی پہن لیتے، جیسے قباطی چادر جو کتان سے بنائی جاتی تھی اور قبطی لوگ اس کا سوت کاتتے تھے۔

سنن نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ کے لیے صوف کی چادر بنائی تو آپ نے اوڑھ لی۔ جب آپ کو پسینہ آیا تو آپ نے صوف کی بُو محسوس فرمائی۔

چنانچہ آپؐ نے اُسے اتار دیا، کیونکہ آپ خوشبو کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ سنّتہ

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسم مبارک پر بہترین لباس بھی دیکھے ہیں۔ سنن نسائی میں حضرت ابو رمثہ رضؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو خطبہ ارشاد فرماتے دیکھا۔ تو آپ پر دو سبز چادریں تھیں۔ سبز چادر میں سُرخ جوڑے کی طرح سبز دھاریاں تھیں جو شخص حلۃ الحمرا سے مراد گہرا سُرخ جوڑا سمجھتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ یہاں بھی گہرا سبز رنگ کہے۔ حالانکہ محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

آپؐ کا تکیہ چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس طرح کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال کر رکھا ہے اُسے حرام کرتے اور اُس کے استعمال سے روکنے کو زہد، پرہیز گاری اور تقویٰ کی ضمانت قرار دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ صرف اچھے اچھے لباسوں اور بہترین کھانوں ہی میں منہمک ہیں اور موٹا کپڑا اور گھٹیا کھانا تکبّر اور رعونت کے باعث استعمال نہیں کرتے۔ یہ دونوں گروہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف کی عادت تھی کہ وہ بہترین لباس وطعام یا بالکل ہی گھٹیا زندگی اختیار کر کے کسی طور پر بھی متعین صورت میں شہرت حاصل نہ کرنا چاہتے تھے اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے شہرت کی خاطر لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلّت کا لباس پہنائے گا۔ پھر دوزخ میں اسی کے شعلوں میں جلے گا کیونکہ اس نے تکبّر اور غرور کیا۔ لہٰذا اللہ نے اُسے ذلیل کیا، جیسے اس شخص کو سزا دے گا جو ازراہ غرور و تکبّر۔ تہ بند یا کپڑے کو لٹکاتا ہوا چلتا ہے۔ وہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا، قیامت تک دھنسا ہی رہے گا اور صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جو تکبّر سے ازار گھسیٹے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر نہیں ڈالے گا۔ نیز سنن میں ان ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اسبال (تکبّر سے کپڑا لمبا کرنا یا لٹکانا) تہ بند، قمیض اور پگڑی سب میں ہوتا ہے، جس نے بھی ان میں سے کسی کو تکبّر کی وجہ سے گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی

نہ اٹھائے گا۔ اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے وہی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تہ بند کے متعلق فرمایا وہی قمیص کے متعلق بھی فرمایا، اسی طرح معمولی لباس کسی وقت قابلِ مذمت اور کسی وقت قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ اگر شہرت کے لئے ہو تو قابلِ مذمت۔ لیکن عاجزی اور مسکنت مقصود ہو تو قابلِ تعریف جیسے کہ دکھاوے اور تکبّر کے لئے بڑھیا لباس مذموم ہے۔ لیکن اگر اس سے اللہ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو تو قابلِ ستائش ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبّر ہوگا، وہ جنّت میں نہ جائے گا اور جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ میرے کپڑے اچھے ہوں اور میرا جوتا اچھا ہو، تو کیا یہ بھی کبر میں شامل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا نہیں! اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو ہی پسند فرماتا ہے۔ کبر سے مراد حق سے سرکشی اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے۔

آں حضرت کی غذا اور ماکولات

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کھانے پینے میں بھی ایک مستقل سنت ہے۔ موجود کو رد نہ کرتے اور جو چیز موجود نہ ہوتی اس کا تکلف نہ کرتے، جو حلال اور پاک کھانا میسر آتا اُسے کھا لیتے۔ ہاں اگر عزّتِ نفس مجروح ہوتی تو حلال ہوتے ہوئے بھی اُسے چھوڑ دیتے۔ آپ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ جی چاہا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عادت نہ ہونے کی وجہ سے گوہ نہ کھائی۔ لیکن امت پر حرام نہیں فرمائی، بلکہ آپ کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اور آپ دیکھتے رہے۔ آپ نے حلوی اور شہد تناول فرمایا۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو پسند تھیں۔ نیز آپ نے اونٹوں، بھیڑوں۔ مرغیوں، سرخاب جنگلی گدھے، اور خرگوش کا گوشت تناول فرمایا۔ نیز سمندری جانور کا گوشت (مچھلی) کھایا۔ اس کے علاوہ آپ نے بکری کا گوشت بھی استعمال فرمایا، اور تر اور خشک کھجور بھی تناول فرمائی ہے۔ خالص دودھ، پانی ملا دودھ، ستو، اور شہد کو پانی میں ملا کر بھی نوش فرمایا، کھجور کا میٹھا پانی بھی پیا، نیز آپ نے خربزہ بھی کھایا۔ جو دودھ اور آٹے سے بنتا ہے۔ تر کھجور کے ساتھ ککڑی کھائی، نیز پنیر کھایا، روٹی کے ساتھ خشک کھجور کھائی۔ سرکہ کے ساتھ بھی روٹی کھائی، ثرید بھی

کھایا جو روٹی کو گوشت میں بھگو دینے سے بنتا ہے۔ اہالہ سے بھی روٹی کھائی۔ اہالہ چربی کو کہتے ہیں یعنی بھونی کلیجی اور گوشت کے ٹکڑے بھی کھائے۔ پکا ہوا کدو تو آپ کو بہت ہی محبوب تھا۔ ثرید گھی میں ملا کر پنیر، روٹی زیتون اور تر کھجور کے ساتھ خربوزہ اور خشک کھجور مکھن کے ساتھ بھی تناول فرمائی۔

آپ خوشبو کا ہدیہ ردّ نہ فرماتے اور نہ اس لئے مجبور کرتے۔ بلکہ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جو میسّر آیا کھا لیا۔ اگر کھانے کو نہ ملتا تو صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ بھوک کی شدّت کے باعث پیٹ پر پتھر باندھے۔ تین تین ماہ گزر جاتے اور آپ کے گھر میں (کھانا پکانے کے لیے) آگ نہ جلتی۔ سفر میں اکثر اوقات آپ زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرماتے اور زمین ہی آپ کا دستر خوان ہوتا۔ آپ تین انگلیوں سے کھاتے اور فارغ ہونے کے بعد انہیں صاف کر لیتے۔ یہ کھانا کھانے کا سب سے بہترین طریقہ ہے، کیونکہ متکبّر آدمی ایک انگلی سے کھاتا ہے اور حریص اور لالچی آدمی پانچوں انگلیوں سے کھاتا ہے۔ اور ہتھیلی سے منہ میں لقمہ دھکیلتا ہے۔

آپ سہارا لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ آپ تین طرح سے تکیہ لگاتے۔ کبھی ایک طرف سہارا لگا کر بیٹھتے، کبھی پلتھی مار کر اور کبھی ایک ہاتھ سے سہارا لگاتے اور دوسرے سے کھاتے۔

آپ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں حمد کرتے۔ یعنی آخر میں آپ یہ دعا پڑھتے:

الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا۔

کبھی آپ یوں حمد فرماتے:۔

الحمد لله الذي يطعم ولا يطعم من علينا فهدانا وأطعمنا وأسقانا وكل بلاء حسن أبلانا الحمد لله الذي أطعم من الطعام وسقى من الشراب وكسى من العري وهدى من الضلالة وبصر من العمى وفضّل على كثير ممن خلق تفضيلا الحمد لله رب العالمين۔

یعنی: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا ہم پر اُس نے احسان کیا کہ ہمیں ہدایت دی ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا اور اچھی آزمائش میں ہی ڈالا۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں پلایا اور کھلایا۔ تن

ڈھانکتے کو لباس دیا اور گمراہی میں ہدایت دی۔ دیدۂ کور کو بصارت دی اور اپنی کثیر مخلوق پر شرف عطا فرمایا۔ سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اور کبھی کبھی یوں پڑھا کرتے: الحمد اللہ الذی اطعم وسقی وسوغہ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اس نے کھلایا اور پلایا اور اسے خالص کر دیا۔"

اور جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو اپنی انگلیاں صاف کر لیتے۔ آپ کے ہاں رومال نہ تھے کہ جن سے ہاتھ پونچھے جائیں۔ اور نہ یوں عادت مبارک تھی کہ جب بھی کھانا کھائیں تو ضرور ہی ہاتھ دھوئیں۔ اکثر اوقات بیٹھ کر پیتے بلکہ کھڑے ہو کر پینے پر زجر فرمایا ایک مرتبہ کھڑے ہو کر نوش فرمایا، لیکن مجبوری کے باعث اور اس واقعہ کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ آپ نے زمزم کے چشمہ پر تشریف لائے لوگ پانی پی رہے تھے۔ آپ نے ڈول لیا اور کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ اس سلسلہ میں صحیح صورت مسئلہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پینا نا جائز ہے۔ اس موقع پر آپ مجبور تھے کہ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ اس بحث سے تمام احادیث میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

اور آپ جب کچھ پلاتے تو پہلے دائیں طرف سے شروع فرماتے۔ خواہ بائیں طرف کوئی بزرگ ہی کیوں نہ کھڑا ہوتا۔

ازدواجی معاملات اور معمولاتِ حیات

میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اصول اور اُسوۂ حسنہ

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

مجھے تمہاری دنیا کی دو چیزیں پسند ہیں، ایک عورت اور دوسری خوشبو۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ اور جن راویوں نے "تین چیزیں پسند ہیں" کی روایت کی ہے۔ انہیں غلط فہمی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نہیں فرمائیں، کیونکہ نماز کی طرف اگر تیسری کی نسبت کی جائے تو یہ تو دنیا کی چیز نہیں ہے۔ عورتیں اور خوشبو آپ کو محبوب تھیں[1]۔ آپ ایک ہی رات میں تمام ازدواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ آپ میں تیس[2] مردوں کے برابر قوت تھی[2] اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے

---

[1] آپؐ کو عورت اس لیے محبوب تھی کہ اس وقت انسانیت، معاشرے اور قوم کا مظلوم ترین طبقہ یہی تھا۔ چنانچہ اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے، جس نے حقوق میں اور فرائض میں، تعزیر اور عقوبت میں اور اجر و رحمت میں، ترکہ اور وراثت میں، حرّیت عقد و نکاح میں، حریت طلاق میں، حرّیت فکر و رائے میں، حرّیت انتخاب میں، مرد و زن کے حقوق کے درمیان کوئی تفرقہ روا نہیں رکھا، عورت کی مستقل حیثیت تسلیم کی اور اسے مستقل حقوق دیے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس طرح کی روایتیں قطعاً ناقابلِ اعتماد ہیں، یہ واعظوں کی اختراعات ہیں۔ ابن قیم بہترین محدّث ہونے کے باوجود اس جگہ ایک نکتہ جو اصولِ حدیث کا ایک بڑا اہم نکتہ ہے فراموش کر گئے، یعنی کسی (باقی حاشیہ پر)

میں جتنا کچھ آپؐ کے لئے مباح کیا تھا، اُمت کے لئے نہیں کیا تھا۔ آپ ازواج مطہرات کے حقوق میں پوری مساوات اور عدل ملحوظ رکھتے، کسی طرح کا فرق نہ کرتے، رہی محبت سو آپؐ فرمایا کرتے یا اللہ جس کا مجھے اختیار ہے اس کی تقسیم تو میں نے مساوی طور پر کر دی لیکن جو بات میرے بس میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ کیجیو۔[۱] غیر اختیاری چیز" محبت اور مباشرت تھی اور ان امور میں مساوات لازمی بھی نہیں۔ کیونکہ یہ اختیاری چیزیں نہیں۔

کیا آپؐ پر مساوات برتنا واجب تھا یا آپ کے اوقات بغیر کسی تقسیم کے تھے؟ اس میں فقہاء مختلف الرائے ہیں۔ اس اُمت میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا! شادی کرو۔ کیونکہ اس اُمت کی زیادہ تعداد عورتوں پر مشتمل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق بھی دی لیکن پھر رجوع فرمالیا۔ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے ایلاء بھی کیا۔[۲] لیکن آپ نے ظہار کبھی نہیں کیا اور جس نے آپ کے ظہار کا ذکر کیا اس نے بالکل ہی غلط کہا۔ یہاں (ظہار بتلانے والے) کی غلطی کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

(باقی حاشیہ) حدیث کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ صحاح ستہ میں آئی ہے، یا اس کے راوی غیر مجروح، عدول اور ثقہ ہیں، یا سند میں کسی طرح کا اختلال نہیں۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ "روایت" "درایت" کے معیار پر بھی پوری اترتی ہو جس نبی کا کردار یہ ہو کہ ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ سال کی خاتون سے شادی کرے، جس کی ایک کے سوا تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ ہوں۔ جس نے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی ہو اور ازواج مطہرات سے کہہ دیا ہو کہ اگر اس طرح رہ سکتی ہو تو رہو، ورنہ پوری عزت کے ساتھ حق مہر دے کر میں رخصت کر دیتا ہوں، جو راتوں میں اتنی عبادت کرتا ہو کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا پھر اور لوگ جب یہ کہیں کہ آپ کو اتنی عبادت کی کیا ضرورت ہے جبکہ آپؐ معصوم ہیں اور وہ جواب دیتے کہ" کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"؟ اس کے بارے میں اس طرح کی روایتیں قطعاً ناقابلِ قبول ہیں اس لئے کہ درایت انہیں تسلیم نہیں کرتی۔ (رئیس احمد جعفری)

[۱] آپ کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت تھی اور بلاشبہ محبت اختیاری چیز نہیں، لیکن اس میں بھی ایک اہم رمز ہے۔ اللہ نے آپؐ کے دل میں حضرت عائشہ کی محبت اس لئے زیادہ پیدا کی کہ آپؐ کا یہ اسوہ بھی تعدد ازواج پر عمل کرنے والے لوگوں کے سامنے آجائے کہ ایک بیوی سے انتہائی محبت ہونے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خود آپؐ کو اس سے بری قرار دیا۔ آپؐ کے ازدواجی تعلقات حسنِ معاشرت اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی لڑکیوں کو حضرت عائشہؓ کے پاس کھیلنے کے لئے بلایا کرتے تھے اور جائز امور میں آپؐ بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ اور جب عائشہؓ پانی پیتیں تو ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہیں لب مبارک لگا لیتے، جہاں سے انھوں نے پیا ہوتا اور جب وہ ہڈی پر سے گوشت کھاتیں تو آپ وہ ہڈی جس پر گوشت ہوتا لے کر وہاں منہ لگا لیتے، جہاں سے حضرت عائشہؓ نے کھایا ہوتا اور آپ ان کے زانو سے ٹیک بھی لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی کرتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ ایام سے ہوتیں مگر آپؐ[2] ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ بہ حالت صوم تقبیل کرتے۔ یہ سب آپ کا اپنی ازواجِ مطہرات سے حسنِ اخلاق اور لطف و کرم کا نتیجہ تھا کہ آپ ان کے ساتھ کھیل بھی لیتے انہیں حبشی لڑکوں کا کھیل بھی دکھا دیتے جب وہ مسجد میں کھیل رہے ہوتے، ام المومنین آپؐ کے کندھوں کی اوٹ سے یہ منظر دیکھتیں۔ دو مرتبہ آپ ان سے دوڑ میں آگے بڑھ گئے۔ ایک مرتبہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہوئے باہر تشریف لائے۔

جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کے نام کا قرعہ نکل آتا وہی ساتھ جاتیں پھر کسی کے لئے کوئی عذر نہ رہ جاتا جمہور کا یہی مسلک ہے۔

آپ فرمایا کرتے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرتا ہو اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں۔

کبھی کبھی آپ نے تمام ازواج مطہرات کی موجودگی میں بھی کسی ایک کی طرف (ازراہِ التفات)

(بقیہ حاشیہ) کے باوجود دوسری بیویوں کے حقوق میں کس طرح کامل مساوات قائم رکھی جا سکتی ہے ورنہ اگر آپؐ کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت نہ ہوتی تو امت ایک بہت بڑے اسوہ سے محروم رہ جاتی (رئیس احمد جعفری)

۲؎ یہ مصنف کی اپنی اپچ ہے، نہ حدیث ہے، نہ اثر۔ (رئیس احمد جعفری)

۳؎ یہ فقہ کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے بیوی سے علیحدگی رکھی جائے لیکن طلاق نہ دی جائے۔ (رئیس احمد جعفری)

ہاتھ بڑھا دیا۔ جب آپ نماز عصر پڑھ لیتے تو تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے۔ ان کے حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہوتی تو وہاں تشریف لے آتے، جہاں باری ہوتی اور شب وہیں بسر کرتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ باری کی اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ اور ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا کہ آپ سب ازواج مطہرات کے ہاں تشریف نہ لے گئے ہوں، آپ ہر ایک کے پاس بیٹھتے اور آخر کار جس کی باری ہوتی اس کے ہاں تشریف لے جاتے اور رات گزارتے۔ نو ازواج مطہرات میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی۔

صحیح مسلم میں حضرت عطاؒ کا قول منقول ہے کہ جن کی باری نہ تھی ان کا نام صفیہؓ بنت حی ہے۔ حالانکہ یہ حضرت عطاؒ کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ صاحبہ حضرت سودہؓ ہیں۔ حضرت سودہ نے سہولت سن کے سبب رضا کارانہ اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی چنانچہ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس ان کے اور حضرت سودہؓ کے حصے کے دو دو دن گزارتے۔

ایک اور روایت بھی ہے اور اصل واقعہ کا علم خدا ہی کو ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے۔

حضرت صفیہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کرا دو تو اپنی باری تمہیں بخش دوں گی۔ انھوں نے کہا اچھی بات، چنانچہ حضرت صفیہؓ کے باری کے دن حضرت عائشہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا، عائشہؓ تم کیسے آگئیں ہٹو پس جاؤ، یہ تو صفیہؓ کی باری ہے[1]

انھوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور سارا واقعہ عرض کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ سے خوش ہو گئے۔ اس وقت سے انھوں نے اپنی

---

[1] آپ کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا کہ ناراضگی کی حالت میں بھی آپ ازواج کے مابین عدل کا کس درجہ خیال رکھتے تھے؟ اور اس حالت میں بھی حضرت عائشہ کو ان کا دن دینے پر رضامند نہ ہوئے۔

(رئیس احمد جعفری)

باری انہیں بخش رکھی تھی۔ یہ باری مخصوص تھی[1] اگر تقسیم اس طرح نہ کی جائے تو پھر باری سات ازواج ہی پر شمار کی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، بلکہ باری آٹھ بیویوں کی مقرر تھی۔

اگر کسی ایسے آدمی کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آجائے، جس کی دو سے زیادہ بیویاں ہوں اور ایک بیوی اپنی باری دوسرے کو بخش دے تو کیا یہ جائز ہے؟ کہ خاوند اس بیوی کے پاس شب موہوبہ اور اصلیہ دونوں گزار سکے؟ اگرچہ شروع میں ان دونوں کی راتیں مسلسل نہ آرہی ہوں، یا وہ اسی رات اس کے پاس رہے جس میں بخشش کرنے والی کے پاس رہا کرتا تھا؟

امام احمد اور دوسرے حضرات کے اس باب میں مختلف قول ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری اور پہلے ہر حصہ میں ازواج مطہرات کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ کبھی غسل فرما کر سوتے اور کبھی وضو کر کے سو جاتے۔ ابو اسحاق سبیعی نے اسود سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ بعض اوقات پانی کو چھوئے بغیر ہی سو جاتے" ائمہ حدیث کے نزدیک یہ غلط روایت ہے اور ہم نے تہذیب سنن ابو داؤد میں اس روایت پر کافی تبصرہ کیا ہے، اور اس کے اشکالات اور علل کو واضح کر دیا ہے۔ نیز آپ ایک ہی غسل سے ازواج مطہرات سے قربت فرمالیا کرتے تھے اور کبھی کبھی الگ الگ غسل بھی فرمایا۔

اور جب آپ سفر میں ہوتے تو واپسی پر رات کو گھر تشریف نہ لاتے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔

خواب اور بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ

کبھی آپ بستر پر سوتے کبھی چمڑے پر، کبھی چٹائی بلکہ زمین پر بھی سو جاتے، کبھی چارپائی پر اور کبھی سیاہ کمبل پر آرام فرماتے۔ عباد بن تمیمؓ فرماتے

---

[1] یعنی یہ پیشکش مستقل نہ تھی، ایک دفعہ کی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے دیکھا کہ آپ نے ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا۔ اور آپ کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے پاس ایک بالوں کا کمبل تھا۔ جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا۔ ایک دفعہ چار تہیں کر کے بچھا دیا گیا تو آپؐ نے روک دیا تھا۔ الغرض آپ بستر پر بھی سوئے اور لحاف بھی اوڑھا اور اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تم میں سے عائشہؓ کے سوا کوئی اور ایسا نہیں کہ جبریل اس کے بستر پر آئے ہوں۔

آپ کا تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اور جب آپ سونے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے تو پڑھتے۔ باسمك اللّٰھم احیا واموات یعنی اے اللہ تیرے ہی نام پر میں جیتا اور مرتا ہوں" نیز آپ دونوں ہاتھ اکٹھے کر کے ان میں قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونک مارتے، پھر آپ انہیں اپنے جسم مبارک پر جہاں تک ممکن ہوتا پھیر لیتے۔ آپ سر چہرہ اور سامنے کے حصّہ سے ابتداء فرماتے۔ آپ یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔ آپؐ دائیں پہلو پر سوتے دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے، پھر دعا فرماتے:۔

اللّٰھم قنی عذابك یوم تبعث عبادك :۔

یعنی: اے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچالے جس دن اپنے بندوں کو اٹھائےگا

جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد اللہ الذی اطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا فکم من لا کافی لہٗ ولا مووی (مسلم) یعنی "سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا ہمارے لئے کافی ہوا ہمیں پناہ دی۔ کیونکہ کتنے ہی ایسے ہیں جنہیں کفایت کرنے والا کوئی نہیں اور نہ پناہ دینے والا ہے"۔

نیز لکھا ہے کہ جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:۔ اللّٰھم رب السموات والارض ورب العرش العظیم، فالق الحب والنوی منزل التوراۃ والانجیل والقرآن اعوذ بك من شر کل ذی شر انت آخذ بناصیتہ انت الاول فلیس قبلك شئی وانت الاخر فلیس بعدك شئی وانت الظاھر فلیس فوقك شئی وانت الباطن فلیس

دونك شيئ اقض عنى الدين واغننى من الفقر۔

یعنی "اے اللہ، اے آسمانوں اور زمینوں کے رب اور عرش عظیم کے پروردگار دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے توراۃ، انجیل اور قرآن نازل کرنے والے میں ہر شر والی چیز کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ تو ہی اسے قابو میں رکھنے والا ہے تو ہی اوّل ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کچھ نہیں اور تو ہی ظاہر ہے۔ تیرے اوپر کچھ نہیں تو ہی باطن ہے، تیرے ماوراء کچھ نہیں۔ میرا قرض ادا فرما دے اور مجھے فقر سے غنی کر دے"

اور رات کو جب کسی وقت آنکھ کھلتی تو یہ دعا پڑھتے:

لا اله الا انت سبحانك اللهم استغفرك لذنبي واسألك رحمتك اللهم زدني علما ولا تزغ قلبي بعد اذ هديتني وهب من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

یعنی: (اے اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے۔ اے اللہ! میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوالی ہوں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کر دے اور ہدایت کے بعد میرے دل کو کھوٹا نہ کر دینا، مجھے اپنی رحمت سے نواز۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے"

اور جب آپ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمد الله الذى احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور۔

یعنی: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کے پاس (دوبارہ) جمع ہو کر حاضر ہونا ہے"

پھر آپ مسواک فرماتے اور بسا اوقات سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات ان فی خلق السموات والارض الخ سے شروع کر کے تلاوت فرماتے اور یہ دعا پڑھتے:

اللهم لك الحمد انت نور السموات والارض ومن فيهن ولك الحمد انت قيم السموات والارض ومن فيهن ولك اعلم انت الحق ووعدك ولقاءك حق والجنة حق والنار حق والنبيون حق ومحمد حق والساعة حق اللهم لك اسلمت وبك

آمنت وعلیك توكلت واليك انبت وبك خاصمت واليك حاكمت فاغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الهی لا اله الا انت"

یعنی "اے اللہ تیری ہی تعریف ہے، تو ہی آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا نور ہے اور تیری ہی تعریف ہے تو ہی آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے اور تیری ہی تعریف ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے جنّت حق ہے دوزخ حق ہے، تمام انبیاء حق ہیں۔ محمد حق ہیں، قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرا فرمانبردار ہوں۔ تجھ پر ایمان لایا تجھ پر بھروسہ کیا۔ تیری طرف ہی جھکا۔ تیری مدد ہی سے جھگڑا، تیری طرف ہی بلایا پس مجھے بخش دے جو میں نے پہلے (گناہ) کئے اور بعد میں کئے، جو میں نے چھپ کر کئے اور جو میں نے علانیہ کئے۔ تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

اور آپ رات کو پہلے پہر سو جاتے اور آخر پہر بیدار ہو جاتے۔ کبھی کبھی آپ مصالح مسلمین کے لیے ابتداء شب میں جاگتے رہتے۔ آپ کی آنکھیں سوتیں مگر دل بیدار رہتا اور جب آپ سوتے تو جب تک خود نہ جاگ اٹھتے جگایا نہ جاتا اور جب آپ آغاز شب میں کسی جگہ اترتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے اور جب صبح کے قریب قیام فرماتے تو بازو کا سہارا لے کر سر مبارک ہتھیلی پر رکھ دیتے (امام ترمذیؒ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ابو حاتم نے صحیح میں لکھا ہے کہ آپ رات کو کسی منزل پر اترتے تو دائیں پہلو پر آرام فرماتے اور جب صبح سے قبل اترتے تو بازو اونچا کر لیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلط فہمی ہے البتہ امام ترمذی کی روایت درست ہے۔ ابو حاتم نے لکھا ہے کہ تعریس اکٹروں بیٹھنا) صبح سے قبل ہوتی تھی۔ آپ کی نیند سب سے زیادہ معتدل ہوتی تھی اور یہی سب سے بہتر نیند ہے اور اطباء کا قول ہے کہ نیند کا بہترین وقت تہائی رات ہے اور دن آٹھ گھڑیوں میں منقسم ہے

سواری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیّبہ

آپ نے گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے پر بھی سواری فرمائی۔ کبھی گھوڑے پر کاٹھی ڈال کر سواری کرتے، کبھی ننگی پیٹھ پر بھی سواری فرما لیتے۔ کبھی کبھی اسے دوڑایا بھی

کرتے تھے۔ زیادہ تر تنہا سوار ہوتے تھے۔ گاہے گاہے اُونٹ کے پیچھے بھی کسی کو سوار کر لیتے۔ کبھی خود پیچھے بیٹھتے اور دوسرے آدمی کو آگے بٹھا لیتے۔ ایک بار تین آدمیوں نے بھی سواری کی۔ مردوں کو بعض اوقات اپنی ازواجِ مطہرات کو بھی۔

آپؐ کے مراکب کا بڑا حصّہ اُونٹ اور گھوڑے پر مشتمل تھا، رہے خچر تو معروف روایت یہ ہے کہ آپ کے پاس صرف ایک خچر تھا۔ کسی بادشاہ نے بطور ہدیہ نذر کیا تھا۔ ارضِ عرب میں خچروں کا چلن نہ تھا۔ لیکن جب آپ کو خچر ہدیہ پیش کیا گیا تو گھوڑے اور گدھی کے ملاپ کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو نادان ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بکریاں آپؐ کے پاس ایک سو بکریاں تھیں، آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ بکریوں کی تعداد سو سے بڑھ جائے، جب کوئی بڑھ جاتی تو اس کی جگہ کسی دوسری (بکری) کو ذبح کر دیتے۔

نیز آپ کے پاس لونڈیاں اور غلام بھی تھے آپ کے آزاد کردہ غلام لونڈیوں سے زیادہ تھے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں ابو امامہ وغیرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا جس آدمی نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو یہ اسے جہنم سے نجات دلانے کا سبب ہوگا۔ اس کا ہر عضو اس کے بدلہ میں آزاد ہوگا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ صحیح روایت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا زیادہ باعث اجر ہے اور ایک غلام دو لونڈیوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر آزاد کردہ مرد غلام ہیں۔ یہ ان پانچ مقامات میں سے ایک ہے جہاں عورت کو نصف مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا مقام عقیقہ کرنے کا ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک عورت کا عقیقہ ایک بکری اور مرد دو بکریوں سے ہوتا ہے اور اس مسلک کی تائید کئی صحیح اور حسن احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ تیسرا مقام گواہی دینے کے سلسلہ میں ہے، جہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار ہوتی ہے۔ چوتھا میراث اور پانچواں دیت میں ہے[1]

---

[1] ابن قیم نے یہ بات جس پیرایہ میں بیان فرمائی ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خرید و فروخت

منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد خریداری میں اضافہ اور فروخت میں کمی واقع ہوئی۔ اس طرح ہجرت کے بعد بھی آپ سے صرف چند معاملات میں فروخت منقول ہے اور اکثر یہ فروخت خریدنے والے کے لئے زیادہ سودمند ہوا کرتی تھی، جیسے پیالے اور پالان کی فروخت۔ ایک مدبر غلام یعقوب کی فروخت نیز ایک غلام کی دو غلاموں کے عوض فروخت۔ رہی آپ کی خریداری تو یہ آپ نے کثرت سے فرمائی۔ دوسرے آپ نے اجرت پر کام کیا بھی ہے۔ آپ نے اُجرت پر کام کرنے کے مقابلہ میں اُجرت دے کر زیادہ کام لیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) عورت کے مابین نصف کا فرق ہے۔

لیکن بات یوں نہیں ہے، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں تک حقوق کا تعلق ہے۔ دونوں میں کامل مساوات ہے۔ قرآن نے اکثر مقامات پر "مومنین" اور "مومنات" کو ایک ساتھ مخاطب کر کے اجر و عقاب ثواب و عتاب اور جنت وجہنم کی بشارت یا وعید دی ہے، بنیادی حقوق میں مرد اور عورت بالکل یکساں ہیں، جس طرح مرد آزاد ہے کہ جس سے چاہے شادی کرے اسی طرح یہ حق عورت کو بھی ہے، جس طرح مرد تجارت لین دین آزادانہ طور پر کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے جس طرح مرد اپنی جائداد اور املاک کا مستقل مالک ہے اسی طرح عورت بھی ہے جس طرح مرد اپنے مستقل نام سے اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے مستقل نام سے اپنی انفرادیت قائم رکھتی ہے وہ شادی سے پہلے "مس" بن کر باپ کا، اور شادی کے بعد "مسز" بن کر شوہر کا ضمیمہ بن کر اپنی انفرادیت سے محروم نہیں ہوتی۔ چوری، زنا اور دوسرے جرائم کی سزا جو مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے ہے وہی عورت کے لئے بھی ہے۔ اعمال صالحہ کا اجر و انعام مرد کے لئے ہے عورت کے لیے بھی ہے۔

لیکن خلقی کمزوری یا توانائی کی بناء پر مرد اور عورت میں فرق مراتب ضرور ہے، لیکن یہ فرق مراتب بھی یک طرفہ نہیں ہے، اگر کسی معاملہ میں مرد کو عورت پر تفوّق حاصل ہے تو کسی معاملہ میں عورت مرد

منقول ہے کہ آپ نے نبوت سے قبل بکریاں چرانے کے لئے اجرت پر کام کیا ہے۔ نیز حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر شام کا سفر بھی اسی نوعیت کا تھا اور جب تجارت مضاربت کی صورت میں ہو تو مضارب، امین، اجیر وکیل اور شریک چار حیثیتیں رکھتا ہے

جب مال پر قبضہ ہو تو امین شمار ہوگا۔

جب مال میں تصرف کرے گا تو وکیل ہوگا۔

جب خود بھی کام کرے گا تو اجیر کہلائے گا۔

اور جب اس تجارت میں نفع ہوگا تو اس میں شریک بھی ہوگا۔

امام حاکمؒ نے اپنی صحیح حاکم میں حضرت ربیع بن بدر سے انہوں نے ابو زبیرؓ اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے مالِ تجارت کے سلسلہ میں جرش (شام) کی طرف دو مرتبہ اجرت پر سفر کیا اور بتایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ نیز نہایہ میں ہے کہ جرش میں، جو شام میں ایک شہر کا نام ہے، میں کہتا ہوں یہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ ربیع بن بدر ثقہ روای نہیں ہے۔ اسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی دارقطنی اور ازدی نے اسے متروک لکھا ہے۔ حاکم کا خیال یہ ہے کہ ربیع بن بدر دراصل طلحہ بن عبید اللہ کا غلام ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارت میں شرکت بھی کی ہے، جب یہ شریک آپ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے فرمایا۔

"کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ؟"

(بقیہ حاشیہ) پر تفوق رکھتی ہے، مثلاً پاکدامن عورت پر بدچلنی کا اتہام لگانے کی سزا اسّی کوڑے ہے، لیکن پاکدامن مرد پر بدچلنی کی تہمت پر یہ سزا نہیں ہے۔

رہے وہ پانچ مقامات جن کا علامہ ابن قیم نے حوالہ دیا ہے کہ "عورت نصف مرد کے برابر ہے" تو ان کی توجیہ یہ ہے :-

(۱) ایک غلام دو باندیوں کے برابر کارکردگی کی بنا پر مانا گیا ہے۔

(۲) عقیقہ کا یہ فرق اس لئے ہے کہ گو اولاد ہونے کی حیثیت سے لڑکا اور لڑکی برابر ہیں، لیکن لڑکے

اس نے عرض کیا، آپ میرے شریک تھے اور آپ بہترین شریک تھے۔ آپ نے نہ کبھی دھوکا دیا اور نہ جھگڑا کیا۔ تداری کا صیغہ مدارأۃ ہے۔ اس کے معنی ہیں "حق بات کا مقابلہ کرنا"۔ اگر اس کے آخر سے ہمزہ اڑا دیا جائے تو فقط مداراۃ رہ جاتا ہے تو اس کے معنی ہوں گے: "اچھے طریقہ سے مدافعت کرنا"۔

نیز آپ نے وکیل بنایا، خود وکالت فرمائی۔ زیادہ تر آپ نے وکیل بنایا، آپ نے ہدیہ دیا۔ ہدیہ قبول بھی کیا، اس کا بدلہ بھی دیا۔ اسی طرح بخشش فرمائی اور قبول بھی فرمایا۔ سلمۃ بن اکوع بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں ایک لونڈی آئی۔ سلمۃ نے عرض کیا کہ اسے مجھے عنایت فرمائیے۔ چنانچہ آپ نے اسے عطا فرما دی تو اس نے اس کے بدلے میں مکہ میں محبوس مسلمان قیدیوں کو رہا کرا لیا۔

رہن اور بغیر رہن ہر طرح قرض بھی لیا، نقد اور ادھار خرید کی۔ نیز اچھے اعمال، جو جنت کی ضمانت ہیں ان پر لوگوں سے اپنے رب کے ہاں ضمانت بھی دی۔ فوت شدہ مسلمانوں کے قرض ادا کرنے کی ضمانت بھی دی، نیز آپ پر جو بھی قرض تھے۔ آپؐ نے سب ادا کر دیے تو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حکم آپ کے بعد ہر امام اور امیر کے لئے ہے۔ اس طرح مسلمانوں کا بادشاہ مسلمانوں کے قرضوں کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو ان کا قرض بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔ اگر مسلمان کی موت واقع ہو جائے تو اس کے قرض کی ادائیگی کا بیت المال ذمہ دار ہوتا ہے۔ نیز اسی طرح اگر ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو تو بیت المال (خزانہ) ہی ان پر خرچ کرے گا۔

(بقیہ حاشیہ) سے چونکہ خاندان کا نام چلتا ہے لہٰذا اس کی خوشی زیادہ ہوتی ہے۔

(۳) شہادت میں مرد اور عورت کا فرق نزاکت، احساس، جذباتیت اور رقّت قلب کی بناء پر ہے۔

(۴) میراث میں لڑکی کو لڑکے سے کم حصّہ اس لئے ملتا ہے کہ لڑکا مہر دیتا ہے اور بیوی کے جملہ مصارف کا کفیل ہوتا ہے لہٰذا اس کا خرچ لڑکی کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) یہی صورت دیت کی بھی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ زمین تھی۔ اُسے آپؐ نے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا تھا۔ آپؐ نے سفارش کی بھی فرمائی۔ بریرة نے آپ کی سفارش "مراجعت" کے سلسلہ میں نہ مانی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ناراضی فرمائی، نہ عتاب فرمایا[1]۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، شمعِ راہ اور اسوہ حسنہ ہے۔ اسّی سے زیادہ مواقع پر آپ نے حلف اٹھایا۔ تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو حلف اُٹھانے کا حکم دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ویستنبئونك احق ھو قل ای وربی انه لحق۔ یعنی: اور تجھ سے معلوم کرتے ہیں کیا یہ سچ ہے؟ کہہ دے ہاں پروردگار کی قسم یہ سچ ہے۔

اور فرمایا۔ وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعة قل بلی وربی لتاتینکم۔ یعنی: اور ان لوگوں نے جو منکر ہیں کہا ہم پر قیامت نہ آئے گی۔ کہہ دو ہاں پروردگار کی قسم البتہ آئے گی

اور فرمایا۔ زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا قل بلی وربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم وذلك علی اللہ یسیر۔ یعنی: "دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز وہ مرکر دوبارہ نہیں اُٹھیں گے، تو کہہ دے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی، تم کو بے شک اُٹھنا ہے، پھر

---

[1] بریرہ کا واقعہ یہ ہے کہ شوہر سے طلاق لے لی، لیکن فرطِ محبّت کے باعث شوہر نے طلاق واپس لینا چاہی۔ یعنی رجعت کرنا چاہی مگر بریرہ نے تجدید نکاح سے انکار کر دیا، اب شوہر فریاد کناں دربار رسالت میں حاضر ہوا، آپؐ کو ترس آیا اور بریرہ سے سفارش فرمائی، بریرہ نے کہا:

"یارسول اللہ یہ آپؐ کا حکم ہے یا مشورہ"؟

"آپؐ نے فرمایا، مشورہ"!

"بریرہ نے کہا آپؐ کا مشورہ مجھے منظور نہیں"!

آپؐ نے اس پر جبر نہیں کیا خاموش ہو گئے، کیونکہ اسلام میں شادی رضامندی طرفین کا نام ہے اور اگر یہ نہ ہو تو حاکم یا امیر کسی فریق پر جبر نہیں کر سکتا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے ۱۴ سو برس پہلے اسلام نے عورت کو وہ آزادی اور حریّت عطا فرمائی تھی۔ جو آج بھی اُسے حاصل نہیں ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

تم کو جتانا ہے، جو تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

قاضی اسماعیل بن اسحاق اکثر ابو بکر محمد بن داود ظاہری سے مباحثہ کیا کرتے تھے اور انہیں فقیہ نہیں مانتے تھے۔ ایک دن یہ صاحب اور ان کے ایک مخالف مقدمہ لے کر آئے تو ابو بکر سے حلف کے لئے کہا گیا یہ حلف کے لئے تیار ہو گئے۔ قاضی اسماعیل نے فرمایا: کیا "اے ابو بکر تم جیسا شخص بھی حلف لے گا"؟ انہوں نے جواب دیا اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنی کتاب میں تین مواقع پر قسم کھانے کا حکم دیا ہے، انہوں نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو ابو بکر نے یہ آیات پڑھ دیں۔ قاضی اسماعیل نے ان کی خوب تعریف فرمائی اور اس دن سے انہیں فقیہ کے نام سے یاد کرنے لگے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حلف میں استثناء کر دیتے، کبھی کفارہ ادا فرماتے اور کبھی اسے نبھاتے۔ استثناء کا مطلب حلف کو روکنا ہے۔ کفارہ کا مطلب قسم کھا کر اس کا عوض ادا کرنا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے "تحلۃ الایمان" قرار دیا۔

آپؐ مذاق بھی فرمایا کرتے، البتہ مذاق میں حق بات ہی کہتے۔ آپ توریہ بھی کرتے لیکن توریہ میں بھی حق بات کہتے، مثلاً کسی سمت کا ارادہ کرتے تو کسی دوسرے سے دریافت فرماتے۔ اس کا راستہ اور پانی کیسا ہے؟ اس کے میدان کیسے ہیں؟ وغیرہ۔ آپ مشورہ کرتے اور مشورہ دیتے بھی تھے۔ آپ مریض کی تیمارداری کرتے، جنازہ میں شریک ہوتے، دعوت قبول فرماتے۔ بیوہ، مسکین اور کمزور لوگوں کی ضروریات کے سلسلہ میں ان کے ساتھ رہتے آپ نے شعر سنا، اس پر انعام بخشا، لیکن اس میں جو آپ کی حمد بیان کی گئی۔ وہ بہت ہی کم تھی پھر آپ نے انعام دیا۔ آپ کے علاوہ باقی لوگوں کی تعریف اکثر جھوٹ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوڑ کے مقابلہ میں آگے بڑھ گئے۔ آپؐ نے کشتی بھی لڑی آپؐ نے اپنے ہاتھ سے جوتے کی مرمت بھی کی، کپڑوں میں پیوند لگایا، ڈول میں ٹانکا لگایا، بکری کا دودھ دوہا، کپڑے سئے۔ اپنی اور اپنے اہل کی خدمت کی، مسجد کی تعمیر کے موقع پر اینٹیں اٹھائیں۔ کبھی آپ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے اور کبھی سیر ہو کر تناول فرمایا،

آپ مہمان بنے اور میزبان بھی بنے۔ نیز آپ نے سر کے درمیان اور پاؤں کی پشت پر سنگھیاں لگوائیں۔ اور آپ نے گدی اور گردن پر بھی سنگھیاں لگوائیں، آپ نے علاج کرایا، داغ دیا، لیکن داغ لگوایا نہیں۔ دم کیا، لیکن آپ کو دم نہیں کیا گیا اور مریض کو مضرت رساں باتوں سے پرہیز کا حکم دیا۔

طب کے اصول یہی تین ہوتے ہیں۔ پرہیز حفظِ صحت اور مضر مادہ سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے اپنی کتاب میں یہ تینوں چیزیں جمع کر دیں نقصان سے بچنے کے لئے مریض کو پانی کے استعمال سے پرہیز بتایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا یعنی: اور اگر تم مریض ہو، یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے واپس آئے، یا تم عورتوں کو مس کرو، تم پانی نہ پاؤ تو پاک صاف مٹی سے تیمم کرو۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے مریض کو بخار کی حالت میں تیمم کی اجازت دی، جس طرح پانی نہ ہونے کی صورت میں بھی اجازت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حفظِ صحت کی خاطر فرمایا:

فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ یعنی: پس تم میں سے جو کوئی مریض ہو، یا سفر پر ہو تو بعد کے دنوں میں روزے رکھ لے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مسافر کو رمضان المبارک میں اپنی صحت کے تحفظ کی خاطر افطار کی اجازت دی تاکہ روزہ اور سفر کی تکلیفیں اس پر غالب نہ آجائیں۔ اور اس کی صحت اور قوت پر برا اثر نہ پڑے۔ اور محرم کو استفراغ کے لئے سر منڈانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فرمایا:

فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من رأسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک۔

یعنی جو تم میں سے مریض ہو یا سر میں تکلیف ہو تو روزوں یا صدقہ یا قربانی کا فدیہ دے

یہاں مریض کو اجازت بخشی کہ جس کے سر میں کچھ تکلیف ہو اور اس نے احرام بھی باندھ رکھا ہو تو وہ سر منڈا کر گندے مواد اور خراب بخارات سے کچھ نجات حاصل کر لے، جن سے جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جیسے کہ کعب بن عجرہ کو تکلیف ہو گئی تھی یا کوئی اور تکلیف (پھوڑے وغیرہ) ہو جائے اور طب کے بھی یہی تین قواعد و اصول ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان میں سے ایک ایک بات کا ذکر فرما دیا تاکہ اس کے بندوں کو صحت کی حفاظت اور فاسد مادوں سے نجات پانے کے لئے ایک راستہ بلکہ نعمت مل جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نوازش اور رحمت و کرم کرنا چاہتا ہے اور وہی مہربان رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات و معمولات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاملات میں سب سے بہتر اور برتر تھے

جب آپ کسی سے قرض لیتے تو بہت عمدگی سے ادا فرماتے جب آپ کسی آدمی سے قرض لیتے تو ادا کرتے اور یہ دعا دیتے:

بارک اللہ فی اھلک ومالک انما جزاء السلف الحمد والاداء: یعنی "اللہ تعالیٰ تیرے گھر اور مال میں برکت دے۔ قرض کی جزاء حمد اور ادائیگی ہے۔"

آپ نے ایک آدمی سے چالیس صاع قرض لیے۔ بعد میں انصاری خود محتاج ہو گیا اور آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، ابھی تک ہمارے پاس کچھ نہیں آیا، اس صحابی نے کچھ عرض کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، اچھی بات کرنا، کیونکہ میں سب سے بہتر ادا کرنے والا ہوں پھر آپ نے اُسے چالیس پہلے اور چالیس مزید یعنی اسّی صاع عطا فرمائے۔ یہ روایت بزازکی ہے

آپ نے ایک اونٹ ادھار خریدا، اس کے بعد وہ بیچنے والا آیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سختی کے ساتھ تقاضا کرنے لگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسے پکڑنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، کیونکہ حق دار کو کہنے کا حق حاصل ہے۔

ایک بار کوئی چیز خریدی۔ آپ کے پاس کوئی قیمت نہ تھی، آپ نے اس میں نفع حاصل کیا۔ آپ نے اسے بیچنے کے بعد اس کا نفع بنی مطلب کی بیواؤں پر تقسیم فرما دیا اور فرمایا کہ آئندہ میں اسی وقت کوئی چیز خریدوں گا۔ جب میرے پاس قیمت ہو گی۔ اس روایت کو ابوداؤد

نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت ایک مُدّت معینہ کی خریداری والی روایت کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا مطلب اور ہے اور اس سے کچھ اور مراد ہے۔

ایک بار ایک قرض خواہ نے سختی کے ساتھ قرض کا تقاضا کیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اسے پکڑنا چاہا، آپ نے فرمایا: اے عمر ٹھہرو، میں اس بات کا زیادہ محتاج تھا کہ مجھے قرض ادا کرنے کی تاکید کرتے اور وہ اس بات کا زیادہ محتاج تھا کہ اُسے صبر کی تلقین کرتے۔

ایک یہودی سے آپ نے مدتِ مقررہ تک کے وعدہ پر کوئی چیز خریدی وہ وعدہ سے قبل ہی آگیا اور قیمت مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی مدت پوری نہیں ہوئی، اس نے کہا اے بنی مطلب تم لوگ ٹال مٹول ہی کیا کرتے ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑنا چاہا، آپ نے ان کو روک دیا۔ اور اس کی درشت باتوں کے مقابلہ میں آپ کا حلم بڑھتا ہی گیا۔ آخر یہودی کہنے لگا میں آپ کی نبوت کی تمام علامات دیکھ چکا تھا۔ ایک باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ وہ نبی ہر جاہلانہ بات کے مقابلہ میں حلیم اور بردبار ہوگا۔ چنانچہ میں نے یہی معلوم کرنا چاہا تھا، وہ یہودی مسلمان ہوگیا۔

تنہا اور صحابہ کرام کے ساتھ چلنے کی سُنّت طیبہ

جب آپ چلتے تو خم کھا کر چلتے اور آپ سب لوگوں سے تیز، زیادہ اچھے انداز میں اور زیادہ سکون سے چلتے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ گویا کہ آپ کے چہرہ مبارک پر سورج چمک رہا ہے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ کی خاطر لپٹی جا رہی ہے اور ہم پوری کوشش کرتے لیکن آپ کو نہ پا سکتے۔

علیؓ بن طالب نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو خم کھا کر چلتے گویا بلندی سے اتر رہے ہیں اور بتایا کہ جب چلتے تو یہ "تقلع" سے چلتے۔ تقلع بلند زمین کو کہتے ہیں۔ بخلاف اونچی جگہ سے اترنے کے اور یہ رفتار وقار اور ہمت وشجاعت کی علامت ہوتی ہے یہ رفتار تمام رفتاروں سے زیادہ مناسب جسم کے لئے زیادہ آرام دہ اور تھکا دینے والی چال سے بعید ہوتی ہے۔ کیونکہ چلنے والا یا ڈگ بھر بھر کے چلے گا، جیسے احمق اونٹ چلتا ہے یہ چال بھی مذموم ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کم عقل آدمی ہے، خصوصاً اگر چلتے چلتے دائیں بائیں بھی

دیکھتا جائے اور یا پھر آرام سے چلے گا۔ یہی خدائے رحمٰن کے بندوں کی چال ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا۔ یعنی "خدائے رحمٰن کے بندے جو زمین پر سکون سے چلتے ہیں"۔

متقدمین میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ جو تکبّر کئے بغیر سکون اور وقار سے چلتے ہیں اور اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہی پُر وقار چال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھی۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ اونچی جگہ سے اتر رہے ہیں اور زمین گویا آپ کے لئے لپٹی جا رہی ہے، یہاں تک کہ ایک پیدل چلنے والا پوری کوشش کرتا پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ پہنچ سکتا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چال متکبرانہ اور تکلیف دہ نہ تھی۔ بلکہ از حد معتدل تھی۔ چال کی دس قسمیں ہوتی ہیں۔ تین قسموں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ چوتھی دوڑنا، پانچویں رمل یعنی جو دوڑنے سے قدرے تیز ہوتی ہے اسے خبب بھی کہتے ہیں۔ صحیح حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کرتے وقت تین چکر تیز دوڑ ہے کہ جس سے چلنے والا نہ تھکتا ہے اور نہ یہ چال تکلیف دہ ہوتی ہے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع میں بعض چلنے والے لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے میں تکلیف کی شکایت پیش کی۔ آپ نے فرمایا ذرا تیز دوڑ سے مدد لو، ساتویں قسم خوزلی کہلاتی ہے۔ یہ (عورتوں کی طرح) جھک جھک کر چلنے کا نام ہے۔ اس میں انکسار نہیں بلکہ زنانہ پن پایا جاتا ہے۔ آٹھویں قسم قہقری ہوتی ہے۔ یہ دوڑ سے قدرے کم ہوتی ہے۔ نویں جمزی ہے۔ اس میں چلنے والا کود کود کر چلتا ہے۔ دسویں متکبرانہ چال، یہ متکبرین اور غرور کرنے والوں کی چال ہے۔ اور یہ وہ چال ہے کہ اس کی بناء پر ایک (بہت بڑے متکبر کو) جب اس نے فخر و غرور کا مظاہرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اُسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا اور تمام چالوں سے زیادہ معتدل چال سکون کی ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کے ساتھ آپ اس طرح ہوتے کہ صحابہؓ آپ کے آگے آگے چلتے ______ اور آپ پیچھے رہتے

اور فرماتے کہ میری پشت فرشتوں کے چلنے کے لئے (خالی) چھوڑ دو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام کو اپنے آگے آگے لے کر چلتے تھے۔ کبھی آپ ننگے پاؤں اور کبھی جوتا پہن کر چل لیتے۔ صحابہؓ تنہا اور مجمعًا ہر طرح چلتے۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ میں شریک ہوئے، آپؐ کی انگشت مبارک کٹ گئی۔ اس سے خون بہنے لگا تو آپ نے فرمایا: ھل انت الا اصبع دمیت، یعنی "تو ایک انگلی تھی، جو خون آلود ہو گئی۔ اور فی سبیل اللہ لقیت، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تجھے تکلیف پہنچی کمزور صحابہؓ کو نرمی سے چلاتے اور ان کو سواری پر ساتھ بٹھا لیتے اور ان کے لئے دعا فرماتے اس روایت کو ابو داود نے ذکر کیا ہے۔

آپ کی نشست اور سہارا لگانے کا طریقہ

آپ زمین چٹائی اور بستر پر (ہر جگہ) بیٹھ جایا کرتے قیلہ بنت مخرمہ نے بتایا کہ ایک بار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اکڑوں تشریف فرما تھے جب میں نے آپؐ کو اس طرح عاجزی سے بیٹھے دیکھا تو ڈر کر کانپ گئی۔ جب عدی بن حاتم حاضر ہوا تو آپ اسے گھر لے گئے تو ایک لونڈی نے آپؐ کی خدمت میں بچھونا پیش کیا، جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔ آپ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا اور زمین پر بیٹھ گئے۔ عدی بتاتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں، بعض اوقات آپ چت لیٹ جایا کرتے تھے، اگا ہے گاہے آپ ایک پاؤں دوسرے پر رکھ دیتے اور لیٹ جاتے کبھی آپ تکیہ سے ٹیک لگا لیتے۔ کبھی دائیں پہلو اور کبھی بائیں پہلو پر بھی ٹیک لگا لیا کرتے۔ جب آپ باہر تشریف لے جانے کی ضرورت محسوس فرماتے تو کمزوری کی وجہ سے کسی صحابی کا سہارا لے لیتے۔

قضائے حاجت کا طریقہ

جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے اللّٰھم اعوذ بك من الخبث والخبائث، یعنی اے اللہ میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ خبائث کا مطلب شیطان مردود کی نجاست اور خباثت ہوتی ہے اور جب آپ وہاں سے فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے تو

پڑھتے غفرانک یعنی "تیری بخشش چاہتا ہوں"۔ کبھی آپ پانی سے استنجا فرماتے اور کبھی پتھر (مٹی) سے، کبھی دونوں کو استعمال فرماتے۔ اور جب آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے اور کبھی آپ کسی چیز سے پردہ فرمالیتے، کبھی کھجور کی ٹہنیوں اور کبھی میدان کے کسی درخت کی اوٹ فرمالیتے۔ اسی طرح جب آپ سخت زمین پر پیشاب کرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین کو ایک لکڑی لے کر اس سے کرید تے۔ یہاں تک کہ وہ نرم ہو جاتی، پھر پیشاب فرماتے اور آپ ہمیشہ پیشاب کرنے کے لئے نرم زمین ہی تلاش فرماتے، جو بالکل پوپلی قسم کی نرم زمین ہوتی اور عام طور پر آپ بیٹھ کر پیشاب فرماتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جو یہ کہے کہ آپ کھڑے ہو کر بھی پیشاب کر لیتے تھے۔ اس کی تصدیق نہ کرنا بلکہ وہ تو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر بھی پیشاب کیا۔ محدثین اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ آپ نے یہ اس وجہ سے کیا کہ آپ کو درد کی شکایت تھی۔ یعنی شرعی عذر کے باعث ایسا کیا) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ شفاء چاہنے کے لیے ایسا کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عربوں کے ہاں پیٹھ کے درد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا علاج ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ آپ نے یہ کام پیشاب سے بچنے اور دور رہنے کے لئے کیا۔ کیونکہ یہ فعل آپ سے اس وقت صادر ہوا جب کہ آپ ایک کوڑے کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ مزبلہ نام کی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے یہ جگہ اونچی تھی کہ اگر یہاں بیٹھ کر پیشاب کیا جاتا تو لوٹ کر اوپر آتا۔ آپؐ نے اسے سترہ بنایا۔ اس طرح آپؐ اس کے اور دیوار کے درمیان ہو گئے۔ اب کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عمرؓ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ یہ عبدالکریم بن ابو مخارق سے مرفوع روایت ہے اور یہ راوی محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ مسند بزاز وغیرہ

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین زیادتی کی باتیں ہیں کہ آدمی کھڑا ہو کر پیشاب کرے یا نماز سے فارغ ہونے سے قبل ہی پیشانی کو صاف کرے یا سجدہ کی جگہ پر پھونک مارے۔ ترمذیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ بزارؒ نے کہا ہے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ سعید بن عبید اللہ کے علاوہ اور کسی راوی نے حضرت عبداللہ بن بریدۃ سے اسے روایت کیا ہے اور انہوں نے کسی قسم کی جرح بھی نہیں کی۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ یہ راوی بصری ہے اور مشہور ثقہ راوی ہے۔ جب آپ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو قرآن پاک کی تلاوت فرما لیتے۔ آپ استنجا (پانی یا ڈھیلے سے) بائیں ہاتھ سے کرتے۔ اس سلسلے میں ایسا کوئی فعل نہ کرتے جو وہمی لوگوں کی عادت ہے۔ مثلاً ذکر کو کھینچنا، کھانسنا، کودنا رسی کو پکڑنا، سیڑھی پر چڑھنا، احلیل کے آخر میں روئی ٹھونسنا، پانی ڈالنا اور بار بار ادھر ادھر گھومنا، یہ تمام باتیں صرف وہمی لوگوں کی ایجاد ہیں۔

ابوجعفر عقیل کہتے ہیں کہ جب آپ پیشاب کر رہے ہوتے اور کوئی آدمی سلام کرتا تو آپ جواب نہ دیتے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ اور بزارؒ کی مسند میں مذکور ہے کہ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر بعد میں فرمایا۔ میں نے اس خیال سے جواب دیا کہ تم کہو گے کہ میں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ آئندہ اگر مجھے اس حالت میں دیکھو، تو سلام مت کرو، کیونکہ میں سلام کا جواب نہ دوں گا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ بعض کا خیال ہے کہ مسلم کی روایت زیادہ درست ہے۔ کیونکہ وہ روایت ضحاک بن عثمان عن نافع عن ابن عمر سے مروی ہے اور بزار کی روایت ابوبکر سے جو کہ عبداللہ بن عمر کی اولاد میں سے ایک شخص تھے۔ انہوں نے نافعؒ سے روایت کی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ صاحب ابوبکر بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر ہیں۔ امام وغیرہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن ضحاک کی روایت زیادہ افضل ہے اور جب آپ پانی سے استنجا فرماتے تو اس کے بعد زمین پر ہاتھ رگڑتے اور جب آپ رفع حاجت کے لئے بیٹھتے تو جب تک زمین کے بالکل قریب نہ ہو جاتے، تب تک کپڑا نہ اٹھاتے۔

چند اور امور میں آپ کی سُنّت

جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے، دینے اور لینے کے موقع پر دائیں طرف سے شروع کرنا اچھا سمجھتے تھے۔ آپ کھانا کھانے، پانی پینے اور پاک کرتے وقت دایاں ہاتھ استعمال فرماتے اور دوسری باتوں کے لئے بایاں ہاتھ استعمال فرماتے۔ مثلاً خراب چیزوں کو ہٹانے اور صاف کرنے کے لئے بھی بایاں ہاتھ استعمال فرماتے تھے۔

سر منڈانے میں آپؐ کی سُنّت یہ تھی، یا تو سارا سر منڈانے یا سارا رہنے دیتے اور ایسا نہ کرتے کہ کچھ حصہ منڈا دیں اور کچھ حصہ رہنے دیں۔ حلق راس (سر منڈانا) آپ سے صرف قربانی کے موقع پر منقول ہے آپ مسواک کو پسند فرماتے، روزے اور افطار ہر حالت میں مسواک کرتے۔ نیند سے بیدار ہوتے وقت وضو کے وقت نماز اور گھر میں تشریف لے جاتے وقت مسواک کرتے۔ آپ اراک کی مسواک کرتے۔ آپ کثرت سے خوشبو لگاتے اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے۔ روایت ہے کہ آپ نُورہ[1] بھی استعمال فرماتے۔ ابتداء میں آپ بالوں کو ایسے ہی چھوڑ دیتے۔ بعد میں آپ نے مانگ نکالنی شروع کر دی۔ اس طرح آپ نے بالوں کے دو حصے کر دیے۔

اور سدل کا مطلب پیچھے کی طرف بغیر مانگ نکالے لٹکا دینا ہے۔ اس صورت میں دو حصے نہ کرتے۔ آپ حمام میں کبھی نہیں گئے۔ غالباً آپ نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں اور حمام والی روایت صحیح نہیں۔ آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ آپ ہر رات سوتے وقت اس میں سے ہر آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے۔

خضاب کے متعلق صحابہؓ کا اختلاف ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے خضاب نہیں لگایا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ خضاب کیا۔ حماد بن سلمہ نے حمید سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب لگاتے ہوئے دیکھا حماد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل نے مجھے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو

---

[1] چونے اور ہڑتال کا مرکب۔

حضرت انسؓ کی موجودگی میں خضاب لگا دیکھا۔ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوشبو استعمال فرماتے تھے کہ آپ کے بال سرخ ہو گئے۔ دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ (سرخ) خضاب لگا ہے، حالانکہ آپ خضاب نہ لگاتے۔ ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا جی، ہاں: آپ گواہ رہیئے، پھر آپؐ نے فرمایا، نہ تو اس کے لئے باعث اذیت ہو نہ وہ مجھے دکھ دے اور فرمایا میں نے بڑھاپے کو سرخ دیکھا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں یہ روایت زیادہ معتبر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے نہیں تھے حماد بن سلمہ سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ جابر بن سمرۃ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر بڑھاپے کے نشانات تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مانگ کے قریب چند بالوں کے سوا بڑھاپے کی سفیدی نہ تھی۔ جب آپ تیل لگاتے تو اس وقت وہ نظر آجاتے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر اور ڈاڑھی میں کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور آپؐ اکثر سر پر کپڑا رکھا کرتے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے تیل کا کپڑا ہے۔ آپ کنگھی کرنا پسند کرتے، کبھی آپ خود ہی کنگھی کرتے اور کبھی حضرت عائشہؓ کرتیں۔ آپ کے بال نہ زیادہ تھے نہ کم۔ آپ کے بال کانوں کی لو تک آجاتے، جب بڑھ جاتے تو آپ ان کی چار لٹیں بنا لیتے۔

حضرت ام ہانیؓ بتاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ہمارے یہاں تشریف لائے اور آپ کی چار لٹیں تھیں یہ روایت صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو رد نہ فرماتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس کو ریحان دیا جائے وہ رد نہ کرے، کیونکہ خوشبو مختصر اور ہلکی ہوتی ہے یہ الفاظ روایت میں ہیں بعض حضرات روایت کرتے ہیں کہ جسے خوشبو پیش کی جائے وہ اُسے رد نہ کرے اس کا مطلب پہلی سے مختلف ہے، کیونکہ ریحان لینا زیادہ احسان مندی کی بات نہیں۔ اکثر لوگ ریحان ایک دوسرے کو دیتے ہی رہتے ہیں۔ بخلاف مشک عنبر اور دوسری بیش قیمت خوشبویات کے کہ انہیں عام طور پر دینے کا رواج نہیں، لیکن عروہ بن ثابت کی روایت جو حضرت ثمامہ سے ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم خوشبو رد نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً حدیث ہے کہ وہ تین باتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ تکیہ، تیل اور دودھ کو آپؐ رد نہیں فرماتے تھے، یہ معلول روایت ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی تعلیلات کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کی تعلیل مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کیا بتایا تھا۔ ہاں عبداللہ بن مسلم بن جندب کی اپنے والد سے اور ان کی ابن عمرؓ سے روایت نیز ابو عثمان کے مراسیل سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو ریحان دیا جائے تو اسے رد نہ کرے، کیونکہ یہ جنت سے نکلا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خوشبو دانی تھی، جس سے آپ خوشبو لگایا کرتے اور سب سے زیادہ آپ کو مشک کی خوشبو پسند تھی اور "فاغیہ" خوشبو آپ کو بہت ہی بھلی لگتی، کہتے ہیں کہ یہ حنار کی خوشبو ہوتی ہے۔

مونچھیں ترشوانے کا بیان

ابو عمر بن عبدالبر نے بتایا کہ حسن بن صالح نے سماک سے اور انہوں نے عکرمہؓ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مونچھیں تراشتے تھے اور لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی مونچھیں تراشا کرتے تھے۔ محدثین کی ایک جماعت اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف سمجھتی ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت زید بن ارقمؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں[عله] ترمذی اسے صحیح روایت قرار دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مونچھیں کاٹو اور ڈاڑھی بڑھاؤ۔ اور مجوسیوں کے طریقے اختیار نہ کرو۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت مذکور ہے کہ مشرکوں کی مخالفت کرو، ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں تراشو صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ چالیس دن رات نہ گزرنے پائیں کہ تم مونچھیں کٹواؤ اور ناخن کٹواو۔

عله یہ حدیث صحیح نہیں ہے (رئیس احمد جعفری)

اسلاف کے مابین مونچھیں کٹوانے اور منڈوانے میں اختلاف رہا ہے کہ کونسا طریقہ بہتر ہے؟ امام مالک موطا میں لکھتے ہیں کہ اتنی مونچھیں کاٹی جائیں کہ لب کے کنارے ظاہر ہو جائیں یعنی جلد نظر آجائے۔ ابن عبدالحکیم مالک سے روایت کرتے ہیں کہ مونچھیں "اعفاء" کی جائیں اور ڈاڑھی لٹکائی جائے اور اعفاء بالکل جلد سے مونڈنے کا نام نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ مونچھیں مناسب طریقہ سے بنائے ابن قاسم نے ان سے روایت کیا ہے کہ میرے نزدیک مونچھوں کا جڑ سے منڈوا دینا ایک قسم کا مثلہ ہے۔ مالکؒ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعفاء الشارب کا مطلب احاطہ کرنا ہے اور امام مالکؒ اوپر سے بال لینے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ مونچھوں کا بالکل جڑ سے مونڈ دینا بدعت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے مرتکب کو جسمانی سزا دینی چاہئے اور امام مالک مزید بتاتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب کوئی دکھ پہنچتا تو پھونکنے لگتے، پاؤں چادر میں لپیٹ کر دیتے اور مونچھوں کو بٹتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے کہ مونچھوں میں اعفاء (مونڈنا) سنت ہے امام طحاوی بتاتے ہیں کہ ہمیں امام شافعیؒ سے اس کے متعلق کوئی قول نہیں پہنچا اور ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ زفرؒ، اور امام محمدؒ کا مسلک سر اور مونچھوں کے متعلق یہ ہے کہ مونڈ دینا کتروانے سے بہتر ابن خویز منداد (مالکی)، امام شافعیؒ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان کا مسلک بھی ابو حنیفہؒ کے مطابق تھا۔ ابو عمرؓ کا قول بھی یہی ہے۔ اثرمؒ نے امام احمدؒ کے متعلق کہا ہے کہ میں نے امام احمد کو دیکھا کہ وہ خوب جڑ سے مونچھوں کو منڈوا دیتے تھے۔ میں نے سنا کہ وہ اس بات کو سنت قرار دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ خوب مونڈ دینا چاہئے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھیں مونڈ دو۔ امام حنبلؒ بتاتے ہیں کہ ابو عبداللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ انسان کچھ مونچھیں کتروا دے یا بالکل منڈوا دے یا کوئی اور طریقہ اختیار کرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بالکل منڈوا دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر کتروا دیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ابو محمد نے مغنی میں لکھا ہے کہ اس بات کا اختیار ہے چاہے تو بالکل منڈوا دے اور چاہے تو صاف کتروا دے۔ طحاویؒ بتاتے ہیں کہ مغیرہؓ بن شعبہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے مسواک پر بال رکھ کر اپنی مونچھوں کو کاٹ دیا اور اس طرح بالکل "مونڈنا"

نہیں ہو سکتا اور حضرت عائشہؓ و حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے دلیل پیش کی ہے۔ جنہوں نے آپ کا "اعفاء" (بالکل مونڈ دینا) نہیں دیکھا۔ اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ دس باتیں فطرت کی ہیں ان میں قص الشارب (مونچھوں کو کترانا) روایت کیا ہے اور وہ روایت جو متفق علیہ ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ فطرت کی پانچ باتیں ہیں، ان میں سے مونچھوں کو کتروانا بھی ہے اور مظعون نے اس حدیث سے دلیل پیش کی ہے کہ جس میں مونڈ دینے کا حکم ذکر ہے اور وہ روایت بھی صحیح ہے۔ نیز حضرت عباس کی روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مونچھوں کو مونڈ دیتے تھے۔ امام طحاوی بتاتے ہیں کہ اس سے اچھی طرح مونڈ دینا مراد ہے اور حقیقتاً یہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے۔ مزید برآں ابو سعید، ابو اسید، رافع بن خدیج سہل بن سعد، عبداللہ بن عمر، جابر اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب حضرات مونچھیں منڈوایا کرتے تھے۔ ابراہیم بن محمد بن حاطب بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اس طرح مونچھیں منڈواتے تھے کہ جیسے بال ہی اکھیڑ دیئے ہوں۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ان کی جلد کی سفیدی نظر آتی تھی۔ طحاوی بتاتے ہیں کہ تمام حضرات کے خیال میں کترنا سنت ہے۔ ہاں حلق (مونڈ دینا) سر پر قیاس کرتے ہوئے زیادہ افضل ہے۔ ایسے ہی مونچھوں کا مونڈ دینا افضل ہے۔

گفتگو، خاموشی، ہنسنے اور رونے میں آپ کی سنّتِ طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ فصیح، شیریں بیان اور گفتگو میں حلاوت اور تسلسل لیے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ کا کلام دلوں میں کھب جاتا اور روح کو گرما دیتا۔ دشمن بھی آپ کے ان صفات حمیدہ کے معترف تھے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو واضح اور جُدا جُدا الفاظ بولتے، کلام کو آپ دہراتے، اتنا تیز نہ بولتے کہ سامعین یاد نہ رکھ سکتے۔ اور جملوں میں اتنا سکوت نہ ہوتا کہ وہ گراں گزرتا۔ بلکہ آپ کا انداز کلام ہر لحاظ سے بہتر اور مکمل تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح مسلسل تیز گفتگو نہ فرماتے، بلکہ آپ جُدا جُدا اور واضح گفتگو کرتے کہ پاس بیٹھنے والا اُسے یاد کر لیتا۔ اکثر اوقات آپ ایک بات کو تین تین بار دہراتے

تاکہ خوب یاد ہو جائے اور جب آپ سلام کرتے تو تین بار سلام فرماتے۔ اکثر اوقات آپ خاموش رہتے۔ ضرورت کے بغیر کلام نہ فرماتے۔ آپ کلام کا آغاز اور انجام جبڑوں کے دہانے سے کرتے (یعنی توجہ سے بات فرماتے) آپ جامع کلام فرماتے بات نہ تو زیادہ طویل ہوتی اور نہ بے معنی حد تک مختصر ہوتی اور ضرورت کے بغیر آپ کلام نہ فرماتے۔ صرف اس معاملہ میں کلام فرماتے۔ جہاں ثواب کی اُمید ہوتی۔ جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو چہرے سے ظاہر ہو جاتا۔ آپؐ لغو کلام اور بے ہودہ گو نہ تھے اور نہ تیز کلام تھے اور آپؐ کا ہنسنا اکثر تبسم کی حد تک رہتا بلکہ آپؐ محض تبسم ہی فرماتے۔ آپؐ کے ہنسنے کی آخری حد یہ تھی کہ فقط ڈاڑھیں نظر آجاتیں۔ کسی ہنسی کی بات پر آپ مسکرا دیتے۔ یعنی کوئی قابلِ تعجب بات ہو جاتی، جس کا وقوع نادر اور عجیب سمجھتے۔

ہنسی کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے ایک تو گزر چکا۔ دوسرا خوشی کے باعث ہنسنا، یعنی کوئی ایسی بات یا واقعہ جو گدگدی پیدا کر دے۔ تیسرا غصّے کے وقت ہنسنا یعنی زہر خند اور یہ اکثر غصّہ میں ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ غصّہ کرنے والا انسان، غصّہ کا سبب دیکھ کر تعجّب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مثلاً دشمن میرے قبضہ میں آچکا ہے اور اب میں اس پر قابض اور با اختیار ہوں، کبھی غصّہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے ہنستا ہے، تاکہ غصّہ سے توجہ ہٹ جائے اور اس کے نتائج ختم ہو جائیں۔

ہنسنے کی طرح آپ کا رونا بھی ایسا ہی تھا کہ اس میں چیخنا چلانا اور آواز نہ تھی۔ جس طرح ہنسنے کے وقت قہقہہ نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح گریہ کے موقع پر اتنا ضرور ہوتا کہ آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں اور آنسو بہ جاتے اور سینہ سے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی۔ کبھی تو میت پر رحمت کے باعث رو پڑتے۔ کبھی اُمّت پر نرمی اور خطرات کے باعث، کبھی اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اور کبھی قرآن مجید سنتے سنتے رو پڑتے۔ یہ آخری رونا محبّت و اشتیاق اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے خوف سے ہوتا، جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السّلام فوت ہوئے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور نرم دلی کے باعث رو دیئے اور فرمایا۔

آنکھ روتی ہے، دل غم کھاتا ہے۔ البتہ ہم وہی کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اے ابراہیم تمہارے لئے ہمیں غم ضرور ہے۔

نیز جب آپ نے ایک نواسی کو حالتِ نزع میں دیکھا تو رو پڑے اور جب حضرت ابن مسعودؓ نے آپ کے سامنے سورۃ النساء کی تلاوت کی اور اس مقام پر پہنچے، جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا

یعنی: پھر کیا حال ہو گا جب ہم بلائیں گے ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلادیں گے تجھ کو اُن لوگوں پر احوال بتلانے والا۔

جب عثمان بن مظعون فوت ہوئے تو بھی آپؐ رو دیئے پھر جب سورج گرہن ہوا اور آپ نے نمازِ کسوف پڑھی تو آپ نماز میں رونے لگے اور کہا: اے (میرے) پروردگار کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہ کیا تھا کہ جب تک میں ان میں ہوں تو ان کو عذاب نہ دے گا اور وہ بخشش چاہتے رہیں گے اور ہم بخشش چاہتے ہیں" اور جب آپ اپنی ایک بیٹی کی قبر پر تشریف فرما ہوئے تو رو پڑے اور کبھی آپ رات کی نماز (تہجد) میں روتے تھے۔

رونے کی کئی اقسام ہیں، ایک تو رحم کرتے ہوئے رونا اور نرم دلی سے رونا دوسرا ڈر اور خوف سے رونا، تیسرے محبّت اور اشتیاق میں رونا، چوتھے خوشی و انبساط کا رونا۔ پانچواں تکالیف اور ناقابلِ برداشت مصائب پر رونا، چھٹا غم کا رونا۔ اس موخر اور خوف کے رونے میں فرق یہ ہے کہ غم کا رونا وہ ہوتا ہے، جو کسی گم شدہ محبوب چیز یا گزشتہ مصائب پر ہو اور خوف کا رونا آئندہ متوقع خطرات کے سبب سے ہوتا ہے۔ خوشی و انبساط اور غم کے رونے میں یہ فرق ہے کہ خوشی کا رونا ٹھنڈا ہوتا ہے اور دل بھی مسرور ہوتا ہے اور غم کا رونا گرم ہوتا ہے اور دل بھی غمگین ہوتا ہے۔ اس لئے خوشی کے موقع پر کہا جاتا ہے آنکھوں کی ٹھنڈک، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور غم کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ آنکھوں کی حرارت اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں گرم کرے۔ ساتواں ضعف و ناتوانی کا رونا، آٹھواں منافقت سے رونا۔ اس میں آنکھ روتی ہے اور دل پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے ظاہری طور پر تو یہ آدمی بڑا

دل نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں بڑا سنگدل ہوتا ہے۔ نواں مستعار طور پر رونا اور مزدوری پر یعنی اجرت پر رونا، جیسے رونے والیاں اجرت لے کر روتی ہیں۔ بقول حضرت عمرؓ بن خطاب یہ عورتیں آنسوؤں کی تجارت کرتی ہیں! اور مردوں کے دکھ پر روتی ہیں۔ دسواں حمایت کرنے کے لئے رونا کہ جب لوگوں کو کسی مصیبت میں روتا دیکھے تو بھی رو پڑے۔ اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔ صرف انہیں روتے دیکھا تو یہ بھی رونے لگا اور جس رونے میں محض آنسو ہوں اور آواز نہ نکلے وہ بند رونا ہوتا ہے اور جس رونے میں آواز بھی ہو تو اُسے بکائے ممدود (آواز والا رونا) کہتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

بکت عینی وحق لها بکاها وما یغنی البکاء ولا العویل

یعنی "میری آنکھ رو پڑی اور اُسے رونے کا حق بھی تو ہے۔ رونے اور چیخنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں"

اور جو محض تکلف کر کے رویا جائے اسے "تباکی" (مصنوعی رونا) کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قابل تعریف اور دوسرا قابل مذمت ہوتا ہے، دکھاوے اور ریاکاری کے لئے نہیں بلکہ نرم دلی اور خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے رونے کی کوشش قابلِ تعریف ہے۔ اور لوگوں کو دکھانے کے لئے رونا قابل مذمت ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بدر کے قیدیوں کے متعلق روتے دیکھا تو دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آگیا تو رو پڑوں گا، ورنہ مصنوعی طور پر رونے کی حالت ضرور کر لوں گا اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بُرا نہیں کہا۔ سلف صالحین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے روؤ، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنا لو۔

خطباتِ نبویؐ

آں حضرتؐ کا انداز و اسلوب خطابت

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے زمین پر، منبر پر اور اونٹ بلکہ اونٹنی پر بھی خطبہ دیا ہے جب آپ خطبہ فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آواز بلند ہو جاتی اور جلال بڑھ جاتا، جیسے کہ کوئی کسی لشکر سے ڈرا رہا ہو کہ صبح یا شام کو آتے ہی والا ہے اور فرماتے تھے کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا اور شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ذرا سے فرق سے دکھاتے اور فرماتے کہ اس کے بعد سب سے بہتر کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور بہترین تحفہ (سنت) محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت ہے۔ سب سے بدترین کام بدعت دین میں نئی ایجادات ہیں اور ہر نئی ایجاد بدعت (گمراہی) ہے۔

آپ جو بھی خطبہ دیتے اللہ تعالیٰ کی تعریف سے اُس کا آغاز فرماتے۔ رہا اکثر فقہاء کا یہ کہنا کہ آپ بارش کی دعا کا خطبہ استغفار سے اور عید کا خطبہ تکبیر سے شروع کرتے تو اُن کے پاس اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی سنت نہیں، حالانکہ آپ کی سنت اس سے جدا بات کی متقضی ہے۔ یعنی تمام خطبات کے آغاز میں الحمد اللہ (اللہ کی تعریف) کہنا ثابت ہے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے اور ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے بھی اس کو ترجیح دی۔ نیز آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ مراسیل عطاء وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب منبر پر تشریف لاتے تو چہرۂ انور لوگوں کی طرف کر لیتے پھر السلام علیکم فرماتے۔ امام شعبیؒ بتاتے ہیں کہ ابو بکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپ استغفار پر خطبہ ختم فرماتے۔ آپ زیادہ تر قرآن مجید سے ہی خطبہ دیتے۔

صحیح مسلم میں ام ہشام بنت حارثہ سے روایت ہے کہ میں نے ق والقرآن المجید نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن سن کر یاد کر لی تھی کیونکہ آپ ہر جمعہ مبارک کو منبر پر اسے پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ لوگوں کو خطاب فرماتے، ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو پڑھتے،

الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبدہ ورسولہ ارسلہ بالحق بشیرًا ونذیرًا بین یدی الساعۃ من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئاً۔

یعنی "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش چاہتے ہیں اپنے آپ کی شرارتوں سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اُسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کرے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان کو قیامت کے قریب ہی حق پر خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو بے شک وہ ہدایت پاگیا اور جو دونوں کی نافرمانی کرے۔ تو وہ صرف اپنا نقصان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا"۔

ابوداؤد نے یونس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن شہابؒ سے جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی الفاظ بتائے، ہاں انہوں نے اتنا زیادہ بتایا، کہ آپ فرماتے،

"ومن یعصھما فقد غوی" یعنی: کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا تو وہ گمراہ ہو گیا"

ابن شہاب بتاتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو فرمایا کرتے: جو آنے والا ہے وہ قریب ہے اور جو آرہا ہے وہ دور نہیں۔ کسی کی جلد بازی پر اللہ تعالیٰ جلدی نہیں کرتا وہ لوگوں سے ڈرتا نہیں، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا

ہے) نہ کہ جو لوگ چاہتے ہیں ایک بات اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور لوگ کوئی دوسری بات چاہتے ہیں تو ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اگرچہ لوگ ناپسند کریں، جسے اللہ قریب کرے اُسے کوئی دور نہیں کر سکتا اور جسے اللہ دور کرے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

آپ کے خطبے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اس کے انعامات و اوصاف کمال و اسلام کے اصول کی وضاحت، جنت و دوزخ اور قیامت کے ذکر، اللہ سے ڈرنے کا حکم، اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کے مواقع بیان کرنے پر مشتمل ہوتے تھے اور آپ خطبہ دیتے وقت فرمایا کرتے تھے۔ "اے لوگو! میں جس بات کا حکم کروں تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھتے یا تم ہرگز وہ نہ کرو گے۔ ہاں سیدھے ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ۔

اور جب خطاب کی ضرورت و مصلحت ہوتی آپ اُسی وقت خطاب فرمایا کرتے اور آپ جب بھی خطبہ دیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے اور دونوں شہادتین دیتے (یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اور آپ اپنا نام "اسم علم" کے طور پر ذکر فرماتے۔

نیز آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، جس خطبہ میں شہادتین (دونوں شہادتیں) مذکورہ نہ ہوں تو وہ خطبہ گویا کہ ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے اور آپ جب حجرہ سے باہر تشریف لاتے تو آپ کو کوئی اضطراب نہ ہوتا اور آج کل کے خطیبوں کا جیسے فیشن ہے مثلاً بڑے بڑے رومال سر پر باندھنا اور لپیٹنا اور گردن پر لٹکا لینا آپ ایسا نہ کرتے۔

آپ کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں، جب آپ اس پر تشریف رکھتے اور لوگوں کی طرف چہرۂ انور کر لیتے تو مؤذن کہتا اور آپ اذان سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نہ بعد میں کچھ بات کرتے۔ پھر جب آپ خطبہ پڑھتے تو مؤذن یا کوئی اور آدمی کوئی بات نہ کرتا۔ جب آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ عصائے مبارک لے لیتے اور آپ منبر پر کھڑے کھڑے اس کا سہارا سا لگا لیتے۔

ابوداؤد نے ابن شہابؒ سے اس طرح روایت کیا ہے اور تینوں خلفاء بعد میں اسی طرح

خطبہ دیتے رہے ہیں اور کبھی آپ کمان پر سہارا لگا لیتے، یہ معلوم نہیں کہ آپ نے تلوار پر بھی ٹیک لگائی ہے یا نہیں۔ بعض جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ منبر پر بیٹھ کر تلوار ہاتھ میں لے لیتے اور یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ دین تلوار سے قائم کیا گیا۔ یہ واضح قسم کی جہالت ہے اور اس کے دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ حدیث میں صاف آتا ہے کہ آپ عصا اور کمان پر ٹیک لگاتے اور دوسری بات یہ ہے کہ دین تو وحی کے ذریعہ قائم ہوا، ہاں تلوار مشرکین اور گمراہ لوگوں کو مٹانے والی ہے اور مدینہ منوّرہ تو صرف قرآن پاک ہی سے فتح ہو چکا تھا، یہاں تو تلوار کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوئی تھی۔ آپ کو جب خطبہ کے دوران میں کام پڑ جاتا تو اُسے پورا کر دیتے اور پھر واپس آکر خطبہ دیتے۔ ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسن رضؓ و حسین رضؓ سرخ قمیض پہنے تشریف لائے، آپ نے خطبہ بند کر دیا۔ منبر سے اتر آئے اور ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا، پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ پھر اس کے بعد فرمایا!

اللہ تعالیٰ نے ٹھیک فرمایا کہ:

انما اموالکم واولادکم فتنۃ، لیعنی: تمہارے لیے اموال واولاد آزمائش ہیں میں نے ان دونوں کو قمیضوں میں لڑھکتے آتے دیکھا تو میں برداشت نہ کر سکا اور خطبہ ختم کیا اور ان کو اٹھا لیا۔

اور سلیک غطفانی حاضر ہوا۔ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اے سلیک اٹھو، دو رکعت نماز پڑھ۔ اور مختصر طور پر ادا کر۔ پھر آپ نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا، اور آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور انہیں مختصر رکھے۔ کبھی آپ مختصر خطبہ ارشاد فرماتے اور کبھی حسب ضرورت طویل کر دیتے اور آپ کا ہنگامی خطبہ مرتب خطبہ سے زیادہ طویل ہوتا اور آپ عیدوں کے موقع پر عورتوں کو علیحدہ خطاب فرماتے اور انہیں صدقہ کی ترغیب دیتے۔

العبادات

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ طہارت

وضو، مسح، تیمم

کئی نمازیں ایک ہی وضو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اکثر نیا وضو فرماتے اور کبھی کبھی کئی نمازیں ایک ہی وضو میں پڑھ لیتے، کبھی آپ ایک مد پانی سے وضو فرماتے مد کا وزن دمشق کے چار اوقیہ سے لے کر دو تین اوقیہ تک ہوتا ہے[1]۔ وضو میں آپ پانی اچھی طرح استعمال فرماتے۔ لیکن پھر بھی امت کو پانی کے استعمال میں اسراف سے پرہیز کی تلقین فرماتے آپ نے فرمایا کہ میری امت میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو وضو میں اسراف کریں گے۔ نیز فرمایا کہ وضو کے وقت بھی ایک شیطان ہوتا ہے جس کو ولہان کہتے ہیں، اس لیے وضو کے وقت وسوسوں سے بچو۔

ایک مرتبہ حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے۔

آپ نے فرمایا، پانی میں اسراف نہ کرنا۔

انہوں نے عرض کیا، کیا پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا "ہاں اگرچہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ ہوں"

اور آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایک بار دو دو بار اور تین تین بار عضو کو دھویا بعض روایات میں ایسا ہے کہ آپ نے ایک ہی وضو میں کسی عضو کو دو بار اور کسی کو تین بار دھویا کبھی آپ ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور کبھی دو یا تین چلوؤں سے بھی ایسا فرما لیتے۔ کبھی کلی کرتے اور ناک میں پانی لینے کا کام ایک ہی چلو سے کرتے، آدھے چلو سے کلی کرتے، باقی

---

[1] تقریباً ایک سیر وزن۔

آدھے سے ناک میں پانی ڈالتے، باقی دو یا تین چلوؤں کی صورت میں الگ الگ یہ کام کرتے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک چلو سے آپ نے یہ دونوں کام کیے۔ یہ حدیث عبداللہ بن زید کی ہے۔ کسی صحیح حدیث میں مضمضہ (کلّی کرنا) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) کے مابین فعل وارد نہیں ہے۔ لیکن طلحہ بن معرف نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے جد سے جو روایت کی اس سے فعل ثابت ہے لیکن آخری راوی کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔

آں حضرتؐ کا طریقہ مسح

آپ ناک میں سیدھے ہاتھ سے پانی ڈالتے اور جھٹکتے بائیں ہاتھ سے، مسح پورے سر کا کرتے، کبھی آگے پیچھے ہاتھ لگا لیتے، مسح کے ساتھ ساتھ کانوں کا بھی اندر باہر مسح کر لیتے، اس کے لیے الگ سے پانی نہ لیتے۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ احادیث عثمان سے ثابت ہے کہ آپ سر کا مسح ایک مرتبہ کرتے۔ جب صرف پیشانی کا مسح کرتے تو عمامہ پر ہاتھ پھیر کر اس کی تکمیل کر لیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ سر کا مسح کرتے، کبھی عمامہ پر مسح کر لیتے، کبھی پیشانی اور عمامہ پر کر لیتے لیکن صرف پیشانی پر مسح کر لینا ثابت نہیں۔

اگر موزے[1] نہ پہنے ہوتے، پاپاتابے[2] استعمال میں نہ ہوتے تو پورے پاؤں کا مسح کرتے، لیکن اگر پہنے ہوتے تو صرف موزوں کا مسح کر لیتے، گردن کا مسح آپ سے ثابت نہیں۔

وضو کے وقت آپ فرماتے۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدًا عبده ورسوله اللهم اجعلني من التوابين وجعلني من المستطهرين۔

سنن نسائی میں مروی ہے کہ وضو کے بعد آپ فرمایا کرتے:

سبحانك وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

---

[1] چرمی موزے [2] سوتی موزے۔

وضو کے بعد آپ ڈاڑھی کا خلال کرتے، لیکن کبھی کبھی، ہمیشہ نہیں۔ لیکن اس بارے میں ائمہ حدیث مختلف الرائے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ احمد اور ابوزرعہ کے نزدیک تخلیل لحیہ (ڈاڑھی میں انگلیوں سے خلال کرنا) از روئے حدیث ثابت نہیں۔ اس طرح آپ انگلیوں میں بھی خلال کرتے، لیکن پابندی سے نہیں، کہنی اور ٹخنے سے اوپر پانی ڈالنا ثابت نہیں۔ وضو کے بعد اعضاء کا خشک کرنا بھی مختلف فیہ ہے۔ کبھی خود وضو کر لیتے، کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیتا، جیسا کہ صحیحین میں مغیرہ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ سفر میں آپ کو وضو کرایا، باقی رہا وضو کے وقت انگشتری کو ادھر ادھر گھمانا تو یہ حدیث ضعیف ہے، اسے معمّر نے اپنے والد سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ جیسا کہ دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔

مسح سفراور حضر میں یکساں جائز ہے

سفر اور حضر، ہر حالت میں آپ نے مسح کیا ہے اور وفات تک یہ سلسلہ جاری رکھا، مسح کی مدّت مقیم کے لیے، ایک شب و روز مسافر کے لیے تین شب و روز مقرر فرمائی ہے، جو صحیح اور حسن احادیث سے ثابت ہے، آپ چرمی موزوں پر بھی مسح کرتے، جرابوں (اونی، سوتی) پر بھی، اور جوتوں پر بھی، اگر موزے نہ پہنے ہوتے پاؤں دھو لیتے، پہنے ہوتے تو مسح کر لیتے، مسح کرنے کے لیے موزے کبھی نہیں پہنے اور یہی بہتر طریقہ ہے۔

تیمم آپ کس طرح کرتے تھے؟

آپ کا دستور تھا کہ دو ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرے اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے، یہی روایت صحیح ہے۔ دو مرتبہ ہاتھ مارنا یا کہنیوں تک تیمم کرنا ثابت نہیں ہے۔ امام احمد کا ارشاد ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ تیمم کہنیوں تک کرنا چاہیے، وہ یہ اضافہ اپنی طرف سے کرتا ہے۔ تیمم ہر اس زمین پر کر لیتے جس پر نماز جائز ہے خواہ وہ مٹی ہو یا ریت یا لونا۔ آپ فرماتے:

"میری امت کا آدمی جہاں کہیں نماز کا وقت پائے تو اس کے پاس اس کی مسجد اور سامان طہارت موجود ہے۔"

وضو کی طرح تیمم سے بھی کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں

ہر نماز کے لیے جداگانہ تیمم نہ فرماتے نہ آپ نے کبھی اس کا حکم دیا، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائم مقام فرمایا ہے اور یہی بات قرین صواب بھی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

نماز اور ارکان وآداب نماز

تکبیر، قرأت، سکتہ، رکوع، قیام، سجدہ، تشہد

سنّت اور بدعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے اس سے پہلے کچھ نہ کہتے۔ حتیٰ کہ زبان سے نیت بھی نہ کرتے، نہ یہ فرماتے کہ میں چار رکعت نماز کی نیت کعبہ کی طرف رخ کرکے امام یا مقتدی بن کر کرتا ہوں۔ نہ ادا اور قضا کا لفظ استعمال فرماتے، نہ وقت کا نام لیتے یہ ساری باتیں بدعت ہیں۔ اس سلسلے میں آپ سے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔ نہ احادیث صحیحہ سے نہ ضعیف حدیثوں سے، نہ مسند سے، نہ مرسل سے، نہ کسی صحابی سے۔ تابعین میں سے بھی کسی نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا ہے، نہ ائمہ اربعہ نے۔

بعض مورخین نے امام شافعی کے قول سے دھوکا کھایا ہے کہ نماز روزہ کی طرح نہیں ہے کوئی شخص نماز نہیں پڑھ سکتا۔ جب تک ذکر نہ کرے۔ ذکر سے مراد نمازی کا زبان سے نیت کرنا ہے۔ حالانکہ امام شافعی کا مقصد ذکر سے صرف تکبیر ہے۔ بھلا امام شافعی ایک ایسے فعل کو کس طرح لازمی قرار دے سکتے تھے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے یا آپ کے خلفاء و اصحاب نے کسی ایک نماز میں بھی روا نہ رکھا ہو؟ اگر ہمیں ایک حرف بھی ان سے مل جاتا تو ہم سر تسلیم خم کر دیتے کیونکہ نبی کی سنت اور صحابہ کے عمل سے زیادہ کوئی چیز بھی بہتر اور برتر نہیں ہے۔

تکبیر کے بعد آپ دونوں ہاتھ قبلہ رُخ ہو کر کاندھوں یا کانوں تک اس سے

طرح اٹھایا کرتے تھے کہ انگلیاں پھیلی ہوئی ہوتیں۔
نماز کا آغاز کبھی آپ اس دعا سے کرتے:

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔
یعنی: اے اللہ میرے اور میری لغزشوں کے مابین اتنی ہی دوری کر دے جتنی مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔
کبھی فرماتے: اللھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد۔ اللھم نقنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔
"یعنی: اے اللہ میری لغزشوں سے مجھے پانی، اولے اور ٹھنڈ سے دھو ڈال اے اللہ مجھے خطاؤں اور گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے، جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے۔"
کبھی فرماتے: وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ لا شریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔
یعنی: "میں صرف اس اللہ کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں، جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور بلاشبہ میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت اللہ کے لیے ہے، جو ساری جہانوں کا پالنے والا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔"
کبھی دس مرتبہ اللہ اکبر فرماتے پھر دس مرتبہ تسبیح کرتے پھر دس مرتبہ حمد کرتے پھر دس مرتبہ تہلیل کرتے، پھر دس مرتبہ استغفار کرتے، پھر دس مرتبہ فرماتے اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی:
یعنی "اے اللہ میری مغفرت کر مجھے سیدھا راستہ دکھا، مجھے رزق دے۔"
اس کے بعد دس مرتبہ فرماتے۔ اللھم اعوذبک من ضیق مقام یوم القیامۃ۔

یعنی اے اللہ قیامت کے دن میں ضیق مقام سے تیری پناہ مانگتا ہوں" یہ تمام باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا آغاز ان الفاظ سے کرتے تھے۔

سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا اله غيرك۔

یعنی، اے اللہ تو ہر پاکی اور حمد کا سزاوار ہے، تیرا نام اونچا، تیرا مرتبہ بڑا، تیرے سوا کوئی نہیں، جس کی پرستش کی جائے"۔

اسی طرح کی حدیث حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اسی دعا کے ساتھ نماز کا آغاز کرتے تھے، تاکہ لوگ اچھی طرح جان لیں، امام احمد کا قول ہے کہ میں حضرت عمر کے مسلک کا پابند ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص نماز کا آغاز دوسرے مذکورہ روایات کے مطابق کرے تو وہ بھی درست ہے۔ مذکورہ دعا کے بعد حضرت عمر اعوذ بالله من الشيطان الرجيم اور بسم الله الرحمٰن الرحيم پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھتے کبھی زور سے، کبھی چپکے سے، لیکن زیادہ تر زور سے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دن رات کی پانچوں نماز میں زور سے نہ پڑھتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ بات خلفاء راشدین، جمہور صحابہ اور اہل مدینہ سے پوشیدہ نہ تھی۔

تلاوت فاتحہ کے بعد آپ آمین کہتے۔ اگر فاتحہ باآواز بلند پڑھتے تو آمین بھی آواز سے کہتے۔ اور اگر فاتحہ آہستہ سے پڑھتے تو آمین بھی چپکے سے کہتے، آپ کی قرائت اس طرح ہوتی کہ ہر آیت پر وقف کرتے اور آخری حرف کو کھینچ کر پڑھتے۔

فجر کی نماز زیادہ طویل ہوتی تھی۔

پہلی رکعت میں دو سکتے فرماتے تھے۔ ایک سکتہ پہلی تکبیر کے بعد دوسرا سورۂ فاتحہ ختم کر کے پھر کوئی سورت شروع کر دیتے، جو کبھی طویل ہوتی کبھی مختصر۔ لیکن نماز میں زیادہ تر ایسی سورتیں پڑھتے جو نہ طویل ہوتیں نہ مختصر۔ البتہ سفر اور معذوری کی حالت میں چھوٹی سورتیں پڑھتے۔ آپ نماز فجر میں ستر سے سو تک آیتیں پڑھتے۔ یہی نماز زیادہ طویل ہوتی تھی۔ جمعہ کے دن اکثر سورہ سجدہ، تنزیل اور ھل اتی پڑھتے۔ یہ آخری دونوں سورتیں یعنی سورہ سجدہ اور ھل اتی ایک ایک رکعت میں پوری پوری پڑھتے۔ آج کل کے بعض لوگوں کی طرح کچھ حصہ نہ پڑھتے اور نہ دو رکعتوں میں پوری سورۃ پڑھتے۔ یہ خلاف سنت ہے اور اکثر جاہلوں

کا خیال ہے کہ یوم جمعہ کی فضیلت سورہ سجدہ کی وجہ سے ہے یہ جہل عظیم ہے۔ اسی وجہ سے بعض ائمہ اسے مکروہ سمجھتے تھے کہ سورہ سجدہ اس نماز میں اس خیال کے ماتحت پڑھی جائے۔

رسول اللہ علیہ وسلم اس لیے ان سورتوں کو پڑھتے تھے کہ ان میں مبدا و معاد، خلق آدم، دخول جنت وجہنم کا ذکر ہے۔ اس لیے بڑے بڑے مجمعوں مثلاً عید اور جمعہ کے دن تذکیرات کے لیے ان سورتوں کا پڑھنا ہر طرح مناسب تھا۔ کبھی کبھی ایسے موقعوں پر آپ سورۂ "قٓ"، اقتربت، سبح اور غاشیہ بھی پڑھتے تھے۔

ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں

ظہر کی نماز میں آپ کبھی کبھی طویل قرأت کرتے ابو سعید کہتے ہیں کہ نماز ظہر کی اقامت سن کر اس اثنا میں اگر کوئی چاہتا تو بہ آسانی بقیع تک جا کر وہاں قضائے حاجت سے فارغ ہو کر گھر آتا، وضو کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی رکعت میں پا لیتا، کبھی آپ ظہر کی نماز میں بہ قدر الم تنزیل، یا "سبح اسم ربك الاعلیٰ" یا "واللیل اذا یغشیٰ" یا "والسماء ذات البروج" یا "والسماء والطارق"۔ کی قرأت کرتے۔

البتہ عصر کی نماز بہ قدر ظہر کے نصف ہوتی، اگر اسے طول دیتے تو، ورنہ پھر ظہر کی مختصر نماز کے برابر ہوتی۔

مغرب میں آج کل کے لوگوں کے برخلاف کبھی سورۃ اعراف جیسی طویل سورۃ پڑھتے کبھی سورۃ طور، کبھی سورۂ مرسلات، بلکہ معوذتین تک۔

عشاء میں "والتین والزیتون" پڑھتے، ایک مرتبہ جب معاذ بھی شریک تھے! والشمس وضحاھا پڑھی عام طور پر "سبح اسم ربك الاعلیٰ" اور "واللیل اذا یغشیٰ" پڑھا کرتے۔

حضرت معاذ پر آپ کا عتاب

اس سلسلہ میں ایک مرتبہ آپ معاذ پر خفا ہوئے، انہوں نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں گئے اور وہاں کے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی اور سورہ "بقرہ" جیسی طویل ترین سورت شروع کر دی، آپ کو جب

خبر پہنچی تو فرمایا ؟

افتان انت یا معاذ ؟ یعنی "اے معاذ کیا تو فتنہ گر ہے ؟"[1]

جمعہ کی نماز میں آپ سورۂ جمعہ و منافقین پوری پڑھتے ، علاوہ از یں سورۂ "سبح" وغاشیہ" بھی۔

عیدین میں بھی سورہ "قٓ" اور "اقتربت" پوری کی پوری پڑھتے۔ کبھی سورۃ "سبح" وغاشیہ"

یہ تھا آپ کا وہ معمول جس پر دنیا سے رخصت ہوتے وقت تک عامل رہے۔

خلفائے راشدین بھی آپ کی اس سنت پر پابندی سے عمل کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ فجر میں سورہ بقرا اور حضرت عمر سورہ یوسف" اور نحل" اور ہود اور بنی اسرائیل جیسی (طویل) سورتیں عام طور پر پڑھا کرتے۔ اگر نماز فجر کی تطویل آپ نے منسوخ کردی ہوتی تو خلفائے راشدین سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی تھی اور اگر رہ بھی جاتی تو دوسرے صحابہ فوراً ٹوکتے اور بتا دیتے۔

باقی رہی وہ حدیث جو مسلم نے اپنی "صحیح" میں جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فجر میں "قٓ" پڑھا کرتے تھے اور بعد میں چھوٹی سورتیں پڑھنے لگے تھے تو یہاں "بعد" سے مراد بعد فجر ہے۔ یعنی آپ فجر کی نماز تو طویل پڑھتے تھے۔ اور بعد کی نمازیں مختصر۔

---

[1] اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات کو اس بات کا کتنا خیال رہتا تھا کہ دین کے معاملات میں لوگوں کو زحمت سے بچا سکیں ؟ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کی سہولت کا خیال رکھے ، کیونکہ ان مقتدیوں میں مریض ، بوڑھے ، کمزور ، حاجت مند سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

(رئیس احمد جعفری)

سورت معیّن کر کے نماز میں نہ پڑھنی چاہئے

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جمعہ اور عیدین کے سوا دوسری تمام نمازوں میں سورت معین کر کے نہیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب کی روایت درج کی ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

"فرض نمازوں میں چھوٹی بڑی سورتوں میں سے کوئی ایسی سورت نہیں ہے جو میں نے آپ سے (کبھی نہ کبھی) نہ سنی ہو،"

آپ کا معمول یہ تھا کہ جو سورت پڑھتے پوری پڑھتے، کبھی کوئی سورت دو رکعتوں میں پوری کرتے، کبھی کسی سورت کا ابتدائی حصہ پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے، لیکن یہ نہ ہوتا کسی سورت کے بیچ سے یا آخر سے قرأت کرتے۔

ایک رکعت میں دو سورتیں بھی آپ پڑھ لیتے تھے لیکن نفل نمازوں میں، فرض میں نہیں۔

پہلی رکعت دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی

معمولاً آپ کی پہلی رکعت دوسری سے بڑی ہوا کرتی تھی۔ قرأت ختم کرنے کے بعد ذرا دم لیتے، تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے۔

رکوع اس طرح کرتے کہ دونوں ہاتھوں کے پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے جیسے انہیں پکڑے ہوئے ہیں۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں سے جُدا رکھتے، پشت مبارک بالکل سیدھی رہتی، سر مبارک نہ بہت زیادہ اٹھا ہوا ہوتا نہ جھکا ہوا، بلکہ پشت کی سیدھ میں رہتا۔

سبحان ربی العظیم، یعنی "میرا پروردگار پاک ہے اور با عظمت ہے"، پڑھتے کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے:

سُبحانَكَ اللّٰھم وبحمدك اللّٰھم اغفرلي یعنی: اے اللہ تو پاک ہے، تیری ہی ہم حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اے اللہ میری مغفرت فرما۔

آپ کا رکوع اتنا دراز ہوتا کہ آدمی بآسانی دس مرتبہ سبحانك ربي العظيم

سکے۔ یہی کیفیت سجدہ کی بھی ہوتی۔

اہلِ سنن نے حضرت انسؓ کی روایت درج کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ہیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی کے پیچھے آپ کی نماز سے اتنی ملتی جلتی نماز نہیں پڑھی جتنی اس نوجوان کی (مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں) :

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے رکوع و سجود کا اندازہ کیا، تو اندازہ ہُوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے!

بعد ازاں آپؐ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہتے ہوئے سر اٹھاتے۔ اور رفع یدین کی روایت کم و بیش تیس صحابہ نے کی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اس کے خلاف آپؐ سے کچھ ثابت نہیں ہے، اور اس دنیا سے رخصت ہونے وقت تک آپ کا یہی معمول رہا۔[1]

رکوع سے فراغت کے بعد آپؐ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے اور فراغت اَللّٰھُمَّ وَلَكَ الْحَمْدُ۔

اور کبھی ارشاد فرماتے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، لیعنی "رَبَّنَا" اور "لَكَ" کے درمیان واو کا استعمال نہ کرتے، پہلی صورت صحیح نہیں ہے، دوسری صحیح ہے، آپ کا ہر رکن (قیام) بھی بہ قدر رکوع و سجود دراز ہوتا قیام کے دوران میں آپؐ یہ دعا پڑھتے، جو آپؐ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

سمع اللہ لمن حمدہ، اللھم ربنا لك الحمد ملء السماوات وملء الارض وملء ما شئت

---

[1] حضرات اہل حدیث اور بعض دوسرے آئمہ کرام کا مسلک یہی ہے لیکن احناف کے ہاں "رفع یدین"، یعنی رکوع کے بعد دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کان تک لے جانا اگرچہ جائز ہے لیکن ضروری نہیں۔ اختلاف استحباب میں ہے، واقعہ میں نہیں۔ ابن قیم اور دوسرے اکابر کا خیال ہے کہ آپؐ زندگی بھر اس پر عامل رہے لیکن آئمہ احناف کے نزدیک یہ دعویٰ ثابت نہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

من شیئی بعد اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد وکلنا لک عبد، اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت، ولا ینفع ذالجد منک الجد۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کی حمد سن لی، جو اس نے بیان کی، اے خدا، تو سزاوار حمد ہے، آسمانوں کے برابر، زمین کے برابر اور اس چیز کے برابر، جو ارض وسما کی پہنائی کے بعد بھی تو پسند فرمائے۔ تیرے ہی لیے وہ تعریف وثنا ہے جو بندہ کر سکے اور ہم سب تیرے بندے ہیں، اے اللہ جسے تو دینا چاہے اس کا کوئی مانع نہیں اور جسے تو کچھ نہ دینا چاہے اسے کوئی دے نہیں سکتا، اور نہ کوئی صاحب ثروت اپنی ثروت کے باعث تیرے عذاب سے بچ سکتا ہے!

اس کے بعد آپ رفع یدین کیے بغیر سجدے سیدھے جاتے، بعض حفاظ..... ..... حدیث کا خیال ہے کہ اس موقع پر بھی آپؐ رفع یدین کرتے تھے، مثلاً محمد بن حزم بھی کہتے ہیں، لیکن یہ ان کا وہم ہے، امر واقعہ یہ نہیں ہے۔

سجدے کا طریقہ اور اسلوب اور دعائیں

سجدے کے وقت پہلے آپ گھٹنے زمین پر رکھتے پھر ہاتھ، اس کے بعد ماتھا اور ناک۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے، وائل بن حجر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدے میں پہلے آپ گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ رکھتے اور جب سجدے سے اٹھنے لگتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔ اس کے خلاف کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

سجدے کی حالت میں آپؐ کا دستور یہ تھا اور ناک اچھی طرح زمین سے لگا دیتے ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھتے، پنجے کندھوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے۔

صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جب سجدے میں جاؤ تو ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ لو، اور کہنیاں اٹھالو،"!

آپؐ کا سجدہ معتدل تھا، پیٹھ سیدھی رہتی، دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ رخ ہوتے۔ ہتھیلیوں اور انگلیوں کو پھیلا دیتے۔ انگلیاں نہ باہم پیوست

ہوتیں نہ جدا جدا۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ رکوع میں جب جاتے تو یہ پڑھتے:
سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى یعنی میرا رب پاک ہے اور برتر ہے۔
سبحانك اللھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی یعنی: اے ہمارے رب تو پاک ہے، تو ہر حمد کا سزاوار ہے، میری مغفرت فرما۔
نیز آپ فرماتے:

اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك۔ واعوذ بك منك لا احصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔

یعنی، "اے اللہ بلاشبہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غصّے سے تیری رضا کا واسطہ دے کر اور پناہ طلب کرتا ہوں تیرے عذاب سے، تیرے عفو کا واسطہ دے کر، تیری حمد کا شمار کرنا میرے بس سے باہر ہے، بے شک تو ولیا ہی ہے جیسا اپنے بارے میں تو نے فرمایا ہے۔

اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی، اللھم اغفرلی جدی۔ وھزلی وخطائی وعمدی وکل ذالك عندی۔ اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت۔ وما اسررت وما اعلنت انت الھی لا الہ الا انت۔

یعنی: اے میرے پروردگار میری خطاکاری اور جہالت سے درگزر فرما، میری زیادتی معاف کر، میرا وہ گناہ بھی بخش دے، جس کا میرے مقابلہ میں تجھے زیادہ علم ہے۔ اے میرے پروردگار میری سعی و کوشش، میری ہنسی دل لگی، میری لغزش اور میرا ارادہ ہر برائی جو میرے اندر ہے اسے بخش دے اے میرے پروردگار، میرے مقدم اور مؤخر گناہ بخش دے، وہ گناہ بھی جو میں نے علانیہ کیا اور چھپا کر کیا، تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں،"!

دعائے سجدہ کے بارے میں آپ کا ارشاد تھا کہ خوب اچھی طرح گڑگڑا کر مانگا کرو۔

قیام اور سجود میں افضلیت کا سوال

اس باب میں اختلاف ہے کہ قیام اور سجود میں فضیلت کسے حاصل ہے؟

ایک جماعت کا خیال ہے کہ قیام کو متعدد وجوہ سے افضلیت حاصل ہے۔
۱۔ اس لیے کہ اس میں جو ذکر ہے وہ افضل الاذکار ہے اور یہ رکن بھی افضل الارکان ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قوموا للہ قانتین"
۳۔ ارشاد نبوی ہے: "افضل الصلوٰۃ طول القنوت"
ایک دوسری جماعت ہے جو سجدے کو قیام سے افضل مانتی ہے۔
۱۔ اس جماعت کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔
"جب کوئی بندہ سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بڑھا دیتا ہے اور اس کی خطائیں گھٹا دیتا ہے۔
۲۔ ربیعہ بن کعب وسلمی نے جنت میں آپ کی مرافقت و مصاحبت کی استدعا کی، تو آپ نے فرمایا:۔
خوب سجدے کرو۔"
۳۔ آں حضرت ﷺ پر جو پہلی سورت نازل ہوئی، وہ اقرأ ہے، اس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا ہے۔ واسجد واقترب، یعنی: سجدہ کیجیے اور خدا کا قرب حاصل کیجیے:
۴۔ سجدہ کرنے والا اپنے رب کے سامنے سرفگندہ ہو کر حاضر ہوتا ہے اور ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔ اس طرح وہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے۔
۵۔ سجدہ راز عبودیت ہے اور عبودیت نام ہے تذلل کا اور خشوع کا۔
ایک جماعت کا خیال ہے کہ رات میں طول قیام افضل ہے اور دن میں کثرت رکوع و سجود افضل ہے۔

تشہد کے لئے بیٹھنے کا طریقہ

جب آپ کا قیام طویل ہوتا تو رکوع و سجود بھی طویل ہوتے اور جب قیام مختصر فرماتے تو رکوع اور سجود بھی مختصر خواہ وہ نماز تہجد ہو یا فرض

تکبیر کہتے ہوئے آپ سجدے سے اُٹھتے، پھر بایاں پاؤں بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے۔ داہنا پاؤں کھڑا رکھتے، رانوں پر ہاتھ یوں رکھتے کہ کہنیاں رانوں پر ٹکی رہتیں نیچے گھٹنوں پر ہوتے۔

سجدے سے فارغ ہو کر جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو وہ انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور دائرہ سا بنا کر انگشت شہادت اٹھا کر اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے۔ وائل بن حجر نے اس طرح روایت کیا ہے۔ آپ قعدہ اتنی دیر کرتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی۔ ابو حاتم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ آپ اس موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے:

اللھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی لیعنی، اُے میرے پروردگار میری مغفرت کر، مجھ پر رحم کر، میری مدد فرما: مجھے سیدھا راستہ دکھا، اور رزق عطا فرما۔

آپ تشہد میں کیا اور کس طرح پڑھتے؟

پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو جیسا کہ وائل اور ابوہریرہ کی روایت ہے کہ قدموں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا، زمین پر ہاتھ ٹیک کر نہ اٹھتے۔

جب آپ کھڑے ہوتے تو فوراً قرأت شروع کر دیتے اور اختتام صلوٰۃ کے وقت جس طرح ذرا سا سکوت فرماتے اس طرح پر التبا نہ کرتے۔ جب التحیات کے لیے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھتے، پھر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے، اسے خم کرتے اور حرکت دیتے، چھنگلی اور اس کے بعد کی انگلی اور انگوٹھے سے دائرہ بنا لیتے۔ صرف انگشتِ شہادت باہر رہتی اس پر نظر جمی رہتی اسے آہستہ آہستہ جنبش دیتے اور دعا کرتے، بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی جگہ پر رہتیں، نشست بالکل ایسی ہی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد ہوا کرتی۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ جب دوسری رکعت میں آپ جلوس کرتے بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، لیکن جب آخری رکعت میں جلوس کرتے تو داہنا پاؤں پہلے کی طرح کھڑا کرتے اور بایاں پاؤں اس کے نیچے سے نکال لیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کر بیٹھ جاتے۔ پھر تشہد پڑھتے۔

التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

یعنی: ساری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے نبیؐ سلام ہو آپ پر اور اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں آپ پر ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے، اور رسول ہیں۔

پہلے تشہد میں، کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے اپنے اوپر یا اپنی آل پر درود بھیجا ہو، نہ عذابِ قبر، عذابِ دوزخ، فتنہ حیات وممات اور فتنۂ مسیح دجال سے پناہ مانگی۔ البتہ تشہد اخیر میں ان باتوں کا فرمانا، حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

نماز کی دعا اور نماز کے بعد سلام

نماز کے دوران میں کون سے کام کئے جا سکتے ہیں۔؟

نماز میں دُعا مانگنے کے سات مقامات وہ مقامات جہاں آپ نماز میں دعا مانگتے سات تھے۔

۱۔ ابتدائے (نماز) میں تکبیر تحریمہ کے بعد

۲۔ وتر میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اور رکوع سے پہلے، اور صبح کی نماز میں رکوع سے قبل بصورت قنوت عارضہ کے بشرطیکہ یہ درست ہو کیونکہ روایت محل نظر ہے۔

۳۔ رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے کے بعد جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو پڑھتے۔

سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لك الحمد مل السموات وملٔ والارض وملٔ ماشئت من شئی بعد اللھم طھرنی بالثلج والبرد والماء البارد اللھم طھرنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الوسخ۔

یعنی: جس نے اللہ کی تعریف کی اس نے سن لی۔ اے اللہ، اے ہمارے پروردگار تو سزاوار حمد ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پہنائی کے مطابق اور اس کے بعد جس چیز کو تو چاہے اس کی پہنائی کے مطابق۔ اے اللہ مجھے برف، ٹھنڈ اور ٹھنڈے پانی سے پاک کر دے۔ اے اللہ مجھے گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح پاک فرما جیسے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔

۴۔ رکوع میں آپ پڑھا کرتے، سبحانك اللّٰھم ربنا وبحمدك اللّٰھم اغفرلی۔ یعنی: "اے اللہ پاک ہے۔ ہمارے پروردگار تو سزاوارِ حمد ہے۔ اے اللہ مجھے بخش دے"۔

۵۔ سجدہ میں آپ دعا فرماتے اور اس موقع پر آپ اکثر دعا کیا کرتے۔

۶۔ دو سجدوں کے درمیان۔

۷۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت فضالہ بن عبید کی روایت میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز آپ نے سجدہ میں دعا مانگنے کا بھی حکم دیا ہے۔ رہی وہ دعا جو نماز کے بعد سلام پھیر کر قبلہ رخ یا مقتدیوں کی طرف منہ کرکے کرتے ہیں۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے کچھ ثابت نہیں۔ اور نہ صحیح یا حسن سند سے روایت ہے۔ نیز فجر اور عصر کی نماز کے بعد اس کی تخصیص نہ آپ نے خود کی اور نہ آپ کے بعد خلفائے راشدین نے یہ تخصیص کی ہے اور نہ امت کو اس کا حکم فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ جس نے بھی اسے جائز سمجھا سنّت نہیں بلکہ محض استحسان سمجھا۔

نماز کی دوسری عام دعائیں

نماز کے متعلق (دیگر) عام ادعیہ کا آپ نے اہتمام بھی کیا ہے اور حکم بھی فرمایا ہے۔ ان کا تعلق نمازی کے احوال سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہے، جب تک وہ نماز میں رہتا ہے وہ اسی سے سرگوشی کر رہا ہے۔ اور جب سلام پھیر دیتا ہے تو یہ سرگوشی منقطع ہو جاتی ہے اور اس کا قرب وحضور سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ اس لیے قرب وسرگوشی کی حالت میں اور اس کی طرف توجہ کی صورت میں دعا کیسے ترک کرسکتا ہے!

نیز جب وہ سلام پھیرتا ہے تو پھر دست سوال دپھیلا دیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس حالت کا عکس نمازی کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ یاد رکھیے یہاں ایک لطیف نکتہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب نمازی نماز سے فارغ ہوا اور اللہ کا ذکر کرے (لاالٰہ الا اللہ) تہلیل کرے۔ تسبیح پڑھے، حمد کرے اور نماز کے بعد شروع اذکار سے اس کی بزرگی بیان کرے تو پھر نمازی کو چاہیے کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف

پڑھے اور (پھر) جو چاہے دعا کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اس دوسری عبادت کے بعد ہی دعا مانگے، نہ کہ فقط نماز کے بعد، کیونکہ جب اس نے اللہ کا ذکر کیا، حمد کی اور اس کی ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو اس کام کے بعد اس کی دعا قبول ہو گی جیسا کہ حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی دعا کرے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سلام پھیرتے اور (کہتے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسی طرح بائیں طرف بھی کرتے۔ اسے پندرہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عبداللہؓ بن مسعود، سعد بن ابیؓ وقاص، سہلؓ بن سعد صاعدی، وائلؓ بن حجر، ابوموسیٰ اشعریؓ، حذیفہؓ بن یمان، عمارؓ بن یاسر، عبداللہؓ بن عمرؓ، جابرؓ بن سمرۃ، براءؓ بن عازب ابو مالکؓ اشعری، حسنؓ بن علی، اوسؓ بن اوس، ابورمثہؓ، عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہم،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ سامنے کے رُخ پر ایک تسلیم سے سلام پھیرتے۔ لیکن یہ صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ اس بحث میں زیادہ صحیح روایت حضرت عائشہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی تسلیم سے پھیرتے تھے، یعنی السلام علیکم فرماتے۔ آپؐ کی آواز اتنی بلند ہوتی کہ ہم جاگ جاتے یہ روایت معلول ہے۔ کو سنن میں ہے مگر یہ رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں ہے، جن لوگوں نے دو تسلیمات ذکر کیے، ہیں انہوں نے فرض ونفل میں جو مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کی روایت محض ایک سلام پر منحصر نہیں۔ بلکہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ ایک سلام کرتے اور اس سے ہمیں جگا دیتے۔ دوسری تسلیم کا ذکر نہیں کیا بلکہ خاموش رہیں اور ان کا سکوت اس راوی کی روایت پر مقدم نہیں ہو سکتا کہ جس نے روایت کو یاد کیا ضبط کیا، ان رواۃ کی تعداد بھی کثیر ہے اور ان کی روایات بھی زیادہ درست ہیں۔ ان کے اکثر روایات صحیح اور باقی حسن ہیں۔

ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بنؓ ابی وقاص اور حضرت عائشہ کی

روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایک سلام مروی ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی روایت ہے، لیکن ان کی روایت معلول ہے اور محدثین اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے حضرت سعدؓ کے روایات کا ذکر کیا ہے کہ آپ نماز میں ایک ہی سلام کرتے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ وہم ہے اور غلط ہے بلکہ روایت یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرتے۔ اس کے بعد ابن مبارک کے طریق پر حضرت مصعب بن ثابت سے اور انہوں نے اسماعیل بن محمد بن سعد سے اور انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے اپنے والد سے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دائیں اور بائیں سلام پھیرتے ہوئے دیکھا۔ گویا کہ میں اب بھی آپ کے چہرے کا حصّہ دیکھ رہا ہوں۔ اس پر امام زہریؒ نے فرمایا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذخیرہ احادیث میں اسے نہیں پایا۔

اسماعیل بن محمدؒ نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ کی تمام احادیث آپ سن چکے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "نہیں"۔ آپ نے فرمایا، تو کیا نصف سن لیں؟ انہوں نے جواب دیا "نہیں"، تو وہ کہنے لگے اسے اس نصف میں سے سمجھ لیجیے، جو آپ نے نہیں سنی ہیں۔"

رہی حضرت عائشہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے وہ روایت کہ آپ ایک ہی تسلیم سے سلام پھیرتے، تو اسے تنہا زہیر بن محمد نے ہشام بن عروۃ سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ پھر عمرو بن ابی سلمۃ وغیرہ نے روایت کیا۔ زہیر بن محمد تمام محدثین کے نزدیک ضعیف اور کثیر الخطاء ہیں ان کی روایت سے حجت نہیں لائی جاتی۔ یحییٰ بن معینؒ نے اس روایت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ عمرو بن ابی سلمۃ اور زہیر کی روایات ضعیف ہیں، جو حجت نہیں ہو سکتیں۔ نیز بتایا ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت صرف ایوب سختیانی کی سند سے مروی ہے۔ حالانکہ ان کے خیال میں ایوب نے حضرت انسؓ سے کچھ بھی نہیں سُنا۔ نیز کہا ہے۔

کہ حضرت حسنؓ سے مرسل روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی تسلیم سے سلام پھیرا کرتے تھے۔ حالانکہ ایک تسلیم کے قائلین کے پاس عملِ اہلِ مدینہ کے سوا کوئی حجت نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عمل انہیں اکابر سے متوارث طور پر پہنچا ہے۔ حالانکہ اس طرح کی بات کو دلیل بنانا صحیح نہیں، کیونکہ یہ مخفی نہیں ہے کہ یہ فعل ہر روز کئی مرتبہ صادر ہوتا رہا، لیکن اس کے باوجود تمام فقہا نے اس کی مخالفت کی ہے اور درست طریقہ ان ہی کا ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ سنن اہل شہر کے عمل سے رد نہیں ہو سکتیں اور نہ ہٹائی جا سکتی ہیں۔ چاہے (اہل شہر) کوئی سے بھی ہوں۔ نیز حکامؒ نے مدینہ وغیرہ میں نماز کے اندر چند جدید امور چلا دیے تھے، جن پر عمل جاری رہا اور ان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ اور اہلِ مدینہ کا جو عمل خلفائے راشدینؓ کے عہد میں تھا وہ ہی قابل حجت ہے، لیکن وہ عمل جو خلفائے راشدینؓ کے بعد یا زمانہ صحابہؓ کے ختم ہو جانے کے بعد کا ہے تو اس میں اور (اہلِ مدینہ) کے علاوہ دوسروں کے عمل میں کچھ فرق نہیں اور لوگوں کو سنّت پر عمل کا حکم دیا جاتا ہے نہ کہ اس عمل کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے بعد کا ہے۔

آں حضرت کی نماز میں دُعا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا مانگتے:

اللھم انی اعوذ بك من عذاب القبر واعوذ بك من فتنة المسیح الدجال واعوذ بك من فتنة المحیاء والممات اللھم انی اعوذ بك من الماثم والمغرم۔

یعنی: ”اے اللہ میں عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور مرگ و حیات کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں“

ؒ بنو امیہ مراد ہیں۔

اور آپ نماز میں پڑھا کرتے: اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فیما رزقتنی۔

یعنی: اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے میرے گھر میں وسعت عطا فرما اور جو تو نے مجھے رزق دیا اس میں برکت دے"

نیز پڑھا کرتے تھے: اللھم انی اسئالک الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد وسئالک شکر نعمتک وحسن عبادتک واسئالک قلبا سلیما ولسانا صادقا واسئالک من خیر ما تعلم واعوذبک من شر ما تعلم واستغفرک لما تعلم۔

یعنی: اے اللہ میں امور میں ثابت قدمی، نیکی پر عزم کی استدعا کرتا ہوں اور تیری نعمت کا شکر کرنے، تیری اچھی عبادت کرنے کی (توفیق) چاہتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم، زبانِ صادق چاہتا ہوں اور تجھ سے ہر اس بھلائی کی درخواست کرتا ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو تو جانتا ہے اس سے تیری بخشش چاہتا ہوں۔

اور سجدہ میں آپ پڑھا کرتے: رب اعط نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا۔

یعنی: "اے میرے پروردگار مجھے پرہیز گاری عطا فرما اور پاک کر دے تو ہی بہتر ہے جو پاک کرے۔ تو ہی کارساز اور آقا ہے"

نیز رکوع، سجدہ، قعدہ اور اعتدالِ رکوع میں جو دعائیں پڑھتے ان کا کچھ ذکر ہو چکا ہے۔

دعا صرف اپنے لئے یا جماعت کیلئے

نماز میں آپ کی جس قدر منقول ادعیہ ہیں وہ مفرد صیغہ سے مذکور ہیں جیسے رب اغفرلی وارحمنی وھدنی۔

"یعنی: اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے۔"

اسی طرح تمام منقول ادعیہ کا معاملہ ہے، نماز کے افتتاح پر جو دعا ہے وہ بھی

اسی طرح (مفرد صیغہ سے ہے) اللھم اغسلنی من خطایای بالثلج والبرد والماء البارد اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔

امام احمد رحمۃ اللہ اور محدثین نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ کوئی شخص اپنی جماعت کی اس طرح امامت نہ کرے کہ دعا میں اپنی ہی تخصیص کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کی۔

ابن خزیمہ رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح سے سند میں روایت کیا اور یہ حدیث اللھم باعد بینی وبین خطایای لکھ کر فرمایا کہ یہ روایت اس روایت کا رد کرتی ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی امامت اس طرح نہ کرے کہ دعا میں اپنی تخصیص کرے اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کی اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا کہ وہ اس حدیث کے متعلق فرمایا کرتے: میرے نزدیک یہ حدیث اس دعا کے متعلق ہے کہ جب امام اپنے مقتدیوں کے لئے (اجتماعی) صورت میں دعا کر رہا ہو۔ جیسے دعائے قنوت وغیرہ۔

نماز کے دوران میں دوسروں کے آرام اور ضرورت کا خیال رکھا جا سکتا ہے

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوتے تو سر جھکا لیتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے اور تشہد میں آپ کی نگاہ انگلی کے اشارہ سے آگے نہ بڑھتی اور یہ مضمون گزر چکا ہے (کہ جس میں آیا ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، نعمت، خوشی اور روح نماز میں کر رکھی تھی اور فرمایا کرتے تھے اے بلال رضی اللہ عنہ ہمیں نماز سے شادکام کر، اور فرمایا کرتے: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اس کے باوجود نماز کی یہ کیفیات آپ کو مقتدیوں کے احوال سے غافل نہ ہوتے دیتیں، اگرچہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تام اور قرب خصوصی حاصل تھا۔ آپ نماز شروع کرتے تو طویل کر دیتے پھر کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو اس خیال سے مختصر کر دیتے کہ کہیں ماں پر بار نہ گزرے۔ آپ نے ایک سوار بھیجا جو (فوج کا) پیش رو تھا۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور جس قبیلہ سے وہ سوار آ رہا تھا۔ اس کی طرف

التفاف بھی کرنے لگے۔ چنانچہ سوار کے احوال سے بے خبر نہ رہے۔ اس طرح آپ فرض نماز ادا کر رہے تھے اور آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص بن ربیع کو کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ جب آپ رکوع و سجدہ کرتے تو اسے نیچے بٹھا دیتے۔ نیز آپ نماز میں ہوتے اور حسن رضؓ و حسین رضؓ آتے تو وہ آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے اور آپ طویل سجدہ کرتے اس خیال سے کہ وہ پشت سے گر نہ پڑیں۔ آپ نماز میں مشغول ہوتے، حضرت عائشہ رضؓ اپنے کام سے آتیں اور (مسجد) کا دروازہ بند ہوتا تو آپ اس طرف تشریف لے جاتے اور دروازہ کھول دیتے۔ پھر نماز میں لوٹ آتے۔ نیز جو آپ کو سلام عرض کرتا، آپ اشارے سے اس کا جواب دیتے، حالانکہ آپ نماز میں ہوتے۔

حضرت جابر بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام سے بھیجا۔ جب میں واپس حاضر ہوا تو آپ نماز میں تھے۔ میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے اشارہ (سے جواب دیا) اس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کر لیتے تھے۔ اسے امام احمدؒ نے نقل فرمایا۔ حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا آپ نے اشارہ سے جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ بتایا کہ آپ نے انگلی سے اشارہ کیا، یہ روایت سنن اور مسند میں مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف تشریف لے گئے وہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے (راوی نے بتایا کہ آپ کے پاس انصار حاضر ہوئے اور انہوں نے سلام عرض کیا، آپ نماز میں مشغول تھے۔ میں نے حضرت بلال رضؓ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تم نے کس طرح جواب دیتے دیکھا۔ جب لوگ حالت نماز میں ایسا سلام کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ یوں فرماتے اور (اس پر) جعفر بن عون نے ہاتھ کھولا اور اندر کا حصّہ نیچا کر دیا اور پشت ذرا اونچی کر دی۔ یہ سنن اور مسند میں منقول ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح بتایا اور الفاظ یہ ہیں "وہ ہاتھ سے اشارہ کرتے" اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا: "جب میں حبشہ سے واپس آیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نماز پڑھ رہے تھے میں نے سلام عرض کیا تو آپؐ نے سر سے اشارہ فرمایا۔ اس روایت کو بیہقی نے نقل کیا ہے۔ رہی وہ روایت جو ابو غطفان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا کہ جس سے مطلب سمجھا جا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ نماز کا اعادہ کرے۔ یہ روایت باطل ہے اور دار قطنیؒ نے اس کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ابن ابی داؤد کے نزدیک ابو غطفان ایک مجہول آدمی ہے اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نماز میں اشارہ کر لیا کرتے تھے۔ اس کو حضرت انس اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے (نیز) آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہؓ آپ کے اور قبلہ کے درمیان (لیٹی) ہوتیں۔ چنانچہ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ انہیں ہاتھ سے اشارہ فرما دیتے۔ وہ اپنی ٹانگیں سکیڑ لیتیں اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تو پھر پھیلا دیتیں۔ کبھی آپؐ منبر پر نماز پڑھتے اسی پر رکوع فرما لیتے اور جب سجدہ کا موقع آتا تو اترتے۔ اور زمین پر سجدہ کر لیتے۔ پھر اس پر چڑھ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ دیوار کے رخ پر نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک چوپایہ آیا اور آپ کے سامنے سے گزرنے لگا۔ آپؐ اسے ہٹانے لگے۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ دیوار سے لگا دیا، آپؐ نماز میں مصروف تھے کہ بنی عبدالمطلب کی دو لڑکیاں آئیں، جو آپس میں لڑ رہی تھیں۔ آپ نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور ان کو ایک دوسرے سے چھڑایا، حالانکہ نماز میں تھے۔ امام احمدؒ نے یہ الفاظ مزید لکھے:

"تو ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے پکڑ لیے۔ آپؐ نے ان دونوں کو علیحدہ کیا اور (نماز) نہ توڑی۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک لڑکا گزرا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے (اشارۃً) ادھر فرمایا تو وہ واپس ہو گیا (نیز) آپ کے سامنے سے ایک لڑکی گزری تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے (اشارۃً) ادھر فرمایا تو وہ واپس

چلی گئی۔[1]

کبھی آپ نماز میں رو دیتے، کبھی کھنکھار دیتے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت مقررہ پر مجھے حاضری کی اجازت دے رکھی تھی۔ میں حاضر ہو جایا کرتا۔ چنانچہ جب میں حاضر خدمت ہوتا تو اجازت دے دیتے۔ نسائی اور احمدؒ نے اس کو نقل کیا اور امام احمد کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دن رات میں حاضری کے دو مواقع حاصل تھے اور جب میں حاضر ہوتا اور آپؐ نماز پڑھ رہے ہوتے تو کھنکھار دیتے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے انہوں نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ اس طرح کہ وہ نماز میں کھنکھار لیا کرتے اور کھنکھارنے (تنحنح) کو باطل نماز نہ سمجھتے۔

(نیز) آپ نے کبھی ننگے پاؤں نماز پڑھی اور کبھی جوتے پہن کر نماز پڑھی۔ عبداللہؓ بن عمرو نے اس طرح روایت کیا ہے اور جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ تاکہ یہود کی مخالفت ہو جائے۔[2] کبھی آپ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور کبھی دو میں۔

---

[1] دورانِ نماز میں اس طرح کے کام عام طور پر احناف کے ہاں "عمل کثیر" کے ذیل میں آتے ہیں لہٰذا ناجائز ہیں۔ جس کی احادیث سے تصدیق ہوتی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] جوتے پہن کر نماز جائز ہے اگر شبہ ہو کر صاف نہیں ہیں تو نماز شروع کرنے سے پہلے زمین پر رگڑ لیا جائے۔ (رئیس احمد جعفری)

دُعائے قنوت

ایک اہم اور معرکہ آرا اختلافی مسئلہ!

آپؐ نے دعائے قنوت ہمیشہ پڑھی یا کبھی کبھی؟

قنوت آپؐ نے صبح کی نماز میں ایک ماہ تک رکوع کے بعد پڑھی۔ پھر ترک کر دی اور ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنا آپ کی سُنّت سے ثابت نہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رکوع سے سیدھا کھڑے ہونے پر دعائے قنوت پڑھتے ہوں اور کہتے ہوں: اللھم اھدنی فیمن ھدیت وتولنی فیمن تولیت اور آواز بلند کرتے ہوں اور صحابہؓ آمین کہتے ہوں۔ اور (یہ کام) ہمیشہ جاری رہا ہو۔ یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ مگر اُمّت کو اس کا علم نہ ہوا ہو، بلکہ اکثر اُمّت اور جمہور صحابہؓ سب ہی اسے بھول جائیں۔ حتیٰ کہ بعض ان میں یہاں تک کہہ گزریں کہ یہ اختراع (محدث) ہے جیسا کہ سعید بن طارق الاشجعی بتاتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا! آپ نے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور کوفہ میں پانچ برس (نماز پڑھی) تو کیا وہ سب صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا! اے بیٹے! یہ اختراع ہے۔ اہل سنن اور احمدؒ نے اسے روایت کیا۔ امام ترمذیؒ اسے صحیح حسن قرار دیتے ہیں۔ دار قطنیؒ نے حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تین گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابن عباسؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت بدعت ہے"۔ امام بیہقیؒ نے حجاز سے نقل کیا ہے، انھوں نے بتایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ صبح

کی نماز پڑھی تو انھوں نے دعائے قنوت نہیں پڑھی۔ میں نے عرض کیا "میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے دعائے قنوت نہیں پڑھی؟ انھوں نے جواب دیا" مجھے یاد نہیں کہ کوئی صحابی ایسا کرتا ہو! اور یہ بات تو لازمی طور پر معلوم ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر صبح کو قنوت پڑھتے۔ اور دعا فرماتے اور صحابہؓ بھی اس پر آمین کہا کرتے تو اُمت اسے اسی طرح نقل کرتی جیسے نماز میں بہ آواز بلند قرات، رکعات نماز کی تعداد اور اوقات نماز نقل کرتی آئی ہے۔

اور انصاف یہی ہے جیسا کہ ایک انصاف پسند عالم درست سمجھتا ہے کہ آپ نے جہر کیا سراً بھی پڑھا، قنوت پڑھا، ترک بھی کیا اور جہر سے زیادہ سراً پڑھا۔ قنوت سے زیادہ ترک قنوت معمول تھا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب میں ایک پر بددعا فرمائی اور ایک قوم کے متعلق بھی قنوت پڑھی۔ پھر جب وہ لوگ واپس آگئے اور قید سے رہا ہوگئے اور جن کے لئے بددعا کی تھی وہ مسلمان ہوگئے اور توبہ کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوگئے تو آپؐ نے (قنوت پڑھنا) ترک کر دیا۔ تو گویا آپؐ کی دعائے قنوت ایک عارضی سبب سے تھی۔ جب وہ زائل ہوگیا تو آپؐ نے بند کر دی اور آپؐ نے اسے فجر سے مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ آپ صبح اور مغرب کی نماز میں بھی قنوت پڑھتے تھے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے اسے روایت کیا ہے۔ مسلم نے حضرت براءؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی ہر نماز کے بعد قنوت پڑھی۔ جب آپ آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس کے بعد بنی سلیم کے قبیلہ، رعل، ذکوان، عصیہ کے خلاف دعا فرماتے۔ اور جو آپ کے پیچھے ہوتے وہ آمین کہتے۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ آفات میں خصوصاً قنوت پڑھنا اور ان کے دور ہو جانے پر چھوڑ دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور آپ نے اسے نماز فجر سے مخصوص نہیں کیا، بلکہ زیادہ تر آپ اسی نماز میں قنوت پڑھتے کیونکہ طوالت، رات کی نماز سے متصل ہونے، سحری کے قریب ہونے، وقتِ اجابت، نزولِ (رحمت) الٰہی کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مشہور نماز ہے، جس کی شہادت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے یا دن رات

کے فرشتے دیتے ہیں جیسا کہ مروی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول ان قرآن الفجر کان مشھودا کی تفسیر ہے۔

آپؐ قنوت میں کیا پڑھتے تھے؟

رہی ابن ابی فدیک کی روایت (جو) عبداللہ بن سعید طبری نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھ اونچے کرتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انه لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

یعنی "اے اللہ مجھے ہدایت دے ان لوگوں میں کہ جنہیں تو نے ہدایت دی ہے اور مجھے عافیت دے ان لوگوں میں کہ جنہیں تو نے عافیت بخشی ہے اور میری کارسازی کر ان لوگوں میں کہ جن کی تو نے کارسازی کی ہے اور جو کچھ تو نے (مجھے) عطا کیا ہے اس میں برکت دے اور مجھے اس برائی سے بچا لے کہ جو تو نے مقدر کی۔ بے شک تو حکم کرتا ہے۔ اور تجھ پر حکم نہیں کیا جاتا بے شک جو تیرا دوست ہوا وہ ذلیل نہ ہوا اور اے رب تو بابرکت اور بلند ہے"

اگر یہ حدیث صحیح یا حسن ہوتی تو کس قدر واضح طور پر قابلِ حجت تھی، لیکن عبداللہ کی روایت سے یہ دعا حجت نہیں۔ اگرچہ حاکم نے قنوت میں احمد بن عبداللہ مزنی کی روایت کو درست قرار دیا ہے۔

البتہ حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا، خدا کی قسم! میں تم سے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ قریب ہوں اور حضرت ابوہریرہؓ صبح کی نماز میں آخری رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ آپ مسلمانوں کے لئے دعا کرتے اور کفار پر لعنت بھیجتے اور یہ امر یقینی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا اور پھر ترک کر دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی خواہش

تھی کہ لوگوں کو بتا دیں کہ اس قسم کی قنوت سنّت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے اور یہ اہل کوفہ کے رد میں ہے کہ وہ صبح کی نماز میں آفات وغیر آفات کسی بھی حالت میں قنوت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ اور محدثین اسے آفات وغیرہ میں مستحب سمجھتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں میں سے یہی لوگ حدیث سے زیادہ واقف ہیں۔ اور (محدثین) کہتے ہیں کہ اس کا کرنا بھی سنّت اور اس کا ترک کرنا بھی سنت ہے۔ اس کے باوجود جو اس پر دوام کرے اس کے (اس عمل) کا انکار نہیں کرتے اور اس کے ترک کو بدعت نہیں سمجھتے اور نہ تارکِ (قنوت) کو سنّت کا مخالف سمجھتے ہیں۔ بلکہ (ان کا خیال یہ ہے) کہ جس نے قنوت پڑھی اس نے اچھا کیا اور جس نے چھوڑی اس نے بھی اچھا کیا، لیکن اعتدال یہ ہے کہ دعا و ثنا کرے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو جمع کیا اور دعائے قنوت عبارت ہے۔ دعاء اور ثنا سے، اس لئے وہ اس مقام پر موزوں تر بھی ہے۔ لہٰذا جب امام بھی مقدیوں کی آگاہی کے لئے جہر کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرؓ نے شروع میں مقتدیوں کو آگاہ کرنے کیلئے جہر سے پڑھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنّت ہے نیز آمین بالجہر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور یہ اختلاف مباح ہے۔ اس کے کرنے پر کسی کو موردِ الزام نہیں بنایا جا سکتا، اس طرح۔ نماز میں رفع یدین یا ترکِ رفع ہے، یا تشہداتِ مختلفہ کا اختلاف۔ اذان اور اقامت کی اقسام۔ افراد تمتع اور حج قرآن میں قربانی کی انواع کا معاملہ ہے اور ہمارا مقصد تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا بیان کرنا ہے، جس پر وہ عمل پیرا تھے۔ کیونکہ آپ ہی اس کتاب میں مقاصد اور توجہات کا مرکز ہیں اور مدارِ تحقیق مطلب بھی آپ کی ذاتِ گرامی ہے۔

ہم نے اس کتاب میں جائز اور ناجائز پر بحث نہیں کی بلکہ ہمارا مقصود صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا بیان کرنا ہے جو وہ اپنے لئے انتخاب فرماتے تھے، کیونکہ آپ کامل اور افضل ہدایت ہیں۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ فجر میں آپ ہمیشہ قنوت نہیں پڑھتے تھے اور نہ جہراً (بسم اللہ) کا دوام تھا۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے علاوہ دوسری سمت مکروہ یا بدعت ہے

ابو جعفر رازی کی روایت پر جرح رہی ابو جعفر رازی کی روایت جو حضرت ربیع بن انسؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ یہ روایت مسند اور ترمذی وغیرہ میں ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے ابو جعفر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن مدینیؒ نے کہا ہے کہ وہ خلط ملط کرتا تھا۔ ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ اسے بکثرت وہم تھا۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ یہ بزرگان (دین) سے منکر (روایات) نقل کرنے میں منفرد ہے۔

قنوت، قیام، سکوت، مسلسل عبارت، دعا، تسبیح اور خشوع وخضوع (سب پر) بولا جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولہٗ من فی السمٰوات والارض کل لہٗ قانتون۔

یعنی: اور جو بھی آسمانوں اور زمین پر ہے سب اللہ کا ہے۔ ہر ایک اسی کا فرمانبردار ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أمّن ھو قانت آناء اللّیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجوا رحمۃ ربہ

یعنی: کیا وہ جو فرمانبردار ہے اور رات بھر سجدہ و قیام میں رہتا ہے۔ قیامت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

وصدّقت بکلمات ربّھا وکتبہٖ وکانت من القانتین۔

یعنی: اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر نماز وہ ہے کہ جس میں قنوت طویل ہو۔ اور زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: وقوموا للّٰہ قانتین۔ یعنی اور اللہ کے لئے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔

حضرت انس کی روایت پر نقد و نظر حضرت انسؓ نے باقی نمازوں کے علاوہ

فجر میں قنوت کی تخصیص کی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ یہ کفار کے لئے بددعا تھی اور کمزور مومنین کے حق میں دعائے خیر نہ تھی، کیونکہ انس بتاتے ہیں کہ آپؐ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی اور پھر چھوڑ دی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جس دعا کی آپ نے مداومت اختیار کی وہ معروف قنوت (حمد وغیرہ) تھی۔ نیز ابو بکر و عمر، عثمان، علی، براء بن عازب، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس، ابو موسیٰ اشعری اور انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی قنوت پڑھی۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

کیا قنوت صرف فجر کے ساتھ مخصوص ہے؟

ایک تو یہ کہ حضرت انسؓ نے بتایا ہے کہ آپ نے صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھی، جیسا کہ بخاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے تو اس میں فجر سے تخصیص قنوت نہیں ثابت۔ اس طرح حضرت براءؓ بن عازب نے نقل کیا ہے اور قنوت کے متعلق فجر کی تخصیص نہیں کی ہے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ مغرب کی قنوت منسوخ ہو چکی ہے تو تمہارے مقابلہ میں کوفہ کے مباحثہ کرنے والے کہیں گے کہ فجر کی قنوت بھی منسوخ ہو چکی ہے اور مغرب کی قنوت کے منسوخ ہونے پر تم جو حجت پیش کرو گے اُسے فجر کی قنوت کی تنسیخ پر حجت بنا کر پیش کر دیا جائے گا۔ اور اس کا تو ابد تک بھی امکان نہیں کہ تم فجر کی نماز میں قنوت کے حکم اور مغرب کی تنسیخ قنوت کے متعلق کوئی دلیل حاصل کر سکو۔ اگر یہ کہو کہ مغرب کی قنوت تو دراصل قنوت نازلہ تھی۔ قنوت راتبہ نہ تھی تو تمہارے جواب میں محدثین یہ کہیں گے "ہاں! یہی صورت قنوت فجر کی بھی ہے تو دونوں ایک جیسی ہوئیں پھر فرق کیا رہا؟ اور انہوں نے (کوفیوں) نے کہا ہے کہ قنوتِ فجر قنوت راتبہ نہ تھی۔ بلکہ قنوت نازلہ تھی۔ اور حضرت انس نے خود اس کی خبر دی (نیز) قنوت راتبہ کے معاملہ میں حضرت انسؓ ہی بنیاد ہیں اور انسؓ نے بتایا کہ یہ قنوت نازلہ تھی، پھر اسے چھوڑ دیا اور صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھی۔ آپ قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ پر بددعا کرتے رہے تھے۔ پھر آپ نے چھوڑ دی۔ دوسرے شبابہ نے قیس بن ربیع اور انہوں

نے عاصم بن سلیمان سے روایت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے دریافت کیا کہ ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے۔ انہوں نے جواب دیا اس گروہ نے جھوٹ بولا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی۔ آپ مشرکین کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے خلاف بددعا کر رہے تھے۔ قیس بن ربیع کو اگرچہ یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن بعض نے اس کی توثیق کی ہے۔

ابو جعفر اور قیس کی توثیق اور تضعیف

اور (دوسری روایت) ابو جعفر رازی پر منحصر ہے۔ ابو جعفر اپنے اس قول میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے" کیونکر حجت ہو سکتا ہے؟ حالانکہ (پہلا راوی) اس سے زیادہ ثقہ یا اس کے برابر ہے اور ابو جعفر کو ضعیف قرار دینے والوں کی تعداد قیس کو ضعیف سمجھنے والوں سے زیادہ ہے۔ اس بحث سے قیس کی یحییٰ سے روایت کا ضعف اور اس کا سبب معلوم ہوتا ہے۔

احمد بن سعید بن ابی مریم نے بتایا کہ میں نے یحییٰ سے اور انہوں نے قیس سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ضعیف ہے، اس کی روایت لکھی نہیں جاتی۔ وہ عبیدہ سے روایت کرتا ہے حالانکہ اس کے نزدیک وہ منصور سے روایت کرتا ہے (لیکن) اس قسم کی باتیں راوی کی روایت رد کرنے کا موجب نہیں بنتیں۔ کیونکہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ہے اور اور منصور کے بجائے عبیدہ کا ذکر وہم میں داخل ہے۔

ایک ماہ تک مسلسل قنوت

(تیسرے) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ قنوت پڑھتے تھے۔ اور ابتدائے قنوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی جو انہوں نے رعل اور ذکوان کے خلاف پڑھی تھی۔ اس طرح صحیحین میں حضرت عبد العزیز بن صہیب سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمیوں کو کسی کام سے بھیجا، جنہیں قرار کہتے تھے۔ تو ایک کنوئیں کے پاس بنی سلیم کے قبائل رعل اور ذکوان ان کے مقابلہ پر اتر آئے اس کنوئیں کو بیر معونہ

کہتے ہیں۔ ان صحابہ نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تمہارے پاس نہیں آئے۔ بلکہ ہم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کام کے سلسلہ میں جا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان (صحابہ) کو شہید کر دیا۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ یہ قنوت کی ابتدا تھی اور ہم (بعد میں) قنوت نہ پڑھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے اور حضرت انسؓ کا یہ قول کہ یہ "ابتدائے قنوت تھی" اور پھر یہ فرمانا کہ آپ نے ایک ماہ تک قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے انہوں نے وہ قنوت ثابت کی، جو قنوت نازلہ تھی۔ اور آپؐ نے ایک ماہ تک پڑھا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے آپؐ نے عشاء کی نماز میں ایک ماہ قنوت پڑھی جسے صحیحین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے اور انہوں نے ابو سلمہ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی اور آپ قنوت میں یہ دعا مانگتے:۔

اللھم انج الولید بن ولید اللھم انج سلمہ بن ھشام اللھم انج عیاش بن ابی ربیعہ اللھم انج المستضعفین من المومنین اللھم اشدد وطاتک علی مضر اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف۔

یعنی "اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے اے اللہ سلمہ بن ہشام کو نجات دے اے اللہ عیاش ابن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ مضر قبیلہ پر اپنی گرفت سخت کر دے اور ان پر (عہد یوسف) کی قحط سالی ڈال دے"

حضرت ابو ہریرہؓ بتاتے ہیں کہ وہ ایک دن صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا نہ کی آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ جو تم دیکھ رہے تھے وہ اسے پہنچ چکے۔ تو صبح کی نماز کا قنوت ایسے ہی تھا وہ نازلہ ہوتا یا کسی امر عارضی کے سبب سے ہوتا اس لیے حضرت انسؓ نے اسے ایک ماہ کے لئے بتایا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ان کے لئے صبح کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی یہ دونوں درست ہیں اور حضرت عکرمہؓ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء

اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت صحیح ہے (نیز) طبرانیؒ نے اپنی معجم میں محمد بن انس سے روایت کیا، انہیں مطرف بن طریف نے انہیں ابی جہم نے بتایا اور انھیں حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ملی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی نماز پڑھتے اس میں دعائے قنوت پڑھتے۔

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ مطرف سے صرف محمد بن انس نے روایت کیا ہے یہ اسناد اگرچہ قابل حجت نہیں، لیکن پھر بھی معنی کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ قنوت دعا کو کہتے ہیں اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز ایسی نہ پڑھی جس میں دعا نہ کی ہو جیسا کہ گزر چکا ہے اور ابوجعفر کی روایت اگر صحیح ہو تو حضرت انسؓ کا مطلب بھی اس سے یہی ہے کہ آپ ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ہمیں اس میں کوئی شک وشبہ بھی نہیں کہ صبح کی نماز میں آپ ہمیشہ دعا پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔

انسؓ اور عاصمؒ کی روایت میں موازنہ

(وجہ چہارم) یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے طرق احادیث مطلب کو واضح کرتے ہیں اور ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے اور متناقض نہیں ہے اور صحیحین میں حضرت عاصم احول سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ میں نے انسؓ بن مالک سے صبح کی قنوت کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا "ہاں" تو میں نے جواب دیا کہ "رکوع سے پہلے" پھر میں نے کہا کہ فلاں نے مجھے آپؓ کے متعلق اطلاع دی کہ آپ نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے (رکوع) کے بعد قنوت پڑھی۔ انہوں نے جواب دیا "اس نے جھوٹ بولا، بلکہ میں نے تو کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھی تھی"۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ روایت معلول ہے عاصم نے اس میں تفرد کیا ہے۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے تمام روایت کرنے والوں نے اس کی مخالفت کی ہے، تو ان کا جواب یہ ہے کہ عاصم بالکل ثقہ ہے۔ ہاں اس نے صرف دو قنوتوں کے مقام پر اصحاب انسؓ کے خلاف کیا ہے۔ حافظ نے اسے وہم بتایا ہے۔ اور جو اد اسے ساقط کرتے ہیں۔ اور امام احمدؒ سے اس کی تعلیل مروی ہے

چنانچہ اثرم نے بتایا کہ میں نے ابو عبداللہ یعنی احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ عاصم احول کے سوا حضرت انسؓ سے یہ روایت کس کی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے قبل قنوت پڑھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا جس نے یہ روایت کی ہو۔ پھر ابو عبداللہ نے بتایا کہ عاصم کی تمام رواۃ نے مخالفت کی ہے۔ ہشام نے قتادہ اور انہوں نے حضرت انسؓ سے اور تیمی نے ابو مجلز سے اور انہوں نے حضرت انسؓ اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ اور ایوب نے محمد سے روایت کیا کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا اور حنظلہ سدوسی نے چار طرق سے حضرت انسؓ سے روایت کیا۔ رہا عاصم! تو میں نے اس سے معلوم کیا تو اس نے جواب دیا کہ انہوں نے جھوٹ کہا۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد (صرف) ایک ماہ تک قنوت پڑھی۔ دریافت کیا گیا کہ عاصم سے کس نے روایت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابو معاویہ وغیرہ نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا تمام روایات رکوع کے بعد والی نہیں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا بلکہ یہ تمام خفاف بن ایماء بن رخصہ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔ میں نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا تو پھر وہ رکوع سے قبل قنوت کی رخصت کیوں دیتے ہیں۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں رکوع کے بعد (قنوت) ثابت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت ہے اور وتر میں رکوع کے بعد مختار ہے۔ اور جو رکوع سے قبل کرے تو بھی کوئی ہرج نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا فعل اور ان کا اختلاف (موجود) ہے۔ رہی صبح کی نماز میں رکوع کے بعد۔ تو کہا جائے گا کہ اس صحیح حدیث کی تعلیل تعجب انگیز ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے اور اسے ائمہ ثقہ نے اثبات حفاظ اور ابو جعفر رازی، قیس بن ربیع، عمرو بن ایوب، عمرو بن عبید، دینار اور جابر جعفی جیسی روایت کا قابلِ استدلال ہونا سعایت کیا ہے۔

روایاتِ انسؓ میں کسی طرح کا تناقض نہیں

حضرت انسؓ کی تمام روایات صحیح ہیں اور ان میں تناقض نہیں ملتا اور رکوع سے قبل جو قنوت کا ذکر ہوا وہ (رکوع) کے بعد والے قنوت کے علاوہ ہے اور اس

کا وقت بھی اس سے الگ ہے۔ تو جو رکوع سے قبل ہے (اس کا مطلب) قرأۃ کے لئے طول قیام ہے، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہتر نماز طویل قنوت (قیام) والی ہوتی ہے اور جو قنوت رکوع کے بعد مذکور ہے وہ دعا کے لئے طویل قیام ہے۔ آپ نے ایک ماہ تک ایک قوم کے خلاف اور ایک قوم کی حمایت میں پڑھا۔ پھر آپؐ اس رکن کو دعا ثناء کے لئے طویل رکھتے گئے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ثابتؓ اور انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں اسی طرح نماز پڑھاتا رہا ہوں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے رہے ہیں۔ اور راوی نے بتایا کہ حضرت انسؓ ایک ایسا کام بھی کرتے تھے۔ جسے میں دیکھتا ہوں کہ تم نہیں کرتے۔ جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ حتیٰ کہ کہنے والا کہتا کہ شاید بھول گئے ہیں۔ پس یہ ہی وہ قنوت ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عامل رہے یہاں تک کہ دنیا سے رحلت فرما گئے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آپ اس طویل وقفہ میں خاموش نہ رہتے بلکہ اپنے پروردگار کی ثناء تمجید کرتے اور دعا مانگتے اور یہ دعا اس ماہ کی معرفت قنوت سے الگ تھی، کیونکہ وہ تو رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے خلاف بد دعا تھی اور جو مومنین مکہ میں تھے ان کے حق میں میں دعائیہ (رحمت تھی)

رہی صبح کی نماز سے اس کی تخصیص تو یہ سائل کے سوال کے مطابق (حال) بات تھی کیونکہ اس نے قنوتِ فجر کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے اس سوال کا جواب دیا۔ نیز آپ باقی تمام نمازوں کے علاوہ صبح کی نماز (خصوصًا) طویل کرتے تھے۔ اور ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے اور جیسے کہ حضرت براءؓ بن عازب نے بتایا ہے کہ آپؐ کا رکوع، اعتدال، سجود اور قیام قریب قریب ہوتا۔ باقی تمام نمازوں کے علاوہ صبح کی نماز میں آپ کے طویل قیام کا خوب اظہار ہوتا۔ یہی آپ کی قنوت تھی اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے ہمیں اس میں نہ شک ہوا اور نہ ہوگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے، یہاں تک کہ دنیا سے رحلت فرما گئے اور جب عام لوگوں اور اکثر فقہاء کی زبان میں یہی معروف دعا قنوت بن کر رہ گئی: اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ الخ

اور انہوں نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے اور اسی طرح خلفائے راشدین اور ان کے علاوہ صحابہؓ میں سے (ایک گروہ) نے دعائے قنوت کو اپنی اصطلاح کے مطابق قنوت (مخصوصہ پر عمل کیا۔ اور اس مخصوص دعا) کے سوا باقی (معانی) غیر معروف بن گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ ہر صبح کی (نماز) میں اس پر مداومت کرتے رہے اور یہی وہ مسئلہ ہے کہ جس میں جمہور علماء نے نزاع کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آپ کا راتب فعل (مسلسل) نہ تھا، بلکہ یہ ثابت ہی نہیں کہ آپ نے کیا بھی ہو۔ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ یہ روایت ہے کہ آپ نے حسنؓ بن علیؓ کو یہ دعا سکھائی۔ جیسے کہ مسند اور سنن اربعہ میں ہے۔

حضرت حسنؓ کی روایت (حضرت حسنؓ) نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتر میں پڑھنے کے لئے کلمات سکھائے (وہ یہ ہیں)

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔ (حسن ترمذی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم قنوت کے متعلق اس سے زیادہ احسن (دعا) نہیں جانتے۔ امام بیہقیؒ نے اس پر یہ الفاظ زیادہ بتائے ہیں۔

ولا یذل من والیت ولا یعز من عادیت۔

یعنی "تیرا دوست ذلیل نہ ہوگا۔ تیرا دشمن عزت نہ پائے گا"

جس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کی قنوت سے مراد رکوع کے بعد تھی۔ تو وہ دعا و ثناء کے لیے قیام ہے۔ سلیمان بن حرب روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابو ہلال نے اور انہیں حضرت قتادہ کی مسجد کے سامنے حضرت حنظلہ نے بتایا، میں کہتا ہوں کہ وہ حمد و ثناء ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں اور قتادہؒ صبح کی نماز کے قنوت میں اختلاف کرنے لگے۔ قتادہ نے کہا کہ رکوع سے پہلے! میں نے کہا کہ رکوع کے بعد!

آخر میں ہم حضرت انسؓ بن مالک کے پاس آئے ہم نے ان کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی (اقتدا) میں فجر کی نماز میں حاضر ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی اور رکوع کیا اور سر اٹھایا، پھر سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو تکبیر کہی اور رکوع کیا، پھر سر اٹھایا، پھر کچھ دیر کھڑے ہوئے، پھر سجدہ میں چلے گئے۔

یہ روایت حضرت ثابتؓ کی روایت کے مطابق ہے اور وہ قنوت کے مسئلہ میں حضرت انسؓ کے مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق صاف بتا دیا کہ آنحضرت نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ قیام طویل تھا اور حضرت انسؓ کا مطلب بھی یہی تھا۔ چنانچہ تمام احادیث متفق ہوگئیں۔

رہیں صحابہؓ سے روایات، تو وہ دو طرح سے ہیں، ایک مصائب کے وقت کی قنوت جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قنوت، مسیلمہ کذاب سے صحابہؓ کی جنگ کے موقع پر اور اہل کتاب کے ساتھ جہاد کے وقت یا قنوت عمرؓ، یا حضرت علیؓ کی قنوت، معاویہؓ اور اہل شام سے جنگ کے وقت، دوسری قسم مطلق ہے، اس کا مطلب اس رکن میں تطویل دعا و ثنا ہے۔

سجدۂ سہو

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن مواقع پر سجدہ سہو کیا

سجدۂ سہو کی مصلحت اور حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں تم جیسا ایک آدمی ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

نماز میں آپ کا سہو دراصل ان کی امت پر اللہ تعالیٰ کا اتمام نعمت اور اکمال دین کا ذریعہ ہوتا تھا کہ سہو میں جو طریقہ مشروع ہوا اس میں آپ کی اقتدا کریں۔ موطا میں منقطع روایت کا یہی مطلب ہے کہ میں بھول جاتا ہوں، یا بھلا دیا جاتا ہوں۔ تاکہ وضاحت کروں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھول جاتے تو آپ کے سہو پر احکام شریعت مرتب ہوتے، جو قیامت تک آپ کی امت کے سہو پر جاری رہیں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت والی (نماز) میں دوسری رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہیں کیا۔ یعنی بیٹھے نہیں جب آپ نے نماز ختم کر لی۔ تو سلام سے پہلے دو سجدہ کیے پھر سلام کیا۔ اس طرح اس سے ایک قاعدہ معلوم ہو گیا کہ جو آدمی ارکان کے ماسوا نماز کے باقی اجزاء میں سے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دے تو وہ سلام سے قبل سجدہ سہو کرے۔

اور بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آپ نے ایک رکن سہواً چھوڑ دیا اور دوسرا

لہ سجدۂ سہو کی تعلیم عملی آپ کی طرف سے ضروری تھی، تاکہ امت اس پر عمل کر سکے اور اسوۂ نبی کی روشنی میں تلافی مافات کر سکے۔ (رئیس احمد جعفری)

رکن شروع کیا تو متروک حصہ کی طرف پلٹے، کیونکہ جب آپ دو رکعت کے بعد کھڑے ہوئے تو صحابہؓ نے سبحان اللہ کہا۔ آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ کھڑے ہو جاؤ۔

اس محل سہو میں آپ سے اختلاف مروی ہے۔ صحیحین میں عبداللہ بن بحینہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے اور درمیان میں نہ بیٹھے۔ پھر جب آپ نے نماز مکمل کر لی تو دو سجدے کیے پھر اس کے بعد سلام پھیرا۔ ایک متفق علیہ روایت کے مطابق آپ نے سلام سے قبل بیٹھی ہوئی حالت میں ہر سجدہ پر تکبیر پڑھی اور مسند میں حضرت یزید بن ہارون سے اور انہوں نے سعودی سے اور انہوں نے زیاد بن علاقہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ جب آپ دو رکعت پڑھا چکے تو کھڑے ہو گئے اور نہ بیٹھے پیچھے والوں نے تسبیح[1] کہی۔ تو انہوں نے ان کو اشارہ کیا کہ کھڑے ہو جاؤ چنانچہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے، پھر (دوبارہ) سلام پھیرا۔ اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا۔

امام بیہقیؒ نے عبدالرحمن بن شماسہ مہری کی روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے، حالانکہ آپ کو قعدہ کرنا چاہیے تھا۔ تو لوگ کہنے لگے سبحان اللہ، سبحان اللہ (حضرت عقبہؓ) نہ بیٹھے اور قیام میں ہی (نماز) پڑھتے چلے گئے۔ آخر نماز کے آخری حصہ میں پہنچے تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کئے اور جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں نے شروع میں تمہیں سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے سنا تاکہ میں بیٹھ جاؤں، لیکن سنت وہی ہے جو میں نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بحینہ کی روایت تین وجوہ سے اولیٰ ہے۔

ایک تو وہ روایت حضرت مغیرہؓ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ دوسرے وہ اس سے

---

[1] نماز میں کلام ممنوع ہے۔ امام کی غلطی یا سہو و نسیان کی صورت میں مقتدی اسے صرف "سبحان اللہ" وغیرہ کہہ کر ٹوک سکتا ہے جو امام کو متنبہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

زیادہ صریح ہے، کیونکہ قول مغیرہؓ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع ہو سکتا ہے کہ اس کی نسبت حضرت مغیرہؓ کے جملہ فعلی کی طرف منسوب ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے سلام سے قبل ایک سجدہ اور سلام کے بعد بھی ایک سجدہ کیا ہو۔ چنانچہ ابن بحینہؓ نے جو دیکھا اسے نقل کر دیا اور حضرت مغیرہؓ نے جو دیکھا اسے نقل کر دیا اس لیے دونوں باتیں جائز ہوئیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ کا مطلب یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہو گئے اور مراجعت نہیں کی، پھر سجدہ سہو کیا۔

تیسرے مغیرہؓ شاید سلام سے قبل سجدہ کرنا بھول گئے اور اس کے بعد سجدہ کیا، یہ سہو کا معاملہ ہے اور یہ ناممکن ہے کہ سجدہ سلام سے قبل سمجھا جائے۔

سجدہ سہو کی پانچ صورتیں

۱۔ ایک مرتبہ آپؐ نے عشاء یا ظہر، یا عصر کی نماز پڑھائی دو رکعتیں پڑھ کر کچھ کلام کیا، پھر نماز پوری کی، پھر سلام پھیرا، پھر (سہو کے) دو سجدے کیے، بہ آواز بلند سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہا، پھر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بہ آواز بلند اللہ اکبر کہا۔

۲۔ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر دو سجدے کیے، پھر تشہد پڑھا، پھر سلام پھیرا، ترمذیؒ کے نزدیک یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

۳۔ ایک مرتبہ آپؐ نے عصر کی تین رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ گھر میں داخل ہو گئے۔ لوگوں نے یاد دلایا تو آپؐ باہر آئے اور مزید ایک رکعت پڑھا کر دو سجدے (سہو کے) کیے۔

۴۔ ایک مرتبہ آپؐ نے نماز پڑھائی، لیکن ایک رکعت کم، پھر نماز پڑھا کر آپ واپس چلے تو حضرت طلحہؓ نے عرض کیا:

”آپؐ نے نماز میں ایک رکعت فراموش کر دی“!

یہ سن کر آپ واپس لوٹے، مسجد میں داخل ہوئے اور بلالؓ کو حکم دیا کہ اقامت کہیں، پھر آپؐ نے (دوبارہ) نماز پڑھائی، یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر کی ہے۔

۵۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ظہر کی چار کے بجائے پانچ رکعتیں پڑھ لیں۔ زیدؓ نے ٹوکا تو آپؐ نے پوچھا! کیا بات ہے؟

لوگوں نے عرض کیا "آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں"۔
یہ سن کر سلام کے بعد آپؐ نے دو سجدے کیے، اس کے بعد پھر سلام پھیرا۔
یہ ہیں وہ پانچ روایات جو سجدۂ سہو کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مروی ہیں۔

سجدۂ سہو سلام سے پہلے یا بعد آپؐ نے سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے بھی کیا اور سلام پھیرنے کے بعد بھی کیا، امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ آپؐ نے تمام سجدے سلام سے پہلے کیے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے جتنے سہو کے سجدے کیے وہ سلام پھیرنے کے بعد کیے، امام مالک کا ارشاد ہے کہ جب نماز میں سہو سے آپ نے کمی کی، یعنی کوئی رکعت کم پڑھی تو سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کیا اور جب زیادتی کی، یعنی کوئی رکعت زیادہ پڑھی تو سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کیا، اور اگر کسی نماز میں کمی اور زیادتی جمع ہو گئی تو سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا۔

اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے سجدہ سہو کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے یا بعد میں؟ انہوں نے جواب دیا۔ بعض مواقع پر سلام سے پہلے اور بعض مقامات پر سلام کے بعد، جیسا کہ رسول اللہ کے عمل سے ثابت ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ کے مطابق ذوالیدین کے واقعہ میں آپؐ نے سلام کے بعد سجدہ کیا اور حدیث عمران بن حصین کے مطابق سلام سے پہلے کیا۔

اثرم کہتے ہیں میں نے امام احمد سے پوچھا ان مواقع کے علاوہ کیا صورت اختیار کی جائے؟ امام احمد نے جواب دیا، باقی تمام سہو کے سجدے سلام سے پہلے کیے جائیں۔ کیونکہ یہ سجدہ سہو نماز کی کمی کو پورا کر دیتا ہے، بلکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد از سلام سجدہ مروی نہ ہوتا تو میں صرف قبل از سلام سجدہ سہو کا فتویٰ دیتا، کیونکہ نماز کی شان کا اقتضاء یہی ہے کہ سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے۔

داؤد کا قول ہے کہ ان مواقع کے سوا جو رسول اللہؐ سے ثابت ہیں سجدہ سہو جائز نہیں[1]

---

[1] یعنی نماز دوہرانی چاہیے۔ (رئیس احمد جعفری)

نماز میں آنکھیں بند رکھنا سنت رسولؐ نہیں ہے یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ تشہد کے اندر دعا پڑھتے ہوئے آپؐ ان کی طرف نگاہ سے اشارہ کرتے اور آپؐ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہ کرتی جیسا کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ کے پاس ایک پردہ سے یہ ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصاویر مسلسل میری نماز میں حائل ہو رہی ہیں اور اگر آپ نماز میں اپنی آنکھیں بند کرتے تو نماز میں یہ حائل نہ ہوتیں۔

اس حدیث کا استدلال محل نظر ہے، کیونکہ جو چیز آپ کی نماز میں حائل تھی وہ وہی تصاویر تھیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے یا محض دیکھنا ہی حارج تھا، یہ بھی احتمال ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی خوب وضاحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر میں نماز پڑھی، جس میں نقوش تھے تو آپؐ نے ان نقوش کو دیکھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم کی چادر میرے پاس لے آؤ۔ کیونکہ شروع میں یہ میری نماز میں حارج ہوئی اور اس میں یہ بھی استدلال ہے کہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اس میں ان کی طرف التفات پیدا ہو گیا اور اس التفات کی وجہ سے آپ کی نماز میں) رکاوٹ ہو گئی اور شعب کی طرف التفات والی روایت سے یہ مراد نہیں کہ یہ سبب تھا کہ آپ نے ایک سوار کو پیش رو کے طور پر بھیجا بلکہ التفات امور لشکر کی ضرورت کے باعث تھا۔ اور اس سے نماز کسوف میں آپ کے ہاتھ بڑھانے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ تاکہ انگور کا خوشہ لے سکیں، جب کہ آپؐ نے جنّت دیکھی اور آپؐ کا دوزخ کو اور بلّی کے مالک کو اور صاحب محجن کو دیکھنا بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے) ایسے اس جانور سے مدافعت کی روایت کہ جس نے آپ کے سامنے سے گزرنا چاہا، ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو ہٹانا اور دو لڑکیوں کے درمیان آڑ بن جانا ایسے ہی جس نے سلام کیا اشارہ سے اس کے سلام کا جواب دینا حالانکہ آپؐ نماز میں تھے کیونکہ اسی کو اشارہ کر سکتے تھے، جس کو آپ دیکھ رہے ہوں۔

یہ احادیث ایسی ہیں کہ جن کے مجموعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نماز میں آنکھیں بند نہ کرتے تھے اور فقہاء کا اس کی کراہت میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے

اور فرمایا ہے کہ یہ یہودی کا فعل ہے۔ ایک جماعت نے اسے مباح قرار دیا ہے اور مکروہ نہیں سمجھا اور کہا ہے کہ یہ صورت گاہے گاہے خشوع کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ جو نماز کی روح سر اور اس کا مقصود ہے۔ زیادہ صائب بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے اگر آنکھیں کھولنا خشوع نماز میں مخل نہیں۔ تو یہ صورت افضل ہے اور اگر یہ طریقہ خشوع اور اس کے قلب میں اثر بن جاتا ہے کیونکہ اس کے قبلہ رُخ حسن و جمال وغیرہ نظر آتا ہے، جس کے دل کو پریشانی سی لاحق ہوتی ہے تو اس وقت آنکھیں بند کرنا قطعاً مکروہ نہ ہوگا اور اس حالت میں اسے مستحب کہا جائے گا (اور یہ) کراہت کے قول کی بجائے۔ اصول و مقاصدِ شرح کے زیادہ قریب ہوگا۔

اذکار و اشغال

نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعائیں اور اوراد

فراغت صلوٰۃ کے بعد آپؐ کے معمولات نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ کیا کیا کرتے؟

کس طرح بیٹھتے تھے؟

کس سرعت سے جگہ چھوڑتے تھے؟

بعد از نماز امت کے لیے کون کون سے اوراد و اذکار شروع فرماتے؟

آپؐ کا عام معمول یہ تھا کہ جب سلام پھیرتے تو تین بار استغفار کرتے اور فرماتے اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام یعنی اے اللہ تو سلام ہے اور تجھ سے ہی سلامتی ہے اے بزرگی و عزت والے تو برکت والا ہے۔"

صرف اتنے کہنے کی حد تک قبلہ رُخ رہتے اور مقتدیوں کی طرف تیزی سے منتقل ہو جاتے اور اپنے دائیں بائیں کی جانب سے رُخ انور پھیر لیتے اور ابن مسعودؓ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کئی بار بائیں رُخ ہو جاتے دیکھا اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کثرت سے دائیں رُخ پر دیکھا۔

پہلی روایت صحیحین میں ہے اور دوسری روایت مسلمؒ میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپؐ نماز میں دائیں بائیں سے اعراض کر لیتے۔ پھر آپ اپنا چہرہ انور مقتدیوں کی طرف پھیر لیتے اور ان کی سمت کے علاوہ کوئی دوسری سمت متعین نہ کرتے اور جب آپ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو جائے نماز پر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا اور ہر فرض نماز کے بعد یہ الفاظ پڑھتے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر، اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔

یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی مالکیت ہے۔ اور اسی کی حمد ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جو تو نے عطا کیا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور کسی عزت دار کی عزت تیرے سامنے نفع نہیں دیتی"

اور کہا کرتے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہٗ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔

یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی مالکیت ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ڈر ہے اور نہ قوت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی کی نعمتیں ہیں اور اسی کا فضل ہے اور اسی کی اچھی ثنا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ خالص اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں"

اور امام ابوداؤد نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیر لیتے۔ تو یہ دعا پڑھتے:

اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت الآخر لا الٰہ الا انت۔

یعنی: "اے اللہ مجھے بخش دے، جو گزر چکے اور بعد کے ہیں اور جو میں نے پوشیدہ کیے اور جو علانیہ کیے اور جو اسراف کیا اور تو مجھ سے بہتر جانتا ہے، تو ہی

اول ہے۔ تو ہی آخر ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

یہ حضرت علی کی طویل روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جسے امام مسلمؒ نے آغازِ (نماز) میں روایت کیا ہے اور جو آپ رکوع اور سجود میں پڑھا کرتے تھے اور امام مسلمؒ کے اس میں دو الفاظ ہیں ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تشہد اور سلام کے درمیان پڑھا کرتے، یہ تو صائب خیال ہے۔ دوسرے آپ انہیں سلام کے بعد پڑھا کرتے اور ہو سکتا ہے کہ آپ انہیں دو مقامات پر پڑھتے ہوں۔

امام احمدؒ نے زید بن ارقم سے نقل کیا انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے۔

اللهم ربنا ورب كل شيء ومليكه انا شهيد انك الرب وحدك لا شريك لك اللهم ربنا ورب كل شيء انا شهيد ان محمدا عبدك ورسولك اللهم ربنا ورب كل شيء انا شهيد ان العباد كلهم اخوة اللهم ربنا ورب كل شيء اجعلني مخلصا لك واهلي في كل ساعة من الدنيا والاخرة يا ذا الجلال والاكرام اسمع واستجب الله اكبر الله اكبر نور السموات والارض الله اكبر حسبي الله ونعم الوكيل الله اكبر الاكبر

یعنی "اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اور اس کے مالک میں گواہ ہوں کہ بیشک تو ہی رب ہے، تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہ ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب مجھے اپنا مخلص بنا لے ...... اور میرے اہل کو بھی دنیا و آخرت کی ہر گھڑی میں۔ اے بزرگی اور عزت والے سن لے، قبول فرما لے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ مجھے اللہ ہی کافی ہے وہ بہتر کارساز ہے۔ اللہ سب سے بڑا سب سے بڑا ہے۔ (ابوداؤد)

افراد امت کے لیے مستحب ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ کہا کریں: سبحان اللہ ۳۳ بار،

الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر (۳۳ بار) اور سو ان الفاظ کے ساتھ پورا کریں لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر۔
یعنی: خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کوئی
شریک نہیں۔ اس کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"
دوسری روایت میں یوں ہے۔ اللہ اکبر ۳۴ بار اس طرح سو مکمل ہو جاتا ہے۔
ایک اور روایت میں تسبیح ۲۵ بار اور اتنی ہی تحمید اور اتنی ہی تکبیر اور اتنی ہی لا الہ
الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر
ایک اور طریقہ پر آتا ہے: تسبیح دس بار اور تحمید دس بار اور تکبیر دس بار اور ایک اور طریقہ
۱۱ بار جیسے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرویات میں ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار یعنی
گیارہ بار گیارہ بار اور گیارہ بار تسبیح۔ تحمید اور تکبیر کہیں۔ تو یہ کل ۳۳ بار بن گئی۔ اس طریقہ سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعض راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے۔
اس کی وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ حدیث کے الفاظ تو یوں نہیں کہ ہر نماز کے بعد
۳۳ بار تسبیح و تحمید و تکبیر کہیں" اور اس کا مطلب یہ تھا! کہ کلمات تسبیح و تحمید و تکبیر ہر
ایک تینتیس تینتیس بار ہوگا۔ یعنی تسبیح و تحمید و تکبیر ہر ایک تینتیس بار کہو، کیونکہ موسیٰ راوی حدیث
نے ابوصالح سے روایت کیا ہے۔ ابوصالح نے بھی تفسیر کی ہے کہا ہے کہ سبحان اللہ۔ الحمد للہ
اللہ اکبر کہو اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس بار کہو، کیونکہ موسیٰ راوی حدیث نے ابوصالح
سے روایت کیا ہے۔ ابوصالح نے بھی تفسیر کی ہے کہ کہا ہے کہ سبحان اللہ الحمد للہ۔ اللہ اکبر کہو
اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس بار ہو جائے۔
رہی گیارہ کی تخصیص تو اذکار کے معاملہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بخلاف سو کے کہ
اس کی کئی مثالیں مل جاتی ہیں (نیز) دس کی نظیر بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ سنن میں حضرت
ابوذرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جس نے صبح کی نماز کے بعد اپنے دونوں پہلو پر بیٹھے بیٹھے کوئی بات کرنے سے
پہلے کہا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک یحیی ویمیت وھو علی کل شیئ قدیر

یعنی، خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اور اُسی کی حمد ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔" (یہ کلمات) دس بار کہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند کئے جائیں گے اور اس دن وہ ہر ناپسند چیز سے حفاظت میں ہوگا اور شیطان سے بچاؤ میں ہوگا اور اللہ کے ساتھ شرک کے سوا کوئی گناہ اِسے پکڑ نہ سکے گا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو سکھائے۔ جب وہ ایک غلام کے لیے حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا:

سوتے وقت تم ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ اور جب تم صبح کی نماز پڑھ لو، تو کہو لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئی قدیر دس بار اور نماز مغرب کے بعد دس بار۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جس نے صبح کے وقت یہ دعا پڑھی، لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئی قدیر دس بار، تو اس کے لیے اس سے دس گنا نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں مٹا دی جائیں گی اور ان کلمات کے باعث دس درجے بلند کیے جائیں گے اور اسے چار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور یہ کلمات شیطان سے اس کا بچاؤ کریں گے اور جس نے نماز مغرب کے بعد دس بار یہ کلمات کہے تو اسے صبح تک اس قسم کے فوائد ملیں گے۔

شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول گزر چکا، اللہ اکبر دس بار، الحمد للہ دس بار اور سبحان اللہ دس بار اور لا الٰہ الا اللہ دس بار اور استغفر اللہ دس بار اور کہتے: اللھم اغفرلی واھدنی وارزقنی دس بار اور یوم قیامت کی تنگی سے دس بار پناہ مانگتے اور اذکار و دعوات میں دس کا عدد کثرت سے ملتا ہے، لیکن گیارہ کا تذکرہ ابو ہریرہ کی روایت کے سوا کہیں

نہیں ملتا، جس کا ذکر ہو چکا ہے۔
صحیح ابو حاتم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرتے وقت پڑھا کرتے تھے۔
اللھم اصلح لی دینی الذی جعلتہ عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی جعلت فیھا معاشی اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك من نقمتك واعوذبك منك لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد۔
یعنی: اے اللہ میرے دین کی اصلاح کر دے جس میں تو نے میری امور کی حفاظت رکھی اور میری دنیا کی اصلاح کر دے جس طرح تو نے میری معاش (زندگی) رکھ دی۔ اے اللہ میں تیری خفگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں اور تیرے انتقام سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری (سزا) سے تیری (رحمت) کی پناہ چاہتا ہوں اور جسے تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی عزت دار کی عزت تیرے سامنے نفع نہیں دیتی"
مستدرک حاکم میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے سنا کہ آپ نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھا تے تھے۔
اللھم اغفرلی خطایای وذنوبی کلھا اللھم ابعثنی واحینی وارزقنی، واھدی لصالح اعمال والاخلاق انہ لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت۔
یعنی: اے اللہ میرے تمام گناہ اور میری سب خطائیں بخش دے اے اللہ مجھے اٹھا اور مجھے رزق دے اور مجھے نیک اعمال و اخلاق کی ہدایت دے کیونکہ نیک (اعمال و اخلاق) کی طرف تو ہی ہدایت دے سکتا ہے۔ برائیوں سے صرف تو ہی ہٹا سکتا ہے۔
صحیح ابن حبان میں حضرت حارث بن مسلم تمیمی سے روایت ہے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "جب تو صبح کی نماز پڑھ لے، تو بات کرنے سے پہلے یہ کلمات کہہ:

اللھم اجرنی من النار۔

یعنی: "اے اللہ مجھے آگ سے بچالے (سات بار، کیونکہ تو اگر اسی دن فوت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ آگ سے تیری نجات لکھ دے گا اور جب تو مغرب کی نماز پڑھ لے تو بات کرنے سے پہلے سات بار یہ کلمات کہہ لے۔

اللھم اجرنی من النّار۔

کیونکہ اگر تو اسی رات کو فوت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ آگ سے تیری نجات لکھ دے گا۔

امام نسائیؒ نے کبیر میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو اسے جنت میں جانے سے موت کے سوا کوئی چیز نہ روکے گی۔

محمد بن حمیر نے اس روایت میں تفرد کیا ہے (اور) محمد بن زیاد الہانی سے اور انہوں نے ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے۔ نسائیؒ نے حسین بن بشر اور انہوں نے محمد بن حمیر سے روایت کیا ہے۔ بعض لوگ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور حسین بن بشر بتاتے ہیں کہ امام نسائیؒ نے اس کے متعلق کہا کہ (لا باس بہ) اس میں کوئی حرج نہیں اور دوسرے مقام پر اسے ثقہ قرار دیا۔ البتہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں دونوں محمدوں کو قابل استدلال سمجھا ہے اور (محمد ثبن) انے کہا ہے۔ کہ حدیث اس کی تحریر پر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے۔ اور ابوالفرج جوزی نے اپنی کتاب میں اسے موضوعات میں لکھا ہے اور محمد بن حمیر پر معلق بنایا ہے۔ ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔ یعقوب ابن سفیان کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔ اور بعض حفاظ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور محمد کو ثقہ کہا ہے کہ وہ اس بات سے بلند ہے کہ اس کی کوئی موضوع روایت ہو اور صحیح حدیث یعنی بخاری شریف میں اس قسم کی روایت کا پایا جانا زیادہ قابلِ استدلال بات ہے۔ یحییٰ بن معین نے زیادہ شدت کے ساتھ اس کی توثیق کرتے ہیں اور معجم طبرانی میں حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن نے اپنے والد ماجد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ دوسری نماز تک اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں (حفاظت میں) ہے۔۔

یہ روایت حضرت ابوامامہؓ علی بنؓ ابی طالب، عبداللہ بن عمرؓ، مغیرہؓ بن شعبہؓ، جابرؓ بن عبداللہ اور انسؓ بن مالک سے مروی ہے اور ان تمام اسناد میں ضعف پایا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ روایت کی اصل ضرور ہے اور موضوع نہیں ہے اور مجھے اپنے شیخ ابوعباس بن تیمیہؒ قدس اللہ روحہ، سے پہنچی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسے کبھی بھی کسی نماز کے بعد ترک نہیں کیا۔

مسند و سنن میں حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے۔ انہوں نے بتلایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھوں۔ ابوحاتم، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم نے بتایا کہ یہ مسلم کی شرط پر صحیح روایت ہے۔ ترمذیؒ میں معوذتین کا لفظ آتا ہے۔ معجم طبرانی اور مسند ابو یعلی موصلی میں عمر بن جنہان سے بھی روایت ہے اور حضرت جابر سے مرفوعاً روایت میں کلام کیا گیا ہے۔

"جو آدمی حالت ایمان میں ان پر عامل رہا اور جنت کے دروازوں میں جس دروازے سے چاہے اندر چلا جائے اور سحرچشم حوریں اس کی ساتھی ہوں گی، یہ وہ شخص ہوگا جس نے؛

۱۔ اپنے قاتل کو معاف کر دیا ہو۔

۲۔ اور قرضہ چھپ کر کے چکا دیا ہو، اور

۳۔ ہر فرض نماز کے بعد دس بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتا رہا ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول چاہے ان میں سے ایک ہی کام کیا ہو۔

آپ نے جواب دیا ہاں! چاہے ایک ہی کیا ہو۔

(نیز) آپ نے حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

یعنی: اے اللہ مجھے اپنے ذکر کی اور شکر کی اور اچھی طرح عبادت کی توفیق اور مدد فرما!"

نماز کے بعد سلام سے قبل کا بھی احتمال ہے اور اس کے بعد کا بھی احتمال ہے اور ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) سلام سے قبل کو ترجیح دیتے تھے۔

سترہ

کون کون سی سنتیں رسول اللہؐ سے ثابت ہیں؟

سترہ کس کس چیز کا بنایا جا سکتا ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دیوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تو اپنے اور اس کے درمیان بکری کی گزرگاہ کا سا فاصلہ چھوڑ دیتے اور اس سے دور نہ رہتے بلکہ سترہ کے قریب ہونے کا حکم فرماتے اور جب آپ لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو اسے دائیں بائیں جانب کر لیتے اور سفر اور خشکی میں کوئی چیز گاڑ لیتے اور اس کی طرف رُخِ انور کر کے نماز پڑھتے اس طرح وہ سترہ کا کام دے جاتا۔ کبھی آپ سواری کو آڑ بنا لیتے، اس طرح اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور اسے درست اور اس کے آخر میں نماز ادا کرنے اور نمازی کو سترہ کا حکم دیتے۔ اگرچہ ایک تیر یا لاٹھی سے ہو لیکن اگر نہ ملے تو زمین پر ایک لکیر ہی کھینچ لے۔

ابوداؤدؒ نے بتایا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ لکیر ہلال کی طرح ارض پر کھینچی جائے گی اور عبداللہ نے بتایا کہ لکیر لمبی کھینچی جائے گی۔ رہی لاٹھی تو وہ سیدھی گاڑ دی جائے گی اور اگر سترہ نہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ عورت، گدھا اور سیاہ کتا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

صحیح، غیر صریح اور صریح غیر صحیح

اور یہ مسئلہ، ابوذرؓ، ابوہریرہؓ، ابن عباس اور عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت سے ثابت ہے کے معارض روایات دو قسم کے ہیں:

۱۔ صحیح غیر صریح۔

۲۔ اور صریح غیر صحیح پس جب معارض کی یہ حالت ہو تو اس کی وجہ سے راہنیں ترک

نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں نماز پڑھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے قبلہ کی جانب لیٹی ہوتیں۔ یہ صورت سامنے سے گزرنے والے کے مشابہ نہیں، کیونکہ نمازی کے سامنے سے گزرنا حرام ہے اور (نمازی) کے سامنے ٹھہرنا مکروہ نہیں۔ اسی طرح عورت کا سامنے سے گزرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، لیکن ٹھہرنے میں (کوئی مضائقہ نہیں)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر میں ہمیشہ دس رکعتوں کا اہتمام فرمایا کرتے اور وہ (رکعتیں) وہی ہیں جن کے متعلق حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں محفوظ کیں۔ دو رکعتیں ظہر کے پہلے اور دو اس کے بعد اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ اپنے گھر میں (پڑھا کرتے) اور دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔ یہ وہ رکعتیں ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضر میں کبھی ترک نہ فرماتے اور جب کبھی ظہر کے بعد دو رکعتیں فوت ہو جاتیں تو آپ انہیں عصر کے بعد ادا کر لیتے یہ عمل دائمی تھا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کام کرتے تو اُسے مسلسل جاری رکھتے اور اوقاتِ نہی میں سنن رواتب کا ادا کرنا آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے عام ہو۔ رہی ان دو (مذکورہ) سنتوں کی مکروہ اوقات میں ادائیگی۔ یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے[1]، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی خصوصیات کے تذکرہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔

کبھی کبھی آپ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل چار رکعت کا ناغہ نہ کرتے اور صبح سے قبل دو رکعت (کا ناغہ نہ کرتے) اب اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں نماز پڑھتے تو چار رکعت ادا کرتے اور جب مسجد میں پڑھتے تو دو رکعت ادا فرماتے، یہ واضح ہے اور یا یوں کہا جائے گا کہ کبھی آپ اس طرح کرتے۔ اور کبھی اُسی طرح۔

---

[1] یہ چیز خصوصیات نبوت میں سے تھی۔ جب آپؐ نے ایک مرتبہ کسی وقت نماز پڑھی تو یہ آپ کا دائمی معمول بن جاتا تھا۔ (رئیس احمد جعفری)

اس طرح حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ ہر ایک نے جو کچھ دیکھا اسے روایت کر دیا اور دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی طعن نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ چار رکعتیں ظہر کی سنّت نہ تھیں بلکہ یہ ایک مستقل نماز تھی، جو زوال کے بعد آپ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم زوالِ شمس کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور فرمایا یہ ایک ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا ایک نیک عمل اوپر چڑھے۔

سنن میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب ظہر سے پہلے چار رکعت ادا نہ کر سکتے تو نماز کے بعد ادا کرتے اور ابن ماجہؒ نے بتایا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ظہر سے قبل چار رکعت فوت ہو جاتیں تو آپ عصر کے بعد انہیں ادا کر لیتے۔ اور ترمذی میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے قبل چار رکعت ادا کرتے اور (فرض) کے بعد بھی دو رکعت ادا کرتے۔ نیز ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے، جن میں طویل قیام کرتے اور ان میں رکوع اور سجود خوب اچھی طرح کرتے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت

اس طرح یہ وہ چار رکعت ہیں کہ جن کے متعلق حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کا خیال ہے کہ آپ انہیں ترک نہیں کرتے تھے۔ رہیں ظہر کی دو سنتیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ تمام نمازوں کی سنتیں دو دو رکعت ہوتی ہیں اور فجر کی نماز بھی دو رکعت ہے حالانکہ لوگ اس وقت کافی فارغ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کی سنتیں دو ہیں۔ دوسرے ظہر سے قبل کی چار رکعت زوال شمس اور نصف النہار (دوپہر) کی وجہ سے مستقل مذکور ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زوال کے بعد آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ قیام اللیل (رات کی عبادت) کے برابر درجہ رکھتی ہیں۔

اس کا راز یہ ہے کہ نصف النہار نصف اللیل کے مقابلہ میں ہے اور زوالِ شمس کے بعد آسمان کے دروازے کھلتے ہیں (اسی طرح) نصف رات کے بعد نزولِ الٰہی ہوتا ہے۔ تو یہ دونوں قرب اور رحمت کے اوقات ہیں۔ اس میں آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں حضرت ام حبیبہؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعت (سنت) پڑھیں۔ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا گیا اور نسائی وترمذیؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ ظہر سے قبل چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعت اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت اور صبح کی نماز سے قبل دو رکعت۔ نسائی نے عشاء کے بعد کی دو رکعتوں کی بجائے لکھا ہے کہ عصر سے قبل دو رکعت۔ امام ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے۔ ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس نے بارہ رکعت سنن کی پابندی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادیا، چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے اور دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اس کے بعد اور میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے بتایا تھا کہ دو رکعت عصر سے پہلے اور دو رکعت مغرب کے بعد اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے بتلایا تھا کہ دو رکعت عشاء کے بعد ممکن ہے کہ یہ تفسیر حدیث میں بعض راویوں کے اپنے کلام کا اندراج ہو اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرفوع کلام ہی ہوں۔

رہیں عصر سے قبل چار رکعتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عاصم بن حمزۃ کی طویل روایت کے سوا کوئی عمل ثابت نہیں، جو حضرت علی سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سولہ رکعتیں (سنتیں) پڑھا کرتے تھے۔ چار رکعتیں اس وقت پڑھا کرتے جب سورج اس قدر بلند ہو جاتا جیسا کہ نماز ظہر کے لیے ہوتا ہے اور چار رکعت ظہر سے قبل اور دو رکعت ظہر کے بعد اور چار رکعت عصر سے قبل۔ ایک لفظ یں ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا جتنا کہ عصر کے وقت ہوتا ہے تو دو رکعت پڑھتے اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے اور ہر دو رکعتوں میں ملائکہ مقربین پر اور ان مومنین پر جو متبع ہیں۔ نیز مرسلین علیہم السلام پر سلام پڑھ کر فصل کرتے۔

امام ابن تیمیہؒ اس روایت کو غلط سمجھتے ہیں کہ وہ اس روایت کا انکار کرتے تھے میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا اور اس کی سخت تردید کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ موضوع ہے اور ابواسحاق جوزجانی سے بھی اس کا انکار منقول ہے اور امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ، حضرت ابن عمرؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی روایت منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو عصر سے قبل چار رکعت پڑھے۔ اس روایت میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ دوسروں نے اس کو معلول کہا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوولید طیالسی سے محمد بن مسلم بن مثنیٰ کی اپنے والد سے اور ان کی حضرت ابن عمرؓ سے اور ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس روایت کے متعلق دریافت کیا:

اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو عصر سے قبل چار رکعت پڑھے۔

تو انہوں نے جواب دیا "اسے رہنے دو" میں نے عرض کیا کہ ابوداؤدؒ نے اسے روایت کیا ہے تو ابوولید کہنے لگے کہ حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دن رات میں دس رکعتوں (کی روایت) کو یاد کیا ہے"، تو اگر یہ بھی ہوتی تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے اور بتایا کہ یہ والد کہا کرتے تھے کہ میں نے بارہ رکعتیں یاد رکھیں ہیں اور یہ علت قطعاً نہیں، کیونکہ ابن عمرؓ نے وہی روایت کی، جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فعل سے یاد رکھا نہ کہ وہ جو دوسروں نے ان کو بتایا، اس لیے دونوں روایتوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

رہیں نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے منقول نہیں کہ آپ انہیں پڑھا کرتے تھے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا پابند کیا تھا اور آپ نگاہ رکھتے تھے کہ آیا یہ (سنتیں) پڑھتے ہیں؟ پھر بھی آپ نہ حکم کرتے اور نہ انہیں منع کرتے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: مغرب سے قبل پڑھو، اور تیسری روایت میں آپ نے فرمایا، جو چاہو! اس بات کے پیش نظر کہ کہیں لوگ اسے سنت نہ قرار دے لیں یا پابندی نہ کرتے

لگیں اور دو رکعتوں میں یہی صاحب رائے ہے کہ یہ مستحب اور مندوب ہیں۔
اور سنن روایت کی طرح سنت نہیں اور وہ عام سنن اور نوافل اپنے گھر میں پڑھنے جن کا کوئی (خاص) سبب نہ ہوتا۔ خصوصاً مغرب کی سنتیں، کیونکہ ان سنتوں کے متعلق آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے انہیں ضرور مسجد میں پڑھا اور امام احمدؒ بن حنبل رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ سنّت (طریقہ) یہ ہے کہ انسان مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے یہی مروی ہے۔
سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد میں لوگوں کو دیکھا کہ جب وہ مغرب سے فارغ ہوتے تو سب چلے جاتے حتیٰ کہ مسجد میں ایک آدمی بھی باقی نہ رہتا گویا کہ وہ مغرب کے بعد کچھ نہ پڑھتے۔ آخر وہ اپنے گھروں میں پہنچ جاتے۔ ان کی روایت ختم ہوئی۔
اگر کوئی مسجد میں دو رکعتیں پڑھے تو کیا جائز ہے اور اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے؟
تو (اس کے متعلق) ان کا قول مختلف ہے۔ ان کے لڑکے عبداللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا! کہ مجھے ایک آدمی کے متعلق خبر ملی، جس کا اس نے نام لیا کہ اگر آدمی مغرب کے بعد مسجد میں دو سنت پڑھے تو ادا نہ ہوں گی وہ کہنے لگے اس آدمی نے جو کچھ کہا خوب کہا اور بہت خوب استنباط کیا!

نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتیں

ابو حفصؒ نے بتایا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھروں میں نماز (نفل) ادا کرنے کے حکم سے یہ توجیہہ کی ہے اور مزوریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے مسجد میں نمازِ مغرب کے بعد دو رکعتیں (سنت) پڑھیں وہ گناہ گار ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ابو ثور سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "وہ گناہ گار ہے"؛ تو انہوں نے جواب دیا شاید وہ اس مطلب پر اس وجہ سے پہنچے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ یہ سنتیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔
ابو حفصؒ کہتے ہیں کہ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گھروں میں فرض ادا کر لیے اور مسجد ترک کی تو بھی جائز ہوگا، اسی طرح سنتوں کا معاملہ ہے۔

اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ توجیہہ ٹھیک نہیں، بلکہ ان کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ سنتوں کے لیے کسی معین جگہ یا جماعت کی شرط نہیں ہے اس لئے انہیں گھر میں اور مسجد میں (ہر جگہ) پڑھنا جائز ہے۔

اور مغرب کی سنن میں دو باتیں سنت ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے اور مغرب (کے فرائض) کے درمیان کلام کر کے فعل نہ کرے اور حسن بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمدؒ کو دیکھا کہ جب انہوں نے مغرب کی نماز کے بعد سلام پھیرا تو کھڑے ہو گئے اور کوئی بات نہیں کی اور اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں کوئی نماز بھی نہیں پڑھی۔ ابو حفص بتاتے ہیں، اس کا سبب قول مکحول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد دو رکعت (سنت) کسی قسم کی بات کرنے سے قبل پڑھیں اس کی نماز علیین میں اٹھائی گئی اور (نیز) نوافل فرائض سے متصل ادا ہو جاتے ہیں۔

دوسری سنت یہ ہے کہ گھر میں (سنتوں) کو ادا کرے۔ امام نسائیؒ، ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ نے کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لائے، مغرب کی نماز پڑھی۔ آخر جب سب نے نماز پڑھ لی تو ان کو دیکھا کہ وہ نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ گھر کی نماز ہے۔ اسے ابن ماجہؒ نے رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ دو رکعتیں گھروں میں پڑھا کرو۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت علیہ یہ ہے کہ آپ نے تمام سنتیں اور نوافل گھر میں پڑھے جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں یاد رکھی ہیں۔ ظہر سے قبل دو رکعتیں اس کے بعد۔ اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے قبل۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعت میرے گھر میں پڑھا کرتے، پھر نکلتے تو لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر اندر تشریف لاتے، پھر دو رکعت پڑھتے۔ اور اس طرح فجر کی سنتوں کے متعلق آپ سے

منقول ہے کہ آپ انہیں اپنے گھر میں پڑھتے جیسا کہ حضرت حفصہؓ سے منقول ہے اور صحیحین میں ہے کہ حضرت حفصہؓ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد کی سنن اور اس سے پہلے کی نماز کے متعلق ان شاء اللہ جمعۃ المبارک کے مسنون طریقہ (ہدیہ فی الجمعۃ) میں بحث کی جائے گی۔

سنتیں گھر میں پڑھنی چاہئیں

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق ہے۔ اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ کیونکہ فرض کے علاوہ انسان کی سب سے بہتر نماز اپنے گھر میں ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ ہے کہ آپ سنن ونوافل گھر میں پڑھتے۔ ہاں اگر کوئی سبب ہو جاتا تو دوسری بات تھی، جیسے آپؐ کی سنت یہ ہے کہ آپ کے فرائض مسجد میں ادا ہوتے۔ ہاں کوئی سفر یا مرض یا اس کے علاوہ مسجد میں جانے سے روک دینے والی کوئی رکاوٹ پیش آ جاتی تو الگ بات تھی، فجر کی سنتوں کے متعلق آپ کی حفاظت اور تسلسل تمام نوافل سے زیادہ سخت تر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سفر و حضر میں انہیں اور وتروں کو ترک نہ کرتے اور سفر میں بھی آپ صبح کی سنت اور وتر پر باقی تمام سنن کی نسبت زیادہ تر سختی سے پابندی کرتے اور سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسری سنن راتبہ پڑھی ہوں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا وہ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے۔ یہ آپ کی سنتِ طیبہ تھی، اگرچہ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ آپ تربع نہ فرماتے، لیکن بہرحال انہوں (ان کے علاوہ) سنتیں نہیں پڑھیں۔ ہاں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق ثابت ہے کہ ان سے ظہر کی سنتوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا، اگر میں عبادت کر رہا ہوں گا تو انہیں (سنتوں کو) پورا کروں گا اور یہ حضرت ابن عمرؓ کے ورع (تقویٰ) کا معاملہ ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رباعیہ (چار رکعتوں والی) نماز میں سے بھی ایک حصّہ کی تخفیف فرما دی تو اگر ان سے پہلے یا بعد دو رکعتیں شروع ہوں گی تو انہیں پوری کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ فجر کی سنتوں اور وتروں میں کونسی (نماز) زیادہ ضروری ہے (اس کے متعلق) دو قول ہیں اور فقہاء کے اختلاف کے باعث وجوب وتر میں کسی سمت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ یہی معاملہ فجر کی سنتوں کے وجوب کے متعلق ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سنا وہ فرماتے تھے، فجر کی سنن (دن بھر کے) کام کے آغاز کے قائم مقام ہیں اور وتر اس کا انجام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فجر کی سنتوں اور وتروں میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے اور یہ سورتیں توحید اور اس کے علم و عمل، معرفت و ارادہ اور اعتقاد و قصد پر مشتمل ہیں۔

سورۂ اخلاص کے خصائص اس طرح کہ سورۃ اخلاص اعتقاد و معرفت کے لحاظ سے توحید کے متضمن ہے اور پروردگار کی ایسی توحید پر مشتمل ہے جو ہر طرح سے شرک کے منافی ہے اور الہی صمدیت (پر مشتمل ہے) جو تمام صفات کمال اسی طرف منسوب کرتی ہے، جس میں کسی طرح بھی کوئی نقص نہیں پایا جاتا اور اب وابنیت (باپ یا لڑکا) کی نفی کرتی ہے۔ یہی وہ صفات ہیں کہ جو صمدیت اور توحید کے لوازم میں سے ہیں اور کفوی کی نفی کرتی ہیں، تاکہ تشبیہ، مماثلت اور نظیر کی نفی ہوجائے تو یہ سورۃ اس (مضمون) پر مشتمل ہے کہ ہر کمال اسی کیلئے ثابت ہے۔ ہر نقص سے وہ بری ہے۔ اس کے کمال میں تشبہ و مماثلت ناممکن ہے اور اس کا شریک مطلقاً کوئی نہیں ہے یہی وہ اصول ہیں جو توحید علمی و اعتقادی کا مجموعہ ہیں کہ جن پر اعتقاد رکھنے والا تمام گمراہ اور مشرک فرقوں سے ممتاز ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ سورۃ قرآن کے تیسرے حصہ کے برابر درجہ رکھتی ہے کیونکہ قرآن میں یا خبر ہے یا انشاء اور انشاء میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ (۱) امر (۲) نہی اور (۳) اباحت اور خبر کی دو قسمیں ہیں۔ خالق تعالیٰ کی اطلاع دینا، اس کے اسماء و صفات و احکام کی خبر دینا نیز، اس کی مخلوق کی خبر دینا تو سورۂ اخلاص محض اس کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کی خبر پر مشتمل ہے۔ اس وجہ سے یہ سورۂ ثلث قرآن کے برابر ہے اور اس کا پڑھنے والا جب کہ اس کا اس پر ایمان بھی ہو۔ عملی طور پر شرک سے بری ہوجاتا ہے۔ جس طرح کہ سورہ کافرون شرک عملی و ارادی و مقصدی سے انسان کو الگ کردیتی ہے اور علم جب کہ عمل سے پہلے اور اس کا قائد و امام و رہنما اور اس کا حاکم (بلکہ) اس کو اس کے مقامات پر اتارنے والا ہو۔

تو گویا وہ سورہ (یعنی قل ھو اللہ احد) ثلث قرآن کے برابر ہو گئی۔

سورۂ کافرون کے خصائص

اور قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْن ربع قرآن کے برابر ہوئی حاکم نے انسے مستدرک میں روایت کیا اور بتایا کہ یہ صحیح السند ہے۔

اور جب شرک عملی وارادی اپنی خواہشات کی اتباع کے باعث لوگوں پر غالب ہو جائے اور اکثر لوگ باوجود اس کی مضرت و بطلان سے واقف ہونے کے اس کے مرتکب ہو جائیں کیونکہ اس میں ان کی ذاتی اغراض پائی جاتی ہیں تو پھر اس کو اکھاڑنا اور زائل کرنا شرک عملی کے زائل کرنے سے زیادہ مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر شرک علمی، تو علم استدلال سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مؤخر صورت کی حالت میں انسان کے لیے نا ممکن ہے۔ کہ وہ (خواہ مخواہ) ہی ایک خلاف واقعہ بات کو صحیح سمجھتا رہے۔ بخلاف شرک ارادی و مقصدی کے کہ محض غلبہ ہوئی اور اپنے آپ پر غلبہ، شہوت و غضب کے باعث اس کا مرتکب یہ کام کرتا ہے، حالانکہ اس کا علم اس کے بطلان و مضرت سے اسے آگاہی بھی کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ "الکافرون" میں شرک عملی کو دور کرنے کے سلسلہ میں تاکید و تکرار کے ساتھ وہ احکامات آئے ہیں۔ جو قل ہو اللہ احد میں نہیں ملتے۔

اب جبکہ قرآن کے دو حصے ہیں کہ ایک حصہ دنیا اس کے احکامات و متعلقات اور افعال مکلفین وغیرہ کے احوال واقعیہ پر مشتمل ہے اور دوسرے میں آخرت اور اس کے احوال واقعیہ پائے جاتے ہیں۔

اور سورۃ اذا زلزلت ابتدا سے انتہا تک اسی (دوسرے) پر مشتمل ہے۔ یعنی اس میں آخرت کے سوا کچھ نہیں بتایا گیا اور اس میں احوالِ دنیا سے مکلفین کے متعلق کوئی بات نہیں ملتی۔ تو یہ نصف قرآن کے برابر ہے۔

اس روایت کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے اور یہی باعث ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کو طواف کی دو رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے اور چونکہ یہ دو سورتیں اخلاص و توحید کی ہیں اس لیے آپ دن کے کام کا آغاز بھی انہیں سے کرتے اور اختتام بھی انہی پر فرماتے اور صبح میں بھی انہیں پڑھتے جو کہ توحید کا (ایک عظیم) شعار ہے۔

تہجد اور وتر

وتر کب؟ کس طرح؟ کس تعداد میں؟ اور کیونکر؟

سنّت فجر کے بعد استراحت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہی ثابت ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی صبح کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تو اُسے چاہیے کہ اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جائے۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث، حسن صحیح غریب ہے۔ اور ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ باطل ہے اور صحیح نہیں ہے۔ صحیح طور پر آپ سے یہ فعل تو بیشک مروی ہے لیکن امر قطعاً مروی نہیں ہے۔

اور روایات امر میں عبدالواحد بن زیادہ متفرد ہے اور اس میں اس نے غلط بیانی کی ہے۔

رہے ابن حزمؒ اور ان کے متبعین تو وہ اس طرح لیٹنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور ابن حزمؒ بتاتے ہیں کہ اس روایت کی بناء پر جو آدمی اضطجاع (لیٹنا) نہ کرے اس کی نماز باطل ہے اس مسئلہ میں وہ دیگر ائمہ سے متفرد ہیں اور میں نے ان کے ایک شاگرد کی کتاب دیکھی کہ جس میں انہوں نے ایوب سے اور انہوں نے ابن سیرینؒ سے روایت کیا کہ ابوموسیٰؓ رافع بن خدیج اور انسؓ بن مالک صبح کی سنتوں کے بعد لیٹا کرتے تھے اور اس بات کا حکم بھی دیتے تھے اور معمر سے منقول ہے کہ انہوں نے ایوب سے اور انہوں نے

نافع سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمرؓ یہ فعل نہ کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بس سلام پھیر دینا ہی کافی ہے اور ابن جریج سے منقول ہے کہ مجھے اس نے اطلاع دی، جس کی میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سنّت کی وجہ سے نہ لیٹتے تھے، بلکہ آپ رات میں بہت محنت کرتے اس لیے آرام فرماتے۔

ابن ابی شیبہ سے ابو صدیق نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک جماعت کو کہ وہ فجر کی دو رکعت (سنن) کے بعد لیٹ گئے۔ ان کی طرف بھیجا اور انہیں اس بات سے روک دیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس طرح سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت (ابن عمرؓ) نے فرمایا۔ ان کی طرف جاؤ اور انہیں خبر کر دو کہ یہ بدعت ہے اور ابو مجلز کہتے ہیں۔

وہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے ساتھ شیطان کھیل رہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے (مزید) فرمایا کیا بات ہے کہ ایک آدمی جب دو رکعتیں پڑھتا ہے تو حمار کی طرح لیٹ جاتا ہے۔ چنانچہ دو گروہوں نے اس اضطجاع میں غلو کیا ہے اور تیسرے گروہ نے اعتدال سے کام لیا ہے۔ اہلِ ظاہر کی ایک جماعت نے اس کو واجب قرار دیا ہے اور ابن حزم اور ان کے موافقین نے اس کے ترک کرنے پر نماز کو باطل قرار دیا ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے اسے مکروہ سمجھا اور اسے بدعت قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ وغیرہ نے اس میں اعتدال سے کام لیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ جو استراحت کی خاطر ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں اور جو سنت سمجھ کر کرے تو یہ مکروہ ہے۔

کیا سنّت فجر کے بعد استراحت مستحب ہے؟

ایک جماعت نے اسے مطلقاً مستحب قرار دیا ہے۔ خواہ اس سے استراحت مطلوب ہو یا نہ ہو یہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حجت لیتے ہیں اور جنہوں نے اسے مکروہ کہا ہے۔ انہوں نے صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کے آثار سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس شخص کو کنکر مارتے جو ایسا کرتا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں، جنہوں نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فعل کیا بھی ہے۔ ان کے نزدیک صحیح مسئلہ یہ

ہے کہ اضطجاع وتر کے بعد اور فجر کی سنتوں سے قبل تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں صراحت سے ذکر ہے۔ رہی حضرت عائشہ کی روایت تو علی بن شہاب نے اس باب میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے اس سے روایت کیا کہ جب آپ فارغ ہو جاتے یعنی رات کی نماز سے (فارغ ہو جاتے) تو دائیں کروٹ لیٹ جاتے، حتیٰ کہ موذن حاضر ہوتا تو آپ دو ہلکی سی رکعتیں ادا فرماتے۔ یہ اس بات کی صراحت ہے۔ کہ لیٹنا فجر کی سنتوں سے پہلے ہوتا۔ دوسروں نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے "کہ جب موذن فجر کی اذان دے چکتا اور آپ سپیدۂ سحر دیکھ لیتے اور موذن حاضر ہوتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور دو خفیف سی رکعتیں ادا فرماتے۔ پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ انہوں نے بتایا کہ جب اصحاب ابن شہاب باہم مختلف ہیں تو قول وہی درست ہوگا جو مالکؒ کا ہے۔ کیونکہ وہی ان میں سے

یاد رکھنے والے اور بات کو محفوظ رکھ لینے والے تھے۔

دوسروں کا قول ہے کہ صحیح مسلک ان لوگوں کا ہے جو امام مالکؒ سے اختلاف کرتے ہیں اور ابوبکر خطیب نے کہا ہے کہ مالکؒ نے زہریؒ سے اور انہوں نے عروہؓ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعت پڑھتے اور ایک رکعت ملا کر وتر ادا فرماتے، جب آپ فارغ ہو جاتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن حاضر ہوتا تو آپ دو خفیف سی رکعتیں ادا فرماتے اور عقیل، یونس، شعیب، ابن ذریب اور اوزاعیؒ وغیرہ نے امام مالکؒ سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے زہریؒ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتیں (سنت) ادا فرماتے۔ پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن حاضر ہوتا تو آپ اس کے ساتھ باہر تشریف لاتے۔ چنانچہ مالکؒ نے بتایا ہے کہ اضطجاع فجر کی دو سنتوں سے پہلے ہوتا تھا۔ ایک اور جماعت کی روایت ہے کہ آپ نے دو رکعت کے بعد اضطجاع (استراحت) فرمایا اس لیے علماء نے فیصلہ فرما دیا کہ امام مالکؒ سے اس باب میں غلطی ہوئی اور دوسروں نے درست بتایا۔

آں حضرت کا معمول اور ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے کہا کہ ابو صلت نے ابو کریب سے اور انہوں نے ابو سہیل سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کیا کہ آپ فجر کی دو (سنتوں) کے بعد لیٹ گئے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ وہ اسے رفع نہیں کرتے میں نے عرض کیا کہ اگر نہ لیٹے ہوں تو اس پر کوئی ہرج ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ یہ روایت حضرت عائشہ رضؓ کی نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔

اور جلال نے بتایا کہ ہمیں مروزی نے خبر دی ابو عبداللہ نے کہا ہے کہ ابوہریرہ رضؓ کی روایت وہ نہیں ہے میں نے کہا کہ اعمش سے ابو صالح سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالواحد تنہا ہی اس کے راوی ہیں اور ابراہیم بن حارث کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ سے فجر کی دو سنتوں کے بعد لیٹنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگے کہ میں یہ نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو ٹھیک ہے۔

اگر عبدالواحد بن زیاد کی روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی جو اس نے اعمش سے اور انہوں نے ابو صالح سے کی ہے تو ان کے نزدیک اس فعل کا مقام کم از کم مستحب تو ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح روایت کیا اور کبھی اس طرح روایت کیا۔ چنانچہ وہ کبھی اس طرح کر لیتے اور کبھی اس طرح کر لیتے، چنانچہ اس باب میں اختلاف نہیں بلکہ یہ مباحات میں سے ہے۔

آپ کے دائیں پہلو پر لیٹنے میں بھی ایک راز ہے، اور وہ یہ ہے کہ دل دائیں جانب معلق ہے پس جب آدمی بائیں کروٹ پر لیٹتا ہے تو اس کو بھرپور نیند آجاتی ہے، کیونکہ اسائش وراحت میں ہوتا ہے اس وجہ سے نیند خوب آجاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ دائیں کروٹ پر ہوتا ہے تو وہ پریشان سا ہو جاتا ہے اور دل کے قلق اور اپنے مقام کی طلب و مطالبہ کے باعث اُسے بھرپور نیند نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے بائیں کروٹ پر سونے کو پسند کیا ہے۔ تاکہ راحت مکمل ہو اور نیند خوب آئے اور صاحب شرعؐ نے دائیں کروٹ پر سونے کو پسند کیا ہے۔ تاکہ خوابِ خرگوش میں مبتلا نہ ہو جائے۔ کہ رات کی نماز سے

بھی محروم رہے۔ چنانچہ دایئں کروٹ پر سونا دل کے لیے زیادہ مفید ہے۔ اور بایئں کروٹ سونا بدن کے لئے زیادہ مفید ہے۔

نماز تہجد اور آں حضرتؐ کے معمولات

سلف و خلف نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا نماز تہجد آپ پر فرض تھی یا نہیں؟ دونوں گروہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے۔

ومن اللّيل فتهجّد به نافلة لك

"یعنی کچھ رات جاگنا رہ جو تیرے لیے مفید ہے"

ان کا خیال ہے کہ یہ (آیت) غیر واجب ہونے کی صراحت کرتی ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ اس سورۃ میں یاايها المزمل قم اللّيل الا قليلا۔ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے اور کوئی آیت اس کی ناسخ بھی نہیں رہی۔ (پہلی آیت میں) نافلة لك تو وہاں نافلة سے مراد زیادہ "ہے اور مطلقاً زیادہ (عبادت) کرنا تطوعات (نوافل) پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

ووهبنا له اسحاق ويعقوب نافلة

یعنی ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے

لڑکا دینے کے مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد میں نافلة کا مطلب اجر اور درجات میں زیادہ معنی رکھتا ہے۔ اس لئے آپ کو اس سے مختص (فرض) فرمایا، کیونکہ دوسروں کے لیے قیام لیل مباح ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے۔ رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیے ہیں آپ رفعت درجات اور زیادتی مراتب میں کوشش فرماتے ہیں۔ اور دوسری لغزشوں کے کفارہ کے طور پر عمل کرتے ہیں۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ (عبادت) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نافلة کا درجہ رکھتی ہے۔ (چونکہ) آپ کے تمام گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیے گئے ہیں تو گویا ان کی اطاعت نافلة یعنی ثواب میں زیادتی کا سبب بنتی ہے اور دوسروں کے لیے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔

ابن منذرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہمیں علی بن ابی عبیدہ نے بتایا اور انہیں حجاج

نے ابن جریج سے اور انہوں نے ابن کثیر سے اور انہوں نے مجاہد سے سماعت کی کہ فرائض کے علاوہ باقی نافلۃ ہیں۔ کیونکہ (فرائض) گناہوں کا کفارہ نہیں بنتے اور زیادتی درجات کے لیے دوسرے لوگوں کے لیے نوافل نہیں ہیں بلکہ یہ خصوصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور باقی تمام لوگ فرائض کے علاوہ گناہوں کے کفارہ کی خاطر نفلی عبادت کرتے ہیں۔ ہمیں محمد نے بتایا اور انہیں نصر نے اور انہیں عبداللہ نے اور انہیں عمرو نے اور ان کو سعید و قبیصہ نے انہیں سفیان نے، انہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے اور انہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہ اس آیۃ کریمہ کے بارے میں روایت یہ ہے کہ فتہجد بہ نافلۃ لک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے نافلۃ (زیادتی درجات وغیرہ) نہیں بنتی اور ضحاک رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خصوصیت سے نافلۃ ہے۔ سلیمان بن حیان نے ذکر کیا کہ ہمیں ابو غالب نے یہ سند امامۃ بتایا کہ جب تو نے وضو کے اعضاء کو ان کے مقام پر رکھ دیا تو نجات یافتہ ہو کر اٹھا، اب اگر تو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو یہ تیرے لیے فضیلت و اجر کا سبب ہے، اس پر ایک آدمی کہنے لگا،

اے ابو امامۃ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے تو یہ اس کے لیے نافلۃ (زیادتی درجات) کا باعث ہوگی؟

جواب دیا، نہیں بلکہ نافلۃ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگی۔ کسی اور کے لیے کیسے ہو سکتی ہے؟ جب کہ وہ گناہوں، خطاؤں میں ڈوبا ہوا ہے (ہاں) اس کے لیے فضیلت اور اجر کا سبب ضرور ہوگی۔

میں نے کہا کہ مقصود تو یہ ہے کہ آیت میں لفظ نافلۃ سے مراد وہ نہیں جس کا فعل و ترک مباح ہو جیسے مستحب و مندوب بلکہ اس سے مراد زیادتی درجات ہے اور یہ صفت فرائض و مستحبات میں قدر مشترک ہے۔ اس طرح "نافلۃ" کا قول امر وجوب فی التہجد کے منافی نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر میں قیام لیل (تہجد) ترک نہ فرماتے اور جب کبھی آپ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا یا تکلیف ہو جاتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے۔

کیا وتر کی قضاء کرنی چاہیے؟

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو اس دلیل کے متعلق فرماتے سنا کہ وتر اپنے محل سے قضا (فوت) ہو جانے کے بعد قضا نہیں ہوتی۔ اور یہ تحیۃ المسجد، نمازِ کسوف اور نمازِ استسقاء وغیرہ کی طرح ہے، کیونکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہو جیسے کہ دن کی آخری نماز مغرب ہوتی ہے اور جب رات ختم ہو جائے اور آدمی صبح کی نماز پڑھ لے تو وتر اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

ابو داؤدؒ اور ابن ماجہؒ، حضرت ابو سعید خدریؓ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، اگر کوئی وتر سے پہلے سو جائے یا بھول جائے تو جب صبح ہو یا یاد آجائے تو پڑھ لینا چاہیے۔

لیکن اس روایت میں کئی علل ہیں، ایک تو یہ کہ یہ عبد الرحمٰن بن زید اسلم کی روایت ہے۔ اور وہ ضعیف ہے۔ دوسرے صحیح بات یہ ہے کہ ان کی اپنے والد سے اور ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح یعنی مرسل ہے تیسرے ابن ماجہؒ نے ابو سعیدؓ کی حدیث بیان کرکے محمد بن یحییٰ سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح ہونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لو"

روایت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گیارہ یا تیرہ رکعت ہوتی تھی جیسا کہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیونکہ ان دونوں سے یہ ثابت ہے۔ نیز صحیحین میں (حضرت عائشہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور رمضان کے علاوہ بھی گیارہ سے زیادہ رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ نیز صحیحین میں انہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور ان میں پانچ کے ساتھ وتر کر لیتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے حضرت عائشہ سے پہلی روایت صحیح ہے۔ اور گیارہ سے زائد دو رکعتیں (دراصل) یہ فجر کی سنتیں ہیں۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) کو ملا کر تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے۔ اسے

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم رات کے وقت تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب فجر کی اذان سنتے تو دو خفیف رکعتیں پڑھتے۔ اور صحیحین میں قاسم بن محمد سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہ فرماتی تھیں کہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز دس رکعتیں ہوتیں اور ایک سجدہ (رکعت) سے وتر کرتے۔ پھر فجر کی دو رکعتیں پڑھتے تو یہ تیرہ رکعتیں بن گئیں۔ اس طرح یہ تفسیر واضح ہے۔

رہے حضرت ابن عباسؓ تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو حمزہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔ لیکن اس کی وضاحت اس طرح منقول ہے کہ یہ تعداد فجر کی دو رکعتیں (سنت) ملا کر بنتی ہے شعبیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ تیرہ رکعتیں، اس میں سے آٹھ (تہجد) کے نوافل) تین رکعتیں وتر اور دو رکعتیں فجر سے قبل کی سنتیں تھیں اور صحیحین میں کریب نے ان سے اپنی خالہ ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزارنے کے قصہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تیرہ رکعت نماز پڑھی۔ پھر سو گئے یہاں تک کہ آپ کے خراٹے کی آواز آنے لگی۔ آخر جب آپ کو محسوس ہوا کہ فجر ہو گئی تو آپ نے دو خفیف سی رکعتیں پڑھیں۔ ایک لفظ یہ ہے کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر دو رکعتیں پھر ایک (رکعت) ملا کر وتر پڑھے۔ پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن حاضر ہوا تو آپ اٹھے اور دو خفیف سی رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپؐ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے باہر تشریف لائے۔ اس طرح گیارہ رکعتوں پر (ائمہ) کا اتفاق ہو گیا اور آخری دو رکعتوں پر اختلاف رہا کہ آیا وہ فجر کی دو سنتیں تھیں یا ان کے علاوہ تھیں؟ اس طرح جب فرائض اور ان سنن راتبہ کو جمع کیا جائے۔ جن پر آپ مواظبت (دوام) کرتے تھے تو جو مجموعۂ رکعات بنتا ہے۔ یہ دن رات میں چالیس رکعتیں ہوتی ہیں۔

جن پر آپ مواظبت کیا کرتے تھے۔ سترہ فرائض اور دس یا بارہ سنن راتبہ اور گیارہ یا تیرہ تہجد کی رکعتیں ہوتی۔ اس طرح مجموعہ چالیس کا ہو گیا۔ اور جو ان سے زاید ہو تو غیر راتب (یعنی) عارضی (ہنگامی) ہوں گی، جیسے کہ نماز فتح آٹھ رکعتیں اور جب آپ سفر سے مراجعت فرما ہوتے تو نماز چاشت اور زیارت کے وقت کی نماز اور تحیۃ المسجد وغیرہ پس انسان کو چاہیے کہ وہ موت تک اس ورد پر قائم رہے اس لیے کہ جو شخص دن رات میں چالیس بار دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کس قدر سریع الاجابت ہوگا اور دروازہ (کس قدر) جلد کھل جائے گا اور اللہ سے ہی مدد کا سوال ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز شب، وتر اور ابتدائے تہجد کی نماز کا ذکر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب بھی عشاء کی نماز پڑھی اور اندر تشریف لائے تو چار یا چھ رکعتیں پڑھیں پھر آپ بستر پر تشریف لاتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب انہوں نے آپ کے پاس رات گزاری تو عشاء کی نماز پڑھی، پھر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سو گئے۔ ان دونوں کو ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور جب آپ بیدار ہوتے تو مسواک سے آغاز فرماتے پھر اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے اور بیدار ہوتے وقت جو کچھ آپ پڑھتے اس کے متعلق گزر چکا ہے۔ پھر آپ وضو فرماتے اور دو خفیف سی رکعتیں ادا کرتے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب رات کو اٹھتے تو دو خفیف سی رکعتوں سے ابتداء فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق آپ نے اسی بات کا حکم بھی دیا، فرمایا۔

جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے تو اسے چاہیے کہ دو خفیف رکعتوں سے ابتداء کرے (مسلم شریف)

اور جب رات آدھی گزر جاتی یا اس سے قبل یا اس کے بعد اٹھتے اور اکثر اوقات آپ اس وقت اٹھتے جب آواز دینے والے یعنی مرغ کی آواز سنتے اور وہ اکثر نصف ثانی (رات کے آخری نصف حصہ) میں آواز لگاتا اور کبھی تو آپ اپنا ورد منقطع کر دیتے اور کبھی مسلسل

جاری رکھتے اور یہی زیادہ تر ہوتا کہ آپ منقطع فرماتے جیسا کہ ابن عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزارنے کی روایت میں بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے تو مسواک کی اور وضو کیا۔ اور فرمایا۔

انّ فی خلق السّمٰوٰت والارض واختلاف الّیل والنّھار لاٰیٰت لاولی الالباب

یعنی "بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے نشان ہیں"

آپ نے یہ آیات پڑھیں۔ یہاں تک کہ سورہ ختم کی پھر کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام و رکوع و سجود طویل کیا۔ پھر فارغ ہو گئے اور سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹے کی آواز آنے لگی پھر آپ نے تین مرتبہ چھ رکعتوں میں اسی طرح کیا۔ ہر بار مسواک کرتے وضو فرماتے اور یہ آیات پڑھتے۔ پھر آپ نے تین وتر پڑھے، پھر موذن نے اذان دی اور آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور آپ دعا کر رہے تھے۔

اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی لسانی نوراً واجعل فی سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً واجعل من خلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل لی من فوقی نوراً ومن تحتی نوراً اللھم اعطنی نوراً۔

یعنی: "اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری زبان میں نور ڈال دے اور میرے کانوں میں نور ڈال دے اور میری آنکھوں میں نور ڈال دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے آگے نور (کر دے) اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور (کر دے) اور اے اللہ مجھے نور عطا فرما: (مسلم)

عائشہ کی روایت کو ابن عباس کی روایت پر ترجیح

اور حضرت ابن عباسؓ نے دو خفیف رکعتوں کے ساتھ افتتاح کا تذکرہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تذکرہ کیا ہے۔ اس لیے یا تو کبھی آپ اس طرح کرتے ہوں گے اور کبھی اُس طرح اور یا حضرت عائشہؓ نے وہ بات یاد رکھی جو حضرت ابن عباسؓ یاد نہ رکھ سکے اور یہی اظہر ہے کیونکہ وہی

(ام المومنین رضی اللہ عنہا) ہمیشہ مواظبت سے (آپ کو دیکھتیں) اور (اہتمام سے) آپ (کی سنّت طیبہ) پر ملاحظہ کرتیں۔ نیز آپ ہی تمام مخلوقات کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے قیام لیل سے آگاہ تھیں اور ابن عباسؓ نے تو محض اپنی خالہؓ کے ہاں ٹھہرنے سے رات کو مشاہدہ کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قیام لیل کے متعلق حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ میں اختلاف ہو تو حضرت عائشہؓ کا قول ہی (معتبر) تصوّر ہوگا۔ اور آپ کے قیام لیل اور وتر کی انواع پر تھے۔ ایک نوع یہ جو حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا۔

قسم ثانی جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا کہ آپ دو خفیف رکعتوں سے نماز کی ابتدا فرماتے پھر آپ اپنا ورد (نماز) گیارہ رکعتوں میں ختم کرتے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت کے ساتھ وتر کرتے۔

قسم سوم اسی طریقہ پر تیرہ رکعت تھیں۔

قسم چہارم یہ تھی کہ آپ آٹھ رکعتیں پڑھتے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔ پھر مسلسل پانچ رکعت پڑھتے۔ وتر کرتے اور صرف آخر میں (تشہد) کے لیے بیٹھتے۔

قسم پنجم، نو رکعت تھیں کہ جو آٹھ مسلسل پڑھتے اور صرف آٹھویں رکعت کے آخر میں بیٹھتے اور اللہ کا ذکر فرماتے، حمد کرتے اور دعا مانگتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے اور تشہد پڑھتے اور سلام پھیر دیتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے۔

قسم ششم یہ تھی کہ نو مذکورہ کی طرح سات رکعتیں پڑھتے۔ پھر اس کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔

قسم ہفتم یہ تھی کہ آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے اور (آخر میں، تین وتر ادا کرتے جن میں فصل) نہ ہوتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ تین وتر پڑھتے اور ان کے درمیان فصل نہ فرماتے اور نسائیؒ نے انہیں سے روایت کیا کہ آپ وتر کی نماز میں دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے۔ یہ مشاہدہ پر مبنی

سنّت ہے۔

وتر کے متعلق بعض دوسری روایات

ابوحاتم اور ابن حبانؒ (ہر دو صاحبان) نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، تین وتر نہ پڑھو بلکہ پانچ یا سات .... (رکعتوں) سے وتر کرو اور نماز مغرب سے تشابہ نہ کرو۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مُہنّا کہتے ہیں میں نے حضرت ابوعبداللہ سے دریافت کیا۔ وتر میں آپ کا مسلک تھا؟ کیا آپ دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے؟

انہوں نے جواب دیا ہاں!

میں نے پوچھا، کیوں؟

فرمایا دو رکعتوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث قوی اور کثرت سے ہیں۔ زہریؒ حضرت عروہؓ سے اور وہ عائشہؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا۔

اور حارث کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے وتر کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ دو رکعتوں پر سلام پھیرا جائے گا اور اگر سلام نہ پھیرے تو مجھے امید ہے کہ کوئی حرج نہیں ہوگا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے سلام پھیرنا ثابت ہے اور ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے دریافت کیا ہے۔

وتر میں آپ کس روایت کی طرف مائل ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ میں سب کی طرف مائل ہوں، جس نے پانچ رکعت پڑھیں اور صرف آخری رکعت پر بیٹھا اور جس نے سات رکعتیں پڑھیں اور صرف ان کے آخری رکعت پر بیٹھا، دونوں صحیح ہیں، زرارہ کی حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت یں ہے کہ آپ نو سے وتر کرتے اور آٹھویں (رکعت) پر بیٹھا کرتے۔ انہوں نے بتایا لیکن زیادہ مضبوط اور قوی روایت ایک رکعت والی ہے۔ اسی لئے میں اس پر عامل ہوں

میں نے عرض کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "کہ تین رکعتیں"
انہوں نے جواب دیا ہاں! (ابن مسعودؓ نے حضرت سعدؓ پر ایک رکعت کی وجہ سے اعتراض کیا تھا تو انہوں نے بھی جواب میں کچھ کہا تھا۔

قسم ہشتم: جو نسائیؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں نماز پڑھی تو رکوع کیا اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اس قدر (دیر تک) پڑھا جیسے کھڑے رہے پھر بیٹھ گئے آپؐ پڑھ رہے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ۔
یعنی "اے پروردگار مجھے بخش دے اے پروردگار مجھے بخش دے"
جتنی دیر کھڑے رہے یہی پڑھتے رہے۔ ابھی چار رکعت ہی پڑھی تھیں کہ حضرت بلالؓ حاضر ہوئے اور صبح کی نماز کے لیے بلانے لگے۔

آپؐ نے شروع رات، درمیان میں اور آخر میں بھی وتر پڑھے ہیں اور بعض اوقات رات بھر کھڑے رہے اور ایک ہی آیت کی تلاوت صبح تک بار بار کرتے رہے اور وہ آیت یہ تھی۔

ان تعذبھم فانھم عبادتك۔

یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں"
آپ کی رات کی نماز تین طرح ہوتی تھی ایک کھڑے ہو کر اور زیادہ تر یہی طریقہ تھا۔ دوسرے بیٹھ کر نماز پڑھتے اور رکوع بھی بیٹھ کر کرتے۔ تیسرے یہ کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے اور جب قرأۃ میں سے تھوڑا سا باقی رہ جاتا تو کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہو کر رکوع فرماتے۔ یہ تینوں صورتیں صحیح طور پر آپ سے منقول ہیں۔

ابوداؤد راوی کی تعدیل

رہا کھڑے ہونے کے موقع پر آپ کا بیٹھ جانا تو سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن شقیقؓ

سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے فرمایا۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تربع (بیٹھتی مار کر) نماز پڑھتے دیکھا
امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ ابوداؤد کے سوا کسی نے اسے روایت
کیا ہے اور ابوداؤد ثقہ راوی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ روایت غلط ہے
اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

قنوت کا مسئلہ

نماز میں قنوت کے وقت، طریقے اور دعا کا بیان

آٹھ رکعتیں پڑھنے کے بعد وتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ وتر کے بعد کبھی بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے اور کبھی دوران نماز میں تلاوت (قرآن) بیٹھ کر کرتے اور جب رکوع کرنا ہوتا تو کھڑے ہو جاتے اور جب رکوع کرتے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سلمہؓ سے روایت ہے، انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو ام المومنینؓ نے فرمایا آپ تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اوّل آٹھ رکعتیں پڑھتے پھر وتر پڑھتے۔ پھر بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کرتے۔ چنانچہ جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کر لیتے پھر آپ اذان اور اقامت کے درمیان نماز صبح کی دو رکعت (سنن) پڑھتے۔

مسند میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے دو خفیف سی رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے بھی حضرت عائشہ اور ابو امامہؓ وغیرہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی روایت کی ہے۔

مسند میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر دو رکعت وتر پڑھا کرتے تھے جن میں آپ اذا زلزلت اور قل یا ایھا الکافرون پڑھا کرتے

تعارض روایت اور حل اشکال

دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور اکثر لوگوں کو اس میں اشکال سا ہو گیا ہے اور انہوں نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "رات کی آخری نماز وتر بناؤ" کا معارض سمجھا ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان دو رکعتوں کا انکار کیا ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں "میں نہ یہ (دو رکعتیں) پڑھنا چاہتا ہوں اور نہ کسی کو پڑھنے سے منع کرتا ہوں اور بتایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کا انکار کیا ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ آپ نے یہ دو رکعتیں اس لیے پڑھیں تاکہ وتر کے بعد نماز کے جواز کا علم ہو جائے اور اگر یہ پڑھی گئی ہیں تو ان سے نفل نہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہ آپ کے اس فرمان پر محمول ہے "رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ"۔ (یعنی) مستحب یہ ہے اور ان کے بعد دو رکعتیں محض مباح (جائز) ہیں۔ اور انسب یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ دونوں رکعتیں سنتوں کی قائم مقام ہیں اور وتر کی تکمیل کرتی ہیں کیونکہ وتر مستقل عبادت ہے۔ خصوصاً جب کہ اسے واجب مانا جائے۔ پس وتر کے بعد دو رکعتیں مغرب کی سنتوں کے قائم مقام ہیں کیونکہ نماز مغرب دن کا وتر ہے اور یہ دو رکعتیں اس کی تکمیل کرتی ہیں سے اسی طرح رات کے وتر کے بعد دو رکعتوں کا معاملہ ہے۔

وتر میں قنوت پڑھنا چاہیے یا نہیں

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں کہ آپ نے وتر میں قنوت پڑھا ہو ہاں صرف ایک روایت ہے جو ابن ماجہؒ نے علی بن میمون سے اور انہوں نے محمد بن یزید سے اور انہوں نے سفیان سے اور انہوں نے زبیدیامی سے اور انہوں نے سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی سے اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے اور امام احمدؒ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کی روایت کے مطابق رکوع کے بعد قنوت کو اختیار کیا ہے (نیز) جو کچھ قنوت کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہی کچھ قنوت فجر سے متعلق بھی ہے۔ جب ایک رکوع سے سر اٹھا لیتے۔ آپ نے رکوع کے

بعد وتر کے قنوت کو اختیار کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے قنوت سے قبل یا بعد کچھ بھی منقول نہیں۔ اور جلال کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یحییٰ کمال نے بتایا کہ انہوں نے وتر بین قنوت کے بعد یا قبل اس سے متعلق ابو عبداللہ سے دریافت کیا کہ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ ایک سال سے دوسرے سال تک قنوت پڑھا کرتے تھے۔

وتر میں پڑھنے والے دعائیہ کلمات

امام احمدؒ اور اہل سنن حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کلمات سکھائے، جن کو میں وتر میں پڑھا کرتا ہوں۔

" اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شرما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انه لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت "

اور امام بیہقیؒ اور نسائیؒ نے یہ الفاظ بھی زائد لکھے ہیں۔

ولا یعز من عادیت۔

اور نسائیؒ نے ایک روایت پر مزید یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وصلی اللہ علی النبی۔

اور حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے سکھایا کہ جب میں سر اٹھالوں اور سجدہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے (تو یہ دعا پڑھوں) ابن حبانؒ نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا کہ وہ دعا پڑھتے تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی یہ روایت حسن ہے اسے ہم صرف اسی (یعنی) ابوحوراء سعدی کی سند سے جانتے ہیں اور اس کا نام ربیعہ بن شیبان ہے اور قنوت کے متعلق ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس سے زیادہ بہتر دعا نہیں جانتے۔

اور وتر میں دعائے قنوت حضرت عمرو بن مسعودؓ سے منقول ہے اور ان سے فجر کی نماز میں قنوت زیادہ صحت سے منقول ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قنوت وتر کی روایت سے زیادہ فجر کی قنوت کی روایت زیادہ صحت کے ساتھ منقول ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت وتر کے بارے میں

ابوداؤد و ترمذیؒ اور نسائیؒ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے آخر میں پڑھا کرتے تھے۔

برضاك ابن سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك۔

یعنی "اے اللہ میں تیری خفگی سے تیری رضا کی اور تیری سزا سے تیرے عفو کی پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری ثنا نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا فرمائی"۔

اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس سے قبل ہو یا بعد میں ہو اور نسائی سے ایک روایت میں ثابت ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے اور بستر پر جاتے تو یہ مذکورہ دعا پڑھا کرتے اس روایت میں ہے۔ لا احصي ثناء عليك ولو حرصت۔

نبی صلی اللہ سے ثابت ہے کہ آپ نے یہ سجدہ میں کہا ہے، شاید آپ نے یہ نماز میں یا فارغ ہونے کے بعد پڑھا ہو۔ حاکمؒ نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور وتر کے متعلق روایت کیا ہے پھر آپ نے وتر پڑھے۔ جب آپ نے نماز پڑھی تو میں نے سنا کہ آپ پڑھ رہے تھے:

اللهم اجعل في قلبي نورا وفي بصري نورا وفي سمعي نورا وعن يميني نورا وعن شمالي نورا وفوقي نورا وتحتي نورا وامامي نورا وخلفي نورا واجعل لي يوم لقائك نورا۔

یعنی: اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری آنکھوں میں نور ڈال دے اور میرے کانوں میں نور ڈال دے) اور میرے دائیں طرف نور کر دے

اور میرے بائیں جانب نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے سامنے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے اس دن نور کر دے جس دن تیری زیارت ہو۔

کریب اور سبع نے قنوت کے متعلق کہا ہے کہ میں اولادِ عباس میں ایک آدمی سے ملا تو اس نے مجھے بتایا، آپ یہ بھی فرماتے تھے۔

"لحمی ودمی وعصبی وشعری وبشری۔

یعنی "میرے گوشت اور میرے خون اور میرے پٹھے اور میرے بالوں اور میری جلد کو منور کر دے)

اور دو عادات ذکر کیں۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے اور وہ سجدہ میں پڑھا کرتے تھے" اور اس حدیث میں مسلم کی ایک روایت میں ہے" آپ نماز یعنی صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور آپ پڑھ رہے تھے"، پھر یہ دعائے (مذکورہ) نقل کی اور اس کی ایک روایت میں ہے

وفی لسانی نوراً واجعل فی نفسی نوراً واعظم لی نوراً۔

یعنی "اور میری زبان نور سے بھر دے اور مجھ میں نور پیدا کر دے اور میرے لیے نور زیادہ کر دے۔

ان کی ایک روایت میں ہے وجعلنی نوراً۔

یعنی "اور مجھے نور بنا دے"

اور ابوداؤدؒ و نسائیؒ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربك الاعلى اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ پڑھا کرتے۔ جب سلام پھیرتے تو تین بار یہ دعا پڑھتے سبحان الملك القدوس تیسری مرتبہ آپ آواز کھینچ کر پڑھتے اور بلند کر لیتے۔ یہ نسائیؒ کے الفاظ ہیں۔ دار قطنیؒ نے مزید کہا ہے: رب الملائكة والروح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قطع کر لیتے اور ہر آیت پر ٹھہر جاتے۔ اس طرح آپ پڑھتے الحمد للہ رب العلمین اور ٹھہر جاتے پھر الرحمن الرحیم اور وقف کرتے پھر مالك یوم الدین....

تلاوتِ قرآنِ کریم

کتاب اللہ کی تلاوت و قرأت کے آداب

امام زہری کی روایت زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت ایک ایک آیت (کے وقفہ) سے ہوتی تھی۔

اگرچہ (آیت) کا تعلق مابعد سے کیوں نہ ہو، پھر بھی (آیات کے آخر میں وقف کرنا افضل ہے اور بعض قراء کا یہ خیال ہے آیات کے آخر میں وقوف کے موقع پر اغراض و مقاصد (آیات) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقہ کا لحاظ رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ امام بیہقی اور دوسرے (محدثین) نے شعب الایمان میں لکھا ہے:

"آیت کے آخر میں وقف کو ترجیح ہے۔ اگرچہ آیت کا مابعد سے تعلق کیوں نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ترتیل سے سورۃ پڑھا کرتے یہاں تک کہ وہ بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو اور لگا ہے) ایک ہی آیت کو صبح تک بار بار پڑھتے رہتے اور لوگوں نے ترتیل اور کم پڑھنا یا جلدی اور زیادہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے کہ دونوں میں کونسی صورت افضل ہے۔ چنانچہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا خیال ہے کہ ترتیل و تدبر کے ساتھ کم پڑھنا جلدی اور کثرتِ تلاوت سے بہتر ہے اور اس مسلک کے حضرات نے استدلال کیا ہے کہ تلاوت کا مقصود تو فہم و تدبر و تفقہ ہے اور اسی پر عمل کرنا، اس کی تلاوت کرنا اور (اسے یاد کرنا مطالب کا ذریعہ ہے جیسا کہ سلف نے فرمایا ہے کہ قرآن عمل کے لیے نازل کیا گیا اس لیے اس کی تلاوت کو عمل سمجھو۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ قرآن اس کے عالم بھی تھے اور جو اس میں (احکامات) ہیں ان پر عامل بھی تھے۔ اگرچہ

زبانی یاد نہ کیا ہو لیکن جس نے اُسے زبانی یاد کیا اور نہ اُسے سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا تو وہ اہل (قرآن) میں سے نہیں۔ اگرچہ وہ کھٹا کھٹ (زبانی) پڑھ سکتا ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ:۔

ایمان سب سے افضل عمل ہے اور فہم قرآن اور تدبر قرآن ہی ایمان کا ثمر نورس ہے۔

بغیر سمجھے ہوئے تلاوت قرآن کی مثال

رہا یہ کہ فہم و تدبّر کے بغیر صرف تلاوت کرنا تو اس کام کو تو نیک و بد اور مومن و منافق سب کر رہے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ نے فرمایا کہ منافق کی مثال جو قرآن پڑھ رہا ہو ایسی ہے کہ جیسے ریحان (پھول) کہ اس کی خوشبو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

اس باب میں لوگوں کے چار طبقات ہیں۔

۱۔ اہل قرآن و ایمان یہ سب سے افضل طبقہ ہے۔

۲۔ جو قرآن و ایمان سے محروم ہے۔

۳۔ جسے قرآن تو ملا لیکن ایمان نہ ملا۔

۴۔ جسے ایمان ملا لیکن قرآن نہ ملا۔

ان کا کہنا ہے کہ جسے ایمان بغیر قرآن کے ملا وہ اس سے افضل ہے۔ جسے قرآن ملا لیکن ایمان نہ ملا۔ ایسے ہی جسے تلاوت میں فہم و تدبر نصیب ہوا وہ اس سے افضل ہے جو بغیر تدبر کے کثرت اور تیزی سے تلاوت کرتا ہے۔ ان کا فرمان ہے کہ:

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے کیونکہ آپ ترتیل سے تلاوت فرماتے۔ یہاں تک کہ سورت طویل سے طویل ہو جاتی اور صبح تک ایک ایک آیت پر کھڑے رہتے۔

اصحاب شافعی کی روایت کے بارے میں

اور اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ کثرت تلاوت افضل ہے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ میں سے ایک حرف پڑھا تو اس کے بدلے ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا

الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (روایت ترمذیؒ) اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ترتیل و تدبر سے تلاوت کرنا نہایت افضل اور بہتر ہے اور کثرت تلاوت کا ثواب مقدار میں زیادہ ہے۔ چنانچہ پہلے کی مثال یوں ہے کہ جیسے کسی نے ایک بڑی چیز کا صدقہ کیا یا کسی نے غلام آزاد کیا کہ جس کی قیمت بہت زیادہ تھی اور دوسرے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے بہت سے دراہم صدقہ کیے یا چند غلام آزاد کیے کہ جن کی (فرداً فرداً) قیمت کم تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انسؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔

تلاوت جسے کان سنیں اور دل محفوظ کرے

شعبہؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو جمرہؓ نے بتلایا کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ میں جلدی پڑھنے کا عادی ہوں اور بسا اوقات میں ایک رات میں ایک یا دو قرآت ختم کرتا ہوں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں ایک سورۃ پڑھوں بجائے اس کے کہ جو تم کرتے ہو، اس لیے اگر تم ضرور یہ کرنا چاہتے ہو تو ایسی تلاوت کرو کہ جسے تمہارے کان سنیں اور دل محفوظ کرے۔

ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کے سامنے تلاوت کی تو ان کی آواز بہت اچھی تھی تو (ابن مسعودؓ) نے فرمایا، تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں ترتیل سے پڑھو، کیونکہ یہ قرآن مجید کی زینت ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کو شعر کی طرح نہ گاؤ اور نہ فضول نثر کی طرح پڑھو۔ اور عجائب (قرآن) پر وقف کرو۔ اس سے قلوب کو حرکت دو اور تمہارا مقصد محض سورۃ کے خاتمہ پر پہنچنا نہ بن جائے۔

قرآن سنو تو گوش ہوش سے

عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی ، اے ایمان والو..... تم گوشِ ہوش سے سنو کیوں کہ یا تمہیں نیکی کا حکم ہوگا اور یا برائی سے منع کیا جائے گا اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا، میں سورہ ہود پڑھ رہا تھا وہ کہنے لگی ، اے عبدالرحمٰن تو اس طرح سورہ ہود پڑھ رہا ہے؟ خدا کی قسم میں تو چھ ماہ سے لگی ہوں لیکن ابھی تک اس کی تلاوت سے فارغ نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں کبھی تو آہستہ سے تلاوت فرماتے اور کبھی جہر سے تلاوت فرماتے، کبھی طویل قیام فرماتے اور کبھی قیام میں تخفیف فرماتے[1] زیادہ تر آپ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھتے اور کبھی کبھی پہلے یا درمیانی حصہ میں وتر ادا کر لیتے اور سفر میں آپ شب و روز سواری پر نفل پڑھتے۔ جدھر آپ کا رخ ہوتا اسی طرف پڑھتے[2]۔ آپ اشارہ سے رکوع و سجود کرتے اور رکوع سے سجدہ زیادہ جھک کر کرتے۔

امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ کرتے تو قبلہ رخ ہو جاتے اور نماز کے لیے تکبیر کہتے۔ پھر اپنی سواری کو آزاد چھوڑ دیتے اس کے بعد سواری کا جس طرف بھی رُخ ہوتا نماز پڑھتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ سے روایت کا اختلاف ہے۔ دونوں روایتوں کی بناء پر سوال یہ ہے کہ آیا جب وہ قادر ہو تو ایسا کرے یا نہ کرے؟

---

[1] دونوں طرح جائز ہے۔ حسب سہولت و ضرورت آدمی جس طریقہ پر چاہے عمل کرے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اسے فقہی اصطلاح میں تحری کہتے ہیں، سواری کا رُخ کسی طرف بھی ہو قبلہ کے رُخ کی نیت کرے پھر نماز صحیح ہوگی۔ (رئیس احمد جعفری)

نماز سواری کی حالت میں

جب نماز کے اندر گھوم کر قبلہ رخ ہونا ممکن ہو، مثلاً وہ محمل میں یا کمرے میں یا اس جیسی کسی (جگہ) میں ہو تو اس کو قبلہ رُخ ضروری ہے کیونکہ اس کے لیے گھوم جانا ممکن ہے (بخلاف) سواری کے یا چار پائے کے کہ اس کے لئے ایسا کرنا ناممکن ہے اور ابو طالب نے ان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔ محمل میں گھوم جانا بہت مشکل نہ ہوتا ہے اس لیے جدھر رُخ ہو نماز پڑھے اور محمل میں سجدہ کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ ان کے لڑکے حضرت عبداللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر محمل ہو اور محمل میں سجدہ کرنا ممکن ہو تو سجدہ کرلے۔ میمون اُن سے روایت کرتے ہیں کہ جب محمل میں نماز پڑھے تو میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ سجدہ کرے کیونکہ (محمل میں کرنا) ممکن ہے اور فضل بن زیاد نے ان سے روایت کیا کہ اگر محمل میں سجدہ ہو سکتا ہو تو کرے اور جعفر بن محمد نے ان سے نقل کیا کہ جب محمل میں ہو تو بلند جگہ پر سجدہ کرے اور بسا اوقات آپ نے اُونٹ پر تکیہ لگایا بلکہ اشارے سے ہی پڑھتے رہے اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھک کر ادا کرتے رہے۔ اسے ابو داؤد نے آپ سے نقل کیا ہے۔

نماز چاشت

نماز چاشت مسنون ہے یا مستحب یا مباح یا کچھ نہیں

آں حضرت صلعم کا عمل

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے کبھی نہیں دیکھا!

بیکن میں پڑھتی ہوں اور مواقق عجلی کی روایت میں منقول ہے کہ میں نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نماز چاشت پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! میں نے کہا اور ابوبکرؓ؟ فرمایا، نہیں وہ بھی نہیں" میں نے عرض کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم؟ فرمایا نہیں وہ بھی نہیں۔ ان کا کوئی بھائی (مساوی) نہیں۔

ابن ابی لیلی سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا ہو۔ سوائے ام ہانیؓ کے کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں میں نے کوئی نماز اس سے ہلکی نہیں دیکھی۔ ہاں آپ صرف رکوع اور سجود مکمل کر رہے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن شفیق سے منقول ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا کہ نہیں! ہاں اگر آپ سفر سے تشریف لاتے (تو پڑھتے) میں نے عرض سے

کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سورتوں کے درمیان اقتران فرماتے تھے ؟ فرمایا ہاں، مفصل میں ایسا کرتے ۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت کی چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا بڑھا دیتے۔

فتح مکہ کے دن آپ نے چاشت پڑھی

صحیحین میں حضرت امّ ہانیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلّم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعت نماز پڑھی اور یہ نمازِ چاشت تھی اور حاکمؒ نے مستدرک میں بتایا کہ ہمیں اصمؒ نے اور انہیں صغانیؒ نے اور انہیں ابن ابی مریم نے اور انہیں بکر بن مضر نے اور انہیں عمر بن حرث نے بتایا اور انہوں نے بکر بن الشبح سے اور انہیں ضحاکؒ سے اور انہوں نے عبداللہؓ سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی انہوں نے بتایا :

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ایک سفر میں آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھتے دیکھا ۔ جب آپ فارغ ہو گئے تو فرمایا : میں نے امید و خوف کی نماز پڑھی اور میں نے اپنے پروردگار سے تین چیزوں کا سوال کیا اس نے مجھے دو عطا فرمائیں اور ایک روک دی ، میں نے عرض کیا کہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کیجیو ، تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا اور میں نے سوال کیا کہ ان پر کوئی دشمن مسلط نہ ہو تو یہ بھی قبول فرما لیا اور میں نے سوال کیا کہ ان میں تفرقہ پیدا نہ ہو تو یہ قبول نہ ہوا۔

نماز چاشت میں آپ کیا پڑھتے تھے؟

حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے میں کہتا ہوں کہ ضحاکؒ بن عبداللہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ کون ہے ؟ اور اس کی حالتِ اعتماد کیسی ہے ؟ حاکمؒ نے اپنی کتاب فضل الضحیٰ میں لکھا ہے ۔ کہ ہمیں ابو بکر فقیہ نے اور انہیں بشر بن یحییٰ نے انہیں محمد بن صالح ودلاتی نے انہیں خالد بن عبداللہ بن حصین نے بتایا اور انہیں ہلال بن سیاف سے اور انہیں زاذان سے اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت پہنچی کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی پھر پڑھا۔

اللھم اغفرلی وارحمنی وتب علیّ انک انت التواب الرحیم الغفور۔

یعنی "اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور میری توبہ قبول فرما، بیشک تو ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا بخشنے والا ہے"

یہاں تک کہ آپ نے ایک سو مرتبہ یہی دعا پڑھی۔

ہمیں ابو عباس اصم انہیں اسد بن عاصم نے انہیں حصین بن حفص نے بتایا انہیں سفیان سے انہیں عمر بن ذر سے اور انہیں حضرت مجاہدؒ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز چاشت دو رکعت اور چار رکعت اور چھ اور آٹھ پڑھی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں ابو سعید مولیٰ بن ہاشم نے انہیں عثمان بن عبد الملک عمری نے انہیں عائشہ بنت سعد نے بتایا انہیں حضرت ام درۃ نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا وہ فرماتی تھیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو صرف چار رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا۔ نیز حاکم فرماتے ہیں ہمیں ابو احمد بکر بن محمد مروزی نے انہیں ابو قلابہ نے انہیں ابو ولید نے انہیں ابو عوانہ نے بتایا کہ انہیں حصین بن عبد الرحمٰن سے انہیں عمرو بن مرۃ سے انہیں عمارۃ بن عمیر سے انہیں ابن جبیر بن مطعم سے انہیں اپنے والد بزرگوار سے روایت پہنچی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا نیز حاکم فرماتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن محمد نے انہیں محمد بن عدی بن کامل نے انہیں وہب بن بقیہ واسطی نے انہیں خالد بن عبد اللہ نے بتایا کہ انہیں محمد قیس سے انہیں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے چھ رکعت نماز پڑھی۔ پھر حاکمؒ نے اسحٰق بن بشر محاملی سے روایت کی ہے کہ انہیں عیسیٰ بن موسیٰ نے بتایا کہ انہیں جابر بن صبیح سے، انہیں مسلم بن صبیح سے، انہیں عمر بن صبیح سے انہیں مقاتل بن حبان سے انہیں مسروق سے انہیں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت پہنچی ان دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت میں بارہ

رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور طویل روایت ذکر کی ہے حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو احمد بکر بن محمد صراف نے بتایا کہ انہیں ابو قلابہ رقاشی نے انہیں ابو ولید نے انہیں شعبہ نے بتایا۔ انہیں ابو اسحاق سے انہیں عاصم بن حمزہ سے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت پڑھتے تھے۔۔ یہی خیال ابو الولید کا ہے انہیں ابو عوانہ نے بتایا کہ انہیں حصین بن عبدالرحمٰن سے انہیں عمرو بن مرۃ سے انہیں عمارۃ عمیر عبدی سے انہیں ابن جبیر بن مطعم سے انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا۔

نماز چاشت کے بارے میں صحابہ کی شہادت

حاکمؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مردوں میں سے حضرت ابو سعید خدریؓ، ابو ذر غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، ابو ہریرہؓ، بریدہؓ اسلمی، ابو الدرداءؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ عتبان بن مالکؓ، انسؓ بن مالک، عتبہ بن عبداللہ سلمی، نعیم بن ہمار غطفانی اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہم ہیں اور عورتوں میں سے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ، ام ہانی اور ام سلمہؓ رضی اللہ عنہم ہیں ان سب نے گواہی دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

ان روایات میں اسناد پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اچنانچہ فعل کی روایت کو ترکِ (صلوٰۃ) پر ترجیح دی گئی، کیونکہ اثبات کرنے والی روایات میں معلومات کثرت سے ہیں جو نفی کرنے والے پر مخفی رہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ اکثریت کے پاس موجود نہ رہے اور قلیل جماعت کے پاس پایا جائے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ، انسؓ، جابرؓ، ام ہانیؓ اور علی بن ابی طالبؓ نے خبر دی ہے کہ آپ نے یہ (نمازِ چاشت) پڑھی ہے اور مندرجہ ذیل احادیث اس کی تائید کرتی ہیں، جن میں اس کی وصیت اور اس نماز کے تحفظ نیز اس پر عامل کی مدح و ثناء ملتی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ میرے خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ ہر ماہ تین دن

کے روزے رکھوں اور دو رکعت نماز چاشت (پڑھوں) اور سونے سے قبل وتر ادا کروں صحیح مسلم میں اسی طرح حضرت ابوالدرداءؓ سے منقول ہے اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً منقول ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔

تم میں سے ہر آدمی پر صدقہ واجب ہے۔ چنانچہ ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر حمد صدقہ ہے، ہر تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه) صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اور نماز چاشت کی دو رکعت ان سب کی طرف سے کافی ہیں۔

نماز چاشت کی برکت وفضیلت و اجر

اور مسند امام احمدؒ میں حضرت معاذ بن انس جہنی سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جائے نماز پر ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ نماز چاشت کی دو رکعتیں پڑھے اور صرف اچھی بات منہ سے نکالے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے گا چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

ترمذیؒ، سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے نماز چاشت کی حفاظت کی اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں اور مسند اور سنن میں نعیمؒ بن حماد سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے اولادِ آدم دن کے آغاز میں چار رکعتوں سے عاجز نہ آنا۔ میں (دن کے) آخر تک تجھے کافی ہوں گا اور ترمذیؒ نے حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوذرؓ سے اور جامع ترمذیؒ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:-

"جس نے نماز چاشت کی بارہ رکعتیں ادا کیں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا ایک محل بنادے گا۔

مسجد قبا میں نماز چاشت

اور صحیح مسلم میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد قباء میں ایک جماعت کو نماز چاشت ادا کرتے دیکھا تو فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں کہ اس گھڑی کے علاوہ دوسرے وقت میں نماز زیادہ افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز اوابین اس وقت ہے جب کہ حرارت تیز ہو جائے اور "ترمض الفصال" کا مطلب ہے کہ دن کی حرارت سخت تر ہو جائے۔ یہاں تک کہ جسم میں دوپہر کی گرمی محسوس ہونے لگے اور صحیح (روایت) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان رضی اللہ عنہ بن مالک کے گھر میں دو رکعت نماز چاشت پڑھی اور مستدرک حاکم میں خالد بن عبداللہ واسطی سے اور انہیں محمد بن عمر سے اور انہیں ابو سلمہ سے اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نماز چاشت کی حفاظت صرف اوّاب (اللہ کی طرف رجوع کرنے والے) ہی کیا کرتے ہیں"

اور بتلایا کہ مسلم بن حجاج کی طرح یہ سند بھی قابل استدلال ہے اور انہوں نے اپنے شیوخ سے اور انہیں محمد بن عمر سے انہیں ابو سلمہ سے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا اتنا (تاکیدی) حکم نہیں فرمایا جتنا ایک نبی کو قرآن مجید اچھے انداز سے تلاوت کا حکم فرمایا اور بتایا کہ شاید کہنے والے نے کہا کہ یہ حماد بن سلمۃ اور عبدالعزیز بن محمد دراوری سے اور انہیں محمد بن عمر سے مرسل روایت پہنچی۔ چنانچہ خالد بن عبداللہ ثقہ راوی ہے اور ثقہ کی زائد (صفت) (قبولیت کا سبب) ہوتی ہے۔ پھر حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا، انہیں عبدان بن یزید نے انہیں محمد بن مغیرہ سکری نے، انہیں قاسم بن حکم عرنی نے، انہیں سلیمان بن داؤد یمامی نے انہیں یحیٰی بن ابی کثیر نے بتلایا اور انہیں ابو سلمۃ سے اور انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنت میں ایک دروازہ ہے، جسے باب الضحیٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ جب قیامت قائم ہوگی۔ تو ندا دینے والا آواز دے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو نمازِ چاشت پڑھا کرتے تھے یہ تمہارا دروازہ ہے اللہ کی رحمت سے اس میں داخل ہو جاؤ"

جامع ترمذی میں ہے کہ ہمیں ابوکریب محمد بن علاء نے اور انہیں یونس بن بکیر نے بتایا اور انہیں محمد بن اسحاق سے روایت پہنچی کہ مجھے موسیٰ بن خلال نے بتایا کہ اسے اپنے چچا ثمامہ بن انس بن مالک سے انہیں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے نماز چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے سونے کا ایک گھر بنا دے گا۔

کیا آپ نماز چاشت مسلسل پڑھا کرتے تھے؟

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور امام احمدؒ اس مسئلہ میں حضرت ام ہانیؓ کی روایت کو صحیح تر سمجھتے تھے میں کہتا ہوں کہ موسیٰ بن خلال دراصل موسیٰ بن عبداللہ بن مثنیٰ بن انس بن مالک ہی ہے۔ نیز ان کی جامع میں حضرت عطیہ عوفی سے روایت ہے۔ انہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح مسلسل) نمازِ چاشت پڑھا کرتے کہ ہم سمجھتے کہ آپ اب ترک نہ کریں گے اور پھر اس طرح ترک کر دیتے کہ ہم سمجھتے کہ اب نہ پڑھیں گے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں بتایا ہے کہ ہمیں ابوالیمان نے انہیں اسماعیل بن عیاش نے خبر دی، انہیں یحییٰ بن حارث زماری سے انہیں قاسم سے انہیں ابوامامہ سے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ:

جو فرض نماز ادا کرنے کے لیے چلا اور اس کا وضو ہے تو اس کے لیے اجر ہے جیسے احرام باندھ کر حج کے لیے چلنے والے کا اجر ہوتا ہے، یا عمرہ کرنے والے کا ہوتا ہے اس کا حج اور عمرہ مکمل ہو جائے ابن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ مجھے حاتم بن اسماعیل

نے بتایا انہیں حمید بن صخر سے انہیں مقبری سے انہیں اعرج سے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ملی۔ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا۔ چنانچہ کافی مال غنیمت حاصل ہوا اور یہ لوگ جلدی لوٹ آئے تو ایک آدمی کہنے لگا یارسول اللہ ہم نے کبھی اس سے جلدی لوٹنے والا لشکر نہیں دیکھا اور نہ اس لشکر سے زیادہ مال غنیمت لانے والا لشکر دیکھا) تو آپ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں ایک ایسے آدمی کی خبر نہ دوں؟ کہ جو سب سے جلدی لوٹ آئے اور سب سے زیادہ غنیمت لے کر آئے۔ ایک آدمی اپنے گھر میں وضو کرے اور بہترین وضو کرے پھر مسجد کی طرف رُخ کرے وہاں صبح کی نماز ادا کرے پھر اس کے بعد نماز چاشت ادا کرے تو یقیناً وہ جلد لوٹ آنے والا اور سب سے زیادہ غنیمت لانے والا ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی اس باب میں کئی روایات ہیں۔

نماز چاشت میں چار رکعتیں پڑھنا زیادہ صحیح ہے

حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کے ساتھ مصاحبت کی تو بہی تعداد یعنی چار رکعت کو پسند کرتے دیکھا، کہ وہ اس مسئلہ میں اخبار متواترہ صحیحہ کی بناء پر چار ہی رکعتیں پڑھا کرتے۔ میرا بھی یہی مسلک ہے اور اخیار ائمہ اور مشائخ حدیث کی اقتداء میں اسی کو دعوت دیتا ہوں۔

ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ نماز چاشت اور اختلاف مناجات کے متعلق روایات مرفوعہ ملتی ہیں اور ان میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو اس کے ماننے والے کا دفاع کرتی ہو اور یہ معاملہ یوں ہے کہ جو منقول ہے کہ آپ نے نماز چاشت میں چار رکعتیں پڑھیں ہو سکتا ہے کہ (راوی) نے آپ کو اس طرح کرتے دیکھا ہو۔ دوسرے راوی نے آپ کو چھ رکعتوں کی ترغیب دیتے دیکھا ہو ایک اور نے دو رکعتیں پڑھنے کی ایک اور نے دس کی اور ایک اور نے بارہ رکعتوں کی ترغیب دیتے سنا تو ہر ایک نے جو سُنا اور جو دیکھا وہی روایت کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو سنا کہ وہ ابوذرؓ سے کہہ رہے تھے۔

"اے چچا مجھے وصیت کیجیے!
انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جیسا کہ تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو آپ نے فرمایا جس نے نماز چاشت دو رکعت پڑھی وہ غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے چار رکعتیں پڑھیں وہ عابد لوگوں میں سے لکھا جائے گا اور جس نے چھ رکعتیں پڑھیں اور اس دن کوئی گناہ نہیں کیا اور جس نے آٹھ رکعتیں پڑھیں وہ قانتین میں سے لکھا جائے گا اور جس نے دس رکعتیں پڑھیں تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

نماز چاشت میں تعداد رکعات کے روایات

مجاہد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز چاشت میں دو رکعتیں پڑھیں پھر ایک دن چار پھر ایک دن چھ پھر ایک دن آٹھ پڑھیں پھر چھوڑ دیا تو اس روایت نے ہمارے قول کی صحت کو ظاہر کر دیا کہ حسب سابق ہر مخبر کی خبر سے احتمال یہ ہے کہ اس کی اطلاع اس کے اپنی ذاتی مشاہدے و معائنے پر مبنی ہو اور جب مسئلہ یوں ہو تو صحیح تر مسلک یہ ہے کہ پڑھنے والا جس تعداد میں چاہے پڑھ لے۔
سلف کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے۔ ہمیں ابن حمید نے انہیں جریر نے بتایا انہیں ابراہیم سے روایت پہنچی کہ ایک آدمی نے حضرت اسودؓ سے دریافت کیا کہ میں نماز چاشت کتنی رکعتیں پڑھوں؟ انہوں نے فرمایا جتنی چاہو۔

نماز چاشت نہ پڑھنے کے رواۃ اور روایات

اور دوسرا گروہ ترکِ چاشت کی روایات کی طرف گیا ہے اور صحت اسناد کے باعث اور ان پر عمل صحابہؓ کے باعث ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نہ وہ خود پڑھا کرتے اور نہ ابو بکرؓ و عمرؓ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں ان کا کوئی بھائی (مساوی) نہیں۔
وکیع بتاتے ہیں کہ ہمیں سفیان ثوریؒ نے بتایا انہیں عاصم بن کلیب سے انہیں

اپنے والد سے انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت پہنچی انہوں نے بتلایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو صرف ایک ہی دن نمازِ چاشت پڑھتے دیکھا اور علی بن مدینی بتاتے ہیں کہ ہمیں معاذ نے انہیں شعبہ نے انہیں فضیل بن فضالہ نے بتایا انہیں عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے روایت پہنچی کہ حضرت ابوبکرؓ نے کچھ لوگوں کو نمازِ چاشت پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ وہ نماز پڑھ رہے ہو جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پڑھی اور نہ آپ کے عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھی۔

موطا میں حضرت مالکؒ سے ابن شہاب سے وہ عروۃ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بھی نمازِ چاشت نہیں پڑھی، حالانکہ میں پڑھتی ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک کام چھوڑ دیتے تھے حالانکہ آپ عمل کرنا پسند کرتے تھے (اس کی وجہ یہ تھی) کہ آپ کا خطرہ کہ آپ اگر (مسلسل) عمل شروع کریں گے تو امت پر فرض ہو جائے گا۔

کیا نمازِ چاشت بدعت ہے؟

ابوالحسن علی بن بطال نے بتایا: سلف کی ایک جماعت نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اخذ کرتے ہوئے نمازِ چاشت کو تسلیم نہیں کیا۔ ایک جماعت نے کہا کہ یہ بدعت ہے شعبی نے قیس بن عبید سے روایت کیا ہے انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی طرف سنّت میں اختلاف پایا جاتا تھا تو میں نے انہیں نمازِ چاشت پڑھتے نہیں دیکھا اور شعبہؒ نے سعد بن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کیا کہ وہ نمازِ چاشت نہیں پڑھتے تھے۔

مجاہدؒ سے منقول ہے انہوں نے بتایا کہ میں اور حضرت عروۃ بن زبیرؓ مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے پاس تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد میں نمازِ چاشت پڑھ رہے ہیں تو ہم نے ان سے (لوگوں) کی اس نماز کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ اور ایک بار فرمایا کہ یہ

یہ اچھی بدعت ہے۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا:

مسلمانوں نے نمازِ چاشت سے زیادہ افضل بدعت ایجاد نہیں کی

اور حضرت انسؓ بن مالک سے نمازِ چاشت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں۔

کیا نمازِ چاشت مستحب ہے

نمبر۲ گروہ گا ہے گا ہے اس کو مستحب سمجھتا ہے اس لیے کسی کسی دن پڑھنی چاہیے۔ امام احمدؒ سے مروی دو روایتوں میں سے یہ ایک ہے اور امام طبریؒ نے اسے ایک جماعت سے روایت کیا ہے اور جریریؒ نے حضرت عبداللہ بن شفیق سے روایت کیا ہے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔

کیا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا! نہیں، ہاں، اگر آپ سفر سے تشریف لاتے تو پڑھتے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوسعید کی روایت ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت پڑھتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ اب ترک نہ کریں گے اور (کبھی) آپ چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ اب نہ پڑھیں گے اور یہ گزر چکا ہے پھر بتایا کہ اسی طرح سلف میں جس نے اس پر عمل کیا اس نے ذکر کیا ہے۔

شعبہ نے حبیب بن شہید سے انہوں نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ اس کو یعنی نمازِ چاشت کو ایک دن پڑھتے اور دس دن ترک کر دیتے اور شعبہ نے حضرت عبداللہ بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ (ابن عمرؓ) نمازِ چاشت نہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مسجد قباء میں تشریف لاتے تو نماز پڑھتے اور آپ ہر ہفتہ کو تشریف لاتے اور حضرت سفیانؒ نے منصورؒ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ (بزرگانِ دین) دیگر فرض نمازوں کی طرح اس کی پابندی نہ کرتے۔ کبھی پڑھتے اور کبھی نمازِ چاشت چھوڑ دیتے۔

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ میں نماز چاشت چھوڑ دیتا ہوں حالانکہ میں چاہتا ہوں (کہ پڑھوں) اس ڈر سے کہ اسے اپنے آپ پر لازم نہ فرض کر لوں۔

مسروقؒ فرماتے ہیں ہم مسجد میں پڑھتے تھے چنانچہ ہم حضرت ابن مسعودؓ کے جانے کے بعد بھی ٹھہرے رہتے، پھر اٹھتے اور نمازِ چاشت پڑھتے۔ آخر حضرت ابن مسعودؓ کو اس کی اطلاع ہو گئی تو انہوں نے فرمایا کہ تم اللہ کے بندوں پر وہ بوجھ کیوں ڈالتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے نہیں ڈالا اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو گھروں میں پڑھو۔

نماز چاشت مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنی چاہیئے

ابو مجلزؒ اپنے گھر میں نمازِ چاشت پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔

یہی بہتر صورت ہے کہ کسی کو اس کی پابندی دیکھ کر وجوب یا سنتِ راتبہ ہونے کا شک نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں والدین بھی زندہ کر دیے جائیں تو بھی اس نماز کو ترک نہ کروں گی، کیونکہ وہ اسے اپنے گھر میں پڑھا کرتی تھیں جہاں لوگ انہیں نہ دیکھ سکتے۔

فتح مکّہ کے دن چاشت کی آٹھ رکعتیں

چوتھا گروہ اس طرف گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا اس پر ایک سبب سے عمل تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا اس پر ایک خاص سبب سے عمل تھا۔ اور ان کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت کی آٹھ رکعتیں فتح مکّہ کی خوشی کے باعث تھیں اور فتح کے موقع پر سنّت یہ ہے کہ آٹھ رکعتیں ادا کی جائیں اور احکامِ اہل اسلام اسے نماز فتح کا نام دیتے تھے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ جب خالد بن ولید نے حیرۃ فتح کیا تو نمازِ فتح آٹھ رکعت پڑھی، جن کے درمیان سلام نہ پھیرا پھر فارغ ہوئے۔

(محدثین) کا کہنا ہے کہ حضرت ام ہانیؓ کا قول یہ ہے کہ یہ نمازِ چاشت تھی۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ چاشت کا وقت تھا نہ کہ یہ صورت ہوئی کہ چاشت کی نماز کا نام دے دیا گیا۔

عتبان رضؓ کے ہاں آپؐ نے نماز کیوں پڑھی ؟

(المحدثین) فرماتے ہیں کہ عتبان بن مالکؓ کے ہاں آپ کی نماز ایک سبب سے تھی کیونکہ عتبانؓ نے عرض کیا تھا کہ میری نظر کمزور ہو چکی ہے میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان سیلاب آڑے آجاتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں تشریف لائیں اور میرے وہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد قرار دے لوں، آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم صبح کے وقت ان کے ہاں تشریف لے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت دن کی حرارت تیز ہو چکی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دی، پھر آپ نہیں بیٹھے بلکہ فرمایا اپنے گھر میں تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ میں نے اُس جگہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں میں چاہتا تھا کہ آپ نماز پڑھیں پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی، آپ نے نماز پڑھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔ (متفق علیہ)

اس نماز کی یہ اصل اور واقعہ ہے اور بخاریؒ کے الفاظ اس میں یہ ہیں کہ حضرت عتبانؓ سے بعض راویوں نے اختصار سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے گھر میں نماز چاشت پڑھی اور وہ (صحابہؓ) آپ کی اقتدا میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے نماز پڑھی۔

سفر سے واپسی پر نماز چاشت

رہا حضرت عائشہ رضؓ کا وہ قول کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم صف سفر سے واپسی پر نماز چاشت پڑھا کرتے تھے تو یہ واضح نظر رہے کہ آپ کی یہ نماز ایک خاص سبب سے تھی کیونکہ آپ جب سفر کا آغاز فرماتے تو مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ یہ آپ کی سنّت طیبہ ہے اور حضرت عائشہ رضؓ نے اس کی خبر دی ہے اور یہ جو آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی نماز چاشت

نہیں پڑھی تو جس کا انہوں نے اثبات فرمایا ہے تو وہ سفر سے واپسی فتح اور کسی قوم سے ملاقات وغیرہ جیسا کوئی سبب ہے۔ جس طرح مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے لیے وہاں تشریف لانا۔ اسی طرح جیسے یوسف بن یعقوب نے روایت کیا ہے انہیں محمد بن ابی بکر انہیں سلمہ بن رجاء انہیں شعثاء نے بتایا کہ میں نے ابن ابی اوفی کو اس دن دیکھا جس دن اسے ابوجہل کے سر کٹ جانے کی خوشخبری دی گئی کہ انہوں نے نماز چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں۔ اگرچہ واقعہ درست ہے تو یہ نماز شکر ہوگی، جو اتفاقاً چاشت کے وقت وقوع پذیر ہوئی۔ جسے شکرانہ فتح اور جسے مسترد کیا ہے وہ وہی نماز ہے جسے لوگوں نے بغیر کسی سبب کے قائم کر رکھا تھا اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ مکروہ یا خلافِ سنت ہے ہاں اتنی بات ہے کہ یہ آپ کی سنتِ طیبہ نہیں۔ حالانکہ آپ نے اس کی وصیت فرمائی اور اسے مندوب قرار دے کر اس کی ترغیب دی آپ اس کے بدل میں قیام اللیل کر لیتے تھے کیونکہ اس سے اس کا بدل ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا۔

یعنی اور وہی ذات ہے جس نے رات اور دن بنائے۔ پے در پے اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔

اور ابن عباسؓ، حسنؒ اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے عوض بدل بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہ کسی کا کوئی عمل کسی وقت فوت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ دوسرے وقت ادا کرے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ شب و روز میں اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اعمال کرو کیونکہ یہ (دن رات) پلٹے جا رہے ہیں لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ہر دور نزدیک ہو رہا ہے ہر نئی چیز بوسیدہ ہو رہی ہے اور قیامت تک کا ہر امر موعود آ رہا ہے۔

بعض صحابہ نماز چاشت پڑھتے تھے بعض نہیں

شفیق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے رات کی نماز فوت کر دی۔ آپ نے فرمایا جو عمل تو نے رات کو فوت کر دیا اسے دن میں پورا کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

جعل اللّیل والنّھار خلفۃً لمن اراد ان یّذّکّر او اراد شکورا۔

(محمد نعیم) فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا فعل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ ایک دن پڑھتے اور دس دن چھوڑ دیتے۔ اور حضرت ابن عمرؓ پڑھتے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ آپ مسجد قباء میں آتے تو پڑھتے اور آپ ہر سینچر کو مسجد قباء میں تشریف لایا کرتے۔

اور سفیانؒ نے حضرت منصورؒ سے روایت کیا ہے کہ (صحابہؓ) فرض نمازوں کی طرح اس کی پابندی مکروہ سمجھتے تھے، کبھی پڑھتے، کبھی چھوڑ دیتے۔

(محمد نعیم) نے فرمایا ہے کہ اس باب میں صحیح حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ انصار میں سے ایک فربہ آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ طعام کی اور آپ کو اپنے گھر میں بلایا اور چٹائی کے ایک حصہ پر آپ کی خاطر پانی چھڑکا۔ چنانچہ آپ نے اس پر دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کے سوا کبھی نماز چاشت پڑھتے نہیں دیکھا (رواہ البخاری)

جو بھی احادیث نبویہؐ اور آثار صحابہؓ میں تدبر سے کام لے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ سب اسی قول کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اور ہیں (ترغیب و تحریص کی روایات تو صحیح روایات حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو ذرؓ کی ہیں (لیکن) ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سنتِ راتبہ ہے، ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کی وصیت فرمائی۔ کیونکہ مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رات کی نماز کے عوض درسِ حدیث کو پسند

کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کو قیام لیل کے عوض نماز چاشت کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ وتر پڑھنے سے قبل نہ سونا۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ دیگر صحابہؓ کو اس بات کا حکم نہیں دیا۔

مرفوع، منقطع اور موضوع حدیثیں

اس سلسلہ میں عام احادیث کی اسناد محل نظر ہیں۔ بعض منقطع اور بعض موضوع ہیں جن سے استدلال جائز نہیں جیسے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت کہ جس نے نماز چاشت پر مواظبت (مداومت) کی اور کسی عذر کے بغیر اسے منقطع نہ کیا تو وہ اور میں نور کے سمندر میں نور کی ایک کشتی میں ہوں گے اسے زکریا بن دریدکندی نے حمید سے روایت بنا کر وضع کیا۔

رہی یعلی بن اشدق کی روایت (جو وہ) عبداللہ بن جراد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیان کرتے ہیں کہ:

تم میں سے جو نماز چاشت پڑھے تو اُسے چاہیے کہ عبادت گزاری کرتے ہوئے پڑھے کیونکہ ایک آدمی سنت کو ایک زمانہ میں ادا کرتا ہے پھر اسے فراموش کر دیتا اور چھوڑ دیتا ہے تو ہم اس کی طرف ایسے (دیکھتے) ہوتے ہیں جیسے اونٹنی اپنے بچے کی طرف کھنچی جاتی ہے جب کہ وہ گم ہو جائے!

احادیث مرفوعہ کا ایک مجموعہ

حاکمؒ پر تعجب ہے کہ ان جیسی روایات سے کس طرح استدلال کر ڈالتے ہیں کیونکہ وہ اس روایت کو اس کتاب میں تحریر کرتے ہیں، جس میں بیں منفرد طور پر نماز چاشت کو ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ نسخہ یعنی یعلی بن اشدق کا نسخہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق موضوع روایات پر مشتمل ہے۔

ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ یعلی بن اشدق نے اپنے چچا عبداللہ بن جراد سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کثرت کے ساتھ منکر احادیث نقل کی ہیں۔ یہ اور اُن کے چچا دونوں غیر معروف (مجہول) راوی ہیں۔

مجھے ابومسہر سے معلوم ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے یعلی بن اشدق سے کہا۔

تیرے چچا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

وہ کہنے لگا کہ اس نے سفیان، موطاء مالک اور کچھ (دیگر) فوائد سے استفادہ کیا۔

ابوحاتم بن حبّان کہتے ہیں کہ یعلی کی عبداللہ بن جراد سے ملاقات ہوئی۔ چنانچہ جب وہ بڑا ہوگیا تو اس سے مصاحبت کی چنانچہ انہوں نے حدیث سے ملتی جلتی باتیں اختراع کیں اور یہ انہیں روایت کرتے لگا حالانکہ یہ (ذات کے متعلق) کچھ بھی نہ جانتا تھا اور یہی سبب ہے کہ ہمارے اصحاب کے مشائخ نے فرمایا۔

تو نے عبداللہ بن جراد سے کیا سُنا ہے۔

کہنے لگا یہ نسخہ، حالانکہ جامع سفیان سے کسی حال میں بھی روایت جائز نہیں اسی طرح عمر بن صبیح کی روایت جو انہیں مقاتل میں حبّان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز چاشت میں بارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ طویل حدیث ہے جسے حاکمؒ نے نمازِ چاشت کے بیان میں ذکر کیا ہے حالانکہ یہ روایت موضوع ہے اور عمر بن صبیح متہم بالکذب ہے۔

ایک راوی پر علمائے اسماء الرجال کی جرح

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن علی بن جریر نے بتایا کہ میں نے عمر بن صبیح کو یہ کہتے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا خطبہ وضع کیا ہے۔ ابن عدیؒ نے اس کو منکر احادیث بتایا ہے ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ یہ ثقات کے نام پر روایات وضع کرتا تھا اور محض تعجب کی بنا پر اس کی طرف سے کتبِ احادیث جائز ہو سکتی ہیں۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔ ازدیؒ اسے کذاب بتاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبدالعزیز بن ابان کی روایت امام ثوریؒ سے انہیں حجاج بن فرافضہ سے انہیں مکحول سے، انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً پہنچی کہ جو نماز چاشت کی پابندی کرے۔ اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ چاہے کتنی ہی تعداد میں ہوں اور سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

نیز حاکمؒ نے بھی نقل کیا ہے اور عبد العزیز کے بیٹے۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ اور یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ کذاب ہے خبیث حدیثیں وضع کرتا ہے۔ امام بخاری، نسائی اور دار قطنی اسے متروک الحدیث بتاتے ہیں۔

یہی صورت نہاس بن قہم کی روایت کی ہے جو اسے (بزعم خویش) شداد سے انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً پہنچی کہ جس نے نماز چاشت کی پابندی کی، اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے چاہے وہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں اور نہاس کے متعلق یحییٰ فرماتے ہیں کچھ بھی نہیں ضعیف ہے۔ یہ حضرت عطاء سے اور حضرت ابن عباسؓ سے منکر روایات بیان کیا کرتا تھا۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشاہیر (ائمہ) سے منکرات روایت کرتا ہے اور ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں اور امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہے۔ یحییٰ قطان نے ترک کر دیا ہے۔

ایک راوی کی جرح و تعدیل میں اختلاف

رہی حمید بن صخر کی روایت جو مقبری سے انہیں حضرت ابوہریرہ سے پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا (الحدیث) یہ گزر چکا ہے تو یہ جو حمید ہے نسائی اور یحییٰ بن معینؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسروں نے اسے ثقہ بتایا ہے اور اس کی بعض روایات کا انکار کیا ہے اور جب یہ منفرد ہو تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

نماز چاشت پڑھنے والے کے لیے بشارت

رہی محمد بن اسحاق کی روایت جو انہیں موسیٰ سے انہیں عبد اللہ بن مثنیٰ سے انہیں انس سے انہیں اپنے چچا ثمامہ سے انہیں انس سے مرفوعاً پہنچی، جس نے نماز چاشت پڑھی اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا ایک گھر بنائے گا، یہ غریب روایات میں سے ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔ ہم اسے صرف اس سند سے جانتے ہیں۔ رہی نعیم بن ہمار کی روایت کہ:

"اے ابن آدم دن کے آغاز میں چار رکعتوں سے عاجز نہ رہ میں تجھے اس کے آخری حصّہ تک کافی رہوں گا۔ اسی طرح ابو الدرداءؓ اور ابو ذرؓ کی روایت کا معاملہ ہے۔ چنانچہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو کہتے سنا کہ ان چار رکعتوں سے میرے نزدیک فجر کی نماز اور اس کی سنتیں مراد ہیں [1]

---

[1] بہرحال یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ نماز چاشت اگرچہ فرض یا واجب نہیں لیکن اپنے پڑھنے والے کے لیے گوناگوں برکتیں اور نعمتیں رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیا کے ہاں خواہ وہ کسی سلسلہ سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ دوسرے اہم اور مسلسل اور غیر منقطع معمولات میں نماز چاشت بھی داخل ہے۔ گویا روحانی سربلندی کے حصول میں اس سے غیر معمولی مدد ملتی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

سجدۂ شکر

مصیبت کے ٹلنے یا خوش خبری پر سربسجود ہونا

آں حضرتؐ کی سُنّت طیبّہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سُنّت طیبّہ تھی۔ جیسا کہ مسند میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی طرح کی مسرت انگیز اطلاع ملتی تو سجدہ شکر میں گر پڑتے اور ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بات کی خوش خبری دی گئی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ امام بیہقیؒ نے بخاری کی شرط سند کے اصول پر ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ ہمدان کے قبول اسلام کی اطلاع بھیجی تو آپ نے سجدۂ شکر کیا، پھر سر اٹھایا، اور فرمایا:

السلام علی ھمدان۔ السلام علی ھمدان۔

مسند میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے پروردگار کی طرف سے بشارت ملی کہ جس نے آپؐ پر درود بھیجا میں اس پر رحم کروں گا۔ اور جس نے آپؐ پر سلام بھیجا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا سنن ابوداؤد میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اللہ سے دیر تک دعا کرتے رہے۔ پھر تین بار سجدہ کیا پھر فرمایا۔ میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا اور اپنی امت کی شفاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اُمّت کا تیسرا حصّہ دیا پھر میں نے سجدہ شکر کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے درخواست کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسرا ثلث بھی عطا فرمایا۔ میں

نے سجدۂ شکر کیا۔ پھر میں نے سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا ثلث عطا فرمایا۔ میں اپنے پروردگار کے سامنے سجدۂ شکر میں گر گیا۔

چند تاریخی اور اہم مثالیں

اور کعبؓ بن مالک کو جب خوشخبری دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے تو انھوں نے سجدہ شکر کیا اور امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے خوارج کے مقتولوں میں ذوالثدیہ کو دیکھا تو سجدہ شکر ادا کیا اور سعید بن منصورؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب مسیلمہ کذاب کے قتل کی اطلاع ملی تو سجدہ شکر کیا۔

قرآن مجید کے سجدوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیّبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (تلاوت قرآن کے دوران) جب کسی سجدہ سے گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور بسا اوقات سجدہ میں یہ دعا پڑھتے۔

سجد وجھی للذی خلقہ وصوّرہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ۔

یعنی: "میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا، جس نے اسے پیدا کیا ہے اور اس کی تصویر بنائی ہے اور اسے سماعت و بصارت اپنی قوت و قدرت سے عطا فرمائی"

کبھی کبھی آپ یہ دعا پڑھتے؛

اللھم احطط عنی بھا وزرًا واکتب لی بھا اجرًا واجعلھا لی عندک ذخرًا وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد۔

یعنی: "اے اللہ اس سجدہ کی برکت سے میرا بوجھ ہٹا دے اور اسے میرے لیے اجر بنا دے اور اسے اپنے پاس میرا ذخیرہ کر لے اور میرا سجدہ اسی طرح قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا قبول کیا تھا"

اہل سنن نے ان دونوں کو ذکر کیا ہے اور یہ نقل نہیں کیا کہ آپ اس سجدہ سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے تھے اس لیے خرقی اور متقدمین نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ امام شافعیؒ سے منصوص ہے کہ اس میں کوئی تشہد اور سلام بھی نہیں۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مندرجہ ذیل سورتوں میں سجدہ کیا۔ الم تنزیل، ص، النجم، اذا السماء انشقت، اقرأ باسم ربك الذی خلق اور ابوداؤدؒ نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کے پندرہ مقامات بتائے ہیں ان میں سے تین سورۃ مفصل میں ہیں۔ دو سجدے سورۃ حج میں ہیں۔ حضرت ابو الدرداء کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے اور مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ الاعراف، الرعد، النحل، بنی اسرائیل، مریم، الحج، سجدہ الفرقان، النمل، السجدہ، حوامیم (میں ہیں)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے بہ روایت صحیحہ ثابت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اقرأ باسم ربك الذی خلق اور اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا۔

جُمعہ اور خصائص جُمعہ

جمعہ ہر قوم کا افضل دن تھا مگر اس نے بعد میں چھوڑ دیا

مسلمانوں کا امتیاز خاص صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن اگلوں، پچھلوں اور سبقت کرنے والوں میں پہلا ہی شمار ہوگا، بس فرق جو ہے وہ اتنا کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ پھر یہ (جمعہ کا دن) جو ان پر اللہ نے فرض کیا پھر انھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور لوگ اس میں ہمارے متبع ہیں (باقی) یہودی کل (ہفتہ) اور عیسائی پرسوں (اتوار) (پر بھٹک گئے)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ہم سے پہلے تھے اللہ نے انھیں جمعہ سے بھٹکا دیا۔ اب یہودیوں کا ہفتہ اور عیسائیوں کا اتوار رہ گیا۔ پھر اللہ ہمیں لایا، اور ہمیں جمعہ کی ہدایت دی، اسی طرح اس نے جمعہ ہفتہ اور اتوار بنا دیا (پے در پے) اسی طرح وہ قیامت کے دن ہمارے پیچھے رہ جائیں گے۔ ہم دنیا کے لحاظ سے بعد میں ہیں لیکن قیامت کے دن آگے آگے ہوں گے۔

سب سے افضل دن جمعہ کا ہے مسند و سنن میں اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ تمہارا سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی دن اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی دن ان کی روح قبض کی

اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن (قیامت کی) کڑک ہوگی۔ پس اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

بعض حاضرین نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول جب آپ مٹی میں مل جائیں گے تو ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟

آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کھائے۔

اس حدیث کو حاکم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اسی دن جنت میں داخل کیے گئے۔ اسی دن وہاں سے انھیں نکالا گیا۔ اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

امام مالکؒ نے موطا میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن (انہیں زمین پر) اتارا گیا۔ اسی دن (ان کی) توبہ قبول کی گئی، اسی دن وہ فوت ہوئے، اسی دن قیامت قائم ہوگی، جن اور انسان کے سوا کوئی جاندار ایسا نہیں جو جمعہ کے دن قیامت کے ڈر سے خائف و ترساں نہ ہو، اور اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ جب کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو (اللہ) اسے ضرور ہی عطا فرماتا ہے۔

کعبؓ نے دریافت کیا، کہ کیا یہ ہر سال ہوتا ہے؟ تو میں نے جواب دیا، نہیں! بلکہ ہر جمعہ کو۔

پھر انھوں نے توراتؒ[1] پڑھی، اور کہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں، پھر میں حضرت عبداللہ بن سلام سے ملا، تو میں نے ان

---

[1] بہت بڑے یہودی عالم تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے، اس اعتبار سے انھیں کعب احبارؒ کہتے ہیں (رئیس احمد جعفری)

کے سامنے کعبؓ کے واقعہ کا تذکرہ کیا، انھوں نے جواب دیا، میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی گھڑی ہے؟

میں نے عرض کیا، پھر مجھے بھی بتا دیجئے۔

انھوں نے فرمایا، یہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

میں نے عرض کیا، وہ کس طرح؟ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ساعت میں کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالٰے سے دعا کرے گا تو (اللہ) اس کی دعا ضرور قبول کرے گا، اور یہ آخری گھڑی جو آپ نے بتائی ہے ایسی ہے جس میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔

حضرت ابن سلامؓ نے فرمایا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کسی جگہ بیٹھے اور نماز کا انتظار کر رہا ہو تو نماز پڑھنے تک گویا وہ نماز ہی میں مشغول رہا؟

مسند امام شافعی رضی اللہ عنہ میں حضرت انسؓ بن مالک سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ایک سفید آئینہ لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جس میں ایک نقطہ تھا، آپ نے دریافت کیا، یہ کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، یہ جمعہ کا دن ہے۔ آپ اور آپ کی اُمت کو اس سے شرفِ فضیلت عطا کیا گیا ہے، اور یہود و نصاریٰ اس میں آپ کے تابع ہیں، اور اس میں آپ کے لئے خیر ہے، اور اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ ایک مومن بندہ جب بھی اس میں کوئی اچھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے، اور وہ ہمارے لئے یوم المزید ہے۔

"یوم المزید" سے کیا مراد ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، یوم المزید کیا ہے انھوں نے جواب دیا، آپ کے پروردگار نے فردوس میں ایک وادی بنائی ہے جس میں مشک کے تودے ہیں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ جتنے ملائکہ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے اور اس کے ارد گرد نور کے منبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام کے بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں اور یہ منبر سونے کے بنے ہوئے، یاقوت و زبرجد سے کڑھے ہوئے منبروں سے گھرے ہوئے ہیں، ان پر شہداء اور صدیقین ہوتے ہیں۔ پس

یہ لوگ ان کے پیچھے ان ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمہارا پروردگار ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا کر دیا اس لئے مجھ سے (مزید) مانگو، میں دوں گا، تو وہ عرض کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہم تیری رضا چاہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تم سے راضی ہو گیا اور جو تمہاری خواہش ہو، وہی ملے گا، اور میرے پاس تمہارے لیے یہ مزید (انعام) ہے تو وہ یوم جمعہ سے محبّت رکھتے ہیں کیونکہ اس دن ان کا پروردگار خیر عطا فرماتا ہے۔ اور یہ وہی دن ہے کہ جس دن میرا پروردگار عرش پر بیٹھا، اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہو گی۔

اس حدیث کی سند اس حدیث کو امام شافعیؒ نے ابراہیم بن محمد سے روایت کیا ہے انھوں نے موسٰی بن عبیدہ سے انھوں نے ابوالازہر معاویہ بن اسحٰق بن طلحہ سے، انھوں نے عبداللہ بن عبید سے، انھوں نے عمیر بن انس سے، کہ ہمیں ابراہیم نے خبر دی، کہ مجھے ابو عمران ابراہیم بن جعد نے انہیں انس نے بتایا۔

اس سند پر جرح امام شافعیؒ ان کے شیخ ابراہیم کے متعلق اچھی رائے رکھتے ہیں۔ لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ معتزلی جہمی قدری ہے۔ اور اس میں ہر عیب پایا جاتا ہے، اور مسند امام احمدؒ میں حضرت علی بن ابی طلحہ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ کا کیوں یہ نام رکھا گیا؟ آپؐ نے جواب دیا کیونکہ اسی دن تمہارے باپ آدم کا خمیر تیار کیا گیا اسی میں صعقہ (کڑک) اور بعثہ (دوبارہ جی اُٹھنا) ہے اور اسی میں بطشۃ (پکڑ) ہے اور اس کے آخر میں تین ساعتیں ہیں۔ ان میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

حضرت حسن بن سفیان نسوی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ مجھے ابو مروان ہشام بن خالد الازرق نے انھیں حسن بن یحیٰی خشنی نے انھیں عمر بن عبداللہ مولیٰ عفرہ نے انھیں انسؓ بن مالک نے بتایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا، کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، ان کے ہاتھ میں سفید آئینے کی طرح (کوئی چیز تھی) جس میں ایک سیاہ نقطہ تھا میں نے پوچھا، کہ اے جبریل، یہ کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، یہ جمعہ ہے، اور مجھے یہ دے کر آپ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امّت کے لیے عید کا دن ہے۔

میں نے پوچھا، اے جبریل، اس میں ہمارے لئے کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا! اس میں آپ کے لئے کثرت سے خیر و برکت ہے۔ آپ آخری (اُمّت) ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہیں۔ اس میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے کہ کوئی مسلمان حالتِ نماز میں اللہ تعالےٰ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔

میں نے کہا اے جبریل، یہ سیاہ نقطہ کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ گھڑی ہے جو جمعہ کے دن ہوتی ہے اور یہ تمام ایام کا سردار ہے اور ہم اپنے ہاں (فرشتوں کے ہاں) اسے یوم المزید (زیادہ انعامات کا دن) کہا کرتے ہیں

میں نے کہا اے جبریل، یہ یوم المزید کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا، یہ اس طرح ہے کہ آپ کے پروردگار نے جنّت میں ایک وادی بنائی جس میں سفید مشک کی خوشبو پھیلا دی، چنانچہ جب آخری دنوں میں جمعہ کا دن آتا ہے تو پروردگار کریم اپنے عرش سے اُتر کر کرسی پر آجاتا ہے اور نور کے منبر کرسی کو گھیرے میں لے لیتے ہیں ان پر انبیاءؑ تشریف فرما ہو جاتے ہیں اور منبروں کو سونے کی کرسیاں گھیرے میں لے لیتی ہیں، ان پر صدیقین اور شہداء بیٹھ جاتے ہیں اور بالاخانوں کے مکین وہاں سے اتر کر مشک کے ٹیلوں پر بیٹھ جاتے اور مجلس میں اہالیانِ منبر و کرسی کی افضیلت نہیں دیکھتے اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے سامنے اپنے آپ کو منکشف فرماتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے سوال کرو۔

وہ سب کہتے ہیں، اے پروردگار ہم تیری رضا مانگتے ہیں، تو وہ اپنی رضا کی گواہی دیتا ہے پھر فرمایا ہے کہ مجھ سے مانگ لو۔ پھر وہ مانگتے ہیں۔

یہاں تک کہ ان میں ہر بندے کی آخری تمنا بھی پوری ہو جاتی ہے، اور بتایا، پھر وہ ان پر ایسے انعامات کرتا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کان نے سنے اور نہ کسی آدمی کے دل میں

گزرے۔ پھر جبار سبحانہٗ اپنی کرسی سے اٹھ کر اپنے عرش کی طرف تشریف لے جاتا ہے اور بالاخانے کے مکین اپنے بالاخانوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور یہ سفید موتیوں یا سرخ یاقوت یا سبز زمرد کے بالاخانے ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی دراڑ یا بوسیدگی نہیں ہوتی، روشن ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں۔

فرمایا کہ درخت ہوتے ہیں، جن میں پھل لٹک رہے ہوتے ہیں ان میں ان کی بیبیاں ان کے خادم اور مکانات ہوتے ہیں۔

اور بتایا، کہ اہل جنت جمعہ کے روز جنت میں ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے ہیں جیسے اہل دنیا بارش کے متعلق دنیا میں ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے ہیں۔

حضرت جبریئل بارگاہ نبوّت میں

ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب صفۃ الجنۃ میں لکھا ہے کہ مجھے ازہر بن مروان رقاشی نے انھیں عبداللہ بن عراوہ شیبانی نے انہیں قاسم بن طیب نے بتایا انھیں اعمش بن ابی وائل سے انھیں حضرت حذیفہؓ سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک نہایت خوبصورت اور روشن شیشہ تھا۔ اور اس کے درمیان ایک سیاہ چمکدار نشان تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ چمک دار داغ جو میں دیکھ رہا ہوں یہ کیا ہے ؟

انھوں نے جواب دیا یہ جمعہ ہے۔

میں نے پوچھا جمعہ کیا ہوتا ہے ؟

انھوں نے جواب دیا کہ خدائے بزرگ و برتر کے ایام میں سے ایک دن ہے۔ اور ابھی میں آپ کے سامنے دنیا میں اس کے شرف وفضیلت کے متعلق عرض کرتا ہوں اور اس کے متعلق جو اہل جمعہ اس کی امید رکھتے ہیں، نیز آخرت میں اس کے نام کے بارہ میں بتاتا ہوں۔

دنیا میں اس کا شرف وفضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن اپنی مخلوق کا معاملہ کیا ہے، اور رہا یہ کہ جو اس دن اہل دنیا امید رکھتے ہیں، تو وہ یہ ہے کہ اس دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان مرد یا عورت اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی درخواست کرے تو

اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔

اور آخرت میں اس کا فضل و شرف یہ ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل جنّت کو جنت کی طرف اور اہل جہنم کو دوزخ کی طرف بھیجا، ان پر دن گذرنے لگے، اور یہ راتیں نہ وہ ان راتوں جیسی راتیں تھیں نہ ان دنوں جیسے دن پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی مقدار اور اس کی ساعتیں بتائیں۔

اس طرح جب جمعہ کا دن ہوا، جب جمعہ پڑھنے والے نمازِ جمعہ کے لیے جاتے ہیں تو اہل جنت کو ایک مناد (آواز دینے والا) آواز دیتا ہے۔

اے اہل جنت وادی مزید کی طرف چلو۔

اور وادی مزید کے طول و عرض کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، اس میں اتنے اونچے مشک کے ٹیلے ہیں جن کے سر آسمان میں ہیں۔

انھوں نے بتایا پھر غلمان انبیاء نور کے منبروں پر نکلتے ہیں اور غلمان مومنین یاقوت کی کرسیوں پر نکلتے ہیں، چنانچہ جب ان کے لیے یہ رکھ دی جاتی ہیں اور لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر مثیرۃ نام کی ہوا چلاتا ہے جو اس مشک کو سب پر پھیلا دیتی ہے اور ان کے کپڑوں کی تہہ میں داخل کر دیتی ہے اور ان کے چہروں اور بالوں میں سے نکال دیتی ہے، معلوم ہونا چاہیے اگر دنیا کی کوئی عورت وہ مشک لگا لے تو ساری زمین خوشبو سے بھر جائے۔

انھوں نے بتایا کہ پھر اللہ تبارک و تعالےٰ حاملینِ عرش سے کہتا ہے، اسے اپنی پشت پر رکھ لو، تو پہلی آواز یہ سنی جاتی ہے کہ:

اے وہ لوگو! جنھوں نے غائبانہ میری اطاعت کی اور مجھے دیکھا نہیں، اور میرے رسولوں کی تصدیق کی اور میرے احکام کی اتباع کی مجھ سے مانگ لو یہی یوم مزید ہے۔ پھر وہ سب ایک کلمہ پر متفق ہو جاتے ہیں، کہ "ہم تجھ سے راضی ہو گئے (اے پروردگار) تو ہم سے راضی ہو جا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف توجہ فرماتا ہے کہ اے اہلِ جنّت اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو تمہیں اپنے گھر میں نہ ٹھہراتا، اس لئے مجھ سے مانگ لو، کیونکہ یہ یوم المزید ہے

پھر وہ سب ایک ہی جواب پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیرے چہرہ انور کا (سوال کرتے ہیں) تاکہ ہم اس کی زیارت کر لیں، تو اللہ تعالیٰ ان حجابوں کو اتار دیتا ہے، اور ان کے سامنے منکشف ہو جاتا ہے تو وہ ذرا سی جھلک دیکھتے ہی غش کھا جاتے ہیں۔ جب ان کو غش آتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ نہ جلیں تو ضرور جل جاتے۔ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اب اپنے منازل میں واپس چلے جاؤ پھر وہ لوگ اپنے منازل میں واپس آجاتے ہیں، اس واقعہ کے باعث ان پر ضعف طاری ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی بیویوں کے پاس واپس پہنچتے ہیں تو اس نور کی وجہ سے وہ اپنی بیویوں سے اور ان کی بیویاں ان سے اوجھل ہو جاتی ہیں، پھر جب دوبارہ ان کو بصارت دی جاتی ہے، تو اپنی اپنی شکلوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی بیویاں کہتی ہیں کہ تم ہمارے سے یہاں سے اور شکل میں گئے تھے اور اب نئی شکل میں آئے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر تجلی فرمائی ہے اور ہم نے اس کا جلوہ دیکھا ہے۔

اور بتایا" چنانچہ وہ ہر ہفتہ میں جنت کی نعمتوں اور مشک (خوشبو) سے مستفید ہوتے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کہ:۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون،

یعنی پس کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک (نعمتیں) چھپا رکھی ہیں، اس وجہ سے کہ وہ عمل (صالح) کرتے تھے۔

قبل از ہجرت مدینہ کا پہلا جمعہ کس نے قائم کیا؟

ابن اسحاقؒ نے بتایا کہ مجھے محمد بن ابی امام بن سہل سے انہیں اپنے والد سے انہیں عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت پہنچی کہ انہوں نے کہا، جب میرے والد کی بینائی جاتی رہی تو (نماز جمعہ) کے لئے میں اپنے والد کی رہنمائی کرتا تھا جب میں ان کے ہمراہ جمعہ کے لئے نکلتا، اور وہ جمعہ کی اذان سنتے، تو ابو امامہ؛ سعد بن زرارہ کے لئے بخشش کی دعا کرتے۔ چنانچہ جب میں یہ سنتا رہا تو میں نے (دل میں) کہا۔ یہ بڑی نکمی

سی بات ہے کہ میں اس بارے میں کچھ دریافت نہ کروں۔

پھر میں حسبِ عادت ان کے ہمراہ (جمعہ کے لئے) نکلا، تو جب انھوں نے جمعہ کی اذان سنی تو حسبِ معمول اس کے لئے استغفار کیا۔ میں نے عرض کیا آپ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرارہ کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں آخر اس کا سبب؟

انھوں نے فرمایا، اے میرے بیٹے، اسعد پہلا آدمی تھا، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ کے (علاقہ) میں حرۃ بن بیاضتہ کے ویرانے میں جمعہ پڑھایا جو ایک بقیع (قبرستان) میں واقع تھا اور جسے بقیع خضمات کہتے تھے۔

میں نے پوچھا۔ آپ لوگ ان دنوں کتنے تھے؟

انھوں نے فرمایا، کل چالیس آدمی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے نبی عمرو بن عوف کے ہاں قباء میں ٹھہرے، جیسا ابن اسحاق نے بتایا ہے کہ پیر، منگل بدھ اور جمعرات کو ان کی مسجد کی بنیاد رکھی، پھر وہاں سے جمعہ کے روز چل پڑے، اور نبی سالم بن عوف کے علاقہ میں نماز جمعہ کا وقت آیا تو آپ نے وادی کے اندر واقع مسجد میں نماز ادا فرمائی اور مدینہ میں پڑھا جانے والا یہ پہلا جمعہ تھا، اور یہ جمعہ آپ کی مسجد (نبوی) کی تاسیس سے قبل پڑھا گیا۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلا خطبہ دیا، جو مجھے ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے پہنچا، اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات روایت کریں، جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس کا وہ اہل ہے پھر فرمایا:

اما بعد اے لوگو، اپنے لیے (نیکی) آگے بھیجو، یاد رکھو خدا کی قسم جب تم پہ اچانک موت آئے گی، پھر وہ اپنی بکریوں کو بلائے گا تو ان کا کوئی چرواہا نہ ہوگا۔ پھر اس سے اس کا پروردگار فرمائے گا۔ جس کا نہ کوئی ترجمان ہے اور نہ اس کے سامنے کوئی حاجب ہے۔ کیا تیرے پاس میرا رسول نہ آیا تھا؟ جس نے تجھے تبلیغ کی؟ اور کیا میں نے مال نہ دیا تھا اور تجھ پر اپنا فضل نہ کیا تھا؟ تو پھر تو نے اپنے لئے آگے کیا بھیجا؟ پھر وہ یقیناً دائیں بائیں دیکھے

گا۔ تو اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا، تو دوزخ کے سوا اسے کچھ نظر نہ آئے گا، تو جو بھی آگ سے اپنا چہرہ بچا سکے اگرچہ ایک کھجور دے کر بچا سکے تو اسے چاہیئے ایسا کرلے، جسے یہ بھی میسر نہ ہو، تو اچھی بات ہی سہی کیونکہ وہ نیکی کی قائم مقام ہوگی۔ (جس کا اجر) دس سے سات سو گنا تک ہوگا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں پھر حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا، تو فرمایا:

أن الحمد لله احمده واستعينه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ان احسن الحديث كتاب الله قد افلح من زينه الله في قلبه وادخله في الاسلام بعد الكفر فاختاره على ما سواه من احاديث الناس انه احسن الحديث وابلغه احبوا ما احب الله احبوا الله من كل قلوبكم ولا تملوا كلام الله وذكره ولا تقس عنه قلوبكم فانه قد سماه خيرته من الاعمال والصالح من الحديث ومن كل ما اوتي الناس الحلال والحرام فاعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا واتقوه حق تقاته واصدقوا الله صالح ما تقولون بافواهكم وتحابوا بروح الله بينكم ان الله يغضب ان ينكث عهده والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔

یعنی "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اس کی تعریف کرتا ہوں۔ اور اس سے مدد چاہتا ہوں اور ہم اپنی جانوں کے شر سے اور اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے۔ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے۔

اللہ نے جس کے دل کو اس سے زینت بخشی اور کفر کے بعد اسے اسلام میں داخل کیا تو وہ یقیناً کامیاب رہا، اور دوسروں کی باتوں کے مقابلہ میں اسے منتخب کر لیا کیونکہ یہ

بہترین کلام ہے اور سب سے زیادہ بلیغ ہے، جس سے اللہ محبت رکھے تم بھی اس سے محبت کرو، اپنے دل کی ساری محبت اللہ کے لئے (وقف) کر دو، اور اللہ کے کلام اور اس کے ذکر سے نہ اکتاؤ۔ اور تمہارے قلوب اس کے متعلق کھوٹے نہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین عمل اور صالح ترین کلام کا نام عطا کیا ہے۔ (اور اس میں) تمام حلال و حرام جو انسانوں کو بتائے گئے (موجود ہیں) پس اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ ذرا بھی شرک نہ کرو، اور اسی سے ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے اور جو بولی تم اپنے منہ سے نکالتے ہو، ان کے بہتر الفاظ سے اللہ کی تصدیق کرو۔ اور اللہ کی رحمت سے آپس میں محبت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے کہ اس کا وعدہ توڑا جائے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

یومِ جمعہ

اور اس کی تشریف، تخصیص اور تعظیم

ایام عید پر جمعہ کی فضیلت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے شرف، اس کی عظمت، اور اس کی خصوصیت کو، ایام عید پر امتیاز دیتے تھے۔

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا جمعہ کا دن افضل ہے یا یوم عرفہ؟

اس سلسلہ میں دو قول، اور امام شافعی کے خیال میں دو سبب یہ ہیں:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جمعہ کے دن) فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ اکثر لوگ جو علوم سے آشنا نہیں ہوتے یہ سمجھتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ایک زاید سجدہ کی وجہ سے مخصوص ہے چنانچہ اسے سجدہ جمعہ کا نام دیا کرتے اور اگر کوئی اس نماز میں یہ سورتیں نہ پڑھے تو مستحب یہ ہے کہ وہ سورت پڑھے کہ جس میں سجدہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ کرامؒ نے جمعہ کے دن نمازِ فجر میں ان سورتوں کی مداومت کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ جہلاء کا مذکورہ وہم ختم ہو جائے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی صبح کو یہ سورتیں اس لئے تلاوت فرمایا کرتے کہ یہ سورتیں ایسے معاملات پر مشتمل ہیں، جو اس دن ہوئے یا ہوں گے کیونکہ ان میں خلقِ آدم، ذکر معاد اور حشر و نشر کا ذکر ہے۔ اور یہ سب امور یوم جمعہ کو ہوں گے، نیز اس دن (صبح کو) ان کی تلاوت امت کے لئے گویا پیش آنے والے واقعات اور حالات کی یاد دہانی ہے، ورنہ درحقیقت سجدہ، مقصود نہ تھا بلکہ یہ تو تبعاً آگیا (کیونکہ) نمازی کی تلاوت میں یہ تو بغیر قصد کے اتفاقاً

آگیا، تو یہ جمعہ کے خواص میں سے ایک خاصہ ہے۔

۲۔ دوسرا خاصہ یہ ہے کہ اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کی کثرت مستحب ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے سردار ہیں اور یوم جمعہ بھی تمام دنوں کا سردار ہے۔ اس لئے درود شریف کا اس دن سے ایک خصوصی تعلق بھی ہے جو باقی ایام سے نہیں ہو سکتا۔ مزید آں اس میں ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ اس اُمّت نے دنیا و آخرت میں جس قدر بھی بھلائی حاصل کی سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی تمام خیر و برکات اس امت کو عطا فرمائیں۔ یہ بہت بڑا شرف ہے، جو اسے حاصل ہے اور یہ (شرف) جمعہ کے دن عطا ہوتا ہے، کیونکہ اسی دن جنت میں اس اُمّت کو اس کے محلات و منازل کی طرف بھیجا جائے گا۔ اور جب یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، تو یہ دن ان کے لئے یوم المزید ہوگا۔ یہ دنیا میں بھی ان کے لئے عید کا دن تھا۔ اور اسی دن اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات و خواہشات پوری فرمائے گا۔ اور کسی سائل کو رد نہ کرے گا۔ اور یہ تمام انعامات اس امت کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے انہیں کے صدقہ میں حاصل ہوئے تو ان کا شکر و حمد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قلیل سی ادائیگی یہ ہے کہ اس شب و روز میں آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔

فرائض اسلام میں اہم ترین فریضہ

۳۔ نمازِ جمعہ فرائض اسلام میں سب سے زیادہ اہم اور اجتماعاتِ اسلامیہ میں ایک پرعظمت اجتماع ہوتا ہے اور عرفہ کے اجتماع کے بعد اس کی سب سے اہمیت ہوتی ہے جو محض سستی سے اسے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور جمعہ کے دن لوگ جس قدر امام کے قریب اور نماز میں جلد حاضر ہونے والے ہیں وہ قیامت کے دن اتنے ہی اللہ جنت کے قریب اور یوم المزید کے موقع زیارتِ (خدائے تعالیٰ) پر اولیت حاصل کر سکیں گے

وجوب غسل کا حکم

۴۔ اس دن وجوب غسل کا حکم ہے۔ یہ امر از حد موکد ہے، نیز وجوب وتر، نماز میں بسم اللہ پڑھنے، عورت کے لمس پر وجوب وضو، نماز

میں قہقہہ، نکسیر سینگیاں لگوانا۔ اور قے کرنے پر وجوبِ وضو سے زیادہ قوی ہے (نیز) آخری تشہد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وجوبِ صلوٰۃ اور مقتدی پر وجوبِ قراۃ سے زیادہ (مؤکد) ہے۔

اور لوگوں کے متعلق اس کے وجوب میں دو قول ہیں۔ ایک نفی دوسرا اثبات، تفصیل اس کی یہ ہے، کہ جس کے بدن پر بدبو ہو، اور اس کو زائل کرنے کی ضرورت ہو تو اس پر واجب ہے اور جو اس سے مستغنی ہو، اس پر مستحب ہے۔

خوشبو لگانا ۵۔ اس دن خوشبو لگانا چاہیئے، اور یہ خوشبو بھی ہفتہ کے باقی ایام سے کہیں زیادہ عمدہ ہونی چاہیئے۔

مسواک کرنا ۶۔ اس دن مسواک کرنا اور باقی ایام کی نسبت اس میں مسواک کی ایک خاص عظمت ہے لہٰذا مسواک ضرور کرنی چاہیئے۔

۷۔ نماز کے لئے تکبیر (تحریمہ)

۸۔ امام کے تشریف لانے تک نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر میں مشغول رہے۔

خطبہ کے موقع پر سکوت ۹۔ خطبہ کے موقع پر خاموش رہنا، جب خطبہ ہونے لگے تو خاموش رہنا اصح قول کے مطابق واجب ہے، اگر اس نے اس کی پروانہ کی تو لغویت کا مرتکب ہوگا، اور جس نے لغویت کا مظاہرہ کیا، تو اس کا جمعہ رائگاں گیا اور مسند میں مرفوعاً آتا ہے، کہ جو اپنے ساتھی سے کہے کہ چپ ہو جا، تو اس کا (بھی) جمعہ ضائع گیا۔

۱۰۔ اس دن سورہ کہف کی تلاوت کرنا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا۔ تو اس کے پاؤں سے لے کر آسمان تک ایک نور بچھا دیا جائے گا۔ قیامت کے دن اس سے روشنی ہوگی، اور دو جمعوں کے درمیان کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اسے سعید بن منصور نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے قول سے ذکر کیا۔

ابن تیمیہ کا مسلک ۱۱۔ گیارھواں یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور ان کے حامیوں کے نزدیک اس دن زوال کے وقت بھی نماز مکروہ نہیں۔ ہمارے شیخ ابوالعباس

ابن تیمیہ رح نے بھی اس مسلک کو اختیار کیا ہے حالانکہ ان کا اس سلسلہ میں لیث کی روایت پر انحصار نہیں، کہ جو انھیں مجاہد سے اور انہیں ابو خلیل سے انہیں ابو قتادہ سے اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا، کہ جمعہ کے سوا نصف النہار دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ (اس وقت) جہنم دہکایا جاتا ہے، بلکہ ان کے مسلک کا انحصار اس روایت پر ہے کہ جو جمعہ کی نماز میں حاضر ہو، مستحب یہ ہے کہ وہ امام کے باہر آنے تک نماز پڑھ لے، اور صحیح حدیث میں منقول ہے جو آدمی بھی بروز جمعہ غسل کرے اور امکان بھر پاکیزگی حاصل کرے اور کوئی تیل لگائے یا اپنے گھر سے خوشبو لگالے، پھر وہ (جمعہ پڑھنے کیلئے) نکلے، اور دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے، پھر وہ نماز پڑھے جتنی کہ اس کے مقدر میں لکھی ہے، اور جب امام خطبہ دے تو وہ خاموش رہے (اس پر) اس کے تمام گناہ جو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے ہوں گے سب بخش دیئے جائیں گے (بخاری) اس لئے جو بھی اس کے مقدر میں ہو مستحب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھے اور امام کے نمودار ہونے تک کے علاوہ کوئی چیز نماز کے لئے امر مانع نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی حضراتِ سلف نے فرمایا۔ جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی ہیں اور امام احمد بن حنبل نے بھی ان کا ہی اتباع کیا ہے کہ خروجِ امام نماز کا مانع ہے اور خطبہ امام مانع کلام ہے۔ تو انہوں نے خروجِ امام کو مانعِ نماز قرار دیا نہ کہ دوپہر ہونا (مانع نماز ہے) نیز "لوگ اس وقت چھتوں" کے نیچے بیٹھے ہوتے ہیں اور زوال کے وقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے، اور جو آدمی نماز میں مشغول ہوگا، اسے زوالِ شمس کا علم نہ ہو سکے گا، اور اس کے لئے یہ بھی ناممکن ہے کہ لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا باہر آئے اور سورج کو دیکھ کر پھر لوٹ جائے۔ اور یہ حرکت بھی اس کے لئے مشروع نہیں۔ نیز بعض دیگر شواہد بھی ملتے ہیں، جنھیں امام شافعی رح نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

مثلاً انہوں نے فرمایا، اسحٰق بن عبداللہ سے مروی ہے۔ انہیں سعید بن ابی سعید سے انہیں حضرت ابوہریرہ رض سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے علاوہ دوپہر (زوال شمس) کے وقت نماز سے منع فرمایا، جب تک کہ سورج نہ ڈھل جائے۔ اسی طرح انھوں نے کتاب اختلاف الحدیث میں روایت کیا ہے اور کتاب الجمعہ میں لکھا ہے کہ ہمیں ابراہیم

بن محمد سے انہیں اسحٰق سے اور انہیں ابو خالد احمد سے اہل مدینہ کے ایک شخص سے روایت ملی جسے عبداللہ بن سعید مقبری کہتے ہیں، انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

جمعہ کی ایک اور خصوصیت

اور امام بیہقی نے "المعرفۃ" میں عطا بن عجلان سے انھوں نے ابو نضرہ سے انھوں نے ابو سعید سے اور انھوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا، ان دونوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے علاوہ نصف النہار (دوپہر) کو نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے لیکن اس کی اسناد قابلِ استدلال نہیں ہیں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں لیکن جب ان روایات کو ابو قتادہؓ کی روایت کے ساتھ جمع کیا جائے، تو ایک گونہ قوت ہوجاتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جمعہ میں جلدی کرتے ہیں اور خروجِ امام تک نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ نے جس طرف اشارہ کیا ہے وہ حدیث صحیح میں موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی طرف جلدی جانے اور بغیر کسی استثناء کے خروجِ امام نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور یہ روایت ان روایات کے مطابق ہے جن میں جمعہ کے علاوہ دوپہر کے وقت نماز کی اجازت ملتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے حضرت عطاؒ حسنؒ اور مکحول کے خیال میں رخصت کا ذکر کردیا ہے "میں کہتا ہوں" کہ دوپہر کو نماز پڑھنے کی کراہت کے معاملہ میں لوگوں میں اختلاف ہے، اور اس میں تین اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ یہ وقت کسی طرح بھی کراہت کا وقت نہیں۔ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ جمعہ وغیر جمعہ ہر روز یہ کراہت کا وقت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ایک مشہور روایت کے مطابق امام احمدؒ بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ جمعہ کے علاوہ یہ کراہت کا وقت ہے، اب (جمعہ کے روز) یہ وقت کراہت نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کا یہ مذہب ہے۔

۱۲۔ بارھواں یہ کہ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ، منافقین یا سبح باسم اور غاشیہ پڑھی جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں یہی سورتیں پڑھا کرتے تھے (مسلم) نیز یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں ھل اتاک حدیث الغاشیہ بھی پڑھتے تھے۔ یہ سب آپ سے ثابت ہے۔ اور یہ مستحب نہیں کہ ہر سورہ میں سے کچھ حصہ یا ایک سورہ دو رکعتوں میں پڑھی جائے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے اور صرف جاہل امام اس پر مداومت کرتے ہیں۔

جمعہ عید مکرر ہے

۱۳۔ تیرھواں یہ کہ ہر ہفتہ بار بار آنے والی عید ہے اور ابو عبداللہ بن ماجہؒ نے اپنی سنن میں حضرت ابو مہابہ بن عبدالمنذر کی روایت سے نقل کیا ہے انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جمعہ کا دن تمام ایام کا سردار ہے اور اللہ کے ہاں سب سے بڑی عظمت والا ہے اور یوم اضحی اور یوم فطر سے بھی زیادہ ذی شان ہے۔ اس میں پانچ خاص باتیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

۲۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔

۳۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو وفات دی گئی۔

۴۔ اور اسی دن ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہی چیز عطا فرمائے گا، بشرطیکہ وہ حرام چیز کا سائل نہ ہو۔ اور

۵۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی، کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ اور درخت ایسے نہیں جو کہ اس روز جمعہ سے خوفزدہ نہ ہوں۔

جمعہ کو اچھا لباس پہننا چاہیئے

۱۴۔ مستحب یہ ہے کہ اس دن سب سے بہتر لباس جو میسر ہو پہنے، کیونکہ امام احمدؒ اپنی مسند میں حضرت ابو ایوبؓ سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو، اسے لگایا اور بہترین لباس پہنا پھر وہ نکلا، اور مسجد میں پہنچنے تک اس پر متانت طاری رہی، پھر اگر (وقت ہوا) تو اس نے رکوع کیا (نماز پڑھی) اور کسی کو ایذا نہ دی، اور جب امام نکلا تو خاموش ہو گیا یہاں تک کہ

اس نے نماز ادا کی تو یہ ان دونوں (جمعوں) کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

اور سنن ابو داؤدؒ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر جمعہ کے دن فرماتے سنا "تمہارا کیا بگڑتا ہے اگر تم عام لباس کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے ایک لباس خریدلو"؟

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن لوگوں کے بدن پر سوف کے موٹے کپڑے دیکھے، تو فرمایا:

اگر تم کچھ وسعت رکھتے ہو تو کیا ہرج ہے کہ عام کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک اور لباس تیار کرلو۔

جمعہ کے دن سفر

۱۵۔ جمعہ کا وقت داخل ہو جانے کے بعد اس دن میں سفر کرنا جائز نہیں جس پر جمعہ واجب ہو۔

رہا وقت سے قبل، تو اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ جو احمدؒ سے منقول اور منصوص ہیں، ایک تو عدم جواز کا ہے، دوسرا جواز کا اور تیسرا محض جہاد کے لئے جواز کا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر کا آغاز کرنا حرام ہے۔ سفرِ اطاعت میں دو قول ہیں۔

ایک تحریم کا ہے، امام نوویؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

دوسرا جواز کا ہے، امام شافعیؒ نے اس کی (حمایت) کی ہے۔

رہا زوال سے قبل سفر کرنا! تو امام شافعیؒ کے اس کے متعلق دو قول ہیں۔ قدیم قول جائز ہونے کا ہے، اور جدید قول زوال کے بعد کے مطابق ہے (یعنی حرام ہے)۔

صاحب التفریع فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ کی نماز ادا کرنے تک سفر نہ کرے۔ اور اگر زوال سے قبل سفر شروع کرلے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ طلوع فجر (جمعہ) کو اگر مقیم ہو تو ادائیگی نماز جمعہ تک سفر نہ کرے۔

امام ابو حنیفہؒ مطلقاً سفر کو جائز قرار دیتے ہیں۔

دار قطنیؒ نے "افراد" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

جو جمعہ کے روز جائے اقامت سے سفر شروع کرے۔ فرشتے اس کے لئے بددعا کرتے ہیں، کہ (خدا کرے) سفر میں تیرا کوئی دوست نہ ہو۔ یہ ابن لہیعہ کی روایت ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حکمؒ کی روایت سے ثابت ہے جو انہیں مقسم سے انہیں ابن عباسؓ سے پہنچی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک سریہ (چھوٹی سی فوج) میں بھیجا تو انہیں جمعہ کا معاملہ آن پڑا تو ساتھی صبح کو چلے گئے اور وہ کہنے لگے کہ میں پیچھے رہتا ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر ان سے جا ملوں گا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا، تو دریافت فرمایا، تم کیوں رک گئے۔ پھر کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ (جہاد کے سفر) پر صبح نہ کی؟

انھوں نے عرض کیا کہ میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کر لوں، پھر ان سے جا ملوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو وہ تمام کچھ خرچ کر دے (اللہ کے راستہ میں) تو بھی ان کے اس سفرِ جہاد کے برابر ثواب حاصل نہ کر سکے گا۔

یہ روایت علیل ہے، اس لئے کہ حکم کا مقسم سے سماع ثابت نہیں، لیکن یہ وہ صورت ہے جب مسافر کو اپنے رفقاء کے نہ مل سکنے کا خطرہ نہ ہو لیکن جب اسے اس بات کا خطرہ ہو کہ رفقائے (سفر) کو پا نہ سکوں گا تو اس کے لئے سفر کرنا قطعاً جائز ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عذر ہے کہ جو جمعہ اور جماعت کو ساقط کر دیتا ہے،

اور شاید اسی پر یہ روایت بھی محمول ہے کہ اوزاعیؒ سے منقول ہے کہ ان سے اس مسافر کے متعلق پوچھا گیا جس نے نماز جمعہ کی اذان سنی، اور وہ سواری پر کجاوہ ڈال چکا تھا کہا سے سفر پر ضرور جانا چاہیئے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ جمعہ اسے سفر سے نہیں روکتا اور ان کا مطلب مطلقاً جوازِ سفر کا ہو، تو مختلف فیہ معاملہ ہے۔

اس سلسلہ میں فیصلہ کن دلیل وہ ہے جو عبدالرزاقؒ نے نقل کی ہے، انھوں نے اپنی مسند

میں لکھا ہے، انھیں معمر سے انھیں خالد حذاء سے انہیں ابن سیرینؒ یا کسی دوسرے سے روایت پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب نے جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد ایک آدمی پر لباس سفر دیکھا تو دریافت فرمایا، کہ تمہارا کیا معاملہ ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے سفر کا ارادہ کیا تھا، پھر میں نے ناپسند سمجھا، کہ نماز پڑھنے سے قبل ہی چلا جاؤں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا جب تک جمعہ کا وقت نہ آجائے۔ جمعہ سفر سے نہیں روکتا، تو یہ قول زوال کے بعد منع کا ہے اور زوال سے قبل کوئی ممانعت نہیں۔

نیز ثوریؒ سے انھیں ابن ذویب سے انھیں صالح بن دینار سے انہیں امام زہریؒ سے معلوم ہوا انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز سے قبل چاشت کے وقت سفر کے لئے تشریف لے گئے اور ابن مبارکؒ نے حسان بن ابی عطیہ سے نقل کیا ہے، فرمایا، سب انسان جمعہ کے دن سفر کرتا ہے تو یہ دن اس پر بددعا کرتا ہے کہ خدا کرے اس کی غربت میں اسے مدد نہ ملے، اور نہ اسے سفر میں کوئی دوست ملے۔

امام اوزاعیؒ نے حضرت ابن حسیبؓ سے نقل کیا، انھوں نے فرمایا، جمعہ کے دن نماز کے بعد سفر ہونا چاہیئے۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عطا سے دریافت کیا، کہ کیا آپ کو خبر ملی کہا جاتا ہے، جب جمعہ کی رات کو کسی جمعہ پڑھے جانے والے قصبہ میں ٹھہرنے کا موقع ملے تو جمعہ کی نماز پڑھنے سے قبل وہاں سے نہ جائے، انھوں نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے، تو میں نے عرض کیا " تو جمعرات کے دن (چلا جائے) ؟ فرمایا، نہیں، یہ تو ایسا دن ہے جس میں کوئی مضرت نہیں۔

اجر فراواں کی بشارت

۱۶- یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کو جانے والے کے لئے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور قیام (اللیل) کا اجر ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ انھیں معمر سے یحییٰ بن ابی کثیر سے انھیں ابو قلابہ سے انھیں ابواشعث صنعانی سے انھیں اوس بن اوس سے روایت پہنچی۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے جمعہ کے دن (کپڑوں وغیرہ) کو دھویا اور غسل کیا، اور جلدی اٹھا اور اس طرف

جلدی چلا، اور امام کے قریب بیٹھا، اور خاموش رہا، تو وہ جس قدر قدم اُٹھائے گا، ہر قدم[علہ] پر اس کے لئے ایک سال کے روزوں اور رقیام (اللیل) کا اجر ہے۔ اور یہ (ثواب عظیم کی عطا) اللہ پر آسان ہے۔ اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

جمعہ کفارۂ سیّات کا دن ہے

۱۷۔ سترھویں کہ یہ دن گناہوں کے کفارے کا دن ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت عطا خراسانی سے منقول ہے، انھیں نبیشہ ہذلی سے معلوم ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ جب مسلمان نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر مسجد میں حاضر ہوا، اس طرح کہ وہ کسی کو ایذا نہیں دیتا، اگر ابھی تک امام نہیں آیا ہے اور اس نے حسب استطاعت نماز ادا کی اور اگر دیکھا کہ امام آچکا ہے تو بیٹھ گیا اور (امام کا خطبہ) سنا اور خاموش رہا۔ یہاں تک کہ امام نے نماز جمعہ پڑھا دی، اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اور اس کے تمام گناہ اس جمعہ میں نہ بخشے جائیں گے تو اتنا ضرور ہو گا کہ دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخشے جائیں گے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت سلمانؓ سے منقول ہے انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن جس نے غسل کیا، اور حسب استطاعت طہارت حاصل کی، اور کوئی سا تیل لگایا یا کوئی عطر لگایا، پھر وہ (نماز جمعہ کے لئے) نکلے اور دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے، پھر حسب مقدر نماز پڑھے، اور جب امام خطبہ پڑھے، تو خاموش رہے، تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اور مسند امام احمدؒ میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، پھر لباس پہنا اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگائی، پھر متانت کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے چل پڑا، نہ کسی کو پھاند کر

علہ علمائے اصول حدیث کا یہ تقریباً متفقہ اصول ہے کہ جن حدیثوں میں عمل قلیل پر اجر کثیر کی بشارت اور معصیت قلیل پر عتاب عظیم کی خبر ہو، وہ ضعیف ہیں، چنانچہ بخاری و مسلم میں اس طرح کی حدیثیں شاذ و نادر ہی ملیں گی۔ (رئیس احمد جعفری)

گزرے، نہ اسے تکلیف دے اور جو اس کے مقدر میں ہو نماز پڑھے، پھر امام کے فارغ ہونے تک انتظار کرے تو اس کے دو جمعوں کے درمیان کے گناہ بخشے جائیں گے۔

۱۸۔ اٹھارواں یہ کہ جمعہ کے علاوہ ہر روز جہنم دہکایا جاتا ہے (اور ابن ابی قتادہؓ کی روایت اس کے متعلق گذر چکی ہے) کیونکہ اللہ کے ہاں یہ سب سے افضل دن ہے اور اس دن میں طاعات و عبادات دعائیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے سامنے عاجزی و زاری کی جاتی ہے اور یہ چیزیں جہنم کے دہکنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دن اہل ایمان کے گناہ بھی دوسرے ایام کی نسبت بہت کم واقع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ فساق و فجار بھی ہفتے کے باقی دنوں سے اس دن گناہوں سے زیادہ تر رکے رہتے ہیں۔ اس روایت کا مطلب دُنیا میں دوزخ کا دہکنا ہے۔ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز اس کو گرم کیا جاتا ہے، رہا، یوم قیامت، تو اس کا عذاب کم نہ ہوگا اور نہ اہل دوزخ سے کسی دن بھی اس کی تخفیف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ جہنم کے فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اپنے پروردگار سے درخواست کرنا کہ کسی دن ہماری سزائیں کمی کریں تو وہ ان کی (چیخ پکار) کا جواب نہیں دیتے۔

قبولیت دُعا کی ساعت

۱۹۔ انیسواں، اس میں قبولیت دعا کی ایک ساعت ہے اور یہ وہی گھڑی ہے کہ جس میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، تو وہ اسے ضرور قبول کرتا ہے۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ کوئی مسلمان بھی جو نماز پڑھ رہا ہو، اسی وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگے گا، اللہ تعالیٰ اُسے وہی چیز عنایت فرمائے گا، اور ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ یہ تھوڑا سا وقت ہے۔

اور مسند میں حضرت ابولبابہ منذری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام ایام کا سردار اور سب سے زیادہ عظمت والا ہوتا ہے، اور اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ یوم فطر اور یوم اضحی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور اس میں پانچ خاص باتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا۔

دوسرے اسی دن ہبوطِ آدم ہوا، یعنی وہ زمین پر اُتارے گئے۔

تیسرے اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو وفات دی۔

چوتھے اس دن کے اندر ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جب کوئی بندہ اس وقت اللہ سے کچھ مانگتا ہے تو وہ اسے عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو۔

پانچویں، اسی دن قیامت آئے گی کوئی مقرب فرشتہ زمین، ہوا، سمندر، پہاڑ، درخت ایسا نہیں جو اس دن کے پیش آنے والے حوادث سے خائف و ترساں نہ ہو۔

جمعہ کی ساعتِ قبولیت

قائم ہے یا اٹھالی گئی؟

اقوال متعددہ ومختلفہ اس ساعت کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا وہ باقی ہے؟ یا اٹھالی گئی؟

اس سلسلے میں دو قول ہیں، جنھیں ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

جو اس کے باقی ہونے کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ اٹھائی نہیں گئی۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ جمعہ کے دن یہ ایک معین وقت پر آتی ہے یا غیر معین وقت پر؟

اس سلسلے میں بھی دو قول ہیں۔

جو غیر معین ہونے کے قائل ہیں۔ ان کے بھی دو قول ہیں۔

مزید برآں جو غیر معین ہونے کے قائل ہیں، ان کے مابین اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا یہ دن کی مختلف ساعتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے، یا نہیں؟ اور اس میں بھی دو قول ہیں۔

اور جو اس کے معین ہونے کے قائل ہیں، ان کا اختلاف بڑھ کر گیارہ اقوال تک پہنچ چکا ہے۔

۱۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ملی کہ انھوں نے فرمایا کہ ساعت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک اور نماز عصر سے لے کر نماز مغرب تک رہتی ہے۔

دوسرے قول کے مطابق یہ زوال کے قریب ہوتی ہے جیسے ابن منذر نے حضرت حسن بصریؒ اور ابو عالیہؒ سے نقل کیا ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب موذن جمعہ کی اذان دے، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ قول ہمیں حضرت عائشہؓ سے پہنچا ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ جب امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھتا ہے اس کے فارغ ہونے تک کے درمیانی عرصہ میں یہ ساعت آتی ہے، ابن منذر کہتے ہیں، ہمیں یہ روایت حضرت حسن بصریؒ سے پہنچی ہے۔

۵۔ پانچواں ابوبردہؓ کا قول ہے کہ یہ وہ ساعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نماز کیلئے منتخب کرلیا

۶۔ چھٹا ابوسوار عدوی کا قول ہے، انھوں نے بتایا کہ سلف کا خیال ہے زوالِ شمس سے لے کر نماز کے وقت تک دعا قبول ہوتی ہے۔

۷۔ ساتواں قول حضرت ابوذرؓ کا ہے کہ یہ ساعت ایک بالشت طلوعِ شمس سے لے کر بقدر ایک گز طلوع تک ہوتی ہے۔

۸۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ یہ عصر اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کے قائل حضرت ابوہریرہؓ عطاءؒ۔ عبداللہ بن سلام اور طاؤسؒ ہیں۔ یہ تمام اقوال ابن منذرؒ نے نقل کیے ہیں۔

۹۔ نواں قول یہ ہے کہ یہ ساعت عصر کے بعد آخری وقت میں ہوتی ہے۔ امام احمدؒ جمہور صحابہؓ اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔

۱۰۔ دسواں قول ہے یہ ساعت خروج امام سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک کے درمیانی عرصہ میں ہوتی ہے۔ اسے امام نوویؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

۱۱۔ گیارھواں، صاحب "مغنی" نے لکھا ہے کہ یہ دن کی تیسری ساعت میں آتی ہے۔ اور حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اگر انسان جمعہ کا دن (تین) برابر حصوں میں تقسیم کرلے تو یہ ساعت مل سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، صرف ایک دن کو طلب حاجت کے لئے خاص کرلینا بہت آسان ہے

دو قابلِ ترجیح قول

ان تمام اقوال میں زیادہ قابلِ ترجیح دو قول ہیں جو صحیح احادیث پر مشتمل ہیں۔ اور ان دونوں میں سے ایک زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔

پہلا تو یہ کہ یہ ساعت امام کے (منبر) پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان

میں ہوتی ہے۔ اس قول کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو ابو بردہؓ بن ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کبھی اپنے والد بزرگوار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث جمعہ کے متعلق بھی سنی ؟ انھوں نے فرمایا ، ہاں ، میں نے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ یہ (ساعت) امام کے (منبر) پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اور ابن ماجہ و ترمذیؒ نے بھی حضرت عمرو بن عوف مزنی سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ، بے شک جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت کچھ بھی مانگے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہی عطا فرماتا ہے۔ عرض کیا گیا ، اے اللہ کے رسول ، وہ کونسی ساعت ہے ؟ آپؐ نے فرمایا۔ جب نماز قائم ہو اس وقت سے لے کر نماز سے فارغ ہو جانے تک۔

دوسرا قول ہے کہ یہ ساعت نماز عصر کے بعد ہوتی ہے یہ دونوں متاخر اقوال میں سے زیادہ ترجیحی قول ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن سلام۔ ابو ہریرہؓ۔ امام احمد اور ایک جماعت کا قول ہے۔ اس قول کی حجت وہ روایت ہے جو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس وقت ایک مسلمان بندہ جو بھی اللہ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز عطا فرماتا ہے اور یہ ساعت عصر کے بعد ہوتی ہے۔ اور ابو داؤدؒ۔ نسائیؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا ، جمعہ کے دن بارہ ساعتیں ہوتی ہیں ان میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا ہے ، اللہ تعالیٰ اُسے وہی چیز عطا فرماتا ہے۔ اسی لیے اس (ساعت) کو عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو۔ اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ جمع ہوئے اور جمعہ کے دن میں واقع اس ساعت کے متعلق تبادلہ خیال کیا تو ان کا اختلاف ہو گیا ، لیکن جمعہ کی آخری ساعت میں ہونے کے متعلق کوئی اختلاف نہ کیا ، اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے۔

انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب یعنی توراۃ میں جمعہ کے دن ایک ساعت پاتے ہیں کہ اس وقت کوئی مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگے، اللہ اس کی حاجت پوری فرما دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یا ساعت کا کچھ حصہ، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے درست فرمایا، یا ساعت کا کچھ حصہ، پھر میں نے عرض کیا، وہ کونسی ساعت ہے؟ آپ نے فرمایا، کہ وہ دن کی گھڑیوں میں سے آخری ساعت (گھڑی) ہے۔ میں نے عرض کیا (لیکن) یہ تو نماز کی ساعت نہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں! جب ایک مومن بندہ نماز پڑھتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے اور (آئندہ وقت) کی نماز ہی نے اسے بٹھا رکھا ہوتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے"۔

اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ ساعت اس وقت ہوتی ہے جب امام خطبہ شروع کرے اس وقت سے فراغت نماز تک، تو اس نے صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کیا ہے جو ابو بردہؓ سے انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے والد سے جمعہ کی ساعت کے متعلق کچھ سنا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں میں نے ان سے سنا، وہ کہتے تھے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ" یہ (ساعت) امام کے (منبر) پر بیٹھنے سے لے کر نماز ختم ہو جانے کے درمیان میں ہوتی ہے"۔

اور عبدالرحمٰن بن مجدق نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ ان کی بیوی نے جمعہ کے دن کی اسی ساعت کے متعلق پوچھا، جس میں ایک مومن بندہ کی دعا قبول کی جاتی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ (ساعت) سورج کے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد تک کی ہے اور اگر اب تو نے پوچھا تو تجھے طلاق"۔ ان لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ "وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو"۔ اور عصر کے بعد اس وقت کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اور ظاہر حدیث سے استدلال زیادہ اولیٰ ہوتا ہے۔

حضرت علی کی روایت سے استدلال | ابو عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس خیال کے لوگوں نے

حضرت علیؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے" جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جب سورج ڈھل جائے اور سائے لوٹ جائیں اور ارواح جانے لگیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا سوال کرو، کیونکہ یہ اوابین کی ساعت ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "انہ کان للاوابین غفورا"۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے بتایا، جمعہ کے دن جس ساعت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ نماز عصر سے غروب شمس تک ہے اور حضرت سعید بن جبیر جب نماز عصر پڑھ لیتے تو غروب آفتاب تک کسی سے بات نہ کرتے۔ اکثر سلف کا یہی قول ہے۔ اسی کی حمایت میں اکثر احادیث ہیں اور اسی سے وہ قول ملتا ہے کہ یہ ساعت نماز ہے۔ باقی اقوال کی کوئی دلیل نہیں میرے نزدیک یہ ہے کہ نماز میں بھی ایک ایسی ساعت ہے کہ جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ تو اس طرح قبولیت کی دو ساعتیں ہوتی ہیں۔

اگر وہ مخصوص ساعت نمازِ عصر کے بعد کی آخری ساعت ہو تو وہ اس دن سے مقررہ ساعت ہے جو مقدم و موخر نہیں ہوتی۔ رہی ساعتِ صلوٰۃ تو یہ نماز کے تابع ہے، جو مقدم یا موخر ہو سکتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے اجتماع و نماز و تفرع اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے میں قبولیت دعا کے لیے ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ تو ان کے اجتماع کی ساعت ایسی گھڑی ہے جس میں اجابت کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور اس پر تمام احادیث متفق ہیں، اور ان دو ساعتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعاء اور زاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے، کہ ایک مرتبہ جب آپ سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا کہ جو تقویٰ کی بنا پر بنائی گئی تو آپؐ نے فرمایا "یہ ہے وہ تمہاری مسجد۔ اور مسجد مدینہ (مسجد نبوی) کی طرف اشارہ کیا یہ فرمان مسجد قباء کی نفی نہیں کرتا جس کے متعلق یہ آیت "تقویٰ کی بنا پر" نازل ہوئی، بلکہ یہ دونوں مسجدیں تقویٰ ہی پر قائم ہیں۔

اسی طرح جمعہ کی ساعت کے متعلق آپ کا فرمان، کہ" یہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے کے درمیان ہے۔" بھی دوسری روایت کی نفی نہیں کرتا، کہ" اسے نماز عصر کے بعد تلاش کرو۔ اور اسماء میں اس سے مشابہ امثلہ آتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ما تعدون الرقوب فیکم

یعنی تم اپنے اندر کس کو رقوب سمجھتے ہو؟ (صحابہؓ) نے عرض کیا، جس کا کوئی لڑکا نہ ہو، آپ نے فرمایا، رقوب وہ ہے کہ جسے اپنے بچے سے کچھ حاصل نہ ہو، اور آپ نے فرمایا کہ یہ بھی رقوب ہے جب اس کو اپنے لڑکے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اور یہ اس بات کے منافی نہیں کہ وہ جس کا بچہ نہ ہو اسے رقوب کہا جائے۔"

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، کہ تم میں مفلس کون ہوتا ہے؟ (صحابہؓ) نے عرض کیا کہ جس کے پاس کچھ زر و مال یا سامان و اسباب نہ ہو، آپ نے فرمایا، مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن پہاڑوں کی طرح بہت سی نیکیاں لے کر آئے اور ساتھ ساتھ یہ بوجھ بھی ہو کہ اس نے کسی کو چانٹا مارا ہو، کسی کو زد و کوب کیا ہو، کسی کا خون بہایا ہو، چنانچہ اس کی کچھ نیکیاں یہ لے جائے اور کچھ اس کی نیکیاں وہ لے جائے۔ الخ (حدیث)

اسی طرح آپ کا فرمانا، کہ مسکین یہ نہیں جو پھر رہا ہے، اور اسے ایک لقمہ یا دو لقمے ایک کھجور یا دو کھجوریں ملتی ہیں، بلکہ مسکین تو وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔ اور وہ اسے سمجھتے ہی نہیں کہ اس پر صدقہ کریں۔

ساعت اجابت

یہ ساعت عصر کے بعد کی آخری ساعت ہے، تمام اہل ادیان نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اور اہل کتاب کے خیال میں یہ ساعت اجابت ہے یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ جس میں انھیں تبدیلی یا تحریف کی ضرورت نہ تھی اور ان کے اہل ایمان نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

ساعت جمعہ اور لیلۃ القدر

باقی جنھوں نے اس کے منتقل ہوتے رہنے کا دعویٰ کیا ہے تو انھوں نے دراصل (اس دعویٰ) کے ذریعہ احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے جیسا لیلۃ القدر کے متعلق منقول ہے اور یہ قوی نہیں، کیونکہ لیلۃ القدر کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسے پچیس چھبیس ستائیس اور انتیس (شب) میں تلاش کرو، اور جمعہ کی ساعت کے متعلق ایسا کوئی قول منقول نہیں۔ دوسرے لیلۃ القدر کے متعلق کوئی صریح روایت نہیں ملتی کہ وہ ٹھیک ٹھیک اس وقت ہوگی۔ بخلاف جمعہ کی ساعت کے، اس طرح دونوں میں امتیاز ہوگیا۔

ساعت جمعہ اٹھائی نہیں گئی

رہا ان لوگوں کا قول جو اس ساعت کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں، تو ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے بعض کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر اٹھالی گئی ہے۔ اس کا اگر یہ مطلب ہے کہ یہ ساعت پہلے معلوم تھی اور بعد میں امت سے اس کا علم چھین لیا گیا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ ساری امت سے اس کا علم رفع نہیں کیا گیا، اگرچہ بعضوں سے رفع ہو چکا ہو، اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس ساعت کی حقیقت اور ساعتِ اجابت ہونا مرفوع ہو چکا ہے تو یہ مطلب باطل اور احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے اس لیئے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

جمعہ کے خصائص میں سے اکیسواں خاصہ یہ ہے کہ اس میں نماز جمعہ ہوتی ہے، جو تمام فرض نمازوں میں اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے، جو اجتماع، عدد مخصوص، اشتراط اقامت (استیطان) اور قرآتِ جہری کے لحاظ سے صرف اسی میں پائی جاتی ہیں۔ اور نماز عصر کے علاوہ اس کی اس قدر تاکید آئی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ سنن اربعہ میں ابوجعد ضمری سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نے استحقار کے باعث تین جمعے چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا

راویان حدیث پر جرح

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے، اور میں محمدؒ سے حضرت ابوجعد ضمریؓ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا نام معروف نہیں اور بتایا کہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس کی اس کے سوا کوئی روایت نہیں جانتا، اور سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تارک جمعہ کے لیئے حکم مذکور ہے کہ جو اسے چھوڑ دے وہ ایک دینار کا صدقہ کرے۔ اگر نہ مل سکے تو نصف دینار۔ ابوداؤدؒ، نسائیؒ نے اسے قدامہ بن وبرہ اور انھوں نے سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے۔ لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قدامہ بن وبرہ معروف نہیں۔ اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے۔ امام بخاری سے منقول ہے کہ وہ سمرہؓ سے اس کا سماع صحیح نہیں مانتے۔

جمعہ کے چند اور خصائص

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے۔ ہاں امام شافعیؒ سے ایک قول منقول ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے لیکن یہ غلط ہے۔

جمعہ کا بائیسواں خاصہ یہ ہے کہ اس میں خطبہ ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ثناو تمجید بیان کی جاتی ہے اس کی وحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی جاتی ہے اور بندوں کو اس کے متعین کردہ ایام سے تذکیر اور اس کے انتقام و زجر سے تحذیر کی جاتی ہے اور ان اعمال کی وصیت کی جاتی ہے جو انہیں اس کی طرف اور جنت کی طرف لے جائیں، اور ان باتوں سے روکا جاتا ہے کہ جو اس کی ناراضگی اور دوزخ کا سبب بنیں۔ خطبہ اور اجتماع کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے۔

جمعہ کا تیئیسواں خاصہ یہ ہے کہ یہ وہ دن ہے کہ جس دن عبادت کے لئے فارغ ہو جانا مستحب ہے مستحب اور واجب عبادات کے باعث باقی ایام پر اس دن کو ایک خاص فوقیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ملت کے لئے ایک دن ایسا بنا دیا کہ وہ اس دن دنیا کے کاموں سے الگ ہو کر یکسوئی سے عبادت کر سکیں۔ تو (اہل اسلام) کے ہاں بھی جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے۔ اس طرح دنوں میں اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے مہینوں میں رمضان شریف کی ہے اور اس میں ساعت اجابت کی مثال ایسی ہے۔ جیسی کہ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کی حیثیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا جمعہ کا دن درست اور (گناہوں سے) سلامت رہا اس کے تمام دن سلامت رہے اور جس کا رمضان کا مہینہ سلامت اور درست رہا تو اس کا سارا سال پرامن (سلامت) رہا، اور جس کا حج درست اور سلامت رہا اس کی تمام عمر سلامت رہی۔

جمعہ ہفتہ کی میزان ہے

پس جمعہ ہفتے کی میزان ہے۔ رمضان سال کی میزان ہے اور حج عمر کی میزان ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جمعہ کا چوبیسواں خاصہ یہ ہے کہ جب جمعہ کی حیثیت ہفتہ میں اس طرح ہے جیسے سال میں عید کی اور عید نماز اور قربانی سے عبارت ہے۔ اور جمعہ کا دن یوم الصلوٰۃ قرار پایا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف جلدی سے چل کر جانے کو قربانی کا قائم مقام کر دیا۔ تو جو مسجد میں جلدی تیاری کر کے جا رہا ہے، گویا وہ نماز اور قربانی دونوں کو جمع کر رہا ہے، جیسا کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کہ آپ نے فرمایا جو اوّل ساعت میں داخل مسجد ہوا، گویا اس نے ایک اونٹ قربانی کے لئے پیش کیا۔ اور جو دوسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے ایک گائے

قربانی کے لیے پیش کی اور جو تیسری ساعت میں حاضر ہوا تو گویا اس نے ایک بھیڑ قربانی کے لیے پیش کی۔

ساعت جمعہ سے متعلق فقہا کا اختلاف

اور اس ساعت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے یہاں ان کے دو قول ملتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ ساعت شروع دن میں ہوتی ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ وغیرہ کا یہی مذہب مشہور ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ (ساعت) زوال کے بعد چھٹی ساعت میں ہوتی ہے یہ امام مالکؒ کا مشہور قول ہے اور بعض شوافع نے بھی اسے اختیار کیا ہے، اور اس پر دو استدلال کیے ہیں۔

ایک یہ کہ (مساجد) میں زوال کے بعد ہی جانا ہوتا ہے اور یہ صبح کے جانے کے مقابل ہے جو زوال سے قبل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، غدوھا شھر ورواحھا شھر (یعنی) ان کا صبح کا (سفر) ایک ماہ کا اور شام کا (سفر) ایک ماہ (کے برابر) ہوتا ہے۔ اور جوہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ زوال کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سلفؒ بھلائیوں کے زیادہ شیدا تھے، اس کے باوجود وہ طلوع شمس کے وقت یعنی صبح صبح جمعہ کی نماز کے لیے حاضر نہ ہوتے تھے۔ اور امام مالکؒ نے تو (جمعہ کی نماز) کے لیے شروع دن میں صبح صبح آنے کا انکار کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اہل مدینہ اس پر (عامل رہے ہوں) پہلے قول کے اصحاب نے حضرت جابرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے۔ یعنی یہ کہ جمعہ کے دن بارہ ساعتیں ہوتی ہیں، اور منقول ہے کہ معہود ساعتیں بارہ ساعتیں ہوتی ہیں اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معتدل اور زمانی ساعتیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ساعتیں قرار دی ہیں اور اس سے زیادہ نہیں کیں۔ اور اگر ساعتیں گھڑیوں کے چھوٹے چھوٹے اجزاء شمار کیے جائیں تو یہ چھ حصوں میں منقسم نہ ہوں گی۔ بخلاف اس کے ان سے معہود ساعتیں مراد ہوں گی کیونکہ چھٹی ساعت جب نکل جائے اور ساتویں داخل ہو جائے تو امام نکل جاتا ہے صحیفے لپیٹ لیے جاتے ہیں اور اس کے بعد کسی کی قربانی (ہدیہ) قبول نہیں کیا جاتا، جیسا کہ سنن ابوداؤد میں صراحت سے مذکور ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، تو شیاطین اپنے جھنڈے لے کر بازاروں میں جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو مکر وفریب میں پھنساتے ہیں اور انہیں جمعہ سے روکتے ہیں۔ اور فرشتے بھی صبح ہی آتے ہیں اور مساجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو لوگوں کو ایک ساعت میں دوسرے کو دو ساعتوں کے بعد لکھتے ہیں، یہاں تک کہ امام آجاتا ہے۔

عمر بن عبدالبر نے بتایا ہے کہ ان ساعات کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، بعض کا خیال یہ ہے۔ ساعات کا مطلب طلوعِ شمس اور اس کا کھل جانا ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں جمعہ کے لئے جلد جانا افضل ہے۔ ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، شافعی اور اکثر علماء جلد حاضر ہونے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر فجر کے بعد اور طلوعِ شمس سے قبل (نماز جمعہ کے لئے گیا) تو یہ بہتر ہے۔

جُمعہ یوم اجتماع ہے

جمعہ کی چند مزید خصوصیات

وہ آثار جن سے مالکؒ استدلال کرتے ہیں

اثرم بتاتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ سے کہا گیا کہ انسؓ بن مالک کا قول ہے کہ جمعہ کے دن صبح صبح ہی مسجد میں جانا مناسب نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہے۔ اور پھر فرمایا۔

سُبحان اللہ اس مسئلہ میں وہ کس طرف چلے گئے!؟

ہم نے اس پر کتاب واضح السنن میں کافی بحث کی ہے اور یہ تمام مبحث عبدالملک بن مروان ہی کے متعلق ہے۔ پھر ابوعمرؒ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ امام ملک رحمۃ اللہ علیہ پر محض بہتان ہے۔ اور یہی ہے کہ جس نے ایک منکر اور محرف بات کی ہے، بلکہ امام مالکؒ کی رائے کی تو ائمہ کے روایات اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے اور اہل مدینہ کا عمل بھی ان کا شاہد ہے۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں (اہلِ مدینہ) کا عمل قابلِ استدلال ہے۔ کیونکہ جمعہ کی نماز بار بار آتی ہے۔ اور عوام و علماء سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

جن آثار سے امام مالکؒ استدلال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک زہریؒ نے حضرت سعید بن مسیّب سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو مسجد کے دروازوں میں سے ہر دروازے پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں

جو لوگوں کے متعلق لکھتے رہتے ہیں کہ پہلے (آنے والا کون ہے) اور پھر بعد میں (کون ہے)؟ تو جمعہ کی طرف صبح جلدی سے آنے والا ایسا ہے جیسے ایک اونٹ کا ہدیہ دے پھر جو اس کے بعد آئے وہ ایسا ہے۔ جیسے ایک گائے دے۔ پھر اس کے بعد میں آنے والا ایسا ہے کہ جیسے ایک بھیڑ دے، حتیٰ کہ انہوں نے مرغی اور انڈے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ آخر جب امام (منبر پر) بیٹھ جائے تو صحیفے لپیٹ لیے جاتے ہیں اور لوگ خطبہ سنتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا تم اس روایت کا مطلب نہیں سمجھتے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ (فرشتے) پہلے آنے والوں اور پھر ان کے بعد آنے والوں کے نام لکھتے ہیں اس طرح جمعہ کی طرف (پھر) صبح صبح جانے والا ایسا ہے جیسے اونٹ پیش کرنے والا۔ اور پھر جو اس کے بعد آتا ہے۔ اسی طرح سب سے پہلے آنے والے کو انھوں نے مہر قرار دیا۔ یہ لفظ ہاجرۃ اور تہجیر سے ماخوذ ہے اور یہ جمعہ کی طرف جانے کے وقت کو کہتے ہیں اس کا طلوع آفتاب کے وقت پر اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہاجرۃ یا تہجیر کا یہ وقت نہیں، اور روایت میں ہے۔ پھر جو اس کے بعد آئے۔ اور کسی ساعت کا ذکر نہیں کیا گیا انہوں نے بتایا۔ ان الفاظ کے ساتھ ابتداء میں کئی طریقے ذکر کر دیے گئے ہیں۔ رہے اہل مدینہ کہ وہ دن کے آغاز میں مسجد نہیں جایا کرتے تھے۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک ان کا یہ عمل رہا اور یہ محبت نہیں۔ اور نہ ان کے ہاں جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اجماعِ اہل مدینہ حجت ہے کیونکہ یہ تو صرف اتنی بات ہوئی کہ ابتدائے روز میں انہوں نے جمعہ کے لئے جانا ترک کیا تھا۔ اور یہ کام ضرورت کے پیشِ نظر جائز ہوتا ہے۔ اور گاہے گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابتدائے دن میں جمعہ کی طرف جانے کے بجائے اپنے ذاتی یا گھر والوں کے مصالح و معاش یا اس کے علاوہ بعض دینی و دنیاوی امور زیادہ توجہ طلب اور افضل ہوتے ہیں۔

"رباط" سے کیا مراد ہے؟ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور دوسری نماز پڑھنے تک جائے نماز پر بیٹھا رہنا واپس لوٹ کر گھر جانے سے افضل ہے۔ جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو آدمی نماز کا انتظار کرے۔ پھر امام کے ساتھ نماز پڑھے۔ یہ اس سے افضل ہے۔ جو نماز پڑھے اور پھر اپنے گھر میں چلا جائے اور بتایا کہ جب تک وہ اپنی جائے نماز میں رہے تب تک

فرشتے اس پر دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ اور فرمایا کہ نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا ایسے (اعمال) میں ہے کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ اور یہی چیز رباط (جم کر عبادت کرنا) ہے۔ (مزید) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے ایسے بندے پر فخر کرتا ہے جو فریضہ ادا کرے اور دوسرے فریضہ کے انتظار میں بیٹھ جائے۔ یہ اس بات پر شاہد ہے کہ جو صبح کی نماز پڑھے اور پھر جمعہ کی انتظار میں بیٹھ جائے وہ اس سے افضل ہے۔ جو چلا جائے اور وقت پر پھر حاضر ہو جائے اور اہلِ مدینہ وغیرہ کا اس پر عامل نہ ہونا یہ مطلب نہیں رکھتا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اسی طرح جمعہ کے لئے صبح کرنا اور جلدی سے حاضر ہونے کا مسئلہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے۔

ایک اور خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ اسی دن صدقہ کرنا باقی ایام کی نسبت زیادہ باعثِ اجر ہے ہفتے کے باقی دنوں کی نسبت اس دن صدقہ دینا ایسا ہے، جیسے تمام مہینوں سے رمضان کے مہینہ کا صدقہ (افضل) ہوتا ہے۔

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو دیکھا کہ وہ جب جمعہ کے لئے حاضر ہوتے۔ تو گھر میں سے روٹی وغیرہ جو میسر آتا لے لیتے۔ اور راستہ میں خفیہ طریق پر صدقہ کرتے اور میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں مناجاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل صدقہ کا حکم دیا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی مناجات سے قبل صدقہ کرنا تو زیادہ افضل اور اولیٰ ہے احمد بن زہیر بن حرب بتاتے ہیں کہ ہمیں والد بزرگوار نے انہیں جریر نے بتایا انہیں منصورؒ سے انہیں مجاہدؒ سے انہیں حضرت ابن عباسؓ سے معلوم ہوا۔ انہوں نے فرمایا۔

ابوہریرہؓ اور کعبؓ اکٹھے ہوئے تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا بے شک جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان جو کچھ بھی اللہ تعالےٰ سے مانگے وہ اسے وہی کچھ عطا فرماتا ہے۔

حضرت کعبؓ نے فرمایا، کہ میں تمہیں جمعہ کے متعلق (کچھ) بتاؤں (پھر فرمایا) کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے۔ تو ابنِ آدم اور شیاطین کے سوا آسمان و زمین، خشکی، تری، پہاڑ، درخت اور تمام مخلوقات

اس سے ترسان اور خوفزدہ ہو جاتی ہے اور فرشتے مسجد کے دروازوں کو گھیر لیتے ہیں اور جو پہلے اور پھر پہلے پہلے آتا ہے۔ اس کا نام درج کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ امام نکل آتا ہے۔ اسی طرح جب امام نکل آتا ہے تو وہ صحیفے لپیٹ دیتے ہیں۔ اور جو (امام) کے آنے کے بعد آتا ہے تو وہ اللہ سے یوں ملتا ہے کہ اس کا کچھ عمل نہیں ہوتا۔

اور ہر بالغ کو چاہئے کہ اس دن غسل کرے جس طرح جنابت کا غسل کیا جاتا ہے اور تمام ایّام کی نسبت اس دن صدقہ کرنا افضل ہے اور جمعہ کے دن ایسا ہے کہ جیسے اس دن سورج نہ طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت کعبؓ کا مکالمہ تھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے پاس جو خوشبو ہو تو وہ بھی لگا لے۔

جمعہ اور دیدارِ جلوۂ الٰہی

ایک مزید خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء و مومنین کو جنت میں اپنا جلوہ دکھانے کے لئے تجلی فرماتا ہے۔ تو جو بھی امام سے زیادہ قریب ہوگا۔ وہ اُس (اللہ) سے زیادہ قریب ہوگا اور جو جمعہ کی طرف زیادہ جلدی سے جائے گا وہ دیدارِ الٰہی بھی سب سے پہلے کرے گا۔

اور یحییٰ بن یمان نے شریکؒ سے انہوں نے ابو یقظانؒ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق (ولدینا مزید) روایت کیا، فرمایا:

(اللہ) تعالیٰ ہر جمعہ کو اپنی تجلی سے سرفراز فرمائے گا۔

معجم طبرانی میں ابونعیم مسعودی کی روایت ہے کہ انہوں نے منہال بن عمرو سے انہوں نے ابوعبیدہ سے نقل کیا انہوں نے بتایا کہ عبداللہ نے فرمایا: جمعہ کی طرف جلدی کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو اہلِ جنت کے سامنے کافور کے ایک ٹیلے پر تجلی فرماتا ہے۔ اس دن اللہ کا یہ قرب جمعہ کی طرف جلدی کرنے کے مطابق ہوتا ہے۔ پس اس دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اس قدر اعزاز و اکرام عطا فرماتا ہے کہ جو انہوں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا ہوگا پھر یہ لوگ اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ آتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا ہوتا ہے۔ وہ گھر آ کر بتاتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ پھر حضرت عبداللہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں دو آدمی اور بھی تھے تو عبداللہؓ

فرماتے، فرمایا کہ میں تیسرا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو تیسرے میں بھی برکت فرمائے گا۔

بیہقیؒ نے مشعب میں حضرت علقمہ بن قیس سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے بتا کہ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے ساتھ جمعہ کی طرف چلا۔ تو انہوں نے وہاں تین آدمی دیکھے جو ان سے سبقت لے گئے۔ تو فرمایا؛ چار کا چوتھا۔ اور چار کا چوتھا بھی دور نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، کہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اس قدر (قریب اور دُور) بیٹھے ہوں گے جس قدر وہ جمعہ کی نماز کے لئے جانے میں (جلدی یا سستی) سے کام لیا کرتے تھے۔ پہلا پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا۔ اور فرمایا کہ چار کا چوتھا کوئی دور نہیں۔

دار قطنیؒ نے بتایا کہ ہمیں احمد بن سلیمان بن حسن نے انہیں محمد بن عثمان بن محمد نے انہیں مروان بن جعفر نے انہیں نافع ابوالحسن مولی بنی ہاشم نے انہیں عطاء بن ابی میمون نے بتایا انہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

جب قیامت کا دن ہو گا۔ تو مومن اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔ پس جمعہ کی طرف جو سب سے زیادہ سبقت لے گیا ہو گا۔ وہ سب سے پہلے دیدار کر سکے گا۔ اور مومن عورتیں یوم فطر اور یوم نحر (قربانی) کو زیارت کریں گی۔

جمعہ کا دن برکتوں اور رحمتوں کا دن ہے

جنہیں محمد بن نوح نے انہیں محمد بن موسیٰ بن سفیان سکری نے انہیں عبداللہ بن جہم رازی نے انہیں عمرو بن ابی قیس نے بتایا۔ انہیں ابوطیبہ سے انہیں عاصم سے انہیں عثمان بن عمید ابوالیقظان سے انہیں حضرت انسؓ بن مالک سے انہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی آپ نے فرمایا۔

میرے پاس جبریل آیا۔ اور اس کے ہاتھ میں گویا کہ ایک سفید آئینہ ہے۔ جس میں ایک سیاہ نشان ہے۔ میں نے دریافت کیا۔ اسے جبریل یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ جمعہ ہے اللہ تعالیٰ اسے آپ پر پیش فرماتا ہے۔ تاکہ آپ کے لئے اور آپ کے بعد آپ کی اُمت کے لئے یہ عید کا دن ہو۔

میں نے پوچھا۔" اور اس دن میں ہمارے لئے کیا ہے"؟
اس نے جواب دیا۔ کہ آپ کے لئے اس میں بھلائی ہے۔ آپ پہلے ہیں اور یہود و نصاریٰ بعد میں ہیں[1]۔ اور اس میں آپ کے لئے ایک ساعت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت کوئی بندہ جو کچھ بھی مانگتا ہے۔ اگر وہ اس کے مقسوم میں ہے عطا فرماتا ہے۔ (اگر) اس کے مقسوم میں نہ ہو۔ تو اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف لکھا ہوتا ہے۔ اس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ ورنہ اس سے زیادہ (سزا) اس سے ہٹا دیتا ہے۔
آپؐ نے فرمایا: میں نے پوچھا، کہ یہ سیاہ نقطہ کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ قیامت ہے۔ جو جمعہ کے دن قائم ہوگی، اور یہ دن ہمارے ہاں تمام ایام کا سردار کہلاتا ہے اور آخرت کے لوگ اسے یوم المزید کے نام سے پکارتے ہیں۔
انہوں نے فرمایا: یہ اس طرح کہ آپ کے پروردگار جل شانہٗ نے جنت میں ایک وادی منتخب کی ہے جس میں سفید مشک کی خوشبوئیں پھیلا دی ہیں۔ تو جب جمعہ کا دن آتا ہے تو (اللہ) اپنی کرسی پر نزول فرماتا ہے، پھر کرسی کے ارد گرد نور کے منبر بچھا دیئے جاتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام حاضر ہوتے ہیں اور ان پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد سونے کے منبر ارد گرد بچھا دیئے جاتے ہیں اور صدیقین و شہداء حاضر ہو کر وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اہل غرف حاضر ہوتے ہیں۔ تو وہ ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ پھر ان کا پروردگار جل وعز ان کے سامنے تجلی فرماتا ہے۔ تو وہ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ پھر (اللہ) تعالیٰ فرماتا ہے۔
" میں وہ ہوں کہ جس نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اور تم پر اپنی تمام نعمتیں مکمل کر دیں یہ میری تکریم کی جگہ ہے، اب مجھ سے مانگو۔ تو وہ اس کی رضا مانگتے ہیں۔ (اللہ) فرماتا ہے کہ میری رضا تھی کہ میں تمہیں اپنے گھر میں اتارتا ہوں اور شرف سے نوازتا ہوں۔ اس لئے مجھ سے مانگو۔ تو وہ (پھر بھی) اس کی رضا مانگتے ہیں تو (اللہ) اپنی رضا کی گواہی دیتا ہے پھر وہ مانگتے ہیں یہاں تک کہ ان کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جمعہ کے دن ان کے لئے وہ وہ نعمتیں کھولتا

---

[1] یعنی ہفتہ اتوار جمعہ کے بعد آتے ہیں۔

ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، اور نہ کسی کان نے سنیں۔ اور نہ کسی بشر کے دل میں کھٹکیں۔ فرمایا کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اٹھ جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انبیاء وشہداء اٹھ جاتے ہیں اور اہل غرف اپنے اپنے بالاخانوں میں چلے جاتے ہیں۔

فرمایا؛ کہ ہر بالاخانہ موتیوں کا بنا ہوتا ہے۔ جس میں کوئی دراڑ وغیرہ نہیں ہوتی۔ سرخ یاقوت کا بنا ہوتا ہے۔ اور سبز زبرجد کے دروازے چھت اور پرنالے ہوتے ہیں۔ ان میں نہریں بہتی ہیں۔ جن میں پھل متعلق ہوتے ہیں۔ جن میں بیویاں اور خدام ہوتے ہیں۔

فرمایا؛ تو جمعہ تک وہ کسی بات کے محتاج نہیں ہوتے، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کرنے اور اس کے انعامات کی شرف بخشی سے خوب متمتع ہوں۔ پس یہ یوم المزید ہوتا ہے۔ اور اس حدیث میں کئی طرق ہیں جنہیں ابوحسن دارقطنی نے کتاب الرؤیہ میں ذکر کیا ہے۔

جمعہ کا دن "یوم شاہد" ہے

ایک خاصہ جمعہ کا یہ ہے؛ کہ دارقطنی نے کتاب یوم الجمعہ میں شاہد کی تفسیر میں بیان کیا ہے حمید بن زنجویہ نے بتایا۔ کہ ہمیں عبداللہ بن موسیٰ نے انہیں موسیٰ بن عبیدہ نے بتایا۔ انہیں ایوب بن خالد سے انہیں عبداللہ بن رافع سے انہیں ابوہریرۃؓ سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

یوم موعود قیامت کے دن کو کہتے ہیں۔ اور یوم مشہود ہی یوم عرفہ ہے۔ اور جمعہ کا دن شاہد ہے جمعہ کے دن سے افضل کوئی ایسا دن نہیں کہ جس پر سورج طلوع یا غروب ہوا ہو۔ اسی دن ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اگر اس وقت مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی بھلائی کی دعا کرے تو وہ ضرور قبول کرتا ہے۔ یا کسی شر سے پناہ چاہے تو ضرور پناہ دیتا ہے۔

اور حارث بن ابی مسلمۃ نے اپنی مسند میں روح سے اور انہوں نے موسیٰ سے روایت کیا ہے۔ موسیٰ بن عبیدہ سے اس کے کئی طرق (مذکور) ہیں۔ معجم طبرانی میں اسماعیل بن عیاش سے روایت ہے کہ مجھے والد بزرگوار نے بتایا۔ انہیں ضمضم بن زرعۃ نے بتایا انہیں زرعۃ سے انہیں شریح بن عبید سے انہیں ابومالک اشعری سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

یوم موعود، یوم قیامت ہے۔ اور جمعہ کا دن شاہد ہے اور یوم عرفہ مشہود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

نے ہمارے لئے (مجمع کا دن) جمعہ کا قرار دیا ہے۔ اور نماز عصر نماز وسطیٰ ہے۔
جبیر بن مطعم سے روایت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہری (مطلب) یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کی تفسیر ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ ہمیں محمد بن جعفر نے انہیں شعبہ نے بتایا۔ انہیں یونس سے روایت ملی۔ (وہ فرماتے ہیں) کہ میں نے عمار مولیٰ بن ہاشم سے سُنا۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس آیت وشاہد مشہود کی شرح کرتے ہوئے فرمایا جمعہ کا دن شاہد ہے۔ اور یوم عرفہ یوم مشہود ہے اور قیامت کا دن یوم موعود ہے۔

جُمعہ کا دن یوم اجتماع ہے

ایک اور خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کے لئے یوم اجماع بنا دیا۔ اور اس (امت) سے پہلے اہل کتاب کو گمراہ کر دیا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ابوہریرہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جمعہ سے زیادہ بہتر دن پر سورج طلوع و غروب نہیں ہوا۔ جس کی اللہ نے ہمیں ہدایت دی۔ اور لوگ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اسی طرح یہ لوگ ہمارے بعد ہیں، کیونکہ جمعہ ہمارے لیے ہے اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن ہے۔
دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جمع کر دیا ہے۔

اور امام احمدؒ نے فرمایا: ہمیں علی بن عاصم نے خبر دی انہیں حصین بن عبدالرحمان سے انہیں عمرو بن قیس سے انہیں محمد بن اشعث سے انہیں حضرت عائشہؓ سے روایت پہنچی وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ کہ ایک یہودی نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی۔ تو وہ کہنے لگا۔

السام علیکم: (یعنی تم پر ہلاکت ہو)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعلیک (تجھ پر)

(حضرت عائشہ) فرماتی ہیں۔ میں نے مداخلت کرنی چاہی کہ دوسرا یہودی داخل ہوا۔ اس

نے بھی اسی طرح کہا۔
نبی صلی اللہ نے جواب دیا، وعلیک :
عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے بولنے کا ارادہ کیا۔ پھر تیسرا یہودی داخل ہوا تو اس نے بھی کہا۔ السّام علیکم (تم پر موت آئے)

عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: بلکہ تم پر موت آئے، اور اللہ کا غضب ہو۔ (تم) بندروں اور سوروں کے بھائی ہو۔ کیا تم رسول اللہ کو اس انداز سے سلام کرتے ہو، جس انداز سے اللہ عزوجل نے نہیں کیا؟

عائشہ فرماتی ہیں آپؐ نے میری طرف دیکھا۔ اور فرمایا:
ٹھہرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ فحش اور تفحش کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے ایک بات کی تو ہم نے ان پر لوٹا دی۔ لہٰذا ہمیں ان کی بات کا کچھ ضرر نہیں اور ان پر قیامت تک پڑ گئی۔ وہ ہم پر کئی (باتوں کے) بارے میں دوسروں سے بہت زیادہ حسد کرتے ہیں۔ مثلاً جمعہ کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت دی اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اور قبلہ پر حسد کرتے ہیں جس کی طرف اللہ نے ہمیں دعوت دی اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور امام کے پیچھے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں

جمعہ کا انتخاب، انتخاب حسنہ ہے

مزید خاصہ جمعہ کا یہ ہے کہ یہ دن ہفتے کے ایام میں سے اللہ کا انتخاب (حسنہ) ہے۔ جیسے سال کے مہینوں میں ماہ رمضان کا انتخاب اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کا انتخاب اور زمین میں سے مکہ کا انتخاب اور اپنی مخلوقات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا۔

آدم بن ابی لیاس فرماتے ہیں کہ ہمیں شیبان ابو معاویہ نے بتایا انہیں عاصم بن ابو النجود سے انہیں ابو صالح سے انہیں کعب احبارؓ سے روایت ملی۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہینوں کا انتخاب فرمایا۔ اور ماہ رمضان کو چن لیا۔ ایام کا انتخاب فرمایا۔ اور جمعہ کا دن چن لیا، راتوں کا انتخاب فرمایا اور لیلۃ القدر کو چن لیا۔ ساعتوں کا انتخاب فرمایا اور نماز کی ساعت کو چن لیا اور جمعہ دوسرے تک کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور تین (گنا) مزید انعام کا سبب ہے) اور رمضان دوسرے رمضان تک کا کفارہ ہے۔ اور حج دوسرے حج تک کے درمیان کے حصّے کا کفارہ

بنتا ہے۔ اور عمرہ دوسرے عمرہ تک کے درمیان کی مدت کا کفارہ ہوتا ہے اور آدمی دو نیکیوں کے درمیان قوت ہوتا ہے ایک نیکی اُسے حاصل ہو جاتی ہے۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور آواز دی جاتی ہے۔

اے خیر (بھلائی) کے چاہنے والے رمضان آگیا کچھ جمع کرلے۔

اور آخری دس راتوں سے زیادہ اللہ کو ایسی کوئی رات زیادہ محبوب نہیں۔ جس میں عمل کیا جائے۔

جُمعہ کے دن مُردوں اور زندوں کی ملاقات

جُمعہ کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ارواح اپنی قبور کے قریب ہو جاتے ہیں۔

اور اس دن انہیں اجر ملتے ہیں، اس طرح وہ اپنے زائرین کو اور اپنے پاس سے گزرنے والے سلام کرنے والوں کو پہچان لیتے ہیں اور دوسرے ایام کی نسبت اسی دن وہ اپنی جان پہچان والوں سے زیادہ حاصل کر لیتے ہیں۔ پس یہ دن ایسا ہے۔ کہ اس میں زندہ اور مردہ آپس میں ملتے ہیں۔ چنانچہ جب اس دن قیامت قائم ہوگی۔ تو پہلے اور آخر (زمانہ) کے لوگ۔ اہل زمین۔ اہل آسمان آقا۔ غلام۔ عامل اور اس کا عمل، ظالم مظلوم، سورج اور چاند سب اکٹھے ہوں گے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ کبھی جمع نہ ہوئے۔

گویا یہ اجتماع اور ملاقات کا دن ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ دوسرے ایام کی بہ نسبت دنیا میں بھی زیادہ ملاقاتیں کرتے ہیں گویا یہ "یوم التلاق" (ملاقات کا دن) ہے،!

ابو تیاح لاحق بن حمید نے بتایا کہ مطرف بن عبداللہ بدر میں تھے۔ وہ ہر جمعہ کو سفر کر کے آیا کرتے، ایک روز جب وہ جمعہ کے دن قبرستان کے قریب تھے تو کہنے لگے،

میں نے ہر قبر والے کو اپنی قبر پر بیٹھے دیکھا ہے، اس پر لوگ کہنے لگے۔ یہ تو مطرف ہے جو ہر جمعہ کو تو آیا کرتا ہے۔ (مطرف) فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا۔

کیا تم بھی جمعہ سے واقف ہو؟

وہ کہنے لگے ہاں! اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دن پرندے کیا کہتے ہیں۔؟

میں نے پوچھا کہ اس دن پرندے کیا کہتے ہیں۔؟

وہ کہنے لگے: کہ (پرند) کہتے ہیں۔ اسے پروردگار سلامتی سلامتی۔ اچھا دن!

ابن ابی دنیا نے کتاب المنامات میں عاصم جحدری سے نقل کیا ہے کہ: کہ میں نے عاصم جحدری کو، ان کی وفات کے دو سال بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

کیا تم (دنیا سے) چلے نہیں گئے تھے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا: ہاں! دنیا میں تو نہیں ہوں،

میں نے پوچھا۔ تو اب آپ کہاں ہو؟

انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ہوں۔ میں اور میرے دوستوں میں سے ایک جماعت ہر جمعہ کی رات کو اکٹھے ہوتے ہیں۔

اور پھر صبح کو ہم ابوبکر بن عبداللہ مزنی کے ہاں جاتے ہیں۔ تو ہمیں تمہاری خبریں ملتی ہیں۔

میں نے پوچھا۔ اب تمہاری کیا کیفیت ہے؟ اجسام ہو یا ارواح؟

انہوں نے فرمایا: ہیہات، اجسام تو بوسیدہ ہو گئے، صرف ارواح ہیں جو ملتی جلتی ہیں۔

راوی کا بیان ہے پھر میں نے کہا تم لوگ ہماری آمد سے آگاہ ہو جاتے ہو؟

انہوں نے بتایا: کہ ہم جمعہ کی رات اور جمعہ کا سارا دن اور ہفتہ کی رات میں طلوعِ آفتاب تک آگاہ ہو جاتے ہیں۔ (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا۔ کہ باقی ایام کے سوا (ان دنوں) میں کیسے (آگاہ) ہو جاتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ کی فضیلت و عظمت کے باعث۔

نیز ابن ابی دنیا نے محمد بن واسع سے نقل کیا کہ وہ ہر ہفتے کی صبح کو جبانہ تک پہنچ جاتے پھر قبروں پر کھڑے ہو کر سلام کرتے، ان کے لیے دعا کرتے، پھر واپس ہو جاتے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر آپ یہی کام دوشنبہ کو کر لیا کریں تو؟

انہوں نے جواب دیا۔ مجھے خبر ملی ہے۔ کہ جمعہ سے ایک دن قبل اور ایک دن بعد تک اہلِ قبور اپنے زائرین کو معلوم کر لیتے ہیں۔

اور حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں مجھے ضحاکؒ سے معلوم ہوا، انہوں نے فرمایا: کہ جس نے ہفتہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے قبر کی زیارت کی تو مردے کو اس کی آمد کا علم ہو جاتا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ؟
انہوں نے جواب دیا جمعہ کے مرتبہ کے باعث !

جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے یا مستحسن !

جمعہ کا ایک خاصہ یہ ہے کہ محض جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ یہ امام احمدؒ کی نص ہے، اثرم فرماتے ہیں۔ ابو عبداللہ سے جمعہ کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے افراد سے کراہت کا اظہار کیا، ارشاد فرمایا،

اگر روزے رکھنے کے دوران میں جمعہ کا دن آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن خاص کر جمعہ کے دن رکھے تو یہ روا نہیں۔

میں نے پوچھا ایک آدمی ایک دن روزہ رکھتا ہے اور ایک دن افطار کرتا ہے۔ اتفاقاً جمعرات کو افطار کا دن آگیا اور جمعہ روزہ کا دن بن گیا اور پھر ہفتے کا دن افطار کا ہو گیا۔ اس طرح جمعہ کا دن مفرد روزے کا دن ہو گیا پھر؟

انہوں نے فرمایا: یہ جائز ہے، ہاں اگر وہ مخصوص طور پر اسی دن کا روزہ رکھے تو غلط ہے اصل میں عمداً محض جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے

امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ نے باقی ایام کی طرح اسے مباح بتایا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں میں نے کسی اہل علم و فقہ سے یا ان کے اتباع میں کسی سے نہیں سنا۔ کہ وہ جمعہ کے روزے کو منع کرتا ہو۔ حالانکہ اس دن روزہ رکھنا بہتر ہے۔ اور میں نے بعض اہل علم کو دیکھا کہ وہ اس دن برابر روزہ رکھا کرتے تھے۔ بلکہ وہ خاص طور پر اس دن کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

ابن عبداللہ فرماتے ہیں۔ جمعہ کے روزہ سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مختلف ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آپؐ ہر ماہ میں تین دن روزے رکھا کرتے اور بتایا کہ میں نے آپ کو جمعہ کے دن بہت ہی کم حالت افطار میں دیکھا۔ یہ صحیح حدیث ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن کبھی بھی روزہ کے بغیر نہیں دیکھا۔ ابن ابی شیبہ نے حفص بن غیاث سے انہوں نے لیث بن ابی سلیم سے انہوں نے عمیر بن ابی عمیر سے اور انہوں

ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ آپ اس دن روزہ رکھتے اور اس پر مداومت فرماتے تھے۔ اور جو امام مالکؒ نے ذکر کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ تو محمد بن المنکدر ہے ایک قول ہے کہ یہ صفوان بن سلیم ہے۔ اور دراوردی نے صفوان بن سلیم سے انہوں نے بنی خیثم کے ایک آدمی سے روایت کیا کہ اس نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرماتے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کا روزہ رکھا۔ تو اس کے لیے آخرت کے دس سفید ایام کے برابر اجر لکھا گیا۔ کہ دنیا کے ایام ان کے مشابہ نہیں ہو سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ ایک نیکی ہے۔ جسے ایک معارض دلیل کے بغیر رد کیا نہیں جا سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ درست طور پر معارض ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی طعن بھی نہیں۔ چنانچہ صحیحین میں محمد بن عباد سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے جابرؓ سے پوچھا کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزہ سے منع فرمایا؟ انہوں نے فرمایا ہاں! منع فرمایا ہے اور صحیح مسلم میں محمد بن عباد سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روزہ سے منع فرمایا، انہوں نے فرمایا: ہاں! اس عمارت کے پروردگار کی قسم! اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی محض جمعہ کا روزہ نہ رکھے، ہاں جب تک وہ اس سے قبل یا بعد میں (متصل) روزہ نہ رکھ رہا ہو (پھر کوئی حرج نہیں) یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

جمعرات شب بیداری کے لیے اور جمعہ روزے کیلئے مخصوص نہ کرو

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام کے لیے مخصوص نہ کرو۔ اور باقی ایام میں جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مخصوص نہ کرو، ہاں اگر تم میں سے کوئی روزے رکھ رہا ہو اور یہ (اتفاقاً) درمیان میں واقع ہو جائے، تو خیر، اور بخاری میں حضرت جویریہؓ بنت حارث سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ان کے پاس

تشریف لائے۔ اور یہ روزے سے تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ جی نہیں! پھر آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا کل کے لئے روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی نہیں! آپؐ نے فرمایا: پھر افطار کر لو۔

اور مسند امام احمدؒ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تنہا جمعے کے دن روزہ نہ رکھو۔ نیز مسند میں حضرت جنادہ ازدی سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ میں سات ازدی آدمیوں کے ہمراہ جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں۔ اور آپ صبح کا کھانا تناول فرمارہے تھے۔ آپ نے فرمایا: آؤ کھانا کھالو۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہم روزے سے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے کل روزے رکھے تھے؟ ہم نے کہا جی نہیں!

آپ نے فرمایا: تو کیا کل روزے رکھوگے؟

ہم نے عرض کیا جی نہیں!

آپ نے فرمایا: تو افطار کر لو۔

پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ جب آپ باہر تشریف لائے۔ اور منبر پر بیٹھے۔ تو پانی کا ایک برتن منگایا۔ اور منبر پر بیٹھے بیٹھے پانی پیا۔ لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور آپ اپنا یہ فعل گویا انہیں دکھا رہے تھے کہ جمعہ کے دن روزہ آپ نہیں رکھا کرتے۔ نیز مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے عید کے دن کو روزے کا دن نہ بنایا کرو۔ سوا اس کے کہ اس سے پہلے یا بعد بھی روزے رکھ رہے ہو۔ اور ابن ابی شیبہ نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عمران بن ظبیان سے انہوں نے حکیم بن سعید سے انہوں نے حضرت علی بنؓ ابی طالب سے روایت کیا۔

انہوں نے فرمایا: تم میں سے اگر کوئی مہینے میں کچھ روزے رکھنا چاہے۔ تو اسے چاہیئے کہ جمعرات کا روزہ رکھ لیا کرے۔ اور جمع کو روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ یہ کھانے پینے کا دن ہے۔ اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو دن جمع کر دے گا۔ ایک روزے کا دن (اجمر) اور دوسرے

عام مسلمانوں کے ساتھ قربانی کا دن!

اور ابن جریر نے مغیرہ سے، انہوں نے ابراہیم سے ذکر کیا ہے کہ وہ جمعہ کے روزے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ تاکہ نماز کے لیئے قوت ہو سکے۔

ہم کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں کراہت کے تین وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ جو مذکور ہوا، لیکن ایک دن قبل یا بعد میں متصل کرنے سے یہ کراہت زائل ہو جاتی ہے دوسرے جمعہ کا دن دراصل یوم عید ہے۔ اور اسی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اشکالات اور ان کا جواب

اس تعلیل پر دو اشکالات ہیں۔ ایک یہ کہ جمعہ کا روزہ حرام نہیں اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ دوسرے عدم افراد سے اس کی کراہت زائل ہو جاتی ہے۔

ان دو اشکالات کا جواب اس طرح دیا گیا کہ یہ سال کی عید نہیں بلکہ ہفتے کی عید ہے اور تحریم سالانہ عید کے روزے کی ہے "اور جب ایک دن قبل یا بعد میں روزہ رکھا۔ تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب اس نے جمعہ اور عید کے باعث روزہ نہیں رکھا ہے۔ لہٰذا اس کی تخصیص سے پیدا ہونے والا اعتراض ختم ہو گیا۔ بلکہ (جمعہ کا روزہ) اس کے مسلسل روزوں کے ضمن میں آگیا۔
اسی پر امام احمد کی روایت محمول ہے جو انہوں نے مسند میں ذکر کی اور نسائی و ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے بشرطیکہ وہ صحیح بھی ہو۔ فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن افطار سے بہت ہی کم دیکھا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اسے جواز پر محمول کیا جائے گا۔ جسے اہل صحیح میں سے کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ نے اسے غریب بتایا ہے۔ اس طرح یہ روایت صحیحہ کے معارض یا مقدم کیسے ہو سکتی ہے؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسا ذریعہ سدود ہو جائے جس سے غیر دین کی باتیں دین میں شامل کر دی جاتی ہیں اور دنیوی اعمال سے فارغ ہو کر بعض ایام کو محض عبادت کے لیے مخصوص کرنے کے معاملہ میں اہلِ کتاب سے تشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب باقی ایام کے مقابلہ میں اس کو فضیلت حاصل ہو گی۔ تو اس کے روزے پر ایک قومی استدلال بن جائے گا۔ اس طرح اس دن لوگوں کے مسلسل روزہ رکھنے اور دوسرے ایام کی نسبت اس دن تخصیص

طور پر تہوار منانے سے ایک گمان (گویہ ایک مخصوص تہوار ہے) سا پیدا ہو جائے گا۔ یہ تصور شرح کے ساتھ ایک ایسا الحاق ہے۔ جو قبل ازیں اس میں نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام لیل کے لئے مختص کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کہ یہ تمام راتوں سے افضل ہے بلکہ بعضوں نے تو اسے لیلۃ القدر سے افضل قرار دیا ہے۔ اور امام احمدؒ سے مروی ہے کہ ایسا کرنے سے اس کا تخصیص بالعبادۃ محسوس ہوتا ہے۔ اس شارع علیہ السّلام نے اس رات کو قیام کے لئے مختص کرنے کو ممنوع قرار دے کر اس ذریعہ ہی کو مسدود کر دیا۔

جمعہ کے دن آپؐ کون سی سورتیں معمولاً پڑھا کرتے تھے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں دو سورتیں الٓمٓ السجدۃ اور ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے، کیونکہ یہ دونوں صورتیں گذشتہ اور آئندہ کے متعلق مبداد معاد۔ حشر مخلوقات۔ قبروں سے اٹھنے اور جنت و دوزخ کی طرف جانے پر مشتمل ہیں۔ نہ کہ سجدہ کے باعث (پڑھا کرتے) جیسے کہ بعض جہلاء اور ناقص العلم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ کسی اور سجدہ والی سورت کو بھی پڑھ لیا کرتے ہیں، اور ان کا اعتقاد بن چکا ہے۔ کہ جمعہ کی فجر کو ایک زائد سجدہ کے باعث فضیلت عطا کی گئی اور جو ایسا نہ کرے۔ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح بڑے بڑے اجتماعات مثلاً عیدوں وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی سورتوں کی تلاوت فرماتے کہ جو توحید و مبداد معاد قصص انبیاء اور ان کی اُمتوں۔ ان کے اعمال کی تکذیب (و تصدیق) ان کے کفر اور ان کی ہلاکت و شقاوت ان پر ایمان لانے والوں ان کی تصدیق اور ان کی نجات و عافیت پر مشتمل ہوں۔ جس طرح آپ عیدین میں سورت ق اور قرآن المجید۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور کبھی سبح اسم ربك الاعلیٰ اور ھل اتاك حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن کبھی کبھی سورۂ جمعہ کی تلاوت فرماتے۔ کیونکہ اس سورۃ میں نماز جمعہ کے متعلق آیات اس کے لئے کوشش و سعی کرنے اور اعمال مانعہ کو ترک کرنا اور اللہ کے ذکر کی کثرت کا بیان ہے، تاکہ دارین میں فلاح و کامرانی حاصل ہو۔ کیونکہ (اللہ) کا ذکر بھول جانا۔ دارین میں ہلاکت و تباہی کا موجب ہے دوسری رکعت میں آپ اذا جاءك المنافقون

پڑھتے۔ تاکہ اُمت کو نفاق جیسی برائی سے ڈرایا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے کہ ان کے اموال و اولاد انہیں نماز جمعہ سے اور اس کی یاد سے نہ روک دیں۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ خسارے میں رہیں گے۔

خطبات کا موضوع کیا ہونا چاہیئے؟

نیز آپؐ لوگوں کو (اللہ کے راستہ) میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے۔ کہ جو ان کی سعادت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اور موت (کی کیفیات سے ڈراتے۔ حالانکہ وہ (دنیا) کا دوام چاہتے تھے۔ رجعت چاہتے اور اس موت کو قبول نہ کرتے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی وفد کی آمد پر (تبلیغ) فرماتے: خیال یہ ہوتا۔ کہ انہیں قرآن مجید سنایا جائے۔ اور جہری نمازوں میں قرأت طویل فرماتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف سورۃ الطور سورۃ ق کی تلاوت فرماتے، اور نماز فجر میں ایک سو آیت پڑھتے۔

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبات میں دراصل اللہ اس کے فرشتوں۔ کتب۔ رسل اللہ کی ملاقات اور۔ جنت و دوزخ کے ذکر کی وضاحت فرماتے۔ اور (ان باتوں پر خطاب فرماتے) جو اللہ نے اولیاء کرام اور اہل طاعت کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔ اور جو اپنے اعداء اور نافرمانوں کے لئے مہیا کر رکھے ہیں۔

اس طرح ایمان۔ توحید اللہ تعالیٰ اور اس کی نشانیوں سے لوگوں کے قلوب بھر جاتے اور یوں نہ ہوتا جیسے دوسروں کے خطبات ہوا کرتے ہیں، کہ مخلوقات کے مشترکہ امور مشتمل ہوتے ہیں، جیسے زندگی (کے آلام پر نوحہ خوانی۔ موت کا خوف دلانا۔ حالانکہ یہ ایسے امور ہیں۔ جن سے قلب میں کچھ بھی ایمان باللہ توحید اور معرفت وغیرہ حاصل نہیں ہوتی۔ نہ تذکیر بایام اللہ حاصل ہوتی ہے۔ نہ دیدار الٰہی کی تڑپ پیدا ہوتی۔ اس طرح سامعین سن کر واپس چلے جاتے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتے، جب وقت آتا ہے مر جاتے ہیں۔ زر و مال تقسیم ہو جاتا ہے اور مٹی ان کے اجسام کو بوسیدہ کر دیتی ہے۔ افسوس صد افسوس اس طرح کے خطبوں سے کون سا ایمان کون سی توحید، معرفت اور علم نافع حاصل ہو۔

جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے خطبات کو پڑھے گا۔ تو محسوس کرے گا۔

ذکر ان کے خطبات) ہدایت و توحید پروردگار جل وعز کی صفات کے تذکرہ اور الی اللہ کلیات ایمان کے اصول اور انعاماتِ الٰہیہ کہ جن سے وہ اپنی مخلوق کو محبوب رکھتا ہے۔ اور تذکرہ ایام اللہ کہ جن سے وہ اپنی قہاریت سے ڈراتا ہے۔ نیز اس کے ذکر و شکر پر مشتمل ہیں۔ تاکہ وہ اللہ کی عظمت و صفات اور اس کے اسمائے مبارکہ کا ذکر کریں۔ (الغرض)

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ) انہیں اللہ کی طاعت و شکر و ذکر کا حکم فرماتے۔ اس طرح سامعین (وعظ سن کر) واپس ہوتے۔ تو وہ اللہ کے محب ہوتے اور خدا تعالٰے ان سے محبت رکھتا۔

خطباتِ نبویؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور اس کی نوعیت و کیفیت

زمانہ گزرتا رہا اور نورِ نبوت نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔ شرائع دادا مرنے رسموں کی صورت اختیار کرلی۔ ان کے اصل مقاصد و حقائق سے یکسر بے پروا ہو کر انہیں ادا کیا جانے لگا۔ لوگوں نے حسبِ دل خواہ صورتیں گھڑلیں اور ان کی زیب و زینت میں لگ گئے۔ انہوں نے رسوم و اوضاع کو سنّت قرار دے لیا، جو اس شرف کے سزاوار نہ تھے۔ اور لایعنی مقاصد کے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے اپنے خطبوں کو مسجع اور علم بدیع سے مرصع کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا تعلق خاطر اور اصل مقصد کم بلکہ معدوم ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خطبات محفوظ ہیں ان سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ زیادہ تر قرآن مجید اور خصوصاً سورۃ ق سے خطبہ دیا کرتے تھے۔ حضرت ام ہشام بنت حارث بن نعمان فرماتی ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات سے ہی سورہ ق حفظ کرلی ہے۔

آپ کی طرف ایک منسوب خطبہ

نیز حضرت علی بن زید بن جدعان کی ایک ضعیف روایت ہے کہ آپ کا جو خطبہ محفوظ ہے وہ یہ ہے۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آؤ (توبہ کرو) اس سے قبل کہ تمہیں موت آئے اور نیک کاموں میں عجلت کرو اور کثرت ذکر خفیہ اور علانیہ صدقات کے ساتھ اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان تعلق (محبت) پیدا کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا، تم قابلِ ستائش قرار دیے جاؤ گے، تمہیں رزق

ملے گا اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس جگہ اس مہینے میں، اس سال میں یہ قیامت تک فرض (عین) رہے گا جو اس فرض کو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو یا جس نے میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد اس سے انکار کیا یا ازراہ استخفاف (معمولی بات سمجھ کر) اسے چھوڑ دیا اور اس کا کوئی عادل یا ظالم امام بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے پراگندہ کر دے گا۔ اور اس کے کاموں میں برکت نہ دے گا۔ خبردار (یاد رکھو) کہ اس کی کوئی نماز نہیں۔ خبردار اس کا کوئی وضو نہیں۔ خبردار اس کا کوئی روزہ نہیں۔ خبردار اس کا کوئی زکوٰۃ نہیں۔ خبردار اس کا کوئی حج نہیں خبردار اس کے (کاموں میں) کوئی برکت نہیں، جب تک وہ توبہ نہ کر لے اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ نیز آپ کا محفوظ خطبہ یہ بھی منقول ہے۔

آپ کی طرف منسوب ایک اور خطبہ

الحمد للہ استعینہ واستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً بین یدی الساعۃ من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئاً۔ (ابوداؤد)

یعنی، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں میں اُس سے مدد چاہتا ہوں۔ اسی سے بخشش چاہتا ہوں، ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں (اللہ) نے انہیں حق کے ساتھ قیامت سے قبل بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ خوش بخت ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا اور اللہ کا کچھ نہ بگاڑ

سکے گا۔

خطبات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبہ

جب آپ خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ پر جلال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ جیسے کوئی حملہ سے ڈرا رہا۔ آپ فرمایا کرتے تمہاری صبح یا شام (اور بس) ! (نیز) فرمایا کرتے کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح ایک ساتھ بھیجا گیا۔ جیسے یہ دو (انگلیاں ہیں) پھر درمیانی اور شہادت کی انگلی کو جوڑتے اور فرماتے :۔

امّا بعد :۔ بے شک سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ سنّتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور تمام امور میں سے بدترین بدعات ہیں اور بدعت گمراہی ہے "

پھر فرماتے کہ میں ہر مومن کا اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ (خیر خواہ) ہوں جس نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل کا ہے اور جس نے قرضہ چھوڑا ہو تو وہ میری طرف اور میرے ذمے ہے (مسلم)

آپ مختصر سا خطبہ دیتے اور نماز طویل کرتے، ذکر الٰہی کثرت سے کرتے اور جامع کلام فرماتے اور آپ فرمایا کرتے آدمی کی طویل نماز اور مختصر خطبہ اس کی فقاہت (سمجھ) کی علامت ہے اور آپ اپنے خطبات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو قواعدِ اسلام اور شریعت سکھاتے۔

جب کبھی کسی کام کے حکم یا ممانعت کی ضرورت ہوتی تو آپ خطبہ میں بتا دیتے یا منع کر دیتے جیسا کہ خطبہ دیتے وقت ایک صحابی مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: "دو رکعتیں پڑھ لو "

اسی طرح لوگوں کی گردنیں پھاندنے والے کو منع فرمایا اور بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ کبھی کبھی آپ کسی ضرورت یا کسی صحابی کے سوال پر خطبہ منقطع کر دیتے اور وہ ضرورت یا حاجت پوری فرماتے پھر آپ خطبہ کی طرف لوٹ کر اسے مکمل فرماتے۔

بسا اوقات آپ کسی ضرورت سے منبر سے بھی اُتر گئے۔ پھر واپس آ کر اسے مکمل فرمایا جیسا کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کو گود میں اٹھانے کے لئے آپ منبر سے اترے، انہیں گود میں لیا، پھر اسی طرح لیے لئے منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ مکمل فرمایا۔

کبھی آپؐ خطبہ میں کسی کو بلاتے اور فرماتے: اے فلاں بیٹھ جا، اے فلاں نماز پڑھ وغیرہ۔

خطبہ میں تقاضائے وقت وضرورت کے مطابق تقریر فرماتے۔ جب کسی کو آپ ضرورت مند یا بھوکا دیکھتے تو صحابہؓ کو صدقے کا حکم دیتے اور ترغیب دیتے۔

خطبہ میں آپ دعا یا ذکر اللہ کے موقع پر شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

جب بارش کم ہوتی تو خطبہ میں آپ بارش کے لیے دعا کرتے۔

جمعہ کے خطبہ میں آپؐ تاخیر کرتے، یہاں تک کہ لوگ جمع ہو جاتے، جب جمع ہو جاتے تو آپ تنہا بغیر کسی طرح کے اظہار نخوت کے تشریف لاتے، نہ آپؐ کے آگے آگے کوئی ندا دے رہا ہوتا اور نہ آپ طیلستان (سبز چادر، خاص قسم کی) زیب تن کیے ہوتے۔ جب آپ مسجد میں تشریف لاتے تو بپیش قدمی کر کے خود صحابہؓ کو سلام کرتے، جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف چہرہ کر لیتے، انہیں سلام کرتے، پھر بیٹھ جاتے اور حضرت بلالؓ اذان شروع کر دیتے۔

جب (حضرت بلالؓ) اذان سے فارغ ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے۔ اذان وخطبہ کے درمیان بغیر وقفہ کے کسی اور کام کی طرف متوجہ ہوئے بغیر خطبہ شروع کر دیتے۔

آپ تلوار یا کوئی چیز ہاتھ میں نہ لیتے بلکہ منبر بننے سے قبل تیر اور کمان پر ٹیک لگاتے لڑائی میں آپؐ کمان پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور جمعہ کے موقع پر آپ عصاء پر ٹیک لگاتے۔ آپؐ سے یہ مروی نہیں کہ آپؐ نے تلوار پر ٹیک لگائی ہو اور بعض جہلاء جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ ہمیشہ تلوار پر ٹیک لگایا کرتے تھے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین تلوار سے قائم ہوا یہ محض جہالت ہے۔ منبر کے بن جانے کے بعد آپؐ سے مروی نہیں کہ آپؐ نے تلوار یا تیر وکمان کے ذریعہ منبر پر قدم رنجہ فرمایا ہو اور نہ (منبر) بن جانے سے قبل آپؐ نے تلوار پر ٹیک لگائی۔ بلکہ (اس وقت) معمولاً آپؐ تیر وکمان پر ٹیک لگایا کرتے۔

آپؐ کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں اور آپؐ منبر بننے سے قبل ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے اور جب آپ منبر کی طرف منتقل ہو گئے تو وہ کھجور کا تنا رو پڑا اور اہل مسجد نے اس کا گریہ سنا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اسے چمٹا لیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب کھجور کے تنے نے دیکھا کہ وہ جو وحی سنتا رہا تھا اب اس

سے محروم ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب مفقود ہو گیا تو اس پر گمرہ یہ طاری ہو گیا۔
منبر کو مسجد کے درمیان نہیں بلکہ مغربی سمت میں دیوار کے قریب رکھا گیا اور منبر اور دیوار کے مابین ایک بکری کے گزر سکنے کا فاصلہ تھا اور جب آپ جمعہ کے علاوہ اس پر بیٹھتے یا جمعہ میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تو (صحابہؓ) کی طرف اپنا چہرۂ انور گھما لیا کرتے۔

خطبہ میں آپ کا معمول

جب آپ خطبہ دیتے تو کھڑے ہو جاتے۔ ذرا دیر خطبہ دینے کے بعد کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور دوبارہ خطبہ دیتے۔

جب آپ خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو حضرت بلالؓ اقامت کہتے اور آپؐ لوگوں کو قریب ہو جانے اور خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے۔
"کہ اگر ایک آدمی اپنے ساتھی سے یہ کہتے کہ "خاموش ہو جاؤ" تو اس نے بھی لغو (حرکت) کی۔ اس کا جمعہ غارت گیا۔
اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔
اور ابی بنؓ کعب روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن تبارک پڑھی اور ہمیں ایام اللہ یاد دلائے۔ حضرت ابو الدرداءؓ یا حضرت ابو ذر نے اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا، یہ سورۃ کب اتری ہے؟ کیونکہ میں نے اسے آج تک نہیں سنا تو انہیں خاموش رہنے کا ارشارہ کیا، جب فارغ ہوئے تو کہنے لگے۔
میں نے تم سے پوچھا تھا کہ یہ سورۃ کب اتری تھی؟ تو تم نے مجھے بتایا نہیں!
انہوں نے فرمایا: آج تمہاری بالکل نماز نہیں ہوئی بلکہ محض لغویات کے مرتکب ہوئے۔
وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔ نیز جو ابیؓ بن کعب نے کہا وہ بھی بتا دیا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابیؓ نے سچ کہا"
اسے ابن ماجہؒ اور سعید بن منصور نے ذکر کیا ہے اور اصل روایت مسند امام احمدؒ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ میں تین آدمی حاضر ہوتے ہیں۔ ایک تو لغو کام کرتا ہے وہی اس کا حصّہ ہے اور ایک اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے قبول کر لیتا ہے اور چاہے رو ک لیتا ہے آدمی خاموشی اور سکوت کے ساتھ حاضر ہوتا ہے لوگوں کی گردنیں نہیں پھاندتا، نہ کسی کو ایذا دیتا ہے۔ تو اس کی (نماز جمعہ) دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفّارہ بن جاتی ہے۔ اور تین دن کا مزید (اجر) ملتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

من جاء بالحسنة۔ فله عشر امثالها۔

یعنی "جس نے ایک نیکی کی اسے دس گنا اجر ملے گا"

(مسند امام احمدؒ، ابو داؤدؒ)

نماز جمعہ سے پیشتر

سنّتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں

حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہو جاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع کر دیتے اور کوئی آدمی اس وقت نماز نہ پڑھتا۔ صرف ایک ہی اذان ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ نماز عید کی طرح ہے، جس سے پہلے کوئی سنّت نہیں۔ علماء کرام کے اقوال میں سے یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ اور سنّت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لاتے اور جب منبر پر چڑھتے تو حضرت بلالؓ جمعہ کی اذان دیتے اور جب اذان ختم ہوتی تو کسی وقفہ کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینا شروع کر دیتے۔ یہ وہ واقعات ہیں جنہیں آنکھوں نے دیکھا۔ پھر سنّتیں پڑھنے کا کب موقع لوگوں کو ملتا تھا۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت بلالؓ کے اذان سے فارغ ہوتے ہی سب لوگ کھڑے ہو جاتے اور دو رکعت سُنّت ادا کرتے تو ایسا خیال کرنے والا سنّت سے بالکل جاہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بتا چکے کہ جمعہ سے قبل کوئی سنّت نہیں۔ امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے اور مشہور قول کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال

امام شافعیؒ اور دیگر آئمہ کرام جن کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کی سنّتیں ہیں۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے۔ یہ (جمعہ) ظہر مقصورہ (قصر شدہ) ہے۔ اس لیے اس پر احکام ظہر نافذ ہوں گے۔ یہ بہت ہی ضعیف دلیل

ہے۔ کیونکہ جمعہ ایک مستقل نماز ہے جو نماز ظہر سے جہر قرأت، تعداد رکعات، خطبہ، وقت اور شروط معتبرہ کے لحاظ سے یکسر مختلف ہے اور بعض نے صحیح بخاری کی روایت سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے "باب الصّلوٰۃ قبل الجمعۃ وبعدہا" میں روایت کی ہے کہ ہمیں عبداللہ بن یوسف سے، انہیں نافع سے، انہیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ظہر سے قبل اور بعد میں دو رکعت پڑھا کرتے اور مغرب کے بعد دو رکعت پڑھتے اور عشاء سے قبل دو رکعت پڑھتے اور جمعہ کے بعد کچھ نہ پڑھتے پھر گھر آ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ اور بخاریؒ نے اس میں جمعہ سے قبل سنن کو بیان نہیں کیا۔ بلکہ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ کیا جمعہ سے قبل یا بعد میں کوئی نماز پڑھنا مذکور ہے؟ پھر یہ روایت بیان کی۔ اور اس میں بھی صرف جمعہ کے بعد سنن کا تذکرہ کیا۔ اور اس سے قبل کچھ بیان نہیں کیا۔

کیا جمعہ ظہر کا بدل ہے؟

بعض کا خیال یہ ہے کہ چونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے اور ظہر سے قبل اور بعد میں سنتیں از روئے حدیث مروی نہیں اس لیے جمعہ میں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے اور جو یہ فرمایا کہ آپ جمعہ کے بعد گھر جانے کے بعد سنتیں پڑھا کرتے تو اس سے صرف جمعہ کے بعد سنتوں کا وقت بتانا مقصود ہے یہ غلط خیال ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے باب التطوع بعد المکتوبۃ" میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ ظہر سے قبل دو رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں۔ اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک جمعہ کی نماز ظہر کی نماز سے علیحدہ ایک مستقل نماز ہے ورنہ اسے ظہر کے تحت سمجھتے ہوئے اس کو علیحدہ طور پر پیش نہ کرتے اور جب اس کی سنن کا ذکر بعد میں ہوا تو معلوم ہوا کہ (جمعہ) سے پہلے کوئی سنت نہیں۔ اور بعض نے ابوداؤدؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے، فرمایا: ہمیں مسدد نے انہیں اسماعیل نے انہیں ایوب نے بتایا انہیں حضرت نافعؒ سے روایت پہنچی کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھا کرتے اور بعد از اں اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ جمعہ سے پہلے بھی سنتیں ہیں بلکہ ان کے اس قول "نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایسا ہی کیا کرتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اور یہ افضل ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

سنن میں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ جب وہ مکہ میں تھے تو انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی، گھر میں تشریف لائے اور دو رکعت (سنن) پڑھیں مگر مسجد میں نہ پڑھیں۔ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔ رہا جمعہ سے قبل حضرت ابن عمرؓ کی طوالت نماز تو مطلقاً نوافل تھے اور جو آدمی بھی جمعہ کے لیئے حاضر ہو اس کے لیئے بہتر یہ ہے۔ کہ امام کے آنے تک نماز میں مشغول رہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت نبیشہ ہذلی کی روایت گزر چکی جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بتایا کہ جو جمعہ کے دن غسل کرے اور مسجد میں حاضر ہو پھر جس قدر اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے، پھر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے، پھر اس کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس کے اور دوسرے جمعہ کے درمیان تک جتنے اس کے (گناہ) ہوں گے وہ بخشے جائیں گے اور تین دن کا مزید (اجر) ملے گا اور نبیشہؓ ہذلی سے فرماتے ہیں کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کرے، پھر مسجد کی طرف اس طرح حاضر ہو کہ (راستہ) میں کسی کو ایذا نہ دے۔ اب اگر امام کو مسجد میں حاضر نہ دیکھے تو حسب استطاعت نماز پڑھے۔ اور اگر امام آچکا ہو تو سنے اور خاموش رہے۔ یہاں تک کہ امام جمعہ اور تقریر ختم کرے اگر اس جمعہ کو اس کے تمام سابقہ گناہ نہ بھی بخشے گئے تو بھی اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ضرور ہوگا۔ یہی صحابہؓ کا طریق مسنونہ تھا۔

ابن عمرؓ کے طرز عمل سے استدلال

ابن منذر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایت ملی ہے کہ وہ جمعہ سے قبل بارہ رکعتیں پڑھا کرتے اور ابن عباسؓ آٹھ پڑھا کرتے۔

یہ تمام مباحث اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ مطلقاً نوافل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مروی تعداد رکعات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ترمذیؒ نے جامع میں اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ

جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعتیں پڑھا کرتے۔ ابن مبارکؒ اور ثوریؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور اسحقؒ بن ابراہیمؒ بن ہانی ہشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ کو دیکھا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا تو وہ نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ سورج ڈھلنے کے قریب ہوجاتا۔ جب زوال قریب ہوجاتا تو وہ رک جاتے یہاں تک کہ مؤذن اذان دیتا، جب اذان ہوجاتی تو اُٹھتے تو دو یا چار رکعتیں پڑھتے اور دو رکعتوں پر سلام سے فصل کرتے چنانچہ جب فرض نماز پڑھ لیتے تو مسجد میں ٹھہرتے پھر بعد میں مسجد سے نکلتے اور کسی چھوٹی سی قریب کی مسجد میں جاتے اور دو رکعتیں مزید پڑھتے۔

اس طرح حضرت علی کی روایت کے مطابق یہ چھ رکعتیں بن گئیں۔ بسا اوقات آپ ان چھ کے بعد یا کم و بیش مزید پڑھتے۔

بعض لوگوں نے حدیث سے اس کے مسنون ہونے پر استدلال کیا ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ہمیں محمد بن یحییٰ سے انہیں یزید بن عبداللہ سے انہیں بقیہ سے انہیں مبشر بن عبید سے انہیں حجاج بن ارطاۃ سے انہیں عطیہ عوفی سے انہیں ابن عباس سے روایت پہنچی انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعتیں پڑھتے جن میں کوئی فصل نہ ہوتا۔ ابن ماجہؒ نے "باب الصلوٰۃ قبل الجمعہ" میں ذکر کیا ہے۔

اس روایت میں کئی انتقام ہیں:۔

۱۔ ایک تو یہ کہ بقیہ بن ولید مدلسین کا امام ہے، اس کا سماع صراحت سے مذکور نہیں اور وہ معنعن بھی ہے۔

۲۔ دوسرے مبشر بن عبید منکر راوی ہے۔

۳۔ تیسرے حجاج بن ارطاۃ ضعیف مدلس ہے۔

۴۔ چوتھے عطیہ عوفی کے متعلق امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہشیمؒ اس میں کلام فرماتے تھے اور امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا۔ اور عبداللہ بن احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا کہ ایک شیخ جسے مبشر بن عبید کہتے تھے حمص میں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کوفی ہے اور اس سے بقیہ اور ابو مغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی تمام احادیث موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہیں

امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ مبشر بن عبید متروک راوی ہے اس کی روایات کا اتباع نہیں کیا جاتا امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عطیہ عوفی قابل استدلال نہیں اور مبشر بن عبید محض وضع روایات سے منسوب ہے۔ اور حجاج بن ارطاۃ بھی قابلِ حجت نہیں ہے۔

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کی جمعہ نماز پڑھ لیتے تو اپنے گھر تشریف لے جاتے اور دو رکعت سنت پڑھتے اور حکم دیتے کہ جو پڑھ لے وہ اس کے بعد چار پڑھے۔

ہمارے شیخ ابوعباس ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں پڑھتے تو چار رکعتیں پڑھتے اور اگر اپنے گھر میں پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے میں کہتا ہوں کہ احادیث کا یہی مفہوم ہے اور ابوداؤدؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب وہ مسجد میں پڑھتے تو چار رکعتیں ادا کرتے۔ اور جب گھر میں پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ملی ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ (کی نماز) پڑھے تو اسے چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھ لے۔ واللہ اعلم!

ؔ یہ اور اس طرح کے دوسرے مباحث دراصل فقہی مسائل ہیں۔ علمی طور پر بحث و گفتگو دوسری چیز ہے، لیکن اگر فقہی مسئلہ درکار ہو تو پھر کتب فقہیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ورنہ غلط روی اور غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

نمازِ عیدین

نمازِ عید کے لئے آپؐ ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے آتے تھے

عید کی نماز ہمیشہ عیدگاہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نماز (عید) پڑھا کرتے۔ یہ عیدگاہ (جائے نماز) مدینہ کے شرقی دروازہ کے پاس تھی۔ یہ وہی عیدگاہ ہے جہاں حاجیوں کا محل رکھا جاتا ہے۔

مسجد (نبوی) میں نے صرف ایک مرتبہ جب بارش ہوگئی تھی۔ نماز عید پڑھی چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو وہیں نماز پڑھائی۔ بشرطیکہ یہ روایت، جو سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ میں وارد ہوتی ہے۔ ثابت بھی ہو۔

آپ کی سنّت طیّبہ یہ تھی کیا آپ نے ہمیشہ دونوں عیدوں کی نماز یہیں پڑھی۔ (عیدگاہ) جاتے وقت آپ سب سے بہترین لباس زیب تن فرماتے۔ آپ کے پاس ایک لباس تھا جیسے عیدین اور جمعہ کے موقع پر زیب تن فرماتے۔ ایک بار آپ نے دو سبز چادروں اور ایک بار سرخ چادر کا استعمال فرمایا۔ لیکن یہ چادر بالکل سرخ نہ ہوگی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے چادر (برد) کا لفظ نہ استعمال ہوتا۔ واقعہ یہ ہے اس میں فقط سرخ دھاریاں تھیں۔ جیسے عام طور پر یمنی چادریں ہوا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے اسے سرخ چادر سے تعبیر کر دیا گیا۔ ورنہ بغیر کسی تعارض کے آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے زرد اور سرخ

لباس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بدن پر جب دو سرخ کپڑے دیکھے تو آپ نے انہیں جلادینے کا حکم دیا، پس یہ ناممکن تھا کہ اس رنگ میں اس قدر سخت تمرین کراہت بھی پائی جائے اور پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے استعمال کریں اور یہی چیز اس بات کی شاہد ہے کہ سرخ لباس حرام یا شدید تر مکروہ ہے۔

آپ نماز عیدالفطر کے لیے جانے سے قبل چند کھجوریں تناول فرما لیتے۔ آپ انہیں وتر (طاق عدد) میں کھاتے۔ البتہ عیدالضحیٰ کے موقع پر عیدگاہ سے واپس آجانے تک کچھ نہ کھاتے۔ (واپس آنے کے بعد) آپ اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ تناول فرماتے۔

آداب نماز عیدین

دونوں عیدوں کی نماز (سے قبل) آپ غسل فرماتے (صحیح حدیث ہے) آپ پیدل تشریف لے جاتے۔ نیزہ آپ کے آگے آگے لے جایا جاتا جب عیدگاہ میں پہنچتے تو آپ کے سامنے نصب کر دیا جاتا تاکہ اس کی آڑ بنا کر نماز پڑھ سکیں۔ کیونکہ ان دنوں عیدگاہ ایک کھلا میدان ہوتا تھا، جس میں کوئی عمارت یا دیوار موجود نہ تھی اور آپ کا حربہ (نیزہ) ہی آپ کے لیئے سترہ کا کام دیتا تھا۔

آپ عیدالفطر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عیدالضحیٰ کی نماز میں تعجیل فرماتے۔ حضرت ابن عمرؓ اتباع سنت کی شدت کے باعث طلوع شمس سے قبل گھر سے نہ نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عیدگاہ تک تکبیر کہتے رہتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں پہنچتے تو اذان، اقامت یا الصلوٰۃ جامعۃ جیسے کلمات کہے بغیر ہی نماز شروع فرما دیتے۔ اور سنت یہی ہے کہ ان میں سے کوئی فعل نہ کیا جائے آپ اور آپ کے صحابہؓ جب عیدگاہ میں پہنچتے تو عیدگاہ سے قبل کوئی (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے اور نہ بعد میں پڑھتے اور خطبہ سے پہلے نماز شروع کرتے۔ اس طرح آپ دو رکعتیں ادا کرتے۔ پہلی رکعت میں تکبیر اولیٰ سمیت سات مسلسل تکبیریں کہتے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک ہلکا سا وقفہ ہوتا۔ تکبیرات کے درمیان آپ سے کوئی مخصوص ذکر مروی نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ اتباع سنت کی شدت کی وجہ سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیریں ختم فرماتے تو قرأت شروع کرتے۔ یعنی سورۃ پھر اس کے بعد سورۃ ق

والقرآن المجید ایک رکعت میں پڑھتے اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھتے بسا اوقات آپ دو رکعتوں میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھتے۔ یہ آپ سے صحیح طور پر مروی ہے، اس کے علاوہ صحیح روایت میں کچھ اور مروی نہیں، جب قرأت سے فارغ ہو جاتے تو تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے پھر ایک رکعت مکمل کرتے اور سجدہ سے اُٹھتے (پھر) پانچ بار مسلسل تکبیریں کہتے جب تکبیریں مکمل کر لیتے تو قرأت شروع کر دیتے۔ اس طرح ہر رکعت کے آغاز میں تکبیریں کہتے اور بعد میں قرأت کرتے امام ترمذیؒ سے حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کی روایت سے منقول ہے کہ انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کے موقع پر پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے قبل پانچ تکبیریں کہیں۔ ترمذیؒ کا قول ہے کہ میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ سے اس روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس باب میں اس سے زیادہ صحیح روایت کوئی اور نہیں اور میں بھی اسی پر فتویٰ دیتا ہوں۔

تذکیر و موعظت کا سلسلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز مکمل کر لیتے تو فارغ ہونے کے بعد لوگوں کے مقابل کھڑے ہو جاتے۔ لوگ صفوں پر بیٹھے ہوتے تو آپ ان کے سامنے وعظ کہتے، وصیت کرتے اور امر و نہی فرماتے اور اگر لشکر بھیجنا چاہتے تو اسی وقت بھیجتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو حکم فرماتے۔ عیدگاہ میں کوئی منبر نہ تھا جس پر چڑھ کر (وعظ فرماتے ہوں) نہ مدینہ کا منبر یہاں لایا جاتا، بلکہ آپ زمین پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے۔

حضرت جابرؓ بتاتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کے دن نماز میں ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے اذان اور اقامت کے بغیر نماز شروع کی۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت بلال کے کاندھے کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم فرمایا، اس کی اطاعت کی رغبت دلائی اور نصیحت کی اور پھر (انعامات خداوندی وغیرہ) یاد دلائے۔ پھر آپ خواتین کی طرف تشریف لے گئے۔ اور انہیں نصیحت کی کہ (متفق علیہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحیٰ کے موقع پر عید گاہ میں جاتے تو سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے تشریف لاتے اور لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوتے (مسلم) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن نکلتے تو لوگوں کے ساتھ دو رکعت نماز (عید) پڑھتے، پھر سلام پھیر کر اپنی سواری پر چڑھ کر لوگوں کے سامنے تشریف لاتے، لوگ بیٹھے ہوتے ان سے آپ فرماتے صدقہ کرو وہ یہ سن کر اکثر عورتیں مختلف اشیاء انگوٹھی اور بندوں کا صدقہ کرتیں[1] اور اگر آپ کو کوئی ضرورت ہوتی مثلاً کسی (فوج یا لشکر) کو بھیجنا ہوتا تو آپ اسے سرانجام دیتے ورنہ واپس تشریف لے جاتے اور صحیحین میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے نماز پڑھی، پھر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو گئے تو آپ اتر پڑے، پھر عورتیں حاضر ہوئیں تو انہیں نصیحت کی (الحدیث) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی منبر پر اور کبھی سواری پر خطاب فرماتے ہو سکتا ہے کہ آپ کے لیے کچی اینٹوں کا یا مٹی کا کوئی منبر بنا دیا گیا ہو۔ ان دونوں روایتوں کی صحت میں کوئی شک بھی نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مسجد (نبوی) سے منبر نہیں لے جایا جاتا تھا سب سے پہلے جس نے اسے (مسجد نبوی) سے نکالا وہ مروان بن حکم (اموی) تھا۔ اس کی مخالفت کی گئی۔ (رہا کچی اینٹوں یا مٹی کا منبر تو سب سے پہلے مروان کی

---

[1] اس حدیث سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عورت اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ شوہروں کو صدقہ کی ترغیب دیتے، نہ کہ عورتوں کو، یا یہ ہوتا کہ عورتیں یہ ارشاد سن کر، اپنے شوہروں تک آپ کا یہ ارشاد پہنچاتیں اور وہ جو کچھ دینا چاہتے دے دیتے۔ لیکن عورتوں نے بھی ایسا کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ ارشاد نبوی سنا اور وہیں بیٹھے بیٹھے جو چیزیں پاس تھیں۔ ان میں سے جو چاہا دے دیا، یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ جو مال بیوی کا ہو، خواہ ذاتی طور پر یا شوہر کا دیا ہوا اس پر تصرف میں وہ شوہر کی اجازت کی محتاج نہیں ہے، بلکہ بطور خود جو چاہے کر سکتی ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

امارت کے تحت مدینہ میں کثیر بن صلت نے (منبر) بنایا جیسا کہ صحیحین میں ہے۔ لہٰذا غلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ میں کسی اونچی جگہ کھڑے ہو جاتے اسے (چبوترہ) کہا جاتا تھا۔ پھر آپ وہاں سے اتر کر عورتوں کی طرف تشریف لاتے اور ان کے سامنے خطاب اور وعظ فرماتے اور نصیحت فرماتے۔

خطبات کا آغاز حمد و ثنا سے

آپ تمام خطبات الحمد للہ (اللہ کی حمد و ثنا) سے شروع کرتے کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے عیدین کا خطبہ تکبیر سے شروع کیا ہو، سنن ابن ماجہؒ میں حضرت سعدؓ سے مروی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں کثرت سے تکبیر کہا کرتے اور عیدین کے خطبات میں تو ان کی اور بھی کثرت ہو جاتی۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خطبات عیدین کا افتتاح تکبیروں سے آپ کرتے تھے، بلکہ عیدین و استسقاء کے خطبات کے افتتاح میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا افتتاح تکبیر سے ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ خطبہ استسقاء کا افتتاح استغفار سے ہو گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ الحمد سے ہو گا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا فرمان ہے کہ بہتر یہی (موخر صورت) ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کوئی کام جو اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو گا وہ بے کار اور رائگاں ہے۔

آپ اپنے تمام خطبات الحمد للہ (اللہ کی حمد) سے شروع کرتے۔ آپ نے تمام حاضرین کو اجازت دی، چاہیں تو بیٹھیں اور چاہیں تو چلے جائیں اور اس کی اجازت دی کہ اگر جمعہ کے دن عید آ جائے تو جمعہ کے باعث نماز عید مختصر کر دیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (عید گاہ میں) جاتے وقت مختلف راستوں سے آتے جاتے ایک راستے سے تشریف لاتے اور دوسرے راستے سے جاتے۔ بعض نے اس کا مقصد یہ بیان کیا ہے "تاکہ دونوں راستوں کے مکینوں کو سلام کر سکیں" اور بعض کے نزدیک مقصد یہ تھا کہ دونوں گروہ آپ کی برکت حاصل کر سکیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ دونوں راستوں کے حاجت مندوں کی ضرورت پوری کر سکیں۔ ایک قول کے مطابق اس طرز عمل کا منشا یہ تھا کہ تمام راستوں اور شاہراہوں میں اسلام کی شان و شوکت کا اظہار ہو سکے" ایک قول کے مطابق یہ تھا کہ اسلام اور اہلِ اسلام کی

عزت وشوکت، نیز اس کے شعائر کا قیام دیکھ کر منافقین جل اٹھیں اور ایک قول کے مطابق مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ زمین کا ہر ٹکڑا گواہی دے۔ کیونکہ مسجد اور عید گاہ میں جانے والے کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہو گا۔ اور دوسرے قدم پر ایک گناہ معاف ہو گا۔ اسی طرح وہ گھر لوٹ کر آئے گا۔ کہتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔

نیز مروی ہے کہ آپ عرفہ کے دن فجر کی نماز سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک اس طرح تکبیریں کہتے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

نماز کسوف

سورج گہن کے موقع پر آں حضرتؐ کا اُسوہ

نماز کسوف آپؐ نے کس طرح پڑھی؟ جب سورج گہن میں ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیز قدم اٹھاتے، گویا سراسیمگی کے عالم میں پشت مبارک پر چادر ڈالے برآمد ہوتے (ایک مرتبہ) کسوف (سورج گہن) کی کیفیت یہ تھی کہ دن کے شروع میں دو یا تین نیزے تک آفتاب بلند ہوا تھا کہ گہن میں آگیا۔ فوراً ہی آپؐ (مسجد) میں آئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک طویل سورت پڑھی اور جہر (بآواز بلند) سے تلاوت کی۔ پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا اور دیر تک کھڑے رہے۔ لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ جب سر اٹھایا تو فرمایا۔

سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔

یعنی: جس نے (اللہ) کی تعریف کی۔ اللہ نے اس کی سن لی۔ اے ہمارے پروردگار تو ہی سزاوار ہے۔

پھر قرأت شروع فرمائی، پھر رکوع کیا جو دیر تک جاری رہا۔ لیکن رکوع پہلے رکوع سے کم (طویل) تھا۔ پھر رکوع سے سر اُٹھایا، پھر ایک طویل سجدہ کیا اور اسے خوب طول دیا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی پہلی رکعت کی طرح کیا۔ اس طرح ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے بن گئے

گویا آپ نے دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔

آپؐ نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا

اس نماز میں آپ نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا اور ارادہ کیا کہ جنت میں سے (انگور کا) ایک خوشہ توڑ لیں اور وہ (صحابہؓ) کو دکھائیں اور آگ میں دوزخیوں کو بھی دیکھا (نیز) ایک عورت (کو دوزخ میں) دیکھا کہ ایک بلی اسے نوچ رہی ہے (جسے بے دردی سے) اس نے باندھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھوک اور پیاس سے مر گئی اور عمرو بن مالک کو دیکھا جو آگ کے اندر اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہے اور یہ پہلا آدمی تھا۔ جس نے دینِ ابراہیم علیہ السّلام کو بدل دیا اور اس میں حاجیوں کے ایک چور کو عذاب میں مبتلا دیکھا۔

نماز سے فراغت کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یہ کسی کی موت یا پیدائش پر گہن میں نہیں آتے۔ اس لیے جب تم یہ (صورت) دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ اے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم خدا سے زیادہ کسی کو اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے، یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم جو مجھے معلوم ہے اگر تمہیں بھی معلوم ہوتا تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔"

نیز اس خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"میں نے اس جگہ وہ چیز دیکھ لی، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے ارادہ کیا کہ جنت کا ایک خوشہ توڑ لوں۔ جب تم نے مجھے آگے بڑھتے دیکھا تھا اور میں نے دوزخ کو بھی دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے سے سخت تر ہو رہا تھا۔ جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا تھا۔ ایک لفظ یہ ہے۔ کہ میں نے آگ کو دیکھا اور آج سے زیادہ ہولناک منظر کبھی نہیں دیکھا اور میری طرف وحی کی گئی کہ قبروں میں تم آزمائے جاؤ گے یا قربِ آمدِ دجال کے زمانے میں کوئی تم میں سے کسی کے پاس آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اس آدمی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ تو مومن۔ یا فرمایا کہ یقین رکھنے والا (مومن)۔ کہے گا کہ (یہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے

رسول ہیں۔ ہمارے پاس دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے ہم نے قبول کیا۔ ایمان لائے اور اطاعت کی تو اس سے کہا جائے گا سو جا تو نیک ہے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ تو مومن تھا۔ اور منافق ۔۔۔ یا فرمایا کہ مرتاب (شک کرنے والا) کہے گا، میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تو میں نے بھی وہی کہہ دیا۔"

دوسری روایت میں جو امام احمد بن حنبل نے تخریج کی ہے یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور پھر شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ (محمد صلعم) اس کے بندے، اس کے رسول ہیں۔ پھر فرمایا۔

" اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں (یہ بتاؤ) کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اپنے پروردگار کے پیغامات کی تبلیغ میں کچھ کمی کی ؟

ایک آدمی کھڑا ہو گیا اس نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے اور آپ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی اور جو آپ کے ذمہ داری ڈالی گئی تھی پوری کر دی۔"

کسوف وخوف کا تعلق کسی کی زندگی یا موت سے نہیں

پھر آپ نے فرمایا، مابعد بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سورج یا اس چاند کا گہن یا ان ستاروں کا اپنے مطالع سے ہٹ جانا اہل زمین کے بڑے بڑے لوگوں کی موت کے باعث ہوتا ہے۔ یقیناً ان لوگوں نے جھوٹ بولا ہے یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نشانیاں ہیں اس کے بندے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ ان میں سے کون تائب ہوتا ہے۔

خدا کی قسم جب میں نماز پڑھنے کے لیئے کھڑا ہوا تو میں نے دنیا و آخرت میں تمہارے ساتھ ہونے والے واقعات دیکھے اور خدا خوب جانتا ہے کہ قیامت تک نہ آئے گی جب تک تیس کذاب (از حد جھوٹے) نہ آجائیں۔ آخری (کذاب) کانا دجال ہوگا، جس کی بائیں آنکھ مٹی ہوئی ہوگی۔ گویا کہ ابو یحییٰ کی آنکھ ہو۔ اور جب وہ خروج کرے گا تو جلدی ہی اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگے گا تو جو اس پر ایمان لائے گا، اس کی تصدیق کرے گا اور اس کی اتباع کرے گا اس

کا گزشتہ کوئی نیک عمل اسے فائدہ نہ دے گا۔ اور جو اس کا انکار کرے گا، اس کی تکذیب کرے گا۔ اس سے کسی گزشتہ برائی (غلطی) پر مواخذہ نہ ہوگا اور وہ حرم شریف اور بیت المقدس کے علاوہ بہت جلد ساری زمین پر گھوم جائے گا۔ اور وہ مسلمانوں کا بیت المقدس میں محاصرہ کرے گا۔ جس سے یہ بہت زیادہ دہشت زدہ ہو جائیں گے، ان پر سراسیمگی طاری ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے لشکر کو ہلاک کرے گا۔ یہاں تک کہ دیوار کی بنیاد یا درخت کی جڑ سے آواز آئے گی۔

اے مسلمان، اے مومن یہ یہودی ہے۔

(یا فرمایا، کہ یہ کافر ہے) آ اور اسے قتل کر دے۔

مروی ہے کہ آپؐ نے دوسرے طریقوں پر بھی نماز کسوف ادا کی ہے۔ مثلاً ہر رکعت میں تین رکوع اور ہر رکعت میں چار رکوع اور ایک صورت یہ بھی تھی جیسے عام نماز کی ہوتی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو لیکن کبار ائمہ اس کی صحت کے قائل نہیں۔ جیسے امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور شافعیؒ اسے غلط سمجھتے ہیں۔

شافعیؒ کہتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا۔

بعض لوگوں کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں تین رکوع کیے۔

شافعیؒ کہتے ہیں میں نے سائل سے دریافت کیا، آیا تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ اس نے کہا نہیں تو! لیکن آپ اس کا (فتویٰ) کیوں نہیں دیتے؟ جبکہ یہ آپ کی دو رکعت والی روایت میں ایک رکوع زیادہ بتایا گیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ایک طرح سے منقطع ہے اور ہم منفرد پر منقطع کو ثابت نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم اس وجہ کو قطعاً غلط سمجھتے ہیں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں شافعیؒ کا منقطع سے مطلب عبید بن عمیر کا قول ہے۔ اور محدثین کا ایک گروہ تعداد رکوع میں روایات کی تصحیح کرتا ہے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار (نماز کسوف) پڑھی۔ تو یہ تمام صورتیں جائز ہوں گی اس طرف اسحٰق بن راہویہ، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، ابوبکر بن اسحاق ضبعی اور ابو سلیمان خطابی گئے ہیں اور ابن منذرؒ نے بھی اسے مستحق

سمجھا ہے اور امام بخاریؒ و شافعیؒ نے جو روایات میں ترجیح دی ہے وہ زیادہ اولیٰ ہے اور میں بھی حضرت عائشہؓ کی روایت کی طرف جاتا ہوں اور اکثر روایات اسی پر مبنی ہیں اور یہی مذہب ابو بکرؓ اور قدماء کا ہے اور اسی کو استاذ ابو العباس بن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے اور باقی تمام روایات کو وہ ضعیف بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار نماز کسوف پڑھی تھی۔ جب اس دن گہن پڑا تھا۔ جب آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تھی۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی اور لوگوں کو ایسے مواقع پر ذکر الٰہی، نماز، دعاء و استغفار، صدقہ اور (غلاموں) کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

نماز استسقاء

طلب باراں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ

نبی اکرمؐ کی دعائے استسقاء یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقوں پر بارش کی دعا فرمائی۔

ایک بار جمعہ کے دن سبز پر خطبہ کے دوران آپ نے دعائے بارش کی؛ اور کہا:

اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اسقنا اللھم اسقنا۔

یعنی: اے اللہ ہم پر بارش فرما، اے اللہ ہم پر بارش فرما۔ اے اللہ ہمیں پلا، اے اللہ ہمیں پلا۔

دوسرے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے وعدہ فرمایا کہ ایک دن وہ میدان نماز میں باہر نکلیں گے۔ چنانچہ جب سورج نکل آیا تو آپ اس طرح برآمد ہوئے کہ سراپا خشوع تفرع بنے ہوئے تھے۔ یکسر خاکساری اور انکسار کا پہلو لیے ہوئے۔ جب آپ میدان نماز میں پہنچے تو منبر پر چڑھے اگر یہ روایت درست اور صحیح ہو ورنہ کسی طریقہ پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اس کی بزرگی بیان کی۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ دیا اس کے یہ الفاظ منقول ہیں:۔

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم کرنے اور روز جزاء کا مالک، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غنی (بے پرواہ) ہے

اور ہم محتاج، ہم پر بارش نازل فرما اور جو کچھ ہم پر نازل فرما اُسے ایک مدت تک معیشت اور گزران کا (سبب) بنا دے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور تضرع وانابت اور دعا میں مشغول ہو گئے اور ہاتھ اونچا کرنے میں مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف پیٹھ کی اور قبلہ رُخ ہو گئے اور اس وقت قبلہ رُخ حالت میں آپ نے اپنی چادر کو بھی بدل لیا۔ چنانچہ دائیں طرف کو بائیں اور بائیں طرف کو دائیں کر لیا۔ پیٹھ کے حصّہ کو سامنے اور سامنے کے حصّہ کو پیٹھ کی طرف کر لیا۔ اس وقت آپ کے بدن پر سیاہ چادر تھی اور قبلہ رخ حالت میں آپ نے دعا شروع کر دی۔ لوگ بھی اسی طرح (قبلہ رخ) تھے۔ آخر آپ اُتر آئے۔

پھر آپ نے نمازِ عید کی طرح نداواذان اور اقامت کے بغیر دو رکعتیں ادا کیں اور ان دو رکعتوں میں جہر (بہ آوازِ بلند) سے قرأت کی، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سبح اسم ربك الاعلی اور دوسری میں هل اتاك حديث الغاشية کی تلاوت کی۔

تیسرا طریقہ یہ منقول ہے کہ آپؐ نے جمعہ کے دن کے علاوہ کسی اور دن مدینہ کے منبر سے محض دعائے بارش کی۔ اس موقع پر آپ سے کوئی نمازِ استسقاء منقول نہیں۔

چوتھا یہ کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے آپؐ نے دعائے بارش کی۔ آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی وہ یہ ہے۔

اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریعا طبقا عاجلا غیر رائث نافعا غیر ضار۔

یعنی: "اے اللہ ہماری تشنگی ایسی بارش سے دور کر دے جو فریادرس ہو۔ ارزاں کرنے والی جلدی آنے والی، دیر نہ کرنے والی، نفع دینے والی اور ضرر نہ دینے والی۔"

پانچویں یہ کہ آپ نے زوراء کے قریب دعا مانگی جو مسجد کے دروازے سے باہر ہے۔ اور جسے آج کل باب السلام کہتے ہیں (اس وقت) آپ مسجد کے دائیں جانب اتنے فاصلہ پر تھے جتنی دور پتھر پھینکا جا سکے۔

چھٹی بار آپ نے کسی غزوہ میں دعا کی۔ جب مشرکین نے سبقت کر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمان پیاس سے بے حال ہو رہے تھے۔ انہوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے فریاد کی، اس موقع پر بعض منافقین کہنے لگے جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی سیرابی کے لئے دعا مانگی تھی۔ اگر یہ نبی ہیں تو یہ بھی اپنی قوم کے لئے سیرابی کی دعا کریں گے۔

چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا:۔

کیا انہوں نے یہ کہا ہے؟ شاید تمہارا پروردگار تمہیں سیراب کر دے۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ ہٹائے نہ تھے کہ بادلوں نے سایہ کر لیا اور بارش شروع ہو گئی۔ چنانچہ وادی میں سیلاب آ گیا، لوگوں نے پانی پیا اور خوب سیر ہو کر پیا۔

آپ سے جو دعا منقول ہے وہ یہ ہے۔

اللھم اسق عبادك وبهائمك وانشر رحمتك واحی بلدك المیت اللھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا نفعا غیر ضار عاجلا غیر اجل۔

یعنی! "اے اللہ ہمیں سیراب کر، فریاد رس کرنے والے مینہ سے جس کا انجام اچھا ہو اور جو ارزانی کرنے والا ہو، ضرر نہ کرنے والا ہو، جلدی کرنے والا اور دیر نہ کرنے والا ہو"

آپ نے جب کبھی بھی طلب باراں کے لئے دعا کی تو ضرور بارش ہوئی اور جب بارش زیادہ ہونے لگی تو آپ سے لوگوں نے بادل چھٹ جانے کی درخواست کی آپ نے بادلوں کے چھٹ جانے کی بھی دعا فرمائی اور کہا:

اللھم حوالینا ولا علینا اللھم علی الآکام والجبال والظراب وبطون الاودیة ومنابت الشجر۔

یعنی: "اے اللہ ہمارے ارد گرد اور ہمارے اوپر نہ ہو۔ اے اللہ ٹیلوں اور پہاڑوں اور وادیوں کے علاقہ میں اور درختوں کی جڑوں پر بارش کر"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل دیکھتے تو دعا کرتے۔

اللھم صیبا نافعا

یعنی اے اللہ یہ بارش بھرپور اور فائدہ مند ہو۔ ایسے موقع پر آپ جسم مبارک سے

کپڑا ہٹا لیتے تاکہ اس پر بارش کا پانی پڑے۔

آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ تو فرمایا، کیونکہ یہ اپنے پروردگار سے نیا عہد ہے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس نے خبر دی جسے میں متہم نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ ان کا مطلب حضرت عائشہؓ سے تھا۔ حضرت یزید بن ہاد سے مروی ہے کہ جب سیلاب سا آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ آؤ ہمارے ساتھ ادھر آؤ جسے اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے والا بنا دیا پھر ہم اس سے طہارت حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اور نبی صلی علیہ وسلم جب بدل اور ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرہ سے معلوم ہو جاتا۔ آپ اُدھر (پریشان) پھرتے۔ جب بارش ہو جاتی تو خوش ہو جاتے اور پریشانی جاتی رہتی۔ آپ خطرہ محسوس کرتے تھے کہیں یہ عذاب نہ ہو۔

سالم بن عبداللہ کو اپنے والد سے مرفوعاً روایت پہنچی ہے کہ جب آپ دعائے بارش کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللهم اسقنا غيثا مغيثا مريئا غدقا مجللا عاما طبقا سحا دائما اللهم اسقنا الغيث ولا تجعلنا من القانطين اللهم ان بالعباد والبلاد والبهائم والخلق من اللاواء والجهد والضنك مالا نشكوه الا اليك اللهم انبت لنا الزرع وادر لنا الضرع واسقنا من بركات السماء وانبت لنا من بركات الارض اللهم ارفع عنا الجهد والجوع والعري واكشف عنا من البلاء مالا يكشفه غيرك اللهم انا نستغفرك انك كنت غفارا فارسل السماء علينا مدرارا۔

یعنی ”اے اللہ ہمیں سیراب کر ایسے مینہ سے جو فریاد رسی کرے، ارزانی لائے اکثر ہو، بھرپور ہو تمام، گھنا ہو، خوب ڈگی ہو اے اللہ ہمیں مینہ سے سیراب کر ہمیں مایوس نہ فرما۔ بندے، شہر، چوپائے اور مخلوقات، دکھ، مصیبت اور تنگی میں مبتلا ہیں۔ پس ہم صرف تیرے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے لیے کھیتی اگا اور ہمارے لئے دودھ چلا اور ہمیں آسمانی برکات سے پلا اور زمین کی برکات ہمارے لئے اُگا۔ اے اللہ ہم سے دُکھ، بھوک، عریانی اٹھا اور ہماری تکالیف دور کر دے جو تیرے سوا اور کوئی نہیں دور کر سکتا۔ اے اللہ ہم تجھ سے بخشش چاہتے ہیں۔

بے شک تو ہی بخشنے والا ہے ہم پر آسمان (سے بارش) خوب برسا۔"

امام شافعیؒ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ امام دعائے باراں میں یہی الفاظ استعمال کیا کرے۔

نیز کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لئے دعا مانگتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب بارش کا پہلا قطرہ گرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی بارش کو اپنے جسد انور پر لیتے اور مجھے اس نے بتایا ہے کہ جسے میں متہم نہیں سمجھتا انہیں عبدالعزیز بن عمرؓ سے انہیں مکحول سے انہیں نبی اکرم صلی علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ آپ نے فرمایا:

افواج کے مقابلہ کے وقت اور قیام نماز کے وقت اور بارش کے وقت دعا کی قبولیت کا سوال کرو۔

اور مجھے ایک سے زیادہ رواۃ سے یاد ہے کہ نزول بارش اور اقامت نماز کے وقت دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں موصول کی حدیث سے جو انہیں سہل بن سعدؓ سے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے متعلق پہنچی ہے۔ معلوم ہوا کہ اذان کے وقت، لڑائی کے وقت اور بارش کے وقت دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پہنچی آپ نے فرمایا چار مواقع پر آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا ضرور قبول ہوتی ہے

۱۔ جب فوج صف بستہ ہو، جنگ و پیکار کے لئے۔

۲۔ نزول بارش کے وقت۔

۳۔ قیام نماز کے وقت۔

۴۔ اور کعبہ مکرمہ کی زیارت کے وقت۔

دورانِ سفر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات اور سنن

آں حضرتؐ کے سفر کی نوعیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر چار طرح کے ہوتے تھے۔

۱۔ سفر ہجرت۔
۲۔ سفر جہاد، یہ اکثر ہوتا رہتا تھا۔
۳۔ سفر عمرہ۔
۴۔ اور سفر حج۔

جب آپؐ سفر کے لیے نکلتے تو ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اسی کو ساتھ لے جاتے۔ البتہ جب آپؐ نے حج کے لیے سفر کیا تو تمام ازواج مطہراتؓ کو ساتھ لیا۔

جب آپ سفر کرتے تو ابتدائے دن میں نکلتے۔ آپ جمعرات کو تشریف لے جانا پسند کرتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرماتے کہ آپ کی امت کو سویرے سویرے (جانے) میں برکت دے۔ اور جب آپ کوئی لشکر یا وفد بھیجنا چاہتے تو ابتدائے وقت میں بھیجتے اور اگر مسافر تین ہوتے تو انہیں حکم فرماتے

کہ ایک کو امیر بنا لیں[1]۔ آپ نے مسافر کو تنہا سفر سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ایک سوار شیطان ہے، دو شیطان دو شیطان ہیں۔ تین دراصل سوار ہیں اور منقول ہے کہ جب آپ سفر کے لیے اٹھتے تو پڑھتے:۔

اللھم الیك توجھت وبك اعتصمت اللھم اکفنی ما أھمنی وما لا اھتم بہ اللھم زودنی التقوی وغفر لی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت۔

یعنی: اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہُوا اور تیرا ہی دامن پکڑتا ہوں۔ اے اللہ جس کا مجھے غم ہے اور جس کا غم نہیں ان سب میں میری کفایت فرما۔ اے اللہ مجھے تقویٰ عطا فرما اور میرے گناہوں کو بخش دے اور بھلائی کی طرف میرا رُخ کر دے، خواہ میرا رُخ کسی طرف بھی ہو"

جب آپ کے سامنے سواری پیش کی جاتی تو آپ رکاب میں پاؤں رکھتے وقت بسم اللہ کہتے۔ اور جب اس کی پشت پر سوار ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

الحمد للہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

پھر پڑھتے۔ الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر

پھر پڑھتے۔ سبحانك انی ظلمت نفسی فاغفر لی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

نیز، پڑھا کرتے: اللھم انا نسئالك فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھون علینا سفرنا واطو عنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذبك من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال۔

یعنی: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمارے لیے اسے مسخر کیا اور ہم اُسے جمع کرنے والے نہیں تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں ضبط و نظم کی کتنی اہمیت ہے (رئیس احمد جعفری)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔
اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔
تو پاک ہے بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے
کیونکہ بخشنے والا صرف تو ہی ہے۔
اے اللہ ہم اس اپنے سفر میں تجھ سے نیکی، تقویٰ اور اس عمل کا سوال کرتے ہیں، جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لیے اس کی دوری لپیٹ دے۔ اے اللہ سفر میں تو ہی آقا ہے اور گھر میں تو ہی محافظ ہے۔ اے اللہ میں سفر کی ایذا اور تکلیف دہ واپسی اور گھر اور حال میں برے منظر سے پناہ چاہتا ہوں۔
جب واپس تشریف لاتے تو سابقہ دعا بھی پڑھتے اور ان الفاظ کا اضافہ کر دیتے۔
آیبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔
یعنی: لوٹنے والے، توبہ کرنے والے اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے تعریف کرنے والے۔
نیز آپ اور صحابہ کرامؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے وادیوں میں اترتے تو تسبیح کہتے اور جب کسی بستی کے پاس آتے اور اس میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے۔
اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسألك من خیر ھذہ القریۃ وخیر جمعت فیھا واعوذبك من شرھا وشر ما جمعت فیھا اللھم ارزقنا جناھا واعذنا من وباھا وحببنا الی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا۔
یعنی: اے ساتوں آسمانوں کے پروردگار اور جن پر وہ سایہ گستر ہیں

اور ساتوں زمینوں کے پروردگار اور جو کچھ انہوں نے اٹھا رکھا ہے اور شیاطین کے پروردگار اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا اور ہواؤں کے پروردگار اور جن چیزوں کو انہوں نے اڑایا۔ میں تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور جو بھلائی اس میں تو نے جمع کر رکھی ہے۔ مانگتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جو اس میں شر جمع ہے اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ ہمیں اس کے پھلوں کا رزق عطا فرما اور ہمیں اس کی وبا سے بچا اور اس کے رہنے والوں میں ہمیں محبوب کر دے اور اس کے نیک لوگوں کے لیے ہمارے دل میں محبت ڈال دے۔

بہ حالت سفر نماز میں قصر کا معمول

اور چار رکعت والی نماز کو قصر کرتے چنانچہ جب آپ سفر کے لیے نکلتے تو مدینہ واپس پہنچنے تک (چار رکعت) والی نماز میں دو رکعتیں پڑھتے۔ آپ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے سفر میں چار رکعتیں مکمل پڑھتی ہوں۔ رہی حضرت عائشہ رض کی روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سفر میں کبھی قصر کرتے اور نماز مکمل پڑھتے، کبھی افطار کرتے اور کبھی روزہ رکھتے یہ روایت صحیح نہیں۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو کہتے سنا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر جھوٹ گھڑا گیا ہے۔ یہ روایت باطل ہے۔ ام المومنین، رسول اللہ اور جمیع صحابہ رض کے خلاف کیونکر جا سکتی تھیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو دو رکعتیں فرض کی تھیں! پھر جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو صلاۃ حضر میں دو دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا اور صلاۃ سفر جوں کی توں قائم رہی، پھر یہ کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کے خلاف عمل کر رہی ہوں گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رض کا خیال تھا کہ نماز قصر خوف وسفر دونوں سے مشروط ہے۔ اس لیے جب خوف ختم ہو گیا تو سبب قصر زائل ہو گیا یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم حالت امن میں سفر کرتے ہوئے

نمازیں ہمیشہ قصر کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اس آیت کے مفہوم میں دشواری ہوئی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے اور امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت تھی کہ (عبادت سے) مفہوم حکم مراد نہیں اور مامون و خائف دونوں ملنے قصر نماز کا گناہ اٹھ جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ مندرجہ مفہوم کی ایک مخصوص نوع ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت قصر کی متقاضی ہے جو از روئے تخفیف شامل ہے قصر ارکان اور قصر تعداد پر دو رکعتیں کم کر دینے سے اور یہ دو باتوں سے مشروط ہے۔ سفر اور خوف۔

جب دونوں باتیں پائی جائیں تو قصر مباح ہوگا اور تعداد و ارکان میں قصر کرکے نماز پڑھی جائے گی۔ اور اگر دونوں مذکورہ شرائط ختم ہوگئیں تو وہ مامون و مقیم بن گئے اور قصر کا حکم بھی جاتا رہا۔ پھر انہیں مکمل نماز پڑھنا ہوگی اور اگر دونوں میں سے ایک سبب پایا جائے تو ایک پر قصر کا حکم مرتب ہوگا۔ یعنی جب خوف اور اقامت ہو تو عدد رکعات پورے ہوں گے۔ البتہ ارکان میں سے قصر ہوگا۔ یہ قصر کی ایک قسم ہے، قصر مطلق نہیں جس کا ذکر آیا ہے اور اگر سفر اور امن کی حالت ہو تو عدد رکعات میں قصر ہوگا۔ اور ارکان مکمل ہوں گے۔ اس کا نام نماز امن ہوگا۔ اور یہ بھی قصر کی ایک نوع ہوگی۔ قصر مطلق کو کہا جاتا ہے کہ عدد رکعات میں کمی کے باعث اسے نمازِ مقصود کہتے ہیں اور کبھی کبھی ارکان کی تکمیل کے باعث اسے نماز تام بھی کہتے ہیں۔ اور یہ آیت مذکورہ کے حکم قصر کے تحت داخل نہیں۔ پہلی اصلاح اکثر متاخرین فقہا کے ہاں معروف ہے اور دوسری اصطلاح صحابہؓ جیسے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے متبادر ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا نماز دو رکعتوں میں فرض کی گئی اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سفر کی نماز سابقہ مقدار میں رہ گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ ہوگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سفر کی نماز چار سے کم ہو کر (دو تک) نہیں آئی بلکہ یہ اسی طرح فرض ہے اور حالتِ سفر میں (ابتداء سے) ہی دو رکعت فرض ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبان سے حضر میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض کی (متفق علی حدیث عائشہؓ) البتہ امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے منفرد روایت کی ہے۔

سفر کی نماز چار کے بجائے دو رکعت فرض ہے

حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں۔ نمازِ سفر کی دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی دو رکعتیں ہیں۔ اور عید کی دو رکعتیں ہیں اور یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مطابق مکمل نماز ہیں، قصر نہیں ہیں اور جس نے افترا باندھا وہ نامراد ہُوا۔ یہ بات حضرت عمرؓ سے ثابت ہے۔ انہوں نے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا تھا کہ کیا ہم امن کی حالت میں بھی قصر کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے یہ جو اللہ کی تم پر خیرات ہے لہٰذا اس کا صدقہ قبول کرو۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب انہیں جواب دیا کہ یہ تم پر اللہ کا صدقہ ہے اور اس کا دین آسان اور سہل ہے تو حضرت عمرؓ جان گئے کہ آیت کا مطلب قصرِ عددِ رکعات نہیں۔ جیسا کہ اکثر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اور فرمایا نماز سفر کی دو ہی رکعتیں ہیں اور یہ مکمل ہیں، قصر شدہ نہیں، لہٰذا آپ سے ثابت نہیں ہوتا کہ قصر عدد مباح ہے نمازی جی چاہے پوری پڑھ لے جی چاہے قصر کرلے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلّم نے سفر میں ہمیشہ دو دو رکعتیں پڑھیں اور ایک بار نمازِ خوف کے سوا آپؐ نے کبھی بھی چار رکعتیں نہیں پڑھیں جس کا ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

حضرت عثمانؓ کی روش اور اس کی تاویل

حضرت انسؓ بتاتے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف گئے۔ تو آپؐ مدینہ واپس آنے تک دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے (متفق علیہ) اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ بن عفان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں کاش مجھے چار رکعتوں میں دو مقبول رکعتیں حاصل ہو سکیں، حضرت عثمانؓ کے اس فعل کی تاویلات مذکورہ ہیں بشرطیکہ یہ روایت درست بھی ہو) ان میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ انہوں نے منیٰ میں نکاح کیا تھا اور (مسئلہ ہے) کہ مسافر جب کسی جگہ ٹھہرے اور وہاں نکاح کرلے تو اسے مکمل (نماز) پڑھنی چاہیے۔ اس مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مرفوع حدیث منقول ہے۔ چنانچہ عکرمہ بن ابراہیم ازدی نے ابوذُباب سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھی اور فرمایا کہ اے لوگو! جب میں یہاں آیا تو میں نے یہاں نکاح کیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ جب کوئی آدمی کسی شہر میں نکاح کرلے تو وہ وہاں پر مقیم کی نماز پڑھے۔ اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا اور عبداللہ بن زبیر حمیدی نے اپنی مسند میں (بیان کیا) اور بیہقیؒ نے انقطاع اور تضعیف کی بنا پر اس اسے معلول قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس پر طعن نہیں کیا، حالانکہ جرح کرنا اور مجروحین کا تذکرہ کرنا ان کی عادت ہے۔

احمدؒ اور حضرت ابن عباسؓ کی نص یہ ہے کہ مسافر اگر نکاح کرلے تو اسے (وہاں) مکمل نماز پڑھنی چاہیے۔ ابو حنیفہؒ مالکؒ اور ان کے اصحاب کا یہی قول ہے اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے کسی حد تک یہ عذر معقول ہے اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ توجیہہ کی گئی ہے کہ وہ ام المومنین تھیں اس لیے جہاں بھی اتریں وہیں ان کا وطن تھا۔ یہ توجیہہ بالکل کمزور ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے باپ تھے اور ازواج مطہرات کی امومیت (والدہ بننا) آپ کی ابوبیت کی فرع ہے۔ لیکن اس توجیہہ کے مطابق آپؐ نے کبھی سفر میں مکمل (نماز) نہیں پڑھی۔

ہشامؓ بن عروۃ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ (حضرت عائشہؓ) سفر میں چار رکعت پڑھا کرتیں۔

میں نے عرض کیا کاش آپ دو رکعتیں پڑھتیں۔

انہوں نے فرمایا: اے میرے بھانجے یہ میرے لیے کچھ بوجھ نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسافر کی نماز اگر دو رکعت ہوتی تو حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ مکمل نماز کیوں پڑھتے؟ اور نہ مسافر کو مقیم کے ساتھ مکمل نماز پڑھنے دیتے۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ کیا، مکمل بھی کی اور قصر بھی کیا (نیز) حضرت ابراہیم بن محمد نے طلحہؓ بن عمر سے، انہوں نے عطاء بن رباح سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں (نماز) مکمل بھی پڑھی اور قصر بھی کیا۔ بیہقیؒ بتاتے ہیں کہ ایسے ہی مغیرۃ بن زیاد نے عطاء سے روایت کیا ہے اور سند کے لحاظ سے زیادہ صحیح روایت ابو بکر حارثی نے ہمیں بتائی، انہوں نے دار قطنی سے انہوں نے محاملی سے انہوں نے سعید بن محمد بن ایوب سے انہوں نے ابو عاصم سے انہوں نے عمر بن سعید سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت

کیا کہ آپ سفر میں مکمل نماز بھی پڑھتے قصر بھی کرتے، روزہ بھی رکھتے اور افطار بھی کرتے۔

دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ پھر اس کے بعد ابو بکر نیشاپوری کی سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عباس دوری سے انہوں نے ابو نعیم سے انہوں نے علاء بن زہیر سے انہوں نے عبد الرحمٰن بن اسود سے انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک سفر عمرہ کیا۔ عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان میں نے قصر بھی کیا اور مکمل نماز بھی پڑھی روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کی حیثیت

آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضؓ تم نے اچھا کیا اور میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے سنا کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضؓ پر جھوٹی تہمت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضؓ کے خلاف دوسرے طریقہ پر نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں جب کہ انہیں قصر کرتے دیکھ چکی تھیں، پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بغیر کسی سبب کے وہ مکمل نماز پڑھنے لگتیں؟ حالانکہ انہیں کی روایت ہے کہ نماز کی دو رکعتیں فرض کی گئیں۔ پھر حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ اور سفر کی نماز ویسے ہی دو رکعتوں کی صورت میں رہنے دی گئی۔ پھر یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اللہ کے فرائض میں زیادتی کرتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ رضؓ کی مخالفت کرتیں۔

امیہ بن خالد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ سے کہا کہ ہم حضر کی نماز خوف قرآن میں پاتے ہیں لیکن قرآن میں نماز سفر نہیں ملتی۔ تو حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا اے میرے بھائی بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا اور ہم کچھ نہ جانتے تھے تو اب جس طرح ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم

کو کرتے دیکھا اسی طرح ہم بھی کرتے ہیں۔

اور حضرت انسؓ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے۔ آپ مدینہ واپس تشریف لاتے تک دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی (سفر میں) رفاقت کی۔ آپؐ اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کوئی بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتا اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔

سفر کی حالت میں سنّت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے

آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے بہ حالت سفر فرض سے پہلے یا بعد میں وتر اور فجر کی سنتوں کے علاوہ (دوسری سنتیں) پڑھی ہوں۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم وتر اور فجر کی سنّت کو سفر و حضر کسی موقع پر ترک نہ فرماتے۔

حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت کی ہے۔ آپ (سفر) میں کبھی تسبیح[1] نہ پڑھتے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

یعنی تمہارے لیے رسولؐ کی زندگی اسوۃ حسنہ ہے۔"

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ سواری کی پشت پر تسبیح (نوافل) پڑھتے تھے جدھر بھی اس کا رُخ ہوتا اور صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سفر میں اپنی سواری کی پشت پر نوافل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا رُخ ہوتا اس سے وہ نمازِ شب (تہجد وغیرہ) مراد لیتے تھے۔ لیکن فرائض (سواری پر نہ پڑھتے) البتہ وتر سواری پر ادا کر لیتے تھے۔

---

[1] تسبیح سے مراد سنّت ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ رات کو نوافل پڑھتے۔ حالانکہ (فرائض) میں آپ قصر کر رہے ہوتے۔

اور صحیحین میں عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سفر میں رات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری کی پشت پر نوافل پڑھتے دیکھا۔ یہ قیام اللیل تھا۔ یعنی تہجد کی نماز تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ سے سفر میں نوافل کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

میرا خیال ہے کہ بہ حالت سفر نوافل پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سفر کرتے تو فرض نماز سے قبل اور بعد نوافل پڑھا کرتے یہ طریقہ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، جابرؓ، انسؓ، ابن عباسؓ اور ابو ذرؓ سے مروی ہے۔ البتہ حضرت ابن عمرؓ فرائض سے قبل اور بعد میں نوافل نہ پڑھتے تھے۔ ہاں درمیان شب میں وتر کے ساتھ (نوافل پڑھ لیتے) غرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قصر نماز (فرض) سے قبل اور بعد میں (نوافل) نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ اس سے قبل یا بعد میں پڑھنے سے منع فرماتے کیونکہ محض تطوع (رضاکارانہ فعل) ہے نہ کہ سنن راتبہ جو اقامت کی صورت میں ضروری اور لازمی ہوتی ہیں۔

رہی حضرت عائشہؓ کی وہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے اور اسے بخاریؒ نے صحیح بخاری میں روایت بھی کیا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے اس بات کی صراحت نہیں ہوتی کہ آپؐ نے (ظہر کی قبل یا بعد کی سنتیں) سفر میں بھی ادا کی ہیں۔ بلکہ خیال یہ ہے کہ بخاریؒ نے آپؐ کا معمول بتایا ہے، جب آپ سفر میں نہ ہوتے اور سفر کے حالات سے عورتوں کی نسبت مرد زیادہ واقف ہوتے

ہیں اور حضرت ابن عمرؓ بتا چکے ہیں کہ آپؐ نے دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی اور خود حضرت ابن عمرؓ بھی اس سے قبل یا بعد میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

سواری پر نفل پڑھ لینے کا جواز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ آپ نوافل سواری پر بھی پڑھ لیتے خواہ جس طرف اس کا رخ ہوتا۔ رکوع و سجود اشاروں سے کرتے آپ کا سجدہ رکوع سے قدرے نیچا ہوتا۔

اور احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے۔ آپ تکبیر افتتاح (تحریمہ) میں اپنی اونٹنی کو قبلہ رُخ کر لیتے۔ پھر باقی تمام نماز اس سمت میں پڑھتے رہتے جس طرف اونٹنی جا رہی ہوتی۔ اس حدیث میں شبہ ہے۔ تمام رواۃ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز کا حال بیان کیا ہے۔ انہوں نے مطلق بات کہی ہے کہ آپ سواری پر نماز پڑھتے خواہ سواری کا رُخ کسی طرف ہوتا۔ نہ تکبیر تحریمہ وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عامر بن ربیعہؓ، عبداللہ بن عمرؓ جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے اور ان حضرات کی احادیث حضرت انسؓ کی روایت سے زیادہ صحیح ہیں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے اور آپؐ نے راحلہ پر اور حمار پر بھی نماز پڑھی۔ اگر یہ روایت صحیح ہو، اسے مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ کی (سند) سے نقل کیا ہے۔

بارش اور کیچڑ کے باعث (آپ نے اصحابہؓ) کے ساتھ سواریوں پر بھی فرض نماز پڑھی اگر یہ روایت صحیح ہو۔

احمدؒ ترمذیؒ اور نسائیؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ ایک تنگ جگہ پر پہنچے آپؐ اپنی سواری پر تھے اور اوپر آسمان تھا اور نیچے کیچڑ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا، اس نے اذان دی اور اقامت کہی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سواری پر سوار آگے بڑھے اور اشاروں سے نماز پڑھائی اور سجدہ رکوع سے زیادہ جھک کر کیا۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے جس میں عمر بن رباح منفرد ہیں لیکن حضرت انسؓ کے فعل سے یہ ثابت ہے۔

دو وقت کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنے کی اجازت | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت

طیبہ یہ تھی کہ جب آپ سورج ڈھلنے سے قبل سفر اختیار کرتے۔ ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے اور پھر دونوں کو جمع فرماتے اور اگر سفر شروع کرنے سے قبل سفر اختیار فرماتے تو ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے اور جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کو عشاء کے قریب تک مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھتے۔

حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو بکر بن محمد بن احمد بن بالویہ نے انہیں موسیٰ بن ہارون نے انہیں قتیبہ بن سعید نے انہیں لیث بن سعد نے بتایا انہیں یزید بن ابی حبیب سے انہیں ابی طفیل سے انہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایت ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تھے۔ جب آپ سورج ڈھلنے سے پیشتر سفر اختیار فرماتے تو ظہر کا وقت مؤخر کر لیتے۔ یہاں تک کہ اسے عصر کے قریب لے آتے اور دونوں کو جمع کر لیتے اور جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر اختیار فرماتے تو ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ لیتے۔ پھر چل پڑتے اور جب مغرب سے قبل سفر کرتے تو مغرب کو مؤخر کرتے تا آنکہ عشاء کے ساتھ اسے ادا کرتے اور جب مغرب کے بعد سفر فرماتے تو عشاء میں جلدی کر لیتے اور اسے مغرب کے ساتھ ہی پڑھ لیتے۔ حاکمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور شاذ الاسناد والمتن ہے اور اس کو معلّل بھی نہیں سمجھتے کہ معلول کہہ سکیں۔

اور اسحٰق بن راہویہ نے روایت کی ہے کہ انہیں شبابہ سے انہیں لیث سے، انہیں عقیل سے انہیں ابن شہاب سے انہیں حضرت انسؓ سے

روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر اکٹھی پڑھتے۔

یہ سند آپ کے سامنے ہے شبابہ دراصل شبابہ بن سوار ثقہ ہے اس کی روایت سے استدلال پر اتفاق ہے اور امام مسلمؒ نے اس کی روایت حضرت لیث بن سعد سے شیخین کی شرط کے مطابق اس سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ اس سے حضرت معاذ کی روایت کو قوت ملتی ہے۔

اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے لیکن اس میں جمع تقدیم نہیں۔

ابو داودؒ فرماتے ہیں ہشام نے عروۃ سے انہوں نے حسین ابن عبداللہ سے انہوں نے کریب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مفصل یعنی جمع تقدیم کے متعلق حضرت معاذؓ کی روایت کی طرح روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے کریب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سفر کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں؟ جب سورج ڈھل جاتا وہ اپنے گھر میں زوال کے وقت ظہر وعصر کی نماز اکٹھی پڑھتے اور جب سورج ڈھلنے سے قبل سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے اور دونوں کو عصر کے وقت میں ادا کرتے۔

راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے انہوں نے یہی بات مغرب اور عشاء کے متعلق کہی تھی۔

اور اسماعیل بن اسحاق نے بتایا کہ انہیں اسماعیل بن ابی اویس نے انہیں ان کے بھائی نے انہوں نے سلیمان بن مالک سے انہوں نے ہشام بن عروۃ سے انہوں نے کریب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی۔ تو آپ سورج ڈھلنے سے

قبل نکلتے، سوار ہوتے اور چل پڑتے، پھر اترتے، ظہر اور عصر کو جمع فرما کر پڑھتے اور اگر سورج ڈھلنے تک نہ چلتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ادا کرکے پھر سوار ہوتے جب سوار ہونے کا ارادہ فرماتے اور (دوسری طرف) نماز مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا تو مغرب و عشاء کو جمع فرماتے۔

ابو العباس بن شریح بتاتے ہیں کہ یحییٰ بن عبدالحمید نے ابو خالد احمر سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے حکم سے انہوں نے مقسم سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر کرتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھ لیتے اور اگر سورج ابھی نہ ڈھلا ہوتا تو ظہر کو مؤخر کرتے۔ آخر کار عصر کے وقت سے ایک ساتھ ادا کرتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمع تقدیم اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ عرفہ میں وقوف کی خاطر آپ نے ظہر اور عصر کو جمع کیا تاکہ دعا کے وقت سے متصل ہو جائے۔ اور باوجود اس کے کہ نماز عصر کی ادائیگی بغیر تکلیف کے ممکن ہوتی۔ پھر بھی اتر کر اسے منقطع نہ فرماتے، اس لئے مشقت اور ضرورت کے باعث جمع (بین الصلوٰتین) اولیٰ ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ معرفہ کے دن عصر کا مقدم کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ یہ دعا کے ساتھ ہی متصل ہو جائے۔ اس لئے اسے نماز عصر سے قطع نہ کیا جائے اور مزدلفہ میں مناسب یہ ہے کہ سفر برابر جاری رہے اور مغرب کے لئے اتر کر اس کو منقطع نہ کیا جائے، کیونکہ اس طرح لوگوں کو بہت ہی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سفر میں تعجیل کے وقت جمع بین الصلاتین کی اہمیت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ نہ تھی کہ سواری کی حالت میں جمع بین الصلاتین کرتے۔ جیسا کہ اکثر لوگ کیا کرتے ہیں اور نہ حالت نزول میں یہ عادت طیبہ تھی۔ یہ عرف

اس وقت ہوتا جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی۔ اور جب آپ نماز کے بعد چل رہے ہوتے جیسا کہ ہم تبوک کے متعلق بتا چکے ہیں۔

اور عرفہ کے سوا آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے بغیر سفر کے نماز جمع کی ہو، تاکہ وقوف کا اتصال ہو جائے جیسا کہ شافعیؒ اور ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے فرمایا، یہی وجہ ہے کہ (جمع بین الصلوٰتین) کو ابو حنیفہؒ نے عرفہ سے مختص بتایا ہے اور اسے قربانی کا تتمہ قرار دیا ہے اور ان کے خیال میں سفر کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

البتہ احمد و مالکؒ اور شافعیؒ نے اس کا سبب سفر قرار دیا ہے۔ یہ مختلف الرائے ہو گئے۔ اس لیے شافعیؒ اور احمدؒ نے ایک روایت کے مطابق سفر طویل کو اس کا سبب قرار دیا ہے اور اہل مکہ کے لیے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ امام مالکؒ اور احمدؒ نے دوسری روایت کے مطابق اہلِ مکہ کے لیے عرفات میں قصر اور جمع کو جائز بتایا ہے اور ہمارے شیخ نے اسے اختیار کیا ہے۔ اور ابو خطاب نے عبادات میں اسے اختیار کیا ہے) پھر ہمارے شیخ نے اسے ردّ کیا ہے اور چھوٹے اور طویل سفر میں اسے قصر اور جمع کرنے کے متعلق وجۂ جواز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سلف کی کثیر جماعت کا مذہب ہے۔ امام مالکؒ اور ابو خطابؒ نے اہل مکہ کے لیے مخصوص بتایا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امّت کے لیے قصر و افطار (سفر میں روزہ نہ رکھنے) میں سفر کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ سفر مطلق میں آپ نے اسے مطلق چھوڑ دیا، جیسا کہ ہر سفر میں تیمم کو مطلق کر دیا — اس سلسلہ میں آپ سے صحت کے ساتھ کچھ بھی منقول نہیں ہے۔

اور ایک دن، دو دن یا تین دن کی تحدید جو مروی ہے۔ تو اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

تلاوتِ قرآن

لحن و ترتیل کے ساتھ یا سادگی سے؟

موافق اور مخالف مسلک آپ کا معمول تلاوت میں ترتیل تھا۔ تیزی اور سرعت کے ساتھ تلاوت نہ کرتے بلکہ ایک ایک حرف کر کے واضح طور پر تلاوت فرماتے۔ آپ ایک ایک آیت کی تلاوت وقفہ کر کے کرتے اور مد کے حروف کو کھینچ کر پڑھتے مثلاً "رحمٰن" اور "رحیم" کو مد سے پڑھتے اور تلاوت کے آغاز میں آپ شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگتے اور پڑھتے: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

اور گاہے گاہے یوں پڑھتے: اللھم انی اعوذ بك من الشیطان الرجیم من همزہٖ ونفخه ونفثه۔ آپ تلاوت سے قبل تعوذ پڑھتے اور دوسروں سے قرآن مجید سننا پسند فرماتے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم فرمایا تو انہوں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ آپ سن رہے تھے۔ اس موقع پر اس قدر خشوع طاری ہوا کہ آپؐ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

آپ کھڑے، بیٹھ کر، لیٹ کر، وضو اور بغیر وضو کے، جنابت کے علاوہ (ہر حالت) میں قرآن پاک پڑھ لیتے اور اس کی تلاوت سے منع نہ فرماتے اور آپ بہترین انداز سے تلاوت فرماتے اور کبھی کبھی آپ کی آواز لوٹ آتی جیسا کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا پڑھتے وقت آپ کی آواز لوٹ گئی اور عبداللہ بن مغفل نے آپ کی ترجیع کی کیفیت تین بار آ آ آ کی صورت میں

بیان کی۔ (بخاری) اور جب آپ کی مندرجہ ذیل احادیث کو جمع کیا جائے۔

۱۔ "قرآن پاک کو اپنی آوازوں سے زینت بخشو"

۲۔ "جو قرآن میں تغنی سے تلاوت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں"

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس سے زیادہ اذن نہیں دیا جیسا کہ اچھی آواز کا احسان کیا ہے کہ وہ قرآن کو تغنی کے ساتھ پڑھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (آواز میں) ترجیع اونٹنی کو چلانے کے لیئے اضطراری امر نہ تھی بلکہ قصدًا تھی۔ کیونکہ اگر یہ اونٹنی کو ہنکانے کے لیے ہوتی تو قصد کے ضمن میں داخل نہ ہوتی اور نہ حضرت عبداللہ بن مغفل اس کی حکایت کرتے اور آپ اسے از خود کرتے تاکہ سکون حاصل کریں اور نہ آپ دیکھتے کہ اس طرح اونٹنی تیز چل پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی آواز منقطع ہو جاتی۔ پھر بتاتے ہیں کہ "آپ قرأت میں ترجیع کیا کرتے۔ اس لیے ترجیع ان کے فعل کی طرف منسوب کی گئی اور اگر محض اونٹنی ہنکانے کے لیئے ہوتا تو آپ سے قصدًا ترجیع ہوتی۔

ایک شب آپ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کی تلاوت سنی جب (ابوموسیٰؓ) کو خبر دی گئی تو کہنے لگے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو آپ کی خاطر از حد حسین اور اچھے انداز میں تلاوت کرتا اور اپنی آواز سے خوب زینت دیتا۔

اور ابوداؤدؒ نے سنن میں عبدالجبار ورد سے نقل کیا ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے ابن ابی ملیکہ کو کہتے سنا کہ عبداللہ بن یزید نے بتایا کہ ہمارے پاس سے ابولبابہؓ گزرے۔ ہم ان کے پیچھے چل پڑے۔ آخر وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ اچانک ایک آدمی کو جس کی (ظاہری) حالت کمزور تھی۔ میں نے کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

جو قرآن مجید کو تغنی سے (اچھی آواز سے) نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

راوی نے بتایا کہ پھر میں نے ابن ابی ملیکہ سے کہا۔ اے ابومحمد، اگر انسان کی آواز اچھی نہ ہو تو پھر کیا کرے؟

وہ فرمانے لگے جہاں تک ہو سکے اسے اچھا بنائے۔

میری رائے میں اس مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں لوگوں کے اختلاف ہر فریق کے طریق و اصول احتجاج اور صحیح صورت مسئلہ کا ذکر ضروری اور لازمی ہے۔

اور یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد و نصرت سے صحیح مذہب کونسا ہے؟

ایک گروہ کا خیال ہے، الحان کی قرأت مکروہ ہے۔ یہ مذہب امام احمدؒ اور مالکؒ وغیرہ کا ہے۔ امام احمدؒ نے علی بن سعید کی روایت میں الحان کی قرأت کے متعلق فرمایا ہے کہ مجھے یہ اچھی نہیں لگتی۔ بلکہ یہ محدث (بدعت) ہے مروزی کی روایت کے مطابق آپؒ نے الحان کو بدعت قرار دیا ہے اور (فرمایا ہے) کہ اسے نہ سننا چاہیئے۔

عبدالرحمٰن متطبب کی روایت کے مطابق بھی آپؒ نے الحان کی قرأت کو بدعت کہا ہے۔ ان کے لڑکے عبداللہ (نیز) یوسف بن موسٰی، یعقوب بن حبان، اثرم، ابراہیم بن حارث کی روایت کے مطابق الحان کی قرأت کے متعلق آپؒ نے فرمایا کہ یہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔ ہاں اگر بھیر پُرسوز ہو (تو پھر ہرج نہیں) جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ پڑھا کرتے تھے۔

اور صالح کی روایت ہے آپ نے فرمایا۔ قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔ یعنی خوش آوازی سے پڑھو اور مروزی کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی پر حُسنِ صوت سے زیادہ اذن نہیں دیا تاکہ وہ قرآن مجید کو تغنی سے پڑھے اور ایک یہ قول بھی منقول ہے کہ:

"جس نے تغنی کے ساتھ قرآن نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں"

تو ابن عینیہ فرماتے ہیں قرآن تغنی سے پڑھنا چاہیئے۔

شافعیؒ فرماتے ہیں آواز بلند کرے۔ ان کے سامنے سورہ فتح کے واقعہ اور ترجیع کے متعلق معاویہ بن قرۃ کی روایت بیان کی گئی تو ابو عبداللہ نے اس کو الحان کے معنی میں ماننے سے انکار کر دیا، جن روایات سے الحان کی رُخصت پر استدلال کیا جاتا ہے ان کا انکار کیا۔

ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا کہ ان سے نماز میں الحان کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ فرمانے لگے کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ اور فرمایا کہ یہ تو غناء ہے، لوگ اس طرح گاتے ہیں تاکہ اس پر چند دراہم مل جائیں۔

وہ حضرات جن سے ان کی کراہت منقول ہے وہ یہ ہیں: انس بن مالکؒ، سعید بن مسیب سعیدؒ بن جبیر، قاسمؒ بن محمد، حسنؒ، ابن سیرینؒ، اور ابراہیم نخعیؒ۔

اور عبداللہ بن یزید عکبری نے بتایا کہ میں نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ امام احمدؒ سے دریافت کرتا تھا کہ الحان سے تلاوت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

انہوں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے کہا محمدؐ۔

تو فرمانے لگے، اگر تجھے موحمد کھینچ کر کہا جائے تو کیا پسند ہوگا؟

قاضی ابو یعلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کراہت بیان کرنے میں مبالغہ ہے (یعنی از حد مکروہ ہے۔

حسن بن عبدالعزیز حروی نے کہا کہ ایک آدمی نے وصیت کی اور ترکہ میں ایک لونڈی چھوڑی جو الحان سے قرآن پڑھتی تھی۔ تو میں نے احمد بن حنبل اور حرث بن مسکین اور ابو عبید سے دریافت کیا کہ میں اسے کیسے فروخت کروں؟ تو وہ کہنے لگے اسے سادہ طور پر یعنی نہایت معمولی نرخ پر) فروخت کر دو۔ میں نے انہیں اس میں ہونے والا نقصان بتایا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ اسے سادہ طور پر کم نرخ پر بیچ دو۔ قاضی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس لئے یہ فرمایا کہ اس لونڈی سے سماع مکروہ تھا۔ اس لئے اس پر گانے کی طرح اجرت لینا جائز نہیں۔ ابن بطال فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ تغنی بالقرآن کا مطلب اچھی آواز سے تلاوت، قرأت میں ترجیع اور آواز و لحن میں تحسین ہے۔ نیز بتایا کہ یہ ابن مبارکؒ اور نضر بن شمیل کا قول ہے اور جن لوگوں کے نزدیک قرآن کو الحان سے پڑھنا جائز ہے، ان کے بارے میں طبریؒ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ ابو موسیٰؓ سے کہا کرتے کہ ہم نے پروردگار کا صرف ذکر کیا اور ابو موسیٰؓ پڑھتے ہیں اور الحان کرتے ہیں اور فرمایا کہ جو قرآن میں ابو موسیٰؓ کی طرح تغنی کر سکے تو اسے مناسب ہے۔

اور حضرت عقبہؓ بن عامر قرآن مجید (تلاوت میں) سب لوگوں سے زیادہ اچھی آواز میں پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان سے کہنے لگے کہ میرے سامنے فلاں سورت پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے تلاوت کی سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور فرمایا۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ نازل ہو چکی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ نے اس کی اجازت دی ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ عبدالرحمٰن بن اسود بن ابی یزید رمضان کے مہینہ میں مساجد میں اچھی آواز کی تلاش کیا کرتے اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ الحان کے ساتھ قرآن مجید سنا کرتے اور محمد بن عبدالحکیم بتاتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور امام شافعیؒ اور یوسف بن عمروؒ کو لحن سے قرآن پاک سنتے دیکھا۔ ابن جریر طبریؒ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

لحن کو جائز قرار دینے والے بتاتے ہیں کہ ابن جریر کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ حدیث کا مطلب تحسین آواز اور غنائے معقول ہے کہ قاری سننے والے کو غمزدہ بنا دے ابوالحسن بطال نے بتایا ہے کہ اس مسئلہ میں اس روایت سے بھی اشکال واقع ہو جاتا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا انہیں زید بن حباب سے انہیں موسیٰ بن ابی رباح سے انہیں اپنے والد سے انہیں عقبہ بنؓ عامر سے روایت ملی کہ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قرآن سیکھو اور اسے تغنی سے پڑھو اور اسے لکھو۔ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ بہت جلد حافظہ سے نکل جاتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ عمر بن ابی شیبہؒ نے بتایا کہ ابو عاصم نبیل کے سامنے تغنی بالقرآن کے سلسلہ میں ابن عیینہؒ کی تاویل ذکر کی گئی کہ "وہ اس سے استغناء چاہتے ہیں" تو انہوں نے فرمایا: ابن عیینہ نے کچھ بھی نہیں کیا۔

ہمیں ابن جریج سے انہیں عطاء بن عبید بن عمیر سے روایت ملی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس معزفہ (باجہ) تھا، جس سے آپ غنا کے ساتھ تلاوت کرتے، خود روتے اور دوسروں کو رلاتے تھے۔

اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (حضرت داؤد) علیہ السلام ستر لحنوں میں زبور پڑھتے تھے اور ایسے طریقے سے پڑھتے کہ عام لوگ اس سے طرب حاصل کرتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ابن عیینہ کی تاویل کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگے ہم اسے

بہتر جانتے ہیں۔ ان کا مطلب استغناء کا ہوتا تو فرماتے من لم یستغن بالقرآن لیکن جب آپ نے یتخنی بالقرآن فرمایا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان کا مطلب تغنی ہے۔ فرماتے ہیں تحسین آواز اور تلاوت میں تزیین وتطریب ایسی چیز ہے کہ جو نفوس میں مؤثر، سماع کی داعی اور اس طرف مائل کرنے میں خوب (اثر رکھتی) ہے۔ تو گویا اس طور پر الفاظ میں سننے والوں کے لیے میلان اور قلوب میں ان کے معانی کی تنفیذ میں (شدت) پیدا ہو جاتی ہے اور حصول مقصد میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ گویا یہ کڑوی دوا میں مٹھاس ہے جس سے مقامِ مرض تک دوا کی رسائی آسانی سے ہو جاتی ہے اور کھانے میں خوبی پیدا کرنے اور مسالہ جات کے قائم مقام ہے تاکہ طبیعت اسے قبول کرنے پر راغب ہو سکے۔ جس طرح ایک عورت اپنے مرد کے لیے خوشبو زیورات اور حسن پیدا کر کے جاذبیت پیدا کرتی ہے تاکہ مقاصد نکاح پورے ہو سکیں۔

اور کہتے ہیں کہ چونکہ آدمی کے لیے طرب اور اشتیاقِ غنا ایک لازمی امر ہے اس لیے طرب غنا کی بجائے طربِ قرآن متعین کیا گیا جیسے کہ ہر حرام و مکروہ کے عوض میں بہتر چیز مقرر ہوئی اور تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنے کی بجائے استخارہ مقرر ہوا۔ جو توحیدِ خالص اور توکل سے عبارت ہے اور بدکاری کی جگہ نکاح، جوئے کی جگہ نیزوں سے مسابقت اور سماعِ شیطانی کی بجائے سماعِ رحمانی قرآنی متعین ہوا۔ اور اس کے نظائر کثرت سے ملتے ہیں اور حرام چیز زیادہ تر یا کلیتاً مفسدہ پر مشتمل ہوتی ہے اور تطریب ولحن سے پڑھنے میں کوئی ایسا (مفسدہ) نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ وضعی کلام سے خارج نہیں ہوتی اور سامع اور اس کے فہم میں آڑ نہیں بنتی، بلکہ اس کے برعکس صورت ہوتی ہے۔

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ لحن وطرب کلمات کو ان کی اصل وضع سے نکال دیتے ہیں اور سامع اور اس کے فہم و درک میں حائل ہوتے ہیں۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ حالانکہ واقعات اس کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ "یہ تلحین وتطریب ایک ایسا امر ہے۔ جو کبھی تو کیفیت ادا کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی سلیقہ اور امر طبعی پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی تکلف اور بناوٹ سے عبارت ہوتا ہے اور کیفیات اداءِ کلام کو اس کے مفردات کو وضع سے خارج نہیں کرتیں بلکہ یہ تو آواز نکالنے والے کی آواز کی صفات ہوتی ہیں، جو (آواز کو) باریک اور موٹا کرنے اور اس میں امالہ کرنے، قاری کی طویل ومتوسط مد کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کیفیات صرف حروف کے ساتھ

تعلق رکھتی ہیں اور الحان و تطریب کا آوازوں سے تعلق ہوتا ہے اور ان کیفیات کے آثار نقل کرنا ناممکن ہے۔

ہاں ادائے حروف کی (کیفیات قدرے بیان ہو سکتی ہیں) اس لیے ہم اس کے الفاظ نقل کرتے ہیں، لیکن یہ مکمل نقل نہ ہوگی بلکہ صرف ممکن حد تک ہم اسے نقل کر سکیں گے جیسا کہ سورہ فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع اس طرح بیان ہوئی، اُآاُ۔

تطریب و تلحین دو باتوں سے عبارت ہے۔ مدّ اور ترجیع۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ رحمٰن اور رحیم پڑھتے۔ وقت مد کو کھینچتے (طویل کر کے پڑھتے) نیز گزشتہ صفحات میں آپ سے ترجیع بھی ثابت ہو چکی ہے۔

(لحن) کے مانعین نے کئی طرح کے استدلال دیئے ہیں۔ ایک روایت حضرت حذیفہؓ بن یمان سے ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ:

قرآن پاک کی عرب کے لحن اور آواز میں تلاوت کرو۔ اور اہل کتاب اور فساق کے لحن سے بچو۔ کیونکہ عنقریب میرے بعد ایسی اقوام آئیں گی جو قرآن پاک کو غناء اور نوحہ کے انداز میں پڑھیں گی (قرآن) ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا۔ ان کے قلوب فتنہ میں مبتلا ہوں گے اور ان کے قلوب بھی (مفتون ہوں گے) جنہیں وہ اپنی شان دکھا رہے ہوں گے اسے ابوالحسن اور زرین نے تجرید الصحاح میں روایت کیا اور ابو عبداللہ حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں نقل کیا ہے۔

قاضی ابویعلیؒ نے جامع میں اس سے اور اس کے ساتھ ایک اور حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط قیامت ذکر فرمائیں اور ان میں سے اس کا بھی تذکرہ کیا کہ قرآن کو باجہ (گانا) تصور کر لیا جائے گا۔ ایک آدمی جو نہ زیادہ پڑھا ہوا اور نہ افضل ہوگا محض اس وجہ سے ان کے سامنے تلاوت کرے گا کہ وہ اسے غناء کے انداز میں گائے گا اور فرمایا کہ زیاد نہدی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس قراء کو لے کر آیا۔ اس سے کہا گیا کہ پڑھو تو اس نے آواز بلند کی اور طرب انگیز طریقہ (سے پڑھا) اس کی آواز بلند تھی، حضرت انس نے اپنا چہرہ کھولا، آپ کے چہرہ پر سیاہ دھجی تھی اور فرمایا:

اے شخص وہ تو اس طرح نہ پڑھتے تھے۔

اور جب حضرت (انس رضی اللہ عنہ) کوئی غلط بات دیکھتے تو اپنے چہرہ سے دھمی اٹھاتے اور منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طرب انگیز مؤذن کو اذان میں طرب پیدا کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ ابن جریج نے حضرت عطاء سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طرب انگیز طریقہ پر اذان پڑھنے والا ایک مؤذن تھا آپ نے فرمایا کہ اذان آسان اور سہل ہے۔ اگر تیری اذان آسان اور سہل ہو (تو اذان دے) ورنہ اذان مت دے۔ (دار قطنی)

اور عبدالغنی بن سعید حافظ نے حضرت قتادہ سے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت مد سے ہوتی جس میں ترجیع نہ تھی۔

اور منقول ہے کہ ترجیع و تطریب میں غیر مہموز ہمزہ اور غیر ممدود مد ہوتی ہے اور ایک الف کی ترجیع میں کئی الف ایک واؤ میں کئی واؤ اور ایک یاء کی ترجیع میں کئی یاء بن جاتی ہیں یہ قرآن مجید (کے الفاظ میں) زیادتی ہے اور یہ ناجائز ہے۔

اور جو سلف کے حالات سے کچھ باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ تکلفات اور موسیقی کے الحان کے ساتھ تلاوتِ قرآن سے بیزار تھے، جو محدود گنی چنی موزوں کردہ حرکات و ایقاع کا نام ہے اور وہ اس انداز کی تلاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے از حد خائف تھے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) تحزین و تطریب سے پڑھتے اور قرآن میں اپنی آوازوں کو خوبصورت بناتے کبھی تو غمناک طریقہ سے اور کبھی طرب اور اشتیاق آمیز طریقہ سے تلاوت کرتے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو عین اقتضائے طبیعت ہے اور شدتِ تقاضائے طبائع کے باعث شارع علیہ السلام نے اسے ممنوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اسے مستحب فرمایا اور بتایا کہ جو اس طرح پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت سنتا ہے اور فرمایا جو قرآن کو تغنی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

اور اس روایت میں دو وجوہ ہیں ایک امر واقع ہے۔ جس پر ہم سب عمل پیرا ہیں اور دوسرا اس طریقہ کی مخالفت جو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالف طریقہ و سنّت پر ہو۔

مریضوں کی عیادت

مریضوں کی عیادت میں مسلم، کافر مشرک کی قید نہیں

کافر خادم کی عیادت صحابہ میں سے جو بیمار ہو جاتا آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔

اہل کتاب میں سے ایک آپؐ کا خادم تھا آپؐ نے اُس کی بھی عیادت کی۔ آپ نے اپنے چچا کی عیادت کی، حالانکہ وہ مشرک تھے۔ ان دونوں پر آپؐ نے اسلام پیش کیا۔ چنانچہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

آپؐ مریض کے قریب تشریف لے جاتے اور اس کے سرہانے بیٹھتے اس کا حال دریافت فرماتے اور پوچھتے کیسے ہو؟۔

منقول ہے کہ آپ مریض سے پوچھتے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ فرماتے کہ کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ اگر وہ کچھ چاہتا اور آپ سمجھتے کہ یہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں تو اُسے کھانے کا حکم فرماتے۔ آپ مریض پر داہنا ہاتھ پھیرتے اور دعا پڑھتے۔

اللھم رب الناس اذھب الباس واشف انت الشافی لا شفاءك لا يغادر سقماً۔

یعنی: اے اللہ لوگوں کے پروردگار دکھ دور کر اور شفاء عطا فرما دے

تو ہی شفاء دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے کوئی شفا نہیں ہے۔
ایسی (شفاء) کہ کوئی بیماری نہ رہنے دے۔
اور یہ دعا بھی پڑھا کرتے: امسح الباس رب الناس بیدك الشفاء
لا کاشف له الا انت۔
یعنی: اے لوگوں کے پروردگار دکھ ہٹا دے۔ تیرے ہی ہاتھ
میں شفاء ہے تیرے سوا کوئی (اس روگ) کو کھولنے والا نہیں۔
اور آپ مریض کے لیے تین بار دعا فرماتے، جیسا کہ آپ نے حضرت سعدؓ
کے لیے دعا کی۔
اے اللہ سعدؓ کو شفاء دے اے اللہ سعد کو شفاء دے اے اللہ سعد کو
شفا دے۔
اور جب آپ مریض کے پاس تشریف لاتے تو فرماتے، کوئی فکر نہیں ہے۔
انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بسا اوقات فرماتے: یہ بیماری (گناہوں
کا) کفارہ اور طہورین جائے گی۔
اور جس کے زخم یا پھوڑا یا کوئی تکلیف ہوتی آپؐ اس پر دم کیا کرتے۔ چنانچہ
شہادت کی انگلی زمین پر رکھ دیتے۔ پھر اسے اٹھا لیتے اور پڑھتے۔
بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا يشفى سقيمنا باذن ربنا۔
یعنی "اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض کے لعاب
سے ہمارے بیمار کو شفاء دے گی، ہمارے پروردگار کے اذن سے"
یہ صحیحین میں منقول ہے اور یہ ان الفاظ کے خلاف ہے جو اس روایت میں
آتے ہیں کہ ستر ہزار ایسے ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے
اور وہ ایسے ہوں گے کہ نہ تو وہ دم کریں گے اور نہ دم کرائیں گے۔ تو واقعہ یہ
ہے "لا یرقون (دم نہ کریں گے)" کا لفظ راوی کی طرف سے بر بنائے غلطی
اضافہ ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے سنا کہ یہ حدیث یوں ہے

کہ وہ، وہ لوگ ہیں جو جھاڑ (پھونک) نہ کرائیں گے"۔ میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ یہ لوگ جنت میں اس وجہ سے داخل ہوں گے کہ ان کی توحید کامل ہوگی۔ انہیں اپنے پروردگار پر ہر طرح توکل ہوگا، اسی کی طرف سکون ملے گا، اسی پر اعتماد کریں گے اور اسی سے راضی رہیں گے اور اپنی تمام ضروریات اسی کے سامنے پیش کریں گے وہ لوگوں سے جھاڑ پھونک کا اور نہ اس کے علاوہ کسی طرح کا سوال کریں گے اور نہ کوئی بدفالی اُن کے عزائم میں اثر بن سکے گی۔ کیونکہ بدفالی (شگون) توحید کو ناقص اور کمزور کر دیتی ہے۔

(فرمایا) اور جھاڑ (دم) کرنے والا محسن ہے اور دم کرانے والا سائل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دم کیا ہے، دم کرایا نہیں اور فرمایا کہ جو تم میں سے اپنے بھائی کو نفع دے سکے اسے چاہیے کہ وہ ضرور نفع دے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صحیحین کی اس روایت کا کیا جواب ہوگا۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب بستر پر جاتے تو ہاتھ اکھٹے کر لیتے پھر ان پر پھونکتے اور قل ھو اللہ (احد)، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونکا کرتے اور ان دونوں (ہتھیلیوں) کو جہاں تک ہوسکتا جسم پر مل لیتے اور سر سے شروع کرتے اور چہرہ سے یعنی وہ حصّہ جو جسم میں سے سامنے کا ہوتا، آپ تین مرتبہ ایسا کرتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بیمار ہوتے تو آپؐ مجھے حکم دیتے کہ میں ایسا کروں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت تین طرح سے مروی ہے۔ ایک ابھی مذکور ہوچکا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ اپنے جسم مبارک پر پھونک لیتے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ ان (سورتوں کو پڑھ کر) آپؐ پر پھونک دیا کرتیں اور برکت کی خاطر آپ دست مبارک کو جسد اطہر پھیرتیں۔

(اور چوتھے) الفاظ یہ ہیں کہ جب آپ بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذات پڑھتے اور پھونک لیتے۔

یہ الفاظ خود ایک دوسرے کی وضاحت کر رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خود اپنے آپ پر پھونک لیتے لیکن ضعف اور تکلیف کے باعث آپ اپنے سارے جسدِ اطہر پر ہاتھ پھیر سکتے۔ اس لیے حضرت عائشہؓ کو حکم دیتے کہ پھونک لینے کے بعد آپؐ کے ہاتھوں کو جسدِ اطہر پر پھیر دیں۔ تو یہ در اصل سے دم کرنا نہیں ہے اور نہ (حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپؐ مجھے حکم دیتے کہ میں آپ پر دم کروں۔ بلکہ بات صرف اس قدر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خود اپنے آپؐ پر دم کر چکنے کے بعد (عائشہؓ) سے فرماتے کہ وہ آپ کے ہاتھوں کو (بدن مبارک) پر پھیر دیں۔ پھر (حضرت عائشہؓ) نے فرمایا کہ آپؐ مجھے حکم دیتے کہ میں یہ کروں، یعنی آپؐ کے ہاتھوں کو آپؐ کے جسدِ اطہر پر پھیر دوں جیسا کہ آپ (صحت کی حالت میں) خود کرتے تھے۔

اور مریض کی عیادت کے لیئے کوئی دن مقرر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت طیبہ میں سے نہیں تھا۔ اور نہ اوقات میں سے کوئی متعین وقت تھا۔ بلکہ آپ دن رات تمام اوقات میں (حسب ضرورت) مریضوں کی عیادت فرماتے اور مسند میں آپؐ سے منقول ہے کہ جب ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ جنت کے باغ میں چلتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے رحمت ڈھانپ لیتی ہے، چنانچہ اگر وہ صبح کو عیادت کرے) تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کو (عیادت کرے) تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

ایک لفظ یہ ہے کہ جو مسلمان بھی دوسرے مسلمان کی عیادت کرے گا تو اللہ اس کے لیئے ستر ہزار فرشتے بھیجے گا۔ جو اس کے لیئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے۔ یعنی دن کی کسی گھڑی میں (عیادت کی ہوگی) یہاں تک کہ شام ہو جائے اور رات کی کسی گھڑی میں (عیادت کی ہوگی) یہاں تک کہ صبح ہو جائے گی۔

اور آپ بیماری چشم کے مریضوں کی بھی عیادت فرمایا کرتے۔
اور کبھی آپ مریض کی پیشانی پر دست مبارک رکھتے، پھر اس کے سینہ اور پیٹ پر (ہاتھ) پھیرتے اور دعا کرتے۔ اے اللہ اسے شفا دے۔
اور آپ چہرے پر بھی (ہاتھ) پھیرتے اور جب آپ مریض سے مایوس ہو جاتے تو پڑھتے: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

نمازِ جنازہ

مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا مسجد کے باہر؟

میت کے لئے دعائے مغفرت جنازوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیبہ تمام دوسری اُمتوں کے خلاف زیادہ کامل اور میت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اچھائی پر مشتمل تھی۔

آپ ایسا طرزِ اختیار فرماتے، جس سے میت کو قبر میں اور حشر کے دن نفع پہنچے گا اور اس کے اہل و اقارب کے ساتھ اچھا برتاؤ جس سے ان کا غم کم ہو۔ اور زندہ لوگوں کی عبادت بھی آپؐ کے دل میں تھی۔

جنازوں میں آپ کی سنّتِ طیبہ تھی۔ خدائے تعالیٰ کی عبادت مکمل طور پر قائم کرنا، میت پر احسان اور اسے اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف احسن و افضل طریقہ پر روانہ کرنا صحابہؓ کا قطاروں کی صورت میں کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا۔ میت کے لئے بخشش چاہنا اور مغفرت اور رحمت اور عفو و درگذر کی دعا کرنا، پھر اس کے آگے آگے چلنا یہاں تک کہ اسے لحد تک وداع کیا جائے۔

اس کے بعد آپؐ صحابہؓ سمیت قبر کے سامنے کھڑے ہوتے اور میت کے لئے تثبیت کی دعا کرتے جس کی اس وقت ضرورت ہوتی اور گاہے گاہے اس کی قبر پر تشریف لے جاتے میت کو سلام فرماتے۔ اور اس کے لئے دعا کرتے جس طرح دُنیا میں ایک قبیلہ ایک آدمی کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے چنانچہ مریض کے ساتھ آپ کا پہلا سلوک حالت مرض میں تذکیرِ آخرت ہوتا آپ اسے وصیت اور توبہ کا حکم دیتے، اور جو اس کے پاس آتا اسے حکم دیتے کہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کر

تاکہ کلمہ طیبہ اس کا آخری کلام ہو۔

پھر ان اقوام کی عادات کی ممانعت جو بعث ونشور (حشر ونشر) پر ایمان نہیں رکھتیں جیسے چہرے پر تھپڑ مارنا، کپڑے پھاڑنا، سر منڈوانا اور واویلا کرتے ہوئے آواز بلند کرنا وغیرہ۔

میت کے لئے آنسو بہانا جائز ہے

اور میت کے لئے خشوع اور ایسا گریہ کہ جس میں آواز نہ ہو اور صرف دل ہی غمگین ہو سنت قرار دیا آپ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے اور فرماتے تھے۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے، اور ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو۔

آپ نے اپنی اُمت کے لئے حمد واسترجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون) اور اللہ پر راضی رہنا مسنون قرار دیا، اور یہ باتیں گریہ چشم اور غم دل کے منافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تمام مخلوق میں سے سب سے راضی بقضاء اللہ اور سب سے زیادہ حمد کرنے والے تھے اور اس کے باوجود اپنے صاحبزادے ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر وفور محبت ورحمت ورقت کے باعث رو دیئے اور آپ کا قلب اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا وشکر سے بھرپور اور زبان اس کے ذکر و حمد میں مشغول تھی

اور بعض لوگوں کو اس بات میں اشکال ہو جاتا ہے کہ ایک عارف کا لڑکا فوت ہو گیا تو وہ ہنسنے لگا، پوچھا گیا کہ تو اس حالت میں ہنس رہا ہے؟

وہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امر کا فیصلہ فرمایا تو میں نے چاہا کہ اس کے فیصلہ پر راضی ہو جاؤں۔ تو اہل علم کی جماعت کو اس میں اشکال سا ہو گیا اور کہنے لگے کہ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رونے لگے؟ حالانکہ آپ تو تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے امر وفیصلہ پر راضی ہیں اور یہ عارف اس قدر راضی ہوا کہ ہنس دیا؟

میں نے حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے سنا کہ اس عارف کی سنت سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زیادہ کامل ہے، کیونکہ آپ نے عبد ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اس طرح آپؐ کا قلب رضائے الٰہی اور بچے کے متعلق رحمت ورقت کے لئے وسعت اختیار کر گیا۔ چنانچہ آپؐ نے اللہ کے امر فیصلہ پر رضا ظاہر کی اور حمد بیان کی، اور رحمت ورقت کے باعث روئے۔ رقت نے آپؐ کو رونے پر، عبودیت اور اللہ کی محبت نے رضا و حمد پر

مجبور کر دیا۔ لیکن اس عارف کا قلب دو مختلف اوصاف کا متحمل نہ ہو سکا، اور دونوں کے شہود و قیام کے لئے اس باطن میں وسعت پیدا نہ ہو سکی اس لئے اس کی عبودیتِ رضا اس کی عبودیت رحمت و رقت میں اتر بن گئی۔

میّت کی تطہیر و تجہیز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیبہ یہ تھی کہ میت کی تطہیر و تجہیز اور خوشبو وغیرہ لگانے میں جلدی کرتے اور سفید کپڑوں میں تکفین کرتے۔

میّت لائی جاتی اور میّت لائے جانے کے بعد جب آپ کو بلایا جاتا آپ تشریف لا کر اس کے پاس ٹھہرتے، یہاں تک کہ تجہیز ہو جاتی اور پھر آپ نماز جنازہ پڑھتے اور اسے قبر تک پہنچاتے۔ پھر صحابہؓ نے محسوس کیا کہ یہ بات آپ کے لئے تکلیف دہ ہے، لہٰذا مریض کے فوت ہو جانے کے بعد آپؐ کو بلاتے، آپ تجہیز و غسل و کفن کے وقت موجود رہتے۔ پھر محسوس کیا کہ یہ بھی آپ کے لیے باعثِ مشقت ہے، تو صحابہؓ ہی تجہیز و تکفین کرتے اور چار پائی پر میّت کو لے جاتے۔ آپؐ مسجد سے باہر اس کا جنازہ پڑھتے۔

اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آپ کی سُنّت مراقبہ نہیں، بلکہ آپ مسجد سے باہر ہی جنازہ پڑھا کرتے تھے اور گاہے گاہے مسجد میں بھی جنازہ پڑھ دیتے جیسا کہ آپ نے سہیل بن بیضاء اور اس کے بھائیؓ کا مسجد میں جنازہ پڑھا لیکن یہ آپ کی سُنّت اور عادت میں شامل نہ تھا۔

اور سنن ابو داؤد میں صالح مولی توامۃ کی روایت سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے، اس کے لئے کچھ (اجر) نہیں۔

روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ خطیب نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ "اس پر کچھ نہیں اور دوسرے اولیت کرتے ہیں" کہ اس کے لئے کچھ نہیں۔ ابن ماجہ نے سنن میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں۔ "فلیس لہٗ شیٔ" اس کے لیے کچھ نہیں، لیکن امام احمدؒ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

صالح راوی ائمہ اسماء الرجال کی نظر میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ صالح مولی توآمۃ کے منفردات میں سے ہے۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صالح کے منفرد ہوتے ہوئے ثقہ ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت اس سے زیادہ صحیح ہے، اور صالح کے عدل میں اختلاف ہے۔ مالکؒ اس پر جرح کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے مسجد میں نماز (جنازہ) پڑھی۔

میں کہتا ہوں کہ صالح فی نفسہٖ ثقہ ہے جیسا کہ عباس نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ فی نفسہٖ ثقہ ہے اور ابن ابی مریم اور یحییٰ نے کہا کہ ثقہ حجت ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ مالکؒ نے اسے متروک کیا ہے، تو وہ کہنے لگے کہ مالکؒ نے انہیں اس وقت پایا جب کہ (کبرسنی کے باعث) ان کے حواس جاتے رہے اور ثوریؒ کی ملاقات بھی اسی زمانہ کی ہے لیکن ابن ابی ذویبؒ نے اس حالت تک پہنچنے سے قبل ان سے (حدیث) کا سماع کیا اور علی بن فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔ ہاں البتہ (کبرسنی کے باعث) ان کے حواس درست نہ رہے تھے۔ ثوریؒ نے ان سے اس حالت کے بعد سماع کیا اور ابن ابی ذویب کا سماع اس سے قبل تھا اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کی (عقلی) حالت ایک سو پچیس ہد میں خراب ہوئی، اور ثقہ رجال سے ایسی روایات کرنے لگے جو موضوعات سے ملتی جلتی تھی اور ان کی قدیم اور جدید احادیث مختلط ہو کر رہ گئیں اور ان میں فرق نہ کیا جا سکا اس لئے ان کا ترک اولیٰ ہے۔ (   )

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد میں نمازِ (جنازہ) پڑھائی اور یہ بھی معلوم ہے کہ عام مہاجرین و انصار بھی اس میں شریک ہوئے اور ان کا ترک انکار اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اور فرمایا، کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت تاویل سے اگر ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو کہ اجر میں کمی ہو جائے گی وہ اس طرح کہ، جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے، تو خیال یہ ہے کہ وہ واپس چلا جائے گا اور دفن میں شریک نہ ہوگا اور جو جنازہ کے ساتھ چلے اور قبرستان کے قریب جنازہ

پڑھے وہ دفن میں بہرحال شریک ہوگا، اور دو قیراط اجر کا مستحق ہوگا۔ نیز کثرت اقدام پر الگ ثواب حاصل ہوگا۔ اس طرح مسجد میں جنازہ پڑھنے والا اس آدمی سے اجر میں خسارے میں رہ گیا جو کہ مسجد سے باہر جنازہ پڑھتا ہے۔

رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ فلا شی لہ ؎ (اس کے لیے کچھ اجر نہیں") ایک جماعت نے اس کی یہ تاویل کی ہے فلہ شی علیہ کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں، تاکہ دونوں لفظ متحد ہو جائیں اور تناقض نہ رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان اساتم فلھا یہاں بھی اس کا معنیٰ فعلیھا یعنی اگر تم برائی کروگے تو تمہارے لیے یعنی تم پر ہوگی، دونوں احادیث میں یہ لوگوں کے طریقے (بیان) ہیں اور صحیح مسلک وہی ہے جو ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہوا کرے بجز کسی عذر کے اور دونوں امور جائز ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہو۔

میت کو وفورِ محبّت یا عقیدت سے بوسہ دینا جائز ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ ہے کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو میت کو ڈھانپ دیا جائے اس کی آنکھیں بند کی جائیں اور اس کے چہرے اور بدن کو (کپڑے) سے چھپا دیا جائے۔

بسا اوقات آپ میت کا بوسہ لے لیتے جیسا کہ آپ نے عثمانؓ بن مظعون کا بوسہ لیا اور روئے اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

اور آپ میت کو تین پانچ یا غسال کے خیال کے مطابق (جس قدر ضرورت ہو) غسل دینے کا حکم دیتے اور آخری غسل کافور کے (پانی) سے دینے کا حکم دیتے۔

اور میدانِ جنگ کے شہید کو غسل نہ دیتے۔ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ آپؐ نے شہدأ کے غسل سے منع فرمایا، البتہ آپ ان سے لوہا (ہتھیار) اور چمڑے (کا سامان لباس) اتار لیتے، اور انہیں ان کے کپڑوں میں دفن کر دیتے، اور ان پر نماز جنازہ نہ پڑھتے اور جب کوئی محرم فوت ہو جاتا تو آپ اسے پانی اور بیری (کے پتوں کے جوشاندہ کا) غسل دیتے

اور اسے دو کپڑوں میں کفن دیتے۔ اور یہ محرم کے دونوں اپنے کپڑے یعنی تہہ بند اور چادر ہوتی اور خوشبو لگانے اور سر ڈھانپ دینے کا حکم دیتے۔ اور میّت کے ولی کو حکم دیتے کہ کفن اچھی طرح دیں اور سفید (کپڑے کا) کفن دیں، از حد مہنگے کفن سے منع فرماتے اور جب کفن تمام جسم کو ڈھانپ دینے سے کم پڑ جاتا تو اس کا سر چھپا دیتے اور پاؤں پر گھاس ڈال دیتے۔

مقروض کا قرض نمازِ جنازہ سے پہلے ادا ہو جانا چاہیئے

نماز جنازہ کے لئے جب آپ کے سامنے میّت لائی جاتی تو آپ دریافت فرماتے:

کیا اس پر قرض ہے یا نہیں؟

اگر اس پر قرض نہ ہوتا تو جنازہ پڑھ دیتے اور اگر قرض ہوتا تو جنازہ نہ پڑھتے اور صحابہؓ سے فرماتے کہ وہی اس کا جنازہ پڑھ لیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا (نماز) شفاعت تھی اور آپ کی شفاعت ضرور قبول ہو جاتی، ادھر یہ بندہ رہن میں (مقروض) تھا اور جب تک (قرض) ادا نہ کر دیا جائے جنّت میں داخلہ نہیں ملتا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراخی اور کشائش مرحمت کی تو مقروض کا جنازہ پڑھ دیتے اور اس کا قرض اپنے پاس سے ادا کر دیتے اور اس کا مال اس کے وارثوں کو دے دیتے۔

جب آپ نمازِ جنازہ شروع فرماتے تو تکبیر کہتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے۔

حضرت ابن عباسؓ نے جنازہ پڑھایا تو پہلی تکبیر کے بعد بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی اور (بعد میں) فرمایا "تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنّت ہے۔"

اسی طرح ابو امامہ بن سہل نے فرمایا کہ پہلی (تکبیر) کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا سُنّت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا (لیکن) اس کی سند صحیح نہیں۔ ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنّت ہے اور ابو امامۃ بن سہل نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے نماز جنازہ میں درود شریف پڑھنا بھی نقل کیا ہے اور یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت سعید مقبری سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا کہ انہوں نے نمازِ جنازہ میں حضرت عبادۃ بن

صامت سے درود شریف کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں بتاؤں گا (کہ جب نمازِ جنازہ) شروع کرو۔ تو تکبیر کہو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے اور دعا کرو۔

اللھم ان عبدك فلانا كان لا يشرك بك وانت اعلم به ان كان محسنا فزد في احسانه وان كان مسيا فتجاوز عنه اللھم لا تحرمنا اجره ولا تضلنا بعده۔

"یعنی اے اللہ بے شک تیرا فلاں بندہ تیرے ساتھ شرک نہ کرتا تھا اور تو ہی حقیقت کو زیادہ جانتا ہے، اگر وہ نیک (محسن) تھا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما اور اگر برا تھا تو اس سے درگذر فرما، اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرنا۔

نمازِ جنازہ کا مقصد میّت کے لئے دُعا

اس طرح دعاؤں کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

اللھم اغفر له وارحمه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار۔

یعنی اے اللہ اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، اس کو معاف کر دے اس کو باعزت مکان دے، اس کا گھر وسیع کر دے۔ اسے پانی برف اور ٹھنڈ سے دھو دے اور اس کو اس طرح گناہوں سے پاک کر دے جس طرح کہ سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے اور اس کے اپنے گھر سے بہتر گھر اپنے اہل سے بہتر اہل اپنے زوج سے بہتر زوج عطا فرما اور اسے جنت میں داخل فرما اور اسے قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے بچا لے"

نیز آپ کی ایک دعا یہ بھی منقول ہے:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا وشاھدنا وغائبنا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام والسنۃ ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

"یعنی اسے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ کو چھوٹے اور بڑے کو مذکر اور مونث کو موجود اور غائب کو بخش دے۔ اے اللہ ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے تو اسے اسلام اور سُنّت پر زندہ رکھ اور جسے فوت کرے تو حالتِ ایمان میں فوت کر۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد آزمائش میں نہ ڈالنا"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردے کے لئے خلوص سے دعا کرنے کا حکم دیتے۔

نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں کہنی چاہئیں

اور آپ چار تکبیریں کہتے اور صحیح روایت یہ ہے کہ آپ پانچ تکبیریں کہتے اور آپ کے بعد صحابہؓ چار پانچ اور چھ (تک) تکبیریں کہا کرتے۔ چنانچہ زیدؓ بن ارقم نے پانچ تکبیریں کہیں اور بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ تکبیریں کہی تھیں (مسلم) اور حضرت علیؓ بن ابی طالب نے حضرت سہیل بن حنیف کی (نماز جنازہ) میں چھ تکبیریں کہیں۔ نیز اہل بدر پر آپ نے چھ تکبیریں کہیں۔ دوسرے صحابہؓ پر پانچ تکبیریں اور باقی لوگوں پر چار (دارقطنی)

اور سعید بن منصور نے حکم سے انہوں نے ابن عینیہ سے نقل کیا کہ (صحابہؓ) اہل بدر پر پانچ چھ اور سات تکبیریں تک کہا کرتے، یہ صحیح آثار ہیں اس لئے اس میں ممانعت کی کوئی بات ہی نہیں۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چار سے زیادہ کو منع نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے خود اور آپ کے بعد صحابہؓ نے اس پر عمل کیا۔

اُسوۂ حسنہ نبیؐ

قبریں اونچی اور پختہ کرنے اور نالہ وشیون کی ممانعت

نماز جنازہ کی تکبیریں مروی ہے کہ نماز جنازہ میں آپ ایک سلام پر اکتفا کرتے۔ ایک حدیث میں آپ سے دو سلام بھی مروی ہیں۔ بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت مقبری کی حدیث سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں اور ایک سلام کیا۔ لیکن امام احمد اثرم کی روایت میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث موضوع ہے۔ خلال نے اسے معلومات میں ذکر کیا ہے۔ اور ابراہیم ہجری بتاتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے بتایا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا جنازہ پڑھا تو چار تکبیریں کہیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش ٹھہرے رہے۔ ہم نے خیال کیا کہ پانچویں تکبیر کہیں گے (لیکن) پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیر دیا جب فارغ ہوئے ہم نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، جتنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کام ایسے ہیں جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے، ان میں سے ایک جنازہ میں نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے۔ ان دونوں کو بیہقیؒ نے ذکر کیا، لیکن ابراہیم بن مسلم ہجری کو ابن معینؒ۔ نسائیؒ اور ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا

ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن ابی اوفیٰ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ امام احمدؒ نے ان سے اور احمد بن قاسم سے نقل کیا کہ وہ ایک سلام پھیرتے تھے۔ ابو عبداللہ سے دریافت کیا گیا کیا آپ کسی صحابی کو جانتے ہیں کہ جو جنازہ میں دو طرف سلام پھیرتا ہو؟ فرمایا نہیں صرف چھ صحابہؓ ایسے ہیں، جن سے یہ منقول ہے۔ کہ وہ دائیں طرف خفیف سا ایک سلام پھیرتے تھے پھر ان کے نام بتائے جو یہ ہیں:

حضرت ابن عمرؓ۔ ابن عباسؓ۔ ابوہریرہؓ، واثلہؓ بن اسقف۔ ابن ابیؓ اوفیٰ۔ زیدؓ بن ثابت اور امام بیہقیؒ نے علیؓ بن ابی طالب۔ جابر بن عبداللہ۔ انسؓ بن مالک اور ابوامامۃ بن سہل بن حنیف کا نام بھی ذکر کیا ہے، تو یہ سب دس صحابہ ہوئے۔

اور ابوامامہؓ وہ ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا۔ اور آپ نے ان کا نام ان کی والدہ کے دادا ابوامامہ، اسعد بن زرارہ کے نام پر رکھا۔ یہ صحابہ اور کبار تابعین میں سے ہوئے۔

اور رہا رفع یدین کا معاملہ، تو امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ اثر کے باعث اور نماز میں سنّت پر قیاس کرتے ہوئے رفع یدین سمجھا جائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر پر حالت قیام میں رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں شافعی کا اثر سے مطلب وہ ہے جو ابن عمرؓ اور انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آپ پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھاتے اور داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ دیتے (سنن بیہقی) اور ترمذیؒ شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب) قبر پر نماز جنازہ پڑھی تو اس میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا (لیکن) یہ روایت یزید بن سنان رہاوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ نماز جنازہ اگر آپ سے چھوٹ جاتی، قبر پر نماز جنازہ پڑھتے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار ایک رات کے بعد نماز جنازہ پڑھی۔ ایک بار تین (رات کے بعد) اور ایک بار ایک ماہ کے بعد (نماز جنازہ پڑھی) اور اس میں کوئی انتہائی مدّت نہیں مقرر ہے۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر پر نماز جنازہ میں کس کو شک ہے ؟ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب نماز جنازہ فوت ہو جاتی تو آپ قبر پر جنازہ پڑھتے اور یہ چھ وجوہ ہے۔ جو سب کے سب احسن ہیں۔

نیز امام احمدؒ نے قبر پر جنازہ پڑھنے میں ایک ماہ کی مدّت کا تعین کیا ہے کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ وہ مدّت تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اتنی مدّت کے بعد بھی جنازہ پڑھا۔

امام شافعیؒ نے میّت کے بوسیدہ نہ ہو جانے تک کی مدت مقرر فرمائی ہے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ولی کے سوا سب کو منع کیا ہے جب کہ ولی غائب ہو (اور جنازہ نہ پڑھ سکا تو جب موقع ملے پڑھ لے)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی۔ کہ آپؐ مرد کے سر کے قریب اور عورت کے وسط میں کھڑے ہوتے۔

طفل کی نماز جنازہ پڑھنا بھی سُنّت نبویؐ ہے

صحیح روایت میں آپ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

بچّے پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

اور سنن ابن ماجہ میں مرفوع روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اپنے بچوں کی نماز جنازہ پڑھو کیونکہ وہ تمہارے (ایسے نیک اعمال ہیں جو تم نے آگے بھیجے ہیں۔

احمد بن ابی عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے احمدؒ سے سوال کیا کہ سقط پر آپ کس وقت جنازہ پڑھنا پسند کرتے ہیں ؟

فرمایا جب چار ماہ کا (حمل ساقط) ہو کیونکہ اس وقت اس میں رُوح پھونک دی جاتی ہے میں نے عرض کیا حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی روایت ہے کہ طفل (بچّے) پر جنازہ پڑھا جائے آپ نے فرمایا، یہ صحیح مرفوع روایت ہے۔

میں نے کہا اس میں تو چار ماہ کا کوئی بیان نہیں۔

آپ نے فرمایا، حضرت سعید بن مسیب کا قول بھی ہے۔ اب اگر کہا جائے کیا نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جنازہ پڑھا، جس روز وہ فوت ہوئے، تو اس میں اختلاف ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ ماہ تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے بتایا کہ انہیں اپنے والد سے انہیں ابن اسحٰق سے انہیں عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو حزم سے انہیں عمرۃ سے انہیں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت پہنچی۔ امام احمدؒ روایت حنبل میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قطعًا منکر ہے۔

اور خلال فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کو بتایا گیا کہ مجھے میرے والد نے انہیں اسود بن عامر نے انھیں اسرائیل نے انھیں جابر نے بتایا اور انہیں عامر سے انھیں حضرت براءؓ بن عاذب سے روایت سُنی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کا جنازہ پڑھا، اور ان کی عمر سولہ ماہ کی تھی۔ اور ابوداؤد نے جہنی سے نقل کیا کہ جب ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاعد میں ان کا جنازہ پڑھا، اور یہ مرسل ہے اور جہنی کا نام عبداللہ نبی یسار کوفی ہے۔

اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کا جنازہ پڑھا جب کہ ان پر صرف ۷۱ راتیں گزری تھیں، یہ روایت بھی مرسل ہے اور اس میں ایک (راوی) عطاء ہیں اور یہ عمر میں تجاوز کر چکے تھے، اس لیے ان آثار میں لوگوں کا اختلاف ہے چنانچہ جن لوگوں نے نمازِ جنازہ کو ثابت کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے منقول روایت کو صحیح نہیں مانا ہے۔ جیسے امام احمدؒ وغیرہ۔ ان کا خیال ہے کہ یہ مراسیل حضرت براءؓ کی حدیث کے باعث ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

اور بعض لوگوں نے جابر جعفی کی روایت کے ذریعہ، حضرت براءؓ کی حدیث کو اور ان مراسیل کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ابن اسحٰق کی روایت ان سے صحیح تر ہے۔

ابراہیمؑ کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے سبب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کا جنازہ اس لیے نہیں پڑھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی وجہ سے وہ نماز جنازہ

اس لئے نہیں پڑھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے وہ نمازِ جنازہ سے بے نیاز ہوگئے۔ کیونکہ نماز جنازہ کی حیثیت (عذاب سے نجات دلانے کے لئے) شفاعت کی ہوتی ہے جیسے شہید نماز جنازہ سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ جس دن ان کی وفات ہوئی اسی دن سورج گہن میں آگیا، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ کی بجائے نماز کسوف میں مصروف ہوگئے۔ ایک اور جماعت کا خیال ہے کہ ان آثار میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ آپ نے نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم ضرور دیا تھا۔ اب بعض کا خیال ہے کہ آپ نے نماز جنازہ پڑھوائی لیکن نمازِ کسوف میں مصروفیت کی وجہ سے خود شریک نہ ہوسکے اور ایک قول یہ ہے کہ جنازہ نہیں پڑھا، اس لئے ایک گروہ کہتا ہے کہ اثبات کی روایت زیادہ قابلِ قبول ہے کیونکہ اس میں علم کی زیادتی ہے اور جب نفی و اثبات میں تعارض ہو جائے تو اثبات مقدم سمجھا جاتا ہے۔

خودکشی کرنے والے اور خائن کی نماز جنازہ آپؐ نہیں پڑھتے تھے

اور حد (سزا) کے باعث مقتول کی نماز جنازہ میں اختلاف ہے جیسے زانی جو سنگسار کیا جا چکا ہو۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کو رجم کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ اس کا جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں میں تقسیم کردی جائے تو سب تک اس کی وسعت پہنچ جائے اور کیا اس سے بھی زیادہ کسی کی توبہ افضل ہوسکتی ہے جب کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی (رضا) پر اپنے آپ کو از خود قربان کر دیا (مسلم) اور صحیح بخاری میں ماعز بن مالک کے اسی طرح کے قصہ میں منقول ہے کہ آپؐ نے اس کے لیے کلمات خیر ارشاد فرمائے، اور اس کا جنازہ پڑھا اور بریدہ بن حصیب نے بتایا کہ آپؐ نے فرمایا ماعز بن مالک کے لئے بخشش کی دعا مانگو چنانچہ لوگوں نے دعا مانگی

کہ اے اللہ ماعز بن مالک کو بخش دے۔ ان دو نوں واقعات کا مسلم نے صحیح ذکر کیا ہے اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا (بخاری) اور یہ عبدالرزاق کی حدیث ہے جو معلل ہے۔ حضرت ابو بردہ اسلمیؓ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا (ابوداؤد)

میں کہتا ہوں کہ غامدیہ کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ثابت ہے کہ آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا رہی ماعز کی روایت تو اس کے بارے میں یا تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ الفاظ میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ صلوٰۃ کا مطلب دعا ہے کہ آپؐ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے، اور ترک صلوٰۃ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے تادیبًا اور زجرًا نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور اگر یوں کہا جائے کہ الفاظ میں تعارض ہے تو پھر ہم حدیث غامدیہ کی طرف رجوع کریں گے کہ وہ بالکل صاف اور واضح ہے۔

نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آپ جنازہ کی مشایعت بھی کرتے

آپ کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے اتباع کی یہ سنت رہی ہے کہ اگر سوار ہوتے تو جنازہ سے پیچھے رہتے اور اگر پیدل ہوتے تو قریب رہتے۔ چاہے پیچھے اور آگے آگے یا دائیں بائیں۔

اور آپ میت کو لے جانے کے لیے جلدی کا حکم فرماتے۔ چنانچہ صحابہ جنازہ لے کر تیز تیز چلتے، اور آج کے زمانہ کی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھانا یہ سنت کے خلاف انتہائی مکروہ اور بدعت ہے۔ اور اہل کتاب یہودیوں کے مماثل ہے اور جو ایسا کرتا تھا حضرت ابوبکرؓ اس پر کوڑا اٹھاتے اور فرماتے کہ تم نے دیکھا ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رمل (تیز روی) کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے ساتھ چلنے (کی کیفیت) کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا جنب (دلکی (تیز دوڑنا) سے کم (چلو) اسے اہل سنن نے روایت کیا اور جب آپؐ جنازہ کے ساتھ جاتے تو پیدل چلتے اور فرماتے، میں سوار نہیں ہوتا جب کہ فرشتے پیدل جا رہے ہوں۔ جب آپ فارغ ہو جاتے تو کبھی پیدل تشریف لاتے اور کبھی سوار ہو کر تشریف

لاتے اور جب آپ (جنازہ) کے ساتھ چلتے تو جب تک وہ رکھ نہ دیا جاتا آپ بھی نہ بیٹھتے۔
اور فرمایا، جب تم جنازہ کے ساتھ چلو تو (جنازہ) رکھ دینے سے قبل نہ بیٹھو۔
شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رکھ دینے سے مراد زمین پر رکھ دینا ہے۔

غائبانہ نمازِ جنازہ آپؐ کا عام معمول نہ تھا

کئی مسلمان (دور دراز علاقوں میں) وفات پا جایا کرتے تھے تو آپؐ ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے، صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے (عام) میت کے جنازہ کی طرح حبش کے شہنشاہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس وجہ سے تین مذہب پیدا ہو گئے۔

ایک یہ کہ غائبانہ نماز جنازہ مشروع اور امت کے لئے سنت ہے کہ ہر غائب کا جنازہ پڑھیں، آپؐ سے منسوب ایک روایت کے مطابق امام شافعی اور احمد رحمہا اللہ کا یہی قول ہے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے فرمایا کہ یہ فعل آپ کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسروں کے لئے نہیں۔ ان (موخر) ائمہ کے اصحاب فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ (آنحضرتؐ) کے سامنے چارپائی کر دی گئی ہو اور آپؐ نے اس طرح جنازہ پڑھا ہو کہ آپ (نجاشی) کو گویا حاضر اور سامنے دیکھ رہے ہوں، اگرچہ وہ دور تھا۔ اگرچہ صحابہؓ نے نہیں دیکھا (لیکن) (صحابہؓ) جنازہ پڑھنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع عمل ہیں۔ انہوں نے فرمایا' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے یہ منقول نہیں کہ آپؐ نے سوا نجاشی کے ہر آدمی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو اور جیسے آپؐ کا فعل ہے اس طرح آپ کا ترکِ (فعل) بھی سنت ہے، اور آپؐ کے بعد کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں کہ وہ دور و دراز کی مسافت سے بھی کسی میت کی چارپائی دیکھ لے اور اس کی خاطر (حجاب) اٹھا دیا جائے تاکہ وہ اس کا جنازہ پڑھ سکے اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "بہتر یہ ہے کہ اگر غائب کسی ایسے علاقے میں فوت ہو جائے جہاں اس کا جنازہ نہ پڑھا گیا ہو تو پھر اس کا جنازہ غائبانہ پڑھ دیا جائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا جنازہ پڑھا، کیونکہ وہ کفار کے درمیان فوت ہوا تھا۔

اور اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا اور ایسی جگہ فوت ہو جہاں اس کا جنازہ پڑھا گیا ہو تو پھر غائبانہ جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے جو ادا ہو چکا، اعادہ کی ضرورت نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی بھی اور نہیں بھی پڑھی۔ آپؐ کا فعل اور ترکِ (فعل) دونوں سنّت ہیں۔ اس کا ایک مقام ہے۔ اور اس کا (دوسرا) مقام ہے۔ اور احمدؒ کے مذہب میں تین اقوال ہیں اور ان کی صحیح تر وضاحت یہی ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ ان کے اصحاب کے خیال میں نماز جنازہ مطلقاً (غیر مشروط) پڑھی جائے۔

صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ کے سامنے سے جب جنازہ گذرا تو اس کے لیئے کھڑے ہوئے اور کھڑے ہونے کا حکم دیا، اور بیٹھنا بھی آپؐ سے ثابت ہے، اس لیئے یہ مختلف فیہ مسئلہ بن گیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ قیام منسوخ ہے اور بیٹھے رہنا آخری فعل تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ دونوں امر جائز ہیں۔ اور آپ کا فعل (قیام) استحباب کو اور ترکِ (قیام) جواز کو ظاہر کرتا ہے اور اعلیٰ نسخ سے یہ (تاویل) زیادہ مناسب ہے۔

میّت کے لیے قبر کیسی بنائی جائے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبہ یہ تھی کہ طلوعِ آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اور نصف النہار کے وقت دفن نہ کیا جائے۔

اور آپ کی سنّتِ طیّبہ یہ تھی کہ لحد بناتے اور قبر گہری کرواتے اور میّت کے سر اور پاؤں کی جگہ کو فراخ کرواتے۔

اور آپ سے منقول ہے کہ جب میّت کو قبر میں رکھا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے:

بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ۔

اور ایک روایت میں ہے بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ

(۱) یعنی اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسولؐ کی ملّت پر (۲) اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے راستہ میں اور اللہ کے رسولؐ کی ملّت پر۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ میّت کی قبر پر جب اسے دفن کیا جاتا تو سر کی جانب تین بار چلّو بھر کر مٹی ڈالتے اور جب میّت کے دفن سے فارغ ہوتے تو آپ اور آپ کے صحابہؓ اس کی قبر پر کھڑے ہو جاتے اور اس کے لیے تثبیت کی دعا کرتے اور صحابہؓ کو حکم فرماتے کہ اس (میت) کے لیے ثبات کی دعا کریں۔ اور آپ قبر کے پاس بیٹھ کر نہ پڑھتے اور نہ میّت کو تلقین کرتے، جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں۔

وہ کام جو خلاف سُنّت ہیں

اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت نہیں کہ قبروں کو زائد اونچا کیا جائے۔ نہ پکی اینٹوں یا پتھروں یا کچی اینٹوں سے پختہ کرنا اور لیپنا سنّت میں داخل ہے، اور نہ ان پر قبّے بنانا مسنون ہے۔

یہ تمام حرکات مکروہ بدعات ہیں اور یکسر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف ہیں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا کہ جس تصویر کو دیکھیں مٹا دیں۔ اور جس بلند قبر کو دیکھیں اسے ہموار کر دیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت طیبہ یہ ہے کہ ان بلند و بالا تمام قبروں کو ہموار کر دیا جائے۔ نیز آپ نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔ اور ان پر کتبے تحریر کرنے کی ممانعت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی قبریں نہ ہی (از حد) بلند و بالا تھیں اور نہ ہی بالکل ہموار تھیں۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپؐ کے صاحبین رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں۔

مقابر کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت فرمائی اور آپؐ نے اس کو سختی سے روکا، ایسا کرنے والوں پر آپ نے لعنت کی ہے اور قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز آپؐ نے اپنی امت کو اس بات سے بھی روکا ہے کہ وہ آپؐ کی قبر کو عید (میلہ عُرس وغیرہ لگانے کا مرکز) بنالے اور قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت کی۔

اور آپ کی سنّت یہ تھی کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے اور نہ انہیں روندا جائے اور نہ بیٹھک یا تکیہ لگایا جائے اور نہ (اس شدت) سے عزت کی جائے کہ انہیں سجدہ گاہیں بنا لیا جائے

اور ان کے پاس یا ان کی طرف نماز پڑھی جانے لگے، میلے شروع ہو جائیں اور انہیں بت بنالیں، گویا ان کی پوجا ہو رہی ہے۔

زیارتِ قبور کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ

آپؐ جب اپنے صحابہؓ کی قبروں پر تشریف لے جاتے تو ان کے لیے دعا کرتے، ان کے لیے بخشش چاہتے اور جذبہ رحمت سے متاثر ہو کر تشریف لے جاتے، یہی زیارت قبور ہے، جو اُمت کے لئے آپؐ نے مشروع اور مسنون بتائی ہے اور حکم دیا ہے کہ جب لوگ قبور کی زیارت کریں تو یہ دُعا کریں۔

السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ۔

یعنی، اے مومن اور مسلمان اہل دیار تم پر سلامتی ہو اور بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا (درخواست) کرتے ہیں۔

یہ آپ کی سنّت تھی کہ آپؐ قبور کی زیارت کے موقع پر ان کے لیے دعا، ترحم اور استغفار چاہتے جو نماز کے موقع پر کی جاتی ہے، لیکن مشرکین نے اس سُنّت کا انکار کیا اور میّت کو پکارنے لگے (اللہ) سے شرک کرنے لگے اور اپنی ضروریات (میّت) کے سامنے پیش کر کے اس سے مدد چاہنے لگے اور اس کی طرف توجہ کرنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیّبہ کے صریحاً خلاف ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت توحید اور میت پر احسان کرنے سے عبارت ہے اور ان (مشرکین) کا طریقہ شرک۔ میّت اور اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب ہے، اور اس کی تین اقسام ہیں:

۱۔ یا تو میّت کے لئے دعا کریں گے۔

۲۔ یا میّت کے وسیلہ سے دعا کریں گے۔

۳۔ اور یا اس کے پاس (جا کر) دعا کریں گے۔

ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان (مُردوں) کے قریب جاکر دُعا کرنا مساجد میں دعا کرنے سے زیادہ اولیٰ اور باعث قبولیت ہے، لیکن نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی سنّتِ طیبہ پر غور کرے گا۔ اس کے سامنے ان دونوں طریقوں کا فرق صاف اور واضح ہو جائے گا، توفیق خیر دینے والا خدا ہی ہے۔

پسماندگان سے تعزیت داخلِ سنّت ہے

اور میّت کے اہل خانہ سے تعزیت بھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ میں داخل تھی۔

آپؐ کا یہ طریقہ نہ تھا کہ تعزیت کے لئے جمع ہوتے اور (میت کے لئے قبر کے پاس یا دوسری جگہ قرآن مجید پڑھتے۔ یہ تمام باتیں جدید اور مکروہ قسم کی بدعات ہیں، بلکہ سُنّت یہ ہے کہ اللہ کے فیصلہ پر سکون و رضا کا ثبوت پیش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی جائے اور إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا جائے۔ اور اس مُصیبت کے باعث کپڑے پھاڑنے واویلا اور بین کرتے ہوئے آواز بلند کرتے یا بال منڈوا دینے سے آپ نے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔

اور آپ کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ میّت کے اہل خانہ (تعزیت کے لئے آنے والے) لوگوں کو کھانا نہ کھلائیں بلکہ آپ نے حکم دیا کہ دوسرے لوگ (دوست اور عزیز ان کے لئے کھانا تیار کر کے انہیں بھیجیں۔ اور یہ چیز اخلاقِ حسنہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور پسماندگان کو سبکدوش کرنے والا عمل تھا، کیونکہ اس وقت وہ اپنی مصیبت کے باعث لوگوں کو کھانا کھلانے سے (معذور) ہوتے ہیں۔

اور آپؐ کی سُنّت یہ تھی کہ (نعی) میّت (کے ماتم کی) منادی نہ کی جائے بلکہ آپ اس سے منع فرماتے اور فرمایا کرتے کہ یہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے۔

اور حضرت حذیفہؓ نے اس بات کو ناپسند سمجھا ہے کہ جب کوئی مر جائے تو لوگوں کو آواز دے کر بتایا جائے اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ نعی (موت کی منادی) نہ بن جائے۔

نمازِ خوف

حالتِ جنگ میں نماز پڑھنے کی مختلف صورتیں

نمازِ خوف میں ایک رکعت بھی جائز ہے

اللہ تعالیٰ نے خوف وسفر کی حالت میں ارکانِ نماز اور تعداد رکعات میں قصر کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ جب سفر ہو خوف نہ ہو تو تعداد رکعات میں) قصر کرنے اور جب خوف ہو سفر نہ ہو تو قصرِ ارکان کی اجازت عطا کی ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ تھی اور اس سے سفر وخوف کی حالت میں آیتِ قصر کی حکمت ظاہر ہوتی ہے۔

اور نمازِ خوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ جب دشمن آپ کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا تو تمام مسلمان آپ کی اقتدا کرتے۔ آپؐ تکبیر کہتے آپؐ رکوع کرتے وہ سب رکوع کرتے، پھر آپؐ سر اٹھاتے وہ بھی آپؐ کے ساتھ سر اٹھا لیتے۔ پھر آپؐ سجدہ میں جاتے اور جو صف آپؐ کے قریب تر ہوتی وہ بھی سجدہ کرتی) اور آخری صف دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہتی۔ جب آپ پہلی رکعت سے فارغ ہوتے اور دوسری کے لیے اُٹھتے تو آپ کے کھڑے ہونے پر دوسری صف سجدہ کرتی۔ پھر وہ پہلی صف کی جگہ کھڑے ہوتے اور پہلی صف مؤخر ہو جاتی تاکہ صفِ اول کی فضیلت دونوں گروہوں کو حاصل ہو جائے اور صفِ ثانی بھی نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ دوسری رکعت میں دو سجدوں میں شریک ہوسکے۔ جس طرح صف اوّل نے پہلی رکعت میں دو سجدوں کی نعمت حاصل کرلی تھی۔ اسی طرح اجر و ثواب میں دونوں گروہ برابر کے شریک ہو جائیں یہ انتہائی عدل تھا۔

اسی طرح جب آپ رکوع میں تشریف لے گئے تو دونوں گروہوں نے پہلے کی طرح عمل کیا اور جب آپ تشہد کو قعدہ میں گئے تو دوسری صف نے دو سجدے کیے اور پھر آپ کے ساتھ تشہد میں شریک ہوگئی، اس طرح آپ نے سب کے ساتھ ہی سلام پھیر دیا اور اگر دشمن قبلہ کے علاوہ کسی دوسرے رُخ پر ہوتا اس وقت کبھی آپ دو جماعتیں بنا لیتے۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہتی اور دوسری جماعت کے ساتھ۔ آپ نماز پڑھتے، اس طرح کی جماعت آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور پھر نماز کی حالت ہی میں وہ دوسرے گروہ کی جگہ جا کر کھڑی ہو جاتی اور دوسرا گروہ اس کی جگہ آکر آپ کے ساتھ ایک رکعت ادا کرتا پھر سلام پھیر دیا جاتا اور امام کے سلام کے بعد ہر گروہ ایک ایک رکعت خود ادا کرتا۔

اور کبھی ایک گروہ کے ساتھ آپ ایک رکعت ادا کرتے پھر دوسرے کی طرف تشریف لے جاتے اور آپ کھڑے ہوتے کہ وہ گروہ اپنی رکعت ثانیہ ادا کر لیتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لیتا، پھر جب آپ تشہد پڑھ لیتا تو مل کر سلام پھیر دیتے اور کبھی آپ ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں ادا کرتے اور وہ گروہ آپ سے قبل سلام پھیر لیتا۔ اور آپ تشہد میں بیٹھے رہتے) آخر دوسرا گروہ آتا اور آپ اس گروہ کو دو رکعتیں پڑھاتے اور ان کے ساتھ سلام پھیر دیتے۔ اس صورت میں آپ چار رکعتیں ادا کرتے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم) دو رکعتیں پڑھتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں ادا فرماتے اور اس کے ساتھ ہی سلام پھیر دیتے۔ پھر دوسرا گروہ آتا آپ اس کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھتے اور سلام پھیر دیتے۔ اس صورت میں آپ ہر گروہ کے ساتھ ایک ایک نماز پڑھتے اور کبھی آپ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے اور وہ چلا جاتا اور وہ

گروہ کوئی اور رکعت نہ پڑھتا۔ پھر دوسرا گروہ آجاتا۔ آپؐ اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے اور وہ (گروہ) مزید کوئی رکعت نہ پڑھتا۔ اس صورت میں آپؐ کی تو دو رکعتیں ہوتیں لیکن (صحابہؓ) کی ایک ایک رکعت ہوتی۔

ان تمام مندرجہ بالا صورتوں میں نماز (خوف) جائز ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ نمازِ خوف کے متعلق جو روایت بھی آئی ہے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ انہوں نے بتایا کہ چھ یا سات صورتیں مذکور ہیں اور یہ سب جائز ہیں۔

زکوٰۃ

کس مال پر زکوٰۃ واجب ہے اور کس پر نہیں؟

زکوٰۃ وصول کرنے کا عادلانہ اصول زکوٰۃ کے سلسلہ میں آپؐ کا طرزِ موقف ہر اعتبار سے کامل و مکمل تھا، وقت کے لحاظ سے بھی، قدر کے لحاظ سے بھی اور نصاب کے لحاظ سے بھی۔ اسی موقف زکوٰۃ میں بھی ارباب اموال اور مساکین کے ضروریات و مصالح کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مال اور صاحب مال کے لئے باعث طہارت بتایا ہے۔ چنانچہ اسے صرف اغنیاء پر ہی واجب کیا ہے، یہی وجہ ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ زوالِ نعمت سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ اس میں برکت اور بڑھوتی ہوتی رہتی ہے آفات کو اس سے دور کر دیا جاتا ہے، اس طرح گویا زکوٰۃ ادا کرنا، زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے ایک قسم کی حفاظت، فصیل اور قلعہ بن جاتا ہے۔

(زکوٰۃ) چار اقسام کے مال پر لگائی گئی، جو کہ زیادہ تر لوگوں میں رواں دواں رہتا ہے۔ جس کی اہمیت سب مانتے ہیں۔

۱۔ ایک فصل اور پھل۔

۲۔ دوسرے چوپائے، اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ۔

۳۔ تیسرے وہ دو جوہر جنہیں قوام عالم کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی سونا اور چاندی ہے۔

۴- چوتھے مختلف قسم کا مال تجارت۔

زکواۃ ہر سال میں صرف ایک بار فرض ہے۔ نیز اسے فصلوں اور پھلوں کے پکنے اور مکمل ہونے سے مشروط کر دیا گیا اور یہ سب سے زیادہ منصفانہ (قانون) ہے کیونکہ ہر ماہ یا ہر جمعہ اسے فرض قرار دینا صاحبِ مال کے لئے ضرر رساں تھا۔ اور عمر میں صرف ایک بار فرض کرنا مساکین کے حق میں نقصان دہ تھا۔ چنانچہ سال میں ایک بار فرض کرنا فی الحقیقت سب سے زیادہ منصفانہ ہے۔

علاوہ ازیں صاحبِ مال کی کوشش و حصولِ دولت کے تفاوت کو دیکھ کر اس میں بھی فرق کر دیا گیا۔ چنانچہ ایسی دولت جو کسی کو اچانک جمع شدہ مل جائے جیسے رکاز (زمین میں دبا ہوا خزانہ) تو اس پر صرف خمس (یا پانچواں حصّہ) فرض کیا گیا اور اس کے لیے سال کا گزرنا شرط قرار نہیں دیا گیا، بلکہ جونہی ایسا خزانہ ملے اسی وقت خمس کی ادائیگی واجب ہو گئی۔

رہے پھل اور فصلیں جن میں انسان کو بہت کم مشقت اور تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس پر رکاز سے نصف یعنی عشر (دسواں حصّہ) زکوٰۃ لگائی۔ کیونکہ زمین کی درستی اور بوائی وغیرہ میں کسی خاص کلفت اور مشقت سے سابقہ نہیں پڑتا، نہ ڈول کھینچنا پڑتے ہیں، نہ پانی خریدنا پڑتا ہے لیکن اگر زمین کو سیراب کرنے کے لئے خادموں یا مزدوروں سے کام لیا جائے، ڈولوں سے سینچائی کی جائے، کنویں کھودے جائیں تو پھر اور کم ہے۔ یعنی نصف عشر (بیسواں حصّہ) مال کا نمو صاحب مال کے سفر یا ذاتی دروبست کا نتیجہ ہو یا وقفہ وانتظار کا پابند ہو تو ایسے مال پر ربع عشر (چالیسواں حصّہ) لازم آتا ہے اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ اس موخر الذکر کی تکلیف فصلوں اور پھلوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ فصلوں اور پھلوں کا نمو تجارت کے بڑھنے سے زیادہ آسان اور سہل ہے۔ اس لیے ان کے واجبات بھی تجارت سے زیادہ ہونے چاہئیں اور انہار یا آسمان کے پانی (بارش) کے ذریعہ ڈول یا چھڑکاؤ کی نسبت زیادہ

نمو ہوتا ہے اور خزانہ جیسی صورت میں تمام انواع سابقہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور چونکہ ہر مال گو وہ کم ہی ہو، مواساۃ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے تحمل (زکوٰۃ) کے لیے ایک نصاب مقرر ہوا تاکہ ارباب مال کو ضرر نہ پہنچے اور مساکین کو خاطرخواہ فائدہ ہو جائے۔ چنانچہ چاندی کا نصاب دو صد درہم، سونے کا بیس مثقال۔ دانوں اور پھلوں کا پانچ وسق جو عرب کے پانچ اونٹوں کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے اور بکریوں کے لیے چالیس بکریاں، گائے کے لیے تیس گائیں اور اونٹوں کے لیے پانچ اونٹ نصاب مقرر ہوا۔

لیکن اگر نصاب اپنی جنس کی چیز کی ادائیگی کا متحمل نہ ہو تو پھر ایک بکری واجب ہوگی اور اگر پانچ پانچ سے مکرر (ضرب) ہو گئے تو پچیس بن گئے اب اس کی جنس میں سے ایک (اونٹ، گائے وغیرہ) کا متحمل ہوگا اور یہی واجب بھی ہوگا اور اب کہ اونٹوں کی کثرت وقلت کے حساب سے اس واجب کی عمر میں کمی وبیشی بھی مقرر ہو گئی جیسے کہ ابن مخاض، بنت مخاض اس سے آگے بڑھ کر ابن لبون اور بنت لبون اور اس کے بڑھ کر حقہ اور حق اور اس سے بڑی (عمر کی) جذع اور جذعہ تو جوں جوں اونٹوں کی تعداد بڑھے گی (مال زکوٰۃ) کے جانور کی عمر بڑھتی جائے گی۔ تاآنکہ عمر کے آخری حصہ (مکمل اونٹ) تک جا پہنچے گی تو اب گویا تعداد کی زیادتی کو (زکوٰۃ) کے مال کی زیادتی کے مقابلہ میں رکھا گیا۔ اس لیے اللہ کی حکمت یہ ہوئی کہ اموال پر اس قدر بوجھ ڈالا گیا جو مواساۃ کے لئے کافی ہو اور (امراء) پر بوجھ نہ بنے اور دوسری طرف مساکین کے لئے بھی کافی ہو اور انہیں دوسری (طرف) کی احتیاج نہ رہے۔ چنانچہ اغنیاء کے مال پر اس قدر (زکوٰۃ) فرض کی گئی کہ جو فقراء کو کافی ہو۔

(لیکن بایں ہمہ) دونوں گروہوں کی طرف سے ظلم ہونے لگا، اغنیاء نے واجبات کو روک لیا اور لینے والوں نے استحقاق کے بغیر لینا شروع کر دیا، اس طرح ہر دو گروہ کی طرف سے مساکین وغرباء کو عظیم نقصان پہنچا۔ اور مسائلہ میں کئی اقسام کے حیلے تراشے گئے (چنانچہ) پروردگار کریم نے خود صدقات (کے مصارف)

کو تقسیم فرمایا اور ان کی آٹھ، نواع بنائیں اور یہ دو قسم کے لوگوں میں ملتی ہیں۔ایک تو وہ جو ضرورت کے مطابق لیتا ہے اور ضرورت کی شدت و ضعف، کمی و زیادتی کے مطابق سوال کرتا ہے۔ جیسے فقراء اور مساکین۔ مقروض اور مسافر لوگ ہیں دوسرا گروہ وہ ہے۔ جو اسے منفعت کے باعث لیتا ہے، جیسے زکوٰۃ جمع کرنے والے، ملازمین، تالیف، قلوب، اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے باعث مقروض ہو جانے والے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے اور لینے والا محتاج نہ ہو۔ اور نہ اس سے مسلمانوں کا فائدہ وابستہ ہو تو اس کا زکوٰۃ میں کچھ بھی نہیں۔

زکوٰۃ صرف مستحق کو دینی چاہیے

جب آپؐ کو معلوم ہوتا کہ یہ شخص مال زکوٰۃ کا مستحق ہے تو آپؐ اسے عطا کرتے اور اگر کوئی اہلِ زکوٰۃ آپ سے درخواست کرتا تو اس کو یہ کہہ دینے کے بعد زکوٰۃ دیتے۔

"یاد رکھو! کہ اس میں غنی اور کمانے کے قابل انسانوں کا کوئی حصّہ نہیں"۔ آپؐ صاحبِ مال سے زکوٰۃ لے کر مستحق کو عطا فرماتے، آپؐ کی عادت طیبّہ یہ تھی کہ جس علاقے کی زکوٰۃ جمع ہوتی وہیں تقسیم کی جاتی۔ اگر بچ رہتی تو پھر آپؐ کے پاس بھیج دی جاتی چنانچہ آپؐ اسے (دوسری جگہ) تقسیم فرماتے! یہی وجہ تھی کہ آپؐ اپنے عاملین کو وادیوں میں بھیجتے۔ اور بستیوں میں نہ بھیجتے بلکہ حضرت معاذؓ کو حکم دیا کہ اہلِ یمن سے زکوٰۃ لے کر انہیں کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اور یہ نہ فرمایا کہ میرے پاس لے کر آجانا اور نہ آپؐ کا یہ طریقہ تھا کہ عاملین کو چوپایوں، پھلوں اور فصلوں جیسے ظاہری اموال کے مالکوں کی طرف بھیجا تھا بلکہ آپ کھجوروں کے مالکوں کے پاس اندازہ کرنے والے کو بھیجتے اور وہ ان کی کھجوروں کے پاس سے گزرتا اور دیکھتا کہ کتنے وسق کھجوریں ہو رہی ہیں اور ان پر زکوٰۃ کی مقدار کا اندازہ کرتا اور آپ اندازہ کرنے والے

کو حکم دینے کہ ان کے لیے تہائی یا چوتھا حصّہ چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ (یہ چوتھائی حصّہ) کو اندازے میں ظاہر نہ کرتا کیونکہ کھجوریں آفات سے کم ہی محفوظ رہتی ہیں۔ یہ اندازہ اس لیے کیا جاتا تاکہ ارباب مال کے پھلوں کو خوراک بنانے، ختم کر ڈالنے اور انہیں اپنے تصرف میں لے آنے سے قبل ہی زکوٰۃ کی مقدار معلوم کر لی جائے اس لیے آپ اندازہ کرنے والے کو اہلِ خیبر اور ان کے مزارعین کے پاس بھیجتے اور وہ ان کے پھلوں اور فصلوں کا اندازہ کر لیتا اور اس (زکوٰۃ) کے ایک حصّہ کا بقیق کر ڈالتا۔ پھر آپ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو (ان کی طرف) بھیجتے۔ اور جب یہ لوگ انہیں رشوت دینا چاہتے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ فرماتے۔

تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو، خدا کی قسم میں تمہارے پاس اس ہستیؐ کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم لوگ (اس حرکت کے باعث) میرے نزدیک بندروں اور خنازیر سے زیادہ قابلِ نفرت ہو۔ لیکن تمہارے ساتھ نفرت اور حضورؐ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ میں تم پر انصاف نہ کروں تو وہ (یہود) کہتے، اسی وجہ سے (یعنی اس انصاف کے باعث) آسمان و زمین قائم ہیں۔

اور گھوڑے، خچر، گدھے، سبزیوں، ریگستانی اور ایسے پھلوں سے آپ زکوٰۃ نہ لیتے جو نہ تولے جاتے تھے اور نہ ان کا ذخیرہ ہوتا۔ سوائے انگور اور کھجور کے، کیونکہ ان دونوں کی زکوٰۃ لیا کرتے اور خشک و تر کا امتیاز نہ برتتے تھے۔

کیا شہد پر زکوٰۃ واجب ہے؟ شہد کے بارے میں آپؐ کا طرزِ عمل مختلف فیہ ہے چنانچہ ابو داؤدؒ نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ بنی متعان کا ایک آدمی ہلال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس شہد کا عشر لے کر حاضر ہوا۔ نیز اس نے اس وادی کے لئے اس کی درخواست قبول فرمائی پھر جب حضرت

عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ نے تو سفیان بن وہب نے آپؐ سے اس کے متعلق دریافت کرنے کے لیے لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب بھیجا کہ اگر وہ تمہیں بھی شہد کا عشر اسی طرح ادا کرے جس طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتا رہا ہے تو اس کا علاقہ اس کی نگرانی میں رہنے دو اور اگر الباتہ کرے تو یہ (علاقہ) برسات کی مکھیاں (عطیہ خدا) ہیں جس کا جی چاہے کھائے۔

اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ''کہ ہر دس قرب میں ایک قرب''، اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عمرو بن شعیب کی روایت ہے کہ انہیں اپنے والد سے، انہیں دادا سے روایت پہنچی کہ آپ نے شہد سے عشر (دسواں حصہ) لیا اور مسند امامؒ میں ابو یسارۃ ثقفی سے مروی ہے انہوں نے بتایا، کہ میں نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، میرے پاس شہد (کا چھتہ) ہے۔

آپؐ نے فرمایا، دسواں حصہ ادا کرو۔

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، اسے میری نگرانی میں رہنے دیجیے۔

آپ نے منظور فرما لیا۔

اور عبدالرزاق نے عبید اللہ بن محرر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابو سلمۃ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کیا۔ کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ نے اہل یمن کو لکھا کہ شہد میں سے دسواں حصہ لیا جائے گا''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں انس بن عیاض نے انہوں نے حارث بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابو ذباب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے سعد بن ابی ذباب سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ پھر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میری قوم کے لیے ان کے اموال میں سے زکوٰۃ کا حصہ متعین

فرما دیجئے جب وہ اسلام لا کر عمل پیرا ہوں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا (پھر) مجھے ان پر گورنر (عامل) مقرر کر دیا۔ (آپؐ کے بعد) حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے بھی مجھے ان پر گورنر مقرر کیے رکھا۔ راوی نے بتلایا کہ ان کے ساتھ اس وقت کوئی سپاہ نام بھی تھا۔ انہوں نے کہا میں نے شہد کے متعلق اپنی قوم سے بات کی اور اس سے کہا کہ اس پر بھی زکوٰۃ (ادا کرنا) ہو گی کیونکہ جس پھل کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی۔ اس میں کچھ بھی خیر نہیں ہوتی۔ قوم نے جواب دیا کہ آپ کے خیال میں کس قدر (زکوٰۃ) ہو گی؟ میں نے کہا کہ دسواں حصہ، پھر میں نے دسواں حصہ لے لیا اور حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لیا اور اس کی قیمت مسلمانوں کے صدقات (کے مال) میں رکھ دی۔ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

احادیث اور احکام احادیث میں اختلاف

ان احادیث اور ان کے احکام میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بخاریؒ فرماتے ہیں، صحیح مسئلہ کے مطابق شہد میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حکم ثابت نہیں اور ابن منذر فرماتے ہیں کہ شہد کے عشر میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ہے اور نہ کوئی اجماع ثابت ہے۔ اس لئے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہد میں عشر کی روایت ضعیف ہے اور جس روایت میں ہے کہ عشر نہ لیا جائے گا۔ عمرؓ بن عبدالعزیز کی روایت کے سوا وہ بھی ضعیف ہیں اور سعد بن ابی ذباب ایسا قول نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد میں سے صدقہ لینے کا حکم نہیں دیا اور اگر کچھ فرمایا ہے تو دینے والے کے لیے اسے تطوع (یعنی نفلی صدقہ) کی صورت دی ہے۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ (شہد والے) سے کچھ نہ لیا جائے، کیونکہ نہ لینے کی روایات تو ثابت

ہیں۔ لیکن لینے کی روایات ثابت نہیں۔ اس لیے اسے معاف ہی رکھا جائے اور یحییٰ بن آدم نے روایت کیا کہ ہمیں حسین بن زید نے بتایا۔ انہوں نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ؟ یحییٰ بتاتے ہیں کہ حسن بن صالح سے شہد کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اس میں کوئی (زکوٰۃ) نہیں بتائی اور حضرت معاذؓ کے متعلق مروی ہے۔ کہ انہوں نے شہد میں سے کچھ نہیں لیا۔ حمیدیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان سے انہیں ابراہیم بن میسرہ سے انہیں طاؤس سے انہیں معاذ بن جبل سے روایت پہنچی کہ ان کے پاس گائے کا سر اور شہد لایا گیا تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ مجھے ان دونوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی چیز (زکوٰۃ) کا حکم نہیں دیا۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں مالکؒ سے اور انہیں عبداللہ بن ابی بکر سے معلوم ہوا تھا، بتایا کہ میرے والد کے پاس حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا مکتوب آیا اور وہ اس وقت منیٰ میں تھے، فرمایا کہ گھوڑوں اور شہد پر زکوٰۃ مت لینا۔ یہ آثار ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں۔ ان کے مخارج بھی متعدد ہیں اور فرق بھی مختلف ہیں اور ان میں مرسل روایات مسند روایات کے (اجتماع) سے قوی ہو جاتی ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ (شہد) عشری زمین سے لیا جائے تو اس وقت اس کی عشر واجب ہے اور اگر یہ خراجی زمین سے حاصل کیا گیا ہو تو پھر اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ خراجی زمین کے مالک پر جو خراج واجب ہوتا ہے۔ وہ فصلوں اور پھلوں ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی وجہ سے کوئی دوسرا ٹیکس اس پر عائد نہیں کیا جا سکتا اور عشری زمین کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے مالک پر کوئی ٹیکس عائد نہیں۔ لہٰذا اس کی پیداوار پر اسے زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

امام احمدؒ نے دونوں قسم کی زمینوں کو مساوی قرار دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خراجی اور عشری سب پر (عشر) واجب قرار دیا ہے۔ لیکن وجوب کے حامیوں کے مابین اختلاف ہے کہ آیا اس کا نصاب معین ہے یا نہیں؟

ایک یہ قول ہے کہ قلیل وکثیر سب پر واجب ہے یہ ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نصاب متعین ہے کہ لیکن اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دس رطل (مقدار نصاب) ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ پانچ افراق ہے اور ایک فرق چھتیس عراقی رطل کا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا نصاب دس افراق ہے (امام احمدؒ) کے اصحاب کا فرق کے اندازے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ساٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ دوسرے کے مطابق چھتیس رطل کا اور تیسرے کے مطابق سولہ رطل کا ہوتا ہے اور یہی امام احمدؒ کی ظاہری کلام کا مطلب ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے دُعا

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مال زکوٰۃ لے کر آتا تو آپ اُس کو دُعا دیتے۔ چنانچہ کبھی آپ اس طرح دُعا فرماتے۔

اللھم بارك فيه وفی ابله

یعنی اے اللہ اسے اور اس کے اونٹوں کو برکت عطا فرما۔

اور کبھی کہتے۔ اللھم صل علیه۔

یعنی اے اللہ اس پر رحم فرما۔

اور زکوٰۃ کی مد میں اچھا اچھا مال چھانٹ لینے کا دستور نہ تھا بلکہ اوسط درجہ کا مال لینے کا اصول مروج تھا، اس لیے آپؐ نے حضرت معاذؓ کو مال زکوٰۃ کے لیے (اچھا اچھا مال لینے سے) منع فرمایا۔

ایک کے لیے صدقہ دوسرے کے لیے ہدیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کرنے والے کو اپنے

صدقہ کا مال اخرچ کرنے سے منع فرماتے۔ اور اگر کوئی فقیر کسی غنی کو صدقہ کا مال ہدیہ کے طور پر دیتا تو آپ اس کو کھا لینے کی اجازت دیتے چنانچہ حضرت بریرہؓ پر جو مال صدقہ کیا گیا تھا آپؐ نے اس میں سے کھایا اور فرمایا کہ یہ مال اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

کبھی آپؐ مال صدقہ میں سے مسلمانوں کے مصالح (رفاہی) کاموں کے لیے قرض لے لیتے۔ مثلاً آپ نے ایک لشکر ترتیب دیا۔ لیکن اونٹ کم رہ گئے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ صدقہ کی جوان اونٹنیوں میں سے لاؤ اور آپ اپنے ہاتھ سے اونٹ کو نشان لگاتے تھے۔ آپ ان کے کانوں میں نشان لگاتے تھے۔ اور جب کبھی قحط سالی ہو جاتی تو آپ مالکان از بعض سے صدقہ کا قرضہ بھی لے لیتے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال کے صدقہ کا مال قرضہ لیا۔

فطرہ اور اس کی اہمیت

عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کر دینا سنّت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے ہر مسلمان اور چھوٹے بڑے مرد، عورت، آزاد غلام ہر ایک پر حتّٰی کہ جو کسی کی کفالت میں ہو اس پر بھی کھجور یا جو یا پنیر کشمش کا ایک صاع صدقہ فطر فرض فرمایا ہے۔ نیز آپؐ سے آٹے یا گندم کا ایک صاع بھی منقول ہے اور معروف یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ان مذکورہ اشیاء کے مقابلہ میں گندم کا نصف صاع مقرر کیا ہے۔ (ابوداؤد اور صحیحین میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ مقدار مقرر کی ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو مرسل اور مسند آثار ملتے ہیں وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ ان میں سے حضرت ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صغیر کی روایت ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

گندم کا ایک صاع دو آدمیوں پر تقسیم ہوگا (مسند امام احمدؒ)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے بصرہ کے منبر پر

رمضان کے آخر میں خطبہ دیا، اور فرمایا، اپنے روزے کا صدقہ ادا کرو۔ لیکن لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہاں یعنی اہل مدینہ والوں سے فرمایا، اٹھو اور اپنے بھائیوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نہیں جانتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہر آزاد، غلام، مرد، عورت پر کھجور یا جو کا ایک صاع یا گندم کا نصف صاع فرض کیا ہے، لیکن جب علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اشیاء کی ارزانی دیکھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فراخی اور کشادگی عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا گندم اور دوسری سب چیزوں میں ایک صاع ادا کیا کرو۔ اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ اس مذہب کو قوی سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کفارات میں امام احمدؒ نے اسی قول پر قیاس کیا ہے اور فرمایا ہے کہ دوسری چیزوں کی نسبت گندم نصف صاع واجب ہے۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ نماز عید سے قبل صدقہ ادا فرما دیا کرتے اور سنن میں آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جس نے نماز سے قبل ادا کیا وہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ ایک عام صدقہ ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا، کہ عیدگاہ کی طرف لوگوں کے روانہ ہونے سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دیا کرو۔ ان دونوں روایات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ (صدقہ) کو نماز عید سے مؤخر نہ کیا جائے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ فوت ہو جاتا ہے۔ یہی درست مسلک ہے، کیونکہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں اور نہ کوئی ناسخ ہے۔ اور نہ اجماع اس کی نفی کرتا ہے اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ اسی مذہب کو قوی سمجھتے تھے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ قربانی امام کی ادائے نماز پر موقوف ہے نہ کہ وقت پر، اور اگر کوئی امام کی نماز سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرلے تو اس کا ذبیحہ قربانی نہیں ہوگا بلکہ یہ محض بکری کا گوشت ہے۔ یہی بات

دوسرے مسائل میں بھی صادق آتی ہے۔ دو مواقع پر آپؐ سے بھی یہی فعل ثابت ہے۔

صدقہ فطر مساکین کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی کہ آپؐ یہ صدقہ فطر مساکین کے لیے مختص فرما دیتے اور اقسام اشتگانہ پر ایک ایک مٹھی تقسیم نہ کرتے۔ نہ آپؐ نے اس کا حکم دیا اور نہ آپ کے بعد صحابہؓ یا تابعین میں سے کسی نے ایسا کیا بلکہ ہمیں جو اقوال پہنچے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے صرف مساکین پر ہی صرف کیا جا سکتا ہے اور یہ قول دوسرے قول سے زیادہ قابلِ ترجیح ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اسے اقسام اشتگانہ پر تقسیم کر دیا جائے۔

نفلی صدقات میں سُنّت رسولؐ نفلی صدقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ آپؐ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا صدقہ کر دیتے۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ صدقات کرتے، اور جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو کچھ عطا فرماتے اور آپ اس کی کثرت وقلت نہ چاہتے اور آپ سے جو بھی سوال کرتا، آپ اس کو تھوڑا یا بہت ضرور عطا فرماتے اور آپ کی عطا ایسی تھی کہ جیسے فقر کا کوئی خطرہ ہی نہ ہو۔ آپؐ کے نزدیک صدقہ کرنا سب سے زیادہ محبوب تھا اور آپ جو کچھ عطا فرماتے اس سے آپ کو عطیہ دینے والے سے بھی کہیں زیادہ فرحت اور خوشی ہوتی۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپؐ کا ہاتھ گویا (عطا کرنے میں) ایک چلتی ہوئی آندھی تھا۔ کوئی ضرورتمند آتا تو اسے اپنے آپ پر بھی ترجیح دیتے، کھانے میں بھی اور لباس میں بھی۔ آپ کے عطایا اور صدقات کئی انواع کے تھے۔ کبھی ہبہ کرتے کبھی ہدیہ دیتے کبھی ایک چیز خریدتے پھر بیچنے والے کو اس کی قیمت اور وہ چیز دونوں عطا فرما دیتے جیسا حضرت جابرؓ کے ساتھ معاملہ فرمایا، کبھی قرض لیتے اور اس سے زیادہ یا افضل اور بہتر عطا فرماتے۔ کبھی کچھ خریدتے تو اس کی قیمت بہت زیادہ

عطا فرماتے، ہدیہ قبول فرما لیتے لیکن ہر ممکن صدقہ اور احسان کی صورت بیں لطف وکرم کرتے ہوئے اس سے زیادہ یا دگنا عطا فرماتے، آپ کا صدقہ واحسان آپ کے حالات اور ملکیت کے مطابق ہوتا۔ چنانچہ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا خرچ کر ڈالتے۔ آپ صدقہ کرنے کا حکم دیتے، اس کی ترغیب دیتے۔ آپ حال وقال کے مطابق اس کی دعوت دیتے۔ جب کسی بخیل کو دیکھتے تو اسے سخاوت و عطاء کی ترغیب دیتے۔ جو بھی آپ کی مصاحبت بیں رہ جاتا اور آپ کے طریق کار کو دیکھ پاتا تو وہ بھی اپنے آپ کو جود وسخاء سے روک نہ سکتا، اور آپ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ احسان وصدقہ اور نیکی کی دعوت دیتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حصول کمال وشرح صدر کے اسباب

آپ کے شرح صدر کا سبب

سے بڑا سبب کامل طور پر اور پوری قوت کے ساتھ عقیدۂ توحید تھا، اس چیز کی زیادتی ہی آپ کے انشراح صدر کا سبب تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ

یعنی کیا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، تو وہ اپنے پروردگار کی جانب سے نور پر ہے۔

اور فرمایا۔ فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ

یعنی، پس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور بے قرار سا بنا دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر زبردستی سے چڑھ رہا ہے۔

اس طرح شرح صدر کے سب سے بڑے اسباب توحید اور ہدایت ہیں اور تنگی قلب کے سب سے بڑے محرکات شرک اور گمراہی ہیں۔ اور اسی قلیل

یں سے نور ہے جسے اللہ تعالیٰ بندے کے قلب میں ڈال دیتا ہے اور یہ نور ایمان کا نور ہوتا ہے، چنانچہ یہ سینہ کو کھولتا اور وسعت عطا کرتا اور قلب میں فرحت پیدا کرتا ہے اور جب بندے کے قلب سے نور ضائع ہوتا ہے تو وہ تنگ (دل) اور پریشان ہو جاتا ہے، اور گویا وہ سب سے زیادہ تنگ اور دشوار قسم کے قید خانہ میں ہوتا ہے۔

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو (قلب) میں وسعت و انشراح پیدا ہو جاتا ہے"۔

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول اس کی علامت کیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا (اس کی علامت) دوام کے گھر کی طرف انابت اور دارالغرور (دنیا) سے نفرت، اور موت کے آنے سے قبل ہی اس کی تیاری ہے۔ چنانچہ بندے کو انشراح کے باعث اس نور کا حصہ عطا ہوتا۔

یہی معاملہ نور حسی اور ظلمت حسی کا ہے۔ وہ سینہ میں وسعت پیدا کرتی ہے اور یہ تنگ دلی پیدا کرتی ہے۔ اسی قبیل سے علم ہے، وہ سینہ میں اس قدر انشراح اور فراخی پیدا کرتا ہے کہ دنیا بھر سے زیادہ وسعت حاصل ہو جاتی ہے لیکن جہالت، تنگ دلی اور انقباض پیدا کرتی ہے اس لیے بندے کا علم جس قدر بڑھتا ہے انشراح اور وسعتِ قلب میں اسی قدر اضافہ ہوتا ہے اور یہ ہر علم کی خاصیت نہیں بلکہ صرف اسی علم کی خاصیت ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ وہی علم فائدہ بخش ہے۔

اسی علم کے حاملین تمام انسانوں سے زیادہ وسیع (ظرف والے) فراخ دل، اخلاق حسنہ کے مالک اور خواہش ہوتے ہیں۔ اسی سے انابت الی اللہ اور اللہ کی محبت قلبی اس کی طرح جھکاؤ، اس کی عبادت کو نعمت سمجھنے کا احساس ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس سے زیادہ بندے میں کوئی بات شرح قلب

کی موجب نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات انسان یوں بھی کہنے لگتا ہے کہ اگر میں جنت میں اسی حالت میں (انابت اللہ کی حالت میں) ہوتا تو میری زندگی کیا خوب ہوتی۔

انشراح قلب۔ خوش نفسی اور تنعم قلبی ہی محبت کو خاص طور پر بہت زیادہ داخل ہے جسے اس کا احساس ہوتا ہے وہی اس کا رمز شناس ہوتا ہے، اور جس قدر محبت قوی اور شدید ہوگی اسی قدر سینہ میں فراخی اور انشراح ہوگا تنگ دلی پاس بھی نہیں پھٹکتی، البتہ اگر وہ اہل باطل اور بے کار لوگوں کو دیکھ لے تو انہیں دیکھ لینے سے اس کی آنکھوں میں کھٹک پیدا ہو جاتی ہے اور ان سے اختلاط اس کے لیے روحانی بخار بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اعراض، دوسروں کے ساتھ تعلق قلب، اللہ کے ذکر سے غفلت اور دوسروں کی محبت، تنگ دلی کے سب سے بڑے اسباب ہوتے ہیں، کیونکہ جو اللہ کے سوا کسی اور سے محبت رکھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسی کے باعث اسے سزا دے گا اور غیر اللہ کے زنداں میں اس کا قلب محبوس کر دے گا، پس کرۂ ارض پر اُس سے زیادہ بدبخت، تنگ دل اور بدحال کون ہوگا؟ ہر حالت اور ہر مقام پر ذکر خدا کی مداومت شرح صدر کے اسباب میں سے ہے، اس لیے انشراح صدر اور نعیم قلب کے لیے ذکر میں ایک عجیب تاثیر رکھی گئی ہے اور تنگی، انقباض اور عذاب کے لیے غفلت ہی ایک عجیب تاثیر ہے۔

خلق کے ساتھ احسان کا برتاؤ۔

اسی طرح خلق کے ساتھ احسان کا برتاؤ ہے جو احسان کرنے والا۔ خلق کے ساتھ روا رکھتا ہے مالی طور پر بھی اور دوسرے طریقوں پر بھی، محسن اور کریم ساری خلقت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ شرح صدر کا حامل ہوتا ہے، اس کا نفس پاک ہوتا ہے اور وہ نعیم قلب کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور بخیل جس میں احسان کا مادہ نہیں پایا جاتا، وہ سب لوگوں

سے زیادہ تنگ ظرف، بدحال اور حزن و ملال کا مجموعہ ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بخیل اور سخی کی مثال دی ہے کہ جیسے دو آدمی ہوں، جن کے بدن پر لوہے کے لباس ہوں جیسے ہی سخی صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا لباس کھل جاتا اور فراخ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے کپڑے گھسیٹتا ہے اور نشانات چھوڑ جاتا ہے۔ اور جونہی بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو لوہے کے لباس کی ہر کڑی اپنی جگہ پر جم جاتی ہے اور وہ ذرا بھی فراخ نہیں ہوتا، تو گویا یہ سخی مومن کے شرح صدر اور وسعتِ قلب کی مثال ہے اور دوسری مثال بخیل کی تنگ ظرفی اور انقباض قلب کی ہے۔

شجاعت اور وسعت ظرف

اسی طرح شجاعت ہے کیونکہ شجاع وسعتِ ظرف اور فراخی قلب کا مالک ہوتا ہے اور بزدل تمام لوگوں میں تنگ ظرف اور منقبض ہوتا ہے اس کے لیے کوئی فرحت اور خوشی نہیں اور نہ لذت و نعمت ہے۔ وہاں اگر کچھ حاصل ہوگا تو صرف ویسی ہی لذت چو پاؤں اور حیوانات کو فہم و فراست سے عاری ہونے کے سبب حاصل ہے۔

اسی طرح بلکہ ان تمام مذکورہ صفات سے زیادہ اہم سبب یہ ہے کہ دل ان تمام صفاتِ مذمومہ سے خالی کر دیا جائے جو تنگی اور عذاب کا سبب بنتے ہیں اور اس کی صحت میں اڑے بن کر رہ جاتے کیونکہ جب تک انسان شرح صدر کے اسباب کی طرف راغب نہ ہوگا اور صفاتِ مذمومہ اس کے قلب سے خارج نہ ہوں گے تو اسے کماحقہ انشراح صدر حاصل نہ ہوگا۔

قلب کے انقباض و حبس کے محرکات

اسی طرح نظر و کلام، استماع مخالطت (میل جول)، اور اکل، نوم دکھاتے اور پینے فضول اور لغو چیزوں کا ترک کرنا اور ان سے بچنا ہے کیونکہ یہ فضولیات آلام و غموم اور ہموم کو قلب میں انقباض و حبس اور تنگی پیدا کرتے ہیں اور عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ بلکہ دنیا و آخرت کا بلشبتر عذاب انہی کی کرشمہ سازی ہے۔

(واقعہ یہ ہے کہ ان آفات میں سے کسی آفت میں حصہ لے کر (انسان) کسی قدر تنگ ظرف اور بدحال ہو جاتا ہے اور کسی قدر پریشان اور منقبض ہو جاتا ہے۔ (واقعہ یہ ہے) کہ ان خصالِ حمیدہ میں سے کچھ حصہ حاصل کر کے بھی انسان کس قدر خوش عیش ہو جاتا ہے اور اس کی قوت اسی پر دائر اور اسی کے گرد سرگرداں ہوتی ہے، اس آدمی کا حصہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ۔

بے شک نیک لوگ البتہ نعمتوں میں (گھرے ہوئے) ہوں گے۔

اور برے آدمی کا حصہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں ہے۔

إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ۔

بے شک فاسق لوگ دوزخ میں ہوں گے۔

ان دونوں کے درمیان کئی امتیازات ہیں جنہیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ حسنہ میں اکمل ہیں۔ آپ ہی سے شرح صدر وسعت قلب، آنکھوں کی ٹھنڈک اور روحانی زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا آپ شرح صدر اور حیاتِ (روحانی) اکمل الخلق ہیں اور اس اتباع کے باعث بندے کو بھی جو شرح صدر اور ذکر کے لیے درجہ کمال میں حاصل ہو گا۔ آپؐ کے متبعین کو ان کے اتباع کے مطابق اللہ کی جانب سے حفاظت، عصمت (تحفظ) دفاع، اعزاز اور امداد واعانت حاصل ہو گی، بعض کو کم اور بعض کو زیادہ، پس جو بھلائی پائے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی حمد کرے اور جسے اس کے علاوہ کچھ اور (یعنی سزا) ملے تو چاہیے کہ صرف اپنے آپ کو مستحق ملامت خیال کرے۔

روزہ اور اس کے برکات ومصالح

صوم رمضان کے تدریجی مرحلے، رخصت وعزیمت کے پہلو

عبد اور معبود کا باہمی راز روزے سے مقصود شہوات سے حبس نفس اور مالوفات سے انقطاع اور قوائے شہوانیہ کی تعدیل ہے۔ تاکہ انتہائی سعادت اور پورے انعامات حاصل ہو سکیں اور اسے شرفِ قبول حاصل ہو، جو دراصل ذریعہ ہے تزکیہ نفس کا اور اسی میں حیات ابدی مضمر ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے، جس میں انسان دوسرے کی بھوک، دوسرے کی پیاس اور دوسرے کی کلفت پورے طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ اکل و شرب کی یہ کمی شیطان کے لئے تنگنائے بن جاتی ہے، جس سے اس کا گزرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ نیز معاد و معاش کے مضرات کی گنجائش کم ہو جاتی ہے یہ (بدن) کے ہر عضو کو تسکین بخشتا اور ہر قوت کی بے راہ روی کو قابو میں رکھتا ہے گویا یہ پرہیزگاری کی لگام اور جنگ کرنے والوں کی ڈھال ہے۔ صالحین اور مقربین کی ریاضت ہے اور تمام اعمال میں روزے کا عمل ہی ایسا ہے جو صرف رب العالمین کے لئے ہے، کیونکہ روزے دار ہر چیز سے رکا رہتا ہے۔ وہ کھانا پینا اور شہوت رضائے الٰہی کی خاطر چھوڑ دیتا ہے گویا اس نے نفسانی خواہشات، محبوب باتیں اور لذات دنیاوی اللہ کی محبت اور رضا کی وجہ سے ترک کر دیں۔

یہ عمل (روزے کا) بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک راز ہے جسے صرف وہی جانتا ہے۔

اس میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سب سے اکمل اور حصول مقصود کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، نیز عوام کے لئے آسان تر بھی ہے۔ چونکہ مرغوبات وشہوات سے بچنا تمام کاموں سے زیادہ مشکل اور سخت تر تھا۔ اس لئے اسے ہجرت کے بعد اسلام کے عہد متوسط تک مؤخر کیا گیا تاکہ عوام کے قلوب توحید اور نماز پر جم جائیں اور قرآن کے اوامر سے مالوف ہو جائیں۔ چنانچہ یہ کام ہجرت کے بعد عہد اسلام کے وسط تک اٹھا رکھا گیا۔ یہ تدریجی طور پر بروئے عمل آیا۔ ہجرت کے بعد دوسرے سال یہ فرض کیا گیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپؐ نو رمضانوں کے روزے رکھ چکے تھے۔

روزے کے تین مراتب تھے۔

پہلا طریقہ تخییر تھا، یعنی اگر کوئی چاہے تو ہر روز فقیر کو کھانا کھلاتا رہے اور خود روزہ نہ رکھے پھر یہ ہوا کہ بوڑھا شخص یا عورت اگر چاہیں تو ہر روز فقیر کو کھانا کھلا دیا کریں اور خود روزہ نہ رکھیں، نیز مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر اپنی یا بچہ کی صحت کا خطرہ ہو تو قضا کی تاکید کے ساتھ وقتی طور پر مسکین کو ہر روز کھلا کر روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی۔

دوسرا طریقہ لازمی روزے کا تھا، اگر روزے دار کچھ کھانے سے پہلے سو جاتا تو اگلی رات تک اس پر کھانا پینا حرام تھا۔

اس دوسرے طریقہ کو تیسرے طریقہ نے منسوخ کر دیا اور یہ قیامت تک مشروع رہیگا

صوم وصال پر آپؐ کا عمل لیکن صحابہؓ کو ممانعت

آپؐ رمضان شریف میں کثرت سے کئی اقسام کی عبادتیں کرتے

چنانچہ رمضان مبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام سے آپ قرآن مجید کی منزلوں کی (تکرار) کرتے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ تیز آندھی سے بھی زیادہ شدت

کے ساتھ سخاوت کرتے۔ آپ لوگوں سے بہت زیادہ سخی تھے۔ لیکن رمضان میں تو صدقات واحسان تلاوت قرآن مجید، نماز، ذکر اور اعتکاف میں از حد اضافہ ہو جاتا اور دوسرے مہینوں کی نسبت رمضان المبارک کے مہینہ کو عبادت کے لیے مخصوص فرما لیتے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپؐ صوم وصال (مسلسل روزہ) رکھتے تاکہ آپؐ ہر وقت اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف رہ سکیں۔

(لیکن) آپؐ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صوم وصال سے منع فرماتے تھے۔

وہ عرض کرتے کہ آپ تو یارسول اللہ صوم وصال رکھتے ہیں؟

تو آپؐ فرماتے: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں رات گزارتا ہوں اور ایک روایت میں آتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس خورد ونوش میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ملتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ خورد ونوش حسی ہے، جو (مادی) منہ سے (کھایا جاتا تھا) کہتے ہیں کہ یہی الفاظ کا حقیقی مطلب ہے اور اس سے روگرداں ہونے کی حاجت نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے خورد ونوش عطا کرنے کا مطلب علوم کی غذا ہے اور اللہ کے سامنے لذتِ مناجات، اس کے قرب میں سکون چشم اس کی محبت کے انعامات کا فیضان ہے جو قلب پر نازل ہوتا ہے اس کے علاوہ اس قسم کے دیگر احوال، جو غذائے قلبی، انعامات روحانی سکون نفس وروح کی حیثیت رکھتے ہیں اور جسے کچھ بھی تجربہ ہو وہ جانتا ہے کہ بدن قلبی اور روحانی غذا کے مقابلہ میں یکسر حیوانی غذا سے مستغنی ہو جاتا ہے خصوصاً ایسا آدمی جو اپنے مطلوب کو حاصل کر لے، مسرور ہو اور اپنے محبوب کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر رہا ہو، اس سے راضی ہو محبوب کے لطف وکرم۔ ہدایاو احسانات ہر وقت اسے مل رہے ہوں اور محبوب بھی رکھتا ہو۔ تو کیا یہ محب کے لیے سب سے بڑی غذا نہیں ہے؟ (اگر دنیاوی مواقع پر ایسے حالات ہو سکتے ہوں) تو (ذرا سوچیے تو سہی) اس حبیب کی کیا کیفیت ہو گی؟ جس سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں، جس سے زیادہ عظمت کسی کی نہیں۔ اور جس سے زیادہ جمیل وکامل کوئی نہیں اور جس سے

زیادہ محسن کوئی نہیں۔ جب محب کا دل اس کی محبت سے لبریز ہو گیا اور قلب کے تمام اجزاء بدن کے تمام جوارح اس کی ملکیت میں آگئے۔ جب اس کی محبت سب سے زیادہ گہری اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ اور اپنے حبیب کے ساتھ یہ اس کی شان ہوتی ہے تو یہ کیسے نہ ہوتا کہ یہ محبت اپنے حبیب کے ہاں سے دن رات نہ کھاتا پیتا، یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور اگر یہ مادی خوردونوش ہوتا تو صوم وصال تو الگ رہا آپ صائم (روزے دار) ہی نہ ہوتے اور یہ کیفیت اگر صرف رات کی حامل ہوتی تو وہ صوم وصال نہ ہوتا۔

صوم وصال کے بارے میں تین قول

نیز آپ صحابہؓ کے سوال پر کہ آپ صوم وصال رکھتے ہیں! جواب نہ دیتے کہ "میں وصال نہیں کرتا" اور یہ نہ فرماتے کہ "میں تمہاری طرح نہیں ہوں" بلکہ آپؐ نے تو وصال کا اقرار کیا۔ اور اس بات کی نفی فرمادی کہ آپؐ کی اور صحابہؓ کی حالت یکساں نہیں، بلکہ امتیازی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک یعنی صوم وصال رکھا۔ تو لوگوں نے بھی وصال شروع کر دیا۔ پھر آپ نے انہیں منع فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ آپ وصال کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت پر رحمت کے باعث صوم وصال سے منع فرمایا اور سحری تک اجازت دی۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا وصال مت کرو، جو وصال کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ سحری تک وصال کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسئلہ کی نوعیت کیا ہے؟ کیا وصال جائز ہے یا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس میں تین اقوال ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اگر استطاعت ہو تو جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے

یہی مروی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ کئی کئی ایام تک وصال کرتے تھے۔ اس مسلک والوں کا خیال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ صحابہؓ نے صوم وصال رکھا۔ حالانکہ آپؐ نے انہیں منع کر دیا تھا جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے صوم وصال سے منع فرمایا اور فرمایا کہ بس تمہاری طرح نہیں ہوں۔ چنانچہ جب (صحابہؓ) نہ رکے تو انہوں نے آپ کے ساتھ ایک دن دو دن تین دن (صوم وصال) رکھا تو منع فرمانے کے بعد بھی آپؐ کا صحابہؓ کے ساتھ مل کر وصال ثابت ہے۔ اگر یہ ممانعت حرام کے معنی میں ہوتی تو صحابہؓ رکنے سے انکار نہ کرتے اور آپ اس کے بعد اور ان کے عمل کا اقرار (یعنی تائید) نہ فرماتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب صحابہؓ نے منع کرنے کے بعد بھی (صوم وصال) رکھا۔ حالانکہ (حضورؐ) جانتے تھے اور اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے رحمت و تخفیف کے ارادہ (سے منع) فرمایا تھا اور حضرت عائشہؓ نے بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت کے باعث صوم وصال کی مخالفت کی تھی (متفق علیہ)

(۲) دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وصال جائز نہیں۔ امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعی اور ثوریؒ کا یہی مذہب ہے ابن عبد البرؒ ان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے کسی کے لیے بھی جائز نہیں بتایا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی کراہت پر شافعیؒ کی نص موجود ہے اور ان کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ بعض نے مکروہ تحریمی اور بعض نے تنزیہی بتایا ہے اور حرام بتانے والوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سے استدلال کیا ہے اور نہی و ممانعت تحریم کی مقتضی ہے اور بتایا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا فرمان "رحمت کے باعث" تحریم کی نفی نہیں کرتا، بلکہ تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ بھی رحمت کے باعث ہوا کہ اسے ان پر حرام کر دیا، بلکہ تمام مناہی (ممنوعات) امت پر رحمت اور اس کے تحفظ ودفاع کی خاطر ہی ہیں۔

رہا ممانعت کے بعد بھی وصال کرنا تو یہ اس لیے نہیں کہ ممانعت کے باوجود انہوں نے صیام وصال کو برداشت کیا اور یہ (مقصد بھی تھا) کہ ممانعت کا سبب اس کی حکمت اور مضر عنصر بھی کھل کر سامنے آ جائے۔ چنانچہ جب وصال کا ضرر اور مخالفت کی حکمت عیاں

ہو گئی تو یہی قبولیت ممانعت اور ترک وصال کی داعی بن گئی کیونکہ جب انہیں وصال سے عبادت میں تکلیف محسوس ہونے لگی جو اللہ کے حقوق میں سب سے زیادہ اہم اور قابل ترجیح کام ہے اور فرائض ظاہری اور باطنی امور میں ہرج ہونے لگا اور بھوک ان کے (حقوق کی ادائیگی) میں رکاوٹ بننے لگی تو ان کے سامنے وصال کی ممانعت کی حکمت اور حزر آگیا اور ان کا کہنا ہے کہ صحیحین میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات اس قدر ہو جائے اور دن اس قدر چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو (گویا) روزے دار افطار کر لے۔ اور صحیحین میں اس طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے ان کا کہنا ہے کہ آپ نے وقت افطار آنے پر مفطر قرار دے دیا۔ اگرچہ افطار نہ کرے اور یہ بات شرعاً وصال میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے (نیز) ان کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت فطرت پر رہے گی اور جب تک میری امت افطار میں جلدی کرتی رہے گی۔ تب تک بھلائی پر رہے گی۔ اور سنن میں آپ سے مروی ہے کہ جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے تب تک دین غالب رہے گا۔ (اور) یہودی اور عیسائی (افطار میں) دیر کرتے ہیں (نیز) سنن میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میرا سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو سب سے جلدی افطار کرے یہ روایت تاخیر افطار کی کراہت ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا جو (افطار) کو ترک دے تو یہ کس قدر (غلط) کام ہوگا؟

اور جب ایک بات مکروہ ہو تو وہ عبادت شمار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عبادت کو کم از کم مستحب کا درجہ ضرور حاصل ہونا چاہیئے۔

(۳) تیسرا قول جو تمام اقوال سے زیادہ اعتدال پسندانہ ہے یہ ہے کہ سحری سے سحری تک وصال جائز ہے۔ یہ ہی احمدؒ اور اسحٰقؒ سے منقول ہے حضرت ابوسعید خدری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

"وصال نہ کرو اور جو تم میں سے وصال کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ سحری تک وصال کرے (بخاریؒ)

یہ روزے کے لئے سب سے زیادہ سہل اور معتدل وصال ہے اور یہ عشاء کے کھانے کے قائم مقام ہے۔ فرق یہ ہے کہ ذرا مؤخر ہو گیا تو (اس صورت میں) روزے دار دن رات میں ایک بار کھائے گا۔

رؤیت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کی تحقیق نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جاتا آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ نیز ایک اعرابی کے کہنے پر روزہ شروع کر دیا۔ اور ان دونوں کی خبر پر اعتماد کیا اور انہیں لفظ شہادت کا پابند نہیں کیا اگر یہ خبر دینا ہو تو خبر واحد میں رمضان کے لئے کافی ہو جاتی اور اگر شہادت ہوتی تو شاہد کو لفظ شہادت کہنے کا پابند نہ کرتے اور اگر رویت یا شہادت دونوں نہ ہوتیں تو آپ شعبان کے تیس دن پورے کرتے اور اگر تیسویں رات کو بادل یا ابر حائل ہو جاتا تو آپ تیس دن مکمل کرتے اور پھر (اگلے روز) روزہ رکھتے۔

اور آپ بادل کے دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے نہ آپ نے اس کا حکم دیا، بلکہ فرمایا۔

جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں۔

اور آپ خود بھی ایسا ہی کرتے۔ اس طرح یہ آپ کی سنت بھی تھی اور یہ آپ کا حکم بھی تھا اور یہ روایت آپ کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ جب تم پر بادل چھا جائے تو اس کا اندازہ کر لو اور قدر (اندازہ) سے مراد حساب مقدر ہے اور اس سے مراد تکمیل (ماہ) ہے جیسا کہ فرمایا:

اَكْمِلُوا الْعِدَّةَ "عدت پوری کرو"

اور اکمال سے مراد اس ماہ کو مکمل کرنا ہے، جس کی (آخری تاریخ پر) بادل چھا گیا جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ "شعبان کی مدت پوری کرو" اور فرمایا جب تک دیکھ نہ لو تب تک روزہ نہ رکھو اور جب تک (چاند) دیکھ نہ لو تب تک افطار نہ کرو۔ اگر بادل چھا جائیں۔ تو مدت مکمل کرو اور یہ جو اکمال مدت کا حکم دیا اس سے مراد مہینہ ہے اور یہ روزے

اور افطار کے موقع پر ہے۔

اس سے زیادہ واضح روایت آپ کا فرمان ہے کہ مہینہ انتیس دن کا ہے اس لئے جب تک اُسے دیکھ نہ لو تب تک روزہ نہ رکھو اور اگر بادل چھا جائیں تو مدت (ماہ) پوری کرو۔ لفظی طور پر ابتدائے ماہ اور معنوی طور پر آخر ماہ کی طرف راجع ہے۔ اس لیے یہ جائز نہیں۔ کہ لفظی مطلب کی نفی کر دی جائے اور فقط معنوی مراد کو درست قرار دیا جائے (نیز) آپؐ نے فرمایا، کہ مہینہ تیس دن کا (بھی) ہے اور مہینہ انتیس کا (بھی) ہے۔ اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن مکمل کرو اور کہ رمضان سے قبل روزے مت رکھو (بلکہ) چاند دیکھ کر روزے رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو لیکن اگر ابر کا ٹکڑا رکاوٹ بن جائے تو تیس (دن) مکمل کرو۔

اور فرمایا: رمضان کا (روزے رکھ کر) استقبال نہ کرو۔ ایک لفظ یہ بھی ہے کہ رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن قبل روزے مت رکھو، ہاں ایسا آدمی جو پہلے سے روزے رکھتا چلا آرہا ہے وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یوم غیم (بادل کا دن) اس نہی میں داخل ہے۔ مرفوعاً حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ " رمضان سے قبل (اس کے استقبال کے لئے) روزے مت رکھو (بلکہ) اسے دیکھ کر روزے رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو۔ اگر ان کے درمیان بادل آڑ بن جائے تو تیس دن پورے کرو۔ (صحیح ابن حبانؒ)

اگر چاند میں شک ہو جائے تو؟

اور حضرت سماکؒ نے حضرت عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ ہلال رمضان کے دیکھنے میں لوگوں کو شک ہوا۔ بعض نے کہا کہ آج (روزہ) ہے اور بعض نے کہا کہ کل ہوگا۔ چنانچہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتانے لگا کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ

کے رسول ہیں) کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں بے شک دیتا ہوں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے لوگوں میں منادی کرا دی کہ روزے رکھو، پھر فرمایا کہ اسے دیکھ کر روزے رکھو اور اسے دیکھ کر ہی افطار کرو۔ اگر تم پر بادل چھا جائیں تو تیس دن کا اندازہ کر لو۔ پھر روزے رکھو اور اس سے قبل ایک دن کا روزہ مت رکھو۔

یہ تمام احادیث صحیح ہیں، بعض روایات صحیحین میں ہیں اور بعض صحیح ابن حبان ؒ حاکم وغیرہ میں ہیں۔ اگرچہ بعض کو معلول قرار دیا گیا ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی صحت استدلال معلول نہیں رہتی۔ اگر کہا جائے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ بن مالک، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص، حکم رضی اللہ عنہ بن ایوب غفاری عائشہ رضی اللہ عنہا، اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر نے آپ کے خلاف کیوں کہا؟ نیز سالم ؒ بن عبداللہ، مجاہد ؒ، طاؤس ؒ، ابوعثمان نہدی ؒ، مطرف بن شخیر ؒ، میمون بن مہران ؒ، بکر بن عبداللہ مزنی نے کیوں مخالفت کی؟ نیز اہلِ حدیث و سنت کے امام احمد بن حنبل ؒ نے کیسے مخالفت کی؟

اب ہم ان ائمہ کرام کے مستند اقوال پیش کرتے ہیں۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں انہیں ثوبان سے انہیں اپنے والد سے انہیں مکحول ؒ سے روایت پہنچی کہ جب چاند رات کو آسمان پر ابر ہوتا۔ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روزہ رکھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ یہ رمضان پر تقدم نہیں ہے بلکہ تحری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق شافعی ؒ نے بتایا کہ انہیں عبدالعزیز بن محمد وراوردی نے انہیں محمد عبداللہ عمرو بن عثمان سے انہوں نے اپنی والدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فرمایا کہ میں شعبان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کو رمضان کے مہینہ میں افطار کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور دوست ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو کتاب عبدالرزاق میں ہے کہ ہمیں معمر سے انہیں ایوب سے ابن عمر کے متعلق روایت پہنچی کہ جب بادل ہوتا تو وہ صبح کو روزہ سے ہوتے اور اگر بادل نہ ہوتا تو افطار کر لیتے اور

صحیحین میں ان سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اسے (چاند کو) دیکھو تو روزہ رکھو اور جب اسے دیکھ لو تو افطار کرو۔ اور اگر بادل چھا جائیں تو اس مہینہ کو مکمل کرو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نافع کی روایت سے مزید بتایا ہے کہ جب شعبان کی انتیس تاریخ ہوتی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کسی کو (چاند) دیکھنے کے لئے بھیجتے۔ اگر وہ دیکھ لیتا تو وہی بات ہوتی اور اگر نہ دیکھتے اور نہ بادل آڑے آتا تو آپ صبح کو افطار کرتے اور اگر بادل وغیرہ سامنے ہوتا تو صبح کو روزہ رکھتے۔

اقوال متعددہ ومختلفہ رہی حضرت انس والی روایت تو امام صاحب نے فرمایا ہمیں اسمٰعیل بن ابراہیم نے انہیں یحییٰ بن ابی اسحٰق نے بتایا کہ میں نے ظہر یا اس کے قریب چاند دیکھا، تو لوگوں نے روزہ کھول لیا۔ چنانچہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں چاند دیکھنے اور لوگوں کے افطار کرنے کی خبر دی۔ وہ فرمانے لگے یہ میرے لیے اکتیسواں دن مکمل کرے گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ حکم رحمہ اللہ بن ایوب نے لوگوں کے روزے سے قبل میرے پاس پیغام بھیجا کہ میں کل روزہ رکھوں گا۔ چنانچہ میں نے ان کی مخالفت کرنا پسند نہ کیا اور روزہ رکھ لیا (اس لئے) آج میں (اپنا روزہ) رات تک مکمل کروں گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ہے: احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں مغیرہ رحمہ اللہ نے انہیں سعید رحمہ اللہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انہیں مکحول اور ابن حلبس نے بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں شعبان کے مہینہ کا روزہ رکھنے کو رمضان کے مہینہ میں افطار کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے متعلق یہ ہے: احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں زید بن حباب نے انہیں ابن لہیعہ سے انہیں عبداللہ بن ہبیرہ سے انہیں عمرو بن عاص کے متعلق روایت پہنچی کہ وہ رمضان کے مشکوک دن کا روزہ اکٹھا کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ہے کہ ہم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ اگر میں رمضان کے مہینہ میں ایک دن کی عجلت کر لوں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اس میں ایک دن کی تاخیر کر لوں، کیونکہ جب میں عجلت کروں گا تو اس میں سے (ایک روزہ بھی) فوت

نہ ہوگا۔ اور اگر دیر کر دی تو فوت ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ ہے کہ سعیدؒ بن منصور نے فرمایا، ہمیں ابو عوانہ سے انہیں یزید بن جبیرؒ سے انہیں اس قاصد سے خبر ملی جو رمضان کے مشکوک دن میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ شعبان میں روزہ رکھنا مجھے رمضان میں افطار کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے متعلق مروی ہے کہ سعیدؒ (مذکور) نے بتایا کہ ہمیں یعقوب بن عبد الرحمٰن سے انہیں ہشامؒ بن عروہ سے انہیں فاطمہؓ بنت منذرؓ سے خبر ملی کہ جب کبھی بھی رمضان کی ابتداء میں بادل چھا جاتے تو حضرت اسماءؓ ایک دن قبل روزہ شروع کرتیں اور تقدم کرنے کا حکم بھی فرماتیں۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں روح بن عبادہ انہیں حماد بن سلمۃ سے انہیں ہشام بن عروۃ سے انہیں فاطمہ سے انہیں اسماءؓ سے روایت ملی کہ (حضرت اسماءؓ) رمضان کے مشکوک دن کا روزہ رکھا کرتی تھیں۔

جس قدر اقوال ہم نے احمدؒ کی سند سے لکھے ہیں۔ یہ مسائل فضل بن زیادہ سے ہیں اور اثرمؒ کی روایت میں ہے کہ جب آسمان پر بادل یا کوئی دوسری بات ہوتی تو صبح کو روزہ رکھتے اور اگر آسمان پر کوئی ایسی بات (چاند دیکھنے میں رکاوٹ) نہ ہوتی تو صبح کو افطار کرتے۔ اسی طرح ان کے دونوں بیٹوں صالح اور عبد اللہ نے مروزی اور فضل بن زیاد وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ اقوال و آثارِ صحابہؓ میں کوئی ایسا صریح اثر نہیں جس میں وجوب پایا جائے۔ یہاں تک کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف قرار دیا جائے بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ احتیاطی قسم کا روزہ منقول ہے اور حضرت انسؓ سے تو صراحتًا منقول ہے کہ انہوں نے امراء (حکام) کی مخالفت سے کراہت کے سبب روزہ رکھا ہے۔ اسی وجہ سے امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا کہ لوگ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے سلسلہ میں امام (حاکم) کے اتباع ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی نصوص ہم بیان کر چکے ہیں۔ نیز ان کا قول جس سے ثابت

ہوتا ہے کہ یوم غیم (بادل والے دن) کا روزہ واجب نہیں اور نہ حرام ہے۔ بلکہ جس نے افطار کیا اس نے جواز سے فائدہ اٹھایا اور جس نے روزہ رکھا اس نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا دوسرے یہ کہ بعض صحابہؓ اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اور بعض نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا روزہ اس مہینہ میں واضح اور صریح تر ہے ابن عبدالبر نے اسے نقل کیا اور طاؤسؒ یمانی اور احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی خیال ہے۔

اور حضرت عائشہؓ و اسماءؓ جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادیاں تھیں۔ ان کا بھی یہی خیال ہے اور میں نہیں جانتا کہ ان کے علاوہ کوئی بھی حضرت ابن عمرؓ کے مذہب کی طرف گیا ہے اور حضرت عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہم نے مشکوک دن کا روزہ مکروہ بتایا گیا ہے۔

شعبان کا آخری نفلی روزہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی، عمر، عمار، حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ شعبان کا آخری نفلی روزہ ممنوع ہے۔ اس کے متعلق حضرت عمارؓ کا قول ہے کہ جس نے مشکوک دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ رہا یوم غیم کا روزہ تو یہ احتیاطی طور پر ہے اس لئے کہ اگر یہ رمضان میں سے ہے تو فرض ہے، ورنہ نفلی ہے۔ چنانچہ صحابہؓ کے مرویات کا مطلب اس کا جواز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ بھی ویسا ہی کرتے تھے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے کہ جب شعبان (کے آخری دن) بادل چھا جاتا تو آپ تیس دن مکمل کرتے، پھر روزہ رکھتے اور ان کی روایت کو ان کے فعل کی وجہ سے روک دیا گیا، اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتیں اور ان کے روزے کو حدیث کے معلول ہونے کا سبب قرار دیا حالانکہ مسئلہ اسی طرح نہیں۔ کیونکہ (حضرت عائشہؓ) نے واجب سمجھ کر روزہ نہیں رکھا بلکہ انہوں نے تو احتیاطاً رکھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و امر سے یہ سمجھا کہ روزے صرف مدت (ماہ) مکمل ہونے پر واجب ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ اور ابن عمرؓ نے یہ نہیں سمجھا کہ سرے سے یہ جائز ہی نہیں ہیں یہ بحث اس مسئلہ میں سب

سے زیادہ معتدل ہے اور اسی پر تمام احادیث و آثار جمع ہو سکتے ہیں۔
اور معمرؒ کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جو انہیں ایوب سے انہیں نافع سے انہیں ابن عمرؓ سے پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال رمضان کے متعلق فرمایا کہ جب تم اسے دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب دیکھ لو تو افطار کرو اور اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن مکمل کر لو اور ابن ابی داؤدؒ نے نافعؒ سے نقل کیا کہ اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن کی مدت مکمل کرو اور مالک و عبید اللہ نے نافع سے روایت کیا کہ اس کا اندازہ کر لو۔ اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حدیث کا مطلب تیس دن مکمل کرنے کا وجوب نہیں بلکہ جواز سمجھا۔ اس طرح جب انہوں نے تیسویں دن کا روزہ رکھا تو گویا دو جائز کاموں میں احتیاطاً ایک (جائز) کام کیا۔

ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے خلافیات

اور حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو (رمضان کے) مہینہ کا ایک یا دو دن پہلے سے (استقبال) کرتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔ گویا (حضرت عباسؓ) ابن عمرؓ کا انکار کر رہے ہیں اور یہ دونوں صحابہؓ ایسے ہی تھے۔ ایک قدرے تشدد کی طرف مائل تھے۔ اور دوسرے رخصت کی طرف مائل تھے اور یہی صورتِ حال دوسرے مسائل میں بھی جاری تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشدد کے باعث بعض ایسے امور کے بھی پابند تھے دیگر صحابہؓ جن کے موافق نہ تھے۔ آپ وضو میں آنکھوں کا اندرونی حصہ بھی دھوتے تھے یہاں تک کہ اس وجہ سے نابینا بھی ہو گئے اور جب آپ سر کا مسح کرتے تو کانوں کے لیے نیا پانی لیتے اور حمام میں جانے سے منع فرماتے اور جب داخل ہوتے تو اس کے بعد غسل کرتے۔ (دوسری طرف) حضرت ابن عباسؓ حمام میں جاتے (اور حضرت ابن عمرؓ) دو ضربات سے تیمم کرتے۔ ایک چہرے کے لیے اور ایک کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے اور ایک ہی ضرب پر اکتفا نہ کرتے۔ اور نہ ہتھیلیوں پر اور حضرت ابن عباسؓ ان کے خلاف کرتے۔ کہا کرتے کہ تیمم میں چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ایک ہی ضرب ہو گی۔

نیز حضرت ابنِ عمرؓ عورت کا بوسہ لینے پر وضو ضروری سمجھتے اور اس کا فتویٰ بھی دیتے اور جب آپ اپنے بچوں کا بوسہ لیتے تو کلی کرتے پھر نماز پڑھتے اور حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں (بیوی) کا بوسہ لیا ہے یا میں نے خوشبو سونگھی ہے (یعنی اُن کے نزدیک اس پر وضو نہ کرنا پڑتا) نیز (حضرت ابن عمرؓ) حکم دیا کرتے کہ جسے نماز کی حالت میں یاد آجاتے کہ اس پر فوت شدہ نماز کی قضا باقی ہے۔ نماز ختم کرے، پھر فوت شدہ نماز ادا کرے، پھر جس نماز میں مشغول تھا اس کا اعادہ کرے۔ یہ مسند ابو یعلی میں مرفوع روایت ہے اور صاف تر بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً منقول ہے اور صحیح نہیں اور بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع طور پر مروی ہے۔

الغرض حضرت ابن عمرؓ تشدد و احتیاط کے طریقہ پر چلا کرتے تھے اور معمر نے حضرت ایوب سے انہوں نے نافع سے انہوں نے (ابن عمر) سے روایت کیا کہ جب وہ امام کے ساتھ ایک رکعت پالیتے تو دوسری رکعت اس کے ساتھ اور ملا لیتے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو دو سجدۂ سہو کرتے۔ زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی اور نے بھی یہ کیا ہو

ایک مسلمان کی شہادت بھی کافی ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی) کہ ایک مسلمان کی شہادت پر لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور دو (مسلمانوں کی گواہی پر روزے سے خروج (افطار) کا حکم فرماتے۔

اور آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ جب وقتِ عید گزرنے کے بعد دو شاہد چاند دیکھنے کی گواہی دیتے تو آپ افطار کر دیتے اور لوگوں کو بھی افطار کا حکم فرماتے۔ لیکن عید کی نماز اگلے روز اس کے وقت پر ادا فرماتے اور آپ افطار میں جلدی کرتے، اس کی ترغیب دیتے (نیز) سحری کھاتے اور سحری کھانے کی ترغیب بھی دیتے۔ اور آپ (سحری کھانے) کو مؤخر کرتے، اس میں تاخیر کی ترغیب دیتے اور کھجور سے افطار کرنے پر آمادہ کرتے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے۔ یہ امت پر کمال شفقت و نصیحت کے باعث تھا۔ کیونکہ خلوئے

معدہ میں میٹھی چیز کو طبیعت زیادہ قبول کرتی ہے اور اس سے کافی فائدہ بھی ہوتا ہے۔ خصوصًا بصارت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور مدینہ کی میٹھی کھجور ہی ان کے ہاں غذا بھی ہے، خشک اور تر کھجور ان کے ہاں پھل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اور پانی کا معاملہ یوں ہے کہ روزے کے باعث جگر میں خشکی ہوجاتی ہے اور جب پانی سے اس کو مرطوب کیا جائے گا تو اس کے بعد غذا سے اس کا فائدہ مکمل ہوگا۔ یہی وجہ کہ بھوکے پیاسے کو چاہیئے کہ کھانے سے قبل تھوڑا سا پانی پی لے۔ پھر اس کے بعد کھانا کھائیے۔ اس کے علاوہ پانی اور کھجوریں اصلاح قلب کے لئے کافی مفید ہوتے ہیں۔ جنہیں ماہرین قلب جانتے ہیں۔

افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرنی چاہیئے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) پڑھنے سے قبل افطار کیا کرتے تھے۔ اور اگر تر کھجوریں مل جاتیں تو ان سے افطار فرماتے اگر نہ ملتیں تو خشک کھجوروں سے افطار کر لیتے۔ اگر وہ بھی نہ ملتیں تو پانی کے چند گھونٹوں سے ہی افطار کر لیا کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ افطار کے وقت یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم لك صمت وعلیٰ رزقك افطرت فتقبل منا انك انت السمیع العلیم

یعنی: "اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا پس اسے ہماری طرف سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے"

نیز آپ سے یہ دعا بھی مروی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: اللھم لك صمت وعلیٰ رزقك افطرت۔

یعنی "اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا"۔

اور ابوداؤد نے حضرت معاذ بن زہرہ سے روایت کیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہی (مذکورہ دعا) پڑھا کرتے تھے اور مروی ہے کہ جب آپ افطار کر لیتے تو یہ دعا پڑھتے

ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یعنی پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

اور حسین بن واقدہ کی حدیث میں حضرت مروان بن سالم مقنع سے انھوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ روزے دار کی ایک دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی (ابن ماجہ)

اور صحیح روایت میں آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب رات اس قدر ہو جائے اور دن اس قدر چلا جائے تو (گویا) روزے دار کا افطار ہوگیا۔ اس کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ حکمی طور پر اسی کا افطار ہوگیا۔ اگرچہ اس کی نیت نہ کرے (دوسری تفسیر یہ ہے) کہ وقتِ افطار ہوگیا جیسا کہ کہتے ہیں. صبح ہوئی شام ہوئی وغیرہ۔

اور روزے دار کو آپ گندی باتیں کرنے، سختی برتنے، دشنام طرازی اور گالیوں کا جواب دینے سے منع فرماتے تھے۔ بلکہ آپ حکم فرماتے کہ جو گالی دے اس سے کہہ دو میں روزے سے ہوں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ بات زبان سے کہے یہ ظاہر حدیث کا مطلب ہے اور ایک قول ہے کہ دل میں کہے اور اپنے کو یاد دلائے کہ میں روزہ سے ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ فرض روزہ میں زبان سے کہے اور نفلی روزہ ہو تو دل میں کہے، کیونکہ یہ صورت ریاکاری سے دور ہے۔

سفر میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی رخصت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا تو حالت سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی افطار کیا اور صحابہؓ نے بھی دونوں طریقوں کو اختیار فرمایا (نیز) جب دشمن قریب ہوتا تو آپ افطار کا حکم فرماتے تاکہ جنگ کرنے میں انہیں قوت حاصل ہو۔

دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے قوت حاصل کرنے کی خاطر افطار کرنا جائز ہے۔ اس میں دو قول ہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ ابن تیمیہؒ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

چنانچہ جب دمشق کے باہر افواج اسلامی کو دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا تو انہوں نے

اس کا فتویٰ دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ محض سفر کے لئے افطار کرنے سے یہ افطار اولیٰ ہے۔ بلکہ سفر کی حالت میں افطار کو مباح قرار دینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ حالتِ (جنگ) میں بھی افطار مباح ہے۔ کیونکہ اس حالت میں زیادہ استحقاق جواز ہے۔ کیونکہ سفر میں صرف مسافر سے قوت مختص ہے لیکن جنگ میں اس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے (قوت مطلوب) ہے اور سفر کی تکلیف جہاد کی مشقت زیادہ سخت ہے اور مسافر کے افطار سے مجاہد کا افطار زیادہ مصالح اور فوائد کا حامل ہوتا ہے۔

(نیز) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ

یعنی دشمن کے مقابلہ میں جس قدر استطاعت ہو قوت مہیا کر لو۔

اور جنگ کے وقت اسباب قوت میں سے افطار ایک عظیم قوت کا باعث ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازی کو قوت قرار دیا اور یہ مقصد تب ہی ہو سکتا ہے جب غذا اور افطار کے ذریعہ قوت و تعاون حاصل ہو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ایک مرتبہ حکم فرمایا: جب وہ دشمن کے قریب ہو چکے تھے۔

"تم اپنے دشمن کے قریب پہنچ چکے ہو۔ اس لئے افطار کر لو، تمہیں قوت حاصل رہے گی"

یہ رخصت تھی، پھر دوسری جگہ اُترے تو فرمایا:

"تم کل صبح دشمن کا مقابلہ کرو گے اور افطار تمہارے لئے قوت کا باعث ہو گا۔ اس لئے افطار کر لو"

چونکہ یہ ایک مقامِ جنگ تھا اس لئے آپؐ نے دشمن کے قریب ہونے اور قوت کی احتیاج کو سبب قرار دیا۔ جس کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کرنا مقصود ہے۔ سفر اگرچہ ایک سبب تھا لیکن یہ سفر کے علاوہ ایک دوسرا مستقل سبب تھا اور اسی پر عیسیٰ بن

یونس کی روایت روشنی ڈالتی ہے جو انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عمرو بن دینار سے روایت کی۔ فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فرماتے سنا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ آج قتال کا دن ہے۔ اس لئے افطار کرو، سعید بن ربیع نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ قتال کو اس افطار کی علت قرار دیا۔

اور جب جہاد کے علاوہ محض سفر ہی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رخصت ہے جو اس کے مطابق کرے تو اچھا ہے۔ اور جو روزہ رکھنا چاہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

ماہِ رمضان میں جہاد و سفر

سفر شروع کرتے ہی مجاہد اور مسافر کے لئے سہولت

غزوہ بدر اور فتح مکہ رمضان میں — آپؐ نے ماہ رمضان میں بہ سلسلہ جہاد و غزوات کئی مرتبہ سفر فرمایا، ان میں سب سے بڑا غزوہ بدر، اور غزوہ فتح مکہ تھا۔

حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ ہم رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ دو غزدوں میں شریک ہوئے۔ یوم بدر اور فتح مکہ میں۔ چنانچہ ہم نے دونوں میں افطار کیا۔ اور جو دار قطنیؒ وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بتایا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رمضان شریف میں عمرہ کے لئے (حدیث) تو یہ ان کے خلاف غلط بیانی ہے اور یہی اصل واقعہ ہے، یا یہ ہوگا کہ کوئی روایت ان سے مروی ہوگی بعد میں اس میں گڑبڑ ہوگئی جس طرح حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں تصرف ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے رجب میں عمرہ کیا (تو حضرت عائشہؓ) نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی عمرہ کیا وہ بھی آپ کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور حضورؐ نے کبھی بھی رجب میں عمرہ نہیں کیا۔

اس طرح آپ کے تمام عمرے ذی قعدہ میں تھے۔ ماہِ رمضان میں آپ نے کبھی عمرہ نہیں کیا۔

سفر کی حد نہ مقرر کرنا چاہیئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت طیبہ یہ نہ تھی کہ سفر کی حد مقرر کریں جس کے مطابق روزے دار افطار کرے اور نہ آپ سے اس باب میں کچھ صحیح طور پر مروی ہے اور دحیہ بن خلیفہ کلبی نے تین میل کے سفر پر بھی افطار کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے روزہ رکھا ان سے کہہ کر یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے اعراض کر گئے۔

اور صحابہؓ جب سفر اختیار کرتے تو مکانات سے (مقامی آبادی) گزرے بغیر ہی افطار کر دیتے۔ اور فرماتے کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت و عادات طیبہ تھی، جس طرح عبید بن جبیر نے بتایا کہ رمضان کے مہینہ میں فسطاط سے میں ابوبصرہؓ غفاری کے ساتھ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی تھے ایک کشتی میں سوار ہوا ابھی ہم آبادی سے ہٹے نہ تھے کہ انہوں نے دستر خوان بچھا دیا اور فرمایا آؤ (کھانا کھاؤ) میں نے عرض کیا کیا آپ آبادی نہیں دیکھتے۔

حضرت ابوبصرہؓ نے فرمایا، کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے اعراض کرتا ہے؟ (ابو داؤد مسند احمد)

اور مسند احمدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ میں فسطاط سے اسکندریہ جانے کے لیے ابوبصرہؓ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا۔ جب ہم لنگر گاہ (بندرگاہ) کے قریب ہوئے تو انہوں نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ میں پاس آیا تو مجھے کھانے کی دعوت دی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ میں نے کہا اے ابوبصرہ اللہ کی قسم ابھی تو ہم سے ہمارے مکانات بھی اوجھل نہیں ہوئے۔ وہ کہنے لگے، کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت سے اعراض کرنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا، نہیں! کہنے لگے، پھر کھاؤ۔

راوی کا قول ہے کہ پھر ہم (منزل) پر پہنچنے تک افطاری کرتے رہے۔
اور محمد بن کعب بتاتے ہیں، میں رمضان میں حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کا ارادہ کر رہے تھے، ان کی سواری چل پڑی تھی اور لباسِ سفر پہن چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کھانا منگایا اور کھایا میں نے عرض کیا، یہ سنّت ہے۔
کہنے لگے (ہاں) سنت ہے۔
پھر سوار ہوئے، ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ دار قطنیؒ نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ (کھانا) کھایا اور (اس وقت) سورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ یہ آثار اس مسئلہ میں واضح تر ہیں کہ جو ماہ رمضان میں کسی دن سفر کا ارادہ کرے تو اسے افطار کرنے کی پوری اجازت ہے۔

جنبی کے لئے رعایت و سہولت

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ اگر آپؐ جنبی ہوتے اور فجر کا وقت آجاتا تو فجر (طلوع ہو جانے کے بعد) غسل فرماتے، اور روزہ بھی رکھ لیتے، اور رمضان میں بہ حالت صوم تقبیل بھی کر لیتے۔ وہی وہ بات جو ابو داؤدؒ نے مصدع بن یحییٰ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے اور ان کی زبان چوس لیتے۔

اس حدیث کی سند پر جرح

اس حدیث میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے مصدع کو ضعیف[1] قرار دیا ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ یہ راستہ سے ہٹا ہوا اور کھوٹا ہے۔

---

[1] علمائے حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے اس حدیث کو یکسر غلط بتایا ہے۔ اس طرح کی حدیثیں ان لوگوں نے وضع کر لی تھیں جو مسلمانوں کے نام رکھ کر دشمنیٔ اسلام اور اسلام کے خلاف معروف عمل رہتے تھے۔ (رئیس احمد جعفری)

ایک گروہ نے اسے حسن کہا ہے اور بتایا ہے کہ ثقہ اور صدوق ہے۔ مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس سے روایت قبول کی ہے (نیز) اس کے اسناد میں محمد بن دینار طاحی بصری ہے، اس شخص کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ یحییٰ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اسے لیس بہ باس کہتے ہیں۔ دوسروں نے اسے صدوق قرار دیا۔ ابن عدی کہتے ہیں (روایت کا یہ حصّہ) کہ آپ ان کی زبان چوس لیتے تھے۔ صرف محمد بن دینار سے ہی مروی ہے۔ نیز اس کے اسناد میں سعد بن اوس مختلف فیہ راوی ہے۔ یحییٰ بصری اسے ضعیف بتاتے ہیں۔ دوسروں نے اسے ثقہ قرار دیا، ابن حبان اسے ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ ایک روایت میں جو مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں میمونہؓ سے مروی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آزاد کردہ لونڈی تھیں بتاتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا اور وہ دونوں روزے سے تھے، تو اس حالت میں کیا کیا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، دونوں کا افطار ہو گیا (روزہ ٹوٹ گیا) لیکن اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت صحیح نہیں۔ اس میں ابویزید ضنی ہے جس نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی۔ اور یہ (مروی سنہ) بنت سعد ہیں۔ دارقطنی فرماتے ہیں یہ غیر معروف ہے۔ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں اس سے روایت نہیں کرتا۔ یہ حدیث منکر ہے۔ اور ابویزید مجہول ہے اور جوان اور بوڑھے میں آپ سے کوئی امتیاز صحیح سند سے مروی نہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے بہتر ابوداؤد کی روایت ہے جو انہوں نے نصر بن علی سے انہوں نے احمد زبیری سے انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے اعرجؒ سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روزے دار کی مباشرت (بوس و کنار وغیرہ فقط) کے متعلق پوچھا، آپ نے اسے اجازت دی، پھر دوسرے نے پوچھا تو آپ نے منع فرمایا، جسے رخصت دی وہ بوڑھا تھا۔ اور جسے روکا وہ جوان تھا۔ اور اگرچہ بخاری و مسلم اور باقی صحاح ستہ نے اسرائیل

سے استدلال کیا ہے لیکن اس حدیث میں علت یہ ہے کہ اس کے اور اعرج کے درمیان ابوالعبس عدوی کوئی ہے، جس کا نام حارث بن عبید ہے اور یہ ساکت عنہ راوی ہے۔

بھول چوک سے کھانا پینا روزے کو قائم رکھتا ہے

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ بھول کر کھانے پینے والے سے قضاء ساقط کر دیتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلایا ہے اس لئے یہ خورد و نوش اس کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ وہ افطار کر دے بلکہ وہ اپنے (ارادی) افعال سے مفطر قرار دیا جائے گا اور یہ نیند میں خورد و نوش کے قائم مقام ہو گا کیونکہ سونے والے کے افعال پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا، اور نہ بھول کر (کھانے والے پر مواخذہ ہو گا)۔

حالت صوم میں آپ کے معمولات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت یہی ہے کہ روزے دار کے لیے کھانا پینا، اور پچھنے لگوانا، قے کرنا، روزے کو باقی نہیں رکھتا اور قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ جماع کرنا بھی کھانے پینے کی طرح مفطر ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اور سرمہ لگانے سے متعلق آپ سے کوئی صحیح روایت مروی نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ آپ روزے کی حالت میں مسواک کیا کرتے تھے۔ امام احمدؒ نے آپ سے نقل کیا کہ آپ روزے کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈال لیا کرتے تھے اور کلی کرتے ناک میں پانی ڈالتے، حالانکہ آپ کا روزہ ہوتا۔ البتہ روزے دار کو ناک میں مبالغہ سے پانی ڈالنے سے روکا گیا ہے۔ البتہ آپؐ نے روزہ کی حالت میں پچھنے نہیں لگوائے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ یحییٰ بن سعید نے بتایا کہ شعبہ سمجھتے تھے کہ حکمؒ نے روزوں میں پچھنے لگوانے کی حدیث مقسم سے نہیں سنی، یعنی وہ حدیث جو سعید سے، انہوں نے حکم سے، انہوں نے مقسم سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے اور احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے"، تو بتایا

کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ یحییٰ بن سعید انصاری نے اسے منکر کہا ہے اور میمون بن مہران کی ابن عباس سے قریباً پندرہ مرویات ہیں اور اثرمؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے اس حدیث کا ذکر سنا، لیکن وہ اس کی تضعیف فرمایا کرتے تھے۔ اور زکریا بن اسحٰق سے مروی ہے کہ انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عطاء اور طاؤس سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حالتِ احرام میں پچھنے لگوائے۔ اور ابن عباسؓ کے یہ اصحاب اس کا ذکر نہیں کرتے کہ آپؐ روزے سے تھے اور حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو عبداللہ نے انہیں وکیع نے انہیں یاسین زیارت نے انہیں ایک آدمی نے انہیں حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے رمضان میں یہ فرمانے کے بعد پچھنے لگوائے کہ پچھنے لگانے والا اور پچھنے لگوانے والا دونوں کا (روزہ) ٹوٹ گیا۔

ابو عبداللہ کہتے ہیں وہ آدمی میرا خیال ہے کہ ابان بن ابی عیاش تھے، جن سے استدلال ٹھیک نہیں اور اثرمؒ کہتے ہیں، میں نے ابو عبداللہ سے کہا۔ محمد بن معاویہ نیشاپوری نے ابو عوانہ سے انہوں نے سوی سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے، تو ابو عبداللہ نے اس کا انکار کیا اور اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پانچ وجوہ سے ثابت ہے۔ الغرض یہ صحیح طور پر ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے اور نہ صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے دن کے آغاز یا انتہاء پر روزے دار کو مسواک کرنے سے منع فرمایا ہو۔ بلکہ اس کے خلاف ہی مروی ہے۔ اور آپؐ سے منقول ہے کہ روزے کی بہترین فضائل ہی سے مسواک ہے (ابن ماجہ میں یہ حدیث مجالد لیکن اس میں ضعف ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپؐ نے روزے میں سرمہ لگایا، نیز آپؐ سے مروی ہے آپؐ (صحابہؓ) کے پاس تشریف

لائے اور آپؐ کی دونوں آنکھیں اثمد سرمہ کی قسم سے بھری تھیں، لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اور آپ سے اثمد کے متعلق مروی ہے کہ روزے دار اس سے پرہیز رکھے، یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یحیٰی بن معین نے بتایا کہ یہ حدیث منکر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ روزوں میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تو کہا جاتا کہ آپ افطار نہ کریں گے اور کبھی افطار کرتے تو کہا جاتا کہ آپ روزے نہ رکھیں گے اور رمضان کے علاوہ آپ نے کبھی بھی مکمل مہینے کے روزے نہیں رکھے اور شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا رویہ ہے۔ اور رجب میں آپ بالکل روزے نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کے روزے مستحب سمجھتے تھے، بلکہ آپؐ سے اس ماہ کے روزوں کی نہی (ممانعت) منقول ہے۔

(ابن ماجہ)

آپؐ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کی زیادہ تر کوشش کرتے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر میں ایام بیض کے روزے افطار نہ کرتے (نسائی)

اور آپ ان روزوں کی ترغیب دیا کرتے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین سفید دنوں (ایام بیض) کے روزے رکھا کرتے تھے (ابوداؤد، نسائی)

اور حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ حضورؐ اس کی پرواہ نہ کرتے کہ کس ماہ کے روزے رکھے (مسلم)

ان آثار میں کوئی تناقض نہیں۔ رہے ذوالحجہ کے دس روزے تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو ان میں دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (مسلم)

اور حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں ، چار چیزوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کبھی ترک نہ فرماتے (۱) یوم عاشورہ (۲) دس دن (۳) اور ہر ماہ کے تین دنوں کے روزے ۴ - اور فجر کی دو رکعتیں (مسند امام احمدؒ)

اور امام احمد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی کسی بیوی سے روایت کیا کہ آپ ذی الحجہ کے نو روزے ، عاشورا اور مہینہ کے تین دنوں کے روزے یا مہینہ میں دو اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے - ایک میں آیا ہے دو جمعراتوں کے روزے رکھا کرتے ، یہ روایت اگر صحیح ہو تو بھی مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے -

رہے شوال کے چھ روزے تو آپ سے صحیح روایت میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ، رمضان کے فوراً بعد یہ روزے رکھنا ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے -

رہا عاشورہ کا روزہ ، تو آپ تمام ایام میں سے اس کا زیادہ خیال رکھتے تھے -

عاشورا کا روزہ

صوم عاشورا کے متعلق آپؐ کا فرمان

صحابہؓ کو عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں اور اس دن کی عظمت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم سے زیادہ ہم موسٰی علیہ السلام کے حقدار ہیں، چنانچہ آپؐ نے روزہ رکھا اور صحابہؓ کو روزے کا حکم دیا۔

یہ واقعہ رمضان کے فرض ہونے سے قبل کا ہے، اس لئے جب رمضان فرض ہوا، تو آپؐ نے فرمایا! جس کا جی چاہے روزہ (عاشوراء کا) رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

بعض لوگوں کو اس میں اشکال ہو گیا ہے۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بہ ماہ ربیع الاوّل تشریف لائے، اس لئے ابن عباسؓ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا وہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔

(۲) اس سلسلہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو صحیحین میں مروی ہے کہ اشعث بن قیس حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئے وہ کھانا کھا رہے تھے تو انھوں نے کہا ابو محمد آؤ کھانا کھالو۔ انھوں نے کہا کیا آج یوم عاشوراء نہیں ہے؟ انھوں نے دریافت کیا تم جانتے ہو کہ یوم عاشوراء کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، کیا ہوتا ہے بتائیے؟

فرمایا، رمضان کے فرض ہونے سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن

روزہ رکھا کرتے تھے اور جب رمضان (کی فرضیت نازل ہوگئی تو آپ نے اسے ترک کر دیا
اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورا کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا، تو عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول اس دن کی یہود و نصاریٰ بہت عزت کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اگلا سال آئے گا تو ہم انشاء اللہ نو تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے، لیکن اگلا سال آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کا روزہ رکھنا اور اس کا حکم دینا وفات سے ایک برس پہلے کا واقعہ ہے۔

عاشوراء کا روزہ فرض نہیں ہے

اور سابق حدیث میں یہ تھا کہ یہ واقعہ آپؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے (اوائل کا ہے) نیز حضرت ابن مسعودؓ نے بتایا۔ رمضان کے باعث یوم عاشوراء کا روزہ متروک ہوا۔ یہ ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت کے خلاف ہے اور یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ آپؐ نے اس کی فرضیت ترک کر دی۔ کیونکہ صحیحین میں حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرض نہ تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ یہ عاشوراء کا دن ہے، اللہ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا، البتہ میں روزہ سے ہوں، جس کا جی چاہے روزہ رکھ لے اور جس کا جی چاہے افطار کرے، لیکن ظاہر ہے کہ امیر معاویہؓ نے اسے فتح مکہؐ کے بعد ہی سنا ہوگا، کیونکہ فتح کے بعد ہی وہ ایمان لائے تھے۔

ایک اور اشکال بھی ہے وہ یہ کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہود و نصاریٰ اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ ضرور رکھوں گا، لیکن اگلا سال جب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔

نیز صحیح مسلم میں حکم بن الاعرج سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا وہ زمزم کے پاس اپنی چادر کا تکیہ بنا کر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

میں نے عرض کیا مجھے یوم عاشورا کے روزہ سے متعلق بتائیے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر تم محرم کا چاند دیکھو تو نو تاریخ تک شمار کرو، اور نو تاریخ کی صبح کا روزہ رکھ لو۔

میں نے پوچھا کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح روزہ رکھا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں۔(۵) ایک اور اشکال بھی ہے وہ یہ کہ اگر اسلام کی ابتداء میں یہ روزہ واجب اور فرض ہوتا، تو آپؐ اس کی قضا کا حکم کیوں نہ دیتے جو رات کو بغیر نیت کئے سو گیا ہو؟ اور اگر فرض نہیں تھا تو آپؐ نے ان لوگوں کو روزہ رکھ لینے کا حکم کیوں دیا جو کھانا کھا چکے تھے؟ جیسا کہ مسند اور سنن میں کئی وجوہ سے منقول ہے کہ جس نے کھانا کھا لیا ہے آپؐ نے اسے حکم دیا کہ باقی دن کا (روزہ) بھی مکمل کرلے۔ یہ صورت تو واجب میں ہی ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا ابن مسعودؓ کا قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی۔ تو آپؐ نے عاشورا کا روزہ ترک کر دیا۔ حالانکہ اس کا استحباب تو متروک نہیں ہو سکتا

ایک اور اشکال بھی ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے نو تاریخ کو یوم عاشوراء قرار دیا اور بتایا کہ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے اور انہی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "یوم عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو" (اس طرح کہ ایک روز اسی سے پہلے اور ایک روز اس کے بعد بھی روزہ رکھو (مسند احمدؒ) اور انہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ عاشوراء کا روزہ دس تاریخ کا ہے (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے ان اشکالات کا جواب یہ ہے۔

پہلے اشکال کا جواب پہلا اشکال کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہود کو یوم عاشورا کا روزہ رکھتے ہوئے پایا تو اس میں یہ ذکر نہیں کہ جس دن آپ تشریف لائے اُسی دن وہ روزے سے تھے، کیوں کہ آپؐ ربیع الاوّل کے دوسرے عشرہ میں دوشنبہ کے روز تشریف لائے اور دوسرے روز جب یہ واقعہ پیش آیا تب آپؐ کو پہلی بار علم ہوا، اور قیام مکہ کے زمانہ میں آپ کو اس کا علم نہ تھا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اہل کتاب قمری تاریخوں سے روزوں کا حساب رکھتے ہوں، لیکن اگر شمشی تاریخوں سے حساب کرتے ہوں تو پھر سرے سے اشکال ہی اٹھ جاتا ہے اور جس دن موسیٰ علیہ السلام

نے نجات پائی وہ محرم کی ابتداء میں یوم عاشورا کا دن ہوگا۔ اہل کتاب نے شمسی حساب سے اسے منضبط کیا، اور اتفاق ایسا ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول میں مدینہ تشریف لائے تو یہی موقع تھا۔ کیونکہ اہل کتاب کے روزے شمسی حساب سے ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے روزے قمری حساب، اسی طرح حج کا معاملہ ہے، علاوہ ہر ماہ جس میں کوئی واجب یا مستحب ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس طرح اس دن کی عظمت و یقین میں اولیت کا حکم عیاں ہوگیا اور (یہود) نے شمسی سالوں کے باعث اس کی تعیین میں غلطی کی، جیسے کہ نصاریٰ نے اپنے روزوں کے متعلق غلطی کی کہ انھیں سال کے ایک موسم میں مختص کر دیا، جس میں مختلف مہینے آتے ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب

(۲) اشکال ثانی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قریش بھی عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھا کرتے، تو یقیناً قریش بھی اس دن کا احترام کرتے تھے اور اسی دن کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھایا کرتے اور یہ روزہ اس کی عظمت کا اکمال تھا، لیکن قریش قمری حساب سے رکھتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے دسویں تاریخ متعین کر رکھی تھی، پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو (یہود) کو دیکھا وہ بھی اس دن کی عظمت مانتے ہیں اور تقرر عظمت کے باعث اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، چنانچہ فرمایا آپ خود اس کام کے موسیٰ کے یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس دن کا روزہ رکھا تھا، تو ہم یہود سے زیادہ ان کی اقتداء کے مستحق ہیں، اور خصوصاً اس لئے بھی کہ ہم کہا کرتے ہیں۔ ہم سے پہلے کی شرائع ہماری ہیں، بشرطیکہ ہماری مخالفت نہ کریں۔

اگر کوئی اعتراض کرے تمہیں کہاں سے علم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا؟ ہم کہتے ہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہود) سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس دن نجات دی، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا

اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا اور ہم بھی (اقتداء) میں روزہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حقدار ہیں اور آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور (صحابہؓ) کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، پس ثابت ہوا کہ آپؐ نے ان کی اس بات کی تصدیق فرما دی اور تکذیب نہیں فرمائی لہٰذا معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے (اس دن کا) روزہ رکھا۔ اس قدر تعظیم کو ما قبل ہجرت کے واقعات سے ملا دیا جائے تو تاکید زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مختلف) شہروں میں منادی بھیجا، جو عاشوراء کے روزے کی منادی کرتا تھا اور (کہتا تھا) کہ جو کھا چکا وہ اب شام تک رک جاتے (یعنی روزہ مکمل کرے) اور ظاہر کلام سے یہی ثابت ہے کہ آپؐ نے اس کی تاکید کی اور واجب قرار دیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تیسرے اشکال کا جواب

(۳) اشکال ثالث یہ ہے کہ رمضان کے فرض ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جب رمضان فرض ہوا تو آپؐ نے ترک فرما دیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ نے اسے بالکل چھوڑ دیا۔ بلکہ یہ ہے کہ عاشوراء کا روزہ فرضیت رمضان سے قبل فرض تھا اور اب اس کا وجوب متروک ہو گیا۔ لیکن استحباب متروک نہیں ہوا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے ایک سال قبل ایک موقع پر جب عرض کیا گیا کہ یہود بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں اگلے برس تک زندہ رہا تو عاشوراء کے علاوہ نو تاریخ کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا اور فرمایا، یہود کے طریقہ کی مخالفت کرو، اور اس سے ایک دن قبل اور ایک دن بعد یعنی اس کے ساتھ ملا کر (دس تاریخ کا) روزہ رکھو۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ یہ آخر زمانہ کی بات ہے ورنہ شروع شروع میں تو جن معاملات میں کوئی حکم خدا کی طرف سے نہ ملتا آپؐ اہل کتاب سے توافق کو پسند فرمایا کرتے، پس معلوم ہوا کہ اس کا استحباب متروک نہیں، اور نہ جو لوگ اس روزے کو غیر واجب سمجھتے ہیں۔ ان کے قول سے دو باتوں میں ایک لازم آتی ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ اس کا استحباب

متروک ہے اور اب یہ مستحب نہیں رہا یا کہا جائے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے ہے اور ان پر اس کا استحباب مخفی رہا۔ اور یہ بعید از عقل بات ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ) کو اس کی ترغیب دی اور فرمایا، کہ عاشورا کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور صحابہؓ آپؐ کی وفات تک برابر روزہ رکھتے رہے اور آپؐ سے اس روزے کے متعلق کراہت یا نہی کا ایک حرف بھی منقول نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس روزے کا صرف وجوب متروک ہے، استحباب متروک نہیں۔

چوتھا اشکال اور اس کا جواب

(۴) چوتھا اشکال یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضرور نو تاریخ کا روزہ رکھوں گا (لیکن) آپؐ آئندہ سال فوت ہو گئے اور ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔ دونوں روایتیں ابن عباسؓ کی ہیں یہ بھی، اور وہ بھی اور ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ نو تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر اگلے سال تک زندہ رہے تو یہ بھی روزہ رکھیں گے۔ یا حضرت ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر اور آئندہ عزم پر اعتماد کرتے ہوئے بتا دیا اور مقید طور پر آپؐ سے یہ روایت درست بھی ہے۔ یعنی اگر زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اس طرح ہر ایک میں دو احتمالات ہیں۔ اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں۔

اشکالِ خامس، اس کا جواب جو گذر چکا ہے وہ کافی ہے "

اشکال سادس، قولِ ابن عباس ہے کہ "نو تاریخ تک شمار کرو اور نو کی صبح کو روزہ رکھو، اور جو شخص ابن عباس کے مجموعہ مرویات کا بہ انصاف نظر مطالعہ کرے گا، اس کے لئے یہ اشکال بے معنی ہو جائے گا اور وہ ان کی وسعت علم کا قائل ہو جائے گا، کیونکہ انھوں نے نو تاریخ کو یوم عاشورا قرار نہیں دیا، بلکہ مسائل کو بتایا کہ "نو تاریخ کا روزہ رکھو" اور مسائل کے سابقہ علم کو کافی سمجھا کہ یوم عاشورا دس تاریخ ہے جیسا کہ تمام لوگ سمجھتے ہیں، نیز مسائل کو ساتھ ساتھ نو تاریخ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپؐ نے ایسا ہی کیا ہوگا، پھر تو کوئی سوال ہی نہیں اور یا پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل میں عزم وارادہ کی بنا پر اسے آپؐ کا فعل قرار دیا ہوگا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یوم عاشورا کو یعنی دس تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا" یہ تمام آثار آپؐ سے منقول ہیں، جو ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں،

صوم عاشوراء کے تین مراتب ہیں:

۱۔ سب سے کامل ترین صورت یہ ہے کہ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی ایک ایک دن روزہ رکھے۔

۲۔ اس کے بعد یہ ہے کہ نو اور دس تاریخ کا روزہ رکھے اکثر احادیث اس پر شاہد ہیں۔

۳۔ اور اس کے بعد صرف تنہا دس تاریخ کا روزہ آتا ہے۔ رہا صرف نو تاریخ کا روزہ، تو یہ احادیث فہمی کی کمی، ان کے الفاظ اور فرق کے عدم تتبع کا نتیجہ ہے۔ اور یہ لغت شرع سے بعید ہے اور اللہ ہی صائب راہ کی توفیق دینے والا ہے۔

عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ یہ تھی کہ عرفات میں یوم عرفہ کو افطار کرتے، یہ صحیحین سے ثابت ہے۔

نیز آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

نیز آپ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ اس دن کا روزہ سال ماضیہ و باقیہ کا کفارہ ہوتا ہے۔ (مسلم)

اور عرفہ کے دن افطار کرنے کے کئی اسباب نقل کئے، ایک تو یہ کہ اس طرح دعا کرنے میں قوت رہتی ہے۔ نیز فرضی روزوں کی صورت میں بھی سفر میں افضل ہے۔ چہ جائیکہ نفلی روزے ہوں۔ نیز یہ جمعہ کا دن تھا۔ اور آپؐ نے تنہا اس دن روزہ رکھنے کو ممنوع فرمایا چنانچہ آپؐ نے چاہا کہ اس دن لوگوں کو اپنا افطار کرنا دکھا دیں، تاکہ مخصوص طور پر اس دن

کے روزہ کی نہی موکد ہوجائے۔ اگرچہ آپ کا روزہ جمعہ کی بجائے محض یوم عرفہ کا ہوتا۔

اور ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ کا مسلک دوسرا تھا، جو یہ ہے کہ یہ دن عید کے اجتماع کی طرح اہل عرفہ کے لئے عید کا دن ہوتا ہے اور یہ دنیا کے علاوہ صرف اہل عرفہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے جسے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ "یوم عرفہ" یوم نحر اور ایام منیٰ ہم اہل اسلام کے لئے یہ عید کا دن ہوتا ہے۔

آنحضرت کن دنوں میں زیادہ روزے رکھتے تھے؟

مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے اور اتوار کا روزہ کثرت سے رکھتے تھے۔ اور اس سے یہود و نصاریٰ کے طریقہ کی مخالفت مقصود ہوتی تھی جیساکہ مسند اور سنن نسائیؒ نے کریب موںی ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس نے اور کچھ صحابہؓ نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، تاکہ میں ان سے معلوم کروں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر کن ایام میں روزے رکھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا، ہفتے اور اتوار کے دن (روزے رکھا کرتے تھے) اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کے لئے عید کے دن ہیں، اور میں ان کی مخالفت پسند کرتا ہوں۔

لیکن یہ حدیث مشکوک ہے، کیونکہ یہ محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کی روایت میں سے ہے اور ان کے بعض احادیث کا انکار کیا گیا ہے۔ عبدالحق نے احکام میں ابن جریج کی حدیث کے بارے میں بتایا ہے کہ انھوں نے اپنے چچا فضل سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے علاقہ میں حضرت عباسؓ سے ملاقات کی لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ یہ حسبِ نقل ضعیف ہے اور محمد بن عمر کہتے ہیں مجہول ہے۔ اور اس نے ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ نہ رکھنے کے متعلق حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے اور بتایا کہ عبدالحق نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اور یہ محمد بن عمر غیر معروف ہے اور ان کا لڑکا عبداللہ بن محمد بن عمران

سے روایت کرتا ہے اور اس کا حال بھی معروف نہیں۔
ویسے اس حدیث کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ حسن ہے۔
اور امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے عبداللہ بن بشر سلمی سے انہوں نے اپنی ہمشیرہ حمارؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہفتے کا روزہ نہ رکھو، ہاں اگر تم پر فرض ہو اور تمہیں (کھانے کے لئے) کچھ نہ ملے تو انگور کا ایک دانہ کھالو یا درخت کی ایک شاخ ہی چاب لو۔
لوگ ان احادیث کے بارے میں مختلف الرائے ہوگئے ہیں، مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ ان کا مطلب عبداللہ بن بشر کی حدیث سے ہے (ابو داؤد) ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ نسائیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔
اور اہلِ علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس حدیث اور ام سلمہؓ کی روایت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ روزے سے ممانعت کا مطلب انفراد ہے۔ ابو داؤدؒ نے بھی یہی شرح کی ہے، اور بتایا ہے کہ نہی محض ہفتے کے روزہ کے ساتھ مختص ہے۔ اور روزہ رکھنے کی حدیث کا مطلب اتوار سمیت روزے سے ہے، فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ آپؐ نے تنہا جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی، اگر اس سے قبل یا بعد میں بھی رکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے وہ اشکال بھی زائل ہو جاتا ہے کہ آپؐ کا روزہ اس دن کی تعظیم کے لئے تھا۔ اور یوں احترام کے معاملہ میں اہل کتاب سے توافق ہوگیا۔ اگرچہ روزے کی صورت مخالفت کی متضمن ہے (حالانکہ) یہ اس وقت ہوتا جب آپ محض مفرد طور پہ (صرف دسویں تاریخ کا) روزہ رکھتے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے افراد کا حکم نہیں دیا، اور جب دوسرے دن کے ساتھ بھی (جمع کرکے) روزہ رکھا گیا تو یہ اس دن کی تعظیم نہ ہوگی۔

صوم وصال کی ممانعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ نہیں تھی کہ آپؐ مسلسل روزے رکھتے ہوں۔ بلکہ آپؐ نے فرمایا، جس

نے ہمیشہ روزے رکھے اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔

اور آپؐ کا مطلب یہ نہ تھا کہ جس نے ایام محرمات کا روزہ رکھا، کیونکہ یہ سوال اس کے جواب میں فرمایا، کہ جس نے صیام دہر رکھا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ اور نہ فعلِ محرم کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، کہ "نہ ایسے شخص نے روزہ رکھا، نہ افطار کیا" کیونکہ اس (صیام الدھر) میں افطار وصیام برابر ہیں۔ جس پر نہ ثواب ہے اور نہ لذّت ہے اور نہ اس کے جواب میں فرمایا" جس پر اللہ تعالیٰ روزے حرام کر دے تو یہ مطلقاً جواب نہیں نیز جس نے صوم دہر کو پسند کیا اس نے گویا مستحب اور حرام کا ارتکاب کیا یعنی ایام استحباب میں اس نے مستحب روزے رکھے اور آیام تحریم میں اس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا، تو ان دونوں صورتوں میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ افطار کیا لہٰذا اس پر فرمان نبوی کے اطلاق کا غلط ہونا ظاہر ہے۔

نیز آیام تحریم شریعت میں مستثنیٰ نہیں لہٰذا شرعًا یہ دن روزے کے قابل ہی نہیں ہیں اس لئے صحابہؓ ان آیام کے متعلق تو دریافت ہی نہیں کر سکتے تھے، بلکہ وہ جان چکے تھے کہ ان ایام میں روزے کی قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اور اگر صحابہؓ نہ جانتے ہوتے تو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے اس ارشاد "نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا" سے جواب نہیں دے رہے تھے۔ کیونکہ اس میں تحریم کا کوئی بیان ہی نہیں ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ جس میں کوئی شک نہیں یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھنا ایک دن افطار کرنا صیام الدھر سے افضل اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور مسلسل صیام الدھر مکروہ ہے۔ کیونکہ اگر مکروہ نہ ہوتا، تو تین ناممکنات میں سے ایک بات ضرور ہوتی۔ یہ کہ ایک دن روزے اور ایک دن افطار کے عمل سے یہ اللہ کو زیادہ محبوب اور افضل ہوتا، کیونکہ یہ کام بھی زیادہ ہے۔ حالانکہ حدیث کی رو سے یہ خیال مردود ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السّلام کا طریقہ صوم زیادہ محبوب ہے اور اس سے افضل بھی کوئی نہیں۔

یا پھر افضلیت میں اس سے مساوی ہوں گے، یہ بھی محال ہے۔

اور یا مباح مساوی الطرفین ہوں گے یعنی نہ مستحب نہ مکروہ، یہ بھی محال ہے کیونکہ یہ صورت (نہ مستحب نہ مکروہ ہونا) عبادات کی شان نہیں، بلکہ عبادت یا مرجوح ہوتی ہے یا راجح۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب اگر کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے صوم الدھر رکھا۔ نیز جو ہر ماہ میں تین روزے رکھے اس کے متعلق بھی آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی صوم الدھر کے برابر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم الدھر دوسری صورتوں سے افضل ہے۔ اور یہی امر مطلوب ہے اور اس کا ثواب اس قدر زیادہ ہے کہ آپؐ نے اس سے تشبیہ دی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محض اندازہ کرنے کے لیے تشبیہ سے اس کا جواز لازم نہیں آتا چہ جائیکہ اسے مستحب سمجھ لیا جائے۔ بلکہ تشبیہ کا مطلب تو اس قدر ہے کہ اگر (صوم الدھر) مستحب ہوتے (تو اس قدر ثواب ملتا) اور نفس حدیث سے اس کی حجت نکلتی ہے کہ آپؐ نے ہر ماہ تین روزے رکھنے کو صوم الدھر کا قائم مقام قرار دیا۔ کیونکہ نیکی کا اجر دس گنا ہوتا ہے پس جس نے (چھتیس روزے رکھے) اُسے تین سو ساٹھ دن کا اجر ملے گا اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ صوم الدھر) قطعاً حرام ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا آپ کا مطلب یہ تھا کہ تین سو ساٹھ دن کے روزوں کے برابر ثواب ملے گا۔

اس طرح شوال کے چھ روزے رمضان سے متصل بعد رکھے جائیں تو سال بھر کا ثواب ملے گا، پھر آپؐ نے آیت پڑھی۔

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔

یعنی جو نیکی کرے گا، تو اس کے لئے اس سے دس گنا اجر ہوگا۔

اس لئے یہ چھتیس روزے تین سو ساٹھ روزوں کے برابر ہوں گے اور یہ بالاتفاق غیر جائز ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسے مشبہ بہ کی مثال دی جاتی ہے جو یکسر ممتنع بلکہ مستحیل ہوتا ہے اور یہ تشبیہ محض امکانی بنیاد پر ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص کے جہاد سے متعلق سوال

کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، جب مجاہد نکل کھڑا ہو، تو کیا ایسا کر سکتا ہے کہ کھڑا رہے اور سست نہ ہو؟ اور روزہ رکھے رہے اور افطار نہ کرے؟ گویا یہ بات عادتاً محال ہے، بالکل ایسے ہی جیسے شرعاً تین سو ساٹھ روزے رکھنا ممنوع اور مستحیل ہے، چنانچہ آپؐ نے اس عمل کو ایسے اعمال سے تشبیہ دی کہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب قیام حضرت داؤد علیہ السّلام کا قیام ہے اور یہ تمام شب کے قیام سے از روئے سنّت صریحہ بھی افضل ہے۔

نیز آپؐ نے اس آدمی کی مثال دی جو عشاء اور صبح کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام شب قیام کیا۔

اگر کہا جائے کہ تم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث کے متعلق کیا کہو گے کہ "جس نے صوم الدہر رکھا، تو اس پر جہنم اس قدر تنگ ہو گیا" آپؐ نے اپنی مٹھی بند کر لی (مسند احمد)

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول میں کہا گیا ہے کہ جہنم اسے جکڑتے ہوئے تنگ ہو جائے گی، کیونکہ اس نے اپنے آپ پر شدّت کی اور غلط بوجھ لادا، نیز اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طاہرہ سے اعراض کیا اور (مزید براں) اس کا اعتقاد تھا کہ (صوم داؤدؑ) کے علاوہ (صوم الدہر) افضل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اس کی طرف سے جہنم تنگ ہو جائے گی، یعنی اس میں کوئی جگہ نہ ہو گی اور اس گروہ نے اس تاویل کو اس لئے ترجیح دی کہ جب روزے دار نے اپنے آپ شہوات کی تمام راہیں مسدود کر دیں، اور روزے سے انہیں ہٹایا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ تنگ کر دی اس لئے (آگ) میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، کیونکہ اس نے (جہنم) کے تمام راستوں کو تنگ کر دیا۔

گھر میں کھانے کو نہ ہوتا تو آپؐ نفلی روزہ رکھ لیتے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے اور دریافت فرماتے، کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ اگر جواب انکار میں ملتا تو فرماتے "پھر آج میرا روزہ ہے" چنانچہ دن کے وقت نفلی روزے کی نیت کر لیتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ نفلی روزے کی نیت کر لیتے اور بعد میں حضرت عائشہ بتاتیں، کہ فلاں چیز پکی ہے تو آپ افطار کر لیتے[1]۔ پہلی روایت صحیح مسلم میں ہے دوسری نسائی میں مذکور ہے۔

رہی وہ روایت جو سنن میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ میں حفصہؓ روزے سے تھیں۔ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا، ہمارا جی چاہا اور ہم نے اس میں سے کھا لیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت حفصہؓ آپ کے پاس مجھ سے پہلے چلی گئیں اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم دونوں روزے سے تھے ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا ہمارا جی چاہا تو ہم نے کھانا کھا لیا۔

آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بدلہ میں کسی دن قضا کر لینا۔

یہ حدیث معلول ہے، ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسے مالک بن انس اور معمر اور عبداللہ بن عمر اور زیاد بن سعد وغیرہ حفاظِ حدیث نے زہری سے انھوں نے حضرت عائشہؓ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور اس میں عروہ کی سند ذکر نہیں کی اور یہ زیادہ صحیح ہے اور ابوداؤد نسائیؒ نے شریک سے انھوں نے زمیل مولائے عروہؓ سے انھوں نے حضرت عائشہ سے موصولاً روایت کیا۔ نسائیؒ فرماتے ہیں کہ زمیل غیر مشہور ہے۔ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عروہ سے زمیل کا اور زمیل سے شریک کا سماع معروف نہیں اور نہ اس سے حجت لی جا سکتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزے سے ہوتے اور کسی قوم کے پاس اترتے تو روزہ مکمل فرماتے، اور افطار نہ کرتے، جیسا کہ آپؐ ام سلیم کے پاس تشریف لائے انھوں نے کھجور اور گھی پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا گھی کو اپنے مشکیزے میں ڈال دو، اور کھجوروں کو برتن میں لوٹا دو، کیونکہ میں روزے سے ہوں لیکن ام سلیمؓ آپؐ کے ہاں اہل بیت کے درجہ میں تھیں اور صحیح روایت میں آپؐ

---

[1] نفلی روزہ اس طرح توڑا جا سکتا ہے، بلکہ کسی کے پاس خاطر سے بھی توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی قضا ضروری ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

سے ثابت ہے کہ "جب تمہیں کوئی کھانے کی دعوت دے اور تم روزے سے ہو تو چاہیئے کہ کہہ دو میں روزے سے ہوں۔

اور وہ حدیث جو ابن ماجہ، ترمذیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "جو کسی قوم کے پاس (مہمان) اترے اسے چاہیئے کہ وہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ ہرگز نہ رکھے" ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے، ہم نہیں جانتے کہ کسی ثقہ راوی نے اسے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہو۔

آپؐ صرف جمعہ کے روزے کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ آپ فعلاً اور قولاً جمعہ کے مفرد روزہ کو مکروہ سمجھتے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ ابو ہریرہؓ، جویریہؓ بنت حرث، عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت جنادہ ازدی وغیرہ کی حدیث سے صحیح طور پر اس (جمعہ) کا افراد ممنوع ہے اور جمعہ کے دن آپؐ نے اس وقت پانی پیا جب آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور (صحابہؓ) کو دکھا رہے تھے کہ آج یعنی جمعہ کے دن آپؐ روزہ نہیں رکھتے (مسند امام احمد)

اور روزے کی ممانعت کا سبب بیان کیا کہ یہ یوم عید ہے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن عید کا دن ہے اس لئے اپنے عید کو روزے کا دن بناؤ، ہاں اگر اس سے قبل یا بعد میں بھی روزہ رکھو (تو پھر اجازت ہے)

اگر کوئی کہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا کیا جواب ہے جس میں بتایا گیا "میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن افطار سے کبھی نہیں دیکھا" اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ہم قبول کرتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (جمعہ) سے ایک دن قبل یا بعد میں بھی (آپؐ روزہ رکھتے) اور اگر صحیح نہیں تو ہم مسترد کرتے ہیں کیونکہ یہ غرائب میں سے ہے، ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی

ابنِ حزم کی رائے اور اس پر تبصرہ !

ابنِ قیّم کا محاکمہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر اونٹ پر سوار ہو کر لگائے ، تین میں آپ دوڑ رہے تھے اور چار میں چل رہے تھے ، یہ ان کے اوہام کا نتیجہ ہے اور بالکل غلط ہے کیونکہ ان کے علاوہ کسی سے بھی ایسا قول مروی نہیں اور نہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایسی بات روایت کی ہے بلکہ یہ خانہ کعبہ کے طواف کا تھا اس لیے ابو محمدؒ نے غلطی سے اسے صفا اور مروہ کے درمیان کی سعی کی طرف منتقل کر دیا - اور اس سلسلہ میں سب سے عجیب بات اس سے استدلال ہے جیسا کہ بخاریؒ میں حضرت ابن عمرؓ کی سند سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم مکّہ تشریف لائے تو آپ نے طواف کیا اور پہلا کام استلام رکن کا کیا - پھر تین طواف دوڑ کر گئے اور چار میں آہستہ چلے اور جب قبلہ کا طواف مکمل کر لیا تو مقام ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کیں - پھر سلام پھیرا اور تشریف لے گئے اور صفا پر پہنچے - پھر صفا اور مروہ کے درمیان سات چکّر لگائے - اس کے بعد باقی حدیث ذکر کی ہے (ابن حزم) نے فرمایا کہ ہم صفا اور مروہ

کے درمیان سعی کو منصوص نہیں پاتے بلکہ یہ متفق علیہ ہے۔ یہ ان کے الفاظ ہیں۔ میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں کہ بطن وادی کے تمام چکروں میں سعی تو متفق علیہ ہے۔ البتہ پہلے تین پھیروں میں رمل (تیز دوڑنے) کے متعلق جہاں تک ہم جانتے ہیں ان کے سوا نہ کسی نے کہا اور نہ نقل کیا، میں نے اپنے شیخ (ابن تیمیہؒ) سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ (ابن حزم) کے اغلاط میں سے ہے انہوں نے حج نہیں کیا اور یہ ایسی ہی غلطی ہے جیسے کوئی کہے کہ آپ نے چودہ مرتبہ سعی کی، اور آپ کے آنے جانے کو ایک سعی سمجھتا رہا حالانکہ یہ غلط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کسی نے نقل نہیں کیا، نہ ائمہ سلف میں سے کسی نے فرمایا، جن کے اقوال ہر جگہ مشہور ہوئے اور اگر متاخرین میں سے کسی نے یہ کہا ہو۔ جو اپنے آپ کو ائمہ سلف کی طرف منسوب کرتا ہے (تو بھی غلط ہے) نیز یہ قول بھی اس نظریہ کو باطل کرتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مروہ پر سعی ختم کی۔ اب اگر جانا اور آنا ہر ایک مستقل سعی ہوتی تو صفا پر ختم ہوتی، حالانکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مروہ کے پاس پہنچے تھے تو اس پر چڑھے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تکبیر و توحید بیان کی اور جس طرح صفا پر کیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی کیا۔ چنانچہ جب مروہ کے پاس آپ کی سعی مکمل ہو گئی تو ہر اس آدمی کو جس کے پاس ھدی (قربانی کا جانور) نہ تھا تاکیداً حلال ہونے کا حکم فرمایا، چاہے وہ حج قران کر رہا ہو یا مفرد۔ نیز آپ نے ہر اس آدمی کو بھی حلال ہونے (احرام اتارنے) کا حکم دیا جس نے عورت سے مقاربت کی، خوشبو لگائی اور سلا ہوا کپڑا پہنا۔

(اور فرمایا) کہ یوم الترویہ تک اسی طرح رہو۔

اور آپ نے خود ہدی کے باعث احرام نہ اتارا اور فرمایا کہ اگر میں گذشتہ کو آئندہ پر اٹھا رکھتا تو میں ہدی نہ چلاتا، اور اسے عمرہ ہی بنا دیتا۔ اور آپ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے احرام اتار دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس کے متعلق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، نہیں پھر آپ نے حلق کرانے والوں کے لیے ایک بار دعائے بخشش

فرمائی اور یہیں پر سراقہ بن مالک بن جشم نے دریافت کیا جب آپ شنخ اور حلال ہونے کا حکم فرما چکے تھے کہ یہ کیا یہ اسی سال کے لئے ہے یا ابد تک کے لیے؟ آپ نے فرمایا، کہ ابد تک کے لیے، اور ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے ھدی کی وجہ سے احرام نہ اتارا۔ نیز آپ کی ازواج مطہراتؓ نے احرام اتار دیا کیونکہ وہ حج قران ادا کر رہی تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ ایسا نہ کر سکیں کیونکہ ایام کے باعث ان کے لیے اس پر عمل کرنا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے بھی ھدی نہ ہونے کے لیے باعث احرام اتار دیا۔ حضرت علیؓ کے پاس ھدی تھا اس لیے انہوں نے احرام نہ اتارا۔

اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح اھلال (تہلیل) کرے وہ احرام باندھے رکھے۔ اگر اس کے پاس ھدی ہے اور اگر ہدی نہیں تو احرام اتار دے اور جب تک آپ مکہ میں اور مکہ کے باہر جہاں آپ کا یہاں قیام رہا اور قصر کرتے رہے، اور جمعرات کو چاشت کے وقت آپ مسلمانوں کے ہمراہ منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ چنانچہ ان میں سے جو احرام اتار چکے تھے اور مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے انہوں نے یہاں سے احرام باندھا، بلکہ یوں کہئے کہ انہوں نے (ایسی جگہ) احرام باندھا کہ مکہ ان کی پشت پر تھا۔ جب آپ منیٰ پہنچ گئے تو آپؐ یہاں اترے اور یہیں پر نماز ظہر وعصر پڑھیں اور یہیں رات گزاری، اور یہ جمعہ کی رات تھی۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ یہاں سے عرفات کی طرف چل پڑے اور اس راستہ پر چلے جو آج کل لوگوں کے راستہ پر دائیں جانب ہے اور آپؐ کے بعض صحابہؓ تلبیہ کہہ رہے تھے اور بعض تکبیرات تکبیرات کہہ رہے تھے، آپ سن رہے تھے اور آپؐ نے دونوں میں سے کسی پر بھی تکبیر نہیں کی۔ چنانچہ مقام نمرۃ پر آپؐ کے ارشاد کے مطابق خیمہ لگا دیا گیا۔ یہ عرفات کے مشرقی حصّہ میں ایک بستی ہے اور آج کل مٹ چکی ہے۔ آپ یہاں اترے۔ آخر کار جب سورج ڈوبنے لگا تو آپ نے اپنی سانڈنی قصواء کو سدھا کا حکم دیا۔ وہ چل پڑی یہاں تک مقام عرنہ میں وادی کے وسط میں تشریف لے آئے۔ یہاں آپؐ نے اس حالت میں کہ سانڈنی پر تشریف فرما تھے ایک عظیم

خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اسلام کے قواعد کو محکم فرمایا، اور شرک وجاہلیت کے دستور مٹا دیئے۔ نیز ان محرمات کے حرام ہونے پر زور دیا جس کے حرام ہونے پر اقوام (عالم) کا اتفاق ہے۔ یعنی خون۔ اموال، لوگوں کی آبرو، کہ ان میں دست درازی نہ کی جائے اور جاہلیت کے کاموں کو اپنے قدموں تلے روند دیا اور جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا، اور عورتوں کا مردوں پر اور ان کا عورتوں پر حق واضح فرمایا اور بتایا کہ معروف حد تک رزق اور لباس ان کا حق ہے اور اس کا اندازہ نہیں بتایا، اور خاوندوں کو حق دیا کہ اگر بیویاں ایسے لوگوں کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دیں، جنہیں خاوند نا مناسب خیال کرتا ہے تو ان کو ڈھول لگا دیں اور اُمت کو کتاب اللہ سے سختی کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جب تک وہ کتاب اللہ سے تمسک قائم رکھیں گے اس وقت تک گمراہ نہ ہوں گے۔

پھر آپ نے بتایا کہ ان سے (صحابہؓ سے) آپ کے متعلق پوچھا جائے گا اور معلوم کیا کہ وہ کیا جواب دیں گے اور کیا گواہی دیں گے؟ (صحابہؓ) نے عرض کیا، ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپ نے تبلیغ کی آپ نے نصیحت فرمائی (احکام اسلام ہم تک پہنچا دیئے)، اس پر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا (اے اللہ گواہ رہنا تین بار فرمایا)

اور آپؐ نے حکم دیا کہ جو موجود نہیں وہ غیر موجود تک آج کی بات پہنچا دیں۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ام فضل بنت حرث ہلالی نے جو عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ ہیں آپؐ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا۔ آپؐ نے لوگوں کے سامنے اسے نوش کیا۔ آپؐ اونٹ پر سوار تھے۔ جب آپؐ نے خطبہ ختم کیا تو حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمایا چنانچہ نماز کی اقامت ہوئی۔

لیکن (یہ موخر حصہ، ابن حزمؒ) کے وہم کا نتیجہ ہے کیونکہ دودھ پینے کا واقعہ اس کے بعد کا ہے جب آپؐ عرفات کی طرف چلے اور وہاں وقوف کیا۔ صحیحین میں

صراحتاً حضرت میمونہؓ کی روایت سے منقول ہے کہ لوگوں نے یوم عرفہ کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے روزے کے متعلق (تکلیف کی) شکایت کی چنانچہ ام فضلؓ نے (دودھ) کا ایک پیالہ بھیجا، آپ موقف میں کھڑے تھے لوگ دیکھ رہے تھے اور آپؐ نے (دودھ) پیا۔ ایک لفظ یہ ہے کہ آپ عرفات کے (میدان) میں کھڑے تھے اور مقام خطبہ موقوف نہ تھا، کیونکہ آپؐ نے عرفہ کے مقام پر خطبہ دیا، جو جائے وقوف نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نمرۃ کے مقام پر اترے اور عرفہ کے مقام پر خطبہ دیا۔ پھر عرفات میں وقوف فرمایا اور آپ نے ایک ہی خطبہ دیا۔ ایسا نہ تھا کہ آپؐ نے دو خطبے دیئے ہوں اور ان کے درمیان بیٹھے ہوں۔ خطبہ مکمل کرنے کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور نماز قائم کی چنانچہ آپ نے نمازِ ظہر کی دو رکعتیں ادا کیں اور ان میں تلاوت آہستہ (سرّی) سے کی چونکہ یہ جمعہ کا دن تھا اس لیے فرمایا کہ مسافر پر جمعہ لازم نہیں ہے۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور نمازِ عصر بھی دو رکعتیں ادا فرمائیں آپ کے ہمراہ اہلِ مکہ بھی تھے انہوں نے بھی قصر اور جمع کر کے نماز ادا کی۔ اور انہیں مکمل نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ترکِ جمع کا حکم دیا اور جس نے یہ کہا کہ آپؐ نے فرمایا اپنی نمازیں مکمل کرو کیونکہ میں مسافر ہوں، اس نے واضح طور پر غلط کہا اور بدترین وہم کا مظاہرہ کیا۔ یہ بات تو آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمائی تھی جب (اہلِ مکہ) اپنے گھروں میں مقیم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام کے صحیح فتویٰ کے مطابق اہلِ مکہ عرفات میں قصر اور جمع کریں گے، جیسا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔

سفر کے قصر میں مسافت یا ایام کی تعداد

اب اس بات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ سفر قصر میں مسافت کی یا ایام کی تعداد متعین نہیں اور نہ نمازِ قصر میں نسک موثر ہے، بلکہ تاثیر وہی ہے جسے اللہ نے سبب بنایا اور وہ سفر ہے۔ سنّت کا مقتضی یہی ہے اور جس طرف ملحدین

گئے ہیں اس کا یہاں کوئی مقام نہیں۔
اور جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو سوار ہوئے اور موقف میں تشریف لائے چنانچہ آپؐ نے پتھروں کے پاس پہاڑ کے دامن میں وقوف فرمایا، قبلہ رخ ہو گئے آپؐ اس وقت اونٹ پر تھے اور جبل مشاۃ آپؐ کے سامنے تھا، پھر غروبِ آفتاب تک دعا۔ تفرع اور عاجزی کرنے میں مشغول ہو گئے اور لوگوں کو بطن عرفہ سے اٹھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عرفہ کا بھی مقام وقوف کے لیے مختص نہیں اور فرمایا کہ میں نے یہاں وقوف کیا لیکن عرفہ پورا کا پورا جائے وقوف ہے اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مشاعر میں ٹھہرے رہیں اور وہیں وقوف کریں کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی وراثت ہے۔
نیز یہاں اہلِ نجد کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے حج کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یوم عرفہ حج کا دن ہے اس لیے جس نے صبح کی نماز سے قبل یہاں وقوف کر لیا تو اس نے حج کو پا لیا۔ ایامِ تشریق تین دن ہیں لیکن جو دو دن کا تقدم یا تاخر پڑ لے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔
اور دعا کرتے وقت آپؐ نے سینہ تک دونوں ہاتھ اٹھا رکھے تھے دستِ طلب بڑھاتے وقت فرمایا: کہ یوم عرفہ کی دعا تمام دعاؤں سے بہتر ہوتی ہے اور جائے وقوف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ادعیہ مبارکہ میں سے یہ دعا منقول ہے:

اللھم لك الحمد کالذی نقول وخیرا مما نقول۔ اللھم لك صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی والیك مآبی ولك ربی تراثی اللھم انی اعوذبك من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الامر اللھم انی اعوذبك من شرما تجیٔ به الریح۔ (ترمذی)

یعنی اے اللہ تو ہی سزاوار حمد ہے، جو ہم کہہ سکتے ہیں اور ہمارے نطق و کلام سے بہتر، اے اللہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا تیرے ہی لیے

ہے، اور تیری طرف ہی مجھے لوٹنا ہے اور اے میرے پروردگار تو ہی میرا وارث ہے، اے اللہ میں عذاب قبر، دل کے وسوسوں اور پراگندگی امور سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ میں اس شر سے جو آندھی لے کر آئے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔

نیز آپ کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے:

اللھم انک تسمع کلامی وتری مکانی وتعلم سری وعلانیتی ولا یخفی علیک شیئ من امری انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر والوجل المشفق المقر المعترف بذنوبي اسالك مسألة المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر من خضعت لک رقبته، وفاضت لک عیناہ وذل جسدہ ورغم انفه لک اللھم لا تجعلنی بدعائك رب شقیا وکن بی رؤفا رحیما یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین (طبرانی)

"یعنی اے اللہ تو میرا کلام سنتا ہے اور میری جگہ دیکھ رہا ہے، اور میرے پوشیدہ وظاہر کو جانتا ہے اور تجھ سے میری کوئی بات پوشیدہ نہیں میں تنگ دست محتاج فریادی پناہ کا جویا خوفزدہ ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار واعتراف کرنے والا ہوں۔ میں تجھ سے مسکین کی طرح مانگتا ہوں، اور ایک بے مایہ گناہ گار کی طرح تجھ سے عاجزی کرتا ہوں اور میں سراپا الم خوفزدہ کی پکار کی طرح تجھے پکارتا ہوں، جس کی گردن تیرے سامنے خم ہے اور جس کی آنکھوں تیرے لیے آب گوں ہیں، اس کا جسم نکما ہو گیا اور تیرے لیے اس کی ناک خاک آلود ہوئی، اے اللہ اے پروردگار مجھے دعا کے (قبول نہ کرنے کے باعث) بدبخت نہ بنانا اور میرے لیے مہربان رحم کرنے والا بن جانا اے بہترین وہ ذات جس سے مانگا جائے اور بہترین عطا کرنے والے۔

اور امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث سے نقل کیا جو انہوں

نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیادہ تر دعا یہ ہوتی تھی:۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

"یعنی خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے۔ اسی کے ساتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یوم عرفہ میری اور زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کی دعا یہ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی صدری نوراً وفی سمعی نوراً وفی بصری نوراً اللھم اشرح لی صدری ویسر لی امری واعوذبک من وسواس الصدر وشتات الامر وفتنۃ القبر اللھم انی اعوذبک من شر ما یلج فی اللیل وشر ما یلج فی النہار وشر ما تھب بہ الریاح وشر بوائق الدھر۔

"یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے۔ میرے سینہ میں نور، میرے کانوں میں نور، میری آنکھوں میں نور بھر دے اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان فرما دے اور قلب کے وسوسوں اور پریشان امری، اور قبر کی آزمائش سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ میں ہر اس چیز کے شر سے جو رات کے وقت داخل ہوتی ہے اور جو دن کے وقت داخل ہوتی ہے، تیری پناہ چاہتا ہوں اور

جو ہواؤں کے ساتھ چلتی ہے اور زمانہ کے مہلکات کے شر سے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

ان ادعیہ کی اسناد کمزور ہیں۔

اور اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (اسلام) پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا"

اور یہیں پر ایک مسلمان اپنی سواری سے گر پڑا، اور وہ حالتِ احرام میں تھا گرنے سے وہ فوت ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے اس کے دونوں کپڑوں (احرام کی چادروں) کا ہی کفن دیا جائے اور اسے خوشبو نہ لگائی جائے اور اس کو پانی اور بیری کے پتوں کا غسل دیا جائے (نیز) اس کا سر اور چہرہ نہ چھپایا جائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ (لبیک) کہہ رہا ہوگا۔

اس واقعہ سے بارہ احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باعث میت کا غسل واجب ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ مرنے سے (انسان) ناپاک نہیں ہوتا، اگر مرنے سے ناپاک ہو جاتا تو غسل سے اس کی نجاست میں اضافہ ہی ہوتا، کیونکہ حیوان کی موت کی نجاست مبنی ہوتی ہے۔ اب اگر نجس بتانے والوں نے کوشش کی کہ اسے غسل سے پاک کیا جائے تو یہ کلیہ باطل ہو جائے گا کہ" موت سے انسان نجس ہو جاتا ہے" اور اگر کہیں کہ یہ پاک نہ ہوگا تو پھر غسل، اس کے کفن کو، کپڑوں کو اور غسل دینے والے کو مزید نجس کر دے گا۔

۳۔ تیسرا حکم میت کے متعلق مشروع یہ ہے کہ اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا صرف پانی سے نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مواقع پر میت

کے لیے بیری کے پتوں سے غسل کا حکم دیا، ایک تو یہی موقع ہے، دوسرے اپنی صاحبزادی کے لیے ایسا ہی حکم صادر فرمایا، تیسرے اس عورت کے لیے جو ایام سے ہو، بیری کے پتوں سے غسل کے وجوب میں امام احمد کے دو قول ہیں۔

۴۔ چوتھا حکم یہ ہے کہ پاک کرنے سے پانی کی قوتِ طہوریت زائل نہیں ہوتی جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے احمدؒ کی دونوں مرویات میں سے یہ زیادہ منصوص ہے اگرچہ (احمدؒ) کے متاخرین اصحاب نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

۵۔ پانچواں حکم محرم کے لیے غسل کا جواز، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مسور بن مخرمہؓ کے درمیان اس مسئلہ میں مباحثہ بھی ہوا۔ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فیصلہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں غسل دیا اور اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ جنابت کے باعث غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کا سر پانی میں غائب ہو، کیونکہ یہ بھی ستر کی ایک نوع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت ابن عباسؓ نے ایسا کیا ہے۔

۶۔ چھٹا حکم یہ کہ محرم کو پانی اور بیری کے استعمال کی ممانعت نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے بھی اپنی دو روایتوں میں سے اظہر روایت کے مطابق اس سے منع فرمایا۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے غسل کے ذریعہ میل کچیل دور کرنے اور جوئیں قتل کرنے سے نہیں روکا اور بیری خوشبویات میں سے بھی نہیں۔

۷۔ ساتواں حکم یہ ہے کہ میراث اور قرض دونوں سے کفن مقدم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اسے دونوں کپڑوں کا کفن دیا جائے لیکن میراث اور قرض کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا۔ اگر بات دوسری ہوتی تو آپ ضرور معلوم فرماتے، جس طرح زندگی میں قرض پر لباس مقدم ہے اسی طرح مرنے کے بعد (کفن مقدم ہے)، یہ جمہور کا کلام ہے۔

۸۔ آٹھواں حکم، کفن میں دو کپڑوں پر جوازِ اقتصار، اور یہ دو کپڑے تہہ بند اور چادر ہونی چاہیئے جمہور کا یہی قول ہے اور قاضی ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ استطاعت ہوتے ہوئے تین کپڑوں سے کم کرنا جائز نہیں۔ اگر دو کپڑوں میں ہوتا تو جس میت کے یتیم پیچھے رہ جاتے ہیں ان کو تین کپڑوں کا کفن ناجائز ہوتا لیکن صحیح حدیث اس کے خلاف ہے۔

۹۔ نواں حکم، محرم کو خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے (میت کو) خوشبو سے قریب کرنے کو منع فرمایا اور شہادت دی کہ اسے تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔ اور محرم کو خوشبو کی ممانعت کے سلسلہ میں یہی اصل مدار ہے رہا محض خوشبو کا سونگھ لینا تو جس نے اسے حرام قرار دیا اس نے صرف قیاس حرام قرار دیا ہے ورنہ نہی کے الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر حاوی نہیں اور اس باب میں اجماع ثابت ہے جس کا اتباع لازم ہے، ہاں اس کی حرمت وسائل کی حرمت کے طریقہ پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خوشبو کا سونگھنا، بدن اور کپڑوں پر اسے لگا لینے کا داعی بن جاتا ہے۔ جیسے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ دوسرے محرمات کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن جو خوشبو بغیر کسی قصد و ارادہ ہو سکے تو اس صورت میں ممنوع نہیں اور محرم پر ناک بند کر ڈالنا کے ناک تک چلی آئے یا اس لیے قصداً سونگھی، تاکہ خریدتے وقت اس کی عمدگی کا اندازہ ہو سکے تو اس صورت میں ممنوع نہیں اور محرم پر ناک بند کر ڈالنا واجب نہ ہوگا۔ پہلی صورت تو اچانک نظر پڑ جانے کے قائم مقام ہے۔ اور دوسری صورت بمنزلہ منگنی کرنے والے کے لیے (کہ اگر منگنی کرتے وقت ایک نظر عورت پر ڈال لے تو گناہ نہیں)، اور جن لوگوں نے خوشبو سونگھنے کو مباح قرار دیا ہے انہوں نے محرم کو اجازت دی ہے کہ احرام سے قبل خوشبو کو دوامی حیثیت سے لگا لے۔

اصحاب ابو حنیفہ رحمہ نے اسی بات کی صراحت کی ہے چنانچہ انہوں نے جوامع الفقہ لابی یوسف رحمہ میں فرمایا ہے کہ "اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم اس خوشبو کو سونگھ

لے جو اس نے احرام سے قبل لگا رکھی ہے۔ مصنف المفید نے فرمایا ہے کہ خوشبو لگنے کے بعد اس کی ذیل میں آجاتی ہے تاکہ احرام باندھ لینے کے بعد اس سے تھکاوٹ کی تکالیف دور کر دے تو گویا یہ (محرم کے حق) میں ویسی ہے جیسے روزہ دار کے لیے سحری (کا کھانا) ہوتا ہے جس سے وہ روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس کی تکلیف پر قابو پا سکتا ہے۔ بخلاف کپڑے (کی خوشبو) کے وہ اس سے جدا ہے، فقہا میں اس کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا اس کے (اثرات) کو دوام بخشنا ممنوع ہے جیسا کہ یہ ابتداء ہی میں ممنوع ہے یا اس کے (اثرات) کو قائم رکھنا جائز ہے۔

اس سلسلے میں دو قول ہیں، چنانچہ جمہور علماء اتباع سنت کے باعث اسے قائم رکھنے کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ثابت ہے کہ آپؐ احرام باندھنے سے قبل خوشبو لگایا کرتے تھے۔ پھر آپؐ کے سر مبارک اور ڈاڑھی پر بھی خوشبو کے اثرات دیکھے جاتے اور ایک لفظ میں ہے "آپؐ تلبیہ کہہ رہے ہوتے" اور یہ تمام الفاظ اس غلط تاویل کو باطل کر دیتے ہیں کہ "یہ (خوشبو لگانا) احرام سے قبل تھا لیکن جب آپؐ نے غسل فرمایا تو اس کا اثر چلا گیا" روایت کا ایک لفظ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے تو سب سے بہتر خوشبو لگاتے جو مہیا ہو سکتی، بعض کے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیت تھی، لیکن اختصاص کی کوئی دلیل بھی تو ہونی چاہیئے، علاوہ ازیں ابو داؤد میں حضرت عائشہ کی روایت ہے۔ کہ ہم احرام کی حالت میں مشک ملتے۔

۱۰ - دسواں حکم، محرم کو اپنا سر چھپانے کی ممانعت ہے اور اس میں تین درجات ہیں۔ بعض بالاتفاق ممنوع ہیں اور بعض بالاتفاق جائز ہیں اور بعض مختلف فیہ۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہر ملبس کرنے والی اور بدن سے متصل چیز مثلاً پگڑی

قبہ، طاقیہ وغیرہ۔ اور دوسرے مثلاً خیمہ، مکان اور درخت وغیرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق ثابت ہے کہ نمرہ میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا حالانکہ آپؐ محرم تھے۔

البتہ امام مالکؒ نے محرم کو اس بات کی ممانعت کی ہے کہ وہ درخت پر کپڑا لٹکا کر اس کا سایہ حاصل کرے۔ لیکن اکثر ائمہؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور امام مالکؒ کے اصحاب نے محرم کو اس بات سے منع کیا کہ وہ محمل کے سایہ میں چلے اور نیز محمل (اونٹ) کی ٹانگ یا موزج تو اس بارے میں جواز کے تین اقوال ہیں، شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ اس طرف (جواز کی طرف) ہیں۔ دوسرا قول ممانعت کا ہے اور اگر (سایہ) حاصل کیا تو فدیہ دے، یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر (سایہ) حاصل کیا تو اس پر فدیہ نہیں۔ یہ تینوں روایات امام احمدؒ سے منقول ہیں۔

۱۱۔ گیارہواں حکم: محرم کو چہرہ چھپانا ممنوع ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے شافعی رحمتہ اللہ اسے مباح کہتے ہیں۔ امام احمدؒ بھی ایک روایت میں اسے مباح سمجھتے ہیں اور مالکؒ وابو حنیفہؒ اسے ممنوع فرماتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسے ممنوع بتاتے ہیں اور جن چھ صحابہؓ نے اسے مباح بتایا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں، حضرت عثمانؓ، عبد الرحمٰنؓ بن عوف زیدؓ بن ثابت۔ زبیرؓ محمد بن ابی وقاص اور جابرؓ۔

۱۲۔ بارھواں حکم موت کے بعد بھی احرام کو باقی رہتے دینا کیونکہ موت سے احرام منقطع نہیں ہوتا۔ یہ حضرت عثمانؓ۔ علیؓ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ اور امام احمد۔ شافعیؒ۔ اسحٰق نے اسی کی تائید کی ہے۔ البتہ ابو حنیفہؒ۔ مالکؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ موت سے احرام منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو حلال (غیر محرم) کے ساتھ کیا جاتا ہے کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو تین باتوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور ان ائمہؒ نے فرمایا ہے کہ اس واقعہ کے

حدیث رمل کے منقطع نہ ہونے کی ، ہیں کوئی دلیل نہیں ، کیونکہ یہ آپؐ کے ساتھ خاص تھا ، جیسے یہ ائمہ کرام نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بھی آپؐ کے ساتھ مختص تھی۔

جمہور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ دعوائے تخصیص خلافِ اصل ہے ، اس لیے یہ قبول نہ ہوگا۔ اور حدیث میں آپؐ کا یہ فرمان کہ یہ تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا " درحقیقت علت ہی کی طرف اشارہ ہے یہ حکم اگر آپؐ کے ساتھ خاص ہوتا تو آپ اس علت کی طرف اشارہ فرماتے۔

اور اگر کہا جائے کہ ناقص علت سے تعلیل درست نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے اکہ شہدائے احد انہیں قیامت کے دن خون کے رنگ اور مشک کی خوشبو کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

لہٰذا یہ آپؐ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

یہی مثال یہاں ہے کہ اسے اس کے دونوں کپڑوں میں دفن کردو ، کیونکہ قیامت کے روز یہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ اور تم نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ شہدائے احد کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اس حکم کو تمام شہداء کی طرف متعدی کردیا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی تخصیص کی وجہ مذکورہ امکان تھا۔

عود الی المقصود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

عرفات کی طرف کوچ

جب آفتاب غروب ہوگیا اور زردی بھی ختم ہوگئی اور غروب آفتاب میں کوئی شبہ نہیں رہا تو آپ عرفات سے چل پڑے اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور خاموشی کے ساتھ چلتے رہے۔ ناقہ کی لگام اپنی طرف کھینچ لی۔ یہاں تک کہ اس کا سر کجاوے کے قریب آگیا۔ آپ فرماتے جاتے تھے۔

"اے لوگو! اطمینان سے چلو، کیونکہ ایضاع یعنی سرعت نیکی نہیں ہے"

اور آپ مازمین کے راہ سے چلے اور ضب کے راستہ سے عرفہ میں داخل ہوئے۔ عید کے موقع پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت طیبہ تھی کہ آپ راستہ بدل دیا کرتے اور اس کی حکمت کا ذکر "عید میں آپ کی سنت طیبہؐ کے اندر گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے وہ چال اختیار کی جسے "سیر عنق" کہتے ہیں، یعنی نہ بہت آہستہ نہ بہت تیز، جب آپ کو وسیع میدان نظر آتا تو ذرا تیز ہو جاتے اور جب کسی ٹیلے پر پہنچتے تو اونٹنی کی باگ قدرے ڈھیلی چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وہ چڑھ جاتی۔ آپ سارا راستہ مسلسل تلبیہ کہتے رہتے۔

راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور پیشاب سے فارغ ہوکر ہلکا سا وضو

فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا " الصلاۃ یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا، نماز آگے ہے۔ پھر آپؐ چل پڑے، یہاں تک کہ مزدلفہ تشریف لائے اور نماز کا وضو فرمایا۔ پھر مؤذن کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ پھر اقامت کہہ کر کجاوے اتارنے اور اونٹوں کو بٹھانے سے قبل نماز پڑھی۔ چنانچہ جب لوگوں نے کجاوے اتار لیے تو نماز شروع ہوئی۔ پھر آپؐ نے اذان کے بغیر صرف اقامت سے ہی عشا کی نماز پڑھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ نہیں پڑھا۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے دونوں نمازیں دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں۔

ایک روایت میں اذان کے بغیر دو اقامتیں مذکور ہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں۔ جیسا کہ آپؐ نے عرفہ میں کیا تھا، پھر آپؐ سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور اس رات کو آپؐ بیدار نہیں ہوئے اور نہ صحیح روایت میں عیدین کی راتوں میں آپؐ کی بیداری سے متعلق کچھ منقول ہے۔

اپنے اہل کے ضعف کے پیش نظر انہیں اجازت دی کہ وہ طلوع فجر سے قبل منیٰ کی طرف بڑھ جائیں، اور یہ چاند کے غروب ہونے کے وقت کا واقعہ ہے اور انہیں حکم دیا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے تب تک رمی، جمار (کنکر مارنا) نہ کریں۔ (ترمذی صحیح حدیث)

خلال کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حرب سے انہیں ہارون بن عمران سے انہیں سلیمان بن ابی داؤد سے انہیں ہشام بن عروہ سے انہیں اپنے والد سے روایت ملی کہ ام سلمہؓ نے فرمایا، مزدلفہ کی رات جن لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اہل میں سے آگے بھیجا، آپؐ نے ان میں مجھے مقدم رکھا، وہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رات کو رمی کی، پھر مکہ واپس چلی گئی۔ اور میں نے وہاں صبح کی نماز پڑھی، پھر منیٰ کی طرف لوٹی۔

ایک راوی حدیث پر جرح

میں کہتا ہوں، سلیمان بن ابی داؤد یہ وہی دمشقی خولانی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ابن داؤد ہے۔

ابوزرعہ نے احمدؒ سے روایت کی کہ یہ اہل جزیرہ میں سے ایک آدمی تھا اور کچھ نہ تھا (نکما) اور عثمان بن سعید اسے ضعیف بتاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں صحیحین کی روایت جو قاسم بن محمد سے مروی ہے، بھی اس کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا، فرماتی ہیں کہ حضرت سودہؓ نے مزدلفہ کی رات میں صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں اپنے سے اور لوگوں کے ہجوم سے قبل بھیج دیں اور یہ کمزور عورت تھیں، فرماتی ہیں کہ آپؐ نے انہیں اجازت دی تو وہ پہلے ہی چلی گئیں۔ اور ہم رک گئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی پھر ہم ان کے ساتھ ہی گئے، لیکن میراجی چاہا تھا کہ سودہ کی طرح میں بھی اجازت مانگ لوں یہ میرے لیے زیادہ سہولت کا باعث ہوتا۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہؓ کے علاوہ دوسری ازواج مطہراتؓ آپؐ کے ہمراہ تشریف لے گئیں۔ اب اگر کہا جائے کہ دارقطنیؒ وغیرہ نے حضرت عائشہؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس کا کیا جواب ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اجتماع کی رات اکٹھی نکلنے اور کنکر مارنے کا حکم دیا، جس سے فارغ ہو کر وہ پھر صبح کو اپنے گھر واپس آجاتی تھیں اور حضرت عائشہؓ وفات تک اسی پر عمل پیرا رہیں؟

جواب یہ ہوگا کہ محمد بن حمید راوی کو ایک سے زیادہ ائمہ کذاب قرار دے کر رد کرتے ہیں۔ نیز اسے صحیحین کی روایت بھی رد کرتی ہے نیز خود ان کا قول بھی رد کرتا ہے کہ میں نے چاہا جس طرح حضرت سودہؓ نے اجازت چاہی اسی طرح میں بھی اجازت حاصل کر لیتی اگر کہا جائے کہ چلو اس کا تو جواب ہو گیا لیکن صحیح مسلم کی حضرت ام حبیبہؓ سے روایت کا کیا جواب دو گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک گروہ کے ساتھ بھیجا الخ، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات اپنے ضعیف اہل کو آگے بھیج دیا

اور ابن عباسؓ بھی ان میں سے تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت سودہؓ کو بھی آگے بھیجا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنی باقی ازواج مطہرات کو روک لیا، اور ان کو ہمراہ لے گئے اور ام حبیبہؓ کی صحیح مسلم کی روایت اگر محفوظ ہے تو وہ بھی جانے والے ضعفاء میں ہوں گی۔ اگر کہا جائے امام احمدؒ کی روایت جو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کی اس کا کیا جواب دیا جائے گا؟ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو نحر کے دن اپنے اہل کے ساتھ منیٰ کی طرف بھیجا، چنانچہ انہوں نے فجر سے متصل ہی کنکر مارے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان کی دوسری روایت کو مقدم سمجھیں گے۔ جیسے امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور صحیح بتایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے کمزور اہل کو آگے بھیج دیا اور فرمایا تب تک رمی نہ کرنا، جب تک کہ آفتاب طلوع نہ ہو جائے اس لیے کہ انہیں رمی مقدم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ باقی عورتوں کو آپؐ نے بھیجا تو انہوں نے لوگوں کی مزاحمت و اجتماع عظیم کے خوف سے قبل از طلوع آفتاب رمی کرلی۔

چند مسائل فقہیہ کا استنباط حدیث بالا سے

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عذر یعنی مرض یا بڑھاپے وغیرہ کے باعث طلوعِ آفتاب سے قبل بھی رمی کرنا جائز ہے جب کہ لوگوں کے ہجوم کا خطرہ ہو۔ ہاں تندرست کے لیے ناجائز ہے۔ اور اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں۔ ایک مطلقاً نصف رات کے بعد جائز ہونا، خواہ وہ عاجز ہو یا توانا، یہ شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ دوسرے صرف طلوعِ آفتاب کے بعد جائز ہے۔ یہ ابو حنیفہ کا قول ہے تیسرے یہ کہ ذی قدرت کے لیے صرف طلوعِ آفتاب کے بعد جائز ہے جیسا اہلِ علم کے ایک گروہ کا خیال ہے اور جس پر حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نصف شب کے بعد نہیں بلکہ چاند کے غائب ہونے کے بعد جلدی کرنا ہے اور جنہوں نے نصف شب کی قید لگائی ہے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

عید اور حج اکبر کا دن

جب فجر طلوع ہوگئی تو آپؐ نے وقت سے پہلے قطعاً نہیں بلکہ ابتدائے وقت میں نحر کے دن اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی۔ یہی عید اور حج اکبر کا دن ہوتا ہے، نیز یہی دن ہر مشرک سے اللہ و رسول کے اعلان بیزاری کا دن ہے۔

پھر آپ سوار ہوئے یہاں تک کہ مشعر حرام کے پاس اپنے موقف میں آئے چنانچہ (یہاں پہنچ کر) آپؐ قبلہ رخ ہوئے اور دعا و تضرع، تکبیر و تہلیل اور ذکر (الٰہی) میں مشغول ہوگئے، حتیٰ کہ کافی روشنی ہوگئی اور یہ واقعہ طلوع آفتاب کے وقت کا ہے۔ اور اسی مقام پر عروق بن مضرس طائی نے دریافت کیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں جبل طی سے حاضر ہوا ہوں، اور میں نے اپنی سواری کو چلایا، اور اپنے آپ کو بھی تھکا دیا۔ اللہ کی قسم میں نے ہر پہاڑ پر وقوف کیا تو کیا میرا بھی حج ہوگیا؟ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور جس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا یہاں تک کہ ہم چل پڑیں (اور آپؐ اس سے قبل عرفات میں ایک دن یا رات وقوف کر چکے تھے) تو اس کا حج مکمل ہوگا، ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح بتایا ہے۔

چنانچہ اس حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عرفہ کی طرح مزدلفہ میں وقوف اور شب گذارنا بھی رکن ہے۔ یہ دو صحابہؓ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کا مذہب ہے اور ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ علقمہ، حسن بصریؒ اوزاعیؒ۔ حماد بن ابی سلیمانؒ، داؤد ظاہریؒ اور ابو عبید القاسمؒ بن سلام کا یہی مذہب ہے۔ محمدؒ بن جریر اور ابن خزیمہؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور شوافع کے تین وجوہ میں سے ایک یہ ہے۔

دین میں غلو کرنے سے بچو

آپؐ نے جائے وقوف میں وقف کیا اور لوگوں کو آگاہ کیا کہ سارا مزدلفہ موقف ہے۔ پھر آپ مزدلفہ سے فضل بن عباس کو پیچھے بٹھا کر چلے اور راستہ بھر تلبیہ کہتے رہے، اور حضرت اسامہ بن زیدؓ قریش کی جماعت کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ اس

راستہ میں آپؐ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے لیے سات عدد جمار کے کنکر چنیں اور انہیں اسی رات کو پہاڑ سے اکھاڑ کر الگ نہیں کیا جیسے وہ لوگ کہتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں اور نہ کنکریاں رات کو چن لی تھیں بلکہ (ابن عباسؓ نے پتھر کے ڈھیر سے سات کنکر چن لیے چنانچہ آپؐ انہیں اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگے۔ اور فرمانے لگے، اس طرح رمی کرو اور دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے جنہوں نے دین میں غلو کیا وہ ہلاک ہوئے۔

اسی راہ میں بنی خثعم کی ایک خوبصورت عورت حاضر ہوئی اور اس نے اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ وہ بوڑھا تھا اور سواری پر ٹھہر نہ سکتا تھا۔ آپؐ نے اسے حکم دیا کہ تو اس کی طرف سے حج کرلے۔ اور فضل (ابن عباس) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت فضل کی طرف تکنے لگی۔ چنانچہ آپؐ نے اپنا ہاتھ (فضل) کے چہرہ پر رکھ دیا اور اس کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔[۱]

نیز یہاں ایک اور آدمی نے آپؐ سے اپنی ماں کے متعلق دریافت کیا کہ وہ بہت ہی ضعیفہ ہے، اگر اسے سوار کیا جائے تو برداشت نہ کرسکے گی، اگر اُسے باندھ دیا جائے تو خودکشی کرے گی۔

آپؐ نے فرمایا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں ضرور۔ آپؐ نے فرمایا، تو اپنی ماں کی طرف سے حج کر۔

---

[۱] اس واقعہ سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟ رسالت مآبؐ کی موجودگی میں ایک خوبصورت نوجوان، اور ایک خوبصورت خاتون کی آنکھیں چار ہوتی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگتے ہیں۔ یہ فعل غلط تھا، لیکن اس میں انسانی فطرت بھی کار فرما تھی آپؐ نے ان دونوں باتوں کا لحاظ فرمایا، کسی عتاب نہیں فرمایا۔ سزا نہیں دی، ایک کا رخ بدل دیا، دوسرے کی آنکھ پر دستِ مبارک رکھ دیا۔ بات ختم ہوگئی۔ (رئیس احمد جعفری)

جب آپ وادی محسر میں تشریف لائے تو اونٹنی کو تیز کر دیا اور جن مقامات میں اللہ نے اپنے دشمنوں پر عذاب نازل کیا تھا وہاں آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ تیز چلتے اس جگہ (وادی محسر) اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، جس کا واقعہ اللہ نے قرآن میں بتایا اور اس وادی کی وادی محسر اس لیے کہتے ہیں کہ اس وادی میں ہاتھیوں کو حسر یعنی واپس جانے سے روک کر تباہ کر دیا گیا اور محسر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ نہ اس میں پر عذاب اور نہ عرفات اور حرام کے درمیان حد ہے۔ اس طرح ہر دو مشاعر کے درمیان ایک حد ہے جو نہ اس میں داخل ہے نہ اس میں منیٰ حرم میں داخل ہے اور مشعر بھی ہے اور محسر حرم میں داخل تو ہے لیکن مشعر نہیں اور مزدلفہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی ہے۔ اور عرفہ حل میں ہے اور مشعر نہیں ہے اور عرفہ حل میں بھی داخل ہے اور مشعر بھی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں سے درمیانی راستہ پر چلے جو جمرہ کبریٰ پر جا نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ منیٰ میں تشریف لائے اور جمرۂ عقبہ پر پہنچ گئے اور وادی کے نچلی جانب ٹھہرے۔ بائیں طرف کعبہ شریف دائیں طرف منیٰ اور سامنے جمرہ تھا۔ اور آپؐ سواری پر تھے۔ چنانچہ آپ طلوع آفتاب کے بعد اپنی سواری پر سے ایک ایک کر کے کنکر مارے اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے رہے۔ اس وقت آپؐ نے تلبیہ ختم کیا اور اس راستہ میں برابر تلبیہ کہتے رہتے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے رمی کی۔ اور بلال رضؓ اور اسامہ رضؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ ایک نے اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے گرمی سے بچاؤ کے لئے آپؐ پر سایہ کر رکھا تھا۔ اس واقعہ سے محرم کے لیے محمل وغیرہ کا سایہ کرنے کا جواز نکلتا ہے بشرطیکہ یوم النحر کے اس واقعہ میں سایہ کرنا ثابت ہو جائے اور اگر ایام منیٰ میں اس کے بعد کا واقعہ ہو تو پھر یہ حجت نہیں بن سکتا۔ اور حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ یہ کب کا واقعہ ہے۔

خطبۂ وداع

منیٰ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا امّت کو پیام

قربانی کے دن کی عظمت

پھر آپؐ منیٰ واپس ہوئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں لوگوں کو قربانی کے دن کی حرمت و عظمت اور اللہ کے ہاں اس کی فضیلت سے آگاہ کیا اور تمام ممالک پر مکہ کی فضیلت بیان فرمائی اور کتاب اللہ کے مطابق حکمرانی کرنے والوں کی سمع و طاعت کا حکم دیا۔[1] پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ آپؐ سے مناسک حج سیکھ لیں، اور فرمایا کہ شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں[2]۔ آپؐ نے مناسک حج سکھائے اور مہاجرین و انصار کو اپنے اپنے مقامات پر اتارا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے بعد مبتلائے کفر نہ ہو جائیں کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگیں[3] پھر اپنی طرف سے تبلیغ کا حکم دیا اور

---

[1] سمع و طاعت کی شرط یہ ہے کہ حکومت کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے مطابق کی جائے۔

[2]: آپؐ نے محسوس فرمایا تھا کہ رفیق الاعلیٰ یعنی خدائے تبارک و تعالیٰ کی طرف سے طلبی کا فرمان آچکا ہے اور آپؐ دنیا سے رخت سفر باندھنے والے ہیں۔

[3]: باہمی جدال و قتال گویا کفر کا ہم پایہ ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو مسئلہ پہنچایا جاتا ہے، وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ (فہم و فراست کے مالک) ہوتے ہیں۔

نیز آپؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ کوئی آدمی اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔ اور مہاجرین کو قبلہ کے دائیں طرف اور انصار کو بائیں طرف اتارا، باقی لوگ ان کے ارد گرد تھے اور اللہ تعالیٰ نے (آپ کے خطبہ کی خاطر) لوگوں کی قوتِ سماعت کھول دی، یہاں تک کہ اہل منیٰ نے اپنے اپنے گھروں میں آپؐ کا خطبہ سنا۔

آپؐ نے خطبہ میں مزید فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچوں نمازیں ادا کرو، اور مہینے کے روزے رکھو اور جب تمہیں (قرآن و سنت کے مطابق) حکم دیا جائے تو اطاعت کرو، اور اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو وداع کیا۔ تو (لوگ) کہنے لگے یہ حجۃ الوداع ہے اور بہت سے لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ جو رمی سے قبل حلق کروالے یا رمی سے قبل ذبح کرے۔ تو آپؐ نے فرمایا، کوئی حرج نہیں[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن دیکھا کہ آپؐ سے جو بھی پوچھا جاتا آپؐ فرماتے کرلو اور اس میں کوئی حرج نہیں پھر آپؐ منیٰ میں قربانی کے مقام پر تشریف لے گئے۔ چنانچہ وہاں تریسٹھ اونٹ ذبح کیے۔ آپؐ کھڑے ہوکر اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر ذبح کر رہے تھے، اور آپؐ نے تقریباً ساٹھ اونٹ ذبح کیے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باقی کو ذبح کر دیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان جانوروں کا چمڑا اور گوشت بنانے کے عوض اس میں سے کچھ نہ دیں۔ اب اگر کہا جائے کہ صحیحین کی حضرت ابوبکرہ سے مروی حدیث کا جواب دو گے کہ جو انہوں نے یوم النحر کو منیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے متعلق روایت کرتے ہوئے بتایا۔ پھر آپ دو نہایت

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کی سہولت اور آسانی کا کتنا زیادہ خیال رکھا ہے (رئیس احمد جعفری)

چتکبرے مینڈھوں کی طرف گئے۔ اور انہیں ذبح فرمایا اور بکریوں کے ریوڑ کی طرف تشریف لے گئے اور اسے ہم میں تقسیم کیا (مسلم)؟

تو جواب یہ ہے کہ مینڈھوں کے ذبح ہونے کا واقعہ مکہ میں ہوا اور حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق مدینہ میں مینڈھے ذبح کیے گئے۔ کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کے لیے دو طریقے ہیں، ایک حضرت انسؓ کا قول کہ آپؐ نے مدینہ میں دو انتہائی خوبصورت دو سینگوں والے مینڈھے ذبح کیے اور نماز عید ادا فرما کر دنبوں کی طرف تشریف لے گئے، چنانچہ حضرت انسؓ نے مکہ میں آپؐ کے اونٹوں کی قربانی کرتے اور مدینہ میں مینڈھے قربانی کرنے میں فرق بتا دیا۔ اور وضاحت کر دی کہ یہ دونوں مختلف واقعات ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منیٰ میں قربانی کا ذکر کیا ہے۔ بتایا ہے، کہ آپؐ نے (یہاں) اونٹ ذبح کیے اور یہ اونٹ ہدی کے طور پر تھے۔ جو آپؐ لے کر آئے تھے، یہ وہاں بکریوں کے ذبح کرنے سے افضل تھے۔

حج تمتع یا حج قران

ایک اہم اختلافی مسئلہ کی تحقیق

آں حضرت جب مقام سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہ ایام سے ہو گئیں انہوں نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت بھی کر رکھی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس روتی ہوئی آئیں۔

آپ نے پوچھا، "کیوں رو رہی ہو؟ ——— شاید ایام آگئے"

کہنے لگیں، "ہاں یہی ہوا ہے"!

آپؐ نے فرمایا، (روتی کیوں ہو؟) یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالےٰ نے بنات آدم کے لیے لکھ دی ہے، وہ سب کچھ کرو جو ایک حاجی کرتا ہے، بس بیت اللہ کا طواف نہ کرنا"!

حج تمتع یا حج افراد کے بارے میں علماء کا اختلاف حضرت عائشہ کے اس واقعہ کے سلسلے میں علماء کے مابین اس بات پر منازعت ہے کہ آیا ان کا یہ حج تمتع تھا، یا حج افراد؟[1]

---

[1] حج کی صورتیں:-

۱- حج افراد — اس میں صرف حج کی نیت کرتے ہیں بعد ازاں عمرہ -

۲- حج تمتع — میقات سے یہ صرف عمرہ کی نیت کرتے ہیں، مکہ آ کر عمرہ کے ارکان ادا کرتے ہیں اس کے بعد احرام اتار دیتے ہیں، پھر ذی الحجہ کو حج کے ارادے سے دوبارہ احرام باندھتے ہیں۔

(۳) حج قران — اس میں حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کی جاتی ہے اور جب تک جملہ مناسک حج ادا نہ ہو جائیں، حاجی احرام نہیں اتار سکتا۔ (رئیس احمد جعفری)

اگر حج تمتع تھا تو آیا انہوں نے عمرہ کا ارادہ ترک کر دیا، اور حج افراد کی نیت کر لی؟
اور حج کر کے قارن ہو گئیں۔
اور تنعیم سے دوبارہ جس عمرہ کی نیت کر کے چلی تھیں آیا وہ واجب تھا یا نہیں؟

چند تنقیحات اور ان کا جواب

حضرت عائشہ کے اس واقعہ کے پیش نظر فقہا اس باب میں مختلف ہیں کہ عورت جب عمرہ کا احرام باندھ لے اور ایام سے ہو جائے اور طواف بیت اللہ اس کے لیے قبل از تعریف ممکن نہ ہو، تو آیا وہ عمرہ کا احرام اتار دے گی، اور حج افراد پر اکتفا کرے گی، یا حج اور عمرہ دونوں کرے گی، اور قارن ہو جائے گی ـــــــ !؟

پہلا قول فقہاء کوفہ کا ہے، یعنی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا، دوسرا قول فقہائے حجاز کا ہے، یعنی امام مالک، و احمد اور ان کے اتباع کا۔

تنعیم سے حضرت عائشہ عمرہ کی نیت کر کے جب پھر سے چلیں تو اس باب میں چار مسلک ہیں۔

(۱) تنعیم سے عمرہ کی نیت کر کے پھر سے روانہ ہونا، محض رضا کارانہ تھا، ورنہ حج و عمرہ کر کے وہ سعی و طواف سے سبک دوش ہو چکی تھیں، وہ متمتع تھیں، پھر عمرہ بھی حج میں شامل کر لیا۔ اور قارن ہو گئیں۔

یہ مسلک واضح اقوال و احادیث پر مبنی ہے، اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں امام شافعی اور احمد کا مسلک یہی ہے۔

۲۔ جب حضرت عائشہ ایام سے ہوئیں، تو آں حضرت نے انہیں ہدایت کی کہ عمرہ چھوڑ دیں، اور حج افراد کی نیت کریں، جب حج سے فارغ ہو گئیں، اور احرام کھولا، تو آپ نے حکم دیا کہ فقہائے عمرہ کی نیت کریں، اور عمرہ ادا کریں جس کا انہوں نے احرام باندھا تھا،

۳۔ جب قارن ہو گئیں تو عمرۂ مفردہ کی ضرورت نہیں رہ گئی، ـــــــ یہ امام احمد کے دو اقوال میں سے ایک ہے۔

(۴) حضرت عائشہ نے حج افراد کی نیت کی تھی، انہیں طواف قدوم سے اس لیے منع کیا گیا تھا کہ ایام سے تھیں۔

یہ مسلک قاضی اسماعیل بن اسماعیل ابن اسحاق وغیرہ مالکی فقہا کا ہے، اور یہ ضعیف ترین مسلک ہے۔"

حجِ وداع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

اب ہم پھر اصل مبحث پر، یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج پر آتے ہیں؟
مقام سرف سے روانہ ہونے کے لیے مکہ میں آپ نے صحابہ سے فرمایا جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور نہ ہوں، وہ صرف عمرہ کریں۔ اور احرام اتار دیں، اور جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور ہوں، وہ احرام باندھے رہیں۔

آنحضرتؐ سے ایک سوال اور اس کا جواب

اس موقع پر سراقہ بن مالک نے سوال کیا "آیا یہ حکم صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟"
آپ نے جواب دیا نہیں ہمیشہ کے لیے، اب قیامت تک کے لیے عمرہ حج میں داخل ہوگیا ہے!"
اس حدیث کی روایت چودہ صحابہ نے کی ہے، اور یہ ساری روایتیں بالکل صحیح ہیں، جن چودہ بزرگوں نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:"
ام المؤمنین عائشہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت فاطمۃ الزہراء۔ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق، حضرت جابر بن عبداللہ،

نے بیان کیا، اور آپؐ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، لوگوں نے حج افراد کا ارادہ کیا، آپؐ نے ان سے تمتع کے لیے کہا، انہوں نے عرض کیا۔

"ہم حج تمتع کس طرح کر سکتے ہیں جب کہ ہم حج (افراد) کی نیت کر چکے ہیں"؟!

آپؐ نے فرمایا، جو میں کہتا ہوں وہ کرو، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی وہی کرتا جو تم سے کہہ رہا ہوں، لیکن اب میں اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک قربانی کے جانور اپنے محل پر نہ پہنچ جائیں، تب ہی احرام کھول سکتا ہوں!"

چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا!

صحیح مسلم میں حضرت حفصہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر حکم دیا کہ احرام دیں۔

حضرت حفصہ کہتی ہیں میں نے سوال کیا۔

"آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟"

فرمایا "میں قربانی کے جانور روانہ کر چکا ہوں، اب اس وقت تک احرام نہیں اتار سکتا جب تک قربانی نہ کر لوں!"

صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کی حدیث ہے کہ ہم لوگ (حج و داع کے موقعہ پر) احرام باندھ کر نکلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا۔

"جس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں، وہ احرام باندھے رکھے، جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں وہ اتار دے!"

چنانچہ میں نے احرام اتار دیا۔

اہل بیت، صحابہ کرام اور کبار تابعین کا مذہب

غرض یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت مرویات سے بہ صراحت ثابت ہے، اس کے راویوں میں صحابہ کرام اور کبار تابعین ہیں، یہ منقولات شک سے ماوراء اور موجب یقین ہیں۔ کسی شخص کے لیے بھی ان سے انکار کرنا ممکن

نہیں، یہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب ہے حبر الامت ابن عباسؓ کا اور ان کے اصحاب کا، نیز ابوموسیٰ اشعریؓ کا بھی یہی مذہب ہے امام اہل السنت و الحدیث احمد بن حنبل، ان کے اتباع، اور اہل حدیث کا مذہب بھی یہی ہے، عبیداللہ بن حسن عنبری قاضی بصرہ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔

اہل ظاہر کے عذرات واعتراضات

لیکن اہل ظاہر، اور ان احادیث سے اختلاف رکھنے والے چند عذر اس مذہب (مسلک) کو قبول کرتے ہیں پیش کرتے ہیں:

(۱) یہ حدیثیں منسوخ ہو چکی ہیں،

(۲) یہ حدیثیں صرف صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہیں، غیر صحابی کے لیے اس حکم میں مشارکت جائز نہیں۔

(۳) خلاف حکم سے یہ حدیثیں معارض ہیں،

یہ ہیں وہ تمام عذرات اور اعتراضات جو ان احادیث پر وارد کیے جاتے ہیں، اب ہم ایک ایک کر کے ان عذرات واعتراضات کا جواب دیں گے۔

کیا یہ حدیثیں منسوخ ہو چکی ہیں

جو لوگ ان احادیث کو منسوخ مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجھ سے فارابی نے ان سے ابان ابن ابی حازم نے ان سے ابوبکر بن حفص نے، ان سے ابن عمر نے ان سے حضرت عمرؓ نے جب وہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے بیان کیا کہ:

"اے لوگو! ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے متعہ کو جائز قرار دیا تھا، پھر اسے ہم پر حرام کر دیا!"

بزار کہتے ہیں یہ حدیث سنداً اور متناً سے محروم ہے، سند کا جہاں تک تعلق ہے وہ قطعاً ناقابل قبول ہے، رہا متن، تو یہاں متعہ سے مراد عورتوں سے متعہ ہے نہ کہ حج تمتع، اور بے شک عورتوں سے متعہ کو پہلے آپؐ نے حلال کیا تھا، پھر حرام کر دیا تھا،

اور حضرت عمرؓ سے بہ روایت صحیحہ ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا، "میں حج کے ساتھ تمتع ضرور کرتا ہوں۔!"

تمتع یا قران کا صحابہ کے ساتھ اختصاص؟ اب رہا، حج تمتع یا قران کا صحابہ کے ساتھ اختصاص کا معاملہ، اس کے جو دلائل دیئے جاتے ہیں یہ ہیں!

عبداللہ بن زبیر حمیدی، سفیان، یحییٰ بن سعید اور مرقع کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ ابوذر نے کہا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فسخ حج ہمارے لیے خاص تھا۔

وکیع، موسیٰ بن عبیدہ اور یعقوب بن زید کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ ابوذرؓ نے فرمایا،

"ہمارے بعد کسی کے لیے بھی روا نہیں کہ حج کو عمرہ کے ساتھ ملائے، یہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک رخصت تھی"!

بزار، یوسف بن موسیٰ، سعد بن فضل، محمد بن اسحاق، عبدالرحمان الاسدی، یزید بن شریک کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ابوذرؓ سے پوچھا، "رسول اللہ نے کس طرح حج تمتع کیا تھا آپ تو ساتھ تھے بتایئے"!"

ابوذرؓ نے جواب دیا، تمہیں اس سے کیا،؟ یہ تو وہ چیز تھی جس میں ہمارے لیے رخصت تھی!

صحیح مسلم میں ابوذرؓ کی حدیث ہے کہ "حج میں متعہ (تمتع) اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا!"

اس حدیث کے دوسرے الفاظ یہ ہیں، "دو متعہ کسی کے لیے جائز نہیں ہیں سوا ہمارے متعتہ نساء، اور متعتہ حج،

اسی طرح کی روایتیں سنن ابو داؤد اور نسائی وغیرہ میں بھی ہیں، غرض یہ ہے وہ مجموعہ روایات جس سے یہ حج قران یا تمتع کے مخالف استدلال کرتے ہیں اور دعویٰ

کرتے ہیں کہ ہدف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا،
لیکن یہ تمام آثار بینہ طور پر باطل ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔
ان راویوں میں ایک مرفع ہے، جس سے روایت قبول نہیں کی جاتی، پھر یہ بات
بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کی روایت مخصوص صحیحہ غیر مدفوعہ سے معارض ہے۔
پھر سے کیونکر قبول کیا جاسکتا ہے؟ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مدعیان نسخ و
اختصاص کا دعوی، مخالف اصل ہے بغیر برہان و دلیل کے قبول نہیں کیا جاسکتا۔
بلال بن حارث والی حدیث بھی یکسر غلط ہے، یہ اس حدیث کو ثقات اثبات
کے روایات پر کس طرح مقدم رکھا جاسکتا ہے؟ ابن عباسؓ زندگی بھر اس کے خلاف
فتوی دیتے رہے اور اس کے مخالفوں سے بحث کرتے رہے۔ اور رسول اکرمؐ کے
ممتاز اور اجل صحابہ زندگی بھر اس کے خلاف عمل کرتے رہے یعنی حج تمتع کرتے رہے۔
اس کثیر جماعت صحابہ میں سے کسی نے بھی۔ نہیں کہا یہ تمتع ہمارے لیے خاص ہے،
یا ہمارے لیے رخصت ہے، بلکہ اسے عام قرار دیا اور تمام مسلمانوں کے لیے بتایا
حدیث اختصاص کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں۔ خدا تعالی ابوذر پر رحم کرے،
تمتع کی اجازت تو اللہ کی کتاب سے ہی ہے، باقی رہا، حضرت عثمانؓ کا قول، یہ حج
تمتع صرف صحابہ کے لیے تھا دوسروں کے لیے نہ تھا، تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو قول
ابوذرؓ کا ہے، علاوہ ازیں قول ابوذر و عثمان تین امور پر محتمل ہے"،
(۱) صحابہ کے لیے جواز کا اختصاص، جو لوگ حرمت نسخ کے قائل ہیں وہ یہی
سمجھتے ہیں۔
۲۔ صحابہ کے ساتھ وجوب کا اختصاص، ہمارے شیخ ابن تیمیہ یہی رائے رکھتے
ہیں وہ فرماتے ہیں۔ صحابہ کے لیے نسخ فرض تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حکم دیا تھا، لیکن امت کے لیے یہ بات جواز، اور استحباب کے درجہ میں ہے
اور قیامت تک یہی صورت رہے گی۔ لیکن ابن عباسؓ اسے قیامت تک
ساری امت کے لیے واجب قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہر قارن اور مفرد

حج قران یا افراد کی نیت کرنے والا) کے لیے جس کے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوں یہ فرض ہے کہ احرام اتار دے۔

(۳) احتمال ثالث یہ ہے کہ صحابہ کے بعد کسی کے لیے بھی روا نہیں ہے کہ بغیر قربانی کے جانوروں کے قارن یا مفرد کی حیثیت سے حج کی ابتدا کرے، لیکن یہ احتمال بھی احادیث ثابتہ وصحیحہ سے تعارض ہے۔ لہٰذا ناقابل قبول ہے۔

باقی رہی صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ حج میں متعہ (تمتع) صحابہ کے لیے خاص تھا، یہ بات اگر اصل متعہ کے لیے ہے کہ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں، اور متعہ فسخ کے بارے میں ہے تو یہ قول فاسد ہے، اس کی صراحت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے ہوتی ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی رائے سے زیادہ اہم ہے اور جسے بخاری نے روایت کیا ہے، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج تمتع کیا، اسی اثنا میں قرآن کی آیت نازل ہوئی (اس بارے میں) صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ کتاب اللہ میں آیت متعہ نازل ہوئی، یعنی متعۃ الحج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا پھر کوئی ایسی ناسخ آیت نازل نہیں ہوئی، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کبھی منع فرمایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اب اگر کوئی شخص اپنی رائے سے کچھ کہتا ہے تو جو چاہے کہے۔ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ)

ایک سائل کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

ایک مرتبہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا، اور ان سے کہا گیا،

"آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے؟"

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا میرے باپ کا قول؟"

ابن عباس نے ایک شخص سے جو اس بارے میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول سے معارضہ کراتا تھا کہا۔

"مجھے ڈر ہے کہیں تم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں، میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ فرمایا ہے، اور تم کہتے ہو، ابوبکرؓ وعمرؓ نے یہ کہا ہے"!

معصوم کے قول پر غیر معصوم کا قول نہیں مانا جاسکتا یہ ہے اہلِ علم کا جواب، نہ یہ جواب کہ عثمانؓ ابوذرؓ رسول اللہؐ کے قول وفعل سے تمہارے مقابلہ میں زیادہ واقف تھے۔

ابن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ ابوبکر وعمرؓ ہمارے مقابلہ میں رسول اللہؐ سے زیادہ واقف تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نص کے مقابلہ میں صحابہ یا تابعین میں سے ایک شخص بھی اس جواب سے مطمئن نہیں ہوسکتا اور نص معصوم معصوم کے قول پر غیر معصوم کے قول کو تقدم نہیں حاصل ہوسکتا، اور نص معصوم سے ثابت ہوتا ہے کہ حج تمتع قیامت کے لیے ہے، اس کی تائید میں، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابوموسٰی اشعری، سعید بن المسیب اور جمہور تابعین ہیں، اس لیے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بعض صحابہؓ کی محض رائے تھی، نہ کہ رسول اللہؐ سے حدیث مرفوع،

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب تمتع سے منع کیا، تو ان سے ابوموسٰی اشعریؓ نے فرمایا، "یا امیرالمومنین کیا آپ نسک وعبادت میں ایک نئی بات رائج نہیں کر رہے ہیں؟"

اور یہ ابوموسٰیؓ برابر عہد خلافت ابوبکرؓ میں، اور صدر خلافت عمرؓ میں برابر، (تمتع) کا فتویٰ دیتے رہے، یہاں تک کہ عمرؓ نے اس سے منع کر دیا، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ ان کی رائے میں حضرت عمر نے نسک وعبادت میں ایک نئی بات رائج کی، لیکن یہ بھی ثابت اور صحیح ہے کہ بعد میں اپنے اس قول (نہی) سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا،

احادیث نسخ کے تعارض کا مسئلہ اور رواۃ پر بحث باقی رہا احادیث نسخ میں تعارض کا معاملہ تو

اس سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ان میں ایک حدیث عمرؓ سے ابوالاسود کی ہے، صابق بن حزم اسے منکر قرار دیتے ہیں، لہٰذا اس سے روایت کس طرح جائز ہو سکتی ہے، اسی طرح عبداللہ مولیٰ اسماء کی حدیث ہے کہ اسماء بنت ابوبکر صدیق نے کہا کہ میں نے اور میری بہن عائشہؓ نے اور زبیر نے اور فلاں فلاں نے مسح بیت اللہ کے بعد احرام اتار دیے۔ پھر رات کو حج کی نیت کر کے احرام باندھ لیے، لیکن یہ حدیث دو وجوہ سے باطل ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ اہلِ نقل اس پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مکہ میں پہلی مرتبہ داخلہ کے وقت عمرہ نہیں کیا تھا، اسی لیے حج کے بعد تنعیم جا کر عمرہ کی نیت کر کے واپس آئیں اور عمرہ کیا، اس کے راوی بہت ثقہ لوگ ہیں، مثلاً ابولاسود، ابن ابی ملیکہ، قاسم بن محمد، عروہ، طاؤس، اور مجاہد دوسرا سبب بطلان کا یہ ہے کہ مسح بیت کے بعد احلال کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ جابر، انس بن مالک، عائشہ، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم، سب کی روایت یہ ہے کہ احلال دخول مکہ کے دن ہوا تھا، اور احلال حج یوم ترو (۸ ذی الحجہ) کو ہوا تھا، اور ان دونوں ایام کے مابین تین دن کی مدت ہے۔

آنحضرتؐ کے سفرِ حج کی طرف عود

اب ہم پھر آں حضرتؐ کے ذکرِ حج کی طرف عود کرتے ہیں۔

آں حضرتؐ ذی طویٰ میں آکر اترے، جو آج کل آبار زاہر کے نام سے معروف ہے، یہاں رات گزاری، پھر نماز صبح کے بعد غسل کیا، اور مکہ کی طرف سواری روانہ ہوئی، جہاں آپؐ دن چڑھے داخل ہوئے، طبرانی نے بیان کیا ہے کہ آپؐ باب بنی عبدمناف سے جو اب باب بنی شیبہ کے نام سے معروف ہے داخل ہوئے۔

طبرانی کا بیان ہے کہ جب آپؐ کی نظر مبارک کعبہ پر پڑی، تو آپؐ نے فرمایا!

یعنی اے پروردگار اپنے اس گھر کی عزت، حرمت، عظمت، اور بزرگی اور زیادہ بڑھا دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ ہاتھ اٹھاتے

اور تکبیر کہتے تھے، اور فرماتے تھے،

اللھم انت السلام ومنک السلام، حینا ربنا بالسلام اللھم زد ھذا البیت تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابۃ وزد من حجہ او اعتمرہ تکریماً وتشریفاً وتعظیماً وبرًّا

یعنی (مذکورہ بالا دعا کے علاوہ) اے پروردگار، جو اس تیرے گھر کا حج کرتے یا عمرہ کرے، اس کی بھی بزرگی، عزت، بڑائی، اور عظمت میں اور زیادہ اضافہ کر!

جب آپؐ مسجد میں آئے، تو کعبہ کی طرف بڑھے، یہاں آپ نے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی، کیونکہ مسجد حرام کی تحیہ طواف ہے، جب حجر اسود کے سامنے آئے تو اسے چوما مگر اس کے لیے نہ کسی کے مزاحم ہوئے، نہ رکن یمانی کا رخ کیا، نہ ہاتھ اٹھائے، نہ یہ فرمایا کہ میں طواف کی نیت کرتا ہوں۔ نہ طواف کا نماز کی طرح تکبیر سے افتتاح کیا، جیسا کہ ناواقف اور لاعلم لوگ کرتے ہیں، کہ یہ بدعت اور منکر ہے، نہ آپؐ حجر اسود کے پورے جسم سے مقابل ہوئے، بلکہ حجر اسود کی طرف کچھ رخ سا کر لیا، داہنی طرف سے طواف شروع کیا، کعبہ آپ کے بائیں جانب تھا، باب کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر کوئی دعا نہیں مانگی، نہ میزاب کے نیچے ایسا کیا، جب آپؐ رکنین، یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان پہنچے تو فرمایا،

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

یعنی اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں اچھائیاں عطا کر، اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے،

آپؐ نے طواف کس طرح کیا؟ طواف کے پہلے تین چکروں میں آپؐ اس طرح چلے کہ آپ کی رفتار تیز تھی، لیکن چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ، چادر یوں اوڑھے تھے کہ اس کا ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کر، شانے پر ڈال لیا تھا، جب حجر اسود کے سامنے آئے۔ تو اس کی طرف اشارہ فرماتے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اسی سے اسے چھوتے، اور پھر لکڑی کو چھو کر آگے بڑھ جاتے، اس

چھڑی کا سرا مڑا ہوا تھا،

یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے رکن یمانی کو چھوا، مگر اسے چومتے نہیں تھے، نہ اسے چھو کر ہاتھ کو چومتے تھے۔ دار قطنی نے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ؐ رکن یمانی (حجر اسود) کو چومتے تھے، اور اس پر اپنا رخسار مبارک رکھ دیتے تھے، اس روایت کے راویوں میں ایک عبداللہ بن مسلم بن ہرمز ہے، امام احمد اسے صالح الحدیث کہتے ہیں، لیکن بعض اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس جگہ رکن یمانی سے مراد، حجر اسود ہے، طبرانی نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ آپ جب رکن یمانی کو چھوتے تھے تو فرماتے تھے۔

بسم اللہ واللہ اکبر، اور جب حجر اسود کے پاس آتے تو فرماتے اللہ اکبر،

مقام ابراہیم پر درود۔ طوائف کعبہ سے فراغت کے بعد، آپؐ مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ یعنی مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو) پھر دو رکعت نماز پڑھی، جس میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پڑھی۔ نماز کے بعد حجر اسود کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے پھر چھوا، اس کے بعد صفا کی طرف تشریف لے گئے، جب قریب پہنچے تو قرآن کی یہ آیت پڑھی، انما الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔

یعنی صفا اور مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں، (آیت ختم) اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا،

ابدأ بما بدأ اللہ۔ یعنی خدا نے جس سے ابتداء کی ہے میں بھی اسی سے ابتدا کرتا ہوں۔

نسائی کی روایت میں ابدؤا بما بدأ اللہ بہ امر ہے،

پھر آپ صفا پر چڑھ گئے، یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ نے خدا کی وحدت اور کبریائی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ

الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر لا الٰہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ یعنی خدا اسے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں سب کچھ اس کا ہے، وہی سزاوار ستائش ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی" پھر آپؐ نے دعا فرمائی، اور یہ الفاظ تین مرتبہ دوہرائے، پھر آپؐ پا پیادہ مروہ آئے، اور بطن وادی میں پہنچ کر سعی کرنے لگے۔

صحیح مسلم میں ابوالطفیل کی روایت ہے کہ میں نے ابن عباس سے عرض کیا، ارشاد فرمایئے کیا واقعی صفا اور مروہ کے مابین سوار ہو کر طواف کرنا سنّت ہے؟ کیونکہ آپ کی قوم کے لوگ تو اسے سنّت ہی خیال کرتے ہیں، ابن عباس نے کہا، وہ ٹھیک بھی کہتے ہیں اور غلط بھی کہتے ہیں میں نے کہا ٹھیک کس طرح اور غلط کس طرح کہتے ہیں؟ کہنے لگے، لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ کھوے سے کھوا چھلنا شروع ہو گیا، اور رسول اللہؐ اپنے سامنے سے لوگوں کو ہٹاتے نہیں تھے، چنانچہ جب ہجوم بہت بڑھ گیا، تو آپؐ سوار ہو گئے، ورنہ پا پیادہ چلنا اس موقع پر زیادہ افضل ہے۔

طواف قدوم آپؐ نے سوار ہو کر کیا یا پیادہ؟

طواف قدوم کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا آپؐ اس موقع پر پا پیادہ تھے یا سوار؟

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے گرد اونٹ پر بیٹھ کر طواف فرمایا اور اسی طرح رکن کو چھوا، کیونکہ لوگوں کو سامنے سے ہٹانا آپؐ کو پسند نہ تھا، سنن ابو داؤد میں ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ناساز تھا آپؐ سواری پر سوار رہے، اور اسی طرح طواف کیا، رکن کے پاس جب پہنچے تو چھڑی سے اسے چھوا، طواف سے فراغت کے بعد اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں پڑھیں، ابو الطفیل کی روایت ہے کہ جس چھڑی سے آپؐ نے حجر اسود کو چھوا، اسے چوما بھی، اور بیہقی نے مسلم کے اسناد کے ساتھ جو روایت کی ہے اس میں اونٹ کا ذکر نہیں ہے، ممکن ہے یہ طواف قدوم کے بجائے طواف افاضہ کا واقعہ ہو۔

اعتکاف

دل کے روگ کا تنہا اور شافی علاج

رغبت الی اللہ کا وسیلہ قلب کی اصلاح و استقامت اللہ کی طرف لے جانے والی راہ، ذات الٰہی پر اعتماد کلی سے حاصل ہوتی ہے، خدا کی طرف رغبت ہی دل کی بے کلی کو دور کر سکتی ہے، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف میلان ہی دل کے روگ کا تنہا اور شافی علاج ہے، اور چونکہ خورد و نوش میں زیادتی لوگوں سے بیکار ملنا جلنا، لغو گوئی، اور زیادہ سونا ایسے افعال ہیں جن سے (قلب) کی پریشانی بڑھتی اور تشتت و افتراق واقع ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اللہ کے راستے میں آڑ بنتی یا اس میں ضعف و کجی پیدا کرتی ہیں، اسی لئے پروردگار عزیز و رحیم نے بندوں پر اپنی رحمت کے باعث روزہ فرض کر دیا کہ کثرت خورد و نوش میں کمی ہو جائے اور قلب سے شہوانی اخلاط ہٹ جائیں۔ جو اللہ کی طرف رغبت کرنے میں حارج ثابت ہوتے ہیں یہ چیزیں بندے پر خود اسی کی بھلائی، فائدے، اور مصلحت کے لئے فرض کیں، کہ وہ دنیا و آخرت میں ان سے متمتع ہو،

نیز اعتکاف شروع فرمایا۔ جو اصل مقصد ہے جس سے آدمی کا دل خود بخود خدا کی طرف راغب ہوتا ہے، وہ اس پر بھروسہ کرتا ہے اور مخلوقات کی مصروفیات سے علیحدہ ہو کر صرف خدائے عزوجل کی (عبادت میں) مشغول ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ قلب گہوارہ

افکار و آلام نہیں رہتا، ذکر و محبت الٰہی کا نشیمن بن جاتا ہے، پھر یاد الٰہی کے سوا کوئی اور کوئی یاد باقی نہیں رہ جاتی، بس یہی خیال رہتا ہے کہ خدا کی رضا اور قرب حاصل ہو، چنانچہ وہ مخلوق کی بجائے اللہ تعالیٰ سے انس حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ بھی اسی سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جس دن قبر میں وحشت ہو گی۔ اور کوئی انیس نہ ہوگا اور نہ سامانِ فرحت ہوگا وہاں پر وہ اس کا انیس ہوگا۔

دراصل اعتکاف کا سب سے بڑا مقصود یہی ہے، اور چونکہ یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ اعتکاف روزے کے ساتھ ہو۔ اسی لیے اعتکاف کو بھی رمضان کے آخری عشرہ میں شروع کیا گیا جو روزے کے باقی تمام ایام سے افضل ہے۔

بغیر روزے کے اعتکاف بے معنیٰ ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے کبھی بھی افطار کی سے حالت میں اعتکاف کیا ہو۔ بلکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ روزے کے بغیر اعتکاف ہوتا ہی نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی روزے کے ساتھ ساتھ ہی اعتکاف کا ذکر فرمایا ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ روزے کی حالت ہی میں اعتکاف کیا، اسی لئے جس مسئلہ پر جمہور سلف قائم وہی ترجیح رکھتا ہے، یعنی "اعتکاف میں روزہ شرط ہے" اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی اسی مسلک کو ترجیح دیتے۔

رہا کلام۔ تو امت پر لازم کیا گیا کہ زبان کو ہر اس بات سے روکے۔ جس کا آخرت میں کچھ فائدہ نہیں۔

اور کثرت خواب کے علاج کے لئے قیام لیل مشروع ہوا۔ جو بیکار جاگتے رہنے سے افضل ہے۔ اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ (قیام لیل) معتدل قسم کی بیداری ہے جس میں قلب و جسم کو تقویت ملتی ہے۔ اور بندے کے ذاتی مصالح میں رکاوٹ بھی نہیں پیدا ہوتی، پس ارباب ریاضت و سلوک کا مدار بھی یہی ارکان اربعہ ہیں، اس سے بڑھ کر خوش بخت کون ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مسنونہ پر گامزن ہو۔ اور

غلو کرنے والوں یا از حد کاہلوں اور کمی کرنے والوں کے طریقہ پر نہ چلے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے ۔ قیام اور کلام کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں اب ہم اعتکاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ بیان کرتے ہیں آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ ایک بار آپ نے اعتکاف چھوڑ بھی دیا۔ لیکن شوال میں قضا ادا کر لیا۔ ایک بار آپؐ نے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر درمیانی عشرہ میں پھر آخری عشرہ میں۔ آپ لیلۃ القدر کی تلاش کر رہے تھے ۔ پھر معلوم ہوا۔ کہ یہ آخری عشرہ میں ہے ۔ چنانچہ آپ نے (اسی عشرہ) میں اعتکاف پر مداومت فرمائی۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل سے جا ملے ۔

اعتکاف کے لیئے آپ خیمہ گاڑ دینے کا حکم فرماتے ۔ چنانچہ آپ کے لیے مسجد میں خیمہ گاڑ دیا جاتا۔ جس میں آپؐ اپنے خدائے رحیم و کریم کے ساتھ تنہائی اختیار کرتے ۔ جب آپؐ اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے، پھر خیمہ لگانے کا حکم فرماتے، چنانچہ (خیمہ) لگا دیا جاتا۔ پھر آپ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کے لیے حکم فرمایا۔ چنانچہ ان کے خیمے بھی لگا دیئے گئے۔ چنانچہ جب آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور ان خیموں کو دیکھا۔ تو اپنے خیمے کے متعلق حکم دیا کہ اسے اکھاڑ دیا جائے !

اور ایسا بھی ہوا کہ ماہِ رمضان میں آپ نے اعتکاف ترک کر دیا۔ اور شوال کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ آپؐ ہر سال دس دن تک اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔ جس سال آپ کی رحلت ہوئی، اس سال آپ بیس دن اعتکاف میں بیٹھے ۔ اور ہر سال ایک بار حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے (دہراتے) لیکن اس سال دو مرتبہ دہرایا۔ آپؐ بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے اور اس سال دو بار سنایا۔

حالت اعتکاف کے معمولات

جب آپ اعتکاف میں بیٹھتے ۔ تو اپنے خیمہ میں تنہا داخل ہو جاتے اور اعتکاف کی حالت میں انسانی ضرورت کے سوا آپ گھر تشریف نہ لے جاتے ۔ آپ مسجد سے اپنا سر حضرت عائشہؓ

کے حجرہ کی طرف باہر نکالتے۔ تو وہ آپ کا سر دھوتیں اور کنگھی کرتیں۔ اور آپ مسجد میں ہی تشریف فرما ہوتے، اور (ام المومنین) ایام سے ہوتیں۔ نیز بعض دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتیں اور آپ اعتکاف میں ہی ہوتے۔ جب وہ واپس ہوتیں۔ تو آپ بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ آپ ان کو الوداع کہتے۔ اور داس وقت رات ہوتی یہ حالت اعتکاف آپؐ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ مباشرت نہ فرماتے۔ نہ تقبیل کرتے۔ جب آپ اعتکاف میں بیٹھتے۔ تو آپ کا بستر بچھا دیا جاتا۔ اور معتکف میں آپ کا بستر رکھ دیا جاتا، اور جب آپ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے۔ اور کسی مریض کے پاس سے گزرتے تو اس سے کچھ نہ پوچھتے اور نہ دم کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ترکی قبہ میں معتکف ہوئے۔ اور اس پر چٹائی ڈال دی یہ تمام باتیں اس لئے تھیں تاکہ اعتکاف کا اصل مقصد اور روح حاصل ہو، بخلاف آج کل کے جہلاء کے کہ اپنی جائے اعتکاف دس آدمیوں کے برابر وسیع کر لیتے، اور زائرین کے لئے مجلس بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ دنیا بھر کی باتیں کر ڈالتے ہیں۔ یہ ایک الگ رنگ ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف ایک رنگ رکھتا تھا۔

حج اور عمرہ

ایک بہت اہم اور تحقیقی بحث

ہجرت کے بعد آپ نے کتنے عمرے کئے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے ادا کئے سب کے سب ذی القعدہ کے مہینہ میں تھے۔

پہلا حدیبیہ کا عمرہ ہے۔ یہ چھ ہجری میں ادا کیا چنانچہ مشرکین نے خانہ کعبہ کے پاس قربانی کرنے سے روکا۔ اسی لئے آپؐ نے اور صحابہؓ نے حلق کروایا (سر منڈوایا) اور احرام اتار دا اور واپس مدینہ میں تشریف لے آئے۔

دوسرا عمرہ قضیہ، یہ اگلے سال ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے۔ تین روز قیام فرمایا۔ پھر عمرہ ادا کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ عمرہ سال گذشتہ کے عمرہ کی قضا تھی جبکہ آپ کو روک دیا گیا تھا؟ یا یہ نیا عمرہ تھا؟

علمائے کرام کے اس سلسلہ میں دو قوم ہیں، اور احمد بن حنبلؒ سے دو روایات ہیں ایک یہ کہ یہ قضاء کا عمرہ تھا۔ ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور دوسرے کہتے ہیں یہ قضاء نہیں تھا۔ یہ مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

جو قضا کے قائل ہیں انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس کا نام عمرۃ قضاء تھا۔ اور یہ نام اپنے حکم تابع ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہاں قضا و مقاضاۃ کے ہم معنی

ہے، کیونکہ اس عمرہ میں اہل مکہ کے خلاف فیصلہ ہو گیا تھا۔ نہ کہ یہ قضی یقضی قضاءً سے ہے کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس کا نام عمرہ قضیہ ہے مروی ہے کہ جن لوگوں کو کعبہ تک نہ جانے دیا گیا، ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ اور عمرہ قضیہ میں یہ تمام صحابہؓ تشریف نہیں لائے۔ اگر قضاء کا عمرہ ہوتا۔ تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔ یہی زیادہ صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ آنے والے صحابہؓ کو اس کی قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا۔

تیسرہ عمرہ وہ تھا۔ جو آپ نے حج کے ساتھ ہی (حج قرآن) کی صورت میں ادا فرمایا، یہ دس سے زیادہ دلائل کی بناء پر قرآن کا تھا، جنہیں ہم انشاء اللہ آئندہ ذکر کریں گے۔

چوتھا جعرانہ سے چل کر عمرہ ادا فرمایا! جب آپ حنین کے لیے تشریف لے گئے پھر وہاں سے لوٹ کر مکہ تشریف لائے۔ تو جعرانہ سے عمرہ ادا فرمایا۔

صحیحین میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیئے یہ تمام عمرے آپ نے ذی قعدہ میں ادا فرمائے۔ سوا اس کے جو حج سے تعاون تھا حدیبیہ کا عمرہ یا زمانہ حدیبیہ کا عمرہ۔ اگلے سال ذی قعدہ کا عمرہ۔ جعرانہ سے عمرہ جب آپ نے وہاں حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اور حج کے ساتھ عمرہ اور حضرت عبداللہؓ کا قول ہے: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ ایک رجب میں کیا لیکن یہ ان کا وہم ہے۔ حضرت عائشہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمان پر رحم فرمائے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی عمرہ کیا۔ یہ آپ کے ساتھ تھیں۔ اور حضورؐ نے رجب میں قطعاً عمرہ نہیں کیا۔ اور دار قطنیؒ نے حضرت عائشہ نے جو روایت کی ہے کہ میں بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں عمرہ کے لیے گئی۔ تو آپ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا۔ آپؐ نے قصر کیا۔ اور میں نے مکمل نماز ادا کی۔ پھر میں نے عرض کیا، آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپؐ نے افطار کیا اور میں نے روزہ رکھا۔ آپؐ نے قصر کیا اور میں نے مکمل نماز ادا کی۔

آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ تم نے اچھا کیا"

آں حضرت نے رمضان میں کبھی عمرہ نہیں کیا | یہ حدیث غلط ہے۔ کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں قطعاً عمرہ نہیں کیا۔ اور آپ کی عمر کا شمار بھی منضبط ہے اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ام المومنینؓ پر رحم فرمائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں بالکل عمرہ نہیں کیا اور حضرت عائشہؓ نے بھی فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ذی قعدہ میں عمرہ کیا (ابن ماجہ) وغیرہ۔

اور اس میں اختلاف بھی نہیں۔ کہ آپ کے عمرے چار سے زیادہ نہ تھے۔ اگر آپ نے رجب میں بھی عمرہ کیا ہوتا تو پانچ ہوتے۔ اور اگر رمضان میں بھی عمرہ کیا ہوتا۔ تو چھ ہوتے۔ ہاں اگر یہ صورت ہو۔ کہ بعض کہیں کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا۔ اور بعض کہیں کہ آپ نے رمضان میں عمرہ کیا۔ اور بعض یوں کہیں کہ آپ نے ذی قعدہ میں عمرہ ادا کیا۔ تو یہ بھی خلاف واقع ہے۔ بلکہ آپ کے جملہ عمرے تو ذی قعدہ میں ہوئے جیسا کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

اور سنن ابوداؤدؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں عمرہ کیا، یہ اگر درست ہو۔ تو جعرانہ کے عمرہ میں ہو سکتا ہے۔ جب آپ شوال کے مہینہ میں تشریف لے گئے (حقیقت یہ ہے) کہ آپ نے وہاں ذی قعدہ میں احرام باندھا تھا۔!

مکہ کے باہر آپؐ نے کوئی عمرہ نہیں کیا

آپ نے زندگی بھر ایک عمرہ بھی مکہ سے باہر جا کر نہیں کیا جیسا آج کل عام طور پر لوگ کرتے ہیں، آپؐ نے تمام عمرے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے، نزول وحی کے بعد آپ ۱۳ سال تک مکہ میں مقیم رہے، مگر کوئی روایت ایسی منقول نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ مکہ سے باہر جا کر آپ نے اس ساری مدت میں عمرہ کیا ہو۔ آپؐ نے جو عمرہ کیا ہے اور جو مشروع ہے وہ داخل مکہ کا عمرہ ہے یہ نہیں کہ حرم سے باہر چلے جائیں، اور عمرہ کی نیت کر کے پھر واپس آجائیں[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عمرہ کا ثواب بھی تقریباً حج ہی کی طرح ہے، اس کے ارکان تین ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہمیشہ اسی طرح عمرہ کرتے رہے۔

حج کے مہینہ میں عمرہ کرنا افضل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مکہ میں پانچ مرتبہ داخل ہوئے پہلی مرتبہ حدیبیہ تک پہنچے لیکن داخل ہونے سے روک دیئے گئے باقی چار مرتبہ میقات سے احرام باندھ لیا، حدیبیہ کے موقعہ پر ذا الحلیفہ سے احرام باندھا تھا، دوسری مرتبہ آپ نے عمرہ ادا کیا تین دن قیام کیا پھر واپس تشریف لے آئے، تیسری مرتبہ فتح کے ساتھ ماہ رمضان میں بغیر احرام کے داخل ہوئے، پھر حنین واپس آگئے، اس کے بعد عمرہ کی نیت کر کے جعرانہ سے مکہ میں داخل ہوئے، یہ عمرہ آپ نے رات کو کیا، اور رات ہی کو واپس آگئے۔ مکہ سے نکل کر جعرانہ تک عمرہ کے لئے نہیں گئے جیسا کہ اہل مکہ آج کل کرتے ہیں، آپ نے مکہ میں داخل ہوتے وقت احرام باندھا اور رات کو جب عمرہ کر لیا تو فوراً جعرانہ واپس آگئے، اور رات وہیں گزاری جب صبح ہوئی تو سرف کی گھاٹی سے نکل کر شارع عام پر آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اس عمرہ سے ناواقف ہیں۔

آپ کے تمام عمرے حج کے مہینہ میں ہوئے برعکس مشرکین کے کہ وہ اشہر حج میں عمرہ کو مکروہ سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ بڑی گناہ کی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا افضل ہے۔

آپؐ نے سال میں صرف ایک عمرہ کیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

(بقیہ حاشیہ) (۱) کعبہ شریف کا طواف کرنا۔

(۲) صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا۔

(۳) سر منڈانا یا بالوں کو زیادہ سے زیادہ چھوٹا کرا دینا۔

ان ارکان کے بعد، عمرہ کرنے والا، حج کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور بغیر کسی پابندی کے ایک عام باشندے کی طرح مکہ میں رہ سکتا ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

سال میں ایک ہی عمرہ کیا ایک سال میں دو مرتبہ نہیں کیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے سال میں دو مرتبہ بھی عمرہ کیا ہے دلیل میں وہ سنن ابو داؤد کی حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، کہ آپؐ نے دو عمرے کئے ایک ذیقعد میں دوسرا شوال میں گویا ایک ہی سال میں دو عمرے کئے لیکن یہ حدیث وہم پر مبنی ہے، کیونکہ ایسا واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا۔

لیکن یہ مسئلہ بہرحال اختلافی ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ میری نظر میں مکروہ ہے، لیکن اصحاب مالک میں سے مطرف اور ابن المواز کا قول ہے کہ ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ابن المواز کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ہی مہینہ میں دو عمرے کئے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ طاعات کی صورت میں اگر کوئی شخص رضائے الٰہی اور تقرب خداوندی کا جویا ہو تو اسے کیوں روکا جائے؟ اور اس کی ممانعت میں کوئی نص بھی وارد نہیں ہوئی ہے۔ جمہور کا قول یہی ہے البتہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ پانچ دن مستثنیٰ کرتے ہیں جن میں عمرہ نہیں کیا جا سکتا،

(۱) یوم عرفہ کو عمرہ ناروا ہے،

(۲) یوم نحر (قربانی) کے موقع پر بھی نہیں کیا جا سکتا،

(۳) اور ایام تشریق میں بھی نہیں،

امام ابو یوسف کے نزدیک یوم نحر اور ایام تشریق میں عمرہ ناروا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک منیٰ میں رمی کے لئے رات گزارنے والے کو ایام تشریق میں عمرہ نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال میں ایک مرتبہ عمرہ کیا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ

ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک یعنی اس درمیانی وقفہ کا کفارہ ہے،!۔

حج کس سال فرض ہوا؟ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہجرت کے بعد

مدینہ سے، حج وداع کے سوا، آپ نے کوئی حج نہیں کیا، اور یہ بات بھی متفقہ ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۱۰ھ کا ہے۔

ترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کئے، دو حج ہجرت سے پہلے اور تیسرا ہجرت کے بعد مع عمرہ کے، ترمذی کہتے ہیں کہ حدیث سفیان کے پیش نظر یہ حدیث غریب ہے، وہ کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے دریافت کیا، انہوں نے کہا میں اس سے واقف نہیں، ایک اور روایت کے مطابق وہ اس حدیث کو محفوظ نہیں خیال کرتے،

جب فرضیت حج نازل ہوئی، تو بغیر کسی تاخیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے چل کھڑے ہوئے، حج سنہ ۹ھ یا سنہ ۱۰ھ میں فرض ہوا، باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ تو یہ آیت سنہ ۶ھ میں حدیبیہ کے سال نازل ہوئی تھی، لیکن اس سے فرضیت حج نہیں ثابت ہوتی، اس میں صرف اتمام حج اور اتمام عمرہ کا حکم ہے، اور یہ مفہوم وجوب کا مقتضی نہیں ہے۔

حج کے لئے آں حضرت ﷺ کی مدینہ سے روانگی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا عزم فرمایا اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ حج کو تشریف لئے جا رہے ہیں تو سب نے تیاریاں شروع کر دیں، تاکہ آپ کا شرف معیت حاصل کریں، حوال مدینہ کے لوگوں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ بھی گروہ در گروہ اسی مقصد سے آنا شروع ہو گئے راستے میں بھی، لوگوں کی جماعتیں، جو حد شمار سے خارج تھیں ساتھ ہوتی گئیں، آگے پیچھے داہنے بائیں حد نظر تک خلقت نظر آ رہی تھی۔

مدینہ سے آپ ظہر کے بعد روانہ ہوئے، یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا، ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور انہیں احرام، اور اس کے واجبات وسنن کی تعلیم دی، ابن حزم کہتے ہیں یہ جمعرات کا دن تھا، لیکن یہ

بات صحیح نہیں آپؐ سنیچر کے دن حج کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔

احرام کے لئے الگ سے دو رکعتوں کی سند نہیں

غرض آپؐ نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت نماز ادا کی[1] پھر تیل ڈالا، لباس بدلا، چادر اوڑھی، اور ظہر و عصر کے مابین روانہ ہوگئے، مقام "ذوالحلیفہ" میں پڑاؤ کیا، یہاں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں[2] شب یہیں گزاری، یہاں آپؐ نے پوری پانچ نمازیں پڑھیں، عصر، مغرب، عشا، دوسرے دن کی فجر اور ظہر ازواج مطہرات ہمراہ تھیں، ایک ایک کر کے آپؐ سب کے ہاں تشریف لے گئے جب احرام باندھنے کا ارادہ کیا، تو غسل جنابت کے علاوہ تھا، ابن حزم نے غسل جنابت کے علاوہ کسی دوسرے غسل کا ذکر نہیں کیا ہے، یہ ترک ذکر یا تو سہواً ہے یا عدم ثبوت کی بنا پر،

ظہر کی دو رکعتیں (قصر) پڑھنے کے بعد مصلّے پر بیٹھے بیٹھے آپؐ نے تہلیل کی۔ اور آپؐ سے منقول نہیں کہ احرام کے لئے الگ سے دو رکعتیں پڑھی ہوں، (سوا فرض ظہر کے)

آنحضرتؐ کا یہ حج، حج قران تھا!

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ آپؐ کا حج، دراصل حج قران تھا، اور اس دعوے کے ثبوت میں بیس سے زیادہ حدیثیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

منجملہ ان کے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے جو قتیبہ نے لیث سے۔ انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو عمرہ کے ساتھ ملالیا، اور حج و عمرہ کے لئے ایک ہی طواف کیا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں عمران بن حصین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یعنی پوری نماز پڑھی، قصر نہیں کیا۔ (جعفری)

[2] یعنی پوری نماز نہیں پڑھی، قصر کیا۔ (جعفری)

نے حج اور عمرہ جمع کیا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ آپؐ کا آخری حج ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں اختلاف ہے

تمتع یا حج وعمرہ کا جمع کرنا، صحیحین (بخاری و مسلم) سے بھی ثابت ہے، سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ مقام عسقان میں علیؓ اور عثمانؓ کا اجتماع ہوا، عثمان نے تمتع سے یعنی حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کیا۔

علیؓ نے کہا، "جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس سے تم روک کس طرح رہے ہو"؟

عثمانؓ نے کہا، "اپنی یہ باتیں رہنے دو"!

علیؓ نے جواب دیا۔ میں تمہیں کس طرح ایسی بات کرنے دوں ؟ یہ نہیں ہو سکتا، چنانچہ جب عثمان نے علیؓ کو اپنی رائے پر مصر دیکھا تو حج اور عمرہ کو جمع کر لیا۔

یہ تو مسلم کے الفاظ تھے، بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ علیؓ اور عثمانؓ میں اختلاف رائے پیدا ہوا جب کہ یہ دونوں مقام عسقان میں تھے، یہ اختلاف تھا جمع تمتع کے بارے میں، علی نے کہا،

"تمہارے اس فعل کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس سے لوگوں کو روکو"!

پھر جب گفتگو بڑھی تو عثمان نے بات مان لی۔

بخاری ہی میں مروان بن حکم کی حدیث ہے کہ جب عثمانؓ نے تمتع، یعنی حج وعمرہ کو جمع کرنے سے روکا، تو میں نے دیکھا کہ علی نے دونوں کو جمع کر لیا، اور بہ آواز بلند کہا،

"لبیک بحجۃ وعمرۃ"!

پھر فرمایا "کسی شخص کے کہنے سے میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک نہیں کر سکتا"!

بخاری کی اس روایت سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں:

- حج وعمرہ کے ملانے (قرآن) کو، یعنی جمع کرنے کو یہ اصحاب "تمتع" کے نام سے

بھی یاد کرتے تھے۔
— • آں حضرتؐ سے قرآن یا تمتع ثابت ہے،
— • حضرت عثمانؓ کو بھی یہ فعل رسولؐ تسلیم تھا، ورنہ جب حضرت علیؓ نے انہیں ٹوکا تھا کہ آپ اس کام سے کیسے روک سکتے ہیں جو رسول اللہؐ سے ثابت ہے تو حضرت عثمانؓ کو اگر اس واقعہ کی واقفیت سے انکار ہوتا تو صاف انکار کر دیتے، نہ صرف یہ کہ انہوں نے تردید نہیں کی بلکہ سنّتِ نبوی کی اقتدا کی یعنی حج وعمرہ کو جمع کیا،
— • اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی یہ سنّت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے، آخری عمرہ وہ تھا جس کے ساتھ آپ نے حج بھی جمع کر لیا تھا یہ حج وداع کا واقعہ ہے،

تمتع سے مراد قرآن یعنی حج اور عمرہ ملانا ہے،

اس باب میں احادیث تقریباً متفق علیہ ہیں اور کچھ اختلاف ہے تو بہت معمولی سا، صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ اور یہ حضرات (صحابہ) تمتع سے مراد قرآن (یعنی حج وعمرہ کا ملانا) لیا کرتے تھے۔

عمران بن حصین کی روایت، قارن اور متمتع ایک ہیں

بخاری ومسلم میں مطرف نے حضرت عمران بن حصین کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ کو جمع کیا اور اس کام سے کبھی نہیں روکا، یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، اور قرآن میں بھی ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس سے اس کا عدم جواز ثابت ہوتا ہو۔

ایک اور روایت انہی عمران بن حصین کی ہے کہ رسول اللہ نے حج تمتع کیا۔ اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ دونوں کو ملایا۔

اور یہ عمران اجل سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں، یہ خبر دیتے ہیں کہ آپؐ نے تمتع کیا۔ آپؐ نے حج اور عمرہ کو جمع کیا، صحابہ کی زبان میں قارن، متمتع کو کہتے تھے۔ اسی طرح جملہ خلفائے راشدین یہ بات مانتے تھے، عمران نے اصح اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ نے حج و عمرہ کا قران کیا، جیسے دوسرے الفاظ میں وہ تمتع کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، اسی طرح انس صحابی ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حج و عمرہ کا ساتھ ساتھ تلبیہ کرتے دیکھا،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ

نماز ظہر کے بعد آپ نے بہ آواز بلند تلبیہ کیا، جو یہ تھا۔

یعنی: اے پروردگار میں حاضر ہوں، اے پروردگار، تیرا کوئی ساجھی نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر طرح کی حمد، اور نعمت کا تو ہی سزاوار ہے، حکومت اور فرماں روائی بھی تیری ہی ہے، کوئی تیرا ساجھی نہیں۔

یہ تلبیہ آپؐ نے بہ آواز بلند کیا۔ یہاں تک کہ تمام صحابہ نے اسے سن لیا۔ آپؐ نے حسب فرمان خداوندی انہیں یہ حکم دیا کہ وہ بھی زور زور سے تلبیہ کہیں۔

کیا محرم، محمل یا ہودج کا استعمال کر سکتا ہے؟

یہ سفر حج آپ نے سواری پر کیا، نہ محمل استعمال کیا، نہ ہودج، نہ عماری،

اس بارے میں کہ محرم (احرام باندھنے والے) کو آیا، محمل، ہودج، یا عماری پر بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟ اختلاف ہے، ایک قول جواز کا ہے، یہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، دوسرا قول ممانعت کا ہے یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

حج سے متعلق بعض اہم فقہی مسائل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ کے استنباط مسائل

اسی سفر حج کے مابین مقام ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ کے ہاں زچگی ہوئی، یہ نومولود، محمد بن ابوبکر تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء کو حکم دیا کہ وہ غسل کر لیں، سفر جاری رکھیں اور احرام باندھ لیں،

اس واقعہ سے تینؔ سنتیں ثابت ہوئیں!

۱۔ محرم کے لئے غسل جائز ہے،

۲۔ محرم ہونے کے باوجود، وہ عورت غسل کر سکتی ہے جو ایام سے ہو۔

۳۔ جو عورت ایّام سے ہو، اس کے لئے احرام باندھنا جائز ہے،

محرم صید حلال کا گوشت کھا سکتا ہے

اس کے بعد تلبیہ کے ساتھ پھر سفر جاری ہو گیا، مقام روحاء میں جب یہ قافلہ پہنچا تو ایک گورخر نظر آیا، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا،

”اسے چھوڑ دو، ممکن ہے اس کا مالک آجائے“!

اتنے میں مالک آگیا، اور اس نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ اس گورخر کو قبول فرمائیے"!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انھوں نے سب میں تقسیم کر دیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ :

— محرم صید حلال کا گوشت کھا سکتا ہے، جو غیر محرم نے پیش کیا ہو بشرطیکہ وہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

— کسی چیز کا ہبہ کرنا صرف مخصوص الفاظ ہی کے ذریعہ نہیں ہوتا مثلاً "میں نے یہ چیز زاکو ہبہ کی" بلکہ ایسے الفاظ سے بھی جائز ہے جن سے یہ مطلب نکلتا ہو،

— ایسا گوشت جس میں ہڈیاں بھی ہوں، اندازے سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

— صید کی ملکیت اثبات اور ازالہ امتناع سے ثابت ہوتی ہے۔

— گورخر کا گوشت حلال ہے۔

— تقسیم کا کام انجام دینے کے لئے توکیل (کسی کو اپنا وکیل بنانا) جائز ہے،

قربانی اور متعلقہ مسائل

اونٹ اور گائے کا مسئلہ اس باب میں اختلاف ہے کہ ایک گائے اور اونٹ کتنے افراد کی جانب سے درست ہو گی۔ ایک قول میں سات آدمیوں کی طرف سے درست ہے۔ یہ شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ ایک قول دس کا بھی ہے یہ اسحاق کا قول ہے۔ اور ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں مغانم تقسیم کئے تو اونٹوں کو دس کے برابر بتایا۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی اور (ازواج مطہراتؓ) کی تعداد نو تھی۔ اور حضرت سفیانؓ نے ابوزبیر سے انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج میں دس آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ ذبح کیا یہ حدیث مسلمؒ کی شرط پر ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی بلکہ انہوں نے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے حج میں تہلیل کہہ رہے تھے۔ ہمارے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے کعبہ مکرمہ کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں شریک ہو جائیں۔ اور ہم میں سے ہر سات آدمیوں کی جانب سے ایک اونٹ کافی ہوگا

اور سند میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ ہم سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ قربانی کا موقع آیا۔ تو ایک گائے میں ہم سات آدمی اور ایک اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے (نسائی۔ ترمذی۔ حسن غریب) اور صحیحین میں انہی سے مروی ہے، کہ حدیبیہ کے سال ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ سات آدمیوں اور ایک گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کے لئے ذبح کی، اور حضرت حذیفہ فرماتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر ایک گائے میں سات آدمیوں کو شریک فرمایا۔ (سند احمد)

ان احادیث کی تخریج تین وجوہ سے ہوسکتی ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ سات کی احادیث بکثرت اور زیادہ صحیح ہیں۔ اور یا یہ کہا جائے گا۔ کہ غنائم کے سلسلہ میں اونٹ دس بکریوں کے برابر ہوگا۔ تاکہ تقسیم برابر رہے، لیکن قربانی کے معاملہ میں جبکہ اندازۂ شرعی مطلوب ہو۔ تو سات کی طرف سے درست ہوگا۔ اور یا یہ کہا جائے گا، کہ یہ (اندازے) اختلاف ازمنہ اور اختلاف اوطان کے سبب مختلف ہو جاتے ہیں۔ بعض مواقع پر اونٹ دس کے برابر تھا۔ تو آپؐ نے دس کی طرف سے فرما دیا۔ اور بعض اوقات سات کے برابر تھا۔ تو سات کی طرف سے درست بتایا۔

اور ابو محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ آپؐ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کی جانب سے ہدی کے طور پر ایک گائے ذبح فرمائی۔ اور قربانی کے طور پر ایک گائے ذبح فرمائی۔ اور اپنی جانب سے دو دنبے (بھیڑیں نر) قربانی کئے اور اپنی جانب سے ترسٹھ ہدی ذبح کیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں نحر کیا

اور انہیں بتایا کہ منیٰ تمام کا تمام منحر (جائے قربانی) ہے

اور مکہ کا میدان راستہ بھی ہے اور منحر بھی ہے"

یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ نحر صرف منیٰ سے مختص نہیں۔ بلکہ مکہ کے میدان

میں جہاں بھی نحر (قربانی) کر دی جائز ہے، جیسے آپ نے عرفہ میں وقوف کیا۔ تو فرمایا میں نے یہاں وقوف کیا (لیکن) سارا عرفات جائے وقوف ہے۔ اور آپ نے مزدلفہ میں وقوف کیا تو فرمایا۔ کہ میں نے یہاں وقوف کیا۔ (لیکن) مزدلفہ سب کا سب جائے وقوف ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا منیٰ میں آپ کے لئے کوئی بناء (خیمہ وغیرہ) بنا دیا جائے؟ تاکہ گرمی سے حفاظت ہو سکے۔ تو آپ نے فرمایا۔

"نہیں، یعنی ہر اس آدمی کے لئے جائے وقوف ہے جو وہاں پہلے پہنچ جائے"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ (منیٰ) میں تمام مسلمانوں کا اشتراک ہے اور جو بھی کسی جگہ پہلے پہنچ جائے، وہ وہاں کا زیادہ حقدار ہے۔ یہاں تک کہ وہاں سے کوچ کر جائے البتہ اس (جگہ) کا وہ مالک نہیں بن سکتا۔

قربانی کے بعد حلق

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نحر سے فارغ ہوئے تو حجام کو بلایا۔ اور سر کا حلق کروایا۔ اور حجام معمر بن عبداللہ استرا لئے آپ کے سر پر کھڑے تھے، اس کے چہرے کو دیکھا اور فرمایا: اے معمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اپنی کنپٹیوں پر اختیار دیا ہے۔ حالانکہ تیرا ہاتھ میں استرا ہے معمرؓ نے عرض کیا اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول۔ بے شک یہ مجھ پہ اللہ کی نعمت ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ہاں! (بے شک)

امام احمدؒ نے نیز بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اسے روایت کیا ہے: اور بعض کا خیال یہ ہے، کہ حجام جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق راس کیا وہ معمر بن عبداللہ بن حنظلہ بن عوف ہیں۔

پھر آپؐ نے حجام سے فرمایا لے (مونڈ) اور اپنی دائیں جانب کی طرف اشارہ فرمایا۔ جب وہ فارغ ہوا۔ تو آپؐ نے اپنے والوں پر وہ بال تقسیم فرما دیے۔ پھر

حلاق (حجام) کو اشارہ کیا۔ تو اسی نے بائیں طرف کا حلق کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ ابو طلحہؓ یہاں ہے؟ چنانچہ موئے مبارک ان کو عطا فرما دیئے۔ اسی طرح صحیح مسلمؒ میں ہے۔ اور صحیح بخاریؒ میں حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کروایا تو ابو طلحہؓ نے سب سے پہلے موئے مبارک حاصل کئے۔ اور یہ روایت مسلمؒ کی ہدایت کے مناقض نہیں، کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ابو طلحہؓ کو بھی دوسروں کی طرح دائیں طرف سے حاصل ہوئے، اور بائیں طرف سے مخصوص طور پر حاصل ہوئے۔ لیکن امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت نقل کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ پر رمی کیا، اور قربانی کے جانور کو نحر کیا۔ اور حلق کیا۔ تو حلاق (حجام)، کی طرف دائیں جانب (سر سے) بڑھائی، اس نے حلق کیا پھر آپؐ نے ابو طلحہؓ انصاری کو بلایا۔ اور یہ (حصّہ) انہیں عطا فرمایا۔ پھر آپؐ نے بائیں جانب اس کی طرف بڑھائی، اور فرمایا کہ حلق کرو۔ (مونڈو) اس نے حلق کیا۔ تو آپؐ نے ابو طلحہ کو موئے مبارک عطا کر کے فرمایا، اسے لوگوں میں تقسیم کر دو۔

اس روایت میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ابو طلحہؓ کے حصّہ میں دائیں طرف کے موئے مبارک آئے اور پہلی روایت میں بایاں حصّہ مذکور تھا۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد مقدس بتاتے ہیں۔ مسلمؒ نے حفص بن غیاث اور عبدالاعلی بن عبدالاعلی سے انہوں نے ہشام بن حسان سے انہوں نے محمد بن سیرین سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ "آپ نے ابو طلحہ کو بائیں طرف کا حصّہ عطا فرمایا۔ نیز انہوں نے سفیان عیینہ سے انہوں نے ہشام بن حسان سے روایت کیا کہ آپؐ نے ابو طلحہؓ کو دائیں جانب کے بال عطا فرمائے۔ اور ابن عونؒ کی وہ روایت جو انہوں نے ابن سیرینؒ سے نقل کی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ سفیان کی روایت کو قوی کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں، کہ ابن عون کی روایت سے ان کا مطلب یہ ہے جو ہم نے ابن سیرینؒ

سے بخاری کے طریق پر نقل کیا۔ اور بتایا کہ ابوطلحہؓ نے اس میں سبقت حاصل کی وہ ان سے مخصوص تھا۔ اور جس کا یہ خیال ہو کہ ابوطلحہؓ کے لئے جو حصہ مخصوص ہوا وہ بایاں تھا (واقعہ یہ ہے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا عام تھی۔ پھر تخصیص فرمادی، اور عطا کرنے میں بھی آپ کی عادت طیبہ تھی۔ اکثر روایات کا یہی مطلب ہے۔ امام احمدؒ نے محمد بن زید کی حدیث نقل کی۔ انہیں ان کے والد نے بتایا۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جائے نحر میں موجود تھے۔ آپ قربانیاں تقسیم فرما رہے تھے تو قریش کے ایک آدمی کو کچھ نہ ملا۔ اور نہ اس کے ساتھی کو (کچھ ملا) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑا سامنے رکھ کر سر کا حلق کروایا۔ اور اسے موئے مبارک عطا فرمائے۔ اس نے ان میں سے کچھ حصہ لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ پھر آپؐ نے ناخن کتروائے۔ اور اس آدمی کے ساتھی کو دے دیے، اس نے بتایا۔ کہ آپؐ کے بال ہمارے پاس مہندی اور کسم میں رنگے ہوئے موجود ہیںؓ۔ اور حلق کروانے والوں کے لئے تین بار بخشش کی دعا فرمائی۔ اور قصر کرانے والوں کے لئے ایک بار دعا فرمائی۔ نیز زیادہ تر بلکہ بہت ہی کثرت کے ساتھ صحابہؓ نے حلق کروایا۔ اور بعض نے قصر بھی کروایا۔ یہ وہی قول (پورا ہو رہا ہے) کہ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین۔

یعنی بلاشبہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ اگر اللہ نے چاہا امن سے حلق کرواتے ہوئے اپنے سروں کا اور قصر کرواتے ہوئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا قول۔ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام کے لئے احرام سے قبل اور حلال ہونے سے قبل خوشبو لگائی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے حلق نسک میں سے ہے اور مطلقاً ممنوع نہیں۔

آں حضرتؐ کا طواف افاضہ

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل سوار ہو کر مکہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور طواف افاضہ کیا۔ یہی آپؐ کا طواف زیارت بھی تھا۔ یہی ابتدائی طواف تھا اور اس کے علاوہ

آپؐ نے کوئی طواف نہیں کیا۔

اس مسئلہ میں تین گروہوں کا اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا خیال یہ ہے۔ کہ آپؐ نے دو طواف قدوم اور دوسرا طواف افاضہ۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ آپؐ قارن تھے۔ اس لئے آپؐ نے اس طواف کے ساتھ سعی بھی کی۔

تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ آپؐ نے اس دن طواف نہیں کیا بلکہ طواف زیارۃ کو رات تک مؤخر کر دیا۔

اس اشکال میں ہم صائب رائے پیش کرتے ہیں، اور ہم غلط فہمی کا سبب بھی واضح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اثرمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے دریافت کیا۔ کہ جب متمتع واپس ہو تو کتنے طواف اور سعی کرے؟ انہوں نے فرمایا کہ حج کے لئے طواف اور سعی کرے اور پھر زیارت کے لئے طواف کرے۔

(شیخؒ مغنی) میں فرماتے ہیں، کہ جب قارن اور مفرد یوم النحر سے قبل مکہ نہ پہنچ سکیں اور نہ انہوں نے طوافِ قدوم کیا ہو۔ تو اس صورت میں دونوں کا یہی حکم ہے کیونکہ وہ دونوں طواف زیارت سے طواف قدوم سے ابتداء کر رہے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے اس پر نص بتائی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے خانہ کعبہ اور صفا و مروہ کے عمرہ کا ارادہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے طواف کیا۔ پھر احرام اُتارا۔ پھر منیٰ سے واپس آکر حج کے لئے دوسرا طواف کیا اور جنہوں نے حج و عمرہ اکٹھا ادا کیا۔ تو انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔ اس لئے احمدؒ نے حضرت عائشہؓ کے قول سے یہ سمجھا۔ کہ ان کا طواف حج کے لئے تھا۔ اور طواف قدوم تھا۔ فرمایا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ طوافِ قدوم مشروع ہے۔ اس لئے طوافِ زیارت اسے ساقط نہیں کرتا۔ جیسے مسجد میں

داخل ہوتے وقت فرض نماز پڑھنے سے قبل تحیۃ المسجد کی حیثیت ہے۔

خرقی رحؒ نے مختصر میں لکھا ہے۔ کہ اگر متمتع ہو۔ تو اسے چاہیے کہ کعبہ شریف کا سات چکر سے طواف کرے۔ جس طرح اس نے عمرہ کے لیے کیا تھا۔ پھر لوٹ آئے اور خانہ کعبہ کا زیارت کی نیت سے طواف کرے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولیطوفوا بالبیت العتیق ۔ یعنی اور انہیں چاہیے کہ وہ بیت عتیق (قبلہ مکرمہ) کا طواف کریں۔

(اس سابقہ عبارت میں اشکال ہے) اور اس اشکال کا سبب یہ ہے کہ ام المومنین (عائشہؓ) نے متمتع اور قارن میں فرق کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ حج قرآن والوں نے منیٰ سے واپس ہونے کے بعد ایک طواف کیا اور جن لوگوں نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ انہوں نے منیٰ سے واپسی کے بعد حج کے ارادہ سے دوسرا طواف کیا" اس لیے یہ یقیناً طواف زیارۃ کے علاوہ کوئی اور طواف ہے۔ کیونکہ (طواف زیارت) میں قارن اور متمتع دونوں شریک نہیں۔ اس لیئے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ شیخ ابو محمدؒ نے (حضرت عائشہؓ) کا قول متمتعین میں یہ دیکھا۔ کہ انہوں نے منیٰ سے واپسی کے بعد ایک اور طواف کیا۔ (شیخؒ) نے فرمایا: اس میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو۔ کہ انہوں نے دو طواف کیئے۔ (اس مقام پر) شیخؒ کا اعتراض درست ہے۔ لیکن اشکال پھر بھی رفع نہیں ہو سکتا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ یہاں عروہ یا ان کے لڑکے ہشام کی طرف سے اضافہ کلام ہے جو الفاظ حدیث میں داخل ہو گیا۔ اور اب الگ ہو کر معلوم نہیں ہوتا۔

" اگر یہ (روایت درست ہو) تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا۔ کہ یہ مرسل ہے اور اس طرح بھی اشکال دور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صائب رائے یہی ہے کہ جس طواف کے متعلق حضرت عائشہؓ نے بتایا اور متمتع و قارن کے درمیان فرق کیا۔ اسے صفا اور مروہ کے درمیان کا طواف (سعی) سمجھا جائے۔ نہ کہ کعبہ مشرفہ کا طواف۔

اس طریقہ پر تمام اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ ام المومنینؓ نے قران والوں کے متعلق بتایا کہ انھوں نے (صفا و مروہ) کے درمیان ایک ہی طواف پر اکتفاء کیا۔ اور یوم النحر کو دوسرا طواف ان کی طرف منسوب نہیں ہوا، یہی حق ہے۔ اور متمتعین کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے (صفا و مروہ) کے درمیان منیٰ سے واپسی کے بعد حج کے لئے دوسرا طواف کیا۔ یہ پہلا عمرہ کے لیے تھا۔ جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔ اور حدیث کا یہ مطلب ان کی طرف سے دوسری مروی حدیث کے مطابق ہو جاتا ہے۔ جو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کیا۔

"تجھے تیرے حج اور عمرہ کے لئے خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان (سعی) کافی ہے۔

اور (حضرت عائشہؓ) قارن تھیں۔ نیز یہ تاویل جمہور علماء کے مطابق بھی ہے۔

لیکن یہاں حضرت جابرؓ کی روایت سے اشکال پیدا ہو جاتا ہے کہ جو صحیح مسلم میں مروی ہے: کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہی طواف کیا" اب جو یہ کہتا ہے کہ متمتع کو ایک ہی سعی کافی ہے یہ روایت اس کے مطابق ہے۔ ایک روایت امام احمدؒ سے بھی (اسی کی حمایت میں) منقول ہے۔ اس پر ان کے بیٹے عبداللہ وغیرہ کی نص مذکور ہے۔ اس بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت عائشہؓ نے ثابت کیا اور حضرت جابرؓ نے نفی کی۔ اور ثابت کرنے والا نفی کرنے والے سے مقدم ہوتا ہے: یا یوں کہا جائے گا کہ حضرت جابرؓ کا مطلب تھا کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج قران کیا اور ابوبکرؓ عمرؓ، طلحہؓ، علی رضی اللہ عنہم کی طرح ہدی لے گئے۔ اور بائیں جانب چلے تو انھوں نے ایک ہی سعی کیا۔ اور اس سے عام صحابہؓ مراد نہیں ہو سکتے۔ یا حضرت عائشہؓ کی حدیث معلول سمجھی جائے گی۔ یعنی اس میں قول ہشام داخل ہے (ام المومنینؓ کی روایت میں علمائے کرام کے یہ تین طرق ہیں۔

فقہا اور اکابر کے اقوال اور جس کا خیال یہ ہے کہ متمتع حج کا احرام باندھنے کے بعد

اور منیٰ کی طرف نکلنے سے قبل طواف کرے اور قدوم کی سعی کرے۔ یہ اصحاب شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ منصوص ہے یا نہیں۔ ابو محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور کسی صحابیؓ نے کیا۔ نہ آپؐ نے اس کا حکم فرمایا اور نہ کسی نے نقل کیا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو ضروری نہیں سمجھتا۔ کہ اہلِ مکہ حج کا احرام باندھ لینے کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں یا طواف کریں یہاں تک کہ منیٰ سے واپس آجائیں۔ (منی سے واپس ہونے کے بعد یہ لازم ہیں) اور ابن عباسؓ کے قول پر جمہور علماء مالکؒ۔ احمد ابو حنیفہؒ اور اسحاق وغیرہ کا فتویٰ ہے اور جنہوں نے اس مذہب کو پسند کیا ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ جب (اہل مکہ) حج کا احرام باندھ لے۔ تو وہ آنے والے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ طواف کرے اور قدوم کے لیے سعی کرے۔ ان کا کہنا ہے، کہ طواف اوّل عمرہ کی طرف سے تھا۔ اب طواف قدوم باقی رہ گیا۔ جو اس نے ابھی تک نہیں کیا۔ اس لیے احرام حج کے بعد اس کے لیے یہ مستحب ہے۔

یہ دونوں روایتیں ضعیف اور کمزور نہیں۔ کیونکہ آپؐ نے جب عمرہ کا طواف کیا تو آپ قارن تھے۔ گویا آپؐ کے طواف نے طوافِ قدوم سے مستغنی کر دیا جیسے کوئی مسجد میں داخل ہو۔ اور جماعت کھڑی دیکھے۔ اب اس کے داخل ہونے پر وہ (جماعت) ہی تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو گی۔ اور اس سے مستغنی کر دے گی۔ نیز صحابہؓ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کا احرام باندھا۔ تو انہوں نے اس کے بعد طواف نہیں۔ حالانکہ ان میں سے زیادہ تر متمتع تھے۔

اور حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔ کہ اگر وہ زوال سے قبل ترویہ کے دن احرام باندھتے طواف کرتے اور سعی قدوم کر لیتے اور اگر زوال کے بعد احرام باندھتے تو طواف نہ کرتے۔ اور انہوں نے دونوں اوقات میں فرق کیا۔ اس طرح کہ وہ زوال کہ فوراً بعد منیٰ کی طرف نکل گئے۔ چنانچہ خروج کے باعث وہ کسی دوسری طرف مشغول

نہ ہوئے (لیکن) اگر زوال سے قبل ہوتا تو نہ نکلتے۔ بلکہ طواف کرتے۔ ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہی صحیح اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق ہے

آپؐ نے دن میں طواف کیا

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ان روایات میں صحیح ترنافعؒ کی حدیث ہے۔ جو انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کی اور نیز حضرت جابرؓ کی حدیث اور حضرت ابی سلمۃ کی حدیث جو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے، یعنی آپؐ نے دن کو طواف کیا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ طواف کے تسمیہ (نام رکھنے) سے غلطی پیدا ہو گئی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف وداع کو رات تک مؤخر کر دیا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ اس طرح حضرت عائشہؓ نے حدیث ذکر کی حتیٰ کہ بتایا۔" ہم محصب میں اُترے تو آپؐ نے عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کو بلایا۔ اور فرمایا۔

حرم سے اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ نکلو۔ پھر طواف سے فارغ ہو جاؤ۔ اس کے بعد میرے پاس یہاں محصب میں واپس پہنچ جاؤ۔

فرماتی ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عمرہ پورا کر دیا۔ اور ہم نصف شب کے وقت طواف سے فارغ ہوئے۔ پھر ہم آپؐ کے پاس محصب آ گئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، تم دونوں فارغ ہو گئے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں!

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ تو آپؐ خانہ کعبہ کے پاس سے گزرے۔ اور اس کا طواف کیا۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے مدینہ کی طرف رخ مبارک کر کے سفر شروع کر دیا۔ اس طرح یہ وہ طواف ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شب تک مؤخر کر دیا تھا۔ اور ابو زبیر یا جس نے اسے روایت کیا اس نے غلطی کی۔ اور بتا دیا۔ کہ یہ طواف زیارت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس طواف میں اور نہ طوافِ وداع میں رمل کیا۔ بلکہ آپؐ نے طوافِ قدوم کیا۔

تکمیل طواف کے بعد زمزم پر تشریف آوری

اور (لوگ) پانی پی رہے تھے۔ آپ نے اگر لوگ تم پر غالب نہ آجاتے تو میں اُترتا۔ اور تمہارے ساتھ پیتا۔ پھر انہوں نے آپؐ کو ڈول دیا۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر پیا۔ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اس عمل رسول سے منسوخ ہو گئی۔ بعض کہتے ہیں " بلکہ یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ نہی اختیاری ہے۔ اور ترک اولیٰ بعض کے نزدیک فعل مکروہ تھا۔ اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

کیا آپؐ اس طواف میں سوار تھے یا پیادہ ؟ تو صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی سواری پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور آپؐ اپنے عصائے مبارک سے حجرِ اسود استلام (چھونا) کر رہے تھے۔ تاکہ لوگوں کو دکھا سکیں۔ اور لوگ آپؐ سے (مسائل) دریافت کر سکیں۔ کیونکہ انہوں نے آپؐ کو گھیر رکھا تھا۔ اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا، کہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹ ہی پر طواف کیا۔ اور آپؐ عصائے مبارک سے استلام (چھونا) کر رہے تھے۔ اور یہ طوافِ وداع نہ تھا کیونکہ یہ رات کا وقت تھا۔ اور وہ سب سے طواف قدوم بھی نہ تھا۔ ایک تو یہ کہ طواف قدوم میں صحیح روایت سے رمل ثابت ہے اور یہ بھی کسی نے نہیں کہا۔ کہ سواری نے آپؐ کو لے کر رمل کیا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے خود رمل کیا۔ دوسرے قول عمر بن شرید ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ طواف کیا۔ تو آپؐ کے قدم مبارک زمین پر پڑھوں گے۔ یہاں تک کہ آپؐ ایک گروہ کے پاس تشریف لے آئے۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب صحابہؓ نے آپؐ کے ہمراہ طواف کیا۔ تو واپسی تک آپؐ کے قدم مبارک زمین سے نہ لگے۔ اس سے طواف کی دو رکعتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ ان کی حالت معلوم ہی ہے۔

آپ کی منیٰ کی طرف تشریف آوری

اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے اس دن نماز کہاں پڑھی ؟

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر (قربانی) کے دن تشریف لے گئے۔ پھر واپس ہوئے۔ اور منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ بالکل اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت ہے ان دو اقوال میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں اختلاف ہے۔

ابو محمد بن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور جابرؓ کا قول اولیٰ ہے اور ایک جماعت نے ان کا اتباع کیا ہے۔ اس قول کو کئی طرح سے ترجیح دی گئی۔ ایک یہ کہ یہ دو (راویوں) کی روایت ہے۔ اور یہ صورت ایک سے بہتر ہے۔ دوسرے حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لوگوں سے اخص ہیں۔ اور انہیں وہ قرب و تخصیص حاصل ہے۔ جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ تیسرے حج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت جابرؓ کی سیاق حدیث اوّل سے آخر تک سب سے زیادہ مکمل ہے اور انہوں نے اس واقعہ کو اس اہتمام سے حفظ و ضبط کیا ہے، کہ اس کی جزئیات بلکہ وہ امور تک جو مناسکِ (حج) سے غیر متعلق ہیں انہیں بھی یاد رکھا ہے، یعنی راستہ میں اجتماع کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول اور پھر وادی میں آپ کی قضائے حاجت اور خفیف سا وضوء، اب جس نے اس قدر یاد رکھا ہے۔ اس نے یقیناً یوم النحر کو مقام نماز زیادہ اہتمام سے یاد رکھا ہوگا

دوسرے گروہ نے بعض امور کی بنا پر حضرت ابن عمرؓ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ مثلاً یہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ تو صحابہؓ نے بھی اکیلے یا چھوٹے گروہوں کی صورت میں منیٰ میں نماز نہیں پڑھی۔ انہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا واجب تھا۔ جو آپؐ کی طرف سے نائب ہو۔ اور یہ بات کسی نے نقل نہیں کی۔ اور نہ کسی نے یہ کہا ہے۔ کہ آپؐ نے (فلاں) کو نائب مقرر کیا۔ جو انہیں نماز پڑھائے۔ دوسرے اگر آپؐ نے مکہ میں نماز پڑھی ہوتی۔ تو آپؐ کے پیچھے اہل مکہ میں سے کچھ مقیم لوگ بھی ضرور ہوں گے۔

اور آپؐ نے انہیں اپنی اپنی نمازیں مکمل کرنے کا حکم دیا ہو گا۔ لیکن یہ منقول نہیں۔ کہ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سلام کے بعد اپنی اپنی نمازیں مکمل کیں۔ جب یہ منقول نہیں بلکہ اس کی مکمل نفی معلوم ہے۔ تو پتہ چلا۔ کہ آپؐ نے مکہ میں اس وقت نمازِ (ظہر) نہیں پڑھی۔ تیسرے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث متفق علیہ ہے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت مسلم کے افراد میں سے ہے۔ اس لیے حضرت ابن عمرؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور چونکہ اس کے راوی زیادہ ثقہ و احفظ ہیں۔ اس لیے حاتم بن اسماعیل کی حفظ عبیداللہ کے مقابلہ میں اور جعفر کی نافع کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے؟ چوتھے حضرت عائشہؓ کی حدیث وقت طواف سے متعلق مضطرب ہیں۔ کیونکہ ان سے یہ روایت تین طرق سے مروی ہے۔ ایک یہ کہ آپؐ نے دن کو طواف کیا۔ دوسرے آپؐ نے رات تک طواف مؤخر کر دیا۔ تیسرے یہ کہ آپؐ دن کے آخری حصہ میں چلے۔ چنانچہ اس میں وقت افاضہ اور جائے نماز ٹھیک طور پر متعین نہیں، بخلاف ابن عمرؓ کے (کہ وہاں ہر بات متعین ہے) پانچویں حضرت عائشہؓ کی روایت واضح نہیں۔ کہ آپؐ نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے آخر میں چل پڑے اور آپؐ ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے" پھر آپ منیٰ کی طرف تشریف لائے۔ اور وہاں ایام تشریق کی راتوں میں ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ جب سورج زائل ہو جاتا تو آپ ہر جمعہ کو سات کنکر مارتے۔ اس لیے (روایت حضرت عائشہؓ) میں اس بات کی صراحت نہیں کہ آپؐ نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ بخلاف حضرت عمرؓ کی روایت کے کہ یہ واضح طور پر اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر کے دن چلے۔ پھر آپ نے واپس آتے ہوئے منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔ اس لیے جس حدیث پر محدثین متفق ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اس حدیث کی کیا حیثیت ہے جس سے استدلال میں ان کا اختلاف ہے؟

اور اسی دن حضرت عائشہؓ نے ایک طواف اور ایک سعی کی - اور یہ (ایک طواف اور ایک سعی) ہی نے ان کے حج و عمرہ کے لئے کفایت کیا - نیز حضرت صفیہؓ نے طواف کیا تو اس کے بعد وہ ایام سے ہو گئیں - تو انہیں طوافِ وداع کے لئے یہ طواف کافی ہو گیا - چنانچہ وداع کا (طواف) نہیں کیا - اس طرح عورت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سنّت مقرر ہو گئی - کہ اگر حج قران میں عورت طوافِ (وداع) سے قبل ایام سے ہو جائے، تو اسے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے - اور اگر طوافِ اضافہ کے بعد ایام سے ہو، تو طوافِ وداع کی جانب سے یہ کافی ہے -

نبی صلی اللہ علیہ کی اسی دن منیٰ میں تشریف آوری

یہاں رات گزاری جب صبح ہوئی تو زوال آفتاب تک انتظار کیا - جب (آفتاب) ڈھل گیا - تو آپؐ جمارہ کی طرف پا پیادہ چل پڑے - اور سوار نہ ہوئے - اور جمرہ اولیٰ سے ابتداء کی جو مسجد خیف سے متصل واقع ہے - آپؐ نے اسے ایک ایک کر کے سات کنکریاں ماریں - اور ہر کنکری پر آپ اللہ اکبر کہتے جاتے پھر جمرہ سے بڑھ کر اس کے سامنے آ گئے اور قبلہ رخ کھڑے ہو گئے - پھر ہاتھ اٹھا کر سورۂ بقرہ کے برابر طویل دعا مانگی - اس کے بعد وسطی جمرہ کی طرف تشریف لائے اس پر ویسے ہی کنکریاں ماریں - پھر وادی کے متصل بائیں طرف اترے اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر پہلے کی طرح طویل دعا مانگی - اس کے بعد آپؐ تیسرے جمرہ کی طرف تشریف لائے - یہ جمرہ عقبہ کہلاتا ہے - آپؐ وادی کے درمیان میں اور جمرہ کے بالکل مقابل آ گئے - اس طرح کہ کعبہ کو بائیں طرف منیٰ کو دائیں طرف کیا - اور (جمرہ عقبہ) کو سات کنکریاں ماریں - اور جہلاء کے فعل کی طرح اوپر کے حصہ پر نہیں ماریں اور نہ اسے دائیں جانب کیا - اور رمی کے وقت آپؐ نے قبلہ کی طرف رخ کئے رکھا - جیسا کئی فقہا سے مروی ہے - جب آپؐ نے رمی مکمل کر لی - تو فوراً واپس تشریف

لائے اور وہاں ٹھہرے نہ رہے - ایک قول یہ ہے کہ آپ پہاڑ کے پاس جگہ کی قلت کے باعث (نہ ٹھہرے) اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کی دعا اس رسم سے فارغ ہونے سے قبل عبادت میں داخل تھی۔ چنانچہ جب آپؐ نے جمرہ کا عقبہ کی رمی کرلی۔ تو فراغت سے قبل عبادت کے اندر ہی رمی اور دعا دونوں چیزیں مکمل ہوگئیں۔ اور عبادت کے اندر کی دعا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا سے افضل ہوتی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں بھی یہی سنّت طیّبہ تھی۔ کہ آپؐ نماز کے اندر ہی دعا کیا کرتے۔ اور بعد میں آپ سے ثابت نہیں ہے کہ آپؐ دعا کرنے کے (مسلسل) معتاد ہوں۔ اور جس نے آپؐ سے (دعا بعد نماز) روایت کی۔ اس نے غلط کہا اور یہ بھی غیر صحیح روایت ہے کہ آپؐ سلام کے بعد عارضی سی دعا کرتے۔ اس کی صحت میں مشکوک ہے۔ الغرض اس میں کوئی شک نہیں آپؐ کی اکثر دعائیں اور جو آپؐ نے حضرت صدیقؓ کو تعلیم دی تھی۔ وہ بھی نماز کے اندر ہی تھی۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث کہ "ہر نماز کے آخر میں اسے نہ بھلانا:

اللھم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك، یعنی! اے اللہ اپنے ذکر کرنے شکر کرنے اور اپنی حسن عبادت کرنے میں میری نصرت فرما!

اس لئے دبر الصلوٰۃ سے مراد نماز کا آخری حصّہ ہے۔ جیسا دبر الطیران کا لفظ ہے اور کبھی سلام کے بعد بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا آپؐ کا یہ ارشاد کہ ہر نماز کے بعد تسبیح کہو (حدیث)

رمی نماز ظہر سے پہلے یا بعد؟ میرے دل میں ہمیشہ اس بات کا کھٹکا رہا کہ آپ نماز ظہر سے قبل رمی کرتے تھے یا بعد میں؟ غالباً آپؐ نماز سے قبل ہی رمی کرتے تھے۔ پھر واپس آکر نماز ادا کرتے۔ کیونکہ جابرؓ وغیرہ نے بتایا ہے، جب سورج ڈھل جاتا تب آپؐ رمی کرتے۔ نیز ایام منیٰ میں رمی کرنے کا وقت ایسا ہی ہے جیسا نحر کے دن طلوع آفتاب کا معاملہ ہے اور یوم النحر

کو جب رمی کا وقت آجاتا۔ تو آپؐ اس دن اس سے زیادہ کسی چیز کو عبادات پر مقدم نہ رکھتے۔ کیونکہ ترمذیؒ اور ماجہؒ نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ کہ جب سورج ڈھل جاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمار فرماتے۔ ابن ماجہؒ نے اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ کہ جب آپؐ رمی سے فارغ ہو جاتے۔ تو ظہر کی نماز ادا فرماتے، ترمذیؒ نے اسے حسن بتایا ہے لیکن ترمذیؒ کے اسناد میں حجاج بن ارطاۃ ہے اور ابن ماجہؒ کے اسناد میں ابراہیم بن عثمان بن شیبہ ہے، جن سے استدلال نہیں ہوتا۔ لیکن اس مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں امام احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نحر کے موقع پر سوار ہو کر رمی کرتے اور ایام منیٰ میں جانا اور آنا پیدل ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں دُعا کے وقفات تھے

وقفہ اول صفا پر۔ وقفہ دوم مروہ پر۔ سوم عرفہ میں چہارم مزدلفہ میں۔ پنجم جمرۂ اولیٰ کے قریب۔ اور ششم جمرۂ ثانیہ کے قریب۔

منیٰ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا خطبہ

اپنی وفات کی پیش گوئی

نحر کے دن کا خُطبہ گذر چکا ہے اور دوسرا ایام تشریق کے وسط میں ارشاد فرمایا، ایک روایت یہ نحر کا دوسرا دن تھا جو وسطی دن ہوتا ہے اور جو اسی کا قائل ہے۔ اس نے سراء بنت بنہان کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "کیا تم جانتے ہو آج کونسا دن ہے؟

فرماتی ہیں کہ وہ دن تمہارے قول کے مطابق یوم الرؤس تھا۔

صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا یہ ایام تشریق کا وسطی دن ہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا (شہر) ہے؟

صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، یہ جگہ مشعرِ حرام ہے، پھر فرمایا کہ شاید اب دوبارہ میں تم سے نہ مل سکوں، یاد رکھو تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو، تم پر اسی طرح حرام ہیں۔ جیسے تمہارے اس شہر میں آج کے دن کی حرمت ہے۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ پھر وہ تم

سے تمہارے اعمال کے متعلق پرسش کرے۔ خبردار تمہارا قریب دور والے کو (یہ بات) پہنچا دے۔ خبردار، کیا میں نے پہنچا دیا۔

اور جب ہم مدینہ واپس آئے تو کچھ ہی مدّت گذری کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ (ابوداؤد)

یوم الرؤس سے مراد بالاتفاق نحر کا دوسرا دن ہے۔

سورۂ "فتح" کا نزول

اور امام بیہقیؒ نے موسیٰ بن عبیدہ ربذی سے حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے صدقہ بن یسار سے انھوں نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایام تشریق کے وسط میں سورۂ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی اور معلوم ہوگیا۔ کہ یہ وداع (کا حج ہے)۔

چنانچہ آپؐ نے اپنی سانڈنی قصوی کو کوچ کا حکم دیا۔ وہ چل پڑی اور لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا، اے لوگو! الخ پھر خطبہ روایت کیا۔ یہیں آپؐ نے عباس بن عبدالمطلب کے تعاتب حجّاج کی اجازت طلب کی جو مرحمت فرمادی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن میں جلدی نہیں فرمائی، بلکہ دیر کی اور ایام تشریق میں منی کے تین دن پورے کیے اور بعد کو ظہر کی نماز پڑھ کر آپؐ محصب کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ ایک ریگستانی میدان ہے۔ خیف بنی کنانہ کے قریب۔ یہاں آپؐ نے دیکھا کہ ابورافعؓ نے آپؐ کا خیمہ نصب کر دیا ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے انہیں یہ توفیق ہوئی تھی۔ آپؐ نے یہاں ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نماز ادا فرمائی اور کچھ دیر سو گئے۔ پھر آپؐ مکّہ تشریف لائے اور رات کو سحری کے وقت طواف وداع کیا۔ اور اس طواف میں آپؐ نے رمل نہیں کیا۔ پھر آپؐ مدینہ تشریف لے گئے اور محصب کی طرف واپس نہیں ہوئے۔

تحصیب (محصب میں اترنے) کے متعلق سلف میں اختلاف ہے کہ آیا یہ سنّت ہے یا اتفاقاً منزل بن گئی ہے اس مسئلہ میں دو قول ملتے ہیں

ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ حج کے سنن میں سے ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منیٰ سے جانے کا ارادہ کیا تو فرمایا۔ ہم کل ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ میں اُتریں گے۔ جہاں (کفار نے) کفر پر قسم کھائی تھی۔ یعنی اسی محصب میں۔

یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ قریش اور بنی کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف قسم کھائی، کہ نہ ان سے نکاح کریں گے اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق رکھیں گے۔ جب تک کہ وہ آپؐ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ اس لیے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ شعائر اسلام کے اظہار کا ارادہ فرمایا، جہاں (کفار) نے کفر و شرک اللہ اور اس کے رسول کے خلاف دشمنی کا اظہار کیا تھا۔

اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت طیبہ تھی کہ کفر و شرک کے مقامات پر شعائر توحید قائم فرمائے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لات و عزیٰ کے مقامات پر مسجد طائف بنائی جائے۔

اور صحیح مسلم میں ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی یہاں اترتے تھے اور مسلمؒ کی روایت میں ان سے مروی ہے کہ یہ تحصیب کو سنّت سمجھتے تھے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ (حضرت ابن عمرؓ) یہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھتے تھے، اور سو جاتے تھے اور پھر فرمایا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

دوسرے اکابر ابن عباسؓ۔ عائشہؓ کا خیال یہ ہے کہ یہ سنّت نہیں بلکہ اتفاقاً منزل بن گئی۔

تین قابل بحث مسائل ایک یہ کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر کعبہ کے اندر داخل ہوئے یا نہیں؟

دوسرے کیا آپؐ نے (طواف) وداع کے بعد ملتزم میں وقوف کیا؟

تیسرے یہ کہ کیا آپؐ نے وداع کی شب کو صبح کی نماز مکہ میں پڑھی یا اس سے باہر پڑھی؟

پہلے مسئلہ کے متعلق بیشتر فقیہہ کا خیال یہ ہے کہ آپؐ حج کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے اور زیادہ تر لوگ دخولِ کعبہ کو اقتدائے نبی صلی اللہ علیہ کی بناپر سننِ حج میں شمار کرتے ہیں حالانکہ جہاں تک حدیث سے واضح ہوتا ہے بات یہ ہے کہ نہ حج نہ عمرہ کے موقع پر آپؐ کعبہ میں داخل ہوئے۔ بلکہ فتح مکّہ کے سال کعبہ مشرفہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ فتح مکّہ کے سال نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کی اُونٹنی پر داخل ہوئے اور کعبہ کے صحن میں اُونٹنی کو بٹھایا۔ پھر آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو چابی لانے کا حکم دیا۔ وہ لے کر حاضر ہوا۔ اور دروازہ کھولا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسامہؓ۔ بلالؓ اور عثمان بن طلحہ اندر داخل ہوئے، اور ان پر دیر تک دروازہ بند کر دیا گیا۔ پھر جب کھولا تو عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سبقت کی اور حضرت بلالؓ کو دروازے پر دیکھا۔ میں نے دریافت کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی ؟

انھوں نے بتایا: دو مقدم ستونوں کے درمیان۔ راوی کہتے ہیں کہ میں یہ معلوم کرنا بھول گیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔

دوسرا مسئلہ، ملتزم میں وقوف

مروی ہے کہ آپؐ نے یہ فتح کے دن کیا سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی صفوان سے منقول ہے، فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ فتح کیا تو میں چلا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو کعبہ سے باہر دیکھا اور وہ باب سے لے کر حطیم تک استلام رکن کر رہے تھے۔ انھوں نے کعبہ پر اپنے رخسار رکھ دیئے اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تھے۔

اور ابوداؤد نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے دادا سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

کہ میں نے حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ طواف کیا۔ جب ہم کعبہ کے پچھلی جانب پہنچے تو میں نے کہا کیا آپؓ تعوذ نہ کریں گے ؟

انھوں نے کہا، نعوذ باللہ من النار۔" ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں آگ سے (یعنی تعوذ کیا) پھر وہ چل پڑے، حتیٰ کہ حجر اسود کا استلام کیا۔ پھر باب اور رکن کے درمیان کھڑے ہو گئے اور اپنے سینہ، پیشانی، بازوؤں اور ہتھیلیوں کو اس طرح رکھ دیا اور انھیں خوب پھیلا دیا۔ (یعنی دیوار سے چپک گئے) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے وداع کے وقت کیا ہو۔ یا کسی دوسرے وقت میں یہ واقعہ ہوا ہو۔ لیکن مجاہدؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ طواف وداع کے بعد ملتزم میں کھڑا ہو۔ اور دعا کرے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ رکن اور باب کے درمیان التزام کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ ان دونوں کے درمیان جو بھی التزام کر کے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اسے وہی کچھ ہی دے گا۔

تیسرا مسئلہ، شب وداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز صبح کی جگہ صحیحین میں

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے تکلیف ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لو۔

فرماتی ہیں کہ میں نے طواف کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خانہ کعبہ کے ایک حصہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور آپؐ والطور و کتاب مسطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ صبح کی نماز یا کوئی دوسری نماز ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ طوافِ وداع یا کسی دوسرے موقع پر ہو۔ ہم نے اس پر غور کیا تو صحیح بخاریؒ میں یہ واقعہ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا اور ام سلمہؓ نے ابھی تک کعبہ مشرفہ

کا طواف نہ کیا تھا۔ اب (ام سلمہؓ) نے جانے کا ارادہ کیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب کہ صبح کی نماز قائم ہو گئی اور لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو تم اپنے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لو۔ چنانچہ انہوں نے (طواف) کیا اور نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ وہ بھی چل پڑیں"

یہ بالکل ناممکن ہے اس لئے کہ اگر یہ یوم النحر تھا تو بلاشبہ یہ طوافِ وداع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اس دن صبح کی نماز کعبہ کے پاس پڑھی اور ام سلمہؓ نے سنا کہ آپؐ "الطور" کی تلاوت فرما رہے تھے۔

حج وداع کے بعد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی طرف کوچ

کیا بچہ کا حج ہوسکتا ہے؟ جب آپؐ روحاء کے مقام پر پہنچے تو ایک سوار ملا۔ اس نے سلام کیا اور پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

بتایا گیا کہ مسلمان ہیں۔

پھر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

بتایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس پر ایک عورت پنگھوڑے سے اپنے بچے کو اٹھا لائی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا اس کا بھی حج ہوسکتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں اور تجھے اجر ملے گا۔ جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے تو یہاں رات گزاری، اور جب آپؐ نے مدینہ کو دیکھا تو تین بار تکبیر کہی۔ اور یہ الفاظ کہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر آیبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ۔

"یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی

شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ ہم رجوع کرنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دی"

پھر آپؐ دن کے وقت معرس کی راہ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔

جب آپؐ تشریف لے گئے تھے تو شجرہ (درختوں) کے راستہ گئے تھے۔

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں محمد ابن حزم کی غلط فہمی

وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لے جاتے وقت لوگوں کو بتایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے، یہ سراسر وہم قبیح ہے کیونکہ آپؐ نے حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ واپس آکر یہ الفاظ فرمائے تھے۔ آپؐ نے ام سنان انصاریہ سے فرمایا کہ تجھے ہمارے ہمراہ حج کرنے میں کیا رکاوٹ تھی؟

اس نے عرض کیا ہمارے پاس صرف دو اونٹ تھے چنانچہ میرے لڑکے کے والد اور میرے بیٹے نے ایک اونٹ پر حج کیا اور ہمارے لئے ایک اونٹ چھوڑ دیا، ہم اس پر پانی ڈھوتے ہیں (یعنی سواری نہ تھی)۔

آپؐ نے فرمایا، کہ جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا تیرے لئے حج سے کفایت کرے گا۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کرنے کے برابر اجر ملے گا (صحیح مسلم)

اسی طرح آپؐ نے مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد ام معقل سے فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد نے یوسف بن سلام سے انہوں نے ام معقل سے روایت کیا، وہ بتاتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا، تو ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جسے ابو معقل نے اللہ کے راستہ میں آزاد کر دیا۔ چنانچہ ہمارے

ہاں بیماری آئی اور ابو معقلؓ فوت ہو گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔
جب آپؐ واپس تشریف لائے تو یہ حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا ہمارے ساتھ (حج کے لئے) نکلنے میں تمہیں کون سی رکاوٹ پیش آگئی تھی؟
انھوں نے عرض کیا ہم نے پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن ابو معقل فوت ہو گئے۔
ہمارے پاس سفر حج کے لئے ایک ہی اونٹ تھا۔ اور ابو معقلؓ نے اس کے لیے اللہ کے راستہ میں وصیت کر دی۔
آپؐ نے فرمایا، تم اس اونٹ پر کیوں نہ چلی آئیں؟ کیونکہ حج بھی اللہ کے راستہ میں عبادت ہے اب جب کہ ہمارے ساتھ تمہارا یہ حج فوت ہو گیا تو رمضان میں عمرہ کر لینا کیونکہ وہ بھی یقیناً حج ہے۔

ہدایا، ضحایا اور عقیقہ

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سورۃ انعام کی آیت یہ سورہ انعام کے ازواج مقام ہشت گانہ سے مختص ہیں ان کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی قسم کا ہدی۔ قربانی یا عقیقہ مروی نہیں۔ اور یہ قرآن مجید کی چار آیات سے ماخوذ ہے۔

ایک آیت، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ احلّت لکم بھیمۃ الانعام۔

دوسری آیت، ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی مارزقھم من بَہِیمَۃِ الْاَنْعَام۔

اور تیسرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ومن الانعام حمولۃ وفرشا کلوا ممّا رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین۔

اور چوتھے خدائے رحمٰن کا فرمان کہ ھدیا بالغ الکعبۃ

اس سے معلوم ہوا کہ جو ہدایا کعبہ مشرفہ میں پہنچتے ہیں۔ وہ ان آٹھ اقسام میں سے ہوتے ہیں۔ اور یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا استنباط ہے۔

یہ ذبائح اللہ کے تقرب کا ذریعہ اور اس کی عبادت ہیں۔ اور ان کی تین اقسام ہیں ہدی، اضحیہ، عقیقہ۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری اور اونٹ کا ہدی پیش کیا اور ازواج مطہرات کی جانب سے گائے کی ہدی (قربانی) پیش کی، نیز آپ نے اپنے مقام، عمرہ، حج میں ہدی (قربانی) پیش کی۔

اور آپؐ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ بکری کے قلاوہ ڈالتے اسے اشعار نہ کرتے جب آپؐ ہدی بھیجتے۔

جب آپؐ مقیم ہوتے تو کسی حلال چیز کو حرام نہ کرتے، اور جب آپ اونٹ بطور ہدی کے لے جاتے تو اسے قلاوہ بھی ڈالتے، اسے اشعار بھی کرتے، داغ بھی لگاتے، چنانچہ آپؐ اس کے کوہان کے دائیں جانب سے ذرا سا شگاف فرماتے یہاں تک کہ خون بہنے لگتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اشعار دائیں جانب ہی ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا اور ہدی لے جانے والے کو اجازت دی کہ جب تک اسے دوسری سواری نہ ملے تب تک اعتدال سے اس پر سواری کرے۔ اگر اسے اس بات کی ضرورت لاحق ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو دودھ جانور کے بچہ سے بچ رہے اسے پینے کی اجازت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ آپؐ اونٹوں کے بائیں پاؤں کو باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے انھیں نحر کرتے اور نحر کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتے۔

اور آپ قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرماتے۔

بسا اوقات آپ یہ کام کسی دوسرے کے سپرد بھی کر دیتے، جیسا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو میں سے بقایا اونٹوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

اور جب آپؐ بکری کو ذبح کرتے تو اپنا پاؤں چہرے پر رکھتے۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے اور ذبح کرتے۔

اور گذر چکا ہے کہ آپؐ نے منیٰ میں نحر کیا اور فرمایا کہ مکہ کا تمام میدان ہی نحر ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اونٹوں کا منحر مکہ میں ہے لیکن اسے خونریزی سے پاک فرمایا گیا اور منیٰ بھی (حدود) مکہ میں سے ہے اور ابن عباسؓ مکہ میں نحر کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایا اور قربانی میں سے کھانے کی اجازت دی اور تحفہ (زاد) کی بھی اجازت دی اور تین دن سے زیادہ جمع رکھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس سال لوگوں پر تکلیف تھی۔ چنانچہ آپؐ کا خیال تھا کہ انہیں وسعت حاصل ہو جائے۔

اور ابوداؤد نے جبیر بن نفیر سے انھوں نے ثوبانؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی، پھر آپؐ نے فرمایا۔

اے ثوبانؓ ہمارے لئے اس بکری کو ٹھیک کرو۔ (یعنی پکا دو وغیرہ)

تو میں مدینہ آنے تک آپؐ کو اسی بکری میں سے کھلاتا رہا۔

مسلمؒ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا "اس گوشت کو ٹھیک کر دو"

بتاتے ہیں کہ میں نے اسے ٹھیک کیا۔ آپؐ مدینہ پہنچنے تک اس میں سے کھاتے رہے بسا اوقات آپؐ نے ہدی کا گوشت تقسیم فرمایا، اور بسا اوقات یوں بھی فرمایا جو چاہے ایسا کرے اور جو چاہے ویسا کرے اور بیاہ وغیرہ میں (پیسے وغیرہ) بکھیرنے کی ممانعت کا جواز بھی اس سے ثابت کرتے ہیں اور دونوں کا فرق غیر واضح ہے

طلوع آفتاب اور رمی کے بعد قربانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ یہ تھی عمرہ کے ہدی کو مروہ کے پاس اور قران کے ہدی کو منیٰ میں ذبح کرتے۔

حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے سے قبل ہدی ذبح نہیں کی اور نہ نحر کے دن سے پہلے ذبح فرمائی اور نہ کسی صحابیؓ سے ایسا فعل ثابت ہے۔

نیز آپؐ ہمیشہ طلوع آفتاب اور رمی کے بعد ہی نحر کرتے۔

نحر کے دن یہ چار امور مرتب تھے۔ پہلا رمی پھر نحر پھر حلق پھر طواف۔

آپ نے اسی ترتیب سے انہیں ادا فرمایا۔ طلوع آفتاب سے قبل نحر کرنے کی آپؐ نے اجازت نہیں دی۔ اور (آفتاب سے قبل نحر کرنا) یقیناً آپؐ کی سنّتِ ہدی کے خلاف ہے، اس کا حکم اضحیہ جیسا ہوگا، جب کہ وہ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل ذبح کر لی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی قربانی کا ناغہ نہ فرماتے

آپؐ دو مینڈھوں کی قربانی دیتے۔ آپؐ نماز عید کے بعد ان کو نحر کرتے۔

فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا اس کی کچھ بھی قربانی نہیں، بلکہ وہ ایک قسم کا گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کو مہیا کیا۔ آپؐ کی سنّت طیبّہ کا یہی مطلب ہے اور محض وقت نماز و خطبہ کا کچھ اعتبار نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ پہلے انہیں ادا کیا جائے اور ہم اللہ کے اسی دین کے حامل ہیں۔

اور آپؐ نے حکم فرمایا کہ بھیڑوں میں سے بالکل نوجوان ذبح کرو۔ نیز وہ دو سال کا ہو، یعنی جو مسنتہ ہوتا ہے۔

اور مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، تشریق کے تمام ایام میں ذبح جائز ہے، لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ اس کا وصل ثابت نہیں۔

قربانی کے گوشت کا ذخیرہ

اور تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو جمع نہ کرنا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایام ذبح تین ہی ہیں، کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کرنے والے کے لیے ذبح کے دن سے لے کر تین دن سے زیادہ تک گوشت جمع رکھنا جائز نہیں۔ اگر اس نے تیسرے دن تک ذبح رکھنا مؤخر کر دیا تو اسے اجازت ہے کہ ذبح کے وقت سے لے کر تین دن تک گوشت کا ذخیرہ کرے۔

اور جن لوگوں نے تین دن تک محدود رکھا، انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کے تین دنوں میں پہلے دن سے شروع ہو کر تیسرے دن کا (یہ حکم ہے)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام نحر یوم اضحٰی (عید کا دن) اور اس کے بعد بھی تین دن ہیں۔

اہل بصرہ کے امام حسنؒ اور اہل مکہ کے امام عطاء بن ابی رباح اور اہل شام کے امام اوزاعیؒ اور فقہائے اہل حدیث کے امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اور ابن منذرؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ اور چونکہ یہ تینوں ایام، ایام منٰی۔ ایام رمی۔ ایام تشریق ہونے کے باعث مخصوص ہیں۔ ان میں روزہ رکھنا حرام ہے اس لئے یہ بھی ان احکام میں شریک ہیں۔ اب نص و اجماع کے بغیر ان میں جواز ذبح الگ کیا جا سکتا ہے؟ نیز دو مختلف روایات جو ایک دوسرے کو قوت دیتی ہیں۔ مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تمام منٰی جائے نحر ہے اور تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔

جبیر بن مطعم کی روایت میں انقطاع ہے۔ اسامہ بن زید نے عطاء سے انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ اسامہ بن زید اہل مدینہ کے ہاں ثقہ اور مامون ہیں۔

مسئلہ ہذا سے متعلق اقوال اربعہ

اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں، ایک تو وہ ہے (جو گذر چکا ہے) دوسرا یہ کہ ذبح کا وقت یوم نحر اور دو دن بعد میں ہے یہ امام احمدؒ۔ ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کئی کا یہی قول ہے۔ اثرمؒ نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی نقل کیا ہے۔

تیسرا، یہ کہ نحر کا وقت ایک ہی دن ہے۔ یہ ابن سیرینؒ کا قول ہے کیونکہ یہ اسی نام (اضحیہ) (یوم الضحٰی) سے مخصوص ہے۔ اس لئے اس کے حکم کا اختصاص بھی اسی دن سے ہوگا پس یہ ایک دن ہی ہوگا، جیسے کہتے ہیں، عیدالفطر۔

چوتھا، سعید بن جبیر اور جابر بن زید کا قول ہے کہ یہ دوسرے مقامات میں ایک دن مانا جاتا ہے اور منیٰ میں تین دن، کیونکہ یہاں، رمی، طواف اور حلق وغیرہ مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس لیئے دیگر امصار کے مقابلہ میں یہاں تین روز ہونے چاہئیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنّت طیّبہ

آپ کی سنّت تھی کہ جس نے قربانی کا ارادہ کیا ہو اور دسویں تاریخ آجائے تو وہ اپنے بال وغیرہ نہ ترشوائے۔

صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں ممانعت ثابت ہے دارقطنی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ روایت ام سلمہؓ پر موقوف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ قربانی کا جانور بہترین خوبصورت اور تمام عیوب سے پاک ہو۔

اور آپؐ نے کان کٹے اور نصف سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ ابوداؤدؒ نے اس سے زیادہ نقل نہیں کیا۔

آپؐ نے حکم دیا کہ آنکھوں اور کانوں کو دیکھ لیا جائے، یعنی یہ تندرست ہوں، اور کانی، مقابلہ مدابرہ اور شرقاء وخرقاء کی قربانی نہ دی جائے۔

مقابلہ وہ ہوتی ہے، جس کے کانوں کا اگلا حصہ کٹا ہو۔ اور مدابرہ جس کے کانوں کا پچھلا حصہ کٹا ہو۔ شرقاء وہ ہے جس کے کان چر گئے ہوں اور خرقاء جس کے کانوں میں سوراخ کیا گیا ہو۔ (ابوداؤد)

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ چار قسم کے جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ کانی، جس کا عیب واضح ہو، بیمار جس کا مرض نمایاں ہو، لنگڑا جس کا لنگڑاپن واضح ہو۔ ٹوٹا ہوا جس میں مغز نہ رہا ہو۔ اور کمزور، جس میں شدت ضعف سے گودا بھی نہ رہا ہو۔

نیز نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصفرہ، مستاصلہ۔ بخقاء، مشیعہ اور کسری کی قربانی سے بھی منع فرمایا۔

مصفرہ وہ ہے جس کا کان اس قدر معدوم ہو کہ کان کا سوراخ ظاہر ہو جائے اور

وہ ہے جس کا سینگ جڑ کے قریب یعنی نہ ہونے کے برابر ہو۔ بخقاء وہ ہے جس کی آنکھ بدترین حد تک کانی ہو چکی ہو۔ مشیعہ وہ ہے جو کمزوری کے باعث ریوڑ کے پیچھے نہ چل سکے اور کسری جس کے (اعضاء) ٹوٹے ہوئے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیبّہ، عیدگاہ میں قربانی

ابو داؤد میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ وہ عیدگاہ میں عیدالاضحیٰ کے دن آپ کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ جب آپؐ نے خطبہ مکمل کر لیا تو منبر سے اتر آئے اور ایک مینڈھا لایا گیا۔ آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اکبر پڑھا، اور فرمایا کہ یہ میری طرف سے اور میری اُمّت کے ہر اُس آدمی کی جانب سے ہے جس نے ذبح نہیں کیا۔

اور صحیحین میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نحر اور ذبح کیا کرتے ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے قربانی کے دن دو سینگوں والے خوبصورت دو مینڈھے ذبح کئے۔ جب آپؐ نے انھیں لٹایا تو پڑھا:

وجہت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین، اللھم منک ولک عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر۔

"یعنی میں نے اس ذات کی طرف رخ کر لیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، ایک طرف ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں بیشک میری نماز میری قربانی میرا جینا میرا مرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (جو) تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا مجھے حکم دیا گیا اور میں پہلے مسلمان ہوں۔ اے اللہ (یہ مال) تیری طرف سے تھا اور تیرے لئے ہی (حاضر) ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ان کی اُمّت کی طرف سے، اللہ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔"

پھر ذبح کر دیا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ جب ذبح کریں تو اچھی طرح ذبح کریں۔ اور جب قتل کریں تو اچھے انداز سے قتل کرے (یعنی چھری تیز ہو اور جلدی سے ذبح کریں)۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو لازم کیا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ یہ تھی کہ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر والوں کی طرف سے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، کافی ہو جاتی جیسا کہ حضرت عطاء بن یسارؒ نے فرمایا کہ میں نے ابو ایوب انصاریؓ سے پوچھا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کیسے ہوتی تھی؟

تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر آدمی اپنی جانب سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری کی قربانی دے تو وہ کھائیں اور کھلائیں (ترمذی حسن صحیح)

(کتابت: منوّر حسین محلّہ کشمیر نگر حافظ آباد)

ﮨ الدین یسرٌ کے معنی یہی ہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

زادالمعاد

فی

هدی خیر العباد

حصہ دوم

زاد المعاد حصّہ دوم

خصوصیات و فضائل پر ایک طائرانہ نگاہ

زاد المعاد کا حصہ دوئم اب آپ کے پیش نظر ہے۔

پہلے حصہ پر اس کے آغاز میں نقد و نظر کا فریضہ انجام دے چکا ہوں۔ ضروری ہے۔ کہ دوسرا حصہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مقاصد و مطالب اور مسائل و مباحث پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ قارئین کرام اس کی اہمیت و عظمت کا قرار واقعی احساس کر سکیں۔

جیسا کہ میں پہلے حصہ کے آغاز میں عرض کر چکا ہوں، سیرت نبوی پر عربی میں اور دوسری زبانوں میں بہت سی کتابیں پوری شان تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھی جا چکی ہیں لیکن زاد المعاد کی یکتائی آج تک قائم ہے اور شاید ہمیشہ قائم رہے گی۔

اس کا سبب کیا ہے؟

بات یہ نہیں ہے کہ زاد المعاد کوئی ایسی کتاب ہے جس کا ہر حرف، حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، جو رائے ظاہر کی گئی ہے، جس نتیجہ پر پہنچا گیا ہے، جن تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے، جن افکار و خیالات کو پیش کیا گیا ہے، اختلافی اور نزاعی مسائل میں جس ترجیح و توفیق سے کام لیا گیا ہے، تضعیف و توثیق کے سلسلہ میں خواہ وہ روایات سے متعلق ہو۔ یا اسناد سے یا رواۃ سے جو مسلک اختیار کیا گیا ہے دوسرے فقہی مذاہب کے

منہاج پر مدح و قدح کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ ہر لغزش سے پاک ہے۔ اس کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں وہ "جف القلم" کا مصداق ہے۔

یہ بات تو قرآن کریم کے سوا کسی کتاب کے لئے نہیں کہی جا سکتی۔

خدا کی بات تو دوسری ہے ورنہ انسان کتنی ہی نیک نیتی، خلوص، جان کاہی اور تحقیق و محنت سے کوئی ذہنی، فکری، یا علمی کارنامہ انجام دے۔ اس کے بعض پہلوؤں پر بہر حال بحث و گفتگو ہو سکتی ہے۔ مدح و قدح کا سلسلہ قائم کیا جا سکتا ہے، دلائل و براہین بنیاد پہ اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ زادالمعاد بھی اس اصول سے مستثنٰی نہیں ہے، وہ بھی ایک آدمی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اور آدمی کتنا ہی اونچا، کتنا ہی بڑا، کتنا ہی باعظمت ہو، اس سے چوک بھی ہو سکتی ہے، لغزش فکر و خیال بھی، اس کے دلائل کہیں کمزور بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے نکالے ہوئے نتائج محلِ نظر بھی قرار دیئے جا سکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں کو تنقید کی کسوٹی پر کسا بھی جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ کتاب از اول تا آخر ایک ایسا صحیفہ ہے جس میں نہ کہیں لغزش ہے، نہ کوتاہی نہ خطا، تو یہ مبالغہ ہوگا۔ یہ ایک دلچسپ دعوٰے تو ضرور ہوگا لیکن علم کی بارگاہ میں اس کی پذیرائی مشکل ہی سے ہو سکے گی۔

لیکن اس کے باوجود، بشری کمزوریوں، اور لغزشوں کے باوجود، یہ کتاب، اپنی عظمت اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے یکتا اور بے ہمتا ہے۔

لیکن اس کی یکتائی کا سبب؟

سبب یہ ہے کہ یہ پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں پوری جامعیت کے ساتھ، پوری تحقیق کے ساتھ اور پوری ژرف نگاہی کے ساتھ خیرالعباد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال، آپ کی گفتار و کردار، اور آپ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کے تمام گوشوں کی جزئی استقصاء کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ وہ خصوصیت ہے جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کسی دوسری کتاب میں ہرگز نہیں ملتی۔

اردو زبان میں مولانا شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندوی مغفور نے سیرت النبیؐ کے نام سے جو بلند پایہ اور ضخیم مجلدات تالیف کئے ہیں بلاشبہ وہ بے مثال ہے۔ خودام الالسنہ

بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے پھر بھی جزئیات تک کی وہ تفصیل حیات نبویؐ کے ایک ایک پہلو سے متعلق از ولادت تا رحلت اور جامع معلومات آپؐ سے متعلقہ تمام عنوانات پر وہ سیر حاصل بحث و گفتگو جو اس کتاب میں ہے قطعاً کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتی۔

اس کتاب کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخ نہیں ہے، یہ سوانح عمری نہیں ہے اس لئے کہ اس میں وہ تراش خراش اور ترتیب و تبویب نہیں ہے جو اس طرح کی کتابوں کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے، لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عہد نبویؐ کی تاریخ اور سیرۃ النبیؐ کا ماخذ اس سے بہتر، اس سے بڑھ کر جامع و مانع، اور عاقل و دل کوئی اور نہیں مل سکتا، اس موضوع جمیل پر جب بھی خامہ فرسائی کی جائے گی، اس وادی میں جب بھی قدم رکھا جائے گا، تو ممکن نہیں کہ اس کتاب سے استفادہ نہ کیا جائے۔ متعدد مواقع پر اس کا حوالہ نہ دیا جائے۔ اس سے دامن بچاکر، اور اسے نظر انداز کرکے اس موضوع پر کوئی مستند اور قابل مطالعہ کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی اس کتاب کی یہی وہ خصوصیات ہے جس نے اسے زیر بحث موضوع سے متعلق تمام کتابوں کا سرتاج بنا دیا ہے، اور اس میں عظمت کے آگے ہر زمانہ اور ہر دور کے لوگ ادب سے سر جھکاتے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ جھکاتے رہیں گے۔

کاروان شوق را او منزل است
ما ہمہ یک مشت خاکیم او دل است

مسائل ومباحث کتاب

حصّہ دوئم کے مسائل ومباحث کا اجمالی جائزہ

اب مختصر طور پر اس حصہ کے مسائل ومباحث پر میں گفتگو کروں گا۔

اس حصّہ کے مسائل ومباحث کا اگر جائزہ لیا جائے تو چار قسموں پر انہیں منقسم کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ فقہی مسائل از قبیل عقیقہ وغیرہ۔

۲۔ مجاہدات وغزوات۔

۳۔ اذکار وادعیۂ ماثورہ۔

۴۔ تاریخی واقعات اور ان کی ضروری تفصیل۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ اجمالی طور پر گفتگو کریں گے۔

(۱) فقہی مسائل میں جن امور پر مصنف علام نے گفتگو کی ہے ان میں رسم عقیقہ کا ذکر ہے، نومولود کے کان میں اذان کہنے کا مسئلہ ہے، کھانا کھانے کے سلسلہ میں آپ کے عادات طیبہ اور اس سے متفرع مسائل ہیں، سلام کرنا، کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا، چھینک کا جواب دینا، آداب سفر، فال، خواب، وسواس، اذان وجہاد کی شرعیت، بیعت وجہاد کے آداب، اسیران جنگ کے ساتھ سلوک، جاسوسوں کے ساتھ برتاؤ،

غلاموں کے ساتھ طرزِ عمل، دشمن کے ساتھ صلح وامان کا مسئلہ، جزیہ، اہل کتاب اور منافقین کے ساتھ معاملہ جزیہ لینے میں آنحضرت کا معمول اور اصول، نمازِ خوف، نزولِ آیۂ تیمّم، توکّل اور توسّل، نکاح متعہ کی اجازت اور ممانعت، مسئلہ حضانت ۔ وغیرہ وغیرہ۔

گو فقہی مسائل ومباحث سے متعلق زیادہ تر گفتگو حصہ اول میں کی گئی ہے، لیکن اس دوسرے حصہ میں بھی جو فقہی مباحث ومسائل آگئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر اہم ہیں، اور مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جن سے واقفیت ہر مسلمان کے لئے ضروری اور لابدی ہے۔ ان مسائل پر مصنف علّام نے تحقیق وتدقیق کے دریا بہا دیئے ہیں۔

(۲) مجاہدات وغزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی اس حصہ میں کافی مواد موجود ہے اگرچہ اس میں جملہ غزوات کا ذکر نہیں آیا ہے، کچھ کا اس میں ہے کچھ کا بعد کے حصے میں لیکن جو کچھ ہے وہ تاریخ جہاد کی ایک نہایت اہم اور ناقابل فراموش کڑی ہے۔

اس حصہ میں جس غزوات اور سریات کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) غزوۂ بدر، اور ضروری مسائل

(۲) غزوۂ احد اور اس کے اہم واقعات

(۳) غزوۂ ذات الرقاع

(۴) غزوۂ دومۃ الجندل والمریسیع،

(۵) غزوۂ خندق اور اس کی تاریخی عظمت واہمیت۔

(۶) غزوہ بنی لحیان،

(۷) سریۃ نجد

(۸) غزوہ ثمامہ

(۹) سریۃ زید بن حارث۔

(۱۰) قصّہ حدیبیہ اور متعلقہ احکام

(۱۱) غزوہ خیبر اور متعلقہ احکام

(۱۲) غزوۂ موتہ،

(۱۳) غزوۂ ذات السلاسل

(۱۴) سریۃ خبط، اور متعلقہ احکام

(۱۵) فتح مکہ معظمہ کہ یہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔

(۱۶) سریۃ خالد

(۱۷) فتح مکہ سے متعلق احکام ومسائل

(۱۸) غزوہ حنین۔

(۱۹) غزوہ طائف اور متعلقہ احکام

(۲۰) ۹ھ کے بعوث وسرایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

غزوات وسرایا کے سلسلہ میں مصنف علام نے فکر انگیز گفتگو کی ہے اور اپنی طرف سے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ گو بعض مقامات نتائج وتاثرات کے اعتبار سے محل گفتگو ضرور ہیں، لیکن مجموعی طور پر جو مواد پیش کیا ہے وہ حد درجہ بصیرت افروز اور روح پرور ہے اور کسی اہل قلم کے لیے بھی اس سے استفادہ کیے بغیر قلم فرسائی ممکن نہیں۔

(۳) اس حصہ میں بھی پہلے حصہ کی اذکار وادعیہ ماثورہ پوری تفصیل اور جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

پہلے مصنف نے آپ کے اذکار کا اصول اور طریق بتا دیا ہے۔ اس کے بعد جن اذکار پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:

اذکار وضو، ذکر واجابت۔ اذکار سفر، اذکار نکاح وغیرہ

یہ وہ اذکار وادعیہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور اور منقول ہیں اس لیے ان کی اثر آفرینی، اور ان کی دینی عظمت واہمیت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ان پر عمل کرنا اور انہیں اپنا معمول بنانا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے۔

ان اذکار کی تحقیق میں مصنف علام نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے اور جہاں

کہیں سے بھی مستند طور پر جو چیز مل گئی ہے اسے لے لیا ہے اور اگر ضرورت سمجھی ہے تو جرح و تعدیل سے کام لیا ہے۔

(۴) اس حصہ کے مباحث میں تاریخی واقعات بھی زیرگفتگو آئے ہیں، یہ واقعات تاریخ اسلام میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے واقعات ہیں جو دوسرے مکتب خیال کے مورخین کے ہاں عرصہ سے نزاع و اختلاف کا مرکز بنتے چلے آرہے ہیں۔ وہ بھی جن پر مستشرقین شرنگ نے جولانی طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ تاریخی واقعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہمہ پہلو ہیں، یعنی ان کے ذکر کے سلسلہ میں فقہ، حدیث، قرآن، تاریخ، کلام، نقد و جرح سب ہی سے مصنف کو کام لینا پڑا ہے، اور حق یہ ہے کہ انہوں نے واقعات کے استقصا اور ان پر بے لاگ محاکمہ میں پوری دیانت فکر سے کام لیا ہے۔

جن تاریخی واقعات کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً اس حصہ میں ملتا ہے وہ یہ ہیں:

- جن لوگوں نے قبول اسلام میں پیش قدمی کی اور سب سے پہلے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی، ان کا ذکر بھی اسی حصہ میں ملے گا۔
- حبشہ کی طرف جو پہلی ہجرت ہوئی تھی وہ تاریخ اسلام کا نہایت اثر انگیز ورق ہے۔ اور یہ پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہے۔
- معراج نبوی، مع اپنی تمام سرگذشت، اور اہم تفصیلات اور جزئیات کے۔
- مدینہ کی طرف پہلی ہجرت کی داستان،
- مکہ مکرمہ میں پہلے پہل انصار کی ایک مختصر سی جماعت کے قبول اسلام کا واقعہ۔
- دارالندوہ میں مشرکین مکہ کا اس غرض سے اجتماع کہ آپ کو قتل کر دیا جائے تاکہ دعوت و تبلیغ اسلام کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، اس مبحث پر مصنف نے کافی مواد پیش کیا ہے۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت اور تشریف آوری،

اور اس سلسلہ میں ضروری تاریخی معلومات۔

● مسجد نبوی کی تاسیس و تعمیر کا مرحلہ، ایک نئے شہر میں خدا کا پہلا گھر۔

● تحویل قبلہ کا مسئلہ بھی بڑا ہنگامہ خیز اور تاریخی ہے یہ درحقیقت " کفر و اسلام کی کسوٹی تھا۔ جن کے دل کفر سے آشنا تھے وہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ بنتا دیکھ کر بھڑک اُٹھے، جو مومن صادق تھے انہوں نے بے چون و چرا یہ حکم قبول کر لیا، اور بہ پورے انشراح قلب کے ساتھ تحویل قبلہ کے فرمان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

تاریخی کتابوں میں اس مسئلہ پر کافی مباحث موجود ہیں، لیکن مصنف نے جس خوبی سے اس مسئلہ کو پیش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

● تاریخ کا ایک اور بہت ہی اہم مسئلہ، جو شروع سے اب تک نزاعی اور اختلاف چلا آرہا ہے یہ ہے کہ آیا، کہ بزور قوت فتح ہوا یا از روئے صلح؟ بعض پہلی صورت کے قائل ہیں، بعض دوسری کے، دونوں کے پاس دلائل ہیں اور کافی وزنی ہیں۔ اس نہایت اہم مسئلہ پر واقعات و حقائق دلائل و شواہد، اور دلائل و براہین کی روشنی میں مصنف نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ ان کی قوت فکر و نظر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ انہوں نے ہر دو نقطہ نظر کے حامیوں کے ساتھ دیانت برتی ہے دونوں کے اکابر کے دلائل پیش کئے ہیں لیکن محاکمہ کرتے وقت یکسر خالی الذہن ہو کر بحث کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اسے قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔

● تاریخ اسلام کا ایک اور بہت اہم واقعہ واقعۂ افک ہے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بعض لوگوں کی تہمت!

اس مسئلہ پر بھی مصنف نے بڑی تحقیق کے ساتھ بحث کی ہے اور منافقین کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے، اور ان لوگوں کی نشان دہی کی ہے جو بربنائے غلط فہمی تہمت کے اس حادثہ میں شریک تھے، لیکن پھر بھی حد

قذف سے نہ بچ سکے۔

• کعب بن زہیر اور قصیدہ بانت سعاد کی حکایت بھی مصنف نے ... مؤرخانہ کاوش، اور دیدہ ریزی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔

غرض مجموعی حیثیت سے یہ حصہ اپنے مباحث و مسائل کے اعتبار سے حصہ اوّل کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہم اور معرکہ آرا ہے۔

(سید) رئیس احمد جعفری (ندوی)

رسم عقیقہ اور اس کی مذہبی و دینی حیثیت

مؤطا امام مالک کی روایت

مؤطا میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا، میں عقوق (نافرمانی) پسند نہیں کرتا۔
گویا آپؐ نے "عقوق" کے (لفظ) کو ناپسند فرمایا، اسے زید بن مسلم نے بنی ضمرہ کے ایک آدمی سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کیا ہے" ابن عبدالبرؒ کا ارشاد ہے کہ اس میں بہترین سند وہ ہے جسے عبدالرزاقؒ نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا گویا آپؐ نے اس نام کو ناپسند فرمایا۔
صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے ایک اپنے لڑکے کی طرف سے قربانی (عقیقہ) کرنا چاہتا ہے تو؟.....
آپؐ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کرے اور حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت سے لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ثابت ہے۔
آپؐ نے فرمایا کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے رہن میں ہوتا ہے اس کی جانب سے ساتویں دن (بکری) قربانی کی جائے۔ اس کا سر منڈایا جائے اور اس کا نام رکھ دیا جائے

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت سے رکا ہوتا ہے اور لغت میں رہن رک جانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

کل نفس بما کسبت رھینۃ یعنی ہر جان اپنے کمائے ہوئے (اعمال) کی مرہون ہے اور ظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کے متعلق مرہون (رکا) ہوتا ہے۔ ہر بھلائی سے محروم ہوتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عاقبت میں اس کی وجہ سے اس پر عتاب نازل ہوگا۔ بلکہ شک عقیقہ کے باعث اس کے والدین کو فوائد حاصل نہ ہو سکے گا، اور گاہے گاہے لڑکا بھی اپنے والدین کی افراط و تفریط کے باعث ایک بھلائی کھو بیٹھتا ہے اگر کہا جائے کہ ہمامؒ کی قتادہ سے اس روایت کا آپ جواب دیں گے کہ "وہ خون لگایا کرتے تھے ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہؒ سے معلوم کیا گیا کہ "وہ اور خون لگایا کرتے تھے، اس کا مطلب ہے یعنی خون سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا اس میں سے تر کر لیتے پھر اسے بچے کے تالو (سر کا چوٹی کا حصہ) پر رکھا جاتا، پھر وہ اس کے سر پہ بہہ پڑتا۔ اس کے بعد اس کا سر دھویا جاتا اور مونڈ دیا جاتا، کہتے ہیں یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، بعض کا قول ہے یہ روایت جس نے سمرۃ سے نقل کی ہے۔ حالانکہ ان کا سماع ثابت نہیں۔ بعض کہتے ہیں حدیث عقیقہ میں حسن کا سمرۃ سے سماع ثابت ہے اور ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے اور بتاتے ہیں کہ یہ تدمیہ (خون بہانا) سنت ہے، یہ حضرت حسن اور قتادہؒ سے مروی ہے اور جنھوں نے تدمیہ کو منع فرمایا ہے، جیسے مالکؒ۔ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ وہ اور آپؐ تدمیہ کرتے تھے" یہ روایت قطعاً غلط ہے بلکہ آپؐ نام رکھا کرتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے تھا جسے اسلام نے ابوداؤد کی روایت کے مطابق جو بریدہؓ سے مروی ہے باطل کر دیا فرمایا کہ دور جاہلیت میں اگر ہمارے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکری ذبح کرتے اور اس کے سر پر خون مل دیتے، مگر جب اسلام آیا تو ہم بکرہ ذبح کرتے اور بچہ کا سر مونڈ ڈالتے اور زعفران اس پر مل دیتے، کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کے استاد

میں حسین بن واقد ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاتا، لیکن اس روایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت سے ملایا جائے تو اس کی صحت یقینی ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اس (بچے) سے (اذی) تکلیف دہ چیز دور کر دو" اور خون تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اسے اذی (تکلیف دہ) لیتھڑنے کا حکم دیتے؟ فرماتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی اور ان پر خون نہیں لگایا۔ اور نہ یہ فعل آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہؓ کی سنت ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولود کے سر کو ناپاک کرنا آپؐ کی سنت ہوتی۔ سنن میں اس کی نظیر اور شہادت ہی کہاں ہے؟ بلکہ یہ تو جہلا کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا عقیقہ

اگر کہا جائے کہ حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھا ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی سنتِ طیبہ ایک بچے پر ایک ہی جانور تھا۔ اور عبد الحق نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے صحیح روایت میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کی طرف سے ایک مینڈھا اور حسینؓ کی طرف سے ایک مینڈھے سے عقیقہ کیا اور حضرت حسنؓ کی ولادت احد کے سال اور اس کے ایک سال بعد حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی روایت نقل کی ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا۔ اور فرمایا فاطمہؓ اس کا سر منڈوا دو۔ اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ چنانچہ ہم نے ان کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

اگرچہ یہ روایت متصل السند نہیں ہے لیکن حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ کی روایتیں اس (کی تقویت) کے لیے کافی نہیں، فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ نسک میں سے ہے اس لیے یہ ایک سر (بچے) پر قربانی (ضحیہ) اور دم تمتع کے

برابر ہی واجب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری کی روایات کئی وجوہ کی بنا پر زیادہ قابل عمل ہیں۔

ایک سبب تو کثرتِ رواۃ ہے کیونکہ ان راویوں میں سے حضرت عائشہؓ۔ عبداللہ بن عمروؓ۔ ام کرز کعبیہؓ اور اسماءؓ ہیں اور ابو داؤدؒ نے کرزؓ سے روایت کیا، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کافی ہے۔

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو فرماتے سنا کہ "مکافیتان" (کافی) کا مطلب برابر یا مساوی ہے۔

دوسرے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور دو بکریاں کے متعلق آپؐ کا قول ہے، قول عام ہوتا ہے اور فعل میں اختصاص کا امکان بھی ہوتا ہے۔

تیسرے یہ روایت زیادتی (نیکی) کی متضمن ہے۔ اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے چوتھے فعل کا مطلب جواز (محض) کا ہو سکتا ہے۔ اور قول استحباب پر دلالت کرتا ہے۔ اب چونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اس لیے ایک ترک کر دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

پانچویں حضرت حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے قربانی کرنا اور اس کے بعد والے سال کا واقعہ ہے۔

چھٹے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی۔ جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا: ولیس الذکر کالانثیٰ، یعنی اور نر مادہ کی طرح نہیں"، اس امتیاز کا تقاضا یہ ہے کہ احکام میں بھی ایسا ہی امتیاز عطا کیا ہے۔ اسی طرح عقیقہ کو انہی احکام کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔

ساتویں عقیقہ مولود کے عتق سے مشابہ ہے۔ کیونکہ (مولود) عقیقہ سے مرہون ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ہی اس کو توڑتا اور مولود کے عتق (آزادی) کا سبب بنتا ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ لڑکے کا دو بکریوں اور لڑکی کا ایک بکری سے عقیقہ

کیا جائے، جس طرح دو عورتوں کا عتق ایک مرد کے عتق کا ہم مرتبہ ہوتا ہے۔

جامع ترمذیؒ وغیرہ میں حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان ایک مسلمان مرد کو آزاد کرے تو وہ آگ سے اس کو نجات دلانے کا سبب ہوگا۔ اس کا ہر عضو ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔ اور جو مسلمان عورتوں کو آزاد کرے۔ وہ دونوں اس کے آگ سے نجات کا سبب ہوں گی (اس طرح کہ) ان ہر دو کا عضو اس کے حصہ بدن کے بدلہ میں ہوگا، اور جو مسلمان عورت کو آزاد کرے گی وہ اس کے آگ سے نجات کا سبب بنے گی۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔

ابوداؤدؒ نے مراسیل میں جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیقہ کے متعلق جو حضرت فاطمہؓ نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کا کیا تھا فرمایا کہ دائی کے گھر میں ایک ٹانگ بھیج دو۔ اور خود کھاؤ (دوسروں کو) کھلاؤ اور اس سے ایک ہڈی نہ توڑو۔

آپؐ نے خود اپنی طرف سے بھی عقیقہ کیا

ابن ایمنؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے عقیقہ فرمایا جب آپؐ کو نبوت عطا ہو چکی ہے۔

ابوداؤدؒ نے مسائل میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا ہیثم بن جمیل سے انہوں نے عبداللہ بن مثنیٰ سے انہوں نے ثمامہؓ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے عقیقہ فرمایا۔ احمدؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن محرر نے قتادہؓ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی طرف سے عقیقہ کیا۔ احمد فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایت ہے اور انہوں نے عبداللہ بن محرر کو ضعیف قرار دیا۔

حسنین رضی اللہ عنہما کے کان میں آپ نے اذان دی

ابو داؤدؒ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا کہ میں نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہؓ کے گھر میں حسنؓ بن علیؓ پیدا ہوئے تو آپ نے نماز کی طرح ان کے کان میں اذان دی۔

بچہ کا نام ساتویں دن عقیقہ کر کے رکھ دیا جائے

عقیقہ سے متعلق حضرت قتادہؓ کی حدیث مت گذر چکا ہے۔ جو انہوں نے حسن سے انہوں نے سمرہؓ سے روایت کی کہ ساتویں دن قربانی کی جائے اور نام رکھ دیا جائے؟ ابو عبداللہ نے ہمیں بتایا حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تیسرے (دن) اس کا نام رکھا جائے۔" البتہ سمرہ فرماتے ہیں، ساتویں دن نام رکھا جائے گا۔"

اور ختنہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ لڑکے کا ختنہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک کہ سمجھ دار نہ ہو جاتا۔ میمونیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمدؒ کو فرماتے : اکہ حضرت حسنؓ ناپسند کرتے تھے کہ بچے ساتویں دن ختنہ بٹھایا جائے۔ اور حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ نے فرمایا کہ اگر ساتویں دن ختنہ بٹھایا۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حضرت حسن نے اسے یہود کی مشابہت کے باعث مکروہ سمجھا ہے حالانکہ اس میں ایسی کچھ بات نہیں۔

مکحولؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ساتویں دن ختنہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا تیرھویں سال ختنہ کیا۔ اسے خلالؒ نے ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسحٰق علیہ السلام کا ختنہ بچپن میں ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی بچپن میں ہوا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف گذر چکا کہ آپ کا ختنہ کب ہوا؟

(اسماء اور کنیتوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ذلیل اس آدمی

کا نام ہے جو اپنا نام ملک الاملاک رکھتا ہے ۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ملک (بادشاہ) نہیں ۔

اور آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور سب سے زیادہ سچے حارث ۔ ہمام اور سب سے برے نام حرب ۔ مرہ ہیں ۔

نیز آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، اپنے لڑکے کا نام یسار ۔ رباح نجیح اور افلح نہ رکھو ۔ کیونکہ آپ کہیں گے کیا وہ مصلح ہے اور وہ ایسا نہ ہو گا تو جواب ہو گا کہ نہیں ۔

نیز آپؐ نے عاصیہ کا نام بدل دیا اور جمیلہ رکھا پہلے حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر جویریہؓ رکھ دیا ۔ حضرت زینب ام سلمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نام رکھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیکوں کو خوب جانتا ہے ۔ نیز احرم کو بدل زرعہ ۔ ابی حکم کو بدل کر ابی شریح ۔ سعید کے دادا حزن، نے بدل کر سہل رکھ لیا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ کہ سہل کو لتاڑا جاتا ہے اور اس سے خدمت لی جاتی ہے ۔

ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی ۔ عزیز ۔ عیلہ ۔ شیطان ۔ حکم غراب ۔ حباب اور شہاب کا نام بدل دیا اور ان کا نام ہشام رکھا ۔ نیز آپؐ نے حرب کا نام مسلم رکھا ۔ مضطجع کا منبعث ۔ ارض عفرہ کا نام خضرہ ۔ شعب ضلالۃ کا شعب ہدیٰ ۔ بنو زنیہ کا بنو رشدہ اور بنی معاویہ کا نام بنی رشیدہ رکھا ۔

اسماء کا اثر شخصیت پر

اسماء معانی کے قالب ہوتے ہیں اور ان پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ (الفاظ اور معانی) کے درمیان ایک خاص ربط اور نسبت ہو اور دونوں میں اجنبیت نہ ہو کہ وہ ایک دوسرے سے یکسر غیر متعلق ہوں، کیونکہ حکیم کی حکمت اس کو روا نہیں سمجھتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نام کا مسمّٰی کی شخصیت پر ایک مخصوص اثر ہوتا ہے ۔ انسان اپنے ناموں کے حسن ۔ قبح ۔ ذلت و عزت، لطافت و کثافت سے ضرور متاثر ہوتا ہے ۔ جیسے

کہ کسی شاعر نے کہا ہے :

وقل ان ابصرت عیناک ذالقب الا ومعناہ ان فکرت فی لقبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند فرماتے تھے، آپؐ نے حکم دیا کہ جب کوئی قاصد آپؐ کی طرف بھیجا جائے تو جمیل ہو اور اچھے نام والا ہو۔ اور آپؐ نیند اور بیداری میں ناموں سے معانی لیتے۔ جیسا کہ آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ اور صحابہؓ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر کھجوروں سے کھجوریں حاضر کی گئیں۔ آپؐ نے اس کی یہ تاویل بتائی کہ ان کے لیے دنیا میں عاقبت (اخیر) اور آخرت میں رفعت ملے گی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا وہ تر ہو گئے اور طاب (خوش) ہو گئے۔

اور حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو کے آنے سے آپؐ نے اس کام کو سہل سمجھنے کی تاویل فرمائی۔ اور ایک گروہ نے بکری دوہنے کا ارادہ کیا چنانچہ ایک آدمی دوہنے کے لیے اٹھا آپؐ نے دریافت فرمایا، تیرا نام کیا ہے ؟

اس نے عرض کیا مرۃ (تلخ)

آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جا۔

دوسرا اٹھا، آپؐ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے ؟ راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس نے کہا میرا نام حرب ہے۔

آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جا، ایک اور اٹھا، آپؐ نے پوچھا، تیرا نام کیا ہے ؟

اس نے عرض کیا یعیش (جیتا رہے گا) آپؐ نے دودھ دوہنے کا حکم فرمایا۔

نیز آپؐ برے ناموں والی جگہوں کو بھی ناپسند فرماتے اور وہاں سے گذرنے میں بھی کراہت محسوس کرتے تھے۔

اچھے نام رکھنے کا حکم

ایک بار کسی غزوہ میں دو پہاڑوں کے درمیان گذر رہے تھے۔ آپؐ نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ان کے نام فاضح (ذلیل کرنے والا) اور مخزی (رسوا

کرنے والا) ہیں۔

آپؐ نے ان سے اعراض کر لیا اور ان کے درمیان سے نہ گذرے، چونکہ اسماء اور مسمیات میں اس طرح تناسب وارتباط ہوتا ہے، جس طرح ارواح و اجسام اور حقائق و قوالب اشیاء کے درمیان اس لیئے عقل ان سے بڑھ کر دوسری طرف منتقل ہو جاتی ہے جیسے ایاس بن معاویہ وغیرہ کسی آدمی کو دیکھتے، تو فرماتے کہ اس کا نام ایسا ایسا ہونا چاہیئے تھا تو وہ اس معاملہ میں غلطی پر نہ تھے۔ اس کی مثال حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملتی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا جمرہ (انگارہ)

آپؓ نے پوچھا، تیرے والد کا کیا نام ہے؟ کہنے لگا، شہاب آپؓ نے پوچھا، تیری منزل کہاں ہے؟ کہنے لگا حرۃ النار (آگ کی گرمی) میں آپؓ نے دریافت فرمایا کہ تیرا مسکن کہاں ہے؟ کہنے لگا ذات لظی (شعلوں والی) ہیں۔ آپؓ نے فرمایا، اچھا جا، تیرا مسکن جل گیا۔

وہ گیا تو واقعی ایسا ہی پایا، یعنی حضرت عمرؓ نے الفاظ سے ان کے معانی وارواح کا مطلب اخذ کیا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن سہیل کے نام سے سہولت کا مطلب لیا اور واقعی معاملہ سہولت سے طے پا گیا۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بنی امت کو اچھے اچھے نام رکھنے کا حکم دیا اور بتایا کہ انہیں قیامت کے دن انہی ناموں کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اچھے اعمال اچھے اسماء سے نسبت حاصل کر لیں۔ اچھے اور مناسب اسماء و اوصاف سے رہ بلایا ایک شہادت بن جائے۔

آپ غور کیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احمدؐ اور محمدؐ کے دو ناموں سے ان کے اوصاف کا کس انداز سے (علاؤ) اشتقاق کیا محمد کے لفظ میں صفات محمودہ کی کثرت اور احمد کے لفظ میں دوسروں کی صفات سے افضیلت مراد ہے۔ تو اسم اپنے مسمی سے اس طرح مرتبط ہو گیا جیسے روح اور بدن کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا ابوالحکم بن ہشام کے لیے ابوجہل کنیت فرماتے۔ اس کی اسلام (جہالت کے باعث) بالکل اوصاف روحانی کے مطابق تھا، نیز اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیٰ کو ابولہب کی کنیت عطا کی، کیونکہ شعلہ خیز آگ میں جلنے کے باعث وہ اس کنیت کا زیادہ مستحق تھا اور یہ کنیت اس سے زیادہ مطابقت وموافقت رکھتی تھی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عرب قبائل سے فرمایا، اے نبی عبداللہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور آباؤ اجداد کے اچھے نام رکھے۔

آپ دیکھئے کہ آپؐ نے ان کو ان کے والدین کے اچھے (عبداللہ) نام سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی دعوت، اور چونکہ اسم اپنے مسمی کا مقتضیٰ بلکہ اس میں موثر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ناموں کو پسند فرمایا، جیسے عبداللہ اور عبدالرحمٰن، اپنی اضافت کے اعتبار سے دوسرے ناموں عبدالقاہر اور عبدالقادر سے اللہ کو زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ عبدالرحمٰن عبدالقادر سے زیادہ پسندیدہ اور عبداللہ عبدالرب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بندے اور اللہ کے درمیان محض عبودیت کا تعلق ہے۔ لیکن بندے اور رحمٰن کے درمیان محض رحمت کے سہارے کا تعلق ہے اس کی رحمت سے اس کا وجود قائم ہے۔ اسی کے باعث اسے پیدا کیا۔ اس وجہ سے بندہ صرف اس ذات یکتا کو محبت، خوف، امید، تعظیم اور اجلال کے باعث اپنا اللہ مانتا ہے اور عبداللہ کہلاتا ہے۔ اللہ کے لفظ کے جو معنی ہیں ان کا غیر اللہ پر اطلاق ناممکن ہے اور چونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے وہ رحمت کو اپنے غضب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے پس عبدالرحمٰن کا نام عبدالقاہر سے زیادہ پسندیدہ ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھو

انبیاء علیہم السلام جملہ نبی آدم کے سردار ہیں کیونکہ ان کے اخلاق تمام لوگوں کے اخلاق سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں ان کے اعمال تمام لوگوں کے

اعمال سے زیادہ قابل شرف ہوتے ہیں ان کے اسمار بھی تمام دوسرے اسماء سے زیادہ قابل عظمت ہوتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو (انبیاء) کے اسمائے مبارکہ پہ نام رکھنے کا حکم دیا، جیساکہ سنن ابی داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھو اگران میں دیگر مصالح نہ بھی ہوں پھر بھی ان کے اسماء سے ان سے تعلق قائم رہتا ہے دیگر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ کی حفاظت ہوتی ہے ان کا تذکرہ جاری رہتا ہے۔ اور انھیں طاقِ نسیاں کی زینت نہیں بنایا جا سکتا۔ اور ان کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف و حالات کا بھی تذکرہ جاری رہتا ہے۔

لڑکے کا نام یسار، افلح، نجیح، رباح رکھنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ مسمی کا اعتقاد اور ظن ایسے ہی ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو پاکیزہ اور پر عظمت و ذی رفعت جتانے میں ہی لگا رہتا ہے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ (نیک) نام رکھنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ "اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیک (کام کرنے والوں) کو خوب جانتا ہے۔ اسی لیے تقی متقی، مطیع، طائع۔ راضی۔ محسن۔ مخلص، منیب، رشید اور سدید جیسے نام رکھنا مکروہ ہے۔ اور کفار کو تو ایسے نام رکھنے کی قطعاً اجازت نہ دینی چاہیے۔ انہیں ان ناموں سے بلانا یا ان ناموں سے تذکرہ کرنا بھی ممنوع ہے اور کفار کے ایسے نام رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔

کنیّت رکھنے کے آداب

آنحضرتؐ کی کنیّت کو اختیار کرنے کا مسئلہ

آں حضرت کی عطا کردہ کنیتیں

کنیت رکھنا دراصل ایک طرح مکنّی کی تعظیم و تکریم ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؂

اکنیہ حین انادیہ لاکرمہ ولا القبہ والسوءۃ اللقب

یعنی جب میں اسے بلاتا ہوں تو اس کے اکرام کے باعث اس کی کنیت کا ذکر کرتا ہوں اور میں اس کا لقب ذکر نہیں کرتا اور لقب سے یاد کرنا برا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیبؓ کو ابو یحیٰی اور علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب اور ابوالحسن کی کنیت مرحمت فرمائی اور یہ آپ کی سب سے محبوب کنیت تھی۔

اور حضرت انسؓ بن مالک کے بھائی جب کہ ابھی چھوٹے تھے انہیں ابو عمیر کی کنیت عطا کی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ آپ صاحب اولاد اور بے اولاد سب کو کنیت عطا کرتے۔ اور ابوالقاسم کے سوا آپؐ سے ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی کنیت سے منع فرمایا ہو۔

آپ کی کنیت پر کنیت نہیں رکھی جا سکتی

صحیح روایت میں آپؐ سے منقول ہے کہ فرمایا میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔ چنانچہ اس مسئلہ میں علمائے

کرام کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ آپؐ کی کنیت اختیار کرنا مطلقاً نا جائز ہے۔ چاہیئے آپؐ کے نام سے متصل رکھی جائے یا انفرادی طور پر یا آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہو یا وفات کے بعد۔ انہوں نے اس صحیح حدیث کو عام سمجھا ہے اور بیہقیؒ نے امام شافعی سے اسے مطلق نقل کیا ہے۔ اور منقول ہے کہ یہ کنیت اور نام بہر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھے۔ آپؐ نے اس طرف اشارہ بھی کر دیا تھا کہ "اللہ کی قسم میں نہ کسی کو حکم دوں گا اور نہ روکوں گا، بلکہ میں تو قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھتا ہوں۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ صفت (مخصوصہ) مکمل حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپؐ کا نام و کنیت اجتماعی صورت میں ممنوع ہے۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک اختیار کر لیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

ابو داؤدؒ نے باب من رأی ان لا یجمع بینھما میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور ابو زبیر کی حدیث نقل کی ہے۔ انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میرا نام رکھا وہ میری کنیت اختیار نہ کرے۔ اور جو میری کنیت اختیار کرے وہ میرا نام نہ رکھے۔ ترمذیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے نیز ترمذیؒ نے محمد بن عجلان سے نقل کیا۔ انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا اور ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا۔ الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے یعنی محمد ابوالقاسم نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہ مالکؒ سے منقول ہے۔ انھوں نے ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو محمد بن حنفیہؒ سے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپؐ کے بعد میرے گھر میں کوئی لڑکا ہوا تو میں آپؐ کا نام رکھوں گا اور اسے آپؐ

کی کنیت دوں گا۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں! ترمذیؒ نے اسے صحیح بتایا ہے اور سنن ابو داؤدؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ میرے ہاں لڑکا تولد ہوا میں نے اس کا نام محمد رکھا اور اسے آپؐ کی کنیت یعنی ابوالقاسم " دی پھر مجھے بتایا گیا ہے کہ آپؐ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ کس نے میرا نام جائز کیا اور کنیت حرام کر دی؟ یا (فرمایا) کہ کس نے میری کنیت حرام کر دی اور نام حلال (جائز) کر دیا (یہ علماء) فرماتے کہ ممانعت کی احادیث ان دو روایتوں سے منسوخ ہو چکی ہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں ابوالقاسم کی کنیت اختیار کرنا ممنوع تھا، اور وفات کے بعد جائز ہے، کہتے ہیں کہ ممانعت کا سبب آپؐ کی حیات سے مخصوص تھا، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے بقیع میں " اے ابوالقاسم " آواز دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوگئے۔

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرا مطلب آپؐ نہ تھے، بلکہ میں نے فلاں کو بلایا تھا۔

آپؐ نے فرمایا، میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو

اور (علمائے کرام) فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب یہ ہے، کہ انہوں نے اس بچہ کے بارے میں پوچھا تھا جو آپؐ کے بعد پیدا ہو، اس کے بارے میں نہیں جو آپؐ کی زندگی میں پیدا ہوا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا " یہ صرف میرے لیے رخصت تھی۔

اور صحیح مسلک یہ ہے کہ آپؐ کا نام رکھنا جائز ہے اور آپؐ کی کنیت اختیار کرنا ممنوع ہے اور زندگی میں آپؐ کی کنیت اختیار کرنے کی ممانعت زیادہ شدید تھی۔

کیا ابو عیسیٰ کنیت اختیار کی جا سکتی ہے؟ نیز سلف و خلف کی ایک جماعت نے ابو عیسیٰ کی کنیت کو مکروہ بتایا ہے۔ دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

ابوداؤد میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے ایک بیٹے کو مارا، جو کہ ابو عیسیٰ کنیت رکھتا تھا، نیز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ابو عیسیٰ کی کنیت اختیار کی۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ تو ابو عبداللہ کی کنیت اختیار کرلے؟

انھوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت رکھی ہے۔ انھوں نے فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اور ہم اپنی حرکات میں ہیں۔ پھر وفات تک ہمیشہ ابو عبداللہ ہی اپنے آپ کو کہلواتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کو ام عبداللہ کی کنیت دے رکھی تھی اور بعض ازواج مطہرات کو جیسے ام حبیبہ اور ام سلمہؓ کی کنیت عطا فرمائی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو "کرم" کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کرم تو مومن کا دل ہوتا ہے، چونکہ لفظِ (کرم) کثرت خیر و برکت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ایسے امور خیر کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ انگور کا درخت۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعراب کے نام تمہاری نمازوں مثلاً عشاء پر غالب نہ آجائیں (کیونکہ اعراب) اس نماز کو عتمہ کہتے ہیں اور صحیح حدیث میں آپؐ سے یہ بھی مروی ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا، اگر انھیں معلوم ہوتا کہ عتمہ (عشاء) اور صبح میں کس قدر اجر ہے تو یہ پیٹ کے بل رینگ کر بھی حاضر ہوتے۔

ایک قوم میں یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر ممانعت منسوخ ہے۔ بعض اس کا عکس بناتے ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ (روایات) کی تاریخ کا صحت سے تعین کرنا مشکل ہے، اور احادیث میں تعارض بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ آپؐ نے عشاء کو عتمہ کہنے کی قطعی ممانعت نہیں فرمائی، جبکہ مراد یہ تھی کہ عشاء کا نام متروک نہ

ہونے پائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس نماز کو اسی نام سے یاد کیا ہے لہٰذا اس پر عتمۃ کا غلبہ نہ ہونے دیا جائے۔ اب اگر اسے عشاء ہی کہا جائے اور کبھی کبھار عتمۃ کا نام بھی بول دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور یہ فرمان محض اسی لئے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ عبادات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ اسماء کی حفاظت کی جائے، وہ متروک نہ ہونے پائیں اور ان پر دوسرے اسماء غالب کر دیئے جائیں، جیسے متاخرین نے جدید اصطلاحات والفاظ پرچسپاں کر دیئے اور جس کی وجہ سے اس قدر عظیم فساد وانتشار پیدا ہوا کہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

افراد امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخاطب

سراپا شفقت و رحمت آپ امت کو خطاب فرمانے کے لیے خوبصورت اور لطیف ترین الفاظ استعمال کرتے جو درشت و تند مزاج لوگوں سے بعید ہوں۔ چنانچہ آپ نہ فحش یا درست کلام فرماتے نہ تند گوئی اور تیزی سے کام لیتے۔

آپ نا اہل آدمی کے حق میں پر عصمت اور قابلِ تکریم الفاظ اور (شریف) کے حق میں پر مذمت الفاظ کہنے کو ناپسند فرماتے۔

پہلی مثال مثلاً منافق کو کہنا اے میرے سردار، فرمایا جو اللہ کے ہاں سردار نہیں تو تم نے اسے سردار کہہ کر اپنے پروردگار عزوجل کو ناراض کیا۔

نیز آپ نے انگور کو کرم کہنے اور ابو جہل کو ابو حکم کہنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح آپ نے ایک صحابی ابو حکم کا نام بدل کر ابی شریح رضی اللہ عنہ رکھ دیا اور فرمایا کہ حکم تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف حکم واپس جاتا ہے۔

اسی طرح آپ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ غلام عباس آقا کو ربی (پروردگار) کہے یا آقا اپنے غلام کو میرا بندہ کہے اور فرمایا بلکہ یوں کہو "میرے بچے۔ میرے بچی"[1] ایسے ہی طبیب ہونے کے مدعی کو آپ نے رفیق فرمایا اور بتایا کہ طبیب تو خالق ہے اور جہلا ر کافر کو بھی حکیم کہتے ہیں جسے چند طبیعاتی باتوں کا علم ہو حالانکہ (کافر) تمام

---

[1] ان الفاظ میں زیردست کے لیے کتنی رحمت اور شفقت ہے اور آقا کے پندار کے لیے کیسی موعظت حسنہ ہے

مخلوقات سے زیادہ احمق ہوتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے ایک خطیب سے، جس نے کہا تھا:

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، وہ خوش بخت ہوا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ سرکش وگمراہ ہوا"

آپؐ نے فرمایا کہ تو بدترین خطیب ہے۔ اسی طرح آپؐ کا فرمان:

"کہ یہ مت کہو کہ جس طرح اللہ اور فلاں (بھی) چاہے ویسے ہوگا بلکہ کہو جس طرح اللہ چاہے پھر جو (اللہ کی مرضی سے) فلاں چاہے" ایک آدمی نے عرض کیا، جس طرح اللہ اور آپؐ چاہیں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ بلکہ کہو جیسی صرف اللہ کی مرضی ہو۔ [1]

اور دوسری نوع یہ ہے کہ غیر مستحق پر الفاظِ مذمت استعمال کیے جائیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زمانے (دہر) کو گالی مت دو،

اور فرمایا، کہ:

زمانہ ہی خدا ہے۔

دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے جب زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، اور سارا امر میرے ہاتھ میں ہی ہے۔ میں ہی دن رات بدلتا ہوں،

ایک اور روایت میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے "اے زمانے کی نامرادی"

اس میں تین بڑے بڑے مفاسد ہیں۔

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کس طرح آپ مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ ارشاد نبوی ان لوگوں کے لئے غور طلب ہے جو خدا کو چھوڑ کر، یا اس کے ساتھ پیروں اور بزرگوں کو بھی حاجت روا سمجھتے ہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

ایک یہ کہ ایک غیر مستحق کو گالی دی، کیونکہ دہر بھی اللہ کی مسخر مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس کے حکم کا تابع ہے اس کے امر کے سامنے بے بس ہے اس لئے گالی دینے والا مذمت کا زیادہ مستحق ہے۔

دوسرے اس کا گالی دینا شرک کا متضمن ہے کیونکہ اس نے فائدہ رساں اور ضرر رساں سمجھ کر گالی دی ہے۔

تیسرے گالی دینے والے کے دو حالات ہیں، یا تو اس نے اللہ کو گالی دی ہے یا شرک کیا ہے کیونکہ اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ زمانہ بھی فاعل ہے تو وہ مشرک ہوگیا اور اگر اس کا یہ اعتقاد کہ تنہا اللہ ہی اس کا فاعل ہے، تو اس نے گویا اللہ کو گالی دی۔

اسی طرح آپؐ کا یہ فرمان کہ تم میں سے یہ کوئی نہ کہے کہ شیطان ہلاک ہو کیونکہ وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے اسے اپنی قوت سے پچھاڑ دیا، بلکہ یوں کہا کرے، بسم اللہ، اس سے وہ مکھی کی طرح چھوٹا ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ بندہ جب شیطان پر لعنت کرتا ہے تو وہ کہتا ہے تو ایک مطعون پر لعنت کر رہا ہے، نیز اللہ شیطان کو رسوا کرے، اللہ شیطان کا منہ کالا کرے۔ وغیرہ جملے بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بنی آدم کو معلوم ہوگیا کہ میں نے اسے اپنی قوت سے نقصان پہنچایا ہے، یہ جملے اسے زیادہ سرکش بناتے ہیں اور ذرا بھی فائدہ بخش نہیں ہوتے چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس پر شیطان کا اثر ہو۔ وہ اللہ کا ذکر کرے۔ اس کا نام لے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ یہ بات اس کے لئے فائدہ دینے والی اور شیطان کے غصہ کو بھڑکانے والی ہے۔

عجز اور کسل کے مظاہرہ سے بچو

کسی کام کے ہو جانے کے بعد اس قول کی ممانعت کہ کاش میں یوں نہ کرتا، یوں کرتا، فرمایا کہ اس طرح شیطان کے اثر کا دروازہ کھلتا ہے بلکہ ارشاد فرمایا کہ

اس سے زیادہ نفع مند یہ کلمہ ہے:

جو کچھ اللہ کی تقدیر تھی اور جو اللہ نے چاہا ہوگیا۔

اور عجز (بھی غلط ہے) کیونکہ یہ بھی شیطان کو دخل اندازی کا موقع دیتا ہے گویا یہ فائدہ منداعمال سے عاجز آگیا اور باطل امیدوں کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ کاش اس اس طرح ہوتا، کاش میں یوں کرتا۔ اس سے شیطان کو دخل دینے کا موقع ملتا ہے کیونکہ یہ عجز اور کسل (سستی) کا نتیجہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پناہ مانگی ہے کیونکہ یہ دونوں شر کا منبع ہیں۔ اور انہی سے غم، اندوہ، بخل، قرض ادا نہ کرسکنا اور لوگوں سے مغلوب ہو جانا (جیسے حالات) پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان کا مرکز اور مصدر عجز اور کسل ہی ہیں، چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شیطان کا کسی پر اثر شروع ہو جائے تو وہ تمنائیں کرنے والا تمام لوگوں سے زیادہ عاجز اور مفلس بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ تمنائیں کرتے رہنا مفلسین کا راس المال ہوتا ہے اور عجز ہر شر کی کنجی ہوتی ہے بلکہ ہر گناہ کی جڑ عجز ہے۔ جب بندہ نیک کام کرنے اور برائی سے بچنے سے عاجز آگیا تو بہر حال معاصی ہی میں ڈوب جائے گا۔

ایک حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شر کے اصول و فروع اور اس کے مبادی و غایات سے پناہ مانگنا۔ آٹھ خصال پر مشتمل ہے۔ ہر دو خصال آپس میں قرین ہیں۔ آپ نے دعا پڑھی

دونوں قرین ہوئے۔ اس کے بعد عجز اور کسل دونوں ایک دوسرے کے قرین ہیں۔ اگر بندہ بندگی اور اصلاح میں عاجز رہ گیا ہو، اگر عدم قدرت کے باعث ایسا ہوا تو عاجز ہے اور اگر قصداً ایسا کیا تو یہ کسل (کاہلی ہے) ان دو صفات سے ہر خیر کھو جاتا ہے اور ہر شر آموجود ہوتا ہے۔

جس شر کے باعث وہ اپنے بدن سے نفع حاصل نہیں کرسکتا اسے جبن کہتے ہیں۔ اگر مال سے فائدہ حاصل نہ کرسکے پھر یہ بخل ہوگا۔ چنانچہ اس کے باعث دو طرح کی مغلوبیت مسلط ہو جائے گی۔ ایک کسی کے حق کا غلبہ دین کہتے ہیں۔ دوسرے

باطل کے باعث مغلوبیت اسے غلبہ رجائی کہتے ہیں۔ یہ تمام مفاسد عجز اور کسل کا نتیجہ ہیں۔

عجز اور کسل۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق حکم ہے کہ ایک آدمی کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل (مجھے میرا اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ عجز پر ملامت کرتا ہے بلکہ تمہیں شعور سے کام لینا چاہیئے پھر بھی اگر کوئی امر تم پر غالب آجائے تو کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ حالانکہ اگر یہ اسباب کو ہوشمندی سے کام میں لاتا اور پھر بھی مغلوب ہو جاتا۔ اس صورت میں یہ جملہ واقعتہً اپنے مقام پر درست ہوتا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے تمام ماموریہ اسباب کو اختیار کیا کسی کو ترک نہیں کیا اور نہ عجز کا اظہار کیا۔ پھر بھی جب دشمن غالب آگئے اور انہیں آگ میں ڈال دیا تو انہوں نے اسی حالت میں حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا۔ چنانچہ یہ کلمہ جب اپنے مقام پر پڑھا تو فوراً اثر ہوا اور اس کا مقتضیٰ ظاہر ہوگیا۔

اسی طرح احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ سے جب کہا گیا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہیں، اس لیے ان سے ڈرو، تو (صحابہ ورسول اللہ) نے تیاری کی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے اور خوب شعور سے کام لیا۔ پھر کہنے لگے حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ تو اس کلمہ نے اثر کیا اور اس کا ایک نتیجہ نکلا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

یعنی، اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا:

واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔ یعنی، اور اللہ سے ڈرو، مومنوں کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کریں۔

اور اسباب دنیا اختیار کیے بغیر توکل کرنا اور اللہ کو کافی سمجھنا یہ محض عجز ہے، اگرچہ اس پر قدرے توکل چھایا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ توکلِ عجز ہے اور بندے کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے توکل کو عجز بنا دے یا عجز کو توکل کا جامہ پہنائے۔ بلکہ توکل کو بھی اسباب ماموره سمجھ کر اسے اختیار کرتے جس کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں ہو سکتا۔

دو جماعتوں نے اس مسئلہ میں دھوکا کھایا ہے۔

ایک گروہ نے سمجھا کہ حصولِ مراد کے لیے تنہا توکل ہی کافی اور مستقل حیثیت میں موثر سبب ہے چنانچہ انہوں نے تمام اسباب کو معطل کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضی تھے مسبب تک پہنچنے کا ذریعہ تھے، چنانچہ یہ گروہ ضعفِ توکل اور ترک اسباب کے باعث عجز اور تفریط میں گر گیا۔

دوسرے گروہ نے اسباب پر اعتقاد رکھا اور شرعاً اور ظاہراً ہر طرح مسبب میں سبب کی کارفرمائی دیکھی اور توکل سے بالکل ہی اعراض کر لیا۔ اگرچہ اس گروہ نے اسباب کے ذریعہ کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا، لیکن اس کی قوت اصحابِ توکل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ اسے اللہ کی نصرت حاصل ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے تحفظ و دفاع حاصل ہے بلکہ یہ توکل کے زائل ہونے کے وجہ سے ذلیل و عاجز ہے۔ کیونکہ قوت تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں پنہاں ہے جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا ہے۔

جو یہ چاہے کہ تمام لوگوں سے قوی ہو جائے تو وہ اللہ پر توکل کرے۔

ذکرِ الٰہی

آپؐ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتے

ذکرِ الٰہی کی وسعتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ذکر میں تمام مخلوقات سے زیادہ کامل تھے بلکہ آپؐ کا ہر کلام اللہ کے ذکر یا اس کے متعلق پر مشتمل تھا۔ آپؐ کا امت کو فرمانا، حکم فرمانا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے مبارک، صفات اس کے احکام افعال وعدے وعید، سب اس کا ذکر ہی تھے اور اس کی نعمتوں پر ثنا، حمد، تسبیح وتمجید بھی قلبی طور پر ذکر الٰہی کی متضمن تھی۔ گویا آپؐ ہر آن ہر حالت میں ذاکر تھے اور ذکر الٰہی آپؐ کے تنفس کی طرح، اٹھتے بیٹھتے چلتے سوار ہوتے۔ سفر و حضر صلح وجنگ ہر جگہ آپؐ سے متصل تھا۔ جب آپؐ بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔

یعنی، سب تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اٹھ کر اسی کی طرف ہمارا حشر ونشر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ رات کو جاگتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔ دس بار الحمد للہ کہتے اور بتایا کہ دس بار سبحان اللہ وبحمدہٖ اور دس بار سبحان الملک القدوس اور دس بار استغفر اللہ اور دس بار لا الٰہ الا اللہ کہتے پھر دس بار یہ دعا پڑھتے اللھم انی اعوذ بک من ضیق الدنیا

وضیق یوم القیامہ، اس کے بعد (تہجد) شروع کرتے نیز فرماتی ہیں، کہ جب آپؐ کسی وقت رات کو جاگتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

لا الٰہ الا انت سبحانک اللھم استغفرک لذنبی واسألک رحمتک اللھم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد اذ ھدیتنی وھب لی من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ (ابوداؤد)

"یعنی تیرے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں، اے اللہ تو پاک ہے۔ میں اپنے گناہ کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کر دے اور مجھے جب تو نے ہدایت دے دی تو اب میرے قلب کو کھوٹا نہ بنانا اور مجھے اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو آدمی رات کو بیدار ہو اور یہ جملے کہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر، الحمد للہ وسبحان اللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اس کے بعد کہے اللھم اغفرلی۔ یعنی، اے اللہ مجھے بخش دے، یا کوئی دوسری دعا قبول ہوگی، اور اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز قبول ہوگی (بخاری)

حضرت عباسؓ نے جو رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گذاری اس کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جب آپؐ بیدار ہوئے تو آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات سے لے کر آخر سورت تک تلاوت کیں۔ پھر یہ دعا پڑھی:

اللھم لک الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت قیم السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت الحق ووعدک الحق وقولک الحق ولقاءک حق والجنۃ حق والنار حق والنبیون حق و

محمد حق والساعۃ حق اللّٰھم لک اسلمت وبک امنت وعلیک توکلت والیک انبت علیک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الٰھی لا الٰہ الا انت ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یعنی "اے اللہ تو سزاوار حمد ہے، تو آسمانوں کا زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کا نور ہے بس تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمان کا اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے۔ بس تیری ہی حمد ہے۔ تو حق ہے تیرا وعدہ حق اور تیرا قول حق ہے۔ اور تیرا دیدار حق ہے، جنت حق ہے اور آگ (دوزخ) حق ہے اور انبیاء علیہم السلام حق ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں، اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لئے اسلام لایا تجھ پر ایمان لایا۔ تجھ پر توکل کیا تیری طرف رجوع کیا اور تیری مدد سے نزاع کیا اور تجھ ہی سے داد خواہ ہوا۔ بس میرے سابقہ اور مابعد گناہ بخش دے اور جو گناہ میں نے چھپ کر کئے اور جو میں نے علانیہ کیے وہ بھی بخش دے، تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور بزرگی وعظمت والے خدا کے سوا نہ کوئی قدرت ہے اور

نہ قوت ہے"۔

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

"یعنی اے اللہ جبرائیل ومیکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے پروردگار آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے غیب اور حاضر کو جاننے والے تو اپنے بندوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ جس میں اختلاف کرتے تھے، بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ

دکھاتا ہے"

(حضرت عائشہؓ) فرماتی ہیں کہ اس کے ساتھ بسا اوقات آپؐ نماز شروع کر دیتے۔ جب آپ وتر پڑھتے تو وتروں سے فارغ ہونے کے بعد تین بار سبحان الملک القدوس کہتے، اور تیسری بار آواز بلند کرتے۔

اور جب آپؐ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ بسم اللہ توکلت علی اللہ اللھم انی اعوذ بک ان اضل او اضل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجھل او یجھل علیّ (صحیح حدیث)

یعنی، اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر توکل کیا۔ اے اللہ میں اس امر سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کسی کو گمراہ کروں یا مجھے گمراہ کیا جائے یا میں پھسلا دوں یا مجھے پھسلایا جائے یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔ میں جہالت (سے پیش) آؤں یا مجھ سے جہالت کا (برتاؤ) کیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے:

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے ہدایت دی گئی، تجھے کفایت ہو گئی اور تجھے بچا لیا گیا۔ اور شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے (حدیث حسن)

حضرت ابن عباسؓ نے جو رات آپؐ کے پاس گذاری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپؐ صبح کی نماز کے لیے یہ دعا پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے:۔

اللھم اجعل فی قلبی نورًا واجعل فی لسانی نورًا واجعل فی سمعی نورًا واجعل فی بصری نورًا واجعل لی خلفی نورًا ومن امامی نورًا واجعل من فوقی نورًا واجعل من تحتی نورًا اللھم اعظم لی نورًا۔

یعنی، اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری زبان کو نور عطا فرما، اور میری سماعت کو نور عطا فرما، اور میری بصارت کو نور عطا کر، اور میرے

سامنے نور کر دے، اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے، اے اللہ میرے لیے نور بڑھا دے۔"

اور فضیل بن مرزوق حضرت عطیہ عوفیؒ سے وہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلے اور وہ یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسألک بحق السائلین علیک وبحق ممشای ھذا الیک فانی لم اخرج بطراً ولا اشراً ولا ریاءً ولا سمعۃ وانما خرجت اتقاء سخطک و ابتغاء مرضاتک اسألک ان تنقذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے سائلین کے حق کے طفیل اور تیری طرف چلنے کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ نہ تو میں تکبر و رعونت سے نکلا ہوں اور نہ ریاکاری اور دکھاوے کی خاطر بلکہ تیری ناراضگی سے بچتے ہوئے اور تیری رضا چاہتے ہوئے نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچا دے اور میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں"

اتنا کہنے سے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا جو اس کے لیے بخشش کے لیئے دعا کرتے رہیں گے، اور نماز ختم ہونے تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمانیت کی توجہ فرمائے گا۔

اور ابوداؤدؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اعوذ باللہ العظیم وبوجھہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم،۔

یعنی "عظمت والے اللہ تعالیٰ اور اس کریم کے رخ اور اس قدیم کی قدرت کی میں پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔" جب اس نے یہ

دعا پڑھ لی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سارا دن شیطان سے محفوظ ہو گیا۔
نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو پھر صلوٰۃ و سلام پڑھو اور پھر یہ کہو:
اللھم افتح لی ابواب رحمتك یعنی اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔
اور جب باہر آؤ، تو یہ کہو، اللھم انی اسئلك من فضلك، یعنی اے اللہ میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔
نیز مروی ہے کہ جب آپؐ مسجد میں داخل ہوتے تو درود و سلام پڑھتے اور یہ دعا کہتے:
اللھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك یعنی اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔
جب آپؐ صبح کی نماز پڑھتے تو طلوعِ آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور اللہ کی یاد میں مصروف رہتے۔
نیز آپؐ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے، اللھم بك اصبحنا وبك امسینا وبك نحیا وبك نموت والیك النشور۔
یعنی "اے اللہ ہم نے تیری (توفیق) سے صبح کی اسی طرح شام کی اور اسی طرح ہم جیتے اور تیرے نام پر مرتے ہیں اور بلاشبہ تیری ہی طرف حاضر ہونا ہے
اور جب صبح ہوتی تو آپؐ یہ دعا بھی پڑھا کرتے:
اصبحنا واصبح الملك للّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علیٰ كل شیءٍ قدیر، رب اسالك خیر ما فی ھذا الیوم وخیر ما بعدہ واعوذبك من شر ھذا الیوم وشر ما بعدہ رب اعوذبك من الكسل وسوء الكبر رب اعوذبك من عذاب فی القبر۔

یعنی ہم نے صبح کی اور اللہ کے ملک نے بھی صبح کی اور سب تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیئے بادشاہی ہے، اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اے پروردگار میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اور اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور میں اس دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں کاہلی اور تکبر کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں جہنم میں ہونے والے عذاب اور قبر میں ہونے والے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

اور جب شام ہوئی تو آپؐ نے اسی دعا کو امینا و امسی الملک اللہ الخ کے مذکورہ طریق پر پڑھی (مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ ایسے کلمات بتلایئے جو صبح و شام میں پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو:

اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ رب کل شی وملیکہ وما لکم اشھد ان لا الہ الا انت اعوذبک من شر نفسی وشر الشیطان وشرکہ وان اقترف علی نفسی سوء ا او اجرہ الی مسلم"

یعنی" اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب اور ظاہر کے جاننے والے ہر چیز کے پروردگار اس کے بادشاہ اور اس کے مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ میں اپنے نفس کی اور شیطان کی شرارت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس کے شرک سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں (اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں) کہ میں اپنے آپ پر کوئی برائی لا دوں یا اسے کسی مسلمان کی طرف منسوب کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا، جب صبح یا شام کرے تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو، یا جب بستر پر جاؤ تب

بھی یہ دعا پڑھ لیا کرو) (حدیث صحیح)
نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی ہر صبح و شام یہ دعا تین بار پڑھ لے اسے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمه شیء فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم
یعنی "اللہ کے نام سے جس کے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں دیتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے"
اور جو آدمی جب یا شام یہ دعائیں تین بار پڑھے اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو راضی رکھے دعا یہ ہے:
رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا یعنی "میں اللہ کے پروردگار ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ اور جس نے صبح یا شام کو یہ دعا پڑھی:

اللھم انی اصبحت اشھدک و اشھد حملة عرشک وملائکتک وجمیع خلقک انک انت اللہ الذی لا الہ الا انت وان محمدا عبدک ورسولک
یعنی "اے اللہ میں نے صبح کی، میں تجھے تیرے عرش کے حاملین تیرے سوا اور تیری تمام مخلوق کو شاہد بنا کر گواہی دیتا ہوں بے شک تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود و کارساز نہیں۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔
جو اسے ایک بار پڑھے گا اللہ اس کا یہ چوتھا آگ سے آزاد کر دے گا اور اگر دو بارہ پڑھے گا تو اللہ اس کا نصف آگ سے آزاد کر دے گا۔ اور اگر چار بار پڑھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے بالکل آزاد کر دے گا (حسن)
نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس آدمی نے صبح کو یہ دعا پڑھی اس نے اس دن کا حق ادا کر دیا۔
"اللھم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک

لك لك الحمد ولك الشکر" یعنی اے اللہ میں نے یا تیری مخلوق میں سے جس نے بھی تیری نعمت کے ساتھ صبح کی، وہ نعمت بس صرف تیری ہی جانب سے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ہے اور جو شام کو دعائے مذکورہ پڑھے اس نے رات کا شکر ادا کر دیا (حدیث حسن)

نیز آپؐ صبح و شام یہ دعائیں بھی پڑھا کرتے:

اللهم إني أسألك العافية في الدنيا والآخرة، اللهم إني أسألك العفو والعافية في ديني ودنياي وأهلي ومالي اللهم استر عوراتي وآمن روعاتي اللهم احفظني من بين يدي ومن خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي أعوذ بعظمتك أن أغتال من تحتي (حاکم)

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوالی ہوں، اے اللہ میں تجھ سے اپنے دین و دنیا۔ گھر اور مال کے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ میری مخفی (کمزوریوں) پر پردہ ڈال دے اور مجھے پریشان حالی سے مامون فرما۔ اے اللہ میرے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں اور اوپر سے حفاظت فرما، میں تیری عظمت کے طفیل اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے ڈھکے چھپے دھوکہ دیا جائے"

اور آپؐ نے فرمایا کہ تم کو چاہئے صبح کے وقت یہ دعا پڑھے:

اصبحنا واصبح الملك لله رب العالمين اللهم اني اسألك خير هذا اليوم فتحه ونصره ونوره وبركته وهداه واعوذبك من شر ما فيه وشر ما بعده،

پھر جب شام ہو تو بھی یہی دعا پڑھو (حدیث حسن)

ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اپنی ایک لڑکی سے فرمایا، کہ جب تم صبح کرو تو یہ دعا پڑھو، کیونکہ اس کا صبح کے وقت پڑھنا شام تک محفوظ رکھے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ رہے گا۔ دعا یہ ہے:

سبحان اللہ وبحمدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ماشاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن اعلم ان اللہ علی کل شی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شی علما

یعنی "اللہ پاک ہے اور اسی کی حمد ہے اور خدائے بزرگ و عظمت کے سوا نہ کوئی توفیق ہے اور نہ قوت ہے جو کچھ اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کو محیط ہے"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی دعا نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کر دے اور تمہارا قرض چکا دے ؟

میں نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا صبح یا شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیا کر۔

اللھم انی اعوذ بك من الھم والحزن واعوذ بك من العجز والکسل واعوذ بك من الجبن والبخل واعوذ بك من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔

یعنی "اے اللہ میں غم واندوہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں عجز و سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں بزدلی اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں: اور میں قرض کے غلبہ اور آدمیوں کے قہر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"

راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم دور کر دیا اور قرض ادا کروا دیا، نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے:

اللھم انی اسئلك علما نافعا ورزقا طیبا وعملا متقبلا۔

یعنی "اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم اور پاک رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں"

اور آپ سے منقول ہے کہ جو صبح کو اور شام کو یہ کلمات کہے تو اللہ پر حق

ہے کہ اس کی ہر التجا مکمل طور پر قبول فرمائے، کلمات یہ ہیں:
اللھم انی اصبحت منک فی نعمۃ وعافیۃ وستر فاتمم علی نعمتک عافیتک وسترک فی الدنیا والاخرۃ، یعنی اے اللہ میں نے تجھ سے تیری حمد وعافیت اور پردہ پوشی پر ہی صبح کی پس مجھ پر اپنی نعمت وعافیت اور پردہ پوشی دنیا اور آخرت میں مکمل طور پر فرما۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جو آدمی صبح وشام سات سات مرتبہ یہ کلمات کہے:

حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم،
یعنی "مجھے میرا اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پہ توکل کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے"

تو دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ اسے ہر غم میں کافی ہوگا۔ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جو شخص دن کی ابتداء میں یہ کلمات کہے وہ شام تک کسی مصیبت سے دوچار نہ ہوگا اور جو دن کے آخری حصہ میں کہے گا اسے صبح تک کچھ رنج نہ پہنچے گا۔ کلمات یہ ہیں:

اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیک توکلت وانت رب العرش العظیم ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیء علما اللھم انی اعوذ بک من شر نفسی وشر کل دابۃ انت اخذ بناصیتہا ان ربی علی صراط المستقیم۔

یعنی "اے اللہ تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود وکارساز نہیں۔ میں نے تجھ پر توکل کیا، اور تو ہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ بزرگ وبرتر کے سوا نہ کہیں سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اے

اللہ میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر جاندار کے شر سے جس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے تیری پناہ مانگتا ہوں بے شک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے۔

حضرت ابوالدرداؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا۔ انہوں نے جواب دیا ''نہیں جلا'' اور اللہ تعالیٰ ان کلمات کے باعث ایسا نہیں ہونے دے گا، جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں''

نیز آپؐ نے فرمایا، کہ تمام استغفاروں کا سردار (سید الاستغفار) یہ کلمات ہیں:

اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علیّ وابوء بذنبی فاغفر لی انه لا یغفر الذنوب الا انت۔

یعنی، ''اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعدہ پر قائم ہوں، جتنی بھر مجھے استطاعت ہے میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو مجھے حاصل ہے اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ پس مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں بخش سکتا''

جو صبح کو یقین کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے، اسی دن مر جائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو شام کو یقین کرتے ہوئے یہ کلمات کہے اور اسی رات فوت ہو جائے تو جنت میں داخل ہوگا اور فرمایا کہ جو صبح و شام سبحان اللہ وبحمدہ سو بار کہے تو قیامت کے دن اس سے زیادہ پڑھے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جو دس بار صبح کے وقت یہ کلمات کہے، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھے گا اور اس سے دس برائیاں مٹا دے گا اور غلام آزاد کرنے کے برابر اسے ثواب حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اس دن شیطان سے محفوظ رکھے گا۔ اور جب شام ... کسی کا اجر و ثواب نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اگر کوئی ایسا ہی ورد کرے یا اس سے زیادہ

ہو تو پھر اسی طرح کہے تو صبح تک یہی مذکورہ فوائد حاصل ہوں گے اور آپؐ نے فرمایا کہ جو صبح کرے اور اس دن سو بار یہ کلمات کہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہُ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے (نامۂ اعمال) میں سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اور یہ دن اس کے لئے شیطان سے حفاظت کا سبب ہوگا، یہاں تک کہ شام ہو جائے، اور اس سے زیادہ کسی کا ثواب نہ ہوگا، ہاں وہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے اور مسند وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھائے اور حکم دیا کہ اپنے گھر میں ہر صبح یہ کلمات کہنے کی تاکید کریں۔ کلمات یہ ہیں:

لبیك اللھم لبیك لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك ومنك والیك اللھم ما قلت من قول او حلفت من حلف او نذرت من نذر فمشیئتك بین یدی ذٰلك كله ما شئت كان وما لم تشأ لم یكن ولا حول ولا قوة الا بك انك علی كل شئی قدیر، اللھم ما صلیت من صلوٰة فعلی من صلیت وما لعنت من لعنة فعلی من لعنت انت ربی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین اللھم فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادة ذوالجلال والاكرام فانی اعھد الیك فی ھذہ الحیوٰة الدنیا واشھدك وكفیٰ بك شھیدا بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت وحدك لا شریك لك لك الحمد وانت علی كل شئی قدیر واشھد ان محمداً عبدك ورسولك واشھد ان وعدك حق ولقاءك حق والساعة حق آتیة لا ریب فیھا وانك تبعث من فی القبور وانك ان تكلنی الیٰ نفسی تكلنی الیٰ ضعف وعورة وذنب وخطیئته وانی لا اثق الا برحمتك فاغفر لی ذنوبی كلھا انهٗ لا یغفر الذنوب الا انت وتب علیّ انك انت التواب الرحیم۔

یعنی "میں حاضر ہوں اے میرے اللہ، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے، وہ تجھ سے ہے اور تیری طرف سے ہے اے اللہ میں نے جو بات کی یا کوئی قسم کھائی، یا کوئی نذر مانی، پس یہ تمام تیری مشیت میرے سامنے ہے۔ جو تونے چاہا ہوگیا، اور جو تونے نہیں چاہا نہ ہوا۔ اور تیرے سوا نہ کسی سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تونے جس پر کچھ رحم کیا تو وہ اسی پر ہے۔ جس پر تونے رحم کیا اور جس پر تونے پھٹکار کی وہ اسی پر ہے۔ جس پر تونے پھٹکار کی تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے بہ حالت اسلام موت دنیا اور نیکوکاروں کے ساتھ ملا دینا۔ اے اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے غیب و حاضر کے جاننے والے۔ بزرگی و اکرام والے میں اس حیاتِ دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اور تجھے گواہ بناتا ہوں، اور تیری گواہی کافی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں تیری ہی بادشاہی ہے اور تیری ہی حمد ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ تیری ملاقات حق ہے۔ قیامت حق ہے آنے والی ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، اور جو قبروں میں ہیں تو انہیں پھر سے اٹھائے گا۔ اگر تو (کام) میرے سپرد کر دے تو ضعف، ناتواں، بہ گناہ و خطا کے سپرد کیے اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں، پس میرے تمام گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں۔ پس میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں، اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تیرے سوا کوئی توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا نہیں۔

لباس پہنتے وقت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے جیسے عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے، (اللھم لک الحمد انت کسوتنیہ اسألک خیرہ وخیر ما صنع له واعوذبک من شرہ وشر ما صنع له (حدیث صحیح)

یعنی اے اللہ تیری لاکھ لاکھ حمد کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لیے بنایا گیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں "

نیز منقول ہے کہ جب آپ نیا کپڑا پہنتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد للہ کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی - یعنی تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے (لباس) پہنایا جس سے میں اپنی عریانی چھپاتا ہوں اور زندگی میں اس سے زینت حاصل کرتا ہوں۔

اور جو کپڑا کہنہ ہو گیا ہو اسے صدقہ کر دے تو وہ زندگی اور موت میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ہوگا اور زندہ یا مردہ حالت میں اللہ کے راستہ میں ہوگا۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ نے ام خالدؓ سے انہیں نیا لباس مرحمت کرتے وقت فرمایا: "اسے بوسیدہ کرو" اسے پرانا کرو۔ پھر بوسیدہ کرو اور

پرانا کرو۔ یہ دوبارہ فرمایا۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں بروایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نیا لباس دیکھا تو دریافت فرمایا، کیا یہ نیا ہے یا دھلا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا "یہ نیا ہے آپؐ نے فرمایا نیا (لباس)، خوب پہنو۔ قابل تعریف طور پر جیو اور شہید ہو کر مرو۔

آدابِ خانہ

گھر میں داخل ہوتے وقت اور خانگی مصروفیات کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک گھر میں کبھی تشریف نہ لاتے کہ گھر والوں کو پریشان نہ کر دیں، بلکہ اس طرح تشریف لاتے کہ (گھر والوں) کو پہلے سے آپؐ کی تشریف آوری کا علم ہوتا۔ پھر آپؐ سلام کرتے جب آپؐ اندر تشریف لاتے تو کچھ نہ کچھ دریافت فرمایا کرتے۔ بسا اوقات پوچھتے کہ کیا کچھ کھانے کو ہے؟ اور بسا اوقات خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ جب آپؐ گھر میں تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد للہ الذی کفانی و آوانی و الحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی والحمد للہ الذی من علی اسألک ان تجیرنی من النار، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے، اسی نے مجھے پناہ دی اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے کھلایا اور پلایا ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ پر احسان فرمایا، اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے بچا۔

نیز ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ جب تم ...

اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو۔ یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے باعث برکت ہوگا۔ ترمذیؒ نے اسے صحیح حسن کہا ہے۔

سنن میں روایت ہے کہ انسان جب گھر میں داخل ہو تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے: اللهم اني اسالك خير المولج وخير المخرج بسم الله ولجنا وعلى الله ربنا توكلنا،

یعنی اے اللہ میں تجھ سے بہترین مدخل اور بہترین مخرج کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے توکل کیا۔" پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے، اور صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں داخل ہو تو داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرتے، اس وقت شیطان کہتا ہے کہ (اے شیاطین) تمہارے لیے یہاں نہ رات گذارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب داخل ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گذارنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے کہ تمہیں (رات کی رہائش اور کھانا دونوں مل گئے۔ (مسلم)

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپؐ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللهم اني اعوذبك من الخبث والخبائث۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے سلام عرض کیا۔ آپؐ نے اس کا جواب نہ دیا اور (بعد میں) بتایا کہ ایسے وقت باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ دو آدمی اس طرح حوائج ضروریہ سے فراغت نہ کریں کہ (قریب بیٹھے) ننگے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان (بے شرمی کی باتوں سے) خفا ہوتا ہے، نیز یہ گزر چکا ہے کہ آپؐ حوائج ضروریہ کے وقت

قبلہ کی طرف نہ رخ کرتے نہ پیٹھ کرتے۔

حضرت ابوایوبؓ، سلمان فارسیؓ، ابوہریرہؓ معقل بن ابی معقل۔ عبداللہ بن حرث بن زبیدی۔ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے مذکورہ حدیث ثابت ہے اور یہ تمام احادیث صحیح وحسن ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ آپؐ نے صرف صحرا میں ایسا کرنے سے منع فرمایا یہ آپؐ سے مختص ہے یہ نہی کی ترجمانی نہیں بن سکتی۔ نیز یہ ابوایوبؓ کی روایت عموم سے ناقص بھی ہے۔

اور جب آپؐ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو کہتے۔ نیز آپؐ سے یہ دعا بھی منقول ہے،

الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی،

یعنی سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کر دی اور مجھے بچالیا۔

اذکارِ وضو

آپؐ سے ثابت ہے کہ پانی کے بھرے ہوئے برتن میں ایک دفعہ آپؐ نے ہاتھ ڈالا پھر صحابہؓ سے فرمایا، اللہ کا نام لے کر وضو کرو۔

اور آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وضو کے لئے آواز دو، چنانچہ پانی لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اے جابرؓ اسے لو اور مجھ پر بسم اللہ کہہ کر ڈالو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ پر پانی بہایا اور بسم اللہ کہا۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے آپؐ کی انگلیوں میں سے پانی کا فوارہ بہتے ہوئے دیکھا۔

امام احمدؒ نے ابو ہریرہؓ، سعید بن زیدؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے روایت کیا کہ جس وضو میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ وضو ہی نہیں اس کی سند کمزور ہے۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جو وضو مکمل کر لے اور بعد میں یہ پڑھے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ جس دروازے سے چاہے اندر داخل ہو جائے۔

(مسلم)

ترمذیؒ نے یہ دعا مزید لکھی ہے کہ مندرجہ بالا دعا کے بعد آپ نے یہ دعا بھی پڑھی:

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین

یعنی اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں کر دے اور مجھے پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں شامل کر دے۔

امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ ابن ماجہؒ نے اور امام احمدؒ نے تین بار کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور تقی بن مخلد نے مسند میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے مرفوعاً لکھا ہے کہ "پھر آپؐ وضو سے فارغ ہوئے تو یہ دعا پڑھی۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف (توبہ کرتے ہوئے) لوٹتا ہوں"

اس دعا پر مہر لگا دی جاتی ہے پھر اسے اٹھا کر عرش کے نیچے پہنچا دیا جاتا ہے اور قیامت تک یہ ضائع نہیں ہوتی (نسائی)

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے صحیح روایت میں آیا ہے کہ فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے موقع پر حاضر ہوا آپؐ سے وضو کرتے وقت میں نے سنا کہ آپؐ دعا کر رہے تھے،

اللهم اغفر لي ذنبي ووسع لي في داري وبارك لي في رزقي۔

یعنی "اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے گھر میں وسعت عطا فرما۔ اور میرے لیے رزق میں برکت عطا کر"۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ اسی طرح دعا کر رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے کچھ بھی باقی رہنے دیا؟

اذکارِ اذان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان ترجیع اور بلا ترجیع ہر طرح ثابت ہے اور اقامت، ایک ایک اور دو (کی صورت) میں مشروع ہے۔ لیکن قد قامت الصّلوٰۃ کا کلمہ آپؐ سے دو ہی مرتبہ کہنا ثابت ہے۔ اس کا افراد قطعاً آپؐ سے ثابت نہیں۔ اسی طرح اذان کی ابتدا میں آپؐ سے چار مرتبہ تک کلمہ تکبیر کی تکرار ثابت ہے اور دو بار پر اس کا ختم کرنا ثابت نہیں۔

اور (حضرت ابن عمرؓ) نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے البتہ قد قامت الصّلوٰۃ کا لفظ دو بار کہا جاتا۔

اور حضرت ابو محذورہؓ کی روایت میں کلماتِ اذان کے ساتھ ساتھ "کلمۂ اقامت" کا دو بارہ کہنا بھی مروی ہے اور یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صورت میں بھی کراہت نہیں۔ اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔ چنانچہ امام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلالؓ کی اذان واقامت اختیار کی۔ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ کی اذان اور حضرت ابو محذورہؓ کی اقامت اختیار کی اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کا عمل دیکھا کہ وہ اذان میں دو تکبیریں کہتے، اور کلمہ اقامت ایک بار کہتے ہیں انھوں نے اسے اختیار کر لیا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ سب نے سنت کی روشنی میں اجتہاد کیا ہے۔ اذان اور اس کے بعد ذکر سے متعلق امت

کے لئے پانچ صورتیں مشروع ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ سننے والا مؤذن کے کلمات والفاظ دوہراتا جائے سوائے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے اس وقت لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے۔ ان دونوں کو جمع کرنا مروی ہے۔ بلکہ آپ کی سنت یہ ہے کہ اس موقع پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا جائے، اور یہ صورت مؤذن اور سننے والے کی طبعی مقتضائے حال کے مطابق ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا کہے یعنی میں اللہ کے رب ہونے۔ اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا اس کے گناہ بخشے گئے۔

۳۔ تیسرے مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔

۴۔ چوتھے اذان کے بعد یہ دعا پڑھنا، اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ ات محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد ــــــ یعنی اے اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ، فضیلہ عطا فرما، اور انھیں مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

۵۔ پانچویں یہ کہ اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے اور اللہ کے فضل کا طلبگار ہو کیونکہ اس کی دعا قبول ہوگی جیسے کہ سنن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، جس طرح مؤذن کہے اسی طرح تم بھی کہو، جب ختم کرو تو اللہ سے دعا کرو قبول ہوگی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب اذان دینے والا اذان دے اس وقت یہ دعا کرے۔
اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ النافعۃ صل علی محمد وارض

عنی رضاء لا سخط بعدہا یعنی (اے اللہ اس کامل پکار اور فائدہ دینے والی نماز کے پروردگار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما، اور مجھ سے اس طرح کی خوشنودی سے راضی ہو جا کہ جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھا کروں۔

اللھم ان ھذا اقبال لیلك وادبار نھارك واصوات دعاتك فاغفرلی۔
یعنی، اے اللہ بے شک یہ تیری رات کی آمد تیرے دن کا رجوع اور تجھ کو پکارنے (کا وقت) ہے پس مجھے بخش دے (ترمذی)

اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوامامہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب آپؐ اذان سنتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ المستجابۃ والمستجاب لہا دعوۃ الحق وکلمۃ التقوی توفنی علیہا واحینی علیہا واجعلنی من صالح اہلہا عملا یوم القیامۃ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپ اقامت کے کلمے (قد قامت الصلوٰۃ) کے موقع پر اقامہا اللہ وادامہا کہتے، اور سنن میں مروی ہے کہ اذان واقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کیا دعا کریں؟

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگو۔

اور دوسری صحیح روایت میں آیا ہے کہ اس میں دو ساعتیں ہیں۔ جن میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اذان کے وقت اور اللہ کے راستہ میں (میدان جنگ کی صف بندی کے موقع پر دعا کرنے والے کی دعا شاذ ہی رد کی جاتی ہے۔

عشرہ ذی الحجہ میں

کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید

ذالحجہ کے عشرہ میں آپ بکثرت دعا کرتے، اور کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید فرماتے
آپ یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر آخری یوم تشریق کی عصر تک تکبیریں کہا کرتے۔
چنانچہ آپ پڑھا کرتے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد، یعنی، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے
بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے،
وہی سزاوار حمد ہے۔

رویت ہلال کے موقع پر سنّت نبویؐ

آپؐ سے ایسے موقع پر اس دعا کا پڑھنا منقول ہے :-

اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللہ (ترمذیؒ) یعنی: اے اللہ ہم پر یہ چاند امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کر میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے (حدیث حسن)

نیز آپؐ سے چاند دیکھتے وقت یہ دعا بھی مروی ہے۔

اللہ اکبر اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام والتوفیق لما تحب وترضی ربنا وربک اللہ (دارمیؒ)

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور جس پر تو راضی ہے اور پسند کرتا ہے ان باتوں کے ساتھ طلوع ہلال کر۔ ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

قبل وبعد از طعام اذکار نبوی

جب آپ کھانا شروع کرتے تو بسم اللہ کہتے اور کھانے والے کو بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتے اور فرمایا کرتے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے اگر ابتداء میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو پھر اس طرح کہے بسم اللہ فی اولہ وآخرہ۔ اور صحیح یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے۔

اصحاب احمدؒ کا ایک قول یہی ہے۔ اور احادیث امر (وجوب) صریحاً صحیح ہیں ان کا کوئی معارض نہیں اور نہ اس کے خلاف اجماع مروی ہے اور (بسم اللہ) کو چھوڑ دینے والا کھانے اور پینے میں شیطان کا شریک (حصہ دار) ہے۔

ایک فکر انگیز مسئلہ ایک قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ جب کھانے والے ایک جماعت کی صورت میں ہوں۔ اور ایک آدمی بسم اللہ پڑھ لے تو باقی لوگوں سے یہ وجوب ہٹ جائے گا؟ اور شیطان کی مشارکت ختم ہو جائے گی؟

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا بسم اللہ کہہ لینا باقی کھانے والوں کی جانب سے بھی اسے ادا کر دے گا اور اصحاب شافعیؒ نے اسے سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے پر محمول کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ پڑھے بغیر شیطان کی مشارکت ختم نہ ہو گی۔ اور دوسرے آدمی کی بسم اللہ کسی اور کفایت نہ کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھانے میں حاضر ہوئے، اچانک ایک لڑکی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی آیا۔ آپ

نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ شیطان اپنے لیے کھانے کو حلال کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ پہلے وہ اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھائے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اعرابی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا کھائے میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ (شیطان) کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ہمراہ میرے ہاتھ میں (گرفتار) ہے۔ پھر انہوں نے بسم اللہ پڑھی اور کھانے میں شریک ہوئے۔

اب اگر ایک آدمی کی بسم اللہ ہی کافی ہوتی تو شیطان کھانے میں ہاتھ کیوں ڈالتا؟

اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانے پر بسم اللہ کہنا بھول جائے اسے چاہیے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قل ھو اللہ احد پڑھ لے یہ روایت مشکوک ہے۔

اور جب آپ کے سامنے سے دستر خوان اٹھا لیا جاتا تو اس وقت یہ دعا پڑھتے

الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ غیر مکفی ولا مودّع ولا مستغنی عنہ ربنا عزوجل (بخاری)

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، بہت ہی تعریفیں پاکیزہ، برکت والی نہ ایسی جو بے پرواکر دیں یا ترک کر دیں اور جن سے استغنا ہو اے ہمارے بزرگ و برتر پروردگار۔

بسا اوقات آپ یہ دعا بھی پڑھتے، الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین، یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

نیز یہ دعا بھی پڑھتے، الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوغہ وجعل لہ مخرجا۔

امام ترمذیؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ جو آدمی کھانا کھائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ دعا یہ ہے:

الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا من غیر حول منی ولا قوۃ۔ یعنی سب تعریفیں

اُس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا جبکہ نہ مجھے توفیق تھی اور نہ قوت۔
امام بخاریؒ نے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: الحمد اللہ الذی کفانا وآوانا یعنی سب تعریفیں اس ذات کے لئے جو ہمیں کافی ہے اور جس نے ہمیں پناہ دی۔
آپ سے منقول ہے کہ جب کھانا پیش کیا جاتا تو آپ بسم اللہ پڑھتے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم اطعمت وسقیت واغنیت واقنیت وھدیت واحییت فلہ الحمد علی ما اعطیت۔
یعنی: اے اللہ تو نے کھلایا تو نے پلایا اور تو نے ثروت عطا کی اور تو نے غنا عطا کیا اور تو نے ہدایت دی اور تو نے زندہ کیا۔ بس تیری عطا پر تیری ہی حمد ہے۔
اور سنن میں منقول ہے کہ جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:
الحمد اللہ الذی من علینا وھدانا والذی اشبعنا وارونا وکل الاحسان اتانا یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں ہدایت دی اور جس نے ہمیں سیر کیا اور سیراب کیا اور ہم پر ہر قسم کا احسان فرمایا۔
نیز سنن میں آیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے:
اللھم بارک لنا فیہ واطعمنا خیرا منہ یعنی اے اللہ اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور ہم کو اس سے بہتر کھلا۔
اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دودھ پلائے، وہ کہے: اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ یعنی" اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت فرما اور ہمیں اس (قسم کا طعام) زیادہ عطا کر۔"
اور آپ جب برتن سے پانی پیتے تو تین بار سانس لیتے اور ہر سانس پر الحمد اللہ کہتے اور آخر میں الحمد اللہ والشکر اللہ بھی کہتے۔

آں حضرتؐ کا دستور خانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو معلوم فرماتے کہ کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟
آپ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، بلکہ اگر اشتہا ہوتی تو تناول فرما لیتے

ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے اور خاموش رہتے۔ گاہے گاہے فرماتے کہ مجھے اشتہا نہیں۔ کبھی کبھی آپؐ کھانے کی تعریف بھی فرماتے ایک مرتبہ آپؐ نے سالن کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا صرف سرکہ ہے تو آپؐ نے وہی کھانا شروع کر دیا اور فرمانے لگے:

سرکہ تو بہترین سالن ہے۔

اور جب آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جائے اور آپ روزے سے ہوتے تو فرماتے کہ میرا روزہ ہے" اور حکم دیتے کہ اگر روزے دار کو کھانا پیش کیا جائے تو کھانا پیش کرنے والے کو دعا دو۔ اور اگر روزے سے نہ ہوتے تو تناول فرماتے اور جب آپؐ کو کھانے پر مدعو کیا جاتا اور کوئی دوسرا بھی آپؐ کے ہمراہ ہو جاتا تو آپ دعوت دینے والے کو مطلع کرتے اور فرماتے کہ یہ بھی ہمارے ہمراہ ہے۔ اب اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو۔ ورنہ واپس چلا جائے۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کھانا کھاتے وقت باتیں بھی کر لیتے تھے مثلاً آپ نے ایک خادم سے جو کھانا کھلا رہا تھا فرمایا کہ بسم اللہ کہو اور سامنے سے کھاؤ اور بسا اوقات آپؐ مہمانوں کو کھانے کی کئی بار پیشکش فرماتے جیسے دودھ پینے کا واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ پیش آیا۔ آپؐ نے بار بار فرمایا پیو اور پیو پیو آپ فرماتے رہے۔ آخر ابو ہریرہؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اب تو کوئی راہ (خالی) نہیں رہی۔

اور جب آپؐ کسی جماعت کے ہاں کھانا کھاتے، تو دعا دیے بغیر تشریف نہ لے جاتے چنانچہ آپؐ نے حضرت عبد اللہؓ بن بسر کے گھر میں یہ دعا کی:

اللھم بارك لھم فیما رزقتھم واغفر لھم وارحمھم یعنی اے اللہ تو نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما (مسلم)

اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر میں یہ دعا کی:۔

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ۔

یعنی تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا اور نیکوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعائے رحمت کی۔

اور آپؐ کسی کے ساتھ بھی بیٹھ کر کھانے سے نفرت نہ کرتے چاہے وہ چھوٹا یا بڑا ہوتا چاہے آزاد یا غلام، اعرابی یا مہاجر۔ یہاں تک کہ اہل سنن نے آپؐ سے روایت کیا کہ آپؐ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا کھاؤ: بسم اللہ ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ۔

اور آپؐ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم فرماتے اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرماتے اور فرمایا کرتے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور اس ہاتھ سے کھانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے اور یہ ہے بھی درست کہ کھانے والا یا شیطان ہوگا یا اس کے مشابہ۔

اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی نے کھانا کھایا اور بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ دائیں سے کھاؤ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کرے تجھ سے نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا ہاتھ اوپر نہ اٹھ سکا (خشک ہو گیا) اس لئے اگر یہ جائز ہوتا تو آپؐ بد دعا نہ دیتے اگر اس نے تکبر کے باعث آپؐ کے فرمان کی مخالفت کی۔ تو یہ بد دعا کے استحقاق اور نافرمان کا زیادہ مصداق ہوگا اور بعض لوگوں نے درخواست کی کہ ہم سیر نہیں ہوتے آپؐ نے فرمایا اکٹھے مل کر کھانا کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ مت (کھاؤ) نیز بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اس سے برکت ہوگی۔

سلام کرنے اور اذن چاہنے سے متعلق آپ کی سیرت طیبہ

صحیحین میں مروی ہے کہ بہترین اور اعلیٰ اسلام یہ ہے کہ تو کھانا کھلائے اور جاننے والے اور نہ جاننے والے سب کو سلام کرے۔

نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا

فرمایا کہ انہیں حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو اور سنو کہ وہ تمہیں کس طرح سلام کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب سلام یہی ہوگا۔ چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے ان سے کہا: اسلام علیکم۔ انہوں نے جواب دیا۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ انہوں نے رحمۃ اللہ علیہ کا اضافہ کردیا۔ نیز آپؐ نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جب وہ سلام کو عام کریں گے تو ان کو آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی اور (اصول یہ ہے) کہ وہ تب تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ ایمان نہ لے آئیں اور جب تک ان کی آپس میں محبت نہ ہو وہ مومن نہیں ہو سکتے۔!

آدابِ سلام

آپ کی عورتوں بچّوں اور غریبوں پر سلام میں پیشقدمی

صحیح بخاریؒ میں ہے کہ تین باتیں جس نے جمع کرلیں اس نے ایمان کو حاصل کرلیا۔

(۱) اپنے آپ سے انصاف کرنا۔

(۲) سلام کرنا۔

(۳) اور تنگی کے وقت خرچ کرنا۔

اور سلام کرنے کا مطلب تواضع وانکساری ہے۔ ایسا آدمی کسی کے سامنے تکبر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر چھوٹے بڑے امیر وغریب جاننے والے اور نہ جاننے والے کو سلام کرتا ہے اور متکبر کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ وہ اس شخص کے سلام کا جواب بھی تکبر کے باعث نہیں دیتا جو خود اسے سلام کرے اس صورت میں وہ خود کیسے کسی کو سلام کرے گا؟

آپؐ بچّوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں سلام کیا (مسلم)

اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ ایک دن عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انہیں ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔

ابوداؤدؒ نے حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہم عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو سلام کیا۔ ترمذیؒ کی بھی یہی روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اور آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تھا۔

اور بخاریؒ نے روایت کیا کہ صحابہؓ ایک مرتبہ جمعہ کے دن واپسی پر عورتوں کے پاس سے

گزرے تو انہیں سلام کیا" انہوں نے حجر اور ستو پیش کیے۔

اور عورتوں کو سلام کرنے کا مسئلہ صحیح یہ ہے کہ محرم (جن سے پردہ نہیں ہے) اور بڑھیاؤں سے کو سلام کیا جا سکتا ہے اور دوسری عورتوں کو ممنوع ہے۔

سلام میں پیش قدمی کسے کرنا چاہیے؟

اور صحیح بخاریؒ میں آپ سے مروی ہے کہ چھوٹا بڑے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار چلنے والے کو اور تھوڑے (افراد) زیادہ کو سلام کریں۔

اور جامع ترمذیؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ چلنے والا کھڑے کو سلام کرے اور مسند نماز میں آپؐ سے مروی ہے کہ سوار چلنے والے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور دو چلنے والوں میں سے جو پہل کرے وہ افضل ہے۔

اور سنن ابو داؤدؒ میں ہے کہ جو سلام میں ابتداء کرے وہ اللہ کے ہاں تمام لوگوں سے بہتر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی کہ کسی جماعت کے پاس سے گزرتے تو واپس ہوتے وقت سلام کرتے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بیٹھے تو سلام کرے اور جب کھڑا ہو تو سلام کرے اور پہلا دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں۔

اور ابو داؤدؒ نے آپؐ سے روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے رفیق سے ملے تو سلام کرے اور اگر (چلتے چلتے) کوئی درخت یا دیوار حائل ہو جائے۔ اس کے بعد پھر ملیں دوبارہ سلام کرے نیز حضرت انسؓ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ چلا کرتے۔ تو اگر راہ میں کوئی درخت یا پتھر آ جاتا تو دائیں بائیں ہٹ جاتے اور جب دوبارہ ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کہتے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ ہے کہ مسجد میں آنے والا سب سے پہلے تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھے، اس کے بعد حاضرین کو سلام کرتے تاکہ تحیۃ المسجد، تحیۃ القوام سے مقدم ہو جائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور سلام کرنا قوم کا حق تھا۔ اس قسم کے حقوق میں اللہ کا حق مقدم ہوتا ہے۔ بخلاف مالی حقوق کے تو ان میں کافی نزاع پایا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کا یہی معمول تھا کہ کوئی صحابیؓ مسجد میں آتا تو سب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرتا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔ اس لیے مسجد میں آنے والے کے لیے تین باتیں ترتیب وار

ضروری ہیں۔ جبکہ مسجد میں کوئی جماعت بھی بیٹھی ہوئی ہو۔ (۱) ایک یہ کہ داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ (۲)، پھر تحیۃ المسجد کے دو نفل ادا کرے (۳) اس کے بعد لوگوں کو سلام کرے۔ اور جب آپؐ رات کو اپنے گھر میں داخل ہوتے تو آپؐ اس طرح سلام کرتے کہ جاگنے والا سن لے اور جو سویا ہو وہ نہ جاگے (مسلم)

امام ترمذیؒ نے کلام سے قبل ہی آپؐ کے سلام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کسی کو دعوت طعام دینے سے قبل سلام کر لو۔ اس کا اسناد اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر عمل ہے اور ابو احمدؒ نے عبد العزیز بن ابی داؤد کی حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سوال سے قبل ہی سلام ہونا (چاہیئے) اس لئے جو سلام سے پہلے سوال کرے اس کا جواب مت دو

اور آپؐ سے منقول ہے کہ آپؐ اس کو اجازت نہ دیتے جو سلام نہ کرتا اور آپؐ سے منقول ہے کہ جو سلام سے ابتداء نہ کرے اسے اجازت مت دو۔ اس سلسلہ میں سب سے عمدہ ترمذیؒ کی روایت ہے جو انہوں نے کلاۃ بن حنبلی سے نقل کی کہ صفوان بن امیہ نے انہیں دودھ دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی میں اونچی جگہ تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں وہاں داخل ہوا نہ میں نے سلام کیا اور نہ اجازت چاہی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور کہو السلام علیکم ادخل یعنی السلام علیکم کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟

اور جب آپؐ کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تو دروازے کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور کہتے السلام علیکم السلام علیکم۔

جو آپؐ کے سامنے آتا آپؐ خود اس کو سلام کرتے

اور جو چاہتا کہ غائب کو سلام دیا جائے اس کے سلام کی ذمہ داری اٹھالیتے اور اگر کسی نے سلام کیا ہوتا تو وہ سلام پہنچا دیتے جیسا کہ ام المومنین، صدیقہ النساء حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا سلام پہنچایا، جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کے پاس کھانا لے کر آئی ہیں۔ انہیں ان کے پروردگار کا

سلام پہنچا دیجیے اور جنت میں انہیں مکان کی خوشخبری دے دیجیے اور جب آپؐ نے صدیقہ ثانیہ ام المومنین حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ یہ جبریل ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپؐ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

امام نسائیؒ نے نقل کیا کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیک۔ آپؐ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں،۔

پھر دوسرا آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور فرمایا بیس اور وہ بیٹھ گیا۔

پھر ایک اور حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپؐ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا تیس نیکیاں۔ (نسائی۔ ترمذیؒ)

آپؐ جس سے ملتے سب سے پہلے سلام کرتے

اور جب آپؐ کو سلام کیا جاتا۔ آپؐ فوراً ہی اس جیسا یا اس سے بہتر جواب دیتے۔ ہاں اگر کوئی عذر رہتا جیسے نماز میں مشغول ہوتے یا قضائے حاجت کر رہے ہوتے (تو یہ دیر ہو جاتی) اور صحابہؓ آپؐ کا جواب سن لیتے۔

آپؐ ہاتھ، سر یا انگلی کے اشارہ سے جواب نہ دیتے۔ سوائے نماز کے، کیونکہ اگر (نماز کی) حالت میں سلام کیا جاتا تو آپؐ اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ یہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کی کوئی صحیح روایت معارض نہیں۔ ابوعطفان کی حدیث (جو اس کی معارض بنائی جاتی ہے) ایک مجہول آدمی کی روایت ہے جس نے ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے (کچھ مطلب) سمجھا جائے تو اُسے نماز لوٹانی چاہیے"۔

دار قطنیؒ نے فرمایا کہ ہمیں ابوداؤدؒ نے بتایا کہ ابوغطفان ایک مجہول آدمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت کیا ہے۔

سلام کی ابتداء کے وقت آپؐ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ اس طرح سلام کرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور ابتداء میں اس طرح کہنے کو ناپسند فرماتے: علیک السلام!

ابوجریؓ ہجیمی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا علیک السلام

یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ علیک السلام مت کہو یہ مُردوں کا سلام ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں کیونکہ یہی تیرا اور تیری اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: السلام علیکم انہوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ یعنی انہوں نے رحمۃ اللہ زائد کہا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہے

اہل کتاب کو سلام کرنے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ نے فرمایا: اہل کتاب کے ساتھ سلام میں پہل نہ کرو۔ جب تم راستہ میں ان سے ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف مجبور کر دو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ ایک خاص موقع کا واقعہ ہے۔ جب آپ بنی قریظہ کی طرف گئے تو فرمایا، انہیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اب بات یہ ہے کہ یہ حکم اہلِ ذمہ کے لیے عام ہے یا اس جیسی قوم کے لئے ان حالات سے مخصوص ہے۔ یہ قابل نظر ہے۔

چونکہ صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اگر انہیں کسی راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے اور سلف و خلف میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اکثریت اسی طرف ہے کہ ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔

اور ان کے سلام کا جواب دینے کے وجوب کے متعلق بھی اختلاف ہے جمہور اسے واجب سمجھتے ہیں اور یہی درست بھی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ غیر اولیٰ ہے۔ اور پہلی صورت زیادہ درست ہے۔ اور اس میں فرق یہ ہے کہ ہمیں اہلِ بدعت سے قطع تعلق کا حکم ہے تاکہ اس سے انہیں تعزیر و زجر کی جائے بخلاف اہل ذمہ کے کہ ان کی حالت دوسری ہے؟

آپ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بُت پرست اور یہودی تھے۔ آپ

نے انہیں سلام کیا(یہاں آپ کے خطاب سے مراد صرف مسلمان سے بھی ہو سکتا ہے) اور صحیح روایت میں ثابت ہے کہ آپؐ نے ہرقل وغیرہ کو نامہ مبارک لکھا تو یہ سلام لکھا:
(یعنی جو سیدھی راہ چلے اس پر سلامتی ہو)لہ

اجازت چاہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ

صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اذن چاہنا" تین بار ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اجازت مل جائے۔ تو ٹھیک ورنہ لوٹ جاؤ"

اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اذن چاہنا محض دیکھنے کے لیے ہے۔

نیز آپؐ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ جس نے آپکے حجروں میں سے ایک حجرہ میں بھی دیکھنے کی کوشش کی، اس کی آنکھ نکال دی جائے۔ اور فرمایا کہ اجازت چاہنے کا طریقہ اسی لیے ہے (تاکہ) آنکھوں سے دیکھنے (کی ضرورت نہ رہے) اور صحیح روایت میں آپؐ سے منقول ہے فرمایا: اگر اجازت کے بغیر کسی آدمی نے تیرے (گھر میں) نظر ڈالی اور تو نے اسے کنکر مار دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔ نیز آپؐ سے منقول ہے کہ فرمایا: جو کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر تانک جھانک کرے تو گھر والوں کو جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو کوئی دیت یا قصاص نہ ہوگا اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اذن چاہنے سے قبل سلام کرنا چاہیئے۔

جب دریافت کیا جائے کہ تم کون ہو؟ جواب دیا جائے فلاں بن فلاں!

یا اپنی کنیت یا لقب ظاہر کرے اور یہ نہ کہے کہ "میں" بلکہ جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے جب دروازہ کھولنے کو کہا تو انہوں نے پوچھا، کہ کون؟

لہ اہل کتاب سے متعلق سلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت یہی ہے کہ انہیں اگر سلام کیا جائے تو "السلام من اتبع الھدیٰ" کہے۔ باقی رہا اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کر دینا یہ بات آنحضرتؐ کی اس افتاد کے طبع کے بالکل خلاف ہے جو آپ نے مشرکین تک کے لیے اختیار کر رکھی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

انہوں نے جواب دیا کہ "جبریل" تمام آسمانوں پر یہی (سوال و جواب) ہوتا رہا۔
اسی طرح صحیحین میں منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اجازت چاہی۔ آپ نے دریافت کیا۔ کون؟ عرض کیا، ابوبکر۔ پھر عمر اور عثمانؓ حاضر ہوئے اور صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ "کون ہے"؟
میں نے کہا: "میں"۔ آپؐ نے فرمایا:
میں میں گویا کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا۔ اور جب ام ہانیؓ نے اجازت چاہی۔ تو آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟
انہوں نے عرض کیا، ام ہانیؓ۔ آپؐ نے کنیت کے ذکر کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اس طرح جب آپؐ نے ابوذرؓ سے دریافت کیا کہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ابوذرؓ۔ ایسے ہی ابوقتادہؓ سے دریافت فرمایا، کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوقتادہؓ۔
رہی وہ اجازت جو کہ اللہ نے غلاموں کو اور ان بچوں کو حکم دی ہے جو ابھی رشد و بلوغت کو نہیں پہنچے اس کے تین مواقع ہیں۔ ایک فجر سے قبل، دوپہر کے وقت اور سوتے وقت۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اس کا حکم فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ لوگوں نے اس پر عمل ترک کر رکھا ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

چھینکنے کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے[1] لہٰذا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو سننے والے مسلمان پر حق (واجب) ہے کہ جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ رہی جمائی تو یہ شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے اسے روکے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے (بخاریؒ)

اور صحیح روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اُسے چاہیئے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی یا رفیق کو چاہیئے کہ جواب میں یرحمک اللہ کہے اور جب وہ یرحمک اللہ کہہ چکے تو پہلے شخص کو چاہیئے کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات درست کر دے)

اور چھینکنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپ نے اپنا ہاتھ یا کپڑا چہرۂ انور پر رکھ لیتے یا (سر) نیچا کرتے یا آواز پست فرما لیتے (ترمذیؒ)

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ بڑی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی جانب سے ہے۔

نیز منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جمائی لینے اور چھینک کے وقت آواز کے بلند کرنے کو ناپسند کرتا ہے اور صحیح روایت میں مروی ہے کہ ایک آدمی کو آپؐ کی مجلس میں چھینک آئی۔ آپؐ نے یرحمک اللہ فرمایا پھر دوبارہ اسے چھینک آئی تو آپؐ نے فرمایا اس آدمی کو زکام ہے۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں (کہ آپؐ نے دوسری

---

[1] اس لیے کہ چھینک ایک حد تک صحت کی علامت ہے اور جمائی یکسر کاہلی اور سستی کی۔ (رئیس احمد جعفری)

مرتبہ فرمایا، لیکن ترمذیؒ نے اس سلسلہ کو سلمہؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چھینک آئی اور ریں موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحمك اللہ پھر اسے دوبارہ چھینک آئی، پھر سہ بارہ (ایسا ہوا) (تیسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کو زکام ہے۔ ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔

اور ابو داؤدؒ نے حضرت سعید بن ابی سعید سے انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ تیرے بھائی کو اگر تین بار چھینک آئی تو وہ واقعی چھینک تھی اور جو اس سے زیادہ چھینکا وہ زکام ہے اور چھینک میں سنت وہی ہے جو تین بار ہو۔ یہی نعمت ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور بدن کے ہلکا ہو جانے اور خراب قسم کے بخارات کے خارج ہو جانے کی علامت ہے اور جو تین بار سے بڑھ جائے (تو بیماری ہے) اس لیے ایسے آدمی کے لیے عافیت کی دعا کرنے کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ زکام ایک مرض ہے اور اس صورت میں اس آدمی کے لیے ایک معقول عذر ہے۔ جس نے تین بار کے بعد تشمیت (دعا کرنا) چھوڑ دیا، اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس مرض کے دفعیہ کے لیے جلدی کی جائے دیر نہ کی جائے ورنہ علاج مشکل ہو جائے گا۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کلام حکمت، علم اور ہدایت پر مشتمل تھے۔

دو اختلافی مسائل

دو مسائل ایسے ہیں جن میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ چھینکنے والے نے جب الحمد للہ کہا تو بعض حاضرین نے سنا اور بعض نے نہیں سنا تو جنہوں نے نہیں سنا کیا انہیں بھی اس کا جواب دینا لازم ہے؟

اس باب میں دو قول ہیں اور ظاہر مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہوگیا کہ اس نے حمد کہی تو پھر اس کا جواب ضروری ہے، اس میں جواب دینے کے لئے حمد کے الفاظ کا سماع شرط نہ ہونا چاہیے؛ کیونکہ مقصد تو حمد کرنا ہے جب حمد ہوگئی تو پھر اس کا جواب دینا خود بخود ہی لازم ہوگیا جیسے کوئی گونگا ہو۔ اور حمد کے لئے اس کے ہونٹ بلکہ نظر آجائیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اگر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کا جواب دو، یہی صائب رائے ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حمد ترک کر دے تو حاضرین کے لیے مستحب ہے کہ اسے حمد کرنا یاد کرائیں؟

ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ یاد نہ کرائے کیونکہ (ترک حمد) کرنے والے کی یہ جاہلیت کا نتیجہ ہے۔
اور نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس کا یہ خیال ہے اس نے غلطی کی، چاہئیے کہ اسے یاد کرا دے۔
ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی (یاد کرانا) منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ کام تو نصیحت، امر بالمعروف، نیکی اور تقویٰ سے تعاون پر مبنی ہے۔ البتہ ظاہر حدیث ابن عربیؒ کے قول کو قوت دیتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے لیے دعا (یرحمک اللہ) نہیں کی جس نے چھینک کر حمد نہیں کی تھی۔ اور نہ اُسے یاد دلایا تھا۔ یہ اس کی تعزیر کے لیے ہے نیز اس لیے کہ جب اس نے اپنے آپ کو حمد کی برکت سے محروم کر دیا تو وہ دعا کی برکت سے بھی محروم ہو جائے گا۔ اس نے اللہ کو بھلا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب اور زبانیں اس کو جواب دینے اور اس کے لیے دعا کرنے سے پھیر دیں اور اگر تذکیر مسنون ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے، اس کی تعلیم دینے اور اس کار خیر سے تعاون کرنے کے لیے زیادہ اہل تھے

سفر کے اذکار و آداب

سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپسی کے وقت کی دعائیں

دو رکعت نفل سے آغاز صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی کسی کام کو ارادہ کرے تو اُسے چاہیے کہ فرائض کے علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے: اللهم انی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسالك من فضلك العظيم۔ فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب۔ اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لى فى دينى ومعاشى وعاجل امرى وآجله فاقدره لى ويسره لى وبارك فيه وان كنت تعلمه شرا لى فى دينى ومعاشى وعاجل امرى وآجله فاصرفه عنى واصرفنى عنه واقدر لى الخير حيث كان ثم رضنى به۔

یعنی، اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ طلب خیر کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ قوت چاہتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قدرت والا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہی تمام چیسائیوں کا جاننے والا ہے اے اللہ اگر تو سمجھتا ہے (تیرے علم میں ہے) کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری معاش، میرے قریب یا دور کے معاملہ میں بہتر ہے۔ پھر اسے میرے لیے مقدر کر دے اور میرے لئے آسان فرما دے اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور تیرے علم میں اس کے اندر میرے لیے، میرے دین اور میری معاش اور میرے قریب یا دور کے معاملہ میں برائی (تکلیف) ہے تو اسے مجھ سے ہٹا

لے اور مجھے اس سے ہٹا دے اور خیر جہاں بھی ہو اسے میرے لیے مقدر بن کر دے اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔

اور یہ دعا پڑھنے کے بعد آخر میں اپنی حاجت پیش کرے (بخاری)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے غلط اوہام کی بجائے یہ طریقہ پیش فرمایا، جبکہ جاہلیت کے شگون یا استقسام ازلام کے ذریعہ فال نکالی جاتی تھی جس کی نظیر آج کل قرعہ کی صورت میں اصل زمانہ کے مشرکین اور ان کے رفقاء نکالتے ہیں۔ جس کے ذریعہ وہ دیکھتے ہیں کہ عالمِ غیب میں ان کے لیے کیا کچھ مقرر ہو چکا ہے؟ (اور جاہلیت کے طریق کار) کو استقسام یعنی باب استفعال سے بتایا گیا، جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا مرحمت فرمائی جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا مرحمت فرمائی، جس میں توحید، اللہ تعالیٰ کی بندگی، احتیاج اور اس پر توکل ہے اور اس ذات سے سوال ہے جس کے ہاتھ میں تمام خیر اور بھلائی ہے۔ اس کے سوا نہ کسی سے بھلائی پہنچ سکتی ہے اور نہ اس کے سوا کوئی دکھوں کو دور کر سکتا ہے جب وہ اپنے بندے پر رحمت کا دروازہ کھولتا ہے تو کوئی اسے بند نہیں کر سکتا اور جب بند کرتا ہے تو شگون علم نجوم یا مطالع دیکھنے سے کوئی اسے کھول نہیں سکتا۔ اسی لیے یہ دعا اہل سعادت اور اہلِ توفیق کے لیے نشانِ سعادت و برکت ہے جو اللہ تعالیٰ سے نیکی حاصل کرنے میں سبقت لے گئے۔ اور ایسے بدبخت مشرکین کے لیے اس میں کچھ حصہ نہیں جو اللہ کے ساتھ ساتھ اور دوں کو بھی معبود بناتے ہیں۔ وہ عنقریب جان لیں گے۔

اور مسند احمدؒ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا اور اس کی قضا پر راضی ہو جانا بنی آدم کی سعادت کی علامت ہے اور استخارہ کو ترک کر دینا اور اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہونا بنی آدم کی بدبختی کی علامت ہے۔

مقصود یہ ہے کہ استخارہ حقیقت میں اللہ پر توکل کرنا (تمام امور) اسی کو تفویض کرنے اور اس کی قدرت، علم اور انتخاب سے تقسیم چاہنے کا نام ہے اور یہ صفات اپنے پروردگار کے فیصلہ پر راضی ہونے کے لوازمات میں سے ہیں اور جو ایسا نہیں وہ اسلام کا لذت شناس نہیں اور اگر ان صفات کے حصول کے بعد وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی ہو گیا تو یہ اس کی سعادت کی علامت ہے۔

اور بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی

سفر کا ارادہ فرمایا تو یہ دعا بیٹھ کر اٹھتے وقت ضرور کی۔

اللهم بك انتشرت واليك توجهت وبك اعتصمت وعليك توكلت اللهم انت ثقتي وانت رجائي اللهم اكفني ما اهمني ومالا اهتم له وما انت اعلم به مني عز جارك وجل ثناءك ولا اله غيرك اللهم زودني التقوى واغفرلي ذنبي ووجهني للخير اينما توجهت۔

یعنی "اے اللہ میں تیرے ہی سہارے اٹھا ہوں اور تیری ہی طرف رخ کیا ہے اور تیرے ہی (ساتھ) وابستہ ہوں اور تجھی پر توکل کیا ہے۔ اے اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے۔ اور تو ہی میری امید ہے اے اللہ جس کام کا میں اہتمام کرتا ہوں اور جس کا نہیں کرتا ان میں مجھے کفایت فرما اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تیرا ہی پڑوسی عزت والا ہوا اور تیری ثنا بہت زیادہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ مجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا فرما۔ اور میرے گناہ بخش دے اور جدھر میں رخ کروں میرا رخ بھلائی کی طرف پھیر دے"

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ (سفر پر) تشریف لے جاتے۔

سوار ہوتے وقت کی دعا

اور جب آپ سواری پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ پڑھتے:

سبحان الذي سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون

پھر پڑھتے: اللهم اني اسألك في سفري هذا البر والتقوى ومن العمل ما ترضى اللهم هون علينا السفر واطولنا البعد اللهم انت الصاحب في السفر والخليفة في الاهل اللهم اصحبنا في سفرنا واخلفنا في اهلنا۔

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ میں اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں۔ نیز ایسا عمل جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہم پر سفر آسان فرما دے اور ہمارے لیے اس کے بعد کو لپیٹ دے۔ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر میں نائب ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہمارا ساتھی بن جا، اور ہمارے گھر میں ہمارا نائب ہو جا۔

اور جب سفر سے واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

آیبون تائبون ان شاء اللہ عابدون لربنا حامدون: یعنی واپس آنے والے، توبہ کرنے والے اگر اللہ نے چاہا عبادت کرنے والے اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

اور امام احمدؒ نے آپ سے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل اللھم انی اعوذبك من اللھم فی السفر والکابة فی المنقلب اللھم اقبض لنا الارض وھوّن علینا السفر

اور جب واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: تائبون عابدون لربنا حامدون۔

اور جب شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ توبا توبا لربنا اوبا لا یغادر علینا حوبا۔

صحیح مسلم میں یہ دعا منقول ہے کہ جب آپ فرماتے تو یہ کہتے اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل اللھم اصحبنا فی سفرنا واخلفنا فی اھلنا اللھم انی اعوذبك من وعثاء السفر وکابة المنقلب ومن الحور بعد الکور ومن دعوة المظلوم ومن سوء المنظر فی المال والاھل۔

یعنی: اے اللہ تو ہی سفر میں میرا رفیق ہے اور گھر میں نائب (محافظ) ہے اے اللہ ہمارے سفر میں ہماری رفاقت اور ہمارے گھر میں حفاظت فرما۔ اے اللہ میں سفر کی دشواریاں، واپسی کی جگہ کے دکھ اور (سفر) کے لپیٹنے کے بعد کے تحیر اور مظلوم کی بددعا اور مال اور گھر میں خراب حالت دیکھنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

آپ رکاب میں پاؤں رکھتے وقت بسم اللہ کہتے تھے

اور جب آپ سواری پر چڑھنے کے لیے رکاب میں پاؤں رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب اس کی پشت پر سوار ہو جاتے تو تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے:

سبحان اللہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون

پھر پڑھتے: سبحان اللہ تین بار، اس کے بعد لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین سبحانك انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ یعنی: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ "اللہ پاک ہے۔" تیرے سوا کوئی معبود

نہیں. تو پاک ہے. بے شک میں ظالموں میں سے ہوں تو پاک ہے. بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں.

اور جب آپ سفر کے لیے جانے والے کسی صحابی کو الوداع کہتے. تو یہ دعا کرتے :

استودع اللہ دینك وامانتك وخواتیم عملك یعنی میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں.

ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے زادِ (راہ) دیجیے ۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تمہیں پرہیز گاری کا توشہ عطا کرے ۔

اس نے عرض کیا، مزید (دعا فرمائیے) آپؐ نے فرمایا. اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخشے ۔

اس نے عرض کیا مزید عنایت ہو. آپ نے فرمایا اور جہاں بھی تم ہو. اللہ تمہارے لیے بھلائی آسان کر دے۔

نیز ایک آدمی نے عرض کیا میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں. آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ہر بلندی پر تکبیر کہنے کی وصیت کرتا ہوں. چنانچہ جب وہ واپس چلا تو آپ نے دعا کی. اللھم ازول له الارض وھون علیه السفر یعنی اے اللہ اس کے لیے زمین سکیڑ دے اور اس پر سفر آسان کر دے. نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے. اور جب ڈھلوان جگہ اترتے تو تسبیح کہتے. اس لیے نماز بھی اس طرح وضع کر دی گئی. حضرت انس نے فرمایا: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب زمین کی اونچی اور بلند جگہ پر چڑھتے تو یہ کہتے.

اللھم لك الشرف علی کل شرف ولك الحمد علیٰ کل حال یعنی اے اللہ ہر بلندی پر تجھے ہی بلندی حاصل ہے اور ہر حالت میں تیری ہی حمد ہے.

اور سفر حج میں آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کھلا میدان آتا تو آپ نسبتاً تیز چلتے اور فرماتے تھے کہ فرشتے ... ایسے (قافلہ) کے ساتھ شریک نہیں ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو اور آپؐ اس بات کو ناپسند فرماتے کہ مسافر تنہا رات کو سفر کرے. آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ تنہا سفر میں کس قدر (خطرہ) ہے تو وہ رات کو تنہا نہ چلیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ایک (مسافر) شیطان ہے اور دو (مسافر) دو شیطان ہیں

اور تین صحیح طور پر (مسافر) سوا ہیں، اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تم میں کوئی کسی مقام پر اترے تو یہ دعا پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق یعنی میں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اللہ کے کلمات کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اسے کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرے۔

غزوہ میں شرکت کے وقت کی دعا

اور امام احمدؒ نے نقل کیا کہ جب آپؐ غزوہ میں شریک ہوتے یا سفر فرماتے اور آپؐ کو کہیں پر رات آجاتی تو یہ دعا پڑھتے:- یا ارض ربی و ربك اللہ اعوذ باللہ من شرك وشر ما فیك و شر ما خلق فیك وشر ما دب علیك اعوذ باللہ من شر کل اسد واسود وحیة وعقرب ومن شر ساکن البلد ومن شر والد وما ولد؛ یعنی اے زمین میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ میں تیرے شر سے اور جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو تجھ میں پیدا کیا گیا اس کے شر سے اور جو تیرے اوپر چلتا ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں ہر شیر، مار سیاہ، سانپ، بچھو، شہر میں رہنے والے، باپ اور پیدا ہونے والے (بچے) کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

نیز آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم سبزہ زاروں میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین میں سے ان کا حصہ دیا کرو اور جب تم ویران مقام میں سفر کرو تو جلدی سے اسے عبور کر جاؤ۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ وہاں سے گزرنے میں سرعت اختیار کرو اور جب تم پڑاؤ کرو تو راستہ کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ چوپاؤں کی گزرگاہیں ہیں اور رات کو کیڑے مکوڑوں کے مساکن۔

اور جب آپؐ کسی بستی کو دیکھتے جس میں آپؐ داخل ہونا چاہتے تو اسے دیکھ کر یہ دعا پڑھتے؛

اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین انا نسألك خیر ھذہ القریة وخیر اھلھا ونعوذ بك من شرھا وشر ما فیھا۔

یعنی اے اللہ آسمان اور جو کچھ ان کے سایہ میں ہے ان کے پروردگار اور ساتوں زمینوں کے رب اور جو کچھ وہ لیے ہوئے ہیں اور شیاطین کے رب اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اور ہواؤں کے رب

اور جنہیں انہوں نے منتشر کر دیا ہم تجھ سے اس کی بستی کی بھلائی اور اس کے رہنے والوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اور سفر میں جب صبح ہو جاتی تو آپ یہ پڑھتے: سمع سامع بحمد اللہ ونعمتہ وحسن بلائہ علینا ربنا صاحبنا وافضل علینا عائذًا باللہ من النار یعنی سننے والے نے اللہ کی حمد، اس کی نعمت اور حسن بلاء کو سن لیا، ہمارے رب اور ہمارے مالک نے ہم پر فضل فرمایا ہم دوزخ سے اللہ کی پناہ چاہنے والے ہیں۔

عورت کو غیر محرم کے ساتھ سفر نہ کرنا چاہیے

یہ کلمات آپ تین مرتبہ دہراتے اور اس موقع پر آواز بلند کر دیتے اور آپ مسافر کو اس بات سے منع فرماتے کہ وہ قرآن لے کر دشمن کے علاقے میں سفر کرے کہ ایسا نہ ہو کہ دشمن اسے لے لے (اور توہین کا مرتکب ہو)

اور آپ محرم کے بغیر عورت کو سفر کرنے سے منع فرماتے اگرچہ یہ بریدہ (۱۲ میل) کی مسافت کیوں نہ ہو۔

اور آپ مسافر کو حکم دیتے کہ جب سفر میں کام ختم ہو جائے تو جلدی سے اپنے گھر لوٹ آئے۔ اور جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے۔ تو ہر اونچی جگہ تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ کلمہ پڑھتے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ واپس آنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور یکہ و تنہا تمام گروہوں کو شکست دی۔

بچوں سے آپ کا مشفقانہ برتاؤ

نیز اگر سفر کی وجہ سے کوئی دیر تک غائب رہتا تو آپ رات کو گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ممانعت فرماتے اور صحیحین میں ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کا دروازہ رات کو نہ کھٹکھٹاتے بلکہ شام کو یا صبح کو داخل ہوتے اور جب آپ سفر

سے تشریف لاتے تو خاندان کے بچوں سے آپ کی ملاقات ہوتی۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ایک بار آپؐ سفر سے تشریف لاتے تو میں نے آپؐ کی طرف سبقت کی۔ چنانچہ آپ نے مجھے آگے بٹھا لیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادے حسنؓ یا حسینؓ تشریف لائے تو آپ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم تینوں ایک سواری پر سوار مدینہ میں داخل ہوئے۔

اور سفر سے آنے والے کے ساتھ آپؐ معانقہ فرماتے اور اور اگر گھر والا ہوتا تو اس کا بوسہ لیتے۔

زہریؒ نے حضرت عروۃؓ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ زیدؓ بن حارثہ مدینہ آئے انہوں نے حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس طرف تشریف لے گئے اور اس حالت میں کہ آپؐ کا کپڑا گھسٹ رہا ہے۔ اللہ کی قسم اس سے قبل یا بعد میں نے آپ کو یوں (گلے میں قمیص نہ ہونا مراد ہے) کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپؐ نے ان سے معانقہ فرمایا اور انہیں بوسہ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب جعفرؓ اور ان کے رفقاء حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور دونوں کو بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور وہاں دو رکعتیں (نفل) پڑھتے۔

اذکارِ نکاح

خطبۂ حاجت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے خطبۂ حاجت سکھایا جو یہ ہے:۔

الحمد للہ الذی نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیأت اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

پھر آپؐ تین آیات کی تلاوت فرماتے:۔

(۱) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

(۲) یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔

(۳) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔

شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابواسحٰقؒ سے دریافت کیا کہ آیا یہ خطبہ نکاح ہے یا کچھ اور ہے؟ انھوں نے جواب دیا ہر ضرورت کے لیے ہے۔

اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت یا غلام یا چوپایہ حاصل کرے تو وہ اس کی پیشانی پکڑے

اور اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے اور کہے: اللھم انی اسألك خیرھا وخیر ما جبلت علیہ واعوذ بك من شرھا وشر ما جبلت علیك یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو اس کی جبلت ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور میں اس کے شر اور اس کی جبلت کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نکاح کروانے والے جوڑے سے آپ فرمایا کرتے بارك اللہ لك وبارك علیك وجمع بینكما فی خیر، یعنی، اللہ تمہارے لئے برکت کرے اور تم پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا کرے۔

اور فرمایا کرتے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانا چاہے تو یہ دعا پڑھ لے:۔
بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا یعنی اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے الگ رکھنا اور جو تو ہمیں (بچہ) عطا کرے اسے بھی شیطان سے الگ رکھنا (اس کے پڑھنے سے) اگر اسی دفعہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بچہ ہونا مقدر کر دیا ہے تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا۔

اپنے اہل یا مال میں خوش کن منظر دیکھے تو کیا کہے؟

حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گھر میں یا مال میں یا اولاد میں اگر نعمت عطا کرے اور وہ کہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ تو موت کے سوا کوئی دکھ نہ دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولولا اذ دخلت جنتك قلت ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ یعنی جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

بیمار کو دیکھ کر کون سی دعا پڑھی جائے

سکون، خواب، وسوسوں اور شدت غضب کے وقت کی دعائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی بھی کسی بیمار کو دیکھے اور یہ دعا پڑھ لے تو اسے وہ مرض کبھی نہ ہوگا چاہے جو بھی ہو، دعا یہ ہے :۔

الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا جس میں تجھے مبتلا کیا ہے اور مجھے کثیر مخلوقات پر بہ طور خاص افضلیت بخشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ کے سامنے شگون کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا کہ اس میں سب سے بہتر فال ہوتی ہے۔ یہ مسلمان کو ضرر نہیں دے سکتی۔ جب تم کوئی شگون دیکھو جسے تم برا سمجھتے ہو۔ تو یہ دعا کرو۔

اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یدفع السیئات الا انت ولا حول ولا قوۃ الا بک یعنی اے اللہ صرف تو ہی بھلائیاں عطا کرتا ہے اور صرف تو ہی تکالیف ہٹاتا ہے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔"

اور حضرت کعبؓ یہ پڑھا کرتے تھے: اللھم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا رب غیرک ولا حول ولا قوۃ الا بک یعنی اے اللہ تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں اور تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں تیرے سوا کوئی رب نہیں اور تیرے علاوہ نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ توکّل کی جڑ ہے اور جنت میں بندے کا خزانہ ہے اور جو بندہ بھی یہ کہے گا۔ پھر اپنے کام میں لگ جائے تو اسے کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وحشت ناک خواب دیکھنے کے بعد کیا کہنا چاہیئے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اچھے خواب اللہ کی جانب سے ہیں اور بُرے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔ اس لیے جو ایسے خواب دیکھے جس میں اس نے کوئی نامرغوب بات دیکھی ہو تو وہ بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ اسے کچھ ضرر نہ ہوگا اور نہ کسی کو بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور صرف اسے بتائے جس سے محبت کرتا ہو اور جو کوئی ناپسند خواب دیکھے اسے حکم فرمایا کہ وہ پہلو کو بدل دے جس پر پہلے (سورہا) تھا اٹھ کر نماز پڑھ لے، چنانچہ آپؐ نے پانچ باتوں کا ارشاد فرمایا:

(۱) بائیں طرف تھوک دے۔

(۲) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔

(۳) کسی کو خبر نہ دے۔

(۴) جس پہلو پر تھا اس کو بدل لے۔

(۵) اور کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

جب اس نے یہ کام کر لیا تو ناپسند خواب اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا بلکہ یہ امور اس کے شر کو دور کر دیں گے۔

اور فرمایا کہ تعبیر نہ جاننے والے آدمی کے سامنے خواب بیان کرنے سے احتراز کرو گے اس نے تعبیر بتا دی تو وہ تم پر پڑ گئی (اس لیے کہ) صرف سمجھدار اور ایسے آدمی کے سامنے خواب بیان کرو، جس کو تم سے محبت ہو اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے خواب بیان کیا جاتا تو فرماتے: اے اللہ اگر یہ اچھا ہے تو ہمارے لیے ہو اور اگر یہ خراب ہے تو ہمارے دشمنوں کے لیے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس کے سامنے خواب بیان کیا جائے اسے چاہیئے کہ اچھی بات بہ طورِ تعبیر کے کہے اور تعبیر بتانے سے قبل خواب دیکھنے والے سے کہے کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بہت خوب ہے، پھر اس کے بعد تعبیر بتائے۔

اور عبدالرزاقؒ نے معمر سے انہوں نے ایوب سے، انہوں نے ابن سیرین سے نقل کیا۔ بتلاتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خواب کی تعبیر بتانے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: تو نے صحیح خواب دیکھا ہے یہ اس طرح ہے۔

وساوس میں مبتلا ہونا اور ان کا علاج

حضرت صالح بن کیسان نے عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ ابن آدم کے قلب کے ساتھ موکل فرشتے کی رفاقت ہوتی اور ایک شیطان کی رفاقت، فرشتے کی رفاقت بھلائی کا وعدہ کرنا حق کی تصدیق کرنا اور اچھے اجر کی امید دلانا ہوتا ہے اور شیطان کی رفاقت، شر کا وعدہ، حق کی تکذیب اور بھلائی سے ناامیدی، پس جب تم فرشتے کی رفاقت محسوس کرو، تو اللہ کی حمد کرو، اور اس کا فضل مانگو اور جب تم شیطان کی رفاقت محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور استغفار کرو۔

حضرت عثمان بن عاص نے عرض کیا کہ میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ جب تو اسے محسوس کرے۔ تو اللہ کی پناہ مانگ اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے۔

اسی طرح ابی زمیل نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ مجھے سینے میں کچھ (وسوسہ) محسوس ہوتا ہے (ابن عباسؓ) نے پوچھا کیا ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہرگز زبان پر نہ لاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کیا کوئی شک کی کوئی بات؟

میں نے کہا ہاں، وہ کہنے لگے کہ اس سے کوئی بھی نجات نہ پا سکا جب تم سینے میں کچھ (وسوسہ) محسوس کرو تو یہ آیت پڑھا کرو ھوالاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم

یہ ضروری ہے کہ ایک غیر مخلوق خالق تک انتہا ہو، جو دوسروں سے غنی ہو، قائم بنفسہ ہو۔ ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ خود موجود بالذات ہو اور ہر چیز اسی سے قائم ہو، قدیم ہو۔ اس کا آغاز نہ ہو، بالذات باقی ہو اور ہر چیز کی بقا اسی سے ہو۔ یہی وہ ذات ہے، جو اول ہے کہ اس سے قبل کچھ نہیں۔ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس سے اوپر کچھ نہیں، باطن ہے کہ جس کے پرے (نیچے) کچھ نہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ کہنے والا کہے گا۔ یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اب جس کو اس قسم کی کوئی خلش محسوس ہو وہ اللہ کی پناہ مانگے اور رک جائے۔

شدتِ غضب میں آپ کا قول و فعل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ غصے کی چنگاری کو وضو سے بجھایا جائے اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ چونکہ ابن آدم کے قلب میں غصہ اور شہوت آگ کی چنگاریاں ہوتی ہیں تو آپ نے وضو، نماز اور شیطان الرجیم سے اللہ کی پناہ مانگنے کے ذریعہ ان کو بجھانے کا حکم فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ الخ یعنی کیا تم لوگوں کو حکم دیتے اور اپنے آپ کو بھلا ڈالتے ہو؟ اب شدت شہوت بھی ان پر محمول ہوگی۔ چنانچہ جن باتوں سے اس چنگاری کو بجھانے کا حکم دیا وہ صبر اور نماز کے ذریعہ استعانت ہے اور حکم دیا کہ شیطانی وساوس کے موقع پر اللہ کی پناہ مانگو چونکہ تمام معاصی کا صدور غضب اور شہوت ہی سے ہوتا ہے اور غضب کا انجام قتل اور شہوت کا انجام زنا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قتل اور زنا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا اور سورۃ انعام، سورۃ اسریٰ اور سورۃ فرقان میں انہیں آپس کا رفیق قرار دیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی۔ وہ نماز اور استعاذہ سے غضب اور شہوت جیسی قوتوں سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

مرغوب اور نامرغوب کام

اچھے کام کرنے والوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

پسندیدہ چیز پر دعا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔
یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس کی نعمت کے باعث بھلائیاں مکمل ہوتی ہیں۔

اور جب کوئی نامرغوب (تکلیف) کی بات دیکھتے، تو پڑھتے: الحمد للہ علی کل حال یعنی ہر حالت میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

جب کوئی محبوب یا مناسب چیز پیش خدمت کرتا تو آپ اس کے لیے دعا فرماتے: چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کے لیے وضو کا انتظام کیا تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو تاویل (تعبیرات) کا علم سکھا۔

اور راستہ میں رات کو جب ابو قتادہؓ نے آپ کو تھام لیا۔ جب آپ اپنی سواری سے ایک طرف کو جھک سے گئے تو آپ نے دعا دی۔ جس طرح تو نبی کی حفاظت کی۔ اس طرح اللہ بھی تیری حفاظت کرے نیز آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ اور وہ جزاک اللہ خیراً کہے تو اس نے گویا خوب تعریف کر دی۔

اور آپ نے عبداللہ بن ابی ربیعہ سے قرض لیا پھر ادا کر دیا اور دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تیرے مال اور اہل میں برکت دے۔ بے شک قرض کا صلہ تعریف کرنا اور ادا کرنا ہوتا ہے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا آپ اسے قبول کر کے اس سے زیادہ بدلہ دیتے اور

اگر مسترد کرتے تو عذر فرماتے۔ جیسے آپ نے صعبؓ بن جثامہ سے فرمایا جب انہوں نے شکار کا گوشت پیش کیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا تھا ہم اسے رد نہ کرتے لیکن (اس وقت) ہم احرام سے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے آگ لگ جانے کے موقع پر تکبیر کہنے کا حکم دیا کیونکہ تکبیر اسے بجھا دے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اہل مجلس اپنی مجلس کو ذکر الہٰی سے محروم رکھیں اور فرمایا کہ جو قوم بھی ایسی مجلس سے اٹھتی ہے۔ جس میں لوگ اللہ کا ذکر نہیں کرتے وہ گویا گدھے کی لاش پر سے اٹھ رہے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جو آدمی ایسی جگہ سے اٹھے جہاں اللہ کا ذکر نہ ہوا ہو اسے اس پر حسرت ہوگی۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں کثرت سے لغو باتیں کر ڈالے۔ اگر اٹھنے سے قبل یہ کلمات کہہ ڈالے تو اس مجلس میں جو کچھ بھی اس سے خطا ہو چکی ہوگی۔ معاف کر دی جائے گی، دعا یہ ہے۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔ یعنی: اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک مرتبہ رات کو پریشان خیالی کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم بستر پر جاؤ تو یہ دعا کہہ:

اللهم رب السموات السبع وما اظلت ورب الارضين السبع وما اقلت ورب الشياطين وما اضلت كن لي جارا من شر خلقك كلهم جميعا من ان يفرط احد منهم على اوان يطغى على عز جارك جل ثناءك ولا اله الا انت۔ یعنی: اے اللہ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان کے زیر سایہ ہے ان کے رب اور ساتوں زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کے رب اور شیاطین اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا سب کے رب اپنی تمام کی تمام مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دینے والا بن جا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی نہ کرے یا مجھ پر سرکشی (نہ) کرے۔ تیرا پڑوسی عزت والا ہو گیا اور تیری ثنا بڑی ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو گھبراہٹ اور اضطراب کے موقع پر یہ دعا بھی سکھایا کرتے تھے

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر غضبہ ومن شر عبادہ ومن شر همزات الشیاطین وان یحضرون۔ یعنی میں اس کے غضب اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وساوس کے شر سے اور اس بات سے کہ وہ آن موجود ہوں۔ اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ اسے نیند میں گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو بستر پر جایا کرے تو یہ دعا پڑھا کر۔ پھر آپ نے مذکورہ دعا فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر اس سے یہ گھبراہٹ جاتی رہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپسندیدہ الفاظ

انانیت، تکبّر اور نخوت کی مذمت

مشرکانہ الفاظ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی (دوسرے کے نام) کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ اس طرح یہ کہنا آپ کے نزدیک ناپسند تھا، کہ اگر وہ ایسا کرے تو وہ یہودی یا نصرانی یا کافر ہو۔ اسی طرح مسلمان کو کافر کہنا اور بادشاہ کو ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ) یا شہنشاہ کہہ کر پکارنا اسی پر قاضی القضاۃ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ نیز آقا اپنے غلام یا لونڈی کو یوں کہے عبدی یا امتی میرا بندہ یا میری بندی۔ یا غلام اپنے آقا کو اس طرح پکارے۔ میرے پالنے والے (ربی) بلکہ آقا کو چاہیے کہ وہ میرا بچہ، میری بچی کہے اور غلام کو چاہیے کہ وہ میرا سردار یا میری سردار کہا کرے۔

اسی طرح ہوا کے چلنے پر اسے گالی دینا (مکروہ) ہے بلکہ اس وقت دعا کرے آئندہ اس کی بھلائی عطا کرے اور اس کے شر سے پناہ دے۔

اسی طرح بخار کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ فرمایا کہ یہ (بخار) بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتا ہے۔

اسی طرح مرغ کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ صحیح روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: مرغ کو گالی مت دو۔ کیونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔

نیز جاہلیت کے نعرے کی طرف بلانا جیسے خاندان اور قوم و نسب کے نام پر بلانا یا فروعی مذاہب طرق اور مشائخ کے نام پر نعرے لگانا اور محض قوم پرستی وغیرہ کے باعث ایک کو دوسرے پر افضلیت

بخشتا۔ نیز مسلمان کو گالی دینا اور تیسرے کو الگ کر کے دو کا آپس میں سرگوشی کرنا یا عورت کا اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کے محاسن بیان کرنا، یا اس طرح دعا کرنا۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر۔ نیز کثرت سے قسمیں کھانا، نیز آسمان پر نظر آنے والے رنگوں کو قوس قزح کا نام دینا، نیز اللہ کے نام پر سوال کرنا، مدینہ کو یثرب کہنا (یہ تمام صورتیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مکروہ ہیں۔

نیز (نامناسب) حرکات میں سے یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنی زوجہ سے جماع یا دیگر آپس کی باتوں کا تذکرہ کرے جیسے کہ بعض لوگوں کی عادتِ خبیثہ ہے۔ نیز زعموا وذکروا وقالوا جیسے الفاظ سے حکایت کرنا بھی ناپسند کرتے تھے۔ نیز یہ کہ بادشاہ کو زمین میں خلیفۃ اللہ یا نائب اللہ کہا جائے کیونکہ خلیفہ اور نائب تو غیر موجود کے ہو سکتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے گھر سے غیر حاضر ہونے والے کا خلیفہ اور اپنے مومن بندے کا کارساز ہے۔

نیز (انا، لی، عندی (میں، میرا، میرے نزدیک) کے الفاظ سے بھی بچنا چاہیے۔ کیونکہ انہی تین الفاظ سے ابلیس، فرعون اور قارون گمراہ ہوئے۔

ابلیس انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) اور فرعون ولی ملک مصر (اور مصر کا ملک میرا ہے) اور قارون، وانما اوتیتہ علی علم عندی (اور مجھے یہ (مال وزر) میرے علم کی بنا پر دیا گیا۔ جیسے (متکبرانہ) جملوں سے تباہ ہوا۔

اور سب سے بہتر (انا) (میں) بندے کے اس قول میں ہے (انا العبد المذنب (میں گناہگار بندہ ہوں) اور (لفظ لی جیسے کہ لی الجرم ولی المسکنۃ (میں مجرم ومسکین ہوں) اور (عندی جیسے کہ (اغفرلی جدی وھزلی وخطیئی وعمدی وکل ذالک عندی۔ (میرا گناہ، لغزش، خطائیں اور عمداً گناہ بخش دے اور میرے پاس یہ تمام نقائص ہیں۔

جہاد و غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

جہاد کے اقسام وانواع مختلفہ ومتعددہ

آپ نے ہر طرح کے جہاد میں حصہ لیا

جہاد چونکہ اسلام کا ایک اعلیٰ اور عظیم الشان مسئلہ ہے۔ اور مجاہدین جنت میں بلند تر مقامات پر فائز ہوں گے۔ جیساکہ انہیں دنیا میں رفعت کی خوشخبری دی گئی تو گویا یہ لوگ دنیا و آخرت ہر جگہ ہی بلند حیثیت کے مالک ہوں گے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلہ میں ایک بلند تر مقام پر فائز تھے چنانچہ آپ نے (جہاد) کی ہر قسم میں حصہ لیا۔ آپ کے تمام اوقات قلب وزبان اور ہاتھ سے جہاد میں مصروف تھے۔ اور آپ تمام جہانوں سے زیادہ ذاکر اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قابل قدر تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کرتے ہی جہاد کا حکم دیا اور فرمایا: ولو شئنا لبعثنا فی کلّ قریۃ نذیرا فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہادا کبیرًا یعنی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔ پس کافروں کی اطاعت مت کرو اور ان کے ساتھ خوب جہاد کرو۔

یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ دلیل، تقریر اور قرآن کی پیغام رسانی کے ذریعہ جہاد کا حکم دیا۔ اسی طرح منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا کہ انہیں دلیل دی جائے ورنہ اسلام کے غلبہ کے سامنے ذلیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یاایھا النّبی جاھد الکفّار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنّم وبئس المصیر یعنی "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور

ان پر سختی کرو اور ان کا انجام جہنم ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے"
اس لیے کفار کی نسبت منافقین کے ساتھ زیادہ شدت کے ساتھ جہاد کا حکم ہے کیونکہ (منافقین) کے ساتھ جہاد گویا خواص اور وارثین انبیاء کے ساتھ جہاد ہے جو عالم میں منفرد (بظاہر دین کے حامی) اس میں شریک اور معاون ہیں، چاہے یہ کم تعداد میں ہوں لیکن ان کا خطرہ زیادہ ہے۔
نیز افضل جہاد یہ ہے کہ سخت ترین مقابلہ کے موقع پر حق بات کہی جائے جیسے کہ جابر حکومت کے سامنے زبان کھولنا جبکہ اس سے ایذا دہی کا خطرہ بھی ہو۔ اس (قسم) کے جہاد میں رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کافی حصہ ہوتا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سلسلہ میں کامل اور مکمل ترین مجاہد تھے۔
نیز اللہ کے اعداء کے مقابلہ میں کیا جانے والا خارجی جہاد بندے کے داخلی جہاد کی فرع اور شاخ ہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجاہد وہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی) کی خاطر اپنی ذات سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جنہیں اللہ نے منع کیا ہے۔
تو ظاہر ہے کہ جہاد بالنفس باہر کے جہاد سے افضل ہے یہ دونوں دشمن ہیں۔ دو بندے کو ان دونوں سے جہاد کرنے کا مکلف کرنا کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا دشمن بھی سامنے کھڑا ہے۔ اس سے جہاد کیے بغیر ان دونوں کا مقابلہ کرنا بھی محال ہے۔ اور وہ (تیسرا) بندے کو ان دونوں کا مقابلہ کرنے سے باز رکھنے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان دونوں کے مقابلہ کے موقع پر وہ بندے کو مشقتوں، عیش کے ختم کر دینے، لذات و شہوات کے فوت ہو جانے کا تخیل پیش کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کیے بغیر ان دونوں سے مقابلہ کرنا بہت ہی دشواری بن جاتا ہے۔ گویا اس (سے جہاد کرنا) ان دونوں کے ساتھ جہاد کی جڑ ہے۔
اور یہ (تیسری طاقت) شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا، یعنی "بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔
چنانچہ اسے دشمن سمجھنے کا حکم اس بات کا اشارہ ہے کہ اس سے جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے کے لیے پوری وسعت اور ہمت سے کام لینا چاہیے۔ گویا ایسا دشمن ہے کہ بندے سے جنگ کرنے میں قطعاً سست نہیں پڑتا اور کوتاہی برتتا ہے۔ اس طرح یہ تین دشمن ہیں۔ جن سے بندے کو جنگ کرنے اور

جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس دنیا میں بندہ ان سے مقابلہ کا مکلف بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر ایک طرح کا امتحان و آزمائش ہے (چنانچہ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب رہے) اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ وہ ان ہی سے پرہیزگاروں، احسان کرنے والوں، صبر کرنے والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہے اور (مومن جب اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو اللہ اپنے مومن بندوں کا خود دفاع کرتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہی دشمنوں پر ظفریابی حاصل کرتے ہیں اور اگر وہ ان کی مدافعت نہ کرتا تو دشمن انہیں اچک لیتے یہ مدافعت ان کے ایمان و یقین کے مطابق ہوتی ہے اگر ایمان قوی ہوگا۔ تو مدافعت بھی قوی ہوگی۔ اس لیے جو بھلائی پائے اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ (تکلیف) دیکھے۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اس قدر ڈرو جتنا کہ ڈرنے کا حق ہے اسی طرح فرمایا کہ جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اور ڈرنے اور پرہیزگاری کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے، نافرمانی نہ کرے اس کا ذکر کرے اسے فراموش نہ کرے۔ اور شکر کرے، کفر نہ کرے۔ اسی طرح جہاد کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ سے جہاد کرے۔ تاکہ اس کا قلب زبان اور تمام جوارح اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو جائیں اور وہ بالکل ہی اللہ کا بن جائے اور اپنی ذات کا نام رہے اور شیطان کے وعدوں کی تکذیب، اس کے حکم کی نافرمانی اور اس کی ممانعت کی مخالفت کر کے اس (شیطان) کا مقابلہ کرے۔ کیونکہ وہ جھوٹی امیدیں دلاتا اور غلط تمنائیں دکھاتا ہے۔ محتاجی کا وعدہ کرتا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ پرہیزگاری، ہدایت، عفت، صبر اور تمام ایمانی اخلاقیات سے منع کرتا ہے اس کے وعدوں کی تکذیب اور اس کے حکم کی نافرمانی کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اس طرح ان جہادوں کے ذریعہ ایک قوت و سطوت پیدا ہو جائے گی جس کے ذریعہ خارج میں بھی اللہ کے دشمنوں کا قلب زبان، ہاتھ اور مال سے مقابلہ کیا جا سکے گا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

جہاد کے چار مراتب ہیں

جہاد النفس، جہاد الشیطان، جہاد الکفار، اور جہاد للمنافقین جہاد النفس کی بھی چار اقسام ہیں:

(۱) ایک یہ کہ ہدایت اور دین حق کی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش (جہاد) کرے کیونکہ اس کے بغیر معاش و معاد (دنیا و آخرت) میں نہ فلاح ہے اور نہ سعادت، اور اگر یہ چھن گیا تو دارین کی بدبختی مسلط ہو گئی۔

(۲) دوسرے یہ کہ علم کے بعد عمل کے ذریعہ جہاد کرے۔ ورنہ عمل کے بغیر محض علم اگر مضر نہیں تو فائدہ بھی نہ دے گا۔

(۳) تیسرے یہ کہ جو علم کو نہیں جانتے انہیں سکھائے۔ ورنہ ان میں سے ہو جائے گا کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت اور بینات کو چھپاتے ہیں۔ اور اس کا علم اسے نفع نہ دے گا اور نہ اسے اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ کے دین کی دعوت پر تکالیف اور مخلوقات کی جانب سے آمدہ ایذاؤں پر صبر کرنے کی کوشش (جہاد) کرے اور محض اللہ کی رضا کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرے۔

جب یہ چاروں مراتب حاصل ہو گئے تو وہ ربانیین میں بن گیا۔ کیونکہ سلف کا اس پر بات پر اجماع ہے کہ عالم اس وقت تک عالم ربانی نہیں بن سکتا جب تک حق کو نہ پہچان لے۔ اس پر عمل نہ کرے اور دوسروں کو بھی نہ سکھائے اس لیے جس نے علم حاصل کیا، تعلیم دی اور اس پر عمل کیا اسے آسمانوں میں مرد عظیم (بزرگ) سمجھا جائے گا۔

شیطان سے جہاد کے دو مراتب ہیں

ایک ان شکوک و شبہات کو دور کرنا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور جن سے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان ارادوں اور شہوات کو اپنے آپ سے ہٹانا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔

پہلی نوع کے جہاد کے بعد یقین کامل ہوتا ہے اور دوسرے کے بعد صبر حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا باياتنا يوقنون

یعنی "اور ہم نے ان میں سے امام (پیشوا) بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں۔ جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے"

اس طرح آپ نے بتایا کہ صرف صبر اور یقین کے ذریعہ اقامتِ دین حاصل ہو سکتی ہے صبر، شہوات اور غلط ارادوں کو دور کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات کو ختم کرتا ہے۔

کفار و منافقین کے خلاف جہاد کرنے کے تین مراتب ہیں

ایک ہاتھ سے اگر استطاعت ہو بہ صورت عجز زبان سے اور

اگر اس سے بھی عاجز ہو تو قلب سے، یہ جہاد کے تین مراتب ہیں۔ جو مر گیا اور اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ تو وہ نفاق کی ایک علامت پر مرا۔

جہاد ہجرت کے بغیر اور ہجرت جہاد و ایمان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے

یہی تین لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ یعنی بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے؛

چونکہ ایمان لانا ہر آدمی پر فرض ہے اس لیے انسان پر ہر وقت دو ہجرتیں لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اخلاص، انابت، توکل، خوف، انابت، توبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کی خاطر ان کی طرف ہجرت۔ آپ کی خبر وہی کی تصدیق اور دوسروں پر آپ کی خبر وہی کو ترجیح دینا چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے پائے یا عورت (مقصود) ہے جس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی۔

لہٰذا اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے اپنے شیطان سے بچنے کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ یہ سب فرض عین ہے۔ کوئی دوسرا اس معاملے میں کسی کی نیابت نہیں کر سکتا اور کفار و منافقین کے ساتھ جہاد میں امت کا کچھ حصہ دوسرے حصہ کی نیابت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس طرح مقصود حاصل ہو سکے۔

اللہ کے نزدیک اکمل الخلق وہ ہے جس نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے

اللہ کے ہاں مخلوقات بھی جہاد کے اختلاف مراتب کے باعث مختلف درجات رکھتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے اعلیٰ و اکرام ہیں۔ کیونکہ آپ نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے اور اللہ کی خاطر جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا اور بعثت سے لے کر وفات تک آپ نے جہاد کیا۔

کیونکہ جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی؛ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ؛ یعنی اے کملی والے اٹھ۔ پس ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔

چنانچہ آپ دعوت کے لیے کمربستہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر مکمل طور پر منہمک ہو گئے اور دن رات اور پوشیدہ علانیہ ہر طرح تبلیغ کی۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

فاصدع بما تومر یعنی جس کا آپ کو حکم ہوتا ہے اس کا کھل کر اعلان کر دیجیے" تو آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کی۔ چنانچہ آپ نے ہر چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد و عورت، سرخ و سیاہ اور جن وانس کو (اللہ تعالیٰ) کا پیغام پہنچایا۔ پھر جونہی آپ نے اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور انہیں اپنے (مصنوعی) خداؤں سے الگ ہونے اور غلط روایات کو ترک کرنے کا حکم دیا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہؓ کی ایذا دہی میں سخت ترین (اوچھے) ہتھیار پر اتر آئے اور کئی انواع کی ایذائیں دینے لگے اور یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا، مایقال لك الا ما قد قیل الرسل من قبلك یعنی تجھ سے صرف وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وکذالك جعلنا لکل نبیّ عدوا شیاطین الانس والجنّ یعنی اس طرح ہم نے ہر نبی کے انسانوں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے ہیں۔

نیز فرمایا: کذالك ما اتی الذین من قبلهم من رّسول الا قالوا ساحرٌ او مجنون اتواصوا به بل هم قوم طاغون۔ یعنی وہ اس طرح ان سے قبل ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا کہ جادوگر ہے یا مجنوں کہا انہوں نے یہی وصیت کی تھی۔ بلکہ وہ ایک شریر قوم ہے"

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے تسلی دی (اور بتایا) کہ پہلے انبیاء میں ان کے لیے بھی اسوہ ہے۔

نیز آپ کے اتباع (صحابہؓ) کو بھی تسلی دی فرمایا: ام حسبتم ان تدخلوا الجنّة ولمّا یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مسّتهم الباساء والضّرّاء وزلزلوا حتّٰی یقول الرّسول والذین امنوا معه متٰی نصر الله الا انّ نصر الله قریبٌ نیز فرمایا: الٓمّ احسب النّاس ان یّترکوا ان یّقولوا امنّا وهم لا یفتنون

ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا ساء ما یحکمون من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لآت وھو السمیع العلیم ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین والذین آمنوا وعملوا الصالحات لنکفرن عنھم سیئاتھم ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھداک لتشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون والذین آمنوا وعملوا الصالحات لندخلنھم فی الصالحین ومن الناس من یقول آمنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ ولئن جاء نصر من ربک لیقولن انا کنا معکم اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین۔

۱؎ یعنی: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات ان لوگوں کے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، کب آئے گی اللہ کی مدد، سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

۲؎ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم یقین لائے اور ان کو نہ جانچ لیں گے؟ اور ہم نے ان کو جانچا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ سو البتہ اللہ معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کہ ہم سے بچ جائیں۔ بری بات طے کرتے ہیں جو کوئی اللہ کی ملاقات کی توقع رکھتا ہے سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے اور جو کوئی محنت اٹھا سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے۔ اللہ کو جہاں والوں کی پروا نہیں اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم ان پر سے ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ان کو بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کاموں کا۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ رہنے کی تاکید کر دی اور اگر وہ تجھ سے زور

کریں کہ تو میرا شریک کرے جس کی تجھے خبر نہیں تو ان کا کہا مت مان۔ مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلا دوں گا تم کو، جو تم کرتے ہو اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو نیک لوگوں میں داخل کر دیں گے اور ایک وہ لوگ ہیں کہ ہم اللہ پر یقین لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں ایذا پہنچے تو لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کے برابر کرنے لگے اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد آ پہنچے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہاں والوں کے"

انسان کو چاہیے کہ ان آیات کا سیاق اور ان میں بیان کردہ حکم اور عبرتوں کے خزینے دیکھے کیونکہ جب انسانوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا تو دو باتیں کھل کر سامنے آگئیں۔ ایک یہ کہ کسی نے کہا ہم ایمان لائے اور کسی نے کہا نہیں لائے، بلکہ وہ کفر اور بدی پر جم گئے۔ اب جس نے آمنا کہا (کہ ہم ایمان لائے) پروردگار نے اس کا امتحان لیا، اس کی آزمائش کی اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنے کے لیے اسے فتن میں مبتلا کر دیا اور جس نے کفر و انکار کیا وہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اللہ کو عاجز کر دے گا اور اس پر سبقت لے جائے گا، کیونکہ تمام امور اسی کے سامنے لپیٹے جاتے ہیں۔

وکیف یعتز المرء عنہ بعد نبلہ -

اذا کان یطوی فی یدیہ المراحل، یعنی:- اور انسان اپنے گناہوں کو لے کر اس سے کیسے فرار ہو سکتا ہے۔

جبکہ اس کے سامنے سفر لپیٹا جا رہا ہے۔

اور امام شافعیؒ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کے لیے کیا بات بہتر ہے وہ سطوت حاصل کرلے یا مبتلا رہے؟

آپ نے فرمایا: تب تک اسے تسلط حاصل نہ ہوگا جب تک کہ اس کا امتحان (ابتلاء) نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اولی العزم پیغمبروں (علیہم الصلوۃ والسلام) کو ابتلاء میں ڈالا۔ آخر جب انہوں نے صبر کیا تو انہیں سطوت حاصل ہوئی۔ اس کے لیے کوئی بھی یہ خیال نہ کرے کہ وہ دکھوں سے ضرور ہی محفوظ رہے گا اور مصائب و آلام میں مبتلا لوگوں کی عقول میں بھی تفاوت ہے سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جس نے تھوڑے سے ختم ہو جانے والے دکھ کے عوض طویل ترین اور دائمی دکھ کو بیچ دیا اور سب

سے بڑا بدبخت وہ ہے کہ جس نے طویل ترین اور دائمی دکھ مول لے کر تھوڑا سا ختم ہو جانے والا دکھ بیچ دیا
الغرض اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگوں کا ضرور امتحان لیتا اور انہیں ابتلاء سے (مصائب وآلام) کرتا، تاکہ امتحان کے ذریعہ پاک اور ناپاک قابل محبت واکرام اور ناقابل (کفار و مشرکین) کا امتیاز ہو جائے اور قابل اصلاح نفوس کو امتحان کے ذریعہ پاکیزہ کر دیا جائے جیسے سونا (گرم کرنے) کے ابتلاء کے بغیر صاف و شفاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وانفس اصل کے لحاظ سے جاہل اور ظالم ہے اور ظلم وجہالت کے باعث اسے بات کی ضرورت ہوئی کہ اسے پگھلایا جائے اور اس کی صفائی کی جائے اگر اس گھر سے (صفائی وطہارت کے ساتھ) نکلا تو ٹھیک ورنہ جہنم کی بھٹی میں (جانا پڑے گا) اس لیے جب بندہ مہذب ہو گیا اور پاکیزہ اخلاق ہو گیا تو اسے جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی۔

دعوتِ اسلام

کفار کی ایذا رسانیاں، مسلمانوں کا استقلال، ہجرت کا حکم

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف دعوت دی۔ تو ہر قبیلہ میں سے اللہ کے بندوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہی۔ چنانچہ صدیق الامت اور اسلام لانے میں پہل کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین (پھیلانے میں) آپؐ سے تعاون کیا، چنانچہ آپؐ نے ان کی رفاقت وصحبت میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہی ابوبکرؓ ہیں جن کی مستعدی کے باعث عثمان بن عفانؓ وطلحہ بن عبیداللہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام قبول کیا۔

نیز صدیقۃ النساء حضرت خدیجہ بنت خویلد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کی اور صدیقانہ صفات کی حامل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے (حضرت خدیجہؓ) نے عرض کیا۔ آپؐ خوش ہوجایئے۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا۔ یہی فراست کاملہ تھی جس کے باعث آپؐ اس بات کی مستحق ہوئیں کہ ان کا پروردگار انہیں اپنے رسول جبریل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سلام ارسال فرمائیے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا ایک قول میں آپؓ کی عمر زیادہ مروی ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے۔ انہیں آپؐ نے اپنے چچا سے تربیت کرنے کے لیے لیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ

نیز حضرت زید بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت خدیجہ کے غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کر دیا۔ ان (زید بن حارثہ) کے والد اور چچا فدیہ دینے حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ آپؐ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ دونوں وہاں آئے اور عرض کیا: اے عبد المطلب کے بیٹے، اے ابن ہاشم، اے سردارِ قوم کے بیٹے، آپ اللہ کے حرم کے محافظ اور اس کے پڑوسی ہیں۔ آپ مسکین کی مدد کرتے اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم آپؐ کے پاس اپنے بیٹے کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، جو آپؐ کے پاس ہے ہم پر احسان کیجیے اور اس کا فدیہ قبول کر کے ہم پر کرم کیجیے۔

آپؐ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا "زید بن حارثہ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اور کام کیوں نہ کر لیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا، زید کو لاؤ۔ میں اسے اختیار دیتا ہوں اگر وہ تمہیں منتخب کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے منتخب کرے تو اللہ کی قسم میں اس آدمی کے نہیں جو اس اختیار سے اختلاف رکھتا ہو۔

ان دونوں نے عرض کیا آپؐ نے انصاف کیا اور بہت ہی خوب فرمایا، چنانچہ انہیں بلایا گیا آپؐ نے فرمایا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

فرمایا میں کون ہوں؟ یہ بھی تمہیں معلوم ہے اور تم نے میری صحبت بھی دیکھ لی اس لیے اب یا مجھے انتخاب کر لو یا ان دونوں کو منتخب کر لو۔

(حضرت زید بن حارثہ) نے عرض کیا، میں کبھی بھی آپ کے علاوہ کسی اور کو منتخب نہیں کروں گا۔ آپ میرے نزدیک باپ اور ماں کے مقام پر ہیں۔

وہ دونوں کہنے لگے، اے زیدؓ تعجب ہے تو آزادی اور اپنے والد اور چچا کے مقابلہ

میں غلامی قبول کرتا ہے؟

حضرت زید نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اس ہستی میں ایسی بات دیکھی ہے کہ جس کے باعث میں اس کے سوا کبھی بھی کسی دوسرے کو منتخب کر سکتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ نے یہ معاملہ دیکھا تو انہیں دامن میں لے لیا اور فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ زید میرا بیٹا ہے یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا جب ان کے والد اور چچا نے (خوش کن) منظر دیکھا تو دونوں بہت خوش ہوئے اور واپس چلے گئے۔

غلط نسب کا اختیار کرنا جائز نہیں

اور حضرت زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے آخر اللہ تعالیٰ نے اسلام نازل فرمایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو اپنے والدین کے نام سے یاد کرو۔ چنانچہ اس کے بعد انہیں زید بن حارثہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

جامع معمر میں زہری سے روایت ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ زیدؓ بن حارثہ سے پہلے کوئی مسلمان ہوا ہو۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں خبر دی کہ ان پر اللہ نے اور اس کے رسول نے انعام کیا اور ان کا نام لے کر ذکر کیا۔

ورقہ بن نوفل کا قبولِ اسلام

ورقہ بن نوفل بھی اسلام لائے اور تمنا کی کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نکال دیں گے۔ کاش اس دن میں نوجوان ہوتا اور جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب کے اندر اچھی حالت میں دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں سفید لباس میں دیکھا

آخر لوگ ایک ایک کر کے دین میں داخل ہونے لگے اور قریش نے اس کی مخالفت نہ کی۔ آخر جب آپ نے ان کے بناوٹی خداؤں کا پردہ چاک کیا کہ یہ نفع و نقصان کے مالک نہیں تو یہ لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ حفاظت فرمائی جو قریش کے ایک شریف سردار تھے۔ ان کے باعث تکلیف دینے کی جرأت نہ کرتے تھے اور احکم الحاکمین کی یہ حکمت تھی کہ انہیں اپنی قوم کے دین پر قائم رکھے۔ کیونکہ اس میں سمجھ دار وں

کی نگاہوں میں خاص قسم کے مصالح تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ جو صاحب خاندان ہوتا۔ وہ خاندان کے باعث مشرکوں کی ایذاؤں سے محفوظ رہتا ورنہ نہیں چنانچہ بہت سے صحابہؓ کو مشرکین مکہ سے مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں سے عمار بن یاسر، ان کی والدہ اور ان کے گھر والے ہیں، جنہیں اللہ کی راہ میں ایذائیں دی گئیں جب انہیں ایذائیں دی جا رہی ہوتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے اے آلِ یاسر صبر کرو، کیونکہ تم سے جنت کا وعدہ ہے

حضرت بلال کی استقامت

ان میں حضرت بلال بن رباح بھی تھے۔ انہیں اللہ کے راستے میں سخت ترین ایذائیں دی گئیں چنانچہ اللہ کی خاطر ان کی اور ان کی قوم کی سخت اہانت کی گئی اور جوں جوں ایذا دہی میں شدت ہوتی ان کے منہ سے احد، احد (ایک خدا ایک خدا) نکلتا۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل وہاں سے گزرتے اور کہتے، ہاں اللہ کی قسم اے بلالؓ ایک ہی (خدا) ہے، ایک ہی (خدا) ہے۔ اللہ کی قسم!

اور جب مسلمانوں کے خلاف کفار کی ایذائیں سخت تر ہو گئیں اور انہیں طرح طرح کے دکھ دیے جانے لگے تاکہ مجبور اور بے بس ہو کر لات اور عزیٰ کی پوجا شروع کر دیں چنانچہ اللہ کا دشمن ابوجہل، عمارؓ بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہؓ کے پاس سے گزرا، انہیں ان کے خاوند اور بیٹے کو قبولِ اسلام کے باعث ایذا دی جا رہی تھی۔ ابوجہل نے ان کی شرمگاہ میں حربہ مار دیا جس سے ان کی شہادت ہو گئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کسی غلام کے پاس سے گزرتے جسے ایذا دی جا رہی ہوتی تو اسے (کفار) سے خرید لیتے اور آزاد کر دیتے۔ ان میں سے حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہ، ام عبیسؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ان کی بیٹی تھی اور بنی عدی کی ایک لڑکی بھی انہیں میں شامل تھی جسے عمرؓ اسلام سے قبل ایذا دے رہے تھے۔

اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا۔ اے بیٹے تو کمزور لوگوں کو آزاد کر رہا ہے اگر تو کسی مضبوط جماعت کو آزاد کرتا تو کسی دن یہ لوگ تیرے کام آ جاتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہی چاہتا ہوں۔

پہلی ہجرت حبشہ کی طرف

اور جب ایذائیں شدید اختیار کر گئیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ پہلے مہاجرین میں سے عثمانؓ بن عفان، ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پہلی بار بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔

عثمانؓ، ان کی زوجہ محترمہؓ، ابوحذیفہؓ، ان کی بیوی سہلہؓ بنت سہیل، ابوسلمہؓ اور ان کی بیوی (ام سلمہؓ) زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن مظعون، عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی ہشمہ، ابوسبرۃؓ بن ابی دہم، حاطبؓ بن عمرو سہیل بن وہب اور عبداللہؓ بن مسعود۔

یہ لوگ چھپ کر مسلح حالت میں نکلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کہ ان کے ساحل پر پہنچتے ہی تجارتی دو کشتیاں تیار تھیں، جن میں یہ سوار ہو کر حبشہ کی زمین کو روانہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ہجرت کی۔ قریش بھی ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ساحل تک آئے لیکن ان میں سے کسی کو نہ پکڑ سکے۔ پھر ان مہاجرین کو معلوم ہوا کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ اس لیے پھر لوٹ آئے جب یہ لوگ مکہ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر تھے تو خبر ملی کہ قریش تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے سے زیادہ مخالفت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئے جن میں حضرت ابن مسعود بھی تھے۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ اس وقت نماز میں مصروف تھے، انہوں نے آپ کو سلام کیا آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ابن مسعودؓ کو اس بات سے سخت رنج لاحق ہوا۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں کلام مت کیا کرو۔

حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کے حکم

حبشہ سے جو مہاجرین واپس ہوئے ان پر اور ان کے خاندان پر قریش کے مظالم پہلے سے شدید تر ہو گئے اور ان لوگوں کو ان سے سخت زحمتیں اٹھانی پڑیں آخر آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

دوسری مرتبہ ان لوگوں کا ہجرت کرنا قریش پر شاق گزرا۔ چنانچہ مہاجرین کو سخت ایذاؤں اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور وہ زیادہ سے زیادہ ہدف ستم بنائے جانے لگے۔ خصوصاً جب قریش کو نجاشی کے حسن سلوک کی خبر ملی۔

دوسری مرتبہ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد تراسی مردوں پر مشتمل تھی۔ بشرطیکہ عمار بن یاسر بھی ان میں شامل ہوں۔ ابن اسحٰق نے فرمایا کہ راوی کو ان کے متعلق شک ہے۔ اس قافلہ مہاجرین میں انیس عورتیں شامل تھیں۔

شاہ حبشہ کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ

مہاجرین نجاشی کی سلطنت میں اطمینان سے رہنے لگے۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو تحائف اور ہدایا دے کر نجاشی کی طرف دیکھا تاکہ وہ انہیں واپس کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کی فوج کے اعلیٰ افسران نے بھی سفارش کی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے یہ سفاکانہ مطالبہ قبول نہ کیا۔ آخر انہوں نے اسے یہ کہہ کر بہکانا چاہا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سخت (گستاخی کی) بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ چنانچہ اس نے مہاجرین کو دربار میں بلایا، حضرت جعفر بن ابی طالب اس جماعت کے رہنما تھے۔ جب ان لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت جعفر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جماعت سے داخلہ کی اجازت چاہتی ہے اس نے دربان سے کہا ان سے کہو کہ یہ لوگ اپنی درخواست پھر دہرائیں۔ انہوں نے دوبارہ اس طرح کہا۔ پھر جب یہ جماعت اس کے (دربار) میں داخل ہوئی تو اس نے دریافت کیا کہ آپ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

حضرت جعفر نے کھیٰعص کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا بھی زیادہ نہ تھے اس کے پادری چیخے۔

وہ کہنے لگا تم لاکھ چیخو!

مسلمانوں سے نجاشی نے کہا: جاؤ تم میری سلطنت میں مامون ہو، جو تمہیں ایذا دے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ پھر وہ (قریش) کے دونوں قاصدوں سے کہنے لگا کہ اگر تم مجھے سونے کا گرجا بلکہ پہاڑ بھی دے دو پھر بھی میں مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ اس کے بعد اس نے سردارانِ قریش کے تحائف لوٹا دینے کا حکم دیا۔ آخر یہ لوگ رسوا ہو کر واپس آ گئے۔

عمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کا قبول اسلام

حضرت حمزہ اس واقعہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا اور رفتہ رفتہ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو ترقی پذیر دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ معاملہ بڑھ رہا ہے تو وہ جمع ہوئے تاکہ بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب اور بنی عبدالمناف کے خلاف ایک معاہدہ کریں کہ نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے نہ نکاح کریں گے، نہ ان سے کلام کریں گے اور نہ ان کی مجالس میں بیٹھیں گے، جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حوالے نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور اسے کعبہ کی چھت پر لٹکا دیا۔ کہتے ہیں کہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ ایک قول نضر بن حارث کے متعلق بھی ہے لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ آدمی بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بد دعا دی، چنانچہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔

پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے بعض اہلِ ایمان اور بعض اہلِ کفر سے مل گئے سوائے ابولہب کے۔ کیونکہ اس نے قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بنی مطلب اور بنی ہاشم کے خلاف اکسایا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا گیا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال محرم کی رات کو پیش آیا اور کعبہ کی چھت پر وہ عہد نامہ لٹکا دیا گیا۔

یہ لوگ تین سال تک اس جگہ محصور و نظر بند رہے۔ ان کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرنی بند کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ انہیں سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور شعب رکھائی اکے پیچھے سے ان کے بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس موقع پر ابوطالب نے اپنا مشہور

قصیدہ لامیہ لکھا۔

اور اس واقعہ پر بعض قریش راضی تھے اور بعض ناپسند کرتے تھے جو ناپسند کرتے تھے ۔ انہوں نے عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی ۔ چنانچہ ہشام بن عمرو اس سلسلہ میں مطعم بن عدی اور قریش کی ایک جماعت کے پاس گیا ۔ انہوں نے بھی اس کی تائید کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد نامہ کے متعلق آگاہ فرمایا کہ اس پر (اللہ تعالیٰ) نے دیمک بھیجی جس نے ظلم، قطع تعلق اور ستم رسانی کی باتیں چاٹ ڈالیں اور صرف اللہ کا نام مبارک باقی رہنے دیا ۔ آپ نے اپنے چچا کو اس کی خبر دی، وہ قریش کی طرف نکلے اور انہیں بتایا کہ ان کے بھتیجے نے اس طرح کہا ہے اگر وہ جھوٹا نکلا تو ہم اس کے اور تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور اگر وہ سچا نکلا تو تم مقاطعت اور ظلم سے باز آجاؤ ۔ انہوں نے جواب دیا تو نے انصاف کی بات کہی ۔

چنانچہ انہوں نے عہد نامہ اتارا اور جب دیکھا تو جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا ویسا ہی معاملہ نکلا اس پر وہ پہلے سے زیادہ کفر پر اتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی (حسب عہد) شعب ابی طالب سے نکل آئے ۔

ابوطالب اور خدیجہ رضی کا انتقال

ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال وقوع پذیر ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد ابوطالب نے وفات پائی ۔ اس کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی انتقال فرما گئیں ۔ عہد نامہ کے ختم ہونے کے فوراً بعد ابوطالب کی وفات اور ام المومنین حضرت خدیجہ کی رحلت کے صدمات آپ کو سہنے پڑے اور قوم کے پست اور ذلیل طبقہ کے لوگوں سے سخت ترین ایذائیں پہنچنے لگیں ۔

طائف کا سفر

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے کہ شاید وہ اسلام لے آئیں اور قوم کے مقابلہ میں آپ کے ساتھ تعاون وحمایت کا مظاہرہ کریں ۔ آپ نے انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلایا لیکن ان میں سے کسی کو بھی اس طرح مائل یا حامی نہ دیکھا بلکہ انہوں نے آپ کو سخت ترین ایذا دی اور آپ کو اپنی

قوم سے بھی زیادہ خوفناک تکالیف اور زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ آپ کے غلام زید بن حارثہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ وہاں دس روز ٹھہرے آپ وہاں کے سردار کے پاس تشریف لے گئے اور (اسلام) کے متعلق گفتگو فرمائی لیکن وہ کہنے لگے کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اور غنڈوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ نیز اجرت پر بعض لوگوں کو حاصل کیا۔ وہ آپ کو پتھروں سے مارنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو گئے۔ زید بن حارثہ آپؐ کو بچاتے رہے۔ آخر ان کے سر پر زخم آ گیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے غمزدہ حالت میں واپس تشریف لے آئے راستہ میں آپ نے طائف کے متعلق مشہور دعا فرمائی۔ دعا یہ تھی: اے اللہ میں اپنی ضعف قوت اور کمی حیلہ اور لوگوں میں ناتوانی کی تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! تو ہی ضعیفوں کا پروردگار ہے اور تو ہی میرا رب ہے، مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔ اس دور کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کرتا ہے یا ایسے دشمن کی طرف جس کا تو مالک ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں بس تیری (عطا کردہ) عافیت ہی میرے لیے وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس کے صدقے اندھیرے اجالے بن گئے اور دنیا و آخرت کے امور اسی کے طفیل درست ہو گئے۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب آئے۔ یا مجھ پر تیری ناراضی ہو۔ میرا چلنا صرف تیرے لیے ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ آپؐ فرمائیں تو اہل مکہ پر پہاڑ گرا دیں۔ اور یہ دونوں ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے درمیان ہیں۔

آپ نے جواب دیا میں پُرامید ہوں شاید ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جو اس (اللہ) کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کریں۔ واپسی پر جب آپ ایک کھجور کے پاس سے اترے تورات کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور جنات کی ایک چھوٹی سی جماعت آپ کی طرف آئی۔ انہوں نے آپؐ کی تلاوت سنی مگر آپ کو پتہ نہ چلا یہاں تک کہ آپ سے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ

قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین ۝ قالوا یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ مصدقا لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی طریق مستقیم ۝ یا قومنا اجیبوا داعی اللہ وآمنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم ۝ ومن لا یجب داعی اللہ فلیس بمعجز فی الارض ولیس لہ من دونہ اولیاء اولئک فی ضلال مبین ۝

یعنی: اور جس وقت ہم نے آپ کی طرف کتنے لوگ جنوں میں سے متوجہ کر دیے وہ قرآن سننے لگے، پھر جب وہاں پہنچ گئے، بولے چپ رہو، پھر جب ختم ہوا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے الٹے پھرے۔ بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتری ہے سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی حق اور سیدھے راہ کی ہدایت کرتی ہے۔ اے ہماری قوم اللہ کے بلانے والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ کہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ اور جو اللہ کے بلانے والے کو نہ مانے گا تو وہ زمین میں بھاگ کر اللہ کو نہ تھکا سکے گا اور اس کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں وہ لوگ صریح بھٹکتے ہیں۔

طائف سے مکہ میں آپ کی واپسی

اور وادی نخلہ میں آپ چند دن ٹھہرے۔ زید بن حارثہ نے عرض کیا۔ قریش نے آپ کو نکال دیا ہے اب آپ (مکہ) میں کیسے داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے زیدؓ! جیسے تم دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ نکلنے اور کامیابی کی کوئی راہ نکال دے گا۔ وہی اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کو غلبہ دینے والا ہے، پھر آپ مکہ پہنچ گئے۔ چنانچہ آپؐ نے بنی خزاعہ کا ایک آدمی مطعم بن عدی کی طرف بھیجا کہ کیا میں تمہارے جوار میں داخل ہو جاؤں گا؟

اس نے جواب دیا ہاں! اور اپنے قوم اور بیٹوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار پہن لو اور خانہ کعبہ کے ارکان کے پاس کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کے ہمراہ داخل ہوئے اور مسجد حرام تک پہنچ گئے اب مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا اور آواز دی، اے قریش کی جماعت! میں نے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے اس لیے تم میں سے کوئی ان کی اہانت نہ کرے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن تک تشریف لے گئے اور استلام کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر گھر تشریف لے آئے اور گھر میں داخل ہونے تک مطعم بن عدی کے لڑکے ہتھیار سے مسلح آپؐ کے ساتھ رہے ۔

معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پھر مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس تک براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی رفاقت میں آپؐ کو جسمانی سیر کرائی گئی ۔ آپ وہاں اترے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو امام بن کر نماز پڑھائی اور مسجد اقصیٰ کے دروازے پر براق باندھ دیا ۔ ایک قول یہ ہے کہ آپؐ بیت لحم میں اترے اور وہاں نماز پڑھی لیکن یہ قول درست نہیں ۔ پھر اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے لیے اجازت چاہی، دروازہ کھول دیا گیا ۔ وہاں آپ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا، انہوں نے مرحبا کہا اور سلام کا جواب دیا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا اور اپنی دائیں جانب سعید ارواح اور بائیں جانب شقی ارواح کا (منظر) دکھایا ۔

پھر آپ (جبریل) کے ہمراہ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور انہوں نے آپؐ کے لیے دروازہ کھلوایا وہاں آپؐ نے یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو دیکھا، ان سے ملاقات فرمائی اور انہیں سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا ۔

پھر آپ تیسرے آسمان پر تشریف لے گئے ۔ وہاں آپؐ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا ۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا ۔ پھر آپؐ چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے ۔ وہاں آپؐ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا ۔ انہیں سلام کیا ۔ انہوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا ۔ پھر آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے ۔ وہاں ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا ان سے علیک سلیک ہوئی انہوں نے بھی مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر آپ چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے اور

وہاں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ۔ آپؐ نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے (سلام کا جواب دے کر) مرحبا کہا ۔ اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا ۔

جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے ۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ ——— کیوں رو دیے ؟ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بعد ایک جوان کو نبی بنایا گیا اور اس کی امت میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی ۔

اس کے بعد آپ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے ۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ۔ آپ نے انہیں سلام کیا ، انہوں نے جواب دے کر مرحبا کہا ۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا ۔ پھر آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا ۔ اس کے بعد بیتِ معمور تک پہنچایا گیا اور اس کے بعد آپ کو اللہ جل جلالہ کے دربارِ اعلیٰ میں لے جایا گیا ۔ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب ہو گئے ۔ حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فرق رہ گیا ۔ پھر اللہ نے آپؐ کو حکم بھیجا جو چاہا اور آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں ۔ چنانچہ آپ لوٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہوا ؟ آپؐ نے فرمایا پچاس نمازوں کا ، وہ کہنے لگے کہ آپ کی امت کو اس کی استطاعت نہ ہوگی ، آپؐ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیئے ۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف التفات فرمایا گویا ان سے مشورہ چاہتے ہوں ۔ انہوں نے بھی اشارہ کیا کہ ہاں اگر آپؐ کی خواہش ہو ۔ آخر آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ دوبارہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے اور وہ وہیں تھا ۔ بعض طرق میں یہ بخاری کے الفاظ ہیں (اللہ نے دس نمازیں معاف فرما دیں ۔ پھر آپ اترے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور انہیں خبر دی انہوں نے فرمایا کہ اپنے پروردگار کے حضور پھر جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجیئے ۔ اس طرح آپؐ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آتے جاتے رہے ۔ یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب بھی واپس جانے اور تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا ۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے بلکہ اب تو میں راضی ہو گیا اور تسلیم کر لیا[1]۔ جب آپ چلے تو ندا کرنے والے نے ندا کی اور کہا کہ میں نے اپنا فریضہ دے لیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

صحابہؓ کا اختلاف رائے

صحابہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس شب کو پروردگار کی زیارت کی یا نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ ایک قول یہ بھی ان سے منقول ہے کہ قلب سے دیکھا۔

حضرت عائشہ اور ابن مسعودؓ کا انکار بھی ثابت ہے۔ ان دونوں نے فرمایا ہے کہ ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا، میں نے ایک نور دیکھا ہے۔ یعنی میرے اور اس کی رویت کے درمیان ایک نور حائل ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا اور عثمان بن سعید داری نے عدم رویت پر صحابہؓ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

---

[1] میرے نزدیک تخفیف نماز کی یہ روایت اگرچہ بخاری کی روایت کردہ ہے مگر محل نظر ہے۔ در حقیقت یہ روایت ان اسرائیلیات میں سے ہے جو کسی نہ کسی طرح اسلامی اخبار و روایات میں داخل ہو گئی ہیں۔

اس روایت کا ماحصل کیا ہے؟

یہ کہ حضرت موسیٰ، آنحضرت سے زیادہ دور اندیش تھے، آپ فخر رسل اور خاتم انبیا ہونے کے باوجود ان کی رائے کے مطابق بار بار خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر حاضر ہوتے۔ یہ بات مزاج نبوتؐ کے یکسر منافی ہے۔

آپؐ کے شوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ عبادت کرتے کرتے پائے مبارک متورم ہو جاتے تو لوگ کہتے آپ تو معصوم ہیں آپ کیوں یہ تکلیف اٹھاتے ہیں آپ جواب دیتے:

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

ایسا نبی خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر جا سکتا تھا! کلا ثم کلا۔ (رئیس احمد جعفری)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ ابن عباس کا قول ہے کہ آپؐ نے رب تعالیٰ کو دیکھا اور آپؐ نے قلب سے دیکھا" آپس میں متضاد نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ کو دیکھا لیکن یہ واقعہ شب اسرا کا نہیں بلکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا جبکہ آپ کی صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ پھر آپؐ نے رب تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی خبر دی۔ اسی بناء پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقت دیکھا اور رویت انبیاء حق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے دو آنکھوں سے بیداری میں دیکھا اور جس نے ان سے ایسا قول نقل کیا ہے۔ اسے غلط فہمی ہوئی چونکہ امام احمد نے ایک بار فرمایا: کہ آپ نے دیکھا ایک بار فرمایا کہ آپ نے روحانی طور پر دیکھا تو اس لیے ان سے دونوں قول منقول ہو گئے۔ امام احمد سے ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن یہ ان کے بعض اصحاب کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ امام احمد کی نصوص موجود ہیں لیکن ان میں یہ قول نہیں ملتا۔

خبرِ معراج کا کفار پر ردِ عمل

جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو خبر دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم آیات دکھائیں۔ انہوں نے سختی سے تکذیب کی اور انتہائی شدت سے ایذا دی اور ضرر رسانی پر اتر آئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ بیت المقدس کا حلیہ بیان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس کی تمام علامت بتانی شروع کیں اور وہ لوگ کسی بھی بات کو رد نہ کر سکے نیز ان کے سامنے راستہ میں اور واپسی پر ایک قافلے کا ذکر بھی کیا اور اس قافلے کے پہنچنے کا وقت بھی بتا دیا اور سب سے اگلے اونٹ کا پتہ بھی بتایا۔ اب معاملہ ایسا ہی تھا، جیسے آپ نے فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی نفرت بڑھتی گئی اور ظالم لوگ انکار پر مصر رہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ مدینہ روانگی سے ایک سال قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس اور پھر آسمان کی طرف معراجِ روحانی کرایا گیا اور ابن عبدالبرؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہجرت اور معراج کے درمیان ایک سال دو ماہ کا وقفہ تھا اور معراج ایک بار ہوا۔ ایک قول میں دو

مرتبہ ہوا ایک بار بیداری میں اور ایک بار خواب میں ۔ اس قول کے حاملین کا خیال یہ ہے کہ حدیث شریک اور آپ کے فرمان : پھر میں بیدار ہو گیا ! اور دوسری تمام روایات کو جمع کر سکیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ (اسراء) دوبارہ ہوا۔ وحی سے قبل ایک بار جیسے حدیث شریک ہی مذکور ہے اور یہ وحی سے قبل کا ذکر ہے اور ایک بار وحی کے بعد جیسا تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض نے کہا تین بار یہ واقعہ پیش آیا ایک بار وحی سے قبل اور دو بار وحی کے بعد حالانکہ یہ تمام خبط ہے اور ارباب نقل کے ظاہر پرست ضعفاء کا کارنامہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قصہ (معراج) میں بعض الفاظ دوسری روایات کے سیاق کے خلاف پڑتے ہیں۔ تو انہوں نے اسے ایک مرتبہ اور ہونا قرار دے دیا۔ اس کے بعد جوں جوں اختلاف روایات محسوس کیا (معراج) کے مزید واقعات مانتے چلے گئے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ائمہ حدیث متفق ہیں کہ واقعہ اسراء بعثت کے بعد اور ایک ہی بار ہوا۔

ہجرت کے متعلق جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور اعداء کے درمیان فرق کرنے کا سبب قرار دیا۔ اور جس سے اپنے دین کو غالب کرنے، اپنے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ابتداء فرمائی۔

زہری فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن صالح سے انہیں عاصم بن عمر قتادہ اور یزید بن رومان وغیرہ سے روایت ملی۔ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی ایام میں تین سال تک مکہ میں چھپ کر کے رہے۔ پھر چوتھے سال اعلان عام کیا اور لوگوں کو دس سال تک دعوت اسلام دی۔ حج کے موسم پر حجاج کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے نیز عکاظ، مجنہ، ذی المجاز کے موسمی تہواروں پر بھی آپ تشریف لے جاتے اور دعوت اسلام دیتے اور اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتے (اور فرماتے کہ اگر تم نے قبول کر لیا) تو جنت ملے گی لیکن کوئی بھی آپ کی صدا پر لبیک نہ کہتا نہ حمایت پر تیار ہوتا۔ آخر آپ قبائل کے نام دریافت فرماتے اور ایک ایک قبیلہ کی قیام گاہ کا پتہ چلاتے اور فرماتے۔

اے لوگو! کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود کارساز نہیں) تم عرب کے بادشاہ

بن جاؤ گے اور عجم رکے لوگ تمہارا دین اختیار کریں گے اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بھی سردار ہو گے۔ ابولہب آپ کے پیچھے رہتا اور کہتا۔

ابولہب کی ایذا رسانیاں

خبردار اس شخص کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ صابی اور کذاب ہے چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شدت سے انکار کرتے اور آپ کو ایذائیں دیتے اور کہتے کہ تیرا خاندان اور قبیلہ تجھے خوب جانتا ہے (اس لیے) انہوں نے تیری اتباع نہیں کی اور آپ انہیں اللہ کی دعوت دیتے چلے جاتے اور کہتے، اے اللہ اگر تو چاہتا تو یہ ایسے نہ ہوتے۔ راوی کہتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن حفصہ، فزارۃ، غسارہ، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، بنو لکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرۃ اور قبیلہ حضرمی، لیکن ان میں سے کسی نے دعوت اسلام قبول نہ کی۔

اہل مدینہ کی آپؐ کی طرف رغبت اور قبولِ اسلام

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی نصرت کے لیے بھی انتظامات کر رکھے تھے۔ اوس اور خزرج مدینہ میں دو قبائل تھے جو یہودیوں میں سے اپنے دوستوں کے ذریعے اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اس زمانے کے اندر ایک نبی مبعوث ہو گا ہم اس کا اتباع کریں گے اور عاد و ارم کی طرح تمہیں قتل کریں گے۔ اب عرب لوگوں کی طرح انصار بھی کعبہ مشرفہ کا حج کیا کرتے تھے۔ جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے احوال کا بغور مطالعہ کیا اور بعض انصاری کہنے لگے کہ اللہ کی قسم لوگو جانتے ہو! یہی وہ شخص ہیں جن کا نام لے کر مدینہ کے یہودی تمہیں دھمکایا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر سبقت لے جائیں۔

سوید بن صامت اوس کا ایک آدمی تھا جو مکہ آیا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت دی اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار کیا۔ آخر انس بن رافع، ابوالحیس بن عبدالاشہل کے

چند نوجوانوں کے ہمراہ حلف کے لیے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ایاس بن معاذ جو ایک نوجوان تھا، کہنے لگا اے قوم، اللہ کی قسم ہم جس کام کے لیے آئے ہیں اس سے یہ اسلام بہتر ہے۔ ابوالحیس نے اسے جھڑک دیا وہ خاموش ہو گیا۔ پھر ان کا حلف بھی مکمل نہ ہو سکا۔ اور وہ واپس مدینہ چلے گئے۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر مقام عقبہ پر انصار کے چھ آدمیوں سے ملے جو خزرج کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جن کے نام یہ ہیں:۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن حرث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی اور وہاں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جہاں اسلام داخل نہ ہوا۔ اگلے برس بارہ آدمی حاضر ہوئے جابر بن عبداللہ کے علاوہ چھ پہلے تھے۔ نیز ان کے ہمراہ معاذ بن حرث بن رفاعہ جو عوف مذکورہ کا بھائی تھا اور ذکوان بن عبدالقیس بھی حاضر ہوا اور ذکوان مکّہ میں ہی ٹھہر گیا۔ اس نے بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ چنانچہ ان کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔

نیز عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلب، ابوالہیثم بن تیہان، عویمر بن مالک۔ یہ بارہ تھے۔

ابوزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ایام میں لوگوں کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے۔ مجنہ، عکاظ وغیرہ کے تہواروں میں بھی جاتے اور فرماتے کون ہے جو مجھ پر ایمان لائے، میری حمایت و نصرت کرے حتیٰ کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دوں، اسے جنت ملے گی۔

لیکن کسی کو حامی و ناصر نہ پاتے، معاملہ یہاں تک آن پہنچا تھا کہ کوئی آدمی مصر یا یمن سے اپنے قرابت داروں سے ملنے آتا تو آپ کی قوم اس کے پاس آتی اور کہتی۔

دیکھنا بچنا، قریش کا نوجوان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔ آپ ان لوگوں میں تشریف لے جاتے اور انہیں دین کی دعوت دیتے اور قریش آپ کی طرف انگلیوں سے اشارے کر رہے

ہوتے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے لوگ بھیجے ۔ ان میں سے ایک آدمی آتا اور ایمان لاتا پھر آپ اس کے سامنے قرآن پاک پڑھتے ۔ وہ واپس لوٹ جاتا اور اس کے اسلام کے باعث اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے حتیٰ کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت نہ پائی جاتی ہو ۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی طرف بھیجا ۔ ہم جمع ہوئے اور عقبہ کے مقام پر ہم نے بیعت کی ۔ آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا ۔

اے میرے بھتیجے ! میں اس قوم کو کچھ (قوی) نہیں سمجھتا جو تیرے پاس آتے ہیں ۔ میں اہل یثرب کو خوب جانتا ہوں ۔ پھر ایک دو آدمی آپ کے پاس حاضر ہوئے ۔ حضرت عباس ان کے چہروں پر غور سے دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اس قوم کو نہیں جانتے یہ نئے ہیں ۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں !

آپ نے فرمایا ہر حالت میں سننے اور اطاعت کی ۔ خوشی اور سستی میں ، تنگی و فراخی میں اللہ کے لیے خرچ کرنے پر ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اس بات پر کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور ملامت سے نہ ڈرو اور اس پر کہ جب میں وہاں آجاؤں تو میری نصرت کرو اور جس سے تم اپنی جانوں ، اپنی بیویوں اور اولاد کو بچاتے ہو ۔ اسے مجھ سے بھی ہٹاؤ پھر تمہارے لیے جنت ہے ۔

اسعد بن زرارہ کا انتباہ

ہم بیعت کے لیے کھڑے ہو گئے ۔ اسعد بن زرارہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا ۔ اے اہل یثرب ٹھہرو ! ہم ان کی طرف اونٹوں پر بار بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور آج اس کا نکالنا تمام عرب کی مفارقت تمہارے بڑوں بڑوں کے قتل اور تمہارے ساتھ تلواروں سے جنگ کے برابر ہے ۔ اب اگر تم اس بات پر استقلال (صبر) دکھا سکتے ہو ۔ تو بیعت کر لو اور تمہارا اجر اللہ کے ہاں ہو گا ۔ اور اگر تمہیں اپنے آپ کا ڈر ہے تو بے شک اللہ کے ہاں تمہارا عذر ہے ۔

اسلام مدینہ میں

وہ کہنے لگے اے اسعد ہم سے اپنا ہاتھ ہٹا لے ہم اس بیعت سے نہیں ہٹیں گے ۔ پھر ہم ایک ایک کر کے اُٹھے اور آپ نے ہم سے

وعدہ لے کر جنت کی خوشخبری عطا فرمائی اس کے بعد یہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ عمرو بن ام مکتوم اور معصب بن عمیر دو صحابی بھیجے جو مسلمان ہو گئے۔ یہ دونوں صحابی انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور اللہ تبارک تعالی کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ یہ دونوں صحابی ابی امامہ اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے جب یہ چالیس کی تعداد کو پہنچ گئے تو معصب بن عمیر ہی ان کو جمع کرتے اور امامت کے فرائض انجام دیتے۔ آخر ان دونوں صحابیوں کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں لوگ اسلام لائے: اسیر بن حضیر اور اسعد بن معاذ انہی میں شامل ہیں۔ نیز ان دونوں کے اسلام لانے پر بنی عبدالاشہل کے تمام مردوں اور عورتوں نے سوائے عمرو بن ثابت بن وقس کے اسلام قبول کیا۔ عمرو بن ثابت یوم احد کو اسلام لایا اور اس وقت جہاد میں شریک ہوا اور ایک بھی سجدہ کرنے سے پہلے شہادت پائی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عمل قلیل تھا اور اجر کثیر

پھر مدینہ میں اسلام پھیل گیا اور غالب ہونے لگا۔ اس کے بعد معصب مکہ واپس آ گئے۔ اور اس سال حج کے موقع پر کثرت سے انصاری مسلمان شریک ہوئے، مشرکین اور براء بن معرور کا سردار حاضر خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ عقبہ کی آخری رات جب رات کا ابتدائی ثلث گزر چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تہتر مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں نے اپنی قوم اور مکہ کے کفار سے پوشیدہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تاکہ یہ لوگ جس بات سے اپنی عورتوں، بچوں اور بڑوں کی حفاظت کرتے ہیں آپ کی بھی حفاظت کریں اس رات کو سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی، جب اس نے بیعت کی تو اس کا ہاتھ سفید تھا اس نے آپ کی طرف جلدی کی اور حضرت عباس اس کی بیعت کو مؤکد کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت یہ اپنی قوم کے دین پر تھے اور اس رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ کا انتخاب فرمایا جن کے اسمائے مبارک حسب ذیل ہیں:۔

اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براء بن معرور، عبداللہ

بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد تھے اور اسی رات کو یہ اسلام لائے تھے۔ سعد بن عبادہ منذر بن عمرو اور عبادہ بن صامت یہ مذکورہ حضرات تو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور تین افراد قبیلہ اوس سے انتخاب فرمائے، اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبد المنذر۔ ایک قول میں رفاعہ کی جگہ ابوالہیثم بن تیہان کا نام لیا گیا ہے۔ دو عورتیں یہ تھیں: ام عمارۃ نسیبہ بنت کعب بن عمرو اور یہی وہ عورت ہیں کہ جن کے لڑکے حبیب بن زید کو مسیلمہ نے شہید کیا تھا اور دوسری عورت اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں۔

جب یہ بیعت مکمل ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ سے اجازت چاہی کہ کیا اہل عقبہ پر اپنی تلوار سے مسلح ہو کر حملہ کر دیں! آپ نے انہیں اس بات کی اجازت نہ دی۔ اور شیطان اہل عقبہ کو سنانے کے لیے چلایا۔ جیسے دور سے آواز آ رہی ہو۔ اے اہل خانہ تمہیں معلوم ہے کہ محمد اور اس کے صابی ساتھی تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے اللہ کے دشمن میں تیرے لیے ضرور فارغ ہوں گا۔

اہل مدینہ کے قبول اسلام پر قریش کا اضطراب

پھر آپ نے حکم دیا کہ اپنے اپنے ڈیروں میں چلے جاؤ۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے سردار قبائل انصار کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قوم خزرج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم گزشتہ رات ہمارے اس آدمی (حضرت محمدؐ) سے ملے ہو اور تم نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تم نے ہمارے مقابلہ میں لڑنے کی بیعت کر لی ہے۔ اللہ کی قسم، عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں کہ جو ہمیں اس سے زیادہ مبغوض ہو۔

چنانچہ خزرج کے مشرکین کھڑے ہوئے اور انہوں نے یقین دلانے کی خاطر قسمیں کھانے لگیں۔ کہ نہ یہ بات تھی اور نہ ہمیں اس کا علم تھا۔

اور عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ یہ غلط ہے۔ یہ بات ہی نہ تھی اور میری قوم اس جیسے آدمی سے مبتلائے فتنہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر میں یثرب میں ہوتا کہ میری قوم میرے مشورے کے بغیر ایسی بات نہ کرتی۔ چنانچہ قریش لوٹ کر چلے گئے اور براء بن معرور نے کوچ کیا اور وادی

یاجج میں اپنی مسلمان قوم سے جا ملا۔ قریش نے بھی انہیں تلاش کیا اور سعد بن عبادہ کو پکڑ لیا اور ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ رسی سے باندھ دیا اور مارنے اور گھسیٹنے لگے اور ان کے بال نوچنے لگے، یہاں تک کہ انہیں مکہ لے آئے۔ آخر مطعم بن اور حرث بن حزب بن امیہ آئے اور انھوں نے ان کو چھڑایا۔ جب انصار نے انہیں نہ پایا تو آپس میں واپس جانے کے بیسے مشورہ کیا۔ ابھی مشورہ کر رہے تھے اکہ سعد ان کے پاس واپس پہنچ گئے اور سب انصاری واپس مدینہ چلے گئے۔

مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سب سے پہلے ابوسلمۃ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی سلمۃ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن ام سلمۃ کو روک دیا گیا اور ایک سال تک محبوس رکھا گیا۔ نیز ان کا بچہ بھی ان سے الگ کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد یہ اپنے بچے کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔

اس کے بعد لوگ کثرت سے یکے بعد دیگرے مدینہ جانے لگے آخر مکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور علیؓ کے سوا کوئی مسلمان نہ رہا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

اہل مدینہ کا جوش وخروش کے ساتھ والہانہ استقبال

مشرکین کی چال جب مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مدینہ جا چکے اور اپنے بیوی، بچوں اور مال و دولت کو لے کر اوس اور خزرج کے پاس پہنچ چکے ہیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ مدینہ ان کے لیے ایک جائے امن بن چکا ہے۔ اور ویسے بھی اہل مدینہ شوکت و سطوت کے مالک ہیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ بھی وہیں تشریف نہ لے جائیں۔ ایسا ہوا تو یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ وہ دارالندوہ (مشورت خانہ) میں جمع ہوئے اس موقع پر وہاں کے حل و عقد میں سے کوئی بھی غیر حاضر نہ تھا۔ کہ آپ کے بارے میں صلاح کی جائے۔ نیز ان کا بڑا "ابلیس" بھی ایک نجدی بوڑھے کی صورت اختیار کر کے کمبل اوڑھے شریک ہوا۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خوب تبادلہ خیالات کیا۔ ہر آدمی اپنی رائے پیش کرتا لیکن یہ بوڑھا ابلیس اسے رد کر دیتا اور اس پر رضامندی ظاہر نہ کرتا۔

آخر ابوجہل کہنے لگا۔ میرے ذہن میں ایک ایسی اسکیم آئی ہے۔ جس تک ابھی تمہارا ذہن نہیں پہنچ سکا۔

کہنے لگے: وہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، میرا خیال ہے کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ کا ایک مضبوط اور نوجوان

میں پھر انہیں تیز تلواریں دیں اور وہ یکبارگی ایک آدمی کی طرح محمد پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح ان کا خون قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ اس کے بعد بنی عبد المناف کی کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ اب کیا کیا جائے؟ کس سے انتقام لیں؟ کیونکہ تمام قبائل سے دشمنی مول لینا ان کے لیے محال ہو گا آخر ہم سب مل کر ان کی دیت ادا کر دیں گے۔

بڑھا ابلیس کہنے لگا اس نوجوان نے کیا خوب کہا، خدا کی قسم رائے ہے تو یہ ہے!

کہتے ہیں کہ اس عہد کے بعد یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے وحی لے کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا کہ آج رات آپ اپنے بستر میں نہ سوئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو چہرہ ڈھانکے حضرت ابوبکر کے ہاں تشریف لائے یہ تشریف آوری بالکل خلاف معمول تھی۔

آپ نے فرمایا تمہارے ہاں جو آدمی ایسی ہو اسے باہر کر دو۔

انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے گھر کے ہی لوگ ہیں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے ہجرت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا مجھے شرف رفاقت حاصل ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

حضرت ابوبکر نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میرے پاس دو سواریاں ہیں ایک قبول فرمایئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت دے کر لوں گا! اور حضرت علیؓ سے فرمایا آج کی رات تم میرے بستر پہ سو جاؤ۔

قریش کے لوگ جمع ہو کر دروازے کی نگرانی کرنے لگے کہ موقع پاتے ہی ٹوٹ پڑیں۔ یہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کون سب سے بڑا بدبخت اور شقی ہو گا۔ جو یہ کام (قتل محمدؐ) انجام دے گا!

آں حضرتؐ کا مقصدِ ہجرت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے میدان سے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے اُن کے سر کی طرف پھینکا، کیفیت یہ تھی کہ وہ آپ کو دیکھ نہیں رہے تھے اور آپ یہ ایک آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وجعلنا من بين ايديهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشيناهم فهم لا يبصرون یعنی، اور ہم نے ان کے سامنے آڑ کر دی اور ان کے پیچھے آڑ۔ پس ہم نے ان پر بے ہوشی طاری کر دی کہ وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کی طرف تشریف لے گئے۔ بعدازاں دونوں خانۂ صدیق کے ایک خیمہ سے باہر نکلے۔ اس اثنا میں ایک آدمی آیا اور آپ کے دروازے پر لوگوں کو دیکھا تو پوچھا: کس کا انتظار کر رہے ہو!

جواب ملا محمدؐ کا!

وہ کہنے لگا تم نامراد و ناکام رہے۔ اللہ کی قسم وہ تمہارے قریب سے گزر کر جا چکے ہیں اور تمہارے سر پر مٹی ڈال کر گئے ہیں، وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم نے انہیں نہیں دیکھا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھے۔

ان کے نام جو آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یہ ہیں!۔ ابوجہل، ابولہب، ابی بن خلف اور حجاج کے دونوں لڑکے بنیہ اور منبہ۔ حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی۔

حضرت علیؓ اور کفارِ قریش

جب صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے اٹھے۔ کفار نے علیؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا، میں کیا جانوں!

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ مکڑی نے دروازے پہ جالا تن دیا اور عبداللہ بن اریقط لیثی کو جو راہ نما تھا۔ اجرت پر لے لیا گیا وہ قریش کے دین (شرک) پر تھا لیکن اس سلسلہ میں امین تھا۔ آپ

نے دونوں سواریاں اس کے حوالے کیں اور تین روز کے بعد غارِ ثور پر ملنے کا وعدہ فرمایا قریش نے جستجو میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، انہیں قافہ تک بھی سہنا پڑا۔ آخر غار کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اور وہاں ٹھہر گئے صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اگر کسی آدمی نے اپنے قدموں تلے دیکھ لیا تو ہم نظر آجائیں گے۔ آپ نے عرض کیا اے ابوبکرؓ تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے کہ جن کا تیسرا رفیق اللہ ہے۔ غم مت کرو کیونکہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور حالت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر بالائے سران کی باتیں سن رہے تھے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا معاملہ کفار پر پوشیدہ کر دیا۔ عامر بن فہیرہ بکریاں چرانے کے بہانے آپ کے پاس آیا کرتا اور مکہ کی خبریں سن کر آپؐ کو اطلاع کر دیا کرتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم نے انتظامِ سفر کیا اور ایک چمڑے کی تھیلی میں آپؐ کا زادِ راہ رکھ دیا۔ پھر اسماءؓ بنت ابی بکر نے اپنے نطاق (کمر بند) کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر تھیلی میں اس سے باندھ دیا اور دوسرا حصہ پھاڑ کر مشک کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے یہ ذات النطاقین کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اور مستدرک حاکم میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ نکلے۔ حضرت ابوبکر کبھی آپ کے سامنے چلتے اور کبھی پیچھے چلنا شروع کر دیتے آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ڈر ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی آنہ رہا ہو تو میں آپ کے پیچھے چلتا ہوں، پھر خطرہ ہوتا ہے کہ سامنے سے کوئی نہ آن دھمکے۔ چنانچہ آپ کے آگے آگے چلنے لگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکرؓ اگر کوئی تکلیف آئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بجائے تم اس سے دوچار ہو؟ انہوں نے جواب دیا: بے شک! قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

جب غار پر پہنچے، ابوبکر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ذرا اپنی جگہ پر رہیے میں آپ کے لیے غار صاف کر لوں۔ ابوبکرؓ اندر گئے اور اسے صاف کیا اور جب اوپر آنے لگے۔ پھر یاد آیا کہ ابھی تک سوراخوں کو صاف نہیں کیا، اس لیے پھر عرض کیا: اے اللہ

کے رسول ٹھہر یئے میں سوراخوں کو بھی صاف کر لوں۔ پھر اندر گئے اور سوراخوں کو بھی صاف کیا اس کے بعد عرض کیا اے اللہ کے رسول اندر تشریف لایئے پھر دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اور غار میں تین راتیں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ قریش کی تلاش ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر حاضر ہو گیا اور سفر شروع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور رہنما ان کے سامنے چلنے لگا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ اور ان کی رفاقت میں تھا۔ سفر کرنے اور منزل پر اترنے میں اللہ کی نصرت شامل تھی۔

جب کفار انہیں گرفتار کرنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپ کی اور ابوبکر کی گرفتاری کا انعام مقرر کر دیا، چنانچہ لوگوں نے سرگرمی سے تلاشی شروع کر دی اور اللہ تو اپنے امور پر غالب ہے۔ جب آپ بنی مدلج کے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے تو قبیلے کے ایک آدمی نے آپ کو دیکھ لیا اور اپنے قبیلہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں نے ساحل پر ایک سایہ سا دیکھا ہے اور یہ محمد اور اس کے اصحاب کے سوا اور کوئی نہیں۔ سراقہ بن مالک سارا معاملہ سمجھ گیا اس نے چاہا کہ وہ گرفتار کرے کہنے لگا نہیں بلکہ یہ تو فلاں فلاں آدمی ہیں جو اپنے کسی کام سے گئے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہرا۔ اس کے بعد اٹھ کر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اپنے خادم سے کہنے لگا کہ خیمے کے پیچھے سے گھوڑا نکال دو، میں ٹیلے کے پیچھے تمہیں ملوں گا۔ پھر اس نے نیزہ لیا اور اسے نیچا کر کے زمین پر لکیریں ڈالتا چل پڑا۔ جب وہ قریب ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سننے لگا۔ ابوبکر بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی جانب التفات نہ فرماتے۔

سراقہ بن مالک کا تعاقب

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول یہ سراقہ بن مالک ہم تک آن پہنچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے گھوڑے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ وہ کہنے لگا مجھے معلوم ہے جس جرم کی مجھے سزا ملی ہے یہ آپ کی بددعا کا نتیجہ ہے میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے، میں عہد کرتا ہوں کہ لوگوں کو آپ کی (تلاش) سے واپس کر دوں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ آزاد ہو گیا۔

اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے سند خوشنودی مرحمت فرمائیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چمڑے کے ٹکڑے پر آپ کے حکم سے تحریر لکھ دی۔

فتح مکہ تک یہ تحریر سراقہ کے پاس موجود تھی اس دن وہ تحریر لے کر حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صلہ عطا فرمایا اور فرمایا: آج وفا اور بھلائی کا دن ہے۔

سراقہ نے سند خوشنودی لے کر آپ کی خدمت میں زادِ راہ اور دو سواریاں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں بلکہ دشمن کی جستجو کو ناکام بنا دو وہ کہنے لگا آپ مطمئن رہیں اور واپس چلا گیا اور دیکھا کہ لوگ آپ کی تلاش میں ہیں کہنے لگا میں تمہارے لیے خبر لایا ہوں اور تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ یہ شخص دن کی ابتدا میں آپ کے خلاف تھا اور دن کے آخر میں آپ کا جانثار بن چکا تھا۔

مدینہ کے راستے میں آپ کا ایک معجزہ

پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ ام معبد خزاعیہ کے خیموں کے پاس سے گزرے یہ ایک توانا عورت تھی اور خیمے کے صحن میں بیٹھی ہوتی اور جو گزرتا اسے کھلاتی پلاتی۔ آپ نے پوچھا تمہارے ہاں کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر ہمارے یہاں کچھ ہوتا تو ہم آپ کی مہمان نوازی سے محروم نہ رہتے۔ بکری کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے کے ایک طرف ایک بکری دیکھی آپ نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا کمزوری کے باعث یہ بکری ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کا دودھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ اس مرحلہ سے گزر چکی ہے۔

آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ کو دودھ مل سکے تو آپ بے شک دوہ لیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لیا اور دعا فرمائی وہ قبول ہوئی اور بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ پھر آپ نے گھر والوں سے برتن طلب کیا اور اس میں دودھ نکالا۔ یہاں تک کہ جھاگ برتن پر چڑھ آیا۔ چنانچہ آپ نے

(ام معبد) کو دودھ پلایا اور وہ پی کر سیر ہو گئی اپنے اصحاب کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے۔ پھر آپ نے خود نوش فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن بھر گیا۔ پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے چلے، کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اس کا شوہر ابو معبد دبلی پتلی بکریوں کو ہنکاتا آگیا جو کمزوری کے باعث گری پڑتی تھیں۔ جب اس نے دودھ دیکھا تو تعجب ہوا، پوچھا یہ کہاں سے ملا؟ جبکہ بکری بھی خشک ہو چکی ہے اور گھر میں دودھ بھی نہ تھا وہ کہنے لگی، اللہ کی قسم ہمارے ہاں سے ایک مبارک انسان کا گزر ہوا جس کی بات اس طرح تھی اور ایسے ایسے اس کے حالات تھے۔

آں حضرت کا حلیہ اور شمائل

اس نے کہا، اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی آدمی ہے۔ جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اے ام معبد ذرا ان کی صفت تو بیان کرنا۔ ام معبد نے فرمایا ——— چہرہ تاباں، اخلاق پاکیزہ اور ستھرے بڑے سر نے آپ کو بوجھل نہیں کیا اور چھوٹے سر نے آپ کو عیب دار نہیں کیا، قامت وصورت، حسین وجمیل، آنکھیں فراخ اور سیاہ، بال کافی اور کالے، آواز جاندار، گردن مسطح، خوبصورت، سرگین، بلند قامت، اقرن (جس کی بھویں آپس میں ملی ہوں) خوب سیاہ بالوں والے، جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو وقار چھا جاتا ہے اور جب کلام فرماتے ہیں تو حسن طاری ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں سے زیادہ جمیل، دور سے دیکھو تو زیادہ خوبصورت اور قریب سے دیکھو تو سب سے زیادہ حسین اور جمیل، شیریں کلام، بزرگ، جن کی زبان پر فضول اور واہیات باتیں نہیں آتیں۔ کلام کیا ہے، پروئی ہوئی کوڑیاں ہیں جو ترتیب سے گرتی ہیں کوئی آنکھ ان میں پستہ قدی کا عیب نہیں نکال سکتی اور نہ لمبے قد کا نقص تلاش کر سکتی ہے۔ وہ دو شاخوں کے درمیان ایک ایسی شاخ ہے جو سب سے زیادہ تر وتازہ اور حسین ہے۔ اس کے رفقاء اسے گھیرے رہتے ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے وہ سنتے ہیں اور جب حکم کرتا ہے تو فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ مخدوم اور مطاع ہے، نہ تنگ نظر اور نہ بے مغز ہے۔

ابو معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم یہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق قریش باتیں کرتے ہیں۔

میں نے آپ کی مصاحبت کا ارادہ کر لیا ہے اور اگر مجھ سے یہ ہو سکا تو میں ضرور یہ کام کروں گا۔

مدینہ میں تشریف آوری اور استقبال

(دوسری طرف انصار کو معلوم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑے ہیں وہ ہر روز مدینہ سے نکل کر دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنی عادت کے مطابق گھروں کو واپس آ جاتے۔ یہ بعثت کا تیرھواں سال ربیع الاوّل کے مہینے کی بارہ تاریخ منگل کا دن تھا۔ حسب عادت (انصار) باہر آئے جب سورج کی گرمی تیز ہو گئی واپس لوٹ آئے (اتفاق) سے یہود کا ایک آدمی کسی ضرورت کے پیش نظر مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر چڑھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو دیکھا۔ جن کے آگے بڑھنے سے سراب زائل ہو رہا تھا۔ وہ (یہودی) زور سے چلایا۔ اے بنی قبیلہ یہ ہے وہ تمہارا سردار یہ تمہارا بزرگ ہے جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

انصار نے جلدی سے ہتھیار سجا لیے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کریں اور مرحبا اور تکبیر کی آوازیں بنی عمرو بن عوف میں گونجنے لگیں۔ مسلمانوں نے آپکی تشریف آوری کی خوشی کی، خوشی میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نبوت کی شان کے مطابق خوش آمدید کہا۔ چکر لگاتے ہوئے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، آپؐ یکسر سکون و طمانیت تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ

یعنی: پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی اس کا رفیق اور جبریل اور نیک لوگ ایمان والے اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

پھر آپ چل پڑے اور بنی عمرو بن عوف کے علاقے قباء میں اترے۔ آپ کلثوم بن ہدم کے پاس اترے ایک قول یہ ہے کہ سعد بن خیثمہ کے ہاں اترے پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ آپ بنی عمرو بن عوف کے ہاں چودہ شب تک مقیم رہے اور یہاں مسجد قباء تعمیر کی۔

مدینہ کی پہلی مسجد مسجد قبا نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی جس کی آپ نے بنیاد رکھی۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو آپ اللہ کے حکم کے مطابق سوار ہوئے۔ آخر بنی سالم بن عوف میں جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے وادی کے درمیان کی مسجد میں (صحابہ) کو جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد سوار ہوئے، لوگوں نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔ چنانچہ اونٹنی چلتی رہی۔ انصار کے جس گھر کے پاس آپ گزرے وہ فرمائش کرتا کہ آپ یہاں تشریف فرما ہوں، لیکن آپ فرماتے اسے چھوڑ دو، یہ مامور ہے۔ اسے جہاں اللہ کا حکم ہوگا بیٹھ جائے گی، وہ چلتی رہی۔ آخر کار اس جگہ پہنچی جہاں آج کل مسجد نبوی ہے اور بیٹھ گئی۔ آپ نہ اترے۔ پھر اٹھی اور تھوڑی سی چلی۔ پھر اس نے پچھلی جانب دیکھا اور لوٹ آئی اور پہلی جگہ پر بیٹھ گئی۔ پھر آپ اترے اور یہ بنی نجار میں سے آپ کے ننھیالی رشتہ دار کا مکان تھا۔ یہ اللہ کی توفیق سے تھا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک قریبی عزیز کے گھر میں اتارنا پسند فرمایا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔

اور حضرت ابوایوب انصاریؓ آپ کے کجاوے کی طرف عجلت سے حاضر ہوئے اور سامان اپنے گھر میں اٹھا لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان اپنے سامان سفر کے ساتھ ہوتا ہے اور صحیح حاکم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے ہمراہ کون ہجرت کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارے پاس سب سے پہلے مصعبؓ بن عمیر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے۔ یہ دونوں بزرگ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ پھر حضرت عمارؓ، بلالؓ اور سعد تشریف لائے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی میں نے دیکھا کہ لوگوں کو اس قدر کبھی بھی فرحت نہ ہوئی۔ جس قدر آپ کی تشریف آوری کے باعث ہوئی۔ یہاں تک کہ میں نے عورتوں بچوں اور لونڈیوں کو کہتے دیکھا یہ اللہ کے رسول تشریف لائے ہیں۔

اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لائے اس سے زیادہ میں نے کوئی حسین اور روشن دن نہیں دیکھا اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

بہرحال آپ نے حجرے اور مسجد کی تعمیر ہونے تک حضرت ایوب کے گھر میں قیام فرمایا آپ حضرت ابوایوب کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ زید بن حارثہ اور ابورافع کو دو اونٹ اور پانچ صد درہم دے کر مکہ کی طرف بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ نیز حضرت سودۃ بنت زمعہؓ (جو آپ کی زوجہ محترمہ تھیں) اور اسامہ بن زید، ان کی والدہ ام یمن کو لے کر واپس آ گئے۔ البتہ حضرت زینب کو ان کے خاوند ابو العاص بن ربیع نے نہ آنے دیا اور عبد اللہ بن ابی بکر حضرت ابوبکر کے اہل اعیال کو لے کر چلے آئے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بھی تھیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر

زہری فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مسجد کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت مسلمان یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ جگہ دو یتیم انصاری لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت میں تھی اور یہاں راونٹوں کے باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی جو اسعد بن زرارہ کی زیر پرورش تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکوں سے اس زمین کی فروخت اور تعمیر مسجد پر گفتگو کی اور دونوں کہنے لگے، نہیں بلکہ اے اللہ کے رسول ہم اسے آپ کی خاطر قیمت کے بغیر ہبہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے ان سے یہ زمین دس دینار میں خرید لی۔ اس وقت یہ صرف چار دیواری کی صورت میں تھی، اس کی چھت نہ تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اسعد بنؓ زرارہ یہیں پر مسلمانوں کو نماز اور جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور اس میں غرقد اور کھجور کے درخت تھے۔ اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں۔ کھجور اور دوسرے درخت کاٹ دیئے گئے اور قبلہ کی طرف سے مسجد ہموار کی گئی۔ اور قبلہ کی مسجد کا طول ایک سو گز اور دوسری طرف اس قدر یا اس

سے کم بنایا گیا اور تین گز بنیاد بنائی گئی۔ اس کے بعد کچی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعمیر میں حصہ لیتے اور اینٹیں اور پتھر اٹھا کر لاتے اور یہ شعر پڑھتے:

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ

فاغفر للانصار والمھاجرۃ

یعنی: اے اللہ زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اس مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا اور تین دروازے بنائے گئے۔ ایک آخر میں دروازہ بنایا گیا۔ دوسرا باب الرحمۃ اور تیسرا دروازہ تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے ستون کھجور کے تنے سے بنائے گئے اور چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی۔ عرض کیا گیا آپ اس کی چھت نہ ڈالیں گے؟ آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے خیمے کا سا کوئی خیمہ نہیں اور آپ نے مسجد کے متصل کچی اینٹوں سے حجرے تعمیر کروائے اور ان پر کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھت ڈلوائی۔ جب اس کام سے فارغ ہو گئے تو مسجد کے مشرقی حصہ کے متصل حضرت عائشہ کے لیے ایک حجرہ تعمیر کردایا اور یہی آج آپ کی آرام گاہ ہے۔ حضرت سودۃ زمعہ کے لیے دوسرا حجرہ بنوایا۔

انصار اور مہاجرین کے درمیان مؤاخات

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضؓ بن مالک کے گھر میں انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی۔ یہ کل نوّے آدمی تھے نصف انصار اور نصف مہاجر تھے۔ آپ نے ان کے درمیان ذوی الارحام کے علاوہ موت کے بعد ان کی وراثت کی بنیاد پر مواخات قائم فرمائی آخر جب غزوہ بدر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔

یعنی: اور قرابت دار اللہ کی کتاب میں بعض کے لیے زیادہ مستحق ہیں۔

تو مرنے کے بعد وراثت کا معاملہ صرف اقارب تک محدود ہو گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور اس دوسری مرتبہ حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا۔ پہلا قول قوی ہے۔ اگر آپ کسی مہاجر سے اپنی اخوت قائم فرماتے تو آپؐ کی اخوت کے سب سے بڑے مستحق وہ تھے جو آپ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہجرت میں آپ کے مصاحب غار میں آپؐ کے انیس تمام صحابہؓ سے افضل واکرام تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن یہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اسلام کی بنیاد اخوت پر ہے۔ یہاں عام اخوت مراد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے معاہدہ صلح کیا۔ اور ایک عہد نامہ لکھ دیا۔

یہود کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام سرعت سے حاضر ہوئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ عام یہود کفر پر جمے رہے۔

(قوم یہود) کے تین قبائل تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ تینوں نے آپؐ سے جنگ کی۔ آپ نے قینقاع پر احسان فرمایا: بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنو قریظہ قتل ہوئے۔ اور ان کی اولاد کو غلام بنا لیا گیا۔ بنو نضیر کے متعلق سورہ حشر اور بنو قریظہ کے متعلق سورۃ احزاب نازل ہوئی۔

تحویل قبلہ اور مومنین کا امتحان

یہود، نصاریٰ اور مشرکین کی قیاس آرائیاں

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن چاہتے تھے کہ کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل جائے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قوم یہود کے قبلہ سے میرا رخ بدل دے۔

انہوں نے عرض کیا، اپنے رب سے دعا کیجیے اور درخواست پیش کیجیئے، کیونکہ میں تو فقط بندہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے اور اس لگائے رکھتے کہ شاید حکم مل جائے آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولينك قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام۔

یعنی: ہم آپ کا رخ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں پس ہم یقیناً اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ چاہتے ہیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیئے۔

یہ واقعہ مدینہ تشریف آوری کے سولہ ماہ بعد غزوہ بدر سے دو ماہ قبل پیش آیا۔ محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ہمیں ہاشم بن قاسم نے انھیں ابو معشر نے بتایا انھیں محمد بن کعب قرظی سے روایت ملی فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے کسی نبی سے قبلہ یا سنت کے معاملہ میں خلاف نہیں کیا۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کیے رکھا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذی اوحينا اليك الآیہ۔

"بلا شبہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ ایک عظیم حکم اور مسلمانوں، مشرکین، یہود اور منافقین کا امتحان تھا، چنانچہ مسلمانوں نے کہا ہم ایمان لائے اور اطاعت کی اور کہا ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ سب ہمارے ہی رب کی طرف سے ہے، مشرکین نے کہا بس طرح ہمارے قبلہ کی طرف محمدؐ رجوع کر آئے ہو سکتا ہے کہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں، حالانکہ آپؐ نے محض حق کی بنا پر رجوع فرمایا تھا، اور قوم یہود کہنے لگی کہ انہوں نے اس سے قبل قبلہ انبیاء کی مخالفت کی۔ اگر یہ نبی ہوتے تو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔ اور منافقین کہنے لگے ہم نہیں سمجھتے کہ محمدؐ کس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں! اگر پہلی صورت حق یہ تھی تو انھوں نے اسے ترک کر دیا۔ اور اگر دوسری صورت حق تھی تو پہلے باطل پر تھے۔

اس طرح جہلا کی جانب سے کئی باتیں کی جانے لگیں اور جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہوا یعنی وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین ھدی اللہ، یعنی اگرچہ یہ تحویل قبلہ بھاری ہے مگر ان پر بھاری نہیں جن میں اللہ نے ہدایت دی۔"

بلاشبہ اللہ کی جانب سے اپنے بندوں کا امتحان تھا تاکہ دیکھے کہ کون رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے! اور کون اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتا ہے۔

ایک اہم اور عظیم واقعہ چونکہ کعبہ کی شان اور اس کا معاملہ ایک عظیم واقعہ ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے منسوخ کیا اور فرمایا کہ وہ اس سے بہتر یا اسی جیسا حکم نافذ کرے گا۔ اس کے بعد جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا، خدا کی طرف سے اسے زجر و توبیخ کی جاتی۔ اس کے بعد یہود و انصاری کا اختلاف ذکر کر کے بتایا کہ یہ آپس میں کہا کرتے ہیں کہ تم کسی راہ پر نہیں ہو اور بندوں کو ان کی موافقت کرنے اور خواہشات کے اتباع سے منع فرمایا، اس کے بعد ان کا کفر و شرک بیان کیا اور ان کا قول بتایا کہ یہ کہتے ہیں خدا کا بیٹا ہے، حالانکہ وہ اس اتہام سے پاک اور بلند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مشرق مغرب اسی کا ہے اور بندے جدھر اپنا رخ کرتے ہیں وہ اس طرف موجود ہوتا ہے اور وہ بہت ہی عطا کرنے والا جاننے والا ہے۔ اسی لیے اس کی عظمت و وسعت اور احاطہ کے

باعث بندے کا رخ جس طرف بھی ہوگا اللہ تعالیٰ کو پا لے گا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے دوزخیوں کے متعلق باز پرس کریگا۔ جو اُسکی تصدیق و اتباع نہیں کرتے۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تب تک راضی نہ ہونگے جب تک کہ وہ ان کی اطاعت نہ کریں۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ کے مقابلہ میں انکا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار اسکے بعد اہل کتاب پر کیے گئے انعامات اور خوف قیامت کا تذکرہ فرمایا اور خانہ کعبہ کے معمار حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ کیا اور ان کی مدح و تعریف فرمائی اور بتایا کہ ہم نے انھیں تمام لوگوں کا امام بنادیا۔ اس کے بعد اپنے گھر بیت الحرام کا تذکرہ فرمایا اور حضرت خلیل علیہ السلام کو جس طرح تمام لوگوں کا امام بنایا تھا اسی طرح بیت اللہ کو بھی ان سب کا امام (قبلہ و مرکز) قرار دیا۔ پھر بتایا کہ جو اس امام سے سرکشی کرے گا وہ تمام لوگوں سے زیادہ نادان اور بے مغز ہوگا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان کی اقتدا کریں اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان لائیں۔ پھر جن لوگوں نے حضرت ابراہیم اور ان کے اہل بیت کو یہودی یا نصرانی کہا، ان کے قول کو رد کیا۔ ان تمام مباحث کو تحویلِ قبلہ کا مقدمہ بناکر ذکر کیا۔

ان تمام احتیاطوں کے باوجود تحویل قبلہ کا فیصلہ لوگوں کو سخت ناگوار گذرا، سوا ان لوگوں کے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ سیدھے راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے چنانچہ انھیں قبلہ کی طرف ہدایت فرمائی اور یہی وہ قبلہ ہے جو ان کے قابل ہے اور امت محمد اس کی اہل ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ قبلہ ہے اور وہ تمام امم سے متوسط اور افضل ہے۔

افضل قبلہ افضل اُمت کے لیے

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے افضل قبلہ کو افضل امت کے لیے منتخب فرمایا جیسے ان کے لیے سب سے زیادہ افضل رسول اور سب سے زیادہ افضل کتاب منتخب فرمائی اور انھیں خیر القرون میں بھیجا اور سب سے افضل شریعت عطا فرمائی اور اسے اعلیٰ اخلاق دیا اور افضل مقام مرحمت فرمایا اور جنت میں اس کے لیے سب

سے اچھے گھر بنائے اور قیامت کے روز ان کے لیے سب سے اعلیٰ موقف بنایا جو ایک اونچے ٹیلے پر ہوگا باقی لوگ نیچے ہوں گے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہتی ہے اپنی رحمت سے مختص فرماتی ہے اور یہ اللہ کا کرم ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل والا ہے۔

جہاد کی فضیلت

مجاہد کے مراتب، شہید اور غازی

آں حضرتؐ کا معمول اور سنّت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے عوض اس کے بنانے کو بشرطیکہ وہ خیر کی خواہش رکھتا ہو تیر کھینچنے والے اور چلانے والے سب کو جنت میں داخل فرمائے گا لہٰذا تیر اندازی کرو، سواری کرو اور سواری سے تمہارا تیر چلانا میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور آدمی..... کا لہو و لعب باطل ہے۔ سوا کمان کے ساتھ تیر چلانا یا اپنے گھوڑے کو جنگی کاموں کے لیے سدھانا اور اپنی بیوی سے پیار کا برتاؤ کرنا، جسے اللہ تعالیٰ نے تیر اندازی سکھائی پھر وہ اسے بے پروائی کے باعث بھول گیا تو اس نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا۔ (مسند احمد)

اور اہل سنن و ابن ماجہ کی روایت ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا اس نے میری نافرمانی کی۔

امام احمد نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا، مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ ہر اچھی چیز کی جڑ یہی ہے اور تجھ پر جہاد کرنا لازم ہے کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے اور تجھ پر ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن لازم ہے۔ کیونکہ یہ آسمان پر تیری حیات ہوں گے اور زمین پر تیرے بارے نیز آپؐ نے فرمایا جو مر گیا اور اس نے جہاد نہ کیا یا جہاد کی تیاری نہ کی یا مجاہد کے اہل سے کوئی بھلائی نہ کی اسے قیامت سے قبل ضرور دکھ پہنچے گا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ درہم و دینار (خرچ کرنے) سے بخل کریں گے اور سود کا کاروبار کریں گے اور پھر پاؤں کے پیچھے چل پڑیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر مصائب نازل کرے گا اور اس وقت تک وہ مصائب دور نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آئیں۔

ابن ماجہ نے حدیث نقل کی ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کے بدن پر جہاد کا ذرا بھی نشان نہ ہو (اس کے بدن پر) نشان (نافرمانی) ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی، اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت ابوایوب فرماتے ہیں ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب ترک جہاد ہے۔

نیز صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت زیر سایہ شمشیر ہے۔ نیز آپ سے مروی ہے فرمایا، کہ جو مال دینار او دراہم زر کے لیے جہاد کرے وہ اجر سے محروم ہے۔

آپ دن کے آغاز میں جہاد پسند فرماتے ہیں جس طرح سفر کے لیے ابتدائے دن کو موزوں سمجھتے تھے اور اگر ابتدائے دن میں جنگ شروع نہ کرتے تو غروب آفتاب، ہواؤں کے چلنے اور نزول نصرت خدا تک مؤخر فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

جو آدمی بھی فوت ہوا اور اللہ کے ہاں اس کا اچھا مقام ہو۔ تو وہ دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے سب کے عوض بھی دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا۔ سوائے شہید کے کہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اسے دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے اور اسے دوبارہ قتل کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے اسے دس بار قتل کیا جائے۔

جب غزوہ بدر کے موقع پر حارثہ بنت نعمان کا لڑکا شہید ہو گیا تو وہ پوچھنے لگی میرا بچہ کہاں ہے!

آپ نے فرمایا، کہ وہ فردوس اعلیٰ میں ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش پر معلق قندیلیں ہیں۔ وہ جنت

میں جہاں چاہتی ہیں بسر کرتی رہتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں کی طرف چلتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی طرف جھانکتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ کیا تمہیں مزید کسی چیز کی تمنا ہے؟ (شہداء) عرض کرتے ہیں ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں بسر کرتے ہیں۔ اب ہم کس بات کی تمنا کریں! اللہ تعالیٰ تین بار ان سے دریافت فرماتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جواب دیے بغیر چھٹکارا نہ ہوگا۔ تو کہتے ہیں اے پروردگار۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری ارواح کو ہمارے اجسام میں لوٹا دے حتیٰ کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں۔ چنانچہ جب (اللہ) دیکھتا ہے کہ انہیں حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے کئی انعامات ہیں یہ کہ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اس کی جگہ دکھا دی جاتی ہے۔ اسے ایمان کا لباس پہنایا جاتا ہے اور حور العین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے، اسے عذاب قبر سے پناہ دی جاتی ہے اور وہ بڑے دن (قیامت) کی گھبراہٹ سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا وما فیہا سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے اور حسین آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ستر اقارب کے لیے سفارش کر سکتا ہے (احمدؒ ترمذی)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے کیا فرمایا!

انہوں نے عرض کیا ارشاد!

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے حجاب کے بغیر کلام نہیں فرمایا اور تیرے والد کے ساتھ کھلم کھلا گفتگو کی۔ فرمایا اے میرے بندے میرے حضور سب اپنی تمنائیں کر میں اسے پورا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا، اے پروردگار مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیری راہ میں پھر سے لذتِ قتل حاصل کروں۔ (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: کہ یہ تو طے ہے کہ دوبارہ (دنیا کی طرف) لوٹایا نہ جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار پھر ہمارے پیچھے پیغام پہنچا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

شہداء کا مرتبہ، درجہ اور حیثیت

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔

یعنی ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں وہ اپنے پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں۔

اور سنن میں آیا ہے کہ شہید کی اپنے ستر گھر والوں کے بارے میں سفارش قبول ہوتی ہے۔

مسند میں مروی ہے کہ افضل شہداء وہ ہیں کہ جو لڑائی کی صف میں اس طرح جائیں کہ ادھر ادھر توجہ نہ کریں، یہاں تک کہ قتل ہو جائیں۔ وہی جنت کے اعلیٰ مقامات کی طرف دوڑ رہے ہیں اور تیرا پروردگار ان کو دیکھ کر (مسرت سے) ہنستا ہے۔ اور جب دنیا میں تیرا رب کسی کی طرف دیکھ کر ہنس دے تو پھر کوئی حساب کتاب نہیں۔

اور شہداء کے کئی مراتب ہیں۔

(۱) ایک وہ آدمی جو مومن ہے، اس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ یہ وہ شہید ہے جس کی طرف لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گردن اٹھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی مائل بہ سقوط ہو گئی۔

(۲) دوسرا آدمی وہ مومن ہے جس نے دشمن کا مقابلہ کیا گویا اس کی جلد پر کانٹا چبھ رہا ہے۔ اسے تیر آن کر لگا اور وہ قتل ہو گیا یہ دوسرے درجہ میں ہے۔

(۳) وہ مومن جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ نیک عمل کیے اور برائی بھی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کی تصدیق کی، اور قتل ہو گیا تو یہ آدمی تیسرے درجے میں ہے۔

(۴) اور ایک آدمی جس نے اپنے رب پر بہت ہی زیادہ ظلم و زیادتی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا اللہ کی تصدیق کی، یہاں تک کہ قتل ہو گیا تو یہ چوتھے درجہ میں ہے۔

اور مسند و صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ مقتول تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ مومن جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے، دشمن کا مقابلہ کرے اور راہ خدا میں شہید ہو جائے تو یہ ممتحن شہید ہے جو (اللہ) کے عرش کے نیچے اس کے خیمہ میں ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف بہ اعتبار نبوت اس سے افضل ہے۔ دوسرا وہ مومن جس نے گناہ

کیا، برائیاں بھی کیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا، یہاں تک کہ دشمن سے مل کر اس سے جنگ کی اور قتل ہو گیا تو ایک ہی آواز نے اس کے گناہ اور برائیاں مٹا دیں اور تلوار نے اس کے گناہ ختم کر دیئے اور وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکے گا۔ کیونکہ اس کے آٹھ دروازے ہیں اور دوزخ کے سات۔ اور تیسرا وہ منافق جس نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا، دشمن کا مقابلہ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ آخر قتل ہو گیا۔ تو وہ آگ میں جائے گا (یہ جہاد) اس کے نفاق کو نہ مٹا سکے گا۔ نیز صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کافر اور اس کا قاتل دوزخ میں کبھی بھی جمع نہ ہوں گے۔

سب سے بڑا جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ نیز مروی ہے کہ آپ کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جہاد کرتا رہے گا۔ اور انہیں نیچا دکھانے اور مخالفت کرنے والا ضرر نہ دے سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے متعلق اپنے اصحابؓ سے فرار نہ ہونے کی بیعت لیا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ نے موت پر بھی بیعت لی ہے، جہاد پر بھی بیعت لی ہے۔ جس طرح اسلام پر قائم رہنے کی بیعت لی ہے اور فتح سے قبل ہجرت پر بیعت لی ہے، توحید پر، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لی ہے اور فقراء صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لی ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگیں گے اس کے بعد حال یہ تھا کہ کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ اسے پکڑنے کے لیے خود اترتا اور کسی سے نہ کہتا کہ ذرا اسے اٹھا دو۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد دشمن اور منازلِ سفر کے متعلق صحابہؓ سے بہ کثرت مشورہ فرماتے۔

آں حضرت اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے

مستدرک میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحابؓ سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔ نیز آپ سفر میں پیچھے رہتے کمزور

کو ساتھ ملا کر چلاتے اور نہ چل سکنے والے کو ساتھ سوار کر لیتے اور چلنے میں آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ نرم روی سے کام لیتے اور جب آپؐ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو جنگی چال سے کام لیتے۔ مثلاً آپ نے جب غزوہ حنین کا ارادہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ نجد کا راستہ کون سا ہے اور اس کا پانی کیسا ہے اور وہاں کون کون دشمن ہے وغیرہ[1]!

آپ فرمایا کرتے کہ لڑائی فراست کا نام ہے۔ نیز آپ جاسوسوں کو بھی ارسال فرماتے وہ دشمن کی خبریں لاتے اور اس کے عساکر کا پتہ چلاتے اور جب آپ دشمن کو دیکھ پاتے تو ٹھہر جاتے دعا کرتے اور اللہ سے مدد چاہتے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے اور اپنی آواز نرم رکھتے اور آپ لشکر مرتب کرتے۔ ہر سمت میں صفیں قائم کرتے اور سامنے کی جانب مبارزت فرماتے۔ آپ جنگ کے لیے مخصوص لباس پہنتے۔ بسا اوقات آپ نے دو زرہیں بھی زیب تن کیں۔ نیز آپ کے پرچم اور جھنڈے بھی ہوتے۔ جب آپ کسی قوم سے مقابلہ کرتے تو تین دن تک وہاں ٹھہرتے پھر واپس آتے۔ جب حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو انتظار فرماتے۔ اگر وہاں اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے۔ ورنہ حملہ کر دیتے۔ کبھی آپ دشمن پہ رات کو حملہ کرتے اور کبھی دن کو اچانک حملہ کر دیتے اور آپ جمعرات کو صبح سویرے نکلنا پسند کرتے اور جب لشکر کسی جگہ اترتا تو آپؐ ایک دوسرے کو اس طرح ترتیب دیتے کہ اگر ان پر چادر ڈال دی جاتی تو سب کو کافی ہو جاتی۔ نیز آپؐ صفیں مرتب کرتے اور جنگ کے وقت اپنے ہاتھ سے انہیں ٹھیک فرماتے اور کہتے اے فلاں آگے بڑھو، اے فلاں پیچھے ہٹ جاؤ۔ آپ اس آدمی کو پسند فرماتے جو اپنی قوم کے جھنڈے تلے جنگ کرے اور جب دشمن سے ملاقات کرتے تو فرماتے:

اللھم منزل الکتاب ومجری السحاب وھازم الاحزام اھزمھم وانصرنا علیھم ــــــ یعنی اے اللہ کتاب نازل کرنے والے اور بادل چلانے والے اور عساکر کو شکست دینے انہیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

---

[1] یعنی حنین کی بجائے نجد کی معلومات حاصل فرمائیں لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہم نجد جائیں گے کیونکہ یہ فلسفہ بیانی ہوتی اور پیر نبی معصوم ہوتا۔ (رئیس احمد جعفری)

نیز یہ دعا بھی کیا کرتے ،

یعنی: اے اللہ تو ہی میرا بازو ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے اور تیری ہی مدد ہی سے میں جنگ کرتا ہوں ۔"

جب جنگ خوب تیز ہو جاتی اور لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور دشمن آپ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا تو فرمایا کرتے ۔

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں (یہ) جھوٹ نہیں ۔

میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں ۔

اور جب لڑائی خوب گرم ہو جاتی تو لوگ آپ کے پاس آن کر پناہ چاہتے آپ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ۔

جنگ کے موقع پر مسلمانوں کے خفیہ شعار

نیز لڑائی میں آپ صحابہؓ کا ایک نشان مقرر فرما دیتے ۔ جب وہ آپس میں ملیں (تاکہ دشمن دھوکہ دے کر شریک نہ ہو سکے ایک بار ان کا شعار یہ تھا امت امت ایک بار یا منصور شعار مقرر کیا گیا ایک بار حم لا ینصرون شعار تھا آپ زرہ اور خود پہن لیتے اور اور تلوار کو قلادے میں رکھتے ۔ نیزے اور عربی کمان اٹھاتے ہوئے ۔ نیز آپ ڈھال سے بھی تحفظ فرماتے اور لڑائی میں آپ اکڑ کر چلنے کو پسند کرتے ۔ آپ نے منجنیق سے کام لیا اور اسے اہل طائف کے لیے استعمال کیا آپ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے ۔ لڑائی کے دوران میں آپ جسے بالغ سمجھتے اسے قتل کرتے اور جو بالغ نہ ہوتا اسے قتل کرنے سے حیا کرتے ۔ جب آپ کوئی فوج بھیجتے تو اسے اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے اور فرماتے اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں سفر شروع کرو اور جو اللہ کا انکار کرے اس سے جنگ کرو اور مثلہ (ہاتھ پاؤں کاٹنا) نہ کرو اور نہ دھوکہ دو اور نہ بچے کو قتل کرو ۔ نیز آپ دشمن کے علاقہ کی طرف قرآن مجید لے کر سفر کرنے

کی ممانعت فرماتے اور آپ فوج کے امیر کو حکم دیتے کہ دشمن سے جنگ کرنے سے قبل اسے دعوت دو۔ یا اسلام اور ہجرت قبول کرے یا ہجرت کے بغیر محض اسلام قبول کرے لیکن مؤخر صورت میں مسلمانوں کی طرح غنیمت کا حق دار نہ ہوگا اور یا پھر جزیہ ادا کرے۔ اگر یہ شرائط قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ اللہ سے مدد چاہو۔ اور جنگ کرو اور جب آپ دشمن پر ظفریاب ہوتے تو منادی کرنے کا حکم فرماتے اور تمام غنائم جمع کی جاتیں اور چھنی ہوئی چیزیں مالکوں کو دی جاتیں۔ پھر مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ (خمس) نکال لیتے اور باقی فوج پر تقسیم کر دیتے۔ سوار کو تین حصے مرحمت فرماتے۔ ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ فرماتے یہی مسلک آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور غنیمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ اسے صفی کہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا صفی میں سے تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بنی زہیر بن قیس کی طرف جو مکتوب مبارک ارسال فرمایا اس میں ہے کہ اگر تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کرو اور صفی ادا کرو، تو تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی امان ہے اور آپ کی ذوالفقار نام کی تلوار بھی صفی میں سے تھی اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر جو غزوہ سے غائب ہوتا تو اس کا آپ حصہ مقرر فرماتے جیسے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدر میں حصہ مقرر کیا۔ جب وہ غزوہ بدر میں آپ کی صاحبزادی کی تیمارداری کے باعث حاضر نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے کام میں گیا ہے۔ چنانچہ ان کا حصہ نکالا گیا۔

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم جنگ کے موقع پر خرید و فروخت کرتے تھے۔ آپ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے ایک آدمی نے عرض کیا کہ مجھے آج اس قدر نفع حاصل ہوا ہے کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کس قدر؟ اس نے عرض کیا میں خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ تین سو اوقیہ حاصل کر لیے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں زیادہ نفع کی بات بتاؤں؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کے بعد دو رکعتیں (نوافل) نیز (صحابہ رضی اللہ عنہم) غزوات میں دو طریق پر خدمات مستعار لیتے تھے۔ ایک یہ کہ آدمی جہاد کے

لیے جائے اور اثنائے سفر میں خدمت کے لیے آدمی نوکر رکھ لے۔ دوسرے یہ کہ جو جہاد میں جا رہا ہے وہ دوسرے کا مال اجرت پر لے لے اسے جعائل کہا کرتے تھے۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غازی کے لیے اس کا اپنا اجر ہے اور جاعل کے لیے (جعل یعنی مال دینے کا) اجر اور غازی کے (دونوں) اجر ہیں۔

اور مال غنیمت میں دو طرح شرکت کیا کرتے تھے۔ ایک شرکت بدنی دوسرے یہ کہ ایک آدمی اپنا اونٹ یا گھوڑا دوسرے کو اس شرط پر دیتا ہے کہ اس پر چڑھ کر جہاد کرے اور جو مال غنیمت ملے اس کا نصف اسے ادا کرے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک تیر کے دو حصے کیے گئے۔ چنانچہ ایک کو تیر مل گیا اور دوسرے کو اس کا پھلا اور پر ملا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمارؓ اور سعدؓ نے بدر کے دن مشارکت کی۔ حضرت سعدؓ دو قیدی لے آئے میں اور عمارؓ خالی ہاتھ آئے۔ کبھی آپؐ سوار فوج اور کبھی فوج ارسال فرماتے۔ لیکن فتح ہو جانے کے بعد جو آتا اس کا حصہ مقرر نہ فرماتے۔

دشمن کا مال بھی ناجائز طور پر نہیں کھایا جا سکتا

غزوات میں آپ کے ہمراہ مسلمان شہد، انگور اور کھانا حاصل کرتے تو کھا لیتے اور اسے مغانم میں نہ دیے جاتے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک لشکر نے کھانا نیز شہد مال غنیمت میں حاصل کیا۔ آپؐ نے اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول نہ فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مغفل کو خیبر کے دن چربی کا ایک مشکیزہ ملا۔ وہ کہنے لگے آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا۔ (ابو داؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور مسکرا دیئے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت ابن ابی اوفیٰ سے دریافت کیا گیا۔ کیا آپؐ رسول اللہ صلی اللہ کے عہد میں از قبیل طعام اشیاء کا خمس دیا کرتے تھے! انہوں نے فرمایا: فتح خیبر کے دن ہمیں کھانا ہاتھ لگا۔ جو بھی آتا حسب ضرورت لے کر چلا جاتا۔ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں اخروٹ کھا لیا کرتے اور تقسیم نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم اپنے سامان سفر کے پاس آتے اور اسے بھرا ہوا پاتے۔

دشمن کی لاش کا بھی حلیہ نہیں بگاڑا جا سکتا

آپؐ غزوات میں لوٹ مار کرنے اور مثلہ (ناک وغیرہ مقتول کی کاٹنا) کرنے سے منع فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بار لوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک مرتبہ لوٹ کے مال سے چند دیگچیاں چولہے پر رکھی گئیں۔ آپ نے انہیں الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ابو داؤد نے ایک انصاری کی روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ لوگوں کو سخت حاجت لاحق ہوئی اور بڑی مشقت اٹھانی پڑی پھر انہیں مالِ غنیمت ملا تو تقسیم کرنے کی بجائے اسے لوٹ لیا۔ (اس لوٹ کے مال سے) ہماری دیگچیاں ابل رہی تھیں کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان کے سہارے چلتے ہوئے تشریف لائے اور اسی سے دیگچیاں الٹ دیں۔ پھر فرمایا۔

لوٹ کا مال مردار سے حلال نہیں ہوتا اور مردار لوٹ سے حلال نہیں ہوتا۔

نیز آپ نے مالِ غنیمت کے جانور پر سواری کرنے کی ممانعت فرمائی کہ جب کمزور ہو جائے تو لوٹا دے اور اسی طرح مالِ غنیمت میں سے لباس نہیں پہنا کہ جب پرانا ہو جائے تو لوٹا دے (اس کی بھی ممانعت فرمائی) البتہ حالتِ جنگ میں اس سے استفادہ کرنے کی ممانعت نہیں کی۔

خیانت کسی حالت میں جائز نہیں

اور آپؐ غلول (خیانت کر کے مال چھپا لینا) کی سخت ترین مخالفت کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے یہ قیامت کے دن اس کے مرتکب پر عار ہوگی، آگ ہوگی اور رسوائی ہوگی۔ جب آپؐ کے غلام مدعم کو تیر لگا تو صحابہ کہنے لگے: اسے جنت مبارک ہو گی۔

آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے غزوہ خیبر کے دن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے جو چادر اس نے لے لی تھی وہ اس پر آگ کی صورت میں جلائی جا رہی ہے یہ سن کر ایک آدمی ایک یا دو تسمے لے آیا، تو آپؐ نے فرمایا ایک یا دو تسمے آگ کے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ غلول اور

اس کی شدت اور برائی کا ذکر کیا اور فرمایا میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس طرح نہ ملوں کہ اس کی گردن پر بکری سوار ہو اور ممیا رہی ہو یا گھوڑا اس کی گردن پر سوار ہنہنا رہا ہو۔ اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے اور میں کہوں گا کہ تیرے لیے میرے بس میں کچھ نہیں۔ میں نے تمہیں (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کسی کی گردن پر خاموش (سونا چاندی) سوار ہو اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے میں کہوں گا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کوئی ایسا ہو کہ جس کی گردن پر گٹھری رکھی ہو، جس سے اس کا سانس بند ہو رہا ہو اور وہ کہے۔ اے اللہ کے رسول میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا تیرے متعلق مجھے کچھ اختیار نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کے احکام) پہنچا دیے تھے۔ نیز سامان کے ایک پہریدار کے مرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا یہ آگ میں ہے۔

چنانچہ (صحابہؓ) گئے اور اس کی تلاشی لی تو دیکھا کہ اس نے ایک عبا کی خیانت کی تھی۔

ایک غزوے میں صحابہؓ نے کہا کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ فلاں بھی شہید ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے دوزخ میں ایک چادر یا عبا کی وجہ سے دیکھا جو اس نے خیانت سے چھپالی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابنِ خطاب جاؤ اور جا کر لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں ایمان والوں کے سوا کوئی داخل نہ ہو گا۔

خیبر کے دن ایک آدمی فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنے ساتھی کا جنازہ (خود) ہی پڑھ لو۔ (یہ سن کر) مارے غم ا کے لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے اللہ کی راہ (کے مال میں) کچھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سامان کی تلاشی لی تو یہودیوں کا ایک منکہ دستیاب ہوا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔

جب آپؐ کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو حضرت بلالؓ کو حکم فرماتے سب لوگ مالِ غنیمت لے کر حاضر ہو جاتے آپؐ اس کا خمس نکال لیتے اور (باقی) تقسیم فرما دیتے۔ ایک آدمی

تقسیم کرنے کے بعد بالوں کی ایک لگام لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے بلال کی ندا تین بار سنی! اس نے عرض کیا ہاں!

آپؐ نے فرمایا کہ پہلے لانے میں کیا رکاوٹ پیش آئی تھی! اس نے عذر کیا۔ آپ نے فرمایا تو اسے قیامت کے روز لائے گا اب میں تجھ سے ہرگز قبول نہ کروں گا![1]

جنگ آج سے ۱۴ برس پہلے بھی ہوتی تھی آج بھی ہوتی ہے، دشمن کے سپاہی آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی لڑتے تھے، آج بھی لڑتے ہیں، آج سے ۱۴ سو برس پہلے کا زمانہ جہالت کا زمانہ تھا، بربریت سفاکی، دحشت اور جفا کاری کا زمانہ تھا آج کا زمانہ، انسانیت، تہذیب، شائستگی اور مدنیت کا زمانہ ہے، لیکن کیا آج کے زمانے میں بھی دشمن کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے، وہی رعایتیں کی جاتی ہیں۔ وہی سہولتیں عطا ہوتی ہیں جو آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے امی نے عطا فرمائی تھیں!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک عظیم الشان انقلاب سے دنیا کو روشناس کیا اور یہ ایسا انقلاب تھا، جو آج بھی بالکل تازہ اور نیا معلوم ہوتا ہے۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی یاد، اس کے اثرات و نتائج آج بھی بہت سے دماغوں میں تازہ ہوں گے۔ ان دونوں جنگوں میں فاتح نے مفتوح کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح اسے تڑپا تڑپا کر ہلاک کیا اور جس طرح مفتوحہ شہروں کو پامال کیا، اس کی مثال کیا پیغمبر صحرا کے عہد گرامی میں بھی ملتی ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی جنگ بھی ایک رحمت ہے، اگرچہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت کے باعث اس کا اعتراف نہ کریں!

(رئیس احمد جعفری)

جہاد اور اس کی فضیلت

جہاد کی قسمیں، مجاہد کے درجات، اللہ کی نعمت

احکام جہاد کے تدریجی مرحلے

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور اپنے مومن بندوں کی نصرت وتوانائی عداوت اور باہمی جنگ کے بعد ان کے قلوب میں محبت ڈال دی چنانچہ اللہ تعالیٰ کے انصار اور مومنین نے آپ کو ہر سیاہ وسفید (دشمنی) سے بچانے کی کوشش کی اور آپ کی خاطر ہر قسم کا جہاد کیا اور اپنے والدین، اولاد اور بیویوں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ اُن کے نزدیک اپنی زندگی سے کہیں زیادہ قابلِ محبت تھے) چنانچہ عرب اور یہود نے مل کر ان کا مقابلہ کیا جنگ اور عداوت پر اتر آئے۔ اور ہر جانب سے ان پر حملہ کر دیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ انھیں صبر اور معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ آخر ان کو بھی شوکت وقوت حاصل ہوئی اور ان کے بازوؤں میں بھی توانائی آگئی تو انھیں جہاد کی اجازت دی گئی لیکن یہ فرض تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ یعنی جن سے مقاتلہ کیا جاتا ہے، انھیں اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

آیۂ جہاد کے بارے میں انکار

ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور یہ اذان مکہ میں داخل ہے۔ یہ نظریہ کئی دلائل سے غلط ہے، ایک تو یہ کہ اللہ نے مکہ میں قتال کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ مسلمانوں کو کوئی خاص شوکت حاصل تھی کہ جس کی بنا پر وہ مکہ میں قتال کر سکتے۔ دوسرے آیت کا

سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اذان ہجرت اور گھروں سے خارج کرنے کے بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ یعنی جنھیں اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا مگر وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور یہ مہاجرین کی جماعت تھی۔ تیسرے کہ مستدرک حاکم میں حضرت اعمش رض نے انھوں نے مسلم بطین سے انھوں نے حضرت سعید رض بن جبیر سے انھوں نے حضرت ابن عباس رض سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے۔ تو ابوبکر رض نے فرمایا، مشرکین نے اپنے نبی کو نکال دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون یہ یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا یہ قتال کے متعلق پہلی آیت ہے۔

جہاد فرض قرار دیا گیا

اس کے بعد ان کے مقابلہ میں جو مقاتلہ کریں، جہاد کرنا فرض قرار دیا گیا، اور فرمایا، وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم، یعنی اللہ کے راستہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے برسرِ پیکار ہیں۔

اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف جہاد فرض ہو گیا، اب یہ یا تو فرض عین ہے جیسے دو اقوال میں سے ایک مروی ہے، یا مشہور قول کے مطابق فرض کفایہ ہے۔ بہر حال از روئے تحقیق جہاد کرنا فرض عین ہے، دل سے یا زبان سے یا ہاتھ سے، اس طرح ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ انواعِ جہاد میں سے کسی نہ کسی نوع کا جہاد کرے۔

رہا جہادِ نفس (جان) کے ساتھ جہاد کرنا یہ فرض کفایہ ہے اور جہاد بالمال کے متعلق دو قول مروی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال کو ایک ہی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

اس آیت میں آگ سے نجات اور گناہوں کی بخشش اور دخولِ جنت کو اس (جہاد) سے مشروط کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ۝ تومنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ یغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار ومساکن طیبۃ فی جنّٰت عدن ذالک الفوز العظیم ۝

یعنی اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے، تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور پاکیزہ مکانات عدن کے باغات میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

پھر جب کہ مدعیانِ محبت کی کثرت ہو گئی تو ان سے مطالبہ ہوا کہ دعوے کے ثبوت میں دلیل پیش کریں (اور وہ ثبوت یہ تھا)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی کہہ دو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت رکھے گا۔"

اس پر تمام مخلوق پیچھے ہٹ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور آپ کی سنت طیبہ و اخلاق حسنہ میں رحب اللہ (محدود ہو گئی۔ اس طرح ان سے ایک واضح عدالت طلب کی گئی، اور فرمایا گیا کہ تزکیہ کے بغیر عدالت قبول نہیں کرتے (اور تزکیہ بھی ایسا کہ جس کے ساتھ) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت سے نہ ڈریں۔ اس مقام پر محبت کے کئی دعوے دار پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے پھر کہا گیا کہ محبت کرنے والوں کی جان اور مال ان کا اپنا نہیں اس لیے جس پر عہد قائم ہوا وہ حوالے کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کا جان و مال خرید لیا کہ انھیں جنت ملے گی۔ اور ضروری ہے کہ یہ عہد جانبین کی طرف سے تسلیم کیا جائے اور جب تجار نے خریدی ہوئی چیز کی عظمت اور قیمت کا اندازہ کر لیا جس کے مبارک ہاتھوں پر

عہد ہو رہا ہے۔ اس کے جلال اور جس کتاب میں عہد ہو رہا تھا اس کتاب کا مرتبہ و مقام محسوس کر لیا، تو انھیں یقین ہو گیا کہ اس مبیعہ کی وہ شان و عظمت ہے جو کسی دوسرے مبیعہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انھیں معلوم ہو گیا کہ اگر اسے چند کھوٹے درہم (دنیا) کی خاطر بیچ دیا گیا۔ تو یہ سخت نقصان اور واضح بد دیانتی ہو گی۔ چنانچہ انھوں نے بغیر کسی قیل و قال کے اپنی رضا مندی اور اختیار و ارادہ کے ساتھ مشتری کے ساتھ بیع کر لی۔ اب جب بیع مکمل ہو چکی اور مبیعہ (چیز) حوالے کر دی گئی، تو انھیں بتا دیا گیا کہ اب تمہارے مال اور تمہاری جان ہماری ملکیت بن چکی ہے۔ اور ہم انہیں تمہارے پاس جو کچھ تمہارا ہے بہتر اور تمہارے اموال کے ساتھ مزید اموال تمہیں دیں گے۔ اور یہ مت سمجھو کہ جو اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے وہ مر چکے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے انھیں رزق دیا جاتا ہے، اور ہم سے تمہارے مال اور تمہاری جانیں نہیں مانگتے کہ تم پر نفع چاہیں بلکہ اس لیے کہ چیز کی قبولیت کے بعد اس کے جود و سخا کا اثر ظاہر ہو۔ اور مزید عطا کرنا بڑی قیمت ہے۔ پھر ہم نے قیمت اور خریدی ہوئی چیز بھی تمہیں عطا کی۔

حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ

دیکھیے حضرت جابرؓ کے واقعہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک اونٹ خریدا پھر اس کی قیمت ادا کی اور زیادہ (قیمت) عطا فرمائی (مزید براں) اونٹ بھی واپس کر دیا۔ اور ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ان کے والد کے متعلق اللہ تعالےٰ کا فیاضانہ (سلوک) بتایا، اور خبر دی کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے والدؓ کو زندہ کیا اور ان سے گفتگو فرمائی۔

اور مزید براں اس عہد پہ مدح و تعریف بھی فرمائی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر میری امت پر سختی نہ (نظر آتی) تو میں ہر لشکر کے پیچھے بیٹھتا اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر مجھے زندہ کیا جائے اور فرمایا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار کی طرح ہے جو اللہ کے احکام پر عامل و قائم ہو اور روزے اور نماز سے بالکل شست

نہ ہو۔ یہاں تک کہ مجاہد اللہ کے رستہ سے واپس آجائے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سے وفا کرے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے اجر اور مال غنیمت سمیت واپس کرے گا۔

نیز آپ نے فرمایا، اللہ کے راستہ میں جانا یا آنا لینا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ نیز اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ بھی میرے راستہ میں میری رضا کی خاطر نکلے گا۔ میں اسے ضمانت دوں گا کہ اسے جو اجر یا غنیمت ملے گی اس کے ساتھ واپس کروں گا، اگر میں نے اس کو لے لیا تو اسے بخش دوں گا اس پر رحم کروں گا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔

اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ غم واندوہ سے نجات دیتا ہے۔

نیز فرمایا، کہ جنت میں سو درجات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کے برابر فاصلہ ہے اس لیے جب اللہ سے درخواست کرو، تو فردوس کی درخواست کرو، کیونکہ یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی انہار شروع ہوتی ہیں۔

نیز فرمایا جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے دربان بلائیں گے جو ہر دروازے پر ہوں گے تو جو اہل نماز سے ہوگا اسے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اسے باب جہاد سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اسے باب الصدقہ میں سے بلایا جائے گا، اور جو اہل صیام (روزہ داروں) میں سے ہوگا اسے باب الریان سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ بلند

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جسے ہر دروازے سے بلایا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہوگے۔

جہاد کرنے والے کے درجات

سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں نفقہ بھیجے اور اپنے گھر میں ٹھہرا رہے اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم عطا کرے گا، اور جو اللہ کی راہ میں اپنی جان سے جہاد کرے اور نفقہ بھی اپنے پاس سے کرے تو اسے ایک درہم پر سات لاکھ درہم عطا ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ یعنی اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا عطا کرتا ہے"

نیز آپ نے فرمایا جو اللہ کی راہ میں مجاہد کی مقروض کی ادائے قرض میں یا مکاتب (غلام) کی آزادی حاصل کرنے میں مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے (عرش) کے سایہ میں جگہ دے گا، جس دن اس کے (عرش) کے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا اور فرمایا جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اللہ نے انہیں آگ پر حرام کر دیا اور فرمایا کہ بخل اور ایمان ایک آدمی کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے، اور اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے چہرے پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ "ایک دل میں" کے الفاظ منقول ہیں۔ ایک جگہ "ایک آدمی کے پیٹ میں" مذکور ہے۔ ایک جگہ "ایک مسلمان کے نتھنوں میں تحریر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں دن کی ایک ساعت غبار آلود ہو گئے تو وہ آگ پر حرام ہیں۔ نیز ان سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے پیٹ میں اللہ کی راہ کی غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں کرتا اور اللہ کی راہ میں جس کے قدم غبار آلود ہوئے اللہ نے اس کے تمام جسم پر آگ حرام کر دی اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالےٰ نے اس سے تیز چلنے والے سوار کے ایک ہزار سال کے سفر کے برابر آگ دوری کر دی۔ اور جسے اللہ کی راہ میں ایک زخم پہنچا، اس پر شہدا کی مہر لگ گئی۔ قیامت کے دن اس کا نور ہوگا، جس کا رنگ زعفران کا سا اور جس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ تمام پہلے اور بعد میں آنے والے اسے پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ فلاں پر شہدا کی مہر ہے اور جو اللہ کی راہ میں اونٹنی کے

حصّہ پر جہاد کرے گا۔ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ نیز آپ نے فرمایا ایک دن رات (اللہ کی راہ) میں پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزے اور قیام سے بہتر ہے اور اگر اسی حالت میں فوت ہو گیا تو اس کا عمل جاری رہے گا۔ اور اس کا رزق برابر آتا رہے گا، اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

اور فرمایا، کہ کوئی آدمی بھی جب مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ سوا اس کے جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا ہی رہتا ہے، اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ دینا گھر میں ایک ہزار دن (کی عبادت) سے افضل ہے۔

امام احمدؒ نے آپؐ کی روایت نقل کی کہ جو مسلمانوں کے ساحل کا تین دن پہرہ دے اسے ایک سال کے (رباط) کا ثواب ہو گا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا اس سے افضل ہے کہ ایک ہزار رات کا قیام کرے اور اس کے (ہزار) ایام کا روزہ رکھا جائے۔ نیز آپؐ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام کر دی گئی۔ جو اللہ کے ڈر سے آنسو بہائے یا رو دے اور اس آنکھ پر آگ حرام کر دی گئی، جو اللہ کی راہ میں بیدار ہو۔

نیز آپؐ نے فرمایا جسے جہاد میں ایک تیر کا حصّہ ملا، اسے جنت میں ایک درجہ حاصل ہوا۔ اور فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر چلایا وہ آزاد (آگ سے) ہے، اور جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوا، قیامت کے دن اس کے لیے ایک نور ہو گا، ترمذی کے نزدیک ایک درجہ سو سال کے برابر ہے، نسائی کے نزدیک پانچ صد سال (کے سفر) کا ایک درجہ ہوتا ہے۔

میدان جنگ کی باتیں

اسیرانِ جنگ، فدیہ، جنگی غلام، جاسوسی، مال غنیمت

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہوا یا از روئے صلح

جنگی قیدیوں میں سے بعض کو ازراہ احسان آپ نے رہا کر دیا، بعض سے فدیہ لیا اور چھوڑ دیا۔ بعض پر چاکری عائد کر دی اور بعض کو قتل کیا۔ حسب تقاضائے مصلحت آپ نے یہ جملہ صورتیں اختیار فرمائی ہیں۔

بدر کے قیدیوں کو آپؐ نے فدیہ دے کر رہا کر دیا۔ اور فرمایا، اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے سفارش کرتا تو میں انہیں ابھی چھوڑ دیتا۔

صلح حدیبیہ میں ستر مسلح آدمیوں نے حملہ کرنا چاہا انہیں پکڑ لیا گیا۔ آپؐ نے ان پر احسان فرمایا اور رہا چھوڑ دیا ابن حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کیا گیا، تو آپؐ نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر آزاد کر دیا اور وہ اسلام لے آیا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت صدیقؓ نے فدیہ کر کے چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تاکہ (مسلمانوں) کو دشمن کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو جائے تو شاید اللہ تعالیٰ انھیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم میرا خیال وہ نہیں جو ابو بکرؓ کا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج ہم نے انھیں پکڑ لیا ہے تو ہمیں ان کی گردنیں مار دینی چاہئیں کیونکہ یہ لوگ کفر کے امام اور پیشوا ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو تسلیم فرمایا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح نہ دی۔ جب صبح ہوئی حضرت عمرؓ حاضر ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

ابوبکر دونوں رو رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپؐ اور آپؐ کے ساتھی (ابوبکرؓ) کس وجہ سے رو رہے ہیں! اگر مجھے رونا آگیا، تو میں رؤوں گا اور اگر رونا آیا تو آپؐ کے گریہ کے باعث تکلف سے روؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ گریہ فدیہ کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ما کان للنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض یعنی کسی نبی کو جائز نہیں کہ اس کے قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح غالب آجائے۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کی تشبیہ ابراہیمؑ و نوحؑ سے

اس مسئلہ میں لوگوں کی دو رائیں ہیں:۔ ایک گروہ نے اس حدیث کے باعث حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دی۔ دوسرے گروہ نے حضرت ابوبکرؓ کے قول کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ حکم اسی طرح قائم رہا۔ کتاب نے اسے حلال کر دیا۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی۔ نیز صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکرؓ کو ابراہیم اور عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی اور عمرؓ کو حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام سے مشابہ بتایا اور ان قیدیوں کے اسلام لانے کے باعث خیر عظیم حاصل ہوا اور ان کے اسلوب سے مسلم اولاد پھر نے اور فدیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوئی۔ باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ، تو وہ رحمت کے سبب تھا۔ جب آپؐ نے دنیا چاہنے والوں پر عذاب کا نزول ہوتے دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے دنیا کی خواہش کی ہی نہیں تھی (ان کا مطلب تو محض مسلمانوں کی خیر خواہی تھا)[1]

انصارؓ نے اجازت چاہی کہ عم رسولؐ عباس[2] سے فدیہ کی رقم نہ لی جائے۔

آپؐ نے فرمایا، ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

---

[1] میں ایسی تمام روایات کو محل نظر سمجھتا ہوں، جن سے کسی دوسرے شخص کی رائے، آنحضرت کے مقابلہ میں صائب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یہ چیز شان محمدی کے بھی خلاف ہے، اور مرتبہ رسالت کے بھی۔

[2] اسلام کی مساوات کے سامنے عم رسولؐ اور ایک عام شخص میں کوئی فرق نہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

مسلمہ بن اکوع نے ایک لونڈی کی درخواست پر جو حضرت ابو بکرؓ نے کسی غزوہ میں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی۔ آپؐ نے عطا فرما دی۔ مسلمہ نے اسے مکہ بھیجا۔ اور کچھ مسلمانوں کو اس کے عوض میں رہا کروا یا۔ اور عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حرث کو قتل کر دیا گیا کیونکہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول سے سخت ترین عداوت رکھتے تھے[1]

امام احمدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ کچھ قیدی ایسے تھے جن کے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہ تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ کسی کام کو بھی فدیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

آپ کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ گرفتار ہونے سے قبل جو اسلام لے آتا وہ ہرگز غلام نہ بنایا جاتا[3] اور جس طرح اہل کتاب کے گرفتار شدگان غلام بنائے جاتے اس طرح عرب قیدیوں کو بھی غلام بنا لیا جاتا۔ حضرت عائشہ کے پاس باندی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اسے آزاد کر دو، کیونکہ یہ بنی اسماعیل سے ہے۔ اور جب آپؐ نے بنی مصطلق کے غلاموں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہؓ بنت حرث ثابت بن قیس بن شماس کی چاکری میں آگئیں جن سے انہوں نے مکاتبت کر لی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کی رقم ادا فرمائی اور نکاح فرما لیا۔ آپ کے نکاح کے بعد اس رشتہ کی وجہ سے بنی مصطلق کے ایک سو غلام آزاد کر دیئے گئے[4]۔ اور یہ خالص عرب تھیں۔

---

[1] صرف عداوت ہی نہیں رکھتے تھے، مفسدہ پرداز، فتنہ انگیز اور حد درجہ شریر بھی تھے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو معاف کر دیتے تھے۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کی آپؐ کی نظر میں کس درجہ اہمیت اور وقعت تھی۔

[3] اس سے بڑی دلیل ان فقہا کے خلاف کوئی نہیں ہو سکتی، جو مسلمان کو غلام تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام غلامی کو ساقط کر دیتا ہے۔

[4] انحضرت کے زمانہ میں کوئی جنگی قیدی غلام نہیں بنایا گیا سوا وقتی طور پر کسی مصلحت کے ماتحت اور پھر کوئی اڑے کر پورے کے پورے آزاد کر دیے گئے۔

ماں اور بچہ میں جدائی نہ کرائی جائے!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باندی ماں سے اس کے بچے کو علیحدہ کرنے کی ممانعت فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے۔

جو ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالے گا، قیامت کے روز اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا[1]۔ آپؐ کے پاس غلام آتے تو آپ مجموعی طور پر بخشتے تاکہ ان میں جدائی نہ پڑے۔

مسلمانوں کے خلاف جاسوسی

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے مشرکین میں سے ایک جاسوس کو قتل کیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حاطب کو قتل نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے جاسوسی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کی اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرما دیا تھا، "اب تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دی۔ اس سے امام شافعیؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کو قتل نہ کیا جائے[2]۔ اور امام مالکؒ اور اصحابِ احمد رحمہم اللہ قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی رائے زیادہ قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

مشرکین کے غلام مسلمان علاقہ میں آزاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ مشرکین کے غلام اگر مسلمانوں کے علاقہ میں آجاتے تو انھیں آزاد سمجھتے اور فرماتے، یہ اللہ عزوجل کے آزاد کردہ ہیں۔ نیز آپ کی سنت طیبہ یہ بھی تھی کہ کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا، اسی کے پاس رہنے دیتے۔ نیز زمانۂ کفر اور جنگ میں کافر مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی جانی و مالی نقصان پہنچا چکے ہوں اسلام لانے کے بعد ان پر جرمانہ عائد نہ کرتے[3]۔

---

[1] صلہ رحم کی اسلام نے زیادہ سے زیادہ تاکید کی ہے اور یہ چیز دشمنوں اور میدان جنگ کے حریفوں کیساتھ بھی ہے۔
[2] مجرم بہرحال مجرم ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام اس طرح کی کوئی تفریق پسند نہیں کرتا۔
[3] تبلیغ اسلام کا سب سے بڑا اور کامیاب ذریعہ یہی طرزِ عمل ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

حضرت صدیقؓ نے مرتدین کے گھروں سے مسلمانوں کی جان و مال کا خون بہا دینا چاہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اللہ کی راہ میں قتیل ہوئے ان کا اجر اللہ پر ہے اور شہید کا خون بہا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے قول پر صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔

غنیمت کی زمین کے متعلق آنحضرتؐ کی سنّتِ طیبہ

آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے بنی قریظہ، بنی نضیر، اور خیبر کی زمینیں غانمین کے درمیان تقسیم فرمائیں۔ مدینہ منورہ کو قرآن مجید نے فتح کیا تھا کتاب اللہ ہی کے باعث وہ مسلمان ہو گئے تھے، اور اپنے دین پر سختی سے قائم رہے مگر مکہ بزور قوت فتح ہوا تھا، اس لیے تقسیم نہیں کیا گیا۔ علمائے کرام کے نزدیک اس کی حیثیت متعین کرنا بھی مشکل ہو گئی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ چونکہ دار المناسک (مناسک حج کی جگہ) ہے اور یہ مسلمانوں پر وقف ہے اور وہ تمام اس میں شریک ہیں اس لیے اس کی تقسیم محال ہے۔ اس وجہ سے بعض علمائے کرام اس کی فروخت یا اجارہ ممنوع بتاتے ہیں۔ اور بعضوں نے اس کی اچھی زمینوں کی فروخت کو جائز کہا ہے، اور اجارت (کرایہ پر دینا) کو ممنوع بتایا یا امام شافعیؒ نے چونکہ قوت سے (فتح مکہ) اور تقسیم نہ ہونے کو جمع نہیں کیا اس لیے انہوں نے فرمایا ہے کہ (مکہ) صلح سے مفتوح ہوا اس وجہ سے تقسیم نہ ہوا، اور فرمایا کہ اگر مکہ قوت کے بل پر فتح ہوتا تو اس کی حیثیت غنیمت کی سی ہوتی۔ پھر اس کی تقسیم بھی واجب ہو جاتی، جیسے کہ حیوان اور منقولہ چیز کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ کی زمینوں کی بیع و اجارت میں کوئی حرج نہیں اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مالکوں کی ملکیت ہے۔ ان کی وراثت چل سکتی ہے اور وہ ہبہ کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مالک کی طرف ملکیت منسوب کی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ بن خطاب نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان خریدا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، مکہ میں آپؐ کا کل کہاں قیام ہوگا؟ آپ نے فرمایا، کیا عقیل نے (مکہ) میں کوئی جگہ ہمارے لیے چھوڑی بھی ہے؟ اور عقیل ابو طالب کے وارث بنے تھے۔ اور جب اصل یہ ہے کہ زمین غنائم میں سے ہے اور غنائم کی تقسیم واجب ہے اور

مکہ کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ اس کے مکانات اور زمین کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے اور تقسیم نہیں ہو سکتیں تو یہ چیز لازم نہیں کہ یہ "شہر صلح سے مفتوح ہوا"۔ جو آدمی احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرے وہ دیکھ لے گا کہ تمام روایات جمہور کے قول کی حمایت کرتی ہیں کہ یہ شہر فتح ہوا۔ اس میں اختلاف ہو گیا کہ تقسیم کیوں نہیں ہوا! ایک جماعت کے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ شہر قربانی اور عبادت کی جگہ ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے وقف ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ تقسیم کر دے یا وقف رہنے دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا اور مکہ کو تقسیم نہیں کیا اس سے دونوں امور کا جواز نکلتا ہے ان کا کہنا ہے کہ زمین کو تقسیم کرنے سے یہ غنائم ماموره میں شامل نہیں ہو جاتی، بلکہ غنائم کا اطلاق تو صرف چوپاؤں اور منقولہ جائداد پر ہی ہو سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے سوا کسی دوسری امت پر غنائم کو حلال قرار نہیں دیا، اور ان کے لیے دار الکفر مباح قرار دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (آیت)

آخر تک یعنی اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم آپ اپنے اوپر اللہ کے انعامات کو یاد کرو۔

پھر اس آیت کے آخر میں فرعون اور اس کی قوم اور ان کی زمینوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ، یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو ان زمینوں کا وارث بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین غنائم کے تحت شمار نہیں ہوتی۔ امام کو اختیار حاصل ہے کہ مصلحت وقت کے لحاظ سے جو چاہے کرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم بھی کیا اور ترک بھی کیا۔ حضرت عمرؓ نے تقسیم نہیں کیا بلکہ اسی طرح رہنے دیا اور اس پر دوامی خراج عائد کر دیا تاکہ امور جنگ میں اس سے مدد لی جا سکے۔

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہونے کے چند دلائل

ایک یہ کہ کسی سے یہ منقول نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اہل مکہ سے مصالحت کی، اور نہ اس علاقہ کے رہنے والوں

میں سے کسی ایک کے ساتھ صلح کا کوئی واقعہ منقول ہے بلکہ جب ابو سفیان حاضر ہو تو آپ نے اسے، جو اس کے گھر میں داخل ہو جائے، یا اپنا دروازہ بند کرے یا مسجد میں داخل ہو جائے یا ہتھیار ڈال دے امان دے دی۔ اگر یہ شہر محض صلح سے مفتوح ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے، یا دروازہ بند کر دے یا مسجد میں داخل ہو جائے تو اسے امان ہے۔ کیونکہ تو خود ہی عمومی امن کی ضمانت ہوتی ہے

دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں (فیل) کو مکہ سے روک دیا اور اپنے رسول اور ایمان والوں کو اس پر مسلط فرمایا۔ اور مجھے دن کی ایک گھڑی (مقاتلہ) کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ الفاظ صراحت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ مکہ قوت سے مفتوح ہوا۔ نیز صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن حضرت خالد بن ولیدؓ کو دائیں جانب اور حضرت زبیر کو بائیں جانب مقرر فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو میدانی علاقہ میں مقرر فرمایا اور حکم دیا، اے ابو ہریرہؓ انصار کو بلاؤ (انصار) دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا، اے انصار کی جماعت! کیا تم قریش کے اوباش لوگوں کو دیکھ رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا، ہاں آپ نے فرمایا، دیکھو، جب صبح تم ان سے مقابلہ کرو (ملو) تو انھیں پیس کر رکھ دو۔ اور آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا (بتایا) اور فرمایا کہ صفا پر تمہارے ساتھ وعدہ (ملاقات) ہے۔ انصار حاضر ہوئے تو صفا پر ٹھیکر لگا ہے فرمایا کہ آج جو بھی انھیں دکھائی دے اسے سلا دو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے اور انصار حاضر ہوئے اور ابو سفیان حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

اے اللہ کے رسول قریش کے اشراف ہلاک کر دیئے گئے، آج کے بعد کوئی قریش نہ ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے اور جو ہتھیار پھینک دے اسے امان ہے اور جو دروازہ بند کر دے اسے امان ہے۔

نیز حضرت ام ہانی نے ایک آدمی کو امان دی، حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جسے تو نے امان دی ہم نے اسے امان دے دی، نیز آپ نے مقیس بن صبابہ، ابن خطل وغیرہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اب اگر مکہ صلح سے فتح ہوتا تو آپ کسی اہل مکہ کے قتل کا حکم نہ دیتے۔ نیز سنن میں صحیح روایت ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا، لوگوں کو امن دے دو سوائے دو عورتوں اور چار مردوں کے۔ ان کو اگر تم کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے بھی دیکھو تو تب بھی قتل کر دو۔[1]

مشرکین کے درمیان اقامت کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے درمیان کسی مسلمان کی رہائش کو ممنوع قرار دیا ہے، اگر وہ وہاں سے ہجرت کر سکتا ہے۔ اور فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو کہ مشرکین کے درمیان رہائش پذیر ہے۔

عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول، کیوں؟ فرمایا کیا تو انھیں دیکھ نہیں رہا یعنی ان کے دوزخی ہونے کو نیز فرمایا جو مشرک کے ساتھ آئے اور اس کے ہمراہ سکون حاصل کرے کہ وہ اس کا سا ہے۔ اور فرمایا جب تک توبہ منقطع نہیں ہوئی، اس وقت تک ہجرت منقطع نہ ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلتا اس وقت تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔[2]

---

[1] یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں اسلام کے بدترین دشمن تھے، ساتھ ہی ساتھ حد درجہ مفسد بھی۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اسلام اپنے اصولوں میں غیر مفاہمت پسند ہے وہ کسی کے ساتھ صلح نہیں کر سکتا اور خاص طور پر مشرکین کے ساتھ تو اس کا برتاؤ اور زیادہ سخت ہے اس لیے کہ اسلام کی بنیاد واساس توحید پر ہے یعنی خدائے واحد و یکتا کی ربوبیت پر۔ اب اگر کوئی جماعت اس میں رخنہ ڈالتی ہے، اس اصول کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے، اس بنیاد واساس کو منہدم کرنے کے درپے ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قیمت پر صلح نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس صلح کے معنی ہیں اپنی بنیاد واساس سے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اور فرمایا، عنقریب ہجرت کے بعد ہجرت ہو گی۔ اس لیے زمین پر سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت سے پیوستہ رہیں۔ اور زمین پر شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔ انھیں وہ پھینک دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ بندروں اور خنازیر کے ساتھ ان کا حشر کرے گا۔

(بقایا حاشیہ سابقہ صفحہ سے) دستبرداری کے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں مشرکین کا ذکر آیا ہے اسی غیر مفاہمانہ انداز میں۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مشرکین انسانی حقوق سے محروم ہیں، ایسا نہیں ہے، اسلام انھیں اسلامی حقوق سے محروم نہیں کرتا۔ عقیدے کے معاملہ میں ان پر جبر بھی نہیں کرتا، ان کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرتا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ فتح مکہ کے بعد مشرکین سے مسلمانوں کے وہ مکانات تک نہیں واپس لے گئے جن پر زبردستی اور دھاندلی سے انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن ان سے پینگ نہیں بڑھائے جا سکتے۔

(رئیس احمد جعفری)

امان، صلح، جزیہ، اہل کتاب، منافقین اور کفار کے قاصد

کفار کی آمد، ان کا قرآن مجید سننا پھر انہیں واپس اپنی با امن جگہوں میں پہنچانا

پاس عہد اور بیوفائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ سب سے چھوٹا بھی اس کے وفا کی کوشش میں رہتا ہے اور جو کسی مسلمان سے غداری کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا۔

نیز فرمایا: کوئی مومن کافر کے بدلے قتل نہ ہو گا[1]۔ اور نہ معاہد اپنے عہد کے دوران میں قتل کیا جا سکتا ہے[2]۔ جس نے نئی بات (بدعت) ایجاد کی۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو کفار کے تین گروہ بن گئے۔

(۱) ایک گروہ نے آپ سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ "نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپؐ پر حملہ کریں گے اور آپؐ کے دشمن سے پیمانِ دوستی استوار کریں گے۔ وہ بدستور کافر رہ سکتے ہیں، ان کی جان بھی محفوظ ہے اور مال بھی۔

---

[1] بشرطیکہ وہ کافر ذمی یعنی مسلمانوں کی پناہ میں نہ ہو، ایسی صورت ہو تو کافر کے بدلے میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا۔

[2] معاہد سے مراد وہ غیر مسلم ہیں، جن سے وقتی یا مستقل طور پر صلح کا معاہدہ کر لیا گیا ہو۔ (رئیس احمد جعفری)

(۲) ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی اور مخالفت پر اتر آیا۔
(۳) اور ایک گروہ نے نہ جنگ کی نہ صلح کی، بلکہ آپ کے اور آپ کے اعداء کے معاملات و نتائج کا انتظار کرنے لگے۔

ان جماعتوں میں سے بعض درپردہ آپ کا غلبہ چاہنے اور آپ سے تعاون کو پسند کرنے اور بعض آپ کے دشمنوں کے غلبہ استیلاء کے منتظر تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو ظاہری طور پر آپ کے ساتھ مل گئے اور درپردہ دشمنوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ تاکہ دونوں فریقوں کے بھلے رہ سکیں۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ آپ نے ان تمام جماعتوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا۔ جیسا پروردگار عالم نے آپ کو حکم دیا، چنانچہ آپ نے مدینہ کے یہود کے ساتھ صلح کر لی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ لکھا گیا۔ مدینہ کے آس پاس یہودیوں کے تین گروہ آباد تھے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔

بنو قینقاع کی طرف سے جنگ

غزوہ بدر کے بعد بنو قینقاع نے آپ سے جنگ کی بغض عناد اور فساد کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ ہجرت کے بیسویں ماہ شوال کے نصف کے قریب ہفتے کے دن اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے جانثاروں کا ایک گروہ ان کی طرف بڑھا یہ قبیلہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کا حلیف تھا۔ اور اہل مدینہ کے یہود میں سے سب سے زیادہ شجاع، مسلمانوں کا پرچم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا اور ابو لبابہ بن عبداللہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ ذی قعدہ کی پندرھویں رات تک سخت ترین محاصرہ کیا گیا۔ قوم یہود میں سے یہ پہلی قوم تھی جس نے (اہل اسلام کے خلاف) جنگ کی۔ مسلمانوں نے انہیں قلعوں میں گھیر لیا اور انتہائی شدت کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جان و مال، عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے ان کی گرفتاری کا حکم جاری فرمایا اور عبداللہ بن ابی نے سفارش کی اور از حد اصرار کیا۔ آپ نے اس کے کہنے پر انہیں معاف فرما دیا اور حکم دیا کہ یہ قوم مدینہ سے نکل جائے اور اس کے قریب قیام پذیر نہ ہو۔ چنانچہ یہ

شام کی طرف چلے گئے مگر بہت کم وہاں ٹھہر سکے اور اکثر ہلاک ہو گئے ۔ یہ لوگ صنعت کار اور تجار تھے اور ان میں قریباً چھ سو جنگجو نوجوان بھی تھے ۔

بنو نضیر کی عہد شکنی

ان کے بعد بنو نضیر نے بھی عہد شکنی کی ۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا ۔ یہ عروہ کی روایت ہے ۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہؓ کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لائے اور کلابیوں کے خون بہا کے متعلق ان سے بات چیت فرمائی جنہیں عمرو بن امیہ ضمری نے قتل کیا تھا ۔ یہ کہنے لگے : اے ابوالقاسم ہم ضرور تعاون کریں گے ۔ آپ یہاں بیٹھیں تاکہ آپ کی حاجت پوری کر دیں ۔ پھر یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں سازش کرنے لگے ۔ اور شیطان نے انہیں بدبختی میں دھکیل دیا ۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے قتل کا مشورہ کیا ۔ اور کہنے لگے کہ کون ہے جو پتھر لے کر آپ کے سر پر دے مارے ؟ سب سے بڑے شقی عمرو بن جحش نے جواب دیا میں تیار ہوں ، اس پر سلام بن مشکم بول اٹھا ۔ یہ مت کرو خدا کی قسم تمہارے اس ارادہ کی خدا انہیں خبر دے گا ۔ نیز اس طرح ہمارے اور ان کے درمیان عہد کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے ۔

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے وحی آئی اور کفار کے ارادوں کی اطلاع دے دی گئی ۔ آپ جلدی سے اٹھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے گئے ۔ دیگر صحابہؓ بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے : کہ آپ تشریف لے گئے اور ہمیں خبر نہ ہو سکی ۔ آپؐ نے یہود کے ارادوں سے انہیں آگاہ کیا ۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرف پیغام بھیجا کہ مدینہ سے نکل جاؤ اور میرے قریب رہائش مت رکھو ۔ اس کے بعد میں نے جس کو بھی یہاں پایا ، اس کی گردن اڑا دوں گا ۔ وہ چند دن تیاری کرتے ہوئے وہاں ٹھہرے ۔

منافق کی کارستانیاں

عبداللہ بن ابی منافق نے یہود کو پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے مت نکلو ، میرے پاس دو ہزار نوجوان ہے جو تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہو گا اور تمہاری خاطر مرنے کو تیار ہو گا ۔ نیز بنو قریظہ

اور غطفان کے معاہدین بھی تمہاری مدد کریں گے ۔ ان کے سردار حی بن اخطب نے موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے ملک سے نہیں جائیں گے ۔ تم جو چاہو کرو ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور ان کی طرف چل پڑے ۔ حضرت علی بن ابی طالب جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے ۔ جب یہاں پہنچے تو قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر اور پتھر مارنے لگے ۔ بنو قریظہ ان سے الگ ہو گئے ۔ عبداللہ بن ابی اور غطفان کے معاہدین نے ان سے خیانت کی ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے شیطان سے تشبیہ دی فرمایا :

مثلهم كمثل الشيطان إذ قال للإنسان اكفر فلما كفر قال إني بريء منك

یعنی ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا ، کفر کر اور جب اس نے کفر کیا تو کہنے لگا ، میں تجھ سے بیزار ہوں ۔

یہ آیت سورہ حشر میں بنی نضیر کے حق میں اتری ہے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کر لیا ، کھجور کے درخت کاٹ دیئے اور انہیں جلا دیا ۔ اب انہوں نے پھر پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکل جاتے ہیں ۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی اولاد کی جانیں لے کر جا سکتے ہو اور ہتھیاروں کے علاوہ دیگر سامان اس قدر لے جا سکتے ہو جو اونٹ اٹھا لے اور باقی مال و اسلحہ پر حضور نے قبضہ کر لیا ۔ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول کے آغاز میں درپیش آیا ۔

بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کے اسباب

بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے اور بدترین کفر کے مرتکب تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں وہ سزائیں دی گئیں جو ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں ملیں ۔ ان سے غزوے کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے لیے تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ آپؐ کی صلح تھی ۔ چنانچہ حی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں تمہارے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں ۔ میں قریش اور ان کے عمائدین اور غطفان اور ان کے قائدین کا تعاون لے کر آیا ہوں ۔ تم

اہل شوکت اور ہتھیاروں کے مالک ہو۔ اس لیے آؤ محمد کو ختم کر دیں اور اس سے چھٹکارا حاصل کریں۔ (نعوذ باللہ)

(بنو قریظہ) کے سردار نے جواب دیا نہیں بلکہ تو زمانہ کی ذلت سے کر آیا ہے۔ تو میرے پاس ایسا بادل لایا ہے جو پانی برسا چکا ہے اور اب اس میں صرف گرج اور چمک ہی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دیر تک اس پر مکر و فریب کے جال ڈالتا رہا، اسے امید دلاتا، مدد کے (سبز باغ) دکھاتا رہا۔ آخر کار اس شرط پر مان گیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہمارے قلعے میں داخل ہو جاؤ۔ اور جو ان کا حشر ہو گا وہی تمہارا بھی ہو گا اس نے ایسا ہی کیا چنانچہ ان دونوں نے عہد توڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علانیہ واہی تباہی بکنے لگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپ نے حالات معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ انہوں نے عہد توڑ دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا اے گروہ مسلمین خوش ہو جاؤ۔

اور جب مدینہ واپس تشریف لے آتے تو آپ نے ہتھیار رکھ دیئے (اس وقت) حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے۔ اس لیے صحابہ کو لے کر بنو قریظہ کی طرف تشریف لے جائیے، کیونکہ میں آپ کے آگے آگے چلوں گا اور ان کے قلعوں میں زلزلہ لے آؤں گا۔ نیز ان کے قلوب میں رعب ڈال دوں گا اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ چل پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی جماعت کے ہمراہ ان کے نشانات پر چل نکلے اور آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ تم آج بنو قریظہ کے علاقہ میں جا کر عصر کی نماز پڑھنا۔ چنانچہ اس تعمیل ارشاد کی خاطر صحابہؓ فوراً اٹھ کر چل پڑے۔ عصر کی نماز کا وقت راستہ میں آیا بعض کہنے لگے کہ آپ کے حکم کے مطابق بنو قریظہ میں نمازِ عصر ادا کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت دیر سے نمازِ عصر ادا کی۔ بعض نے کہا کہ آپ کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ آپ کا

مطلب تیزی سے جانے کا تھا۔ اس لیے انہوں نے راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ غرض دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی عتاب نہ کیا گیا۔

اسلام کا پرچم علیؓ کے ہاتھ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو جھنڈا دیا اور مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو حفاظت کے لیے چھوڑ گئے اور خود بنو قریظہ کے قلعوں پر جا اترے اور پچیس رات تک ان کا محاصرہ جاری رہا۔ جب محاصرے نے شدت اختیار کر لی تو (یہود) کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کے سامنے تین صورتیں پیش کیں یا تو اسلام قبول کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو جاؤ اور یا اپنی اولاد کو قتل کر دو اور تلواریں لے کر ان کے مقابلہ میں نکل چلو اور یا انہیں ختم کر کے رکھ دو یا خود ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ اور یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ پر ایک دم حملہ کر دو۔ اور یہ دفعتاً حملہ ہفتے کے دن کرو، کیونکہ اسی دن (صحابہؓ) ان کے مقاتلہ سے پرامن ہوں گے۔ انہوں نے ہر صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی طرف ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیجنے کی درخواست کی کہ ہم اس سے مشورہ کریں گے۔ جب انہوں نے (ابولبابہ) کو دیکھا تو اس کے سامنے رونے لگے اور کہنے لگے: اے ابولبابہ محمد کے تو ہمیں کیا مشورہ دیتا ہے!

انہوں نے کہا ہاں! اور گردن کی طرف اشارہ کیا (جیسے کہ) کہہ رہا ہو۔ اگر تمہارے حق (میں ذبح کا حکم ہو گا۔ پھر فوراً محسوس ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔ چنانچہ وہ چل پڑے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر نہ ہوئے بلکہ مسجد نبوی میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور حلف دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: اسے اس وقت تک رہنے دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور رسول اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ اس کے بعد یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اترے۔ چنانچہ

اوس والے کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول بنی قینقاع کے معاملہ میں جو آپ نے کیا وہ تو آپ جانتے ہی ہیں اور وہ لوگ ہمارے بھائیوں خزرج کے حلیف ہیں اور یہ (بنو قریظہ) ہمارے غلام ہیں اس لیے ان پر احسان فرمایئے گا، آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ خود انہی کا ایک آدمی ان کے متعلق فیصلہ کر دے!

انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا۔ آپ نے فرمایا: یہ سعد بن معاذ فیصلہ کریں گے۔ کہنے لگے ہم راضی ہیں، آپ نے سعد بن معاذ سے کہلا بھیجا یہ مدینہ میں تھے اور زخمی ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ آسکے تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کرایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔

اگر وہ ان سے کہنے لگا اے سعد! ہم پر احسان کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ان کے بارے میں حکم (فیصل کنندہ) قرار دیا ہے۔ اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، یہ خاموش رہے اور انہوں نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے کثرت سے دریافت کیا تو کہنے لگے اب سعد کے لیے وقت آگیا ہے کہ اسے اللہ کے بارہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے (عار) نہ آئے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو بعض مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا، اپنے سردار کے لیے اٹھو۔

جب صحابہ نے انہیں اتارا تو کہا اے سعد! اس قوم نے تیرے فیصلے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ انہوں نے پوچھا تو کیا فیصلہ ان پر نافذ بھی ہوگا! انہوں نے جواب دیا ہاں! وہ کہنے لگے اور مسلمانوں پر بھی! انہوں نے جواب دیا ہاں! پھر انہوں نے کہا اور ان پر جو یہاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و اعزاز کی وجہ سے آپ کی جانب اشارہ کیا آپ نے فرمایا ہاں! مجھ پر بھی۔

یہ کہنے لگے تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ (بنو قریظہ) کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کی اولاد کو غلام بنا لیا جائے اور مال کو تقسیم کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے یقیناً ساتوں آسمانوں سے اوپر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس حکم کے نفاذ سے قبل کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ عمر بن سعد بھاگ گیا اور کہیں روپوش ہو گیا۔ عہد توڑ دینے کے باعث یہ اپنی قوم میں نہ رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا جو بالغ تھا اور جو نابالغ تھا اسے بچہ قرار دے کر (غلام بنالیا گیا) چنانچہ مدینہ کے بازار میں ایک خندق کھودی گئی اور ان کی گردنیں پار کر (اس خندق میں ڈال دیا گیا اس وقت ان کی تعداد چھ سو سے لے کر سات سو تک تھی۔ اور ایک عورت کے سوا کوئی عورت قتل نہیں ہوئی۔ اسے بھی سعد بن صامت کے قتل کرنے کے باعث قصاص میں قتل کیا گیا۔ انہیں خندقوں کی طرف گروہ در گروہ لے جایا گیا۔

اور جب یحییٰ بن اخطب کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نگاہ پڑنے پر وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں نے آپ کی عداوت کے باعث اپنے آپ کو کبھی ملامت نہیں کیا لیکن اللہ جسے غالب کر دے وہی غالب ہوتا ہے۔ پھر کہنے لگا اے لوگو! کوئی حرج نہیں اللہ کی تقدیر یہ بنی اسرائیل پر عائد کر دی گئی۔ پھر اسے قید کر دیا گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔

ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس نے زبیر بن باطا اس کے اہل اور مال کی سفارش کی۔ آپ نے اس کو انہیں ہبہ کر دیا۔ ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری جان و مال و اہل مجھے ہبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ سب تیرے ہی ہیں وہ بدبخت بولا۔ اے ثابت بن قیس میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو مجھے دوستوں سے نہ ملادے گا؟ چنانچہ اس کی گردن بھی مار دی گئی۔ اور اسے بھی اس کے یہودی دوستوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ یہ تمام کاروائی یہودِ مدینہ کے متعلق ہوئی آپ کو ہر بڑے غزوے کے بعد یہود سے جہاد کرنا پڑا۔ غزوہ بدر کے بعد بنو قینقاع سے غزوہ احد کے بعد بنو نضیر سے اور غزوہ خندق کے بعد بنو قریظہ کے مقابلہ میں جہاد کرنا پڑا اور خیبر کے یہودیوں کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب تذکرہ کریں گے۔

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے مصالحت کی تو بعض قبائل نے صلح توڑ دی اور بعض نے عہد پورے کیے اور سب نے آپ سے جنگ کو پسند کیا۔ آخر آپ نے بنو قریظہ بنو نضیر اور بنو قینقاع کی طرح سب کو عہد شکن قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے اہلِ مکہ سے برتاؤ کیا پس اس طرح معاہدین کے ساتھ یہ طریق کار مسنون ہے اور ذمی لوگوں سے بھی ایسا ہی سلوک کرنا مناسب ہے جسے اصحاب احمد و فقہائے کرام نے صراحت کی ہے اور اصحاب شافعی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے۔ عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے اور جنہوں نے عہد قائم رکھا اور اس سے راضی رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اور اصحاب شافعی نے ان میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ ذمی سے عہد پورا کرنا از حد مؤکد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لاتے تو اپنے اور یہود کے درمیان مصالحت اور عہد کو موقت نہیں کیا بلکہ جب تک وہ اس پر قائم رہے اور جنگ پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپ نے اس عہد کو مطلقاً پورا فرمایا اور یہ ان کا ذمی ہونے کا حق تھا اور اس وقت جزیے کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بلکہ یہ بعد میں فرض کیا گیا اور جب یہ حکم بھی نازل ہو گیا تو آپ نے جزیہ بھی عائد فرمایا اور سابقہ عہد میں ایک شق بڑھ گئی، لیکن عہد تبدیل نہ فرمایا۔ اب اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی پابندی کی جائے اور جب ان میں سے بعض نے عہد توڑ دیا اور دوسروں نے باقی رکھا اور مسلمانوں کو دونوں فریقوں کا واضح علم نہ ہو سکا تو پھر معاہدین اور مصالحت کرنے والوں کی عہد شکنی کی طرح ان سے برتاؤ کیا گیا۔

اور جب شام میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے مکانات اور اموال جلا دیئے اور جامع اعظم (سب سے بڑی مسجد) کو جلانے کا بھی انہوں نے ارادہ کر لیا بلکہ اس کا منارہ جلا دیا اور اگر حفاظت نہ کی جاتی۔ تو قریب تھا کہ ساری مسجد کو جلا دیتے اور نصاریٰ کو ان حرکات کا علم تھا۔ بلکہ وہ اس کام سے متفق اور خوش تھے تو فقہائے کرام سے حاکم شہر نے فتویٰ دریافت کیا تو انہوں نے اس کو ان کے اس فعل کی بناء پر عہد شکنی قرار دیا اور دوسرے چونکہ اس فعل شنیع پر خوش اور راضی تھے اس لیے انہیں (مجرم) قرار دیا اور اس

کی سزا قتل ہے اور قیدی کی طرح اس میں امام کو اختیار نہیں کیونکہ وہ تو بہر حال حسد کے باعث قتل کیا جاتا ہے اور اسلام حدود ساقط نہیں کرتا اور جو آدمی حدود اللہ کے ایفاء کا وعدہ کر کے ذمی بن جائے اس کا قتل ساقط نہیں ہو سکتا۔ بخلاف حربی (جنگ کرنے والے) کے کہ وہ جب اسلام قبول کرے گا تو اسلام اس کے جان و مال کی حفاظت کرے گا اور اسلام سے قبل جو اس نے افعال کیے ہیں ان پر اسے قتل نہ کیا جائیگا اس کا الگ حکم ہے اور عہد شکن ذمی کا الگ حکم ہے۔ نصوص و اصول امام احمد کا یہی مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی کئی مواقع پر اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

غیر مسلموں سے معاہدے اور مصالحت

نیز آپ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ جب آپؐ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا اسے بھی معاہدہ میں شریک کر لیتے اور دوسری قوم اگر آپ سے معاہدہ کرتی تو آپ اسے بھی اس عہد میں شریک کر کے معاہدہ قرار دے دیتے اور جو ان میں سے جنگ کرتا۔ پھر دوسری معاہد قوم کو معاہب قرار دیتے۔ اس وجہ سے آپ نے اہل مکہ پر حملہ کیا۔ کیونکہ جب آپ نے (اہلِ مکہ) کے ساتھ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن وائل اٹھے اور انہوں نے قریش سے معاہدہ کر لیا اور اس عہد میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا اور اس عہد میں وہ بھی داخل ہو گئے اس کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان میں سے کچھ آدمی قتل کر دیئے۔ قریش نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے ان کی مدد کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو عہد شکن قرار دے دیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات آئندہ انشاء اللہ بیان ہوں گی۔ اسی وجہ سے شیخ اسلام ابن تیمیہؒ نے بھی مشرق نصریٰ سے جنگ کرنے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں (نصریٰ) کی مالی اور ہتھیاروں سے مدد کی۔ اگر وہ خود نہیں لڑے اور نہ وہ میدان میں آئے۔ لیکن پھر بھی وہ عہد شکن نہیں، جس طرح قریش نے بنو بکر وائل کو جنگ میں

مدد دے کر عہد شکنی کی اور جب ذمی لوگ باہر کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف مدد دیں تو کس طرح انہیں عہد شکن قرار نہ دیا جائے (یعنی وہ یقیناً اسلامی ریاست کے باغی ہیں) اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

دشمن کے قاصد خدمت نبوی میں

نیز آپ کی خدمت میں دشمنوں کی جانب سے قاصد حاضر ہوئے آپ انہیں نہ تکلیف دیتے اور نہ قتل کرتے۔ اور جب آپ کے پاس مسیلمہ کذاب کے دو قاصد عبداللہ بن نواحہ اور ابن اثال حاضر ہوئے، تو آپ نے دریافت فرمایا:

تمہارا کیا عقیدہ ہے!

وہ کہنے لگے جیسا (مسیلمہ) نے کہا ہے ویسا ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ چنانچہ آپ کی سنّت طیبّہ جاری ہو گئی کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے۔

نیز آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ جب قاصد آپ کا دین قبول کر لیتا تو آپ اپنے پاس ذ روکتے اور نہ اپنی قوم کے پاس جانے سے منع کرتے، بلکہ اسے دوبارہ وہاں ہی لوٹا دیتے جیسا ابو رافع نے بتایا کہ قریش نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں اسلام کی محبت آگئی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں لوٹ کر ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کروں گا اور نہ چادر کو روکوں گا۔ ان کی طرف واپس جاؤ وہاں جا کر بھی تمہارے قلب میں وہی (ایمان) باقی رہا جو اب ہے تو لوٹ آنا۔

امام ابو داود فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانہ میں واقع ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح حدیبیہ کر رکھی تھی، جس میں شرط یہ تھی کہ جو مکہ سے مدینہ آئے گا اسے لوٹانا ہوگا۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو چکا ہو۔ لیکن آج کل یہ صورت نہ ہوگی"۔ بلکہ یہ تو مشروط صورت میں تھا، جیسا ابو داؤدؒ نے فرمایا ہے اور جو قاصد ہیں ان کا حکم دوسرا ہے۔ آپ دیکھ ہی تو رہے ہیں کہ آپ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں سے کچھ بھی تعرض

نہیں فرمایا۔ حالانکہ انہوں نے آپؐ کے سامنے کہا: کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے"۔

نیز آپ کی سنّت طیبّہ یہ تھی کہ اگر آپ کے دشمن آپ کے کسی صحابیؓ سے معاہدہ صلح کر لیتے تو آپ اس معاہدہ کو (محدود حد تک) جاری رکھتے۔ جیسے کہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد نے (کفار) سے معاہدہ کر لیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے خلاف جنگ نہ کریں گے۔ تو آپؐ نے اسے جاری رہنے دیا۔ اور فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو اور ہم کافروں کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔

قریش نے آپؐ سے دس سال کے لیے معاہدہ (جنگ بندی) کر لیا اور یہ بھی شرط رکھ دی کہ جو بھی مسلمان ہو کر مدینے آجائے اسے واپس کرنا ہوگا اور جو مدینے سے (مکہ) چلا آئے اُسے وہ واپس نہ کریں گے۔ مردوں اور عورتوں کے متعلق یہ الفاظ عام تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے متعلق یہ شق منسوخ فرما دی اور صرف مردوں کے حق میں رہنے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو حکم دیا کہ اگر ان کے پاس کوئی عورت آجائے تو اس کا امتحان لو۔ اگر اسے مومنہ سمجھو تو اسے کفار کی طرف واپس نہ کرو۔

اور کفار کے نکاح حسب سابق برقرار رہیں گے، انہیں باطل نہ کیا جائے اور مہاجر مسلمان عورت کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگرچہ (کسی معاہدے) میں یہ شرط بھی لگا دی جائے نیز مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

خیبر کے یہود سے معاملہ

کافروں، منافقوں اور دوستوں سے آپ کا برتاؤ

اہل خیبر پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے بعد آپؐ نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ جلا وطن ہو جائیں گے۔ البتہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جتنا سامان لے جا سکتے ہوں لے جائیں باقی زر نقد اور سلاح جنگ آپ کی ملکیت ہوں گے۔

معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ کوئی چیز نہ چھپائیں نہ غائب کریں، اگر ایسا کیا تو پھر نہ وہ مسلمانوں کے ذمہ میں رہیں گے نہ معاہدۂ صلح قائم رہے گا، لیکن انہوں نے ایک مشک غائب کر دی جس میں حی بن اخطب کا مال تھا جسے وہ بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت اپنے ساتھ خیبر لے آیا تھا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا سعید سے فرمایا:

حی جو مشک بنو نضیر سے لایا تھا، اس کا کیا ہوا؟

وہ کہنے لگا: وہ رات کو اخراجات اور جنگوں میں ختم ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا معاہدے کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اتنا زیادہ کیسے خرچ ہو گیا، حالانکہ حی بنو قریظہ کیساتھ ہی قتل ہو گیا تھا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبیر کے حوالے کیا تاکہ اسے محبوس رکھیں، انہوں نے اس پر سختی کی تو انہوں نے ایک خرابے کی نشان دہی کی۔ چنانچہ (صحابہؓ) وہاں گئے، تلاش کیا۔ تو انہیں مشک مل گئی، ان کی عہد شکنی کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی حقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کیا ان میں ایک حی بن اخطب کی لڑکی صفیہ کا شوہر تھا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا اور ان کے

اموال کو تقسیم کر دیئے اور خیبر سے انہیں نکالنے کا فیصلہ فرما لیا، اس موقع پر یہود نے کہا۔ آپ ہمیں یہیں رہنے دیجیے۔ ہم اس علاقہ سے خوب واقف ہیں، زمین کی کاشت کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو یہ ذمہ داری اٹھا سکتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاقہ اس شرط پر ان کے سپرد کر دیا کہ اس زمین میں جو پیداوار ہو گی اس کا نصف مسلمانوں کو اور نصف انہیں ملے گا اور جب تک آپ چاہیں گے، یہ لوگ یہاں آباد رہیں گے۔ بنو قریظہ کی طرح ان کا قتل عام نہ تھا۔ کیونکہ گو عہد شکنی میں سب شریک تھے، لیکن یہ لوگ ایسے نہ تھے جن کو مشک کا علم تھا جنہوں نے اسے پوشیدہ کر دیا تھا، اور جنہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر پتہ چل جائے تو معاہدہ فتح کی رو سے وہی لوگ قتل کیے جائیں چنانچہ تمام اہل خیبر کو یہ سزا نہیں دی گئی۔ کیونکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ حی کی مشک کا علم سب کو نہ تھا اور یہ ایک خرابے میں تھی۔

یہ اس ذمی یا معاہد کی مثال ہے جو عہد شکنی کرے اور دوسرے افراد عہد شکنی پر مائل نہ ہوں۔ کیونکہ عہد شکنی کا حکم اس سے مختص سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد زمین کو نصف کاشت پر دینا مساقات و مزارعت کے جواز کی دلیل ہے اور اگر کھجور کا درخت ہو پھر بھی اس صورت پر کچھ اثر مرتب نہ ہو گا۔ نیز اس واقعہ سے یہ وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ مالک زمین کی جانب سے بیج دینا بھی شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک حصہ پر مصالحت کی اور انہیں بیج نہیں دیا اور نہ (بعد میں) آپ نے انہیں کبھی بیج بھیجے۔ چنانچہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ (مزارعت) میں اگر یہ کہا جائے کہ (بیج) عامل کی طرف سے ہوں گے۔ تو یہ مالکِ زمین کی جانب سے ہونے کی بجائے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہی طریقہ اہل خیبر کے متعلق سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور صحیح مسلک یہ ہے کہ بیج عامل اور مالکِ زمین دونوں کی جانب سے ٹھیک ہے، کسی کو مختص قرار دینا ضروری نہیں اور جن لوگوں نے بیج مالک زمین کی جانب سے لازم قرار دیا، ان کے پاس مزارعت کو

مضاربت پر قیاس کرنے کے سوا کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مضاربت میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اصل زر مالک کی جانب سے ہوگا اور مضاربت کی جانب سے ہوگی۔ اس لیے مزارعت میں یہی صورت ہوگی، اس طرح مساقات میں بھی یہی صورت روا رکھی جائے گی کہ درخت ایک کی جانب سے ہوں گے اور محنت دوسرے کی جانب سے ہوگی۔ حالانکہ یہ قیاس حق میں ہونے کی بجائے خلاف زیادہ ہے، کیونکہ بیع مضاربت میں اصل زر مالک کے پاس لوٹ جاتا ہے اور منافع تقسیم ہوتا ہے اور اگر مضاربت میں یہ بھی یہی بات مشروط قرار دے دی جائے تو بیع فاسد ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے بیج کو اصل زر کے قائم مقام نہیں بنایا بلکہ اسے تمام سبزیوں کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ اس لیے مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنا غلط ہے۔

آخر کار جب آپ نے یہود کو خیبر میں قیام کی اجازت مرحمت فرما دی۔ آپ ہر سال ایک اندازہ کرنے والا وہاں بھیجتے جو پیداوار کا اندازہ کرتا اور معائنہ کے بعد مسلمانوں کا حصہ الگ کر دیتا، باقی پر تصرف میں وہ آزاد ہوتے، اور ایک ہی اندازہ کرنے والا کافی ہوتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھجور کے پھلوں کی طرح دوسرے پھلوں کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جب حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کے لڑکے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر کا مال لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہود نے انہیں ایذا دی اور مکان سے نیچے گرا دیا۔ اور مال لینے سے روکا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں شام کی طرف خارج کر دیا اور صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ میں خیبر کا علاقہ تقسیم کر دیا۔

عقدِ ذمہ اور جزیہ وصول کرنے کے متعلق آپ کی سنّتِ طیبہ

ہجرت کے آٹھویں سال

سورۃ براۃ نازل ہونے سے قبل تک آپ نے کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا، جب جزیہ کی آیات نازل ہوئیں تو آپ نے مجوسیوں، اہل کتاب اور نصاریٰ سے جزیہ وصول فرمایا؛ اور حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف ارسال فرمایا۔ انہوں نے ایسے یہودیوں پر جزیہ عائد کیا، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور انہیں اپنی حفاظت میں لینے کا معاہدہ کر لیا، البتہ خیبر کے یہود سے کچھ نہیں لیا۔ چنانچہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا کہ اہلِ خیبر کیلئے

یہ مخصوص حکم کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے ۔ باقی تمام اہل کتاب سے لیا جائے، اصل میں یہ سیر و مغازی میں عدم فقاہت کی علامت ہے ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقاتلہ فرمایا اور پھر ان سے اس طرح مصالحت کی کہ جب تک آپ چاہیں وہ یہاں آباد رہ سکتے ہیں اور ابھی جزیہ کا حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ نزول حکم جزیہ سے قبل ہی ان سے وقوف خیبر اور صلح کا معاہدہ طے پا چکا تھا ۔ چونکہ ان میں معاہدہ چلا آ رہا تھا اور یہ لوگ ایک مقررہ حصہ پر (خیبر) کی زمین پہ کام کر رہے تھے اس لیے ان سے اس کے سوا اور کچھ مطالبہ نہ ہوا اور دوسرے اہل کتاب پہ جزیہ ادا کیا گیا ۔ جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہ تھا ۔ جیسے نجران کے عیسائی، یمن وغیرہ کے یہود اور جب حضرت عمر نے انہیں شام کی طرف ملک بدر کر دیا تو خیبر کی زمین کی (کاشت وغیرہ) کے متعلق سابق معاہدہ بھی بدل گیا اور یہود خیبر کی حیثیت بھی دوسرے اہل کتاب کی سی ہو گئی ۔

جب جزیہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں یعنی تین گروہوں سے جزیہ وصول کیا اور بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا ۔ اس لیے بعض کے خیال میں مذکورہ لوگوں کے علاوہ باقی کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا جا سکتا ۔ بعض کا خیال ہے کہ اہل کتاب اور دیگر کفار سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا اور عرب کے بت پرستوں کے سوا عجم کے بت پرستوں سے بھی (جزیہ وصول کیا جا سکتا ہے) پہلا قول امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا ہے اور دوسرا قول ابو حنیفہ کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے مؤید ہیں ۔ دوسرے قول کے حامی کہتے ہیں کہ آپ نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا ۔ کیونکہ یہ حکم نازل ہونے سے قبل عرب کے تمام بت پرست اسلام لا چکے تھے اور وہاں کوئی بھی بت نہ رہا تھا، یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ نے تبوک میں عیسائیوں کے ساتھ جہاد کیا ۔ اگر سرزمین عرب میں مشرکین ہوتے تو انتی دور جانے کے بجائے مشرکین عرب سے جہاد کرنا زیادہ اولیٰ تھا، جو شخص تاریخ غزوات اسلام کا رمز آشنا ہے وہ بآسانی سمجھ لے گا کہ معاملہ یوں ہی تھا ۔ پس ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا گیا کہ جن سے (جزیہ) لینا تھا، ان کا وجود ہی مفقود ہو چکا تھا ۔

البتہ آپ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب بھی ہے۔ یہ مرفوع روایت ہے، ایسی روایت صحیح نہیں کہی جا سکتی، نہ اس کی سند صحیح ہے۔ آتش پرستوں اور بت پرستوں میں کوئی فرق نہیں، بلکہ بت پرست آتش پرستوں کی نسبت قدرے بہتر ہیں وہ اس سلسلہ دین ابراہیم سے تمسک ظاہر کرتے تھے اور آتش پرست ابراہیم خلیل اللہ کے علانیہ دشمن تھے۔ جب ان سے جزیہ لیا گیا تو بت پرستوں سے جزیہ لینا زیادہ اولی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا صحیح مسلم میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، جب مشرکین میں سے کسی دشمن سے دوچار ہو تو اسے تین میں سے کسی کی دعوت دو۔ اگر وہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے تو اسے قبول کر لو اور جنگ نہ کرو پھر آپ نے (ان تینوں باتوں) کی وضاحت فرمائی کہ:-

(۱) اسلام کی دعوت دو،

(۲) یا جزیہ ادا کرنے کا حکم دو،

(۳) یا پھر جنگ کرو۔

علاوہ ازیں حضرت مغیرہ نے کسریٰ کے عامل سے بھی فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ تم اللہ کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش سے فرمایا تھا کہ کیا تم صرف ایک کلمہ کا اقرار کر لو گے؟ کہ جس کی وجہ سے عجم والے تمہیں جزیہ دیا کریں گے! وہ کہنے لگے وہ کلمہ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ: یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب آپ تبوک سے واپس ہوئے تو اہل دومہ سے مقابلہ ہوا اور جزیہ پر ان سب سے مصالحت کر لی گئی۔ نیز اہل نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار پارچہ جات پر مصالحت فرمائی کہ نصف صفر میں اور باقی رجب میں مسلمانوں کو ادا کریں گے اور مسلمانوں

کو عاریتہً تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے تیس ہتھیار دیں گے، جن سے مسلمان جہاد کریں گے۔ اور مسلمان ان چیزوں کے ضامن بھی ہوں گے، یہاں تک کہ انہیں لوٹا دیں، نیز یہ کہ ان کی عبادت گاہیں نہیں گرائی جائیں گی نہ ان کے پادریوں کو باہر نکالا جائے گا، نہ انہیں دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ کوئی شرارت نہ کریں یا سود کھائیں۔ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرارت یا سودخوری سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اگر یہ عہد مشروط ہو، اور جب حضرت معاذ کو آپ نے یمن کی طرف بھیجا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے معافری لے لو (معافری یمن کے کپڑوں کی ایک قسم ہے۔ یہ اس پر شاہد ہے کہ جزیہ کی جنس اور مقدار مقرر نہیں۔ کپڑے، سونا، زیورات ہر چیز جائز ہے اور مسلمانوں کی ضروریات کے مطابق اس کی مقدار میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور امارت و افلاس کا لحاظ بھی تفاوت ہوسکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عرب و عجم کے جزیہ میں تفریق نہیں فرمائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے نصاریٰ سے بھی جزیہ لیا۔ اور ہجر کے ان مجوسیوں سے بھی وصول فرمایا جو عرب تھے۔ کیونکہ عرب ایک ایسی قوم ہے کہ جس کے پاس (الٰہی) کتاب نہ تھی اور ہر گروہ اپنی پڑوسی قوموں کے دین پر چل رہا تھا۔ چنانچہ بحرین کے عرب مجوسی تھے کیونکہ ان کے پڑوس میں فارس کا علاقہ تھا اور شوخ بہرا اور بنو تغلب روم کے پڑوسی ہونے کے باعث عیسائی تھے اور یمن کے قبائل یہود یمن کی مجاورت کے باعث یہودی تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ کے احکام نافذ فرما دیئے اور ان کے آباد و اجداد کا اعتبار نہیں کیا نہ اس بات کا خیال فرمایا کہ یہ لوگ دین اہل کتاب میں کب داخل ہوئے؟ آیا نسخ اور تبدیلی سے قبل داخل ہوئے یا بعد میں اور حضرت معاذ کا قول کہ ہر بالغ سے ایک دینار لینا" اس بات کی دلیل ہے کہ بچے اور عورت سے جزیہ لیا جائے گا۔

کفار اور منافقین کے ساتھ آپ کی سنت بعثت وفات تک

ابتدا میں اللہ

تعالیٰ نے وحی فرمائی:۔

اپنے رب کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا؛ یہاں نبوت کا آغاز تھا۔ اس لیے دل دل میں پڑھنے کا حکم دیا، دوسروں کو تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا، پھر آیت نازل فرمائی:۔

یا ایھا المدثر قم فانذر یعنی: اے کملی والے اٹھ اور ڈرا۔

شروع میں اقرأ پڑھ کر فرمان سے متنبہ کیا اور پھر یا ایھا المدثر کا حکم نازل کر کے فرمایا اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اس کے بعد اپنی قوم کو ڈراؤ۔ پھر ان کے چاروں طرف کے عربوں کو ڈراؤ، پھر عرب قاطبہ کو ڈراؤ، پھر تمام جہان والوں کو ڈراؤ۔ چنانچہ آپ بعثت کے بعد دس سے کچھ زیادہ برس بغیر جنگ یا جزیہ کے تبلیغ فرماتے رہے اور آپ کو خاموشی، صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ جو آپ سے لڑے اس سے آپ مقاتلہ کریں اور جو الگ ہو جائے اس سے رک جائیں، اس کے بعد مشرکین کے قتال کا حکم فرمایا تاکہ دین صرف اللہ ہی کا رہ جائے۔ اب جہاد کی اجازت کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۱) مصالحین و معاہدین۔

(۲) دوسرے اہل حرب۔

(۳) تیسرے اہلِ ذمہ۔

اس لیے آپ کا حکم ملا کہ مصالحین و معاہدین سے عہد پورا کیا جائے اور جو عہد توڑ دے اس سے مقاتلہ کیا جائے اور جب سورۃ براءت نازل ہوئی تو ان تینوں اقسام کے متعلق احکامات واضح کر دیئے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اہل کتاب میں سے دشمنوں کے ساتھ مقاتلہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں یا اسلام قبول کریں۔ کفار، منافقین کے خلاف مقاتلہ اور سختی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے کفار کے ساتھ تلوار اور نیزے سے مقاتلہ کیا اور منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان سے جہاد کیا اور کفار کے معاہدوں سے اعلان بیزاری کا حکم دیا اور معاہدین کو تین حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک قسم کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنھوں نے عہد شکنی کی، اپنے وعدے پر قائم نہ رہے۔ ان سے آپ نے جنگ کی اور ان پر غالب آ کر رہے۔ معاہدین کی دوسری قسم وہ تھی جنھوں نے عہد شکنی نہ کی۔ اور نہ ان کے معاہدے

پر قائم تھے اور نہ انہوں نے عہد شکنی کی اور نہ آپ نے انکے خلاف جہاد کیا۔ انکے متعلق معاہدہ کی میعاد پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ تیسری قسم وہ تھی جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا اور نہ انہوں نے آپ سے جنگ کی۔ یا ان کے معاہدے مطلق تھے۔ آپ نے انہیں چار ماہ کی مہلت دی۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو آپ نے ان سے مقاتلہ کیا۔ منافقین کے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر اعمال کو قبول کرنے اور باطن کے حالات اللہ کے سپرد کرنیکا حکم دیا۔ (اور اس بات کا حکم دیا) کہ ان سے علم اور دلیل سے مجادلہ کیا جائے اور ان سے اعراض کرنے اور سختی کرنے کا حکم فرمایا اور اچھے انداز سے انہیں سمجھانے کا حکم دیا اور ان کا جنازہ پڑھنے اور انکی قبور پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر ان کیلئے بخشش طلب کرو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ کفار اور منافقین کے متعلق آپ کی سیرت طیبہ یہ تھی۔

صحابہ اور اپنی جماعت کے متعلق آپ کی سُنّتِ طیّبہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ہمراہ رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ اس کی (رضا) چاہتے ہیں اور انہیں معاف کرنے مختلف امور میں ان سے مشورہ لینے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور نافرمانوں سے علیحدہ ہونے کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں اور آپ کی اطاعت کریں، جیسے کہ آپ نے تین پیچھے رہنے والوں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ نیز حکم دیا کہ جو آپ سے برائی کرے اس کے احسان سے اور جہالت کے حلم سے اور ظلم کا عفو سے اور قطع رحمی کا صلہ رحمی سے بدلہ دیں۔ نیز بتا دیا کہ اگر آپ نے یہ کام کیے تو آپ کے دشمن بھی گہرے دوست بن جائیں گے اور جناب میں سے دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور یہ تمام اخلاق حسنہ سورہ اعراف، مومنین اور حم السجدہ کی آیات جمع کر دیتے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں فرمایا:

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين واما ينزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم۔

اسی سورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے جہلاء کے شر سے بچنے کیلئے ان سے اعراض کرنے اور

شیطان کے شر سے بچنے کے لیے پناہ مانگنے پر حکم دیا اور اس آیت میں اخلاق حسنہ کی تمام باتیں جمع فرما دیں، اور سورہ مومنین میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

قل رب اما تریني ما یوعدون رب فلا تجعلني في القوم الظالمين وانا علی ان نریك ما نعدهم لقادرون ادفع بالتي هي احسن السيئة نحن اعلم بما یصفون وقل رب اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك رب ان یحضرون۔

یعنی تو کہہ اے رب، کبھی تو دکھا دے مجھ کو، جو ان کو وعدہ ملتا ہے، تو اے رب مجھ کو نہ کریو، ان گناہ گار لوگوں میں اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھا دیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں، بری بات کے جواب میں وہ کہ جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں، اور کہہ اے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں"۔

اور سورہ حٰم السجدہ میں فرمایا:۔

ولا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانه ولي حميم وما یلقاها الا الذين صبروا وما یلقاها الا ذو حظ عظيم واما ینزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه هو السميع العليم۔

یعنی اور برابر نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ اس سے بہتر، پھر جو دیکھے تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی، جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔ اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو سہارا رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بے شک ہے سنتا جانتا۔

اس طرح مذکورہ انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانوں، جنوں، مسلمانوں اور کافروں کے برتاؤ کے معاملہ میں سیرت طیبہ بیان ہو گئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا

بدر کا عظیم اور تاریخی معرکہ

اسلام کا پہلا لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لشکر ہجرت کے ساتویں ماہ رمضان کے مہینہ میں ارسال فرمایا جس کا پرچم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے لیے تھا۔ یہ جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور ابو مرثد کناز بن حصین غنوی نے اٹھا رکھا تھا، آپ نے مہاجرین میں سے تیس صحابہ کو شام سے آنے والے قریش کے قافلہ کے مقابلہ میں ارسال فرمایا جس میں ابوجہل تین سو آدمیوں کے ہمراہ آ رہا تھا، چنانچہ یہ لوگ سمندر کے کنارے درختوں کی جانب سے پہنچے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن مجدی بن عمرو جہنی اس طرف اور اس طرف دونوں گروہوں کا حلیف تھا۔ اس نے کوشش کر کے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اور جنگ نہ ہوئی۔

وادیٔ رابغ میں مقابلہ پھر ہجرت کے آٹھویں ماہ شوال کے آخر میں عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر وادی رابغ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے لیے بھی سفید جھنڈا تیار کیا گیا۔ اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا، بلکہ ساٹھ کی تعداد میں صرف مہاجرین ہی تھے۔ اور ابو سفیان بن حرب نے جحفہ کے مقام سے دس میل دور وادی رابغ میں مقابلہ ہوا جس کے ہمراہ دو سو آدمی تھے۔ اس جنگ میں تیراندازی ہوئی تلوار نہ چلی، نہ باقاعدہ جنگ ہوئی۔ اسے صرف مڈبھیڑ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وہاں موجود تھے۔ اللہ کے راستہ میں انہوں نے سب سے پہلے تیر مارا۔ پھر دونوں فریق واپس چلے گئے۔

وادیٔ نخلہ میں

پھر ہجرت کے سترھویں مہینے رجب میں آپ نے عبداللہ بن جحش اسدی کو وادیٔ نخلہ کی طرف بارہ آدمیوں کے ہمراہ ارسال فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ چنانچہ قریش کے ایک قافلے سے جنگ کے لیے یہ لوگ وادیٔ نخلہ میں پہنچ گئے۔ اس سریے میں عبداللہ بن جحش کو امیرالمومنین کا نام دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک مکتوب لکھ کر دیا ہے اور فرمایا، دو دن سے پہلے اسے نہ کھولنا۔ اس کے بعد اسے کھول کر پڑھنا جب مکتوب مبارک کھولا تو اس میں تحریر تھا کہ جب تم میرے مکتوب کو پڑھنا تو چلتے جانا اور مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ٹھہرنا اور قریش کے قافلے پر گھات لگا کر بیٹھنا اور ان کے حالات سے اطلاع دینا۔ عبداللہ بن جحش نے کہا بسروچشم، پھر اپنے ساتھیوں کو مکتوب مبارک کے مضمون سے آگاہ کیا اور بتایا وہ انھیں مجبور نہیں کرتے، جو شہادت کا طلب گار ہو، وہ چل پڑے اور جو موت سے ڈرتا ہو، وہ لوٹ جائے، اور میں تو آگے قدم بڑھا رہا ہوں، چنانچہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راستے میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کی سواری کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور عبداللہ بن جحش دور نکل گئے۔ آخر وادیٔ نخلہ میں اترے اور قریش کا قافلہ کشمش اور کھالیں اور تجارتی سامان لے کر گزرا۔ عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دونوں لڑکے عثمان اور نوفل بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان بھی اسی قافلے میں تھے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے یہ رجب یعنی ماہ احرام کا آخری حصہ ہے، اگر ہم نے مقاتلہ کیا تو شہر حرام کی توہین کی۔ اور اگر آج رات انھیں چھوڑ دیا تو یہ لوگ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ آخر مقابلے پر اتفاق رائے ہو گیا۔ کسی نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور وہ قتل ہو گیا۔ عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا اور نوفل بھاگ گیا۔ یہ لوگ قافلے کا سامان اور دو قیدی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور خمس نکال کر الگ کر لیا۔ اسلام میں یہ پہلا خمس اور پہلا قتل اور پہلے دونوں قیدی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے بیزاری کا اعلان کیا۔ قریش اس واقعہ سے بھڑک اٹھے انھیں موقع ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے محمد نے شہر حرام میں قتل ا

کو جائز قرار دیا۔ اور مسلمانوں پر بھی اس واقعہ کا سخت اثر ہوا، آخر تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں:

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل ۝

یعنی تجھ سے شہر حرم کے متعلق اس میں قتال کرنے کے بارہ میں پوچھتے ہیں، کہہ دو اس میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام (کا انکار کرنا) اور (حرم) کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ وہ بات ہے جس کو تم نے منکر سمجھا، یہ اگرچہ برائی ہے لیکن تم نے اللہ کا کفر کیا۔ اس کی راہ سے اور اس کے گھر سے روکا اور اس کے اہل، مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا، نیز جس شرک پر تم قائم ہو، اور جو جو تمہاری جانب سے فتنے بپا کئے گئے، یہ ساری باتیں شہر حرام میں قتال سے بھی زیادہ بری ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا، اور اپنے دوستوں کو بھی ارتکاب خطا سے بری قرار نہیں دیا، بلکہ بتایا کہ شہر حرام میں قتال کرنا بہر حال بڑا گناہ ہے لیکن جس پر مشرکین قائم ہیں وہ شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی بڑا اور عظیم گناہ ہے لہٰذا وہ مذمت اور سزا کے مستحق ہیں، اور اللہ کے دوستوں نے قتال میں زنا فرمائی اسے نہیں بلکہ تاویل سے کام لیا تھا یہ ایسا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ انھیں توحید، اطاعت اور معیت رسول میں ہجرت کے آثار اور قربانی کے باعث معاف فرما دے گا۔

واذا الحبیب اتی بذنب واحد جاءت محاسنہ بالف شفیع

اور جب دوست سے ایک گناہ سرزد ہو جاتا ہے، تو اس کے محاسن ہزار سفارشیں لے کر آجاتے ہیں۔"

اس لیے انھیں ایسے مبغوض دشمن پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے جو برائی لے کر سامنے

آئے اور نیکی کی ایک سفارش نہ رکھتا ہو۔

اور اسی سال شعبان کے مہینہ میں تحویل قبلہ ہوا جس کا مفصل ذکر گزر چکا ہے۔

ابوسفیان کی سرکردگی میں قافلہ قریش

اس سال جب رمضان کا مہینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ شام سے قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آرہا ہے۔ اسی قافلے کی تلاش میں نکلے جب یہ لوگ مکہ سے نکلے تو ان میں چالیس آدمی تھے۔ آپ نے حکم دیا تھا جس کے پاس سواری ہو وہ ساتھ چلے، لیکن یہ قافلہ پکڑا نہ جا سکا کیونکہ جلدی سے نکل گیا، اور آپ کے پاس تین سو اور دس سے کچھ زیادہ تعداد میں آدمی تھے، جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جو زبیر بن عوام کے تھے اور مقداد بن فرس کنوی کا ایک گھوڑا تھا اور ستر اونٹ تھے۔ ایک اونٹ پر دو یا تین آدمی سوار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علیؓ اور مرثد بن ابی مرثد غنوی ایک اونٹ پر حضرت زیدؓ ان کے لڑکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کنبثہؓ ایک اونٹ پر سوار تھے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک اونٹ پر سوار تھے۔

اس موقعہ پر آپ نے نماز کی امامت اور اہل بیت کی حفاظت کے لیے حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ مقرر کیا جب آپؐ روحاء کے مقام پر پہنچے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر کو واپس کیا اور انھیں مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ مصعب بن عمیر کو جھنڈا مرحمت فرمایا۔ نیز علی بن ابی طالب کو ایک جھنڈا اور دوسرا ایک انصاریؓ سعد بن معاذ کو عطا کیا اور انھیں ایک اونٹنی پر قیس بن ابی صعصعۃ کے ہمراہ سوار کر دیا۔ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپؐ نے بسیس بن عمر وجہنی اور عدی بن رعیاد کو قافلے کی خبر لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ ادھر ابوسفیان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت پر مکہ کی طرف بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ پر حملہ سے اہلِ مکہ بچاؤ کے لیے پہنچ جائیں۔ جب اہل مکہ کو اطلاع ملی، تو وہ جلدی سے نکل پڑے اور ابولہب کے کوئی بڑا آدمی مکہ میں نہ ٹھہرا۔ کیونکہ اس پر کسی آدمی کا قرض تھا۔ نیز دیگر قبائل عرب کو بھی اطلاع کر دی گئی بنو عدی کے سوا قریش کا کوئی قبیلہ پیچھے نہ رہا۔ یہ لوگ قریش کے ہمراہ نہیں نکلے۔

انصار کی طرف آنحضرت کی نگاہ امید

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو مہاجرین سے اس معاملہ میں بات چیت کی تو انھوں نے بہتر جواب دیا۔ پھر دوبارہ بات چیت ہوئی پھر بھی انہوں نے اچھا جواب دیا۔ پھر تیسری مرتبہ بات چیت فرمائی۔ پھر بھی انہوں نے اچھا جواب دیا۔ اس پر انصار سمجھ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انصار کا عندیہ معلوم کرنا ہے ــــ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جلدی سے بڑھے اور عرض کیا:

انصار کا ایمان افروز اور رُوح پرور جواب

اے اللہ کے رسول، گویا آپ ہم سے مخاطب ہیں اور آپ کا مطلب بھی یہی لوگ تھے۔ کیونکہ انہوں نے بیعت کی تھی کہ وہ آپ کو اپنے ملک میں ہر دشمن سے بچائیں گے۔ اسلئے جب آپ نے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انکی باطنی حالت سے آگاہی حاصل کرنا چاہی۔

پھر حضرت سعد نے عرض کیا کہ انصار پر جو حق ہے۔ شاید آپ کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں آپ کی مدد نہ کریں گے۔ میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور جواب دیتا ہوں جہاں آپ چاہیں نیزہ ماریں، جو رسی چاہیں کاٹ دیں اور جو آپ چاہیں جوڑ دیں۔ ہمارے اموال سے آپ جس قدر چاہیں لے لیں اور جو کچھ آپ چاہیں ہمیں دیں اور جس قدر آپ ہم سے مال لیں گے وہ ہمارے پاس چھوڑے ہوئے مال سے بہتر ہوگا اور جو چاہیں آپ ہمیں حکم فرمائیں۔ ہماری ہر حرکت آپ کے حکم کے تابع ہوگی۔ اللہ کی قسم اگر آپ غمدان کے تالاب تک جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ہمراہ ہونگے۔ اور خدا کی قسم اگر آپ ہمیں اس سمندر میں لے چلیں تو بھی ہم آپ کے ہمراہ اس میں غوطہ لگا دیں گے ــــ حضرت مقداد نے عرض کیا۔ ہم آپ کو قوم موسیٰ کی طرح جواب نہ دیں گے کہ اذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون،

یعنی تو اور تیرا پروردگار جائے اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں آپ کے آگے اور پیچھے ہر طرف سے جنگ کریں گے یہ باتیں سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا اور صحابہ کی بھی باتیں سن کر آپ از حد خوش ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا، چلو اور خوش ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو

گروہوں میں سے کسی ایک کے متعلق وعدہ کیا ہے اور میں نے قوم کا میدان جنگ دیکھا ہے۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان ڈھلوان کی طرف چلا گیا اور ساحل سمندر کے قریب جا پہنچا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وہ بچ گیا ہے اور قافلہ محفوظ رہا ہے تو اس نے قریش کو کہلا بھیجا کہ لوٹ جاؤ کیونکہ تم اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ اب تمہیں سلامتی کی خبر مل گئی۔ یہ لوگ جحفہ کے مقام پر تھے چنانچہ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا، لیکن ابوجہل کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے بلکہ بدر پہ پہنچ کر وہاں ٹھہریں گے اور اپنے ہمراہ جو عرب میں انہیں بلائیں گے۔ اس کے بعد عرب ہم سے ڈریں گے۔ آخر وہ چل پڑے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے آخر کار شام کے قریب بدر کے چشموں کے قریب آن پہنچے۔

آپ نے فرمایا کہ منزل کہاں ہونی چاہیے؟ حضرت خباب بن منذر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، میں اس جگہ اور اس کے قلب سے واقف ہوں۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہم اس کے قلب میں چلے جائیں۔ وہاں میٹھا پانی کثرت سے ہے اور وہاں ہم اتر پڑیں گے اور کفار سے قبل اس پر قبضہ کر کے ان کو پانی سے محروم کر دیں گے۔ دوسری طرف مشرکین نے تیزی سے پانی کی طرف پیش قدمی کی۔ آپ نے سعدؓ، علیؓ اور زبیرؓ کو بدر کی طرف معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا، انہوں نے قریش کے دو غلام گرفتار کیے اور لے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔

چنانچہ صحابہؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے آدمی ہو! کہنے لگے۔ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں۔ صحابہ نے اسے ناپسند کیا اور تمنا کی کہ کاش یہ ابوسفیان کے قافلے میں سے ہوتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ نے ان سے پوچھا مجھے بتاؤ قریش کہاں ہے!

وہ کہنے لگے کہ اس ٹیلے کے پیچھے۔ آپ نے پوچھا کتنی تعداد میں ہیں! کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں آپ نے پوچھا کتنے (اونٹ) روزانہ ذبح کرتے ہیں۔ کہنے لگے کسی دن نو اور کسی دن دس اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریش نو صد سے ایک ہزار تک ہیں۔

اس شب کو اللہ تعالیٰ نے بارش فرما دی، مشرکین کے لیے بارش مصیبت بن گئی اور انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور مسلمان چونکہ ریت کے ٹیلے پر تھے، انھیں پاک بنا دیا۔ زمین کو ہموار اور ریت کو سخت بنا دیا جس پر پاؤں جم سکتے تھے اور صحابہؓ کے قلوب کو ڈھارس دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پانی کی طرف بڑھے اور رات کے ایک حصہ میں اس پر اترے اور حوض بنا لیے۔

صنادید کفار کی قتل گاہ کی نشان دہی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ٹیلے پر خیمہ لگا دیا گیا جہاں سے میدان جنگ خوب نظر آتا تھا اور پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے بتایا:

یہ فلاں کی قتل گاہ ہے، اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے انشاء اللہ۔

چنانچہ آپ کی بتائی ہوئی جگہوں سے ذرا بھی وہ ادھر ادھر نہ ہوا۔

جب قریش آگے بڑھے اور دونوں لشکر نظر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اے اللہ یہ قریش گھوڑوں اور غرور و نخوت تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کی تکذیب کرنے آئے ہیں۔

پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا شروع کر دی۔

اے اللہ جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے پورا کر۔ میں تیرے وعدہ اور عہد کو دہراتا ہوں۔

حضرت صدیق نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، خوش ہو جائیے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس کی قسم اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔

اور مسلمانوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی اور انتہائی خشوع و خضوع سے مدد چاہی پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لیے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں جلد ہی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف بھی وحی فرمائی کہ میں آپ کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد بھیج رہا ہوں۔

آنحضرتؐ کا اپنے رب سے راز و نیاز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے قریب نماز پڑھتے ہوئے گزار دی۔

ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی سترھویں تاریخ جمعہ کی رات کا یہ واقع ہے، جب صبح ہوئی تو قریش اپنے دستوں کے ہمراہ سامنے آئے اور دونوں جماعتوں نے صف بندی کی حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ نے دونوں جماعتوں میں مصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ واپس چلے جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ ابوجہل نے انکار کیا۔

آخر ابوجہل نے عمرو بن حضرمی کے بھائی کو عمرو کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اکسایا، وہ چلایا ہائے عمرو.... قوم (قریش) کو جوش آگیا، اور لڑائی چھڑ گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفیں درست فرمائیں اس کے بعد آپؐ اور ابوبکرؓ خیمے کی جانب تشریف لے آئے اور انصار کی جماعت کے ہمراہ حضرت سعدؓ بن معاذ خیمے کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ اتنے میں عتبہ، اس کے بھائی شیبہ اور ولید بن عتبہ نکلے اور مقابلے کے لیے آواز دی۔ ان کے مقابلے کے لیے انصار میں سے تین صحابہؓ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور عفراء کے دونوں لڑکے معاذؓ اور عوفؓ سامنے آئے۔

قریش نے پوچھا تم کون ہو، کہنے لگے انصار ہیں۔ وہ کہنے لگے، تم شریف لوگ ہو لیکن ہم تو بنی عم کو مقابلے میں بلاتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علیؓ، عبیدہؓ بن حرث اور حمزہؓ میدان میں آگئے۔ حضرت علی نے اپنے مقابل ولید کو اور حضرت حمزہ نے اپنے مقابل عتبہ کو قتل کر دیا (ایک روایت میں شیبہ ان کا مقابل تھا) حضرت عبیدہ بن حرث زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ نے ان کے مقابل پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا لائے، ان کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی اسی حالت میں وہ وفات پا گئے۔

پھر مار دھاڑ شروع ہوئی اور جنگ کی چکی تیز ہو گئی۔ میدان کارزار گرم ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا و عجز میں اور اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ آپؐ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ حضرت صدیق نے اسے دوبارہ ڈال دیا اور عرض کیا آپکی

دعا ہم سن رہے ہیں۔ خدا یقیناً آپ سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار غنودگی آگئی۔ حالت حرب میں قوم کو بھی غنودگی سی آگئی۔ آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ اور فرمایا اے ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں۔ اللہ کی نصرت آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر کو نازل فرما دیا: اپنے رسول اور مومنوں کی مدد فرمائی اور مشرکین کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے پر انہیں قدرت دی، چنانچہ (صحابہؓ) نے ستّر کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔

جب (قریش) انکلے تھے تو انہیں اپنے اور بنی کنانہ کے درمیان دشمنی کا خیال ہوا، چنانچہ ابلیس سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں ان کے پاس آیا (سراقہ) بنی کنانہ کا ایک بڑا سردار تھا کہنے لگا، آج تم پہ کوئی آدمی بھی غالب نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے ہمراہ رہوں گا تاکہ بنی کنانہ تمہیں کچھ بھی ایذا نہ دے سکیں وہ اس وعدہ پر نکل پڑے اور شیطان (بصورت سراقہ) انکے ہمراہ رہا اور جدا نہ ہوا۔ جب لڑائی شروع ہوئی اور اس اللہ کے دشمن (ابلیس) نے اللہ کا لشکر (فرشتے) دیکھا جو آسمان سے نازل ہوا تھا تو ایڑیوں کے بل وہاں سے فرار ہو گیا۔

(قریش) کہنے لگے اے سراقہ! کہاں چلے! کیا تم نے یہ نہ کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور مفارقت اختیار نہ کروں گا (ابلیس) نے جواب دیا، میں وہ (مخلوق) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

ابلیس نے جب یہ کہا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے تو صحیح کہا، لیکن جب یہ کہا "میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو جھوٹ بولا ایک قول کے مطابق اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بھی ان کے ہمراہ ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اور ظاہر معنی یہی معلوم ہوتا ہے۔

جب دشمن قریب ہو گیا اور جماعت (صحابہؓ) کی طرف بڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور وعظ فرمایا، اور انہیں صبر استقامت کی تلقین فرمائی کہ اس طرح فتح و نصرت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر ملے گا اور بتایا کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت واجب کر دی۔

چنانچہ عمیر بن حمام کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول وہ جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہو گی۔

آپ نے فرمایا، ہاں! انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بس! بس! کافی ہے!
آپ نے فرمایا، بس بس تو نے کیوں کہا؟ عرض کیا! اے اللہ کے رسول (میرا مطلب غلط) نہ تھا بلکہ مجھے امید ہے کہ شاید میں اسی کے رہنے والوں میں سے ہو جاؤں۔
آپ نے فرمایا، ہاں بے شک تو ان کے رہنے والوں میں سے ہے۔ انہوں نے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر کہا، اگر میں ان کے کھانے تک زندہ رہا تو پھر یہ (دنیا کی) زندگی بہت طویل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے باقی کھجوریں پھینک دیں اور جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ پہلے شہید تھے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ ریزوں سے مٹھی بھری اور انہیں دشمن کے چہروں کی طرف پھینکا ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو، وہ اپنی آنکھوں سے مٹی نکالنے میں مصروف ہو گئے اور مسلمان انہیں قتل کرنے میں مصروف ہو گئے
نیز اس دن فرشتے کفار کو قتل کرنے میں مسلمانوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اس دن ایک مشرک کے پیچھے تیزی سے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے سامنے کوڑے کی آواز سنی اور ایک سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا، اے حیزوم آگے بڑھ، پھر دیکھا تو مشرک مرا پڑا تھا۔ غور سے جو دیکھا تو کوڑے کی ضرب سے اس کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور چہرے کا ایک حصہ پھٹ گیا تھا۔ یہ واقعہ سب کے سامنے لایا گیا تو ایک انصاری نے آگے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا، تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آتی تھی۔
ابوداؤد مازنیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کے پیچھے بڑھ رہا تھا تاکہ اس کا سر قلم کر دوں، اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے قبل ہی جدا ہو کر گر گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے سوا کسی دوسرے نے قتل کیا ہے۔

عباس بن عبد المطلب کی گرفتاری

ایک انصاری عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کر کے لائے عباس نے کہا اللہ کی قسم

اس نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے تو ایک انتہائی خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا اور اب وہ نظر نہیں آتا۔ انصاری فرمانے لگے کہ اے اللہ کے رسول میں نے انہیں گرفتار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے۔ بنی عبد المطلب سے تین آدمی عباس، نوفل اور عقیل گرفتار ہوئے۔

جب لڑائی ختم ہو گئی اور قریش شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون دیکھے گا کہ ابو جہل کا کیا بنا؟ حضرت ابن مسعود گئے اور گرا ہوا دیکھا۔ عفراء کے دونوں لڑکوں (معوذؓ و معاذؓ) نے اسے مارا تھا۔ آخر مر گیا۔ (ابن مسعود) نے اس کی داڑھی پکڑی اور پوچھا تو ابوجہل ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آج کس کی فتح ہوئی۔ انھوں نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول کو فتح حاصل ہوئی اور اے اللہ کے دشمن اللہ نے تجھے ذلیل کیا۔ وہ بولا اور کیا ایسے آدمی پر کہ جس کی قوم نے اسے قتل کیا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا۔ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں" آپ نے تین بار یہ کلام دہرایا۔ پھر فرمایا اللہ اکبر سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا دشمن کی جماعتوں کو شکست دی۔ پھر فرمایا، چلو مجھے دکھاؤ۔ ہم نے آپ کو اس کی لاش بے سر دکھایا۔ آپ نے فرمایا، یہ اس امت کا فرعون ہے۔

اسی روز حضرت عکاشہؓ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک خشک ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا، اس سے کام لو۔ جب حضرت عکاشہؓ نے اسے پکڑ کر ہلایا تو (یہ ٹہنی) ایک طویل انتہائی سفید تلوار بن گئی۔ یہ صحابی ہمیشہ اس سے جہاد کرتے رہے۔ آخر کار ابوبکرؓ کی خلافت میں فتنہ ارتداد کے موقع پر شہید ہو گئے۔

حضرت زبیر نے عبیدہ بن سعید بن عاص کو دیکھا، وہ ہتھیاروں میں غرق تھا اور اس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت زبیر نے اپنا حربہ اس کی آنکھ میں گھونپ دیا اور وہ مر گیا۔ پھر انہوں نے اپنا پاؤں حربہ پر رکھا اور اسے کھینچا اسے کھینچتے ہوئے انھیں

کافی زور لگانا پڑا اور اس کی ایک طرف دوہری ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حربہ طلب فرمایا، انھیں نے پیش کر دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو انھوں نے پھر اسے واپس لے لیا۔ پھر ابوبکرؓ نے ان سے مانگ لیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے لے لیا۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو پھر زبیرؓ نے واپس لے لیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے لے لیا۔ جب حضرت عثمانؓ کا انتقال ہوا تو یہ حربہ آل علیؓ کے پاس آگیا، چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے لے لیا اور شہادت تک اُن کے پاس ہی رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے تیر مارا تو میری آنکھ پھوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگایا پھر مجھے کچھ بھی تکلیف نہ دی۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا، تم بدترین خاندان ہو۔ تم نے جن کی طرف میں نبی بن کر مبعوث ہوا۔ اور تم نے میری تکذیب کی اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔ تم نے مجھے نکال دیا، اور دوسرے لوگوں نے مجھے جگہ دی۔

پھر آپ نے بدر کے کنوؤں میں سے ایک ویران کنویں کی طرف انھیں گھسیٹا اور اس میں انھیں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ کھڑے ہو کر نام لے لے کر فرمانے لگے۔

اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ۔ اے فلاں اے فلاں کیا تم نے پالیا، جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ البتہ میں نے حق پالیا، جو مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا۔

حضرت عمر نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ ایک مردہ قوم سے مخاطب ہیں!

آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں جوان سے کہہ رہا ہوں، وہ کلام تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے۔

آپ اس علاقے میں تین دن ٹھہرے رہے اور آپ جب بھی کسی قوم پر حملہ کرتے تو آپ وہاں تین دن ٹھہرا کرتے۔ اس کے بعد آپ فاتح اور اللہ کی مدد سے خوش و خرم

واپس تشریف لاتے۔ آپ کے ہمراہ قیدی اور مال غنیمت ہوتا۔

جب آپؐ صفراء پر پہنچے تو غنائم کو تقسیم فرمایا، اور نضر بن حرث بن کلاہ کی گردن ماردی۔

پھر آپؐ عرق الظبیہ اترے اور عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماردی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتح اور منصور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اب تو مدینہ اور اس کے اردگرد کا ہر دشمن آپ سے ڈرنے لگا۔ نیز مدینہ کے متعدد لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی بھی اس وقت ظاہری طور پر مسلمان ہوئے۔

غزوہ بدر میں تین سو دس سے کچھ زیادہ صحابہؓ شریک ہوئے۔ تراسی مہاجرین باقی اوس قبیلہ کے۔ ایک سو ستر بنو خزرج کے تھے۔ اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔ اگرچہ یہ قبیلہ زیادہ قوی، اور صاحب شوکت تھا، اور لڑائی میں مستقل مزاج تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے گھر مدینہ سے باہر تھے اور جنگ کا بلاوا اچانک آگیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم شوال کے مہینہ میں غزوۂ بدر اور اس کے گرفتار شدگان سے فارغ ہوئے۔

غزوۂ سویق

دشمن اسلام یہودی سردار کعب بن اشرف کا قتل

غزوۂ سویق جب مشرکین کا گروہ ذلیل، رسوا اور غمزدہ حالت میں واپس گیا تو ابو سفیان نے نذر مانی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کیے بغیر سر پر پانی نہ ڈالوں گا، چنانچہ دو سو سواروں کے ہمراہ نکلا اور مدینہ کے ایک جانب میدان میں گیا، وہاں ایک یہودی سلام بن مشکم کے پاس رات گزاری۔ اس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کھجور کے چند درخت کاٹ ڈالے۔ ایک انصاری اور ایک ان کے حلیف کو قتل کر دیا۔ پھر واپس بھاگ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی نذر مانی۔ اس کی تلاش میں تشریف لے گئے، اور قرقرۃ الکدر تک پہنچے، لیکن ابو سفیان بھاگ چکا تھا۔ زادراہ کی کثرت کے باعث کفار نے کافی مقدار میں ستو پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے وہ ستو اٹھا لیے۔ اس طرح اس کا نام ہی غزوۂ سویق پڑ گیا۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے دو ماہ بعد پیش آیا۔

کعب بن اشرف کے واقعہ کی تفصیل اب کعب بن اشرف کا واقعہ بیان ہوتا ہے، اس یہودی کی ماں بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف و اذیت کا موجب تھا اپنے اشعار میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ازواج سے تشبیب کیا کرتا تھا۔ جب غزوہ بدر ہوا تو یہ مکہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے خلاف اہل مکہ کو بھڑکانے لگا، پھر مدینہ لوٹ آیا اور ایسی ہی حرکتیں کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعب بن اشرف کا خاتمہ

کون کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔

محمد بن مسلمہ، عباد بن بشیر۔ ابو نائلہ جس کا نام سلکان بن سلامہ تھا، اور یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ حرث بن اوس اور ابوعبس بن جبر تیار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی کہ اسے گھات سے قتل کر دیں۔

یہ لوگ رات کو جب چاندنی کھلی ہوئی تھی گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع غرقد تک ساتھ تشریف لے جا کر انہیں رخصت کیا۔ جب وہاں پہنچے تو سلکان بن سلامہ کو اس کے پاس بھیجا وہ بظاہر رسول اللہ سے منحرف ہو کر، اور اس کے دم ساز بن کر پہنچے۔ اور آپ کے بارے میں شکایتی الفاظ کہے۔ نیز کہا کہ یہ اسلحہ رہن رکھ لو اور میرے رفقاء کے کھانے کا بندوبست کر دو، اس نے قبول کر لیا۔

سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے، انہیں ساتھ لے آئے۔ وہ اپنے قلعے سے باہر نکلا یہ فوراً اس پر پل پڑے اور تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، زخمی ہو کر یہ دشمن خدا زور سے چیخا، جس سے ہر چہار طرف ایک دہشت سی پھیل گئی۔ ان لوگوں نے آگ جلائی اور روشن ہو گیا۔ آخر یہ (صحابہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب کے آخری حصے میں حاضر ہوئے۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حرث بن اوس اپنے کسی ساتھی کی تلوار سے زخمی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک زخم پر لگا دیا، وہ فوراً ہی صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی عہد شکنی اور خدا اور رسولؐ سے جنگ آزمائی کے باعث ان کے قتل کی اجازت دے دی۔

غزوۂ اُحد

تاریخ اسلام کی اہم ترین اور فیصلہ کن جنگ

ابوسفیان کی اسلام دشمنی

جب اللہ تعالیٰ نے اشرافِ قریش کو بدر کے موقع پر قتل کردیا اور انھیں سابق مواقع کی نسبت بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تو ان کا رئیس ابوسفیان بن حرب تھا یہی تھا جس نے انھیں بھیجا تھا، وہ غزوۂ سویق میں بھی یہ خود آیا تھا، اور خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکنے پر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکسایا کرتا تھا، آخر کار اس نے تین ہزار کی تعداد میں فوج مرتب کرلی جس میں قریش اس کے حلیف اور دیگر گروہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کو ساتھ لے آئے تاکہ عار کے خوف سے فرار نہ ہوسکیں، اس کے بعد یہ لشکر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ عینین کے مقام پر احد پہاڑ کے قریب اترا۔ یہ واقعہ ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینہ میں پیش آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آیا مقابلہ میں مدینہ سے باہر نکلیں یا مدینہ میں ٹھہریں؟ آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں اور یہیں قلعہ بند ہوں۔ اگر وہ شہر میں داخل ہو جائیں تو مسلمان ان سے گلیوں میں مقاتلہ کریں اور عورتیں چھتوں پر سے۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کی۔ کبار صحابہ کی ایک جماعت جو بدر میں شریک نہ ہوسکی تھی، انھوں نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا اور اس پر اصرار کیا۔ عبداللہ بن ابی نے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ آپ کی رائے بھی مدینہ کے متعلق تھی، اس لیے بعض صحابہؓ نے آپؐ کی تائید کی، بحث مباحثہ کے بعد آپ اٹھ کر گھر میں تشریف

نے گئے اور سلاح جنگ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے۔

اب صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپ مدینہ میں ٹھہرنا پسند فرمائیں تو ایسا ہی کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کو مناسب نہیں کہ جب وہ لباس (جہاد) پہن لے تو پھر (ہتھیار) اتار دے جب تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہؓ کے ہمراہ باہر تشریف لائے۔ اور جو لوگ مدینہ میں رہ گئے ان کی امامت کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن باہر نکلے۔ جب آپ مدینہ اور احد کے درمیان پہنچے تو عبداللہ بن ابی (منافق) لشکر کا تیسرا حصہ لے کر الگ ہو گیا، اور کہنے لگا، تم میری مخالفت کرتے ہو اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبری جاری رکھی اور وادی کے ایک کنارے احد کے ایک حصہ میں اترے آپ نے احد کی طرف پشت کی اور بلا اجازت لوگوں کو جنگ شروع کرنے سے منع فرمایا۔

مسلمانوں کی صف بندی اور جنگی تیاری

جب ہفتے کے دن کی صبح آئی تو لڑائی کی تیاری کی، آپ کے ہمراہ سات سو آدمی تھے جن میں پچاس سوار تھے۔ آپ نے پچاس تیراندازوں پر عبداللہ بن جبیر کو امیر بنایا۔ انھیں اور ان کے رفقاء کو حکم دیا کہ مرکز سے چمٹے رہیں۔ اور اس سے ہرگز جدا نہ ہوں۔ اگرچہ پرندوں کو دیکھیں کہ وہ لشکر کو کھائے جا رہے ہیں۔ جو لوگ فوج کے پیچھے کی جانب متعین تھے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ مشرکین کو تیروں سے روکے رکھیں تاکہ پیچھے کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ نہ ہو سکے۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے تھے۔ آپ نے مصعبؓ بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا۔ نیز آپ نے زبیرؓ بن عوام کو ایک جانب اور منذر بن عمرو کو دوسری جانب امیر بنایا۔ اسی روز ایسے نوجوان بھی حاضر ہوئے۔ آپ نے جنھیں کم عمر

خیال فرمایا اس لیے لوٹا دیا۔ عبداللہ بن عمر۔ اسامہ بن زید۔ اسید بن ظہیر۔ براء بن عازب زید بن ارقم۔ زید بن ثابت۔ عرابہ بن اوس اور عمرو بن حزام رضی اللہ عنہم انہی میں سے تھے اور جنھیں قد سے توانا سمجھا انھیں اجازت دے دی۔ سمرۃ بن جندب۔ رافع بن خدیج انھیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی عمریں پندرہ پندرہ سال کی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اسے آپؐ نے اجازت دے دی، اور جس کی عمر اس سے کم نکلی اسے واپس کر دیا اور اس روز مسلمانوں کا شعار امت امت تھا چنانچہ ابتدائے دن میں مسلمانوں کو کفار پر فتح حاصل ہوئی اور کفار فرار ہو گئے، یہاں تک کہ اپنی عورتوں کے پاس جا پہنچے۔ جب تیر اندازوں نے (کفار) کی شکست دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ دی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں متعین فرمایا تھا اور کہنے لگے (چلو) غنیمت! غنیمت! ان کے امیر نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد یاد دلایا لیکن انہوں نے نہ سنا اور سمجھے کہ مشرکین بھاگ چکے چنانچہ سرحد خالی چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

مشرکین نے سواروں کو دیکھا کہ سرحد خالی ہے، وہ تیزی سے آگے بڑھے اور مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اس کے بعد صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے نوازا۔ صحابہ کے ہٹ جانے کے باعث مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ اور آپ کا چہرہ انور زخمی کر دیا، اور آپؐ کا ایک دندان مبارک شہید کر دیا اور آپ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ آپ ابو عامر کے ساتھ ایک گڑھے میں گر گئے جو اس نے مسلمانوں کے لیے کھود رکھے تھے۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپؐ کو اپنے جسم کی اوٹ میں کر لیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر آپؐ کے سامنے شہید ہو گئے۔ آپ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دے دیا۔ آہنی خود کے دو حلقے آپ کے رخسار میں چبھ گئے۔ ابو عبیدہؓ بن جراح نے انھیں نکالا۔ انہی زخموں کے باعث آپ کے دو دانت شہید ہو گئے۔ ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے آپ کے رخسار سے بہتے ہوئے خون کو چوس لیا۔

مشرکین نے خیال کیا کہ اب ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اللہ

تعالیٰ نے حائل نہیں۔ چنانچہ دس کے قریب مسلمان بیچ میں آگئے۔ آخر وہ شہید ہو گئے...... پھر حضرت طلحہ نے ان سے مقابلہ کیا اور مشرکوں کو آپ سے دور ہٹا دیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اپنی پشت کفار کی طرف کر کے آپ کے پیسے ڈھال بن گئے۔ ان پر تیر برس رہے تھے اور وہ وہاں سے ہلتے نہ تھے۔ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ میں چوٹ لگ گئی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اپنی جگہ پر لوٹا دیا، اب وہ دونوں میں سے زیادہ صحت مند آنکھ بن گئی۔

جنگ کی گھاگھی میں شیطان چیخا کہ محمد قتل ہو گیا۔ مسلمانوں پر سخت سراسیمگی طاری ہو گئی، بڑی تعداد میں وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انس بن نضر ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ہاتھ توڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا کس بات کا انتظار کر رہے ہو!

کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے۔

انہوں نے کہا تو پھر آپ کے بعد تم زندگی سے کیا لوگے، آؤ اٹھو جس پر آپ نے وفات پائی تم بھی موت کو اس پر۔ انھوں آمدید کہو۔ اس کے بعد لوگوں کے سامنے آئے اور حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے کہنے لگے، اے سعد میں احد سے ورے ہی سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے اشہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے بدن پر زخم کے ستر نشانات تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے قریباً بیس زخم کھائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف تشریف لائے تو سب سے پہلے کعب بن مالک نے خود کے نیچے سے آپ کو پہچانا، اور زور سے آواز دی، اے مسلمانو، خوش ہو جاؤ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ "خاموش رہو" مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے اور جس شعب (گھاٹی) میں آپ اترے وہیں عام مسلمان بھی آگئے۔ وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ اور حرث بن صمہ انصاری وغیرہ بھی موجود تھے۔

ایک دشمن رسولؐ کی درگت

جب پہاڑ کی طرف بڑھے تو رسول اللہ نے ابی بن خلف کو دیکھا۔ اس اللہ کے دشمن کو شک ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے قتل کر دیں گے۔ جب آپ ان کے قریب آئے تو حرث بن صمہ سے برچھا لیا اور اسے مارا۔ اس کی گردن میں زخم ہوا اور اللہ کا دشمن شکست کھا کر بھاگا۔ مشرکین نے اس سے کہا۔ خدا کی قسم تجھے کچھ نہیں ہوا۔

اس نے جواب دیا کہ جس قدر مجھے تکلیف ہے اگر ذی مجاز والوں کو اتنی تکلیف ہوتی تو تمام مر جاتے۔ دواقعہ یوں ہے کہ یہ مکہ میں گھوڑا چرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں اس پر سوار ہو کر محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے فرمایا، بلکہ انشاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ آپؐ نے جب اسے مارا تو اللہ کے دشمن کو وہی بات یاد آ گئی کہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس زخم سے ضرور مر جائے گا، چنانچہ وہ مکہ کی طرف واپس آتے ہوئے سرف کے مقام پر مر گیا۔

حضرت حنظلہؓ اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ حالت جنابت میں تھے کیونکہ جب انھوں نے آواز سنی تو اس وقت اپنی بیوی سے مشغول تھے، اسی وقت اٹھے اور جہاد میں آ کر شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو خبر دی کہ انھیں فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ معلوم کرو کہ ان کا کیا معاملہ ہے! ان کی بیوی سے صحابہؓ نے دریافت کیا تو انہوں نے اصل واقعہ بتا دیا، چنانچہ فقہاء نے اسے اس بات کی دلیل قرار دے دیا ہے کہ اگر حالتِ جنابت میں کوئی شہید ہو جائے تو فرشتوں کی اقتداء کے باعث اسے غسل دیا جائے۔

جب لڑائی تھمی تو ابو سفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی، کیا تم میں محمدؐ ہے! انہوں نے کچھ نہ جواب دیا۔ پھر کہنے لگا کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابو بکرؓ) ہے! اس پر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کیا تم میں عمر بن خطابؓ ہے! پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا، چونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام انہی حضرات کے باعث طاقت در ہے اس لیے انہی کے متعلق دریافت کیا پھر (ابو سفیان) کہنے لگا، ان سب کا تو کام تمام ہو گیا۔

ابوسفیان کے نعروں کا جواب

حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا، فرمایا، او دشمن خدا! جن کا تو نے ذکر کیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تجھے ایذا دینے کے لیے انھیں باقی رکھا ہے۔

اس کے بعد (ابوسفیان) چلایا اے ہبل اونچا رہ (اعلیٰ ہبل)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اس کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا گیا، کیا کہیں! آپ نے فرمایا۔ کہو اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے (اللہ اعلیٰ واجل) پھر وہ (ابوسفیان) کہنے لگا ہمارے پاس عزیٰ (ایک بت کا نام جس کو یاد کر کے وہ بزعم خویش عزت حاصل کرتے تھے) ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں (لنا العزی ولا عزی لکم) آپ نے فرمایا کیا تم اس کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا گیا، ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا ہمارا آقا اللہ ہے اور تمہارا کوئی آقا (مولا) نہیں (اللہ مولانا ولا مولا لکم)

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا، بدر کے دن کا یہ بدلا ہے اور جنگ کے مقابلہ میں (ہار جیت) ہوتی ہی رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا، نہیں یہ بات نہیں بلکہ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔

غزوہ احد میں بھی ملائکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیا، چنانچہ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے روایت کیا، فرمایا کہ میں نے احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کے ہمراہ دو آدمی قتال میں شریک تھے جن پر از حد سفید کپڑے تھے۔ اس سے پہلے اور بعد میں مَیں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا اور صحیحین میں ابی حازمؓ سے مروی ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کے متعلق پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا، اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم کون دھو رہا تھا کون پانی بہا رہا تھا اور دوا کیا کی گئی۔

حضرت فاطمہؓ زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب پانی ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا خون زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا

اور زخم میں رکھا جس سے خون رک گیا۔

حضرت انسؓ نے کہا اے سعد جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ میں احد سے درے ہی محسوس کر رہا ہوں، اس کے بعد وہ میدان میں چلے گئے اور جہاد شروع کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کی لاش پہچانی نہ جاسکی۔ ان کی ہمشیرہ نے انگلی کے پوروں سے پہچانا اور ان پر نیزے تلواروں اور تیروں کے اسی سے زیادہ نشان تھے۔

مشرکین ابتدائے دن میں ہی شکست کھا گئے۔ ابلیس چیخا، اے اللہ کے بندو، اللہ تمہیں رسوا کرے۔ شکست سے واپس آؤ اور جنگ کرو۔

حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد کو مشرکین کا آدمی سمجھ کر قتل کرنے لگے ہیں انھوں نے آواز دی، اللہ کے بندو، یہ میرے والد ہیں وہ ان کا کلام نہ سمجھے اور انھیں شہید کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا، اللہ تمہیں بخشے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیت دینا چاہی انھوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کی دیت مسلمانوں کو معاف کر دی اس واقعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہؓ کا مرتبہ اور بڑھ گیا۔

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز مجھے سعدؓ بن ربیع کی تلاش میں بھیجا، فرمایا کہ اگر تو انھیں دیکھے تو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ دریافت فرما رہے تھے کہ تمہارا کیا حال ہے!

راوی کہتے ہیں کہ میں مقتولوں میں پھرنے لگا۔ آخر میں سعدؓ کے پاس آیا ان کا دم لبوں پر تھا، نیزوں، تلواروں اور تیروں کے بدن پر ستر نشانات تھے۔

میں نے کہا اے سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور دریافت فرمایا ہے کہ تمہارا حال کیا ہے!

انھوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، ان سے عرض کرنا، اے اللہ کے رسول میں جنت کی خوشبو پا رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی اور تم میں ایک جھپکنے والی آنکھ بھی باقی

ہوئی تو یاد رکھو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر سنا نہ جائے گا۔ اس کے فوراً بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام فرماتے ہیں، میں نے احد سے قبل مبشر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا، کہنے لگے چند ہی روز میں تم ہمارے پاس آرہے ہو۔ میں نے پوچھا اور تم کہاں ہو! انھوں نے جواب دیا کہ ہم جنت میں ہیں۔ ہمارا جہاں دل چاہتا ہے سیر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ بدر کے غزوہ میں شہید نہ ہوئے تھے! انھوں نے فرمایا ہاں! پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا اے ابوجابرؓ یہ گواہی ہے۔

اللہ کا دشمن ابی بن خلف لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر محمد بچ رہا تو میں نہ بچ سکوں گا کیونکہ اس نے مکہ میں حلف اٹھایا تھا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر دے گا۔ مصعب بن عمیر سامنے آئے اور مصعب شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ اور بغیہ کے درمیان گردن پر جگہ دیکھی۔ آپ نے اس جگہ ضرب مارا اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اس کے دوستوں نے اسے اٹھایا۔ اور بیل کی طرح خرخرا رہا تھا اس کے ساتھی کہنے لگے، یہ ذرا سا زخم ہے، پھر بھی تو اتنی بے صبری دکھا رہا ہے! اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آگیا میں انشاء اللہ اسے قتل کروں گا۔ چنانچہ رابغ میں جا کر مر گیا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رات کے ایک حصہ میں میں وادی رابغ میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک آگ نظر آئی۔ میں ادھر گیا، دیکھا تو ایک آدمی ایک زنجیر گھسیٹتا ہوا اس میں سے نکل رہا ہے اور پیاس پیاس چیخ رہا ہے اور ایک اور آدمی بھی نظر آیا جو کہہ رہا تھا کہ اسے پانی نہ پلانا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔

یوم احد ابتلاء اور امتحان کا دن تھا

زہریؒ۔ عاصم بن عمرؓ اور محمد بن یحیی بن حبانؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یوم احد ابتلاء و امتحان کا دن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دن مومنین کو آزمایا اور منافقین کو عریاں کر دیا، جو محض زبان سے

اظہارِ اسلام کیا کرتے تھے ، اور دل میں کفر چھپا رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں میں سے جسے چاہا شہادت کے اکرام سے نوازا ۔ نیز احد کے دن قرآن کی سورہ آل عمران کی ساٹھ آیات نازل ہوئیں جن کی ابتدا اس آیات سے ہوتی ہے واذ غدوت من اھلك تبوی المؤمنین مقاعد للقتال - آخر تک -

احد کا غزوہ کئی احکام و قواعدِ فقہیہ پر مشتمل ہے

ایک یہ کہ جب جہاد کا آغاز ہو جائے اور اسلحہ پہن لیا جائے اور مقابلے کا عزم کر لیا جائے تو دشمن سے جنگ کیے بغیر واپس نہ ہونا چاہیے ۔

(۲) دوسرے لشکر نے کران زمینوں سے گزرنا ہو کہ راہ میں پڑیں اگرچہ مالک راضی نہ ہو (بشرطیکہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو -)

(۳) تیسرے جو بچے بالغ نہ ہوں اور جنگ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انہیں واپس کر دینا ۔

(۴) نیز اگر امام کو زخم آجائے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے پیچھے سب بیٹھ کر نماز پڑھیں جیسا اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور وفات تک آپ کی یہ سنت جاری رہی ۔

(۵) نیز اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو قتل کر دے تو وہ اہلِ نار میں سے ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے متعلق فرمایا جب کہ احد کے دن اسے سخت ترین ابتلا میں ڈالا گیا ۔ جب اسے شدت سے تکلیف محسوس ہو تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اہلِ نار میں سے ہے ۔

(۶) نیز شہید کے متعلق سنت یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے ۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور جو کپڑے پہنے ہو اس کے علاوہ دوسرے کپڑوں کا اسے کفن بھی نہ پہنایا جائے بلکہ انہی (کپڑوں) میں اس کے زخم اور خون کے ہمراہ اسے دفن کیا جائے ۔ ہاں اگر اس کا لباس (دشمنوں) نے چھین لیا ہو تو دوسرا کفن دیا جا سکتا ہے ۔

(۷) نیز اگر حالتِ جنابت میں شہادت ہو جائے تو غسل دیا جائے ، جیسا ملائکہ نے حنظلہؓ بن ابی عامر کو غسل دیا ۔

۸۔ اور شہدا کے معاملہ میں مسنون یہ ہے کہ انہیں میدان جنگ میں ہی دفن کیا جائے اور دوسرے مقام پر منتقل نہ کیا جائے کیونکہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے اپنے مقتولوں کو مدینہ میں منتقل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کرنے والے نے منادی کی کہ انہیں میدان جنگ میں واپس لوٹا دیا جائے۔

۹۔ نیز ایک قبر میں دو یا تین شہداء کو بھی دفن کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں دو دو یا تین کو بھی دفن کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ دنیا میں ان کی آپس میں بہت محبت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں دونوں محبت کرنے والے کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔ پھر ایک طویل زمانے کے بعد ان کی قبر کھودی گئی تو عبداللہ بن عمرو بن حرام کا ہاتھ اسی طرح اپنے زخم پر تھا جیسے انہوں نے زندگی میں اس پر رکھا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو فوراً خون ابلنے لگا۔ اس پر ان کا ہاتھ پھر اسی جگہ لوٹا دیا گیا اور خون رک گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا! کہنے لگے انہیں ایک طرف کی چادر میں دفن کیا گیا تھا جو چہرے پر آس کی اور پاؤں پر حرمل کے پودے ڈال دیئے گئے۔ ہم نے چادر کو اس طرح دیکھا اور حرمل بھی ان کے پاؤں پر حسب سابق موجود تھی۔ اور ان کے (دفن) ہونے سے اب تک چھیالیس برس گزر چکے تھے۔

۱۰۔ نیز اگر مسلمان کسی اپنے آدمی کو غلطی سے قتل کر دیں تو امام پر بیت المال سے دیت دینا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کے والد کی دیت دینی چاہی گو حضرت حذیفہؓ نے دیت لینے سے احتراز کیا اور مسلمانوں کو معاف کر دیا۔

۱۱۔ موت کی تمنا جائز نہیں گو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے حصول شہادت کی تمنا جائز ہے۔

غزوہ احد میں حکم وغایات محمودہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ان پر روشنی ڈالی ہے، وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ الخ ان ساٹھ آیات میں قصہ بیان فرمایا اور انہیں معصیت تفرقہ واختلاف

کے انجام بد سے آگاہ کیا اور بتایا کہ جو گزند انہیں پہنچا وہ اسی وجہ سے تھا۔ پھر بتایا کہ تمہیں ان
سے پھیر دیا، تاکہ تمہیں آزمائے اور اب تمہیں معاف بھی کر دیا ہے چونکہ انھوں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور اختلاف وافتراق کا نتیجہ دیکھ لیا تھا اس لیے اب اسباب
خذلان سے خوب واقف اور متنبہ ہو کر اس سے احتراز واجتناب کرنے لگے۔

نیز یہ فائدہ ہوا کہ مومن صادق اور منافق کاذب میں امتیاز ہو گیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ
نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کی آواز بلند ہو گئی تو ظاہری طور پر اسلام
میں ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو باطن میں مسلمان نہ تھے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ
کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بندوں پر ایک مصیبت اور محنت ڈال دے تاکہ مومن
اور منافق میں فرق آ جائے۔ چنانچہ اس غزوہ (احد) میں منافقین نے سر اٹھایا جو کچھ چھپا
رہے تھے منہ پر لے آئے اور نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا اور لوگ علانیہ کافر مومن اور منافق
تین گروہوں میں بٹ گئے اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے گھروں میں بھی انکے
دشمن موجود ہیں، جو ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان سے جدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان کے
مقابلے کے لیے مستعد ہو گئے اور ان سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے لگے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت اولیاء اللہ کے اعلیٰ مراتب کی علامت ہے۔
شہداء اس کے خواص ومقربین میں شامل ہوتے ہیں۔ درجہ صدیقیت کے بعد شہادت
کا ہی درجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے شہداء کا انتخاب
فرمائے۔ جو اس کی محبت ورضا کی خاطر خون بہائیں اور اس کی محبت ورضا کو اپنی جان پر
بھی فوقیت دیں۔ اور اس سعادت عظمیٰ کا حصول کا طریق صرف یہی ہے کہ انھیں دشمن
کے تسلط میں دیا جائے تاکہ اسباب مقدرہ کے باعث وہ (درجہ شہادت) حاصل کریں۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا قصد فرمایا تو ان کے
لیے ایسے اسباب مہیا کر دیے جو ان کی ہلاکت وبربادی پر منتج ہوں۔ اور سب سے
بڑا جرم یا سبب ان کا کفر وبغاوت وطغیان اور اللہ کے اولیاء کو از حد ایذا دینا اور
ان سے مقاتلہ آرائی رہا ہے۔ ان کے گناہ وعیوب کے باعث اپنے اولیاء کو ان پر ظاہر

فرمادیا اور اس سے اللہ کے دشمنوں کے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوا۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے متعلق ذکر فرمایا:

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ وتلک الایام نداولھا بین الناس ولیعلم اللہ الذین آمنوا ویتخذ منکم شھداء واللہ لا یحب الظالمین ولیمحص اللہ الذین آمنوا ویمحق الکافرین۔

یعنی کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو۔ اگر تم مومن ہو۔ تو تم سر بلند ہو اگر تم کو تکلیف پہنچی تو اس طرح (دوسری) قوم کو بھی تکلیف پہنچی اور ہم لوگوں میں دنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جان لیں جو ایمان لائے اور لیں وہ تم میں سے گواہ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی حوصلہ افزائی اور تقویت اور ان کے عزائم و معمم کو زندگی بخشنے کا کلام جمع فرمادیا۔ اور کفار کی زیادتیوں کے منطقی نتائج کی بنا پر پیدا شدہ حکمتوں کا تذکرہ کیا اور اچھے انداز سے تسلی دی۔ اس کے بعد ان کے عزائم و ہمتوں پر توبیخ فرمائی کہ وہ اس سے قبل (تم) جہاد کی تمنا کرتے تھے اور جنگ میں جانا چاہتے تھے۔

فرمایا، ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رایتموہ وانتم
یعنی اور تم اس سے قبل موت کی تمنا کرتے تھے تاکہ اس سے ملیں۔

صحابہ میں شہادت کی تمنا اور شوق

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بدر کے شہداء کے فضائل کی خبر دی، تو صحابہؓ کو شہادت کی خواہش ہوئی۔ ان کی تمنا یہ ہوئی کہ جنگ ہو تاکہ اس میں شہید ہو اپنے بھائیوں سے جا ملیں۔ احد کے روز اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنائیں انہیں دکھادیں، تو سوائے چند کے جنہیں اللہ نے چاہا تھا شکست کھا گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

نیز غزوہ احد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کی اطلاع دہی کے لیے مقدمہ تھا اس لیے انھیں متنبہ فرمایا اور فرار پر توبیخ کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل

ہو جائیں تو انھیں فرار نہیں ہونا چاہیے) بلکہ ان پر واجب یہ ہے کہ اس کے دین اور توحید پر قائم رہیں اور اسی پر مریں۔ ہر جاندار کو بہر حال موت آنی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رہنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ نہ وہ (صحابہ ؓ) اس کے لیے دنیا میں بھیجے گئے، بلکہ (ان کا مقصد) تو اسلام و توحید کی خاطر مرنا ہے، کیونکہ موت تو بہر حال آکر رہے گی۔ چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا زندہ رہیں اس وجہ سے جو دین سے پھر گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی زجر نازل ہوئی۔ جب شیطان چلایا کہ محمد قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين۔

یعنی اور نہیں ہیں محمد مگر رسول تحقیق گذر چکے ان سے پہلے (کئی) رسول کیا پس اگر فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جائے تو وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس چیز کی خبر دی جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ مدد چاہی۔ اور وہ توبہ، استغفار اور اپنے پروردگار سے دعا ہے تاکہ ان کے قدم مضبوط رہیں اور ان کے اعدا کے خلاف اللہ ان کی مدد کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وما كان قولهم الا ان قالوا ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا في امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين فاتاهم الله ثواب الدنيا وحسن ثواب الآخرة والله يحب المحسنين۔

یعنی، ان کا قول یہی تھا کہ انہوں نے کہا "اے ہمارے پروردگار، ہمارے گناہ بخش دے اور امور میں ہماری زیادتی کو بخش دے۔ اور ہمیں ثابت قدم کر دے اور کافروں کی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کا اجر اور آخرت کا بہتر اجر عطا فرمایا اور اللہ احسان

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا پھر انہیں یہ بھی بتایا کہ اللہ نے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ سچے وعدے والا ہے۔ اس لیے اگر تم لوگ اطاعت پر جمے رہے اور رسولوں کی اطاعت کو لازم کر لیا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر اطاعت کا جوا اتار دیا اور مرکز (وحی) سے ہٹ گئے تو اللہ کی مدد الگ ہو جائے گی۔ اور سزا و ابتلاء کی خاطر دشمنوں کا تسلط کر دیا جائے گا تاکہ معلوم ہو جائے معصیت اور اطاعت کے عواقب کیا ہوتے ہیں۔

نیز اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ یہ ساری لغزشیں خدا نے معاف فرما دیں۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس طرح اس واقعہ میں کئی حکمتیں اور مومنین پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ملتی ہیں۔

پھر اس میں تحذیر و تخویف، ارشاد و تنبیہ۔ اسباب خیر و شر کی وضاحت ان کا مآل و انجام پھر اپنے نبی اور مومنین کی تسلی و تشفی، جو ان میں سے مقتول ہوئے ان کے متعلق انتہائی لطف و کرم اور رضا الٰہی کی ضمانت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرما دی۔ غرض اسی طرح کے بے شمار انعامات ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

یعنی "اور ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے، انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں، انہیں رزق ملتا ہے، خوشی میں جو اللہ نے انہیں دیا ہے اپنے فضل سے اور ان کے بعد جو ان سے ابھی نہیں ملے انہیں خوشخبری دیتے ہیں کہ ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اسلام کے دو جانباز

خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ کا بے دردانہ قتل

ہجرت کے تیسرے سال شوال کی ساتویں تاریخ ہفتے کے دن غزوہ احد واقع ہوا، جیسا مذکور ہو چکا ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس تشریف لے آئے اور شوال ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے وہیں ٹھہرے۔ جب محرم کا چاند طلوع ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ خویلد کے دونوں لڑکے اپنی قوم کے ہمراہ بنی اسد بن خزیمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ پر ابھار رہے ہیں۔ آپ نے ابو سلمہ کو بھیجا اور انھیں جھنڈا دیا اور آپ کے ہمراہ انصار او مہاجرین کے ڈیڑھ صد افراد بھیجے، انھیں ایک اونٹ اور بکری ملی۔ اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ یہ تمام مال غنیمت لے کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

خالد بن سفیان ہذلی کا قتل۔ محرم کی پانچویں تاریخ آپ کو معلوم ہوا کہ خالد بن سفیان ہذلی نے ایک گروہ جمع کیا ہے۔ آپ نے عبداللہ بن انس کو اس کی طرف بھیجا، انھوں نے اسے قتل کیا اور اس کا سر لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے انھیں ایک عصا عنایت فرمایا یہ کہنے لگے کہ یہ میرے اور آپ کے درمیان قیامت کے دن علامت ہوگی۔ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے وصیت کی کہ اسے بھی ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ یہ اٹھارہ راتیں سفر میں رہے اور ہفتے کے روز جب محرم میں سات دن باقی تھے واپس آئے۔ جب صفر آیا تو عضل اور قارہ سے ایک قوم خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے اسلام ظاہر کیا اور درخواست کی کہ ان کے ہمراہ ان صحابہ کو بھیجا جائے کہ جو دین کے عالم ہوں اور انھیں قرآن پڑھائیں۔ ابن اسحق کے قول

کے مطابق آپ نے چھ آدمی بھیجے ۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ دس آدمی تھے اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کو ان کا امیر بنایا ۔ ان میں خبیب بن عدی بھی تھے ۔ یہ ان کے ہمراہ چلے گئے۔ جب یہ لوگ رجیع میں پہنچے ۔ حجاز کے ایک طرف کا چشمہ ہے (کفار) نے یہاں دھوکہ دیا اور ان پر حملہ کر دیا اور حافظہ کو لیا اور قتل عام کر دیا ۔ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ گرفتار ہو گئے ۔ ان دونوں کو لے گئے اور انھیں مکہ میں بیچ دیا ۔ ان دونوں نے غزوہ بدر میں کفار کے سرداروں کو واصل جہنم کیا تھا ۔ حضرت خبیبؓ تو ان کے ہاں قید ہو گئے اور سارے مل کر ان کو قتل کرنے کے لیے حرم سے نکال کر تنعیم میں لے آئے ۔ جب انھیں سولی پر چڑھانے لگے تو انھوں نے کہا مجھے دو رکعتیں پڑھ لینے دو ۔ انھوں نے چھوڑ دیا انھوں نے دو رکعتیں پڑھیں ۔ جب سلام پھیرا ۔ تو فرمایا ، اللہ کی قسم اگر تم یہ نہ کہو کہ یہ بزدل ہے تو میں زیادہ پڑھتا ۔ اس کے بعد (کفار) کے لیے بد دعا کی ، اے اللہ انھیں تباہ کر دے انھیں قتل کر دینا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ چھوڑنا ۔

ابو سفیان کہنے لگا ، کیا تم نہیں پسند کرتے کہ اس وقت تم اپنے بال بچوں میں زندہ ہوتے ۔ اور محمد ہمارے پاس آتے اور ہم ان کی گردن مارتے (نعوذ باللہ)

انھوں نے فرمایا ، اللہ کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ پر جہاں کہ وہ ہیں ایک کانٹا ہی چبھ جائے ۔

واقعۂ بیر معونہ

اسی یعنی ہجرت کے چوتھے سال صفر کے مہینے میں بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوکہ ابو براء عامر بن مالک مدینے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپ اہل نجد کی طرف صحابہؓ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجیں تو مجھے امید ہے وہ قبول کریں گے آپ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے خطرہ ہے۔

ابو براء کہنے لگا کہ میں ساتھ ہوں۔ آپؐ نے اسی کے ہمراہ ابن اسحاق کے قول کے مطابق چالیس آدمی روانہ فرمائے۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ وہ ستر تھے اور منذر بن عمرو کو ان کا امیر بنایا۔ یہ صحابہؓ اہل اسلام میں سے بڑے بڑے مراتب والے بزرگ تھے اور قراء اور علماء پر مشتمل تھے۔ یہ چل پڑے اور بیر معونہ پر اترے۔

یہ علاقہ بنو عامر اور حرۃ بن سلیم کا تھا۔ انھوں نے ام سلیم کے بھائی حرام بن سلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ اس نے نظر بھی نہ ڈالی اور ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے پیچھے سے نیزہ مار دیا، وہ بدن کے پار ہو گیا اور جب اپنا خون بہتے دیکھا تو فرمایا رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب رہا۔

پھر اللہ کا یہ دشمن جلدی سے بنی عامر کی طرف گیا تاکہ باقی سے قتال کیا جائے لیکن انھوں نے ابو براء کی ہمراہی کے باعث ...... انکار کر دیا۔ پھر یہ بنو سلیم کی طرف گیا چنانچہ عصیہ رعل اور ذکوان تیار ہو گئے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور ان سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ کعب بن زید بن نجار کے سوا تمام کو شہید کر دیا گیا کیونکہ یہ مقتولوں میں پڑے اور بعد میں زندہ رہے آخر غزوہ خندق میں شہید ہو گئے۔

عمرو بن منذر ضمری اور منذر بن عقبہ بن عامر نے دیکھا کہ جنگ کی جگہ پرندے اڑ رہے ہیں چنانچہ منذر بن محمد اترے اور مشرکین سے مقابلہ کیا آخر یہ بھی شہید ہو گئے اور عمرو بن ضمری گرفتار ہو گئے۔ جب انھوں نے کہا کہ مضر قبیلہ میں سے ہوں، تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ اب عمرو بن امیہ واپس تشریف لائے۔ اور ایک نہر کے کنارے قرقرہ میں ٹھہرے اور ایک درخت کے سایہ کے نیچے اترے۔ اس کے بعد بنو کلاب کے دو آدمی بھی وہاں آ گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ وہیں اتر پڑے۔ جب وہ سو گئے تو عمرو نے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، تم نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ میں ان کی دیت دوں گا۔

قنوت نازلہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی اور جن لوگوں نے مبلغین اسلام کو بیر معونہ میں قتل کر دیا۔ ان کے خلاف بد دعا کی۔ آپؐ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ جب وہ لوگ تائب و مسلمان ہو کر حاضر ہوئے، تو آپؐ نے قنوت پڑھنا ترک کر دیا۔

غزوۂ ذات الرقاع

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع کے غزوہ میں خود حصہ لیا۔ یہ نجد کا غزوہ ہے۔ ہجرت کے چوتھے سال جمادی الاول کے مہینے میں آپ تشریف لے گئے۔ ایک قول کے مطابق محرم میں آپ محارب اور بنی ثعلبہ بن سعد بن غطفان کی طرف گئے۔ مدینہ پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری کو عامل بنایا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عثمان بن عفان کو عامل بنایا۔ آپ چار سو صحابہ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ایک روایت سات سو کی ملتی ہے۔ آخر آپ غطفان کی فوج کے سامنے پہنچے۔ آمنے سامنے دونوں فوجیں کھڑی ہو گئیں لیکن قتال نہ ہوا۔ ہاں صرف یہ ہوا کہ آپ نے اس دن صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اس غزوے کے متعلق ابن اسحٰق اور اہل سیر و مغازی کا یہی قول ہے یہ مسئلہ بہت مشکل سا ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر مروی ہے کہ خندق کے غزوہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر پڑھنے سے روک گیا۔ سنن، مسند احمد اور شافعی رحمہما اللہ میں ہے کہ انھوں نے نماز ظہر و عصر، مغرب اور عشاء سے روک کے رکھا پھر آپ نے تمام نمازیں اکٹھی ادا کیں لیکن یہ صلوٰۃ خوف کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور خندق کا غزوہ ذات الرقاع کے بعد ۵ھ کا ہے اور ظاہری طور پر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں پہلی صلوٰۃ خوف ادا کی۔

بدر موعود یا بدر ثانیہ

یہ واقعہ تو گذر چکا ہے کہ ابو سفیان نے واپسی پر کہا تھا کہ اب ہمارا اور تمہارا وعدہ اگلے سال بدر پر ملاقات (جنگ) کا ہے۔ چنانچہ جب شعبان کا مہینہ آیا۔ ایک قول کے مطابق اگلے سال کا ذی قعدہ کا مہینہ آیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کے مطابق ایک ہزار پانچ سو کا لشکر لے کر نکلے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دیا گیا۔ اور مدینہ میں عبداللہؓ بن رواحہ کو عامل بنایا۔ آخر آپ بدر کے مقام پر پہنچے اور وہاں آٹھ دن تک اقامت پذیر رہے اور مشرکین کا انتظار کرتے رہے۔ ابو سفیان مکہ سے دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور ان کے پاس پچاس سوار تھے۔

جب یہ مرالظہران پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ ابو سفیان کہنے لگا، یہ خشک سالی کا سال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم واپس لوٹ جائیں۔

چنانچہ واپس چلے گئے اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔ اس لیے اسے غزوۂ بدر موعود، یا غزوہ بدر ثانی کا نام دیا جاتا ہے۔

غزوۂ مریسیع اور واقعہ افک

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں کی تہمت اور اس کے اثرات

واقعات کی ضروری تفصیل

شعبان ۵ھ میں یہ غزوہ ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حرث بن ابی ضرار جو بنو مصطلق کا سردار ہے، اپنی قوم اور دیگر عربوں کو لے کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ آپؐ نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو خبر لانے کا حکم دیا۔ یہ گئے اور حرث بن ابی ضرار سے ملے اور اس سے گفتگو کی۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہو کر تمام ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے نکلے آپؐ کے ہمراہ منافقین کا ایک گروہ بھی نکل آیا۔ جو اس سے قبل کسی غزوے میں شریک نہ ہوا تھا۔ زید بن حارثہ کو آپؐ نے مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ ایک قول ابوذرؓ کے متعلق بھی ہے ایک قول نمیلہ بن عبداللہ لیثی کے متعلق ہے۔ آپؐ پیر کو نکلے حرث بن ضرار اور اس کے ساتھیوں کو آپؐ کی اور صحابہؓ کی آمد کی اطلاع ملی تو خوف کے مارے عرب کے قبائل اس سے الگ ہو گئے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع پہنچے، یہ پانی کی جگہ تھی۔ یہاں آپؐ کا خیمہ گاڑا گیا۔ آپؐ کے ہمراہ عائشہؓ اور ام سلمہؓ تھیں چنانچہ قتال کی تیاری کی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی صف بندی کی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور انصار کا

جھنڈا حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس تھا۔ ایک ساعت تیراندازی ہوئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دفعتہً حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت اللہ کی مدد پہنچی، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار شکست کھا گئے۔ کچھ ان میں سے قتل ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا گیا۔ جانور اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگیں۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ عبدالمومن بن خلف نے سیرت میں یہی لکھا ہے حالانکہ یہ ان کا وہم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قتال نہیں ہوا بلکہ آپؐ نے اچانک حملہ کیا تھا، چنانچہ ان کی اولاد گرفتار ہوئی اور مال ہاتھ لگا۔

حضرت جویریہؓ آپؐ کے عقد میں

گرفتار شدگان میں حضرت جویریہ بنت حرث بھی آئیں۔ یہ حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ یہ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے ان سے کتابت کرلی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی کتابت کی رقم ادا فرمائی پھر ان سے نکاح کرلیا۔ اس پر مسلمانوں نے بنو مصطلق کے تقریباً سو غلام آزاد کیے جو مسلمان ہو چکے تھے اور کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ سے ہار گر گیا اور صحابہؓ اس کی تلاش کی وجہ سے رک گئے چنانچہ تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

یہ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت عائشہؓ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ آئیں۔ کیونکہ ان ہی کے نام قرعہ سفر میں جانے کا نکلا تھا۔ آپؐ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا۔ جب غزوہ سے واپس ہوئے۔ اور ایک جگہ ٹھہرے۔ حضرت عائشہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئیں اور جو ہار انہوں نے اپنی ہمشیرہ سے مستعار لیا تھا وہ کھو دیا۔ چنانچہ دوبارہ وہیں اس کی تلاش میں گئیں اتفاق سے اسی وقت جو لوگ ان کا ہودج اٹھا کر لے جاتے تھے، حاضر ہوئے انہوں نے سمجھا ام المومنینؓ اس کے اندر ہیں۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے ہلکے پن کا احساس نہ کیا کیونکہ ان دنوں ام المومنین رضی اللہ عنہا چھوٹی عمر کی تھیں نیز اٹھانے والے زیادہ تھے، اس لیے بھی انہیں

احساس نہ ہوا۔ اور اگر ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو یہ معاملہ ان سے مخفی نہ رہتا۔

ہار کی تلاش کرنے کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور وہاں کوئی آدمی بھی نہیں رہا۔ چنانچہ وہیں بیٹھ گئیں اور یہ خیال کیا کہ جب وہ انہیں ہودج میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے واپس یہیں آئیں گے اور اللہ تعالٰے اپنے کام پر غالب ہے۔ اپنے عرش پر سے جیسے چاہتا ہے امور کی تدبیر کرتا ہے پھر ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئیں اور صفوان بن معطل (جو قافلے کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے) کی آواز سے جاگیں۔ انہوں نے دیکھ کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ إنا لله وإنا إليه راجعون۔

یہ صفوان قافلے سے پیچھے رہتے تھے کیونکہ یہ سوتے زیادہ تھے۔ جیسا کہ صحیح ابن حاتم میں مروی ہے اور سنن میں ہے کہ جب انہوں نے ام المومنین کو دیکھا تو پہچان لیا اور پردے کے حکم سے قبل انہوں نے انہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے استرجاع کہا (انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا) اور اپنی اونٹنی کو بٹھا کر ان کے قریب کر دیا۔ وہ سوار ہو گئیں اور اس کے علاوہ کوئی بات نہ کی۔ ام المومنین رضؓ نے اس کے علاوہ ان سے اور کوئی کلام نہیں سنا۔ اس کے بعد وہ آگے آگے چل پڑے یہاں تک کہ قافلے سے آن ملے۔ جس جگہ لشکر دوپہر کے وقت اترا ہوا تھا۔

چہ میگوئیاں اور طرح طرح کی باتیں

جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ہر آدمی نے اس معاملہ پر گفتگو کی۔ عبداللہ بن ابی جیسے منافق نے بغض و نفاق کا مظاہرہ کیا۔ اور اس واقعہ کو رنگ دے کر خوب پھیلائے اور ہوا دینے لگا۔ صحابہ رضؓ بھی اس کے قریب ہو جایا کرتے۔ جب مدینہ پہنچے تو پھر منافقین کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم خاموش رہے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الگ ہونے کا مشورہ دیا اور صراحتاً نہیں بلکہ تلویحاً عرض کیا۔ آپ دوسری شادی کر لیں۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور دوسرے کبار صحابہ رضؓ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً بول اٹھے۔ اللہ پاک ہے۔ یہ بہت بڑی تہمت ہے

کیونکہ انہیں یقین ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی جبلیہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما اس سے بالاتر ہیں کہ اللہ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا کرے۔

آخر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمائی تو کہنے لگیں کہ میں خود آپ کی طرف نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد بیان کرتی ہوں۔ اسی نے میری برأت نازل فرمائی۔

نیز ایک ماہ تک وحی رک جانا بھی حکمت کے مطابق تھا کہ یہ معاملہ خوب پختہ ہو جائے، اور مسلمانوں کے قلوب اللہ کی وحی کی جانب مائل ہو کر اس کی عظمت میں ڈوب جائیں۔ اور وحی کی طرف شدت تمنا سے جھک پڑیں۔ آخر جس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے اہل بیتؓ و صحابہؓ وحی کے محتاج تھے۔ وہ اس طرح آئی کہ جیسے سخت پیاسی زمین پر بارش آتی ہے۔ چنانچہ وحی ایک مناسب اور بہتر موقع پر آئی اور اہل اسلام کو اس سے مکمل اور بدرجہ اتم نشاط و مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اہل بیت کی کرامت و شرف ظاہر کی آپ کو اس مشکل سے نجات عطا فرمائی۔

منافق کو کوڑے کیوں نہیں لگائے گئے

جب ام المومنین کی برأت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تہمت لگانے والوں پر حد قذف لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں اسّی اسّی دُرّے مارے گئے، البتہ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی کو حد نہیں لگائی گئی، حالانکہ وہ اس افترا بازی کا سرغنہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدود اس لیے ہوتی ہیں تاکہ گناہ گار کو ان سے پاک کیا جائے اور یہ بدبخت اس سعادت کا اہل نہ تھا اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آخرت میں سخت ترین عذاب کا وعدہ کر رکھا تھا، اس لیے اسے وہی (عذابِ آخرت) ہی کافی تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اقرار یا بیّنہ کے بعد حد جاری کی جاتی ہے لیکن اس بدبخت نے علانیہ طور پر اقرار نہیں کیا اور نہ بیّنہ قائم ہوا کیونکہ وہ یہ تمام باتیں اپنے

منافق ساتھیوں میں ہی کیا کرتا تھا اور وہ اس کے خلاف گواہی نہ دیتے۔ اور مومنین کے درمیان اس نے ایسی بات کا تذکرہ (خطرے کی وجہ سے) نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ کے طرزِ عمل کی توجیہہ

جب برأت نازل ہوئی تو حضرت صدیقہؓ کا طرزِ عمل بھی قابل غور ہے۔ جب ان کے والدین نے فرمایا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤ، تو کہنے لگیں، اللہ کی قسم میں ان کی طرف خود نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد کروں گی، اس سے ان کے علم و معرفت اور قوت ایمان کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت کو محض اللہ کے ساتھ مخصوص رکھا اور تجدید توحید کی۔ انہوں نے یہ جملہ صلح نہ کرنے کی وجہ سے نہیں کہا، بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثقہ، محبت اور ایک حبیب کے سامنے ناز دکھانے کے لیے جیسے کرتا ہے، اسی طریق پر یہ کلام کیا اور یہ مقام بھی ناز کے تمام مقامات سے زیادہ ناز کا تھا۔

منافق کے قتل سے آپؐ کا انکار

اس غزوہ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے جو منافقین کا سردار تھا، کہا کہ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے ذلت والوں کو وہاں سے باہر نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچا دی۔ عبداللہ بن ابی عذر کرتا ہوا آیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقین میں حضرت زیدؓ کی تصدیق نازل فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے فرمایا۔ خوش ہو جا۔ اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ عباد بن بشیر کو حکم دیں کہ اس بدبخت کی گردن مار دے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں لوگ کہیں گے محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

غزوۂ خندق

دشمنِ اسلام یہودی سردار ابو رافع کا قتل

دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ غزوہ ۵ھ کو شوال میں ہوا کیونکہ غزوہ احد بلا اختلاف ۳ھ میں ہوا، اور مشرکین نے آئندہ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ یہ ۴ھ میں ہوئی لیکن اس سال قحط کی وجہ سے انہوں نے عہد شکنی کی اور واپس لوٹ گئے۔ جب ۵ھ ہوئی تو جنگ کے لیے آگئے، اہل سیر و مغازی کا یہی قول ہے۔ اس کے برعکس موسیٰ بن عقبہ نے کہ یہ ۴ھ میں ہوا ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

یہود اور قریش کا اتحاد اسلام کے خلاف

غزوۂ خندق کا سبب یہ تھا کہ جب یہود نے احد کے دن مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی نصرت دیکھی اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ابو سفیان کا وعدہ معلوم ہوا کہ وہ اس سال نکلے اور آئندہ سال آنے کے لیے واپس چلے گئے تو (یہود کے) بڑے بڑے سردار سلام بن ابی حقیق سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ مکہ میں قریش کے پاس گئے۔ انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا۔ ان سے اظہار دوستی کیا اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ قریش نے قبول کر لیا۔ پھر یہ لوگ غطفان

کے پاس گئے۔ انہیں بھی اس کام کی دعوت دی وہ بھی مان گئے۔ اس کے بعد عرب کے دیگر قبائل کو اس پر آمادہ کر لیا۔

بالآخر قریش ابو سفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ مرالظہران میں بنو سلیم بھی ان سے مل گئے۔ نیز بنو اسد، فزارہ، اشجع اور بنو مرہ بھی آن ملے۔ غطفان اور ان کا سردار عیینہ بن حصن بھی آ گیا۔ اس طرح غزوۂ خندق میں (کفار کی تعداد) دس ہزار ہو گئی جنہوں نے اس میں حصّہ لیا تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی آمد کا حال سنا تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو مدینہ اور دشمن کے درمیان حائل ہو جائے آپؐ نے خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ مسلمان تیزی سے اس کام میں مصروف ہو گئے آپؐ خود بھی اس کام میں عملاً شریک ہوئے۔ کفار بھی بڑی تیزی سے آئے۔ اس خندق کے واقعہ میں بھی آپؐ کی نبوت و رسالت کی علامات واضح تھیں جو کثرت و تواتر سے منقول ہیں۔

سلع کے سامنے خندق کھودی گئی۔ یہ پہاڑ تھا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا اور سامنے مسلمانوں اور کفار کے درمیان خندق حائل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تین ہزار صحابہؓ کو لے کر میدان میں تشریف لائے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپؐ سات سو صحابہؓ کو لے کر تشریف لائے، لیکن یہ غلط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیا، چنانچہ انہیں مدینہ کے قلعوں میں بٹھا دیا گیا اور ابن ام مکتومؓ کو ان کا پہریدار مقرر کیا گیا ادھر حیّ بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا۔ ان کے قلعے کے قریب پہنچا، لیکن کعب بنی اسد نے قلعہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس سے بات چیت کرتا رہا۔ آخر کار اس نے قلعہ کھول دیا۔ جب وہ اس کے پاس گیا تو کہنے لگا۔

میں تیرے پاس زمانے کی عزت لایا ہوں۔ قریش، غطفان اور بنو اسد کو مع ان کے سرداروں کے لایا ہوں (جو) محمدؐ سے جنگ کریں گے۔

کعب نے جواب دیا اللہ کی قسم تو میرے پاس زمانہ کی ذلت اور ایسا بادل لایا ہے

جو اپنا پانی بہا چکا ہے، وہ گرجتا اور چمکتا ہے (لیکن برستا نہیں) لیکن طویل مباحثہ کے بعد آخر کار یہ لوگ بھی عہد شکنی پر تیار ہو گئے اور مشرکین کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اس سے مشرکین بہت مسرور ہوئے۔ نیز کعب نے حیی بن اخطب سے یہ شرط کی کہ اگر وہ محمدؐ کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں تو حیی بن اخطب بھی یہود کے ہمراہ ان کے قلعے میں داخل ہو جائے گا تاکہ جو سزا انہیں ملے اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے قبول کر لیا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ اور ان کی عہد شکنی کی اطلاع ملی، تو آپؐ نے سعد بن ؓ، خوات بن جبر اور عبد اللہ بنؓ ارواح کو صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے ارسال فرمایا۔ جب یہ قریب پہنچے تو انہیں بدترین حالت میں دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ یہود دشنام طرازی اور عداوت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلے گئے اور آپ کو مطلع کیا کہ یہ لوگ غدر اور نقض عہد پر مائل ہیں، مسلمانوں کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، ابتلا وشدید بدتر صورت اختیار کر گیا۔ اور نفاق ظاہر ہو گیا۔ بنی حارثہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر خالی ہیں، حالانکہ وہ خالی نہیں تھے بلکہ فرار ہونا چاہتے تھے:

یہ لوگ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر آپؐ نے دونوں گروہوں کو مضبوط کیا اور مشرکین نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ لیکن خندق کے حائل ہونے کے باعث مسلمانوں اور مشرکین میں قتال نہ ہو سکا۔ صرف قریش کے چند سوار خندق کی طرف بڑھے جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ جب یہ اس کے قریب آئے تو کہنے لگے یہ ایک مکر ہے۔ اور عرب لوگ اس سے واقف نہ تھے۔ پھر خندق میں ایک تنگ جگہ کا ارادہ کیا اور خندق اور پہاڑ کے درمیان انہوں نے کودنے کی کوشش کی۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے عمرو بن عبدود سے مقاتلہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کیا۔ یہ مشرکین کے بہادروں اور جنگجو لوگوں میں سے تھا، باقی مشرکین واپس بھاگ گئے اور مسلمانوں کا شعار "حم لا ینصرون" تھا۔ جب مسلمانوں پر یہ صورتِ حال طویل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن اور حرث بن عوف جو غطفان کے دونوں سردار تھے مدینہ کے پھلوں کے ثلث پر مصالحت کا ارادہ فرمایا۔ سعدین سے آپؐ نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے تو پھر بسر و چشم اور اگر آپ خود کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اور ہماری قوم مشرک تھی۔ بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ اس وقت یہ لوگ صرف مہمانی یا خرید کی صورت میں کھا سکتے تھے اب جب کہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی اور ہمیں ہدایت دی اور آپؐ کی سرپرستی سے ہمیں عزت عطا فرمائی ہے تو آج ہم انہیں مال دیں؟ اللہ کی قسم ہم انہیں لڑے بغیر ہرگز مال نہ دیں گے۔ آپؐ نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ محض خود کیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ عربوں نے ایک ہو کر تم پر حملہ کیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس کی حمد ہے اپنے پاس سے قضا بھیجی اور دشمن کو رسوا کیا ان کے لشکر کو شکست دی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ہوا چلائی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور تمام خیمے اڑ گئے۔ اور ان کا ٹھہرنا دشوار ہوگیا اور اللہ کے ملائکہ کا لشکر ان کو ہلانے لگا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو (کفار) کی خبر لینے کے لیے بھیجا انہوں نے دیکھا وہ کوچ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر ہوئے اور آپؐ کو ان کے کوچ کرنے کی اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو دور کیا۔ انہیں کچھ بھی خبر حاصل نہ ہوئی اور جنگ میں بس خدا ہی مسلمانوں کی طرف سے کافی رہا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے لشکر کو عزت بخشی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا کفار کو شکست دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار اتار دیئے۔ اس کے بعد آپؐ حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں غسل فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ نے ہتھیار رکھ دیے لیکن فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اٹھیے اور ان (بنو قریظہ) سے جنگ کرنے کے لیے نکلیے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کروا دی کہ جو سننے اور اطاعت کرنے والا ہے اسے چاہیئے کہ بنو قریظہ میں جا کر نمازِ عصر پڑھے۔ مسلمان بڑی تیزی سے نکلے۔ آپؐ اور بنو قریظہ میں جو واقعات ہوئے وہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کی جنگ میں دس مسلمان شہید ہوئے۔ ایک آدمی نے حی بن اخطب کو قتل کیا تھا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن ہدی نے یہودی سردار ابو رافع کو قتل کر دیا۔ یہ اوس و خزرج کی چشمک کا نتیجہ تھا۔

سریۂ نجد

ایک بدترین دشمنِ اسلام کس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوا؟

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف لشکر روانہ فرمایا، چنانچہ وہاں سے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنیفی کو گرفتار کر کے لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر آپؐ اس کے پاس سے گزرے اور فرمایا، اے ثمامہ تمہارا کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، اے محمدؐ اگر آپؐ مجھے قتل کریں تو ایک قاتل کو قتل کریں گے اور اگر معاف کریں تو ایک شکر گزار کو معاف کریں گے۔ اور اگر آپؐ مال چاہتے ہوں تو فرمایئے جتنا درکار ہو میں دوں گا۔

آپؐ (آگے بڑھ) گئے پھر دوبارہ پاس سے گزرے اور وہی سوال کیا۔ اس نے وہی جواب دیا۔ پھر تیسری بار گزرے تو فرمایا، ثمامہ کو چھوڑ دو (صحابہؓ نے انہیں چھوڑ دیا) یہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے پاس گئے۔ غسل کیا، پھر واپس آ کر اسلام قبول کر لیا اور کہا:

اللہ کی قسم میرے نزدیک زمین پر آپؐ کے چہرے سے زیادہ کوئی مبغوض چہرہ نہ تھا لیکن اب یہ چہرہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ خدا کی قسم آپؐ کے دین سے زیادہ مجھے زمین پر کوئی دین مبغوض نہ تھا لیکن اب آپؐ کا دین تمام ادیان سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ اب میں عمرہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ قریش کے پاس آیا تو کہنے لگے۔

اے ثمامہؓ کیا تو اپنے پرانے دین سے پھر گیا؟

انہوں نے جواب دیا، نہیں اللہ کی قسم بلکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اور اللہ کی قسم یمامہ سے تمہیں گندم کا ایک دانہ بھی آپؐ کی اجازت کے بغیر نہ ملے گا۔

یمامہ مکہ کا پیداواری علاقہ تھا۔ چنانچہ یہ اپنے علاقے میں واپس چلے گئے اور مکہ کی طرف غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ قریش سخت تنگ آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا واسطہ دے کر سوال کیا کہ وہ ثمامہؓ کو لکھیں کہ غلہ ان کی طرف بھیجا جائے۔ آپؐ نے ازراہ رحم گندم بھیجنے کی ہدایت فرما دی۔

صلح حدیبیہ

ظاہری شکست کے پردے میں حقیقی فتح وعظمت کا پہلو

مسلمانوں کے ایمان کا امتحان

نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ۶ھ ذی قعدہ میں ہوئی اور یہی درست بھی ہے۔ زہری رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ یہ تمام عمرے ذی قعدہ میں کیے۔ ان میں سے ایک عمرہ حدیبیہ کا ذکر کیا۔ آپ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہ تھے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب سے دریافت کیا جو لوگ بیعت رضوان میں شریک ہوئے انکی تعداد کیا تھی انہوں نے جواب دیا۔ پندرہ سو، میں نے کہا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دونوں قول صحت سے مروی ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال ستر اونٹ ذبح کیے اور ایک اونٹ سات کی جانب سے تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی تعداد کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا، ہمارے پیدل اور سوار ملا کر چودہ سو تھی۔

مسلمانوں کی طرف سے عمرے کی تیاری

جب یہ لوگ ذی الحلیفہ میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو قلادے ڈال دیے اور شعار لگا دیئے اور عمرے کا احرام باندھ لیا اور بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو مخبر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میں نے کعب بن موسیٰ کو دیکھا کہ اس نے کافی فوج جمع کی ہے اور ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ اور وہ آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو کعبہ کی زیارت سے

روکنا چاہتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا فرمایا: کہ تمہارا کیا حال ہے! کہ ہم ان کی اولاد کی طرف چلیں، جنہوں نے ان کی مدد کی ہے، انہیں قابو میں کر لیں۔ اگر وہ بیٹھ رہے تو محزون و غمگین بیٹھیں گے اور نجات پا گئے تو ایسی گردنیں ہوں گی جنہیں اللہ نے قطع کیا ہے یا تمہاری رائے ہے کہ بیت اللہ کا قصد کر لیں اور جو ہمیں اس کی زیارت سے روکے اس سے ہم مقاتلہ کریں۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قتال کے لیے نہیں آئے وہاں البتہ اگر کوئی ہمارے اور اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہم اس سے بے شک مقاتلہ کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر چلو! چنانچہ سب چل پڑے۔ جب یہ راستے میں تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالدؓ بن ولید قریش کی ایک جماعت کے ساتھ غمیم میں تھے۔ اس لیے دائیں کا خیال کرو مگر بخدا خالد کو ان کا پتہ تک نہ چلا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے۔ آخر آپ وہ پر سے راستہ میں پہنچے جہاں آپ کو اترنا تھا۔ آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا حل حل (اٹھ اونٹنی) بیٹھی رہی۔ لوگ کہنے لگے قصواء (حضور کی اونٹنی کا نام ہے) اڑ گئی قصواء رک گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصواء نہیں رکی۔ نہ یہ اس کا طریقہ ہے۔ بلکہ انہیں ہاتھیوں کو روکنے والی ذات (خدا) نے روکا ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم جو خطہ بھی مجھ سے طلب کرو جس میں اللہ کی حرمات کی تعظیم کی جائے میں تمہیں وہ خطہ عطا کردوں گا۔ پھر آپ نے زجر کی۔ وہ اٹھ گئی اور آپ اس پر درست ہو کر بیٹھ گئے اس کے بعد آپ حدیبیہ کے آخر میں ایک ایسے تالاب پر اترے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ جسے لوگ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ ختم ہو گیا۔

آں حضرت کا معجزہ

پھر صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس میں اس قدر جوش آیا کہ تمام صحابہ سیراب

ہو گئے، پھر بھی پانی باقی بچ گیا۔

ادھر قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خطرہ محسوس ہوا۔ آپ نے ان کی طرف ایک صحابی کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا؛ چنانچہ عمر بن خطاب کو بھیجنے کے لیے بلایا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ بنی کعب میں سے مکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ اگر مجھے اذیت دی جائے تو اسے میری وجہ سے غصہ آئے، اس لیے عثمان بن عفان کو روانہ فرمایئے، کیونکہ ان کا خاندان وہیں ہے اور جو آپ چاہتے ہیں وہ پیغام بھی پہنچا دیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان کو بلایا، اور قریش کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ انہیں خبر دے دو کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم تو عمرہ کے لیے آئے ہیں اور انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ اور حکم دیا کہ جب مکہ کے مومن مرد اور مومن عورتیں آئیں، تو ان کے پاس جاؤ انہیں فتح کی خوشخبری دے دو اور انہیں خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو مکہ میں بھی غالب کرنے والا ہے، یہاں تک کہ یہاں وہ مخفی نہ رہے جو ایمان دار ہے۔

حضرت عثمان چل پڑے اور بلاح کے قریب قریش کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں اللہ اور اسلام کی دعوت دوں اور تمہیں خبر دے دوں کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے جو تم نے کہا ہے ہم نے سن لیا ہے اس لیے اپنی حاجت پوری کرو۔ ابان بن سعید بن عاص اٹھا اس نے انہیں مرحبا کہا اور اپنے گھوڑے پر کاٹھی ڈال کر حضرت عثمان کو گھوڑے پر ڈال لیا۔ آخر یہ لوگ مکہ پہنچ گئے۔ دوسری طرف حضرت عثمان کی واپسی سے قبل مسلمانوں کو خیال ہوا کہ عثمانؓ ہم سے پہلے ہی کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ عثمان نے طواف کیا ہو جبکہ ہم محصور ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! انہیں کس بات کی رکاوٹ ہے، جب کہ انہیں موقع مل چکا۔ آپؐ نے فرمایا: میرا اس کے متعلق یہی گمان ہے کہ وہ تب تک طواف نہیں کریں گے جب تک ہم ان کے ہمراہ نہ ہوں۔

عثمان کی طرف سے آپ کی بیعت

نیز مسلمان اور مشرکین صلح کے معاملہ میں مختلط ہو گئے۔ چنانچہ فریقین میں سے ایک آدمی نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو تیر مارا۔ اب جنگ شروع ہو گئی، تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ دونوں جماعتوں نے آواز بلند کی اور ہر ایک فریق نے دوسرے فریق کے آدمیوں کو پکڑ لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بیعت کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ درخت کے نیچے تھے۔ تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ فرار نہ ہوں گے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی جانب سے بیعت ہے جب بیعت ختم ہو گئی اور حضرت عثمان بھی واپس آ گئے۔

مسلمان نے کہا اے ابوعبداللہ بیت اللہ کے طواف سے (روح) کو تازہ کر لیا؟ انہوں نے جواب دیا جو تم نے میرے متعلق ظن کیا بہت غلط تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں ایک سال بھی وہاں رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم ہوتے تو میں آپ کے طواف کرنے سے پہلے ہرگز طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھے طواف کرنے کی دعوت بھی دی میں نے انکار کر دیا۔

مسلمانوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتے اور ہم سے زیادہ حسن ظن رکھتے ہیں۔

مسلمان ابھی معروف تھے کہ بدیل بن ورقا خزاعی بنو خزاعہ کی جماعت میں سے حلفی ہوئے یہ مخبر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عامر بن لوی اور کعب بن لوی کو حدیبیہ کے چشموں کے قریب اترتے دیکھا ہے۔ ان کے ہمراہ بہت بڑا لشکر ہے اور آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قریش کو لڑائیوں نے مغلوب کر رکھا ہے اور نقصان دیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں انہیں مدت دوں گا اور وہ میرے لوگوں کے درمیان حائل رہیں اور اگر چاہیں تو اس میں داخل ہو جائیں بس

میں لوگ داخل ہوئے اور اگر وہ جنگ ہی پر اصرار کریں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں ان سے جنگ کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ فرما دے۔

بدیل کا تاثر اشراف قریش پر

بدیل نے عرض کیا جو آپ فرماتے ہیں وہ بات میں انہیں پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ چل پڑا اور قریش سے آ کر کہا کہ میں اس آدمی (رسول اللہ) کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے انہیں ایک بات فرماتے سنا، اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے رکھ دوں۔ بعض پست فطرت لوگ کہنے لگے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تو ان کی بات ہمارے سامنے بیان کرے۔ لیکن بعض اہل خرد کہنے لگے، بتاؤ کیا سنا ہے!

انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کو ایسے ایسے فرماتے سنا ہے۔ عروۃ بن مسعود ثقفی کہنے لگا کہ یہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے، اسے قبول کر لو اور میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپؐ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بدیل والی بات فرمائی، اس پر عروہ کہنے لگا: اے محمد! کاش تو اپنی قوم سے تعلق قائم رکھتا۔ کیا تو نے سنا کہ عربوں میں سے کسی نے تجھ سے قبل اپنے اقارب سے اعراض کر لیا ہو! اللہ کی قسم کہ میں ایسے چہرے اور ایسے چھوٹے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جو بھاگ جائیں گے اور تجھے چھوڑ جائیں گے۔

ابو بکرؓ نے فرمایا کیا آپ کو چھوڑ کر یہ بھاگ جائیں گے! عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں! جواب ملا ابو بکرؓ۔

کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر مجھ پر تیرا وہ احسان نہ ہوتا کہ جس کا بدلہ میں نے نہیں اتارا تو تجھے جواب دیتا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا باتیں کرتے کرتے اس نے آپ کی ریش مبارک پکڑلی (اس زمانہ میں عربوں کی یہ عادت تھی) حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار سونتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ ہٹا۔ عروہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا

رہا وہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ الگ رکھ،

عروہ نے ہاتھ اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ۔

اس نے کہا: یعنی غدر کرنے والا۔ واقعہ یوں تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کی مصاحبت کی پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لوٹ لیا۔ اس کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول ہے اور مال میں تیرا کچھ حق نہیں۔

عروہ کے تاثرات آں حضرت ﷺ اور صحابہ کے بارے میں

اس کے بعد عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھنے لگا۔ بخدا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تو بھی وہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا، وہ اسے اپنے بدن اور چہرے پر مل لیتا اور جب حکم دیتے تو فوراً اطاعت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو وضو کا (پانی لینے) کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور جب آپ کلام فرماتے تو (صحابہ) کی آواز گنگ ہو جاتی اور عظمت و وقار کے باعث آپ کی طرف نظر بھی نہ اٹھا سکتے۔

اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہنے لگا اے قوم! اللہ کی قسم میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، لیکن بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اس قدر عزت و احترام کرتے ہوں جس قدر محمد کے صحابہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا اگر وہ بلغم تھوکیں تو وہ بھی کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑتا ہے وہ اسے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ انہیں حکم دیتے ہیں تو فوراً اطاعت کرتے ہیں، جب آپ وضو کرتے ہیں تو اس کا (پانی پینے کے لیے آپس میں جھگڑتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور شدتِ تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ انہوں نے ہمارے سامنے ایک بہتر چیز پیش کی ہے اسے قبول کر لو۔

بنی کنانہ کا ایک اور آدمی اٹھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ جب آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں ہے اور یہ اس قوم میں سے ہے، جو قربانی کے جانوروں کا احترام کرتی ہے، اسے بلا لو، اسے بلایا گیا تو قوم نے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ وہ کہنے لگا سبحان اللہ ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے بالکل نہ روکنا چاہیے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے جانوروں کو قلادہ پڑے ہوئے دیکھا اور انہیں شعار لگادیا گیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ کی زیارت سے روکا جائے۔

اس کے بعد مکرز بن حفص اٹھا، کہنے لگا میں جاتا ہوں۔ جب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برا آدمی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا۔

سہیل بن عمرو سے صلح کے شرائط

اتنے میں سہیل بن عمرو آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب کام آسان ہوگیا۔ آپ نے فرمایا، آؤ ہم آپس میں عہد نامہ لکھ لیں۔ کاتب کو بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔

سہیل کہنے لگا رحمٰن کو ہم نہیں جانتے لکھو باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) جیسے آپ لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے جواب دیا اللہ کی قسم ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا جیسا یہ کہتا ہے۔ وہی لکھو: باسمک اللھم پھر فرمایا لکھو، یہ ہے وہ تحریر جس میں محمد اللہ کے رسول نے فیصلہ فرمایا:۔

سہیل بولا اللہ کی قسم اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ آپ سے مقاتلہ کرتے، بلکہ لکھو محمد بن عبداللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم نے میری تکذیب کی ہے لیکن میں واقعۃً اللہ کا رسول ہوں (اچھا) اس طرح لکھو، محمد بن عبداللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان سے ہٹ

جاؤ گے تاکہ ہم اس کا طواف کریں۔

سہیل کہنے لگا: ہمارا کوئی آدمی آپ کے ہاں نہیں آئے گا چاہے وہ آپ کے دین پر آیا اور اگر آگیا تو اسے واپس کرنا ہوگا۔

مسلمان کہنے لگے سبحان اللہ جو آدمی مسلمان ہو کر آ جائے اسے مشرکین میں کیسے بھیجا جائے گا! ابھی انہی باتوں میں تھے کہ ابو جندل بن سہیل ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے لٹکتے اور مسلمانوں کے سامنے پہنچ گئے۔ سہیل کہنے لگا اے محمد! یہ پہلا آدمی ہے جسے فیصلے کے مطابق آپ لوٹائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تک تو عہد نامہ تیار بھی نہیں ہوا وہ کہنے لگا پھر اللہ کی قسم کسی بات کا فیصلہ نہ کروں گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میرے لیے رہنے دے وہ بولا میں آپ کے لیے بھی نہیں رہنے دوں گا۔

ابو جندل نے جب یہ سنا تو فریاد کی۔ اے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا مجھے مشرکین کے حوالے کیا جائے گا! کیا تم نہیں دیکھتے کہ مجھے کیا کیا دکھ پہنچا ہے!

کفار نے انہیں سخت ترین ایذائیں دی تھیں۔

مسلمانوں پر مایوسی کی کیفیت

جب عہد نامے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور نحر (قربانی) کرو، پھر حلق کرو، لیکن مسلمانوں میں سے ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ نے تین بار فرمایا۔ جب کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو آپ ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کی حالت بیان فرمائی۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے۔ کسی سے کوئی بات نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ آپ خود قربانی کر لیں اور پھر حجام کو بلائیے اور خود حلق کروا لیجئے۔ چنانچہ آپ اٹھے کسی سے کلام نہ فرمایا: اور نحر کیا پھر حجام کو بلا کر حلق کروایا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی نحر کیا اور ایک دوسرے کا حلق کیا اور غم کی شدت کے باعث ایک دوسرے کو زخمی

کر دیا۔ اس کے بعد عورتیں مسلمان ہو کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یا ایھا الذین امنوا اذا جاءکم المومنات مهاجرین سے لے کر عصم الکوافر آیات نازل فرمائیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے، راستے میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں:- انا فتحنا لك فتحا مبینا ○ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر ویتم نعمته علیك ویهدیك صراطا مستقیما ○ وینصرك الله نصرا عزیزا ○

یعنی ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ پر اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔

حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح (مکہ) کی بشارت ہے آپ نے فرمایا، ہاں!

صحابہ رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد پیش کی اور عرض کیا: پھر ہمارے لیے کیا ہے!۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین الخ

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو قریش کا ایک آدمی ابو بصیر مسلمان ہو کر حاضر ہوا انہوں نے ان کی تلاش میں دو آدمی واپس لانے کے لیے بھیجے۔ آپ نے انہیں دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا وہ انہیں لے کر نکلے۔ آخر ذوالحلیفہ پہنچ گئے، یہاں اتر کر کھجوریں کھانے لگے۔

ابو بصیر رض نے ایک سے کہا۔ اللہ کی قسم تیری تلوار میں دیکھتا ہوں کہ خوب سفید اور عمدہ ہے اس نے سونت لی اور کہا! اللہ کی قسم یہ بہت بہتر بنی ہے۔ اسے میں کئی بار آزما چکا ہوں۔

مظلوم مسلمانوں نے خود اپنی نجات کی صورت نکال لی

ابوبصیرؓ نے فرمایا۔ ذرا مجھے دکھاؤ۔ میں بھی دیکھوں۔

اس نے ان کے ہاتھ میں تھما دی، انہوں نے اسے قتل کر دیا، دوسرا بھاگ گیا، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو وہ گھبرایا ہوا تھا وہ آپ کے قریب پہنچا تو کہنے لگا واللہ میرا ساتھی قتل ہو گیا ہے اور میں بھی قتل ہونے لگا تھا مگر بھاگ آیا اتنے میں ابوبصیر بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے مجھے ان سے نجات دلا دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرابی ہو اس کی ماں کو جنگبھاز ہے۔ کاش اس کا دوسرا ساتھی ہوتا۔ جب (ابونصیرؓ) نے یہ کلام سنا تو یقین کر لیا کہ انہیں پھر لوٹا دیا جائے گا (ابوبصیرؓ) مدینہ سے نکل آئے اور ساحل سمندر پر آکر رہائش پذیر ہو گئے۔ ابوجندل بن سہیل بھی وہاں سے بھاگے اور ابوبصیرؓ سے جا ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لاتا وہ ابوبصیرؓ سے جا ملتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اللہ کی قسم وہ قریش کا جو قافلہ بھی دیکھ پاتے، اس پر ٹوٹ پڑتے، انہیں قتل کرتے اور ان کے اموال لوٹ لیتے۔ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ انہیں اپنے پاس بلا لیں اور جو بھی (مدینہ) آئے گا وہ مامون ہے (یعنی ہم واپسی کا مطالبہ نہ کریں گے۔

(اس موقع پر بعض عجیب واقعات پیش آئے) صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک لوٹا تھا جس سے آپ وضو فرماتے۔ جب لوگ ادھر آئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ہمارے پاس نہ پینے کیلئے پانی ہے اور نہ وضو کرنے کے لیے۔ صرف آپؐ کے سامنے (ایک لوٹا) ہے آپؐ نے لوٹے میں ہاتھ رکھا اور انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی بہنے لگا، تمام صحابہؓ نے پانی

پیا، وضو بھی کیا۔ ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔ یہ واقعہ کنویں کے واقعہ سے جدا ہے۔
اسی شب کو بارش ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو فرمایا۔ جانتے ہو تمہارے رب نے آج شب کو کیا فرمایا!
انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔
(آپ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میرے بعض بندوں نے اس طرح صبح کی کہ وہ میرے مومن ہیں اور بعض کافر ہیں، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل وکرم سے بارش ہوئی وہ مومن ہے اور کواکب کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر ایسے ایسے ستارے کے باعث بارش ہوئی وہ میرا کافر ہے اور کواکب پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلمان عورت کی حرمت نے معاہدہ کی ایک شق منسوخ کردی

مسلمانوں اور اہل مکہ میں دس سال کے لیے مصالحت ہوگئی اور عوام ایک دوسرے کی ایذاء ہی سے مامون ہو گئے۔
اگلے برس آپ مکہ میں تشریف لائے اور تین دن وہاں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہ لیا جائے اور اسے بھی میان میں رکھا جائے نیز یہ بھی طے پایا تھا کہ ہم آپ کے ساتھیوں میں سے آنے والے کو واپس نہ کریں گے اور ہمارے جانے والے ساتھیوں کو لوٹانا ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم انہیں یہ (سہولتیں) دیں! آپ نے فرمایا جو ہم میں سے ان کی طرف چلا گیا اسے اللہ نے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا اور جو ہمارے پاس آیا اور پھر ہم نے اسے لوٹایا تو اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔
صلح حدیبیہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے سر منڈانے کا فدیہ روزہ یا صدقہ یا قربانی قرار دیا یہ حکم کعب بن عجرہ کے معاملہ میں نازل ہوا۔
اس صلح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرانے والوں کے لیے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت فرمائی۔
اس میں ایک آدمی کی جانب سے ایک اونٹ نحر فرمایا اور سات آدمیوں کی جانب

سے ایک گائے ذبح کی۔

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے اونٹوں میں ایک اونٹ کی ناک میں جو کبھی ابوجہل کی ملکیت رہ چکا تھا۔ چاندی کی ایک نکیل ڈال دی تاکہ مشرکین جل اٹھیں۔

اور اسی موقع پر سورہ فتح نازل فرمائی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو خزاعہ نے معاہدہ کر لیا اور بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا۔ کیونکہ (صلح حدیبیہ) میں یہ بھی ایک شرط تھی کہ (قبائل عرب میں سے) جس کا جی جس کے ساتھ چاہے معاہدہ میں شریک ہو جائے۔

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ ان میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی تھیں۔ ان کے وارث آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کے مطابق انہیں واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انہیں واپس نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں یہ شق منسوخ ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ سنت کو محدود کر دیا گیا، لیکن (صحیح) قول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں صرف مردوں کے متعلق یہ شرط طے ہوتی تھی اب مشرکین نے چاہا کہ اس کا دونوں صنفوں (مرد عورت) پر اطلاق کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار فرمایا۔

واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں فوائد فقہیہ

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہر حج میں عمرہ فرمایا، کیونکہ آپ ذی قعدہ کو نکلے۔

دوسرے میقات سے عمرے کا احرام باندھنا زیادہ افضل ہے۔ جیسے حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لیے ذی الحلیفہ سے احرام باندھا۔ اس جگہ اور مدینہ میں ایک میل کے قریب فاصلہ ہے۔

تیسرے عمرہ مفرد میں ہدی چلانا مسنون ہے جیسا حج قران میں طریقہ ہے۔

چوتھے ہدی کا اشعار کرنا سنت ہے نہ کہ اسے مثلہ کیا جائے کیونکہ یہ ممنوع ہے۔

پانچویں اللہ کے دشمنوں کو غضب ناک کرنا اور جلانا مستحب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے سابق ملکیت اونٹ کو چاندی کی نکیل پہنائی تاکہ مشرکین خوب جلیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی وصف میں فرمایا: ان کی مثال دی۔

ومثلهم في الانجيل كزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار یعنی، اور مثال ان کی انجیل میں، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہو گیا۔ یعنی نالی خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو۔ تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا۔

نیز فرمایا: ذالك بانهم لا يصيبهم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة في سبيل الله ولا يطؤن موطئا يغيظ الكفار ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح ان الله لا يضيع اجر المحسنين۔

چھٹا یہ کہ امیر کو چاہیئے کہ دشمن کی طرف مخبر ارسال کرے۔

ساتویں ملابس اور سواریوں کا نام رکھنا بھی مسنون ہے۔

آٹھویں دین کی خبر پر حلف اٹھانا جائز بلکہ مستحب ہے، جس سے اس کی تاکید ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سے زیادہ بار حلف اٹھانا ثابت ہے اور تین مقامات پر تو اللہ نے تصدیق کے لیے حلف اٹھانے کا حکم دیا۔ سورہ یونس، سورہ سبا، اور تغابن میں منقول ہے۔

نویں، مشرکین، اہل بدعت، فسق و فجور میں مبتلا لوگ بھی اگر اللہ کی محرمات کی عظمت واحترام کا مطالبہ کریں تو اس سلسلہ میں ان سے تعاون کرنا چاہیئے اور دوسروں کو ان سے روکنا چاہیے اور حرمات اللہ کی تعظیم میں تو ان کی مدد کی جائے گی البتہ ان کے ذاتی فسق و فجور میں بالکل تعاون نہ کرنا ہو گا

دسویں، یہ کہ جو مکہ کے قریب نازل ہوا سے چاہیے کہ حل میں اترے اور حرم میں نماز ادا کرے۔ حضرت ابن عمرؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

گیارھویں، سریا مینہ جہاں سے مراد ہے اسے پاک کرنا۔

بارھویں، مستعمل پانی کا پاک ہوگا۔

تیرھویں، تفاول کا استحباب۔ یاد رکھیے یہ طیرہ یعنی فال لینے کی قسم کی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی آمد پر فرمایا، اب کام سہل ہوگیا۔

چودھویں، حلق کروانا قصر سے افضل ہے۔ عمرہ میں بھی حج کی طرح قربانی ہوگی۔ عمرہ محصور میں دوسرے عمرے کی طرح قربانی ہوگی۔

پندرھویں، یہ کہ محصر اس جگہ قربانی کردے جہاں کہ اسے روکا گیا، چاہے حل ہو یا حرم ہو اور یہ واجب نہیں کہ قربانی کو اگر حرم میں نہ پہنچا سکے تب بھی حرم میں پہنچائے۔

صلح حدیبیہ میں بعض حکمتوں کا بیان

اس میں جو حکمتیں ہیں ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ جس نے اسباب بنائے۔ چنانچہ اس کے تقاضائے حکمت کے مطابق واقعات (ظہور) پذیر ہوئے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا، جس سے اللہ نے اپنے رسول اور لشکر کو عزت بخشی اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ درگروہ داخل ہوئے۔ گویا یہ واقعہ اس مبارک امر کا دروازہ اور چابی تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ عادت جمیلہ ہے کہ جو بھی عظیم اور بڑا کام کرتا ہے تو اس کے لیے پہلے مقدمات اور تمہید میں قائم فرماتا ہے جو اس کا سبب بنتی اور اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

نیز یہ معاہدہ سب سے بڑی فتح تھی۔ کیونکہ لوگوں نے ایک دوسرے کو امان دے دیا اور مسلمان اور کفار آپس میں ملنے لگے۔ انہیں اسلام اور قرآن کی دعوت دینے لگے اور اسلام کے متعلق علانیہ مناظرے شروع ہو گئے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہوگیا اور اس مدت میں جس نے چاہا وہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین کا نام دیا۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان واذعان میں اسے زیادتی کا سبب قرار دیا۔ اللہ کی قضا وقدر کی رضا، اس کے وعدوں کی تصدیق، اس کے مواعیہ کا انتظار پھر سکینہ کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ جس کے ذریعہ قلوب کو اطمینان

نصیب ہوا اور انہیں قوت حاصل ہوئی (ان سب سے ایمان میں زیادتی ہوئی۔

دیگر سبحانہٗ و تعالیٰ نے یہ حکم جو اپنے رسول اور مومنین کو دیا اسے اپنے رسول کے تمام سابق آئندہ ذنوب کی بخشش کا سبب اور ان پر اپنی نعمت کے تمام اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اور غالب نصرت کا سبب قرار دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بیعت کا ذکر فرمایا اور اسے اس طرح مؤکد کیا کہ یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک (ان کے ہاتھوں پر تھا) تو گویا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے۔ کیونکہ وہ اسی ذات کا نبی اور رسول ہی تو ہے تو یوں سمجھو کہ اس کے نبی و رسول سے بیعت خود اسی سے عقد و بیعت ہے۔ پس جس نے (رسول) کی بیعت کی گویا اس نے اللہ کی بیعت کی او (رسول اللہ) کے ہاتھ کے اوپر کا ہاتھ ہے۔ پھر خبر دی کہ اس عہد کو توڑنے والے کی اس حرکت کا زوال خود اس پر آکر رہے گا اور ایفائے عہد کرنے والے کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس طرح ہر وہ مومن جو اسلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اللہ کی بیعت کرتا ہے یا تو وہ عہد کو پورا کرے گا یا عہد شکنی کرے گا (یعنی دو ہی صورتیں ہوں گی)۔

پھر ان اعراب کا ذکر فرمایا جنہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ساتھ بدظنی کا ثبوت دیا۔ (اور ان کے ان خیالات کو) کہ رسول اس کے ساتھیوں اور لشکر کو (نعوذ باللہ) رسوا کیا، کہ دشمن ان پر فتح حاصل کرے تاکہ وہ واپس گھروں میں قطعاً نہ جائیں۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی وجہ سے مومنوں سے راضی ہوا اور اس وقت ان کے قلوب جس صدق و وفا سے پُر تھے خدا ہی خوب جانتا ہے۔ جس قدر وہ کمالِ اطاعت و وفا، اللہ و رسول کی خاطر ایثار کا جذبہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر سکینہ، اطمینان اور رضا نازل فرمائی اور اپنے حکم سے ان کی رضا، صبر پر فتح قریب کا مژدہ سنایا، نیز یہ بتایا کہ انہیں بہت سے مغانم ہاتھ لگیں گے۔

مزید براں یہ بھی فرمایا کہ یہ غنائم انہیں جلدی دے دیئے جائیں گے اور ان مغانم کے علاوہ دوسرے فتوحاتِ کثیرہ کا بھی وعدہ فرمایا کہ اس وقت وہ ان پر قادر نہ تھے۔
ایک قول فتح مکہ کے متعلق ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ فتح خیبر کے بعد آفاقِ عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد ہے۔
اس کے بعد فرمایا کہ اگر کفار اللہ کے اولیاء سے جنگ کریں گے تو انہیں نصرت نہ ملے گی اور پیٹھ پھیر کر فرار ہو جائیں گے اور اس کے بندوں میں یہ اللہ کی سنتِ قدیمہ چلی آئی ہے اور سنت اللہ میں تغیر نہیں آیا کرتا۔
پھر خبر دی کہ اس کے رسولؐ نے مسجد (حرام) میں امن سے داخلہ کا خواب صحیح دیکھا۔ اور وہ عنقریب رونما ہوگا۔ اور لازماً ہوگا۔ لیکن اس سال اس کا وقت نہیں آیا۔ تم اگرچہ جلدی کرنا چاہتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس کی تاخیر میں کیا کیا مصالح وعلتیں پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے تمہید و بنیاد کے لیے فتح قریب عطا فرمائی۔
پھر فرمایا کہ (اللہ) وہ ذاتؐ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس جب دین اسلام کے اتمام اور اتمام ادیان پر غلبہ عطا کرنے کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہو گیا تو اس میں مسلمانوں کے قلوب کو قوت و فرحت حاصل ہوئی اور اس عہد پر انہیں ایقان حاصل ہوا کہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ حدیبیہ کے روز جو اغماض واقع ہوا وہ دشمن کی مدد اور اپنے رسول و دین سے اعراض کا سبب تھا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے! جبکہ اللہ نے اپنے رسول کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وعدہ کیا کہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غلبہ عطا کر دے گا۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اس کے صحابہؓ کی مدح فرمائی اور تورات وانجیل میں ان کی صفاتِ منقولہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس طرح یہ تورات وانجیل اور قرآن کے ارسال فرمانے والے کی حقانیت کا ثبوت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو مذکورہ

الہامی کتابوں اور ان صفاتِ مشہورہ سے متصف ہیں اور وہ بات نہیں کہ جس کا تذکرہ کفار کرتے ہیں اور الزام دھرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ طالبِ دنیا، اور حکومت کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام کے نصرانی نے (صحابہؓ) کو دیکھا، ان کا طریقہ زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ ان کے عدل وعلم وعمل اور دنیا سے پرہیز آخرت کی طرف رغبت کا حال دیکھا تو کہنے لگا۔

یہ لوگ ان سے افضل ہیں، جنہوں نے مسیح علیہ السلام کی حمایت کا شرف حاصل کیا

یہ نصاریٰ کی رائے ہے، جو صحابہؓ کے مقام و فضیلت سے آگاہ تھے۔ بخلاف روافض کے کہ یہ صحابہؓ کے متعلق ایسی باتیں بناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں روا نہیں رکھیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی کارساز اور رہنما نہیں۔

فتح خیبر

یہود کی ہمیشہ کے لیے سرکوبی، خیبر کے یہودیوں سے معاہدہ

سنہ ۷ھ کا ایک اہم واقعہ

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے اور قریباً بیس دن ٹھہرے۔ اس کے بعد آپ خیبر کی طرف نکلے اور اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں اس کا وعدہ کر دیا تھا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خیبر سنہ ۶ھ میں فتح ہوا اور جمہور کا خیال ہے کہ سنہ ۷ھ میں فتح ہوا۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ سے انہیں عروہؒ سے انہیں مروانؒ بن حکم اور مسورؒ بن مخرمہ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال تشریف لے گئے۔ ابھی مکہ و مدینہ کے درمیان تھے کہ سورۃ فتح نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر عطا فرمایا اور مغانم کثیرہ وعدہ فرمایا۔ اس طرح یہ (خیبر کی فتح و غنائم) جلد عطا کر دی گئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجۃ کے مہینے میں مدینہ واپس تشریف لائے اور تھوڑی مدت ہی ٹھہر کر محرم کے مہینے میں خیبر تشریف لے گئے۔

آپ خیبر و غطفان کے درمیان وادی رجیع میں اترے۔ خطرہ ہوا کہ غطفان حملہ نہ کریں چنانچہ یہیں رات گزاری اور صبح کے وقت ان کی طرف گئے۔ مدینہ پر سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر کیا۔ اسی وقت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور صبح کی نماز میں سباع بن عرفطہ سے پہلی رکعت میں کہٰیعص اور دوسری میں ویل للمطففین سُنی۔

سلمہؓ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف گئے

اور ہم نے رات کو سفر کیا۔ قوم کے ایک آدمی نے عامر بن اکوع سے کہا کیا تم ہمیں اپنے اشعار نہ سناؤ گے!

عامر ایک شاعر آدمی تھے۔ چنانچہ حاضرین کو ان اشعار سے گرمانے لگے،

اللھم لولا انت ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

یعنی اے اللہ اگر تو نہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔

اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

فاغفر فدی لک ما اتقینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں۔

اور اگر تو جنگ پر ثابت قدم رکھتا۔

وانزلنا سکینة علینا
وانا اذا صیح بنا اتینا

اور ہم پر سکینہ نازل فرما

اور جب ہمیں بلایا جائے گا، ہم حاضر ہوں گے۔

وبالصیاح عولوا بنا
وان ارادوا فتنة ابینا

اور جنگوں میں ہم پر اعتماد کیا گیا

اور اگر ہمیں بعض گمراہ کرنا چاہیں گے ہم انکار کر دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا سائق کون ہے!

عرض کیا گیا عامرؓ!

آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس پر رحمت کرے۔ ایک آدمی کہنے لگا واجب ہو گئی، واجب ہو گئی عامر کو اے اللہ کے رسول!

راوی کہتے ہیں کہ ہم خیبر آئے اور ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا لیکن شدید تکلیف و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر باب کامرانی کھول دیا جب شام ہوئی تو انہوں نے کثرت سے آگ جلائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آگ کیسی ہے؟ کیا پکا رہے ہو؟ عرض کیا گیا گوشت پکا رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا: کیسا گوشت؟ عرض کیا گورخر کا گوشت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سالن کو انڈیل دو، یہ ہانڈیاں توڑ دو۔

جب صف آراستہ ہوئی تو مرحب تلوار ہلاتا اور یہ شعر پڑھتا نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب۔

شاک السلاح بطل مجرب - اذا الحروب اقبلت تلتہب

یعنی: خیبر کو معلوم ہو چکا کہ میں مرحب ہوں۔

ہتھیاروں سے سجا ہوا۔ تجربہ شدہ بہادر ہوں۔ جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جاتا ہوں۔

اس کے مقابلے میں عامرؓ یہ شعر پڑھتے مقابلے میں آئے۔

قد علمت خیبر انی عامر

شاک السلاح بطل مغامر

یعنی: خیبر کو معلوم ہو چکا کہ میں عامر ہوں۔

ہتھیار سجانے والا، بہادر (اور) نڈر جنگجو ہوں۔

چنانچہ آپس میں جھڑپ ہوئی اور عامرؓ کی ڈھال پر مرحب کی تلوار پڑی اور عامرؓ اسے نیچے سے جانے لگے۔ عامرؓ کی تلوار میں کچھ نقص تھا، تلوار کی دھار ان پر پڑی اور عامرؓ کی آنکھ پر لگی اس سے ان کی شہادت بھی ہو گئی۔

حضرت سلمہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عامرؓ کا عمل برباد ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا اس کے لیے دو اجر

ہیں اور آپ نے دو انگلیوں کو جوڑ کر بتایا، وہ یقیناً جاہد و مجاہد ہے۔ بہت کم عربی ایسے ہیں جنہوں نے اس کی طرح جہاد کیا ہو۔

اہل خیبر کی بے خبری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے۔ وہاں صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہوئے تو اہل خیبر اپنے کھیتوں اور کام کاج کی جگہوں کی طرف نکلے اور انہیں مسلمانوں کی آمد کا علم بھی نہ تھا بلکہ وہ اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تھے، جب انہوں نے لشکر اسلام کو دیکھا تو کہنے لگے۔

محمد واللہ کی قسم محمدؐ اور خمس! (یعنی مالِ غنیمت کا حصہ)

چنانچہ اپنے شہر کی طرف بھاگتے ہوئے واپس ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر خیبر برباد ہو جائے، اللہ اکبر خیبر برباد ہوگیا۔ جب ہم ایک قوم کے علاقہ میں اترے تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بری ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے اور شہر پر نظر پڑی تو فرمایا: ٹھہر جاؤ، لشکر (اسلام) ٹھہر گیا۔ آپ نے یہ دعا پڑھی:

اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن۔ فانا نسئلك خیر ھذہ القریۃ وخیر ما فیھا ونعوذ بك من شر ھذہ القریۃ وشر ما فیھا۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔

حضرت علی کا شرف

جب داخلہ کی شب آئی تو آپ نے فرمایا کہ صبح اس آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ لوگوں نے ان باتوں میں ہی رات گزار دی کہ دیکھیے صبح کس کو جھنڈا ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسی کو جھنڈا عطا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا، علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کہاں ہے!

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اسے آشوب چشم کی شکایت ہے۔
آپ نے انہیں بلا بھیجا وہ حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی وہ تندرست ہو گئے گویا انہیں کچھ تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔
انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا میں ان سے تب تک مقابلہ کروں جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ بن جائیں!
آپ نے فرمایا ان کے علاقہ میں اترنے تک اپنے قاصدوں تک رہنے دو پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں اللہ کے حقوق کی خبر دو۔ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ پر ایک آدمی کو ہدایت دے دے۔ تو تیرے لیے سُرخ ہونٹوں سے بہتر ہے۔

مرحب اور حضرت علی کا مقابلہ،

پھر مرحب یہ (رجز) پڑھتے ہوئے نکلا۔

انا الذی سمتنی امی مرحب
شاک السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلتہب

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے اس کا نام مرحب رکھا۔
ہتھیار پوش بہادر تجربہ شدہ۔
جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جاتا۔

دوسری جانب حضرت علی یہ پڑھتے ہوئے میدانِ مقابلہ میں آئے۔

انا الذی سمتنی امی حیدر
کلیث غابات کریہ المنظر
أوفیہم بالصاع کیل السندر

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے حیدر نام رکھا۔
جنگلوں کے شیروں کی طرح خوفناک ہوں۔

اس کے بعد (علیؓ) نے مرحب پر تلوار کا وار کیا، جس سے اس کی گردن دور جا پڑی اور مسلمانوں کو فتح ہو گئی۔

جب حضرت علیؓ قلعے کے قریب ہوئے تو قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے سر نکالا اور پوچھا کہ تو کون ہے! انہوں نے جواب دیا میں علی بن ابی طالب ہوں! وہ یہودی بولا تم غالب آگئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمدؓ بن مسلمۃ نے اسے قتل کیا۔

حضرت جابر اپنی روایت میں فرماتے ہیں کہ خیبر کے قلعے سے مرحب یہودی نکلا اس نے خوب ہتھیار لگا رکھے تھے اور وہ رجز پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرے مقابلے میں کون آئیگا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون اس کا مقابلہ کرے گا! محمد بن مسلمۃ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا! اللہ کی قسم میں بدلہ لوں گا، اس نے کل ہی میرے بھائی محمود بن مسلمہ کو شہید کیا ہے وہ خیبر میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اٹھو اس کی جانب! اے اللہ (محمدؓ بن مسلمہ) کی اس کے مقابلہ میں مدد کرنا۔ جب دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو دونوں کے درمیان ایک درخت حائل ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک اس درخت کی آڑ لینے لگا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کرنا چاہا تو ہر ایک نے سامنے کا حصہ کاٹ دیا اور ایک دوسرے کے سامنے کھل کر آگئے اور اس درخت کا تنا دونوں کے درمیان ایک آدمی کی طرح آڑ بن گیا جس پر کوئی شاخ نہ تھی۔ پھر (مرحب) نے محمدؓ پر حملہ کیا انہوں نے چمڑے کی ڈھال سے وار بچایا۔ اس کی تلوار اس میں چلی گئی۔ اس کے بعد محمدؓ بن مسلمہ نے اس پر وار کیا اور اسے قتل کیا۔

یاسر اور حضرت زبیرؓ کا مقابلہ

مرحب کے مرنے کے بعد یاسر (یہودی) نکلا اس کے مقابلے میں حضرت زبیر نکلے، ان کی والدہ حضرت صفیہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرا لڑکا قتل ہو جائے گا! آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا بیٹا انشاءاللہ یہودی کو قتل کرے گا۔

چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر قوم یہود اپنے

قموص نام کے قلعے میں داخل ہو گئی تاکہ روکاٹ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً بیس دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ یہ زمین خراب اور سخت گرم تھی۔ مسلمانوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے گدھے ذبح کیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے سے منع فرما دیا۔ اہل خیبر کا ایک سیاہ فام غلام آیا جو اپنے آقا کی بکریاں چرا رہا تھا جب اس نے اہل خیبر کو دیکھا کہ انہوں نے ہتھیار لگا رکھے ہیں ان سے پوچھا کیا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا ہم اس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس کے دل میں لگ گیا۔ وہ بکریوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا! میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے۔

غلام بولا اگر میں گواہی دے دوں اور اللہ عزوجل پر ایمان لے آؤں تو میرے لیے کیا اجر ہے؟

آپ نے فرمایا تیرے لیے جنت ہے اگر تو اسی (ایمان) پر مرے۔

چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اپنے پاس سے ہنکا دے اور انہیں پتھر مار کر بھگا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تیری جانب سے تیری امانت ادا کر دے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا، بکریاں مالک کے پاس پہنچ گئیں یہودی کو یقین ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا۔

شہداء کی صف میں ایک نو مسلم غلام

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے، انہیں خطاب فرمایا: اور جہاد کی ترغیب دی۔ جب مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ ہوئی تو وہ

سیاہ غلام شہداء میں پڑا تھا۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر میں لے آئے اور اسے خیمے میں داخل کر دیا۔ یوں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں دیکھا۔ پھر صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو عزت بخشی اور نیکی کی طرف چلایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے پاس دو خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہیں۔ حالانکہ اس نے اللہ کو ایک بھی سجدہ نہ کیا (یعنی نماز نہ پڑھ سکا کیونکہ اسلام لاتے ہی جہاد ہوا اور اس میں وہ شہید ہو گیا)۔

ایک اور پروانۂ شمع اسلام

حمادؒ بن سلمہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں سیاہ رنگ بدبودار آدمی ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔ اگر میں مقابلہ کروں، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں تو کیا مجھے جنت میں داخلہ مل جائے گا!

آپ نے فرمایا: ہاں!

پھر وہ بڑھا جنگ کی طرف، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اسے اسی حالت میں اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یقیناً اللہ نے تیرا چہرہ حسین کر دیا۔ تیری بو کو خوشبو میں (بدل) دیا۔ اور تیرے مال کو زیادہ کر دیا۔ پھر فرمایا میں نے اس کی دو خوبصورت آنکھوں والی بیویوں کو دیکھا کہ وہ اس سے اس کا پرانا لباس اتار رہی ہیں۔ اور نئے لباس اور جبہ میں داخل کر رہی ہیں۔

ایک من چلا اعرابی

مشداد بن ہاد فرماتے ہیں۔ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لایا اور اتباع کی۔ پھر کہنے لگا، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے کسی صحابی کو اس کے متعلق وصیت فرمائی۔ جب غزوہ خیبر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال غنیمت ہاتھ لگا۔ آپ نے اسے تقسیم فرمایا اور اعرابی کا حصہ بھی نکالا اور اس کا حصہ صحابہؓ کو محفوظ رکھنے کے لیے دیا۔ اس وقت وہ پشت پر پہرہ دے رہا تھا جب وہ حاضر ہوا تو صحابہؓ نے اس کا حصہ

دیا، وہ کہنے لگا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ حصّہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے الگ فرمایا۔ اس نے لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تیرا حصہ الگ کیا ہے۔ وہ کہنے لگا، میں نے اس لالچ سے آپ کا اتباع نہیں کیا۔ بلکہ میں نے تو اس لیے اتباع کیا ہے کہ مجھے یہاں اس جگہ تیر لگے، پھر اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور کہا اور بس میں مر جاؤں۔ پھر مجھے جنّت میں داخلہ مل جائے

آپ نے فرمایا اگر تو نے سچ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ تیری تصدیق (کا صلہ) دے گا۔ پھر دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقتولین میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ وہی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں!

آپ نے فرمایا: اس نے اللہ کی تصدیق کی۔ اللہ نے اپنا (وعدہ) سچ کر دکھایا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبہّ مبارک کا اسے کفن دیا، پھر اسے لے گئے اور اس کے حق میں دعا فرمائی اور آپ اس کے لیے یہ دعا کر رہے تھے "اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے، تیرے راستہ میں مہاجر نکلا اور شہادت کے خون میں قتل ہوا اور میں اس پر گواہ ہوں۔

واقدی فرماتے ہیں کہ یہود اپنے قلعے کی طرف واپس جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین دن ٹھہرے آخر ایک یہودی آیا۔ جسے عزال کہتے تھے۔ اس نے کہا اے ابوالقاسم اگر آپؐ ایک ماہ بھی ٹھہرے رہیں تو بھی انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں۔ رات کو نکلتے ہیں۔ اس سے لی لیتے ہیں اور پھر دوبارہ قلعے میں لوٹ جاتے ہیں اور آپؐ سے بچاؤ کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی کاٹ دیں تو سامنے آئیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے چشموں کی جانب تشریف لے گئے انہیں کاٹ دیا جب پانی بند ہو گیا تو اب نکلے۔ اور سخت ترین جنگ ہوئی کچھ مسلمان شہید ہوئے اور دس یہودی مارے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اسے فتح کرنے کے بعد آپ اہلِ کتیبہ وطیح اور سلالم

کی طرف گئے جو ابن ابی حقیق کے قلعے تھے۔ انہوں نے سخت ترین قلعہ بندی کر لی۔ اور نطاۃ اور شق سے بھاگ کر یہ لوگ یہیں پناہ گزین ہو گئے، کیونکہ خیبر کے دو حصے تھے شق اور نطاۃ پہلے تھے جو فتح ہو چکے تھے اور کتیبہ، وطیح اور سلالم بعد میں آئے تھے۔ وہ اپنے قلعوں سے باہر نہ آتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ منجنیق گاڑ کر ان پر پتھر برسائے جائیں آخر انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ چودہ روز سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاصرہ میں تھے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور ابن ابی حقیق کو آپ کے پاس بھیجا تاکہ جنگ کے باعث ان کی جانوں کا نقصان نہ ہو اور ان کی اولاد انہیں بخشی جائے اور وہ خیبر سے چلے جائیں گے اور جو کچھ ان کے پاس مال و دولت، زمین، سونا چاندی ہے سب پیش کر دیں گے۔ سوائے اس لباس کے جو بدن پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھے تحریر لکھ دو اور تم سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ختم ہو چکا۔ انہوں نے اس پر مصالحت کر لی۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: انہیں نافعؒ سے انہیں ابن عمر سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے مقاتلہ فرمایا: آخر وہ اپنے قلعے کی طرف پسپا ہو کر محصور ہو گئے۔ کھیتی کھجور اور زمین کے عوض انہوں نے صلح کر لی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے اور ان کے سواری کے جانور جس قدر بوجھ اٹھا سکیں بس وہ لے لیں گے اور سونا اور چاندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گا۔ آپ نے شرط لگائی کہ وہ چھپائیں گے نہیں اور نہ کوئی چیز آپؐ سے اوجھل کریں گے اگر انہوں نے ایسی حرکت کی تو پھر نہ ذمہ ہے اور نہ عہد (امن)

(لیکن) انہوں نے ایک مشک جس میں مال اور حی بن اخطب کے زیورات تھے۔ چھپا لیا وہ اسے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت خیبر کی طرف اٹھا لایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا کو فرمایا۔ حی جو مشک بنو نضیر سے اٹھا کر لایا وہ کہاں ہے۔

وہ کہنے لگا، اخراجات اور جنگوں نے اسے ختم کر دیا۔
آپ نے فرمایا وہ عہد تو قریب کے زمانے کا ہے اور مال اس سے زیادہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت زبیرؓ کے حوالے کیا۔ انہوں نے کچھ سختی کی۔ اس سے قبل وہ ایک ویرانے میں گیا تھا۔ کہنے لگا، میں نے دیکھا کہ وہ ویرانے میں پھر رہا تھا۔ ویرانے کی طرف گئے اور وہاں تلاش کیا تو مشک مل گئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ابی حقیق اور اس کی ایک زوجہ صفیہ بنت حیی بن اخطب کو قتل کر دیا اور اس کی عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا اور مال کو تقسیم فرمایا۔ یہ برتاؤ ان کی مسلسل عہد شکنی کے باعث ہوا۔

اہلِ خیبر سے معاہدہ

نیز آپ کا ارادہ ہوا کہ انہیں وہاں سے ملک بدر کر دیں، لیکن وہ کہنے لگے اے محمدؐ ہمیں اسی زمین میں رہنے دیجیے ہم اس کی اصلاح کریں گے۔ اور اس کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی نسبت یہاں سے زیادہ واقف ہیں۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو اس کا انتظام سنبھال سکتے۔ اور وہ خود اس کی حفاظت کے لیے فراغت نہ رکھتے تھے اس لیے آپ نے انہیں خیبر کا علاقہ اس شرط پہ دے دیا کہ جو پیداوار یا پھل ہو اس کا نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا ہوگا۔ چنانچہ آپ عبداللہ بن رواحہ کو اندازہ کرنے ارسال فرمایا کرتے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

خیبر کی پیداوار کی تقسیم

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار چھتیس سہم میں تقسیم فرما دی۔ ہر سہم کی ایک سو سہم کا تھا۔ گویا کہ کل چھتیس سو سہم بن گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے اٹھارا سو سہم ہوتے اور باقی نصف یعنی اٹھارہ سو سہم اس کے محافظین اور وہاں پر اہلِ اسلام کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ خیبر کا ایک حصّہ حملے سے اور ایک حصّہ صلح سے مفتوح ہوا۔ چنانچہ جو حصّہ لڑائی سے مفتوح ہوا اسے اہلِ خمس اور غانمین میں تقسیم کر دیا گیا اور جو حصّہ صلح سے مفتوح ہوا اسے وہاں کے منتظمین اور مسلمانوں کے امور اور مصالح عامہ کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

امام شافعی کے انکار کی اساس و بنیاد میں کہتا ہوں کہ یہی امام شافعی کے خیال کی اصل و بنیاد ہے کہ تمام غنائم کی طرح قوت سے مفتوحہ زمین کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خیبر کی زمین تقسیم نہیں ہوئی تو فرمایا یہ مصالحت سے مفتوح ہوا لیکن جو سیر و مغازی کا گہرا مطالعہ کرے گا۔ اس پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ خیبر قوت سے فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزور قوت اس علاقہ پر قابض ہوئے۔ اگر محض مصالحت سے فتح ہوا ہوتا تو آپ جلاوطن نہ کرتے۔

خیبر اٹھارہ ہزار حصوں پر تقسیم ہوا کیونکہ یہ اہل حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ تھا جو اس میں شریک تھے اور ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ نیز ان کے ہمراہ دو سو سوار بھی تھے۔ ہر گھوڑے کے دو حصے ہوتے۔ چنانچہ جملہ تعداد اٹھارہ سو سہم بن گئی اور جابر بن عبداللہ کے سوا اہلِ حدیبیہ میں سے کوئی بھی غزوہ خیبر کے موقع پر غیر حاضر نہ تھا۔ ان کا آپ نے دوسرے شریک جہاد صحابہؓ کی طرح سہم (حصہ) نکالا۔ سوار کے تین سہم نکالے اور پیدل کا ایک! یہ کل چودہ ہوئے تو دو سو سوار تھے۔ یہی روایت صحیح ہے جس میں کوئی تردد نہیں۔

نیز ابو معاویہؒ کی حدیث میں ہے کہ انہیں عبداللہ بن عمرؓ سے انہیں نافعؒ سے انہیں حضرت ابن عمر سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لیے تین سہم ایک سہم اس کا اور دو گھوڑے کے لگائے اور یہ صحیحین میں مروی ہے۔ امام ثوری اور ابو اسامہ نے بھی عبداللہ سے اس طرح روایت کیا ہے امام شافعیؒ بتاتے ہیں کہ مجمع بن حارثہؓ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں اٹھارہ سو سہم مقرر فرمائے۔ فوج کی تعداد پندرہ سو تھی۔ جن میں تین سو سوار تھے۔ آپ نے سوار کو دو سہم اور پیدل کو ایک سہم عطا فرمایا۔ شافعیؒ نے فرمایا کہ مجمع بن یعقوب یعنی اس حدیث کا راوی اپنے والد سے وہ اپنے چچا عبداللہ بن یزید سے وہ اپنے چچا مجمع بن حارثہ سے روایت کرتا ہے۔ جو غیر معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عبداللہ کی روایت قبول کر لی ہے۔

چونکہ اس کی معارض خبر کوئی نہیں اور ایک خبر کو صرف اس پایہ کی خبر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔
لہٰذا اس کے رد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے ابن عم جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی بھی آ گئے۔ ان کے ہمراہ عبداللہ بن قیس ابو موسیٰ اور ان کے رفقاء اشعری قبیلے کے لوگ تھے۔ نیز اسماء بنت عمیس بھی آئیں۔

ابو موسیٰ بتاتے ہیں کہ ہم یمن میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی ہم ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ میں تھا اور میرے ساتھ میرے دو بھائی تھے۔ میں ان دونوں سے چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو رہم اور دوسرا ابو بردۃ۔ ہماری قوم کے پچاس سے زیادہ افراد آ گئے۔ چنانچہ ہم ایک کشتی پر سوار ہو گئے یہ کشتی ہمیں حبشہ میں نجاشی کی طرف لے گئی۔ ہم وہاں جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں سے جا ملے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور ہمیں یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اس لیے ہمارے ساتھ ہی ٹھہرو ہم انہی کے ساتھ ٹھہر گئے۔ آخر کار ہم سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بعد فتح خیبر کے موقع پر ہمیں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ہمارے لیے سہم نکالا۔ اور ہمارے علاوہ اور کسی غیر حاضر شخص کا حصہ اس میں سے نہیں نکالا۔ سوا ان صحابہ کے جو آپ کے ہمراہ تھے۔ یا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے یا ہمارا اور ہمارے شرکائے سفینہ کا۔

حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت عمر میں سخت کلامی

لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تم پر ہجرت میں سبقت حاصل ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس حضرت حفصہؓ کے پاس آئیں اور حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ جواب دیا کہ اسماءؓ ہیں۔

حضرت عمر نے کہا، ہم نے تم پر ہجرت میں سبقت کی۔ اس لیے تم سے زیادہ ہم رسول اللہ کے حقدار ہیں۔ (حضرت اسماء کو غصہ آیا وہ کہنے لگیں۔ اے عمرؓ ہرگز نہیں۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، جو تم میں بھوکا ہوتا اسے وہ کھلاتے اور جو تم میں بے علم ہوتا اسے وہ تعلیم دیتے۔ ہم ایک دور دراز علاقے میں تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور یہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم نہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک جو تم نے کہا ہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض نہ کر لوں۔ ہمیں دکھ دیا جاتا ایذا دی جاتی اور ہم یہ سب خدا اور رسول کے لیے سہتے۔ میں یہ تمام ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کروں گی اور خدا کی قسم خدا بھی نہ جھوٹ بولوں گی، نہ نمک مرچ لگا کر کہوں گی اور نہ مبالغہ کروں گی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسماءؓ نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول عمرؓ اس طرح کہہ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں کیا جواب دیا!

انہوں نے عرض کیا، میں نے جواب میں یہ یہ کہا۔

آپ نے فرمایا عمر اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور اے اہل سفینہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ ابو موسیٰ اور اہل سفینہ حضرت اسماءؓ کے پاس گروہ در گروہ آیا کرتے اور اس حدیث کے متعلق پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات فرحت بخش اور باعث مسرت نہ تھی۔ جتنی وہ بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمائی تھی۔

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے آپ کا والہانہ تعلق خاطر

جب حضرت جعفرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو فتح خیبر سے زیادہ خوشی ہوئی۔ یا حضرت جعفرؓ کی آمد سے۔ اور واقدیؒ فرماتے ہیں کہ ابو شیثم مزنی نے بتایا جو اسلام لا چکے تھے، اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ طور پر اس دین کو قبول کیا تھا کہ جب ہم عیینہ بن حصن کے ہمراہ واپس آئے اور عیینہ بھی واپس آیا۔ جب ہم خیبر کے قریب تھے تو رات

کو ہم اترے اور ہمیں گھبراہٹ لاحق ہوئی۔

علیہ نے کہا خوش ہو جاؤ، میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ مجھے خیبر کا ایک پہاڑ ذوالرقیبہ دیا گیا۔ جب ہم خیبر واپس ہوئے، علیہ آیا اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ اس نے عرض کیا، اے محمدؐ! آپ نے میرے حلیفوں سے جو غنیمت لی ہے تو اس میں سے مجھے بھی عنایت کیجیے، کیونکہ میں آپ کو گزند پہنچانے سے ہٹ گیا حالانکہ ہم آپ کو پہچان چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو شور سن کر اپنے گھر کی طرف بھاگا۔

اس نے کہا اے محمدؐ مجھے انعام دیجیے۔

آپ نے فرمایا تیرے لیے ذوالرقیبہ ہے۔

اس نے پوچھا ذوالرقیبہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، وہ پہاڑ جو تو نے خواب میں دیکھا کہ تو لے گا۔

چنانچہ علیہ واپس ہوا، جب واپس پہنچا تو حرث بن عوف اس کے پاس آیا اور کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تجھ سے اور ہی معاملہ ہو گا۔ اللہ کی قسم محمدؐ مشرق و مغرب کی ہر (قوم) پر غالب آکر رہے گا۔ یہود ہمیں اس بات کی خبر دیا کرتے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابورافع سلام بن ابی حقیق کو کہتے سنا کہ ہم محمدؐ پر نبوت کے متعلق حسد کرتے ہیں کہ بنی ہارون سے نکل گئی حالانکہ آپ واقعی نبی مرسل ہیں۔ حرث کہتے ہیں میں نے سلام سے پوچھا کہ کیا وہ تمام زمین کے بادشاہ بنیں گے۔ اس نے کہا ہاں، اور کوئی یہودی نہیں چاہتا کہ میرے اس قول سے کوئی بھی واقف ہو جائے۔

آنحضرت کو زہر دینے کی کوشش

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حرث یہودن نے آپ کو ایک بھنی ہوئی بکری بھیجی، جس میں زہر ملا دیا، وہ آئی اور پوچھنے لگی، کون سا گوشت آپ کو زیادہ پسند ہے؟ بتایا گیا کلائی کا۔

چنانچہ اس نے کلائی میں زہر زیادہ ڈال دیا۔ جب اس پارچہ سے آپ نے کاٹا تو کلائی نے بتایا کہ مجھے مسموم کیا گیا ہے۔ آپ نے فوراً نوالہ پھینک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا یہود کو جمع کرو، جب سب جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا! میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں، کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اے ابوالقاسم۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ تمہارا باپ کون ہے! وہ کہنے لگے، ہمارا باپ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا؛ تم نے جھوٹ کہا، تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ وہ بولے آپ نے سچ کہا۔ آپ نے فرمایا اگر میں کچھ پوچھوں تو سچ بولو گے؛ کہنے لگے ہاں! اے ابوالقاسم اگرچہ ہم نے آپ کی تکذیب کی لیکن آپ نے ہمارے باپ کے متعلق ہمارا کذب معلوم کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اہلِ نار کون ہے! وہ بولے ہم اس میں تھوڑی ہی مدت تک رہیں گے۔ پھر تم لوگ اس میں ہمارے بعد ہو گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم ہم وہاں کبھی بھی نہ جائیں گے۔

پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو سچ بولو گے؛ کہنے لگے ہاں! آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملا دیا ہے؛ کہنے لگے ہاں!

آپ نے فرمایا؛ کس بات نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا؛ بولے ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہیں تو آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ عورت بھی لائی گئی اس نے اقرار کیا کہ میں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے کبھی بھی مجھ پر مسلط نہ کرتا۔ ابو سلمۃ بتاتے ہیں کہ بشر بن براء بن معرور اس بکری کے کھانے سے، وفات پا گئے۔ آپ نے یہود سے کہلا بھیجا کہ تجھے کس بات نے اس کام پر آمادہ کر دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ قتل کر دی گئی۔

اور اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا یا نہیں! زیادہ تر روایات کھانے کی تائید میں ہیں۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپؐ زندہ رہے۔ یہاں تک کہ مرض وفات کی تکلیف میں بھی آپ نے فرمایا کہ میں اس نوالے کا اثر محسوس کرتا رہا ہوں جو خیبر کے دن اس مسموم بکری سے کھایا تھا۔

زہریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت تھی۔

غزوہ خیبر کے سلسلہ میں احکام فقہیہ

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ماہ حرم میں کفار سے مقاتلہ و جنگ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ میں حدیبیہ سے واپس آئے تو یہاں ٹھہرے۔ پھر آپ محرم میں خیبر کی طرف تشریف لے گئے۔ زہریؒ نے عروۃ سے، انہوں نے مروان اور مسعد بن مخرمہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ نیز واقدی نے یہی کہا کہ آپ ۷ھ کی ابتداء میں نکلے لیکن یہ استدلال محلِ نظر ہے۔ کیونکہ اواخر محرم میں آپ نکلے ابتداء میں نہیں اور صفر میں فتح حاصل ہوئی اس سے زیادہ قوی دلیل بیعت رضوان ہے جو صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے کی کہ وہ جنگ کریں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ یہ واقعہ ذی قعدہ میں پیش آیا تھا۔ لیکن اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے بیعت تب لی جب آپ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت اور قریش سے ارادہ جنگ کی اطلاع ملی۔ ورنہ اشہر حرم میں قتال کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔

کیا اشہر حرم میں قتال کا آغاز جائز ہے

اختلاف تو اس میں ہے کہ کیا ان مہینوں میں قتال کا از خود آغاز کرنا جائز ہے یا نہیں؛ جمہور نے اسے جائز کیا ہے اور کہا ہے کہ تحریم قتال منسوخ ہو چکی ہے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت عطاء وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں حضرت عطاءؒ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے کہ اشہر حرم میں قتال حلال نہیں اور اس کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی۔

ان دونوں سے زیادہ قوی استدلال طائف کا محاصرہ ہے کیونکہ آپ شوال کے

آخر میں اس طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ محاصرے کا کچھ وقت ذی قعدہ میں آتا ہے۔ کیونکہ رمضان میں دس دن باقی تھے کہ فتح مکہ ہوا اور فتح مکہ کے بعد آپ انیس دن وہیں مقیم رہے اور نمازوں میں قصر کرتے رہے۔ اس کے بعد ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ جب شوال میں بیس دن باقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو ہوازن پر بھی آپ کو فتح عطا فرمائی۔ یہاں کے غنائم تقسیم کرنے کے بعد آپ طائف کی طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک وہاں محاصرہ کیے رکھا۔ اس کے باوجود اس واقعہ سے دلیل نہیں ملتی۔ کیونکہ غزوہ طائف دراصل بنو ہوازن کی جنگ کا تتمہ تھا اور انہوں نے پہلے سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال شروع کر رکھا تھا۔ جب انہیں شکست ہوئی تو وہ اپنے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس طرح محاصرہ طائف نے دراصل پہلے سے شروع شدہ جنگ کا تتمہ تھا۔

انہی احکام میں ایک تقسیم غنائم کا مسئلہ ہے کہ سوار کے لیے تین سہم اور پیدل کے لیے ایک سہم، جس کے متعلق مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ ایک فوجی کو یہ جائز ہے کہ اسے کھانا ملے تو کھا لے اور اس کا خمس ادا نہ کرے۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن مغفل کو چربی کی ایک بوریا ملی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اسے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔

نیز جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد کچھ لوگ میدان میں آئیں تو انہیں حصہ نہیں ملے گا۔ جب تک تمام لشکر اجازت نہ دے دے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اہل سفینہ کے متعلق اس وقت مشورہ فرمایا تھا جب جعفرؓ اور ان کے رفقاء خیبر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آیا انہیں حصہ دیا جائے؟ مشورے کے بعد انہیں حصہ دیا گیا۔

پالتو گدھوں کے گوشت کا مسئلہ

ان احکامات میں سے ایک پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت ہے۔ خیبر کے دن اس کی تحریم صحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تعلیل یوں ہے کہ یہ رجس ہے۔ یہ قول

ان صحابہ کے قول پر مقدم سمجھا جائے گا، جنہوں نے یہ علت بتائی ہے کہ یہ سواری اور بار برداری کا جانور ہے اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ اس کا خمس نہیں نکالا گیا تھا اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ یہ جانور بستی کے آس پاس کی گندگی کھاتا ہے۔ یہ تمام اقوال اگرچہ صحیح ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان زیادہ قابلِ ترجیح ہے کہ یہ رجس (ناپاک) ہے، سب پر مقدم ہوگا۔

متعہ کب حرام ہوا؟

متعہ فتح خیبر کے دن حرام نہیں کیا گیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسے حرام کہا گیا اور یہی درست تر رائے ہے۔

بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ آپ نے اسے فتح خیبر کے دن حرام بتایا اور انہوں نے صحیحین کی اس روایت سے دلیل لی ہے جو علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو عورتوں کے متعہ کے مسئلہ میں نرمی کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عباسؓ ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور جب لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے سال اسے مباح بتایا پھر حرام کیا تو کہنے لگے حرام ہوا، پھر مباح ہوا، پھر حرام ہوا۔

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ متعہ کے سوا کوئی بات حرام کی گئی ہو۔ پھر مباح کی گئی ہو پھر دوبارہ حرام کی گئی ہو مروی ہے اکہ دوبارہ یہ حکم منسوخ ہوا اور بعد والوں نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف فتح کے سال حرام ہوا اس سے قبل مباح تھا۔

متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس کا فتویٰ

اور خیبر کے واقعہ میں صحابہ کرام رضوان علیہم یہودی عورتوں سے متعہ نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور اس غزوہ میں کسی نے اس قسم کی بات نقل کی اور نہ اس واقعہ میں فعلاً و قولاً اس

کا ذکر ہوا۔ بخلاف فتح مکہ کے کہ اس میں فعلاً قولاً متعہ کا معاملہ سامنے آیا۔ یہ طریقہ دونوں سے زیادہ صحیح تر ہے۔

نیز تیسرا طریقہ بھی مروی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مطلقاً حرام نہیں بتایا بلکہ ضرورت کے وقت جائز اور بلا ضرورت اسے حرام قرار دیا۔ (مروی ہے ا کہ حضرت ابن عباسؓ اس کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مردار، خون اور سؤر کے گوشت کی طرح ہے کہ ضرورت اور شدت حاجت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اسے نہ سمجھ سکے اور سمجھا کہ انہوں نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ دیکھا تو رجوع کر لیا اور اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا۔

مساقات اور مزارعت کے جواز کا پہلو

نیز اس میں مساقات اور مزارعت کا جواز نکلتا ہے کہ زمین کی پیداوار پھل اور کھیتی کے ایک مقرر حصے پر معاملہ طے کیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا جو آپ کی وفات تک غیر منسوخ رہا اور بعد میں خلفائے راشدین کا بھی اس پر عمل رہا۔

اسی قبیل میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دشمنوں کو زمین دی تاکہ اجرت پر کام کریں۔ زمین کو فروخت نہیں کیا اور نہ مدینہ سے بیج بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی سنتِ طیبہ یہ ہے کہ زمین کا مالک بیج دینے پر مجبور نہیں۔ البتہ یہ عامل کی جانب سے جائز ہے آپ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا۔

تقسیم الگ چیز ہے بیع جدا

کھجوروں کے پھلوں کا اندازہ کر کے سودا کرنا اور اسے تقسیم کرنا بھی (اس غزوہ سے جائز معلوم ہوتا ہے) نیز یہ کہ تقسیم بیع نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اندازہ کرنے والا اور تقسیم کنندہ ایک ہی کافی ہے۔

نیز عقد صلح و امان کو مشروط کرنا بھی جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط لگا دی کہ یہودی کچھ غائب نہ کریں گے اور نہ کچھ چھپائیں گے۔

نیز متہم لوگوں کو سزا دینا، یہ حکم شرعی عدالت ہے نہ کہ ظالمانہ سیاست!۔

نیز اگر اہلِ ذمہ اپنے آپ پر عائد شدہ شرائط میں سے کسی کی مخالفت کر دیں تو ان کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کا جان و مال حلال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا اور شرط لگا دی کہ وہ کچھ غائب نہ کریں گے اور نہ ہی کچھ چھپائیں گے اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی جان و مال کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی نے بھی اہلِ ذمہ کی شرائط کے متعلق سنت پر عمل کیا۔ اور (اہلِ ذمہ) پر شرط عائد کر دی کہ اگر انہوں نے کسی دفعہ کی مخالفت کی تو بدبختوں اور دشمنوں پر جو کچھ (وارد ہوگا ان پر بھی کچھ نہ ہوگا۔

نیز یہ کہ جس نے تقسیم سے قبل غنائم میں سے کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ چیز اس کے حق سے بھی کم ہو۔ بلکہ وہ تقسیم کے بعد ہی مالک ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے صاحب شملہ کے بارے میں جب اس نے غلو کیا تو فرمایا کہ یہ آگ بن کر اس پر جل رہی ہے اور تسمے والے کو فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔

نیز امام کو اختیار ہے کہ قوت کے بل پر فتح کیے ہوئے علاقے کو تقسیم کر دے یا اس کی تقسیم ترک کر دے یا بعض کو تقسیم کر دے اور بعض کو چھوڑ دے۔

نیز اہل ذمہ کو دارالاسلام سے خارج کرنا جائز ہے۔ جب مناسب ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں ٹھہرائے گا، ہم بھی ٹھہرائے رکھیں گے۔ اور یہود کے سردار سے آپ نے فرمایا۔ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا۔ جب دن بدن تمہاری سواریاں شام کی طرف کوچ کریں گی اور حضرت عمر رضی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہیں شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ محمد بن جریر طبری کا یہی مذہب ہے۔

باندی کے ساتھ نکاح میں گواہوں کی ضرورت نہیں

نیز اپنی لونڈی کو آزاد کرنا پھر آزاد کرنے

کے بعد اس سے نکاح کرنا اور آزادی کو حق مہر مقرر کرنا جائز ہے اور لونڈی کے اذن اور گواہوں اور ولی کے بغیر اسے زوجہ بنا لینا جائز ہے اور نہ فقط نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں کی ضرورت ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے معاملہ میں کیا اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ طریقہ صرف میرے لیے مخصوص ہے۔ اور باوجود اس بات کے کہ آپ کو معلوم تھا کہ امت آپ کی سنت کا اتباع کرتی ہے۔ آپ نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی صحابیؓ نے کہ یہ طریقہ آپ کے سوا دوسروں کو جائز نہیں بلکہ انہوں نے اس واقعہ کو امت کی طرف نقل کیا اور انہیں منع نہیں کیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی اقتداء سے منع فرمایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ موہوبہ نکاح کے تعلق کو آپ نے خطاب کرکے فرمایا: خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ یعنی، خاص کرنے کے لیے دوسرے مومنین کے سوا۔"

اس لیے اگر امت سے علاوہ یہ بھی آپ سے مخصوص ہوتا تو اس کی تخصیص کا تذکرہ زیادہ اولیٰ ہے۔

نیز مرد کو اپنی بیوی کے ہمراہ خیمہ لگا کر رہنا اور سواری پر لشکر کے درمیان ایک ہی ہودج میں سوار ہونا بھی جائز ہے۔

نیز جو آدمی دوسرے کو زہر دے کر قتل کر دے، اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ جیسے حضرت بشرؓ بن براء کو شہید کرنے کے عوض یہودیہ عورت کو قتل کیا گیا۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

نیز کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاید یہودی عورت کو عہد شکنی کے باعث قتل کیا گیا کہ اس نے زہر کھلایا نہ کہ قصاص کے باعث۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر عہد شکنی کے باعث اسے قتل کیا جائے تو اقرار کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا اور کھانے والے کی وفات تک اس کا قتل مؤخر کر دیا جاتا۔ اور اگر کہا جائے کہ اسے عہد شکنی کے باعث قتل نہیں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات حجت ہے جو اس کے قائل ہیں کہ امام کو اسیر کی طرح عہد شکن کے متعلق اختیار ہے اگر کہا جائے کہ تم تو امام

احمد کی طرح وجوب قتل کے قائل ہو۔ اور قاضی ابو یعلی اور ان کے اتباع کا خیال یہ ہے کہ امام کو اس میں اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ اگر صلح سے قبل (زہریلی بکری) کا واقعہ درپیش آیا تو پھر یہ حجت نہیں ہو سکتا اور اگر صلح کے بعد ہوا تو مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں عہد شکنی کے متعلق اختلاف ہے جو اسے عہد شکنی نہیں سمجھتے تو ظاہر ہے اور جو اسے عہد شکنی تصور کرتے ہیں ان میں بعض اس کے وجوب قتل کے قائل ہیں۔ بعض اختیارِ قتل کے بعد بعض اسبابِ عہد شکنی کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

فتح خیبر کے سلسلہ میں اختلاف آراء

اور فتح خیبر کے قوت سے مفتوح ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ قوت سے مفتوح ہوا۔ بعض مصالحت سے فتح کے قائل ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا غزوہ کیا تو خیبر جنگ کے بعد قوت سے فتح ہوا اور قتال کے بعد بعض کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ارض خیبر کے متعلق یہ صحیح تر روایت ہے کہ یہ تمام زمین قوت سے مفتوح ہوئی۔ بخلاف فدک کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمام زمین غانمین پر تقسیم فرما دی۔ جنہوں نے گھوڑوں اور سواروں پر بیٹھ کر ہلہ بولا تھا اور یہ اہل حدیبیہ ہی تھے اور علمائے کرام کا اس میں اختلاف نہیں کہ ارضِ خیبر تقسیم کردہ ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب ملک غنیمت میں ہاتھ آ جائے تو اسے تقسیم کیا جائے یا وقف کیا جائے! اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ امام کو اس کی تقسیم اور موقف دونوں کا اختیار ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے متعلق کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے متعلق کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام زمین تقسیم کر دی جائے گی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم فرما دی، کیونکہ زمین بھی کفار کے دیگر اموال کی طرح غنائم میں شامل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کے باعث وقف کے قائل ہیں کیونکہ زمین غنائم میں مخصوص حیثیت رکھتی ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی جماعت ہوتے ہوئے بھی ان مسلمانوں کے لیے

وقف کر دیا جو بعد کے زمانے میں آنے والے ہیں۔

وادی قریٰ میں آپ کی تشریف آوری

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے چل کر وادی قریٰ تشریف لے گئے، وہاں یہود کی ایک جماعت تھی اور عرب (مشرکین) کا ایک گروہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو یہود نے تیر مارنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام مدعم قتل ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اسے جنت مبارک ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر کے روز تقسیم سے قبل لی تھی اس پر آگ بن کر شعلہ زن ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یا دو تسمے لایا۔ آپ نے فرمایا، آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی، ان کی صف بندی فرمائی اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ اور ایک جھنڈا جناب بن منذر کو ایک سہل بن حنیف کو اور ایک جھنڈا عبادہ بن بشر کو عطا کیا۔ اس کے بعد یہود کو اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ تم اسلام لے آؤ تو تمہارے مال محفوظ ہوں گے، تمہاری جانوں کو امان ہوگا اور حساب اللہ پر ہوگا۔

حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ کی بہادری

اس کے بعد ایک آدمی نکلا اس کے مقابلے میں حضرت زبیرؓ بن عوام نکلے۔ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر اور نکلا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا پھر اور نکلا۔ اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ بن ابی طالب نکلے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا اس طرح کفار کے گیارہ آدمی قتل ہو گئے۔ جونہی ایک قتل ہو جاتا، دوسروں کو دعوت اسلام دی جاتی۔ جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ صحابہ کے ہمراہ نماز ادا فرماتے۔ پھر واپس آکر انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دیتے اس کے بعد مقاتلہ فرماتے۔ آخر شام ہو گئی اور جب صبح ہوئی اور ابھی سورج ایک نیزہ بھی اونچا نہ ہوا تھا کہ آپ نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور قوت کے ذریعہ سے آپ کو یہ فتح حاصل

سپرد کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا مال غنیمت عطا کیا اور سامان و اموال کی ایک کثیر تعداد ہاتھ آئی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں چار دن تک مقیم رہے اور جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اسے صحابہؓ پر تقسیم کر دیا اور زمین اور کھجور کے درختوں کو یہود کے پاس ہی رہنے دیا اور انہی کو کارندہ مقرر فرما دیا۔ جب یہود تیماء کو خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر، فدک اور وادی قریٰ کے یہود کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ مال پر صلح کر لی۔

حضرت عمرؓ اور یہودیانِ خیبر و فدک

اس کے بعد جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے خیبر اور فدک کے یہود کو ملک بدر کر دیا۔ تیماء اور وادی قریٰ کے یہود کو رہنے دیا، کیونکہ یہ دونوں علاقے ارضِ شام کی حدود میں شامل ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نچلا علاقہ مدینے تک حجاز میں داخل ہے اور اس سے پرے کا علاقہ شام میں داخل ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر ایک شب ایک جگہ اترے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا:

رات کو پہرہ دیتے رہنا۔

چنانچہ حضرت بلالؓ کی آنکھوں میں نیند غالب آگئی۔ کیونکہ وہ اپنی سواری سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ اور تمام صحابہؓ میں سے کوئی بیدار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دھوپ نکل آئی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ گھبرا گئے۔ فرمایا: اے بلال یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان جس ذات نے آپ کو سلا دیا اس نے مجھے بھی (سلا) دیا۔ چنانچہ سواریوں کو وہاں سے ہنکایا یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ جب پار چلے گئے۔ آپ نے انہیں اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فجر

کی سنتیں ادا کیں اور حضرت بلالؓ کو اذان اکا حکم دیا۔ آخر نماز کی اقامت ہوئی۔ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر فارغ ہو کر فرمایا:

قضا نماز موقع ملتے ہی فوراً پڑھنی چاہیے

اے لوگو! اللہ نے ہماری ارواح قبض فرمائیں۔ اگر چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت انہیں لوٹاتا۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے، اسے چاہیے کہ اس طرح پڑھے جیسے وقت پہ پڑھنا تھا۔ پھر آپؐ نے حضرت ابو بکر کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے انہیں سُلانے کی کوشش کی اور انہیں تھپکنے لگا جیسے بچے کو تھپکایا جاتا ہے یہاں تک کہ سو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور انہیں بھی بتایا، جس طرح حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تھا۔

اس واقعہ کے فقہی احکام

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو اس کا وقت اس کے لیے نماز کا وقت اس گھڑی میں ہوگا۔ جب وہ بیدار ہو یا اسے یاد آ جائے۔

نیز یہ کہ سنن راتبہ کی فرائض کی طرح قضا ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے ساتھ ساتھ فجر کی سنن بھی قضا کیں اور ظہر کی سنن تنہا قضا فرمائیں اور آپ کی سنت طاہرہ یہ تھی کہ فرائض کے ساتھ ساتھ سنن راتبہ بھی قضا کرتے تھے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضا کی حالت میں اذان اور اقامت ہوگی، کیونکہ حالت سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور اقامت کا حکم دیا (ابو داؤدؒ)

نیز اس واقعہ سے قضا نماز کو جماعت سے ادا کرنے اور بیدار ہونے کے فوراً بعد قضا کرنے کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ کا قول "اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسے ادا کرے"۔ اور مقام نزول سے ہٹ کر آپ نے نماز پڑھی اور تاخیر کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شیطان کی جگہ تھی۔ آپ اس سے بہتر جگہ پر تشریف لے گئے۔ اس

وجہ سے قضا نے نماز میں جلدی تاخیر میں شمار ہوگی۔ کیونکہ آپ بحالت سفر ایسی بھلائی ہی کے کام میں مشغول تھے۔

نیز اس سے شیطانی جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے جیسے حمام یا باغ کیونکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان کثرت سے جاتا اور سکونت پذیر ہوتا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی میں نماز کی عجلت کو مؤخر کر دیا تو ان جگہوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ کہ جو شیاطین کا کھلم کھلا مسکن ہیں!

مہاجرین کی بلند حوصلگی

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آ گئے، مہاجرین کو خیبر کے مال سے حصہ ملا تو مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے جو انہوں نے صحابہؓ کو دے رکھے تھے۔

سریۂ ابوبکر صدیقؓ

خیبر سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوال تک مدینہ میں رہے اور اس زمانہ میں آپ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے۔ ان میں سے ایک دستہ بنی فزارہ کے علاقہ نجد کی طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارسال فرمایا۔ ان کے ہمراہ سلمہ بن اکوع بھی تھے۔ ان کے حصہ میں ایک خوبصورت لونڈی آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لی، اور اس کے عوض ان مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا گیا جو مکہ میں تھے۔

نیز تیس سواروں کا ایک دستہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی زیرنگرانی ہوازن کی جانب بھیجا۔ جب انہیں اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو کوئی بھی وہاں نہ تھا چنانچہ واپس مدینہ چلے گئے۔ رہنما نے پوچھا کیا آپ بنو خشعم کے گروہ سے مقابلہ کریں گے؟ جو چلے آ رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم نہیں دیا اس لیے انھوں نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز ایک تیس سواروں کا دستہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی سرگردگی میں بھیجا گیا۔ ان میں عبداللہ بن انیس تھے۔ انھیں بشیر بن وارام یہودی کی طرف بھیجا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ غطفان نے آپ سے جنگ کرنے کے لیے گروہ بندی کی ہے۔ اسے وہ خیبر کے علاقہ میں لے آئے ہیں۔ اس طرح کہ انھوں نے یہ کہہ کر شروع کیا ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ تجھے خیبر پر عامل مقرر کر دیں۔ اس طرح یقین دلا کر تیس آدمیوں سمیت لے آئے۔ اس کا ایک ایک آدمی ایک ایک

مسلمان کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گیا۔ جب یہ لوگ خیبر سے چھ میل دور رہ گئے تو بشیر یہودی گھبرایا اور حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ وہ سمجھ گئے انھوں نے فوراً اپنے اونٹ کو جھڑکا اور اونٹ سے الگ ہو کر قوم کے آگے آگے چلنے لگے۔ پھر جب بشیر پر قابو پا لیا تو اس کی ٹانگ کاٹ دی۔ بشیر بھی الگ ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شوحط کی لکڑی تھی اس نے اسے حضرت عبداللہ بن انیس کی آنکھ پر حملہ کیا جس سے زخم ہو گیا لیکن آنکھ محفوظ رہی اس پر ہر مسلمان نے ہر ساتھی یہودی سوار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ سوا ایک آدمی کے (کہ وہ بچ کر بھاگ گیا) اس حادثہ میں کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔

یہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن انیس کے زخم چشم پر لعاب مبارک لگا دیا، جس سے نہ پیپ پڑی اور نہ وفات تک پھر کوئی تکلیف ہوئی۔

اس طرح فدک میں بنو مرہ کی طرف حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا گیا، جس میں تیس آدمی تھے۔ جب یہ نکلے تو چرواہوں سے ملے جو بکریاں اور چوپائے ہانک کر مدینہ واپس ہو گئے۔ انھوں نے ان کا پیچھا کیا اور رات کو ان تک پہنچ کر تیر برسانے لگے۔ آخر کار بشیر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ پھر بشیر رضی اللہ عنہ نے ان سے سخت قتال کیا اور ان کی بکریاں اور چوپائے لے کر واپس ہوئے۔ بشیر رضی اللہ عنہ کو چوٹ آگئی اور وہ یہود کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ صحت ہو گئی اور واپس مدینہ پہنچے۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے خلاف ایک لشکر بھیجا جس میں اسامہ بن زید بھی تھے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو امیر لشکر نے مخبر بھیجے وہ خبر لائے تو آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک شب کو ان کے قریب جا پہنچے۔ پھر یہ کھڑے ہو گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا، میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے جس کا کوئی شریک نہیں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ تم میری اطاعت کرو۔ اور میری نافرمانی نہ کرو۔ اور میرے حکم کے خلاف نہ کرو۔ کیونکہ جس کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس کی رائے کچھ (وزن) نہیں رکھتی۔ پھر انھیں ترتیب

دے کر کہا اے فلاں تو اور فلاں اور اے فلاں تو اور فلاں تم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا اور ایسی بات قطعاً نہ ہو کر میں کہوں کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے تو وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔ اور جب میں تکبیر کہوں تم بھی تکبیر کہو اور تلوار کھول لو۔ پھر انھوں نے تکبیریں کہیں اور متحد ہو کر حملہ کر دیا اور دشمن کو گھیر لیا۔ کفار کو اللہ کی تلواروں نے پکڑ لیا۔ جہاں مسلمان چاہتے مارتے اور اسی دن ان کا شعار امت امت تھا۔

حضرت اسامہ کی اجتہادی غلطی اور آں حضرت کی اس سے بیزاری

حضرت اسامہؓ ایک آدمی کے پیچھے نکلے جس کا نام نہیک بن مرداس تھا۔ جب اس کے قریب آئے اور تلوار سے اس پر حملہ کیا تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا۔

انھوں نے پھر بھی اسے قتل کر دیا۔ پھر انھوں نے بکریوں چوپایوں وغیرہ کو ہنکایا۔ ہر آدمی کے حصہ میں دس بکریاں یا اس کے برابر چوپائے آئے۔

جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کو حضرت اسامہؓ کے فعل کی خبر کر دی گئی۔

آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور فرمایا کہ کیا تو نے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا! انھوں نے جواب دیا اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا! پھر فرمایا کہ:

قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کے مقابلہ میں کون تیرا (مددگار) ہو گا! آپ یہی بات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اسامہؓ نے دل میں کہا۔ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ پھر کہا اے اللہ کے رسول، میں اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اس آدمی کو قتل نہ کروں گا جو لا الہ الا اللہ کہتا ہو گا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد!

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا، آپ کے بعد!

سریہ غالب بن عبداللہ کلبی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ کلبی کو کدید میں بنی ملوح کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان سے جنگ کرو۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے یعقوب بن عتبہ نے انھیں مسلم بن عبداللہ جہنی سے انھیں جندب بن مکیث جہنی سے روایت ملی کہ میں اس سریہ میں شریک تھا۔ ہم چلے جب ہم قدید پہنچے تو حرث بن مالک بن برصا لیثی سے ملے ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ کہنے لگا، میں تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔

غالبؓ بن عبداللہ نے فرمایا۔ اگر تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے تو ایک دن رات کی گرفتاری تیرے لیے کچھ مضر نہیں۔ اور اگر تو دوسری بات کے لیے آیا ہے تو بھی ہمیں وثوق ہو جائے گا چنانچہ انھوں نے اسے باندھ دیا اور ایک چھوٹے سے سیاہ فام آدمی کو اس پر مقرر کر دیا اور فرمایا اس کے پاس ٹھہرے رہو۔ ہم تمہارے پاس سے گزریں گے اگر یہ تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تو اس کا سر اڑا دینا پھر ہم چلے اور وادی کدید میں پہنچے۔ ہم وہاں عصر کے بعد شام کے قریب اترے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے ایک ٹیلے کی طرف بھیجا جس سے کہ وہ بستی نظر آتی تھی میں اس پر چڑھ گیا اور یہ غروبِ آفتاب سے قبل کا واقعہ ہے (اس بستی والوں) میں سے ایک آدمی نکلا۔ اس نے غور کیا اور مجھے ٹیلے پر لیٹے دیکھا، اپنی بیوی سے کہنے لگا، میں اس ٹیلے پر کچھ سیاہی سی دیکھ رہا ہوں جو میں نے ابتدائے دن میں نہ دیکھی تھی۔ ذرا دیکھنا کوئی کتا برتنوں پر سے نہ گزرا ہو۔ اس نے دیکھا اور کہنے لگی اللہ کی قسم میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی جو کھوئی گئی ہو، کہنے لگا، ذرا مجھے کمان اور تھیلے سے دو تیر دینا، اس نے اسے تیر دیئے اور اس کے بعد اس نے تیر مارا جو میرے پہلو میں لگا۔ میں نے اسے نکال دیا اور حرکت تک نہ کی۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا جو میرے کندھے میں لگا۔ میں نے اسے بھی نکال دیا اور حرکت بالکل نہ کی۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا، بخدا میرے تیر بے کار گئے، اگر کوئی (جاندار) ہوتا تو ضرور حرکت کرتا۔ صبح کو میرے تیر تلاش کرنا اور دونوں کو لے آنا کہیں انھیں کلاب نہ چبا جائیں۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر ہم ٹھہرے رہے، حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ انھوں نے دودھ دوہا، اور خاموشی چھا گئی اور شب کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر ہم نے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور بعضوں کو قتل کیا اور چوپائے ہنکا لیے اور واپس چل پڑے۔ ان کی چیخ پکار قوم تک پہنچی اور ہم تیزی کے ساتھ نکل آئے۔ آخر ہم حرث بن مالک اور اس کے ساتھی کے پاس سے گزرے۔ انھیں بھی ساتھ لیا اور لوگوں کی آوازیں ہم تک پہنچنے لگیں۔ اور وہ ہم تک پہنچ ہی رہے تھے اور ان کے درمیان صرف وادی کا میدان ہی رہ گیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں سے چاہا پانی کا سیلاب بھیج دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ (اس وادی میں) اس سے قبل بارش ہوتی دیکھی ہی نہ تھی۔ اور اب اس قدر سیلاب آیا کہ لوگ اسے عبور نہ کر سکے۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ ہماری جانب دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی آگے بڑھ نہ سکتا تھا۔ اور ہم ڈھلوان پر ائر رہے تھے۔ چنانچہ ہم تیزی سے چلے اور جو کچھ ہمارے قبضہ میں تھا انھیں اس کے حاصل کرنے سے عاجز کر دیا۔

کہتے ہیں کہ یہی وہ سریہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

بشیر بن سعدؓ کی مہم

اس کے بعد حسیل بن نویرہ حاضر ہوئے۔ یہ خیبر کے علاقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کیا خبر ہے!

انھوں نے کہا کہ یمن، غطفان اور حیان میں میں نے دیکھا کہ ایک لشکر جمع ہے۔ آپ نے ان کی طرف عیینہ کو بھیجا تھا کہ یا تو تم چلے آؤ، یا ہم تمہاری طرف آئینگے انھوں نے جواب بھیجا کہ تم ہماری طرف چلے آؤ اور وہ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے مشورہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ بشیرؓ بن سعد کو ارسال فرمایئے آپ نے انھیں تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ رات کو چلو اور دن کو چھپ جاؤ۔ حسیل بھی ان کے ہمراہ رہنمائی کے لیے نکلے۔ یہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ یہاں تک کہ خیبر کے زیریں علاقہ میں پہنچ گئے

اور دشمن کے قریب ہو گئے اور ان کے چوپاؤں پر حملہ بول دیا۔ جب انھیں خبر ہوئی تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بشیر اپنے اصحاب سمیت بستی میں گئے اور دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ چوپائے لے کر واپس آ گئے۔ بعد میں عیینہ نے ان کا ایک مخبر قتل کر دیا، اور دو آدمی گرفتار کر کے مدینہ لے آئے جو مسلمان ہو گئے۔

سریۂ ابی حدرد اسلمی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حدرد اسلمی کو ایک سریہ میں بھیجا۔ اس کا واقعہ ابن اسحٰق نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ جشم بن معاویہ کا ایک آدمی جس کا نام قیس بن رفاعہ یا رفاعہ بن قیس تھا، ایک بھاری جمعیت لے کر آیا اور میدان میں اترا تاکہ قبیلہ قیس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کے لیے جمع کرے۔ یہ آدمی جشم میں نامور اور معروف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور دو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس آدمی کی طرف جاؤ اور اس کی خبر لاؤ۔ آپ نے ہمیں ایک نحیف بڑی عمر کی اونٹنی عطا کی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو خدا کی قسم وہ ضعف کے باعث کھڑی نہ ہو سکی یہاں تک کہ لوگوں نے ہاتھوں کے ساتھ پیچھے سے اسے سہارا دیا تب وہ چلی۔

آپ نے فرمایا کہ تم اس سواری پر پہنچ جاؤ گے۔ ہم نکلے، ہمارے ساتھ ہمارے تیر اور تلواریں بھی تھیں۔ غروب آفتاب کے وقت ہم بستی کے قریب پہنچے۔ میں ایک سمت میں چھپ گیا اور ساتھی سے چھپنے کو کہا۔ وہ بھی بستی کے دوسری جانب چھپ گیا۔ میں نے کہا کہ جب تم میری تکبیر سنو۔ تو تم بھی تکبیر کہو۔ خدا کی قسم ہم اس حالت میں تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ ذرا صبح ہو جائے یا کچھ نظر آنے لگے۔ رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ شہر والوں کے کسی چرواہے نے شب کو آنے میں دیر کر دی تھی۔ یہاں تک کہ انھیں خطرہ لاحق ہوا۔ اس پر ان کا سردار رفاعہ بن قیس کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار لے کر گلے میں لٹکائی اور کہنے لگا بخدا میں اس چرواہے کے نشانات پر جاؤں گا۔ خدا کی قسم اسے ضرور گزند پہنچا ہے۔ اس کے چند ساتھی کہنے لگے خدا کے لیے ہمارے بغیر مت جاؤ۔ وہ کہنے لگا، نہیں صرف میں ہی جاؤں گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم بھی تیرے ساتھ

چلیں گے۔ اس نے کہا، بخدا تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہ آئے۔

پھر وہ نکلا، یہاں تک میرے پاس سے گزرا۔ جب میری زد میں آیا تو میں نے اسے تیر مارا وہ اس کے دل پر لگا، واللہ اس نے بات تک نہ کی۔ میں اچھلا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ پھر میں نے تکبیر کہی، میرے دو ساتھیوں نے بھی خوب زور سے نعرہ تکبیر لگایا۔ دشمن اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اپنی عورتوں، بچوں اور ہلکے پھلکے سامان کو لے کر فرار ہو گیا اور ہم نے اونٹوں اور بکریوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ہنکایا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور اس کا سر بھی میں اپنے ہمراہ اٹھا کر لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان میں سے تیرہ اونٹ مرحمت فرمائے جس سے میں نے اپنے خاندان کو بسایا (اس سے قبل) میں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی اور دو سو درہم اس کا حق مہر رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا میرے پاس (اس وقت) کچھ نہیں کہ تیری مدد کر سکوں" میں چند دن ٹھہرا رہا، اس کے بعد اس سریہ کا واقعہ پیش آیا، اور میں مالا مال ہو گیا۔

سریہ ابوقتادہ و محلم بن جثامہ نیز آپ نے اضم کی طرف ایک سریہ بھیجا۔ اس میں مسلمانوں کے گروہ میں حضرت ابوقتادہؓ اور محلم بن جثامہ بھی شامل تھے اور عامر بن اضبط دودھ کا ایک مشکیزہ لے کر اونٹنی پر سوار اس کے پاس سے گزرا اور انہیں اسلام کے طریق پر سلام کہا، انھوں نے جواب نہ دیا۔ محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، کیونکہ ان دونوں میں پہلے سے کچھ عداوت سی تھی۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی جس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

يا ايها الذين آمنوا اذا ضربتم في سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مومنا تبتغون عرض الحياة الدنيا فعند الله مغانم كثيرة كذلك كنتم من قبل فمن الله عليكم فتبينوا ان الله كان بما تعملون خبيرا۔

یعنی "اے ایمان والو، جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لو اور مت کہو جو شخص تمہاری طرف سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں، چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں۔ تم ایسے ہی تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرو، اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔"

واپسی پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تو نے آمنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہنے کے بعد اُسے قتل کر دیا!

خیبر کے سال عیینہ بن بدر حاضر ہوا اور عامر بن اضبط اشجعی کا دم طلب کیا۔ یہ قیس کا سردار تھا۔ اقرع بن حابس خلم کی جانب سے تحفظ کر رہا تھا اور یہ خندف کا سردار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کے لوگوں کو فرمایا کیا تم اب ہم سے پچاس اونٹ لے لو گے اور جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو پچاس پھر دے دیں گے!

عیینہ بن بدر نے جواب دیا، اللہ کی قسم میں اسے ہرگز اس دن تک نہ چھوڑوں گا جب تک اس کی عورتوں کو بھی وہی تکلیف نہ پہنچا دوں جو اس نے میری عورتوں کو پہنچائی ہے۔ اس طرح کافی بحث مباحثہ کے بعد یہ لوگ دیت پر رضامند ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا سریہ

صحیحین میں حضرت سعید بن جبیر سے انھوں نے حضرت ابن عباس رضہ سے روایت کیا، فرمایا کہ آیت یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم حضرت عبداللہ رضہ بن حذافہ کے حق میں نازل ہوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک سریہ میں بھیجا۔ صحیحین میں اعمش کی حدیث سے بھی ثابت ہے۔ انھوں نے سعید بن عبیدہ سے انھوں نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے، انھوں نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ میں ایک انصاری آدمی کو امیر بنایا اور حکم دیا کہ اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے امیر کو کسی بات میں ناراض کر دیا، امیر نے کہا، لکڑیاں جمع کرو۔ انھوں نے لکڑیاں جمع کر دیں۔ پھر کہنے لگا، آگ جلاؤ، انھوں نے آگ جلائی، پھر کہنے لگا:

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا کہ میرا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

انھوں نے جواب دیا، ہاں کہا تھا۔

اس پر وہ بولا، اس آگ میں کود پڑو۔

راوی کہتے ہیں، پھر انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے کہ ہم آگ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے۔ اتنے میں امیر کا غضب بھی تھم گیا اور آگ بھی بجھ گئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو اس کا تذکرہ ہوا۔

آپ نے فرمایا، اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اطاعت امیر صرف معروف میں ہے۔

امیر کی اطاعت کے حدود و شرائط

یہ امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ اپنے خیال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے داخل ہوتے گویا از روئے تاویل وہ مخلص بھی جاتے اس لیے جہنم میں وہ دائمی طور پر کیسے رہ سکتے!

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آگ میں اپنے آپکو ڈالنا معصیت ہے۔ اس لیے خودکشی کرنے کی پاداش میں وہ ہمیشہ اس میں رہتے۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں اور اطاعت امیر سے آگ میں داخل ہونا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہوگی۔ اس طرح یہ اطاعت ہی سزا کا مستوجب ہو جاتی۔ کیونکہ یہ حرکت خود ہی معصیت کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر داخل ہو جاتے تو گویا اللہ اور اسکے رسول کے نافرمان ہوتے۔ اس آدمی کے متعلق جو خودکشی کرے ایسا حکم ہے تو جو آدمی دوسرے آدمی کو امیر یا بادشاہ کے حکم سے ناجائز ایذا دے اس کے رغبت یا عذاب کی کیا حالت ہوگی! اور آگ میں کودنا اگر اسطرح ناجائز ہے! تو ایسے بازی گروں کے بارے میں کیا کہا جائیگا۔ جو آگ میں کود جاتے ہیں اور جہلا سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی میراث ہے اور سمجھتے ہیں کہ جسطرح ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی، اسیطرح ان پر بھی برداً وسلاماً بن جائیگی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حال رحمانی میں آگ کے اندر کود رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ حال شیطانی میں داخل ہوئے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بازی گر ایک خاص قسم کا لباس استعمال کرتے ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اولیاء الرحمٰن میں سے ہیں، حالانکہ وہ اولیاء شیطان میں سے ہیں۔

عمرۂ قضا

نافع فرماتے ہیں کہ ۷ھ ذی قعدہ کے مہینے میں یہ عمرہ کیا گیا، سلیمان تیمی فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آئے۔ انھوں نے سرایا بھیجے، اور مدینہ میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ذی قعدہ کا چاند نکل آیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر حدیبیہ سے اگلے سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں مشرکین نے آپ کو مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا، پھر آپؐ نے تمام جنگی ہتھیار، تیر، نیزے وغیرہ اتار دیئے اور صرف تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوگئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا، اپنے کندھوں کو کھول دو اور طواف بھی سعی کرو۔ تاکہ مشرکین قوت وسطوت کا مظاہرہ دیکھ لیں اور آپ حسب امکان ان کے سامنے مظاہرہ قوت کرتے رہے۔ چنانچہ مکہ کے مرد عورتیں اور بچے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھنے لگے۔ یہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار سونتے رجز یہ اشعار پڑھ رہے تھے :۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله — قد انزل الرحمٰن فی تنزیله

کفار کی اولاد کو ان کی راہ سے ہٹا دو — رحمٰن نے اسے قرآن میں نازل فرمایا ہے

فی صحف تتلی عن رسوله — یا رب انی مومن بقیله

ان صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جاتے ہیں — اے پروردگار میں اس کے فرمان پر ایمان لایا

ضربا یزیل الهام عن قیله — ویذهل الخلیل عن خلیله

ایسی ضرب جو گردن کو جدا کر دے — اور دوست کو دوست سے الگ کر دے

اور مشرکین کے بعض لوگ آپ کو سخت غصے اور غیظ کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

حضرت میمونہؓ سے آپؐ کا نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک مکہ میں قیام فرمایا، چوتھے روز صبح کو آپ کے پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آئے۔ آپ انصار کی مجلس میں حضرت سعدؓ بن عبادہ سے گفتگو فرمار ہے تھے کہ حویطب چلایا اور کہنے لگا ہم اللہ اور عہد کا واسطہ دیتے ہیں کیا تم ہماری سرزمین سے نہیں رخصت ہو گے؟ حالانکہ تین دن گذر چکے ہیں۔

سعدؓ بن عبادہ نے کہا، بدبخت تو نے جھوٹ بولا۔ زمین نہ تیری ہے اور نہ تیرے آباو اجداد کی ہے۔ اللہ کی قسم ہم نہیں نکلیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویطب یا سہیل کو خطاب کر کے فرمایا، میں نے ایک خاتون سے شادی کی ہے کیا ولیمہ تک نہ ٹھہر جاؤں؟ ہم بھی کھائیں گے اور تم بھی کھاؤ، اس میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں۔

انھوں نے جواب دیا کہ ہم تجھے اللہ اور وعدہ کا واسطہ دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا تو ہمارے یہاں سے نہ جائے گا؟ چونکہ معاہدہ حدیبیہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ مسلمان اگلے سال آئیں گے اور تین روز رہ کر چلے جائیں گے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافعؓ کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ بھی سوار ہو گئے یہاں تک کہ آپ مقام سرف پر اترے اور وہاں ٹھہرے اور ابو رافعؓ حضرت میمونہؓ کو لانے کیلئے پیچھے رہ گئے آپ وہاں اقامت پذیر ہوئے تاآنکہ حضرت میمونہؓ اور ان کے ساتھ کے لوگ بھی آ گئے۔ ان جہلا مشرکین اور ان کے بچوں سے انھیں ازحد اذیتیں پہنچیں پھر آپ نے سرف میں خیمہ لگوایا۔ آپ نے ملاقات کی۔ اس کے بعد کوچ کیا اور مدینہ پہنچ گئے اور اللہ کی تقدیر دیکھیے کہ حضرت میمونہؓ کی قبر بھی اسی جگہ بنی جہاں کہ سرف کے مقام پر آپ نے خیمہ لگوایا تھا۔

کیا حالت احرام میں نکاح ہو سکتا ہے؟

اور حضرت عباسؓ کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام ہی حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا اور خیمہ لگوایا تو آپ غیر محرم تھے۔ یہ ثابت نہیں ہے اور اسے وہم سمجھا گیا ہے۔

یزید بن اصم حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، جب ہم دونوں سرف میں غیر محرم تھے (مسلم)

اور حضرت ابورافع نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونیکی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا اور مکان یا خیمہ بنوایا تو بھی آپ حلال تھے، اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔ یہ ان سے صحیح روایت میں مروی ہے۔

سعیدؒ بن مسیب فرماتے ہیں کہ عبداللہؓ بن عباس جو سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو حل اور نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے، جس وجہ سے انھیں تو شبہ ہو گیا کہ آپ نے احرام سے قبل نکاح کیا۔ یہ بات محل ہے۔ سوا اس کے انھیں احرام سے قبل اس کا وکیل بتایا گیا ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ شافعیؒ نے بھی اس کے متعلق ایک قول ذکر کیا ہے۔ اب اقوال تین ہیں۔

ایک یہ کہ آپ نے عمرہ سے حلت کے بعد نکاح فرمایا۔ یہ خود حضرت میمونہؓ اور ان دونوں کے درمیان قاصد حضرت ابورافعؓ کا قول ہے۔ نیز حضرت سعید بن مسیب اور جمہور محدثین کا یہی قول ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔ ابن عباسؓ اہل کوفہ اور ایک گروہ کا یہی خیال ہے۔

تیسرا یہ کہ آپ نے ان سے احرام سے قبل نکاح فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بن عفان سے منقول ہے انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ محرم نہ نکاح کرے۔ نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے اب اگر قول اور فعل کو متعارض تسلیم کر لیا جائے تو قول کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ فعل تو برائت اصلیہ کے مطابق ہوتا ہے اور قول اس کا ناقل ہوتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کی بچّی کی تولیت پر جھگڑا

تمام قریبی عزیزوں اور رشتے داروں پر خالہ کو ترجیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنت عم۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حمزہ کی بچی ان کے پیچھے چل پڑی اور آوازیں دینے لگی، چچا! چچا۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے گود میں اٹھالیا اور حضرت فاطمہؓ سے کہا تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

انہوں نے اسے اٹھالیا۔ اس پر حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے نزاع کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اسے اٹھایا تھا اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے مزید براں اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا اور فرمایا خالہ ماں کی قائم مقام ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا۔

تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تو شکل اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولا ہے۔

اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ والدین کے بعد حضانت کے زمانہ میں خالہ تمام اقارب پر فوقیت رکھتی ہے اور اگر عورت بچے کے قریبی سے نکاح

کرے تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوتی۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لیے استدلال ہے۔ جنھوں نے پھوپھی پر خالہ پر اور باپ کا قرابت پر ماں کی قرابت کو مقدم سمجھا ہے کیونکہ آپ نے بھی بچی کی خالہ کے حق میں ہی فیصلہ دیا۔ حالانکہ اس وقت اس کی پھپھی حضرت صفیہ وہاں موجود تھیں۔ امام شافعیؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد سے دوسری روایت بھی منقول ہے جس میں انھوں نے پھپھی کو خالہ پر مقدم بتایا ہے اور ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس سرہ کا یہی مسلک ہے۔ اس طرح باپ کی جانب سے عورتیں ماں کی جانب کی عورتوں پر مقدم ہوں گی، کیونکہ اصل میں بچے کی ولایت باپ کے لیے ہے اور ماں کو مصلحت طفل اور تربیت و شفقت کی خاطر ترجیح دی گئی اور اس معاملہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں لیکن جب معاملہ محض عورتوں یا محض مردوں پر پڑے تو اس وقت باپ کی قرابت ماں کی نسبت مرجوع ہوگی، جیسے ہر مرد سے باپ اول ہوتا ہے۔ اور یہی قوی قول ہے اور حضرت زیدؓ کا یہ فرمانا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ان کا مطلب اس اخوت سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت حمزہؓ کے درمیان قائم کیا تھا۔ جب آپ نے اخوت قائم فرمائی۔

صحابہ کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارہ

آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان دو بار مواخات قائم کی۔ ایک بار ہجرت سے قبل صرف مہاجرین میں حق و مواسات پر مواخات قائم کی۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکر اور عمرؓ کے درمیان۔ حضرت حمزہؓ اور زید بن حارثہ کے درمیان۔ حضرت عثمان اور عبد الرحمٰن بن عوف کے درمیان۔ حضرت زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث اور بلالؓ کے درمیان۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ کے درمیان۔ حضرت سعیدؓ بن زید اور طلحہؓ بن عبید اللہ کے درمیان۔ اور دوسری بار مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت انس بن مالک کے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔

ایک فقہی بحث

اس عمرہ کو عمرہ قضاء کہنے میں اختلاف ہے۔ کیا یہ اس عمرہ کی قضاء تھی جس سے آپ کو روکا گیا تھا، یا یہ عمرہ مقاضاہ تھا!

واقدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہؓ بن نافع سے انھیں اپنے والد محترم سے انھیں حضرت ابن عمرؓ سے روایت پہنچی کہ یہ عمرہ قضاء نہ تھا، بلکہ یہ مسلمانوں پر شرط میں آیا تھا کہ وہ اس مہینے میں جس میں مشرکین نے انھیں روکا ہے۔ عمرہ کریں گے اور تین روز قیام کریں گے اس لیے اس کے متعلق فقہاء کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ جسے عمرہ سے روک دیا جائے۔ اس پر ہدی اور قضائے عمرہ لازم ہے۔ امام احمدؒ سے مروی دو روایات میں سے ایک یہ ہے، بلکہ زیادہ اشہر روایت یہی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہدی واجب ہے اور قضاء واجب نہیں۔ یہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے اور امام احمدؒ سے ابو طالب کی ایک روایت کے مطابق ان کا بھی یہی مذہب ہے۔

تیسرا قضائے عمرہ لازم ہے لیکن ہدی لازم نہیں، یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

چوتھا، نہ اس پر قضائے عمرہ ہے اور نہ ہدی لازم ہے۔ امام احمدؒ سے مروی ایک قول یہ بھی ہے۔

محصر کی قربانی

ایک اہم تحقیقی مسئلہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تو حالت حصر میں آپ کا نحر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محصر کو حصر کے وقت قربانی کرنا چاہیے۔ اگر عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اس صورت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اگر مفرد یا قارن ہو تو اس میں دو قول ملتے ہیں ایک یہ مسئلہ حسب مذکورہ ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ دو قربانیوں میں سے ایک ہے۔ جب اس سے حل جائز ہوا تو عمرہ کی طرح وقت حصر قربانی بھی جائز ہے کیونکہ عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ اور آئندہ تمام زمانہ اس کے لیے وقت ہے۔ پھر جب اس سے حل جائز ہوا اور اس کے فوت کے خطرہ کے بغیر قربانی کر لی تو حج جس کے فوت کا خطرہ بھی ہے، اس میں قربانی بطور اولیٰ جائز ہے امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا ہے، کہ اسے چاہیے کہ یوم النحر تک نہ حلال ہو اور نہ ہی نحر کرے۔ اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ ہدی کے لیے ایک مخصوص زمانہ اور مکان ہے۔ مگر جب وہ مخصوص مکان میں ادا کرنے سے عاجز آگیا، تو اس سے مخصوص زمانہ کا محل ساقط نہ ہوگا جب کہ وہ مخصوص وقت اور زمانہ میں اسے ادا کر سکتا ہے۔

اس قول کی بنا پر اسے یوم النحر سے قبل حلال ہونا جائز نہیں، کیونکہ فرمان یہ ہے:۔

لَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ یعنی "اور حجامت نہ کرو، سر کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر"

عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نحر اور حل اس بات کی دلیل ہے کہ عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عمرہ کرنے والے کو حلال نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کے فوت ہونے کا کچھ خطرہ نہیں۔

امام مالک سے اس قول کی صحت نسبت بعید سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ عمرے کا احرام باندھے تھے۔ پھر سب نے احرام اتار دیا۔ اور اس باب میں اہل علم کے اندر کسی کو شک نہیں۔

محصر کہاں نحر (قربانی) کر سکتا ہے؟

حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبیحہ کے بارے میں سمجھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق حلال ہونے کے بعد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محصر حل یا حرم میں جہاں بھی اسے حصر واقع ہو نحر کر سکتا ہے۔ جمہور علمائے کرام۔ احمدؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ محصر کو صرف حرم کے اندر قربانی کرنے کی اجازت ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ ہدی کو حرم میں بھیجے اور ایک آدمی کو حلال ہونے کے وقت حرم میں جا کر نحر کرنے پر مقرر کرے۔ ابن مسعودؓ۔ تابعین کی ایک جماعت اور ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے یہ قول اگر ان سے صحیح ہے تو اسے مخصوص حصر پر قیاس کیا جائیگا۔ وہ یہ کہ کوئی ظالم کسی جماعت یا فرد کو روک دے۔ رہا حصرِ عام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کے خلاف پائی جاتی ہے۔ مقام حدیبیہ تمام لوگوں کے اتفاق رائے سے حل میں شامل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جگہ کچھ حل میں اور کچھ حرم میں شامل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے اطراف حرم میں ہیں ورنہ یہ جگہ بالاتفاق حل میں ہے اور اصحاب احمد کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حرم کے کسی حصّہ میں جا سکنے کی قوت رکھتا ہو تو کیا اسے وہیں جا کر نحر لازم ہوگا؟ یا نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ لازم نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف حرم پر قدرت رکھتے ہوئے بھی حل میں نحر کیا۔

غزوۂ موتہ شہادت کا شوق فراواں

خدا کے راستے میں جان دینے والوں کی جرأت اور بے خوفی

یہ علاقہ ارض شام میں بلقاء کے قریب واقع ہے یہ غزوہ ۸ھ جمادی الاول میں ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لہب کے ایک آدمی حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ شام کی طرف شاہ روم یا حاکم بصریٰ کی طرف ایک نامہ مبارک روانہ فرمایا۔ شرحبیل بن عمرو غسانی نے قاصد کو گرفتار کر لیا اور اسے باندھ دیا۔ پھر آگے بڑھ کر اس کی گردن ماردی۔ اس قاصد کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے فوج کا ایک دستہ روانہ فرمایا اور زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو امیر مقرر فرما دیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ اگر جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا۔ چنانچہ لوگ تیار ہوئے ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب کوچ کا وقت آیا تو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیروں کو الوداع کہا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں کہنے لگے۔ اللہ کی قسم مجھے نہ دنیا کی محبت ہے اور نہ تم سے لگاؤ۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے سنا جس میں نار کا ذکر آتا ہے کہ وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا۔ یعنی اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر۔ ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر۔ اس لیے مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہم داخل ہونے کے بعد کیسے نکلیں گے؟ مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت

رکھے اور تم سے رنج اور دور کرے اور تمہیں ہماری طرح صالح حالت میں لوٹائے۔

عبداللہ بن رواحہ نے جواب میں چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ سے بخشش کا طالب ہوں۔ پھر یہ لشکر چل پڑا۔ آخر معان میں اترے تو پتہ چلا کہ ہرقل بلقاء میں ایک لاکھ رومی فوج لے کر ڈیرے ڈالے ہے اور لخم، جذام، بلقین، بہراء اور بلی کے تمام لوگوں کو اس نے ساتھ ملا لیا تھا۔

جب مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تو یہ معان میں دو راتیں پڑے رہے اور اس معاملہ پر غور کرتے رہے اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی تعداد کی اطلاع دیتے ہیں۔ تاکہ یہ یا تو مزید فوج ارسال فرمائیں یا کوئی حکم دیں اور ہم اس پر عمل کریں۔

یا فتح یا شہادت

اتنے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت دلائی اور کہا اے لوگو! اللہ کی قسم جس بات سے تم گریزاں ہو اسی کے لیے نکلے ہو، تم شہادت کے طالب بن کر آئے ہو اور ہم تعداد اور کثرت کے بھروسہ پر جنگ نہیں کرتے بلکہ اس دین کی خاطر برسرپیکار ہیں۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرف بخشا، اس لیے دو نیکیوں میں سے ایک ضرور حاصل ہو گی، یا فتح یا شہادت۔

چنانچہ لوگ چل پڑے اور جب بلقاء میں پہنچے تو ایک بستی جس کا نام مشارف تھا وہاں انہیں ایک جتھہ ملا۔ اب دشمن بھی قریب تھا۔ مسلمان موتہ کی طرف بڑھے۔ وہیں دشمن سے ملاقات ہوئی اور جنگ برپا ہوئی۔

حضرت زید بن حارثہ کی شہادت

اس جنگ میں حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ دشمنوں کے نیزوں کی زد میں آ گئے اور شہید ہو گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب کی بے نظیر بہادری

پھر حضرت جعفر نے جھنڈا اٹھا لیا اور جنگ کی، جب گھمسان کا رن پڑا تو گھوڑے سے اتر آئے وہ زخمی ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پا پیادہ مقابلہ کیا آخر وہ بھی شہید ہو گئے اسلام میں حضرت جعفرؓ پہلے آدمی ہیں جن کا گھوڑا جنگ

کے موقع پر زخمی ہوا ان کا دایاں بازو کٹ گیا تو انھوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا اٹھا لیا پھر بایاں بھی کٹ گیا تو انہوں نے سینہ سے لگا لیا یہاں تک کہ شہادت پا گئے۔ ان کے بدن پر تینتیس نشانات تھے۔

اب حضرت عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے یہ گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے سے اترتے وقت کچھ تردد کرنے لگے۔ آخر اتر آئے۔ ان کا چچازاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا لے آیا۔ اور کہنے لگا اسے کھا کر ذرا کمر کو مضبوط کر لو، کیونکہ ان دنوں آپ کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے اسے ہاتھ میں لے لیا اور ایک ٹکڑا دانتوں سے کاٹا، پھر ایک طرف لوگوں کا شور و غل سنا۔ اور کہا تو دنیا میں معروف ہے، یہ کہہ کر اسے پھینک دیا، تلوار اٹھائی اور آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے

امارت خالد بن ولید کے ہاتھ میں

ان کے بعد حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا جو بنی عجلان کے بھائی تھے اور کہنے لگے اے مسلمانو! ایک آدمی پر اتفاق کر لو، انہوں نے کہا کہ تم ہی امیر بن جاؤ! انہوں نے کہا میں امیر نہیں بنوں گا۔ لوگوں نے خالد بن ولید پر اتفاق کر لیا۔ جب خالد نے جھنڈا لیا تو انہوں نے قوم کو پیچھے ہٹا لیا اور لوگوں کو لے کر میدان سے ایک طرف ہو گئے۔

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی شکست ہو گئی اور صحیح بخاری میں ہے کہ اہل روم کو شکست ہوئی اور صحیح وہ ہے جو ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہر فریق دوسرے سے علیحدہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی تمام واقعات کی خبر کر دی۔

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہ اہل موتہ کی خبر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تو چاہے تو مجھے اطلاع دے اور اگر چاہے تو میں خود بتا دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ بتا دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعات بتا دیے اور

تمام حالات کی خبر دے دی۔

اور کہنے لگے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی، جس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ اور واقعات اس طرح ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے زمین پیش کر دی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کا معرکہ ہوتے دیکھا اور اس دن جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ، عبداللہؓ بن رواحہ، مسعودؓ بن اوس، وہبؓ بن سعد بن ابی سرح، عباد بن قیس، حارثہؓ بن نعمان، سراقہ بن عمرو بن عطیہ عمرو بن زید کے دونوں بیٹوں ابو کلیبؓ جابرؓ اور سعد بن حرث کے دونوں بیٹوں عامرؓ اور عمروؓ وغیرہ نے شہادت پائی۔

عبداللہ بن رواحہؓ کے ابیات

ترمذیؒ وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ آپ کے سامنے ابیات پڑھ رہے تھے۔ خلوا بنی الکفار عن سبیلہ۔ لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ابن رواحہؓ تو اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے اور یہ غزوہ فتح مکہ سے چار ماہ قبل پیش آیا تھا۔

غزوۂ ذات السلاسل

یہ وادی قری کے آگے ہے "سین" مضموم اور مفتوح دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت کا فاصلہ ہے یہ غزوہ جمادی الآخرہ ۸ھ میں ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قضاعۃ کی ایک جماعت اکٹھی ہو کر اطراف مدینہ کی طرف بڑھنا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو بلایا اور انہیں ایک سفید جھنڈا دیا، ایک اور جھنڈا ساتھ کر دیا اور انہیں مہاجرین وانصار کے تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا ان کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے اور حکم دیا کہ بلی عذرہ اور بلقین کے جو لوگ بھی گذریں ان کا تعاون بھی حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے رافع بن مکیث جہنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزید کمک کے لیے درخواست بھیجی۔ آپ نے ابو عبیدہؓ بن جراح کو دو سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا اور انہیں بھی ایک جھنڈا عنایت کیا اور بڑے بڑے مہاجرین وانصار روانہ کیے، جن میں ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی تھے اور انہیں حکم دیا کہ عمروؓ سے جا ملیں اور اتحاد قائم رکھیں، اختلاف نہ کریں۔

بے نفسی اور بے لوثی

جب یہ دستہ پہنچا تو ابو عبیدہؓ بن جراح نے امامت کرنا چاہی عمروؓ نے کہا کہ آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ امیر تو میں ہوں۔

ابو عبیدہؓ نے اس کی اطاعت کر لی۔ چنانچہ عمروؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور برابر بڑھتے رہے، یہاں تک کہ قضاعہ کے علاقے کو روندتے ہوئے آخری حصہ میں پہنچ

گئے۔ یہاں ایک اور لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی، مسلمانوں نے اس پر بھی حملہ کر دیا۔ دشمن شہروں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور منتشر ہو گیا۔

پھر عوف بن مالک اشجعی کو صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نامہ بر بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے آپ کو خبر دی کہ مسلمان فتح و ظفر کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں اور جنگ کے تمام حالات عرض کیے۔ ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ جذام کے علاقہ میں چشموں پر اترنے کے باعث جسے سلسال کہا جاتا ہے اس غزوے کو ذات السلاسل کا نام دیا گیا۔

عمرو بن عاص کا اجتہاد

اس غزوے میں امیر لشکر حضرت عمرو بن عاص کو بد خوابی ہوئی۔ یہ سخت جاڑے کی رات تھی پانی سے انہیں جان کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے انہوں نے تیمم کر لیا اور اپنے اصحاب کو نماز پڑھا دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اسے عمروؓ تو نے اپنے اصحاب کو حالت جنابت میں ہی نماز پڑھا دی! انہوں نے غسل کی رکاوٹ کا تذکرہ کیا اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ یعنی: اور اپنے آپ کو قتل مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔

اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جن کا قول یہ ہے کہ تیمم رافع حدیث نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تیمم کے بعد بھی جنب کا ہی نام دیا اور جنہوں نے ان سے نزاع کیا ہے انہوں نے تین جواب دیے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جب صحابہؓ نے شکایت کی تو عرض کیا کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھا دی جبکہ یہ جنبی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا اور فرمایا: کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، حالانکہ تم جنبی تھے؟ آپ نے یہ سوالیہ طور پر کلام فرمایا، جب انہوں نے عذر پیش کیا اور بتایا کہ میں نے اس ضرورت کے باعث تیمم کر لیا تھا تو آپ نے اسے قبول کر لیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ روایت میں اختلاف ہے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے غسل کیا اور

نماز کے لیے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھائی اور یہ روایت تیمّم کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ عبدالحق نے بتایا ہے کہ یہ (وضو کی) روایت پہلی سے زیادہ متصل ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ کے ترک غسل میں فقاہت معلوم کرنے کی غرض سے دریافت فرمایا اور جب انہوں نے جواب دیا کہ میں نے فلاں ضرورت کے باعث تیمّم کیا تھا تو آپ نے انکار نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمروؓ نے سردی سے ہلاکت کے باعث تیمّم کرنے اور تیمّم سے نماز پڑھانے کا جو فعل کیا وہ جائز تھا۔ لہٰذا اس کے عامل پر اعتراض نہ کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے ان کی فقاہت اور علم کی خاطر استفسار فرمایا تھا۔

سریۂ خبط

اس سریہ کے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ یہ ۸ھ رجب میں پیش آیا۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ ہمارے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ ہم قریش کے ایک قافلے کا پیچھا کر رہے تھے کہ ہمیں سخت بھوک لگی۔ ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے منع کر دیا۔ اس کے بعد سمندر نے ہماری طرف ایک جاندار پھینکا۔ جسے عنبر کہتے ہیں۔ ہم نے نصف ماہ تک اس کا گوشت کھایا اور اس کا تیل استعمال کیا۔ حتیٰ کہ ہمارے بدن اس سے مضبوط اور قوی ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی پکڑلی۔ اور لشکر کے سب سے طویل آدمی اور طویل اونٹ کو دیکھا اور اس پر لاد دی اور اس کے نیچے سے گزر گئے۔ ہم نے اس کے گوشت کا ایک حصہ زادِ سفر کے لیے بھی لے لیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔

آپؐ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق کی صورت پیدا کی۔ کیا تم تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے جو تم ہمیں بھی کھلا دو؟ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا، آپؐ نے اُسے تناول فرمایا۔

اس واقعہ سے متعلق احکاماتِ فقہ

اس سے شہرِ حرام میں جوازِ قتال کا پتہ چلتا ہے اگر اس کی تاریخ محفوظ طور پر رجب میں ہو اور ظاہر طور پر یہ وہم ہے۔ ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ نہیں ہے کہ یہ غزوہ شہرِ حرام میں ہوا ہو اور نہ آپ نے اِس ماہ میں اچانک حملہ کیا اور اس میں کوئی سریہ بھیجا اور مشرکین نے علاوہ ان

حضرمی کے واقعہ کے متعلق اوائل رجب میں قتال پر مسلمانوں کو عار دلائی اور کہا کہ محمد نے شہر حرام کو حلال کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر (الآیۃ) اور یہ حکم کسی نص سے منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہی امت کا اس کے نسخ پر اجماع ہے اور شہر حرام میں حرمت قتال پر اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم یعنی، پس جب گزر جائیں حرمت کے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ یہاں اشہر حرم دراصل اشہر سفر ہیں، جن میں مشرکین مامون ہو کر زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور ان کی ابتداء دسویں ذی الحجہ سے اور انتہاء دسویں ربیع الثانی پر ہوتی ہے۔

نیز اس غزوہ سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ تکلیف کے وقت درخت کے پتے کھانے جائز ہیں۔ نیز زمین کی جڑی بوٹیوں کا معاملہ بھی اس طرح ہے۔

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اور امیر لشکر کو اجازت ہے کہ سواریوں کے جانور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی۔ اگرچہ کھانے کی ضرورت ہو۔ اس خطرہ کے پیش نظر کہ دشمن کے مقابلہ پر ان کی ضرورت ہو گی اور اس پر ممانعت میں امیر کی اطاعت لشکر پر واجب ہے۔

نیز اس میں سمندر کے مردار کے کھانے کا جواز بھی نکلتا ہے اور یہ مردار حرمت علیکم المیتة والدم کی آیت کے تحت نہیں آتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ احل لکم صید البحر وطعامه متاعاً لکم یعنی، حلال کیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے نفع کے لیے۔

اور صحیح روایت میں حضرت ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن عباس اور صحابہ کی ایک جماعت رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ صید البحر سے مراد جو اس سے شکار کیا جائے اور طعامہ سے مراد جو جانور اس میں مر جائے۔

اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع اور موقوف روایت ہے کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال ہیں۔ مردوں میں مچھلی اور ٹڈی اور خون میں جگر اور تلی شامل ہیں۔

(حدیث حسن)

اجتہاد حیات نبوی میں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی اجتہاد کو نہ صرف جائز رکھا گیا بلکہ اس پر عمل درآمد ہوا لیکن یہ معاملہ اس وقت ہوگا، جب نص موجود نہ ہو اور حقیقتاً اجتہاد کی ضرورت درپیش ہو اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کسی مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور آپ نے اسے تسلیم کر لیا۔ لیکن یہ معاملہ فروعی احکام میں تھا۔ کلی اور عام امور میں ایسا طریقہ نہ تھا۔ کیونکہ مؤثر صورت میں اجتہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بھی صحابی کی جانب سے سرزد نہیں ہوگا۔

فتح مکہ، تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ

رحمت عالمؐ کی شفقت و رحمت مجرموں اور خطا کاروں پر

ابوسفیان کا جھکا ہوا سر

جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، لشکر اور حرم امین کو عزت بخشی اور جس کے ذریعہ اپنا شہر اور اپنا گھر کفار و مشرکین سے آزاد کرایا۔ جسے عالمین کے لیے ہدایت بنایا گیا تھا۔

یہی وہ فتح اعظم تھی جس سے آسمان والے خوش ہوئے اور برج جوزا پر خیمے گاڑ دیے اور لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ اس سے رخ زمین چمکا اور روشن ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے لشکر اور رحمٰن کی جماعتیں لے کر دس رمضان ۸ھ کو مدینہ سے نکلے اور ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ابن سعد فرماتے ہیں عبداللہ بن ام کلثوم کو عامل فرمایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح حدیبیہ ہوئی تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ (قبائل عرب) میں سے جس کا جی چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش سے معاہدے کر لیا اور بنو خزاعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو گئے۔ (بنو بکر اور بنو خزاعہ کی قدیم زمانے سے آپس میں عداوت چلی آ رہی تھی) اس لیے بنو بکر نے بنو خزاعہ سے انتقام لینے کا موقع دیکھا اور ارادہ کیا کہ بنو خزاعہ سے قدیم عداوت کا بدلہ لیا جائے۔

قریش کی شرارت

چنانچہ نوفل بن معاویہ دیلی بنو بکر کی ایک جماعت لے کر نکلا اور بنو خزاعہ کے قریب رات کو ٹھہرا وہ مطمئن تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کر کے ان کے چند

آدمی مار دیے۔ پھر ان کی آپس میں لڑائی ہوئی اور قتل وغارت برپا ہوا اور قریش نے ہتھیاروں کے ساتھ بنو بکر کی مدد کی اور قریش میں سے بعض لوگوں نے چھپ کر رات کو ان سے مل کر مقابلہ بھی کیا۔ چنانچہ بنو خزاعہ کا ایک آدمی عمرو بن عاص خزاعی نکل کر مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صحابہؓ کے ہمراہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے، جن میں بنو بکر کے حملے اور غارت گری کا قصہ بیان کیا۔ بنو خزاعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدے کا ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور امداد کی درخواست کی۔

رسول اللہ کا پاس عہد

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو بن سالم تمہیں مدد دی جائے گی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بادل کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنی کعب کی مدد کے لیے آئے گا پھر بدیل بن ورقاء بنو خزاعہ کی ایک جماعت لے کر آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ قریش نے بھی بنو بکر کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

بیٹی نے باپ کو بستر رسول اللہ پر نہیں بیٹھنے دیا

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا ابوسفیان تمہارے پاس آیا ہے تاکہ دوبارہ عہد کیا جا سکے اور مدتِ معاہدہ میں اضافہ ہو جائے۔ جب بدیل بن ورقاء اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ رہا تھا تو انہیں عسفان میں ابوسفیان ملا، جسے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تجدید معاہدہ کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر میں ٹھہرا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان کہنے لگا، اے بیٹی کیا تو نے اس بستر کے باعث میری طرف سے اعراض کر لیا؟ یا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے کے باعث میری طرف سے منہ پھیر لیا؟

ام حبیبہؓ نے جواب دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔

وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میرے بعد تجھے خرابی ہو گی۔

ابوسفیان کی التجا پر آپ کی خاموشی

پھر نکلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور آپ سے گفتگو کی۔ لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابوبکرؓ

کے پاس گیا انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرو۔ وہ کہنے لگا، میں یہ کرنے والا نہیں ہوں۔

پھر حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا ان سے بھی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمہاری سفارش نہیں کر سکتا ہوں اور اگر میں ایک قعدہ بھی پاتا تو اس کے لیے کوشش کرتا۔

حضرت علی کا جواب ابوسفیان کو

پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس آیا ان کے پاس فاطمہؓ بھی تھیں اور حسنؓ ابھی چھوٹے تھے۔ جو ان کے پاس پیٹ کے بل چل رہے تھے۔ وہ کہنے لگا اے علیؓ کل تم ہمارے عزیز قریب تھے میں ایک ضرورت کے باعث آیا ہوں مجھے نامراد واپس نہ کرو۔ محمدؐ سے میری سفارش کر دو۔

انہوں نے جواب دیا اے سفیان تیرا برا ہو، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کا عزم فرمالیا ہے کہ جس سے متعلق ہم ان سے کلام نہیں کر سکتے۔

حضرت فاطمہ کا جواب ابوسفیان کو

پھر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا تو اپنے اس بیٹے (حسن) کو حکم دے گی کہ یہ لوگوں کے درمیان صلح کرادے؟ یہ آخر زمانہ تک عرب کا سردار رہے گا۔ انہوں نے جواب دیا میرا بیٹا ابھی اس عمر تک نہیں پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ابوسفیان کہنے لگا، اے ابوالحسنؓ میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ سخت تر ہو چکا ہے مجھے نصیحت کرو۔

انہوں نے فرمایا، اللہ کی قسم میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا کہ جو تجھے فائدہ دے سکے۔ البتہ تو ہی کنانہ کا سردار ہے اس لیے اٹھ کر لوگوں میں خود (اعلانِ تجدید عہد) کر دے اور اپنے شہر میں واپس چلا جا۔

اس نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے لئے فائدہ ہوگا؟

انہوں نے کہا نہیں، اللہ کی قسم لیکن مجھے اس کے سوا کچھ چارہ کار نظر نہیں آتا۔

ابوسفیان اٹھ کر مسجد میں آیا اور کہنے لگا: اے لوگو! میں نے تجدید معاہدہ صلح کر لی اور پھر اونٹ پر سوار ہو کر چلا گیا۔

جب قریش کے پاس پہنچا تو کہنے لگے کیا خبر لائے ہو؟

اس نے کہا میں محمدؐ کے پاس گیا، ان سے گفتگو کی۔ اللہ کی قسم انہوں نے جواب نہ دیا پھر میں ابن

ابی محافہ کے پاس گیا، وہاں بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر میں عمر بن خطاب کے پاس گیا میں نے اسے سخت ترین دشمن محسوس کیا، پھر میں علیؓ کے پاس گیا میں نے انہیں قوم میں سب سے زیادہ نرم دیکھا۔ انہوں نے مجھے ایک بات کا مشورہ دیا وہ کر گزرا۔ اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے سکے گا یا نہیں

قریش نے پوچھا کیا محمدؐ نے بھی توثیق کی؟

وہ بولا نہیں!

کہنے لگے تیری خرابی ہو، اللہ کی قسم تیرے ساتھ تو صرف مذاق ہی ہوا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے یہی محسوس کیا ہے۔

فتح مکہ کی تیاری

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت ابوبکر اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر درست کر رہی تھیں۔

انہوں نے پوچھا، اے بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا ہاں!

انہوں نے پوچھا تمہارے خیال میں آپؐ کا کس طرف ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ آپؐ مکہ کی طرف جا رہے ہیں اس لیے انہیں تیزی سے تیاری کرنے کا حکم دیا اور دعا کی۔

اے اللہ قریش سے تب تک خبروں اور مخبروں کو روکے رکھنا جب تک کہ ہم ان کے علاقے میں نہ پہنچ جائیں۔

ایک مسلمان کی مخبری مسلمانوں کے خلاف

لوگوں نے تیاری کی تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک مکتوب لکھا، جس میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دے دی اور ایک عورت کو خط دے دیا اور اسے قریش تک پہنچانے کا کچھ معاوضہ بھی مقرر کر لیا۔ اس عورت نے یہ خط اپنے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپا لیا اور چل پڑی۔

اس پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے حاطبؓ کے اس فعل کی خبر دے دی گئی۔ آپؐ

نے علیؓ، زبیرؓ یا علیؓ اور مقدادؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تم لوگ خاخ کے باغ تک پہنچو تو وہاں ایک عورت ملے گی جس کے پاس قریش کی طرف لکھا خط ہوگا۔

چنانچہ یہ دونوں صحابیؓ گھوڑے دوڑاتے چل پڑے اور اسی جگہ عورت کو پایا۔ انہوں نے اسے اترنے کا حکم دیا اور کہا کہ تیرے پاس خط ہے وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے علاوہ سامان کی تلاشی لی اس میں کچھ بھی نہ تھا۔

قول رسول، حضرت علی کا اعتماد حضرت علیؓ نے کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط کہا نہ میں نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم یا تو تجھے خط نکالنا ہوگا ورنہ پھر ہم تیرا اجھاڑا لے کر رہیں گے۔ جب عورت نے یہ شدت دیکھی تو کہنے لگی تم دوسری طرف منہ کرلو۔ انہوں نے چہرہ گھما لیا۔ اس نے سر کی بینڈیاں کھولیں خط نکالا اور انہیں دے دیا۔

یہ خط لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے قریش کے نام تھا۔ اس میں قریش کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی۔

نبی صلی اللہ نے حاطب کو بلایا اور فرمایا۔

اے حاطب یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ مجھ پر جلدی نہ کیجئے۔ خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں، نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ میں نے دین بدلہ ہے۔ بلکہ میں قریش میں رہ رہا تھا۔ مگر میں خود ان میں سے نہیں ہوں ان کے ہاں میرے بال بچے ہیں۔ قبیلہ اور رشتہ کا ہے اور قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ ان کی حفاظت کریں اور جو صحابہؓ آپ کے ساتھ ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں۔ جس سے وہ ان کی اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان پر احسان کر دوں تاکہ میرے اقارب کی حفاظت کریں۔

حضرت عمر اور ابو سفیان حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے۔ میں اس کی گردن مار دوں۔ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے

خیانت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے بدر میں حصہ لیا تھا اور اے عمر تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا: اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

اس پر حضرت عمر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے آپ روزے سے تھے اور لوگ بھی روزے سے تھے جب یہ لوگ کدید پہنچے، اس شہر کو آج کل لوگ قدید کہتے ہیں تو آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ پھر سفر شروع ہوا۔ آخرکار مرالظہران پہنچے۔ یہ وادی مرکا درمیانی حصہ ہے۔

دس ہزار کا لشکر مکہ کی طرف

آپ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو اہل اسلام کی آمد سے بے خبر رکھا۔ اس لیے وہ دہشت زدہ انتظار (خوف) میں مبتلا تھے۔ ابوسفیان تجسس کے لیے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور تاء بن ہدیل بھی تھا۔ یہ لوگ خبریں حاصل کرنے کے لیے نکلے تھے۔

حضرت عباسؓ ان سے قبل ہی اپنے اہل وعیال لے کر اسلام قبول کر کے ہجرت کی غرض سے نکل چکے تھے۔ چنانچہ یہ مقام جحفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ راستہ میں ان کا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حرث اور عبداللہ بن ابی امیہ ابواء کے مقام پر ملے۔ یہ دونوں آپ کے چچا اور پھوپھی زاد بھائی تھے آپ نے ان دونوں سے بیجا ایذادہی کے باعث اعراض فرمایا۔

حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سامنے سے حاضر ہو، اور وہی کلمات عرض کر جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے عرض کیے تھے۔ بولے قسم اللہ۔ البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے۔ قالوا تاللہ لقد اٰثرک علینا وان کنا لخاطئین کیونکہ آپ احسن قول کے سوا راضی نہ ہوں گے۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین یعنی کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔

ابوسفیانؓ کی ندامت

کہا جاتا ہے۔ کہ ابوسفیانؓ نے اسلام لانے کے بعد حیاء کے باعث کبھی

بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا خیال کرتے تھے۔ اور اس کے جنتی ہونے کی بھی گواہی دی۔ اور فرمایا مجھے امید ہے، کہ یہ حمزہؓ کے خلف ہونگے۔ اور جب ابوسفیانؓ کی وفات قریب ہوئی۔ تو انہوں نے کہا، مجھ پر مت روؤ۔ اللہ کی قسم اسلام لانے کے بعد میں نے ایک بھی گناہ نہیں کیا۔

اصل واقعہ یعنی "فتح مکہ" کی طرف عود

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں اترے۔ تو عشاء کا وقت تھا۔ آپؐ نے لشکر میں آگ جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دس ہزار جگہ آگ روشن ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے پر حضرت عمرؓ بن خطاب کا پہرہ تھا۔ حضرت عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہوئے اور کسی کی تلاش میں نکلے تاکہ قریش کو اطلاع دی جائے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول مکہ سے قبل ہی امان کی درخواست پیش کریں۔

راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں جا رہا تھا، کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنی ابوسفیان کہہ رہا تھا، میں نے آج کی رات سے زیادہ کبھی بھی نہ آگ دیکھی اور نہ لشکر۔

بدیل نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم یہ بنوخزاعہ کا لشکر ہے۔ جو جنگ کے ارادہ سے آئے ہیں)

ابوسفیان بول اٹھا، بنوخزاعہ تو بہت ہی کم تعداد میں ہیں اس قدر آگ اور لشکر ان کا نہیں ہو سکتا، راوی کہتے ہیں، کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ اور کہا، اے ابوحنظلہ! اس نے میری آواز بھی پہچان لی اور جواب میں پوچھا، کیا تو ابوالفضل ہے؟

میں نے کہا ہاں! اس نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ کیا معاملہ ہے؟

میں نے کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ ہیں اب قریش کی بربادی آگئی۔

ابوسفیان پناہ اور اماں کا طالب

اس نے پوچھا، اب کیا ہونا چاہیئے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان میں نے کہا، اگر تجھے انہوں نے پکڑ لیا تو یقیناً تیری گردن مار دیں گے۔ اس لئے تو میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں۔ اور امان دلا دیتا ہوں۔ وہ میرے پیچھے سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے جب ہم مسلمانوں کی آگ کے پاس سے گذرتے تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپؐ کی خچر پر سوار ہیں۔ یہانتک کہ ہم عمرؓ بن خطاب کی

آگ کے پاس سے گذرے۔ انہوں نے پوچھا یہ کون ہیں ؟ اور میری طرف بڑھے۔ جب ابو سفیان کو خچر پر پیچھے بیٹھے دیکھا۔ تو کہا، ابوسفیان! اللہ کا دشمن اللہ کی ہزاروں تعریفیں کہ جس نے کسی عہد اور وعدہ کے بغیر تجھ پر قابو دیا، پھر تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خچر تیز ہو کر ان سے آگے بڑھ گیا۔ عباس خچر سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ بعد میں عمرؓ بھی آگئے۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ابوسفیان ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں (حضرت عباسؓ) فرماتے ہیں کہ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ میں نے اسے پناہ دی ہے۔

عباسؓ کی سفارش آنحضرتؐ کا ارشاد

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عباسؓ اسے لے جاؤ، صبح کو پیش کرنا۔

میں اسے لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

اے ابوسفیان ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس نے جواب دیا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپ کس قدر حلیم، کریم اور وصل کرنے والے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا۔ تو ضرور مجھے کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا۔

بحالت ما آپ نے دوبارہ بھی فرمایا: اس نے یہی جواب دیا اور کہا، یہ بات یعنی (لا الٰہ الا اللہ) اب تک میرے دل میں نہیں اتری۔

قبول اسلام کی دعوت

حضرت عباسؓ نے فرمایا، تیرا ناس ہو اسلام قبول کر لے اور قبل اس کے کہ تیری گردن اڑے کلمہ پڑھ لے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور شہادت دے دی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود کارساز نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ابوسفیانؓ فخر کو پسند کرتا۔ اس لیے کوئی اعزاز عطا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں! جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے امان ہے۔ اور جو خود اپنے دروازے بند کرے اسے امان ہے ماورا جو مسجد حرام تک داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو روک لو۔ اور پہاڑ پر لے جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ کا لشکر گذرے

اور یہ اسے دیکھ رہا ہو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ مختلف قبائل جھنڈے لے کر گزرے اور حضرت عباسؓ اسے بتاتے رہے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے لشکر میں گزرے یہ لشکر لوہے میں ڈوبا تھا۔ اور آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

لشکر اسلام سے ابوسفیان کی مرعوبیت

ابوسفیانؓ نے کہا سبحان اللہ اسے عباس یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مہاجرین و انصار آپ کے ہمراہ ہیں۔

اس نے جواب دیا۔ ایسے لوگ اس سے قبل نہ تھے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں سے مقابلہ کی قوت کوئی رکھتا ہے۔

اس کے بعد ابوسفیانؓ واپس گیا، جب قریش کے پاس پہنچا۔ تو زور سے آواز دی۔ اے قریش کے گروہ یہ محمدؐ ایسا بڑا لشکر لے کر آگئے کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اس لئے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

ان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ اٹھی اس نے ان کی مونچھ پکڑلی۔ اور کہنے لگی اس تیز چربی والے بھونڈے پنڈلیوں والے کو قتل کردو۔

انہوں نے جواب دیا۔ تمہارا ناس ہو۔ تمہیں دھوکہ نہ ہو۔ یہ تم میں سے ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اس قدر لشکر لے کر آئے ہیں۔ کہ تم سے ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد (حرام) میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔

قریش کہنے لگے، اللہ تجھے ہلاک کرے نیز گھر ہمارے لئے کیسے کفایت کرے گا؟

انہوں نے جواب دیا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہوا اسے امان ہے۔

چنانچہ لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔

اگر کوئی مقابلہ کرے توڑ کر لڑو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے وہاں آپ کا خیمہ لگا دیا گیا اور آپ نے خالدؓ بن ولید کو زیریں حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ دائیں جانب تھے ان میں اسلم، سلیم، غفار، مدینہ

جہلینہ اور دوسرے عرب قبائل تھے - حضرت ابو عبیدہؓ پیدل والوں کے ساتھ تھے ان کے پاس ہتھیار نہ تھے آپؐ نے حضرت خالدؓ اور ان کے اصحاب سے فرمایا کہ اگر قریش میں سے کوئی مقابلے پر آئے - تو اسے پیس کر رکھ دو - یہاں تک کہ صفا کے مقام پر مجھ سے آن ملو - چنانچہ جو بھی ان کے مقابلے پر آیا - انہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا -

قریش کے سفہا کی جنگی تیاریاں

پھر قریش کے چند سفہا جمع ہوئے - جو عکرمہ بن ابی جہل - صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ خندمہ میں آئے - تاکہ مسلمانوں سے جنگ کریں جماس بن قیس جو بنو بکر میں سے تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دخولِ مکہ سے قبل ہتھیار تیز کرنے لگا - اس کی بیوی نے پوچھا یہ ہتھیار کس لیے تیار کر رہے ؟

وہ بولا محمدؐ اور اس کے اصحاب کے لیے -

اس نے جواب دیا - محمدؐ اور اس کے اصحاب کے مقابلہ پر کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی -

وہ کہنے لگا ، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تیرے لیے ان میں سے بعض خادم لے آؤں گا پھر اس نے بہادری جتانے کے لیے چند شعر پڑھے -

اس کے بعد صفوان - عکرمہ اور سہیل بن عمرو کے پاس خندمہ چلا گیا - جب مسلمانوں سے سامنا ہوا - معمولی سا قتال ہوا ، تو کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن ربیعہ شہید ہو گئے - یہ دونوں خالدؓ بن ولید کے دستے کے ساتھ تھے - لیکن ان سے الگ ہو کر دوسرے راستے چل پڑے تھے ، اس لیے دونوں شہید ہوئے اور مشرکین کے بارہ آدمی داخل جہنم ہوئے - اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے ان میں حماس ہتھیار تیز کرنے والا بھی تھا -

جب وہ بھاگ کر گھر میں داخل ہوا ، تو بیوی سے کہنے لگا - مجھ پر دروازہ بند کر دو - وہ کہنے لگی - وہ شیخیاں کہاں گئیں ؟ تو اس نے میدانِ جنگ کی دہشت کا نقشہ بناتے ہوئے چند اشعار پڑھے اور خاموش ہو گیا - آخر کار

مسجد کے قریب حجوں کے مقام پر رسول اللہ علیہ وسلّم کا جھنڈا گاڑ دیا گیا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اٹھے مہاجرین اور انصار آپؐ کے آگے پیچھے دائیں بائیں تھے۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے حجر اسود کی طرف تشریف لائے اور استلام کیا (بوسہ دیا) پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ بیت اللہ کے گرد پھرے اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے آپؐ انہیں کمان سے مارتے اور یہ آیت پڑھتے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے اور بت چہروں کے بل گرتے جاتے آپؐ نے سواری پر چڑھ کر طواف کیا اور طواف پر ہی اقتصاد فرمایا۔

کلید بردار کعبہ کی طلبی

طواف ختم کرنے کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور اس سے کعبہ کی کنجی لے لی اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ دروازہ کھولا گیا اور آپؐ کعبہ کے اندر داخل ہوئے آپؐ نے وہاں تصویریں دیکھیں، ایک جگہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں۔ کہ ازلام سے تقسیم کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! اللہ انہیں (مشرکین کو) ہلاک کرے۔ انہوں (ابراہیمؑ اسماعیلؑ) نے کبھی بھی یہ کام نہیں کیا۔

کعبہ میں آپؐ نے لکڑی کا کبوتر دیکھا۔ آپؐ نے اسے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا، اور تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے اپنے اور اسامہؓ اور بلالؓ کے لیے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ اور دروازے کے بالمقابل دیوار کی طرف آپؐ نے رخ کر لیا، یہاں تک کہ آپؐ کے اور دیوار کے درمیان میں تین ذراع کا فاصلہ رہ گیا۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر وہاں نماز پڑھی پھر بیت اللہ کا چکر لگایا۔ اور اس کی اطراف میں تکبیر کہی اور اللہ کی توحید بیان کی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

خطا کار اور مجرم فاتح کے سامنے

اتنے میں قریش سے مسجد بھر گئی اور وہ قطاروں میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ کہ اب آپؐ کیا سلوک کرتے ہیں؟ آپؐ نے دروازے کے دونوں اطراف کو پکڑ لیا۔ قریش نیچے تھے۔

آپؐ نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس نے وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی گروہوں کو شکست دی یاد رکھو۔ مال یا خون میرے ان دونوں قوموں کے نیچے نہیں۔ سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کی شفایت کے (یعنی پانی پلانا) یاد رکھو قتل خطا میں دیت مغلظہ ہوئی جو سو اونٹ ہوں گے جن میں سے چالیس حاملہ ہوں گے اے قریش کی جماعت بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر بڑائی ہٹا دی۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور مٹی سے بنے تھے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ہم نے تمہیں نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کیا۔ اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ پہچانے جاسکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔

اے قریش کی جماعت تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا۔ آپؐ شریف بھائی۔ شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ (ہمیں آپؐ سے) اچھی توقعات ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کہ میں تم سے اسی طرح کہتا ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لاتثریب علیکم الیوم، آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔

پھر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ آپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول دربانی اور سقایہ ہم میں جمع کر دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ اسے بلایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اے عثمان یہ لو اپنی کنجی آج نیکی اور وفا

کا دن ہے طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ سے مروی ہے - انہوں نے بتایا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں پیر اور جمعرات کو کعبہ مشرفہ کو کھولتے تھے - ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے - آپ لوگوں کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ مگر میں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اور سختی سے پیش آیا -

لیکن آپ نے حلم اختیار کیے رکھا پھر فرمایا!

اے عثمان شاید تو دیکھے گا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی - اور جسے میں چاہوں گا دوں گا -

میں نے کہا! تو اس دن قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے؟

آپ نے فرمایا! نہیں بلکہ اس دن بعزت مند اور آباد ہوں گے -

پھر آپ کعبہ میں داخل ہو گئے اور میرے قلب میں ان کی یہ بات اٹک کر رہ گئی - اور میں اسی وقت سمجھ گیا کہ یہ کام اسی طرح ہو گا جیسے آپ نے فرمایا ہے، جب فتح کا دن آیا، تو آپ نے فرمایا - اے عثمان کنجی لاؤ - میں لے کر حاضر ہوا - آپ نے اسے میرے ہاتھ سے لے لیا - اور پھر واپس کر دی اور فرمایا، اسے لو ہمیشہ کے لیے نسلاً بعد نسلاً ظالم کے سوا کوئی تم سے نہ چھینے گا، اے عثمان اللہ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے - اس لیے اس گھر سے جوئے نیکی کے ساتھ کھاؤ - راوی کہتے ہیں کہ جب میں لوٹا - تو آپ نے مجھے آواز دی - میں واپس آپ کی طرف گیا - آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا؟ (عثمان بن طلحہ) کہتے ہیں - کہ پھر مجھے مکہ میں ہجرت سے قبل آپ کا قول یاد آ گیا - کہ تو شاید تو دیکھے گا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور جسے میں چاہوں گا دوں گا؟ میں نے عرض کیا ہاں! میں گواہی دیتا ہوں - کہ آپ اللہ کے رسول ہیں -

آں حضرت ام ہانی کے گھر میں

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی رض کے گھر میں داخل ہو گئے - آپ نے وہاں

غسل فرمایا۔ اور انہی کے گھر میں آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے بعض لوگوں نے اسے صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ نماز فتح تھی اور امراء اسلام کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ جب کوئی شہر یا قلعہ فتح کرتے، تو فتح کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقتداء کرتے ہوئے آٹھ رکعات نماز فتح پڑھا کرتے۔

وہ لوگ جنہیں اماں نہیں ملی

جب مکہ فتح ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے نو آدمیوں کے سوا تمام لوگوں کو امان دے دی ان نو کے متعلق آپؐ نے فرمایا یہ اگر کعبہ کے پردوں کے نیچے ملیں تو بھی انہیں قتل کر دو۔

ان کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔

عکرمہ بن ابی جہل۔

عبدالعزیٰ بن خطل۔

حارث بن نفیل بن وہب۔

مقیس بن صبابہ

ہبار بن اسود۔

ابن خطل کی دو لونڈیاں۔ جو گا گا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجو کیا کرتی تھیں۔

اور سارہ جو بنو عبدالمطلب کی ایک لونڈی تھی۔

چنانچہ ابن ابی سرح سلام لے آیا اور حضرت عثمانؓ بن عفان اسے لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے لئے امان لے دی، آپ نے اسے روک رکھا تاکہ کہیں کوئی صحابی اسے قتل نہ کر دے۔ اس آدمی نے اس سے قبل بھی مسلمان ہو کر، ہجرت کی تھی، اس کے بعد پھر مرتد ہوا اور مکہ واپس لوٹ آیا۔ عکرمہ بن ابی جہل بھاگ گیا لیکن اس کی بیوی نے اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کر لی چنانچہ یہ حال نہ ہوا اور مسلمان ہو گیا اور ابن خطل حارث مقیس اور ایک لونڈی یہ سب قتل ہو گئے۔ مقیس اس سے قبل اسلام لا کر مرتد ہو چکا تھا۔ اس نے قتل بھی کیا تھا

اور مشرکین سے مل گیا تھا۔ ہبار بن اسود نے بھی اسلام قبول کر لیا اور ایک لونڈی اور سارہ کے لئے اس نے امان حاصل کر لی۔ آپ نے ان دونوں کو امان دے دی۔ چنانچہ یہ دونوں مسلمان ہو گئیں۔

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور خوب طرح تمجید بیان کی پھر فرمایا۔

”اے لوگو! جس دن سے زمین و آسمان پیدا ہوئے (اسی دن سے) اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا اس لئے قیامت کے دن تک اللہ کی حرمت کے باعث یہ شہر قابل احترام ہے، کسی مومن کو جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا کوئی درخت کاٹ دے اس لئے اگر کوئی میرے قتال کے باعث اس کی رخصت دے تو کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کا اذن دیا تھا اور تمہیں اذن نہیں دیا اور میرے لئے دن کی ایک ساعت میں (یہ کام) جائز کیا اور کل کی طرح آج اس کی حرمت لوٹ آئی پس موجودہ کو چاہیئے کہ وہ غائب کو پہنچا دے۔

انصار مدینہ کی تشویش

جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور جائے پیدائش تھا، اس لئے انصار آپس میں باتیں کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علاقے اور اپنے شہر پر فتح عطا کرے گا تو وہ اسی شہر میں رہائش پذیر ہو جائیں۔

اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہے تھے، جب آپ دعا سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا، تم نے کیا کہا!

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول کچھ نہیں،

آپ کے اصرار پر انہوں نے بتا دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری زندگی اور موت اب تمہارے ساتھ ہی ہے۔

قاتلانہ حملہ کی تیاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر بن ملاح نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، جب آپ کے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا فضالہ ہے؟ اس نے کہا، ہاں اے اللہ کے رسول۔

آپؐ نے فرمایا: تو اپنے دل میں کیا سوچ رہا تھا؟

اس نے کہا کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، پھر آپؐ نے فرمایا، اللہ سے بخشش چاہو۔ پھر آپؐ نے اس کے سینہ پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا۔ اس کے دل کو سکون ہو گیا۔

فضالہ کہتے، میں خدا کی قسم آپؐ نے ہاتھ اٹھایا بھی نہ تھا کہ میرا سینہ ایسے ہو گیا کہ اللہ کی تمام مخلوق میں سے آپؐ مجھے سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو توڑنے کے لئے سرایا بھیجے جو کعبہ کے ارد گرد تھے۔ چنانچہ تمام بت توڑ دیئے گئے جن میں لات اور عزیٰ بھی تھے اور منات ثالثہ بھی انہیں میں شامل تھا۔

منادی کرنے والے نے منادی کر دی۔ کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر میں کوئی صنم (بت) نہ رہنے دے بلکہ اسے توڑ دے۔ نیز آپؐ نے خالد بن ولیدؓ کو عزیٰ کی طرف بھیجا ابھی رمضان میں پانچ دن باقی تھے۔ تاکہ اسے توڑ کر ختم کر دیا جائے (خالدؓ بن ولید) تیس سواروں کے ہمراہ نکلے۔ اور وہاں پہنچ کر اسے توڑ دیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تم نے کوئی چیز دیکھی ہے؟

انہوں نے جواب دیا نہیں۔

آپؐ نے فرمایا۔ تم نے اسے ابھی تک تباہ نہیں کیا، اس لئے لوٹ کر جاؤ اور تباہ کر دو۔

حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور سخت غیظ میں تھے، انہوں نے تلوار میان سے

نکال رکھی تھی۔ اچانک ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھیرے سامنے آئی، جس کے بال کھلے تھے اور دربان اس کے ساتھ چیخنے لگا۔ حضرت خالدؓ نے اس پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس واپس ہوگئے، اور اطلاع کی۔

آپؐ نے فرمایا: ہاں یہ عزیٰ تھی اور یہ مایوس ہوگئی کہ تمہارے شہر میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

اور ایک کھجور کے درخت کے پاس بت تھا۔ یہ قریش اور تمام بنی کنانہ کا بت تھا اور ان کے نزدیک سب سے بڑا بت یہی تھا، بنی شیبان اس کے دربان تھے

بُت شکنی پھر آپؐ نے عمروؓ بن عاص کو سواع کی طرف بھیجا۔ یہ ہذیل کا بت تھا تاکہ اسے توڑ دیا جائے۔ عمروؓ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو اس کا دربان وہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کیا ارادہ ہے۔

میں نے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے کہ اسے توڑ دوں۔

وہ کہنے لگا؟ تم اس کی قدرت نہیں رکھتے۔ میں نے کہا کیوں؟

کہنے لگا! وہ اپنا بچاؤ کرے گا۔ میں نے کہا اب تک؟ تو غلط ہے تیرا ناس ہو، کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ (عمروؓ) فرماتے ہیں کہ میں قریب ہوا اور اسے توڑ دیا اور میں نے اپنے اصحاب کو حکم دیا اسے گرا دو، انہوں نے گرا دیا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ میں نے پھر دربان کو کہا، کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، میں اللہ پر ایمان لے آیا۔

پھر آپؐ نے سعدؓ بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف بھیجا۔ یہ اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا اور قدید کے قریب تھا، حضرت سعدؓ اس طرف گئے۔ ان کی طرف بھی ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھیرے نکلی اور اپنا سینہ پیٹ

رہی تھی اور واویلا مچا رہی تھی ، پاہر بیدار نے اسے خطاب کر کے کہا۔
اسے مناۃ اپنے نافرمانوں سے مقابلہ کرو، حضرت سعدؓ نے اسے قتل کر دیا اور
بت کی طرف بڑھے اور اسے توڑ دیا اور اس کے خزانہ میں کچھ نہ ملا۔

بنوجذیمہ کی طرف خالد بن ولید کا سریہ

جب حضرت خالدؓ بن ولید عزیٰ کو لوٹ کر واپس ہوئے تو صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامتِ مکہ کے دوران میں خالدؓ بن ولید کو بنوجذیمہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا مگر جنگ کے لیے نہیں

خالد تین سو پچاس مہاجرین وانصار کے ہمراہ نکلے۔ بنی سلیم بھی ان کے ہمراہ تھے وہاں پہنچے تو پوچھا تم کون ہو؟

انہوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے نماز پڑھی۔ محمدؐ کی تصدیق کی اور اپنے علاقے میں مساجد بنائیں اور ان میں اذانیں دیں۔

انہوں نے پوچھا تمہارے بدن پر ہتھیار کیسے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ہمارے اور عرب قوم کے درمیان عداوت ہے، ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں وہی ہمارے دشمن نہ ہوں۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے گھبراہٹ میں کہا ہم صابی ہوگئے ہم صابی ہوگئے اور اچھے انداز سے یوں نہ کہا کہ ہم مسلمان ہوگئے۔

اس گفتگو کے بعد انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔

پھر خالدؓ نے حکم دیا انہیں گرفتار کرلو۔ وہ گرفتار کر لیے گئے۔ اور بعض کو باندھ دیا اور انہیں اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ جب سحر ہوئی تو خالد بن ولید نے آواز دی کہ جس کے ساتھ کوئی قیدی ہو اسے قتل کر دو۔ بنوسلیم نے اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کردیا۔ اور مہاجرین وانصار نے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

خالدؓ کے فعل سے آپؐ کی برأت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالدؓ بن ولید کے اس فعل کی خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا۔

"اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں"

پھر حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ ان کے مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

حضرت خالدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف میں تلخ کلامی

حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا اے خالد ٹھہرو۔ میرے صحابہؓ کو اپنی ایذا سے (محفوظ) رکھو اللہ کی قسم اگر احد کا پہاڑ سونا بن جائے اور تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو بھی میرے ایک صحابی کے صبح یا شام کو (اللہ کی راہ میں نکلنے کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت حسانؓ کی شعر خوانی

پھر حضرت حسان بن ثابت نے عمرو حدیبیہ کے متعلق اشعار پڑھے اور ان میں کفار کی ہجو کا بھرپور جواب دیا اور انہیں مسلمانوں کے لشکر کے عزائم اور قوت حرب سے آگاہ کیا اور کفار کو سخت ترین طعن اور ملامت کی۔

فتح مکّہ اور دوسرے غزوات سے

اہم فقہی مسائل کا استنباط

صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا مقدمہ اور تمہید تھی۔ اس عہد نامہ سے لوگوں کو امان مل گئی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ کا موقع ہاتھ آیا۔ اور مکہ میں جو مسلمان اظہار اسلام سے ڈرتے تھے اور اس کے متعلق دعوت دینے اور مباحثہ کرنے سے خوف محسوس کرتے تھے۔ وہ دور ہوگیا۔ اس وجہ سے ایک کثیر تعداد اسلام میں داخل ہوگئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿انا فتحنا لك فتحا مبينا﴾ اور یہ سورہ حدیبیہ کی صلح کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں!

اہل حرب سے عہد کے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اہل عہد اگر جنگ کریں جو قوم امام المسلمین کے ساتھ عہد کرکے ذمی بن چکے اور امام کی پناہ میں آچکے ہیں تو اس حرکت کے باعث وہ محارب کہلائیں گے اور ان کے درمیان اور اس امام کے درمیان معاہدہ ختم ہو جائے گا اس لیے امام کو جائز ہوگا کہ ان کے علاقے میں رات گذارے اور انہیں اس کی اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہیں۔

ہاں جب ان سے خیانت کا خطرہ ہو تو پھر اطلاع دے دینی ضروری ہو گی۔ اور جب خیانت پائی جائے تو انہیں عہد شکن سمجھا جائے گا۔

نقض عہد کی سزا

نیز اس سے ناقض عہد کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس پر رضامندی ظاہر کریں اور اقرار کریں اور انکار نہ کریں، تو تمام افراد کو عہد شکن سمجھا جائے گا کیونکہ قریش میں سے بعض لوگوں نے بنو بکر کی حمایت کی اور قریش کے تمام افراد نے ان کے ہمراہ مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ جنگ کی۔ یہ اس لیے تھا جیسے تمام قریش عہد کرتے وقت عہد میں تبعاً شریک ہو گئے۔ اور جب انہوں نے صلح پر رضا و اقرار کیا تو کوئی فرد بھی الگ نہ رہا۔ اسی طرح عہد شکنی کے موقعہ پر ہوا۔ یہی نبی اقدس صلی اللہ وسلم کی سنت طیبہ ہے۔

معاہدہ صلح و جنگ میں پوری قوم شریک ہو گی

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنو قریظہ سے جنگ کی، اور کسی آدمی سے دریافت نہیں فرمایا کہ کیا اس نے عہد شکنی کی تھی یا نہیں؟ اسی طریقہ پر بنو نضیر کا اخراج بھی عمل میں آیا اور یہی صائب رائے ہے اور یہی احمد رحمۃ اللہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

اہل حرب کے ساتھ مدت معاہدہ

اسی سے اہل حرب کے ساتھ دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ کر لینے کا جواز نکلتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس سے زیادہ مدت کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

صحیح یہ ہے کہ مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔ مثلاً مسلمانوں میں کمزوری ہو اور دشمن ان سے زیادہ طاقتور ہو۔ اس صورت میں دس برس سے مدت کی زیادتی مصلحت اسلام کی صواب دید پر ہو گی۔

امام کی خاموشی رضامندی نہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سے ناجائز یا غیر واجب بات کے لیے پوچھا جائے

اور وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی رضامندی نہیں بن سکتی ۔ جیسے ابو سفیان نے صلی اللہ علیہ وسلّم سے تجدید عہد کی درخواست کی ۔ آپؐ خاموش رہے، تو آپؐ کی خاموشی سے تجدید عہد کا فائدہ نہ اٹھایا جا سکا ۔

کفار کے قاصد قتل نہیں کیے جاسکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ابو سفیان پر عہد شکنی کے باعث حد ثابت ہو چکی تھی ، لیکن چونکہ وہ اپنی قوم کی جانب سے قاصد بن کر آیا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے قتل نہیں کیا ۔

محاربین کفار پر اچانک حملہ جائز ہے نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ملک میں شب گزارنا اور ان پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے جب کہ انہیں دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سرایا کفار کے علاقہ میں رات گزارتے اور جب انہیں دعوت پہنچ جاتی تو ان پر غارت گری بھی کرتے ۔

جاسوس کے قتل کا جواز نیز اس میں جاسوس کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے اگرچہ مسلمان ہو کیونکہ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے حاطب بن ابی بلتعہ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی ۔ جب انہوں نے اہل مکہ کو خبر بھیجی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ مسلمان ہے اس کا قتل جائز نہیں، بلکہ فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا، تو فرمایا، اب تم جو چاہو کرو، یعنی جواب دیا کہ ان کے قتل میں ایک رکاوٹ ہے اور وہ بدر میں حاضری ہے ۔ اس جواب سے جاسوس کے قتل کے جواز کا ثبوت ملتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے اس قسم کی رکاوٹ نہ ہو ۔ امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق احمدؒ کا بھی مذہب ہے ۔ شافعیؒ اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے ۔ اور احمدؒ کا ظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ دونوں فریق حاطبؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا قتل امام کی رائے پر منحصر ہوگا ۔ اگر امام اس کے قتل میں مسلمانوں کی مصلحت سمجھے

تو اسے قتل کر دے اور اگر اس کا زندہ رکھنا فائدہ بخش ہو تو قتل نہ کرے، واللہ اعلم۔

عورت کی تلاشی لی جاسکتی ہے

اس میں عورت کو ضرورت اور مصلحت عامہ کی خاطر برہنہ کرنے کی اجازت بھی ہے۔ (لیکن یہ کام صرف متشرع سپاہی ہی کر سکتے ہیں) کیونکہ علیؓ اور مقدادؓ نے اس عورت سے کہا تھا کہ یا تو مکتوب نکال دے ورنہ ہم ضرور تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔

جذبہ دینی کے باعث کفر کا الزام گناہ نہیں

اس میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول اور دین کی خاطر غصے میں صحیح تاویل سے کافر کہہ دے اور اس میں ذاتی ہوٹی اور حظ نفسانی شامل نہ ہو اس پر قائل کی تکفیر نہ ہوگی۔ بلکہ وہ گناہ گار بھی نہ ہوگا، بلکہ یوں کہیے کہ نیت و قصد صحیح پر اسے ثواب بھی ملے گا، لیکن اہل ہوٹی اور اہل بدعت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو سکتا۔

حسنات سے سیئات مٹ جاتے ہیں

اس میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم کبائر گناہ گاہے گاہے کبائر حسنات سے مٹ جاتے ہیں جیسے حاطب کے شہود بدر نے ان کی جاسوسی کا گناہ مٹا دیا کیونکہ یہ عظیم نیکی جس میں اللہ کی رضا و محبت اور ملائکہ کے سامنے فخرو مباہات ایسی بات ہے کہ اس کے فاعل کی شان اس قدر بلند ہوتی ہے کہ اس کا جاسوسی کا گناہ (اسے کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا) تو گویا قوی نیکی ضعیف گناہ پر غالب آگئی اور طبعی تقاضا کے مطابق اسے زائل اور باطل کر کے رکھ دیا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں برائیاں نیکیوں سے محو ہوتی ہیں۔ اس کا اصول بیان ہوتا ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات، یعنی بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور اللہ کا فرمان ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ "برائی کے بعد نیکی کرو۔ وہ برائی کو مٹا دے گی۔

اب حضرت حاطبؓ کی قوتِ ایمانی کا اندازہ کیجیے جس کے باعث وہ بدر میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنی جان پیش کر دی۔ نیز اپنی قوم اور قبیلہ اور قرابت داروں کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ یہ دشمنوں کے نرغے میں اور ان کے علاقہ میں تھے اس کے باوجود انہوں نے اپنے اہل اور قبیلہ کے مقابلہ سے اعراض نہ کیا اور نہ ان کے پائے ثبات میں تزلزل ہوا اور نہ ایمان و یقین میں نرمی آئی۔ پھر جب جاسوسی کی توتو بر قوتِ (شہود بدر) مقابلے میں آئی چونکہ بحران صالح تھا اس لیے مرض دفع ہو گیا اور مریض اس طرح ہو گیا جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

خوارج کی مثال

اور اس کے برعکس ذوالخویصرہ تمیمی اور اس جیسے خوارج کہ نماز روزہ اور قرأۃ میں جن کی مشقتیں اور محن یہاں تک جا پہنچی ہیں کہ صحابہ بھی ان کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو حقیر جاننے لگے۔ آپؐ نے ان کے متعلق کیسے حکم فرمایا کہ اگر میں نے انہیں پالیا، تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا اور فرمایا انہیں قتل کرو، کیونکہ ان کے قتل کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا اور فرمایا، آسمان کی چھت کے نیچے سب سے بدترین مقتول یہ خوارج ہیں چنانچہ انہیں فاسد عقائد کی وجہ سے ان کے مشقت آمیز اعمال نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا اور خود ہی نجس بن گئے۔

نیز ابلیس کی حالت پر غور کرو، چونکہ مہلک مادہ (کفر) اس کے قلب میں چھپا ہوا تھا اس لیے اسے کی سابقہ طاعات نے کچھ فائدہ نہ دیا اور وہ اپنی بدترین حالت پر لوٹ آیا۔ اس لیے تمام اعمال کا دار و مدار سرائر، مقاصد اور ارادہ اور نیت پر موقوف ہے۔ یہی چیز اعمال کو یا سونا بنا دیتی ہے یا ناپاک اور نجس کر دیتی ہے اور توفیق خدا کے ہاتھ ہے جسے کچھ بھی عقل و خرد ہو وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو خوب سمجھ سکتا ہے۔

معاہدین سے جنگ

اس قصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر معاہدین عہد شکنی کریں تو ان پر دفعتہً حملہ کرنا اور انہیں آنے کی اطلاع

دیجئے بغیر ان پر غارت گری کرنا جائز ہے اور جب تک وہ عہد کے پابند رہیں تب تک یہ بات جائز نہیں یہاں تک کہ دونوں فریق مساوی طور پر معاہدے کو توڑ دیں۔

دشمن کے مقابلہ میں شان وشوکت کا اظہار

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی کثرت اور شان وشوکت اور قوت کا اظہار نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ دشمن کے قاصد آئے ہوں جیسے اسلام کے بادشاہوں کا طریقہ ہے اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخلہ کی شب آگ جلانے کا حکم دیا اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو روک لو اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر عساکر اسلام اور توحید کے لشکروں کا معائنہ کرادو اور ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے مسلمان جانثاروں کا گروہ دکھا دو۔

احرام کے بغیر قتال مباح

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں احرام کے بغیر قتال مباح جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان داخل ہوئے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے داخل ہو اسے احرام باندھنا ضروری ہے ان کے علاوہ صورتوں میں اختلاف ہے جب کہ کسی کو بار بار داخلہ کی ضرورت ہو جیسے لکڑہارا یا گھاس بیچنے والا۔

ان کے متعلق تین اقوال ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ انہیں احرام کے بغیر داخل حرم ہونا ناجائز ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول کے مطابق یہی مذہب ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ چونکہ یہ لکڑہارا اور گھاس والا ہے۔ احرام کے بغیر حرم میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے اور ایک روایت امام احمدؒ کی بھی مؤید ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر وہ مواقیت کے اندر رہتا ہو تو احرام کے بغیر داخل ہو سکتا

ہے اور اگر مواقیت سے باہر رہائش پذیر ہو تو احرام کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

مکہ بزور قوت فتح ہوا، صلح سے نہیں

نیز اس میں صاف وضاحت ہے کہ مکہ قوت سے فتح ہوا۔ یہی جمہور اہل علم کی رائے ہے اور شافعیؒ کے سوا اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔ ایک قول کے مطابق احمدؒ بن حنبل کا بھی اختلاف ہے۔

صلح سے فتح ہونے کے قائل کہتے ہیں کہ اگر قوت سے فتح ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے غانمین میں تقسیم فرما دیتے جیسے آپؐ نے خیبر اور تمام دوسری جائدادوں کو تقسیم فرمایا، آپؐ خمس نکالتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے۔ نیز یہ کہ جب ابو سفیان نے اسلام لانے کے بعد اہل مکہ کے لیے امان طلب کی تو آپؐ نے انہیں امان دے دی، یہ گویا عقد صلح ہی تھا اور اگر قوت سے فتح ہوتا تو غانمین اس کی زمینوں اور مکانات کے مالک بن جاتے اور وہ اہلِ مکہؐ سے زیادہ مستحق بھی تھے۔ نیز اہلِ مکہ کا اخراج بھی جائز ہوتا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا، بلکہ مہاجرین کے وہ مکانات بھی واپس نہیں کیے جن سے انہیں نکالا گیا تھا اور انہیں نکالنے والوں کے ہی قبضہ میں رہنے دیا گیا۔ اور ان مکانات کی بیع وشراء اجارہ اور سکونت کو جائز قرار دیا۔ یہ معاملہ قوت سے فتح کرنے کے احکامات سے منافی ہے۔

قوت سے فتح کے قائلین نے کہا ہے کہ اگر آپؐ نے مصالحت سے فتح کیا ہوتا تو ہر آدمی کو اپنے گھر میں داخل ہونے، دروازہ بند کرنے اور ہتھیار ڈالنے سے امان کو مشروط کرنے کا کچھ فائدہ نہ تھا اور نہ خالد بن ولید ان سے مقابلہ کرتے حتیٰ کہ انہوں نے چند آدمی قتل بھی کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز اگر مکہ محض صلح سے فتح ہوتا تو آپؐ یوں نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ

کے لیے دن کی ایک ساعت (مقاتلہ) حلال کر دیا، کیونکہ اگر مصالحت سے مفتوح ہوتا تو اس کی حرمت قائم رہتی کیونکہ مصالحت سے ایک جگہ حرمت سے خارج نہیں ہوا کرتی۔ حالانکہ آپؐ نے بتایا کہ اس گھڑی میں یہ (مقاتلہ) حرام نہ تھا۔ اور جنگ کی ساعت ختم ہونے کے بعد اس کی پہلی حرمت پھر لوٹ آئی۔

نیز اگر یہ محض مصالحت سے فتح ہوتا تو آپؐ اپنے سوار اور پیادہ لشکر دائیں بائیں ہتھیار بند حالت میں نہ رکھتے۔

(مزید براں) آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا، انصار کو میرے پاس بلاؤ۔ انہوں نے آواز دی وہ حاضر ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا، تم قریش کے آوارہ لوگوں اور ان کے اتباع کو دیکھ رہے ہو؟ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا، انہیں مکمل طور پر پیس کے رکھ دو۔ یہاں تک کہ تم مجھے صفا پر ملو، اس پر ابو سفیان کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ قریش کو مباح کر دیا گیا۔ آج کے بعد قریش نہ ہوں گے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دروازہ بند کر دے اسے امان ہے، مصالحت کے ساتھ ساتھ اس قسم کی باتیں محال ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ مکہ قوت سے فتح ہوتا تو یہ غانمین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ تو تب ہوتا کہ زمین غنائم میں شامل ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی خمس نکالنے کے بعد غانمین میں تقسیم فرما دے، حالانکہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد ائمہؒ اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ زمین ان غنائم میں شامل نہیں جن کی تقسیم واجب ہو۔ خلفائے راشدینؓ کی سیرت بھی یہی تھی کیونکہ حضرت بلالؓ اور ان کے اصحابؓ نے جب نئی مفتوحہ زمین کی تقسیم کا مطالبہ کیا جو شام اور اس کے ارد گرد واقع ہر اور کہا کہ اس کا خمس لے لیا جائے، اور باقی کو (لشکر) پر تقسیم کر دیا جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ غیر مال ہے، ہاں میں اسے بطور فی کے روک رکھوں گا، تاکہ تمہیں۔

اور عام مسلمانوں کو فائدہ دے سکے۔ حضرت بلال رضؓ اور ان کے اصحابؓ نے پھر تقسیم کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے دعا کی۔ اے اللہ بلال رضؓ اور ان کے اصحابؓ کو کفائت عطا کر۔ چنانچہ سال بھی نہ گزرا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضرت عمرؓ سے اتفاق کر لیا۔

اسی طرح جب مصر، عراق فارس کا علاقہ اور تمام دیگر ممالک قوت سے فتح ہو گئے ان میں سے خلفائے راشدین نے ایک گاؤں بھی تقسیم نہ فرمایا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا اور ان کی رضا سے انہیں وقف قرار دیا کیونکہ صحابہ رضؓ نے ان سے اس سلسلہ میں نزاع کیا اور حضرت عمر رضؓ مسلسل انکار کرتے رہے اور یہ محض توفیق الٰہی سے ہوا، کیونکہ اگر زمین تقسیم ہو جاتی تو وراثت چل پڑتی اور چلتے چلتے ۔ بستی اور شہر ایک عورت یا ایک چھوٹے بچے کے قبضہ میں رہ جاتا اور جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہ ہوتی۔ اس میں سخت تزین فساد اور ضرور ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی خطرہ تھا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کی تقسیم نہ کرنے کے سبب سے اور اسے وقف قرار دینے سے اہل اسلام کو اس بات کی توفیق بخشی کہ آخری مسلمان بھی جنگ کرنے پر اتر آئے اور اسلام اور اہل اسلام سے تعاون کرتے اور اس کے جھنڈے کی برکت ظاہر ہوئی۔ چنانچہ جمہور ائمہ رحمہم اللہ نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

فتح مکّہ کی شرعی و فقہی نوعیت و حیثیت

رہا مکہ تو اسے تقسیم کر دینے کے سلسلے میں ایک اور مانع نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت میں دوسرے علاقوں کی تقسیم واجب ہوتی تو بھی یہ تقسیم نہ ہوتا، کیونکہ یہ مملوکہ نہیں ہے یہ دار النسک (قربانیوں کا گھر) ہے اور مخلوق کی عبادت گاہ اور پروردگار کریم کا حرم ہے جسے اس نے یہاں کے باشندوں اور باہر والوں کے لیے حرم قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ اللہ کی جانب سے مینے والوں پر وقف ہے۔ اس میں ہر شخص برابر کا حصہ دار ہے اور منیٰ وقوف ہے جو بھی سبقت کر کے پہنچ جائے۔ اسی طرح حرم، اس کے مشاعر مثلاً صفا، مروہ، منیٰ، عرفہ اور مزدلفہ کسی ایک آدمی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام لوگوں میں مشترک نہیں کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادت کی جگہیں ہیں۔ اور اللہ کی جانب سے جائے عبادت اور وقف ہیں۔ اس نے اسے مخلوق کے لیے بنایا۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے منیٰ میں گرمی سے بچنے کے لیے خیمہ لگانے سے منع فرمایا اور فرمایا۔

منیٰ پر اس آدمی کی جائے وقوف ہے جو سبقت کرے اس لیے سلف و خلف کے جمہور ائمہ رح نے یہی فرمایا ہے کہ مکہ کی اراضی کی خرید و فروخت اور وہاں کے مکانات کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ اہل مکہ میں حضرت مجاہد اور عطاء کی یہی [illegible]

اہل مدینہ میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اور اہل عراق میں سے امام ابو حنیفہ رح سفیان ثوری رح۔ امام احمد بن حنبل رح اور اسحٰق رح بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علقمہ رض بن نضلہ سے روایت کیا بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ابو بکر رض اور عمر رض کے عہد میں مکہ کی زمینوں کو سوائب کیا جاتا تھا۔ جو چاہتا ٹھہر جاتا اور جو مستغنی ہو جاتا وہ دوسرے کو ٹھہرا دیتا (کرایہ کے بغیر) نیز انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے مکہ کے مکانات کا کرایہ کھایا وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (دار قطنی مرفوعاً)

نیز اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اس لیے اس کی زمینوں کو بیچنا اور اس کی قیمت کھانا حرام ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن یوسف نے بتایا۔ انہیں عبد الملک نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اہلِ مکہ کے امیر کو خط لکھا جس میں انہوں نے مکہ کے مکانات کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

ایک دوسری دلیل بیع و اجارہ کو جائز سمجھنے والے دلیل دیتے ہیں کہ کتاب اللہ سنتِ رسول اللہ اور آپ کے اصحابؓ اور خلفائے راشدین کا عمل جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم ——— یعنی "فقراء مہاجرین کے لیے کہ جن کو کہ نکالا گیا ان کے گھروں اور اموال سے"

نیز فرمایا والذين هاجروا واخرجوا من ديارهم "یعنی اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالا گیا انہیں ان کے گھروں سے" یعنی ان میں مکانات کی اضافت اہل مکان کی طرف کی گئی۔

یہ اضافت تملیک ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے جب عرض کیا گیا کہ کل آپ کہاں اتریں گے؟ مکہ میں اپنے گھر کے اندر؟

آپ نے فرمایا "کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ رہنے دی ہے؟"

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا یہاں کوئی گھر نہیں بلکہ اضافت کے ساتھ اقرار کر لیا

اور بتایا عقیل اس کے مالک بن چکے ہیں۔ اور آپؐ نے ان سے اُسے چھینا نہیں۔ اور احادیث میں مکانات کی اضافت کئی مقامات پر آتی ہے، جیسے کہ ام ہانی کا گھر۔ حضرت خدیجہؓ کا گھر، ابو احمد بن جحش کا گھر وغیرہ۔ اور پھر یہ وارث بھی بنتے تھے، جیسے منقولہ جائداد کے وارث ہوتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر رہنے دیا؟ اور عقیل اپنے والد ابو طالب کے مکانات کے وارث بنے۔ لیکن علی وارث نہ ہوئے کیونکہ وہ مکان شرع تھا۔ اور حضرت علی مسلمان تھے۔ یہ اختلافِ دین کے باعث وارث نہ بن سکے۔ نیز صفوان بن امیہ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے ہاتھ ایک مکان چار ہزار درہم میں بیچا اور اس کے اسے قیدخانہ بنا لیا۔ پھر جب بیع اور میراث جائز ہے تو کرایہ پر اٹھانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔ لیکن ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ بیع اور نقلِ ملک جو رباع میں ہے وہ دراصل مکانات پر ہو سکتی ہے اور مکہؔ کی زمین پر نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کہا جائے کہ کرایہ کو منع کیا اور بیع کو ناجائز قرار دیا۔ کیا شریعت اور معہود شریف میں اس کی کوئی مثال ہے؟ کیا کہ اجارہ بیع سے وسیع تر ہے لیکن کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بیع ممنوع ہو اور اجارہ جائز ہو جیسے وقف اور حرارت۔

اس کا جواب یہ ہوگا، بیع اور اجارہ ہر ایک مستقل عقد ہے جو دوسرے کے جواز ممانعت کو مستلزم نہیں بن سکتا۔ ان کے مواقع احکام بھی مختلف ہیں۔ بیع جائز ہے اس لیے کہ بائع نے ایک فعل کے ساتھ اسے یعنی مکان بنا کر مخصوص کر دیا ہے اور اجارہ منفعت میں شمار ہوگا اور یہ مشترک چیز ہے۔ اور جو بھی سبقت کر کے آجائے اسے معاوضہ دیئے بغیر وقوف کا حق پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے بیع کو جائز کہا اور اجارہ (کرایہ) کو ناجائز قرار دیا۔ اور اگر تم مثال کے [illegible] کی مثال مکاتب میں ملتی ہے کہ اس کے آقا کو اس مکاتب غلام کی بیع جائز ہے اور اب یہ نئے خریدار کے پاس مکاتب غلام ہوگا اور اسے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوتا کیونکہ اس میں اس کے منافع باطل ہوتے ہیں۔ اور عقدِ کتابت کتابت کے بعد اس کی ملکیت

کسیہ پیوند پڑتی ہے۔

مزارع عین مکہ پر خراج اور جب مکہ قوت کے بل پر مفتوح ہوا تو کیا اس کے مزارع عین پر خراج عائد کرنا جائز ہو گا جیسے مکہ تمام دیگر اراضی عنوہ (قوت سے مفتوحہ) کا معاملہ ہے؟

اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ منصوص بات کے بغیر کوئی قول جائز نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مزارع پر خراج نہ ہو گا۔ اگرچہ اسے قوت سے فتح کیا گیا۔ کیونکہ یہ زمین اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس پر خراج عاید کیا جائے۔ خراج دراصل زمین کا جزیہ ہوتا ہے اور یہ زمین پر عاید کیا جاتا ہے جیسے صاحب استطاعت اصحاب پر جزیہ عاید کیا جاتا ہے اور پروردگار کا حرم اس بات سے بلند و برتر ہے، کہ اس پر جزیہ عائد کیا جائے اور فتح ہونے کے بعد مکہ کی زمین لوٹ کر دوبارہ امن والی حرم بن چکی ہے، جس میں تمام اہلِ اسلام مشترک طور پر حصہ دار ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادات کی جگہ ہے اور اہل زمین کا قبلہ ہے۔

دوسرا قول اصحاب احمدؒ کا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مزارع پر خراج عاید ہو گا جیسے دیگر علاقوں کے مزارعین پر عاید ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمدؒ کی نص کے خلاف اور غلط ہے۔ نیز یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے یہ آخری قول ناقابل التفات ہے۔

فتح کے دوسرے روز کے خطبہ میں علمی جواہر پارے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ حرم ہے اور اسے لوگوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے۔ اس لیے اس کی تحریم شرعی قدیمی ہے۔ اس عالم کی پیدائش سے قبل ہی اس کی حرمت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کا اظہار ہوا جیسے صحیح روایت

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا:

اے اللہ تیرے خلیل ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم کہا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں"

یہ روایت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کی حرمت کا اظہار ہوا جو کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل ہی مقدر ہو چکی تھی۔ اس لیے اہل اسلام میں سے کسی نے بھی اس کی حرمت کا انکار نہیں کیا۔ اگرچہ مدینہ کی حرمت میں قدرے نزاع کیا ہے، اور صائب رائے میں اس کی تحریم بھی ثابت ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس سے زیادہ احادیث مروی ہیں جن میں کسی طرح کا طعن نہیں۔

حرم میں کوئی خون مباح نہیں

نیز آپ نے فرمایا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس تحریم کے باعث ایسا خون بہائے جو دوسری جگہ مباح ہو سکتا ہے یہاں اس مقام کی حرمت کے باعث حرام ہو گا جیسے یہاں پر درخت کاٹنا۔

گری پڑی چیز بھی نہ اٹھاؤ

لقطہ (گری چیز) کو اٹھانا حرام ہے اور یہ یہیں مخصوص ہے اور دوسری جگہ مباح ہے۔ اس کی کئی انواع ہیں۔ ایک وہ جو ابو شریح عدوی نے بتایا ہے۔ اس وجہ سے وہ گروہ جو امام کی بیعت سے انکار کرتا ہے۔ اس سے جنگ نہ کی جائے گی۔ خصوصاً اس حالت میں جب اس کے پاس کوئی تاویل بھی ہو جیسے اہل مکہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت ابن زبیرؓ کی بیعت کرلی۔ چنانچہ ان سے جنگ کرنا اور نص و اجماع سے اللہ کے حرم کو حلال کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ ایک خبیث فاسق عمرو بن سعد اور اس کے گروہ نے اپنی رائے اور خواہش نفس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی مخالفت کی اور کہنے لگا۔

حرم نافرمان کو نہیں بچاتا، چنانچہ اسے جواب دیا جاتا کہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچاتا، اور اگر لوگوں کو خون بہانے سے بھی نہ بچائے تو حرم ہی نہ رہے گا اور اگر یہ پرندوں اور چوپاؤں کے لیے بھی حرم ہے تو آدمیوں کے لیے بدرجہ اولیٰ حرم ہی نہ رہے گا اور واقعہ یہ ہے کہ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر عصاۃ کو بچا رہا ہے

اور اسلام نے بھی اسی کو قائم رکھا۔ باغی تقیبس بن حبابہ اور ابن حنظل اور ان کے ہمراہیوں کو نہیں بچایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس ساعت میں یہ حرم نہ تھا۔ بلکہ حل بن چکا تھا جب ساعت حرب ختم ہو گئی تو وہی حرمت لوٹ آئی جو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تھی اور عرب بھی زمانہ جاہلیت میں اگر اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو حرم میں دیکھتے تو کچھ نہ کہتے اور یہ چیز ان میں مخصوص طور پر پائی جاتی تھی جس سے یہ حرم ہو گیا۔ اس کے بعد جب اسلام آیا۔ اس نے اس کی تاکید کی اور اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اپنے والد خطاب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں حرم میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو دیکھ لوں تو اسے بالکل نہ چھیڑوں۔ یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ اگر میں یہاں عمرؓ کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی اس سے تعرض نہ کروں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر میں حرم میں اپنے والد کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی یہاں سے نکل جانے تک سے کچھ نہ کہوں۔

جمہور تابعین اور ان کے بعد کے علمائے کرام کا یہی قول ہے بلکہ کسی تابعیؒ یا صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ ابو حنیفہؒ اور اہل عراق امام احمد اور دیگر اہل حدیث کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعی کے اقوال

اور امام مالکؒ اور شافعی کا قول یہ ہے اس کی حرم میں بھی ویسے ہی گرفت کی جائے گی جیسے حل میں ہوتی ہے۔ ابن منذرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ رہا یہ قول کہ حرم نافرمان کو نہیں بچاتا۔ یہ عمرو بن سعد فاسق اور کلام جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر پیش کرتا تھا اور یہ کہتا کہ حرم اسے نہیں بچاتا جو حرم کے اندر فساد کر کے حرم کی ہتک کرتا ہے کیونکہ وہ ایسی حرکت کا مرتکب ہوا۔ جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہو گئی ایسے حرم کی طرف پناہ لینے والا خواب دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے

رسولؐ اور صحابہؓ نے ان دونوں صورتوں میں کیا فرق کیا ہے؟ امام احمدؒ نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہیں ابن طاؤس سے انہیں اپنے والد سے انہیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت پہنچی۔ فرمایا کہ جس نے حل میں چوری کی یا قتل کیا۔ پھر وہ حرم میں داخل ہو گیا تو نہ اس کے پاس بیٹھو اور نہ بات چیت کرو، حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل جائے۔ نکل جانے کے بعد اسے پکڑ کر اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر اس نے حرم کے اندر چوری کی یا قتل کیا تو اس پر حرم ہی میں حد قائم کی جائے گی۔

اثرمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جو حرم کے اندر کوئی جرم کرے اسے حرم ہی میں جرم کی سزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو حرم میں قتل کرے اسے (حرم میں) ہی قتل کر دیا جائے۔ فرمایا: وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ۔

حرم میں پناہ لینے کا مسئلہ

اب پناہ لینے اور (حرم) میں ہتک کرنے والے میں فرق کئی وجوہ سے ہے، ایک یہ ہے کہ حرم میں جرم کرنے والا، اس کے اندر جرم کر کے حرم کی حرمت توڑنے کا مجرم ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جو حرم سے باہر جرم کرے اور پھر حرم میں پناہ لے لے کیونکہ وہ حرم کی عزت کرنے والا اور یہاں پناہ لے کر اس کا احترام کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا باطل ہے۔

دوسرے یہ کہ مجرم کی حیثیت ایسی ہے کہ اس نے بادشاہ کے گھر میں اس کے حرم میں اور اس کے دسترخوان (کرم) پر جرم کیا ہے اور جو باہر جرم کر کے یہاں آکر پناہ چاہے اس کا معاملہ اس طرح ہے جیسے کہ ایک آدمی نے بادشاہ کی بساط و حرم سے جرم کیا اس کے بعد پناہ لینے کے لیے حرم میں داخل ہو گیا۔

تیسرے جرم میں جرم کرنے والا ایسا ہے جس نے اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کے حرم اور بیت اللہ کی توہین کی، گویا وہ دوسرا جرم ہے۔ بخلاف دوسرے کے کہ اس کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ اگر جرائم پیشہ لوگوں پر حرم میں سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حرم میں فساد ہو جائے گا اور ایک عظیم شر پیدا ہو جائے گا، کیونکہ دوسروں کی طرح اہل حرم بھی اپنی جان و مال اور عزت کو بچانا چاہتے ہیں اور اب اگر جرائم کے مرتکب پر حرم کے اندر ہی سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حدود معطل ہو کر رہ جائیں گے اور حرم اور اہل حرم کو ضرر عمومی پہنچے گا۔

حرم کے درخت نہ کاٹے جائیں

نیز آپؐ نے فرمایا کہ یہاں درخت نہ کاٹا جائے گا دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کانٹا بھی نہ توڑا جائے۔ اس میں اختلاف نہیں کہ خشکی کا وہ درخت جس کو آدمی خود کاشت نہ کرے یہاں وہ مراد ہے۔ البتہ جسے آدمی خود حرم میں کاشت کرے اس میں اختلاف ہے اور اس صورت میں تین اقوال ملتے ہیں۔

ایک قول احمدؒ کے مذہب میں یہ ہے کہ انسان کو اکھاڑنے کی اجازت ہے اور اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ابن عقیل اور ابی خطاب وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول اسے اکھیڑنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسا کیا تو ہر حالت میں اس پر ضمان ہوگا۔ یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ابن بنار نے خصال ثالث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے جو حل میں اگایا جائے اور پھر حرم میں بو دیا جائے ان میں فرق ہے یا جو ابتدا ہی میں حرم کے اندر بو دیا جائے۔ چنانچہ پہلی صورت میں ضمان نہ ہوگا اور دوسری صورت میں اسے اکھاڑنے کی اجازت نہیں اور اس پر قطعاً ضمان لازم آئے گا۔ یہ قاضی کا قول ہے۔

ایک چوتھا قول بھی ہے۔ وہ یہ کہ بعض پودے آدمی اپنے مطلب کے اگاتا ہے اور کھجور وغیرہ اور بعض ایسے ہی جو اس جنس کے نہیں ہوتے اور آدمی اسے کاشت نہیں کرتے۔ پہلی صورت میں ان کا اکھاڑنا جائز ہے اور اس میں ضمان نہیں۔ دوسری صورت اکھاڑنا جائز نہیں اور اس میں ضمان ادا کرنا ہوگا۔

نیز حدیث نے سبز اور خشک میں فرق نہیں کیا لیکن علمائے کرام نے خشک کے کاٹنے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ خشک پودے مردے کے قائم مقام ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

خود بخود درخت گر جائے تو انتفاع جائز ہے

نیز حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جب درخت خود بخود اکھڑ جائے یا اس کی ایک شاخ ٹوٹ جائے اس سے استفادہ جائز ہے کہا جاتا ہے کہ امام احمدؒ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا، تو آپؒ نے فرمایا کہ جس نے ایسے شکار سے تشبیہ دی ہے، وہ اس کی لکڑی سے انتفاع نہیں کرتا اور فرمایا، میں نے نہیں سنا کہ کٹ جانے کے بعد اس نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ غیر قاطع کو اس سے انتفاع جائز ہے کیونکہ یہ اس کے فعل کے بغیر کٹ گیا۔ اس لیے اسے انتفاع کا حق حاصل ہے، جیسے کہ آندھی سے اکھڑ جائے۔ پتے کاٹنے کی صحت کے بارے میں بھی صراحت موجود ہے۔ امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسے پتے لینے کا حق ہے۔ عطاءؒ سے بھی یہی مروی ہے لیکن ظاہر نص اور قیاس کے اعتبار سے پہلی صورت زیادہ صحیح ہے کیونکہ درخت کے پتوں کی حیثیت درخت کے لیے ایسی ہی ہے جیسے پرندے کے لیے پر ہوتے ہیں۔ نیز پتے کاٹنا شاخوں کے خشک ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہیں۔ اور ان کے تحفظ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

حرم کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے

آپؐ کا یہ فرمان کہ حرم کی گھاس وغیرہ بھی نہ کاٹی جائے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے مراد وہ ہی پودے ہیں جو خودرو ہوں۔ وہ مراد نہیں ہیں جنہیں لوگ کاشت کریں۔ اور خشک بھی حدیث میں داخل نہ ہوں گے بلکہ یہ حکم مخصوص طور پر سبز پودوں کے متعلق ہے، اور مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ (خشک) گھاس چن لیتے تھے، اور اذخر، نص سے مستثنیٰ ہے اور اس کا استثناء ہی اس بات کی دلیل ہے

کہ یہ حکم (اذخر) علاوہ باقی کے سب پر حاوی ہے۔

اگر کہا جائے کہ چرانے پر بھی عاید ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ضمان عاید نہ ہوگا۔ اس صورت میں چرانا جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دوسرا یہ کہ معنوی طور سے اس پر بھی عاید ہوگا۔ اگرچہ بظاہر الفاظ اس پر حاوی نہیں۔ لہٰذا چرانا ناجائز ہوگا۔ یہ امام احمدؒ کا مذہب ہے اور اصحاب احمدؒ کے دو قول ملتے ہیں۔ حرام قرار دینے والے کہتے ہیں کہ چوپائے کے سامنے پیش کرنے، اختلاء اور چوپائے کو اس پر چھوڑنے میں کہ اسے وہ چرے کیا فرق ہے؟ اور جائز بتانے والے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہدایا (قربانی کے جانور) کا طریق کار یہ بھی رہا ہے کہ وہ حرم میں داخل ہوتے اور کثرت کے ساتھ آیا کرتے۔ اور یہ بھی کسی سے منقول نہیں کہ ان کے منہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ اس سے چرانے کا جواز نکلتا ہے۔ حرم بتانے والے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چرنے کے لیے جانور کو خود بھیجنے اور آئے ہوئے جانور کے خود بخود چرنے میں فرق ہے۔ بغیر اس بات کے کہ جانور کو اس پر مسلط کر دیا جائے اور اس پر یہ واجب نہیں کہ اس کا منہ باندھ دے، جیسے احرام کی حالت میں خوشبو کو سونگھنے سے بچنے کے لیے ناک کو بند کرنا واجب نہیں، اگرچہ قصداً خوشبو سونگھنا قطعاً جائز۔

حرم کے شکاری جانور نہ ستائے جائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ حرم کے شکار کو پریشان نہ کرنا چاہیئے یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قتل شکار اور اس کی گرفتاری کا کسی طریقہ سے بھی سبب بننا حرام ہے، حتیٰ کہ اسے اپنی جگہ سے بھگانا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اس جگہ وہ ایک محترم حیوان ہے، اور وہ سبقت کر کے ایک جگہ حاصل کر چکا ہے اس لیے وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حرم کا جانور اگر کسی جگہ سبقت کر کے پہنچ جائے تو اسے وہاں سے پریشان کر کے (بھگایا) نہ جائے

حرم کے اندر گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ حرم میں گری ہوئی چیز کو جاننے والے کے سوا کوئی نہ اٹھائے اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں کہ اس کے لقطہ کو اٹھانا تعارف کرانے والے کے سوا جائز نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حرم کا لقطہ (گری پڑی چیز) کسی حال میں کسی کا مملوکہ نہیں اور اسے صرف اس کے مالک کو بتا جاننے والے کو ہی اٹھانا چاہیئے نہ کہ مالک بننے کے لیے، ورنہ (حرم) سے تخصیص کا کچھ بھی فائدہ نہ رہے گا۔

البتہ اس میں اختلاف بھی ہے، امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حل اور حرم کے لقطہ کا ایک ہی حکم ہے۔ احمدؒ اور شافعیؒ کے دو قول و روایات ہیں سے ایک روایت اور قول یہی ہے اور ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور عائشہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دوسری روایت میں امام احمدؒ نے اور دوسرے قول میں امام شافعیؒ نے فرمایا۔ مالک بننے کے لیے لقطہ اٹھانا جائز نہیں، البتہ اس کی حفاظت کے لیے جائز ہے اور اگر اٹھالے تو دائمی طور پر مشہور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابو عبیدہؒ کا یہی قول ہے اور حدیث بھی اس سلسلہ میں واضح ہے۔

قصاص یا دیت کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان، کہ جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اس کے لیے دو باتیں ہیں۔ یا تو (قاتل) کو قتل کر دیا جائے، یا دیت لے لے۔

اس حدیث سے اس بات کی دلیل نکلتی ہے کہ بہ صورت قتل عمد میں ہوگی اور قصاص ضروری طور پر متعین نہ ہوگا، بلکہ اسے دونوں میں سے ایک کا اختیار حاصل ہے۔ چاہے قصاص لے لے اور چاہے تو دیت لے لے۔

اگر کہا جائے کہ قاتل کے مر جانے کی صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ

ساقط ہو جائے گی۔ ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک قصاص واجب عین ہے اور اب اللہ کے فضل کے باعث قصاص لینے کا محل ہی ساقط ہو گیا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک مجرم غلام مر جائے تو جرم کی سزا غلام کے آقا کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ترکہ سے دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ (اس کے مرنے کی صورت) میں صرف قصاص لینا محال ہو گیا، لیکن دیت ساقط نہ ہوگی۔ یہ واجب رہے گی۔

اذخر گھاس مستثنیٰ ہے

خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اذخر کو مستثنیٰ کرنا، جب کہ حضرت عباسؓ نے سوال کیا "سوائے اذخر کے"۔

اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں، ایک یہ کہ اذخر (ایک قسم کی گھاس) کاٹنا مباح ہے۔ دوسرے یہ کہ استثناء میں یہ لازم نہیں کہ کلام کی ابتداء میں ہی اس کی نیت کر لی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ کلام ختم کرکے چپ ہونے سے قبل (اس کا بھی تلفیظ کر دیا جائے) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کلام سے قبل اذخر کے استثناء کی نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرنے سے قبل نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرنے سے قبل نیت کر لیتے تو حضرت عباسؓ کے سوال پر ان کے بتا دینے تک خاموش نہ رہتے کہ اذخر ان کے گھروں اور غلاموں کے لیے ضروری ہے۔

کتابت حدیث کی اجازت

اس واقعہ میں ایک صحابی ابو شاہ کا قصہ بھی ہے ابو شاہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مبارک لکھ دو آپ نے فرمایا کہ ابو شاہ کو لکھ دو۔ آپ کی مراد اپنے خطبے سے تھی۔ یہ فرمان علم کے لکھنے اور حدیث کی کتابت کی نہی منسوخ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ (ابتداء میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو، وہ اسے مٹا دے۔

اسلام کی ابتداء میں یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا تاکہ وحی متلو کا وحی غیر متلو سے اختلاط نہ ہو جائے۔

اس کے بعد پھر آپؐ نے حدیث کی کتابت کی اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ وہ حدیث لکھا کرتے تھے۔ اور ان کی تحریروں کے مجموعہ کا نام "صادقہ" تھا۔ حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اس مجموعہ احادیث کو روایت کیا۔ اور یہ مرویات تمام ذخیرہ احادیث سے زیادہ صحیح ہیں۔ بعض ائمہ حدیثؒ اس مجموعہ کو اس درجہ میں تسلیم کرتے ہیں جس درجہ میں وہ روایات تسلیم کی جاتی ہیں جو ایوبؒ نے نافعؒ سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیں۔ نیز ائمہ اربعہ وغیرہ ہم نے بھی ان سے استدلال کیا ہے۔

تصاویر کے سامنے نماز نہ پڑھنی چاہیئے

اس میں یہ واقعہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی اور جب تک تصاویر کو مٹا نہ دیا گیا تب تک داخل نہ ہوئے۔ اس سنت کی رو سے ایسے مکان میں نماز کے مکروہ ہونے کا ثبوت ہے جس میں تصاویر ہوں اور حمام میں نماز ادا کرنے سے (تصاویر) والے مکان میں نماز ادا کرنا زیادہ مکروہ ہے کیونکہ حمام میں نماز پڑھنے کی کراہت نجاست کے خیال سے یا اس وجہ سے ہے کہ حمام شیطان کا گھر ہوتا ہے اور وہ صحیح ہے۔ رہا تصاویر کا کمرہ تو اس میں شرک کا گمان ہوتا ہے اور زیادہ تر اقوام میں تصاویر اور قبروں کے واسطہ سے شرک آیا ہے۔

آپؐ نے سیاہ عمامہ بھی باندھا

اس واقعہ میں یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا اس سے گاہے گاہے سیاہ عمامہ باندھ لینے کا جواز بھی نکلتا ہے اسی وجہ سے خلفائے بنو عباس نے سیاہ پوشی کو اپنا اور اپنے گورنروں قاضیوں اور خطباء کا سرکاری شعار قرار دیا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اس قسم کا لباس زیب تن نہیں فرمایا اور نہ عیدین۔ جمعہ اور عام اجتماعات کے موقع پر

آپؐ کا یہ شعار تھا بلکہ فتح مکہ کے روز صحابہؓ کے سوا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقی طور پر سیاہ عمامہ باندھ لیا اس روز آپؐ کا تمام لباس سیاہ نہ تھا بلکہ آپؐ کا جھنڈا بھی سفید تھا۔

متعہ کے بارے میں فیصلہ نیز اس غزوہ میں عورتوں سے متعہ کرنا بھی مباح تھا لیکن اس کے بعد مکہ سے نکلنے سے پیشتر ہی حرام کر دیا گیا۔ متعہ کے حرام ہونے کے وقت میں البتہ اختلاف ہے۔ اور اس کے متعلق چار اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ خیبر کے دن حرام ہوا۔ یہ قول بھی علمائے کرام کے ایک گروہ کا ہے جس میں شافعیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے سال حرام ہوا۔ یہ ابن عیینہؒ اور علمائے کرام کی ایک جماعت کا خیال ہے۔

۳۔ تیسرا قول حنین کے سال کے متعلق ہے۔ درحقیقت یہ قول ثانی ہی ہے کیونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد غزوہ حنین واقع ہوا۔

۴۔ چوتھا قول حج الوداع کے سال سے متعلق ہے۔ اور یہ قول بعض رواۃ کا وہم ہے۔

ان میں صحیح قول یہ ہے کہ متعہ فتح کے سال حرام کیا گیا۔

صحیح مسلمؒ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فتح مکہ کے سال آپؐ کی اجازت سے متعہ کیا۔ اگر یہ کام خیبر کے دن میں حرام کر دیا گیا ہوتا تو دومرتبہ اس کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں اس کی مثال قطعاً نہیں ملتی۔

نیز خیبر کے دن فوج کے ساتھ مسلمان عورتیں نہ تھیں، بلکہ یہودی عورتیں موجود تھیں اور اس زمانہ میں ابھی تک اہل کتاب عورتوں کی اباحت کا حکم

نازل نہ ہوا تھا بلکہ یہ اس واقعہ کے بعد سورہ مائدہ میں مباح قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات، والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔

اہل کتاب کی عورتیں کب حلال ہوئیں

اسی طرح اس خیبر کے روز اہل کتاب کی عورتیں حلال ہی نہ تھیں اور نہ فتح سے قبل مسلمانوں کو دشمنوں کی عورتوں سے کچھ دلچسپی اور رغبت تھی۔ البتہ فتح کے بعد ان میں سے بعض گرفتار ہو گئیں اور مسلمانوں کی لونڈیاں قرار دے دی گئیں۔ اور یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غیر معروف تھا۔ اس وقت اس کی شہرت ہوئی تو نزاع واقع ہو گیا۔ (اور نزاع ہونے نیز اس مسئلہ کے متعلق تمام روایات سامنے آجانے کی وجہ سے) اس کی حرمت (حرام ہونا) ظاہر ہو گئی۔

مسلمان عورت کافر کو امان دے سکتی ہے

فتح کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمہ عورت کو بھی ایک یا دو مردوں کو امان دے دینا جائز ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانیؓ کے امان دینے پر ان کے امان کی توثیق فرما دی۔

نیز اس سے مرتد کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے جس کا ارتداد توبہ نہ کر کے شدید صورت اختیار کر گیا ہو۔ کیونکہ عبداللہ بن سعید بن ابی سرح نے اسلام قبول کر کے ہجرت بھی کی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتا تھا پھر مرتد ہو گیا اور مکہ میں کفار سے جا ملا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو حضرت عثمانؓ بن عفان اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تاکہ بیعت کرا دیں۔ آپؐ

نے دیر تک ہاتھ روکے رکھا۔ پھر بیعت لی اور فرمایا:

میں نے اس لیے ہاتھ روک رکھا تھا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن مار دے۔

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے میری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا؟

آپ نے فرمایا کہ نبی کو مناسب نہیں کہ اس کی آنکھیں خیانت کرنے والی ہوں۔

غزوۂ حنین

مسلمانوں کی شکست اور فتح کا راز

آں حضرت ﷺ کی استقامت

یہ مکّہ اور طائف کے درمیان دو جگہیں ہیں۔ اس جگہ کے نام پر اس غزوہ کا نام پڑ گیا۔ اس کا غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ (بنو ہوازن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جب ہوازن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فتح مکّہ کی خبر سنی تو وہ مالک بن عوف نصری سے جا ملے۔ اور ہوازن کے علاوہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ نیز مضر، جشم کے تمام افراد اور سعد بن بکر بھی ان سے مل گئے اور مالک بن عوف نصری کو لوگوں کے مشورہ سے حکم بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تو مردوں کے ساتھ اپنے اموال، عورتوں اور بچّوں کو بھی لے آئے۔ جب اوطاس میں اترے تو لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں درید بن صمّہ بھی تھا۔ اترنے کے بعد پوچھا کہ تم کس وادی میں ہو؟ جواب ملا اوطاس میں! کہنے لگا۔

میں اونٹوں کی بلبلاہٹ۔ گدھوں کی آواز۔ بچّوں کی چیخ پکار اور بکریوں کے منمناہٹ (ہر چیز) سن رہا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مالک

لوگوں کو ان کی عورتوں۔ اموال اور بچوں کے ہمراہ لایا۔ اس نے پوچھا مالک کہاں ہے؟

جواب ملا، یہ ہے مالک! اور اسے بلا لیا گیا۔

اس نے کہا مالک آج تو اپنی قوم کا سردار بن چکا ہے۔ کیا بات ہے کہ اونٹوں کی بلبلاہٹ گدھوں کی آواز۔ بچوں کی چیخ پکار اور بکریوں کی منمناہٹ سن رہا ہوں؟

اس نے کہا میں نے ان کے ساتھ ان کی عورتوں بچوں اور اموال کو لے کر آیا ہوں۔

اس نے پوچھا، کیوں؟

اس نے کہا میں نے چاہا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور مال کو بٹھادوں تاکہ اس کی حفاظت کے خیال سے (خوب جوش) سے لڑے۔

اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم تو بھیڑوں کا چرواہا ہی نکلا۔ کیا شکست کھانے والے کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ (یاد رکھ) تجھے صرف تلوار اور نیزے سے مسلح سپاہی ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ اور اگر تجھے شکست ہوگئی۔ تو تو اپنے اہل وعیال اور مال کی جانب سے بھی رسوا ہوگا۔

درید بن صمہ کی جنگی ہدایتیں اس کے بعد درید بن صمہ نے اسے جنگی نصیحتیں کیں اور اہل وعیال کو واپس کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن مالک نے اس کے تمام مشورے رد کر دیئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ جب تم انہیں (مسلمانوں کو) دیکھو تو تلواروں کی نیامیں توڑ دو اور فرد واحد کی طرح پورے اتحاد سے سخت ترین حملہ کرو۔

نیز اس نے اپنے چند مخبر بھیجے وہ واپس آئے تو اس حال میں کہ ان کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔

اس نے پوچھا تمہارا ناس ہو" تمہاری کیا حالت ہے؟

وہ کہنے لگے کہ ہم نے سفید لباس میں ملبوس آدمیوں کو گھوڑوں پر دیکھا ہے اللہ کی قسم ہم ٹھیر نہ سکے حتیٰ کہ جو تو دیکھ رہا ہے۔ ہماری یہ حالت ہوگئی۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بھیجا اور انہیں لوگوں میں داخل ہو جانے کا حکم دیا، وہ ان میں داخل ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے متعلق جو کچھ انہوں نے تیاری کر رکھی تھی۔ تمام احوال سنے اور مالک سے بھی (تمام باتیں) سنیں اور ہوازن کے ارادے معلوم کر کے واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات کی خبر دی۔

اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کی طرف سفر کیا تو آپ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہیں اور ہتھیار ہیں۔ آپ نے اس کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ اس زمانہ میں مشرک تھا۔

مشرک سے مدد لی جا سکتی ہے

آپ نے فرمایا اے ابو امیہ ہمیں اپنے ہتھیار مستعار دو۔ کل ہم ان سے اپنے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

صفوان بولا، اے محمد، غصب کرنا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، نہیں مستعار لے رہا ہوں۔ اور واپس دینے کی ضمانت لیتا ہوں۔

وہ کہنے لگا۔ اچھا پھر کوئی ہرج نہیں۔ اس نے آپ کی خدمت میں ایک سو زرہیں پیش کیں اور ساتھ ہی بقدر کفایت ہتھیار بھی مہیا کیے۔ نیز خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سواریوں کے متعلق بھی فرمایا۔ اس کی تعمیل بھی کی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ آپ کے ہمراہ اہل مکہ کے دو ہزار اور مدینہ سے آنے والے دس ہزار مسلمان تھے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا۔ مسلمانوں کی کل تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ آپ نے عتاب بن اسوید کو مکہ پر سردار بنا دیا۔ پھر ہوازن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ سے انہیں عبدالرحمٰن بن جابر سے انھیں اپنے والد جابر بن عبداللہ سے روایت ملی کہ فرمایا کہ جب ہم وادی حنین میں آئے تو ہم حلوط

کے درمیان ایک وادی میں اُترے۔ اور ہم اُتر رہے تھے کہ (دشمن) کی قوم نے وادی پر ہم سے پہلے قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ غاروں۔ اطراف اور تنگ مقامات پر چھپ گئے اور حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد ہو گئے۔ اللہ کی قسم ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ ہم چار طرف سے فوج میں گھر گئے ہیں۔ انھوں نے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا۔ اور ہم لوگ واپس بھاگ کھڑے ہوئے کوئی ایک دوسرے کی طرف نہ جاتا۔

بھاگنے والوں کو رسولؐ کا بلاوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب ہٹ گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا، اے لوگو! کہاں جا رہے ہو؟ میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں۔

اور حالت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین اور اہل بیت میں سے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ جو رہ گیا۔ ان میں سے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے۔ اور اہل بیت میں سے حضرت علیؓ۔ عباسؓ۔ ابو سفیانؓ بن حرث۔ ان کا بیٹا فضل بن عباس ربیعہؓ بن حرث۔ اسامہؓ بن زید اور ایمن بن ام ایمنؓ تھے۔ یہ موخر الذکر اسی دن شہید ہو گئے تھے۔ راوی نے بتایا کہ ہوازن میں سے اس روز ایک آدمی جو بنو ہوازن کے آگے آگے ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا اور ایک لمبا نیزہ اس کے سر سے (اوپر نکل) رہا تھا اور ہوازن اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ جب اسے نیزہ لگا اور لوگوں نے اسے نہ پایا، تو اس کے پیچھے والے نے نیزہ اٹھا لیا۔ وہ اس کے پیچھے لگ گئے۔ اسی حالت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ایک انصاریؓ نے اس پر حملہ کر دیا اور کام تمام کر دیا۔

ایک دشمن رسولؐ کی کہانی

اور بتایا، اللہ کی قسم ان کی شکست کے بعد لوگوں کی ابھی واپسی بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے گرفتار شدگان موجود تھے۔ ابن سعد نے شیبہ

بن عثمان حجبی سے نقل کیا کہ فتح کے سال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو میں بھی قریش کے ہمراہ حنین میں بنو ہوازن کے مقابلہ میں گیا اس خیال سے کہ شاید مجھے کوئی موقع مل جائے اور میں محمدؐ سے کچھ بدلہ لے سکوں، بلکہ تمام قریش کی جانب سے میں ہی بدلہ لے لوں۔ اور میں کہہ رہا تھا کہ (نعوذ باللہ) اگر تمام عرب اور عجم نے بھی محمدؐ کی بیعت کر لی تو بھی میں اس کا اتباع نہ کروں گا۔

اور جب میں نکلا تو میرا یہ ارادہ پختہ تر ہی ہو رہا تھا چنانچہ جب (میدان حرب) میں لوگوں کا اختلاط ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اتر آئے۔ میں نے تلوار سونتی اور آپؐ کے قریب ہو گیا۔ اور میں نے جو ارادہ کرتا تھا کر لیا۔ میں نے تلوار اٹھا بھی لی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ اب یہ خاص انہیں پہ جا رہی ہے کہ اچانک آگ کا ایک شعلہ میرے سامنے بلند ہوا جیسے بجلی ہو اور وہ مجھے بھسم کر کے رکھ دینا چاہتا ہو۔ میں نے ڈر کر اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ آپؐ نے مجھے آواز دی اے شیبہ! میرے نزدیک ہو۔ میں آپؐ کے قریب ہو گیا۔ آپؐ نے میرے سینہ پر (ہاتھ) پھیرا اور دعا فرمائی، اے اللہ اسے شیطان سے بچا (شیبہ) کہتا ہے کہ اس وقت آپؐ مجھے اپنے کان بصارت اور جان سے زیادہ محبوب بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے (برا خیال) دور کر دیا۔

جان کے دشمن سے آپؐ کا خطاب پھر آپؐ نے فرمایا، قریب ہو جا اور جہاد کر پھر میں آپؐ سے آگے آگے بڑھا اور تلوار مارنے لگا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میں آپؐ کو اپنی ہر چیز کے عوض میں بچا کر رکھوں۔ اور اس وقت اگر میں اپنے باپ کو مقابلے پر دیکھتا اگر وہ زندہ ہوتا تو اس پر بھی تلوار چلا دیتا۔ چنانچہ میں آپؐ کے ہمراہ رہنے والوں کے ساتھ ہی رہا یہاں تک کہ مسلمان واپس ہوئے اور لوٹ کر دوبارہ فرد واحد جیسے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خچر پیش کیا گیا۔ آخر کار آپؐ اپنے خاص لشکر میں تشریف لائے اور اپنے خیمے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی آپؐ کے بعد داخل ہو گیا اور میرے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ میں آپؐ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے اور شدت فرحت کے باعث اندر گیا۔

آپؐ نے فرمایا، اے شیب اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اس سے بہتر ارادہ فرمایا، جو تو نے اپنے لئے ارادہ کیا، پھر آپؐ نے مجھے میرے تمام مضمر ارادے بتا دیئے۔ میں نے عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا، میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے زہریؒ نے بتایا انھیں کثیر بن عباس سے انھیں اپنے والد عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ملی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اور آپؐ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا، اور میں ایک موٹا جسم اور بلند آواز والا آدمی تھا۔

(حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب آپؐ نے لوگوں کو (بھاگتے) دیکھا، اے لوگو، کہاں جاتے ہو؟

(حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز کی طرف دھیان نہیں دے رہے۔

آپؐ نے فرمایا؛ اے عباس زور سے آواز دو، اے انصار کی جماعت، اے اصحاب سمرہ چنانچہ اس پر سب نے لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) کی صورت میں جواب دیا۔ جب ایک سو آدمی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کی طرف منہ کیا اور قتال کیا، چنانچہ پہلی آواز یہ تھی، اے انصار پھر فرمایا اے خزرج۔ اور یہ لوگ لڑائی کے موقع پر ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اب میدان کارزار گرم ہوگیا۔
اور فرمایا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب
میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں

آں حضرتؐ کا ایک معجزہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں، انھیں کفار کے چہروں پر مارا اور فرمایا محمد کے پروردگار کی قسم (کفار) شکست کھا گئے۔

آپؐ نے یہ کنکر مارے ہی تھے کہ میں ان کی طرف دور تک دیکھ رہا تھا کہ (کفار) شکست کھا کر واپس بھاگنے لگے۔ روایت کا ایک لفظ یہ بھی ہے کہ آپ خچر سے اتر آئے اور زمین پر سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔ پھر (کفار) کے چہروں پر دے ماری چنانچہ ان میں سے اللہ نے کوئی انسان بھی ایسا پیدا نہ کیا تھا کہ جس کی آنکھوں میں اس مٹھی کی مٹی نہ پڑ گئی ہو۔ چنانچہ وہ پیٹھ پھیر کر واپس بھاگ اُٹھے اور مالک بن عوف بھاگ کر بنو ثقیف کے قلعہ میں قلعہ بند ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ تمام چیزیں جمع کی گئیں اور جعرانہ کے مقام پر رکھ دی گئیں۔ اس دن چھ ہزار پارچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

نومسلموں کے ساتھ خاص رعایت اور سلوک پھر آپؐ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کرنا شروع فرمایا اور عام مسلمانوں سے قبل مولفۃ القلوب کو عطا فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے ابوسفیانؓ کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ مرحمت فرمائے۔

(ابوسفیان) کہنے لگے، میرا بیٹا یزید ہے، آپؐ نے فرمایا اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دیئے۔

پھر کہنے لگا، میرا بیٹا معاویہؓ ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی

اور ایک سو اُونٹ دو۔

نیز آپؐ نے حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ عطا فرمایا۔ انھوں نے دوبارہ درخواست کی۔ آپؐ نے ایک سو اور عطا فرمایا۔

نیز آپؐ نے نضر بن حرث بن کلدہ کو ایک سو اونٹ عطا کیے۔

نیز علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اُونٹ عطا فرمائے۔

اسی طرح راوی نے سو اور پچاس والے اصحاب کا ذکر کیا ہے اور (بتایا) ہے کہ آپؐ نے عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ مرحمت کیے۔ انھوں نے اس کے متعلق ایک (تعریفی) شعر عرض کر دیا۔ آپؐ نے سو پورے کر دیئے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ غنائم اور لوگوں کو سامنے لایا جائے۔ اس کے بعد تمام لوگوں پر وہ مال تقسیم ہوا، تو چار چار اُونٹ اور چالیس چالیس بکریاں ہر آدمی کے حصے میں آئیں اور جو سوار تھے انہیں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا انہیں محمود بن لبید نے انہیں حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ملی۔ انھوں نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بڑے بڑے عطایا قریش میں اور قبائل عرب میں تقسیم فرمائے۔ اور انصارؓ کو ان میں سے کچھ بھی نہ ملا تو انصار کے ایک قبیلہ کے دل میں کچھ خیال سا گذرا، حتیٰ کہ کثرت سے باتیں ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایک آدمی نے یہ بھی کہہ دیا کہ:

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کا خیال کرتے ہیں۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، انصار کا یہ قبیلہ آپؐ کے متعلق اپنے دل میں کچھ (غلط) باتیں رکھتا ہے، جب کہ آپؐ نے اس غنیمت کا بڑا حصہ اپنی ہی قوم میں تقسیم کیا اور آپؐ نے قبائل عرب کو بڑے بڑے عطایا مرحمت فرمائے ہیں۔ لیکن انصار

کے اس قبیلہ کو کچھ نہیں ملا۔

آپؐ نے فرمایا، اے سعدؓ تم اس بات کے ہوتے ہوئے کہاں ہو؟ انھوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسولؐ میں اپنی قوم ہی میں ہوں۔

آپؐ نے فرمایا، اپنی قوم کو یہاں بلا کر لاؤ۔

فرمایا کہ مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے۔ آپؐ نے انھیں چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے آئے، انہیں لوٹا دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے۔ سعدؓ آئے اور عرض کیا (اے رسول اللہ) انصار کا یہ قبیلہ آپؐ کے حکم پر جمع ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا:

جماعت انصار سے رسول اللہؐ کا خطاب

اے انصار کی جماعت، مجھے تمہاری ایک بات پہنچی ہے کہ تمہارے قلوب میں وہ چیز کھٹکتی ہے، کیا تم گمراہ نہ تھے، پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور کیا تم مفلس نہ تھے مگر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں غنا عطا کیا؟ کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے۔ پھر اللہ نے (میری وجہ سے) تمہارے دلوں میں محبت بھر دی؟

انھوں نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے

پھر فرمایا، اے انصار کی جماعت تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول کا ہی احسان اور فضل ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تم سچ کہو گے اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے پاس آیا۔ جب (قریش نے) تیری تکذیب کی تھی۔ اور ہم نے تیری تصدیق کی تو کمزور تھا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تجھے وطن سے نکال دیا گیا۔ ہم نے تجھے پناہ دی تو مفلس آیا تھا ہم نے

تیری مواسات کی۔

کیا تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت ہے ؟ میں نے اس (مالِ غنیمت) سے ایک قوم کا دل رکھا ہے تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائے اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔

اے انصار کی جماعت کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے جاؤ ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ تم لے کر جا رہے ہو، وہ اس سے بہتر ہے کہ جسے وہ لے کر جا رہے ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں ایک آدمی ہوتا۔ اور اگر لوگ ایک علاقہ اور وادی میں چلیں اور انصار دوسرے علاقے اور وادی میں چلیں تو میں انصار کے علاقے اور ان کی وادی میں چلوں گا۔ انصار شعار (اصل) ہیں اور لوگ دثار (بڑی چادر) ہیں، اے اللہ انصارؓ پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصارؓ کے پوتوں پر رحم فرما۔

راوی بتاتے ہیں کہ انصار رو پڑے۔ حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہو گئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور لوگ بھی منتشر ہو گئے۔

رضاعی بہن سے آپؐ کا حسن سلوک

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ہمشیرہ شیماء بنت حرث بن عبدالعزیٰ حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں۔

آپؐ نے فرمایا اس کا ثبوت ؟

انھوں نے عرض کیا، میں آپؐ کو اٹھائے ہوئی تھی کہ آپؐ نے میری پیٹھ میں کاٹا تھا یہ ہے وہ نشان۔

راوی کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامت سے پہچان لیا اور ان کے لیے

اپنی چادر بچھا دی اس پر بٹھایا اور آپ نے ان پر احسان فرمایا۔ آپ نے فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو اکرام و احترام سے رہو گی۔ اور اگر اپنی قوم کی طرف جانا چاہو تو بھی میں عطا کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا آپ انعام دیجئے اور مجھے اپنی قوم کی طرف لوٹا دیجئے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔

دشمن کے تمام جنگی قیدیوں کو آپ نے رہا کر دیا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو ہوازن کا ایک وفد آیا۔ یہ چودہ آدمی تھے۔ اور زہیر بن صرد ان کا سردار تھا۔ نیز ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو برقان تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں اور اموال کی درخواست کی (نیز) انہوں نے اپنے گرفتار شدگان کی واپسی کی درخواست کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی اور تمام قیدی واپس کر دیئے۔

غزوۂ حنین سے متعلق

مسائل فقہیہ اور نکتہ ہائے حکمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ وعدہ کیا۔ اور وہ سچے وعدے والا ہے کہ جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو آپؐ کے دین میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہوگئے۔ اور تمام عرب نے آپؐ کی اطاعت کر لی۔ جب یہ فتح مبین مکمل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بنو ہوازن اور ان کے اتباع کے دل اسلام لانے سے رک گئے اور انہوں نے قوم کو جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوگئے تاکہ اللہ کا امر ظاہر ہو جائے اور اس کے رسول اور اس کے دن کی عزت وحرمت ظاہر ہو جائے تاکہ ان کے غنائم اہل فتح کے لئے شکرانہ کے طور پر بن جائیں۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسولؐ اور اپنے بندوں کو غالب کر دے۔ اور اس عظیم شوکت کے باعث کہ اس سے قبل اہل اسلام کو کبھی بھی ایسی عظمت حاصل نہ ہوئی (کفار پر) غالب کر دے تاکہ اس کے بعد کوئی عرب ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ بھی کئی حکمتیں تھیں جو غور کرنے والوں کے سامنے آسکتی ہیں۔ اور فکر کرنے والوں کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت، بالغہ کا تقاضا یہ ہوا

کہ دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور عظمتِ شان و شوکت کے باوجود انہیں شکست اور ہزیمت کا مزہ چکھائے تاکہ فتح کے باعث جو سر اٹھے وہ جھک جائے اور اللہ کے شہر اور حرم میں اس طرح داخل نہ ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فاتحانہ طور پر لیکن پھر) اپنے کو نیچے رکھے۔ گھوڑے پر اس قدر جھکے تھے کہ آپؐ کی ٹھوڑی پروردگار کے سامنے عجز اور اس کی عظمت کے سامنے انکساری اور اس کی عزت کے سامنے خضوع کرتے ہوئے کاٹھی سے لگ رہی تھی۔

اور اللہ نے اپنا شہر اور حرم اپنے نبی کے لئے حلال کیا۔ آپؐ کے بعد اور آپؐ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

نیز اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے عساکر کو مکہ کے غنائم سے منع کر دیا انہوں نے یہاں کسی قسم کا کوئی سونا چاندی۔ مال و متاع۔ قیدی اور زمین وغیرہ حاصل نہ کی۔ جیسے ابوداؤد نے وہب بن منبہ سے روایت فرمایا کہ میں نے حضرت جابرؓ سے دریا کیا کیا فتح مکہ کے دن آپؐ لوگوں کو کچھ مالِ غنیمت ملا۔ وہ کہنے لگے، نہیں، بلکہ (صحابہؓ) نے اس شہر کو گھوڑوں اور سواروں سے فتح کیا تھا اور ان کی تعداد دس ہزار تھی اور انہیں ان ضروریات کی حاجت بھی تھی جو اسباب قوت کی طرح ایک لشکر کو درپیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں کو جنگ کی تحریک دی۔ اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنے اموال، چوپائے بکریاں اور ساتھ ہی عورتوں کو بھی لے کر آئیں تاکہ اللہ کے لشکر کی ضیافت اور کرامت ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقدیر پوری ہو کر رہے کہ اس نے انہیں فتح عطا کی اور نصرت کے مبادی ظاہر فرما دیئے تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے۔ جو ہونے والا تھا۔

عنایات رسولؐ کا نتیجہ، قبول اسلام

اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے اولیاء کے لئے مدد نازل فرمائی اور غنائم بھی آ گئے اور ان میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ جاری ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا

کہ ہمیں تمہاری جانوں تمہاری عورتوں اور بچوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین (بنو ہوازن) کے قلوب میں توبہ اور انابت ڈال دی۔ اور وہ مسلمان بن کر حاضر ہوئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حسنِ اسلام کی تحسین کے طور پر ہم تمہاری عورتوں بچوں اور قیدیوں (غلاموں) کو واپس کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے تمہارے قلوب بہتر دیکھے تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم نے لیا تھا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نیز اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی دلجوئی فرمائی اور انہیں فرحت عطا فرمائی کیونکہ نصرت اور غنائم ملیں اور یہ معاملہ دوا بن گیا جب کہ (اس سے قبل) دل ٹوٹ چکے تھے۔ نیز یہ ٹھیک اہل مکہ کی دلجوئی اور ان پر اتمام نعمت تھا کہ بنو ہوازن کے شر سے انھیں بچالیا کیونکہ تنہا قریش میں ان کے مقابلے کی ہمت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے ذریعہ ان کی نصرت فرمائی اور وہ تنہا ہوئے تو ان کا دشمن ان کا صفایا کر دیتا۔

نیز اس کے علاوہ کئی حکمتیں ہیں کہ جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بغیر کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ نیز اس میں بعض مسائل فقہ بھی حل ہو جاتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ امام کو چاہیئے کہ مخبر (جاسوس) بھیجے جو کہ دشمن کی فوج میں داخل ہو کر ان کی خبریں مہیا کریں اور جب امام کو دشمن کے حملے کا ارادہ معلوم ہوا اور اس کے لشکر کی جمعیت اور قوت کا پتہ چلے۔ تو وہ انتظار میں نہ بیٹھا رہے بلکہ خود چل کر مقابلہ کرے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہوازن کی طرف خود تشریف لے گئے یہاں تک کہ حنین کے مقام پر مقابلہ ہوا۔

مشرکین سے مدد لینے کا جواز

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مشرکین سے ہتھیار اور دشمن سے لڑنے کے لئے جنگی سامان حاصل کرے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے زرہیں حاصل کیں، حالانکہ وہ اس دن مشرک تھا۔

مادی اسباب کا استعمال منافی توکل نہیں

نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام مادی اسباب جو اللہ تعالیٰ نے نتائج کے لئے تیار رکھے ہیں انھیں استعمال میں لانا یہ طریقہ توکل کا نتیجہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب توکل کے لحاظ کامل تھے۔ لیکن پھر بھی وہ جب دشمن کے مقابلہ میں آتے تو کئی انواع کے ہتھیاروں سے اپنا تحفظ کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر خود تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرمادی تھی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اور اللہ تعالیٰ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

ابوالقاسم نے ابن عساکر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی عورت کے واقعہ کے بعد جب اس نے ایک زہر آمیز بکری پیش کی تھی (اس کے بعد) آپؐ کو کوئی آدمی کھانا پیش کرتا تو آپؐ اسے تب تک نہ کھاتے جب تک کہ پیش کرنے والا اس میں سے خود (کچھ نہ کچھ) کھا نہ لیتا۔ علمائے کرام بتاتے ہیں کہ اس میں بادشاہوں کے لئے اسوہ ہے۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتادیا کہ وہ اپنا دین تمام ادیان پر غالب کردے گا۔ اور اسے بلندی اور رخصت عطا کرے گا۔ یہ وعدہ اللہ کے امیر قتال اور قوت عسکری اور گھوڑے تیار کرنے کے حکم کے خلاف نہیں اور اس بات کے منافی بھی نہیں کہ جو اس نے دشمن سے بچاؤ اور تحفظ اور ہر قسم کی جنگ اور توریہ سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو زندگی کی ضمانت دی یہاں تک کہ آپؐ پیغام رسالت پہنچادیں اور اپنے دین کو غالب کردے۔ چنانچہ آپ خورد ونوش، لباس اور جائے سکونت کے لحاظ سے تمام اسباب زندگی حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض نے دعا کرنا بھی ترک کردی۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں، کیونکہ اگر مطلوب ان کے

مقدر میں لکھا ہے تو پھر ضرور مل کر رہے گا۔ اور اگر مقدر میں نہیں ہے تو بالکل نہ ملے گا۔ اس لئے دعا میں مصروف رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟

ایسے خبط الحواس آدمی کی مثال اس طرح ہے کہ وہ یوں کہے اگر اللہ تعالیٰ نے شکم سیر ہونا میرے مقدر میں لکھا ہے تو شکم سیر ہو کر رہوں گا۔ چاہے میں کھاؤں یا نہ کھاؤں اور اگر شکم سیر ہونا میرے مقدر میں نہیں ہے تو چاہے کھاؤں یا نہ کھاؤں ہرگز شکم سیر نہ ہوں گا۔ اس لئے کھانے کا فائدہ ہی کیا ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور شریعت انتظامیہ کے منافی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے۔

مستعار اسلحہ لیتے وقت شرط ضمان

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے اسلحہ مستعار لیتے وقت ضمان کی شرط لگا دی، بلکہ ضمانت پر اسلحہ مستعار لئے کیا شریعت میں مستعار لینے کے متعلق یہ ایک باقاعدہ مسئلہ کی بنیاد تھی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے آپ نے وضاحت فرمائی؟ کہ اس کا حکم ضمان کا ہے جیسے غصب شدہ کی ضمان پڑتی ہے یا بعینہٖ اس اسلحہ کی واپسی کی ضمانت تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ میں انہیں واپس کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور یہ ضائع نہ ہوں گے بلکہ میں اسی حالت میں انھیں واپس کر دوں گا۔

فقہاء کا اختلاف اور اقوال متعددہ

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ پہلے قول پر ہیں کہ ضائع ہونے پر ضمان لازم ہوگا اور ابوحنیفہؒ اور مالکؒ دوسرے قول پر ہیں یعنی واپس کرنے کی ضمانت ہوگی۔ البتہ مالکؒ کے مذہب میں اس کی مزید وضاحت ہے وہ یہ کہ اگر وہ چیز ایسی ہے جو غائب نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ حیوان اور زمین ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم نہ ہوگی، جب تک کہ اس کا کذب واضح نہ ہو جائے۔ اور اگر غائب ہونے والی اشیاء میں سے ہے جیسے کہ زیورات وغیرہ تو ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم ہوگی جب تک کہ شہادت پیش نہ کر دے جو اس کے تلف ہونے کی گواہی دے۔ اس

مسلک کا راز یہ ہے کہ مستعار چیز ایک قسم کی غیر مضمون امانت ہے جیسا کہ ابوحنیفہؒ نے کہا ہے لیکن (امام مذکورؒ) ظاہر نص کے خلاف قبول نہیں کرتے۔ اس وجہ سے انھوں نے غائب ہو سکتے اور غائب نہ ہو سکنے کا فرق کیا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ اس قصہ میں ذکر ہے کہ بعض زرہیں جو گم ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضامن بننے کی پیشکش کی تو انھوں نے عرض کیا۔ آج میں اسلام کو پسند کر چکا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ کیا آپؐ نے اس کے سامنے ایک امرِ واجب کی (ادائیگی کا) معاملہ پیش فرمایا، یا یہ فقط استحباب کا معاملہ تھا جو کہ ایک مستحسن فعل تھا اور جسے اخلاق حسنہ اور محاسنِ شریعت کا حصہ کہا جا سکتا ہے؟

بعض لوگ دوسری بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک آپؐ نے ضمان کی پیش کش فرمائی اور اگر ضمان واجب نہ ہوتی تو آپؐ اس طرح پیشکش نہ فرماتے بلکہ آپؐ اسے ویسے ہی ادا فرماتے اور فرماتے کہ یہ تیرا حق ہے۔ جیسے گم ہونے والی بعینہ موجود ہو۔ یعنی کہ آپ اسے واپس کرنے کی پیشکش نہ کرتے اس پر غور کیجیے۔

میدان جنگ میں دشمن کی سواری زخمی کی جا سکتی ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے گھوڑے اور سواری کو زخمی کرنا جائز ہے جب کہ اس سے اس کے قتل پر مدد مل سکتی ہو۔ جیسے حضرت علیؓ نے کفار کے علی بردار کا اونٹ زخمی کر دیا اور حیوان کو اس قسم کی ایذا دہی ممنوع نہیں۔

قتل کا ارادہ کرنے والے کو معافی

نیز اس میں سے یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو معاف فرما دیا جس نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، بلکہ اس کو دعا بھی دی اور اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، پھر وہ سچا مسلمان بن گیا

معجزات نبوی اور علامات رسالت

نیز اس غزوہ میں معجزات نبوت اور علاماتِ رسالت بھی کثرت سے ظاہر ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کا پتہ چلا جب کہ لوگ واپس ہونے لگے تو آپ فرما رہے تھے

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب
میں نبی ہوں، جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کی اور سے ہوں

جب کہ مشرکین کے دستوں نے آپؐ کا مقابلہ کیا۔

اسی قبیل سے وہ معجزہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پھینکی ہوئی ایک مٹھی مٹی کو دور ہونے کے باوجود کفار کی آنکھوں میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ دشمن کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے علاوہ ملائکہ کا اتر کر قتال میں شریک ہونا بھی ایک معجزہ تھا اور کفار اور مسلمانوں نے بھی کھل کر انہیں دیکھا۔

امام کے اختیارات خاصہ نیز ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ کفار کے اسلام لانے کا انتظار کرکے غنائم تقسیم کرے اور اگر وہ لوگ اسلام اور اللہ کی اطاعت کو قبول کرلیں تو ان کے غنائم اور گرفتار شدگان کو واپس کردے۔ اسی دلیل سے (یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد غنیمت کی (انفرادی) ملکیت ہو سکتی ہے محض قابض ہونے سے (کوئی مالک نہیں بن سکتا) اور اگر مسلمان محض غلبہ اور استیلاء سے مالک ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نرمی سے واپس کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تقسیم سے قبل کوئی مسلمان (غانم) فوت ہو جائے تو اس کا حصہ وارثوں کی بجائے باقی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر استیلاء سے قبل کوئی فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر تقسیم کے بعد فوت ہو تو اس کے وارثوں کا حصہ ہوگا۔

عطائے رسول کی حیثیت اور نوعیت اور یہ عطاء عمومی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر فرمائی اور اس کے ذریعے ان کی تالیف قلوب فرمائی، کیا یہ غنیمت میں سے تھی یا خمس سے خمس میں سے؟

امام شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ خمس کے خمس میں سے تھا اور یہ خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حصہ تھا جسے آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ

عام حال غنائم کے علاوہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عطایا دیتے وقت کسی سے اذان حاصل نہیں کیا۔ اور اگر یہ عطایا مالِ غنیمت میں سے ہوتے تو آپؐ اس کی اجازت لیتے کیونکہ عام مسلمان استیلاء اور قبضہ کے بعد اس مال کے مالک ہو چکے تھے۔

انفال اللہ اور رسول کے لئے ہیں نیز یہ بھی معلوم ہے تمام انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ رسولؐ انہیں وہاں تقسیم کرتا ہے جہاں اس نے حکم دیا۔ وہ کسی بات میں تعدی نہیں کرتا۔ اگر آپؐ تمام غنائم کو بھی اسلام کی مصلحتِ عمومی کی خاطر (تالیفِ قلوب وغیرہ) میں صرف فرما دیتے تو بھی یہ فعل حکمت، مصلحت اور عدل سے خالی نہ ہوتا اور جب ذی الخویصرہ تمیمی کی آنکھوں سے یہ مصلحت و حکمت اوجھل ہو گئی تو اعتراض کرنے والے نے کہہ دیا، عدل کرو۔ کیونکہ تم نے عدل نہیں کیا۔

اور (ان کے مقابلہ) میں اس قول (انصار) پر اپنی مکمل نعمت نازل فرمائی اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے وطن میں واپس ہو گئے اور آپؐ ان کی قیادت فرما رہے تھے اور جو لوگ اس نعمۃ کبریٰ کی قدر نہیں پہچانتے تھے۔ وہ بکریوں اور اونٹوں پر راضی ہو گئے جیسے طفل نادان کہ اسے جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی عقل اور سمجھ کے مطابق دیا جاتا ہے اور عقل مند اور صاحبِ خرد کو اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے دباؤ میں نہیں ہے کہ وہ اپنی فہم کے مطابق اس پر جبر کر سکیں اور اسے نیز اس کے رسول کو نفاذِ امر سے محروم رکھیں

ایک فقہی مسئلہ نیز یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا ہوازن کے غلام آزاد کرنے کا جی نہ چاہے (اگر وہ بھی آزاد کر دے) تو اسے ہر ایک فریضہ کے بدلے چھ حصص اس فئی سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا۔ اس سے یہ بھی جواز نکلتا ہے کہ غلام بلکہ چوپائے کے بعض کو بعض کے ساتھ ادھار یا متفاضل فروخت کیا جا سکتا ہے۔

سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ کم ہو گئے۔ آپؐ نے خلائص (اونٹوں) پر زائد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک کے بدلے دو دو اونٹ لیتے رہے اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ایک حیوان کے عوض نسیئۃً بیع کو منع فرمایا ہے، ترمذیؒ نے حضرت حسن سے انھوں نے سمرہؓ سے روایت کیا ہے اور صحیح بتایا ہے۔

نیز ترمذیؒ نے حجاج بن ارطاۃ کی حدیث حضرت ابوالزبیر سے انھوں نے حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کے بدلے دو حیوان ہوتے ہوں تو نسیئًا درست نہیں اور نقد میں کوئی حرج نہیں۔ ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

ان احادیث کی بنا پر لوگوں میں اختلاف رونما ہوا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چار اقوال منقول ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ متفاضل، مساوی، نسیئۃً (ادھار) اور نقد ہر طرح جائز ہے یہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا مذہب ہے۔

۲۔ اور دوسرے نسیئۃً (ادھار) اور متفاضل صورت میں جائز نہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عورتوں اور تفاضل کے جمع ہونے کی صورت میں حرام ہے۔ اور صرف ایک صورت واقع ہونے پر جائز ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اگر جنس ایک ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اور نسیئۃً حرام ہے۔ اور اگر جنس میں اختلاف ہو تو تفاضل اور نسیہ دونوں جائز ہیں۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ یہ معاملہ جہاد اور مسلمانوں کی سخت ضرورت کے مواقع پر پیش آیا، جب کہ لشکر تیاری کر رہا تھا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ لشکر کی تیاری حیوان کے حیوان کو ادھار بیچنے کے شر سے بڑا شر تھا اور امور شریعت راجح امور کی وجہ سے معطل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال جنگ کے موقع پر ریشمی لباس

پہننے اور فخریہ اکڑ اکر چلنے میں ملتی ہے کیونکہ اس وقت یہ مصلحت مرجوح ہے۔

متعاقدین غیر معین مدت کے لیے معاہدہ کر سکتے ہیں

اس واقعہ سے اس بات کی دلیل بھی ملتی ہے۔ کہ جب متعاقدین (عقد کرنے والے دونوں فریق) کے درمیان غیر محدود مدت موثر کی جائے تو بھی جائز ہے اگر وہ دونوں راضی اور متفق ہوں۔

امام احمدؒ نے آپ کی روایت سے اس کے جواز پر نص فرمائی ہے کہ غیر محدود مدت مقرر کرنا جائز ہے۔ جب تک کہ وہ دونوں اسے ختم نہ کر دیں۔ اور یہی ارجح ہے کیونکہ یہاں اس کے مقابلہ میں کوئی محذور یا عذر نہیں اور عذر کے طور پر دونوں نے رضا و بصیرت سے اسے تسلیم کیا ہے، اس لیے علم میں دونوں برابر ہیں، اور کسی کو دوسرے پر تفوق حاصل نہیں اس لیے یہ ظلم نہ ہوگا۔

جنگ میں مقتول کافر کا مال مسلمان قاتل کی ملکیت ہے

نیز اس غزوہ میں آپ نے فرمایا: جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو تو اسی کا لٹا ہوا سامان (سلب) اس کا ہوگا بشرطیکہ اس کا کوئی گواہ بھی ہو۔ اور دوسرے غزوہ میں آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے قبل اس پر فقہا کا اس باب میں اختلاف ہو گیا کہ یہ شرعاً سلب کا مستحق ہے یا شرط کے بعد مستحق ہوگا؟

اس کے متعلق دو قول ہیں جو احمدؒ سے دو روایات میں ہیں۔

۱- ایک یہ کہ وہ سلب کا مستحق شرعاً ہے چاہے امام اس کے لیے شرط لگائے یا نہ لگائے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

۲- اور دوسرا یہ ہے کہ امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں، یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قتال کے بعد امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی نص کر دے تو جائز نہیں۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حنین کے دن کے سوا کوئی روایت نہیں پہنچی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی ختم ہونے کے بعد [illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حیثیتیں، منصب رسالت

اس نزع کا اصل ماخذ یہ اصول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں، حاکم اور مفتی بھی، اور رسول بھی ہیں، کبھی تو آپؐ منصب رسالت سے حکم فرماتے ہیں۔ یہ حصہ قیامت تک شریعت عام بن جاتا ہے جیسے کہ آپؐ کا فرمان۔

"جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے"

رسولؐ مفتی کی حیثیت سے

اور کبھی آپؐ مفتی کی حیثیت سے علم فرماتے ہیں جیسے آپؐ نے ابو سفیانؓ کی بیوی ہند بنت عقبہ کو، جب اس نے اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کی تو بقدر کفایت خرچ نہ دینے پر فرمایا۔

معروف طریقے پر اس قدر لے لے جتنا تجھے اور تیرے لڑکے کے کفایت کر سکے یہ فتویٰ ہے حکم نہیں، کیونکہ آپؐ نے ابوسفیانؓ کو بلا کر ان سے جوابِ دعویٰ نہیں سُنا۔ نہ ہند سے شہادت طلب فرمائی۔

رسولؐ امام کی حیثیت سے

اور کبھی آپؐ منصبِ امامت کی رو سے حکم فرماتے۔ اور یہ حکم اس وقت اور اس جگہ اور اس حالت میں امت کے لئے ایک مصلحت بن جاتا۔ اس لئے آپؐ کے بعد ائمہ مسلمین کو چاہیئے کہ وہ بھی وقت جگہ اور حالات کے اعتبار سے مصالح عمومی کا خیال رکھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ ہے۔

ائمہ کا اختلاف فکر ونظر

یہ مقام ایسا ہے کہ جہاں ائمہ کرام بیشتر مقامات پر اختلاف کر جاتے ہیں۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے کوئی (کافر) قتل کیا تو مقتول کا سلب (قاتل) کو ملے گا" سوال یہ ہے کہ کیا آپؐ نے یہ کلام منصب امامت سے فرمایا تاکہ یہ حکم ائمہ سے متعلق ہو جائے۔ یا منصب رسالت ونبوت سے فرمایا تاکہ شریعتِ عام بن جائے۔ اس طرح آپؐ کا فرمان،

کہ جس نے بنجر زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہے، تو کیا یہ آدمی کے لئے عام قانون شریعت ہے، چاہے امام اجازت دے یا نہ دے، یا یہ قانون ائمہ مسلمین کی اجازت سے مشروط ہو گا؟ اور امام کی اجازت کے بغیر اس زمین کو آباد کرنے کی اجازت نہ ہوگی؟

اس میں دو قول ہیں،

۱۔ پہلا امام شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے جو ان کے ظاہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اور دوسرا ابو حنیفہؒ کا ہے اور امام مالکؒ نے بڑے بڑے صحراؤں اور ایسی جگہوں میں فرق کیا ہے جہاں لوگ محنت نہیں کرتے اور جہاں مخصوص طور پر محنت کرنا پڑتی ہے دوسری صورت میں امام کے اذن کا اعتبار ہو گا اور پہلی ہی اجازت کی ضرورت نہیں۔

گواہ اور بینہ کا مسئلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (کہ قاتل کے پاس) کوئی گواہ (بینہ) بھی ہو، اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس نے کافر کو قتل کیا ہے، اور صرف اسی بات کو استحقاق سلب کے لیے قبول نہیں کیا جاتا۔

۲۔ دوسرے اس دعویٰ میں یمین کے بغیر ایک ہی شاہد کافی ہے؟

صحیح روایت میں حضرت ابن قتادہؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہم حنین کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ جب ہم دشمن سے ملے تو مسلمان ہٹ ہٹ کر حملے کرتے تھے۔ میں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک مسلمان کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ میں پھر کر اس کی طرف پیچھے کی جانب سے آیا اور میں نے اس کے کاندھے کے جوڑ پر (تلوار) ماری، وہ میری طرف پلٹا اور بری طرح چمٹ گیا، یہاں تک کہ مجھے موت آتی محسوس ہوئی، پھر وہ مر گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے بعد میں حضرت عمر بن خطاب سے جا ملا۔ انھوں نے کہا لوگوں کو کیا ہوا ہے؟

میں نے کہا، اللہ کا امر ہے۔

پھر لوگ واپس چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا، جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس کوئی بینہ ہو، تو اس کے سلب کا وہ مستحق ہوگا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور کہا، میری گواہی کون دے گا؟ آپؐ نے تین بار یہ فرمایا اور میں اٹھتا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو قتادہؓ کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے سچ کہا اور اس مقتول کا سلب میرے پاس ہے۔ اس لئے اسے اس کا حق دے دیجئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے لڑتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا سلب ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا، اسے دے دو۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے اس کا سلب عطا فرمایا۔ میں نے زرہ بیچ دی اور میں نے بنو سلمہ سے ایک زنبیل خرید لی۔ یہ پہلا مال تھا جو مجھے اسلام میں حاصل ہوا۔

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے، اور یہ مذہب احمدؒ کے مطابق ہے۔ دوسرا یہ کہ شاہد اور یمین دونوں ضروری ہیں، جیسے احمدؒ کی روایات میں سے ایک روایت منقول ہے۔

تیسرا امام احمدؒ کا منصوص ہے کہ دو گواہ ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ قتل کا دعویٰ ہے جو دو گواہوں کے بغیر قبول نہیں ہوسکتا۔

اس واقعہ میں ایک اور مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، وہ یہ کہ شہادت میں یہ لفظ کہ "میں گواہی دیتا ہوں" کا استعمال ضروری نہیں اور امام احمدؒ سے یہ صحیح ترین روایت ہے اگرچہ ان کے اصحابؒ کے خیال میں جو (ان مذکورہ الفاظ) کا زبان سے ادا کرنا لازمی ہے اور یہی (موخر کلام) امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے لفظ شہادت کی شرط معروف نہیں۔

سلب کا خمس نکالنا ضروری نہیں

اور آپؐ کا فرمان کہ مقتول کا سلب قاتل کا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سلب کا خمس نکالے بغیر مالک تھا اور سلمہ بن اکوعؓ کے معاملہ میں آپؐ نے صراحت بھی فرمادی، کہ جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا تو تمام سلب (قاتل) کی ملکیت ہے۔

اس مسئلہ میں بھی تین مذاہب ہیں، ایک کا ذکر ہو چکا۔

دوسرا یہ ہے کہ غنیمت کی طرح اس کا خمس لیا جائے گا۔ یہ امام اوزاعیؒ اور اہل شام کا قول ہے، اور آیت غنیمۃ میں داخل ہونے کے سبب سے ابن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ اگر امام کثرتِ مال دیکھے تو خمس لے لے اور اگر کم سمجھے تو خمس نہ لے۔ یہ اسحٰق کا قول ہے۔

حضرت عمرؓ کا ذاتی اجتہاد واجب العمل نہیں

اور عمرؓ بن خطاب کے فعل سے ثابت ہے۔ سعید نے اپنی سنن میں ابن سیرینؒ سے نقل کیا کہ حضرت براء بن مالک نے بحرین میں مرزبان کا مقابلہ کیا اور اسے نیزہ مارا اور اس کی پیٹھ توڑ دی۔ پھر اس کے کنگن اور اس کا سلب لے لیا جب حضرت عمرؓ نے ظہر کی نماز ادا کی تو حضرت براءؓ کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ہم سلب کا خمس نہیں لیا کرتے تھے، لیکن براءؓ نے سلب حاصل کیا، جس کی مالیت بہت زیادہ ہے اور میں اس کا خمس لوں گا، اس طرح اسلام میں یہ پہلا خمس تھا جو حضرت براءؓ کے سلب سے لیا گیا اور یہ تیس ہزار تک پہنچ گیا لیکن پہلی صورت زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کا خمس نہیں لیا اور فرمایا کہ یہ تمام کا تمام اسی کا ہے اور اسی پر آپؐ اور آپؐ کے بعد حضرت صدیقؓ کاربند رہے۔ اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا یہ ان کا ذاتی اجتہاد اور رائے تھی۔

خمس غنیمت میں سے ہے

اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ (خمس) غنیمت میں سے ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قاتل کو ادا فرمایا، اور اس کی قیمت اور قدر کی طرف توجہ نہ کی نیز خمس سے خمس نکالنے کا اعتبار نہیں کیا، مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ تو خمس کا خمس تھا۔

قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے اگرچہ یہ مال بہت زیادہ مقدار میں ہو۔ اور ابو داؤدؒ نے نقل کیا ہے کہ ابو طلحہؓ نے حنین کے دن بیس آدمیوں کو قتل کیا، چنانچہ ان تمام کے سلب انھوں نے لیے۔

غزوۂ طائف

اہل طائف کے لئے ہدایت اور قبولِ اسلام کی دعا

طائف کا محاصرہ یہ غزوہ شوال ۸ھ میں ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رواۃ کا بیان ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو طفیل بن عمرو کو ذی الکفین کی طرف بھیجا۔ عمرو بن حممہ دوسی کا بت تھا۔ تاکہ اسے توڑ دے اور آپ نے اسے طائف میں ملنے اور اپنی قوم سے مدد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے نکلا اور ذالکفین کو توڑ کر تہس نہس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کے چار سو افراد چل پڑے، چنانچہ طائف میں تشریف آوری کے چار دن بعد یہ لوگ بھی حاضر ہو گئے اور دبابہ اور منجنیق ساتھ لے آئے۔

ادھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے طائف جانے کا ارادہ فرمایا تو خالد بن ولید سامنے آئے اور بنو ثقیف نے اپنے قلعے کا ارادہ کر لیا اور اس میں اس قدر ضروریاتِ زندگی جمع کر لئے جو انہیں ایک سال تک کے لئے کافی تھے جب یہ لوگ اوطاس سے شکست کھا کر بھاگے تو اپنے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے اور دروازے بند کر دیئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

اہل طائف کی طرف سے شدید مزاحمت اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے۔ چنانچہ آپ

طائف کے قریب اُترے اور وہاں آپؐ کا لشکر بھی تھا۔ چنانچہ (اہل طائف) نے بڑی شدت کے ساتھ تیر برسائے جیسے مکڑی آرہی ہو۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کو زخم آئے اور بارہ آدمی شہید ہوگئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اس جگہ آگئے جہاں آجکل طائف کی مسجد ہے۔ آپؐ کے ہمراہ آپؐ کی ازواجِ مطہرات حضرت ام سلمہؓ اور زینبؓ بھی تھیں، ان کے لئے دو خیمے لگا دیے گئے اور طائف کے محاصرے کے دوران آپؐ ان دو خیموں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔ آپؐ نے اٹھارہ روز محاصرہ جاری رکھا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں بیس سے زیادہ دن محاصرہ جاری رہا اور آپؐ نے منجنیق گاڑ دی۔ اور یہ اسلام میں پہلا ہتھیار تھا۔ جس کے ذریعے (قلعہ توڑنے کے لئے پتھر) برسائے گئے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں جس دن دیوار کے پاس ایک سوراخ سا ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ دبابہ کے نیچے چلے گئے۔ اور اس کے ذریعہ دیوار طائف میں داخل ہوئے تاکہ اسے جلا دیں۔ بنو ثقیف نے ان پر تیر برسائے، جس کی وجہ سے بعض صحابہؓ شہید ہوگئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے اعناب کاٹ دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ لوگ اسی میں مصروف ہوگئے۔

رسول اللہؐ کی طرف سے منادی

ابن سعدؒ بتاتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ انہیں اللہ اور قرابت سے بلائیں؛

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں انہیں اللہ اور رحم (قرابت سے بلاتا ہوں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کہ جو آدمی قلعے سے اُتر کر ہماری طرف آجائے گا، وہ آزاد ہے اس پر دس اور کچھ آدمی حاضر ہوئے۔ جن میں ابو بکرہؓ بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور ہر آدمی اہل اسلام کے ایک ایک فرد کو دیا تاکہ ہر ایک دوسرے کی کفالت کرے۔ اس بات سے اہلِ طائف کو سخت صدمہ ہوا لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو فتح طائف کی اجازت نہ ملی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ دیلی سے مشورہ کیا اور دریافت فرمایا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے عرض کیا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی اور اگر چھوڑ دی گئی تو بھی نقصان نہیں دے سکتی۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ بن خطاب کو حکم دیا کہ لوگوں کو کوچ کرنے کی اجازت سنا دی جائے۔ اس سے لوگوں کو کوفت ہوئی، کہنے لگے، طائف فتح تو ہوا نہیں اور ہم واپس چلے جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا، کل جنگ کرو۔ صبح ہوئی تو مسلمان گھائل ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کل انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ اس سے لوگ خوش ہوئے، اور انہیں یقین ہو گیا، چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔

اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے

جب سفر کا آغاز ہوا تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو۔ آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون، لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول ثقیف پہ بددعا فرمائیے، آپ نے فرمایا، اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں (مطیع کر کے) حاضر کر

محاصرہ طائف میں ایک جماعت شہید ہو گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جعرانہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس مقام سے عمرے کا احرام باندھ کر (مکہ) میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا، اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے آئے

رسول اللہ کی مدینہ منورہ واپسی

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تبوک کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی ماہ ثقیف کا وفد بھی حاضر ہوا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم جب واپس ہوئے تو آپ کے پیچھے عروۃؓ بن مسعود حاضر ہوئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچنے سے قبل آپؐ سے آملے اور اسلام قبول کر لیا اور حالتِ اسلام میں اپنی قوم کی طرف جانے کی اجازت چاہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ تمہاری قوم سے اندیشہ ہے کہ وہ تم سے جنگ کرے گی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں نخوت اور غرور ہے جس کی وجہ سے وہ قبول اسلام سے رک رہے ہیں۔

عروہؓ بن مسعودؓ کی قبول اسلام کے بعد شہادت

عروہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!

میں ان کے نزدیک ان کی کنواریوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں، اور واقعی وہ ان میں ایسے ہی محبوب اور مطاع تھے، چنانچہ اپنی قوم کو اس اُمید پر اسلام کی دعوت دینے کے لئے چلے کہ وہ ان کے مرتبہ کے باعث مخالفت نہ کرے گی۔ لیکن اس قدر و منزلت کے باوجود جب انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور اظہارِ اسلام کیا تو ہر جانب سے تیر برسنے لگے۔ چنانچہ ایک تیر ایسا لگا کہ شہید ہو گئے، نزع کے وقت پوچھا گیا کہ اپنے خون کے متعلق کیا خیال ہے؟ کہنے لگے:۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اعزاز و اکرام بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت سے نوازا ہے اس لئے مجھ میں اور ان شہدا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہوئے۔ کچھ فرق نہیں اس لئے مجھے ان کے ساتھ ہی دفن کرنا۔

رسول اللہؐ نے ان کے متعلق فرمایا، ان کی مثال اپنی قوم میں اس طرح ہے کہ جیسے صاحب یس کی قوم میں تھی۔ عروہؓ کی شہادت کے کئی ماہ بعد تک ثقیف رکے رہے۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور سمجھ لیا کہ ہر چہار طرف سے عربوں سے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں (کیونکہ) انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ اور اسلام قبول کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس بات پر اجتماع کر لیا کہ عروہ کی طرح۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی آدمی بھیجیں۔ انہوں نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر سے بات کی۔ یہ عروہ بن مسعودؓ کا ہم عمر تھا۔ اس نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خطرہ محسوس کیا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی عروہ کی طرح معاملہ نہ ہو، یہ کہنے لگا جب تک تم میرے مزید آدمی نہ بھیجو تب تک میں یہ کام نہیں کروں گا، اس پر انہوں نے احلاف کے دو آدمی اور بنی مالک کے تین آدمی کر دیئے۔ یہ چھ آدمی تھے جنہیں بھیجا گیا، چنانچہ انہوں نے حکم بن عمرو بن وہب اور شرجیل بن غیلان کو اور بنی مالک میں عثمان بن ابی العاص اوس بن عوف اور نمیر بن خرشتہ کو بھیجا۔ یہ ان کے ہمراہ نکلے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے، ایک نہر کے قریب آٹھہرے یہاں مغیرہ بن شعبہ ملے (حضرت مغیرہؓ انہیں دیکھ کر) تیزی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے تاکہ آپ ثقیف کے حاضر ہونے کی اطلاع کریں۔

انہیں (راستے میں) ابو بکرؓ ملے، انہوں نے فرمایا، میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھ سے پہلے نہ جانا کہ میں آپؐ کو یہ خوشخبری سناؤں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آخر ابو بکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور (ثقیف کے وفد) کی آمد کی اطلاع دی، جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ تو ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک طرف خیمہ لگا دیا گیا اور خالد بن سعد بن عاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ثقیف کے وفد کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھیجا کھانا وہ اس وقت تک نہ کھاتے جب تک خالد اس میں سے نہ کھا لیتے۔

بنو ثقیف کا قبول اسلام

آخر کار وہ مسلمان ہو گئے اور عہد نامہ کے وقت انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ ان کا بت طاغیہ جسے لات کہتے ہیں۔ تین سال تک کے لئے رہنے دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ پھر ایک ایک سال تک گھٹتے رہے یہاں

تک کہ ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن آپ نے قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی انکار کر دیا، طاغیہ (لات) کو چھوڑ دینے کے علاوہ وہ نماز کی معافی بھی چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے بت نہ توڑنے پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رہا بتوں کا تمہارے ہاتھوں سے توڑنا اس سے ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔
لیکن نماز تو جس دین میں نماز نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی نہیں۔

جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مکتوب لکھ دیا اور حضرت عثمانؓ بن ابی عاص کو ان پر امیر مقرر فرما دیا، یہ نوعمر تھے، اسی وجہ سے انہیں امیر بنایا گیا۔ کہ اسلام اور قرآن سیکھنے میں سب سے زیادہ خواہش مند تھے، جب یہ اس کام سے فارغ ہوئے اور انہوں نے اپنے علاقے کی طرف واپسی کا ارادہ کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ابوسفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو طاغیہ (لات) کے توڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں قوم کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ طائف پہنچ گئے۔ (یہاں پہنچ کر) جب ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ نے لات پر کلہاڑا برسانا شروع کیا تو ثقیف کی عورتیں روتی چلاتی نکلیں اور تو تباہ ہو تو تباہ ہو کہہ رہی تھیں۔

جب مغیرہ نے اسے گرا دیا اور اس کا تمام مال اور زیورات لے لئے تو یہ تمام سونا چاندی اور ہار وغیرہ ابوسفیان کی طرف بھیج دیا۔

غزوۂ طائف سے متعلق

چند اہم ترین اور معرکہ آراء فقہی مسائل

اس واقعہ میں فقہی مسائل یہ ہیں کہ اشہر حرم میں قتال جائز ہے اور اس کی تحریم منسوخ ہو چکی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان کے اٹھارہ دن گزرنے کے بعد آخری حصہ میں تشریف لے گئے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے کہ ہمیں اسماعیل نے بتایا انہیں خالد حذاء سے انہیں ابوقلابہ سے انہیں ابواشعث سے انہیں شداد بن اوس سے روایت پہنچی کہ فتح کے موقع پر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو بقیع میں سنگیاں لگوا رہا تھا۔ اور یہ رمضان کی اٹھارہویں شب تھی اور آپ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:۔

سنگیاں لگانے اور لگوانے والے ہر دو کا افطار ہو گیا۔

نیز اس سے اس بات کا جواز بھی نکلتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ہمراہ جنگ میں جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ ہمراہ تھیں۔

لڑائی میں کفار پر پتھر برسائے جا سکتے ہیں

نیز کفار کے مقابلہ میں ان پر پتھر برسانے کے لئے منجنیق لگانے

کا جواز بھی ثابت ہے اور عورتوں بچوں کو قتل نہ کرنا جو جنگ میں شریک نہ ہوں۔
نیز اس میں کفار کے درختوں کے کاٹنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے، جب یہ یقین ہو جائے کہ اس سے انہیں ضعف پہنچے گا اور انہیں غصہ آئے اور اس سے انہیں خوب ضرر پہنچے گا۔

مشرک کا بھاگا ہوا غلام آزاد

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مشرکین کے قبضہ سے غلام بھاگ کر مسلمانوں سے آملے تو وہ آزاد ہو گا۔ سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون سے انہیں حجاج سے انہیں ابن عباس سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غلام آزاد کر دیتے تھے جو (اپنے کافر) آقاؤں کے پاس سے بھاگ آتے تھے

امام حسب مصلحت محاصرہ اٹھا سکتا ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام جب کسی قلعے کا محاصرہ کرے اور وہ فتح نہ ہو اور وہاں سے کوچ کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت مضمر ہو تو وہیں پڑا رہنا ضروری نہیں۔ محاصرہ اٹھا لینا جائز ہے۔ ہاں اگر مصلحت اہلِ اسلام محاصرے میں ہو تو محاصرہ جاری رکھنا واجب ہے۔

عمرہ کے لئے جعرانہ سے احرام باندھنا

اس میں اس کا تذکرہ بھی آ گیا کہ آپ نے عمرہ کے لیے جعرانہ کے مقام سے احرام باندھا۔ اس وقت آپ مکہ کی طرف تشریف لا رہے تھے اور طائف کی جانب سے جو آدمی مکہ میں داخل ہونا چاہے اس کے لئے یہی سنت ہے وہ طریقہ جو اکثر جہلاً کرتے ہیں کہ مکہ سے جعرانہ کی طرف جاتے ہیں تاکہ وہاں جا کر عمرے کا احرام باندھیں پھر وہاں سے مکہ کی طرف واپس آئیں۔ یہ کام نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابیؓ نے کیا اور نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا بلکہ اسے عوام ہی کرتے ہیں اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء خیال کرتے ہیں حالانکہ انہیں غلط فہمی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے مکہ تشریف

لاتے وقت احرام باندھا تھا نہ کہ یوں ہو کہ آپ مکّہ سے جعرانہ احرام باندھنے کے لئے گئے ہوں۔ آج کا طریق اور ہے اور آپ کی سنّت کا معاملہ اور ہے اور اللہ ہی کی جانب سے توفیق ہوتی ہے۔

بداعمالوں کے لئے دعائے خیر کی جاسکتی ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے ثقیف کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی کہ (اے اللہ) انہیں ہدایت دے اور (انہیں مطیع) بنا کر میرے پاس لا، حالانکہ انہوں نے آپؐ سے جنگ و قتال کیا تھا، اور آپؐ کے صحابہؓ کی ایک جماعت کو شہید کر دیا تھا اور آپؐ کے ایک قاصد کو (عروہ) بھی شہید کر دیا تھا جو انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ ان تمام (بداعمالیوں) کے باوجود آپؐ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور بد دعا نہ کی۔ یہ چیز آپ کی کمالِ رحمت، شفقت اور رحمت کا ثبوت ہے، آپ پر اللہ کی (لاکھوں) رحمتیں اور سلام ہوں۔

اپنی نیکی دوسرے کو دی جاسکتی ہے:۔ اور اسی سے حضرت صدیقؓ کی کمال محبت اور آپ کے تقرب اور مہرا مکانی نے الفت کی خواہش کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضرت مغیرہ سے اصرار کیا کہ انہیں کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد طائف کی آمد کی خوشخبری سنائیں تاکہ وہی آپؐ کی فرحت و سرور کا سبب بنیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی اپنے دوسرے بھائی سے درخواست کرے کہ وہ اسے ایک نیکی کما کر تقرب حاصل کر دینے کا موقع دے، کیونکہ ہر آدمی کے لئے یہ چیز جائز ہے، کہ وہ اپنے آپ پر اپنے بھائی کو ترجیح دے اور بعض فقہا کا یہ قول صحیح نہیں کہ "نیکیوں میں ایثار کرنا جائز نہیں"، حالانکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنے گھر کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ رحمت میں دفن ہونے کے معاملہ میں اپنے آپ پر ترجیح دے دی، اور حضرت عمرؓ

نے اس کی درخواست کی تو انہیں ناگوار نہ گزری اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان خصالِ حسنہ سے متصف انسان کی نیکیاں اس مخصوص نیکی سے بڑھ جاتی ہیں۔ جس کے متعلق وہ دوسرے بھائی کو ترجیح دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ ایک نیکی خرچ کرتا ہے اور کئی نیکیاں حاصل کر لیتا ہے (آپ دیکھیے تو) کہ جب ایک جماعت صحابہؓ کو پیاس محسوس ہوئی اور موت قریب ہو گئی۔ کسی ایک صحابیؓ کے پاس پانی تھا، اس نے دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دی اور خود موت کے منہ میں چلا گیا۔ یہ جائز کام تھا اور کسی نے یوں نہیں کہا کہ اس نے خودکشی کی یا اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا۔ بلکہ یہ فعل تو جود و سخا کی انتہا ہے: جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

اور فتوحِ شام کے موقع پر بھی صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا تھا اور اسے ان کے خصائل و مناقب میں شمار کیا گیا۔

مساکن شرک و طاغوت ڈھا دیئے جائیں

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و طاغوت کی جگہوں کو ایک دن بھی باقی رکھنا جائز نہیں بشرطیکہ انہیں مٹانے اور ختم کرنے کی استطاعت ہو کیونکہ یہ جگہیں شرک و کفر کی علامات ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس لئے استطاعت ہوتے ہوئے انہیں قائم رہنے دینا ناجائز ہے۔

قبروں کے گنبد اور قبّے بتکدے ہیں

اسی طرح قبروں پہ گنبد اور قبّے کا بھی حکم ہے کہ جنہیں بت بنا لیا گیا ہے۔ اور اللہ کے علاوہ ان کی پوجا کی جاتی ہے ایسے پتھر جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ نام کی نذر مانی جاتی ہے اسے بوسہ دیتے ہیں، انہیں مٹانے کی قوت ہوتے ہوئے زمین میں ان پر ایک برائی بھی باقی رکھنا ناجائز ہے، اور ان (مزارات) میں سے بیشتر کی حالت لات، عزیٰ اور منات کے برابر ہے بلکہ یہاں تو اس سے بھی زیادہ شرک کی حرکات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اور ان مشرکوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ بت پیدا کرتے، روزی دیتے، مارتے اور زندہ کرتے ہیں بلکہ مشرکین بھی وہی کرتوت کرتے جو کہ آجکل ان کے مشرک بھائی اپنے ہاں صنم کدوں (مزارات) میں کرتے ہیں اس طرح آج (کے مشرکین) بھی اپنے سے پہلے کے (مشرکین) کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور ایک ایک مرحلہ پر انہیں کی اتباع کر رہے ہیں۔ جہالت کے غلبہ اور علم کے خفا کے باعث اکثر لوگوں پر شرک قبضہ کر چکا ہے ان کے نزدیک نیکی بدی بن چکی ہے اور بدی نیکی دکھائی دیتی ہے۔ سنّت کو بدعت کو سنّت سمجھنے لگے ہیں، یہ بات ہر چھوٹے بڑے میں پیدا ہو چکی ہے، شعائر اسلام غائب ہو چکے۔ غربتِ اسلام نے شدت اختیار کر لی، علما کم ہو گئے۔ سفہا کا غلبہ ہو گیا اور معاملہ بگڑ چکا۔ تکلیف بڑھ گئی۔ خشکی و تری میں لوگوں کی کرتوتوں کے باعث فساد پیدا ہو گیا لیکن جماعت محمدیہ میں سے ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی اور اہل شرک و بدعت کا مقابلہ کرتی رہے گی، تا آنکہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین اور اہلِ زمین کا وارث بن جائے گا (قیامت قائم ہو جائے گی) اور وہی خیر وارث ہے

مزارات اور صنم کدوں کی تخریب کے بعد ان کا مال ضبط کیا جا سکتا ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان مزارات اور صنم کدوں کو مٹانے کے بعد ان کا سرمایہ جہاد اور اہل اسلام کے مصالح میں خرچ کرے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان صنم کدوں کا تمام مال قبضہ میں کرے اور اسے فوج اور جہاد اور اہل اسلام کے مصالح پر خرچ کرے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لات کو توڑ کر تمام مال پر قبضہ کر لیا اور ابو سفیان کو دے کر اس کی تالیف قلب فرمائی اور اسی کے ذریعہ عروہؓ اور اسودؓ کا قرض ادا فرمایا۔

قبروں کے گنبد اور قبے توڑ دیے جائیں

اسی طرح امام پر واجب ہے کہ قبروں [illegible] مٹا دے جنہیں بت بنا کر رکھ دیا گیا ہے [illegible]

مال جنگ میں استعمال کرے یا فروخت کر کے مصالح اہل اسلام پر خرچ کرے۔ یہی حال ان کے وقف کا ہے کہ (ان مزارات) کا وقف باطل ہے اور ان کا مال برباد ہے، اسے اہل اسلام کے مقاصد پر خرچ کیا جائے گا۔ وقف تو صرف نیکی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہوتا ہے، اس لئے مزار پر پختہ قبر لا جو بدی کی علامت ہے) کا وقف جائز نہیں کہ اس پر قبہ بنایا جائے اور اس کے متعلق تعظیم اور نذر وغیرہ کے رسوم ادا کئے جائیں اور ان کا حج کیا جائے اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کی جائے، لوگوں نے انہیں صنم بنا رکھا ہے اور آئمہ سلام اور ان کے اتباع میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

وادی مرج اس میں ایک وادی مرج کا ذکر ہوا ہے۔ یہ طائف میں ایک وادی ہے اور حرم ہے اس میں درخت کاٹنا اور شکار کھیلنا حرام ہے۔

اس میں فقہا اور جمہور کا اختلاف ہے، ان کا فرمان ہے کہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ کہیں بھی حرم نہیں۔ البتہ ابو حنیفہؒ نے مدینہ کے حرم ہونے میں اختلاف کیا ہے۔

اور امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وادی مرج حرم ہے اس میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام ہے۔

وصولی صدقات کا انتظام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے، آپ ۹ھ کو داخل ہوئے تو آپ نے اعراب سے صدقات وصول کرنے کے لئے بعض مصدق (صدقہ وصول کرنے والے) بھیجے، ابن سعد کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدقین بھیجے، کہتے ہیں۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کو محرم کا چاند دیکھا تو آپ نے عربوں سے صدقات لینے کے لئے مصدقین بھیجے۔ چنانچہ آپ نے عیینہ بن حصن کو بنو تمیم کی طرف یزیدؓ بن حصین کو اسلم اور غفار کے قبائل کی طرف، عبادؓ بنی بشیر اشہلی کو سلیم اور مزینہ کی طرف رافع بن مکیث

کو جہنیہ کی طرف، عمرو بن العاص کو بنی فزارہ کی طرف ضحاکؓ بن سفیان کو بنی کلاب کی طرف، بشیر بن سفیان کو بنی کعب کی طرف اور ابن لقیبہؓ ازدی کو بنی ذبیان کی طرف بھیجا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محصلین (صدقہ وصول کرنے والوں کو حکم دیا کہ معمولی مال ان سے لیں اور اچھا مال لینے سے پرہیز کریں۔

۹ھ کے سرایا اور بعثات

عنیبہ بن حصن فزاری کا سریہ جو بنی تمیم کے خلاف تھا، وہ ذکر ہو چکا ہے۔ یہ محرم میں ہوا، اس سال آپ نے پچاس سواروں کا ایک سریہ ان کی طرف بھیجا جس میں مہاجرین اور انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے، آخر صحرا میں انہوں نے دشمن پر اچانک حملہ کیا اور ان کے مویشی آگئے، جب کثیر تعداد میں دشمن مقابلہ میں آیا۔ تو آکر ان میں سے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لائے اور انہیں لے کر مدینہ پہنچے اور انہیں رملۃ بنت حرث کے گھر میں اتارا گیا۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے سردار عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، افرع بن حابس، قیس بن حرث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہتم اور رباح بن حرث حاضر ہوئے جب انہوں نے اپنے ہی قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار دیکھا تو بہت روئے اور جلدی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوئے اور آواز دی اے محمدؐ باہر آئیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی اقامت کہہ دی، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا چپک گئے اور باتیں کرتے رہے، آپ ان کے پاس ٹھہرے رہے، پھر تشریف لاکر ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے، عطارد بن حاجب آگے بڑھا، اس نے گفتگو شروع کی اور نثر میں خطاب کیا۔

آپ نے ثابت بن قیس بن شماسی کو جواب دینے کا حکم دیا۔ انھوں نے خوب جواب دیا، انھیں کے متعلق اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گرفتار شدگان اور غلام واپس کر دیے۔ پھر بنی تمیم کا شاعر زبرقان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کے مفاخر میں ایک نظم پڑھی، اس کے جواب میں شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت کھڑے ہوئے اور اس کی نظم کا فی البدیہہ جواب دیا اور حق ادا کر دیا۔

جب حضرت حسانؓ فارغ ہوئے تو اقرع بن حابس کہنے لگا، بے شک آدمی جس کے پاس ہم حاضر ہوئے ہیں، اس کا خطیبؓ ہم سے زیادہ (فصیح) خطیب ہے اور اس کا شاعرؓ ہم سے زیادہ اچھا شاعر ہے اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے بلند ہیں پھر یہ لوگ اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں انعام عطا فرمایا اور انعامات میں خوب خوب عطیات مرحمت فرمائے۔

وفد بنو تمیم اور شاعر رسولؐ ابن اسحاقؒ بتاتے ہیں، جب بنو تمیم کا وفد آیا اور مسجد میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی، کہ اے

محمد ہماری طرف آؤ،

تو ان کی واویلا کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپؐ ان کی طرف نکلے، یہ لوگ کہنے لگے۔

ہم آپ کے پاس شاعر اور خطیب کے ذریعہ مفاخرت کا مقابلہ کرنے کے لیے آئے ہیں، آپ نے ان کا مقابلے کا چیلنج قبول کر لیا، چنانچہ عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اس نے نثر میں خطاب کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس بن شماسی کو اس کے جواب دینے کا حکم دیا، وہ کھڑے ہوئے اور جواب دیا اور جواب دینے کا حق ادا کر دیا۔ پھر جانبین کے شعراء کا مقابلہ ہوا۔ آخر کار اخرع بن حابس نے اپنی شکست کا اقرار کیا اور وہ لوگ مسلمان ہوئے اور انعامات حاصل کیے۔

قطبہ بن عامر بن حدید کا خشعم کی طرف سریہ

یہ ۹ھ میں صفر میں وقوع پذیر ہوا۔ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطبہ بن عامر کو بیس آدمیوں کو خشعم کو قبائل کی جانب ایک قبیلے کی طرف بھیجا اور اغارت کا حکم دیا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر سوار ہو کر گئے۔ انھوں نے ایک آدمی کو پکڑا اور اس سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی، وہ خاموش ہو گیا، پھر وہ چیخنے لگا، اور بستی والوں کو آگاہ کرنے لگا، انھوں نے اس کی گردن کاٹ دی، پھر وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ بستی والے سو گئے۔ پھر انھوں نے بستی پر غارت گری کی، اور سخت ترین جنگ ہوئی، یہاں تک کہ دونوں جانب کافی لوگ زخمی ہوئے اور قطبہ بن عامر دوسروں کے ساتھ قتل ہوا۔

مسلمان۔ چوپائے، عورتیں اور بکریاں لے کر مدینہ واپس لائے۔ اس قصہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ دشمن جمع ہو گئے، اور ان کے پیچھے بھاگے مگر اللہ تعالٰے نے ان کے مقابلے میں سیلاب بھیجا اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سیلاب حائل ہو گیا۔ چنانچہ مسلمان بکری۔ چوپائے اور گرفتار شدگان کو لے کر جا رہے تھے اور وہ (سیلاب کے باعث) کھڑے بے بس دیکھ رہے تھے اور اسے عبور کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ مسلمان نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

بنو کلاب کے خلاف ضحاک بن سفیان کا سریہ

ضحاک بن سفیان کلابی کا سریہ جو کہ بنو کلاب کے خلاف سنہ ۹ھ ربیع الاوّل میں واقع ہوا، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو کلاب کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ضحاک بن سفیان بن عوف طائیؓ اور اصید بن سلمہ ان کے ہمراہ تھے اصید کا والد پہلے اسلام لے آیا لیکن پھر اسلام کو گالی دی، مختصر سے مقابلے کے بعد اصید نے اسے قتل کر دیا، اس کے بیٹے کو قتل نہ کیا۔

حبشہ کی طرف علقمہ بن محرز مدلجی کا سریہ

یہ ۹ھ کے ربیع الآخر میں واقع ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ اہل جدہ بعض اہل حبشہ کی طرف امید سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے حضرت علقمہؓ بن محرز کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔ یہ ایک جزیرہ میں پہنچے۔ چنانچہ وہ لوگ واپس بھاگ گئے۔ واپسی پر بعض لوگوں نے جلدی سے اپنے گھر واپس آنا چاہا۔ انھوں نے ان کو اجازت دے دی۔

عبداللہؓ بن حذافہ سہمی نے بھی جلدی سے آنا چاہا۔ انہیں بھی اجازت دے دی ان کا آپس میں مزاح بھی چل رہا تھا۔ چنانچہ جب یہ کسی جگہ اترے اور انھوں نے آگ جلائی جیسے سینکنے لگے تو انھوں نے کہا:

میں نے ارادہ کیا ہے کہ کیا تم آگ میں کود پڑو؟

چنانچہ کچھ لوگ اٹھے اور تیار ہو گئے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہو گیا واقعی یہ کود جائیں گے۔

اس پر علقمہؓ کہنے لگے: میں تو تم لوگوں سے مذاق کر رہا تھا۔

واپسی پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا جو گناہ کا حکم دے اس کی اطاعت مت کرو۔

بنی طے کے بتوں کو توڑنے کے لئے

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں ایک سریہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو انصار کے ہمراہ ایک سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر بھیجا، ان کے پاس ایک سفید اور ایک سیاہ جھنڈا تھا۔ وہ لوگ قلس تک گئے جو طے قبیلہ کا بت تھا۔ تاکہ اسے گرادیں، چنانچہ انہوں نے فجر کے وقت حاتم کے محلہ پر چھاپا مارا اور اسے مٹا دیا اور چوپائے بکریاں اور قیدی جو ان کے ہاتھ لگے، نیز عدی بن حاتم کی بہن بھی گرفتار کر لی گئی۔ خود عدی شام کی طرف بھاگ گیا۔ ان کے گھر سے تین تلواریں، تین زرہیں ملیں، ابو قتادہؓ کو قیدیوں کا محافظ مقرر کر دیا گیا۔ اور چوپاؤں اور غلاموں پر عبداللہ بن عتیک کو نگہبان بنا دیا گیا۔ راستہ میں ہی غنائم تقسیم کر دیئے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ (صفی) الگ کر لیا گیا۔ اور آل حاتم پر جب تک کہ وہ مدینہ حاضر نہیں ہوئے، کچھ تقسیم نہ کیا گیا۔

عدی بن حاتم کی رسول اللہ صلعم سے نفرت

ابن اسحٰقؒ بتاتے ہیں کہ عدی بن حاتم نے کہا۔ عربوں میں اس قدر کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر نہ تھا، جونہی میں نے آپؐ کے متعلق سنا میں ایک شریف نصرانی آدمی تھا اور اپنی قوم میں مرباع میں رہا کرتا تھا۔ اپنے خیال کے مطابق میں ایک صحیح دین پر تھا اور اپنی قوم کا سردار بھی تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے متعلق سُنا تو مجھے تنفر ہو گیا، اور میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا جو میرے اونٹوں کا چرواہا تھا کہ تیرا باپ نہ ہو، میرے اونٹوں کو موٹا تازہ بنائے اور انہیں میرے قریب ہی رکھ جب تو سنے کہ محمد کے عساکر طے کے علاقہ کو روند رہے ہیں تو مجھے اطلاع دینا۔

اس نے ایسا ہی کیا، ایک صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے عدی جب محمد کے عساکر گھیر لیں گے۔ تو پھر تم کیا کرو گے؟ اب موقع ہے کچھ کر لو، کیونکہ میں نے جھنڈے دیکھے ہیں میں نے ان کے متعلق پوچھا تو جواب ملا کہ یہ محمد کا لشکر ہے۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا۔ میرے اونٹ جلدی لاؤ۔ وہ اونٹوں کو لے آیا۔ میں نے اپنے اہل و عیال کو ان پر سوار کیا اور کہا:۔

میں شام میں اپنے نصرانی بھائیوں کے پاس جا رہا ہوں۔

حاتم کی ایک لڑکی کو میں شہر میں ہی چھوڑ گیا۔

جب میں شام آیا اور یہاں اقامت پذیر ہو گیا تو میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عساکر آئے اور حاتم کی لڑکی کو دیگر گرفتار شدگان کے ساتھ لے گئے اور طے کے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق شام کی طرف فرار ہونے کی خبر مل چکی تھی۔

حاتم کی لڑکی پر آپؐ کا رحم و کرم

آپؐ (حاتم کی لڑکی) کے پاس سے گذرے، اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، قاصد (سہارا) گم ہو گیا۔ والد مر گیا اور میں ایک بڑھیا عورت ہوں کوئی خادم نہیں، اس لئے اللہ کے فضل سے مجھ پر احسان فرمایئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، تیرا سرپرست کون ہے؟

کہنے لگی، عدی بن حاتم

آپؐ نے فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہو گیا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ مجھ پر احسان کیجئے، جب آپؐ واپس ہوئے، اس وقت آپؐ

کے ہمراہ حضرت علیؓ تھے، انھوں نے مشورہ دیا، آپؐ سے سواری مانگی، کہتی ہے کہ میں نے (سواری) کی درخواست کی، آپؐ نے سواری عطا فرما دی اور (عدی) کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

(عدی) کہتے ہیں کہ آخر میری بہن میرے پاس آئی اور کہنے لگی تو نے وہ کام کیا ہے جو تیرے باپ نے نہ کیا تھا (آپؐ) کے پاس رغبت سے یا ڈر سے حاضر ہو کیونکہ آپؐ کے پاس فلاں حاضر ہوا۔ تو اسے انعام ملا۔ فلاں حاضر ہوا۔ اسے بھی انعام ملا۔

عدی بن حاتم خدمت نبوّی میں

عدی بتاتے ہیں کہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ لوگ کہتے ہیں یہ عدی بن حاتم ہے۔ اور میں بغیر کسی امان اور تحریر کے حاضر ہو گیا تھا۔

جب اس نے مجھے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے قبل میں یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا، آخر آپ اپنے گھر میں تشریف لائے، ایک بچّی نے (سادہ وگدا) بچھایا آپؐ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا، تجھے کس چیز نے بھگایا؟ کیا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کیا تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اللہ (معبود مانتا ہے)؟

میں نے کہا، نہیں! پھر آپؐ نے کچھ دیر باتیں کیں، پھر فرمایا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے کہ "اللہ اکبر" (اللہ سب بڑا ہے) کیا تیرے نزدیک اللہ سے کوئی بڑا ہے؟

میں نے جواب دیا نہیں!

پھر آپؐ نے فرمایا، یہود پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہو چکے ہیں

میں نے کہا میں حنیف مسلم ہوں۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ فرحت سے کھل گیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا۔ تو میں ایک انصاریؓ کے پاس ٹھہرا اور دن میں دو بار حاضر ہوتا رہا۔ اس اثنا

میں آپؐ کے پاس ایک جماعت حاضر ہوئی، جس نے روئی کے کپڑے پہن رکھے تھے (افلاسی کے سبب سے) (عدی) کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کھڑے ہوئے اور ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، پھر فرمایا:

اے لوگو! اپنی دولت میں سے کچھ خرچ کرو۔ اگرچہ ایک صاع ہو، نصف صاع ہو، ایک مٹھی ہو یا مٹھی کا کچھ حصہ ہو جس کے ذریعے تم جہنم کی گرمی یا آگ سے اپنے چہرے کو بچاؤ گے۔

اگرچہ ایک کھجور ہو یا کھجور کا ایک ٹکڑا ہو۔ اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھے بول ہی سے سہی، جب تم میں سے کوئی اللہ سے ملے اور ملنے والا یوں کہے،

کیا میں نے تجھے مال اور اولاد نہ دی تھی؟

وہ کہے گا، ہاں!

وہ پوچھے گا اپنے لئے تو نے کیا آگے بھیجا؟

تو وہ اپنے سامنے پیچھے، دائیں بائیں دیکھے گا اور جہنم کی گرمی سے اپنے چہرے کو بچانے کے لئے کچھ نہ پائے گا۔

اس لئے تمہیں چاہئے کہ اپنے چہرے کو دوزخ کی حرارت سے بچاؤ، اگرچہ کھجور کے ٹکڑے سے ہی ہو سکے، اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھے بول سے کیونکہ مجھے تم پر افلاس اور فاقہ کے باعث سے کچھ خطرہ نہیں، اللہ تعالیٰ دور کرنے والا ہے اور عطا کرنے والا ہے یہاں تک کہ یثرب اور حیرۃ کے درمیان ایک عورت گذرے گی اور اسے کہیں بھی چوروں کا خوف محسوس نہ ہوگا۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت طے قبیلہ کے چور کہاں جائیں گے۔؟

واقعہ کعب بن زہیر

ایک دشمن اور باغی سے رسول اللہؐ کا عفو و درگزر

یہ واقعہ طائف سے واپسی اور غزوہ تبوک کے درمیان ہوا۔ ابن اسحٰقؒ بتاتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی سعد کو خط لکھا اور اطلاع دی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ میں ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جو کہ آپؐ کی ہجو کرتے اور ایذا دیتے تھے اور شعرائے قریش میں سے جو باقی ہیں۔ یعنی ابن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب وہ اس طرح فرار ہوئے کہ ان کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ اس لئے اگر تیرے دل میں کچھ لگاؤ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ کیونکہ جو بھی آپؐ کے پاس تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر ہوتا ہے۔ آپ اُسے قتل نہیں کرتے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اپنا انتظام کر لے۔

اس نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور جواب میں چند اشعار لکھ بھیجے۔ پھر بجیرؓ نے کعب کو خط لکھا اور اشعار میں اسے اسلام کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ اگر اسلام قبول نہ کیا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ تم نجات نہ پا سکو گے۔

کعب کو جب یہ خط ملا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور اسے اپنے متعلق خطرہ ہوا اور کہنے لگا مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اپنے خوف وہراس، اپنے دشمن کی طرف سے چغلی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد وہ مدینے حاضر ہوا اور جہینہ کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا جس سے پہلے ہی سے مراسم تھے صبح کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ صبح ادا کی تو اس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ رسول اللہ ہیں، اٹھ اور ان سے امان کی درخواست کر۔

مجھے بتایا گیا، کہ وہ اٹھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور اپنا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ پر رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچانتے نہ تھے اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر آپؐ سے امان کی درخواست کرنے حاضر ہونا چاہتا ہے جو تائب اور مسلمان ہو کر حاضر ہے اور عرض کیا، اگر میں اسے آپؐ کی خدمت میں لے آؤں تو آپؐ اس کی درخواست قبول فرمالیں گے۔

دشمن کو معاف کر دینے کا وعدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصمؒ بن عمر بن قتادہ نے بتایا کہ انصار میں سے ایک صحابی اچھل کر اٹھے اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجیے۔ میں اللہ کے اس دشمن کی گردن مار دوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسے رہنے دے، وہ تائب ہو کر حاضر ہوا ہے۔

راوی کہتے ہیں اس پر انصار کے اس قبیلہ پر کعب کو غصہ آیا۔ اس وجہ سے کہ مہاجرین نے بھلائی کے سوا کچھ بات نہ کی۔ اس نے اس موقعہ پر قصیدہ لامیہ پڑھا۔ جس میں اس نے ابتدا میں اپنی محبوبہ اور اس کی اونٹنی کی تعریف کی اور پھر دربارِ رسولؐ میں حاضر ہونے کے متعلق پر زور اشعار کہے

کتابت: منور حسین محلہ کشمیر نگر حافظ آباد
۹۹... جے ماڈل ٹاؤن - لاہور
1.6.1.08

سیرتِ نبوی پر معرکۃ الآرا کتاب

زاد المعاد

اوّل: آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ وشمائل، عادات وخصائل، اسوہ وسنت، معمولات اور اصولِ زندگی، مجاہدات وغزوات، معاملات اور طرزِ زندگی، خادموں سے برتاؤ، دشمنوں سے سلوک، گھر والوں سے معاشرت پر مشتمل ہے۔

دوم: یہ حصہ مشتمل ہے رحمتِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات ومجاہدات، معاملات دینی ودنیوی میں آپؐ کے اسوۂ مبارک اور سنتِ طیبہ، نیز حالات وسوانح اور معمولات نبویؐ کی روشنی میں، بہت ہی اہم نکات ونوادر مسائل فقہیہ پر

علامہ حافظ ابنِ قیمؒ

نفیس اکیڈیمی - کراچی

زاد المعاد

حصّہ سوم ۔ چہارم

حصہ سوم مشتمل ہے ۔ غزوہ تبوک اور اس سے متعلق اہم ترین مباحث و مسائل پر ۔ اس میں ان عرب وفود کا تذکرہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ان مکاتیب نبوی ﷺ کی تفصیل ہے جو مقوقس اور دوسرے سلاطین کو آپ ﷺ نے بھیجے ۔ مسلیمہ کذاب کے وفد کی آمد اور آپ ﷺ کا ارشاد طب نبویؐ کی پوری تفصیل اور بہت سے فقہی مسائل اس حصے میں شامل ہیں ۔

حصہ چہارم ؛ بیان سیرت ، روایت حدیث اور ذکرِ قرآن کے ساتھ ساتھ یہ حصہ مشتمل ہے اہم ترین مسائل و مباحث فقہیہ پر ، انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بے حد اہم اور معرکہ آرا مسائل پر جس خوبی استدلال اور شانِ برہان کے ساتھ بحث کی گئی ہے وہ مصنف علام کا حصّہ ہے ۔

مصنف : علامہ حافظ ابن قیم

مترجم : سیّد رئیس احمد جعفری ندوی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار ، کراچی

زاد المعاد

248
ا ۔ ٥ ۔ ز

نام کتاب:	زاد المعاد
تالیف:	علامہ حافظ ابن قیم
ترجمہ:	سید رئیس احمد جعفری
ناشر:	نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
طبع:	۱۹۹۰ء
ایڈیشن:	آفسٹ
ضخامت:	۱۱۵۲ صفحات
ٹیلیفون:	۲۱۳۳۰۳

"آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید"

از محمد اقبال سلیم گاھندری

خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج میں "زاد المعاد" کا تیسرا حصہ خوانندگان کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اُردو زبان علم وفن کے اعتبار سے دنیا کی کسی ترقی یافتہ زبان سے فرومایہ نہیں ہے۔ ہر علم وفن پر اس زبان میں بہترین کتابیں تصنیف وتالیف یا ترجمہ کی صورت میں موجود ہیں اور اسلامیات پر تو اتنا بڑا اور اتنا اچھا ذخیرہ موجود ہے کہ ہماری یہ زبان فخر کے ساتھ عربی سے آنکھ ملا سکتی ہے۔ بلکہ بعض اعتبارات سے اس پر برتری کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

لیکن با ایں ہمہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی تک کئی ایسے گنج ہائے گراں عربی زبان میں موجود ہیں جو دفینہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اردو خواں پبلک ان کے مشاہدے سے محروم ہے۔ انہی میں ایک علامہ ابنِ قیمؒ کی یہ کتاب زاد المعاد بھی ہے جس کے دو حصے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں اور اب یہ تیسرا حصہ آپ کے سامنے ہے۔

اس کتاب کی اہمیت، افادیت اور عظمت کا اندازہ آپ کو پہلے دو حصے پڑھ کر ہو چکا ہوگا، اب یہ تیسرا حصہ جو اہم ترین مباحث ومسائل پر مشتمل ہے۔ آپ کی رائے کو اور زیادہ محکم واستوار کر دے گا۔ اسے پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ واقعی

یہ اُردو زبان کی بدنصیبی تھی کہ ایسی معرکہ آرا، اور یگانۂ روزگار کتاب سے اردو کا دامن خالی تھا، اور اب میری طرح آپ بھی فخر کریں گے کہ اتنی بڑی محرومی کی تلافی بالآخر ہو گئی

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست،

آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید!

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کا آخری یعنی چوتھا حصہ بھی میں، آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت اور سعادت حاصل کر سکوں گا۔ و باللہ التوفیق۔

سنّتِ شہ لولاک

از چوھدری محمد اقبال سلیم گاھندری

متاعِ دین ودانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافرادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی؟

مسلمانوں کی تعداد، پہنائے عالم میں ساٹھ کروڑ سے متجاوز ہے، اگر یہ مسلمان صحیح معنی میں مسلمان ہوتے تو آج ساری دنیا مسلمان ہو چکی ہوتی، اور مسلم آزار قوتیں اپنے مقاصدِ مشئومہ میں ناکام ہو چکی ہوتیں۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا!

یہ آگ — لادینی، دین فروشی، الحاد، زندقہ، اور کفر کی — ہر چار سو پھیلی ہوئی ہے کبھی کی بجھ چکی ہوتی، لیکن یہ آگ بھڑک رہی ہے۔ اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قریب ہے کہ اس آتشِ جہاں سوز میں دوسری اقوام وملل کی طرح مسلمانوں کی متاعِ دین ودانش بھی جل کر بھسم ہو جائے گی۔ اور سوا ایک تودۂ خاکستر کے کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ ایسا نظر آتا ہے۔

آگ ہے اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

سوال یہ ہے کہ مسلمان اس امتحان کے لیے تیار ہیں؟

اگر واقعی تیار ہیں تو پھر انھیں مسلمان کی زندگی اختیار کرنا پڑے گی۔ اور یہ زندگی اس وقت تک دستیاب نہیں ہو سکتی جب تک مسلمان، شہِ لولاک کی سنّت کو شمعِ راہ نہ بنالیں۔

ہم اگر مسلمان ہیں، اگر قرآن پر ہمارا ایمان ہے، اگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارا جینا اور مرنا ہماری نماز، اور روزہ، ہماری زندگی اور موت سب کچھ، خدا، اور صرف خدا کے لیے ہے۔

اور خدا کا حکم اپنے نبی آخر الزماں کے لیے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے اسوہ ہے۔ خدا نے اپنے قرآن میں بتایا ہے کہ رسولؐ جو کچھ دے اسے لے لو، اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو۔ خدا نے یہ بھی بتایا ہے کہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (رسولؐ جو کچھ کہتا ہے وہ خدا کی طرف سے کہتا ہے) پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم مسلمان تو رہیں لیکن رسولؐ کی سنّت سے کوئی سروکار نہ رکھیں؟

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اس سانچہ میں ڈھال لیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ گراں مایہ کا تھا۔ زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کی رہنمائی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال طیبہ موجود نہ ہوں۔ اس روشنی میں ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ غاروں، گھاٹیوں، اور ٹھوکروں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں وہ حسنات پیدا کر سکتے ہیں۔ جو ایک مرتبہ پھر ہمیں "خیر امت" بنادیں، اور بجائے اس کے کہ ہم لادینی دنیا کی طرف دستِ طلب اور دستِ اعانت بڑھائیں، وہ خود ہماری امداد و اعانت کی جویا ہو۔

زاد المعاد کا ترجمہ میں اسی لیے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

دنیا کی کسی زبان میں بھی، ایسی جامع ومانع کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ملے گی جیسی یہ ہے۔ اس کتاب میں حیاتِ نبویؐ کو سامنے رکھ کر ان تمام

حالات وحوادث، معاملات ومسائل اور احوال وواقعات کا محققانہ تجزیہ کیا گیا ہے جو صرف علامہ ابن قیمؒ ہی کے قلمِ حقیقت رقم سے ممکن تھا۔

مجھے فخر ہے کہ میں اس کتاب کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ میرا سرمایۂ حیات ہے۔ یہ دنیا اور آخرت ہر جگہ میری پونجی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں۔ ہر مسلمان اسے اپنا سرمایۂ حیات بنالے۔ یہ دنیا و آخرت ہر جگہ، ہر مسلمان کی پونجی بن جائے۔

کام کٹھن تھا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام پا گیا۔ اس ضخامت کی کتاب موجودہ کساد بازاری کے زمانے میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن میں نے اپنے دوسرے پروگرام ملتوی کر دیئے۔ اور اسے سب پر اولیت دی ہے۔

آخر میں خدائے ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ خدا ہر مسلمان کو اسوۂ نبیؐ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

فہرست مضامین

زادالمعاد حصہ سوم

فہرست مضامین

زادالمعاد حصہ چہارم

عنوانات	صفحہ

عدت طلاق

عدت رجعیہ اور بائن

زاد المعاد

حصّہ سویم کے مباحث ومسائل

یہ زاد المعاد کا تیسرا حصّہ ہے۔

پہلے دونوں حصّوں سے یہ حصّہ، اپنے علمی وتحقیقی مباحث، مسائل فقیہہ، واقعات تاریخی اور بیان وکلام کے اعتبار سے کسی طرح کم نہیں ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے زیادہ ہے اس حصہ کا اگر ہم تجزیہ کریں اور اس کے مباحث ومسائل کو سمیٹنے کی کوشش کریں تو انہیں ہم چار انواع میں منقسم کر سکتے ہیں:

(۱) غزوات

اس حصّہ میں غزوات کا ذکر زیادہ نہیں ہے، اس لیے نہیں ہے کہ گزشتہ حصص میں ان کی تفصیل آچکی ہے، لیکن غزوہ تبوک اور اس کے متعلقات اور متضمن فوائد ومسائل کا ذکر ضروری تفصیل، اور جامعیت کے ساتھ موجود ہے، اور اس میں پوری یکتائی کے ساتھ وہ ساتھ نطق وفکر موجود ہے جو علامہ ابن قیمؒ کا خاص حصّہ ہے۔

یہ مبحث نہ صرف عام قارئین کے لیے بلکہ عالم وفاضل اصحاب فکر ومطالعہ کے لیے بھی حد درجہ مفید اور نافع ہے۔

(۲) وفودِ عرب

اس حصہ میں تفصیل کے ساتھ ان وفود کا ذکر ہے، جو مختلف قبائل کی نمائندگی کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ عیسائی بھی تھے اور مشرک بھی۔ ہر طرح کے لوگ تھے۔ ان کی پذیرائی آپؐ نے کس طرح فرمائی؟ ان کے ساتھ کس حسن سلوک سے پیش آئے؟ خود یہ کس طرح کے تاثرات لے کر واپس گئے؟ ان کے دل کا دروازہ اسلام کے لیے بند رہا یا کھل گیا؟ یہ باتیں آپ کو، ضروری تفصیل اور انتہائی جامعیت کے ساتھ اس حصہ میں ملیں گی اور کوئی شبہ نہیں ہر جہت سے روح پرور، اور ایمان افروز ثابت ہوں گی۔

یہ ایک تاریخ بھی ہے، ایک سبق بھی، اور ایک مطالعہ بھی۔

(۳) مکاتیب نبویؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک اور سلاطین کو اسلام کی دعوت بھی دی، اور اس سلسلہ میں، ان کی مکاتیب کے ذریعہ عزّت افزائی بھی فرمائی۔

یہ مکاتیب نبویؐ جہاں اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں وہاں ان میں وہ گیرائی اور کشش بھی ہے، جو نبی امیؐ کی صداقت پر دال ہے۔ ان مکاتیب میں جو بے حد مختصر ہیں، صدق و راستی کی ایک دنیا موجود ہے، ان چند الفاظ میں وہ کشش ہے جو ایک پورے دفتر میں بھی نہیں مل سکتی۔

ان خطوط کی تاریخی حیثیت بھی بہت زیادہ ہے۔

ایک مؤرخ اگر اسلام کی تاریخ لکھتا ہے یا داعی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے احوالؒ سوانح پر قلم اٹھاتا ہے۔ یا ظہورِ اسلام کے وقت جو ملوک و سلاطین ریگ زار عرب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق، رکھنے والے موجود تھے۔ تو وہ کسی حالت میں بھی ان مکاتیب سے استفادہ کیے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے اسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج سے ۱۴ سو برس پہلے کا انداز فکر و نظر کیا تھا؟ روح کی تشنگی اور قلب کی بیداری کا کیا عالم تھا؟ کفر کی سیاہی اور شرک کی ظلمت کی کیفیت کیا تھی؟ اور اسلام

جو وقت کا ایک بہت بڑا انقلاب تھا، کیا پیام لے کر آیا تھا؟ اس پیام کے مضمرات کیا تھے؟ اس پیام کے جو اثرات ونتائج مرتب ہوں ان کی نوعیت کیا تھی؟
سیرت کے ہر طالب علم کے لیے، یہ مکاتیب ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہیں۔
مجھے اُمید ہے ان کا مطالعہ عامی وعالم سب کے لیے یکساں سود مند ثابت ہوگا۔

(۴) طب نبوی ﷺ

پیشِ نظر کتاب کا بہت بڑا حصہ طبِ نبوی پر مشتمل ہے۔
علامہ ابن قیم نے اس ساری کتاب میں، اس کتاب کے چاروں حصّوں میں، کسی بحث کے لیے اتنے زیادہ صفحات وقف نہیں کیے ہیں، جتنے طبِ نبوی پر، اپنی طرف سے انھوں نے کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسے تشنہ بحث رہنے دیا ہو۔
یہ طب نبوی جسے اس کتاب میں مصنف علام نے بہت زیادہ بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے تین حصّوں پر مشتمل ہے۔
ایک حصّہ تو وہ ہے جو امراض و علاج کے سلسلہ میں ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہے، یعنی وہ دعائیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف امراض کے علاج وتدارک کے سلسلہ میں مروی ہیں اور کوئی شبہ نہیں اگر اعتقاد زنگ ریب وشک سے پاک ہو تو یہ دعائیں تیر بہ ہدف ثابت ہو سکتی ہیں، اور ان کے کامیاب اثرات فوراً اور بطرفۃ العین دیکھے جا سکتے ہیں۔ رسول ﷺ کی بتائی ہوئی دعا نہ بے اثر رہ سکتی ہے۔ نہ رائگاں جا سکتی ہے
اور دوسرا حصّہ وہ ہے، جو مختلف امراض کے سلسلہ میں دواؤں، اور جڑی بوٹیوں پر مشتمل ہے۔
اس حصّہ کی صحت و استناد زیر بحث لائی جا سکتی ہے۔ یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دوائیں جن افراد کو بتائی گئیں ان کے لیے خاص تھیں۔ یا ہر فرد اور آنے والی تمام نسلوں کے لیے عام ہیں؟ یہ بات بھی زیر بحث لائی جا سکتی ہے کہ یہ دوائیں اور جڑی بوٹیاں امراض کی مخصوص نوعیت کے ساتھ اپنی افادیت اور تریاقیت کے لحاظ سے

وابستہ ہیں۔ یا بغیر کسی ردوکد کے اور بلا کسی امتیاز و تخصیص کے جملہ امراض میں نافع ہیں؟

لیکن ان باتوں سے قطع نظر کرکے بھی، یہ حصہ تحقیق و دقت نظر، اور ژرف نگاہی کا جیتا جاگتا مرقع ہے، مصنف نے اس حصہ کی تکمیل میں جس محنت سے کام لیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر کتنی وسیع تھی، اور جس موضوع پر وہ قلم اٹھاتے تھے اس پر کتنی زیادہ تحقیق و تدقیق کے بعد لب کشائی کرتے تھے۔

تیسرا حصہ وہ ہے جو علاج بالمفردات سے تعلق رکھتا ہے اور ان مفردات کے خواص و فوائد پر مشتمل ہے۔

اگرچہ یہ چیزیں طب نبوی کے ضمن میں بیان ہوئی ہیں، لیکن زیادہ تر یہ مصنف علاّم کی طبّی معلومات، اور تحقیقات کا نتیجہ ہیں۔

کوئی شبہ نہیں، مفردات کے افعال و خواص، ان کے نفع و ضرر، ان کی کمیت و کیفیت ان کے اثمرات و فوائد اور ان کی تفصیل و تنقیح پر مصنف علاّم نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور اس ضمن میں بہت سے ایسے اشارے کیے ہیں جو آج کی طب اور سائنس کی دنیا میں بھی مسلّمات کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی طرف میں نے حواشی میں کہیں کہیں اشارہ بھی کر دیا ہے۔

اس مبحث پر اتنی سیر حاصل اور مکمل و مفصل گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کو فن طب سے کتنی گہری دلچسپی تھی، وہ اگر عالم یگانہ کے بجائے طبیب فرزانہ کی حیثیت سے منظر عام پر نمودار ہوئے ہوتے تو بھی ان کی انفرادیت جملہ معاصرین پر بالا رہتی، اور ان کا نام نامی ابدالآباد تک زندہ رہتا۔

ایک خیال میرے دل میں یہ بھی آتا ہے کہ طب علاّمہ ابن قیمؒ کا موضوع خصوصی نہیں تھا لیکن چونکہ انہیں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ شیفتگی تھی، اس لیے طب نبویؐ کو بھی انھوں نے عقیدت کی آنکھ سے دیکھا، اور یہی عقیدت انھیں طبی تفتیش کے میدان میں کھینچ لائی اور انھوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

(۵) مسائل و مباحث فقہیہ

دوسرے حصص کی طرح اس حصّہ میں بھی علامہ ابن قیم، ایک فقیہہ یگانہ کی حیثیت سے نمودار ہوئے ہیں، یہ ان کی خصوصیت خاصہ ہے، بلکہ میں تو کہوں گا اس انفرادیت میں کوئی بھی ان کا شریک وسہیم نہیں۔

سیرت نبویؐ کا جو گوشہ بھی ان کے سامنے آجاتا ہے وہ دوسرے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ آپؐ کے قول و فعل اور امر و نہی سے فقہی نکات و مسائل ضرور پیدا کر لیتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں ان کے یہ فقہی نکات اپنے اندر غیر معمولی وزن رکھتے ہیں۔ وہ جہاں ان کے تفقہ ذہانت، دقیقہ سنجی نکتہ آفرینی اور فہم و ادراک قانون پر دال ہیں وہاں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر آزادانہ اور بے لاگ طور پہ وہ مسائل کا تجزیہ کرتے، ان کی تنقیح کرتے، اور ان کے مختلف گوشوں کو کھنگال کر ایک جچی تلی رائے پیش کرتے ہیں، جس کے بعض پہلوؤں سے اختلاف ہو، یہ دوسری بات ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فقہ اور اصول فقہ پر انہیں غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ احادیث پر ان کا استدراک اور نقد و جراح دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کی تخلیق اس لیے ہوئی تھی کہ ساری زندگی قال الرسولؐ کی ترانہ سنجی میں گزار دیں، وہ راویوں پر جرح کرتے ہیں۔ اسناد پر تنقید کرتے ہیں۔ آئمہ حدیث کی متاع فکر و نظر پہ تبصرہ کرتے ہیں اور ایسے ایسے گوشے نظر کے سامنے لاتے ہیں کہ دل سے بے اختیار صدا اٹھتی ہے کہ بلا شبہ یہ شخص امیر المومنین فی الحدیث ہے لیکن جب ان کی عنان توجہ قوائد و مسائل و مباحث فقہیہ کی طرف مبذول ہوتی ہے تو ان کی تحقیق و تدقیق اور زور نقد و جرح، اوپہ کمال وسعت نظر دیکھ کر ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص امیر المومنین فی الفقہ بھی تھا۔

میں اس سے پہلے بھی یہ عرض کر چکا ہوں، اور اب بھی یہ عرض کرنے میں مجھے تامل نہیں کہ حدیث و فقہ میں جلالت شان کے حامل ہونے کے باوجود علامہ ابن قیم کی ہر رائے ہر مسئلہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر جرح بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اور ان کے نکالے ہوئے نتائج کو کبھی کبھی اور کہیں کہیں ناقابل

قبول بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ بات امام بخاری سے لے کر دار قطنی تک اور امام مالک سے لے کر امام ابویوسف تک کسی کے لیے نہیں کہی جا سکتی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہ حیثیت مجموعی ان کا انداز تحقیق اور اسلوب فکر اپنے اندر ایسی ندرت اور انفرادیت رکھتا ہے کہ بے ساختہ اس کی عظمت کے سامنے سر جھک جاتا ہے اور کسی محقق کی بھی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

مجھے امید ہے یہ حصہ بھی اسی قدر اور توجہ کی نظر سے دیکھا جائے گا، جس طرح سے دو حصے دیکھے گئے تھے۔

(رئیس احمد جعفری)

یہ حصہ مشتمل ہے:

- غزوہ تبوک اور اس غزوہ سے متعلق تاریخ و سیرت کے اہم ترین مباحث و مسائل پر۔
- اس میں ان وفود عرب کی کیفیت مندرج ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
- ان مکاتیب نبوی کی تفصیل ہے جو مقوقس اور دوسرے ملوک و سلاطین کو آپ نے بھیجے۔
- نبی کاذب مسیلمہ کذاب کے وفد کا، اور آپ کے ارشاد کا ذکر بھی بہ تفصیل اس حصہ میں موجود ہے۔
- طب نبوی کی پوری تفصیل، مع معالجات، ادویہ اور مفردات کے موجود ہے

علاوہ ازیں

- بہت سے فقہی فوائد و مسائل پر جامع و مانع بحث کی گئی ہے۔

غزوۂ تبوک

تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین غزوہ اور اس سے متعلقہ مباحث

یہ غزوۂ ۹ھ رجب میں واقع ہوا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کے موقع پر لوگ سخت تنگی اور فقر وفاقہ و قحط سالی میں مبتلا تھے۔ (آئندہ موسم) کا پھل پک چکا تھا۔ لوگ اپنے پھلوں کے زیر سایہ آرام کرنا چاہتے تھے۔ اس حالت میں انھیں گھر سے باہر نکلنا ناپسند تھا۔

کم ہی ایسے غزوات ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر رازداری سے کام لیا ہوگا۔ جس قدر غزوہ تبوک میں تنگ حالی اور بعد مسافت کے باعث رازداری سے کام لیا۔

چنانچہ منافقین کی جماعت نے ایک دوسرے سے کہا، گرمی میں کہاں جاتے ہو؟ مت جاؤ۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ۔

یعنی ان لوگوں نے کہا مت کوچ کرو گرمی میں۔

خدا کی راہ میں حضرت عثمانؓ کا ایثار اور قربانی

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیزی سے سفر کی تیاری شروع کردی اور لوگوں کو بھی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اور اہل ثروت ودولت کو اللہ کی راہ میں سواریوں اور اخراجات کے لیے (صدقہ) کرنے کی ترغیب دی جس سے متاثر ہو کر اہل ثروت حضرات سواریاں اور سامانِ سفر لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے اس غزوہ میں بہت ہی زیادہ رقم پیش کی ان کے برابر کسی نے بھی مال خرچ نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ عثمانؓ نے اس موقع پر تین سو اونٹ، ان کے پالان، کجاوے اور اسلحہ پیش کیے۔ نیز ایک ہزار اشرفی پیش خدمت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ باچشم تر حاضر ہوئے۔ ان کی تعداد سات تھی، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سامان اسلاح جنگ کے متمنی تھے۔ آپؐ نے فرمایا، اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں، یہ واپس چلے گئے، شدتِ الم کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، کہ ان کے پاس کچھ نہیں کہ جس کے ذریعہ وہ صدقہ کر کے شریک جہاد ہوسکیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) سالمؓ بن عمیر (۲) علیم بن یزید (۳) ابولیلیٰؓ مازنی (۴) عمرو بن غتمہ (۵) سلمہ بن ضحر۔ (۶) عرباض بن ساریہ اور بعض روایات میں عبداللہ بن مغفل اور معقل بن لیسار کا نام آتا ہے۔

اللہ کا ایک بے مایہ بندہ اور اس کی چشم تر

حضرت علیہؓ بن یزید کھڑے ہوئے انھوں نے تہجد کی نماز پڑھی اور رونے لگے اور کہا:

اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا ہے۔ اس کی ترغیب دی۔ مجھے اتنا مال اور سازوسامان عطا نہ فرمایا جس کے بل پر میں تیرے رسولؐ کے ہمراہ زور وقوت حاصل کر سکتا۔ اور نہ تو نے اپنے رسولؐ کے ہاتھ میں کچھ دیا کہ وہ اس سلسلہ میں میری مدد فرماتے۔ لیکن میں بہرحال ہر مسلمان پر اپنے مظلمہ، مال قوت، یا عزت کو صدقہ کرتا ہوں۔

صبح ہوئی تو علیہ لوگوں کے ساتھ حاضر ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
آج رات کا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ مگر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ پھر آپؐ نے فرمایا:
کہاں ہے وہ صدقہ کرنے والا؟ وہ کھڑا ہو جائے۔
علیہ کھڑے ہو گئے۔ اور تمام ماجرا عرض کیا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش ہو جا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ بلاشبہ تیرا یہ صدقہ زکوٰۃ منقلبہ میں لکھا دیا گیا ہے۔

علیؓ اور محمدؐ، موسیٰ اور ہارونؑ کی مماثلت

عبداللہ بن ابی بن سلول، یہود و منافقین میں سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وادی وداع میں تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کا لشکر دو لشکروں سے کم نہ تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔ ابن ہشام کہتے ہیں منصب نیابت سباع بن عرفطہ کو ملا تھا، لیکن پہلی روایت ثابت ہے۔
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی پیچھے رہ گئے۔ ان کے علاوہ کچھ مسلمان بھی پیچھے رہ گئے لیکن ان کے ایمان اور عزم جہاد میں شک یا تذبذب نہ تھا ان میں سے کعبؓ بن مالک۔ ہلالؓ بن امیہ۔ مرارۃؓ بن ربیع۔ ابوخیثمہؓ سلمی اور ابوذرؓ کے نام مروی ہیں۔ اس کے بعد ابوخیثمہؓ اور ابوذرؓ آپؐ سے جا ملے۔
اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تیس ہزار فوج تھی، جس میں دس ہزار سوار تھے۔ آپؐ بیس دن یہاں اقامت پذیر رہے اور نماز قصر کرکے ادا کرتے رہے۔ اس وقت ہرقل حمص میں تھا، ابن اسحاقؒ بتاتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنے گھر پر بطور نگران مقرر فرمایا۔ منافقین نے انہیں عار دلانے اور بھڑکانے کی کوشش کی اور کہا:
آنحضرتؐ آپ کو نکما اور بے کار سمجھ کر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ اب بھلا حضرت علیؓ میں تاب ضبط کہاں تھی؟ اسلحہ زیب تن کیے اور نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپؐ اس وقت مقام جرف میں اُترے ہوئے تھے، حضرت علیؓ نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبیؐ، منافقین کا خیال ہے کہ آپؐ نے مجھے نکما اور بے کار سمجھ کر مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔

آپؐ نے فرمایا، انھوں نے جھوٹ کہا، میں نے تو تمہیں ان کا نگراں بنایا ہے جنھیں میں نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے، فوراً واپس جاؤ۔ میرے اور اپنے گھر کی نگرانی کرو۔ کیا تم مجھ سے اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرا تمہارا وہی تعلق ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کا تھا؟ مگر خبردار میرے بعد کوئی (کسی قسم کا ظلی یا بروزی) نبی نہیں، چنانچہ وہ واپس مدینہ چلے گئے۔

ابو خثیمہؓ، رسولؐ خدا کا ایک فدائی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے رخصت ہوئے چند دن گزرے تھے کہ ابو خثیمہ اپنے گھر گئے۔ اس وقت شدید گرمی پڑ رہی تھی، انھوں نے دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے خیموں میں ٹٹیوں پر پانی چھڑک رکھا تھا اور پانی بھی ٹھنڈا کر لیا تھا۔ کھانا بھی مزے کا پکایا تھا۔ یہ جب گھر میں داخل ہونے لگے اور دروازے پر کھڑے ہوئے تو اپنی بیویوں کو دیکھا اور جو کچھ انھوں نے ان کے لیئے تیار کر رکھا تھا اس پہ ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دھوپ اور گرمی اور آندھی میں، اور ابو خثیمہؓ ٹھنڈی چھاؤں، لذیذ کھانے اور خوبصورت عورتوں میں؟ یہ انصاف نہیں ہے، پھر گویا ہوئے:

خدا کی قسم میں تم میں سے کسی کے خیمے میں داخل نہ ہوں گا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا۔ اس لیئے میرے لیئے زادراہ تیار کرو۔ انھوں نے (زادِ راہ) تیار کر دیا، پھر اُونٹ کو اٹھایا۔ اس پر کجاوہ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ آخر آپؐ سے تبوک میں جا ملے۔ حضرت ابو خثیمہؓ کی راستہ میں عمیر بن وہب جمحی سے ملاقات ہوئی وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھے۔ یہ دونوں رفیق سفر ہو گئے اور جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابو خثیمہؓ نے عمیرؓ بن وہب سے کہا:

مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے قبل کہیں مجھ سے الگ نہ ہونا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

جب یہ دونوں تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل کے قریب پہنچے تو لوگ کہنے لگے دیکھنا کوئی سوار آرہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو خیثمہؓ ہوگا۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم یہ ابو خیثمہؓ ہی ہے۔

راستہ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں دیار ثمود کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے فرمایا اس علاقے کا پانی بالکل نہ پینا اور نہ اس سے نماز کے لیے وضو کرنا۔ اور تم نے جو اس سے آٹا گوندھ لیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو۔ اور خود اس میں سے کچھ نہ کھانا۔ اور تم میں سے کوئی بھی اپنے رفیق کو ہمراہ لیے بغیر باہر نہ نکلے۔

نبی ساعدہ کے دو آدمیوں کے سوا تمام لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ دونوں تنہا نکلے۔ ایک اپنی کسی ضرورت کے باعث اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں جو اپنی ضرورت سے نکلا تھا۔ اس نے خودکشی کی کوشش کی اور جو اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اسے ہوا نے اڑا کر بنی طے کے ایک پہاڑ پر ڈال دیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا:

کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے ہمراہی کے بغیر باہر نہ نکلے پھر آپؐ نے اسے طلب فرمایا جس نے خودکشی کی کوشش کی تھی، وہ درست ہوگیا۔ اور دوسرے کو قبیلہ طے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد پیش کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں ابو حمیدؓ کی جو حدیث ہے کہ ہم چلے اور تبوک آ پہنچ گئے ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج شب کو تم پر ایک سخت آندھی آئے گی۔ اس لیئے تم میں سے کوئی کھڑا نہ ہو، جس کا اونٹ ہو وہ اسے رسی سے باندھ لے۔ چنانچہ شدید ترین آندھی آئی۔ ایک آدمی کھڑا ہوا، آندھی نے اسے اٹھا کر طے کے پہاڑ پر ڈال دیا۔

منافقوں کی شرانگیزیاں اور شرارتیں

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی تو لوگوں کے پاس پانی نہ تھا۔ انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپؐ نے دُعا فرمائی تو اللہ تعالےٰ نے ابر بھیجا۔ اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور حسبِ ضرورت پانی بھی جمع کر لیا۔ پھر آپؐ نے کوچ کا فرمان صادر کیا۔ آپؐ ایک مقام پر پہنچے تھے کہ آپؐ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ زید بن ابی صلت بول اُٹھا (یہ منافق تھا) کہ محمدؐ کا خیال ہے کہ وہ نبی ہیں، چنانچہ تمہیں آسمان کی خبریں بتاتے ہیں، حالانکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں، کہ ان کی اُونٹنی کہاں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی ایسی ایسی بات کہتا ہے۔ پھر آپؐ نے اس کی ایک ایک بات بتادی اور فرمایا، اللہ کی قسم میں صرف اُسی قدر جانتا ہوں جو مجھے اللہ نے بتایا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق بھی اللہ نے مجھے بتا دیا۔ اور اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے۔ اور ایک درخت سے اس کی لگام اٹک گئی ہے اسی وجہ سے وہ رکی ہوئی ہے۔ پس جاؤ اور اسے یہاں میرے پاس لے آؤ اور اسی جگہ آپؐ نے ایک عورت کے باغ کے پھل کا دس وسق اندازہ لگایا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیش گوئی

حضرت ابوذرؓ اپنے اُونٹ کو جھڑک رہے تھے۔ اس نے دیر کر دی تو انھوں نے سامان اتار کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور پاپیادہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا پر چل پڑے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر اترے ہوئے تھے کہ کسی مسلمان کی ابوذرؓ پر نظر پڑی، اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ، کوئی آدمی راستہ پر تن تنہا چلا آرہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ ابوذرؓ ہو گا۔

جب لوگوں نے دیکھا اور پہچان لیا تو عرض کیا، اے اللہ کے رسول، خدا کی قسم یہ تو واقعی ابوذرؓ ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے۔ تنہا چلتا ہے تنہا مرے گا[1] اور تنہا ہی اٹھے گا۔ لیکن یہ نظری ہے۔

---

[1] حضرت ابوذر غفاریؓ۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابو حاتم بن حبان نے صحیح ابن حبان میں ابوذر کے قصہ وفات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے مجاہدؒ سے انھوں نے ابراہیمؒ بن اشتر سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ام ذر سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

جب ابوذرؓ کی وفات کا وقت آیا تو میں رو پڑی، وہ کہنے لگے کیوں روتی ہو؟

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) حضرت ابوذر غفاری مخصوص صفات و خصائل کے بزرگ تھے۔ ذات رسالت مآبؐ سے والہانہ شغف رکھتے تھے اور اسی شغف کا یہ نتیجہ تھا کہ جو بات اسوۂ نبیؐ اور سنتِ رسول اللہ کے خلاف نظر آتی، بر سرِ عام، نتائج سے بے پروا ہو کر "نہی عن المنکر" کے فرائض سرانجام دیتے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ان کی سادگی، نرمی اور رفق و لینیت کے باعث موقع پرستوں اور طالع آزماؤں کو کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا۔ عہد نبویؐ کی سذاجت، اور عہد شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی الہیت ختم ہو گئی، اور سرمایہ داری کا، زرداری کا، امارت اور ثروت کا دور ابھرنے لگا۔ جاگیریں بننے لگیں دولت کے انبار جمع ہونے لگے، سوسائٹی کے امیر و غریب، دو طبقوں میں بٹنے کی طرح پڑ گئی۔

یہ بات حضرت ابوذر کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟

وہ میدان میں اتر آئے، انھوں نے بر سرِ عام قرآن کریم کی وہ وعیدیں سنانا شروع کیں جو سیم و زر جمع کرنے والوں کے لیے وارد ہوئی ہیں، انھوں نے چاہا کہ وہی دور پھر واپس آجائے کہ مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے آئیں اور سارے کے سارے عامہ مسلمین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ ان کی یہ سچی باتیں، بعض لوگوں کو کڑوی لگیں، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے پاس جب ان کی بہت زیادہ شکایتیں پہنچیں تو انھوں نے ابوذرؓ کو امیر معاویہؓ کے پاس شام، از راہ ہمدردی و تعلق خاطر بھیج دیا کہ یہ اس آشوب سے محفوظ رہیں جو تیزی سے اٹھ رہا تھا۔

امیر معاویہ کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ میں دیکھا تھا، شام میں نہیں دیکھا۔ ابوذرؓ نے شام میں جاکر

میں نے جواب دیا کس طرح آنسو نہ بہاؤں، جب کہ تم ایک ویرانے میں فوت ہو رہے ہو اور میرے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں جو تمہارے کفن کے لیے کافی ہو سکے اور تمہیں دفن کرنے کی بھی مجھ میں ہمت نہیں۔

انھوں نے جواب دیا، خوش ہو جاؤ، اور روؤ نہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے جس میں میں بھی تھا، فرماتے سنا ہے کہ تم میں سے ایک آدمی ویرانے میں فوت ہو گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے (جنازہ) میں شریک ہو گی۔ اور اس جماعت میں سے اس وقت کوئی آدمی بھی زندہ نہیں بلکہ تمام کے تمام فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ (تنہا فوت ہونے

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) دیکھا کہ انھوں نے خلیفہ راشد کی زندگی ہی میں مسند امارت کو قیصر و کسریٰ کا دربار بنا رکھا ہے، جو سرمایہ بیت المال میں جمع ہونا چاہیے یا عامہ مسلمین میں تقسیم ہونا چاہیے وہ ذاتی عیش و نعم پر خرچ ہو رہا ہے۔ قرآن و سنت کی عملداری کے بجائے، آئین خسروی اور دستور قیصری کارفرما ہے، تو ان کے منہ سے نکلے ہوئے بول برق و شرر بن گئے۔ امیر معاویہؓ انہیں کسی طرح برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے سوچا اگر یہ چند دن بھی رہ گئے تو ان کی مسند امارت بوریہ فقریں تبدیل ہو جائے گی۔ اور انھوں نے ثروت و امارت کے جو قلعے بنانا شروع کیے ہیں وہ ڈھے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو ایک زبردست شکایت نامہ بھیجا۔ ابھی عثمانؓ اور علیؓ زندہ تھے، لہٰذا وہ حجر بن عدی کی طرح انھیں قتل تو نہ کر سکے صرف شکایت نامہ پر اکتفا کیا اور لکھا کہ ابوذر کے وجود سے شام کے امن وامان کو خطرہ ہے۔

حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کی بات پر یقین کر لیا، انھیں بلایا، سرزنش کی اور جلا وطن کر دیا۔ حضرت علیؓ انھیں رخصت کرنے مدینہ سے باہر تک آئے کہ وہ امیر معاویہؓ کے اطوار اور ابوذرؓ کی طینت کے رمز آشنا تھے۔ ابوذرؓ نے اسی ویران میں سکونت اختیار کر لی، اور یہیں انتقال کیا۔

والا) میں ہی ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے نہ غلط کہا اور نہ تکذیب کی۔ اس لیے راستہ کی طرف دیکھو۔

میں نے کہا، حجاج جا چکے ہیں۔ راستے خالی ہو چکے ہیں اب کون یہاں ہوگا؟

انھوں نے کہا، جاؤ اور جا کر دیکھو۔

(ام ذرؓ) فرماتی ہیں کہ میں ٹیلے کی جانب جا کر دیکھتی اور پھر واپس آکر تیمارداری کرتی۔ میں اور وہ اسی حالت میں تھے کہ کچھ لوگ سواریوں پر نظر آئے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے میری طرف آئے۔ اور قریب آکر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

اے اللہ کی بندی کیا معاملہ ہے؟

میں نے جواب دیا، ایک مسلمان فوت ہو رہا ہے کیا تم اُسے کفن دو گے؟

انھوں نے پوچھا وہ کون ہے؟

میں نے جواب دیا صحابی رسول ابوذرؓ۔

کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست اور ساتھی؟

میں نے کہا، ہاں وہی۔

انھوں نے حضرت ابوذرؓ کے متعلق "ان پر ہمارے ماں باپ قربان" جیسے الفاظ میں، (اظہار عقیدت کیا) پھر ان کی طرف بڑھے۔ جب (ابوذر) کے پاس پہنچے تو (ابوذرؓ) نے فرمایا۔

حضرت ابوذرؓ کی وصیت

خوش ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جماعت کے بارے میں جس کا ایک فرد میں بھی تھا۔

اسے مخاطب کر کے فرماتے ہوئے سُنا کہ اس جماعت میں سے ایک آدمی ویرانے میں فوت ہوگا، اور مومنین کی ایک جماعت اس کے (جنازہ) میں شریک

ہو گی۔ اب اس جماعت کا ہر فرد کسی نہ کسی موقع پر فوت ہو چکا ہے، صرف میں زندہ ہوں، بخدا نہ میں نے غلط کہا اور نہ تکذیب کی اور اگر میرے یا میری بیوی کے پاس کفن کے لیے کوئی کپڑا ہوتا تو مجھے اس میں کفنایا جاتا۔ اس لیے میں اللہ کے نام پر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو مجھے جو کفن میسر آئے وہ کسی امیر (حاکم) سردار قاصد یا نقیب کا ہو۔

اس جماعت میں ایک انصاری نوجوان کے سوا ہر آدمی ان میں سے کسی نہ کسی بات میں ملوث تھا۔

پس وہ نوجوان بولا:

اے چچا میں آپ کو اپنی اس چادر اور ان دو کپڑوں میں کفن دوں گا جو میری والدہ نے کاتے اور بنے تھے۔

انھوں نے فرمایا، ہاں، تم مجھے کفن دینا۔

چنانچہ انصاری نوجوان نے انھیں کفن پہنایا اور اسی جماعت نے جنازہ پڑھا، اور اسی مبارک جماعت نے انھیں دفن کیا۔

واقعۂ تبوک کی طرف رجوع، دو منافقوں کی کہانی

ہم دوبارہ واقعۂ تبوک کی طرف لوٹتے ہیں، منافقین کا ایک گروہ جن میں ودیعہ بن ثابت بھی تھا جو بن عمرو بن عوف میں سے تھا۔

نیز بنی سلمہ کا ایک حلیف بھی تھا۔ جسے مخشن بن حمیر کہا جاتا تھا۔ یہ منافقین ایک دوسرے سے کہنے لگے:

کیا تم جلاد بن اصغر کو معرکہ آرائی میں ایسا سمجھتے ہو جیسے عرب کے بعض قبائل دوسرے قبائل کے مقابلہ میں لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم صبح مومنوں کو ڈرانے اور دھمکانے کا عہد پورا کرنے والے ہیں۔

مخشن بن حمیر بولا "بخدا میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے ہر آدمی سو سو کو قتل کرے گا، اور تمہاری اس گفتگو کی طرح کل ہم پر قرآن نازل ہوگا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر کو حکم دیا، اس (منافقین کی) جماعت سے ملو کیونکہ یہ لوگ بھسم ہو چکے، اور ان سے دریافت کرو کہ ابھی تم نے کیا کہا تھا؟ پس اگر انکار کریں تو کہنا تم نے تو یہ یہ کہا تھا۔

حضرت عمارؓ ان کی طرف گئے، اور ان سے یہی بات کہہ دی۔

یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت خواہی کرتے ہوئے آئے ودیعہ بن ثابت کہنے لگا۔ ہم تو محض ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق آیات نازل فرمائیں: ولئن سألتھم لیقولنّ إنّما کنّا نخوض ونلعب، پ۱۰، ع۱۲ آخر،

یعنی "اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی"۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ وہاں پہنچنے سے قبل آپؐ نے فرمایا، کہ کل انشاء اللہ تبوک کا چشمہ (یا کنواں) آئے گا، لیکن خبردار چاشت ہونے سے پہلے وہاں مت جانا۔ اور اگر کوئی جائے تو وہ ذرا سا بھی پانی نہ استعمال کرے جب تک میں نہ پہنچ جاؤں۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دو آدمی پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ اور اس چشمہ میں سے ذرا ذرا سا پانی رک رک کر بہہ رہا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا، کیا تم نے اس میں سے کچھ پانی لیا ہے؟

وہ کہنے لگے، ہاں! آپؐ ان پر خفا ہوئے اور سخت سست کہا، پھر چشمہ سے تھوڑا تھوڑا چلو کے ذریعہ پانی لیا گیا۔ آخر کچھ پانی جمع ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس سے اپنا چہرہ انور اور دونوں ہاتھ دھوئے اور اس (استعمال شدہ) پانی کو دوبارہ اس چشمہ میں ڈال دیا۔ دفعتہً کثرت کے ساتھ پانی (کا فوارہ) بہنے لگا اور لوگوں نے خوب پانی پیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ زمانہ قریب ہے اے معاذؓ اور اگر تیری زندگی رہی تو تو خود بھی دیکھے گا، کہ اس پانی سے یہاں کے باغ شاداب ہوا کریں گے۔

حاکم ایلہ سے صلح

غیر مسلموں سے آنحضرتؐ کا روادارانہ اور فراخدلانہ برتاؤ

جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو ایلہ کا حاکم حاضر ہوا اور آپؐ سے مصالحت کر لی۔ اور جزیہ دینے پر آمادگی اور تیاری کا اظہار کیا، اس موقع پر آپؐ کی خدمت والا میں اہل جرب اور اذرح والے حاضر ہوئے۔ انھوں نے بھی جزیہ پیش کیا۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک تحریر لکھ دی جو ان کے پاس رہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امان نامہ

حاکم ایلہ کو آپؐ نے یہ مکتوب لکھ کر دیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ اللہ اور محمدؐ کی طرف سے جو نبی اور اللہ کے رسول ہیں، یحنہ بن رویہ اور اہل ایلہ کے لیے امان نامہ ہے۔ اہل ایلہ کی کشتیاں اور سواریاں خواہ وہ خشکی میں ہوں یا سمندر میں، اللہ اور محمدؐ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

کی حفاظت اور ذمہ میں ہیں۔ اور اہل شام اہل یمن اور اہلِ سمندر میں سے جو لوگ بھی ان کے ساتھ ہوں گے (ان کے لیے بھی یہ امان نافذ ہے) البتہ ان میں سے اگر کسی نے کوئی شرارت کی تو اس کا مال اس کی جان کے عوض میں بچاؤ نہ کر سکے گا۔ اور جو بھی اسے حاصل کرے گا، اسی کا مال ہو گا اور جس گھاٹ پر یہ ذمی آتے ہیں، یا جس راہ پر چلتے ہیں، یا جس سمندر اور خشکی میں ان کی آمد ہے اس سے انھیں روکنا مسلمانوں کے لیے جائز نہ ہو گا۔[1]

---

[1] اس طرح کی رواداری اور فراخ دلی کی مثالیں صرف تاریخ اسلام ہی پیش کر سکتی ہے

عیسائی بادشاہ کیدر دومہ

حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں گرفتاری اور دربارِ رسالتؐ سے پروانۂ رہائی

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اکیدر دومہ کی طرف روانہ کیا۔

اکیدر بن عبداللہ، کندہ کا ایک آدمی تھا جو مذہباً عیسائی تھا اور اس قوم کا بادشاہ بن گیا تھا۔

خالدؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اُسے گائے کا شکار کرتے دیکھو گے۔

حضرت خالدؓ نکلے اور جب وہاں پہنچے جہاں سے اس کا قلعہ نظر آتا تھا۔ اس وقت چاندنی رات تھی ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ وہ (حاکم) اور اس کی بیوی قلعے کی چھت پر تھے۔ اچانک ایک گائے نے محل کے دروازے پر سینگ رگڑنے شروع کیے۔

اس کی بیوی نے کہا، کیا تم نے کبھی ایسا منظر دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا، نہیں، بخدا نہیں، وہ بولی بھلا اس گائے کو کون چھوڑ دے گا؟ اس نے کہا، کوئی نہیں (چھوڑے گا) یہ کہہ کر اترا گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا، اس کے ہمراہ گھر کے چند افراد بھی سوار ہو کر چل نکلے، جن میں اس کا بھائی حسّان بھی تھا۔ یہ لوگ سوار ہو کر اپنے شکار کے پیچھے نکلے، نکلے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے انھیں پکڑ لیا۔ اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔

بادشاہ کے بدن پر دیباج (ایک ریشم کی قسم) کا لبادہ تھا جس پر زری کا کام تھا حضرت خالدؓ نے یہ لے لیا اور واپس ہونے سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس کے بعد خالدؓ بھی اکیدر کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اس کا خون معاف کر دیا اور اس نے جزیہ پر مصالحت کر لی۔ پھر آپؐ نے اسے رہا کر دیا۔ اور وہ واپس اپنے شہر میں چلا آیا۔[1]

ایک صحابی کی وفات کا واقعہ

امام مسلم کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے محمد بن ابراہیم بن حرث تیمی نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں رات کو اُٹھا اور اسی وقت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شریک تھا۔ میں نے لشکر کے ایک جانب آگ کا شعلہ دیکھا۔ میں اُسے دیکھنے لگا، اچانک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ اور عمرؓ نظر آئے اور دیکھا کہ عبداللہ ذوالبجادین مزنی فوت ہو گئے۔ اور ان کے لیے قبر کھودی گئی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں کھڑے ہیں۔ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ انہیں (قبر) میں اتار رہے ہیں اور آپؐ فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کر دو۔ ان دونوں نے انھیں (صحابی کو) آپؐ کے قریب کر دیا۔

---

[1] کیا اس رواداری کی مثال دُنیا کی تاریخ پیش کر سکتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اے اللہ میں اس سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔
راوی کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے، کاش وہ صاحبِ قبر میں ہی ہوتا۔

عذر کی بنا پر شرکت جہاد سے محرومی

غزوہ تبوک سے واپسی پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بے شک مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جہاں چلے اور جو وادی بھی تم نے طے کی، وہ دل سے تمہارے ہمراہ تھے۔
(صحابہؓ نے عرض کیا" اے اللہ کے رسول، حالانکہ یہ لوگ مدینہ میں ہیں"
آپؐ نے فرمایا، ہاں! انھیں (شرعی) عذر نے روک رکھا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اثر انگیز خطبہ

انسانی سیرت و کردار کی تشکیل کا معیار اور اس کی حقیقت راسخہ

انسان کس طرح بنتا اور بگڑتا ہے

دلائلِ بیہقی اور حاکم میں حضرت عقبہؓ بن عامر سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک کے لیے نکلے۔ ایک شب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مصروف خواب استراحت ہو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو سورج ایک نیزے کے بقدر طلوع ہو چکا تھا۔

آپؐ نے فرمایا، اے بلالؓ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ ہمیں فجر کے وقت بیدار کر دینا؟ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول مجھے نیند نے بے بس کر دیا جس طرح آپؐ کے ساتھ ماجرا گزرا۔[1]

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے ہٹ کر تھوڑی ہی دور آگے جا کر اترے اور نماز ادا کی۔ پھر باقی دن رات چلتے رہے۔ اور تبوک میں صبح ہوئی۔ وہاں

---

[1] بشری کیفیتوں سے نبی اور غیر نبی کوئی مستثنیٰ نہیں۔

آپؐ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا :

اما بعد :

سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے ، اور مستحکم و قابل اعتماد چیز، کلمہ تقویٰ ہے اور تمام ملتوں سے بہترین ملت ملتِ ابراہیم علیہ السلام ہے اور تمام سنن سے بہترین سنت سنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور سب سے عظمت والی بات اللہ کا ذکر ہے - اور سب سے احسن قصہ یہ قرآن ہے ، اور سب سے بہتر کام استقلال والا ہے اور سب سے بدتر کام بدعات ہیں - اور سب سے بہتر راہ انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے ، اور سب سے بہتر موت شہداء کے قتل (کی صورت میں موت) ہے اور اندھوں کا اندھا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہ ہو جائے اور بہترین اعمال میں سے وہ عمل ہے جو نفع دے ، اور بہترین ہدی (طریقہ) وہ ہے جس کا اتباع کیا جائے اور بدترین نابینائی دل کا کور ہونا ہے ، اور اونچا ہاتھ (دینے والا) نیچے ہاتھ (لینے والا) سے بہتر ہے - اور جو تھوڑا اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ اور (نیکی سے) روکنے والا یا غافل بنانے والا ہو - اور سب سے بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو موت کے وقت کی ہو - اور بدترین ندامت قیامت کی ندامت ہے - اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو جمعہ میں بہت دیر سے آتے ہیں - اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو اعراض کناں یاد کرتے ہیں اور جھوٹے کی زبان تمام خطاؤں سے بڑی خطا ہے - اور بہترین بے نیازی قلب کی بے نیازی ہے اور بہترین توشہ تقویٰ ہے اور دانائی کی جڑ اللہ عزوجل کا ڈر ہے - اور سب سے زیادہ باعظمت بات قلب میں یقین و ایمان کا ہونا ہے اور شک کرنا از قبیل کفر ہے اور رو اویلا کرنا (بین کرنا) جاہلیت (کفر) کے کاموں میں سے ہے - اور غل کرنا (غبن کرنا) حرارتِ دوزخ میں سے ہے اور نشہ آگ کا داغ

ہے، اور شعر ابلیس کی طرنگی ہے[1]۔ اور شراب گناہوں کو جمع کرنے کا سبب ہے، اور بدترین خوراک یتیم کا مال ہے۔ اور نیک بخت وہ ہے جسے نصیحت کیے بغیر نصیحت ہو جائے اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے ہی بدبخت پیدا ہوا ہو۔ اور تم میں سے ایک آدمی چار گز جگہ (قبر) کی جانب میں جائے گا۔ اور اصل معاملہ ہے۔ اور اعمال کا معاملہ انجام کے ساتھ ہے۔ بدترین خواب جھوٹا خواب ہے۔ اور جو آنے والا ہے وہ قریب ہے، اور مومن کو گالی دینا فسق ہے، اسے قتل کرنا کفر ہے۔ اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے اور جو اللہ کی جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اور جو (دوسروں کو) بخش دیتا ہے اللہ بھی اسے بخش دیتا ہے، اور جو معاف کرتا ہے، اللہ بھی اسے معاف کر دیتا ہے اور جو غصہ پی جاتا ہے، اللہ اُسے اجر دیتا ہے اور جو تکلیف پر صبر کرتا ہے اللہ اُسے صبر دیتا ہے۔ اور جو کسی (کا بھید) سننے کے لیے کان لگاتا ہے، اللہ بھی اس کے لیے کان لگا دیتا ہے۔ اور جو صبر کرے گا اسے اللہ دوگنا اجر دے گا اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اسے عذاب دے گا۔ پھر آپؐ نے تین بار مغفرت چاہی (استغفار کیا)۔

غزوۂ تبوک کے دوران میں جمع بین الصلاتین

ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں قتیبہؒ بن سعد نے انہیں یزید بن ابی حبیب سے انھیں ابی طفیل سے انہیں عامر بن واثلہ سے انہیں معاذ بن جبل سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے دوران میں زوالِ آفتاب سے قبل کوچ کیا۔ آپؐ ظہر کی نماز مؤخر کر دیتے حتیٰ

---

[1] وہ شاعری جو ہوس اور نفس کی شاعری ہو۔

کہ اُسے عصر کے ساتھ جمع کر کے (دونوں نمازیں) ایک ساتھ ہی ادا فرماتے اور جب مغرب سے قبل دن کے آخری حصّہ میں سفر کرتے، تو مغرب کو موخر کر کے عشاء کے ساتھ ادا کرتے اور جب کبھی مغرب کے بعد سفر کرتے تو عشاء کی نماز مقدم کر لیتے۔ اور اسے مغرب کے ساتھ ادا کرتے۔ اور ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھتے اور بتایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ (آخری) حدیث منکر ہے[1]۔

---

[1] ظہر کو موخر کر کے عصر اور مغرب کو موخر کر کے عشا پڑھنا سفر میں، یا سخت ضرورت کے وقت، حنفیوں کا مسلک ہے ظہر کے ساتھ عصر، اور مغرب کے ساتھ عشاء پڑھنا، دوسرے مذاہب فقہ کا مسلک ہے۔

منافقین کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی کوشش ناتمام

رحمت للعالمین نے ان منافقوں کے نام ظاہر نہیں ہونے دیئے

صاحب السر ابو حذیفہ رض

مغازی ابو داؤدؒ میں حضرت عروہؓ سے مروی ہے انھوں نے بتایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ آپؐ راستہ میں تھے کہ کچھ منافقین نے آپؐ کو دھوکہ دے کر ضرر پہنچانا چاہا۔ چنانچہ انھوں نے مشورہ کیا کہ آپؐ کو راستہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے۔

جب قافلہ نبوی چوٹی پر پہنچا تو منافقین نے بھی چاہا کہ آپؐ کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اب رات ہو چلی تھی اور تاریکی بڑھ چکی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، تم میں سے جو چاہے کہ وادی کے درمیان سے جائے تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارے لیے کافی ہو گی۔ یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی کا راستہ اختیار فرمایا اور چند لوگوں کے سوا باقی (صحابہؓ) وادی میں سے گزرنے لگے۔

منافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکر کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ جب انہوں نے سُنا تو یہ تیار ہو گئے اور نقاب ڈال کر ایک انتہائی شدید ترین خباثت کیلیے تیار ہو گئے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت حذیفہ رضؓ بن یمانی اور عمارؓ بن یاسر تھے۔ آپؐ نے حضرت عمارؓ کو اونٹنی کی نکیل پکڑنے کا حکم دیا۔ اور حضرت حذیفہ رضؓ کو پیچھے سے اونٹنی ہانکنے کے لیے فرمایا۔ یہ قافلہ مبارہا تھا کہ ان کے پیچھے سے ایک گروہ کے اچانک حملہ کرنے کی آواز آئی۔ اور اتنے میں انہوں نے آپؐ کو گھیر لیا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حضرت حذیفہ رضؓ کو حکم دیا کہ انہیں ہٹا دیں جب حضرت حذیفہ رضؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی دیکھی تو واپس ہوئے ان کے پاس ایک محسن اچھا سا تھا۔ انہوں نے ان (منافقین) کی طرف منہ کر لیا اور ان کی سواریوں پر اس سے ضربیں لگا دیں۔ جب گروہ کو نقاب اوڑھے دیکھا، تو اسے محض مسافروں کی ایک عادت ہی سمجھا۔

جب حضرت حذیفہ رضؓ نے انہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے (منافقین) کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ سمجھے، کہ ان کے مکر کا اظہار ہو گیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے ہٹ کر لوگوں میں خلط ملط ہو گئے۔ پھر حضرت حذیفہ رضؓ آگے بڑھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ جب یہ آپؐ کے پاس پہنچے تو ارشاد ہوا، اے حذیفہ تم سواری کو ہنکاؤ، اور اے عمارؓ تم چلتے رہو۔ چنانچہ تیزی کے ساتھ یہ چھوٹا سا قافلہ (پہاڑ) کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا، تم اس جماعت یا سواریوں میں سے کسی کو جانتے ہو؟۔

حضرت حذیفہ رضؓ نے عرض کیا کہ میں فلاں فلاں کی سواری جانتا ہوں۔ اور عرض کیا چونکہ رات اندھیری تھی اور وہ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نیز انہوں نے نقاب اوڑھ رکھے تھے اس لیے زیادہ نہیں پہچان سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ اس قافلے کا کیا قصہ ہے اور ان کا کیا خیال تھا؟

انھوں نے عرض کیا: نہیں! اے اللہ کے رسول، واللہ میں نہیں جانتا۔

آپؐ نے فرمایا، انھوں نے میرے ساتھ چلنے کے لیے مکر سے کام لیا تاکہ جب میں چوٹی کے اُوپر چڑھوں تو مجھے وہاں سے گرادیں۔

حذیفہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے حکم کیوں نہ دیا کہ ہم ان کی گردن مار دیتے؟

آپؐ نے فرمایا، میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ چرچا کریں کہ محمدؐ نے اپنے ساتھیوں پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ پھر آپؐ نے ان تمام (منافقین) کے نام اپنے ان دونوں (ہم سفر) صحابہ کو بتا دیے۔ اور فرمایا کہ یہ بات پوشیدہ رکھنا۔

اس سیاق بحث میں ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ اس سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو ان منافقین کے نام بتائے اور ان کے علاوہ کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔ اسی وجہ سے حضرت حذیفہ کو صاحب السر (رازداں) کہا جاتا ہے، جس شرف سے حضرت عمرؓ یا دوسرے صحابہؓ مشرف نہ تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی ان (منافقین) کے ناموں سے آگاہ نہ تھا، چنانچہ جب کوئی آدمی فوت ہوجاتا تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے۔ دیکھو اگر حذیفہؓ نے اسی کا جنازہ پڑھا ہے تو ٹھیک، ورنہ یہ ان منافقین میں سے ہے۔

مسجدِ ضرار

منافقوں کی تعمیر کردہ مسجد کو ڈھا دینے کا فرمان نبویؐ

وحی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو اطلاع

یہی وہ مسجد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اس میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے گروا دیا۔

(یہ واقعہ اس طرح ہے) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم غزوہ تبوک تشریف لے گئے اور ذی اوان میں آ اترے۔ اس مقام اور مدینہ کے درمیان ایک ساعت کا فاصلہ ہے۔ اس وقت مسجد ضرار کے بنانے والے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ تبوک جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ہم نے بیمار، ضرورت مند اور دوسرے معذور لوگوں کے لیے نماز پڑھ دیں۔

آپ نے فرمایا، اس وقت میں سفر پر ہوں، اور اسی کام میں مشغول ہوں اور اگر ہم واپس آئے تو انشاءاللہ ہم یہاں تمہارے پاس آئیں گے، اور تمہاری خاطر اس میں نماز بھی پڑھیں گے۔

چنانچہ آپؐ جب ذی اوان میں اترے تو اس مسجد کے متعلق اللہ نے وحی بھیجی۔ چنانچہ آپؐ نے مالک بن دخشم جو بنی سلمہ بن عوف کے بھائی تھے۔ نیز معن بن عدی عجلانی کو بلایا اور فرمایا، کہ تم دونوں اس مسجد کی طرف جاؤ

جس کے بنانے والے ظالم (گمراہ) ہیں، اسے گرادو اور اس کو جلا دو۔ چنانچہ وہ (مسجد بنانے والے) منتشر ہو گئے۔ ان کے متعلق آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ

یعنی "اور جنھوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں" ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسے بنایا۔ یہ بارہ آدمی تھے۔ ثعلبہ بن حاطب بھی انہیں میں سے تھا۔

عثمان بن سعید دارمی فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن صالح نے بتایا۔ انہیں معاویہ بن صالح سے انہیں علی بن ابی طلحہ سے انہیں ابن عباسؓ سے۔ اس آیت کے متعلق روایت پہنچی کہ یہ کچھ انصاری تھے، جنھوں نے اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔ ان سے ابو عامر نے کہا۔ اپنی (الگ) مسجد بناؤ اور قوت اور ہتھیاروں سے اپنی طاقت میں اضافہ کر لو۔ کیونکہ میں قیصر شاہ روم کے پاس جا رہا ہوں۔ وہاں سے رومی لشکر لے آؤں گا۔ پھر میں محمدؐ اور ان کے اصحابؓ کو نکال دوں گا۔ جب یہ (منافقین) تعمیر مسجد سے فارغ ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے مسجد بنائی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ اس میں نماز پڑھیں۔ اور برکت کی دعا فرمائیں۔ اس پر اللہ عزوجل نے حکم نازل فرمایا۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ سے لے کر فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔

یعنی تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد دھری گئی پرہیزگاری پر اوّل ہی دن سے وہ اس لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں سے لے کر پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ میں"

کعبؓ بن مالک اور ان کے رفقاء کا معاملہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقاطعہ کا حکم اور اس کے اثرات و نتائج

آں حضرتؐ کی مدینہ میں واپسی پھر جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ استقبال کے لیے حاضر ہوئے عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے۔ بچوں کی زبان پر اشعار تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
ہم پر چاند طلوع ہوا ہے وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داعی
ہم پر شکر کرنا واجب ہو گیا جب تک بلائے کوئی بلانے والا

بعض راویوں کا خیال ہے کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ وداع کی وادیاں شام کی جانب ہیں، جنھیں مکہ سے مدینہ آنے والا نہیں دیکھتا اور نہ ادھر سے گزرتا ہے۔ ہاں اگر وہ شام کو جانا چاہے، (تو ضرور راستہ میں پڑتی ہیں)

جب آپ کو مدینہ نظر آیا، تو آپ نے فرمایا، یہ کتنی خوشگوار جگہ ہے اور یہ اُحد ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر آپ کی شان میں ایک نعت پیش کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ

جب آپ کا مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا تو آپ نے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر لوگوں کی طرف چہرہ انور کر کے بیٹھ گئے۔ چنانچہ پیچھے رہ جانے والے آئے۔ اور آپ کی خدمت میں معذرت کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ ان کی تعداد اسّی سے کچھ اوپر تھی۔ آپ نے ان کی ظاہری معذرت قبول کر لی اور ان سے از سرِ نو بیعت لی۔ اور ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائی اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

پھر کعبؓ بن مالک حاضر ہوئے۔ جب انھوں نے سلام کیا آپ نے تبسم فرمایا جس سے برہمی جھلک رہی تھی پھر ان کو فرمایا، آؤ۔

(کعبؓ) فرماتے ہیں کہ میں چلا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپ نے سوال کیا تو پیچھے کیوں رہ گیا تھا؟ کیا تو نے سواری خریدی نہ تھی؟

میں نے عرض کیا، ہاں! اللہ کی قسم اس وقت میں اگر اہل دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھا ہوتا تو آپ دیکھتے کہ میں معذرت کر کے اس کی خفگی دور کر دیتا۔ کیونکہ مجھے مباحثے کا فن خوب آتا ہے۔ لیکن خدا کی قسم، میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آج میں ایک جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لوں، تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض نہ ہو جائے۔ اور اگر میں سچ بولوں تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا۔ اللہ کی قسم، میرا کوئی عذر نہ تھا۔ اللہ کی قسم جب میں آپ سے (جہاد میں شرکت نہ کر کے، پیچھے رہا تو اس وقت مجھ سے زیادہ کوئی (ساتھ جانے سے) قوی اور صاحب سہولت نہ تھا (مجھے ہر طرح ہمراہی کی قوت تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا، بس اب جاؤ، تا آنکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی فیصلہ کر دے۔

میں اٹھ گیا۔ بنی سلمہ کے کچھ لوگ میرے پیچھے آئے اور مجھ پر طعن و تشنیع کرنے لگے اور کہنے لگے۔

بخدا ہم نہیں جانتے کہ تم نے اس سے قبل کبھی گناہ کیا ہو۔ اور جس طرح دوسرے پیچھے رہنے والے معذرتیں پیش کرتے رہے تم اس بات میں بھی رہ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عذر ہی (بنا) کر پیش کر دیتے۔ اب تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے متعلق بخشش کی دعا فرمائیں گے تب ہی گناہ معاف ہوگا (حضرت کعبؓ) فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مجھے مسلسل زجر کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ اپنے آپ کی تکذیب کر دوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا، کیا کسی اور نے بھی میری طرح کیا ہے؟ وہ کہنے لگے، ہاں دو آدمیوں نے کیا ہے جو تم نے کہا، اور انہیں بھی دربار نبوت سے ویسا ہی جواب ملا ہے جیسا تمہیں ملا ہے۔

میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ مرارہؓ بن ربیع عامری اور ہلالؓ بن امیہ واقفی۔

مجھے بتایا گیا کہ یہ دونوں نیک آدمی ہیں جو بدر کے غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اور یہی (میرے لیئے بھی بہتر) نمونہ ہیں۔ جب انھوں نے ان کا تذکرہ کیا تو میں (واپس جانے کی بجائے) اپنے گھر چلا گیا۔

مسلمانوں کو حکم کہ کعبؓ وغیرہ کا بائیکاٹ کر دیں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ ان تینوں سے ہی جو کہ آپؐ سے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ لوگ ہم سے الگ ہو گئے۔ اور ہم سے بگڑ گئے، حتیٰ کہ زمین میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ اب یہ زمین وہ نہ تھی جسے میں جانتا تھا۔ ہم نے پچاس دن اسی حالت میں گزارے، میرے

دوسرے دونوں ساتھی تو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور روتے رہتے، اور میں ذرا توانا اور جوان سا تھا۔ اس لیے میں باہر آیا کرتا اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا کرتا۔ بازاروں میں پھرتا اور مجھ سے کوئی آدمی بھی بات نہ کرتا۔ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان پر سلام پیش کرتا۔ جب کہ نماز کے بعد اپنی مجلس میں آپ تشریف فرما ہوتے اور میں دل میں سوچتا کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے جواب کے لیے ہونٹ مبارک ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے قریب نماز پڑھتا اور آپؐ کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا، اور میں جب نماز کے لئے آتا تو آپؐ میری جانب نظر فرماتے اور جب میں دیکھتا تو مجھ سے اعراض فرما لیتے۔

امتحان اور آزمائش کی گھڑیاں

جب اہل اسلام کا اعراض حد سے طویل اور سخت تر ہو گیا، تو میں ابو قتادہؓ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ یہ میرے چچا کے بیٹے تھے، اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا، اللہ کی قسم انھوں نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔

میں نے پوچھا، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں؟

وہ خاموش رہے، میں نے پھر وہی بات دہرائی وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر وہی بات دہرائی تو وہ کہنے لگے، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

اس پر میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور میں واپس آ گیا۔

ایک اور کڑی آزمائش، شاہِ غسان کی طرف سے رشوت

اس دوران میں کہ میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا اچانک شام کے قبطیوں[1] میں سے ایک قبطی جو مدینہ میں غلہ کے

---

[1] عیسائیوں کا ایک فرقہ

بھیجنے کے لیئے آیا تھا، کہہ رہا تھا کون ہے جو مجھے کعبؓ بن مالکؓ کا پتہ بتائے؟ لوگ اسے اشارے سے بتانے لگے۔ جب وہ میرے پاس آیا، تو اس نے مجھے شاہِ غسان کا ایک خط دیا، اس میں لکھا تھا:

"امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ پر زیادتی کی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلت و رسوائی کے لئے پیدا نہیں کیا: اس لیئے آؤ، ہم سے مل جاؤ ہم تمہاری موانست کریں گے۔"

جب میں نے اسے پڑھا تو کہا، کہ یہ بھی ایک امتحان ہے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے اسے تنور میں ڈال کر اسے (جلا) دیا۔

آخری اور سخت ترین آزمائش

آخر جب چالیس راتیں گزر گئیں تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس آیا اور کہا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جا۔

میں نے دریافت کیا، کیا اُسے طلاق دے دوں یا کچھ اور؟

انھوں نے کہا، نہیں، بلکہ صرف الگ ہو جا۔ اور ان کے قریب نہ جا۔ نیز اسی طرح میرے دوسرے دو ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم بھیجا۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا۔ اپنے اہل کے ہاں چلی جاؤ، اور ان کے پاس ٹھہری رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمادیں۔

ہلال بن امیہ کی بیوی حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ ہلالؓ بن امیہ ایک بوڑھا ناتواں آدمی ہے۔ اس کے پاس کوئی خادم نہیں، کیا آپؐ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ میں اس کی صرف خدمت ہی کر دیا کروں؟

آپؐ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔ اس (صحابیہؓ) نے جواب دیا اللہ کی قسم، اس میں کوئی سکت ہی نہیں رہی، بلکہ جس دن سے یہ معاملہ ہوا ہے اُسی دن سے آج تک وہ بس روتا ہی رہتا ہے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے ایک عزیز نے کہا، کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ بن امیہ کی بیوی کو اجازت دے دی ہے تم بھی آپؐ سے اجازت لے لو تاکہ وہ تمہاری خدمت ہی کرلے۔

میں نے جواب دیا، اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کا سوال نہیں کروں گا، اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کا سوال کردوں تو نہ جانے آپؐ کیا فرمائیں؟ میں ایک جوان آدمی ہوں۔

دس مزید راتیں اسی حالت میں گزر گئیں۔

آخر امتحان کی گھڑی گزر گئی

اور جب ہمارے ساتھ مقاطعہ کلام سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پچاس راتیں مکمل ہوگئیں۔ اور پچاسویں رات کے بعد میں نے اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر نمازِ فجر ادا کی۔ میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے کہا ہے کہ مجھ پر تنگی جان آچکی تھی، اور اپنے کیے کی بنا پر زمین بھی تنگ ہوگئی تھی۔ میں نے ایک آواز دینے والے کی صدا پہاڑ کی چوٹی سے سنی۔

اے کعبؓ بن مالک، خوش ہوجا۔

میں فوراً سجدے میں گر گیا کیونکہ مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ اللہ کی جانب سے آسانی آگئی۔

نمازِ فجر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری توبہ قبول ہونے کے متعلق (صحابہؓ) کو خبر دے دی تھی۔ چنانچہ لوگ ہمیں خوشخبریاں دینے کے لیے آئے اور میرے دونوں ساتھیوں کی جانب بھی گئے۔ ایک آدمی گھوڑے پر میری طرف بھاگا اور بنی اسلم سے ایک آدمی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا۔ اس کی آواز گھوڑے والے سے جلد پہنچ گئی۔ اور جب بلند آہنگ خوشخبری دینے والا میرے پاس پہنچا تو میں نے اپنا لباس اتار کر اسے دے دیا۔ اللہ کی قسم میرے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ چنانچہ میں نے دو کپڑے مستعار لیے اور انھیں پہنا اور جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

خطاکار، دربارِ رسالت میں

لوگ گروہ در گروہ میری توبہ قبولیت کی مبارک دیتے ہوئے ملے، اور کہنے لگے:

اللہ تعالٰی نے تیری توبہ قبول کرلی، تجھے مبارک ہو۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور صحابہؓ آپ کے ارد گرد تھے۔ طلحہؓ بن عبید اللہ اٹھ کر دوڑے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی۔ اللہ کی قسم مہاجرین میں سے ان کے سوا کوئی میری جانب نہ آیا اور میں طلحہؓ کی یہ محبت کبھی بھول نہیں سکتا۔

جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپؐ کا چہرہ انور خوشی و فرحت سے چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے۔ تب سے آج تک آج کے دن (از حد) خوش ہو جا۔

کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ (توبہ کی قبولیت) آپؐ کی جانب سے ہے۔ یا اللہ کی جانب سے؟ آپؐ نے فرمایا، نہیں، بلکہ اللہ کی جانب سے

جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو آپؐ کا چہرہ انور روشن ہو جاتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم اسی سے پہچان لیتے۔

ایثار اور فدویت کی مثال

اس کے بعد جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھا۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول، میں قبولیت توبہ کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو۔ وہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔

میں نے عرض کیا کہ میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں اور باقی اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔

دس خطا کاروں کا واقعہ

حضرت عثمانؓ بن سعید دارمی نقل کرتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن صالح سے انہیں معاویہ بن صالح نے انھیں علی بن ابی طلحہؓ سے انھیں ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق روایت ملی، آیت یہ ہے۔

وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا وآخر سیئًا۔

انھوں نے بتایا، یہ دس آدمی تھے جو کہ غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ گئے اور پیچھے رہ گئے۔ جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپسی پر مسجد میں ان کے قریب سے گزر رہے تھے تو دریافت فرمایا۔

یہ کون ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ رکھا ہے؟

عرض کیا گیا، ابو لبابہؓ اور ان کے ساتھی جو کہ اے اللہ کے رسول (غزوہ) میں آپؐ سے پیچھے رہ گئے (اور ہمراہ نہیں گئے) ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا ہے تا آنکہ آپؐ ہی انھیں کھولیں اور ان کی معذرت قبول فرمالیں

آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں نہ انھیں کھولوں گا اور نہ ان کی معذرت قبول کروں گا جب تک کہ تعالیٰ انھیں کھولے۔ یہ لوگ مجھ سے اعراض کر گئے اور مسلمانوں کے ہمراہ غزوہ میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے۔

جب انھیں یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے، ہم اپنے آپ کو بالکل نہ کھولیں گے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں نہ کھولے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا وآخر سیئًا ط عسی اللہ ان یتوب علیھم ط ان اللہ غفور رحیم، یعنی اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انھوں نے اپنے گناہوں کا، ملایا، انھوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کسی کو

بھیجا اور انہیں آزاد کر کے ان کا عذر قبول فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ ہمارے مال حاضر ہیں۔ ہماری جانب سے ان کا صدقہ فرما دیجیے اور ہمارے لیے بخشش کی دعا فرمائیے۔

آپؐ نے فرمایا مجھے تمہارا مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی: خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم۔ ۱۱/۱۲ رکوع

یعنی "لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس وجہ سے اور دعا دے ان کو بے شک تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے"۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال قبول فرما کر صدقہ کیا اور ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائی۔ اور تین آدمیوں نے اپنے آپ کو مستونوں کے ساتھ باندھا نہ تھا۔ انھیں خیال ہوا کہ نہ معلوم انہیں عذاب دیا جائے گا، یا ان کی بھی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی:

لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار۔۔ اس آیت تک وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا۔۔۔ اس آیت تک ان اللہ ھو التواب الرحیم۔

یعنی اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین وانصار پر۔۔۔۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔۔۔۔ بے شک اللہ ہی مہربان رحم والا ہے۔

فقہی احکام ومسائل کا استنباط

وہ نکات ومعارف جو اس غزوہ سے حاصل ہوئے

۱۔ کوچ کا حکم ملنے کے بعد تاخیر روا نہیں جب ابرار اپنے لشکر کو نکلنے کا حکم دے، تو ہمراہ چلنا لازم ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ امام کے اذن کے بغیر پیچھے رہ جائے اور لشکر کے نکلنے سے متعلق یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک آدمی کو متعین طور پر حکم دیا جائے۔ بلکہ جب لشکر چلے گا تو ہر آدمی کو اس کے ہمراہ نکلنا واجب ہے۔

جہاد کے تین مقامات ہیں۔

ایک فرض عین ہے۔

دوسرا جب دشمن شہر میں آجائے۔

تیسرے جب کہ میدانِ جنگ میں صفیں جم جائیں (یہ سب مذکورہ صورتیں فرض عین کی ہیں)۔

۲۔ مالی جہاد بھی واجب ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جان کے ساتھ جہاد کرنے کے علاوہ مال سے جہاد کرنا بھی واجب ہے۔

امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے یہ ایک روایت ہے اور یہی صائب رائے ہے جس میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ قرآن میں جہاد بالنفس کے ساتھ ہی جہاد بالمال کا ذکر کیا گیا ہے، بلکہ ایک مقام کے سوا تمام مقامات پر جہاد بالمال کا مذکور جہاد بالنفس سے پہلے ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے جہاد بالمال ایک اعتبار سے جہاد بالنفس کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور ضروری ہے اور یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ یہ دو جہادوں میں سے ایک جہاد ہے۔ اور بڑا جہاد ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

جو کسی غازی کے لیے سامانِ جہاد مہیا کرے اُس نے گویا جنگ میں حصّہ لیا۔

پس جو شخص مال استطاعت رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ راہِ خدا میں جہاد پر نکلنے والوں کے لیے سر و سامان بہم پہنچائے، بالکل اسی طرح جیسے جسمانی قوت و طاقت رکھنے والے شخص پر لازم ہے کہ دست و بازو سے جہاد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اور جہادِ بدنی کی تکمیل مال و زر خرچ کیے بغیر نہیں ہوتی کہ تعداد رجال) اور سرمائے کے بغیر دشمن پر قابو پانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے اگر افراد کثرت سے مہیا نہ کر سکتے تو مال اور اسلحہ سے تعاون کرنا واجب ہے کیونکہ جسمانی طور پر معذور آدمی اگر دولت مند ہو تو حج (بدل) اس پر واجب ہو جاتا ہے، پس جہاد میں مال سے تعاون کرنا زیادہ واجب اور اولیٰ ہو گا۔

۳۔ حضرت عثمانؓ کی فضیلت و مزیت

اور انہی حکم میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان نے اس غزوہ میں ایک عظیم سرمائے سے اہلِ اسلام کی مدد کی اور تمام لوگوں پر گوئے سبقت لے گئے اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اے عثمانؓ، اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا، جو تو نے چھپ کر کیا، جو تو نے اعلانیہ کیا، جو اد نے مخفی رکھا، اور جو تو نے ظاہر کر دیا۔

پھر فرمایا:

آج کے بعد عثمان رضؓ کو کوئی بات بھی ضرر نہ دے گی[1]

(حضرت عثمان رضؓ نے اس دن ایک ہزار دینار، تین سو اونٹ ساز و سامان کمیت اور اسلحہ وغیرہ پیشِ خدمت کیے تھے۔

۴۔ عاجز کسے تسلیم کیا جائے گا نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عاجز صرف وہ ہے جو کوشش و جہد کے باوجود مال حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

۵۔ استخلاف امام کا مسئلہ نیز اس سے استخلاف امام کا مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جب امام سفر کرے تو ضعفاء معذورین۔ عورتوں اور بچوں پر کسی آدمی کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ مجاہدین کا نائب ہو گا کیونکہ یہ کام (دراصل) مجاہدین سے بہت بڑا تعاون ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بالعموم ابن ام مکتوم رضؓ کو نائب بنا کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں دس سے زائد مرتبہ نائب بنایا۔

۶۔ حضرت علی رضؓ کی فضیلت و مرکبت اور اہل حدیث واثر کے ہاں ثبوت ملتا ہے، غزوہ تبوک میں آپؐ نے علی رضؓ بن ابی طالب کو نائب بنایا جیسا کہ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوہ تبوک میں جاتے وقت علی کرم اللہ وجہ کو نائب بنایا۔ انہوں نے عرض کیا " اے اللہ کے رسول آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ اپنے پیچھے چھوڑے جا رہے ہو؟

---

[1] یعنی کوئی پرسش نہ ہوگی۔ اس طرح مبشرات دوسرے صحابہؓ کرام کے لیے بھی آئے ہیں لیکن یہ سب کے سب تابع ہیں امر عمل اور نہی سے اجتناب کے۔

آپؐ نے فرمایا!

کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ تمہارا اس طرح تعلق ہو جیسا ہارونؑ علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ لیکن یہ خلافت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کے متعلق تھی۔ باقی رہا استخلافِ عمومی! تو یہ محمد بن سلمہ انصاری کے سپرد تھا۔

۷۔ علاقۂ قوم ثمود کی چیزوں کا استعمال

نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے علاقہ میں سے کنوؤں سے پانی پینا یا اس سے کچھ پکانا، آٹا گوندھنا اور وضو کرنا جائز نہیں۔ البتہ بیر ناقہ کے سوا دیگر مقامات سے چوپاؤں کو پانی پلانا جائز ہے۔ یہ کنویں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک باقی تھے۔ اس کے بعد پھر آج تک صدیوں پر صدیاں گزرتی رہیں۔ اس کنویں کے سوا کوئی مسافر کہیں اترا۔ یہ کنواں بند ہے اور اس کی عمارت پختہ اور وسیع ہے۔ اس پر قدامت کے آثار صاف نمایاں ہیں جن سے قطعاً کسی طرح کا شبہ نہیں ہوتا۔

مغضوب قوموں کے علاقہ سے کس طرح گزرنا چاہیے؟

نیز جو آدمی مغضوب علیہ اور سزا یافتہ اقوام کے علاقہ سے گزرے اسے چاہیے کہ وہ اس کے اندر داخل نہ ہو اور نہ وہاں پر قیام کرے۔ کپڑا لپیٹے ہوئے تیزی کے ساتھ ادھر سے گزر جائے۔ بلکہ گریہ کناں داخل ہو۔ اور اسی حالتِ گریہ و عجز میں گزر جائے، یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وادی محسر میں منی اور عرفہ کے درمیان تیزی سے گزر گئے اسی جگہ اصحاب فیل پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

۹۔ سفر میں جمع بین الصلاتین کا مسئلہ

نیز اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو نمازوں کو سفر میں جمع کر کے پڑھنا منقول ہے۔

لیکن یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ ہاں عرفہ میں دخولِ عرفہ سے قبول آپؐ سے جمع تقدیم ثابت ہے کہ آپؐ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ظہر کے وقت میں پڑھی اور اس کی علت میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے باعث ایسا کیا۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ سفرِ طویل کے باعث جمع کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کام کی کثرت یعنی وقوف کے باعث جمع کیا۔ نیز اس خیال سے کہ وہاں غروب آفتاب تک پہنچ سکیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ضروری کام ہو تو اس کی وجہ سے وہ نمازوں کو ایک وقت پر ایک وقت سے پہلے ا جمع کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ اگر مٹی نہ ملے تو ریت سے بھی تیمم جائز ہے

نیز اس سے ریت کے ساتھ جوازِ تیمم بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب مدینہ اور تبوک کے ریگستانی علاقہ کو طے کر رہے تھے اور اس میں قطعاً شک نہیں کہ آپؐ اپنے ساتھ مٹی نہیں لے گئے۔ اور یہ چٹیل ریگستان ایسا ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی اور یہ تو یقینی بات ہے کہ جہاں وہ اتر رہے تھے وہیں پر انہوں نے ریت سے تیمم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ:

میری امت کو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہیں اس کی مسجد ہے اور وہیں طہارت کا سامان ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس دن تبوک میں مقیم رہے اور قصر کرتے رہے مگر امت کو یہ حکم نہیں دیا کہ جب تم میں سے کوئی اس سے زیادہ دن قیام کرے تو قصر نہ کرے۔ بلکہ آپؐ کی یہ اقامت (اتنی مدت) رہی اور حالت سفر میں یہ اقامت سفر سے خارج نہیں ہوتی چاہے طویل ہو یا قلیل، بشرطیکہ وہ اجنبی علاقے میں ہو اور اس جگہ مقیم ہو جانے کا ارادہ بھی نہ ہو۔

سلف اور خلف میں یہ مسئلہ کافی حد تک اختلافی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں انیس دن ٹھہرے اور آپ نے دو دو رکعتیں پڑھیں۔ اس لیے ہم جب انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور اگر زیادہ دن ٹھہرنا ہوتا ہے۔ تو مکمل نماز پڑھتے ہیں۔

اور کلام احمد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کا مطلب زمانہ فتح میں مدت قیام مکہ سے ہے۔

دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا مطلب قیام تبوک سے ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن ٹھہرے رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے (مسند احمد)

اور مسعودؓ بن مخرمہ نے بتایا کہ ہم شام کی کسی بستی میں حضرت سعدؓ کے ہمراہ چالیس دن تک ٹھہرے، حضرت سعدؓ قصر کرتے رہے اور ہم مکمل نماز پڑھتے رہے

حضرت نافعؒ بتاتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ آذربائیجان میں چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ ان کی واپسی کی راہ میں برف سے رکاوٹ ہو گئی تھی

حضرت حفص بن عبیدہ بتاتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ملک شام میں دو برس مقیم رہے اور مسافر کی نماز پڑھتے رہے۔

حضرت انسؓ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رام ہرمز میں سات ماہ ٹھہرے اور نمازوں میں قصر کرتے رہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ساتھ بابل میں دو سال ٹھہرا اور وہ قصر نماز پڑھتے رہے اور جمع نہ کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں ایک سال سے زیادہ مدت تک ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ اور سجستان میں دو سال ٹھہرے (اور قصر کیا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی یہی سنت طیبہ ہے اور یہی بہتر اور

صائب ہے۔

رہے لوگوں کے مذاہب تو امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب چار دن تک اقامت کا ارادہ ہو تو مکمل نماز ادا کرے۔ اور اگر اس سے کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے آثار کا انہوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ ان کا ارادہ اتنی مدت کا نہ تھا، بلکہ خیال یہ تھا کہ ہم کل جائیں گے۔ اور پھر کل جائیں گے۔

امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ ہو تو مکمل نماز پڑھے اور اگر کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے۔

ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اگر پندرہ روز کے قیام کا ارادہ ہو تو مکمل نماز پڑھے اور اگر اس سے کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے، حضرت لیثؒ بن سعد کا بھی مذہب ہے اور تین بزرگ صحابہؓ حضرت عمرؓ۔ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت سعیدؒ بن مسیّب فرماتے ہیں اگر تو چار دن ٹھہرے تو چار رکعتیں پڑھو۔ نیز آپؒ سے ابو حنیفہؒ کے مطابق بھی ایک قول منقول ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں، اگر دس دن قیام کرے تو مکمل نماز پڑھے، یہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں، جب تک اپنے شہر میں واپس نہیں آتا، تب تک قصر کرتا رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب تک زادِ راہ اور ساز وسامان نہیں رکھ دیتا، تب تک قصر کرتا رہے۔ ویسے ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی حاجت سے قیام کرے اور ہر روز یہ ارادہ کرتا رہے کہ کل جاؤں گا، کل جاؤں گا اور انتظار میں لگا رہے، تو وہ زندگی بھر قصر کر سکتا ہے۔ البتہ ایک منقولہ قول میں امام شافعیؒ کا فرمان یہ ہے کہ سترہ یا اٹھارہ دن تک قصر کرے اور اس کے بعد قصر نہ کرے۔

ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مسافر کو اس بات کی اجازت

کہ جب تک وہ مدت مخصوص کے لیے اقامت کا ارادہ نہ کرے قصر کرتا رہے۔ چاہے اس پر کئی سال گزر جائیں [1]

۱۱۔ اگر مصلحت دائمی ہو تو قسم توڑنا مستحب ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالف کو اپنی قسم توڑنا مستحب ہے۔ اگر بصورت ہے۔ اگر بصورت دیگر اسے مصلحت بھلائی اور نیکی نظر آئے۔ البتہ اس کے عوض چاہیے کہ کوئی دوسرا نیک کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ یہ بات اس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ خواہ قسم توڑنے سے قبل کفارہ ادا کر دے، خواہ بعد میں ادا کرے۔

سنن میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ جب تو حلف دے (قسم کھائے) اور یہ دیکھے کہ نیکی اور بھلائی تو دوسری صورت میں ہے تو قسم توڑ دے اور حلف کا کفارہ ادا کر دے اور وہ دوسری صورت جو خیر کی ہے اختیار کرلے۔

یہ روایت اصل صحیحین میں مروی ہے۔ اسی بنیاد پر احمدؒ، مالکؒ اور شافعیؒ

---

[1] سفر کے سلسلے میں حنفی فقہ کا مسئلہ مختصر طور پر یوں ہے۔

۱۔ قصر کا آغاز سفر پر روانہ ہوتے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کی شرط نہیں کہ اتنے میل یا اتنی مسافت طے کرنا ضروری ہے وطن سے یا مستقل اقامت گاہ سے نکلتے ہی اگر نماز کا وقت حالت سفر میں آجائے تو قصر جائز ہے۔

۲۔ مسافر کی حیثیت سے اگر ساری زندگی بھی گزر جائے تو قصر برابر جاری رکھا جائے گا اس کے لیے بھی شرط نہیں کہ اتنی مدت تک تو قصر کیا جا سکتا ہے۔ اس مدت میں اضافہ ہو جائے تو قصر نہیں کیا جائے گا، یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ قصر اس وقت تک کیا جائے گا۔ جب تک مسافر اپنے وطن نہ واپس آجائے، یا کسی اور جگہ مستقل اقامت نہ اختیار کرلے۔

خیال ہے کہ قسم توڑنے سے قبل کفارہ دینا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ نے روزے کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور فرمایا کہ روزوں میں تقدیم کرنا جائز نہیں، البتہ ابو حنیفہؒ نے علی الاطلاق پیشگی کفارے سے منع کیا ہے[1]

۱۴- غصہ کی قسم بھی معتبر سمجھی جا سکتی ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حالتِ غضب کی قسم معتبر سمجھی جائے گی، بشرطیکہ حالت اس حد تک نہ لے جائے کہ قسم کھانے والا ہوش و حواس کھو چکا ہو اور نہ جانتا ہو کہ کیا کہہ رہا ہے؟ ایسی قسم کے معتبر سمجھے جانے کی صورت میں اس کا حکم نافذ ہو گا اور اس کا عقد بھی درست ہو گا اور اگر غضب اغلاق تک پہنچ جائے تو ایسے شخص کی نہ قسم معتبر ہو گی، نہ عقد، نہ طلاق، نہ عتاق، حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ کی نہ طلاق معتبر ہے نہ عتاق۔

۱۳- اصل معطی، مانع، اور عامل خدا ہے، رسولؐ صرف منفذ ہے

اسی طرح جناب رسالتمآبؐ کا فرمان، کہ میں نے تمہاری طرف یہ (سازو سامان) تعاون سفر نہیں بھیجا، بلکہ اللہ تعالےٰ نے ارسال فرمایا ہے ایسا کلام گا ہے گا ہے جبر قلوب کے لیے ہوتا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

خدا کی قسم میں نہ کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ کسی سے کچھ روکتا ہوں، بلکہ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

کیونکہ آپؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور حکم کے مطابق امور میں

---

[1] قسم ہو یا روزہ، کسی کا کفارہ بھی وقوع واقعہ سے پیشتر ادا کرنا تکلیف مالایطاق، اور عقلی و شرعی نقطۂ نظر سے غیر مستحسن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم امام ابو حنیفہ نے علی الاطلاق پیشگی کفارے کو روا نہیں قرار دیا ہے۔

تصرف فرماتے تھے چنانچہ پروردگار کریم آپؐ کو کسی امر کا حکم فرماتا، آپؐ نافذ کر دیتے، کیونکہ اصل عطا کنندہ اور روکنے والا تو صرف اللہ ہی ہے۔

۱۴۔ نفاق کفر تک پہنچ جائے تو بھی منافق کا قتل روا نہیں ہے

اسی طرح منافقین کو قتل نہ کرنا، حالانکہ یہ لوگ کفر صریح تک پہنچ چکے تھے اسی سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ زندیق کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ ظاہری طور پر توبہ کرے کیونکہ (ان منافقین) نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھائی کہ ہم نے یہ نہیں کہا، لہٰذا، ان الفاظ کا مطلب توبہ ہی قرار دیا جائے گا اور بعض منافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہنے لگے کہ آپ نے عدل نہیں کیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ کیا آپؐ انہیں قتل کریں گے؟ آپؐ نے یہ جواب نہیں دیا کہ ان کے خلاف مبینہ نہیں ہے بلکہ فرمایا کہ لوگ یہ چرچا کرنے لگیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ اس لیے صحیح جواب تو یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کا ترکِ قتل ایک مصلحت کے پیش نظر تھا، تاکہ آپؐ کی جانب تالیف قلوب ہو سکے۔ اور تمام لوگ آپؐ کے کلمہ پر جمع ہو جائیں۔ نیز ان کے قتل سے تنفر کا خطرہ تھا اور اس وقت اسلام کی حالتِ غربت تھی، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تالیفِ قلوب چاہتے تھے اور یہ ایسا امر تھا، جو صرف آپؐ کے عہد سے مخصوص تھا، اسی طرح سے آپؐ نے اپنے آپؐ پر حملہ کرنے والوں کے خلاف بھی اقدام نہیں کیا، لیکن آپؐ کے بعد امت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا حق بھی نہ لے[1] بلکہ اب ضروری ہے کہ

---

[1]: قرآن، حدیث اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ سے جو کچھ مستنبط اور متبادر ہوتا ہے کہ شرع میں اور احکام و قضایا میں عمل ظاہر کیا جاتا رہے، یہ منافقین اگرچہ دل میں سلام اور داعی اسلام کے بدترین دشمن تھے، لیکن (باقی صفحہ ۱۱۵ پر)

پورا پورا حق لیا جائے۔ ان مسائل پر ایک دوسری جگہ وضاحت آئے گی اور یہاں صرف اشارہ، اور تنبیہ ہی مقصود ہے۔

۱۵۔ معاہدین اور اہل ذمہ کے بارے میں ایک رائے

نیز معاہدین اور اہل ذمہ لوگ

جب کسی ایسی حرکت کا ارتکاب کریں جس سے اسلام کو ضرر پہنچتا ہو تو ان کے مال اور جان کی حفاظت سے متعلق کیا ہوا عہد ختم فوراً ہو جائے گا۔ اور اگر امام اس کی جان و مال پر غلبہ نہ حاصل کر سکے تو اس کی جان و مال (ہر مسلمان کے لیے) مباح اور ہدر ہوگی۔ اور جو بھی اسے پکڑے گا، اسی کی ملکیت سمجھی جائے گی،

(بقیہ حاشیہ) زبان سے اسلام کا اقرار کرتے رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے انہیں سزا نہیں دی، لیکن اگر ان کے کفر کی کوئی ناقابل تردید شہادت مل جاتی تو ظاہر ہے پھر وہ سزا سے نہ بچ سکتے۔ ایک جنگ میں ایک جلیل القدر صحابی نے جب میدان جنگ میں ایک شخص کو اپنی شمشیر خارا شگاف کی زد پر لیا تو اس نے اپنے مسلمان ہو جانے کا اقرار کیا، لیکن صحابی نے یہ سوچ کر اس کی گردن اڑا دی کہ یہ جان بچانے کا ایک حیلہ ہے۔ آپ کو جب اسی واقعہ کی اطلاع ملی تو برہم ہوئے اور ان سے دریافت فرمایا: هل شققت قلبه؟ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر آپ نے خدائے عزوجل کی بارگاہ میں تین مرتبہ اس فعل سے برأت کا اظہار فرمایا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کس طرح مانی جا سکتی ہے کہ منافقین کا قتل عہد رسالت میں ناجائز تھا بعد میں جائز ہو گیا۔ اگر ہو گیا ہوتا تو ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ نے منافقوں کو کیوں قتل نہیں کیا؟ اس سے تو بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے عہد میں بھی منافقین تھے اور اچھی خاصی تعداد میں تھے۔

تاریخ اسلام میں ایک مثال بھی اس کی نہیں مل سکتی کہ نفاق کے جرم میں کسی

(باقی صفحہ ۱۱۶ پر ہے)

جیسے کہ آپؐ نے اہل ایلہ کے ساتھ مصالحت کے موقع پر فرمایا کہ جوان میں سے شرارت کرے تو اس کا مال اس کی جان کے بچانے کے لیے حائل نہ ہو سکے گا اور جو بھی اس پر قبضہ کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہو گا یہ اس لیے کہ شرارت (احداث) سے وہ محارب بن چکا ہے اور اس کا حکم اہل حرب ہی کے مانند ہو گا۔

۱۶۔ رات کے وقت تدفین کا مسئلہ

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالنجادینؓ کو رات کے وقت دفن کیا۔

امام احمدؒ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور فرمایا کہ ابوبکرؓ رات کو دفن کیے گئے۔ علیؓ اور فاطمہؓ کی تدفین بھی رات کو ہوئی۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے متعلق دریافت فرمایا، یہ کون ہے؟

عرض کیا گیا، فلاں ہے، گذشتہ شب کو دفن کیا گیا۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمایا (یا جنازہ پڑھا)

اگر یہ کہا جائے کہ صحیح مسلم کی روایت کا آپ کیا جواب دیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ دیا، اور ایک صحابی کا ذکر کیا جو فوت ہو گئے اور انہیں بالکل ہی معمولی درجے کا کفن پہنایا گیا، اور رات کو دفن کیے گئے۔ اس موقع پر آپؐ نے شدتِ اضطرار کے سوا رات کو قبر میں دفن کرنے سے منع فرمایا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی جانب جاتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم

باقی حاشیہ: کو قتل کیا گیا ہو اس لیے کہ نفاق اگر ثابت ہے تو کفر ہے۔ ثابت نہیں ہے تو نفاق ہے اور جو ثابت نہ ہو اس پر نہ حد جاری ہو سکتی ہے، نہ سزا دی جا سکتی ہے۔

بحمد اللہ دونوں احادیث کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور کسی کو بھی رد نہیں کرتے اس طرح کہ ہم رات کو دفن کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں بلکہ زجر کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی مصلحت یا ضرورت ہو تو الگ بات ہے۔ مثلاً رات کو مسافروں کے قافلہ میں سے ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اہل قافلہ کے لیے صبح تک ٹھہرنا خطرناک ہے یا مثلاً میّت کے پھٹ کر بدبودار ہو جانے کا اندیشہ ہے اس قسم کے ترجیحی اسباب کی وجہ سے رات کو دفن کر دیا جائے گا۔

۱۷۔ مالِ غنیمت اور قیدی مجاہدین کا حق ہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام جب کوئی سریہ بھیجے اور اسے مالِ غنیمت یا قیدی حاصل ہوں یا کوئی قلعہ فتح ہو جائے تو خمس نکالنے کے بعد باقی سب کچھ اہل سریہ کا حق ہو گا لیکن اگر جنگ کے دوران میں (بہ حالتِ سفر) فوج کا ایک حصہ بطور سریہ بھیجا جائے اور فوج کی پشت پناہی کے بل پر اور اس کی قوت سے اسے کچھ حاصل ہو تو یہ خمس اور نفل نکالنے کے بعد مالِ غنیمت ساری فوج کا ہو گا، صرف اہل سریہ کا نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنتِ طیبہ تھی۔

۱۸۔ ایک اہم شرعی نکتہ

نیز غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ذکر ہو چکا ہے۔

مدینہ میں کچھ لوگ ہیں کہ تم نے جو وادی طے کی، یا تم جہاں بھی چلے وہ لوگ تمہارے ہمراہ تھے"؟

یہ معیّت قلبی اور عزائم و ہمم کی ہے، نہ کہ یوں جیسے جہلاء اور سفہاء نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ اپنے جسم و اعضا سمیت ان کے ہمراہ تھے۔ یہ محال ہے کیونکہ آپ کے سامنے عرض کیا گیا وہ تو مدینہ میں ہیں؟

آپ نے فرمایا، ہاں وہ مدینہ میں ہیں۔ انہیں عذر نے روک دیا ہے۔ یہ لوگ قلبی روحی طور پر ان کے ہمراہ تھے اور ان کے اجسام دارالہجرت (مدینہ) میں تھے۔

اسے جہاد قلبی کہتے ہیں۔

ان کا یہ جہاد اصل میں جہاد کے چار مراتب قلبی، لسانی، مالی اور بدنی میں سے ایک ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ مشرکین کے ساتھ زبان، قلب اور مال کے ذریعہ جہاد کرو

۱۹۔ مقامات معصیّت کی تخریب و انہدام جائز ہے

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ معصیّت کے مقامات کو جلانا جائز ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو، اسے گرا دینا چاہیے، جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد ضرار کو جلا دیا۔ اور اسے منہدم کر دینے کا حکم فرمایا، حالانکہ اس مسجد میں نماز پڑھائی جاتی تھی اور اس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد ہی ضرر اور مومنین کے درمیان افتراق و انتشار پر تھی یہ منافقین کی جائے پناہ تھی اور ہر ایسی جگہ جس کا معاملہ مسجد ضرار کا سا ہو، امام پر واجب ہے کہ اسے گرا کر اور جلا کر ختم کر دے یا اس کی صورت متغیّر کر کے اسے مٹا دے اور جس کام (مثلاً بت پرستی، قبر پرستی وغیرہ کے لیے بنائی گئی ہے۔ اسے وہاں سے ہٹا دے کیونکہ جب مسجد ضرار کے متعلق یہ طرز عمل روا رکھا گیا۔ تو وہ مقاماتِ شرک گرا دینے کے زیادہ مستحق ہیں جن کے مجاورین لوگوں کو وہاں اللہ کا شریک بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسے فسق و فجور کے مقامات مثلاً شراب کی دکانیں اور منکرات کے مراکز[1]۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایک پورا گاؤں ہی جلا دیا تھا، جس میں شراب کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔[2] اور رویشد ثقفی کی دکان جلا دی اور اسے تو فیتوسے (غنڈہ) کا خطاب دیا۔

---

[1] وہ مراکز جو مسلمانوں نے قائم کیے ہوں، غیر مسلموں پر یہ اصول نافذ نہیں ہو سکتا۔

[2] یہ واقعہ تاریخی طور پر مشتبہ ہے، کسی مستند تاریخ میں اس کا مذکور نہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تارکین جماعت اور جمعہ کے گھر جلا دینے کا ارادہ کر لیا تھا[1]۔ لیکن عورتوں اور بچوں کی وجہ سے رک گئے کیونکہ ان پر مسجد میں جماعت کی حاضری واجب نہیں۔

۲۰۔ وقف کب درست اور جائز ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف نیکی اور قربت کی خاطر وقف درست ہو سکتا ہے ورنہ مسجد ضرار کا وقف بھی درست ہوتا۔

۲۱۔ قبر پر مسجد یا صحن مسجد میں قبر کی تعمیر ناجائز ہے نیز ایسے ہی قبر کے اوپر مسجد بنانا ناجائز ہے اور اسی طرح اگر مسجد کے اندر (یا صحن) میں کسی کو دفن کر دیا جائے تو قبر کو اکھاڑ دیا جائے۔ یہ امام احمد وغیرہ سے منصوص ہے۔

اسلام میں مسجد اور قبر دونوں جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ جو پہل کر جائے وہ دوسرے کے لیے رکاوٹ ہوگی۔ اور پہل کرنے والے ہی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ اور اگر دونوں ایک ساتھ بنائی جائیں تو وقف درست نہ ہوگا اور نہ جائز ہوگا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے باعث ایسی (قبر والی) مسجد میں نماز ادا کرنا جائز نہیں اور آپ نے اس پر لعنت کی جو کہ قبر کو مسجد بنا لے، یا اس پر چراغ جلائے اب یہ اسلام کا دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول پر نازل فرمایا۔ مگر اب غربتِ اسلام کیسی نمایاں ہے۔

۲۲۔ مدحیہ اشعار کے جواز کا پہلو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والے کے استقبال کے لیے فرحت و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے شعر پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ محرمات (حرام کام) مثلاً باجہ اور مزمار اور عود شامل نہ ہوں اور ایسے غنائی اشعار نہ ہوں جس سے فحاشی

---

[1] یہ آپ کا یہ عزم تنبیہاً تھا، واقعتہً نہ تھا، جیسا کہ کتب فقہ میں تصریحات مذکورہ موجود ہیں

ٹپکتی ہو، یا ایسی بات جسے اللہ نے حرام کر دیا ہو اور فاسقانہ غناء کے قائل تو شراب جیسی مسکرات کو بھی حلال سمجھتے ہیں۔ اور اسے انگور اور عصارہ انگور (افشردہ انگور) پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ، فشردہ مسکر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کے اندر اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ انما البیع مثل الربوا! یعنی بے شک بیع ربوا کی طرح ہے[1]

۲۳۔ ممدوح مدحیہ اشعار سن سکتا ہے

اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح کرنے والوں کی مدح کرنے والوں کو مدح سُنی اور سننے سے انکار نہیں فرمایا۔ اس واقعہ کو دیگر ممدوحین پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جس کے متعلق فرمایا گیا۔

مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو۔

---

[1] یعنی کفار کہا کرتے تھے کہ بیع اور سود دونوں یکساں طور پر کاروبار ہیں۔ زید اپنی چادر جو اس نے چار روپے میں لی تھی پانچ روپے میں فروخت کرکے ایک روپیہ نفع کماتا ہے اور خالد دس روپے نقد دے کر گیارہ روپے لیتا اور اسی طرح ایک روپیہ نفع کماتا ہے۔ دونوں نے اپنے مال پر نفع لیا۔ لہٰذا بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اسلام ان دونوں صورتوں میں فرق کرتا ہے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

انما احل اللہ البیع وحرم الربوا (اللہ تعالےٰ نے بیع حلال کی ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے)

اس میں مصلحت یہ ہے کہ تاجر، اپنی جس چیز پر نفع کماتا ہے اس میں نفع کے ساتھ نقصان کا بھی قوی امکان ہوتا ہے وہ خراب ہو سکتی ہے۔ سڑ سکتی ہے، جل سکتی ہے نیز اسے مالِ تجارت کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ دقتیں اور دشواریاں اٹھانا پڑتی ہیں۔ جان و مال دونوں طرح کے خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کے برعکس سود خور۔ ہر خطرے، زیاں اور خسارہ سے بے نیاز ہوتا ہے دو روپیہ دے کر۔ جو مال تجارت نہیں ہے۔ زیادہ روپیہ لیتا ہے۔ (باقی صفحہ ۱۲۱ پر)

۲۴- امام اپنا ارادہ مخفی رکھ سکتا ہے نیز امام جب کسی بات کو عوام سے مخفی رکھنے میں مصلحت دیکھے تو اپنے عزائم اور دشمن کی جانب کوچ کرنے کو اس کے لیے مخفی رکھنا جائز ہے۔

۲۵- بدعت حسنہ کا جواز نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں فوج کے لیے کوئی دیوان (دفتر) نہ تھا۔ یہ طریقہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم دیا تھا، اور اہل اسلام نے دفتر کی ضرورت و اہمیت کو بھی محسوس کر لیا تھا۔

۲۶- پچھڑنے والوں سے امام کو باز پرس کرنی چاہیئے نیز امام مطاع کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو آزاد ہرگز رہنے دے جو کہ اس سے (جنگ کے موقع) پر پیچھے رہ جائیں بلکہ ان سے باز پرس کرے تاکہ وہ اطاعت کریں اور توبہ کریں۔

۲۷- سفر سے واپسی کے آداب نیز آنے والے کے لیے مسنون یہ ہے کہ سفر سے واپسی پر اپنے اپنے شہر میں داخل ہوتے وقت باوضو ہو اور سب سے پہلے اللہ کے گھر (مسجد) میں جائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر مسلمانوں کے پاس بیٹھے۔ اس کے بعد اپنے گھر میں آئے

۲۸- منافقین کے اظہارِ اسلام میں جرح نہیں کی جا سکتی نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کا اظہارِ اسلام قبول کر لیتے اور ان کی باطنی حالت کو اللہ کے سپرد کر دیتے۔ اور ظاہری

باقی حاشیہ۔ اسے اپنے ابنائے جنس سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ وہ سنگ دل اور سفاک بن جاتا ہے۔ معاشرہ کے لیے ایک ناقابل برداشت چیز بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بیع کی اجازت دی ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

حالت کے مطابق حکم نافذ فرماتے اور غضبیات پر زجر نہ کرتے۔

۲۹- امیر یا امام نادیباً سلام کا جواب نہ دے یہ جائز ہے

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اور حاکم کو چاہیے کہ وہ ایسے آدمی کے سلام کا جواب تادیباً نہ دے جو اسلام میں کوئی بدعت جاری کرے، تاکہ دوسروں کو بھی زجر و نصیحت ہو جائے کیونکہ آپؐ سے یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے حضرت کعبؓ کے سلام کا جواب دیا ہو، بلکہ برہمی کے انداز میں تبسّم فرمایا۔

۳۰- ایک اہم اور لطیف نکتہ

ان تمام میں سے جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے صرف ان تینوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ممانعتِ کلام ان کی صداقت اور باقی لوگوں کے کذب کی دلیل ہے۔

چنانچہ آپؐ نے صادقین سے ان کی غلطی کے باعث تادیب کے لیے وقتی علیحدگی اختیار فرمائی جو منافقین تھے ان کا گناہ اس سے زیادہ تھا، لہٰذا ان کے لیے، ہجر بنی کی دعا پہلے تینوں کے برعکس کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ اپنے بندوں کے جرائم پر ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مومن بندہ کی جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ادنیٰ اور معمولی سی غلطی اور لغزش پر گرفت کرتا ہے تاکہ وہ مسلسل ہوشیار اور چوکنا رہے۔ اور اگر کوئی بندہ اس کی نگاہوں سے گر جاتا اور ذلیل ہو جاتا ہے پھر اسے گناہوں پر آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ اور جیسے جیسے وہ گناہ کرتا ہے اس پر انعامات میں اضافہ کرتا ہے۔ اور یہ مغرور یوں سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کا فضل ہے حالانکہ اسے علم نہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ اسے آخرت میں شدید ترین عذاب دے اور صحیح تو یہ ہے آخرت کی سزا کا کسی دوسری سزا سے مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے حدیث مشہورہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا ہی میں سزا دیتا ہے، اس کے گناہ کٹ جاتے ہیں اور جب اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے حق میں سزا کا ارادہ کرتا ہے تو

دنیا میں اس کی سزا روک لیتا ہے اور قیامت میں وہ اپنے گناہوں سے لدا ہوا آتا ہے۔

۱۲۱۔ مقاطعہ کی صورت میں ترک جماعت قابل مواخذہ نہیں

اس میں یہ بھی ذکر ہوا، کہ ہلال بن امیہ اور مرارہؓ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور وہیں نمازیں ادا کرتے رہے۔ اور جماعت میں حاضر نہ ہوا کرتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کا انقطاع تعلقات اس آدمی کے لیے معقول عذر ہے کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہو۔ اور یا یوں کہا جائے گا کہ انقطاع تعلقات کا اکمال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں بھی حاضر نہ ہو۔ لیکن کہا جائے گا کہ حضرت کعبؓ جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کبھی منع نہیں فرمایا، نہ اُن دونوں پر ترک جماعت کے باعث عتاب فرمایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم ملا تو انہوں نے ایسے امور میں بھی قطع تعلق کر لیا جن کا انہیں حکم نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کلام کرنا بھی بند کر دیا۔ اور آپؐ نے جو نماز میں حاضر ہوتا ہے منع نہ فرمایا۔ اور جو نہ حاضر ہوتا اس کے متعلق بھی کچھ کہا نہیں، یا کہا جائے گا کہ وہ دونوں صحابی کمزور ہو چکے تھے اور باہر نکلنے سے عاجز و درماندہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ میں ان دونوں کے مقابلہ میں مضبوط تھا، اور ان سے زیادہ جوان تھا۔ اس لیے باہر بھی نکلتا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز با جماعت میں بھی شریک ہوتا، اور وہ یہ بھی کہتے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور انہیں سلام کرتا۔ آپؐ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھے ہوتے اور میں سوچا کرتا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب مبارک کو سلام کے جواب میں حرکت دی ہے یا نہیں۔

یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ جس سے (اہل اسلام) قطع تعلق کر لیں۔ اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔

۲۳-واقعۂ کعب اور اس سے حاصل شدہ نکات و مصالح

اس کے علاوہ شاہ غسان کا انہیں خط لکھنا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک طرح کا امتحان و ابتلاء تھا۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ کعب نے اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور ایمان کے معاملہ میں ذرا بھی کمزوری نہیں دکھائی۔ نیز صحابہؓ کے سامنے بھی اس کا اظہار ہو گیا کہ یہ ان میں سے نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قطع تعلق کے باعث جن کا ایمان کمزور ہو گیا ہو، اور نہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو ان حالات میں بھی دین کے مقابلہ میں جاہ و حشمت ظاہری کے طلب گار ہوں۔ یہ تمام امور اس لیے وارد ہوئے کہ اللہ تعالےٰ نفاق سے ان کی برأت کرنا چاہتا تھا اور ان کی قوتِ ایمانی نیز اللہ اور اس کے رسول اور صحابہؓ سے محبت اور صداقت کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ پس یہ معاملہ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتمام نعمت اور لطف و کرم اور زخمی دل پر مرہم رکھنے کا معاملہ تھا اور اس ابتلاء نے ان کی باطنی حالت کو آشکارا کر دیا اور ان کا یہ کہنا کہ "میں نے اس مکتوب کو" نذرِ آتش کر دیا، اس بات کا ثبوت ہے کہ فسادِ دین کے خطرہ کے پیشِ نظر انہوں نے فوراً اسے جلا دیا۔ اور محتاط آدمی نہ انتظار کرتا ہے اور نہ تاخیر سے کام لیتا ہے۔

اور اس زمانہ میں عرب و شام کے بادشاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اتر آئے تھے، اور آپؐ سے جنگ کرنے کے لیے فوجیں جمع کر رہے تھے اور یہ واقعہ یوں ہے کہ جب شجاعؓ بن وہب اسدی کو حرث بن ابی شمر غسانی کی طرف دعوتِ اسلام دیتے ہوئے آپؐ نے ارسال فرمایا اور ساتھ ہی ایک نامہ مبارک بھی تحریر کر دیا تو شجاعؓ کا بیان ہے میں وہاں پہنچا اور وہ دمشق کے مقامِ غوطہ میں تھا اور قیصر کے استقبال اور اسے ٹھہرانے میں معروف تھا، اور وہ حمص سے ایلیا تک آیا تھا میں اس کے دروازے پر دو یا تین دن تک ٹھہرا رہا۔ پھر میں نے دربان سے کہا

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اور تمہارے بادشاہ کے پاس آیا ہوں اس نے جواب دیا وہ فلاں فلاں دن باہر آئے گا۔ جب وہ باہر آئے گے تب ہی مل سکتے ہو۔ اس سے پہلے نہیں۔

۲۳۔ شاہ غسان کے رومی دربان کا قبول اسلام

یہ دربان رومی تھا اس کا نام مری تھا

مجھ سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات چاہنے لگا اور میں اسے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے متعلق بتلاتا رہا۔ رقّت قلب کے باعث اس پر گریہ کی حالت طاری ہو جاتی، وہ کہتا ہاں میں نے انجیل میں بھی یہ پڑھا ہے اور میں نے نبیؐ کی یہی صفت وہاں دیکھی ہے۔ اس لیے میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ بے شک آپ خدائے لاشریک لہٗ اور یگانہ ویکتا کے بھیجے نبی گرامی ہیں۔ البتہ مجھے حرث سے خطرہ ہے کہ وہ کہیں مجھے قتل نہ کر دے کیونکہ وہ میرا احترام کرتا رہا ہے اور میری خوب خاطر و مدارات کرتا رہا ہے آخر حرث ایک دن نکلا تاج زیب سر تھا، اس نے مجھے دیکھا اور اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ میں نے اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دیا، اس نے پڑھنے کے بعد پھینک دیا اور کہنے لگا میرا ملک مجھ سے کون چھین سکتا ہے؟

پھر کہنے لگا میں خود اس کی طرف جاؤں گا۔ اگر وہ (نبی) یمن میں ہوتا تو میں اسے لوگوں کے سامنے لاتا۔ اس طرح کی بیہودہ باتیں بکتا رہا۔ آخر کھڑا ہو گیا۔ اور گھوڑوں کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر مجھ سے کہا جو کچھ تو نے دیکھا ہے اپنے سردار کو اس کی خبر دے دینا۔ نیز قیصر کو بھی اس نے خط لکھا اور تمام حالات اور اپنے عزائم بتائے قیصر نے اسے جواب دیا۔ محمدؐ کی طرف سفر مت کرو اور اس سے باز رہو۔ بلکہ ایلیا میں مجھ سے ملاقات کرو۔

جب قیصر کا خط آیا تو اس نے مجھے بلایا اور سوال کیا، تم اپنے سردار کے پاس

کیب جارہے ہو؟

میں نے کہا، کل! اس نے مجھے ایک سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور اس کے دربان نے (جو رومی تھا اور اسلام قبول کر چکا تھا) مجھے سفر خرچ اور لباس دیا اور کہا، میری جانب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔

اس کے بعد میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا، اس کا مالک تو گیا۔

پھر میں نے اس کے دربان کی جانب سے سلام عرض کیا اور جو کچھ اس نے کہا تھا وہ بھی عرض کیا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس نے سچ کہا۔

حرث بن ابی شمر کا انتقال فتح مکہ کے زمانہ میں ہو گیا۔ مرنے سے پہلے ہی اس نے حضرت کعبؓ کو خط لکھا تھا جس میں انہیں اپنے ساتھ مل جانے کے لیے اکسایا تھا، لیکن انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین سے اعراض کرنے سے انکار کر دیا۔

۴۳۔ کامیابی و کامرانی کی بشارت

جب کعبؓ اور ان کے ساتھیوں کو اسی حالت میں چالیس راتیں گذر گئیں تو یہاں سے نوید و بشارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ فتح و کشاکش کے ابتدائی مقدمات کے طور پر، اور یہ بشارت دو طریقہ پر تھی۔

ایک تو یہ کہ آپ نے بذاتہ، اور بنفسہ قطع کلام و گفتگو کے باوجود آپ نے انہیں پیغام ارسال فرمایا اور پیغام یہ تھا کہ اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لو۔ اس میں اس بات کی تنبیہہ اور ہدایت تھی کہ اس اثنا میں عبادت اور ریاضت کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے۔ خیالات نفسانی قریب نہ پھٹکنے پائیں اور لہو و لعب و لذائذ سے انقطاع کامل کر لیا جائے اور کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت میں انہماک اللہ استغراق کیا جائے۔

دوسرے یہ حکم دراصل کامرانی اور کامگاری کا آئینہ دار تھا۔ مطلب یہ کہ ابتلا و محن کی بس چند ساعتیں رہ گئی ہیں

۲۵۔ ایک فکر آفریں اور اہم نکتہ اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ عبادات کے زمانہ میں عورتوں سے علیحدہ رہنا چاہیے جیسے حالتِ احرام، زمانۂ اعتکاف، اور حالت صوم میں۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان تینوں کے حق میں یہ آخری ایام وفورِ عبادت کے باعث احرام اور صیام کی طرح ہو جائیں، رحمت و شفقت کے باعث یہ حکم ابتداء ہی میں نہیں دیا اس خیال سے کہ شاید دورِ ابتلا ختم ہو رہا تھا جیسے حاجی کو ان چیزوں سے رکنے کا حکم اس وقت ہے جب وہ احرام باندھ لے، نہ کہ اس سے وقت جب وہ حج کا ارادہ اور نیت کرے۔

۲۶۔ سجدۂ شکر کی اہمیت و عظمت بشارت دینے والے کی بشارت پر حضرت کعبؓ کا سجدہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان صحابہؓ کی عادتِ جمیلہ تھی اور یہ سجدۂ شر کے دفعیہ اور تجدید و نعمت کی بنا پر سجدۂ شکر تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بھی سجدۂ شکر کیا جب انہیں مسلمہ کذاب کے قتل ہونے کی خبر ملی اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جب پتہ چلا کہ ذوالثدیہ خوارج کے مقتولین جنگ میں ملا ہے تو انہوں نے بھی سجدۂ شکر ادا کیا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدۂ شکر کیا۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ کو بشارت دی۔

جو آپؐ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ نیز جب آپؐ نے اپنی امت کے لیے شفاعت کی تو بھی سجدہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تین بار آپؐ کی شفاعت قبول فرمائی۔

ایک بار ایک خوشخبری دینے والا حاضر ہوا۔ آپؐ کو عسکر اسلام کی فتح یابی کی

خوشخبری دی۔ اس وقت آپؐ کا سر مبارک حضرت ام المومنین عائشہ رضؓ کے زانو پر تھا، آپؐ کھڑے ہوگئے اور سجدہ میں چلے گئے۔

حضرت ابو بکرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب کوئی مسرّت انگیز خبر پہنچتی، تو آپؐ اللہ کے حضور میں سجدہ گزار ہوتے، اور یہ بات تمام آثارِ صحیحہ سے ثابت ہے ان میں کوئی طعن اور کمزوری نہیں۔

۲۷۔ مسلمان کی شان

اور گھوڑے سوار کا جلدی سے آنا اور ٹیلے پر چڑھنے والے کا عمل اس لیے تھا کہ حضرت کعبؓ کو بشارت پہنچائی جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جماعت بھلائی اور امورِ خیر کی از حد طالب اور اس کی طرف سبقت کرنے والی تھی۔ ایک دوسرے کی مسرتوں میں شرکت کرتی اور خوشی محسوس کرتی تھی۔

۲۸۔ خوشخبری دینے والے کو عطیہ دینا اخلاق کریمانہ کی علامت ہے

اور حضرت کعبؓ کا دونوں کپڑے اتار کر خوشخبری دینے والے کو دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ بشارت دینے والوں کو عطیہ دینا اخلاق کریمانہ اور عادتِ اشراف کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت عباس رضؓ نے ایک غلام آزاد کر دیا تھا جب اس نے انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ حجاج بن علاط نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے آپؐ کے لیے ایک خبر لائے ہیں جو ان کے لیے مسرّت بخش ہوگی۔

۲۹۔ دینی نعمت میسّر آنے پر پورا لباس دے دینا بھی مستحب ہے،

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مبشر کو تمام کپڑے دے دینا بھی جائز ہے۔ نیز جیسے کوئی نعمتِ دینی عطا ہو اس کے لیے اس میں استحباب کا پہلو بھی ملتا ہے۔

۳۰۔ خوشخبری کے موقع پر مصافحہ کرنا بھی مستحب ہے

اور مصافحہ کرنا بھی اس وقت مستحب

ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تمام طرق سنن مستحبہ ہیں، ہاں اگر کوئی دنیاوی نعمت مہیا ہو تو اُسے صرف جائز سمجھا جائے گا۔

۴۱۔ توبہ قبول ہونے پر حسب استطاعت صدقہ کرنا مستحب ہے

حضرت کعبؓ کا یہ قول کہ اے رسول خدا، میری توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال راہ خدا میں دے ڈالوں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کے موقع پر حسب استطاعت صدقہ کرنا مستحب ہے۔

۴۲۔ پورا مال صدقہ کرنے کی نیت کر چکنے کے بعد بھی اس پر عمل واجب نہیں

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان کہ کچھ مال اپنے لیے روک لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اپنے تمام مال کے صدقہ کر دینے کی نذر مان لے۔ اس پر تمام مال دے دینا واجب نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ حصّہ بھی لینا جائز ہے۔ اس کے متعلق روایات ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کعبؓ سے فرمایا کہ اپنا کچھ مال روک لو۔ اور اس کی مقدار مقرر نہیں فرمائی، بلکہ مطلق چھوڑ دی۔ اور بقدر کفایت ذاتی اجتہاد پر ہی چھوڑ دی اور یہی مطلب درست ہے کیونکہ جو مال صدقہ کرنے والے اور اس کے اہل کی کفایت سے بھی کم ہوگا۔ اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں اس کی نذر طاعت نہ ہوگی اس لیے پورا کرنا بھی واجب نہیں اور جو اس کی کفایت اور ضرورت سے زائد مال ہوگا اسے دینا اور اس کا صدقہ کرنا افضل ہے اس لیے جب پورے کو نذر مان لے تو اس میں سے بقدر کفایت اخراج واجب ہوگا، اور فقہی قیاس اور قواعد شرعیہ کا تقاضا یہی ہے اس لیے واجبات مالی ادا کرتے پر اپنے اور اپنے اہل کی کفایت کے معاملہ کو مقدم رکھنا چاہیئے، خواہ اللہ کا حق ہو، جیسے کفارے اور حج یا انسانوں کا حق ہو، جیسے ادائیگی قرضہ جات۔ اس طرح ہم

لیے یا بہ لوگوں کے لیے بھی اپنا چھوڑ دینے ہیں جو رہائش ۔ خادم ۔ لباس ، حرفت و صنعت اور ضروریات زندگی کے لیے کفایت کرتا ہو ۔ اتنے مال کو علیحدہ کر دینے کے بعد جو باقی بچے گا اس میں قرضخواہوں کا حق ہو گا ۔

۴۳ - صدقہ کی نذر تہائی مال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے

امام احمدؒ سے نص ملتی ہے

کہ جو اپنا تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مانے ۔ اس کے لیے تہائی کی اجازت ہے ۔ اور ان کے اصحابؒ نے حضرت کعبؓ کے اسی قصّہ سے استدلال کیا ہے ، کعبؓ نے آپؐ سے عرض کیا تھا ، اے اللہ کے رسول ، اللہ اور اس کے رسول کے سامنے میری توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کی خاطر دے ڈالوں ۔

آپؐ نے فرمایا ، نہیں ۔

انہوں نے عرض کیا پھر نصف مال دے ڈالوں ۔

آپؐ نے فرمایا نہیں یہ بھی نہیں ،

کعبؓ نے عرض کیا ، اچھا ایک تہائی تو دے ڈالوں ؟

آپؐ نے فرمایا ، ہاں ، اتنے میں مضائقہ نہیں ۔ کعبؓ نے عرض کیا ، اچھا پھر میں اپنا خیبر کا حصّہ روک لیتا ہوں ۔ (ابو داؤدؒ)

۴۴ - صدقہ کرنے والا اپنے لیے کیا رکھے ؟ یہ اس کے ذاتی فیصلہ پر منحصر ہے

لیکن اس روایت کے ثبوت محلِ نظر میں ، کیونکہ اس سلسلہ میں حضرت کعبؓ کی روایت سے متعلق اصحاب صحیح کی روایت زیادہ مستند اور صحیح ہے ۔ جو امام زہری کی حدیث میں وارد ہے کہ انہوں نے کعبؓ بن مالک کے لڑکے سے روایت کی ، کہ آپؐ نے فرمایا ، اپنا کچھ مال روک لو ۔ اس میں مقدار کا تعین نہیں فرمایا ۔ اور یہ دوسروں کے مقابلہ میں صحیح روایت کا زیادہ علم رکھتے تھے ۔ کیونکہ کعبؓ کے صاحبزادے

تھے، لہٰذا ان کی روایت کی بنیاد والد ہی سے سنی ہوئی باتوں پر ہوگی۔

۵۴۔ مسند احمد کی ایک روایت اور اس کی تشریح

اگر یوں کہا جائے کہ مسند احمدؒ کی اس روایت کے متعلق کیا خیال ہے؟ کہ جب اللہ تعالےٰ نے ابولبابہ بن منذر کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں قبولیت توبہ کی مسرت کے باعث اپنے گھر سے دستبردار ہوتا ہوں اور آپ کو پیش کرتا ہوں۔ نیز اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، تیسرے حصّہ کا (صدقہ) ہی تجھے کافی ہے۔

اس روایت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ حضرت کعبؓ اور ابولبابہؓ نے کوئی خاص نذر مانی جس کا ایفاء لازمی ہو۔ بلکہ انہوں نے توبہ کی خوشی میں تمام مال سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اور یہ صراحت نذر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں تو ان دونوں کا پختہ عزم تھا کہ قبولیتِ توبہ کے باعث تمام مال اللہ کا شکر ادا کرنے کی وجہ سے صدقہ کر دیا جائے۔ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں بتایا، کہ اس مطلب کے لیے مال کا کچھ حصّہ بھی کفایت کر سکتا ہے۔ اور تمام مال نکالنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح حضرت سعدؓ نے جب عرض کیا، میں تمام مال (صدقہ کرنے کی) وصیت کرنے کی اجازت چاہتا ہوں تو آپ نے انہیں صرف ثلث کی اجازت دی اور ثلث سے زیادہ صدقہ کی ممانعت فرمائی۔

یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ سہولت اور صدقہ کرنے والے کے دینی اور دنیاوی منافع اور فوائد آپ کے پیشِ نظر تھے، کیونکہ اگر آپ انہیں تمام مال خیرات کر دینے کی اجازت دے دیتے تو وہ فقر اور افلاس میں مبتلا ہو جاتے۔

اسی طرح ایک آدمی آپ کی خدمت میں ایک تھیلی لے کر حاضر ہوا آپ نے اسے سارا مال صدقہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور فقر کے خطرہ کے باعث اس میں سے

کچھ بھی قبول نہ کیا۔

اس کے علاوہ ایک اور صورت بھی بیان کی جاتی ہے جسے میں ترجیح دیتا ہوں وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم صدقہ کرنے والے کے حالات کے مطابق اس سے برتاؤ کرتے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو تمام مال صدقہ کرنے کی اجازت دے دی۔ اور جب دریافت فرمایا کہ تم نے گھر میں کیا رکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا، ان کے لیے اللہ اور اس کا رسولؐ کافی ہے، آپؐ نے ابوبکرؓ کو منع نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ نے نصف مال پیش خدمت کیا۔ آپؐ نے انہیں بھی اجازت دے دی، جو تھیلی لے کر آیا تھا اسے پورا مال دینے کی اجازت نہ دی اور حضرت کعبؓ کو حکم دیا کہ کچھ مال روک لو، اس لیے جو آدمی تمام مال صدقہ کرنے کی نذر مان لے اسے چاہیے کہ اس قدر مال روک لے کہ جو اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے ضروری ہو اور اسے زندگی میں دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔

چنانچہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام مال جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور جس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوتی ہو اس کے بارے میں دو روایات ہیں۔ ایک ادا کرنے کی اور دوسری یہ ہے کہ کچھ بھی نہ دے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں، کہ ایسے شخص پر تمام مال کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

امام مالکؒ۔ زہریؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک تہائی کا صدقہ کر دے۔

ایک گروہ کا یہ قول بھی ہے کہ بقدر کفارہ اس میں واجب ہے۔

۴۲ - راست گوئی اور صدقہ بیانی کی قدر و عظمت

حضرت کعبؓ کے واقعہ سے راست گوئی اور صدقہ بیانی کی قدر و عظمت، اور دنیا و آخرت کی سعادت اور شر سے نجات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محض صدق کے باعث ان لوگوں کو نجات دی اور محض کذب کے باعث جسے ہلاک کرنا تھا ہلاک کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے مومنین کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ یعنی اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور سچّوں کے ساتھ رہو۔

اللہ تعالٰے نے مخلوق کو دو حصّوں میں منقسم فرمایا ہے سعید اور شقی، اہل صدق و تصدیق کو سعید قرار دیا اور اہل کذب و تکذیب کو شقی قرار دیا۔

نیز اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو خبر دی کہ قیامت کے دن انہیں صدق ہی نفع دے گا اور منافقین کا نشان اقوال و افعال میں کذب و تکذیب قرار دیا، جس سے ان کی پہچان ہو جاتی ہے۔ کذب سے متضاد ایمان ہوتا ہے جیسے شرک کے مقابل میں توحید ہوتی ہے۔ اس لیے کذب اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے بلکہ ایک دوسرے کو اس کی جگہ سے دھکیل دے گا اور خود اس کی جگہ ٹھہر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے ان تینوں کو صدق کے باعث نجات دی، اور دوسرے پیچھے رہنے والوں کو کذب کے باعث ہلاک کیا۔

۴۷۔ تکرار توبہ کے الفاظ کی حکمت و مصلحت

ذرا آیت کے اندر تکرار توبہ کے الفاظ پر جو اوّل و آخر میں آئے ہیں، غور کیجیئے، کہ اللہ تعالٰے نے ابتداء میں ان کو توفیق دی اور توبہ قبول فرمائی اور جب انہوں نے توبہ کی تو دوبارہ قبولیت توبہ کی (خبر دی) اسی ذات نے انہیں توفیق بخشی اور پھر توبہ قبول کر کے ان پر فضل فرمایا۔ اس لیے تمام خیر اور ہر طرح کی بھلائیاں اسی کی جانب سے ہیں، اسی کی توفیق سے ہیں اور اسی کے لیے ہیں، اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جس پر چاہتا ہے احسان و فضل فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے حکمت و عدل کے باعث محروم کر دیتا ہے۔

۴۸۔ اللہ تعالٰی کا فرمان: وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا

حضرت کعبؓ نے اس کی بہتر تفسیر فرمائی ہے جو یہ ہے کہ وہ ان میں سے پیچھے رہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے حلف اٹھائے اور عذر پیش کیے۔ یہ تینوں اس جماعت سے پیچھے رہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ قصد جہاد سے پیچھے رہ گئے۔

۴۹- طلاق بغیر نیت کے نہیں ہوتی

حضرت کعب کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک نیت نہ ہو۔

۵۰- ایک بندے کے لیے قبول توبہ کا دن افضل ترین ہے

واقعہ کعبؓ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک بندے کے لیے علی الاطلاق بہترین اور افضل ترین دن توبہ اور قبول توبہ کا دن ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب سے فرمایا! آج کا دن تیرے لیے سب سے زیادہ خوشخبری کا دن ہے جب سے تو پیدا ہوا ہے۔

اگر بزاہ اعتراض کہا جائے کہ بہترین دن تو قبول اسلام کا ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ قبول اسلام تو آغاز سعادت کا دن ہے۔ اور یوم توبہ کمال وتمام نعمت کا۔

تبوک سے واپسی کے بعد

۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی امارت حج،

سورہ برأت کا نزول ابن اسحاق فرماتے ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آنے کے بعد بقیہ رمضان شوال اور ذیقعدہ مہینہ مدینہ میں گزارا۔ اس کے بعد ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں کا امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ مشرکین اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ ابوبکرؓ اور ان کی سرکردگی میں اہل اسلام حج کے لیے نکلے۔

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ سے تین سو آدمی حج کے لیے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس اونٹ قربانی کے لیئے بھیجے۔ ان کے قلاوے ڈالے اور اپنے دست مبارک سے نشان ڈالا۔ اور ناجیہؓ بن جندب کو ان کا نگراں مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ پانچ بدنے (اونٹ) لے کر روانہ ہوئے تھے۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں ابوبکر ابھی راستے میں تھے کہ مشرکین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ ختم کرنے کے لیئے سورۃ براۃ نازل ہوئی۔

چنانچہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء پر نکلے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ جب عرج میں تھے اور ابن عائذ کہتے ہیں ضجنان میں تھے کہ حضرت علیؓ عضباء پر سوار قافلے سے جا ملے۔

ابوبکرؓ نے علی کو دیکھا تو دریافت کیا آیا آپ امیر بن کر آئے ہیں؟ یا مورر؟

علی نے جواب دیا امیر نہیں مامور بن کر آیا ہوں۔

پھر دونوں چلتے رہے۔

ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے علیؓ سے سوال کیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو امیرِ حج مقرر فرمایا ہے؟

علیؓ نے جواب دیا، نہیں! بلکہ مجھے اس لیے روانہ فرمایا ہے کہ اہل مکہ کے سامنے سورۂ براۃ پڑھ کر اور ہر معائد کا عہد اس کے حوالے کر دوں[1]۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا اور جب یوم النحر (قربانی کا دن) آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور مقامِ جمرہ میں لوگوں کو اذن دیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اور ہر معاہد کا عہد اس کے حوالے کر دیا[2] اور اعلان کر دیا اے لوگو! کافر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اس سال کے بعد مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ عریاں حالت میں کعبہ کا طواف کرے گا۔ اور جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے بس وہ اسی مدت تک ہے۔

حمیدی فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیان سے انھیں ابو اسحاق صمدانی سے انہیں زید بن نفیع سے روایت ملی۔ انھوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت علیؓ سے پوچھا حج کے موقع پر آپ کو کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا؟

حضرت علی نے جواب دیا "میں جو پیام لے کر گیا تھا وہ چار باتوں مشتمل تھا۔

---

[1] یعنی ختم کر دوں۔

[2] یعنی علان تنسیخ کر دیا۔

۱۔ جنت میں صرف، مومن داخل ہوگا۔
۲۔ عریاں کی حالت میں کوئی کعبہ کا طواف نہ کرے گا۔[1]
۳۔ اس سال کے بعد مسجد حرام میں مسلمان اور کافر جمع نہ ہوں گے۔
۴۔ جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہے۔ وہ بھی اسی مدت تک ہے اور جس کا کچھ معاہدہ نہیں۔ اس کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس حج میں نحر کے دن دو موذنوں کو بھیجا جو منٰی میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور نہ کعبہ کا عریاں ہو کر طواف کرے گا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ کا ردیف بنا کر بھیجا اور انھیں سورۃ براۃ کے اعلان کرنے کا حکم دیا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضرت علیؓ نے منٰی میں نحر کے دن ہمارے سامنے سورۂ براۃ کا اعلان کیا۔ اور اس بات کا بھی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور نہ عریاں ہو کعبہ کا طواف کرے گا۔

اس قصہ میں اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ حج کا بڑا دن یوم النحر ہوتا ہے۔

---

[1] مشرکین کا ایک طرز طواف یہ بھی تھا کہ سارے کپڑے اتار ڈالتے اور بالکل برہنہ ہو کر طواف کرتے

وفودِ عرب

غیر مسلم قبیلوں کے نمائندے
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

وفد ثقیف کا اعزاز غزوۂ طائف کے بیان میں گذر چکا ہے کہ ثقیف وفد خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کرایا۔ اور عروہ بن مسعود ثقفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

مسجد نبوی میں وفد ثقیف کی رہائش کا انتظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے وفد کو مسجد میں اتارا اور ان کے لیے خیمے لگا دیئے تاکہ وہ قرآن مجید سنیں۔ اور جب لوگ نماز پڑھیں تو یہ اسے دیکھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو اپنے آپؐ کا تذکرہ نہ فرماتے۔
چنانچہ جب وفدِ ثقیف نے یہ (اندازِ خطاب) سنا تو کہنے لگے۔
محمدؐ چاہتے ہیں کہ ہم اس امر کی گواہی دیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں حالانکہ خطبہ کے دوران میں وہ خود اپنے نبی ہونے کی شہادت نہیں دیتے۔

عثمان بن العاص کی فطری سعادت ورغبت اسلام

جب آپؐ کو ان کے اس قول کی خبر ملی، تو آپؐ نے فرمایا، کہ میں نے سب سے پہلے اس بات کی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

چنانچہ یہ وفد ہر روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور عثمان بن ابی العاص کو اپنے سامان کا نگران بنا کر انھیں پیچھے چھوڑ آتا کیونکہ یہ چھوٹے تھے اور جب وفد واپس آتا تو یہ عثمانؓ بن العاص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور دین کے مسائل معلوم کرتے۔ نیز قرآن مجید پڑھتے۔ اسی طرح عثمانؓ کو بکثرت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے مواقع ملتے رہے۔ یہاں تک کہ دین کے معاملات و مسائل میں بلا کی مہارت اور تفقہ حاصل کر لیا، عثمان بن العاص کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ کو مصروف استراحت پاتے، اس صورت میں ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فہم دین حاصل کرتے، خدمت نبویؐ میں اپنی حاضری کو عثمانؓ نے اپنے ساتھیوں سے خفیہ اور پوشیدہ رکھا۔ رسالت مآبؐ کو عثمانؓ بن العاص کی یہ ادا بھا گئی آپؐ ان سے محبت کرنے لگے۔

رئیس وفد کے سوالات اور آپؐ کے جوابات

وفد کچھ مدت تک ٹھہرا رہا۔ اور برابر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ آپؐ انھیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آخر کار یہ وفد مسلمان ہو گیا۔

کنانہ بن عبد یالیل نے دریافت کیا کیا آپ ہم سے مصالحت کریں گے، ہم ابھی قوم کے پاس جاکر واپس آجائیں؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں! اگر تم نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تم سے مصالحت کروں گا۔ ورنہ کوئی صلح نہ ہوگی اور نہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی عہد ہوگا۔

وہ کہنے لگا۔ کیا آپؐ زنا کی اجازت دیں گے؟ کیونکہ ہماری قوم کے لوگ اکثر مجرد رہتے ہیں۔ لہٰذا زنا کے بغیر ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔

آپؐ نے فرمایا۔ یہ تم پر حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا، یعنی "اور پاس نہ جاؤ زنا کے وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

وہ کہنے لگا، کیا آپؐ سود کی اجازت دیں گے؟ کیونکہ یہی ہماری دولت اور پونجی ہے۔"

آپؐ نے فرمایا، تمہارے لیئے صرف اصل زر کی اجازت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربٰو ان کنتم مومنین۔

پھر وہ کہنے لگا، کیا ہمیں شراب کی اجازت ہے؟ کیونکہ یہ ہماری زمین کا نچوڑ ہے اور اس کے بغیر ہماری گذران دشوار ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے، پھر آیت پڑھی۔

یاایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون،

یعنی اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں، شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

اس کے بعد یہ لوگ اٹھ کر گئے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے، اور

آپس میں کہنے لگے۔ تمہارا ناس ہو ہمیں یوم مکہ کی طرح خطرہ ہے۔ آؤ ہم ان سے اس پر مصالحت کر لیں۔

اس کے بعد پھر یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ہم اپنی دیوی (ربہ) کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

آپؐ نے فرمایا، اسے توڑ ڈالو۔

وہ کہنے لگے، ہائے ہائے اگر دیوی کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپؐ اسے ختم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو وہ وہاں کے لوگوں کو ہلاک کر دے گی۔

حضرت عمر بن خطابؓ بول اٹھے اور فرمایا، اے ابن عبد یالیل، تو کس قدر جاہل ہے وہ بت تو ایک پتھر ہے۔

وفد کے لوگ کہنے لگے اے ابن خطاب ہم تیرے پاس نہیں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپؐ اسے توڑ پھوڑ دیں ہم تو اسے کبھی بھی نہیں توڑ پھوڑ سکیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسے آدمی کو بھیج دوں گا جو یہ کام کر دے گا چنانچہ معاہدہ ہو گیا اس کے بعد کنانہ بن عبد یالیل کہنے لگا۔ قبل اس کے کہ آپؐ کا آدمی پہنچے ہمیں اجازت دیجیے، کیونکہ میں اپنی قوم کی حالت اور اس کے انداز و اطوار کو خوب جانتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تامل اجازت دے دی اور خوب اچھی طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔

اہل وفد نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ایک آدمی کو ہم میں سے امیر بنا دیجیے جو ہماری امارت کرے۔ آپؐ چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص کی خواہش دین فہمی سے واقف تھے، لہٰذا انہی کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ ان لوگوں نے مدینہ سے نکلنے سے قبل قرآن مجید کی چند سورتیں یاد کر لی تھیں۔

لات کا انہدام مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھوں

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد آئے

ان کے امیر حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ ان میں مغیرہؓ بن شعبہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ پہنچے تو انھوں نے لات کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا اس منظر کو دیکھنے کے لیئے بنو ثقیف کے تمام مرد عورتیں اور بچے حتّٰی کہ پردہ دار عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور

ثقیف کے عوام کا عقیدہ تھا کہ اسے گرایا نہیں جا سکتا۔ اس کے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اُٹھے اور بڑا سا کلہاڑا پکڑا اور اپنے اصحابؓ سے کہنے لگے۔

خدا کی قسم ثقیف (کی جہالت کے باعث) میں تمہیں خوب ہنساؤں گا۔ اس کے بعد انھوں نے وہ کلہاڑا مارا اور لڑکھڑاتے ہوئے (قصدًا) گر گئے۔

اہل طائف میں ایک شور بلند ہوا، آپس میں کہنے لگے، اللہ مغیرہ کو دور رکھے، دیوی (ربّہ) نے اسے قتل کر دیا ہے، اور انھیں گرا ہوا دیکھ کر خوب خوش ہوئے اور کہنے لگے اب تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے اور اس دیوی کو منہدم کرنے کی کوشش کر دیکھے بخدا، یہ کام کسی کے بس کا روگ نہیں، ناممکن ہے محال ہے۔

اس کے بعد مغیرہؓ بن شعبہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے ثقیف کے گروہ خدا تمہارا منہ کالا کرے یہ تو ایک پتھر کا ٹکڑا ہے اور ایک ڈھیلا ہے۔ اس لیے اللہ کی پناہ میں آؤ اسی کی عبادت کرو۔ اس کے بعد دروازے پر ضرب لگائی اور اسے توڑ دیا۔ پھر اس کے فصیل پر چڑھ گئے اور دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ چڑھ گئے۔ اور یہ اسے توڑتے رہے۔ آخر کار توڑ پھوڑ کر اسے زمین کے برابر کر دیا۔

اس کے بعد کلید بردار نے کہا، اس کی بنیاد ضرور غضب ڈھائے گی اور انھیں زمین میں دھنسا دے گی۔

جب حضرت مغیرہؓ نے یہ سُنا، تو حضرت خالدؓ سے کہنے لگے۔ ٹھہرو۔ ذرا میں اس کی بنیاد کھود ڈالوں، انھیں نے بنیاد کھود کر اس کی مٹی نکالی۔ پھر دیوی کے زیورات اور لباس نکال لیا۔

ثقیف کو یہ منظر دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ اس کے بعد یہ وفد زیورات اور لباس لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسی وقت اسے

تقسیم فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی کہ اس نے اپنے نبی کی نصرت فرمائی اور اپنے دین کو اعزاز و شرف بخشا۔

عثمانؓ بن ابی العاص کو آنحضرتؐ کی تلقین

صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول شیطان میرے اور میری نماز اور قرآت کے درمیان حائل ہوا کرتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اس شیطان کو خنزب کہتے ہیں۔ جب تجھے اس کا احساس ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ[1] اور بائیں جانب تین بار تھوک دے۔ پھر میں نے اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو میرے راستہ سے ہٹا دیا۔

---

[1] یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا کر۔

چند فقہی احکام و مسائل

وفدِ ثقیف اور وفود عرب کی آمد کے سلسلہ میں استنباط

۱۔ اہل حرب میں اگر کوئی عذر کرے تو ضمان نہیں

اس واقعہ میں فقہی حکم یہ ہے:

(۱) اگر اہل حرب میں سے کوئی اپنی قوم کے ساتھ عذر کرے اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کرے۔ اس کے بعد اسلام قبول کر کے امام المسلمین کے سامنے حاضر ہو جائے تو واپسی سے قبل اس نے جس قدر اتلاف کیا ہو گا اس کی ضمان نہ ہو گی۔

۲۔ مشرکین کو مسجد میں ٹھہرایا جا سکتا ہے

نیز مشرکین کو مسجد میں ٹھہرانا عمومی طور پر جائز ہے۔ خصوصاً ان حالات میں کہ قرآن پاک کے سماع اہل اسلام کی عبادات کے مشاہدے سے ان کے قبولِ اسلام کی اُمید ہو۔

۳- امارت وامامت کا استحقاق کسے ہے؟

نیز قوم کی امارت وامامت کا استحقاق اسے ہے جو کتاب اللہ کا زیادہ عالم اور دینی فقاہت رکھنے والا ہو۔

۴- شرک کے مراکز کا انہدام

نیز وہ مشرکانہ مقامات جہاں کہ شیاطین کے گھر بنائے گئے ہوں۔ انہیں گرا دینا ضروری ہے ان کا گرانا اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہے۔ چنانچہ ایسے مقامات کا گرانا اسلام اور اہلِ اسلام کے حق مفید ہے۔

۵- مزارات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں

اور یہی حالت ان مزارات کی ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اور اصحاب مزارات کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ اسلام میں ان مزارات کو قائم رکھنا جائز نہیں۔ انھیں گرا دینا واجب ہے اور ان پر وقف کرنا جائز نہیں۔ امام پر واجب ہے کہ انھیں ختم کر دے اور ان کے اوقاف کو لشکرِ اسلام کے مصارف پر خرچ کرے۔ اور ان کو اہلِ اسلام کی مصالح عامہ پر استعمال کرے۔ اسی طرح ان مزارات میں جو آلات۔ سامان۔ نذریں وغیرہ ہوں ان سب کو لے لے اور انھیں اہلِ اسلام پر خرچ کر دے۔

۶- طاغوت گاہوں کی مساجد میں تبدیلی

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان طاغوت گاہوں کو مساجد میں بدل دینا چاہیئے تاکہ ان شرک گاہوں میں اللہ کی وحدانیت سربلند ہو اور اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔ اسی طرح مزارات میں بھی یہی طریقہ واجب ہے انھیں گرا کر اس جگہ مسجد بنا دینا چاہیئے اہلِ اسلام کو اس کی ضرورت ہو۔

۷- شیاطین اور بلیّات سے پناہ

نیز بندہ اگر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے، اور بائیں جانب تین بار تھوک دے تو اسے بلیّات و شیاطین سے کچھ ضرر نہ ہوگا، اور یہ حرکت قاطع

نماز بھی نہیں۔ بلکہ یہ اتمام و اکمال نماز کے لیے۔

۸۔ وفود عرب کی جوق در جوق آمد

ابن اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا۔ اور غزوۂ تبوک سے فارغ ہو گئے۔ ثقیف نے اسلام قبول کر کے بیعت کر لی۔ تو ہر سمت سے عربوں کے وفود حاضر ہوئے۔ اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے یہ وفد ہر طرف سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔

عامر بن طفیل اور اربد بن قیس

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دشمنوں پر قہرِ خدائی

وفد بنو عامر بارگاہ رسولؐ میں ہمیں ابن اسحاقؒ سے روایت ملی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو عامر کا جو وفد حاضر ہوا اس میں عامر بن طفیل اربد بن قیس۔ خالد بن جعفر اور حیان بن مسلم بن مالک بھی شریک تھے۔ یہ لوگ اس قوم کے سردار اور بڑے شیطان صفت لوگ تھے۔ چنانچہ اللہ کا دشمن عامر بن طفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اس کا مقصد آپؐ کو دھوکا دے کر ہلاک کرنا تھا، اس کی قوم کے لوگوں نے کہا اے عامر تمہاری قوم تو مسلمان ہو چکی ہے۔

اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم میں تہیہ کر چکا ہوں کہ عرب قوم میرا اتباع کرے گی اور میں اس قریشی نوجوان کے پیچھے پڑ جاؤں گا۔ پھر اس نے اربد سے کہا۔ جب ہم اس آدمی (آنحضرتؐ) کے پاس جائیں تو میں اس کا چہرہ تمہاری جانب سے اپنی طرف مشغول کر لوں گا۔ جب میں یہ کام کر لوں تو تم تلوار سے حملہ کر دینا

جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عامر کہنے لگا اے محمدؐ! میری کفایت کیجیے[1]

آپؐ نے فرمایا:

نہیں اللہ کی قسم جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ، وہ کہنے لگا، اے محمدؐ میری کفایت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں اللہ کی قسم جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔ جب اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انکار ہی کرتے رہے تو کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں آپؐ کے مقابلے میں گھوڑ سواروں اور پیادوں سے (میدان) کو بھر دوں گا۔

یہ کہہ کر جب واپس چلا گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ میری طرف سے تو ہی عامر بن طفیل سے نپٹ۔

جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے تو عامر نے اربد سے کہا اے اربد تجھے ہو، یاد ہے۔ میں نے تجھ سے کیا کہا تھا؟ خدا کی قسم اس زمین پر میرے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی باہیبت نہ تھا اور خدا کی قسم آج کے بعد تو اپنی ہیبت کھو چکا۔

اس نے جواب دیا تو غارت ہو، میرے بارے میں جلدی نہ کر، بخدا میں نے جب بھی اس بات کا ارادہ کیا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا تو میرے اور اس آدمی (آنحضرتؐ) کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا اور میں تجھ پر تلوار چلاتا دکھائی دیتا۔

اس گفتگو کے بعد یہ لوگ واپس اپنے شہر کی طرف چل دیئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو طاعون کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور بنی کی ایک عورت کے گھر میں مر گیا۔

اس کے بعد یہ لوگ نکلے اور بنی عامر کے علاقے میں پہنچے، ان کی قوم ان کے پاس آئی۔ لوگ پوچھنے لگے۔

---

[1] میرا ساتھ دیں۔

اسے اربد کیا خبر لائے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ محمدؐ نے مجھے ایسی ذات کی عبادت کی دعوت دی ہے کہ جی چاہتا ہے۔ اگر وہ میرے پاس اس وقت ہوتا، تو میں اسے اس تیر سے نشانہ بناتا اور قتل کر دیتا۔

اس بات چیت کے دو یا تین دن بعد اربد اپنا اونٹ لے کر فروخت کے ارادہ سے جا نکلا۔ اللہ تعالٰے نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گرائی جس سے یہ دونوں جل کر خاک ہو گئے۔ یہ اربد لبید بن ربیعہؓ کا بھائی تھا۔

ؓ عہد جاہلیت کا مسلم الثبوت اور یگانہ روزگار شاعر۔

وفد عبد القیس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دربار میں

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وفد عبد القیس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ یہ لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ عرض کیا گیا بنو ربیعہ سے۔

آپؐ نے فرمایا، مرحبا اس وفد کو جس کے حصّہ میں نہ رسوائی نہ شرمندگی۔

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر واقع ہے۔ اور صرف شہر حرام میں ہی آپ تک حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی ایسی بات کا حکم فرمایئے کہ ہم بھی اس پر چلیں اور جو ہمارے پیچھے ہیں انھیں بھی اس پر عمل کی دعوت دیں۔ اور اس کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائیں۔

آپؐ نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں

(۱) میں تمہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانے

کا مطلب کیا ہے ؟ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا اور اقرار کرنا۔

(۲) نماز قائم کرنا۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۴) رمضان کے روزے رکھنا۔

نیز اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کیا کرو، اور تمھیں چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔ یہ دُبا، حنتم، نقیر اور مزفت ہیں[1]۔ میری یہ باتیں یاد رکھو۔ جو تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان تک بھی انھیں پہنچا دو۔

ایک نصرانی کا قبولِ اسلام

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جارود بن علاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ نصرانی تھا اور وفدِ عبد القیس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول، میں ایک دین کا پیرو ہوں لیکن آپؐ کے دین کے لیے اس دین کو چھوڑتا ہوں۔ آپؐ کے دین میں جو منفعت ہے اس کی مجھے ضمانت دیجیے۔

آپؐ نے فرمایا، ہاں میں اس بات کا ضامن ہوں کہ جس کی طرف میں تجھے بلاتا ہوں اس میں جو کچھ ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ جو تیرے دین میں ہے۔

وہ اسلام لے آیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول مجھے سواریاں عنایت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، بخدا میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جسے میں تمہیں بطور سواری دے سکوں۔

انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہمارے اور ہماری آبادیوں کے درمیان بعض لوگوں کی گم شدہ سواریاں ہوتی ہیں کیا ہم ان پر قبضہ کر کے ان کے ذریعہ پہنچ جائیں؟

آپؐ نے فرمایا، نہیں یہ تو جہنم میں جانے والی باتیں ہیں۔

---

[1] یہ ان برتنوں کے نام ہیں جن میں شراب بنائی جاتی تھی۔

فوائد و مسائل و احکام مستنبط

(۱) اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لانا قول وعمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تابعینؒ اور تبع تابعین کا مسلک ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے مبسوط میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور کتاب وسنّت سے اس کے متعلق صدہا دلیلیں مل سکتی ہیں۔

۲۔ آنحضرتؐ نے اس موقع پر حج کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ یہ لوگ ۹ھ میں حاضر ہوئے تھے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ۱۰ھ میں فرض ہوا تھا۔ اگر اس وقت فرض ہوتا تو جس طرح روزے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح حج کو بھی ایمان کا حصہ شمار کیا جاتا۔

جبر وقدر کا مسئلہ مہمّہ

(۳) نیز اس سے اس بات کی دلیل بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے افعال واخلاق کا خالق ہے جس طرح ان کی ذات وصفات کا خالق ہے یعنی بندہ اور اس کی ذات وصفات وافعال سب مخلوق ہیں، اور جس نے بندے کے افعال کو اللہ کی خلقت سے الگ رکھا ہے۔ اس نے اللہ کے ساتھ ساتھ ایک اور خالق بنا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ سلف نے قدریہ کو مجوسی قرار دیا ہے۔ جو بندے کے افعال کو اللہ کی تخلیق نہیں مانتے۔ قدریہ کے بارے میں اسلام کا مجوسی ہونا، ابن عباسؓ سے صحت کے ساتھ مروی ہے اور ان الفاظ سے درحقیقت جبر کا نہیں بلکہ جبلّت کا اثبات ہوتا ہے، کیونکہ خدا اپنے بندے کو جس طرح چاہتا ہے۔ جبلی طور پر (پیدا) کرتا ہے۔ اس وجہ سے امام اوزاعیؒ وغیرہ آئمہ سلف نے فرمایا ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اعمال پر جبلت بخشی ہے۔ اور ہم یوں نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جبر کیا ہے۔ یہ جملہ کے علم اور ان کی وقتِ نظر کا آئینہ دار ہے کیونکہ جبر کا مطلب تو بندے کے ارادہ کے خلاف ہوتا ہے جیسے نابالغ بچّہ پر نکاح کے لیے جبر کرنا۔ حاکم کا اسے مجبور کرنا جس پر کسی کا حق ہو کہ وہ اس حق کو ادا کر دے مگر اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندے

پر اس طرح کا جبر کرے، بلکہ وہ اسے جبلت بخشتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی مشیئت اور اپنے ارادے اور اختیار و مشیت کے مطابق کام کرے۔ یہ الگ طریق فکر ہے، اور وہ الگ طریق فکر ہے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی گم شدہ چیز سے انتفاع جائز نہیں جس کا التقاط ناجائز ہو، جیسے اونٹ، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جارود کو گم شدہ اونٹ پر سواری کی اجازت نہیں دی اور فرمایا، مسلمان کی گم شدہ چیز سے انتفاع جہنم کا لقمہ بننا ہے۔

وفد بنو حنیفہ

مسیلمہ کذاب آستانہ نبوتؐ پر

مسیلمہ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں:
بنی حنیفہ کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی وفد میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا۔ یہ وفد بنو نجار کی ایک انصاری عورت کے گھر میں ٹھہرا تھا، اصحابِ وفد اپنے ساتھ مسیلمہ کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے کپڑوں میں اپنے آپ کو لپیٹ رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کی معیت میں جلوہ فرما تھے آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی۔

جب یہ وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مسیلمہ ساتھ تھا، اور ان لوگوں کی مدد سے کپڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے آپؐ سے گفتگو کی اور کچھ مانگا۔ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اگر تو یہ ٹہنی مانگے جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، تو یہ بھی تجھے نہیں دوں گا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بنو حنیفہ میں اہل یمامہ کے ایک بوڑھے نے بتایا کہ اصل واقعہ یوں نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے کہ بنو حنیفہ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مسلیمہ کو اصحاب وفد نے سامان کی نگرانی کے لیے پیچھے ہی رہنے دیا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے مسلیمہ کا بھی تذکرہ کیا اور کہنے لگے۔

اے اللہ کے رسول ہم نے اپنے ساتھی کو اپنے سامان اور سواریوں کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو جو کچھ حکم دیا تھا، مسلیمہ کے لیئے بھی وہی فرمایا، اور فرمایا، وہ تم جیسا آدمی نہیں ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساز و سامان کی حفاظت کر سکے۔

اس گفتگو کے بعد یہ لوگ واپس ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بخشش کردہ عطایا بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب یہ لوگ یمامہ پہنچے، تو اللہ کا دشمن (مسلیمہ) مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا، اور کہنے لگا، میں بھی محمدؐ کے ساتھ شریک (نبوت) ہوں کیا آپؐ نے تم سے میرا تذکرہ یوں نہیں کیا تھا کہ وہ تم جیسا آدمی نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ انھیں معلوم تھا کہ میں بھی ان کی نبوت میں شریک ہوں، پھر اس نے اپنا مسجع کلام بطرز قرآن مجید سنانا شروع کیا:

لقد انعم اللہ علی الحبلیٰ اخرج منہا نسمۃ تسعیٰ من بین صفاق وحشا۔

یعنی اللہ نے حاملہ پر انعام کیا۔ اس سے ایک روح نکالی، جو صفاق اور انتڑیوں کے درمیان چلتی ہے۔

مسلیمہ نے نماز معاف کر دی۔ شراب اور زنا کو حلال کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس بات کی بھی گواہی دیتا رہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

بنو حنیفہ نے اس معاملہ میں اس کا ساتھ دیا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا۔

مسلیمہ کی جانب سے محمدؐ رسول اللہ کی طرف۔

اما بعد!

"میں نے اس کام (نبوت) میں آپؐ سے شرکت کر لی ہے۔ اب نصف ہمارے لیئے ہوگا اور نصف قریش کا حصہ ہوگا۔ اور قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں"
مسلیمہ کا قاصد یہ خط لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
محمد الرسول اللہ کی جانب سے مسلیمہ کذاب کی طرف سلام علی من اتبع الهدیٰ

اما بعد!

بے شک زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور (بہتر) انجام پرہیزگاروں کے لیئے ہے۔
یہ واقعہ سنہ ھ کے آخر کا ہے۔
ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سعد بن طارق نے مجھے بتایا، انھیں مسلیمہ بن مسعودؓ سے انھیں اپنے والد سے روایت پہنچی کہ جب مسلیمہ کذاب کا ایلچی آیا تو میں نے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قاصدوں سے ارشاد فرمایا" کیا تم بھی وہی کہتے ہو جو اس (کذاب) کا دعویٰ ہے؟
ان لوگوں نے جواب دیا، ہاں بے شک ہم اسے نبی مانتے ہیں۔
آپؐ نے فرمایا، خدا کی قسم اگر قاصدوں کا قتل روا ہوتا، تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔
عبداللہ فرماتے ہیں، اس واقعہ سے سُنّت چل پڑی کہ قاصدوں کو قتل نہ کیا جائے۔
صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے" انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے۔ اور میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ڈالے گئے۔ یہ مجھے گراں گذرے اور اس سے ایک طرح کا مجھے غم لاحق ہوا۔ پھر مجھے وحی کی گئی کہ میں ان پر پھونک ماروں، میں نے پھونک ماری تو دونوں کنگن اڑ گئے۔ میں نے اس سے تاویل یہ لی کہ یہ وہ کذاب

ہیں کہ میں ان دونوں کے درمیان ہوں۔ یعنی صنعاء اور یمامہ کے (دونوں کذاب)۔

اس واقعہ سے متعلقہ احکامات

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ جب مرتدین کی سطوت قائم ہو تو ان سے مراسلت کرنا جائز ہے

(۲) انھیں کفار کی طرح سلام علی من اتبع الھدیٰ ہی لکھا جائے گا۔[1]

(۳) نیز یہ کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے گا، اگرچہ وہ مرتد ہی ہو، یہی سنت ہے۔[2]

(۴) نیز امام کو چاہیئے کہ وہ کسی اہل علم سے معترضین کے جوابات لکھائے۔ اسی طرح (مرتدین) کے جوابات دینے کے لیے کسی عالم کو مقرر کیا جائے جو انہیں جوابات دے

(۵) نیز اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل اعلیٰ کا اظہار ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کنگنوں کو اپنی روح کے ساتھ پھونک ماری، تو وہ دونوں اڑ گئے اور یہ روح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ہی تھی جس کے ذریعہ مسلیمہ کو ختم کیا گیا

(۶) اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زیورات کا لباس خواب میں دیکھنا، دیکھنے والے کے لیے، آنے والے دکھ یا تکلیف کی جانب اشارہ کرتا ہے، ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری ناک میں سونے کی ایک نتھ ہے اور اس میں سرخ پتھر کا نگینہ ہے۔ میں نے اسے جواب دیا کہ تجھے نکسیر کی شکایت ہو جائے

---

[1] اس جملہ کے معنی ہیں: "اس پر سلامتی ہو جو راہِ ہدایت پر گامزن ہو"
اس کے برعکس مسلمان سے کہتے ہیں:
"السلام علیکم" (تجھ پر سلامتی ہو)
کیونکہ مسلمان راہ ہدایت پر گامزن ہوتا ہے، اور کافر نہیں ہوتا۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس سے بڑھ کر رواداری، فراخ حوصلگی، اور عالی ظرفی کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی ذلیل اور پست ہو۔ مگر اس کے قاصد کی جان پر آنچ نہیں آسکتی، خواہ وہ مرتد ہی کیوں نہ ہو، جس کے بارے میں علمائے اسلام کے ایک بڑے طبقہ کی رائے ہے کہ اس کا قتل واجب ہے۔

گی - چنانچہ ایسے ہی ہوا - دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے ہونٹوں سے کلابند لٹکے ہوئے ہیں - میں نے کہا کہ تجھے ایک مرض لاحق ہوگا جس کے باعث تیرے ہونٹوں میں فصد کرنے کی ضرورت ہوگی، چنانچہ اس کا اسی طرح ہوا -

(۷) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کفار میں سے کوئی امام سے ملنا چاہے تو اسے نبات خود اس سے ملنے کے لیے آنا چاہیے -

(۸) مسند ابی داؤد طیالسی میں ابو وائل عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسیلمہ کے جو قاصد آئے تھے وہ ابن نواحہ اور ابن اثال تھے -

وفد طے کی آمد

زید الخیل یا زید الخیر کے بارے میں آنحضرتؐ کے ارشادات

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ طے کا وفد حاضر ہوا۔ ان میں زید الخیل بھی تھے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب یہ وفد حاضر ہوا تو آپؐ نے ان سے گفتگو فرمائی اور ان پر اسلام پیش فرمایا۔ یہ لوگ مسلمان ہوئے اور بہت اچھی طرح اسلام لائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے عرب کے کسی آدمی کے جس قدر فضائل بیان کیے جاتے ہیں۔ جب وہ میرے پاس آتا ہے تو وہ صرف زید الخیل ہی میں پورے اترتے ہیں۔ پھر آپؐ نے ان کا نام زید الخیر رکھا۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق زید الخیر خلافتِ عمرؓ کے آخری عہد میں فوت ہوئے۔ ان کے دو بیٹے مکنف اور حریث تھے، جو اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنے اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ مرتدین سے جنگ کرتے کرتے شہادت پائی۔

وفد کندہ کی آمد
خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں، مجھے زہریؒ نے بتایا کہ اشعث بن قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی اور ساٹھ سوار کے لگ بھگ لے کر حاضر ہوئے۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوئے یہ سب ہتھیار بند تھے۔ انھوں نے احبام کا ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا تم نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ کہنے لگے۔ مسلمان ہو چکے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، تو پھر تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا نظر آتا ہے؟

یہ سنتے ہی انھوں نے اسے پھاڑ کر اتارا اور پھینک دیا۔ اس کے بعد اشعثؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بھی مرار کھانے والوں کی اولاد ہیں اور آپؐ بھی مرار کھانے والوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی انھوں نے فرمایا اس نے ربیعہ بن حرث اور عباس بن عبدالمطلب کے درمیان

نسبت پیدا کرنی چاہی ہے،

کہتے ہیں کہ زہریؒ اور ابن اسحاقؒ تاجر تھے جب یہ دونوں سرزمین عرب میں سفر کرتے اور پوچھا جاتا۔ کہ تم کون ہو؟ تو جواب دیتے کہ ہم مرار (اونٹوں کے کھانے کی ایک بوٹی) کھانے والوں کی اولاد سے ہیں۔ اس سے اہل عرب ان کا ازحد احترام کرتے اور اپنے آپ کا تحفظ کرنے میں انہیں بہت سہولت ہوتی۔" کیونکہ بنو آکل المرارؒ کندہ کے رہنے والے تھے۔ جو بادشاہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ہیں۔ نہ ہم اپنی ماں کو فاجرہ بتاتے ہیں اور نہ اپنے والد سے نفی کرتے ہیں۔

مسند میں حماد بن سلمہ کی حدیث ہے جو انھوں نے عقیل بن طلحہ سے اور انھوں نے مسلم بن مسلم سے روایت کی ہے کہ اشعث بن قیس نے کہا۔

یارسول اللہؐ کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں؟

آپؐ نے جواب میں فرمایا۔

ہم بنو نضر بن کنانہ ہیں، نہ ہماری ماں فاجرہ تھی۔ نہ ہم اپنے باپ کا انکار کرتے ہیں۔

مسائل فقہیہ کا اس واقعہ سے استنباط

اس واقعہ سے کئی فقہی مسائل پر روشنی پڑتی ہے، جو حسب ذیل ہیں

۱۔ یہ کہ جو شخص بنو نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہونے کا مدعی ہو وہ قریش میں سے ہے

۲۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حرام چیزوں کا ضائع کر دینا تلف کر دینا جائز ہے، مثلاً ریشم کا لباس مردوں کے لیے حرام ہے، اسے اگر کوئی تلف کر دے تو کوئی حرج نہیں، اسے اضاعت یعنی ضائع کرنا نہیں قرار دیں گے۔

۳۔ المرار ایک درخت ہے جو بادیہ میں اُگتا ہے، آکل المرار (مرار کھانے والا) سے مراد حارث بن عمرو بن حجر بن عمرو بن معاویہ بن کندہ ہیں، آپؐ کی جدہ کندہ میں سے تھیں۔ جو ام کلاب بن مرہ کے نام سے یاد کی جاتی تھیں، اشعث کا اشارہ

اسی طرف تھا۔

۴۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس نے گویا اپنے باپ کا انکار کیا۔

۵۔ نیز یہ کہ آپؐ نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے تھے،

۶۔ نیز یہ کہ جو شخص اپنے معروف نسب سے انکار کرے اس پر حد قذف (تہمت کی سزا) جاری کی جا سکتی ہے۔

اشعریوں اور یمنیوں کا وفد

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم میں

یزید بن ہارون نے حمید سے انھوں نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک قوم آرہی ہے جو تم سے زیادہ رقیق القلب ہے۔

چنانچہ اشعری لوگ رجز پڑھتے ہوئے حاضر ہوئے۔

غدًا نلقى الأحبه

محمدًا وحزبه

ترجمہ: کل ہم دوستوں سے ملاقات کریں گے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت (صحابہ) سے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اہل یمن آئے۔ یہ لوگ رقیق القلب

اور نازک دل ہیں۔ اور ایمان تو بس یمن ہی میں ہے۔ اور وقار و سکینت اہل غنم (بکریوں والوں) میں ہے۔ اور فخر اور بڑائی طلوع آفتاب سے قبل بدویوں میں ہے۔

ہمیں یزید بن ہارون سے انہیں ابن ابی ذویب سے انھیں حرث بن عبدالرحمان سے انہیں محمد بن جبیر بن مطعم سے انھیں اپنے والد سے روایت ملی۔ فرمایا:

کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے فرمایا: تمہارے پاس اہلِ یمن آئے ہیں۔ گویا کہ وہ ابر ہیں۔ یہ لوگ اہل زمین میں سے بہتر لوگ ہیں۔

ایک انصاری نے عرض کیا اے اللہ کے رسول "سوا ہمارے"۔

آپؐ خاموش رہے۔ پھر اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول "سوا ہمارے"

آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر آپؐ نے آہستہ سے فرمایا: "الّا سوا تمہارے"

صحیح بخاری میں ہے کہ بنو تمیم کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا:

اے بنی تمیم خوش ہو جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا۔ آپؐ نے ہمیں خوش خبری سنائی اس لیے ہمیں کچھ عطا فرمائیے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ پھر اہل یمن میں سے ایک جماعت حاضر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو جب کہ بنو تمیم نے قبول نہیں کی۔

وہ کہنے لگے! ہم نے قبول کر لی۔ پھر انھوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہم دین سمجھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں پہلا مسئلہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ دنیا کی ابتداء کیا تھی؟ آپؐ نے فرمایا اللہ ہی سب سے پہلے تھا اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ہر چیز کتاب میں لکھ دی ہے!

وفد ازد

آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے

آپؐ کی ایک پیش گوئی ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ صرد بن عبداللہ ازدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسلام لایا اور وفد ازد کے لوگوں میں سب سے بہتر طور پر اسلام قبول کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی قوم کے مسلمانوں پر امیر مقرر فرمایا۔ اہل یمن کے مشرک قبائل سے ان مسلمانوں کی مدد لے کر جہاد کرے۔ جو اس کی قوم میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک چھوٹی سی جماعت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نکلا اور مقام جرش میں ٹھہرا۔ ان دنوں یہ جگہ ایک بند شہر تھا۔ اور یہاں یمن کے قبائل آباد تھے۔

جب خثعم نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھی سب کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اہل اسلام نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ لیکن یہ لوگ

قابو میں نہ آئے آخر مسلمان لوٹ آئے۔

جب لشکرِ اسلام شکر نام کے پہاڑ کے قریب پہنچا تو اہلِ جرش نے خیال کیا کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں۔

چنانچہ وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ جب وفد سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان پر حملہ کر دیا۔ سخت خونریز جنگ ہوئی۔ اہلِ جرش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی بھیجے تھے جو معاملہ کو سمجھ رہے تھے۔ عصر کے بعد شام کو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھے کہ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ اللہ کی زمین پر مقام شکر کہاں ہے؟

وہ دونوں جرشی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ملک میں ایک پہاڑ ہے جس کو "کشر" کہتے ہیں، چنانچہ اہل جرش اس نام سے اسے یاد کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں وہ کشر نہیں شکر ہے"

دونوں نے پوچھا مگر بات کیا ہے۔ اے اللہ کے رسول؟

آپؐ نے فرمایا: اس کے دامن میں بہت جلد اللہ کے کچھ بندے قربان ہوں گے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ دونوں آدمی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس گئے انھوں نے فرمایا:

بدبختو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قوم کی مصیبت کے متعلق خبر دے رہے ہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔ اور درخواست کرو۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ تمہاری قوم سے یہ مصیبت ٹل جائے، وہ دونوں اٹھے، اور اسی طرح ہی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا اے اللہ ان پر سے یہ مصیبت اٹھا لے۔

اس کے بعد وہ دونوں آدمی اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔ تو وہاں جاکر

انہیں معلوم ہوا کہ واقعی اسی دن ان کی قوم کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ٹھیک اسی ساعت میں جب آپؐ نے گفتگو فرمائی تھی؟

چنانچہ جرش کا وفد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ اور آپؐ نے ان کی بستی کے گرد کا علاقہ ان کی نگرانی میں دے دیا۔

وفد بنو حارث بن کعب کی آمد

جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الآخر یا جمادی الاول ۱۰ھ میں حضرت خالدؓ بن ولید کو بنی حرث بن کعب کی طرف نجران روانہ فرمایا۔ اور حکم دیا کہ جنگ کرنے سے پہلے انھیں تین مرتبہ دعوت اسلام دیں؛ اگر وہ قبول کر لیں تو ان کا اسلام قبول کریں۔ ورنہ پھر جنگ کرنا۔ آخر وہ منزل پر پہنچے۔ اور دو سواروں کو بھیجا کہ ہر آدمی سے ملیں اور اسلام کی دعوت دیں، وہ کہہ رہے تھے، اے لوگو اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے، چنانچہ لوگ اسلام لے آئے۔

حضرت خالدؓ وہاں چند روز مقیم رہے۔ اور انھیں اسلام کی تعلیمات سے آشنا کرتے رہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ بھیجا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لکھا کہ ان کا اسلام قبول کر لو، اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا وفد بھی قبول کر دو۔ چنانچہ انھوں نے ان کا اسلام قبول کیا جس میں قیس بن حصین یزید بن عبد المدان۔ یزید بن محجل، عبد اللہ بن قراد اور شداد بن عبد اللہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا، کہ زمانہ جاہلیت میں

اگر تم پر کوئی حملہ کرتا تو تم کس وجہ سے اس پر غالب آجاتے تھے؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہم غالب نہیں آتے تھے۔

آپؐ نے فرمایا! ہاں ٹھیک ہے!

انھوں نے عرض کیا: ہم متحد رہتے اور متفرق نہ ہوتے اور ہم ظلم کی ابتدا نہ کرتے۔

آپؐ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور قیس بن حصین کو ان کا امیر مقرر فرما دیا۔ یہ لوگ شوال یا ذی قعدہ کے آخر میں واپس ہوئے ان کی واپسی کے بعد چار ماہ گزرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی!

وفد ہمدان

درِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

ہمدان کا وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس میں مالک بن عنط۔ مالک بن انقع ضمام بن مالک اور عمرو بن مالک تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ملے۔ یہ احبار کے لباس میں ملبوس تھے، ان کے سر پر عدنی سے عمامے تھے۔ مالک بن عنط۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رجز پڑھ رہا تھا۔

الیک جاوزن سواد الریف ـــــ

فی معبوات الصیف والخریف ـــــ

مخطمات بجبال اللیف ـــــ

یعنی، تیری جانب بڑھ گئیں دیہات کی سیاہی ـــــ

بہار و خزاں کے غبار میں ـــــ

کھجور کے پہاڑوں میں لگام دی ہوئی۔ اور انھوں نے آپؐ کے سامنے بہتر اور اچھی گفتگو کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تحریر لکھ دی اور ان کی درخواست قبول

فرمائی اور انہیں عطایا دیئے نیز مالک بن عنظ کو ان کا امیر بنا دیا۔ اور جو بھی ان میں سے مسلمان ہوتا اس کا امیر انہی کو قرار دیا۔ اور ثقیف کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا، ان کی حالت یہ تھی کہ جو جماعت بھی اس طرف نکلتی یہ لوگ (ثقیف) اس پر غارت گری کرتے۔

امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ ابن اسحاقؒ سے انھوں نے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اہل یمن کی طرف دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان میں تھا جو حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ تھے۔ ہم چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن انھوں نے قبول نہ کی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا۔ جب ہم قوم کے قریب ہوئے تو حضرت علیؓ نے ہمیں نماز پڑھائی اور ہماری ایک صف بنائی۔ اور ہمارے آگے بڑھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ قبیلہ ہمدان تمام کا تمام ہی مسلمان ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً سجدہ میں چلے گئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا! ہمدان پر سلامتی ہو ہمدان پر سلامتی ہو۔

وفد مزینہ کی آمد

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

طرقِ بیہقی سے مروی ہے کہ انہوں نے نعمان بن مقرن سے روایت کیا کہ ہم مزینہ سے چار سو آدمی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اے عمرؓ اس قوم کو زادِ راہ دے دو۔ اُنہوں نے عرض کیا میرے پاس صرف کچھ کھجوریں ہیں۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس جماعت کے لیے کچھ بھی کفایت کر سکیں۔

آپ نے فرمایا، جاؤ۔ اور انہیں زادِ راہ دے دو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ انہیں لے کر چلے۔ اور اپنے گھر میں داخل کیا، پھر انہیں ایک اونچی جگہ بٹھایا۔ اور جب ہم داخل ہوئے تو وہاں اونٹ کے برابر کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ قوم نے حسبِ ضرورت وہاں سے کھجوریں لے لیں۔

نعمان کہتے ہیں۔ کہ میں سب سے آخر میں نکلا۔ اور میں نے دیکھا کہ گویا ایک کھجور بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلائی گئی۔ یعنی وہ ڈھیر ویسے کا ویسا ہی رکھا ہوا تھا۔

وفد دوس

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک شاعر سے اہل مکّہ کی استمداد

شاعر کا قبول اسلام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمرو دوسی کہا کرتا تھا کہ وہ مکّہ آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مقیم تھے۔ قریش کے چند آدمی خاص طور پر اس کے پاس آئے، طفیل ایک شریف اور زیرک شاعر تھا۔ وہ کہنے لگے تو ہمارے علاقے میں آیا ہے۔ اور یہ آدمی جو ہمارے پاس ہے۔ اس نے ہماری جمعیت کو پراگندہ کر دیا ہے اور ہمارے ہر کام کو تقسیم کر رہا ہے اس کی بات میں جادو جیسا اثر ہے۔ جو ماں اور بیٹے۔ بیوی اور خاوند میں تفریق کر دیتا ہے۔ اور ہمیں تمہارے اور تمہاری قوم کے متعلق بھی وہی خطرہ ہے جس سے ہم دو چار ہو رہے ہیں۔ اس لیے اس کی بات نہ سننا اور نہ اس سے بات کرنا۔

وہ کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ برابر میرے پیچھے لگے رہے، یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ نہ آپؐ سے بات کروں گا۔ نہ آپؐ کی گفتگو سنوں گا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ جب میں مسجد کی جانب گیا محض اس خطرہ

کے پیشِ نظر کہ کہیں ان کی آواز میرے کانوں میں پڑ جائے۔

وہ کہتے ہیں، کہ پھر وہ صبح کو مسجد میں گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے قریب کھڑا ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے کلام سنا ہی دیا، جب میں نے ان کا حسین کلام سنا تو میں نے دل میں کہا ہائے میری بدبختی۔

اللہ کی قسم۔ میں ایک کامل شاعر ہوں۔ اور کلام کے حسن و قبح سے خوب آگاہ ہوں، اس لیے میں کیوں نہ اس آدمی کی بات سنوں، اگر اس کا کلام اچھا ہوگا۔ تو قبول کر لوں گا۔ اور اگر قبیح ہوگا۔ تو چھوڑ دوں گا۔ کہتے ہیں کہ میں ٹھہرا رہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ تو میں بھی ان کے پیچھے چلا۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، تو میں بھی اندر چلا گیا اور عرض کیا۔

اے محمد تیری قوم نے مجھے یہ یہ بتایا تھا، اور اللہ کی قسم وہ مجھے تیرے معاملہ میں خوف دلاتے رہے۔ آخر میں نے روئی سے اپنے کان بند کر لیے، تاکہ میں آپؐ کا کلام نہ سنوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے سنانا ہی چاہا اور میں نے آپؐ کا بہترین کلام سنا مجھے آپؐ اپنا معاملہ بتائیے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش کیا، اور قرآن مجید کی تلاوت کی۔

اللہ کی قسم میں نے اس سے زیادہ بہتر کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ اور نہ ان سے بہتر اور عدل والی بات کبھی سنی تھی۔ چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور میں نے حق کی گواہی دے دی۔ اور میں نے عرض کیا۔

اے اللہ کے نبی میں اپنی قوم میں ایک سردار مطاع ہوں سب میری مانتے ہیں ان کے پاس جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ میرے لیے کوئی علامت پیدا کر دے۔ جو میرے لیے دعوت میں مددگار

ہو، آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ، اس کے لیے کوئی علامت پیدا کر دے!
راوی کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی جانب نکلا۔ جب میں اپنے علاقے کے ٹیلے
پر پہنچا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی طرح ایک نور چمکنے لگا، میں نے دعا کی۔
اے اللہ میرے چہرے کے علاوہ کہیں اور! کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ سمجھیں گے
کہ ان کے دین سے نکلنے کے باعث اس کے چہرے پر دھبہ لگ گیا ہے۔
وہ کہتے ہیں، کہ پھر وہ نور وہاں سے ہٹ گیا، اور قندیل کی طرح میرے کوڑے
کے سر پر معلق ہو گیا۔ میں ٹیلے سے ان کی طرف اتر رہا تھا، حتیٰ کہ میں ان کے پاس
پہنچا۔ صبح ہو گئی۔ جب میں اترا، تو میرے پاس میرا باپ آیا، وہ بوڑھا آدمی تھا۔ میں
نے اسے کہا، مجھ سے دور ہو جا، نہ تو مجھ سے ہے، اور نہ میں تجھ سے ہوں۔
وہ کہنے لگا: بیٹا یہ کیوں؟
میں نے کہا: میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اور دینِ محمدؐ کی اتباع میں آ چکا ہوں۔
وہ کہنے لگا! بیٹا تیرا دین ہی میرا دین ہے، میں نے کہا! اچھا جاؤ، غسل کرو نئے
کپڑے پہنو پھر آؤ تاکہ میں تمہیں وہ سکھاؤں جو میں نے سیکھا ہے۔
کہتے ہیں کہ وہ گیا غسل کیا، اور اپنے کپڑے پاک کیے، پھر آیا۔ اور میں نے
اس کے سامنے اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہو گیا۔
پھر میری بیوی آئی۔ میں نے اس سے کہا: چلی جا۔ تیرا میرا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں
وہ کہنے لگی: میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ کیوں؟
میں نے کہا، اسلام نے میرے اور تیرے درمیان حد فاصل پیدا کر دی ہے۔ میں
مسلمان ہو چکا ہوں اور دین محمدؐ پر آ چکا ہوں۔
وہ کہنے لگی! تیرا دین ہی میرا دین، میں نے کہا، اچھا جاؤ، پہلے غسل کرو۔
اس نے ایسے ہی کیا۔ پھر واپس آئی۔
میں نے اس پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی۔

آنحضرت کی "بددعا" پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے دیر کردی۔ میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا! اے اللہ کے رسول قبیلہ دوس پر زنا غالب آچکا ہے، ان کے متعلق اللہ سے بددعا کیجیے۔

آپؐ نے دعا فرمائی!

اے اللہ دوس کو ہدایت دے۔ پھر فرمایا: اب اپنی قوم کی طرف واپس جا۔ اور انہیں اللہ کی طرف بلا۔ اور ان سے نرمی سے پیش آنا۔

اس کے بعد میں واپس گیا، میں انہیں دین الٰہی کی طرف دعوت دیتا رہا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے علاقہ میں تھے، کہ میں حاضر ہوا۔ اور مدینہ میں ستر یا اسی دوسی گھرانوں کو لیکر اترا۔ اس کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں جا ملے۔ آپؐ نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی سہم حصہ نکالا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور عرب کے بعض قبائل مرتد ہوگئے تو طفیلؓ مسلمانوں کو لے کر نکلے۔ جب طلیحہ سے فارغ ہوئے۔ تو اہل اسلام کے ہمراہ یمامہ کی طرف چلے۔ ان کے ہمراہ ان کا لڑکا عمرو بن طفیل تھا۔ انھوں نے اپنے اصحاب سے کہا۔ کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بتاؤ۔ میں نے دیکھا کہ میرا سر مونڈا گیا۔ اور میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا۔ اور ایک عورت مجھے ملی۔ اس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ میرا بیٹا بھی تیزی سے میری اتباع کر رہا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اسے مجھ سے روک دیا گیا۔ انھوں نے تعبیر دی: جو کچھ تو نے دیکھا، اچھا دیکھا طفیل کہنے لگے۔ اللہ کی قسم میں نے خود اس کی ایک تعبیر نکالی ہے۔

لوگوں نے پوچھا۔ کیا تعبیر نکالی ہے؟

وہ کہنے لگے!

سر مونڈنے کا مطلب سر کٹنا ہے۔ اور جو پرندہ میرے منہ سے نکلا ہے۔ یہ

میری روح کے خارج ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ عورت جس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کھودی جائے گی۔ اور مجھے اس میں غائب کر دیا جائے گا۔ اور میرے بیٹے کی مجھے تلاش اور اسی کا مجھ سے رک جانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اسے دیکھوں گا کہ وہ بھی حصول شہادت کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ حضرت طفیلؓ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ اور ان کے بیٹے سخت زخمی ہوئے۔ پھر وہ بھی حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

اسی واقعہ سے ثابت شدہ احکامات فقہیہ

۱۔ قبول اسلام سے پہلے غسل واجب ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عادت تھی۔ کہ اسلام قبول کرانے سے قبل غسل کراتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ امر ثابت ہے اور صحیح قول یہ ہے۔ کہ حالتِ کفر میں کوئی جنابت زدہ ہو یا نہ ہو مگر قبول اسلام کے وقت غسل واجب ہے۔

۲۔ جنگ ختم ہونے سے پہلے کمک پہنچ جائے تو اس کا حصہ ہوگا

اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جنگ ختم ہونے سے قبل جو بھی کمک پہنچے اس کا بھی سہم لگایا جائے گا

۳۔ کراماتِ اولیاء کا وقوع نصرت دین کے لیئے ہوتا ہے

نیز کرامات اولیاء کا وقوع یا تو ضرورت دین کے لیئے ہوتا ہے۔

یا اسلام اور اہل اسلام کے منفعت کے لیئے ہے۔

یہ رحمانی احوال ہوتے ہیں۔

اور اتباع رسول ہی ان کا سبب ہوتا ہے۔ جن کے نتیجہ میں اظہار حق اور

تذلیل باطل ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور احوالِ شیطانی کا سبب اور نتیجہ ان سے الگ ہی ہوتا ہے۔

۴۔ دعوتِ اسلام میں صبر و استقلال ضروری ہے

نیز اللہ کی طرف دعوت دینے میں صبر و استقلال ضروری ہے اور نافرمانوں پر بددعا یا انہیں سزا دینے میں جلدی سے کام نہ لینا چاہیے۔

وفد نجران

اہلِ کتاب کے ایک وفد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح

صلح کے شرائط اور ان کی نوعیت

ابن اسحاق ؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا۔ مجھے محمد بن جعفر بن زبیر نے بتایا کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کا وفد آیا تو یہ لوگ عصر کے بعد مسجد میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوئے۔ اور مسجد میں اپنی نماز ادا کرنے لگے۔ لوگوں نے انھیں منع کرنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار، انھیں مت روکو، چنانچہ انھوں نے مشرق کی طرف رخ کیا اور اپنی مخصوص عبادت کی۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن سفیان سے انھیں ابن سلمانی سے انھیں کرز بن علقمہؓ سے روایت پہنچی۔

انھوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے وفد میں ساٹھ سوار حاضر ہوئے، جن میں سے چوبیس بڑے بڑے سردار تھے اور چوبیس ایسے تھے کہ ان میں سے تین ان کے امیر تھے۔ ان کی رائے پر فیصلے ہوئے

اور وہ صاحبِ مشورہ تھے۔ یہ لوگ جس کی رائے اور حکم سے بالکل سرکشی نہ کرتے وہ شخص تھا، عبدالمسیح، دوسرا ان کا سردار اور صاحبِ رحل اور ان کی مجلس کا بڑا ایہم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ جو بنی بکر بن وائل کا بھائی تھا۔ یہ ان کا بڑا پادری عالم اور امام بھی تھا اور ان کی تعلیمات کا نگران تھا۔

ابو حارثہ ان میں بہت ہی صاحب شرف آدمی تھا۔ اس نے ان کی کتابیں پڑھ رکھی تھیں اور روم کے نصاریٰ بادشاہ اس کی ازحد عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے لیے انھوں نے خادم رکھے تھے۔ گرجے تعمیر کیے تھے اور اس کی دینی خدمات و علم کے باعث اس پر انعام و اکرام کی بارش کر دی تھی۔

جب یہ وفد نجران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو ابو حارثہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کا قصد کر کے ایک خچر پر سوار ہوا۔ اس کی ایک جانب اس کا بھائی تھا جسے کرز بن علقمہ کہتے تھے وہ بھی ہمراہ تھا اچانک خچر کا پاؤں پھسلا، کرز نے کہا وہ (لہ) ہلاک ہوا۔

ابو حارثہ نے جواب دیا نہیں بلکہ تو ہلاک ہوا۔

وہ کہنے لگا، بھائی یہ کیوں؟

وہ کہنے لگا، اللہ کی قسم وہ واقعی نبی امی ہے، جس کا ہم انتظار کر رہے تھے کرز نے پوچھا۔ تو پھر اس کے اتباع سے کیوں رکتے ہو؟ جب تم انھیں جانتے اور مانتے بھی ہو۔

اس نے کہا ہماری قوم نے ہمارے ساتھ کیا سلوک نہیں کیا ہے؟ ہماری عزت کی۔ ہماری تکریم و شرف میں کسر نہ رکھی۔ اور اگر میں یہ اسلام قبول کر لوں، تو جو کچھ تو دیکھ رہا ہے۔ سب واپس چھین لیں گے۔

اس پر کرز بن علقمہ نے اپنے دل کی حالت اس سے پوشیدہ رکھی لیکن آخر کار اسلام قبول کر لیا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابی محمد مولیٰ زید بن ثابت نے بتایا، فرماتے

ہیں کہ مجھے سعیدؒ بن جبیر اور عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے نصاریٰ اور یہود کے علماء جمع ہوئے اور آپس میں جھگڑ پڑے۔

احبار یہود نے کہا، ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔

نصاریٰ نے کہا، نہیں بلکہ وہ نصرانی تھے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:۔

۳/۶ ۶۷/۱۸ یا اهل الکتاب لم تحاجون فی ابراهیم وما انزلت التوراة والانجیل الا من بعده افلا تعقلون ٥ ها انتم هٰولاء حاججتم فیما لکم به علم فلم تحاجون فیما لیس لکم به علم والله یعلم وانتم لا تعلمون ٥ ما کان ابراهیم یهودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلماً وما کان من المشرکین ٥ ان اولی الناس بابراهیم للذین اتبعوه وهٰذا النبی والذین امنوا والله ولی المومنین ٥

یعنی اے اہلِ کتاب کیوں جھگڑتے ہو، ابراہیمؑ کی بابت اور تورات وانجیل تو اتریں اس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں۔ سنتے ہو تم لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا مشرک۔ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے۔ اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس نبی پر اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا“

ایک حبر (یہودی) نے کہا، اے محمد کیا ہم سے یہ چاہتے ہو؟ کہ ہم اس طرح تمہاری عبادت کریں جیسی نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کی عبادت کرتے ہیں؟

نصاریٰ نجران کے ایک آدمی نے بھی تائید کی اور پوچھا اے محمد آپؐ ہم سے یہی

چاہتے ہیں؟ اور اسی کی ہمیں دعوت دیتے ہیں؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی پناہ اس سے کہ میں غیراللہ کی عبادت کروں یا غیراللہ کی عبادت کا حکم دوں، نہ اللہ نے مجھے اس لئے مبعوث فرمایا اور نہ اس نے مجھے اس کا حکم دیا۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ماکان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تدرسون تعلمون الکتب وبما کنتم ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ والنبیین اربابا ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون۔

یعنی کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہوجاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہوجاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے۔ کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ اور نہ یہ کہے تم کو ٹھہرالو۔ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہوچکے ہو۔

ہمیں ابی عبداللہ حاکم سے روایت پہنچی۔ انھیں اصم سے انھیں احمد بن عبدالجبار سے انہیں یونس بن بکیر سے انھیں مسلمہ بن عبد یشوع سے انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا سے روایت ملی کہ یونس نے بتایا یہ نصرانی تھا۔ پھر اسلام لایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو لکھا:

ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کے خدا کے نام سے،

اما بعد!

میں تمہیں بندوں کی عبادت کی بجائے اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور بندوں کی ولایت (کارسازی، آقائی) کی بجائے اللہ کی ولایت کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم انکار کرو۔ تو جزیہ ہوگا، اور اگر (جزیے کا بھی)

انکار کرو، تو میں تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں والسلام"

جب یہ مکتوب اسقف (بڑا پادری) کے پاس آیا، اس نے خط پڑھا۔ اس پر شدید ترین گھبراہٹ طاری ہوئی۔ اس نے اہل نجران کے ایک آدمی کو بلا بھیجا جسے شرجیل بن وداعہ کہتے تھے۔ یہ ہمدان کا رہنے والا تھا۔ چنانچہ اسقف نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دیا، اس نے بھی پڑھا، پھر اسقف کہنے لگا:

اے ابو مریم تمہارا کیا خیال ہے؟

شرجیل نے جواب دیا، میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نبی اسماعیل میں نبی مبعوث فرمانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ وہی آدمی ہے۔ نبوت کے معاملہ میں میری کوئی رائے نہیں۔ اگر کوئی دنیا کا معاملہ ہوتا تو میں اپنی رائے سے مشورہ دیتا۔ اور اس کے متعلق میں خوب غور و خوض کرتا۔

اسقف نے جواب دیا، چل ایک طرف ہو جا۔ وہ ایک جانب بیٹھ گیا۔ پھر اسقف نے اہلِ نجران کے ایک آدمی عبداللہ بن شرجیل کو بلا بھیجا وہ حمیر سے تعلق رکھتا تھا اسے بھی مکتوب پڑھوایا۔ اور اس کے متعلق اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے بھی شرجیل اور عبداللہ کی طرح جواب دیا۔ اسقف نے اسے بھی ایک طرف ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ بھی ایک طرف ہو گیا۔

جب ایک بات پر تمام کی رائے کا اتفاق نظر آیا، تو اسقف نے ناقوس بجانے کا حکم دیا۔ ناقوس بجا دیا گیا۔ اور گرجوں میں چادریں اٹھالی گئیں۔ جب کبھی وہ دن میں گھبرا اٹھتے تو ایسا ہی کیا کرتے تھے اور اگر کبھی رات کو گھبرا اٹھتے تو ناقوس بجاتے اور گرجوں میں آگ جلاتے۔

ناقوس کے بجتے ہی لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ اور اہل وادی کے اندر ادنیٰ اور اعلیٰ سب چادریں اوڑھ لیتے۔ یہ وادی اتنی دراز تھی، کہ ایک تیز رفتار سوار دن بھر

میں اسے طے کر سکتا تھا۔ اس میں تہتر گاؤں تھے اور ایک لاکھ جنگجو آدمی تھے۔ اسقف نے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھا۔ اور ان کی رائے کے متعلق استفسار کیا۔

وادی کے تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی۔ عبداللہ بن شرجیل اور جبار بن قیس حارثی کو بھیجا جائے تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر لائیں۔ چنانچہ وفد چل پڑا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا، تو انھوں نے لباسِ سفر اتار دیا۔ اور احبار کے لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں پھر چلے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ کو سلام کہا۔ آپؐ نے سلام کا جواب نہ دیا اور دن بھر ان سے گفتگو نہ فرمائی۔

اس کے بعد وفد نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ کی تلاش کی۔ یہ دونوں ان سے آشنا تھے۔ جب زمانہ جاہلیت میں یہ اپنے تجارتی قافلے لے کر نجران جایا کرتے تھے، اور ان کے لیے وہ گندم۔ پھل اور فصلیں خریدا کرتے۔ اس وفد نے ان دونوں کو انصار و مہاجرین کی ایک مجلس میں دیکھا۔ انھوں نے پوچھا اے عثمان اور اے عبدالرحمٰن، تمہارے نبی نے ہماری طرف ایک مکتوب لکھا تھا۔ ہم اسے قبول کرنے حاضر ہوئے۔ جب ہم پہنچے اور سلام کیا تو انھوں نے جواب نہیں دیا اور دن بھر ہم نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے کلام کرنے کا موقع تک نہیں دیا۔ اب تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا ہم واپس چلے جائیں؟

عثمان و عبدالرحمٰن نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے پوچھا، یہ بھی وہیں تھے کہ اے ابوالحسن اسی کے متعلق آپؐ کا کیا خیال ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما سے کہا میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے یہ قیمتی لباس اور انگوٹھیاں اتار دیں اور لباس سفر پہن لیں، پھر آپؐ کے پاس حاضر ہوں۔

چنانچہ وفد نے ایسے ہی کیا۔ انھوں نے وہ قیمتی ملبوسات اور سونے کی انگوٹھیاں اتار دیں۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ سلام عرض کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر آپؐ نے ان سے بات چیت کی، گفتگو ہوتی رہی، آخر وفد کہنے لگا، آپؐ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ ہم اپنی قوم کی جانب جا رہے ہیں اور ہم نصرانی ہیں۔ ہمیں اس بات سے مسرت ہوگی کہ اگر آپؐ انہیں نبی کہیں تو آپؐ ان کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج کے دن میرے پاس ان کے متعلق کچھ خبر نہیں۔

تم ٹھہرو۔

یہاں تک کہ جو کچھ مجھے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بتایا جائے، تمہیں بھی بتا دوں۔ صبح ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ○ الحق من ربك فلا تكن من الممترین ○ فمن حاجك فیه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم قف ثم نبتهل فنجعل لعنة اللہ علی الكاذبین

یعنی بے شک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی، بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا۔ حق وہ ہے، جو تیرا رب کہے۔ پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے۔ پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آچکی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہہ دے آؤ بلا دیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان، پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر جو جھوٹے ہیں۔"

انھوں نے اس کا اقرار کرنے کا انکار کر دیا۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو خبر دی گئی تو آپؐ مباہلہ کرنے کے لیے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ایک کپڑے میں لے آئے۔ اور آپؐ کے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ تشریف لا رہی تھیں۔ اس وقت آپ کی کئی بیویاں تھیں۔

شرجیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا اے عبداللہ بن شرجیل اور اے جبار بن قیص تم دونوں جانتے ہو کہ وادی کے چھوٹے بڑے لوگ جب جمع ہوجائیں تو میری رائے کا خلاف نہیں کرتے۔ اور اللہ کی قسم میں ایک رائے رکھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ واللہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہوتا تو عرب قوم سب سے پہلے اس پر طعن کرتی اور اس کی آواز کو مسترد کر دیتی اور اس کی تبلیغ اپنی قوم سے بڑھ کر ہم تک نہ پہنچی۔ نیز میں اس کے آس پاس ظالموں کو دیکھتا حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں اور اگر یہ آدمی نبی مرسل ہے پھر اس نے ہم پر لعنت کر دی۔ تو زمین پر ہمارا ایک بال یا ناخن بھی باقی نہ رہے گا۔ ہم سب ہلاک ہوجائیں گے۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے جواب دیا۔ پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ تمام معاملہ تو تمہارے ہی سپرد کیا گیا ہے۔ اس لیے اپنی رائے پیش کرو۔

انھوں نے جواب دیا، میری رائے یہ ہے کہ میں انھیں (آپؐ) کو حکم بناتا ہوں کیونکہ میں انہیں ایسا آدمی سمجھتا ہوں، جو کہ ظلم و تعدی کا فیصلہ کرنے والا نہیں۔

ان دونوں نے اسے جواب دیا۔ تم جانو اور تمہارا کام۔

چنانچہ شرجیل جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ میں نے آپ کی لعنت سے زیادہ بہتر بات سوچی ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اے شرجیل وہ کیا ہے؟

شرجیل نے عرض کیا! میں آج رات اور صبح تک آپؐ کو حکم بناتا ہوں جو کچھ بھی آپؐ ہمارے متعلق فیصلہ فرمائیں وہ درست ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں کوئی ملامت بھی کر رہا ہے؟

شرجیل نے عرض کیا، میرے دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمالیجیے۔ وہ دونوں کہنے

لگے وادی کے اندر شرجیل کی رائے سے کوئی آدمی بھی سرتابی نہیں کر سکتا۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو) اتفاق کرنے والا کافر ہے یا جابر۔
اس کے بعد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور لعنت نہ کی۔ جب صبح ہوئی تو یہ وفد حاضر خدمت ہوا۔

آنحضرتؐ کا عہدنامہ

آپؐ نے انھیں تحریر لکھ دی:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
یہ وہ تحریر ہے، جو محمد نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے لیے لکھی کہ ...
(رسول اللہؐ) کا حکم ہے کہ ان پر ہر پھل۔ سونے اور چاندی اور ہر بڑے چھوٹے پر فضل کیا اور اپنی دو ہزار حلہ جات (لباس) پر آزاد کیا۔ ہر رجب میں ایک ہزار اور ہر صفر میں ایک ہزار حلہ دینا ہوگا اور ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو خراج سے کم یا زیادہ ہو اس کا حساب کر لیا جائے گا اور جو زرہیں گھوڑے یا سواریاں دیں۔ وہ بھی حساب کر کے لی جائیں گی اور میرے قاصدوں کو بیس دن یا اس سے کم ٹھہرانا اہل نجران کے ذمہ ہوگا۔ اور ایک ماہ سے زیادہ کسی قاصد کو نہ روکیں گے۔ اور جب یمن میں گڑبڑ ہو تو اہلِ نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ مستعار دینے لازمی ہوں گے اور میرے قاصدوں کے پاس سے جو زرہیں گھوڑے یا سواریاں ضائع ہو جائیں وہ میرے قاصدوں کے ذمہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ وہ انھیں ادا کر دیں۔ اور اہل نجران کے لیے اللہ کا پڑوس کافی ہے اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ان کی جانیں، ملت، زمین، اموال، غائب و شاہد، قبائل اتباعِ قبائل ہیں۔ اور یہ کہ کوئی دوسرا ان پر غارت گری نہ کرے گا۔ اور نہ کوئی ان کے حقوق یا ان کی ملت کے حقوق پائمال کرے گا۔ اور نہ ان کے پادریوں یا راہبوں کو ہٹایا جائے گا جو انھوں نے مقرر کر رکھے

ہیں اور نہ ہی جو ان کے اتباع ہیں۔ اور جو کچھ بھی کم و بیش ان کے قبضہ میں ہے اس پر غارت گری نہ ہو گی۔ اور ان پر جاہلیت کا خون اور جرم نہ ہوگا۔ اور کوئی لشکر ان کی زمین کو پائمال نہ کرے گا اور جو ان میں سے حق مانگے۔ تو ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ نہ ظالمانہ طور پر اور نہ ہی مظلومانہ طور پر اور اس کے بعد جو بھی سود کھائے گا۔ تو اس سے میرا ذمہ ختم ہوگا۔ اور دوسرے آدمی کے ظلم کی پاداش میں دوسرا نہ پکڑا جائے گا۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے یہ اللہ کی امان میں ہے۔ اور محمد نبی رسول اللہ کے ذمہ میں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لائے جو یہ لوگ نصیحت کریں پھر اصلاح کریں۔ تو یہ ظلم کے ساتھ واپس نہ ہوں گے۔

گواہ شد، ابوسفیان بن حرب۔ غیلان بن عمرو۔ مالک بن عوف۔ اقرع بن حابس حنظلی اور مغیرہ بن شعبہ۔

ایک سعید رُوح

اور لکھا ہے کہ جب انھوں نے تحریر ختم کی۔ تو یہ وفد نجران واپس چلا گیا۔ ایک رات کے سفر پر انہیں اسقف (پادری) اور اہل نجران ملے۔ اسقف کے ہمراہ اس کا ماں کی جانب سے بھائی بھی تھا اور نسبی طور پر وہ اس کا چچا کا بیٹا تھا جسے بشر بن معاویہ کہا جاتا تھا۔ اس کی کنیت ابو علقمہ تھی۔ وفد نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر اسقف کو دی۔ وہ پڑھ رہا تھا۔ کہ اس کا بھائی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ یہ دونوں جا رہے تھے کہ بشر کی اونٹنی پھسل پڑی اس نے بددعا کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واضح اشارہ نہ کیا۔ اسقف نے اس وقت کہا،

تو ہلاک ہو گیا۔ اللہ کی قسم وہ تو نبی مرسل ہیں۔

بشر نے فوراً اونٹنی کا رخ مدینہ کی طرف پھیرا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

اس واقعہ سے متعلق فقہی احکامات

اس سے ثابت ہوا کہ:۔

(۱) اہل کتاب کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے

اور مسلمانوں کی موجودگی میں وہ اپنے طرز پر عبادت کر سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ صورت صرف عارضی اور وقتی ہی ہو اور اس کی مسلسل رسم ڈال لینا جائز نہیں۔

اقرار نبوت اسلام کے لیے کافی نہیں

(۲) نیز اس میں ذکر ہوا کہ اہل کتاب کے ایک کاہن نے بھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا اور کہا "یہ نبی ہیں" لیکن اسلام میں داخل نہیں سمجھا گیا جب تک طاعت و اتباع نہ کر لیتا اور اس اقرار کے بعد جب تک وہ آپؐ کا دین نہ پکڑ لیتا۔ لہٰذا اس پر ارتداد کا حکم نہیں نافذ ہو سکتا۔ اس کی مثال (یہود) کے دو احبار میں ملتی ہے کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مسائل دریافت کیے۔ جب آپؐ نے جواب دیا تو کہنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نبی ہیں۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، تو پھر میری پیروی سے کون چیز تمہیں روک رہی ہے؟

انھوں نے جواب دیا، ہمیں ڈر ہے کہ یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

پس صرف اس بات سے ان کا اسلام ثابت نہیں ہوا۔

کیا ابوطالب مسلمان تھے؟

(۳) نیز اسی طرح آپؐ کے چچا ابوطالب کی گواہی، کہ آپؐ سچے ہیں، اور آپؐ کا دین زمین کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔" صرف اس شہادت سے وہ اسلام میں داخل ثابت نہیں ہوئے اور جو بھی سیر اور اخبار ثابتہ میں ذرا سا بھی غور کرے گا، تو اسے اہل کتاب اور مشرکین کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق کئی شہادتیں ملیں گی کہ یہ سچے (رسول) ہیں۔ لیکن اس شہادت سے وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں سمجھے گئے معلوم ہوا کہ اسلام اس سے پرے کی کوئی حد ہے اور وہ صرف معرفت کا نام نہیں اور نہ ایمان فقط معرفت و اقرار کا نام ہے بلکہ معرفت، اقرار اور ظاہر اور باطن میں طاعت و انقیاد کا نام ہے۔

اہل کتاب سے مناظرہ جائز ہے

(۴) نیز اہل کتاب سے مناظرہ مباحثہ بھی جائز مستحب بلکہ واجب ہے۔ جب کہ اس سے اسلامی مصلحت کا پہلو نکلتا ہو۔ ان کے اسلام قبول کرنے اور ان پر حجت قائم ہو جانے کی اُمید ہو۔ اور صرف بزدل یا عاجز ہی ان کے ساتھ مناظرے سے فرار کی راہ اختیار کرے گا۔ اس لیے اس کی اس بزدلی کو صرف اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

ایک مرتبہ میرے اور ان کے علمائے (نصریٰ و یہود) کے درمیان مناظرہ ہوا۔ تو میں نے اثنائے گفتگو میں ان سے کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جب بھی تم لوگ زبان طعن کھولو گے۔ وہ دراصل پروردگار عظیم پر جرح وقدح ہو گی اور اس پر جرح وقدح کرنا سب سے بڑا ظلم۔ حماقت اور فساد ہے اللہ تعالیٰ اس جرح وقدح سے بلند ہے۔

انھوں نے پوچھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

میں نے کہا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور آپؐ پر جرح صرف اللہ کے انکار و کفر سے ہی ممکن ہے۔ اس کی تشریح اس طرح ہے کہ اگر محمدؐ تمہارے خیال کے مطابق نبی صادق نہیں اور تمہارے گمانِ فاسد کے مطابق (نعوذ باللہ) وہ ایک ظالم بادشاہ ہیں تو کیا اللہ نے انہیں مدد اس لیے دی کہ وہ اللہ پر افترا باندھیں اور ایسی باتیں بیان کریں جو اس نے (وحی) نہیں کیں؟ اور اللہ ان تمام باتوں کو پورا کر دے۔ یہ معاملہ چلتا رہے۔ حتیٰ کہ وہ حلال وحرام کا فیصلہ کریں۔ فرائض بتائیں، شرائع کی تشریع کریں۔ ملتوں کو منسوخ کریں۔ گردنیں ماریں اور (تمہارے خیال کے مطابق) اہل حق اتباعِ ابنیاء کو قتل کریں، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنائیں۔ ان کے مال اور ملک پر قبضہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں میں ان کی مدد کرے حتیٰ کہ زمین ختم ہو جائے۔ اور یہ تمام امور وہ اللہ کی جانب منسوب کریں اور بشری عادت کے مطابق وہ اسی طریقہ پر گامزن رہیں اور اسی حالت میں تیرہ برس گزر جائیں

ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و حمایت کرتا رہے۔ اس کے امر کو رفعت بخشتا رہے۔ اور نصرت کے تمام خارجی اسباب بھی مہیا کرے جو عمومی طور پر بشری قوت سے بالا تر ہوتے ہیں اور سب سے تعجب خیز معاملہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ) ان کی دعا قبول کرے، ان کے دشمنوں کو ذاتی محنت و سبب وغیرہ کے بغیر ہی ہلاک کر دے کبھی محض بددعا سے ہی اور کبھی آپؐ کی بددعا کے بغیر مزید برآں وہ جس ضرورت کا سوال کریں اللہ وہ ضرورت پوری کر دے اور آپؐ سے ہر قسم کی کامرانی کا وعدہ کرے۔ پھر وعدہ بہترین انداز میں پورا بھی کر دے حالانکہ وہ اس کے نزدیک کاذب و مفتری اور ظالم ہو (نعوذ باللہ)۔

اب تمہارے قول کے مطابق دو باتیں ضرور لازم آئیں گی، یا تو کہو کہ دنیا بنانے والا اور مدبر کوئی نہیں۔ اور اگر عالم کا کوئی بنانے والا اور مدبر مان لیا گیا جو قدیر و حکیم بھی ہو۔ تو وہ ایسے (نبی) کے دونوں ہاتھ پکڑ لیتا۔ اور اس کا سخت ترین مقابلہ کرتا۔ اور ظالموں کے لیے اسے عبرت بنا دیتا۔ کیونکہ بادشاہوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ پھر آسمانوں و زمینوں کے بادشاہ اور احکم الحاکمین کے متعلق یہ تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ظلم و مفاہمت۔ تعدی اور مخلوق کو گمراہ کرنے کا غلط الزام پروردگارِ کریم پر آتا ہے کہ وہ ابدالآباد تک ایسا ہی کرتا رہا۔ نہیں بلکہ ایک کاذب (نعوذ باللہ) کی مدد کرتا اور اسے زمین پر تسلط دیتا۔ اس کی دعاؤں کو قبولیت بخشتا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دین کو قائم رکھتا اور ابد تک اس کی آواز کو رفعت عطا کرتا ہے۔ اس کی دعوت کا اظہار اور ہر جماعت و قوم کے اندر سب کے سامنے علی الاعلان صدیوں کے بعد بھی اس کی نبوت کی شہادت دینا لازم آئے۔ یہ معاملہ احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین کی جانب سے کیسے ہو سکتا ہے؟

تم نے اپنے مخصوص طریق نقد سے رب العالمین پر شدید ترین جرح کی اور اس پر طعن کی زبان کھولی، اور تم نے اس کا سرے سے انکار کر دیا۔ البتہ ہم انکار نہیں کرتے۔ کئی کذاب دنیا میں آئے۔ ان کی شوکت و سطوت بھی ظاہر ہوئی۔ لیکن ان

کی دعوت مکمل نہ ہو سکی۔ لہٰذا انہیں زیادہ مہلت دی گئی، بلکہ ان پر انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع کو مسلط کر دیا گیا۔ انھوں نے ان کا نشان تک مٹا دیا۔ اور انہیں حرف غلط کی طرح ختم کر دیا۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک اس کے بندوں میں اس کی یہ سنت چلی آتی ہے۔

جب اس نے میری یہ گفتگو سنی تو کہنے لگا، اللہ کی پناہ ہم انہیں ظالم یا کاذب نہیں کہتے، بلکہ اہل کتاب میں سے ہر انصاف پسند اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جو آپ کی اطاعت میں آیا اور آپ کے طریق کار پر چلا، وہ ناجی اور سعید ہے۔ اور اسے آپ کی رسالت ماننا ہی پڑتی ہے لیکن (اہل کتاب) کی جانب آپ مبعوث نہیں ہوئے میں نے جواب دیا کہ آپ کی تصدیق کرنا تم پر لازم ہو گیا اور تواتر سے ثابت ہے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف رب العالمین کے رسول تھے۔ اہل کتاب اور امی ہر ایک کی طرف مبعوث تھے۔ اور آپ نے اہل کتاب کو بھی اپنے دین کی دعوت دی۔ اور جو آپ کے دین میں داخل نہ ہوا۔ اس سے آپ نے مقاتلہ فرمایا۔ حتیٰ کہ انھوں نے جزیہ دینے اور ذمی بن کر رہنے کا اقرار کر لیا۔ اس جواب سے وہ کافر پریشان و درماندہ رہ گیا اور فوراً اٹھ کر چلا گیا۔

الحاصل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک مختلف اقوام و ملل کے خلاف نبرد آزما رہے۔

آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ بھی اسی طریق پر کاربند رہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو مکی مدنی سورت میں بہتر انداز میں ان سے جدال کا حکم بھی دیا۔ اور اظہار محبت کے بعد ان سے مباہلہ کرنے کا حکم بھی دیا۔ اسی طرح دین قائم ہوا۔ اور دلیل کے لیے تلوار کو مددگار بنایا گیا۔ اور سب سے بہتر اور عادل تلوار وہی ہے۔ جو اللہ کے بینات کی نصرت کرتی ہے اور یہی رسول اللہ اور آپ کی اُمت کی تلوار رہی ہے۔

مخلوق کی تعظیم حد عبدیت تک کرنا چاہیئے

(۵) نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو مخلوق کی تعظیم اس کی منزلت سے زاید کرے اس طرح کہ اسے عبودیت محض سے نکال لے۔ گویا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت کی اور یہ طریقہ تمام رسولوں کی دعوت کے مخالف ہے۔ رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول والی نجران کے لئے باسم الہ ابراھیم وسحٰق ویعقوب! (ابراہیم۔ اسحٰق و یعقوب کے اللہ کے نام سے) تو میرے نزدیک یہ مستند نہیں۔ حالانکہ آپؐ نے ہرقل کو لکھا، تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر فرمایا، اور ملوک کے نام خطوط میں آپؐ کی یہی سنت طیبہ تھی۔

جزیہ بصورت مال بھی جائز ہے

(۶) نیز اہل کتاب کے ساتھ امام کے حسبِ ارادہ اموال اور پارچہ جات وغیرہ پر مصالحت کرنا جائز ہے اور یہ مال اُن کے لیے جزیہ کے قائم مقام ہے۔ اس لیے ہر ایک کو جزیہ سے مفرد نہ کیا جائے گا، بلکہ یہی مال ان پر جزیہ قرار پائے گا اور اسے ان پر تقسیم کر کے (عائد کر دیا) جائے گا۔

حضرت معاذؓ بن جبل کا واقعہ

(۷) اور جب آپؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں ہر بالغ سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا اور ان دو مقامات میں فرق بھی ہے۔ اہل نجران میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ اور یہ لوگ مصالحت کرنے والوں میں سے تھے۔ اور یمن دار الاسلام تھا اس علاقہ میں یہود بھی تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ہر ایک پر جزیہ عاید کرنے کا حکم دیا۔ اور فقہا بھی پہلی قسم کی بجائے اسی دوسری قسم کے ساتھ جزیہ مخصوص کرتے ہیں۔ اور حقیقتاً دونوں ہی جزیہ ہیں، کیونکہ ہر دو صورت میں یہ مال کفار سے ہر سال ان کی ذمیّت کے باعث لیا جاتا ہے۔

اہل کتاب کو سود کی اجازت نہیں

(۸) نیز امام کو جائز نہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ سود کے معاملہ میں مصالحت کرے

کیونکہ یہ ان کے دین میں بھی حرام ہے۔ اسی طرح ان سے شراب (مسکرات) لواطت اور زنا کی اجازت کے متعلق بھی مصالحت نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان جرائم کے باعث ان پر حد لگانی چاہیے۔

ایک کے بجائے دوسرے کو نہیں پکڑا جاسکتا

(۹) نیز یہ جائز نہیں کہ کسی کافر کے ظلم کی وجہ سے کسی دوسرے کافر کو پکڑ لیا جائے یہ طریقہ اہل اسلام کے حق میں ناجائز ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں ظلم کے مرادف ہوں گی۔

عقد و عہد کافروں کے ساتھ مشروط ہوتا ہے

(۱۰) نیز معاہدین کے ساتھ عقد و عہد مشروط ہوگا۔ اندا اگر وہ لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دیں اور مسلمانوں کے دین (اسلام) میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں تو ان کے لیے کوئی معاہدہ و صلح نہیں۔ اور جب دمشق میں ایک زبردست آگ لگائی گئی جس کا اثر جامع دمشق تک جا پہنچا، تو اس موقع پر بھی ہم نے یہی فتویٰ دیا تھا۔ کیونکہ ان (نصاریٰ) نے مفسد لوگوں کی حمایت اور تعاون کر کے معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

(۱۱) بلکہ (وہ لوگ بھی مجرم ہیں) کہ جنھیں ان فسادیوں کا علم ہوا لیکن انھوں نے حکام تک ان کی اطلاع نہیں پہنچائی، کیونکہ یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کی ایک عظیم صورت ہے

فروہ بن عمرو الجذامی

اسلام کے نام پر جان دینے والا ایک نومسلم

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔

فروہ بن عمرو جذامی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد اپنے مسلمان ہونے کی خبر دینے کے لیے بھیجا۔ اور ایک سفید خچر بھی ارسال خدمت کیا۔

یہ فروہ اہل روم کی طرف سے ملحقہ مقامات کے عربوں پر گورنر مقرر تھا اور معان اور شام کا علاقہ اسی کا مسکن تھا۔ جب رومیوں کو اس کے مسلمان ہونے کی خبر ملی، تو انھوں نے اسے سر توڑ کوشش کر کے تلاش کیا، اور گرفتار کر لیا، مگر اپنے پاس ہی محبوس رکھا، پھر فلسطین میں عفراء کے چشمہ پر اسے سولی پر چڑھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔ کہ امام زہریؒ کہتے ہیں جب وہ اسے قتل کرنے لے چلے تو اس نے یہ شعر پڑھا!

بلغ سراۃ المسلمین بانني
سلم لربي اعظمی ومقامي

پھر رومیوں نے وہیں عفراء کے گھاٹ پر اسے سولی دے دی۔

ضمام بن ثعلبہ

بنو سعد بن بکر کے پیام بر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال وجواب

بُت پرستی سے کنارہ کشی

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں۔ مجھے محمد بن ولید سے انہیں کریب مولی ابن عباسؓ سے انہیں ابن عباسؓ سے معلوم ہوا۔ کہ بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کے طور پر بھیجا۔ یہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے مسجد کے دروازے ہی پر اونٹ کو بٹھایا، اس کا گھٹنا باندھا بعدازاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔

آپؐ اس وقت اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔

اس نے بہ آواز بلند کہا، تم میں ابن عبدالمطلب کون ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

وہ کہنے لگا: محمدؐ؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں!

وہ بولا، اے ابن عبدالمطلب میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اور سوال

میں سختی کا انداز اختیار کروں گا۔ اس لیئے میری بات کا بُرا نہ ماننا۔

آپؐ نے فرمایا: میں ذرا بھی بُرا نہیں مانوں گا۔ جو جی میں آئے پوچھ لو۔

اس نے کہا: میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ جو تیرا۔ تیرے خاندان کا۔ تجھ سے پہلوں کا اور تیرے بعد میں آنے والوں کا رب ہے کیا واقعی تجھے اللہ نے ہماری طرف رسولؐ بنا کر مبعوث فرمایا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔

وہ کہنے لگا: میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ جو تیرا۔ تیرے خاندان اور تجھ سے پہلوں اور تیرے بعد میں آنے والوں کا خدا ہے۔ کیا تجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تو صرف اسی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرے۔ اور یہ کہ ہم ان شریکوں سے علیحدگی حاصل کر لیں۔ جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجا کرتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اللہ نے اس بات کا حکم دیا ہے۔

پھر اس نے اسلام کے تمام فرائض کا ایک ایک کر کے ذکر کیا۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ صوم حج۔ غرض اسلام کے جملہ فرائض کا تذکرہ کیا اور ہر ایک کے ساتھ وہی سابقہ الفاظ دہراتا رہا۔ جس طرح پہلے اس نے کہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ (اپنے سوالات) سے فارغ ہو گیا پھر گویا ہوا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں[1]۔ اور میں یہ تمام فرائض ادا کروں گا۔

جب وہ واپس ہوا تو آپؐ نے فرمایا: دو زلفوں والے نے اگر سچ کہا تو جنت میں داخل ہو گا۔ اور یہ ضمام ایک مضبوط، توانا، اور کلے ٹھلے کا آدمی تھا، یہ دو دو زلفیں رکھتا تھا۔

آں حضرتؐ سے گفتگو کے بعد یہ اپنے اونٹ کے پاس آیا۔ اس کی رسی کھولی، اور سوار ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا۔ سب لوگ اس کے پاس جمع ہوئے۔ پہلی بات جو

---

[1] یعنی کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

اس نے اپنی قوم کے سامنے کی وہ یہ تھی۔

"لات و عزیٰ میں کیا دھرا ہے، ان سے بڑھ کر بدتر معبود نہیں۔

لوگوں نے کہا۔ اے ضمام خبردار، ٹھہرو۔ برص۔ جنوں اور جذام سے بچو۔

اس نے جواب دیا۔ تم غارت ہو۔ یہ بت نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتا اللہ تعالیٰ نے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے۔ اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ ذریعہ تمہیں اُس گمراہی سے نکال دیا ہے۔ جس میں تم سرتاپا غرق تھے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں اس کے پاس سے جو کچھ لے کر آیا ہوں۔ اس کی دعوت دیتا ہوں، جس سے اس نے روکا ہے اس سے منع کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم اس علاقہ میں شام تک تمام مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی قوم کا وفد ضمام بن ثعلبہ سے بہتر اور افضل نہیں دیکھا۔

صحیحین میں بھی حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے

طارق بن عبداللہ اور اس کے رفقاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش معاملگی کا حیرت انگیز واقعہ

آپ کا ایک اثر آفریں خطبہ ابو بکر بیہقی کی روایت ہے کہ ابو رؤہ جامع بن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ایک آدمی نے بتایا جسے طارق بن عبداللہ کہتے ہیں، اس نے کہا:۔

میں سوق عکاظ[1] میں کھڑا تھا، اچانک ایک آدمی آیا اس کے بدن پر جبہ تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔

اے لوگو۔ لا الہ الا اللہ کہو۔ تم فلاح پا جاؤ گے!

اور ایک آدمی اس کے پیچھے پیچھے کنکر مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ اے لوگو اس کی تصدیق نہ کرنا۔ کیونکہ یہ جھوٹا ہے۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟

---

[1] ایک مشہور میلہ۔

لوگوں نے کہا: یہ بنو ہاشم میں سے ایک آدمی ہے۔ جو سمجھتا ہے، میں اللہ کا رسول ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے
لوگوں نے بتایا یہ اس کا چچا عبدالعزیٰ ہے[1]

راوی کہتا ہے۔ جب لوگ اسلام لے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی۔ ہم نے بھی ابذہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ تاکہ وہاں سے کھجوریں خریدیں۔ جب ہم مدینہ کی دیواروں اور کھجوروں کے قریب پہنچے۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اُتر کر اپنے اس لباس کے علاوہ دوسرا لباس پہن لیں۔ اچانک ایک آدمی معمولی سے کپڑے پہنے آیا۔ سلام کہا۔ اور پوچھنے لگا یہ قوم کہاں سے آئی ہے؟

ہم نے کہا، ابذہ سے!
پھر اس نے پوچھا اور ارادہ کہاں کا ہے؟
ہم نے کہا بس اسی شہر تک، !
پھر اس نے پوچھا یہاں تمہارا کیا کام ہے؟
ہم نے جواب دیا۔ ہم یہاں سے کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔ اور بتایا کہ ہمارے ھودج ہے اور سرخ اونٹ ہے۔
اس آدمی نے کہا: کیا تم اپنا اونٹ فروخت کرو گے؟

جواب دیا:
ہاں فروخت کر دیں گے، لیکن اتنے صاع کھجوروں کے عوض!
راوی کا بیان ہے: کہ ہم نے جس قدر کہا۔ اس شخص نے اس سے بالکل کم نہ بتایا۔ اور اونٹ کی مہار پکڑی، اور چل دیا۔
جب وہ مدینہ کی دیواروں اور کھجوروں کے ہو سے اوجھل ہو گیا۔ تو ہم نے کہا:

---

[1] ابو جہل۔

یہ ہم نے کیا کیا؟ اللہ کی قسم ہم نے ایسے آدمی کے ہاتھ اونٹ بیچ دیا ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ اور نہ ہم نے اس سے قیمت لی ہے!

راوی کا بیان ہے، ہم میں سے ایک عورت بول اُٹھی۔ اللہ کی قسم میں نے اس آدمی کو دیکھا ہے۔ اس کا چہرہ شب تمام کے مکمل چاند کی طرح ہے۔ میں تمہارے اونٹ کی ضامن ہوں۔

ابن اسحاقؒ کی روایت ہے۔ کہ بڑھیا کہنے لگی: پریشان نہ ہو۔ میں نے اس آدمی کا چہرہ دیکھا ہے وہ ایسا ہے جیسے شب تمام کا مکمل چاند ہے۔

یہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اور کہنے لگا: کہ میں تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔ یہ تمہاری کھجوریں ہیں۔ کھاؤ۔ اور سیر ہو جاؤ۔ تو لو اور پوری کر لو۔ ہم نے کھائیں اور سیر ہو گئے۔ تولیں اور پوری کر لیں۔ پھر ہم مدینہ میں داخل ہوئے۔ اور مسجد کے اندر آئے۔ تو وہ شخص آپؐ ہی تھے۔ آپؐ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ ہم نے آپؐ کے خطبہ کا کچھ حصّہ حفظ کر لیا، آپؐ فرما رہے تھے۔

"صدقہ کرو۔ کیونکہ صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اُونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے۔

وفد نجیب

ایک سعادت مند طفلِ نوعمر و نوخیز کی کہانی

ارتداد کے موقع پر جس کے پاؤں نہ ڈگمگائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجیب کا وفد حاضر ہوا۔

یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ جو اپنے اموال کے صدقات بھی ہمراہ لے آئے تھے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے مل کر فرحت اور مسرت حاصل ہوئی۔ آپؐ نے ان کا اکرام و اعزاز کیا۔ انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم آپؐ کی خدمت میں (صدقات) بھی لائے ہیں جو اللہ نے ہمارے اموال پر فرض کیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انھیں واپس لے جاؤ اور اپنے فقراء پر تقسیم کر دو۔

انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول۔ ہم صرف وہ مال لائے ہیں جو ہمارے فقراء سے زائد بچ گیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، عرب کا کوئی وفد اس سے بہتر

میں حاضر نہیں ہوا جیسے یہ تجیب کا وفد حاضر ہوا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہدایت بھی اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے جس کے متعلق بھلائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے۔
اس وفد نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں دریافت کیں۔ آپؐ نے وہ باتیں اسے لکھ دیں۔ یہ لوگ قرآن مجید اور سنن کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگے، ان کی یہ بات آنحضرتؐ کو زیادہ پسند آئی۔ اور ان سے آپؐ کی رغبت بڑھ گئی۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ان کی ضیافت بہترین طریقہ پر کرو، یہ لوگ کچھ دن رہے اور زیادہ مدت قیام نہ کر سکے۔ ان سے کہا گیا تمہیں کس بات کا خیال ہے؟
کہنے لگے ہم واپس جائیں گے اور جو لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی بتائیں گے کہ ہم نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور ہم نے آپؐ سے گفتگو کی ہے اور آپؐ نے یہ جواب ہمارے سوالوں کا دیا ہے۔
پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وداع ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو ان کی طرف بھیجا۔ اور انھیں بہ نسبت دوسرے وفود کے زیادہ اچھے انعامات واکرامات سے نوازا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی باقی رہ گیا ہے؟
انھوں نے عرض کیا، ہاں! ایک لڑکا رہ گیا ہے، جسے ہم اپنے سامان کی نگرانی کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور وہ ہم سب سے کمسن چھوٹا ہے۔
آپؐ نے فرمایا، اسے بھی میرے پاس بھیجو۔
جب یہ لوگ اپنی جائے قیام پر واپس آئے تو لڑکے سے کہنے لگے۔ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، اور ان سے کسب سعادت کرو کیونکہ ہم تو شرف اندوز سعادت ہو چکے اور وداع بھی ہو آئے۔

لڑکا چلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول میں بنی ابذی کا ایک آدمی ہوں۔ یہ وہی جماعت ہے جو آپؐ کی خدمت میں ابھی ابھی حاضر ہوئی تھی اور جو یہاں سے سعادت اندوز ہو کر رخصت ہوئی ہے۔ اے اللہ کے رسول اب مجھے بھی شرف اندوز سعادت کیجئے۔

آپؐ نے فرمایا، تیری حاجت کیا ہے؟

وہ کہنے لگا، میری ضرورت میرے ساتھیوں کی طرح نہیں۔ اگرچہ وہ بھی اسلام کی رغبت لے کر حاضر ہوئے تھے اور اپنے صدقات میں سے جو کچھ لے کر آئے وہ خلوص سے تھا مگر میں اللہ کی قسم اپنے معاملے میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپؐ اللہ عزوجل سے دعا کر دیں کہ وہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کرے اور مجھے قلبی غنا عطا فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اسے قلبی غنا عطا فرما۔ پھر اس کے لیئے اور اس کے ساتھیوں کے بہ قدر عطیہ دینے کا حکم دیا۔ پھر یہ لوگ واپس گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد ۱۰ھ کو موسم حج میں یہی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور عرض کیا ہم بنو ابذی میں سے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا۔ اس لڑکے کا کیا حال ہے جو میرے پاس تمہارے ساتھ آیا تھا؟

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم نے اس کا سا اچھا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ نے اسے جو رزق دے رکھا ہے وہ اس پر بہت ہی قانع ہے۔ اگر لوگ دنیا بھی تقسیم کریں تو وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اور نہ التفات کرتا ہے یہ سن کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد للہ، مجھے امید ہے کہ وہ مکمل طور پر اس دنیا سے رخصت ہو گا۔

ایک آدمی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا ہر آدمی مکمل طور پر نہیں مرتا؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا کی وادیوں میں اس کے خواہشات اور غم منتشر ہو جاتے ہیں۔ کبھی اس کی اجل انھیں وادیوں میں اسے پکڑ لیتی ہے پھر اللہ عزوجل پروا نہیں کرتا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوا۔

کہتے ہیں کہ وہ لڑکا ہم میں بہتر حالت میں اور زاہد بن کر زندہ رہا اور جس قدر اللہ نے اسے رزق دے رکھا تھا، اسی پر وہ قانع تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اہل یمن میں سے بعض اسلام سے پھر گئے تو وہ اپنی قوم میں کھڑا ہو گیا۔ اور انھیں اسلام اور اللہ کی یاد دلائی چنانچہ اس کی قوم میں سے کوئی فرد بھی مرتد نہ ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ اس کا تذکرہ کرتے اور اس کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی حالت کو پہنچ گیا۔ اور انھوں نے زیاد بن بعید کو خط لکھا کہ اس لڑکے سے بہت اچھا سلوک کرنا۔

قضاعہ سے وفد بنو ہذیم کی آمد

اسلام میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا، بڑائی اسلام کی ہے

واقدیؒ نے ابن نعمانؓ سے انہوں نے اپنے والد سے جو بنو سعد ہذیم سے ہیں۔ روایت کی ہے...... کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ہمراہ حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلاد کو فتح کر چکے تھے اور عربوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور لوگوں کی دو قسمیں ہو چکی تھیں۔ یا تو اسلام میں داخل تھے اور یا تلوار سے خوفزدہ تھے چنانچہ ہم مدینہ کی ایک جانب ٹھہرے۔ پھر ہم مسجد میں جانے کے ارادے سے نکلے کہ حتیٰ کہ ہم اس کے دروازے تک پہنچ گئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ ہم ایک طرف کھڑے رہے۔ اور لوگوں کے ساتھ نماز (جنازہ) میں شریک نہ ہوئے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور ان سے بیعت سے پہلے یہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

نت

پھر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے، ہمیں دیکھا اور بلا لیا اور دریا

فرمایا، تم کون ہو؟
ہم نے عرض کیا۔ بنی سعد ہذیم میں سے ہیں۔
آپؐ نے فرمایا، کیا تم مسلمان ہو؟ ہم نے عرض کیا، ہاں! آپؐ نے فرمایا۔ تم نے اپنے بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟
ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم نے سمجھا کہ آپؐ سے بیعت کر لینے سے پہلے ہمارے لیے یہ جائز نہ ہو گا۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاں بھی تم نے اسلام قبول کر لیا تو تم مسلمان ہو۔
کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اسلام قبول کیا اور اسلام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر ہم واپس اپنے سامان کے پاس آ گئے اور ہم نے اپنے میں سے ایک خادم کو وہاں رکھا ہوا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تلاش میں آدمی بھیجا۔ چنانچہ اسے بھی آپؐ کے پاس لے جایا گیا اور آگے بڑھ کر ہمارے اس ساتھی نے بھی آپؐ سے اسلام پر بیعت کی۔
ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ہم میں سے چھوٹا ہے اور ہمارا خادم ہے۔ آپؐ نے فرمایا، قوم میں سے چھوٹا ان کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر برکات نازل فرمائے۔
راوی کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ ہم میں سب سے بہتر تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم سے زیادہ قرآن پڑھ گیا۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہم پر امیر مقرر فرما دیا۔ وہی ہمیں نماز پڑھاتا تھا۔ جب ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا انہوں نے ہم میں سے ہر آدمی کو چاندی کے کئی کئی اوقیہ انعام دیا، پھر ہم واپس اپنی قوم کی طرف آئے اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

قدوم وفد بنی فزارہ

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے طلب باراں

ابو ربیع بن سالم کتاب الاکتفاء میں فرماتے ہیں۔

" اور جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ کی خدمت میں بنی فزارہ کا وفد حاضر ہوا جو دس آدمیوں سے زیادہ پر مشتمل تھا، جن میں خارجہ بن حصین اور حسن قیس بھی تھا جو عیینہ بن حصن کا بھائی تھا اور یہ وفد میں سب سے کم عمر تھا۔

یہ لوگ بنت حرث کے گھر میں ٹھہرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ یہ لوگ دبلی اور نحیف سواریوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقہ کا حال دریافت فرمایا ایک بولا اے اللہ کے رسول ہمارے شہر برباد ہوگئے۔ ہمارے مویشی ہلاک ہوگئے۔ ہمارے باغات خشک ہوگئے اور اہل وعیال فاقے کرنے لگے۔ اس لیے اپنے پروردگار سے دعا فرمایئے کہ ہم پر بارش فرمائے اور اپنے پروردگار کے پاس ہماری شفاعت فرمایئے اور آپ کے پروردگار کو بھی آپ کے پاس ہماری سفارش کرنی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) بدبخت

میں نے اپنے پروردگار عزوجل کے پاس شفاعت کردی. لیکن وہ کون ہے؟ جس کے پاس ہمارا پروردگار سفارش کرے! اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بزرگ ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور وہ اس کی عظمت اور جلال کے باعث گواہی دیتی ہے۔ جیسے نو ہے کا کجاوہ آواز دیتا ہے۔ پھر آپ منبر پر چڑھے اور کچھ کلمات فرمائے اور آپؐ کسی دعا کے موقع پر ہاتھ نہ اٹھاتے تھے. مگر دعائے استسقاء میں آپؐ نے ہاتھ اٹھائے حتٰی کہ آپؐ کے بغلوں کی سفیدی بھی نظر آگئی۔ اور آپؐ کی دعا میں سے یہ الفاظ یاد ہیں، اے اللہ اپنے ملک اپنے چوپاؤں کو سیراب کردے۔ اور اپنی رحمت پھیلادے اور اپنے مردہ علاقے کو زندہ فرما۔ اے اللہ ہمیں بارش سے سیراب کردے جو راحت رساں ہو۔ روئیدگی پیدا کرنے والی ہو، وسعت بخش ہو۔ عام ہو۔ آجل نہ ہو، نافع ہو۔ مضر نہ ہو، اے اللہ ہمیں اپنی رحمت سے لذت اندوز کر۔ عذاب وہدم۔ اور غرق سے محفوظ رکھ۔ نیز تباہی اور ہلاکت وبربادی سے بھی، اے اللہ ہم پر بارش بھیج، اور ہمیں دشمن پر فتح عطا کر۔

وفد بہراء کی آمد

اہل وفد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا لطف وعنایت

واقدی کریمہ بنت مقداد سے نقل کرتے ہیں۔

میں نے اپنی والدہ صناعتہ بنت زبیر بن عبد المطلب کو کہتے سنا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں یمن سے بہراء کا وفد حاضر ہوا۔ یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ یہ لوگ اپنی سواریاں ہنکاتے ہوئے مقداد کے دروازے تک آ گئے۔ اور ہم بنی جذیلہ کی بستی میں اپنے گھروں کے اندر تھے۔ حضرت مقدادؓ ان کی طرف بڑھے۔ ان کا استقبال کیا اور انہیں ٹھہرا لیا۔ ان لوگوں نے حضرت مقدادؓ کے ہاں کھانا کھایا۔ کھانے کا پیالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ واپسی پر ابو معبدؓ نے اہل وفد کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اسی میں سے تناول فرما کر یہ حصّہ واپس کیا ہے۔ لہٰذا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی انگلیوں کی برکت بھی ہے۔

یہ سنتے ہی اہل وفد نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اور کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا ایمان بہت محکم ہو گیا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی خواہش تھی۔

بعدازاں ان لوگوں سے فرائض کا علم سیکھا۔ چند روز ٹھہرے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وداع ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں انعامات دینے کا حکم دیا اور وہ واپس اپنے اہل وعیال میں چلے گئے۔

وفد عذرہ کی آمد

اہلِ وفد کو فتح شام کی خوش خبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

سنہ ۹ھ ماہِ صفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہ آدمیوں کا ایک وفد آیا، یہ عذرہ کا وفد تھا۔ اس میں حمزہ بن نعمان بھی شامل تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کون لوگ ہو!

انہوں نے جواب دیا۔ آپؐ سے کلام کرنے والا آپؐ سے اجنبی نہیں ہے ہم بنو عذرۃ ہیں ہم قصی کے بھائی ہیں، ہم نے ہی قصی کو مدد دی۔ اور وہ ہم ہی تھے جنہوں نے بطنِ مکہ سے خزاعہ اور بنی بکر کو نکال باہر کیا.....

اور ہماری ان سے قرابت اور رشتہ داریاں ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خوش آمدید۔ تم اپنے ہی گھر میں آئے ہو، میں نے تمہیں پہلے پہچانا تھا۔

پھر یہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوش خبری دی کہ شام فتح ہوگیا اور ہرقل دور دراز علاقہ میں فرار ہوگیا ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ کاہنوں کی نہ بات

سیں نہ اُن کا اعتبار کریں ۔ نیز انہیں ان ذبائح سے روکا جو کفر و شرک کے زمانہ میں وہ (عبادت سمجھ کر) کیا کرتے تھے ۔ اور انہیں سمجھایا اور بتایا کہ قربانی تو بس اللہ کے نام ہی کی واجب ہے ۔

یہ لوگ حضرت رملہؓ کے گھر میں کچھ روز مقیم رہے ۔ پھر انعامات حاصل کر کے واپس چلے گئے ۔

قدوم وفد بلی

اہلِ وفد کے استفسارات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم سے

چند اہم مسائل فقہیہ

یہ وفد ۹ھ ربیع الاول کے مہینہ میں آپؐ کی خدمت با برکت میں حاضر ہوا۔ انہیں رویفع بن ثابت بلوی نے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ وہی ان لوگوں کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یہ میری قوم ہے۔!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ تجھے اور تیری قوم کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔

یہ لوگ اسلام لے آئے پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی۔ جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر مرے گا۔ وہ آگ جہنم میں جائے گا۔

وفد کا بوڑھا آدمی ابو ضبیب کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں ضیافت کرنے کا بڑا شوقین ہوں۔ کیا میرے لیے اس میں کچھ ثواب ہوگا؟۔

آپؐ نے فرمایا ہاں! جو بھلائی بھی تو کسی امیر یا غریب کے ساتھ کرے وہ صدقہ ہے۔

اس نے عرض کیا! اللہ کے رسول ضیافت کب تک کے لیے ہوتی ہے۔
آپؐ نے فرمایا! تین روز کے لیے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ صدقہ ہے۔ اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تیرے پاس (اس کے بعد) بھی ٹھہرا رہے اور تجھے تنگ کرے۔
اس نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول ویران زمین میں جو گمشدہ بکریاں مجھے مل جایا کرتی ہیں، ان کے متعلق آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟
آپؐ نے فرمایا! وہ تیرا یا تیرے بھائی کا اور یا بھیڑیئے کا نوالا ہے۔
اس نے عرض کیا! اور اونٹ؟ آپؐ نے فرمایا! تجھے اس سے کیا تعلق؟ اسے رہنے دے، یہاں تک کہ وہ (خود ہی) اپنے مالک کے پاس پہنچ جائے۔
حضرت رویفعؓ فرماتے ہیں پھر یہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور میرے گھر واپس آ گئے۔
دیکھتا کیا ہوں اچانک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میرے مکان کی طرف کھجوریں لیے تشریف لا رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ان کھجوروں سے ان کی دعوت کرنے کی سکت پیدا کرو۔
وہ لوگ یہ اور دوسری جگہ کی ہر قسم کی کھجوریں کھاتے، تین روز ٹھہرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں انعام سے سرفراز فرمایا اور رخصت کر دیا، اور یہ لوگ واپس اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔

اسی واقعہ سے متعلق احکام فقہیہ

۱۔ مہمانی کی مدّت اور میزبان کا فریضہ

یہ کہ مہمان جس کے گھر میں ٹھہرے اسے تین دن تک مہمان رہنے کا حق ہے۔ اور اس کے تین مراتب ہیں۔ واجب۔ مستحب اور صدقہ۔
واجب حق تو ایک دن اور ایک رات کا ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں تینوں درجوں کا ذکر فرمایا، جو ابو شریح رضی اللہ عنہ خزاعی سے مروی ہے۔

اور اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے ۔ یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ۔ جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی انعام سے خدمت کرے ۔

عرض کیا گیا : اے اللہ کے رسول اس کا (جائزہ) انعام کیا ہے ۔

آپؐ نے فرمایا ، ایک دن اور ایک رات ۔ اور ضیافت تین روز تک ہوتی ہے اور جو اس سے بڑھ جائے ، وہ ضیافت نہیں صدقہ ہے ، اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں ٹھہرا رہے اور اسے تنگ کرتا رہے ۔

۲- لاوارث بکریوں اور اونٹوں کی ملکیت

نیز اس لاوارث بکریوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

اور جب تک بکری کا مالک نہ آجائے گا۔ یہ بکریاں پکڑنے والے ہی کی ملکیت میں رہیں گی۔

البتہ اصحاب احمدؒ میں سے متقدمین اس کے خلاف ہیں ۔ اور ابوالحسین نے فرمایا ہے ۔ کہ سال گذرنے سے قبل اس مال میں تصرّف نہ کرے ۔ نیز (لاوارث) اونٹ کا حاصل کرنا جائز نہیں ۔ ہاں اگر بالکل چھوٹا سا بچہ ہو ، اور بھیڑیوں اور دوسرے درندوں سے اپنا تحفظ نہ کرسکتا ہو ۔ اس صورت میں اس کا حکم نص کی تنبیہہ اور اشارہ کے مطابق بکری کا سا ہوگا ۔

قدوم وفد ذی مرّہ

قحط زدہ لوگوں کے لئے

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے باراں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں تیرہ آدمیوں پر مشتمل ذی مرۃ کا وفد حاضر ہوا، حرث بن عوف ان کا سردار تھا۔

اہل وفد کے سردار نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپؐ کی قوم اور آپؐ ہی کا خاندان ہوں۔ ہم لوگ بنی لوی بن غالب سے تعلّق رکھتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبسّم فرمایا۔ اور حرث سے پوچھا، اپنے اپنے اہل کو کہاں چھوڑا ہے؟

اس نے عرض کیا: سلاح اور اس کے قریب!

آپؐ نے دریافت فرمایا! اور ملک کا کیا حال ہے۔

اس نے عرض کیا! اللہ کی قسم ہم قحط زدہ ہیں۔ مال میں مغز نہیں رہا۔ اس لیے ہمارے لیے دعا فرمایئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ ان پر بارش فرما،

یہ لوگ چند روز ٹھہرے۔ پھر واپسی کا ارادہ کیا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں وداع ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپؐ نے

حضرت بلالؓ کو انعام دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے ان کو دس دس اوقیہ چاندی عنایت فرمائی اور حرث بن عوف کو زیادہ انعام یعنی بارہ اوقیہ رحمت فرمایا! پھر یہ لوگ اپنی بستی میں واپس آگئے، یہاں آکر انہوں نے دیکھا کہ ان کے علاقہ میں خوب بارش ہو چکی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کب یہ بارش ہوئی؟ تو پتہ چلا۔ کہ ٹھیک اسی دن بارش ہوئی تھی جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے باراں فرمائی تھی، پھر تو ان کا علاقہ سرسبز وشاداب ہوگیا۔

قدوم وفد خولان

عم انس نامی بُت کی داستان عجیب

شعبان سنہ ھ میں خولان کا وفد جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حاضر خدمت نبوی ہوا۔

ان لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم ان لوگوں کے سردار ہیں جنہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں، ہم اللہ عزوجل پر ایمان لاتے ہیں، اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم اونٹوں پر سفر کر کے آپؐ کی خدمت بابرکت میں پہنچے ہیں۔ ہم زمین کی سخت اور نرم جگہ پر چلے ہیں۔ اور تمام احسان اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے۔ اور ہم آپؐ کی زیارت کے مقصد سے حاضر ہوئے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! تم نے میری خاطر سفر کی جو بات کی تو جان لو تمہارے لیے اونٹ کے ہر قدم پر ایک نیکی ہے۔ اور تمہارا یہ قول کہ "میری زیارت کرنے کے لیے" آئے ہو تو جان لو جس نے مدینہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کو میرا پڑوسی ہوگا۔

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول پھر تو اس زحمت میں کوئی خسارہ نہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: عم انس کا کیا ہوا؟
یہ خولان کا بُت تھا۔ جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا آپ خوش ہو جایئے۔ اللہ تعالےٰ اس کی عوض آپ کا دین عطا فرمایا: اور ہم میں سے ایک بوڑھا اور ایک بوڑھیا باقی رہ گئے ہیں جو ابھی تک اسی کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور جب ہم جائیں گے۔ تو اس کو انشاء اللہ تعالےٰ توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کر دیں گے پسچ تو یہ ہے کہ ہم اس کی وجہ سے فتنہ اور فریب میں مبتلا تھے۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم نے اس کا سب سے بڑا کیا فتنہ دیکھا؟
کہنے لگے: ہمیں قحط سالی نے آن لیا۔ حتیٰ کہ ہم ہر ناقص چیز تک کھا گئے۔ پھر ہم نے حسبِ استطاعت مال جمع کیا۔ اور اس سے ایک سو بیل خریدے۔ انہیں عم انس کے نام پر ایک ہی صبح کو ذبح کر دیا۔ اور درندوں کے لیے انہیں وہیں چھوڑ دیا، حالانکہ درندوں کی نسبت ہم خود ان کے زیادہ محتاج تھے۔ اتفاق کی بات اس وقت بارش ہو گئی۔ ہم نے دیکھا کہ لوگ اس بات کا چرچا کر رہے تھے یہ عم انس کا ہم پر فضل اور انعام واحسان ہے۔
نیز ان لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا۔ کہ ہم فصل بوتے تو اس کا حصّہ مقرر کر دیا کرتے تھے اور اس کا نام رکھ دیتے تھے۔ پھر ہم دوسرا کھیت بوتے۔ تو اسے اللہ کے نام پر روک دیتے، جب کبھی آندھی آتی اس کھیت کو لپیٹ میں لے لیتی جسے ہم نے عم انس کے نام سے منسوب کر رکھا تھا تو ہم اللہ کے نام والی کھیتی کو عم انس کے نام کر دیتے۔ اور جب کبھی دوسری کھیتی پر تباہی آتی تو ہم عم انس والی کھیتی کو اللہ کے نام کی طرف منتقل نہ کرتے۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق نازل فرمایا ہے۔ وجعلوا للّٰہ مما ذرأ من الحرث والانعام نصیبًا۔

نیز اہل وفد نے بتایا کہ ہم اس کے پاس اپنے جھگڑے لے جاتے۔ تو یہ بولتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ یہ شیاطین تھے جو تم سے باتیں کرتے تھے۔

بعدازاں اہل وفد نے فرائض کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے انہیں بتایا۔ اور وعدہ پورا کرنے۔ امانت ادا کرنے۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ بہتر سلوک اور برتاؤ کرنے اور کسی پر ظلم نہ کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا بے شک ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ہے۔

پھر چند روز کے بعد انہیں انعام دے کر الوداع کیا۔ یہ لوگ اپنی قوم میں واپس پہنچے۔ اور اترتے ہی عم (بت) کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا۔ ؎

؎ : شرک اور بت پرستی کا جو عقیدہ نسلوں اور پشتوں اور صدیوں سے چلا آرہا تھا، قبول اسلام کے بعد اس کا نسیاً منسیاً ہو جانا اور وہ بھی آناً فاناً اتنا آسان نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس بت کو توڑنے پھوڑنے کے سلسلہ میں صورت ہچکچاہٹ آئی لیکن یہ کارنامہ جب سرانجام پا گیا تو وہ ذرا سی کھٹک جو باقی رہ گئی تھی وہ بھی دور ہو گئی۔

وفد محارب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت یادداشت

حجۃ الوداع کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محارب کا وفد حاضر ہوا۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام عربوں سے زیادہ قوی الایمان تھے،

ان مواقع پر جب موسم حج تھا۔ اور آپؐ قبائل عرب کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اسی قوم میں سے دس آدمی اپنی پوری قوم کی جانب سے نائب بن کر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اسلام لے آئے۔ حضرت بلالؓ صبح شام ان کا کھانا لاتے۔ آخر ایک روز یہ لوگ ظہر سے لیکر عصر تک نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے، آپؐ نے ایک آدمی کو پہچان لیا۔ اور اسے غور سے ملاحظہ فرمانے لگے۔

جب محاربی نے اپنی طرف آپؐ کی نگاہ دیکھی تو کہنے لگا: اے اللہ کے رسول شاید آپؐ مجھے پہچان رہے ہیں۔؟

آپؐ نے فرمایا! میں نہیں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں،

محاربی نے جواب دیا۔ ہاں! خدا کی قسم آپؐ نے مجھے دیکھا بھی ہے اور مجھ سے باتیں بھی کیں ہیں۔ اور میں نے بدترین طریقہ پر جواب دیا تھا۔ اور عکاظ کے میلہ میں نے بدترین انداز میں آپ کی دعوت اسلام رو کی تھی۔ جب قبائل عرب

کو مخاطب فرما رہے تھے۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ٹھیک کہتے ہو۔

پھر محاربی بولا۔ اے اللہ کے رسول اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے زیادہ آپ کے خلاف کوئی سخت نہ تھا اور نہ اسلام سے زیادہ دور تھا۔ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جس نے مجھے زندہ رکھا۔ حتیٰ کہ میں نے آپ کی تصدیق کرلی، اور وہ میرے تمام ساتھی اپنے سابقہ (کفر کے) دین پر مر چکے ہیں۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بے شک دل اللہ عزوجل کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

محاربی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ کے قدموں پر حاضر ہو جانے کے باعث میرے لیے بخشش کی دعا کیجئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اسلام اپنے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

بعدازاں پھر یہ لوگ واپس چلے گئے۔

قدوم وفد صُداء

حضرت سعدؓ بن عبادہ کی طرف سے میزبانی کی پیش کش

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صداء کا وفد حاضر ہوا۔ تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انہیں میرے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دیجیے۔

چنانچہ یہ لوگ ان کے ہاں ٹھہرے انہوں نے ان کی خوب خاطر و مدارت کی اور حسب ضرورت لباس تک دیا۔ پھر انہیں لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے آپؐ سے اسلام پر بیعت کی۔ اور کہنے لگے، ہم اپنے ان لوگوں کی جانب سے جو یہاں نہیں آسکے آپؐ کے سامنے ضامن ہیں۔ چنانچہ بعد کو جب یہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے۔ تو ان میں اسلام خوب پھیل گیا۔ اور حجۃ الوداع میں ان کے ایک سو آدمیوں نے جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

واقدیؒ نے بنی مصطلق کے کسی آدمی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی سابقہ میں ایک بعث کا ذکر بھی ہوا۔ کہ جس میں لشکر اسلام کا سفید اور سیاہ جھنڈا

رنگ کا پرچم تھا۔

اہل وفد میں سے ایک نے عرض کیا!

یا رسول اللہ ہمارے ہاں ایک کنواں ہے، جاڑوں کے موسم میں تو اس کا پانی ہمیں کفایت کرتا ہے، لیکن گرمی کے موسم میں کم پڑجاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ادھر ادھر کے گھاٹوں پر متفرق ہو جاتے ہیں، ابھی ہم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے (ہمارا پراگندہ ہونا) خطرہ سے خالی نہیں۔ لہذا خدائے عزوجل سے دعا کیجیے، کہ ہمارا کنواں بھر جائے۔

آنحضرت ؐ نے فرمایا، سات کنکر یاں لاکر مجھے دو۔

وہ پیش کردی گئیں، آپؐ نے انہیں اپنے ہاتھ سے رگڑا، پھر واپس کر دیا، اور فرمایا۔

جب وہاں پہنچو تو ایک ایک کرکے انہیں کنوئیں میں ڈال دینا، اور بسم اللہ کہہ لینا۔

ایسا ہی کیا گیا، وہ کنواں پانی سے بھرا ہوا اندارا بن گیا، جواب تک موجود ہے۔،،

اسی واقعہ سے متعلق فقہی احکامات

ا۔ پرچم کا استعمال مستحب ہے

اس سے ثابت ہوا کہ لشکر کے لیے جھنڈے اور پرچم کا استعمال مستحب ہے۔ اور مستحب یہ ہے، کہ جھنڈا (لواء) سفید ہو، اور پرچم (رایہ) سیاہ ہو۔ اس میں کچھ کراہت نہیں۔

۲- آبِ زمزم سے وضو جائز ہے نیز اس سے مقدس پانی سے وضو کا جواز بھی نکلتا ہے، اس سے وضو مکروہ نہیں ہوتا - اسی طرح زمزم کے پانی سے وضو کرنا مکروہ نہ ہوگا- اور نہ ایسے پانی سے وضو مکروہ ہوگا۔ جو کعبہ کی چھت پر بہ رہا ہو -

---

قدوم وفد غسّان

اسلام پر ثابت قدم رہنے والے تین مومن

یہ وفد ۱۰ھ رمضان میں حاضر ہوا۔ یہ وفد تین آدمیوں پر مشتمل تھا یہ لوگ اسلام لے آئے اور کہنے لگے: ہم نہیں جانتے، کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے مسلک کو باقی رکھنا اور قیصر کا قرب پسند کرتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں انعامات دیئے۔ اور وہ واپس قوم کے پاس آئے۔ ان لوگوں نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ آخران میں سے دو اسلام پر فوت ہوگئے۔ اور تیسرے نے یرموک کے سال حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا۔ وہ حضرت ابو عبیدہؓ سے ملا۔ اور انہیں اپنے اسلام کی خبر دی چنانچہ وہ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

قدوم وفد سلاماں

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعائے باراں

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سلامان کا وفد جو سات آدمیوں پر مشتمل تھا حاضر ہوا۔ جن میں حبیب بن عمرو بھی تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

حبیبؓ کہتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! سب سے بہتر عمل کونسا ہے؟

آپؐ نے فرمایا! اپنے وقت پر نماز ادا کرنا۔ پھر انہوں نے طویل حدیث ذکر کی۔ اور (اہل وفد) نے آپؐ کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔ راوی کہتے ہیں۔ کہ عصر کی نماز ظہر کے قیام سے خفیف تھی۔

پھر (اہل وفد) نے آپؐ کی خدمت میں قحط سال کی شکایت پیش کی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعا فرمائی، اے اللہ انہیں ان کے گھروں میں بارش سے نواز۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہاتھ زیادہ اٹھائیے۔ تاکہ زیادہ اور خوب (بارش ہو)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبسّم فرمایا: اور اس قدر ہاتھ اٹھائے، کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی بھی نظر آگئی۔ پھر کھڑے ہو گئے۔ اور

۔ ہم وہاں تین روز ٹھہرے اور آپؐ
کی ضیافت (کے انعامات) ہم پر جاری رہے۔ پھر ہم نے وداع ہونا چاہا
آپؐ نے ہمیں انعامات سے نوازا۔ اور ہم میں سے ہر آدمی کو پانچ پانچ
اوقیہ عنایت فرمایا۔ نیز حضرت بلالؓ نے معذرت بھی کی۔ اور کہا۔ آج ہمارے
پاس زیادہ مال نہیں۔ ہم نے کہا: یہ تو بہت ہی زیادہ اور خوب ہے۔ پھر ہم
اپنے وطن واپس آگئے یہاں آکر معلوم ہوا۔ جس دن اور جس گھڑی نبی اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی، اسی روز اور اسی گھڑی بارش ہوئی۔
واقدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ وفد ۱۰ھ شوال کے مہینہ میں حاضر ہوا تھا۔

قدوم وفد بنی عبس

بنی عبس کا وفد آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمارے اطلاع دینے والے ہمارے پاس آ گئے اور کہنے لگے کہ جس کی ہجرت نہ ہو۔ اس کا اسلام نہیں۔ اور ہمارے اموال اور مویشی ہی ہماری معاش ہیں۔ اور اگر معاملہ یوں ہی ہے کہ جس کی ہجرت نہیں اس کا اسلام نہیں، تو پھر ان اموال اور مویشیوں میں کچھ بھی بھلائی نہیں ہم نے انہیں بیچ دیا اور آخری (مال) سے بھی ہم نے علیحدگی (ہجرت) اختیار کر لی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔

قدوم وفد غامد

ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعہ

واقدیؒ فرماتے ہیں۔

سنہ ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس غامد کا وفد آیا۔ جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے آپؐ پر سلام پیش کیا اور اسلام کا اقرار کیا آپؐ نے انہیں اسلامی شریعت کے چند قوانین تحریر فرما دیے اور دریافت فرمایا!

وہ تم نے اپنے سامان کی حفاظت پر کس کو پیچھے چھوڑا ہے۔

کہنے لگے سب سے کم عمر کو! اے اللہ کے رسول۔

آپؐ نے فرمایا، وہ تمہارے سامان سے غافل ہو کر سو گیا تھا یہاں تک کہ ایک آنے والا آیا، اور تم میں سے ایک کا صندوق اٹھا لیا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی بول اٹھا۔ اے اللہ کے رسول۔ میرے سوا اس جماعت میں سے کسی کا صندوق نہیں ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، وہ پکڑا گیا۔ اور اسے اپنی جگہ پر لوٹا دیا گیا۔

یہ جماعت جلدی سے نکلی، اور اپنے سامان کے پاس آئی اس (نگران) سے معلوم کیا کہ کچھ واقعہ پیش آیا تھا جیسا کہ آپؐ نے خبر دی تھی؟

وہ کہنے لگا۔ میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا تو میں نے صندوق گم پایا۔ میں اس کی تلاش میں نکلا اچانک ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ مجھ سے (بچنے) کے لیے بھاگ اٹھا اس کی جگہ تک پہنچا وہاں پر کھدائی کے نشانات تھے، اس نے صندوق چھپا دیا تھا میں نے

وہ کہنے لگے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ (محمد) اللہ کے سچے رسول ہیں۔

اس کے مل جانے کی خبر دی تھی۔ اور واقعی یہ واپس مل بھی گیا۔

چنانچہ یہ لوگ واپس نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا سنایا، وہ لڑکا بھی حاضر ہوا۔ جو (نگرانی) کے لیے پیچھے رہ گیا تھا چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابی بن کعب رضؓ کو حکم دیا۔ انہوں نے انہیں قرآن پاک سکھایا اور دیگر وفود کی طرح انہیں بھی انعامات دے کر رخصت کیا۔ [1]

---

[1] ا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ معمول تھا کہ آپ تالیف قلب کے لئے ان لوگوں کی ضرور مدد فرماتے تھے، جو کسی درجہ میں بھی امداد و اعانت کے مستحق اور سزاوار ہوں۔

قدوم وفد ازد

حکمت کی باتیں نبوّت سے قریب ہیں لیکن نبوت ختم ہو چکی ہے

بیس قابل عمل خصائل

ابو نعیمؒ نے کتاب موفتہ الصحابہ میں اور حافظ ابو موسیٰ مدینی نے احمد بن ابی حواری کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے دارانی سے سنا انہیں علقمہ بن یزید سے انہیں سوید ازدی سے انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا سوید بن حرث سے روایت ملی، کہ میں اپنی قوم کے سات افراد کے ساتھ وفد کی صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ہم نے آپؐ سے گفتگو کی تو آپؐ نے ہمارے طریقہ کلام اور خاموشی کو مستحسن سمجھا۔

آپؐ نے فرمایا۔ تم کیا ہو؟

ہم نے عرض کیا ہم مومن ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبسم فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا، ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان اور قول کی کیا حقیقت ہے؟

ہم نے عرض کیا، پندرہ خصائل، پانچ کا آپؐ کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا کہ ان پر ایمان لائیں اور پانچ ہم نے زمانہ جاہلیت ہی میں پیدا کر لیے تھے۔ ہم انہی پر قائم ہیں۔ ہاں اگر آپؐ ان میں سے کسی کو ناپسند فرما دیں تو بے شک اسے چھوڑ دیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، وہ پانچ کیا ہیں؟ جن کا میرے قاصدوں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

ہم نے جواب دیا کہ آپؐ نے ہمیں اللہ۔ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اس کے رسولوںؑ اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اور وہ پانچ کیا ہیں کہ جن پر میں نے تمہیں عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہم نے عرض کیا۔ آپؐ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لا الٰہ الا اللہ (کلمہ طیبہ) پڑھیں۔ نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ رمضان کے روزے رکھیں اور جو استطاعت رکھتا ہو وہ بیت محرم کا حج بھی کرے۔

آپؐ نے فرمایا، وہ پانچ فضائل کیا ہیں جو تم نے زمانہ جاہلیت میں پیدا کیے؟

ہم نے عرض کیا، آرام کے وقت شکر کرنا۔ مصیبت کے وقت صبر کرنا۔ قضا و قدر پر راضی رہنا۔ جنگ کے موقع پر ڈٹ جانا اور دشمنی اور شماتتِ اعداد سے باز رہنا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، دانا ہیں۔ عالم ہیں۔ سمجھ بوجھ اور فقاہت سے انبیاء (کی طرح) بن جاتے (لیکن نبوت ختم ہو گئی ہے۔)

پھر آپؐ نے فرمایا، اور میں تمہیں پانچ مزید بتاتا ہوں اس طرح تمہارے لیے بیس خصائل مکمل ہو جائیں گے۔ اگر تم ایسے ہی ہو کہ جیسا کہہ رہے ہو۔ تو

جو تم کھاتے نہیں اسے جمع نہ کرنا۔ اور جن جگہوں میں تم نہیں رہتے، انہیں تعمیر نہ کرنا اور جس کام سے کل الگ ہونے والے ہو، اس میں انہماک نہ کرنا اور اس اللہ سے ڈرتے رہنا جس کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا اور اسی کے سامنے تمہیں پیش کیا جائے گا۔ اور جس (جنت) کو تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس میں تم ہمیشہ رہوگے۔ اس کی طرف راغب رہنا۔

پھر یہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے اور آپ کی وصیت کو یاد رکھا اور ان وصایا پر سختی اور پابندی سے عمل کیا۔

قدوم وفد بنی منتفق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ

ہمیں عبداللہ بن امام احمد بن حنبل سے مسند احمدؒ میں روایت ملی، انھوں نے بتایا مجھے ابراہیم بن حمزہ بن محمد بن حمزہ بن مصعب بن زبیر زبیدی نے لکھا کہ میں تجھے یہ حدیث لکھ رہا ہوں اور میں نے اسے پیش بھی کیا اور جو میں نے آپؐ کی حدیث لکھی ہے اسے سنا، بتایا کہ مجھے عبدالرحمٰن بن مغیرہ خزامی سے انھیں عبدالرحمٰن بن عیاس انصاری سے انھیں دلہم بن اسود بن عبداللہ بن حاجب بن عامر بن منتفق عقیل سے انھیں اپنے والد سے انھیں اپنے چچا لقیط بن عامر سے روایت ملی۔ دلہم کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت ابوالاسود بن عبداللہ نے بتائی انھیں عاصم بن لقیط سے یہ روایت ملی کہ لقیط بن عامر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ اس کا ایک ساتھی نہیک بن عاصم بن مالک بن منتفق بھی تھا۔

لقیط بتاتے ہیں کہ میں اور میرا ساتھی نکلے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپؐ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے آپؐ

کی زیارت کی۔ آپؐ لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا! اے لوگو میں نے تم سے اپنی آواز چار روز تک پوشیدہ کر رکھی تھی۔ آگاہ ہو آج سنو، خبردار کیا کوئی آدمی ایسا ہے جسے اس کی قوم نے بھیجا ہو اور کہا ہو کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کو اس کی خبر دو۔ یاد رکھو پھر کوئی آدمی اس کے دل کے خیالات یا اس کے ساتھی کی باتیں یا کوئی گمراہ آدمی اس کو باتوں میں لگا لیتا ہے۔ یاد رکھو،

مجھے پوچھا جائے گا۔

کیا میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ یاد رکھو، سنو اور جیو، خبردار، بیٹھ جاؤ۔ لوگ بیٹھ گئے۔ میں اور میرا ساتھی کھڑے ہو گئے۔ جب آپؐ کی نظر ہماری طرف ہوئی تو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپؐ کے پاس علم غیب نہیں!

آپ ہنس پڑے اور آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، اللہ خوب جانتا ہے میں سقطہ چاہتا ہوں انھوں نے عرض کیا، آپؐ کے پروردگار نے (غیب) کی کنجیاں نہیں بتائیں۔ غیب کی پانچ باتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ (پانچ) کیا ہیں؟

آپؐ نے فرمایا، موت کا علم صرف خدا جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی کب مرے گا؟ لیکن تم نہیں جانتے، اور مادہ (بچہ) کا علم جب کہ وہ رحم میں ہوتا ہے وہ جانتا ہے اور تم اسے نہیں جانتے اور کل کیا ہوگا۔ اس کا علم اسی کو ہے نہ تم جانتے ہو نہ جان سکتے ہو اور بارش کے دن کا علم کہ وہ کب نازل ہوگی؟ تم خوفزدہ اور ہراساں ہوتے ہو اور وہ ہنستا ہے، اور جانتا ہے کہ بارش قریب ہے۔

لقیط کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم ایسے رب کی جانب سے بھلائی سے محروم نہ رہیں گے جو ہنستا ہے۔

نیز فرمایا! اور قیامت کے دن کا علم؟

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمیں بھی وہ سکھایئے جو لوگ جانتے ہیں اور آپؐ انھیں سکھاتے ہیں کیونکہ میں ان میں سے ہوں، یعنی مذحج قبیلہ جو ہمارے قریب ہے اور خثعم جو ہمارا ساتھی اور ہمارا خاندان ہے۔

وہ ہماری تصدیق (ایمان) کو سچا نہ جانے گا۔

آپؐ نے فرمایا "پھر تم لوگ رہو گے جب تک رہو گے۔ پھر آواز بھیجی جائے گی۔ تیرے معبود (اللہ) کی قسم اس (زمین) کی پشت پر کسی مقتول کی قتل گاہ یا کسی مردے کا مدفن باقی نہ رہے گا، کہ اس کی قبر نہ پھٹ جائے اور وہ سیدھا بیٹھ جائے گا۔ وہ اپنی جدید زندگی کو اپنے اہل میں سمجھ کر کہے گا، اے پروردگار کل جو تھا، آج کب ہے؟

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول جب ہمیں ہوائیں، آفات اور درندے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے تو وہ ہمیں کس طرح دوبارہ جمع کرے گا؟

آپؐ نے فرمایا، میں تجھے اس کی مثال اللہ کے نشانات (انعامات) میں دیتا ہوں کہ جس زمین کو تو دیکھے کہ وہ پرانی (قحط زدہ یا خشک بنجر) رہ جاتی ہے اور تو کہتا ہے کہ یہ کبھی زندہ (سرسبز آباد) نہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر بارش کرتا ہے۔ اور چند دن ہی گزرنے پاتے ہیں کہ تو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ وہ ایک گھونٹ (آباد) ہوتی ہے۔ اور تیرے معبود کی قسم وہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے کہ تمہیں پانی سے جمع کرے۔ زمین کی کھیتی کو جمع کرے۔ اور تم اپنی قتل گاہوں اور قبروں سے نکلنے لگو۔ پھر تم اس کی جانب دیکھو گے اور وہ تمہاری جانب دیکھتا ہوگا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ کیسے ہوگا؟ ہم سے تو زمین پُر ہوگی اور وہ ایک ہی ذات ہوگی، جو ہماری طرف دیکھ رہی ہوگی اور ہم اس کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

آپؐ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کی مثال اللہ کے انعامات سورج، اور چاند میں دیتا ہوں جو بہت چھوٹی سی نشانیاں ہیں ایک ہی ساعت میں تم ان دونوں کو دیکھتے

ہو، اور وہ تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جانبین ایک دوسرے کی طرف سے مغلوب (محروم) نہیں ہوتے۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، جب ہم اس سے ملیں گے تو اس وقت ہمارا پروردگار ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟

آپؐ نے فرمایا، تم اس کے سامنے اس حالت میں پیش کیئے جاؤ گے کہ تمہارے رخ اس کے سامنے ظاہر ہوں گے اور تمہاری کوئی چیز اس سے مخفی نہ ہوگی پھر تمہارا پروردگار اپنے ہاتھ میں پانی کا ایک چلو بھر لے گا۔ اور تمہاری طرف مارے گا۔ تیرے معبود کی قسم تم میں سے کسی کا چہرہ اس سے خالی نہ رہے گا کہ اسے ایک قطرہ اس میں سے نہ لگے۔ رہا مسلم تو اس کا چہرہ اس سے بالکل سفید کپڑے کی طرح ہو جائے گا۔ رہا کافر تو اس پر چھڑکے گا یا فرمایا اس پر (اس کے) سیاہ کالے گناہ مارے گا۔ تمہارا نبی چلے گا اور اس کے نشانِ پا پر صالح لوگ چل پڑیں گے اس طرح وہ آگ کے ایک پل پر سے گزریں گے۔ جیسے تم میں سے کوئی ایک انگارے پر سے گزر جاتا ہے وہ حس کہے گا، اور اللہ تعالےٰ فرمائے گا، الا (خبردار) پھر تم اپنے نبی کے حوضِ (کوثر) پر شدید ترین پیاس کی حالت میں پہنچو گے، واللہ اس قدر پیاسے ہو گے کہ میں نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے، تمہارے معبود کی قسم تم میں سے جو بھی ہاتھ پھیلائے گا اس کے ہاتھوں میں ایک (پانی) کا پیالہ ہوگا جو تنکوں اور نجاست سے پاک ہوگا اور سورج وچاند کو روک دیا جائے گا۔ اور تم ان دونوں میں سے کسی کو نہ دیکھو گے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم کس طرح دیکھیں گے؟

آپؐ نے فرمایا، جس طرح آج تم دیکھتے ہو، جب دن میں سورج نکلا ہوتا ہے اور زمین روشن ہو جاتی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، ہمیں ہماری برائیوں اور نیکیوں کا بدلہ کیا ملے گا؟

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نیکی کا بدلہ دس گنا اور برائی کا صرف اس قدر

جتنی وہ ہوتی ہے ماسوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔

راوی فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول جنت اور دوزخ کیا ہیں؟

آپؐ نے فرمایا، تیرے معبود کی قسم، دوزخ کے سات دروازے ہیں اور دو دروازوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ ایک سوار ستر سال تک ان دونوں کے درمیان چلتا رہے۔ اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اور ان کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے کہ ایک سوار ان کے درمیان ستر سال تک چلتا رہے۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول۔ ہم جنت کی کس (نعمت) پر حاضر ہوں گے؟

آپؐ نے فرمایا، صاف شہد کی نہروں پر، ایسی شراب کی نہروں پر جن سے درد سر نہ ہوگا اور نہ ندامت ہوگی۔ اور دودھ کی نہروں پر جن کا ذائقہ متغیر نہ ہوگا اور ایسا پانی جو خراب نہ ہوا ہوگا اور میووں پر! اور تیرے معبود کی قسم تم نہیں جانتے اور اس کے ساتھ ساتھ بہترین اور پاکباز بیبیاں ہوں گی۔

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس میں ہماری بھی بیبیاں ہوں گی اور ان میں سے بھلائی کرنے والی بھی ہوں گی۔

آپؐ نے فرمایا، نیک عورتیں (مصلحات)، نیک مردوں کے لیئے ہوں گی۔ اور ایک لفظ میں نیک عورتیں (صالحات) نیک مردوں کے لیئے ہوں گی تم ان کو خوش کرو گے اور وہ تمہیں خوش کریں گی جس طرح دنیا میں تمہیں خوش کیا کرتی تھیں، ہاں سلسلہ توالد و تناسل نہ ہوگا۔

لقیط کہتے ہیں، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول دور ہے، ہم اس تک پہنچنے اور آسکنے والے نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نہیں دیا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس بات پر میں آپؐ کی بیعت کروں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا، نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے شرک کو مٹا دینے پر۔ اور اس بات پر کہ تو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں بنائے گا۔

راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، اور ہمارے لیے مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز ہو گی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا میں ایسی شرط لگا دوں جو وہ تمہیں دینے والا نہیں؟

راوی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، ہم اس میں سے جہاں چاہیں رہیں اور انسان کا بار صرف اسی پر ہو۔

آپؐ نے ہاتھ پھیلا دیا، اور فرمایا تجھے اس بات کی اجازت ہے کہ جہاں چاہے سکونت اختیار کرے اور تجھ پر صرف تیرا بار ہی ہو گا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم واپس چلے آئے۔ پھر آپؐ نے دو بار فرمایا۔ یہ دونوں، یہ دونوں، اوّل و آخر تمام لوگوں سے زیادہ پرہیز گار ہیں۔

ابن بکر بن کلاب کے ایک آدمی کعب بن حذار یہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کون ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، بنو منتفق۔ بنو منتفق۔ بنو منتفق، ان کے اہل ان میں سے ہوں گے۔

راوی بتاتے ہیں کہ پھر ہم واپس آ گئے۔ اور میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، کیا کوئی ایسا آدمی جو جاہلیت میں بھلائیاں کر گیا اس کے لیے بھی کچھ ہے؟

قریش کی جانب سے ایک آدمی بول اُٹھا، واللہ تیرا باپ منتفق آگ میں ہے راوی کہتے ہیں، لوگوں کے سامنے میرے باپ کے متعلق اس کا یہ جملہ سن کر میری یہ حالت تھی کہ گویا میرے چہرے اور گوشت پر آگ برس گئی۔

آخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر سات اُمتوں کے بعد ایک نبی بھیجا، جس نے اس نبی کی مخالفت کی۔ وہ ضالین (گمراہ) میں سے ہو گیا اور جس نے اس نبی کی اطاعت کی وہ ہدایت پانے والوں میں سے ہو گیا۔

یہ حدیث اپنی جلالت، وضخامت اور عظمت پر شاہد ہے کہ یہ انوار مشکوٰۃ نبوت سے ہی نکلے ہیں اور یہ روایت صرف عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن عبدالرحمٰن مدنی سے مروی ہے اس سے ابراہیم بن حمزہ زبیری نے روایت کیا ہے۔ اور یہ دونوں کبار علمائے مدینہ میں سے ہیں۔ ثقہ اور صحت میں ان کو حجت حاصل ہے۔ امام اہل حدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل سنت کے دیگر ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے اخذ روایت کیا ہے، اور ان کے قول کو قبول کیا ہے اور کسی نے ان پر طعن نہیں کیا اور نہ کسی نے ان کے رواۃ میں (طعن کیا ہے) جس جس نے ان سے روایت کی ہے۔

ان میں سے امام بن امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے مسند احمدؒ اور کتاب السنۃ میں روایت کیا۔

نیز حافظ ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان غسال نے کتاب العرفہ میں نیز ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی نے اپنی کئی کتب میں اور دیگر کثیر محدثین وائمہ نے روایت کیا ہے۔

ذات وصفات الٰہی کی قسم جائز ہے

(۱) اس واقعہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس کی ذات و صفات کے ساتھ اس کی قسم کھانا جائز ہے۔

نبیؐ سے سوال جواب کرنا روا ہے

(۲) نیز اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابہؓ کے ذہن میں جو اشکال وارد ہوتے یا کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔

آپ اس طرح اس کا جواب دیتے کہ انھیں تشفی و اطمینان ہو جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے دشمنوں نے اور صحابہ کرام نے سب نے سوالات پیش کیے۔ دشمنوں نے بغض و عناد اور شکست دینے کی خاطر اور آپ کے صحابہؓ نے محض سمجھنے وضاحت اور ایمان کی زیادتی کے لیے آپ ہر سوال کا جواب دیتے۔ بشرطیکہ کوئی سوال ناقابل جواب ہوتا جیسے قیامت کے وقت کا سوال۔

بعثت ضرور ہوگی (۳) نیز اس سے اس کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بندے کے تمام اجزاء کو متفرق ہو جانے کے بعد پھر سے جمع فرمائے گا اور دوبارہ اس کی نشات اور نئی تخلیق کرے گا۔

شے کا حکم نظیر کے مطابق ہوتا ہے (۴) نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوا کہ شے کا حکم اس کی نظیر کے مطابق ہوا کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جب کہ شے پر قادر ہے تو اس کی قدرت اس کی نظیر سے کس طرح عاجز ہو سکتی ہے؟ جب کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں معاد (دوبارہ جی اٹھنے) پر بہترین اسلوب میں کئی دلائل دیے اور عقولِ عامہ اور فطرت سلیمہ کے سامنے انھیں واضح کر دیا۔ اس پر منکروں اور دشمنوں نے اس کے احکام میں طعن کیا اور اس کی تکذیب کی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے اقوالِ (طعن) سے بلند اور پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان یہ ہیں۔

فی الارض اشرقت علیہا وھی مدرۃ بالیۃ — ؟

یحیی الارض بعد موتہا۔

نیز اللہ کا فرمانا انک مفری الارض خاشعۃ فاذا انزلنا علیہا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج۔

غرض اس طرح قرآن مجید میں اس کی امثلہ کثرت سے ملتی ہیں۔

قدوم وفد نخع

زرارہ بن عمرو کے عجیب وغریب مشاہدات اور ان کی توجیہہ

آپؐ کے پاس نخع کا وفد آیا۔

یہ آخری وفد تھا۔ یہ ۱۱ھ میں نصف محرم کے قریب آستانہ، نبوی پر حاضر ہوا، اس میں دو سو آدمی تھے۔ یہ مہمان خانہ دار الفہافتہ، میں اترا۔ پھر یہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے، پہلے یہ حضرات معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے ان میں سے ایک آدمی نے جس کا نام زرارہ بن عمرو تھا۔ عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول میں نے اس سفر میں ایک عجیب واقعہ دیکھا۔

آپؐ نے دریافت فرمایا! تم نے کیا دیکھا؟

زرارہ نے عرض کیا! میں نے قبیلہ میں ایک گدھی چھوڑ رکھی ہے۔ گویا اس نے سیاہ اور سُرخ رنگ کا بچہ جنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! کیا تم اپنے پیچھے اپنی باندی چھوڑ آئے ہو؟

جسے حمل تھا۔

اس نے عرض کیا جی ہاں!

آپ نے فرمایا: اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور وہ تمہارا بیٹا ہے۔
زرارہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اس کا سُرخ اور سیاہ رنگ رکھتا کیا ہے؟ (ایسا کیوں ہے؟ کیا مطلب ہے اس کا)
آپ نے فرمایا! میرے قریب ہو جاؤ! وہ آپ کے قریب ہوگیا! آپ نے فرمایا! تمہیں برص کا مرض ہے؟ جسے تم (لوگوں سے) چھپاتے رہے ہو۔
زرارہ نے عرض کیا! قسم ہے اس ذات کی۔ جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ نہ اس کا کسی کو علم ہے نہ آپ کے سوا کوئی اس پر مطلع ہوا۔
آپ نے فرمایا بس یہی بات ہے!
وہ کہنے لگا! اے اللہ کے رسول میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا، جس کے کان میں دو آویزے ہیں جو خوب چمکا کر بنائے گئے ہیں۔
آپ نے فرمایا! یہ شاہِ عرب ہے۔ جو بہترین اور حسین وجمیل لباس میں ملبوس ہو کر دکھائی دیا ہے۔
اس نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول اور میں نے ایک سفید بالوں والی بڑھیا دیکھی ہے۔ جو زمین سے نکلی تھی۔
آپ نے فرمایا! یہ زمین کی لیفا یا ثمر ہے۔
اس نے عرض کیا! میں نے ایک آگ بھی دیکھی جو زمین سے نکلی تھی۔ اور میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہوگئی تھی، اور وہ کہہ رہی تھی۔ شعلہ شعلہ۔ دیکھنے والا اور اندھا، مجھے کھلاؤ۔ میں تمہارے اہل اور مال کو کھاؤں گی۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ آخری زمانہ کے فتنے ہیں۔
اس نے عرض کیا! اے اللہ کے رسولؐ فتنہ کیا ہے؟
آپ نے فرمایا! لوگ اپنے رہبر کو قتل کر دیں گے، اور سروں کے لینے پر لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے۔ ان میں گناہ کرنے والا سمجھے گا کہ میں نیکی کرتا ہوں اور مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون پانی کے گھونٹ سے زیادہ

فرحت بخش ہو گا۔ اگر تو مر گیا۔ تو تیرا بیٹا یہ فتنہ دیکھے گا اور اگر تیرا بیٹا مر گیا۔ تو تو اس فتنہ کو دیکھے گا۔[1]

اس نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول اللہ سے دعا فرمایئے کہ میں اس فتنہ کا زمانہ نہ پاؤں جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ یہ اس عہد فتنے کو نہ پائے۔ چنانچہ وہ فوت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا زندہ رہا۔ اور وہ ان میں سے تھا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے میں حصّہ لیا تھا!

---

[1] : یعنی بعد میں آنے والی نسلیں یہ فتنے دیکھیں گی۔

ہرقل کے نام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی،

صحیحین میں بنی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے ہرقل کو ذیل کا نامہ مبارک لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

محمد رسول اللہ کی جانب سے ہرقل روم کے عظیم (بادشاہ) کے نام

سلام علی من اتبع الھدیٰ

اما بعد!

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرو، سلامتی پاؤ گے۔ اسلام لے آؤ۔ اللہ تمہیں دگنا اجر دے گا۔ (لیکن) اگر تم نے اعراض کیا۔ تو رعیوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات پر اتفاق کریں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں سے بعض دوسرے بعض کو (ایک دوسرے کو) اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ پھر جائیں۔ تو تم اعلان کر دو، لوگوں کو گواہ کر کے کہ ہم مسلمان ہیں!

کسریٰ شہنشاہ ایران کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامہ مبارک

اور کسریٰ کو آپؐ نے جو نامۂ مبارک لکھا وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے فارس کے عظیم (بادشاہ) کسریٰ کی طرف۔

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ وشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ،

اس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ تاکہ جو زندہ ہیں انہیں ڈراؤں اور کافروں پر اتمام حجت کروں اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے، پس اگر تم نے انکار کیا۔ تو تم پر مجوس کا گناہ ہوگا۔

جب کسریٰ کے سامنے مکتوب مبارک پڑھا گیا، تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

بادشاہ حبش نجاشی کے نام

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک

نجاشی کا قبول اسلام حبش کے بادشاہ نجاشی کو آپؐ نے ذیل کا نامہ مبارک لکھا، بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی شاہِ حبشہ کے نام۔

اسلام لے آؤ، کیونکہ میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں، وہ خدا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، قدوس وسلام ہے، امن دینے والا نگہبان ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح ہیں، اللہ نے اپنا کلمہ پاک نہاد اور پاک دامن مریم بتول کی طرف القا فرمایا اور اسی سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے انہیں اللہ نے اپنی روح اور نفخ سے پیدا فرمایا جیسے آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اس کی طاعت پر موالات کی دعوت دیتا ہوں اور اس پر کہ تو میری اتباع کرے اور جو (وحی) مجھ پر نازل ہوتی اس پر ایمان لائے کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں

اور میں تجھے اور تیرے عساکر کو اللہ عزوجل کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں، بات پہنچ گئی اور میں نے نصیحت کر دی، پس لازم ہے کہ میری نصیحت قبول کر" والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو یہ مکتوب دے کر بھیجا۔

ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری نے شاہ نجاشی سے کہا۔ اے اصحمہ مجھ پر کہنا اور تم پر سننا واجب ہے۔ تم گویا ہماری چاکری میں ہو۔ میں گویا تم پر اعتماد کرتا ہوں۔

کیونکہ ہم نے جب بھی تم سے خیر کی امید کی تو ہمیں (خیر) ہی ملا۔ اور ہمیں تم سے کبھی کوئی اندیشہ نہیں ہوا، اور انجیل میں جو کچھ ہے اس سے ہم نے تمہارے خلاف حجت قائم کر لی ہے وہ ہمارے اور تمہارے درمیان شاہد ہے ایسا شاہد جو رد نہیں ہوتا، اور ایسا فیصل کنندہ جو ظلم نہیں کرتا ورنہ اس نبی امی کے مقابلہ میں تم ویسے ہی ہوتے جیسے حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ کے یہود تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کی طرف اپنے قاصد بھیجے ہیں۔ اور تم سے وہ اُمید باندھی ہے جو دوسروں سے نہیں باندھی اور تمہیں اس سے امن دیا، جس سے دوسروں کو خوف تھا، یعنی ماضی کی بھلائی سے اور آئندہ کا اجر۔

نجاشی کہنے لگا، اس خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ وہ نبی ہیں، جن کا اہل کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بشارت راکب حمار کی اس طرح ہے جیسے عیسیٰ علیہ السّلام کی راکبِ جمل کی ہے۔

اس کے بعد نجاشی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمدؐ رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے۔

اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اللہ کا۔ اور اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکات وہ اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد!

اے اللہ کے رسول مجھے آپ کا مکتوب گرامی ملا، جس میں آپ نے عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔ آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم عیسٰی علیہ السلام کی حیثیت اس سے بالکل زیادہ نہیں جتنا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے ہماری جانب جو کچھ ارسال فرمایا، ہم نے اسے پہچان لیا اور ہم نے آپ کے چچا کے بیٹے اور آپ کے اصحاب کو بھی پہچان لیا۔ پس میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول صادق و مصدق ہیں۔ اور میں نے آپ کی بیعت کر لی۔ اور آپ کے چچا کے بیٹے کی بیعت کر لی، اور میں نے اس پر اللہ رب العالمین کی اطاعت کر لی[1]۔

نجاشی ۹ھ کو فوت ہوا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کی خبر دی گئی۔ تو آپ لوگوں کے ہمراہ جنازہ گاہ میں پہنچے اور آپ نے اس پر غائبانہ نماز (جنازہ) پڑھی، اور چار تکبیریں کہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہم ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے اسے رواۃ نے خلط کر دیا ہے، اور وہ نجاشی جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز (جنازہ) پڑھائی وہ آپ پر ایمان لایا تھا اور آپ کے صحابہؓ کا اکرام کیا تھا (اس مذکورہ نجاشی) رواۃ نے اس دوسرے نجاشی کے درمیان فرق

---

[1] یعنی اسلام قبول کر لیا۔

نہیں کیا (دوسرا نجاشی) وہ ہے جس کی طرف آپؐ نے (اسلام) کی دعوت دیتے ہوئے نامہ مبارک لکھا تھا۔ یہ الگ الگ ہیں۔ صحیح مسلم میں وضاحت سے منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے (جس) نجاشی کو دعوتِ اسلام کا مکتوب لکھا، یہ وہ نہ تھا جس پر آپؐ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔

بادشاہ مصر مقوقس کے نام

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب

مقوقس کی طرف سے تحائف مقوقس شاہِ مصر اسکندریہ کے نام آپؐ نے جو نامہ مبارک لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
محمدؐ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے مقوقس قبط کے عظیم (بادشاہ) کے نام۔
سلام علی من اتبع الھدیٰ۔

اما بعد!
میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے، اللہ تمہیں دگنا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے انکار کیا تو قبطیوں کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہوگا۔[1] اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ شرک نہ کریں، اور ہم

---

[1] کہ وہ تیرے محکوم اور تابع ہیں۔

میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے، پس اگر پھر جائیں تو کہہ دو لوگوں کو گواہ رہیو کہ ہم مسلمان ہیں"۔

آپ نے اسے حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ہاتھ یہ نامہ مبارک بھیجا۔ جب یہ صحابی وہاں پہنچے..... انہیں بتایا گیا کہ آپ سے قبل یہ ایسا آدمی تھا کہ یہ سمجھتا تھا کہ یہی سب سے بڑا رب ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اسے آخر اور پہلوں کی عبرت کے لیے پکڑ لیا، اس سے انتقام لیا اس لیے اپنے غیر سے عبرت حاصل کرو۔ اور یہ نہ ہو کہ دوسرا تم سے عبرت حاصل کرے۔

مقوقس نے جواب دیا ہمارا ایک دین ہے ہم اسے تب تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ ہو۔

حاطبؓ نے انہیں جواب دیا، میں تجھے دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ اس دین میں اللہ ہی کافی ہے اور اس کے نبی ؐ نے لوگوں کو دعوت دی ہے۔ قریش اور ان کے دشمن یہود نے ان پر شدت کی ہے اور ان کے پڑوسی نصاریٰ نے بھی شدت اختیار کی ہے اور مجھے میری عمر کی قسم موسیٰ علیہ السلام کی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بشارت ایسی ہی تھی جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ اور قرآن کی طرف ہماری دعوت ایسی ہی ہے جیسے اہلِ تورات کو انجیل کی طرف تمہاری دعوت۔ اور جس نبی کو جو قوم ملی وہی اس کی امت ہے، اس پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی طاعت کریں۔ اور تو ان میں سے کہ جس نے اس نبی کو پایا۔ اور ہم تجھے دین مسیح سے روکنے والے نہیں بلکہ ہم تو تجھے ان کا بھی اکرام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

مقوقس نے جواب دیا، میں نے اس نبی کے معاملہ میں غور کیا ہے نہ تو یہ مکروہ باتوں کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی مرغوب باتوں کی ممانعت کرتا ہے اور نہ

میں اسے گمراہ جادوگر یا کاذب کاہن سمجھتا ہوں (بلکہ) میں نے اس میں پوشیدہ باتیں اور بھید ظاہر کرنے کے باعث علاماتِ نبوت کو محسوس کیا ہے، اور میں ابھی دیکھوں گا۔

چنانچہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا مکتوب مبارک اٹھایا اور اسے ساگوان کی ڈبیہ میں ڈال کر اپنی ایک باندی کو دے دیا۔ پھر عربی لکھنے والے کاتب کو بلایا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف یہ خط لکھوایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس کی جانب سے جو قبط کا عظیم (سردار) ہے

سلام علیک، اما بعد

میں نے آپ کا مکتوب پڑھا، اور جو کچھ آپ نے اس میں لکھا اور جس کی آپ نے دعوت دی اسے سمجھا، مجھے معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ اور میں سمجھتا تھا کہ وہ ...... شام میں ظاہر ہوگا۔ اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا ہے اور آپ کی خدمت میں دو ایسی باندیاں بھیجی ہیں کہ قبطیوں کے ہاں ان کا ایک بلند مقام ہے، نیز آپ کی خدمت میں میں نے ایک لباس بھیجا ہے نیز ایک خچر ہدیتہً بھیج رہا ہوں، تاکہ آپ اسی پر سوار ہوں۔ والسلام علیک۔

اس سے زیادہ کچھ نہ لکھا اور نہ ہی اسلام قبول کیا۔ باندیوں کا نام ماریہ اور سیرین تھا اور خچر کا نام دلدل تھا جو حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت تک رہا۔

منذر بن ساوی کے نام مکتوبِ رسولؐ

یہودیوں اور مجوسیوں کے لیے جزیہ کا فرمان نبویؐ

آپؐ نے منذر بن ساری کو بھی ایک نامہ مبارک لکھا۔ واقدیؒ نے حضرت عکرمہؓ کی سند سے بیان کیا ہے وہ بتلاتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں میں یہ مکتوب دیکھا ہے تو اس میں مندرج تھا! کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علاء بن حضرمی کو منذر بن ساوی کی طرف بھیجا، اور ان کے ہاتھ ایک خط بھی بھیجا۔ جس میں آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی منذر نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں یہ جواب بھیجا۔

اما بعد!

اے اللہ کے رسول میں نے اہل بحرین کے سامنے آپؐ کا مکتوب پڑھا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اسے خوب سمجھا اور اس کے حلقہ میں داخل ہوگئے اور بعض نے اسے ناپسند کیا اور مجوسیوں اور یہودیوں سے راضی ہوگئے آپؐ اس باب میں اپنا ارشاد تحریر فرمائیے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد رسول اللہ کی جانب سے منذر بن ساوی کے نام۔

سلام علیک! میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی

معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ لاالٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ (اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں) امابعد!

میں تجھے اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں کیونکہ جو نصیحت کرتا ہے وہ اپنے لیے نصیحت کرتا ہے۔ اور جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے اور ان کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جس نے انہیں نصیحت کی۔ اس نے میرے لیے نصیحت کی میرے قاصدوں نے تیری تعریف کی ہے اور میں نے تیری قوم میں تیری تیری سفارش کی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے جس عقیدے پر وہ ایمان لائے ہیں، اور میں نے اہلِ خطا سے درگزر کر دیا ہے اس لیے ان کا (عذر) قبول کر، اور جب تک تو اصلاح پر رہے گا، ہم تجھے معزول نہیں کریں گے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ لازم ہے۔

شاہ عمان کے نام مکتوبِ رسولؐ

نامہ بر عمرو بن العاص کے انکشافات و تاثرات

آپؐ نے شاہِ عمان کو بھی مکتوب لکھا، اور اسے عمروؓ بن عاص کے ہاتھ بھیجا، (وہ مکتوب یہ تھا)

بسم اللہِ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبداللہ کی جانب سے جیفر اور عبد ابنی جلندی کے نام۔

سلام علی من اتبع الھدیٰ ۔

امابعد!

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم دونوں مسلمان ہو جاؤ، سلامتی پاؤ گے کیونکہ میں تمام لوگوں کی جانب رسول ہوں۔ تاکہ جو زندہ ہیں انھیں خدا سے ڈراؤں اور کافروں پر حجت نافذ کر دوں۔ اس لیے اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تم کو حاکم بنا دوں گا اور اگر تم نے اسلام کے اقرار سے انکار کر دیا تو دیاد رکھو) کہ تمہارا ملک تم سے چھننے والا ہے، اور لشکر تمہارے مقابلے میں آنے والا ہے اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آنے والی ہے۔"

اس خط کو ابیؓ بن کعب نے لکھا اور مکتوب پر مہر نبوی لگا دی۔

حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نکلا اور عمان پہنچا۔ جب میں وہاں گیا تو میں عبد کے پاس گیا یہ نسبتاً خلیق اور نرم مزاج تھا۔ اسے بتایا کہ تمہاری اور تمہارے بھائی کی طرف میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔

وہ کہنے لگا، میرا بھائی عمر اور ملک میں مجھ سے بڑا ہے۔ میں تجھے اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ مکتوب پڑھ لے۔ پھر کہنے لگا تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ میں نے جواب دیا، میں تجھے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے۔ نیز تو اس بات کی شہادت دے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

وہ کہنے لگا، اے عمروؓ تو اپنی قوم کے سردار کا بیٹا ہے، بتا تیرے والد نے کیا کیا؟ کیونکہ اس میں ہمارے لیے رہنمائی ہے۔

میں نے کہا، وہ مر گیا اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لایا۔ حالانکہ میری خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیتا اور آپ کی تصدیق کر لیتا۔ شروع شروع میں میں بھی اس کا ہم خیال تھا۔ آخر اللہ تعالےٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔

وہ کہنے لگا، تم نے کب اتباع رسول اللہ کیا؟

میں نے کہا، کچھ زیادہ مدت نہیں گذری تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔

اس نے پوچھا تم نے کہاں اسلام قبول کیا تھا؟

میں نے کہا، نجاشی کے ہاں۔ اور ساتھ ہی میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ نجاشی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔

اس نے پوچھا پھر اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

میں نے کہا۔ انہوں نے اسے برقرار رکھا اور اس کی اتباع کی

وہ کہنے لگا، اور پادریوں اور راہبوں نے بھی اس کا اتباع کیا؟ میں نے کہا، ہاں!

وہ کہنے لگا،

اے عمرو، تم کیا کہہ رہے ہو، کسی آدمی کے لیے جھوٹ بولنے سے زیادہ کوئی رسوا

کی بات نہیں۔

میں نے جواب دیا، جو کچھ میں نے کہا بالکل سچ ہے اور جھوٹ بولنا ہم اپنے دین میں جائز بھی نہیں سمجھتے۔

پھر اس نے پوچھا، میں نہیں سمجھتا کہ ہرقل کو نجاشی کے مسلمان ہونے کی خبر ملی ہو۔

میں نے کہا، کیوں نہیں (اسے بھی خبر ہے)

اس نے پوچھا، تمہیں اس کا کیسے علم ہوا؟

میں نے کہا، نجاشی اسے خراج دیا کرتا تھا۔ جب وہ اسلام لے آیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اس نے (ہرقل) سے کہا، اللہ کی قسم اگر تو مجھ سے ایک درہم بھی مانگے گا تو بھی نہ دوں گا۔ ہرقل کو اس کی اس بات کی خبر ملی، تو اس کے بھائی نیاق نے اس سے کہا، کیا تم ایک غلام کو چھوڑے دے رہے ہو، حالانکہ وہ تمہیں خراج نہیں دیتا اور اور تمہارے دین کی بجائے ایک نیا دین اس نے اختیار کر لیا ہے!

ہرقل نے جواب دیا:

ایک آدمی نے ایک (نئے) دین کو پسند کیا ہے۔ اور اسے اختیار کر لیا ہے۔ میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں! اللہ کی قسم اگر مجھے اپنی بادشاہی کا لالچ نہ ہوتا، تو میں بھی اسی طرح کرتا جیسا اس نے کیا ہے۔

وہ کہنے لگا، اے عمرو! خیال کرو کیا کہہ رہے ہو! میں نے کہا، اللہ کی قسم میں نے صحیح کہا ہے، عبد نے کہا، اچھا بتاؤ، تمہارا نبی کس بات کا حکم دیتا ہے! اور کس بات سے منع کرتا ہے؟

میں نے جواب دیا، وہ اللہ عزوجل کی طاعت کا حکم دیتا ہے اور اس کی نافرمانی سے منع کرتا ہے نیز نیکی کرنے اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور ظلم و زیادتی، زنا، شراب اور پتھر، بت اور صلیب کی پرستش سے روکتا ہے۔

وہ کہنے لگا، کتنی اچھی باتیں ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔ کاش میرا بھائی میری بات مان لے۔ پھر ہم دونوں سوار ہو کر جائیں اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے

آئیں اور ان کی تصدیق کر لیں لیکن میرا بھائی حکومت کا بڑا حریص ہے اور اسے چھوڑ نہیں سکتا اس طرح وہ مجرم بن جائے گا۔

میں نے کہا، اگر وہ مسلمان ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُسے اپنی قوم پر حاکم بنا دیں گے۔ اور وہ اغنیاء سے صدقہ لے کر اپنی ہی قوم کے فقراء پر تقسیم کر دے گا۔

اس نے جواب دیا، یہ تو بہترین خلق ہے پھر اس نے پوچھا، صدقہ کیا ہوتا ہے، میں نے اسے وہ بتایا جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اموال میں سے صدقات کے بارے میں فرمایا تھا۔ آخر میں اونٹوں تک پہنچا۔

وہ کہنے لگا، اے عمروؓ کیا ہمارے ان مویشیوں کا صدقہ لیا جائے گا، جو سارا سال درخت چرتے ہیں اور چشموں سے پانی پیتے ہیں؟

میں نے کہا، ہاں، ضرور لیا جائے گا۔

وہ کہنے لگا، اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم دور دور سکونت رکھنے اور کثیر تعداد میں مویشیوں کے رکھنے کی وجہ سے اس کا صدقہ بھی ادا کرے۔

عمرو کہتے ہیں، میں اس کے پاس چند روز ٹھہرا رہا۔ اور وہ اپنے بھائی کے پاس جاتا اور اسے میرے متعلق تمام باتیں بتاتا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلا بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس کے اعوان، مددگاروں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ وہ کہنے لگا اسے چھوڑ دو، لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا، چنانچہ میں بیٹھنے لگا، انہوں نے مجھے بیٹھنے سے روک دیا۔ میں نے اس کی جانب دیکھا، تو وہ کہنے لگا، اپنی ضرورت بیان کرو۔ میں نے اس کو مہر زدہ مکتوب دیا، اس نے مہر توڑی اور اسے آخر تک پڑھا، پھر اپنے بھائی کو دیا اس نے بھی اسے اسی طرح پڑھا، ہاں البتہ میں نے محسوس کیا کہ اس کا بھائی اس کی نسبت زیادہ رقیق القلب تھا۔ اس نے پوچھا کیا تم بتا سکتے ہو اہل قریش نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

میں نے کہا، انہوں نے اُن کا اتباع کر لیا ہے، یا تو رغبت سے یا تلوار سے مغلوب ہو کر۔

وہ کہنے لگا، اس کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا، لوگوں نے اسلام رغبت سے اختیار کر لیا ہے اور آپ کو اختیار کر لیا ہے اور اللہ کی عطا کردہ عقل و فہم کے ساتھ پہچان

لیا ہے کہ (اس سے قبل) وہ گمراہی پر تھے۔ پس میں نہیں جانتا کہ تیرے سوا کوئی باقی رہ گیا ہو اور اگر تم آج اسلام نہ لاؤ گے اور ان کا اتباع نہ کرو گے تو (اسلامی) لشکر تمہیں مغلوب کرے گا اور تمہارے سبزہ زاروں کو پامال کر کے رکھ دے گا پس بہتر یہ ہے کہ اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں تمہاری قوم پر حاکم مقرر فرما دیں گے اور تم پر سوار اور پیادہ فوج کبھی حملہ بھی نہ کرے گی۔

وہ کہنے لگا، آج مجھے سوچ لینے دو، اور کل صبح میرے پاس آنا۔

میں اس کے بھائی کے پاس لوٹ آیا، اس نے کہا، اے عمرو مجھے امید ہے کہ اگر اس نے حکومت کا لالچ نہ کیا، تو وہ مسلمان ہو جائے گا، آخر جب صبح ہوئی تو میں اس کے پاس آیا۔ اس نے مجھے حاضر ہونے کی اجازت نہ دی۔ میں دوبارہ اس کے بھائی کے پاس گیا، اور اسے خبر دی کہ میں اس کے پاس نہیں پہنچ سکا اس لیے مجھے وہاں پہنچا دو، اس نے جواب دیا میں نے تمہاری دعوت پر غور کیا ہے، اور میں عرب لوگوں میں سب سے زیادہ کمزور رہوں، اگر میں اپنے مقبوضہ ملک پر کسی کو نائب مقرر کر دوں تو اس کے لشکر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر پہنچ بھی گئے تو ایسی جنگ سے سامنا ہو گا کہ اس سے قبل ایسی لڑائی نہ دیکھی ہو گی میں نے جواب دیا، اچھا میں کل واپس چلا جاؤں گا، جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا، تو اس نے اپنے بھائی سے خلوت میں باتیں کیں اور کہنے لگا، جن جن پر وہ غالب آ چکے ہیں ہم ان کے برابر بھی نہیں، اور جس جس کی طرف انہوں نے مکتوب مبارک بھیجے سب نے اتباع کر لیا ہے۔

آخر صبح ہوئی تو مجھے بلا بھیجا، اس نے اور اس کے بھائی دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور مجھے صدقہ وصول کرنے اور اس (قوم) میں حکم (اسلامی) نافذ کرنے کی اجازت دے دی، اور جس نے بھی میری مخالفت کی، ان دونوں نے اس کے خلاف مجھ سے تعاون کیا۔

یمامہ کے حاکم

ہوذہ کے نام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خط

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی کو مکتوب لکھا اور سلیط رضی اللہ عنہ بن عمرو عامری کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ (مکتوب یہ تھا)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد الرسول اللہ کی جانب سے ہوذہ بن علی کے نام:

سلام علی من اتبع الھدیٰ

یاد رکھو، کہ میرا دین عنقریب دور و نزدیک تک غالب آنے والا ہے، اس لیے اسلام قبول کرلو، سلامتی پاؤ گے، اسلام قبول کرلو گے تو تمہارا مقبوضہ ملک تمہارے قبضہ و تسلط میں رہے گا۔"

جب سلیط نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر ہوذہ کے پاس پہنچے تو یہ مکتوب اسے دے دیا ...، اس نے انھیں اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا۔ اور مکتوب پڑھوایا اس کے بعد جو جواب دیا، وہ گو اقرار نہ تھا، مگر انکار بھی نہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے جواب میں لکھا:

"کس قدر اچھی بات ہے، جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں اور عرب لوگ

میرے مرتبہ سے ہیبت زدہ ہیں، اس لیے کچھ باتیں میری بھی مان لیجیے تو میں آپؐ کا اتباع کروں گا۔"

پھر حضرت سلیطؓ کو اس نے انعام دیا، اور ہجر کی کپاس کا کپڑا دیا (جو اس زمانہ میں عمدہ مانا جاتا تھا)

وہ یہ تمام چیزیں لے کر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گئے اور آپؐ کو اطلاع دی۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا خط پڑھا۔ اور فرمایا، اگر وہ مجھ سے ایک بالشت بھر زمین بھی طلب کرے گا تو میں نہیں دوں گا۔ جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے۔ وہ جانے والا ہے جانے والا ہے۔

چنانچہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم فتح (مکہ) سے فارغ ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور بتایا کہ ہوذہ مر گیا۔ جناب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

یمامہ میں ایک کذاب نکلے گا جو نبوت کا (جھوٹا) دعوے کرے گا اور اسے میرے بعد قتل کر دیا جائے گا۔

ایک کہنے والے نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اسے کون قتل کرے گا۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو اور تیرے ساتھی (اسے قتل کریں گے)

چنانچہ ایسا ہی ہوا، واقدیؒ فرماتے ہیں کہ دمشق کا ارکون (جو نصاریٰ کا ایک بڑا آدمی تھا۔ یہ ہوذہ کے پاس تھا۔ اس نے ہوذہ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے، متعلق پوچھا تو اس نے کہا میرے پاس ان کا مکتوب آیا ہے (جس میں) انہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ میں نے اسے قبول نہیں کیا۔

ارکون نے پوچھا، تو نے کیوں قبول نہیں کیا؟ اس نے کہا کہ مجھے اپنے دین کا لالچ ہوا، نیز میں اپنی قوم کا حکمران ہوں۔ اور اگر میں اس کا اتباع کر لیتا تو بادشاہ نہ رہتا۔

اس نے جواب دیا نہیں اگر تو ان کا اتباع کر لیتا تو وہ ضرور تجھی کو حاکم بنا دیتے اس لیے تیرے لیے ان کے اتباع میں ہی بھلائی ہے۔ اور درحقیقت وہ نبی عربی ہے، جس کی عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی ہے اور ان کا نام ہمارے ہاں انجیل میں محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) تحریر ہے۔

حارث ابنِ ابی شمر غسانی کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک

یہ دمشق میں تھا، چنانچہ آپؐ نے شجاعؓ بن وہب کے ہاتھ حدیبیہ سے واپسی پر ایک مکتوب مبارک اس کے نام بھیجا جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے حرث بن ابی شمر کے نام۔

"اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا اتباع کرے، اور اللہ پر ایمان لائے۔ اس کی تصدیق کرے۔ اور میں تجھے اس بات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تو اللہ پر ایمان لے آئے جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تیرا ملک باقی رہے گا۔"

طبِ نبوی ﷺ

ہم نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے مغازی۔ سیر۔ بعثات۔ سرایا، رسائل اور مکاتیب وغیرہ سے متعلق گزشتہ صفحات میں آپ کی سنتِ طیبہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اب ہم طب کے متعلق آپ کی سنتِ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا دکیا کیا) طریقے اختیار فرمائے۔ اپنے اور دوسروں کے لیے کیا کیا علاج بیان فرمائے۔ ہم اس میں اس حکمت کا تذکرہ کریں گے کہ جس تک پہنچنے میں اطباء عاجز آچکے ہیں کیونکہ طباء کے مقابلہ میں آپ کی طب معجزات پر مشتمل ہے۔ ہم اللہ سے استعانت کرتے ہوئے اسی قوت وتوفیق کے طالب ہیں

مرض کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

قلب کے امراض اور بدن کے امراض۔

یہ دونوں امراض قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

امراضِ قلب کی بھی دو قسمیں ہیں، امراض شکوک وشبہات اور امراض شہوت وبہتان (سرکشی) ان دونوں کا بھی قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔

علاج بدن

اس کے اقسام اور انواع کا بیان

علاجِ بدن کے قواعد تین ہیں۔

(۱) حفاظتِ صحت۔

(۲) مرض سے تحفظ۔

(۳) مواد فاسد کا استفراغ۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تینوں کا ان مقامات پر تذکرہ فرمایا۔ آیت روزہ میں فرمایا۔

اس آیت میں مریض کے لیے عذرِ مرض اور مسافر کے لیے اپنی صحت اور قوت کی طلب کی خاطر افطار کرنے کی اجازت دے دی تاکہ روزہ سفر میں کثرتِ حرکت اور موجباتِ تحلیل کی وجہ سے اور بدلِ ما یتحلل کے معدوم ہونے کے باعث ضرر رساں نہ بن جائے۔

اور قوت وصحت کی حفاظت کی وجہ سے مسافر کو اجازتِ افطار مرحمت فرمائی ہے۔ حج کی آیت میں فرمایا!

فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک

اس آیت میں مریض کو اور اسے جس کے سر میں جوئیں پڑ جائیں یا خارش ہو جائے یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اجازت دی کہ وہ حالت حرام میں سر منڈوالے تاکہ فاسد مادوں سے استفراغ حاصل ہو جائے جن کے بالوں کی جڑوں میں سرایت کرنے کی وجہ مرض پیدا ہوا ہے، جب سر منڈوالے گا تو مسام کھل جائیں گے، اور یہ فاسد مادے ان مسامات کے کھل جانے کی وجہ سے نکل جائیں گے۔ اسی استفراغ پر تمام ان استفراغات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جن کے رک جانے کے باعث تکلیف و گزند پہنچتا ہے۔

رہا تحفظ (مرض) تو اللہ تعالےٰ نے وضو کی آیت میں فرمایا:

وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا۔

اس آیت میں مریض کو اجازت دی ہے کہ اپنے جسم کو امراض سے بچانے کے لیے پانی کی بجائے مٹی کے تیمم کی طرف منتقل ہو جائے۔ تمام داخلی یا خارجی مضرات سے تحفظ کے سلسلہ میں آیت انتباہ کرتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو طب کے تین اصولوں پر آگاہی بخشی جو تمام قواعد (حفظان صحت) کے مرکزی اصول ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ اس معاملہ میں آپ کی سنت طیبہ اکمل ہدایت ہے۔

رہی طب قلوب، تو یہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانب مسلّم طور پر منسوب ہے اور ان کے بغیر اور ان کے دست کرم سے بے نیاز ہو کر اس کے حصول کا سرے سے امکان ہی نہیں۔

علاج بدن کے اقسام وطرق

مفرد اور مرکب ادویہ کے استعمال کے فوائد پر ایک نظر

علاج بدن کی دو اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات ناطقہ و بہائم کو انہی دو میں منقسم فرمایا ہے۔

ایک قسم ایسی ہے جس کے علاج کے لیے کسی طبیب کی ضرورت نہیں جیسے بھوک پیاس۔ سردی تھکاوٹ وغیرہ کا علاج۔ دوسرے وہ جس میں تامل اور غور وفکر کی ضرورت ہے جیسے وہ امراض جو مزاج اصل کے اعتدال سے خارج ہو جانے کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ حرارت یا برودت یا یبوست یا رطوبت یا کسی دو کے مرکب ہونے کی صورت میں (بدن) غیر معتدل صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ان کے دو انواع ہیں یا مادی ہوتے ہیں یا کیفی یعنی یا تو کسی مادہ کے انصاب کے باعث یہ امراض پیدا ہوتے ہیں یا کسی کیفیت کی وجہ سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔ اور تم دیکھو گے کہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کے نصرت سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ میں ان تمام امراض کا شافی اور مکمل علاج ملتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ آپ اپنا اور اپنے اہل وعیال اور صحابہؓ کا معالجہ فرمایا کرتے۔ لیکن آپؐ کی سنتِ طیبہ یہ نہیں کہ قرابا دینوں کی طرح مرکب ادویہ کا استعمال فرماتے بلکہ آپؐ کی زیادہ تر ادویہ مفردات پر مشتمل تھیں اور گاہے گاہے مفرد دوا کے ساتھ کسی معاون یا مصلح دوا کا اضافہ فرما دیتے اور یہ معاملہ عربوں، ترکوں اور تمام اہل دیہات، غرض مختلف اقوام میں مختلف ہوتا ہے، اور تجربہ کار اطباء جو کثرت کے ساتھ مفردات سے معالجہ کرتے ہیں۔ وہ اسے خوب سمجھتے ہیں اور ان تینوں طبوں میں فرق بھی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ ادویہ بھی غذا کی جنس سے ہوتی ہیں تو ایسی قوم یا جماعت جن کی اغذیہ مفردات پر مشتمل ہوں۔ ان کے امراض بھی کم ہوتے ہیں اور ان کا معالجہ بھی مفردات سے ہی درست ہوگا۔ اور شہر والوں پر مرکب غذاؤں کا غلبہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ لوگ مرکب دواؤں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اہل شہر کے امراض زیادہ تر مرکب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں مرکب دوائیں زیادہ نفع دیتی ہیں، اور اہل دیہات اور صحرائی لوگوں کی اغذیہ مفرد ہوتی ہیں اس لیے انہیں مفرد دوائیں مفید ہوتی ہیں۔

اس علاج کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب اسی طرح ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے پاس دیگر علوم بذریعہ وحی آتے ہیں، بلکہ یہاں تو وہ ادویہ ملتی ہیں کہ جن کی شفا دہی کی تاثیرات کی جانب بڑے بڑے حکماء کا ذہن نہ جا سکا۔ اور ان کے علوم و تجارب کی رسائی بھی نہ ہو سکی۔ ادویہ قلبیہ اور روحانیہ میں قوت قلب، اعتماد علی اللہ، توکل علی اللہ۔ اس کی طرف رجوع وانابت اس کے سامنے عجز و نیاز اور تذلل و انکساری۔ صدقہ۔ دعا، توبہ و استغفار مخلوق پر احسان اور مصائب زدہ کی مدد اور نصرت، یہ تمام ادویہ ایسی ہیں کہ مختلف ادیان اور مختلف ملل کے حامیوں نے بھی انہیں بارہا آزمایا اور شفاء کاملہ حاصل کی جس کی طرف ان کے بڑے بڑے دانش وروں کا ذہن نہ جا سکا، اور نہ ان کے

تجربات اور قیاسات نے ان کی رہنمائی کی۔ ہم نے انہیں بار ہا آزمایا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے وہ وہ کام سرانجام پا سکتے ہیں کہ مادی ادویہ سے کبھی اس قدر زیادہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور ہم عنقریب اس بات کا سبب بیان کریں گے کہ جس شخص کو سانپ نے ڈس لیا فاتحہ پڑھنے سے کیونکہ آرام حاصل ہوا اور فوراً ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا، گویا اسے کوئی مرض ہی نہ تھا۔

طب نبوی میں ہر دو اقسام کی ادویہ ملتی ہیں۔ ہم اپنی استطاعت کے مطابق اپنے کم علم، اور فقدان معرفت اور سرمایہ علم کی شدید کمی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ان دونوں انواع پر بحث کریں گے۔ اللہ عزوجل ہی سے تمام خیر اور بھلائی کے طالب ہیں اور اس کے فضل کے سوالی ہیں۔ کیونکہ وہ غالب اور از حد عطا کرنے والا ہے۔

ہر مرض کا علاج موجود ہے

لا علاج مرض صرف موت ہے

صحیح مسلم میں حدیث ابوزبیرؓ سے جو انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا! ہر مرض کی دوا ہے۔ جب بھی مرض کی (درست) دوا مل جاتی ہے۔ تو اللہ عزوجل کے اذن سے صحت ہو جاتی ہے۔

صحیحین میں حضرت عطاء سے منقول ہے کہ انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ملی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نازل نہیں کیا جس کی دوا بھی نازل نہ کی گئی ہو۔

اور مسند امام احمدؒ میں زیاد بن علاقہؒ کی حدیث مروی ہے۔ انہوں نے اسامہؓ بن شریک سے روایت کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ چند اعراب (دیہاتی) آئے۔

انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول۔ کیا ہم علاج کریں۔

آپؐ نے فرمایا! ہاں! اے اللہ کے بندو۔ دوا استعمال کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

ایک مرض کے سوا تمام امراض کا علاج بھی اتارا ہے۔
انہوں نے عرض کیا، وہ (ایک مرض) کیا ہے۔
آپؐ نے فرمایا! موت!!
ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نازل نہیں کیا جس کی دوا نازل نہ کی ہو۔ جسے سکھا دی وہ جان گیا۔ اور جسے جاہل رکھا۔ وہ جاہل رہا۔
مسند اور سنن میں ابو خزانہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ جو جھاڑ پھونک کرواتے ہیں، یا دوا استعمال کرتے یا پرہیز کرتے ہیں کیا آپؐ سمجھتے ہیں کہ ان سے اللہ کی کچھ تقدیر بھی رد ہو سکتی ہے؟
آپؐ نے فرمایا! یہ (علاج وغیرہ) بھی اللہ کی تقدیر میں داخل ہے اور وہ احادیث جن میں علاج کا حکم ملتا ہے۔ توکل کے منافی نہیں ہیں، جیسے بھوک، پیاس حرارت اور سردی کے موقع پر اضداد سے علاج کرنا توکل کے منافی ہیں، نیز اس سے ان لوگوں کا رد بھی ملتا ہے، جو علاج کا انکار کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں۔ کہ اگر شفا مقدر میں ہے۔ تو پھر علاج سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر شفا مقدر میں نہیں تو بھی علاج سے کیا فائدہ؟ کیونکہ مرض تو اللہ کی قدر کے مطابق آتا ہے، اور اللہ کی قدر نہ ہٹائی جا سکتی ہے۔ اور لوٹائی جا سکتی ہے۔ یہی سوال اعراب نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا تھا۔ کیا صحابہؓ تو اللہ اور اس کی حکمتوں اور اس کی صفات سے خوب سے واقف تھے وہ کس طرح ایسا سوال کر سکتے تھے؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی انہیں بہت شافی اور کافی جواب دیا۔ اور فرمایا۔ علاج۔ جھاڑ پھونک اور پرہیز بھی اللہ کی قدر میں سے ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی قدر سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، اور یہ اسی طرح ہے جیسے بھوک، پیاس، حرارت اور سردی کی قدر جسے اضداد سے ہٹایا جاتا ہے۔ یا دشمن کی قدر کہ اس کے مقابلہ میں جہاد کر کے اسے ہٹایا جاتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اور ہمارے آباؤ اجداد نے شرک

نہیں کیا: اور اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے بڑے اس کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرتے۔ یہ بات انہوں (مشرکین) نے اس لیے کہی۔ تاکہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں اللہ کی دلیل اور حجت کو کاٹ دیں۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تیسری قسم بھی باقی ہے جس کا ابھی تک تذکرہ نہیں ہوا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سبب کے باعث ایسے ایسے مقدرات پیدا کر رکھے ہیں کہ اگر تم نے سبب کو پیدا کر دیا تو مسبب (نتیجہ) بھی موجود ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ یہ اعتراض کرے۔ کہ اگر اس نے سبب مقدر کر رکھا ہے تو میں اسے رد کر ڈالوں گا۔ اور اگر مقدر نہیں کیا۔ تو میں اس کے فعل پر قادر ہی نہ ہو سکوں گا۔ اب آپ خود ہی سوچیں کہ آپ اپنے لڑکے۔ غلام یا مزدور کا یہ استدلال قبول کریں گے۔ جب آپ انہیں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیں۔ اور وہ آپ کے حکم کی مخالفت کرے۔ اگر آپ قبول کر لیں گے۔ تو جو آپ پر ظلم کرے اور آپ کا مال لوٹ لے۔ آپ کی عزت برباد کر دے۔ اور آپ کے حقوق پامال کر دے اس کی شکایت نہ کیجیے۔ اور آپ قبول نہیں کر سکتے تو اللہ کے حقوق کو آپ کس طرح ہٹا سکتے ہیں جو آپ کے ذمہ لازم ہیں۔

اور امراض بدن بھی امراض قلب کی طرح ہیں۔ اللہ نے کوئی مرض قلب ایسا نازل نہیں فرمایا جس کی دوا نازل نہ کی ہو۔ اگر مریض اسے جان لے اور اسے استعمال کر لے۔ اور وہ علاج قلب کے مرض کا درست علاج ہو تو مریض ضرور اللہ کے اذن سے صحت یاب ہو جائے گا۔

بسیار خوری اور کم خوری

آپؐ کی سنت طیبہ اور متوازن طریق کار

مسند وغیرہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپؐ نے فرمایا؟
آدمی نے پیٹ سے زیادہ برتن کبھی پُر نہیں کیا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جن سے ان کی کمر سیدھی رہے۔ اگر ضروری (زیادہ) کھانا ہو، تو پھر تیسرا حصہ کھانا کھانا چاہیئے اور تیسرا حصہ پینے کے لیے وقف ہے۔ اور تیسرا حصہ سانس لینے کے لیے"!

امراض کی دو انواع ہیں امراض مادی! جو بدن میں افراطِ مادہ کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ طبعی افعال پر بھی مضر اثرات ڈالتے ہیں۔ اکثر یہی امراض پائے جاتے ہیں اور ان کا سبب ہضم اوّل سے قبل ہی مزید کھانا۔ اور بدن کی احتیاج سے کہیں زیادہ مقدار میں کھا لینا اور ایسی غذائیں کھانا ہے۔ جن میں فائدہ کم اور دیر سے ہضم ہونے والی ہوں اور مختلف انواع و اقسام و تراکیب کی اغذیہ کا کثرتِ استعمال چنانچہ جب انسان ان اغذیہ سے پیٹ بھرتا رہتا ہے اور (پرخوری) کا عادی ہو جاتا ہے تو اسے کئی قسم کی مزمن اور حاد امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ غذا میں اعتدال قائم رکھے۔ اور بقدرِ حاجت ہی کھانا کھائے جو مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے

مناسب ہو۔ تو پُرخوری کی نسبت اس حالت میں بدن کو زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

غذا کے تین درجات ہیں۔ ۱۔ درجۂ ضرورت۔ (۲) درجۂ کفایت۔ (۳) درجۂ زائد۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے، کہ آدمی کو چند لقمے کافی ہیں۔ جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں۔ یعنی اس کی قوت زائل نہ ہو۔ اور وہ کمزور نہ پڑ جائے اور اگر اس سے تجاوز ہی کرنا ہو۔ تو گنجائش کا تیسرا حصّہ کھائے۔ تیسرا حصّہ پیئے اور تیسرا حصّہ سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔

یہ صورت جسم و قلب دونوں کے لیے زیادہ فائدہ بخش ہے کیونکہ معدہ کھانے سے پُر ہوگا تو پانی پینے میں تکلیف ہوگی۔ اور جب پانی بھی اس پر ڈال دیا جائے گا۔ تو سانس میں تنگی محسوس ہوگی۔ اور اسے کرب اور تکان محسوس ہونے لگے گی اور اس کا پیٹ ایک وزنی بوجھ اٹھانے والا بن جائے گا۔ جس سے قلبی پریشانی اور عبادات کے سلسلہ میں جسمانی سستی لازم آئے گی، اور سیر ہونے کا لازمہ شہوات کی صورت میں بھی ظاہر ہوگا۔ الغرض معدہ کو پُر کرنا قلب حدِ جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔ لیکن یہ صورت اس وقت ہوگی، جب اکثر و بیشتر اس کا عادی ہو۔ اور گاہے گاہے ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں اس قدر دودھ پیا کر آخر کہہ اٹھے۔ قسم اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اب مجھے اس (دودھ) کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ اور حضرات صحابہؓ نے بھی بارہا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

قسمِ اوّل یعنی ادویہ طبعیہ سے معالجہ

بخار کے علاج میں آپؐ کی سنّتِ طبعیہ

صحیحین میں حضرت نافع رضؓ سے ثابت ہے۔ انہیں حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ملی۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

بخار یا شدّت بخار جہنم کی پھنکار ہے۔ اس لیے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

اس روایت میں آپؐ کا فرمان! "پانی" تو اس میں دو قول ملتے ہیں۔ ایک عام پانی۔ یہی صحیح طور پر مراد ہے۔ اور دوسرے زمزم کا پانی۔ اس کے ماننے والوں نے صحیح بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا۔ کہ ابو جمرۃ نفر بن عمران ضبعی سے مروی ہے کہ میں مکہ میں حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ مجھے بخار ہو گیا انہوں نے فرمایا! اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ بخار جہنم کی لپیٹ میں سے ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کر دیا فرمایا زمزم کے پانی سے (ٹھنڈا کرو) راوی کو اس میں شک ہے۔ اور اگر اس میں تیقن بھی ہو، تو بھی یہ حکم اہلِ مکہ کے لیے ہوگا۔ کیونکہ انہی کو آسانی سے زمزم کا پانی مہیا ہو سکتا ہے۔ اور دوسر لوگوں کے لیے عام پانی کا حکم ہوگا۔ جو ان کے ہاں بہ آسانی دستیاب ہوتا ہے۔

اور سنن ابن ماجہ رحؒ میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مرفوع روایت ہے کہ بخار جہنم کی لپیٹ میں سے ہے۔ اس لیے اسے ٹھنڈے پانی سے دور کرو،

اور مسند وغیرہ میں حدیث حسن رضؓ مروی ہے۔ انہیں سمرۃ رضؓ سے مرفوع روایت ملی کہ بخار آگ کا ایک حصّہ ہے، اس لیے اسے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب بخار ہو جاتا۔ تو آپ پانی کا ایک مشکیزہ منگواتے، اور اسے اپنے سر پر انڈیل لیتے۔ اور غسل فرماتے۔

اور سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بخار کا ذکر کیا تو ایک آدمی نے بخار کو گالی دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! اسے گالی مت دو۔ کیونکہ یہ گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جیسے آگ لوہے کی میل کو کھاتی ہے۔ پس بخار جسم اور قلب کے لیے مفید ہے اور اس میں وجہ ہے۔ اس لیے اسے گالی دینا ظلم اور زیادتی ہے۔

اور ایک حدیث میں مروی ہے۔ کہ ایک دن کا بخار ایک سال کے (گناہوں) کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ بخار تمام اعضاء اور مفاصل میں داخل ہو جاتا ہے، اور ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہے۔ تو گویا ہر مفصل (جوڑ) کے ایک دن کے گناہ کے برابر معافی ملتی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تمام بدن میں سے اس طرح اثر کرتا ہے کہ اس کے اثرات ایک سال تک زائل نہیں ہوتے جیسے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان! کہ جو شراب پیئے۔ اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی! کیونکہ بندے کے پیٹ۔ عروق اور اعضاء میں چالیس روز تک اس کے اثرات باقی رہیں گے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے بخار سے زیادہ کوئی مرض محبوب نہیں۔ کیونکہ وہ میرے تمام اعضاء میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ہر عضو کو صلہ میں اجر دیتا ہے۔

اور جامع ترمذیؒ میں حضرت رافع بن خدیج سے مرفوع حدیث مروی ہے۔ کہ جب تم میں سے کسی کو بخار آئے۔ اور بخار چونکہ آگ کا ٹکڑا ہے، اس لیے اسے ٹھنڈے پانی سے بجھائے۔ اور جاری نہر کی طرف چلا جائے۔ اور فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پانی کی آمد کی طرف رُخ کرلے۔ اور یہ دعا پڑھے۔

بسم اللہ اللھم اشف عبدك وصدق رسولك۔

پھر تین بار تین روز تک اسی میں غوطہ لگائے۔ اگر صحتیاب ہو جائے۔ تو ٹھیک

ورنہ پانچ روز، اور اگر ٹھیک نہ ہو تو سات روز اللہ کے اذن سے بخار سات روز سے تجاوز نہ کرے گا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ گرم ممالک میں موسم گرما میں شرائط متقدمہ کے مطابق یہ غسل فائدہ بخش ہوگا اور اس وقت بدن میں قوتیں بھی (اس کے) قابل ہوں گے، چنانچہ قدرتی کی قوت اور دوا کی قوت درست ہوگی، یعنی گرم عارضی بخار یا غب خالصہ رباری کا بخار پر سرد پانی نفع بخش ہوگا۔ بشرطیکہ (بخار) کے ساتھ ساتھ ورم نہ ہو، اور نہ دیگر ردی عوارض اور فاسد مواد پائے جائیں۔ اس صورت میں (سرد پانی) اس بخار کی آگ بجھا دے گا۔ خاص کر ان ایام میں جن کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے کیونکہ زیادہ تر انہی ایام میں حادامراض کا بحران واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ مخصوص علاقوں کے ساکنین کے اخلاط رقیق ہو جاتے ہیں۔ اور نافع دوا سے تیزی کے ساتھ متاثر ہوتے ہیں۔

امراض شکم

سوءِ ہضم اور پیٹ کی خرابی میں شہد کا استعمال

شہد کے فوائد کثیرہ صحیحین میں ابو متوکل کی حدیث مروی ہے انہی حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ملی۔ کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ میرے بھائی کو پیٹ کی تکلیف ہے، اور ایک روایت میں ہے۔ کہ اس کے پیٹ میں خرابی ہے!

آپؐ نے فرمایا! اسے شہد پلاؤ۔ وہ گیا اور واپس آکر کہنے لگا، میں نے اسے شہد پلایا لیکن اسے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ ایک روایت کے لفظ ہیں۔ کہ اس کی یہ تکلیف بڑھتی ہی گئی۔ دو یا تین مرتبہ یہ معاملہ درپیش آیا۔ ہر بار آپؐ نے فرمایا۔ اسے شہد پلاؤ۔ تیسری یا چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ نے صحیح فرمایا! اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔ اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ یعنی اس کا ہضم خراب ہوگیا ہے، اور اس کا معدہ بیمار ہوگیا ہے۔

شہد میں کثیر فوائد ہیں۔ کیونکہ یہ عروق اور امعاء وغیرہ میں سے میل کو کاٹ دیتا ہے۔ کھانے اور مالش کرنے سے رطوبات (فاسدہ) کو تحلیل کر دیتا ہے

ہے۔ بوڑھوں اور بلغمی مزاج کے لوگوں کو فائدہ دیتا ہے۔ اور جس کا مزاج سرد تر ہو۔ تو اس کے لیے مغذی اور ملین کا کام دیتا ہے۔ معجونوں کی قوت قائم رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور جب اس میں دواؤں کی آمیزش کی جاتی ہے، تو وہ یہ اُن کی مکروہ کیفیات کو زائل کر دیتا ہے۔ جگر اور سینہ کو صاف کرتا۔ پیشاب آور اور بلغم کے سبب سے ہونے والی کھانسی کو فائدہ دیتا ہے۔ اور جب اسے روغنِ گلاب کے ساتھ گرم گرم پیا جاتا ہے۔ تو جانوروں کے کاٹنے اور افیون خوری میں نفع دیتی ہے۔ اور اگر اسے سادہ پانی میں ملا کر پیا جائے تو کتے کاٹے اور زہر خورانی میں فائدہ بخش ہے اور اگر اس میں تازہ گوشت رکھ دیا جائے تو تین ماہ تک اس کی تازگی قائم رہتی ہے۔ اسی طرح اس میں تربوز۔ ککڑی کدو، یا بینگن رکھ دیا جائے اور چھ ماہ تک عام پھلوں کو بھی خراب ہونے سے بچا لیتا ہے۔ اور مردے کے جسم کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے حافظ امین کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جب اسے بدن اور بالوں پر لگایا جائے تو جوں مارتا اور بالوں کو لمبا کرتا ہے۔ اور اگر اسے آنکھوں میں ڈالا جائے۔ تو آنکھوں کے سامنے سے اندھیرے (کی بصارت) کو دور کرتا ہے۔ اگر اسے دانتوں پر منجن کے طور پر ملا جائے۔ تو دانتوں کو سفید کرتا اور انہیں صیقل کرتا ہے۔ اور مسوڑوں اور دانتوں کو قوی کرتا ہے۔ اس کا چاٹنا بلغم کو مفید ہے، اور معدے کی ردی کیفیات کو زائل کرتا ہے۔ اور اسے گرم کر کے اعتدال پر لاتا ہے اور سدے کھولتا ہے۔ جگر، گردے اور مثانہ پر بھی یہی اثرات اس کے مترتب ہوتے ہیں۔ جگر کے سدے کھولنے اور ہر میٹھی چیز کے معاملہ میں طحال کو کم سے کم ضرر رساں ہے۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں مروی ہے! جو شخص ہر ماہ تین روز صبح صبح شہد چاٹ لے۔ اسے کبھی سخت تکلیف

کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے: تم پر دو شافی چیزوں سے ادکو استعمال کرنا بااان سے شفا حاصل کرنا لازم ہے۔

شہد اور قرآن۔

ایک آیت

اوراس پر بحث

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس۔

اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا فیہ کی یہ ضمیر شراب کی طرف راجع ہے، یا قرآن کی طرف ؟ -

اس سلسلہ میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ ضمیر شراب کی طرف راجع ہے : یہی ابن مسعودؓ ابن عباسؓ۔ حسنؒ۔ قتادہؒ اور اکثر صحابہؓ کا قول ہے کیونکہ یہی مذکور ہے اور سیاق کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آیت میں قرآن کا ذکر نہیں ملتا۔ اور صحیح حدیث کے یہ الفاظ بھی اس پر شاہد ہیں ۔

طاعون

علاج، پرہیز، احتیاط اور فرار

ایک اہم مسئلہ صحیحین میں عامر بن سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے انہیں اپنے والد سے روایت ملی کہ انہوں نے حضرت اسامہؓ بن زید سے پوچھا، کہ آیا آپ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق کچھ سنا ہے!

اسامہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، طاعون ایک سزا ہے جسے اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر اور ان قوموں پر جو تم سے پہلے تھیں، نازل کیا۔ جب تم کسی جگہ طاعون کے پھیلنے کی خبر سنو تو وہاں داخل ہوتے سے احتراز کرو۔ اور اگر طاعون وہیں پھوٹ پڑے، جہاں تم ہو تو وہاں سے فرار ہوتے ہوئے نکلنے سے اجتناب کرو۔

صحیحین میں حضرت حفصہ بنت سیرین سے مروی ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک نے بتایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، طاعون میں مبتلا ہو کر مرنا) ہر مسلمان کے لیے شہادت (کا درجہ) رکھتا ہے۔

جہاں طاعون پھیلا ہو نہ جاؤ، آپڑے ہو تو بھاگو مت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ جہاں یہ وبا پھیلی ہو داخل ہونا اور وہاں سے نکلنا دونوں کی ممانعت کی ہے۔

اس طرح احتیاط کامل کو جمع فرما دیا۔ کیونکہ ایسی جگہ جانے کا مطلب اپنے آپ کو وباء کے سپرد کرنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا اور وبا کی جگہ میں جا کر موت کو دعوت دینا ہے اور یہ بات شریعت وعقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ ایسی جگہ جانے سے گریز کرنا پرہیز میں داخل ہے، جیسا اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمایا ہے.....

اور یہ ممکن اور ایذاوہ باتوں سے تحفظ اور بچاؤ کا طریقہ ہے۔

قضا وقدر پر توکّل کی تعلیم

رہا وہاں سے نکلنے کی ممانعت کا معاملہ تو اس سے دو مطلب نکل سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنے کا سبق دیا جائے اور اس کی قضا وقدر پر راضی رہنے پر آمادہ کیا جائے۔

پہلی صورت تعلیم وتادیب کی ہے دوسری تفویض وتسلیم کی۔

دوسرے یہ کہ اطباء نے کہا ہے وباء سے بچنے کے لیے ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے بدن سے رطوبات فاصلہ کو خارج کرے۔ غذا میں کمی کر دے اور ورزش اور غسل میں قلع نظر رطوبات فاصلہ کو خشک کرنے کی تدبیر کرے۔ کیونکہ ان دونوں (ورزش اور غسل) سے پرہیز ایک ضروری امر ہے کیونکہ بدن میں ہر وقت کچھ نہ کچھ مخفی طور پر فضلاتِ ردیہ ضرور رہتے ہیں، جو ورزش اور غسل (حمام) سے بھڑک اٹھیں گے، اور کیموس اعلےٰ میں انہیں مختلط کر دیں گے۔ اس وجہ سے زیادہ فساد برپا ہوگا اور مرض لاحق ہو جائے گا، بلکہ طاعون کے موقع پر سکونت اور آرام ضروری ہے۔ اور اخلاط میں تسکین پیدا کرنا واجب ہے۔

وبائی جگہ سے نکلنے اور سفر کرنے میں حرکت شدیدہ (ورزش) کے بغیر چارہ کار نہیں اور یہ بہت زیادہ مضر ہوتی ہے۔ متاخرین حکماء کا یہی قول ہے، اس لیے حدیث نبوی سے طبی مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس میں بدن وقلب کے معالجات ملتے ہیں ان کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب شام کی طرف نکلے۔ جب آپؓ

مقام سرغ پر پہنچے تو ابو عبیدہؓ بن جراح اور ان کے اصحابؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھوٹ نکلی ہے۔

صحابہ میں اختلاف رائے

اب اس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ امیر المومنینؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا، مہاجرین آولین کو بلائیے وہ کہتے ہیں میں انہیں بلالایا۔ امیر المومنینؓ نے ان سے مشورہ کیا۔ اور انہیں بتایا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے۔

اس باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہو گیا۔

بعض نے کہا کہ آپؓ ایک کام کے لیے نکل پڑے ہیں، ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپؓ اس سے واپس لوٹ جائیں۔

دوسروں نے کہا، آپ کے ہمراہ آزمودہ کار لوگ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہم یہ رائے نہیں دیتے کہ آپ اس وبا ر میں انہیں دھکیل دیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، اچھا آپ لوگ جائیں۔

پھر فرمایا، انصار کو بلاؤ۔ میں انہیں بلالایا۔ امیر المومنینؓ نے ان سے مشورہ کیا وہ بھی مہاجرین کی طرح اختلاف کرتے رہے۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا، تم بھی اٹھ جاؤ۔

پھر فرمایا:

جو قریش کے بوڑھے مشائخ ہیں انہیں بلاؤ۔ میں نے انہیں بلایا تو ان میں سے دو نے بھی اختلاف نہ کیا اور انہوں نے مشورہ دیا، کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپؓ ان لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں اور اس وبا کی طرف نہ بڑھیں۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ میں صبح کو واپس جانے والا ہوں۔

جب صبح ہوئی تو ابو عبیدہؓ بن جراح نے عرض کیا، اے امیر المومنینؓ اللہ کی تقدیر سے فرار ہو کر آپ جا رہے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا، اگر کاش اے ابو عبیدہؓ تیرے سوا کوئی یہ بات کرتا ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی جانب فرار کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح

نہیں کہ اگر تمہارا اونٹ ہو۔ اور وہ ایک وادی میں اتر پڑے، جس میں دو حالتیں ہوں۔ ایک جانب چراؤ گے تو بھی اللہ کی تقدیر سے ہی چراؤ گے۔

راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف حاضر ہوئے وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے غیر حاضر تھے۔ انہوں نے فرمایا، اس کے متعلق میرے پاس علم ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ جب کسی جگہ (طاعون) ہو، اور تم وہاں ہو تو فرار ہونے کے لیے وہاں سے نہ نکلو۔ اور جب تم کسی جگہ (اس کا وقوع) سنو تو وہاں مت جاؤ"۔

مرض استسقاء

علاج ــــ پرہیز ــــ ہدایت

صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، فرمایا کہ عکل اور عرینہ کی ایک جماعت نبی اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اسے مدینہ کی آب وہوا ناموافق ہوئی چنانچہ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی۔

آپ نے فرمایا، تم صدقہ کے اونٹوں کے پاس جاؤ اور ان کا بول اور دودھ پیو۔

انہوں نے ایسا ہی کیا، جب وہ تندرست ہوگئے، انہوں نے چرواہوں پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے، وہ انہیں پکڑ لائے۔ آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے۔ ان کی آنکھیں نکلوا دیں اور انہیں دھوپ میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

اور استسقاء کی تین اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔ استسقائے لحمی، یہ سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

۲۔ استسقائے زقی۔

۳۔ استسقائے طبلی۔

اور چونکہ ان امراض میں فائدہ دینے والی ادویہ وہی ہیں جن میں اعتدال پیدا کرنے پیشاب لانے کی کیفیت پائی جاتی ہے اور یہی اثرات اونٹوں کے پیشاب اور دودھ میں بھی ملتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے پینے کا حکم دیا کیونکہ اونٹ کے دودھ میں جلاء اور تلیین کی صفت ملتی ہے اور یہ مدار، بول، ملطف اور سدّوں کے لیے مفتح (کھولنے والا) ہوتا ہے، اور یہ وہ قوم جو بلادِ عرب بن گئی۔ اس نے اسے بار ہا آزمایا۔ جب بھی انہیں اس کی ضرورت لاحق ہوئی، تو انہوں نے اسے مفید پایا۔

اعرابی اونٹوں کا پیشاب دوسروں کی نسبت زیادہ فائدہ بخش ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہونے اور ان سے علاج و معالجہ کی اجازت کی ہے۔ کیونکہ حرام اشیاء سے علاج کرانا جائز نہیں، اور نو مسلم ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے انہیں منہ دھونے اور کپڑے پاک کرنے کا حکم نہیں دیا اور بعد از ضرورت تاخیر بیان روا نہیں ہے۔

نیز یہ کہ مجرم کے فعل کی بنا پر اس سے جنگ کرنا ضروری ہے، کیونکہ ان لوگوں نے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اس کی آنکھیں نکال دیں۔ یہ صحیح مسلم سے ثابت ہے۔

اور ایک جماعت کو قتل کرنے اور ایک آدمی کے قصاص میں پوری جماعت کے ہاتھ پاؤں ایک ایک سمت سے کاٹ دینے کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب مجرم پر حد اور قصاص دونوں سزائیں جمع ہو جائیں تو دونوں اکٹھی وارد کی جائیں گی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ڈاکے کے عوض ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور چرواہے کے قتل کے قصاص میں انہیں بھی قتل کر دیا، اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور اس کو ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے اختیار کیا اور اس پر فتویٰ دیا ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جرائم اگر کئی ہوں تو عقوبات میں زیادہ سختی کی جا سکتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے۔
جنہوں نے:
۱۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ارتداد اختیار کیا۔
۲۔ بے گناہوں کو قتل کیا۔
۳۔ قتل کے بعد ان کا مثلہ کیا، یعنی ہاتھ پاؤں کاٹے اور صورت بگاڑ دی۔
۴۔ مال لوٹ لیا۔
۵۔ اور جنگ پر اتر آئے۔ (لہٰذا ان کی سزا بھی ایسی ہونی چاہیئے تھی)

زخم اور جراحت

علاج — اور — طرق علاج

صحیحین میں ابی حازمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے سہل بن سعد کے متعلق سُنا کہ انہیں تلاش کیا جا رہا تھا کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا کس طرح علاج کیا گیا؟

انہوں نے فرمایا، آپؐ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا۔ اور رباعی (دانت) ٹوٹ گیا۔ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خون دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ بن ابی طالب ڈھال میں پانی لے کر ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ خون بند ہی نہیں ہوتا تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلایا۔ جب وہ خاکستر ہو گیا تو اسے زخم میں چپکا دیا، خشکی کے باعث چٹائی کی خاکستر سے خون رکنے اور نہ چھپنے میں یہ بہت سریع الاثر ہے۔

مجفف ادویہ میں اگر لذع کی سی کیفیت ہو تو خون میں ہیجان آجاتا ہے۔ البتہ خاکستر کو اگر تنہا، یا سرکہ کے ساتھ ملا کر نکسیر کے مریض کی ناک میں پھونک دیا جائے تو نکسیر کو روک دے گی۔ اور صاحب قانون[1] کا قول ہے کہ بردی خون نہ بہنے

کو روکتی ہے، اور اس میں فائدہ بخشتی ہے اور تازہ زخموں پر اسے ڈالا جاتا ہے۔ تو انہیں مندمل کر دیتی ہے۔ قدیم مصری کاغذ اسی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کا مزاج سرد خشک ہوتا ہے اور اس کی خاکستر آکلہ زخم میں بھی مفید۔ نفث الدم کو روکتی ہے اور خراب زخموں کو مزید بگڑنے سے بچاتی ہے۔

پچھلے صفحہ کا حاشیہ، حکیم بو علی سینا۔

پچھنے لگوانا اور داغ سے علاج

احادیث متعددہ ومختلفہ اور ان کی تفصیل وتشریح

صحیح بخاری میں حضرت سعیدؒ بن جبیر سے مروی ہے۔ انہیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ملی انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا شفاء تین چیزوں میں ہے۔

۱۔ شہد کے گھونٹ میں۔

۲۔ حجامت کی نشتر میں۔

۳۔ اور آگ سے داغنے میں۔

اور میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔

ابو عبداللہ مازری فرماتے ہیں کہ امتلائی امراض یا تو دموی ہوتے ہیں، یا صفراوی یا بلغمی اور یا سوداوی ہوتے ہیں۔

پس اگر دموی ہوں گے، تو ان کی شفاء اخراج خون میں ہے۔ اور باقی تینوں اقسام کی صحت اسہال میں ہے جو خلط مخصوصہ کے مطابق ہو، گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کے ساتھ مسہل پر تنبیہ فرمایا، اور حجامت کہہ کر فصد پر تنبیہ فرمائی۔ حاصل کلام نبوت یہ ہے، امراض کے علاج میں اصل اصول یہ ہے کہ تمثیلی طور پر سرد اور گرم میں منقسم ہیں۔ اگر مرض گرم ہو تو ہم اس کا علاج فصد یا حجامت کے ذریعہ اخراج خون سے کریں گے، کیونکہ اس صورت میں استفراغ مادہ ہو سکے گا۔ اور اور مزاج کی تبرید بھی ہو جائے گی۔ اور اگر مرض سرد ہے تو تسخین کے ذریعہ اس کا

علاج ہوگا اور یہ خاصیت شہد میں پائی جاتی ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ ساتھ مادہ بار وہ کا استفراغ بھی ضروری ہوا۔ تو شہد یہ کام بھی سرانجام دے دے گا۔

رہا داغ دینا، تو تمام مادی امراض یا تو حاد ہوتے ہیں، یعنی ایک نہ ایک سمت سریع الانتقال ہوتے ہیں، اس لیے اس میں ضروری ہیں اور یا مزمنہ ہوتے ہیں اور استفراغ کے بعد ان میں بہتر صورت یہ ہے کہ ان اعضاء میں داغ دیا جائے جہاں داغنا جائز ہو۔ کیونکہ مرض مزمنہ صرف بارد غلیظ مادہ سے ہوتا ہے جو عضو میں راسخ ہو جاتا ہے اور اس کا مزاج بگڑ جاتا۔ اور تمام جوہر جو اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسے بھی بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے عضو میں جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ داغنے کی وجہ سے یہ مادہ اس جگہ سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ جزو ناری میں ایسا اثر موجود ہوتا ہے اس مادہ کو فنا کر دیتا ہے۔ گویا اس حدیث سے ہمیں تمام مادی امراض کا علاج اور اصول علاج معلوم ہوگیا جیسے سادہ امراض کے علاج کا ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استنباط کیا تھا کہ بخار جہنم کی شدید گرم لپیٹ میں سے ہے۔ اس لیے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

حجامت یعنی پچھنے لگوانا

احادیث نبویؐ اور بیان احادیث

رہی حجامت۔ تو سنن ابن ماجہ میں حضرت جنادہ بن مغلس کی حدیث ہے۔ اور یہ کثیر بن سلیم سے ضعیف تر ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں شب اسراء کو جس جماعت کے پاس سے بھی گذرا۔ اس نے یہ کہا۔

اے محمدؐ اپنی اُمت کو حجامت کا حکم دیجیے!

اور جامع ترمذی میں یہ حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں۔

اے محمدؐ آپ پر حجامت لازم ہے"

اور صحیحین میں طاؤس کی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپؐ نے حجامت کرائی (سینگیاں لگوائیں) اور سینگیاں لگا دانے کو اجرت عنایت فرمائی۔

نیز صحیحین میں حمید الطویل سے بھی حضرت انسؓ کی روایت منقول ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو طیبہ نے سینگیاں لگائیں۔ اور آپؐ نے ان کے لیے دو صاع طعام دینے کا حکم دیا، اور انہوں نے اپنے موالی کے متعلق عرض کیا، تو آپؐ نے ان کا ٹیکس کم کر دیا۔ اور فرمایا بہترین علاج حجامت (سینگیاں لگوانا) ہے۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے، کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہتر بندہ سینگیاں لگانے والا ہوتا ہے۔ کہ خون نکلتا ہے۔ پیٹھ خشک ہوتی ہے اور بصارت میں جلا ہوتی ہے۔ اور فرمایا! سترویں۔ انیسویں تاریخ کا دن حجامت کے لیے بہتر ہے۔

اور فرمایا! سب سے بہتر علاج مسعوط۔ لدود۔ حجامت اور چلنا ہوتا ہے۔

حجامت کے کثیر فوائد ہیں۔

کیونکہ یہ فصد سے زیادہ ظاہر جلد کو (مادۂ امراض) سے پاک کرتی ہے۔ اور فصد بدن کے گہرے حصہ کے لیے زیادہ نافع ہے۔ اور حجامت جلد کے ظاہر حصہ سے اخراج دم کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حجامت اور فصد میں تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں اختلاف زمان ومکان عمر اور مزاج۔ گرم وسرد ممالک۔ اور گرم موسم اور گرم مزاجوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ گرم مزاج لوگ جن میں خون خوب نضج پاچکا ہوتا ہے۔ ان میں فصد کی نسبت حجامت زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ خون نضج پانے کے بعد ظاہر جلد کی طرف آچکا ہوتا ہے اس لیے فصد کی بجائے یہ خون آسانی سے نکل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بچوں اور ان لوگوں کے لیے جو فصد کے متحمل نہ ہوں یہ زیادہ فائدہ بخش ہے۔

اور اطباء نے فرمایا ہے کہ گرم ممالک میں فصد سے حجامت کرنا زیادہ مفید اور نافع ہے۔ اور مہینہ کے وسط میں یا زیادہ سے زیادہ مہینہ کے آخری تیسرے ربع میں مفید رہتا ہے۔ کیونکہ ابتدائے ماہ میں خون میں ہیجان اور نضج واقع نہیں ہوتا۔ اور بالکل آخر ماہ میں اکثر اوقات ساکن ہو چکا ہوتا ہے۔ البتہ وسط اور آخر کے حصہ میں غائت نضج کی حالت میں ہوتا ہے۔ ہر مخصوص (رگ) کی فصد کا ایک مخصوص فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ باسلیق کے فصد کرنے سے حرارت جگر وطحال اور اورام میں فائدہ مند ہے۔ جو ان دونوں میں اجتماع دم سے پیدا ہوں۔ نیز پھیپھڑے کے ورم میں بھی مفید ہے۔

اور شوصہ (دردِ پہلو) اور رفات الجنب اور تمام ان امراض میں فائدہ دیتا ہے جو گھٹنے سے نیچے سے لے کر سرین تک اجتماع دم سے پیدا ہوں اور اکحل کی فصد تمام بدن میں، اجتماع دم سے ہونے والے امراض میں مفید ہے۔

نیز اگر تمام بدن میں فسادِ خون ہو جائے تو بھی مفید ہے، اور قیفال کی فصد سر اور گردن کے ان امراض میں فائدہ مند ہے۔ جو کثرتِ خون یا فسادِ خون کے باعث پیدا ہوں۔ اور ودجین کی فصد تلی کے درد۔ دمہ فالج اور پیشانی کے درد کے لیے مفید ہے۔ اور کنپٹیوں پر سینگیاں لگوانا امراضِ سر اور اس کے اجزاء چہرہ دانت۔ کانوں۔ آنکھوں، ناک اور حلق کے لیے مفید ہے۔ اگر یہ امراض کثرتِ خون یا فسادِ خون، یا ان دونوں صورتوں کے باعث پیدا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنپٹیوں اور گدی پر سینگیاں لگوایا کرتے تھے۔

صحیح روایت میں ہے کہ آپؐ نے سر میں درد کے باعث حالتِ احرام میں سینگیاں لگوائیں۔

سننِ ابن ماجہؒ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورک (سرین) پر سینگیاں لگوائیں۔ کیونکہ آپؐ کو قدرے سستی سی تھی۔

اور گدی کے سوراخ پر یعنی کانوں کے پیچھے کی ہڈیوں پر سینگیاں لگوانے میں اطباء کا اختلاف ہے۔ ابونعیم نے کتاب الطب النبوی میں مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

نم پر محدوہ کی ہڈی پر سینگیاں لگوانا واجب ہے۔ کیونکہ یہ پانچ امراض میں شفا دیتی ہے۔ ان میں سے ایک جذام بھی ہے۔

ٹھوڑی کے نیچے سینگیاں لگوانا۔ دانتوں۔ چہرے اور گردن (حلقوم) کے لیے مفید ہے بشرطیکہ ٹھیک وقت پر استعمال کیا جائے۔ نیز سر اور جبڑوں کو

(فاسد مادوں) سے صاف کرتی ہیں۔ اور پاؤں کی پشت پر سینگیاں لگانا صافن رگ کی فصد کے قائم مقام ہے۔ یہ رگ ٹخنے کے قریب ہے اور اس پر سینگیاں لگوانا رانوں پنڈلیوں کے امراض، حیض کی بندش۔ اور انثیین کی خارش کے لیے مفید ہے۔

سینے کے نیچے حصہ پر سینگیاں لگوانا رانوں کے پھوڑوں سے۔ خارش اور پھنسیوں اور نقرس بواسیر، اور فیل پا اور پشت کی خارش کے لیے فائدہ بخش ہے۔

اوقات حجامت

جامع ترمذیؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت منقول ہے کہ بہترین دن جس میں تم سینگیاں لگواتے ہو وہ سترواں۔ انیسواں اور اکیسواں دن ہے۔

نیز اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کنپٹیوں اور گدی پر سینگیاں لگوایا کرتے تھے۔ اور آپؐ سترھویں۔ انیسویں اور اکیسوں تاریخ کو سینگیاں لگوایا کرتے تھے۔

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت انسؓ سے موقوف روایت ہے: جو سینگیاں لگوانا چاہے اسے سترھویں، انیسویں، اکیسویں تاریخ تلاش کرنا چاہیئے۔

سینگیاں کس دن لگوانی چاہئیں!

رہا، سینگیاں لگوانے کے لیے دنوں کا انتخاب! تو جامع خلالؒ میں ہے کہ ہمیں حرب بن اسماعیل نے بتایا کہ میں نے احمدؒ سے دریافت کیا کہ آپ کسی مخصوص دن سینگیاں لگوانا، مکروہ بھی سمجھتے تھے۔

انہوں نے فرمایا! ایسی بات بدھ اور ہفتہ کے متعلق منقول ہے۔

اور حسین بن حسان سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے ابو عبداللہؒ سے سینگیاں لگوانے کے متعلق دریافت کیا کہ آپ کس دن انہیں مکروہ سمجھتے تھے، ؟

انہوں نے فرمایا کہ ہفتہ اور بدھ کے دن!

بعض جمعہ کے دن بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ اور خلالؒ نے ابو سلمہؓ اور ابو سعید

منقری سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو بدھ یا ہفتہ کو سینگیاں لگوائے اور اسے سفیدی یا برص کا مرض لاحق ہو جائے۔ تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

خلالؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں محمد بن علی بن جعفر نے بتایا۔ کہ یعقوب بن بختان بتاتے ہیں۔ کہ احمدؒ سے ہفتہ اور بدھ کے دن نورہ اور سینگیاں لگوانے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے اسے مکروہ خیال فرمایا۔ اور بتاتے ہیں کہ مجھے ایک آدمی کے متعلق معلوم ہوا۔ کہ اس نے بدھ کے روز نورہ لگایا اور سینگیاں لگوائیں تو اسے برص کا مرض لاحق ہو گیا۔

میں نے جواب دیا کہ اس نے حدیث کو خفیف سمجھا۔ اس نے کہا: ہاں!

اور دارقطنیؒ کی کتاب الافراد میں حضرت نافع کی حدیث منقول ہے کہ مجھ پر خون کا غلبہ سا ہو رہا ہے۔ اس لیے کوئی ایسا حجّام (سینگیاں لگانے والا) تلاش کیا جائے جو نہ چھوٹا ہو اور نہ بہت بوڑھا ہو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ کہ سینگیاں لگوانا حافظ والے کی قوت یا حافظہ اور عاقل کی عقل بڑھاتی ہے۔ اس لیے اللہ کا نام لے کر سینگیاں لگواؤ۔ اور جمعرات۔ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو سینگیاں لگواؤ۔

(بلکہ) دو شنبہ کے دن سینگیاں لگواؤ۔ اور برص اور جذام تو بدھ کے روز ہی نازل ہوا ہے۔

دارقطنیؒ فرماتے ہیں۔ کہ زیاد بن یحییٰ اس روایت میں متفرد ہیں۔

ابو ایوبؒ نے حضرت نافعؓ سے نقل کیا ہے: اور فرمایا ہے۔

پیر اور منگل کو سینگیاں لگواؤ۔ اور بدھ کو سینگیاں مت لگواؤ۔

سنن ابو داؤدؒ میں حضرت ابی بکرہؓ کی حدیث مروی ہے: کہ وہ منگل کو سینگیاں لگوانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

منگل کا دن خون کا دن ہوتا ہے۔ اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے۔ کہ جس کے اندر خون نہیں تھمتا۔

احادیث ماثورہ کے مسائل مستنبط

اور ان گذشتہ احادیث کے ضمن سے میں علاج معالجہ اور حجامت کا استحباب بھی معلوم ہو گیا۔ اور یہ کہ یہ تقاضائے حال کے مطابق ہونا چاہئے۔

نیز محرم کے سینگیاں لگوانے کا جواز معلوم ہو گیا۔ اگرچہ وہاں سے بال کاٹنے پڑیں یہ سب جائز ہے رہا اس پر فدیہ دینا یہ مختلف فیہ ہے۔ وجوب (فدیہ) نیز فوری اور محرم صائم کی حجامت کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت صوم میں سینگیاں لگوائیں۔ لیکن کیا اس سبب سے وہ مفطر قرار دیا جائے گا۔ یا نہیں؟[1] یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ اور صائب خیال یہ ہے کہ حجامت سے اسے مفطر سمجھا جائے گا، کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی تعارض کے صحت کے ساتھ ثابت ہے۔

نیز اس سے سینگیاں لگانے کے کاروبار سے کمانا بھی جائز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ حرام سمجھے بغیر اجیر پر اس کمائی کا کھانا مناسب نہیں۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اجرت دی ہے۔ اور اسے اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا۔ اور خبیث قرار دینا ایسا ہی ہے، جیسے پیاز اور لہسن کو خبیث قرار دیا۔ اور ان الفاظ سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی؟۔

---

[1] یعنی روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟

قطع عروق اور داغ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیبہ

صحیح روایت میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابیؓ بن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا۔ اس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی اور پھر اس پر داغ دیا۔

اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو اکحل میں تیر لگا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر داغ دیا۔ پھر ورم ہو گیا آپؐ نے داغ دیا۔

اور افضل بن دکین فرماتے ہیں کہ ہمیں سفیانؓ سے انہیں ابی زبیرؓ سے انہیں حضرت جابرؓ سے روایت پہنچی۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اکحل پر داغ دیا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ انہیں ذات الجنب کے مرض میں داغ دیا گیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم حیات تھے۔

اور ترمذیؒ میں حضرت انسؓ سے منقول ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسعدؓ بن زرارہ کو کانٹا لگ جانے پر داغ دیا۔

اور متفق علیہ حدیث گذر چکی ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ کہ میں داغ دوں اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں۔ کہ میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔

اور جامع ترمذیؒ وغیرہ میں حضرت عمرانؓ بن حصین سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے داغنے سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا، پس ہم مبتلا ہوئے تو ہم کامیاب نہ ہوئے اور نہ فلاح پا سکے۔

اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں۔ کہ ہمیں داغنے سے منع کیا گیا۔
اور صحیح روایت میں اس حدیث سے ثابت ہے، کہ ستر ہزار لوگ ایسے ہوں گے۔ جو کہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے کہ نہ وہ جھاڑ کرواتے تھے۔ اور نہ داغ لگواتے تھے۔ اور نہ ہی فال لیتے تھے۔ وہ صرف اپنے پروردگار پر توکل کرتے تھے۔

پس احادیث در داغنے کی احادیث، چار انواع پر مشتمل ہو گئیں۔
ایک تو اس کے فعل پر۔
دوسرے عدم محبت پر۔
تیسرے اس کے تارک کی تعریف پر۔
چوتھے اس کی ممانعت پر۔
اور بحمد اللہ تعالیٰ ان میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس کا فعل اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ اور عدم محبت ممانعت پر دال نہیں۔ اور اس کے تارک کی ثناء و مدح اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ترک اولیٰ و افضل ہے، اور اس کی ممانعت اختیار و کراہت کا طریقہ ہے، یا ایسی نوع مراد ہے جس کی احتیاج نہیں، بلکہ محض اندیشہ کے پیش نظر داغنا ہے۔

مرگی کا مرض

یہ ارواح کا نتیجہ بھی ہوتا ہے اور مرض کا بھی

صحیحین میں حضرت عطاء بن ابی رباح کی حدیث منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ بتلاؤں؟

میں نے عرض کیا: ہاں۔ ضرور بتایئے!

آپؓ نے فرمایا: یہ سیاہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی! مجھے مرگی کا مرض ہے۔ اور بعض اوقات میرا پردہ کھل جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی سے (میری صحت) کے متعلق دعا فرمایئے۔

آپؐ نے فرمایا: اگر تم چاہو، تو صبر کرو۔ اور تمہارے لیئے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی تمہیں صحت دے دے۔

وہ کہنے لگی۔ میں صبر کروں گی! لیکن میرا پردہ کھل جاتا ہے۔ آپ یہ دعا فرمایئے۔ کہ میرا پردہ نہ کھلے۔

آپؐ نے اس کے لیئے دعا فرمائی۔

میں کہتا ہوں کہ مرگی کے دورے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ارواح خبیثہ ارضیہ

کے باعث اور دوسرے اخلاطِ ردیّہ کے باعث۔ دوسری قسم کے اسباب وعلاج کے متعلق اطباء کلام کرتے ہیں۔ رہے ارواح خبیثہ کی وجہ سے تو بڑے بڑے دانشور اور عقلا بھی اسی قسم کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔ اور سمجھتے ہیں، کہ اس کا علاج ارواح علویہ ہی سے ممکن ہے۔ جو ارواح شریرۃ خبیثہ کا مقابلہ کریں، اور ان کے افعال کا مقابلہ کر کے انہیں باطل کر دیں۔

بقراط نے اپنی بعض کتب میں اس پر بحث کی ہے۔ اور مرگی کے علاج کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے: کہ یہ علاج صرف ایسی مرگی میں فائدہ بخش ہے جس کا سبب اخلاطِ رو یہ اور مادہ فاسدہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ مرگی جو ارواح کے باعث ہوتی ہے اس میں یہ علاج نافع نہیں۔

البتہ جاہل اطباء اور پست قسم کے لوگ اور وہ جو زندیقیت کو افضلیت قرار دیتے ہیں وہ ارواح کو مرگی کا سبب ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ یہ بھی مریض کے جسم میں اثر کرتے ہیں۔ ان کے پاس سوا جہالت کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ ورنہ ہم دیکھ ہی رہے ہیں، کہ طب میں اس علاج کے سلسلہ میں کوئی کامیاب چیز نہیں ملتی۔ اور حس و وجود بھی اس کا مشاہد ہے اور قدماء اسے مرضِ الٰہی کا نام دیا کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ یہ ارواح کا کارنامہ ہے۔

اس کا علاج دو وجوہ پر ہو سکتا ہے۔

ایک مریض کی جانب سے دوسرا معالج کی جانب سے۔ مریض کی جانب سے یہ ہے کہ وہ ان ارواح کے پیدا کرنے والے کی طرف صدق دل سے توجہ پوری قوت سے مبذول رکھے۔ اور صحت کے ساتھ تعوذ اختیار کرے۔ کیونکہ جب ان دونوں میں کوئی بھی ختم ہوا تو اسے کسی قسم کا ہتھیار کام نہ دے گا۔ اب ذرا اس حالت کا اندازہ کیجئے۔ کہ جب دونوں ہی رہیں۔ یعنی دل توحید، توکل تقویٰ، اور انابت سے بالکل خالی ہے، اور اس کے مقابلہ کے لیئے کوئی ہتھیار نہیں۔

دوسرے معالج کی جانب سے اس میں یہ دونوں امور پائے جانے ضروری ہیں

اور بعض معالجین کی جانب سے اس قدر کہہ دینا ہی کافی ہوتا "اس سے نکل جا"، یا "بسم اللہ" یا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "اے اللہ کے دشمن نکل جا"، میں اللہ کا رسول ہوں۔

اور اکثر اوقات آفت زدہ کے کان میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔

اور مجھے بتایا گیا۔ کہ ایک بار ایک مریض کے کان میں یہ آیت پڑھی گئی۔ تو روح کہنے لگی۔ ہاں! اور طویل آواز نکالی۔

شیخ کہتے ہیں۔ کہ میں نے ڈنڈا پکڑ لیا اور اس کی گردن پر مارا۔ حتیٰ کہ مار مار کے میرے ہاتھ تھک گئے اور حاضرین کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ اس مار پیٹ سے ضرور مر جائے گا۔ چنانچہ مار کے دوران وہ روح بول اٹھی۔ اور کہا۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا۔ لیکن اسے تم سے محبت نہیں۔

وہ کہنے لگی، میں اس کے ہمراہ حج پر جانا چاہتی ہوں، میں نے کہا، لیکن وہ تیرے ہمراہ حج پر جانا نہیں چاہتا۔

پھر کہنے لگی! اچھا۔ میں تیری عزت کی خاطر اسے چھوڑتی ہوں۔

راوی کہتے ہیں۔ کہ میں نے کہا: نہیں۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی خاطر!

آخر اس نے کہا:

میں جاتی ہوں راوی کہتے ہیں کہ مریض بیٹھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ حضرت شیخ کیسے تشریف لائے!

لوگوں نے کہا۔ اور یہ جو مار پڑی ہے! اس نے کہا: حضرت شیخ نے مجھے کس جرم میں مارا؟ حالانکہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور اسے محسوس بھی نہیں ہوا۔ کہ اسے چوٹ لگی ہے۔ اور آیۃ الکرسی سے اس کا علاج کیا جاتا تھا۔

اور آفت زدہ کو بھی اس کا ورد رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور معوذتین پڑھنے کا بھی

کہا کرتے۔ الغرض مرگی کی اس قسم اور اس کے علاج کا صرف وہی انکار کرتا ہے۔ جو بے عقل اور بے علم و معرفت ہوتا ہے اور ان پر ارواحِ خبیثہ کا تسلط زیادہ تر کمی دین کی وجہ سے اور اس وجہ سے واقع ہوتا ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ و ذکر نبوی اور ایمانی اوراد سے زبان و قلب کے ہٹ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس حالت میں ارواح خبیثہ انسان سے اس طرح دوچار ہوتی ہیں۔ کہ وہ بے ہتھیار ہوتا ہے اور گاہے گاہے وہ عریاں ہوتا ہے۔ (اور اس حالت میں آسیب لاحق ہو جاتا ہے)۔

مرگی کا سبب اور علاج

دُعا کا اثر دوا سے زیادہ کارگر ہوتا ہے

رہی صرع اختلاط: تو یہ ایک ایسا مرض ہے جس سے اعضائے بدن افعال وحرکت سے نامکمل حالت تک ناکام رہتے ہیں اس کا سبب نرج قسم کی خلطِ غلیظ ہے۔ جو بطون دماغ کے منافذ میں سدّہ پیدا کردیتی ہے، اس وجہ سے حس وحرکت کا اعضائے نفیسہ میں نفوذ کم ہوجاتا ہے۔ البتہ مکمل انقطاع واقع نہیں ہوتا اور گاہے گاہے اس کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں۔ ریح غلیظ جو منافذ روح میں حبس پیدا کردیتی ہے، یا بخار آدمی کے دماغ میں انقباض پیدا کردیتا ہے جس کے باعث وہ مادہ موذیہ کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ نتیجۃً اعضاء میں تشنج پیدا ہوجاتا ہے پھر مادہ موذیہ کو دور کرنے کے لیے دماغ میں انقباض واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد انسان سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا بلکہ گرجاتا ہے۔ اور اس کے منہ سے بکثرت جھاگ خارج ہونے لگتا ہے، اور یہ علت جملہ امراض مادہ میں وقت وجود کے اعتبار سے شمار ہوتی ہے، اور جملہ امراض مزمنہ میں زیادہ مدت تک قائم رہنے کے باعث شمار ہوتی ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ مریض کی عمر

پچیس سال کی ہو گئی ہو، اور یہ مرض دماغ خصوصًا جوہر دماغ، میں ہوتا ہے اسی لیئے اس حالت میں صرع کا وقوع ایک لازمی امر ہے۔

بقراط کہتا ہے کہ ایسے لوگوں میں مرگی کا مرض موت تک قائم رہتا ہے۔ ایسا ہی اس مرگی زدہ عورت کا قصہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آتا ہے۔ کہ اسے مرگی کا دورہ پڑتا تھا اور اس کا پردہ کھل جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا مرض اسی نوع سے تعلق رکھتا ہو چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض پر شاکر رہنے کی وجہ سے اسے جنّت کی خوش خبری دی۔ اور اس کا ستر نہ کھلنے کی دعا فرمائی۔ اور اسے صبر اور جنّت یا صحت کی دعا کا بغیر جنت کی ضمانت کے اختیار دیا۔ چنانچہ اس نے جنّت اور صبر کو اختیار کر لیا،

اور اس واقعہ میں ترک معالجہ اور دوا کے نہ کرنے کا جواز بھی ملتا ہے۔ اور دعاؤں، اور اللہ کی جانب توجہ کرنے میں ارواح کا علاج ایسے طریق پر موثر ہے کہ دوسری صورتوں میں ناممکن ہے۔ اور بدنی ادویہ اور انفعالات طبعیہ کی بجائے ان ادعیہ کا اثر اور فعل زیادہ نافع ہوتا ہے۔

ہم نے اور ہمارے سوا کئی عاقل طبیبوں نے بارہا آزمایا، اور وہ اس بات کے معترف ہیں کہ شفاء امراض میں ان کی قوت نفسیہ عجیب اثر رکھتی ہے، اور زنادقہ جہلاء اور سفہاء سے زیادہ کوئی نقصان دہ عنصر نہیں۔ اور ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس عورت کا مرض اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ارواح کی یہ کار فرمائی ہو، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبر کرنے اور جنت حاصل کرنے یا صحت کی دعا کے درمیان اختیار دیا۔ اس نے صبر اور پردہ کو اختیار کیا۔

عرق النساء

لغت اور طب کی رُو سے مرض کی تشریح و علاج

سنن ابن ماجہؒ میں محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے انھیں انسؓ بن مالک سے روایت پہنچی۔ کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ عرق النساء کا علاج یہ ہے کہ اعرابی بکری کے پچھلے حصّہ کو پکا کر کھلا دیا جائے۔ پھر اس کے تین حصّے کیے جائیں۔ پھر ہر روز اس کا ایک حصّہ پیا جائے۔

عرق النساء ایک ورد ہوتا ہے جو سرین کی ہڈی سے شروع ہو کر پنڈلی کی پچھلی جانب سے نیچے اترتا ہے اور اکثر اوقات ٹخنے تک جا پہنچتا ہے، اور جوں جوں وقت گزرتا ہے اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ران اور ٹانگ میں کمزوری محسوس ہوتی ہے۔

اس حدیث میں لغوی اور طبی دونوں مطالب پائے جاتے ہیں۔ لغوی معنی اس مرض کو عرق النساء کہنے کی دلیل ہے۔ اور یہ رگ یعنی سرین کے جوڑ سے شروع ہوتی ہے۔ اور ٹخنے کے پیچھے پاؤں کے آخری حصّہ پر ختم ہوتی ہے۔ اور اس کا طبی مطلب گذر چکا ہے۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام دو انواع

پر مشتمل ہے۔ ایک ازمنہ۔ امکنہ اور اشخاص واحوال پر عام حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا ان امور میں یا ان میں سے بعض کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اور یہ اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ اہلِ عرب اہل حجاز اور ان کے آس پاس کے لوگوں بالخصوص اعراب سے تخاطب ہوتا ہے۔ اور یہ علاج دیگر معالجات کی نسبت ان کے لیئے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ یہ مرض یبوست کے باعث پیدا ہوتا ہے اور گاہے لزج قسم کے غلیظ مادّہ سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا علاج مسہلات سے ہوتا ہے اور سرین کی ہڈی میں نفخ اور تلقین کے دونوں خواص پائے جاتے ہیں۔ اور یہ مرض ان دونوں علاجوں کا محتاج ہوتا ہے۔

اعرابی بکری کا انتخاب اس وجہ سے ہے کہ اس میں فضولیات (مادہ ہائے خراب) کم پائے جاتے ہیں۔ اور اس کا جوہر لطیف ہوتا ہے۔ اور اس کی تخفیض یہ بھی ہے کہ یہ گرم جگہ کی جڑی بوٹیاں کھاتی ہے۔

اس مرض کو "عرق النساء" اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کرب میں انسان اس درد کے سوا سب کچھ بھول جاتا ہے!

خشکی طبع

تعریف، علاج اور تفصیلات

جامع ترمذیؒ سنن ابن ماجہؒ میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم کس دوا سے جلاب (تلیین) لیتی ہو؟
انھوں نے عرض کیا: شرم سے۔
آپؐ نے فرمایا: یہ گرم اور تیز ہے۔ پھر فرمایا، سنا کا جلاب لیا کرو، اور فرمایا:
اگر موت سے شفا ہوتی تو سنا ہی سے ہوتی۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں ابراہیم بن ابی عیلہؒ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن حرام کو فرماتے سنا۔ اور وہ ان میں سے تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دو قبلوں کی جانب نماز پڑھی ہے، (فرماتے تھے) کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ تم پر سنا اور سنوت کا استعمال واجب ہے کیونکہ سام کے سوا ان میں ہر مرض کی شفا پائی جاتی ہے۔
عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول سام کیا چیز ہوتی ہے؟

آپؐ نے فرمایا، موت!

رہی سنا۔ تو اس میں دو لغت ہیں۔ مد اور قصر کے ساتھ۔

یہ ایک حجازی بوٹی ہے۔ اور سب سے افضل مکی ہوتی ہے۔ اور یہ بہت ہی خوب قریب بہ اعتدال درجہ اول میں گرم خشک دوا ہوتی ہے۔ جو صفراء اور مواد کی مسہل ہے۔ قلب کو قوت دیتی ہے۔

اس میں بہت اعلیٰ خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ نیز وسواس سوداوی بدن میں شقاق کے مرض کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ عضلہ کو کھولتی۔ بالوں کو فائدہ دیتی ہے۔ اور جوں درد سر مزمن خارش۔ پھنسی پھوڑے اور مرگی میں مفید ہے۔ اس کا جوشاندہ پینا اسے کوٹ کر پینے سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ اس کی مقدارِ خوراک تین درہم تک ہے اور اس کے پانی کی مقدار خوراک پانچ درہم تک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گل بنفشہ۔ سرخ اور کشمش کو جوشاندہ میں ڈال لیا جائے تو یہ اس کی مصلح ہے

رازی کہتا ہے کہ سنا اور شاہترہ اخلاطِ محترقہ کے مسہل ہیں۔ اور خارش وجرب کو نافع ہیں۔ اور ہر ایک میں سے چار سے سات درہم تک مقدارِ خوراک ہے۔

رہی سنوت۔ تو اس کے معنی میں آٹھ اقوال ہیں۔

ایک، یہ شہد کا دوسرا نام ہے۔

دوسرا، یہ گھی کا گرم ہتلا رب ہے۔ اور گھی پر سے سیاہ خطوط کی شکل میں خارج ہوتا ہے۔

تیسرا، یہ کمون کی طرح حبوب ہوتے ہیں۔ اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔

چوتھا، یہ کمون کرمانی کا نام ہے۔

پانچواں ابو حنیفہ دینوری نے کسی اعرابی سے نقل کیا ہے۔ کہ یہ رازیانج ہے

چھٹا یہ سونف کا نام ہے۔

ساتواں یہ کھجور کا نام ہے۔ اسے ابو بکر بن سنی حافظ نے نقل کیا ہے۔

بعض اطباء کا کہنا ہے یہ مطلب معقول اور قرین صواب بھی معلوم ہوتا ہے کہ

سنا کو کوٹ کر اس شہد میں ملا دیا جائے۔ جس میں پہلے گھی ملا ہو۔ پھر اسے چٹا دیا جائے۔ اسے مفرداً استعمال کے بجائے یہی بہتر صورت ہے۔ کیونکہ شہد اور گھی میں سنا کی اصلاح اور اسہالی قوت میں اعانت کی تاثیر پائی جاتی ہے۔

ترمذیؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ بہتر علاج جو تم کرتے ہو وہ سعوط۔ لدود۔ سینگیاں لگوانا اور چلنا ہے۔ کیونکہ چلنے سے طبیعت میں مادہ خارجہ کو خارج کرنے کے لیے تلیین و اسہال کی قوت آجاتی ہے[1]

---

[1] ان احادیث اور طرق علاج کے سلسلہ میں دو باتیں بپیش نظر رکھنا چاہییں۔

۱۔ ان میں سے اکثر احادیث کا پایہ استناء اس معیار پر پورا نہیں اترتا جو بخاری و مسلم کا ہے، الا ماشاء اللہ۔

۲۔ جو طریق علاج آں حضرتؐ سے قطعی طور پر ثابت ہے اس کے درست اور بجا ہونے میں شبہہ نہیں، لیکن جس کی قطعیت ثابت نہ ہو اسے مقامی احوال پر محمول کیا جائے گا۔

جسم کی پاکیزگی

تدبیر — طریقہ — علاج

صحیحین میں حضرت قتادہؓ سے حدیث مروی ہے، انھیں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور حضرت زبیرؓ بن عوام کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور زبیرؓ بن عوام نے ایک غزوہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جوؤں کے متعلق شکایت کی۔ آپؐ نے انھیں ریشم پہننے کی اجازت دی۔ اور میں نے ان کے بدن پر (ریشم) دیکھا۔

اس حدیث میں دو امور کا ذکر ہوا ہے۔ ایک فقہی اور دوسرا طبی۔

فقہی تو یہ ہے کہ عورتوں کے لئے ریشم مطلقاً مباح ہے۔ اور کسی ضرورت یا مصلحت راجحہ کے سوا مردوں کے لیے حرام ہے۔ حاجت یہ ہے سخت جاڑا ہو اور اس کے سوا کوئی اور لباس مہیا نہ ہو۔ نیز خارش، حکۃ یا کسی مرض یعنی جوؤں کے لیے

اس کا استعمال جائز ہے۔ جیسے حضرت انسؓ کی مروی صحیح اس پر شاہد ہے۔
امام احمدؒ سے دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت میں اس کا جواز ملتا ہے اور امام شافعیؒ سے بھی دو اقوال میں سے زیادہ اصح قول میں ایسا ہی منقول ہے، کیونکہ اصل تو عدم تخصیص اور عدم رخصت ہے اور جب امت کے ایک حصہ پر کسی سبب سے اس کی رخصت ثابت ہو گئی تو یہ سبب جہاں بھی پایا جائے گا۔ عدم سبب کے باعث اس کا حکم بھی وہاں ضرور موجود ہوگا۔
اور امرِ طبی یہ ہے کہ ریشم حیوانی دواؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے بھی حیوانی ادویہ میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا مخرج ایک کیڑا ہے۔ اور اس میں کئی ایک فوائد ہیں۔ اس کے خواص میں دل کو تقویت دینا ہے یہ مفرح بھی ہے۔ اور کئی امراض میں نافع ہے۔ سرمہ لگایا جائے تو مقوی بصر بھی ہے اور خام حالت میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ درجہ اوّل میں گرم خشک ہے۔ ایک قول کے مطابق گرم تر ہے اور بعض کے نزدیک معتدل ہے۔
اگر یوں کہا جائے کہ جب ریشم کا لباس سب سے زیادہ معتدل اور بدن کے لیے زیادہ موافق ہے، تو شریعتِ کاملہ فاضلہ نے اسے مردوں کے لیے کیوں حرام قرار دیا؟ حالانکہ شریعت نے طیبات کو حلال کیا ہے اور صرف خبائث کو حرام کیا ہے۔
اس کا جواب یہ ہوگا کہ شریعت نے اسے اس وجہ سے حرام قرار دیا تاکہ نفوس اس سے رک جائیں۔ اور اللہ کی طاعت کی خاطر اسے ترک کر کے ثواب لوٹیں، اور یہ ضروری چیز ہے کہ انھیں اس کا صلہ ملے۔
بعض کہتے ہیں کہ (ریشم) اصل میں عورتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، جیسے سونا ان کے لیے زیور ہے۔ اور مردوں پر عورتوں سے تشابہ کی وجہ سے حرام کر دیا گیا۔
بعض کا قول ہے کہ اس میں فخر و غرور پایا جاتا ہے، اس لیے حرام ہے۔
اور نسائیؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث نقل کی ہے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے میری امت کی عورتوں کے لیئے ریشم اور سونا حلال کیا ہے اور مردوں پر حرام کر دیا ہے ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ:

میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا حرام کر دیا گیا اور عورتوں کے لیئے حلال کر دیا گیا۔

صحیح بخاریؒ میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر اور دیباج پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے۔

یہ ان (غیر مسلموں) کے لیے دنیا میں ہے اور تمہارے لیئے آخرت میں ہوگا۔

ذات الجنب

دوا ، معالجہ، کیفیت ، پرہیز

جامع ترمذیؒ میں حضرت زیدؓ بن ارقم کی حدیث مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ذات الجنب میں قسط بحری اور زیتون سے علاج کرو۔

اطباء کے نزدیک ذات الجنب کی دو انواع ہیں۔ نوع حقیقی اور نوع غیر حقیقی نوع حقیقی میں ورم حار ہوتا ہے جو پسلیوں کے ساتھ غشاء باطنی میں ایک پر لاحق ہو جاتا ہے۔ اور غیر حقیقی میں ریاح غلیظہ کے باعث پہلو میں نمونہ سا درد محسوس ہوتا ہے جو پردوں میں نفوذ کر آتا ہے۔

ذات الجنب حقیقی کا مماثل درد بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کے درد میں کھنچاؤ ہوتا ہے، اور حقیقی ذات الجنب میں (درد) کی حالت بہت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

ذات الجنب میں پانچ اعراض ضرور پائے جاتے ہیں۔ بخار۔ کھانسی، چبھنے والی درد تنگی تنفس اور نبض منشاری۔

حدیث میں جو علاج آتا ہے، وہ اس نوع کے لیے نہیں، بلکہ وہ دوسری نوع کے لیے ہے جو غلیظ ریح کے باعث پیدا ہوتا ہے کیونکہ قسط بحری دراصل عود ہندی ہوتی ہے، جیسے دوسری احادیث میں قسط ثانی کا ذکر ہے کہ جب اسے نرمی سے کوٹا جائے اور گرم زیتون کے ساتھ ملایا جائے اور ریح کی جگہ ملا جائے یا چٹایا جائے تو یہ اس کے لیے نافع ہوگی۔ اور مادے کو تحلیل کرکے مرض کو ہٹائے گی۔ نیز اعضائے باطن کو قوت دے گی اور سدوں کو کھول دے گی۔ عود مذکور میں اسی قسم کے فوائد ملتے ہیں۔

ذات الجنب حقیقی میں بھی قسط نفع بخش ہو سکتی ہے۔ اگر اس کا سبب بلغمی مادہ ہو۔ اور اس کا فائدہ انحطاط مرض کے وقت خصوصاً زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

ذات الجنب خطرناک امراض میں سے ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی حالت میں حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف رکھتے تھے جب افاقہ سا ہو جاتا، تو آپؐ باہر تشریف لاکر نماز پڑھاتے۔ اور جب تکلیف زیادہ ہو جاتی۔ تو آپ حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ شدّتِ درد کے باعث تکلیف زیادہ ہوئی۔

چنانچہ آپؐ کے پاس ازواجِ مطہراتؓ حاضر ہوئیں اور آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور ام فضلؓ بنت حرث اور اسماءؓ بنت عمیس بھی حاضر ہوئیں انھوں نے لدود دینے کا مشورہ کرکے وہ دوا دے دی، اس وقت آپؐ بیہوشی کے عالم میں تھے۔ جب آپؐ کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

یہ یہ کام کس نے کیا ہے؟

یہ ان عورتوں کا کام ہے جو وہاں سے آئی ہیں آپؐ نے ارض حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے یہ دوا دی تھی۔ انھوں نے عرض کیا اے

اللہ کے رسول ہمیں خیال تھا کہ شاید آپؐ کو ذات الجنب ہوگیا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، یہ دوا کس چیز پر مشتمل تھی؟

انھوں نے عرض کیا، عودِ ہندی، کچھ کسنبہ اور زیتون کے دو قطروں کے ساتھ

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ مجھ پر یہ مرض وارد نہ کرے گا۔ تم میں سے کوئی بھی دوا دینے والا میرے چچا عباسؓ کے سوا اس کمرہ میں نہ رہے۔

دردِ سر اور درد شقیقہ

کیفیت، اسباب، علامات، علاج

سنن ابن ماجہؒ میں حدیث منقول ہے، جس کی صحت مختلف فیہ ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی درد سر ہوتا تو آپؐ مہندی لگاتے اور فرماتے کہ اللہ کے اذان سے یہ صداع (دردِ سر) میں مفید ہے۔

صداع ایک ایسا مرض ہے کہ جس سے سر کے بعض حصّوں یا سارے سر میں درد ہو جاتا ہے۔

اور جو درد سر کے ایک ہی حصہ میں قائم ہو جائے اسے شقیقہ کہا جاتا ہے اور اگر سارے سر میں پھیل جائے تو اسے بیضہ اور خودہ کا نام دیا ہے کیونکہ اس کی (خود) سے مشابہت ہوتی ہے جو جنگ کے موقع پر پہنا جاتا ہے۔

گاہے گاہے سر کے پچھلے یا اگلے حصّہ میں بھی درد ہوتا ہے، اس کی کئی اقسام ہیں اور اس کے اسباب بھی مختلف ہوتے ہیں۔۔

ایک تو اخلاطِ اربعہ میں سے کسی خلط کا غالب آجانا، یہ چار اسباب ہوئے۔

پانچواں معدہ میں پھوڑوں کی وجہ سے کہ سر بھی اس ورم سے متاثر ہو کر دردناک

ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سر سے نیچے معدہ کی طرف جانے والے عصب آپس میں متصل ہیں
چھٹا معدہ میں غلیظ ریح کے باعث کہ وہ سر کی جانب صعود کر کے موجب صداع
ہوتی ہے۔

ساتواں عروقِ معدہ میں ورم کے باعث کہ معدہ کے اتصال کی وجہ سے سر میں
بھی درد ظاہر ہو جاتا ہے۔

آٹھواں استفراغ اور قے کے بعد یبوست یا معدہ سے بخارات چڑھنے کے
سبب سے سر درد لاحق ہو جاتا ہے

نواں شدتِ حرارت یا گرم ہوا کے باعث سر میں درد ہونے لگتا ہے۔

دسواں اعراضِ نفسانیہ، مثلاً غم، حزن و ملال۔ وساوس و افکار کے باعث درد سر
ہو جاتا ہے۔

گیارھواں دماغ کے پردے میں ورم آجانے سے درد ہونے لگتا ہے، اس
صورت میں مریض سمجھتا ہے کہ اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جا رہے ہیں۔

بارھواں، بخار میں شدتِ حرارت کے باعث سر میں درد لاحق ہو جائے واللہ اعلم
شقیقہ کا سبب وہ مادہ ہوتا ہے جو سر کی شریانوں میں واقع ہوتی ہے یا ان کے اندر
باہر سے آجاتا ہے۔ اس طرح جو حصّہ سر کمزور ہوتا ہے وہ اس سے متاثر ہو جاتا ہے
ابو نعیم نے کتاب الطب النبوی میں اس نوع کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس
نوع کا درد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاتا، تو ایک یا دو روز ٹھہرتا۔ اس میں حضرت
ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے
خطبہ دیا اور آپؐ کے سر پر پٹی بندھی تھی، اور صحیح روایت میں ہے کہ آپؐ نے مرضِ
وفات میں فرمایا:

اُف درد سر!

اور مرض کی حالت میں آپؐ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ اور درد شقیقہ اور سر کے
دوسرے دردوں میں سر پر پٹی باندھنا بہت ہی فائدہ بخش ہے۔

اس کا علاج اس اختلافِ انواع و اسباب کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ بعض میں استفراغ سے علاج کرنا پڑتا ہے اور بعض میں غذاء سے صحت ہو جاتی ہے۔ اور بعض حالت میں سکون و خاموشی سے آرام آجاتا ہے۔ بعض میں ضماد لگانے بعض میں تبرید اور بعض حالتوں کے اندر حرارت پہنچانے سے آرام آتا ہے۔ بعض صورتوں میں حرکات اور آوازوں کے سننے سے پرہیز کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس بحث سے خود ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ دردِ سر کے اندر مہندی سے علاج کرنا ایک جزوی علاج ہے، کلّی نہیں بلکہ صرف ایک ہی نوع کے لیئے مفید ہے کیونکہ جب دردِ سر حرارت زایدہ سے ہوگا، اور کوئی ایسا مادہ بھی نہ ہو کہ جس کا استفراغ ضروری ہو تو اس صورت میں مہندی بیّن فائدہ دے گی۔ اسے کوٹ کر سرکہ میں ملا کر پیشانی پر ضماد کرنے سے دردِ سر میں افاقہ ہوگا۔

امام بخاریؒ نے تاریخ بخاری میں بتایا ہے اور سنن ابی داؤدؒ میں بھی روایت ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب بھی دردِ سر کی شکایت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا، سینگیاں لگواؤ، اور جب بھی کسی نے پاؤں کے درد کی شکایت پیش کی، تو فرمایا، مہندی لگاؤ۔

جامع ترمذیؒ میں سلمی ام رافعؓ خادمہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی پھوڑا پھنسی ہوتا یا کانٹا چبھ جاتا تو آپ اس پر مہندی لگاتے۔

حنا (مہندی)

فوائد، طریق استعمال، اثرات

مہندی درجہ اوّل میں سرد، درجہ دوم میں خشک ہے، اس کے فوائد یہ ہیں کہ محلل ہے اور آگ سے جلنے میں نافع ہے۔ نیز اس کو اگر عصب پر (پٹھوں پر) ضماد کیا جائے تو مقوی اعصاب بھی ہے اور قروح (زخم) فم اور سلاق (مسوڑھوں کے زخم) مرض میں اس کا چبانا فائدہ بخش ہے، بچوں کے قلاع (منہ آجانا) کے مرض کو فائدہ دیتی ہے اس کا ضماد کرنا ورم حار کو نافع ہے۔ زخموں میں اس کی تاثیر دم الاخوین سے مشابہ ہے اور جب اسے موم مصفی۔ اور روغن گلاب میں آمیز کر دیا جائے۔ تو یہ پسلی کے درد میں فائدہ دیتی ہے۔ نیز جب بچے میں جدری (چیچک) کا مرض ظاہر ہو۔ تو اس کو پاؤں کے تلوؤں پر لگانے سے اس کی آنکھوں میں کوئی دانہ نہیں نکلتا اور آنکھیں محفوظ رہتی ہیں۔ اور یہ مجرب ہے اور جب اس کا سفوف کپڑوں کی تہوں میں ڈال دیا جائے تو ان میں خوشبو پیدا کرتی ہے، نیز جون سے حفاظت کرتی ہے۔ اور جب اس کے پتوں کو آب شیریں میں رکھا جائے۔ پھر نچوڑ لیا جائے اور یہ مصفا پانی چالیس روز تک روزانہ بیس درہم کی مقدار میں دس درہم

شکر ملا کر پیا جائے اور ساتھ ہی مریض کو چھوٹی بھیڑ کا گوشت کھلایا جائے، تو جذام کی ابتدائی حالت میں حد درجہ عجیب اور اثر انگیز طور پر نفع بخش ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی کی انگلیوں کے ناخن پھٹ گئے اور اس نے امکان بھر ہر طرح کا علاج کیا، مگر لاحاصل، آخر ایک عورت نے اسے بتایا کہ وہ دس روز تک مہندی کا پانی پیئے۔ اس نے طریق مذکورہ پر پانی پیا، اور صحت یاب ہو گیا اور اس کے ناخن دوبارہ صحت مند ہو گئے۔

مہندی بالوں کو اگاتی، انہیں قوت وحسن دیتی اور سر کو قوت دیتی اور پنڈلیوں ٹانگوں اور تمام پھوڑے پھنسی سے محفوظ رکھتی ہے۔[1]

---

[1] مہندی کے فوائد طب جدید نے یعنی ڈاکٹروں نے بھی تسلیم کیے ہیں اور کوئی شبہہ نہیں یہ فوائد بے شمار ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ان طبی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں اشیائے مقررہ کے خواص تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

علاج اور تیمارداری

دورانِ علالت مریضوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟

جامع ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ میں حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو۔ کیونکہ اللہ عزوجل انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔

بعض فاضل اطباء کا قول یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سراسر مبنی بر مصلحت ہے، خصوصًا اطباء کے لیئے اور ان کے لئے جو معالجات کے پیشہ سے متعلق ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مریض جب کھانا یا پینا چھوڑ دیتا ہے تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ یا تو طبیعت مرض کو دفع کرنے میں مصروف ہوتی ہے۔ یا خواہش کی کمی یا اس کا یکسر فقدان اس کا موجب ہوتا ہے کیونکہ حرارتِ غریزہ ضعیف ہوتی، یا قریب قریب سرد ہو جاتی ہے۔ بہرحال جو بھی حالت ہو، اس حالت میں مریض کو کھانا دینا مناسب نہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ بھوک کا مطلب یہ ہے کہ اعضائے بدن بدل ما یتحلل کے

باعث غذا کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس طرح غذا کی خواہش (بھوک) ہوتی ہے اور اگر مرض موجود ہو تو طبیعت دفع مرض اور مادہ مرض کے نضج واخراج میں پوری سرگرمی دکھانے لگتی ہے۔ اس لیئے طلب غذا، اور پانی سے رک جاتی ہے۔ اب اگر مریض کو کھانے پر مجبور کیا جائے تو طبیعت کے فعل (شانی) میں تعطل واقع ہو جائے گا۔ اور اسے ہضم کرنے میں مصروف ہو جانا پڑے گا۔ اس طرح مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ لاحق ہو گا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ گاہے گاہے مریض کو کھانے اور پینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ معاملہ ان امراض میں ہوتا ہے جہاں عقل بھی مختل ہو چکی ہو۔ اس بنا پر یہ حدیث عام، مخصوص، یا مطلق، ہوگی، جس کی تقیید دلیل اور معنی دونوں سے ثابت ہے، یعنی حدیث کا مطلب یہ ہوگا، کہ مریض کچھ عرصہ تک غذا کے بغیر بھی گذار سکتا ہے اور تندرست آدمی اس طرح گذارا نہیں کر سکتا۔ اور مریض کا اللہ کی جانب سے تغذیہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اطباء نے تغذیہ بالدم کا ذکر کیا ہے۔ اور بہ نصرت اللہ عز وجل کے سامنے اس کے ضعف وعجز کے مطابق ہوتی ہے جب اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور پروردگار کی رحمت اس کے قریب ہوتی ہے اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہوگا تو اسے اغذیہ قلبی مرحمت ہوں گی، جن سے اس کی طبیعت کو قوت اور انبساط کی نعمت حاصل ہوگی۔ اس طرح اسے بدنی اغذیہ کی نسبت زیادہ فرحت حاصل ہوگی اور جس قدر اس کا ایمان قوی ہوگا اسے اپنے پروردگار سے محبت ہوگا اور انس و فرحت کی نعمت سے بہرہ ور ہوگا، اور اپنے رب پر یقین اس کی رضا ولقاء کا شوق وذوق قوی رکھتا ہوگا۔ اسی قدر اپنے طب میں اس درجہ قوت محسوس کرے گا کہ اس کی تعبیر دشوار ہے۔ اور اطباء اسے محسوس کرنے اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔

جس کی طبیعت غلیظ ہو۔ اور وہ قوت ایمان اور تصدیق قلبی کے ادراک سے جاہل ہو وہ اس راز کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ ان عشاق کے حالات پر غور کیجیے

جو اپنے محبوب کی صورت یا جاہ یا مال یا علم پر فریفتہ ہوتے ہیں، عوام اس سلسلہ میں مختلف عجائبات دیکھتے ہی رہتے ہیں۔

اور صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ آپؐ کئی کئی روز تک صیام وصال رکھتے۔ اور اپنے صحابہؓ کو اس سے منع فرماتے، اور فرمایا کرتے کہ میری حالت تم جیسی نہیں۔ کیونکہ مجھے تو میرا پروردگار کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے۔ کہ یہ کھانا اور پینا حرام انسانوں کا کھانا اور پینا نہ تھا ورنہ صوم وصال قائم ہی نہ رہتا۔ اور سارا امتیاز ہی ختم ہو جاتا۔ بلکہ آپؐ صائم (روزہ دار) ہی شمار نہ ہوتے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے: میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور آپؐ نے اپنے اور صحابہؓ کے درمیان صومِ وصال سے فرق فرمایا ہے۔ آپؐ ایسے امور پر قادر تھے جن پر صحابہؓ کو قدرت حاصل نہ تھی۔ اور اگر آپؐ باقاعدہ منہ سے (مادی طور پر) کھانا کھاتے اور پانی پیتے۔ تو آپؐ یہ نہ فرماتے، کہ "میری حالت تمہاری طرح نہیں!"[1]

---

[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ کی غیر معمولی قوت برداشت عطائے الٰہی کا کرشمہ تھی، جس سے ہر شخص بہرہ ور نہیں ہو سکتا، اسی لیے آپؐ نے اندھا دھند لوگوں کو ایسی خیرات کے مظاہرہ سے منع فرمایا ہے۔

پھوڑے پھنسی

علاج — احتیاط — ادویہ

صحیحین میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ
"بہترین دوا جس سے تم علاج کرتے ہو، وہ سینگیاں لگوانا اور قسط بحری ہے اور اپنے بچوں کو عذرہ میں نشتر سے چھیڑ کر عذاب نہ دو۔"

سنن اور مسند میں انہی سے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث منقول ہے۔ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس ایک بچہ تھا۔ جس کے نتھنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیا بات ہے؟

عرض کیا گیا۔ اسے عذرہ کی تکلیف ہے یا اس کے سر میں درد ہے۔

آپؐ نے فرمایا: کتنے نا سمجھ ہو، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ جس عورت کے کسی بچہ کو عذرہ کا مرض ہو جائے یا اس کے سر میں درد ہو۔ تو وہ قسط مہندی لے۔ اور اسے پانی میں رگڑ لے۔ پھر اسے سعوط (ناک میں چڑھائے) کرائے۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہ نے اسے یہی حکم دیا۔ چنانچہ بچے کا اسی طرح علاج کیا۔ اور وہ صحت یاب ہو گیا

کہتے ہیں کہ عذرہ ایک پھوڑا ہوتا ہے کہ جو کان اور حلق کے درمیان نکلتا ہے۔ اس کی وجہ سے حلق میں خون جوش مارنے لگتا ہے۔ اور یہ مرض اکثر بچّوں کو لاحق ہوتا ہے۔ رہا پانی میں رگڑی ہوئی قسط سے اس کا نافع ہونا اس کی وجہ یہ ہے کہ عذرہ کا مادہ خون ہوتا ہے جس پر بلغم غالب آجاتا ہے اور قسط مجفف ہوتی ہے لہاۃ کو سخت کر کے اوپر اٹھا دیتی ہے۔ گا ہے گا ہے اس کا خوب فائدہ ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی اس میں گرم دوائیں براہ راست اور کبھی بالعرض فائدہ بخش ہوتی ہیں۔ اور صاحبِ قانون نے بھی سقوطِ لہاۃ (حلق کا کوّا گر جانا) اس کا علاج تحریر کیا ہے قسط کو شبِ یمانی اور دانہ مرو کے ساتھ ملاکر استعمال کرایا جائے اور حدیث میں جس قسط بحری کا ذکر کیا ہے۔ وہ عود ہندی ہے، اور اس کی سفید قسم شیریں ہوتی ہے۔ اس کے فوائد بھی زیادہ ہیں۔ اور عرب لوگ اپنے بچّوں کا علاج کوّے کے اپریشن اور علاق کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اور علاق ایک ایسی چیز ہے کہ جسے وہ بچّوں پر لٹکا دیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کام سے منع فرمایا۔ اور بچوں کے لیے زیادہ فائدہ بخش اور سہل تر نسخہ بتا دیا۔

قلبی بیماریاں

کھجوروں کے فوائد، منافع اور خواص

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے انہیں حضرت سعدؓ سے روایت پہنچی فرمایا۔ کہ میں بیمار ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی۔

آپؐ نے فرمایا: تجھے دل کا مرض ہے۔ اس لیے حرث بن کلدہ کے پاس جاؤ۔ جو بنو ثقیف میں سے ہے۔ اور علاج کرتا ہے، اسے چاہیئے کہ مدینہ کی سات عجوہ کھجوریں لے اور ان کی گٹھلیاں نکالے اور وہ تجھے دے۔

اور اس مرض میں کھجور ایک عجیب خاصیت رکھتی ہے، خصوصًا مدینہ کی کھجوروں میں اور بالخصوص کھجوروں کی نوع عجوہ میں تو یہ صفت بدرجہ تام ہوتی ہے، اور اس کی تعداد سات تک ہونا یہ وحی سے متعلق ہے۔

اور صحیحین میں حضرت عامر بن سعد ابی وقاصؓ سے مروی ہے۔ انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی، انھوں نے بتایا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو صبح کو ان میں سے سات کھجوریں کھالے۔ اسے اس روز کوئی زہر یا جادو نقصان نہ دے گا۔

کھجور دوسرے درجہ میں گرم اور درجہ اوّل خشک ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ اس میں رطوبت بھی پائی جاتی ہے۔ ایک قول کے مطابق معتدل ہے۔

کھجور میں صحت کی حفاظت کے لیے فاضل غذا پائی جاتی ہے۔ خصوصاً ان کے لیے (زیادہ مفید ہے) جو اسے اپنی غذا کا جزو بنا چکے ہیں، جیسے اہلِ مدینہ وغیرہ۔ اور تمام سرد ممالک یا ان گرم ممالک میں جہاں دوسرے درجہ کی گرمی پڑتی ہے یہ ایک عمدہ غذا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر اہل حجاز اور یمن اور طائف کے لوگ یا ان کے مشابہ آب و ہوا کے رہنے والے ایسی گرم غذائیں کھانے کے عادی ہیں جیسے کھجور، شہد وغیرہ۔

نیز ہم نے دیکھا ہے کہ وہ کھانوں میں مرچیں اور زنجبیل دوسروں کی نسبت دس گنا زیادہ ڈالتے ہیں اور دوسروں کے مقابلہ میں زنجبیل (سونٹھ) کو اس طرح کھاتے ہیں۔ جیسے حلوہ ہو۔ اور اہل مدینہ کے لیے کھجور گیہوں کے قائم مقام ہے یہی ان کی قوت، اور اناج ہے۔

تمر عالیہ کھجور کی تمام اقسام سے زیادہ بہترین ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ جسم کو قوی کرتی ہے لذیذ اور حد درجہ شیریں ہوتی ہے۔

کھجور غذا ہے اور دوا بھی ہے اور پھل بھی، یہ ہر جنس میں داخل ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ مفید ثابت ہوتی ہے، یہ حرارتِ عزیزی کو قوت دیتی ہے، دوسری غذا، رس اور پھلوں کے مقابلہ میں اس سے بہت کم فضلاتِ ردیہ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ جس کے بدن میں تعفن و فساد اخلاط اکثر ہو جاتا ہو۔ اس کی اصلاح کرتی ہے۔

سات کے عدد اور اس کے خواص

رہی سات عدد کی خاصیت۔ تو قدر و شرع ہر لحاظ سے یہ درست ہے کیونکہ

اللہ عزوجل نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں۔ ایام سات ہیں۔ اور انسان کا خلق سات اطوار میں ہوا۔ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں بھی سات تکبیریں ہوتی ہیں، اور اسی روز کے ستر ہزار آدمی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

الغرض سات کے عدد میں ایسے خواص ملتے ہیں جو دوسرے اعداد میں نہیں پائے جاتے۔ اور اطباء کو بھی لفظِ سات کے ساتھ مخصوص قسم کا تعلق خاطر ہوتا ہے بقراط نے کہا ہے کہ اس عالم میں ہر چیز سات اجزاء پر مقدر ہے۔ نجوم سات ہیں ایام سات ہیں لوگوں کی عمریں سات حصص میں منقسم ہیں۔

۱۔ پہلی طفلی سے سات برس تک۔

۲۔ پھر صبی سے چودہ برس۔

۳۔ پھر مراحق۔

۴۔ پھر شباب (نوجوان)

۵۔ پھر کہولت اوھیڑ عمری۔

۶۔ پھر شیخ (بوڑھا)

۷۔ پھر آخری عمر تک (بہت زیادہ بوڑھا)

اور اللہ تعالیٰ اس عدد کی تخصیص کے سبب میں اپنی حکمت و شرع سے خوب واقف ہے۔ کہ یہ اسی مطلب کے لیے ہے۔ یا کسی اور مطلب کے لیے! اگر بقراط اور جالینوس یا دوسرا کوئی طبیب اس علاقہ میں اس شہر میں اس عدد کے متعلق بتا دیتا۔ کہ کھجوروں کی یہ تعداد سحر (جادو) اور زہر خورانی میں نافع ہے تو اطباء فوراً پورے یقین و ایمان کے ساتھ قبول کر لیتے حالانکہ (اطباء) کے لیے مغالطہ کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔

کیونکہ ان کا قول محض ظنی اور تخمینی ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ کلام یقینی قطعی برہانی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ وحی پر مبنی ہوتا ہے اور وحی کو

قبول کرنا و تسلیم کرنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا زیادہ اَولیٰ اور لائق ہے۔ اور تمام ادویہ کبھی تو کیفیت کے اعتبار سے اثر کرتی ہیں۔ اور کبھی خاصیت کے لحاظ سے جیسے کئی قسم کے احجار اور جواہرات اور یاقوت وغیرہ۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ تمر مذکورہ کا اثر زہر کی بعض انواع پر ہو۔ تو اس صورت میں حدیث عام مخصوص ہو گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا اثر اس شہر یا اس زمین کی خصوصیات کے سبب سے ہو اور ہر قسم کے زہر پر شفا بخش اثر رکھتی ہو۔ لیکن اس موقع پر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مریض کی شفاء دوا کرنے اور اس کے نافع ہونے کا اعتقاد رکھنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ طبیعت جب پورے اطمینان سے دوا قبول کرے گی۔ تو وہ دفع مرض میں مدد دے گی۔

حتیٰ کہ کئی امراض محض اعتقاد اور حسنِ سلوک سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں نے اس سلسلہ میں کئی عجیب عجیب واقعات دیکھے ہیں۔ اور دوا و شفا میں جس چیز کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

نیز قلوب و ابدان حتیٰ کہ معاشی و معاد و دنیا و آخرت ہر جگہ اس کا اثر لازمی ہوتا ہے۔

وہ قرآن ہے۔

قرآن ہر مرض کی شفا ہے۔ لیکن ان قلوب پر آخر وہ کیوں شفا بخش اثر نہیں کرتا کہ جنہیں اس پر اعتقاد ہی نہیں۔ اور اس کی نافع حیثیت کے قائل ہی نہیں بلکہ ان کے مرض میں اضافہ ہی کرتا ہے۔

حالانکہ امراض قلب کے لیئے قرآن سے زیادہ شفا بخش کوئی نسخہ نہیں اس کی شفا بھی کامل اور اکمل ہوتی ہے۔ یہ کسی قسم کا مرض رہنے نہیں دیتا اور پھر صحت کی خوب حفاظت کرتا ہے اور ہر آفت اور مرض سے بچاتا ہے۔ اس کے باوجود اکثر قلوب کا اس سے اعراض اور اس پر پختہ اعتقاد نہ ہونا۔ اور اس

کا عدم استعمال۔ اور اس کی بجائے ان ادویہ کے پیچھے پھرنا۔ جو اس کے ہم جنسوں (آدمیوں) کی ایجاد ہیں۔ (اسی خرابی کے باعث) ہی ان کے اور شفا کے درمیان پردہ آجاتا ہے۔

چنانچہ امراض و تکالیف غالب آجاتی ہیں اور قلوب میں امراض مزمنہ لاحق ہوجاتے ہیں۔ مرض بڑھتے جاتے ہیں۔ اور اطباء اپنے ہم جنسوں کے علاج سے عاجز آجاتے ہیں۔ اور حالت یہ ہوجاتی ہے کہ مرض میں برابر اضافہ ہوتا جاتا ہے

ضرر اغذیہ کے دفعیہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

پھل اور ان کی اصلاح جس سے ان کی مضرت دور ہو جائے اور ان کا نفع پورا پورا حاصل ہو اسی سلسلہ میں صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی حدیث مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تر کھجور کے ساتھ ککڑی کھاتے دیکھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ موٹا ہونے کے لئے مجھے ہر چیز دی گئی۔ لیکن میں فربہ نہ ہوئی۔ آخر مجھے ککڑی اور تر کھجور دی گئی، جس سے میرے بدن پر موٹاپا آگیا۔ غرض حر کا گرم سے اور گرم کا سرد سے اور خشک کا تر سے اور تر کا خشک سے ضرر دفع کیا جا سکتا ہے اور ایک دوسرے کی ترکیب سے اعتدال کرنا یہ معالجات اور حفظانِ صحت کا ایک عمدہ طریقہ ہے، اس کی مثال پچھلے ابواب میں سنا اور سنوت کی ترکیب میں گذر چکی ہے۔ اور سنوت ایسے شہد کو کہتے ہیں جس میں اصلاح کے لئے گھی ملا دیا ہو۔ تاکہ اس سے سنا کی اصلاح اور تعدیل ہو سکے۔ پس اس ذات پر اللہ کا صلوٰۃ و سلام ہو۔ جسے قلوب و ابدان کے علاج اور مصالح دنیا و آخرت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا۔

پرہیز اور احتیاط

پرہیز کے اقسام اور ان کے اثرات ونتائج

علاج دراصل پرہیز اور حفظ صحت کا نام ہے۔

اور جب کسی طرح کی گڑبڑ ہوجاتی ہے تو مناسب استفراغ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ایسے ہی قواعد پر تمام طب کا مدار ہے۔

پرہیز کے دو اقسام ہیں۔

۱۔ ایک مرض پیدا کرنے والی بات سے پرہیز۔

۲۔ اور دوسرے اس بات سے پرہیز جو مرض میں اضافہ کا سبب بن سکتی ہے۔

پہلا پرہیز تندرست لوگوں کے لیئے ہے۔ اور دوسرا مریضوں کے لیئے۔ چنانچہ مریض جب پرہیز شروع کردیتا ہے تو اس کا مرض زیادہ بڑھنے سے رک جاتا ہے۔ اور دفع مرض میں (طبیعت) کو قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ اور پرہیز میں اللہ کا فرمان ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

یعنی اور اگر ہو تم مریض یا سفر پر یا آئے تم میں سے کوئی پاخانہ سے یا چھوا تم عورتوں کو اور نہ پاؤ پانی تو تیمم کرو پاکیزہ مٹی سے۔

چنانچہ اس میں مریض کے لیے پانی کے استعمال سے پرہیز کا حکم ہے۔ کیونکہ اس حالت میں پانی اسے ضرر دے گا۔

اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت ام منذر بنت قیس انصاریہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا، ان کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے اور مرض کی وجہ سے حضرت علیؓ کمزور ہو چکے تھے۔ ہمارے یہاں دوال (سیاہ انگور) لٹک رہے تھے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر اس میں سے کھانے لگے، اور حضرت علیؓ بھی اٹھے وہ بھی کھانے لگے۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: تم کمزور رہو۔ انھوں نے ہاتھ روک لیا۔

فرماتی ہیں کہ میں نے جو اور شہد کو آمیز کیا۔ میں اسے لے کر حاضر ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ زیادہ درست ہے۔ کیونکہ یہ تمہارے لیئے نافع ہوگا ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ یہ زیادہ درست ہے یہ تمہارے زیادہ موافق ہوگا۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت صہیبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کے سامنے روٹی اور کھجور تھی آپؐ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ۔ میں نے کھجور لی اور کھانے لگا۔

آپؐ نے فرمایا: تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہیں آشوب (چشم) ہے۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں دوسری جانب سے کھا رہا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا:

علاج اور پرہیز سے متعلق

معلومات ضروریہ اور نافعہ

جن سے مریض اور تندرست کو ضروری طور پر پرہیز کرنا چاہیئے۔ جب اس کی خواہش ہو اور طبیعت کا اس طرف میلان ہو۔ اس وقت اگر اسقدر کھالے۔ جس کو ہضم کرنے سے طبیعت عاجز نہ آجائے تو اس میں کوئی ضرر نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ کیونکہ طبیعت اور معدہ (اسقدر خوراک) کو خواہش سے قبول کرتے ہیں۔ اس لیئے ضرر سے تحفظ ہوجاتا ہے، اور گاہے گاہے باوجود طبیعت کی کراہت کے غذا کا کھانا نافع ہوتا ہے۔ اسی باعث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رض کو تھوڑی سی کھجوریں کھا لینے سے منع نہیں فرمایا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ قلیل مقدار میں کوئی مضرت نہیں۔

اسی طرح حضرت علی رض کے متعلق مروی ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت علی رض آئے۔ انہیں آشوب چشم تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھجوریں تھیں۔ جنہیں آپ کھا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے علی کھاؤ گے؟ یہ کہہ کر ایک کھجور ان کی طرف پھینکی۔ پھر دوسری اس طرح سات کھجوریں مرحمت فرمائیں پھر فرمایا! اے علی اسی قدر کافی ہیں۔

نیز اسی طرح سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عکرمہؓ کی حدیث منقول ہے جو انہیں حضرت ابن عباسؓ سے ملی۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی عیادت فرمائی، اور اس سے دریافت فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا؛ میں گندم کی روٹی چاہتا ہوں۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں، کہ میں پراٹھا چاہتا ہوں؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کے پاس گندم کی روٹی ہو اسے چاہئیے کہ اپنے بھائی کے پاس بھیجے۔ پھر فرمایا؛ جب مریض کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے کھلادو۔

اس حدیث میں ایک لطیف طبی راز ہے۔ کیونکہ مریض طبعی اور سچی بھوک کے ساتھ جو چیز بھی کھائے گا۔ اس کا ضرر بھی نفع میں بدل جائے گا۔ اور اگر بغیر اشتہا کے کھائے گا تو اس کا نفع بھی ضرر بن جائے گا۔ کیونکہ جوع صادق کی وجہ سے طبیعت ضرر کو از خود دور کر دیتی ہے۔

آشوبِ چشم

سکون، ترکِ حرکت اور پرہیز

اس سے قبل گزر چکا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیبؓ کو کھجوروں کے استعمال سے منع فرما دیا۔ جب انہیں آشوبِ چشم کی تکلیف تھی۔ نیز آشوب کی حالت میں حضرت علیؓ کو تر کھجوروں سے منع فرما دیا۔ اور ابونعیم نے کتاب الطب النبوی میں لکھا ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے جسے بھی آشوبِ چشم کی تکلیف ہوتی۔ آپؐ ان کے پاس تشریف نہ لاتے حتیٰ کہ وہ صحتیاب ہو جاتیں۔ آشوب ایک گرم ورم ہوتا ہے۔ جو آنکھ کے طبقہ ملتحمہ میں لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ اوپر کا سفید حصّہ ہوتا ہے۔ اس کا سبب اخلاطِ اربعہ میں سے کسی خلط کا گرنا یا سر اور بدن میں کثیر مقدار میں گرم ریح کا آنا ہے۔ جس میں سے ایک حصّہ آنکھ کے پردہ کی طرف جاتا ہے یا آنکھ پر تیز دھوپ پڑ جانے سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے، اس طرح طبیعت (دفیعہ مرض کے لیے) اس طرف خون کی ایک کثیر مقدار بھیجتی ہے۔ تاکہ مرض کو ہٹانے میں اس سے مدد لی جا سکے اسی باعث عضو ماؤف میں ورم آجاتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ سے فرمایا، جب ان کی

آنکھوں میں آشوب تھا۔ اگر تم اس طرح کرو۔ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ تو پھر تم بہت جلد صحتیاب ہو جاؤ گی، اپنی آنکھوں پر پانی ڈالو، اور یہ دعا پڑھو۔

اذھب الباس رب الناس اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفا لا یغادر سقما۔

یعنی "تکلیف ہٹا اے لوگوں کے پروردگار شفا عطا فرما۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے شفا نہیں۔ (ایسی شفا دے) کہ کوئی تکلیف نہ رہے"۔

کئی بار گزر چکا ہے کہ یہ مرض اور بعض آنکھوں کے درد بعض ممالک سے مختص ہیں اس لیئے کلام نبوت کے حصہ جزئی خاص کو عام کلی نہ بنایا جائے۔ نہ کلی عام کو جزئی خاص بنانا جائز ہے۔ کیونکہ اس سے غلط اور خلافِ واقعہ نتائج نکلتے ہیں!

سُن ہو جانے کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تدبیر

ابو عبید نے ایک غریب حدیث میں حضرت ابی عثمان ہندی سے روایت کیا ہے کہ ایک گروہ ایک درخت کے پاس سے گذرا۔ ان لوگوں نے اس میں کچھ کھایا انھیں ایسا محسوس ہوا کہ ہوا آئی اور پھر منجمد ہو گئے[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تشنان میں پانی ٹھنڈا کر کے ان لوگوں پر دو اذانوں کے درمیان ڈال دو۔

آپؐ کا فرمان کہ "دو اذانوں کے درمیان" تو اس کا مطلب صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان ہے۔ آپؐ نے اقامت کو اذان فرمایا۔

بعض اطباء کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمایا ہوا علاج تمام معالجات سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ مرض اکثر و بیشتر حجاز میں ہوتا ہے جو گرم خشک علاقہ ہے۔ (چنانچہ ضد سے اس کا علاج کیا گیا) اور اگر سقراط و جالینوس وغیرہ یہ علاج بتاتے تو اطبا سر نیاز خم کر دیتے اور ان کے کمالِ معرفت پر انگشت بدنداں رہ جاتے۔

---

[1] یعنی سُن ہو گئے۔

مکھّی

جس کے ایک پر میں زہر ہے دوسرے میں شفا

اور آپ کا ارشاد ہے کہ زہروں کے مضرات کو بالضداد ویہ سے دور کرو۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے دو۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے، اور دوسرے میں شفا۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مکھی کے ایک پر میں زہر ہوتا ہے اور دوسرے میں شفاء ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ کھانے میں گر جائے تو اسے غوطہ دے دو۔ کیونکہ وہ زہر (والا پر) پہلے ڈبوتی ہے۔ اور شفاء والا موخر رکھتی ہے۔

اس حدیث میں دو احکام ہیں، ایک فقہی حکم اور ایک طبی حکم۔

فقہی حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پانی یا سیّال چیز میں مکھی گر کر مر جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا جمہور علماء کا یہی قول ہے اور سلف میں اس کے خلاف معلوم نہیں۔ خصوصاً اگر کھانا گرم ہو۔ کیونکہ اگر کھانا نجس ہو جاتا تو آپ کھانے کے

خراب ہونے کی خبر دیتے، اس کے بجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اصلاح کا حکم فرمایا ہے۔ پھر اس حکم کو ہر اس حیوان پر لگایا گیا کہ جس میں دم سائلہ (بہنے والا خون) نہ ہو، جیسے شہد کی مکھی۔ بھڑ۔ مکڑی وغیرہ کیونکہ عموم علت کے باعث حکم میں بھی عمومیت آجاتی ہے اور سبب کی نفی سے حکم بھی منتفی ہو جاتا ہے۔

اور طبی مطلب یہ ہے کہ ابو عبید نے فرمایا: امقلوہ کا مطلب ہے کہ اسے ڈبو دو تاکہ اس کی شفاء بھی باہر آجائے، جیسے مرض باہر آیا تھا۔

یاد رکھنا چاہیئے، مکھی میں ایسا زہریلا مادہ ہوتا ہے جس کے پھیلنے سے خارش اور ورم لاحق ہو جاتا ہے، یہ اس کا ہتھیار ہے، اس لیئے جب وہ کسی کو ایذا دینا چاہتی ہے تو اس ہتھیار سے کام لیتی ہے۔ اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زہر کا اس کے دوسرے پر سے مقابلہ کرو، جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ اس لیئے اسے مکمل طور پر پانی یا کھانے میں غوطہ دیا جائے گا۔ چنانچہ مادۂ سمی اور مادہ نافعہ کا تقابل ہو کر ضرر ختم ہو جائے گا۔ اور یہ ایسا علاج ہے کہ بڑے بڑے اطباء اس تحقیق تک رسائی حاصل نہیں کر سکے۔ اور کئی اطباء نے بتایا ہے کہ بھڑ یا بچھو کے ڈسنے پر اگر مکھی کو ملا جائے تو مریض کو سکون ہو جاتا ہے اور یہ صرف اس مادے کی وجہ سے ہے۔ کہ جس میں (اللہ تعالیٰ نے) شفاء ودیعت کر رکھی ہے اور جب مکھیوں کے سر کاٹ کر باقی حصہ کو آنکھوں کے بالوں پر نکلنے والی پھنسی پر لگایا جائے جسے شعرہ کہتے ہیں تو وہ مندمل ہو جاتی ہے۔

پھنسی کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ

کتاب ابن سنیؒ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ میری انگلی پر پھنسی نکلی ہوئی تھی آپؐ نے فرمایا، کیا تمہارے پاس ذریدہ ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا: اسے اس پر رکھو، اور یوں دعا کرو۔

اللّٰھم مصغر الکبیر ومکبر الصغیر صغر ما بی

یعنی اے اللہ بڑے کو چھوٹا کرنے اور چھوٹے کو بڑا کرنے والے، میری تکلیف کو چھوٹا (ختم کر دے)۔

ذریدہ ایک ہندی دوا ہے جو قطب الذریدہ سے تیار ہوتی ہے۔ یہ گرم خشک ہوتی ہے اور معدہ اور جگر کے اورام اور استسقاء میں سفید ہے، خوشبو کے باعث قلب کے لیے مقوی اور مفرح ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ کے ساتھ حل واحرام کے لیے حجۃ الوداع کے موقع پر فریدہ

کی خوشبو لگائی۔

بثرہ (پھنسی) ایک چھوٹا سا پھوڑا ہوتا ہے جو گرم مادے سے پیدا ہوتا ہے جسے طبیعت اس طرف پھینک دیتی ہے، چنانچہ جسم کے ایک حصہ پر ٹھہر کر وہیں سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے لیے نضج کرنے اور پھر خارج کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ذریرہ میں نضج اور اخراج کی صفات پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں اس میں خوشبو کے باعث تبریدی اثر بھی ہوتا ہے (جس کی وجہ سے پھنسی کی تکلیف کم ہو جاتی ہے)

اسی طرح صاحبِ قانون نے بتایا ہے کہ آگ سے جلنے کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ روغن گلاب اور سرکہ میں ذریرہ کو ملا کر لگایا جائے۔

حاد اور مزمن امراض و اورام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور ہدایات

حضرت علیؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی کے پاس عیادت کے لیے گیا، اس کی پیٹھ میں ورم تھا، عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول اس میں پیپ ہے آپؐ نے فرمایا، اسے شق کرو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں شق کرتا رہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب کو حکم دیا کہ وہ اجوی آدمی کے پیٹ میں شگاف دے۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول کیا اس کے لیے یہ علاج نافع ہے؟

آپؐ نے فرمایا، جس ذات نے مرض نازل کیا ہے اس نے جس میں چاہا شفاء بھی نازل فرمائی۔

شق کرنے میں دو فوائد ہیں۔ ایک تو فاسد اور ردی مادہ کا اخراج، دوسرے مزید خراب مادے کے اجتماع میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ اجوی آدمی کے پیٹ میں شگاف دو۔

اجوی کے کئی معنی ہیں ایک یہ کہ پیٹ میں گندا پانی جمع ہو جاتا ہے، جس سے

استسقاء کا مرض لاحق ہو جاتا ہے ۔ اور ان کے خیال میں یہ حکم استسقائے زقی میں ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے ۔ اور اس کی تین اقسام ہوتی ہیں۔

۱ ۔ استسقائے طبلی، یہ وہ قسم ہے جس میں مادہ ریحیہ کی وجہ سے پیٹ پھول جاتا ہے جب اس پر تھپکی دی جائے تو ڈھول کی آواز سنائی دیتی ہے ۔

۲ ۔ دوسرا استسقائے لحمی ۔

اس میں تمام بدن کا گوشت بمع ذکر پیٹ کے اندر مادہ بلغمیہ پیدا ہونے کی وجہ سے پھول جاتا ہے جو خون کے ساتھ ساتھ اعضائے بدن میں پھیل جاتا ہے ۔ یہ پہلی قسم سے زیادہ شدید ہے ۔

۳ ۔ تیسرا استسقائے زقی

یہ وہ ہے، جس میں پیٹ کے نچلے حصہ میں فاسد پانی جمع ہو جاتا ہے ۔ اور حرکت کے وقت اس کی اس طرح آواز آتی ہے کہ جیسے مشک میں پانی کی حرکت کی آواز، اور اکثر اطباء کے نزدیک یہ سب سے بدترین قسم ہے، اور اس کا علاج شگاف کے ذریعہ پانی نکالنا ہے ۔

تیمار داری کا گُر

مریضوں کی تفریح اور تقویت قلب کا سامان

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس کی اجل کو مہلت دو[1] یہ مریض کو خوش کرنے کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں علاج کے متعلق ایک بہت ہی کار آمد اور اعلیٰ نصیحت ہے اور وہ یہ ہے، کہ مریض کی تقویت طبیعت کے لیے ایسا کلام کرو۔ جس سے اسے فرحت و انبساط حاصل ہو۔ اور اس کی تقویت میں اضافہ ہو۔ اور حرارت غریزی میں زیادتی ہو، جس کی مدد سے طبیعت مرض کو دفع کر سکے اس میں کمی کر سکے اور ایک طبیب کا یہی کام ہوتا ہے۔

اکثر اوقات لوگوں نے دیکھا ہے کہ مریض بعض ایسے لوگوں کی عیادت سے خوش ہوتے ہیں، جن سے وہ محبت رکھتے ہیں۔ ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، اور ان سے ملاقات ان کے لطف و کرم اور گفتگو سے انھیں طبعی قوت حاصل ہوتی ہے۔ مریضوں کی عیادت کے سلسلہ میں یہی چیز از حد مفید ہے۔ نبی اقدس

[1] یعنی صحت و خیریت کی باتیں کرو۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ طیبہ کے متعلق یہ گزر چکا ہے کہ آپ مریض سے اس کے مرض کی حالت اور احساسات کے متعلق دریافت فرماتے اور اس کی خواہش طعام وغیرہ کے متعلق بھی معلوم فرماتے۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ مبارک رکھتے اور گاہے گاہے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھتے اور اس کے لیے دعا فرماتے۔ نیز جو چیز مرض میں مفید ہوتی وہ بھی بیان فرماتے۔ گاہے گاہے وضو فرماتے اور وضو کا پانی اس پر چھڑکتے اور اکثر اوقات مریض سے فرماتے:۔

کوئی حرج نہیں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

یہ حسن علاج اور کمال لطف کا مظہر ہے[1]

---

[1] اس سے بہتر نفسیاتی علاج بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ مریض کو اگر مرض سے ڈرایا نہ جائے، بلکہ تسلی اور دل دہی کی باتیں کر کے اس کا حوصلہ قائم رکھا جائے تو طبیعت مدبرہ بدن خود ہی اس کا علاج کر لیتی ہے۔ اور یہ علاج ادویہ کے مقابلہ میں زیادہ موثر اور کارگر ہوتا ہے۔ اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ بھی نسبتًہ دیرپا اور مستقل ہوتا ہے۔

عادی اور غیر عادی دوائیں

مذکورہ ادویہ سے علاج کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور اصول

اصولِ علاج میں یہ چیز سب سے زیادہ درست اور نافع ہے اور جب طبیب اس میں خطا کرتا ہے تو مریض کو ضرر پہنچ جاتا ہے اور وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اسے فائدہ ہو رہا ہے، اور صرف جاہل طبیب ہی اس وقت صرف کتابی ادویہ کی تلاش میں رہتا ہے۔

کیونکہ ادویہ واغذیہ ابدان کے لیئے حسب استعداد و قبول مفید ثابت ہیں۔ اور اہلِ بوادی (دیہاتی لوگوں) کے لیئے شربت نیلوفر، گلاب اور دیگر قیمتی ادویہ کچھ کارگر نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کی طبائع پر مفید اثر ڈالتی ہیں، بلکہ حضری (شہری) لوگوں کی عام ادویہ بھی ان پر اچھا اثر نہیں ڈال سکتیں۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے جو بھی علاج نبویؐ میں ذرا بھی غور کرے گا، اسے محسوس ہوگا کہ یہ علاج مریض اور اس کے وطن اور جائے پیدائش کے بالکل مطابق ہے، اصول علاج میں اصل مرکز (کامرانی) یہی ہے اور اس کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے، اور افاضل اطباء نے بھی اس کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ طبیبِ عرب بلکہ سب سے بڑا طبیب حرث بن

کلدہ جو اپنی قوم میں بقراط کی حیثیت رکھتا تھا، کہتا ہے:

پرہیز علاج کی جڑ ہے اور معدہ امراض کا گھر ہے۔ اور ہر جسم کا علاج اس کی عادی ادویہ کے ساتھ کرو۔

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عادت طبیعتِ ثانیہ کی حیثیت رکھتی ہے اور بدن میں اس کی قوت عظیمہ مسلم ہے۔ اسی وجہ سے اغذیہ اور ادویہ کے متعلق علاج نبوی میں ان کی عادی اشیاء کا لحاظ رکھا ہے۔

عادی اغذیہ میں سے زیادہ لطیف غذائیں استعمال کرانی چاہئیں

صحیحین میں حضرت عروہ سے مروی ہے انہیں حضرت عائشہؓ سے روایت پہنچی کہ جب کسی کے گھر موت ہو جاتی تو عورتیں اکٹھی ہوتیں پھر وہ اپنے اپنے گھر واپس چلی جاتیں۔ انہیں دودھ کی آمیزش سے ثرید تیار کرنے کا حکم تھا جسے وہ تیار کرتیں۔ پھر دودھ کا آمیزہ اس پر ڈال کر اسے کھلایا جاتا، کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دودھ کا شدید مریض کے قلب کو قوت دیتا اور غم دور کرتا ہے اور فرماتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی مریض ہو جاتا تو برمہ آگ پر ہوتا۔ یہاں تک کہ صورتِ حال یکسو ہو جاتی۔ یعنی یا وہ صحت یاب ہو جاتا یا فوت ہو جاتا۔

نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاتا کہ فلاں کو درد ہے وہ کھانا نہیں کھاتا، تو آپ فرماتے، تلبینہ (دودھ آمیز غذا) بنا کر اسے پلانی چاہیے، اور فرماتے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ تمہارے پیٹ کو اس طرح دھو دیتا ہے کہ جیسے تم اپنے چہروں کو میل سے صاف کر دو۔

اور یہ تو گزر چکا ہے کہ ادویہ و اغذیہ کے افادہ میں عادات کو بڑا دخل ہے اور اس قوم کی عادت تھی کہ جو پانی پیس کر پیتے اور یہی زیادہ تر ان کی غذا میں شامل تھا۔ اس کا فعل بھی قوی اور عظیم ہوتا ہے۔

البتہ شہر کے اطباء نے زیادہ صاف حصّہ کو لیا تاکہ زیادہ رقیق و لطیف ہو

جائے۔ اس طرح وہ مریض کی طبیعت پر گراں نہیں گذرتا۔ اور یہ معاملہ اہل شہر کے اختلاف طبائع اور جو کے پانی کے ثقل وخفافت پر منحصر ہے۔

الغرض جو کا مطبوخ پانی زیادہ سریع النفوذ ہوتا ہے اور اس کا فائدہ کافی سے زیادہ ہے اور یہ ایک لطیف غذا کی حیثیت رکھتا ہے جب اسے گرم پیا جائے تو اس کے فائدے اور سرعت نفوذ میں قوت آجاتی ہے اور حرارت غریزیہ کو بھی یہ بڑھاتا ہے اور دیوار معدہ کے لیے مفید ہے۔

زہر کا علاج

خیبر کی یہودیہ عورت کا زہر آلود کھانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تدارک

عبدالرزاقؒ نے معمر سے انہیں زہریؒ سے انھیں عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت پہنچی کہ ایک یہودی عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بمقام خیبر ایک بھنی ہوئی بکری بھیجی

آپؐ نے دریافت فرمایا، یہ کیسی ہے۔

اس نے عرض کیا، یہ ہدیہ ہے۔

صدقہ کہنے سے اس نے اس لیئے انکار کیا کہ آپؐ صدقہ نہیں کھاتے تھے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کھا لیا۔ صحابہؓ نے بھی کھا یا۔

پھر آپؐ نے فرمایا، رک جاؤ۔ اور عورت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟

اس نے کہا، آپؐ کو کس نے بتایا؟

آپؐ نے فرمایا، اس کی پنڈلی کی اس ہڈی نے۔

وہ اس وقت آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔

اس نے اقرار کیا، اور کہا۔ ہاں!

آپؐ نے فرمایا، کیوں تو نے ایسا کیا؟

اس نے کہا، میں نے سوچا، اگر آپؐ جھوٹے ہیں تو لوگ آپؐ سے نجات حاصل کریں گے اور اگر آپؐ نبی ہیں تو آپؐ کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ گدی پر پچھنے لگوائے اور صحابہؓ کو بھی پچھنے لگوانے کا حکم دیا۔

آخر بعض صحابہؓ کی وفات بھی ہو گئی۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپؐ زندہ رہے حتیٰ کہ مرض وفات میں آپؐ نے فرمایا، میں نے خیبر کے دن جس بکری کا گوشت کھایا تھا۔ اس کا اثر ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں، حتیٰ کہ اس وقت وہ مجھ سے منقطع ہو رہی ہے۔ گویا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی۔

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ زہر خورانی کا علاج استفراغات اور ایسی ادویہ سے کیا جاتا ہے کہ سمی اثرات کی ضد ہوں، اور انھیں باطل کر سکیں۔ کیفیات یا خواص کسی لحاظ سے بھی! اگر دوا مہیا نہ ہو تو فوراً استفراغ کامل کرے اور حجامت (سینگیاں لگوانا) ازحد نافع ہے۔ خصوصاً گرم علاقہ اور گرم موسم ہیں، کیونکہ خون میں سمّی اثرات سرایت کر جاتے ہیں اس کے بعد عروق و مجاری میں نفوذ کرتے ہیں اور آخر قلب پر پہنچ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ گویا ہلاکت کا موجب خون ہی ہوتا ہے جو اسے نفوذ کراتا ہے اور زہر کو قلب و اعضاء تک لے آتا ہے۔ اس لیے جب مسموم جلدی سے خون نکلوا لے گا تو یہ سمّی کیفیت بھی ساتھ ہی خارج ہو جائے گی، جو اس میں مل چکی ہے۔ اور اگر استفراغ کامل ہو گا تو زہر ضرر نہ دے گا، بلکہ یا تو بالکل ہی باہر چلا جائے گا، یا اس کے اثرات کمزور پڑ جائیں گے اور طبیعت اس کے مقابلہ پر قوی ہو کر اسے باطل کر دے گی، یا اس کے اثرات کو کمزور کر دے گی، اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت سے نوازنے کا ارادہ فرما لیا، تو اس مخفی زہر کے اثر کو موقع تاثیر دیا، تاکہ اللہ کا فیصل شدہ حکم پورا ہو۔

اور اللہ تعالےٰ کا یہود کے متعلق اس فرمان کا راز بھی کھل کر سامنے آ گیا :

اَوَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ○

یعنی "پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے ۔

پھر ایک جماعت کو جھٹلایا ، اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا"

"تم نے جھٹلایا" کا لفظ ماضی کے صیغہ میں آیا تھا اور تقتلون کے لفظ میں زمانہ مستقبل پایا ہے جس کی توقع تھی ۔

جادو اور سحر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیبہ

اس کے علاج میں لوگوں کے ایک گروہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپؐ کے متعلق یہ گمان جائز نہیں اور اسے نقص و عیب قرار دیا ہے، حالانکہ واقعہ ان کے زعم کے مطابق نہیں بلکہ یہ کام تو امراض و اوجاع کی ان اقسام میں سے ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق ہوتے رہے اور یہ معاملہ بھی امراض میں سے ہے اور اس کے اثرات بھی زہر کی طرح ہیں ان میں کچھ فرق نہیں۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے انھوں نے بیان کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، حتیٰ کہ آپؐ کو خیال ہوتا کہ آپؐ اپنی بعض ازواج کے پاس آرہے ہیں حالانکہ ایسا نہ ہوتا، اور یہ معاملہ سحر سے بھی زیادہ شدید ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں، سحر بھی ایک مرض ہے اور دوسرے امراض کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا ورود ممتنع نہیں۔ اس کا نہ انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ چیز نبوت میں قدح و عیب بن سکتی ہے:

اور رہا یہ امر کہ آپؐ کو ایک کام کرنے کا خیال ہونا حالانکہ آپؐ وہ کام نہ کر رہے

ہوتے تو یہ مخالفین کے لیے دلیل نہیں بن سکتی، جب کہ آپؐ کی عصمت پر سب کا اجماع ہے، بلکہ یہ معاملہ امورِ دنیا کے متعلق ہو سکتا ہے کہ آپؐ کو لاحق ہوا ہو، جس کے لیے آپؐ مبعوث نہیں ہوئے اور دنیا میں تمام انسانوں کی طرح آپؐ کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یہاں صرف اس کا علاج بیان کرنا مقصود ہے۔

اس باب میں آپؐ سے دو انواع مروی ہیں ایک کا استخراج اور اس کا باطل کرنا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے اس سلسلہ میں دعا فرمائی۔ تو آپؐ کو اطلاع دی گئی۔ آپؐ نے اسے کنویں میں سے نکالا۔ تو یہ (جادو) کنگھی اور مشاطہ میں تھا جب آپؐ نے اسے نکلوایا تو آپؐ کو تکلیف جاتی رہی۔ گویا آپؐ بالکل فوری طور پر صحتیاب ہو گئے اور یہ مادّہ خبیثہ کے زائل کرنے اور بدن سے اُسے استفراغ کے ذریعہ نکال باہر کرنے کے قائم مقام ہے۔

دوسری نوع وہ ہے جس میں مقام سحر زدہ سے استفراغ ضروری ہوتا ہے، چنانچہ مسحور کی طبیعت میں اثر ہوتا ہے۔ اور اس کی اخلاط میں ہیجان اور مزاج میں پریشانی واقع ہو جاتی ہے۔ جب کسی عضو میں اس کا اثر ظاہر ہو اور اس عضو سے مادّہ فاسدہ کا استفراغ بھی ممکن ہو، تو یہ خوب فائدہ بخش ہوتا ہے۔

ابو عبید نے کتاب غریب الحدیث میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی سند سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جادو کیا گیا، تو آپؐ نے سر مبارک پر پچھنے لگوائے۔

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تکلیف ہوئی، کہ آپؐ کو ناکردہ کاموں کا خیال ہونے لگا، تو خیال ہوا کہ یہ دموی یا کسی دوسرے مادّہ کے سبب سے ہے، جو دماغ کی طرف مائل ہو چکا ہے اور بطن مقدم پر غالب آگیا ہے، اس لیے اسے حالتِ طبعیہ سے متغیر کر دیا ہے اس وقت پچھنے لگوانا ازحد فائدہ بخش اور نافع علاج تھا۔ چنانچہ آپؐ نے پچھنے لگوائے۔

لیکن یہ معاملہ وحی سے قبل تھا اور جب وحی آگئی، اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ سحر کی وجہ سے ہے تو آپؐ نے علاج حقیقی کی طرف رجوع فرمایا۔ یہ علاج استخراج (تعویذات) اور

ابطال سحر سے ہی ہو سکتا تھا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کا مقام بتا دیا۔ آپؐ نے انھیں نکلوایا، تو گویا آپ چنگے تھے۔ اور اس سحر کا زیادہ سے زیادہ اثر آپؐ کے جسم اور ظاہر جوارح پر تھا۔ آپؐ کی عقل و قلب اس سے متاثر نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اس خیال کی صحت کا یقین نہ کرتے کہ آپؐ

۱؎ سحر اور جادو کا اثر نہ آپؐ کے اعضاء اور جوارح پر ہو سکتا تھا، نہ ہوا یہ بالکل غلط خیال ہے اور شان نبوت کے یکسر منافی ہے۔

درحقیقت جو لوگ، روایات کو ہر حالت میں قبول کرنے کے عادی ہیں، خواہ ان سے شان نبوت کا استخفاف کیوں نہ ہوتا ہو، وہ اس طرح کی باتوں کو جو قطعاً غلط، ناقابلِ قبول اور منافی کردار رسولؐ ہیں قبول کر لیتے ہیں کہ "روایت" موجود ہے اور "سند" صحیح ہے، رواۃ "ثقہ" ہیں۔ حالانکہ اس طرح کی روایتوں میں، سند کی صحت اور رواۃ کا ثقہ ہونا بھی متفق علیہ اور غیر مختلف فیہ نہیں۔ اور قبول کر لینے کے بعد خود ان کا دل قبول نہیں کرتا، کھٹک پیدا ہوتی ہے، اب یہ چپ کنم میں پڑ جاتے ہیں، روایات کو چھوڑ نہیں سکتے، اور قبول کرتے ہیں تو اشکال عقلی و فکری و دینی و عقائدی پیدا ہوتا ہے، اب تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔ اور تاویل کے ذریعہ بات بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو بالکل نہیں بن پاتی۔ علامہ ابن قیم بہت بڑے مجتہد تھے، مجاہد تھے، علم و عمل کی دنیا میں اپنی مثال آپ تھے، تحقیق و تدقیق کے میدان میں اپنا کوئی حریف نہیں رکھتے تھے۔ مسائل فقہیہ میں جو نکات پیدا کرتے ہیں وہ انہی کا حق ہے۔ احادیث کی تحقیق میں جتنی ژرف نگاہی سے کام لیتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے، لیکن با ایں ہمہ بشریت کے تقاضے سے مجبور ہو کر، ایسی باتیں بھی کبھی کبھی اور کہیں کہیں کہہ جاتے ہیں جو ان جیسے مجتہد دوران کے شایان شان ہرگز نہیں ہیں، انہی میں یہ جادو کا معاملہ بھی ہے۔

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول برحق ہوتے ہوئے نہ جادو، سحر اور ٹونے ٹوٹکے سے متاثر ہو سکتے تھے۔ نہ یہ ان کی شان کے مطابق تھا، رہی اعضاء جوارح اور قلب و روح کی تفریق و تاویل یہ محض سخن سازی ہے، ایسی دس ہزار

ازواجِ مطہرات کے پاس آرہے ہیں، بلکہ آپؐ کو علم ہوتا، کہ یہ محض خیال ہے، اس کی کچھ حقیقت نہیں، اور بعض امراض میں اس قسم کی باتیں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔

سحر کا سب سے زیادہ نافع علاج دوائے الٰہیہ ہے

کیونکہ (سحر) دراصل ارواحِ خبیثہ سفلیہ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے اور ان کی تاثیرات کو اذکار و آیات اور وہ ادعیہ ہی باطل کر سکتی ہیں جو ان کے مقابل اور معارض ہوں۔

ساحروں کا خیال یہ ہے کہ ان کا سحر کمزور اور متاثر ہو جانے والے قلوب اور شہوانی انسانوں پر زیادہ اثر انگیز ہوتا ہے، جو کہ پست صفات میں ملوث رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر یہ عورتوں بچوں، جہلا اور دیہاتی لوگوں میں اثر کرتا ہے۔ یا ان پر اس کا اثر ہوتا ہے جو دین، توکل اور توحید میں کمزور ہوں، اور اوراد الٰہیہ ادعیہ ماثورہ اور نبوی تعوذات سے بالکل محروم ہوں[1]

(بقیہ حاشیہ) روایتیں بھی۔ خواہ ان کے راوی بظاہر کتنے ہی ثقہ ہوں۔ اور سند بظاہر کتنی ہی اعلیٰ ہو۔ قطعاً ناقابل قبول ہیں جن سے آنحضرتؐ کی توہین کا شائبہ بھی نکلتا ہو، لہٰذا اس طرح کی حدیثیں جن کی صحت اور قطعیت بھی مشتبہ ہے۔ نہ کسی مردِ مومن کے عقیدے کا جزو بن سکتی ہیں، نہ ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ آں حضرتؐ کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ اور بالا تھی کہ آپؐ پر جادو کا اثر ہو سکتا۔

[1] اصل بات یہی ہے کہ جس کی روح پاک ہو، جو وساوس قلب کا شکار نہ ہو، جو جادہ حیات کی رہبری قرآن و سنت کی روشنی میں کرتا ہو۔ جسے خدائے واحد و یکتا پر کامل اعتماد ہو، وہ ان شعبدہ بازیوں سے کسی درجہ میں بھی متاثر نہیں ہو سکتا، اس کے لئے خدا کا کلام کافی اور بہت کافی ہے۔ اس کے بعد اسے کسی سے بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

(رئیس احمد جعفری)

استفراغ ایک علاج

استفراغ کے اقسام اور فوائد و اثرات

جامع ترمذیؒ میں حضرت معدان بن ابی طلحہ سے مروی ہے، انھیں حضرت ابوالدرداؓ سے روایت پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی، پھر وضو فرمایا، آخرکار میں دمشق کی مسجد ثوبانؓ سے ملا، اور اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے فرمایا، ہاں انھوں نے سچ کہا۔ میں نے آپؐ کے وضو کے لیے پانی بہایا۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، باب القیئ میں یہ روایت اصح ہے۔

استفراغ کی پانچ اقسام میں سے ایک قسم قے ہے۔ یہ پانچ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسہال

۲۔ قے

۳۔ اخراجِ خون

۴۔ خروج الابخرہ

۵۔ اور عرق (پسینہ)

اور ان کے متعلق سنت بیان ہو چکی، اسہال کے متعلق سنا کی حدیث میں بیان ہو چکا جس میں وارد ہوا ہے کہ سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو وہ سیر ہے۔ اخراج دم

کے متعلق حجامت کی احادیث میں وضاحت ہو چکی ہے۔
استفراغ انجرہ کے متعلق اس فصل کے آخر میں ذکر ہوگا، انشاءاللہ، رہا پسینہ کے ذریعہ استفراغ! وہ زیادہ تر قصداً نہیں ہوتا بلکہ طبیعت اس مادہ کو ظاہر بدن کی طرف بھیج دیتی ہے، مسامات کھلے ہوتے ہیں۔ وہ باہر نکل پڑتا ہے۔
قے دراصل معدہ کے اوپر کے حصّہ کا استفراغ ہے اور حقنہ معدہ کے نچلے حصّہ کا، اور دوا ہر دو پر اور نچلے حصّہ میں کارگر ہوتی ہے۔
قے کی دو قسمیں ہیں، ایک غلبہ وہیجان (مادہ) کے سبب سے۔
دوسرے خود اپنی سعی اور کوشش سے۔
پہلی میں اگر ہلاکت یا افراط کا خوف نہ ہو تو اسے روکنا نہ چاہیئے اور نہ بند کرنا چاہیئے کیونکہ یہ ممسک دوا سے قطع ہو جائے گی (اور پھر ضرور رساں نہ ہوگی)
دوسری قسم ضرورت کے وقت مفید ہے بشرطیکہ اوقات و شرائط مذکورہ کو مدنظر رکھا جائے۔
گرم ممالک اور گرم موسموں میں اخلاط رقیق ہو کر اوپر کو منجذب ہو جاتی ہیں، تو قے ہی ان میں نافع ہو سکتی ہے، البتہ سرد ممالک اور سرد موسموں میں یہ غلیظ اور منجمد ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے اسی وقت انھیں اسہال سے خارج کرنا مفید ہوتا ہے۔
اور اخلاط کے دفیعہ کے دو ہی طریقے ہیں ایک جذب اور دوسرا استفراغ!
قے مصفی معدہ، منقی اور مقوی معدہ ہوتی ہے۔ بصارت کو تیز کرتی۔ سر کے بوجھ کو ہلکا کرتی اور جذام، استسقاء، فالج اور رعشہ جیسے مزمن امراض میں نیز گردے اور مثانے کے زخموں کو فائدہ دیتی ہے۔ نیز یرقان کو دور کرتی ہے۔
مہینہ میں دو بار مسلسل اس انداز سے اس کا استعمال کرنا چاہیئے کہ ہر دوسری بار کے وقفہ میں فرق نہ آجائے۔ یہ گرنے والے مادّوں کا تنقیہ کرتی ہے۔ اس کی کثرت معدہ کو ضرر دیتی ہے اور فاضل مادّوں کے سامنے اسے کمزور کر دیتی ہے، نیز اس کی کثرت دانتوں، بصارت اور سماعت کے لیئے مضر ہے، اور جس کے حلق میں

ورم ہو یا سینہ میں ضعف ہو، یا اس کی گردن باریک ہو یا نفث الدم کا مریض ہو یا اس سے جلدی متاثر نہ ہوتا ہو، اسے قے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اور قے لانے کے موقع پر چاہیے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے۔ پیٹ دبا دیا جائے، اور فارغ ہونے کے بعد سرد پانی سے چہرہ دھو لینا چاہیے۔ نیز فارغ ہونے کے بعد شربت سیب میں تھوڑی سی مصطگی اور عرق گلاب ملا کر پی لینا چاہیے اس صورت میں خوب فائدہ ہوگا۔

اس کے اوقات گرما اور بہار کا موسم ہیں، البتہ سردیوں اور خزاں میں یہ نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ قے معدہ کے اوپر کے حصّہ کا استفراغ کرتی ہے۔ اور اسفلِ معدہ سے مادہ کو جذب کرتی ہے اور اسہال اس کے برعکس اثر رکھتے ہیں۔

بقراط کہتا ہے کہ گرمی کے موسم میں دوا سے اوپر کے حصّہ کا استفراغ زیادہ ہونا چاہیئے اور سردیوں میں اسفل حصّہ کا زیادہ استفراغ مناسب ہے۔

علاج کے لیے

حاذق اور ماہر معالج سے رجوع کرنا چاہیے

موطا مالکؒ میں حضرت زیدؓ بن اسلم سے منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک آدمی زخمی ہو گیا۔ اسے خون آیا، تو ایک آدمی نے بنی انمار کے دو آدمیوں کو طلب کیا۔ ان دونوں نے اس کی طرف دیکھا، اسے خیال ہوا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون زیادہ ماہر طبیب ہے؟

اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا علاج میں بھی اس سے فائدہ ہے؟

آپؐ نے فرمایا کہ جس نے مرض اُتارا ہے، اسی نے علاج بھی نازل کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر علم و صنعت میں جو زیادہ ماہر ہو اس سے مدد لینی چاہیے۔ کیونکہ وہ درست رائے کے زیادہ قریب ہو گا، اور آپؐ کا فرمان کہ جس نے مرض اُتارا اس نے علاج بھی نازل کیا، اس مضمون کی کئی احادیث آتی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عمرو بن دنیا کی روایت ہے انھیں ہلال بن یساف سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لائے

آپؐ نے فرمایا، اسے طبیب کے پاس لے جاؤ۔
ایک کہنے والے نے کہا، اے اللہ کے رسول کیا آپؐ یہ فرما رہے ہیں؟
آپؐ نے فرمایا، ہاں اللہ عزوجل نے کوئی مرض ایسا نازل نہیں کیا جس کی دوا نہ نازل کی ہو۔

یہ حدیث گزرچکی ہے، البتہ انزل الداء والدواء کے معنی میں اختلاف ہے۔
ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس کے نازل کرنے کے معنی بندوں کو جتا دینا ہے۔
دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ موکل فرشتوں کے ذریعہ مرض اور علاج وغیرہ براہ راست انسانوں پر نازل کیا گیا۔
کیونکہ اس کارخانہ عالم اور انسان کے مادہ رحم میں آجانے سے لے کر موت تک کے موکل ہیں۔ اس طرح مرض اور علاج ملائکہ کے ذریعہ ہوا۔ یہ صورت اقرب الی الصوب نظر آتی ہے۔
ایک گروہ کا خیال ہے کہ عام امراض اور معالجات آسمان سے نزولِ باراں کے ذریعہ اترے ہیں۔ جس سے اغذیہ، ادویہ اور روزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس کے تمام آلات واسباب
(معرضِ وجود) میں آتے ہیں، اور معاونِ علویہ کی باتیں پہاڑوں کے ذریعہ اور وادیوں کی (اشیاء و ادوار) دریاؤں اور پھلوں کے ذریعہ نازل ہوتی ہیں۔ یہ پہلی وجوہ سے بھی احسن قول ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ یہ بھی پروردگار کریم کی حکمت اور ربوبیت کا مظہر کامل ہے جس طرح اس نے بندوں کو امراض میں مبتلا کیا اسی طرح ادویہ بھی نازل فرمائیں جن سے انھیں صحت حاصل ہوتی ہے جیسے انھیں گناہوں سے آزمایا اسی طرح توبہ سے گناہوں کو مٹا دینے والی حسنات اور کفارہ بننے والے مصائب سے مدد بھی دی جس طرح انھیں شیاطین کے ارواحِ خبیثہ سے آزمایا۔ اسی طرح ملائکہ جیسے ارواح طیبہ کے لشکر سے نصرت کی جس طرح انھیں شہوات میں مبتلا کیا اسی طرح انھیں شریعت کے مطابق تقاضے جوائح کر لینے اور پاک (بیویوں) سے

استلذاذ کی اجازت دی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جس قسم کا بھی ابتلاء ڈالا، انھیں اس میں کامیاب ہونے اور برائی کو دور کرنے کا ہتھیار بھی دیا۔

اب صرف علم سے تفاوت رہ جاتا ہے اور علم توصل وحصول کی سعی سے ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے بس مدد مطلوب ہے۔

اناڑی معالج

کوئی غلطی کرجائے تو تاوان لیا جا سکتا ہے

ابوداؤدؒ۔ نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے دادا سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے (اپنے آپ کو) طبیب ظاہر کیا، حالانکہ طب کا علم اور فن حاصل نہ کیا۔ ہو تو وہ ضامن[1] ہے۔

جاہل طبیب پر ضمان[2] ڈالنے کا سبب یہ ہے کہ جب اس نے طب کا کام شروع کر دیا اور اس نے اس سے قبل علم طب نہیں سیکھا۔ تو گویا اس نے لوگوں کی جان سے کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ گویا ایسے کام کا مرتکب ہونا چاہتا ہے جس کا اسے ذرا علم نہیں وہ مریض سے دھوکا کرتا اور اسے مبتلائے فریب کرتا ہے۔ لہٰذا اس پر ضمان لازم آئے گی۔

اس مسئلہ میں اہلِ علم کا اجماع ہے۔ خطابیؒ فرماتے ہیں میرا خیال ہے اگر معالج کی زیادتی کے باعث کوئی مریض ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم آنے کے سلسلہ

---

[1] اس سے تاوان لیا جا سکتا ہے۔

[2] تاوان، ہرجانہ،

میں کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ اگر کوئی شخص اس فن میں کچھ علم رکھتا ہو، لیکن تجربہ اور معرفت کے لحاظ سے کم مرتبہ نہ رکھتا ہو اس کے علاج سے اگر کوئی ہلاک ہو جائے تو اس پر دیت لازم آئے گی۔ البتہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ مریض کے اذن سے یہ فعل کر رہا ہے۔

فقہاء کے قول کے مطابق معالج کی خبابیت اس کی عقل و فراست کے مطابق (کم و بیش) ہوتی ہے، میں کہتا ہوں۔ کہ اس کی پانچ اقسام ہیں۔

۱۔ طبیب حاذق پر ضمان نہیں ہوگی

ایک طبیب حاذق جو اس فن کا صحیح طور پر ماہر ہو، اور اس نے قصداً زیادتی نہ کی ہو۔ بلکہ شارع اور مریض کی جانب سے وہ ماذون ہو اس سے کوئی عضو یا جان ہلاک ہو جائے۔ یا کوئی صفت (سماعت بصارت وغیرہ) ضائع ہو جائے تو اس پر بالاتفاق کسی طرح کی ضمان نہیں۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت ہر طرح سے ماذون (اجازت یافتہ) ہے۔ اسی طرح کسی ماہر اور کارروان طبیب کی جانب سے شگاف وہ اپریشن دیا گیا، اور اتفاق سے یہ فعل اس وقت انجام پایا کہ ابھی اس کا موقع نہیں تھا، اور مریض ہلاک ہو گیا۔ تو بھی اس پر ضمان نہ ہوگی۔

اسی طرح ہر ماذون کا فعل جو فاعل کی (قصداً) زیادتی پر مبنی نہ ہو، جیسے حد لگانے والا باتفاق (غیر ضامن ہے) اور قصاص کا معاملہ جمہور کے نزدیک متفقہ ہے، لیکن اس مسئلہ میں وجوب ضمان سے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے، نیز حد لگانے والا بچوں کا معلم اور کسی چوپائے کو کرایہ پر لینے والا بھی ضامن ہوگا۔

البتہ آخری دو صورتوں میں ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک ان پر ضمان کے وجوب میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ نے سواری کے مارنے میں استثناء کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف و نزاع کی صورت یہ ہے کہ سرایہ جنایت تو بلا اختلاف قابل ضمان (تاوان طلب) ہیں، اور سرایہ واجب بالاتفاق ہدر (ناقابل تاوان) ہیں۔ البتہ

اختلاف کی صورت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے مطلقاً ضمان واجب کیا ہے۔ اور احمدؒ و مالکؒ نے ضمان کو ہدر قرار دیا ہے۔

امام شافعیؒ اس میں فرق کرتے ہیں۔ انھوں نے مقدر صورت میں ضمان کو ہدر کہا ہے اور غیر مقدر صورت میں ضمان واجب فرمائی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا خیال ہے کہ فعل میں اذن سلامتی سے مشروط ہے۔ اور احمدؒ و مالکؒ نے فرمایا۔ کہ اذن کے باعث ضمان ساقط ہو جائے گی۔ اور شافعیؒ کا خیال یہ ہے کہ مقدر صورت میں ضرر ناممکن ہے، گویا یہ نص ہے۔ اور غیر مقدر صورت مثلاً تعزیرات و تادیبات یہ اجتہادی صورت ہے۔ اس لیے اس صورت میں ضمان لازم آئے گی۔ کیونکہ اس وقت تعدی گمان کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اناڑی اور جاہل معالج

دوسری قسم اجاہل طبیب کی ہے، یہ اگر کسی کا علاج کرتا اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں وہ جہالت کا ایک حملہ کر گزرا ہے، کیونکہ طب نہیں جانتا۔ لیکن اسے علاج کی اجازت (مریض کی جانب سے) ہے، اس لیئے اس پر ضمان لازم نہ ہو گی۔

۳۔ طبیب حاذق کی دانستہ غلطی موجب ضمان ہے

تیسری قسم ایسے طبیب حاذق کی ہے جو ماذون بھی ہے۔ اس فن میں ورک اور مہارت بھی رکھتا ہے، لیکن ہاتھ چوک گیا اور اس نے کوئی عضو صحیح ضائع یا نکما کر دیا تو اس سے ضمان لی جائے گی۔ کیونکہ اس نے قابل سزا غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاوان ملزم سے لیا جائے گا یا بیت المال سے ادا کیا جائیگا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ جو امام احمدؒ سے مروی ہیں۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اگر طبیب ذمی ہے، تو اس کے مال میں سے ضمان ادا ہو گی۔ اور اگر مسلمان ہے۔ تو اس میں اختلاف روایت ہے۔

۴۔ طبیب کی چوتھی قسم قسم چہارم: طبیب حاذق ہو اور اپنے فن میں مہارت رکھتا ہو۔ اس نے خوب سوچ بچار کے مریض کے لئے علاج تجویز کیا۔ لیکن اجتہادی طور پر غلطی ہو گئی اور مریض ہلاک ہو گیا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مریض کی دیت بیت المال سے دی جائے گی۔ دوسری یہ کہ دیت طبیب پر لازم آئے گی، امام احمدؒ نے امام اور حاکم کی خطاء کے سلسلہ میں اسے بیان کیا ہے۔

۵۔ طبیب کی پانچویں قسم ایسا طبیب جو حاذق ہے اس نے فن طب میں پورے طور پر مہارت حاصل کی ہے، اب اس نے کسی آدمی۔ یا بچے یا مجنوں کا پھوڑا بغیر اس کے یا اس کے ولی کے اذن کے کاٹ دیا۔ یا ولی کے اذن کے بغیر بچے کا ختنہ کر دیا اور ضرر پہنچ گیا) تو ہمارے اصحاب فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ اس نے غیر ماذون صورت میں تصرف کیا ہے اس وجہ سے اس پر ضمان لازم ہو گی، اور اگر بالغ یا بچے اور مجنون کا ولی (سرپرست) اذن دے دے تو ضمان نہ ہو گی۔

اور اس کا بھی احتمال ہے۔ کہ وہ مطلقاً اس پر ضمان (کسی صورت میں بھی) لازم نہ آئے کیونکہ وہ محسن ہے، اور محسنوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کرنی چاہیے)

اور حدیث میں طبیب کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔ جو اس فن میں دسترس رکھتا اور علاج معالجہ کرتا رہا ہو۔

ماہر اور حاذق طبیب

وہ امور جن کا اہتمام وانصرام معالجات میں لازمی اور ضروری ہے

اور حاذق طبیب وہ ہے جو اپنے معالجات میں بیس امور کا اہتمام کرتا ہے

۱۔ نوع مرض، کہ وہ کس قسم سے متعلق ہے؟

۲۔ مرض کے سبب کا خیال کرتا کہ کس وجہ سے ہوا اور اس کے پیدا ہونے کی علت کیا ہے۔

۳۔ مریض کی قوت کہ آیا وہ مرض کا مقابلہ کر سکتا ہے یا نہیں۔

۴۔ مریض کا مزاج بدن طبیعی؟

۵۔ مزاج طبیعی کے علاوہ حادث مزاج کیسا ہے؟

۶۔ مریض کی عمر۔

۷۔ اس کی عادات ومعمولات

۸۔ موسم۔

۹۔ مریض کا وطن اور جائے پیدائش۔

۱۰۔ وقتِ مرض موسم اور آب و ہوا کی نوعیت۔

۱۱۔ اس مرض کے مقابلہ میں دوا کی تجویز۔

۱۲۔ دوا اور مریض کی قوت باہمی کا موازنہ۔

۱۳۔ محض اس مرض کا سبب دور کرنے کا قصد نہ ہو، بلکہ اس انداز سے علاج کیا جائے کہ کوئی نئی تکلیف پیدا نہ ہو جائے جو اس سے بھی صعب تر ہو۔ اور اگر کوئی ایسی ہی صورت پیش آجائے کہ کسی صعب تر مرض کے لاحق ہو جانے کا خطرہ ہو تو مرض کو جوں کا توں باقی رکھ کر اس کی تلطیف کی سعی کی جائے۔

اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے جیسے رگوں کے دہانے کا مرض ہے کہ جب انھیں کاٹ کر یا باندھ کر علاج کیا جائے تو اس سے صعب تر اور مضرت رساں مرض کا خطرہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ علاج پہلے سہل طریق پر کیا جائے، پھر دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے، بجز مجبوری کے اسے اختیار نہ کیا جائے، ہو سکے تو شروع میں دوا سے معالجہ کے بجائے غذائی علاج پر اکتفا کرے، جہاں تک ہو سکے مفردات سے علاج کرے، بدرجہ مجبوری مرکبات استعمال میں لائے اور یہ طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ محض علاج قبول کرے یا مرکبات کی بجائے صرف مفردات پر اکتفا کرے۔

۱۵۔ مرض کو اچھی طرح جانچنا، کہ آیا علاج ممکن بھی ہے یا نہیں؟

اگر لاعلاج مرض ہو تو اپنے پیشے اور ہنر کا وقار رکھے اور غیر مفید علاج کرنے کی جرأت نہ کرے اور اگر ممکن العلاج ہو تو یہ دیکھے کہ اس کو دور کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر سمجھے ناممکن ہے تو دیکھے کہ اس کی تخفیف ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر تقلیل ناممکن ہو اور سمجھے کہ زیادہ سے زیادہ اس کے بڑھنے اور نمو کو روکا جا سکتا ہے تو اس علاج کرے طبیعت کو قوت دے اور مادہ (مرض) کو ضعیف کرے۔

۱۶۔ نضج سے قبل کسی خلط کو استفراغ کے ذریعہ خارج نہ کرے، بلکہ پہلے اس کا نضج کرے جب نضج مکمل ہو جائے تو استفراغ کی جانب توجہ کرے۔

۱۷۔ نیز طبیب کو قلوب وارواح کے امراض اورادویہ کا علم ہو جائے۔ اور علاج کے مسئلہ میں یہ چیز مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۸۔ مریض سے لطف ونرمی کے ساتھ پیش آئے، جیسے کہ بچے کے ساتھ نرمی سے پیش آتے ہیں۔

۱۹۔ طبعی الہیاتی اور نفسیاتی ہر قسم کا طریق علاج استعمال کرے، کیونکہ ماہر اطباء سے بعض اوقات نفسیاتی طور پر ایسے ایسے عجائب وغرائب صادر ہوتے ہیں جن تک ادویہ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ الغرض طبیب مرض کا ہر نوع سے اور قسم سے علاج کرے

۲۰۔ ایک اچھے اور کامل طبیب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علاج وتدبیر ذیل کے امور پر منحصر ہو!

۱۔ حفظ صحت موجودہ۔

۲۔ ردصحت مفقودہ۔

۳۔ مرض کا ازالہ۔

۴۔ اس کی امکان بھر تقلیل۔

۵۔ دو خرابیوں میں سے زیادہ بڑی خرابی کو دور کرنے کے لیے ہلکی مضرت کو قبول کر لینا

۶۔ بڑے فائدے کے حصول کی خاطر چھوٹے کی قربانی دینا۔

یہ ہیں وہ چھ اصول جن پر کامیاب علاج کا انحصار ہے۔ اور جو طبیب ان امور کو نظر انداز کر دیتا ہے اسے معالج اور طبیب کہنا روا نہیں۔

مریض کے چار احوال ہوتے ہیں:

۱۔ ابتدائے امراض۔

۲۔ مرض کا شباب۔

۳۔ مرض کی انتہا۔

۴۔ مرض کا انحطاط۔

اس لیے طبیب پر ہر مزاج کی رعایت کرنا اور احوال مرض کا خیال رکھنا واجب ہے

اگر طبیعت میں یہ محسوس کرے کہ طبیعت تحریک و استفراغِ فضلات کی محتاج ہے تو عجلت سے ان کا نضج کرے (اور پھر اسہال وغیرہ سے ان کا استفراغ کرے)

طبیب کی حذاقت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر آسان تدبیر ممکن ہو تو دشوار علاج کی طرف متوجہ نہ ہو، اور اضعف سے اقوی کی طرف آہستہ آہستہ منتقل ہو، ہاں اگر (مریض) کی قوت کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ابتدا ہی سے قوی ادویہ سے علاج کرنا درست ہے۔

علاج کے دوران میں ایک ہی ڈگر پر قائم نہ رہنا چاہیے کیونکہ طبیعت اس سے مانوس ہو کر دوا کے اثرات کھو دیتی ہے اور یہ تو گذر ہی چکا ہے کہ اگر غذائی علاج ہو سکے تو دوائی علاج سے پرہیز کیا جائے اور اگر یہ معلوم کرنا دشوار ہو جائے کہ آیا مرض گرم ہے یا سرد، تو جب تک یہ معاملہ کھل نہ جائے تب تک (علاج) نہ کرے۔ اور جس سے ضرر کا اندیشہ ہو اس کا تجربہ نہ کرے۔ ہاں اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں اور اگر چند امراض یکجا صورت میں پائے جائیں تو ایسی صورت میں تین میں سے کسی ایک خصوصیت کا خیال رکھ کر علاج کرنا چاہیئے۔

ایک یہ کہ دوسرے مرض کی صحت کا مدار اس (مرض) کے دور ہونے پر ہو، جیسے ورم اور زخم کیونکہ اس کی ابتداء ورم سے ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک دوسرے کا سبب ہو جیسے سدّہ اور حمی متعفنہ (تعفن کے باعث بخار) کہ اس میں سبب کے ازالہ سے علاج کی ابتدا کرنا چاہئے۔

تیسرے یہ کہ ایک دوسرے سے زیادہ اہم ہو، جیسے کہ حاد اور مزمن امراض۔ اس میں حاد کا پہلے علاج کرنا چاہیئے۔ نیز اس کے باوجود دوسرے مرض سے بالکل بے اعتنائی بھی اختیار نہ کرنی چاہیئے۔

امراض متعدی

بیماروں کے لیے احتیاط
اور صحت مندوں کے لیے ہدایت

جذام اور دق وسل سے تحفظ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے۔ کہ وفد ثقیف میں ایک شخص جذام کے مرض میں مبتلا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کہلایا۔ تم واپس جاؤ۔ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے تعلیقاً مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جذامی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جذامی کی طرف زیادہ دیر تک مت دیکھو۔

نیز حضرت ابوہریرہؓ سے روایت منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جذامی سے اس طرح کلام کرو کہ اس کے اور تمہارے درمیان ایک یا دو نیزوں کا فاصلہ ہو۔

جذام ایک نہایت خطرناک مرض ہوتا ہے۔ جو بدن کے سارے حصہ میں مرۂ سوداکے پھیل جانے سے پیدا ہوتا ہے، اور اعضاء کے مزاج، ہیئت اور شکل کو خراب وفاسد کر دیتا ہے، گاہے گاہے۔ آخر میں انہیں اس قدر خراب

کر دیتا ہے کہ اعضاء گل جاتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔) اس مرض کو داء الاسد بھی کہا جاتا ہے۔

جذام اور ورق وسل موروثی امراض ہیں

اطباء کے نزدیک یہ مرض موروثی اور متعدی ہوتا ہے۔ جذامی اور سل کے مریض کے پاس رہنے والا بھی ان امراض کی ہوا سے مبتلائے مرض ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امت پر بکمال شفقت و نصیحت کی بنا پر ان اسباب سے بھی منع فرمایا، جن سے ان کے اجسام و قلوب میں فساد مرض لاحق ہو، اور فی الحقیقت لگا ہے گا ہے بدن میں اس مرض کے قبول کر لینے کی استعداد مخفی ہوتی ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ طبیعت نقّال ہونے کے باعث مجالست و مخالطت رکھنے والے امراض سے تیزی کے ساتھ منفعل اور متاثر ہو جاتی ہے۔

کیا یہ احادیث باہم معارض ہیں؟

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ یہ احادیث آپس میں معارض ہیں۔ اور ایک دوسرے کا بطلان و نقض کرتی ہیں ان میں سے ایک ترمذیؒ کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جذامی آدمی کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے پیالے میں ڈالا اور فرمایا!

کھاؤ۔ بسم اللہ ثقۃ باللہ وتوکلاً علیہ! یعنی اللہ کے نام سے اللہ پر اعتماد رکھتے ہوئے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور ابن ماجہؒ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کیا اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

کوئی متعدی مرض (عدوی) نہیں۔ نہ طیرہ (فال) ہے۔

ان احادیث میں تعارض نہیں

اور ہم کہتے ہیں۔ کہ بحمد اللہ ان احادیث میں صحیحہ کوئی تعارض نہیں جب تعارض

ہوتا ہے۔ تو صرف ان روایات میں ہوتا ہے۔ جو کلام نبوت میں سے نہ ہوں، نیز بعض رواۃ نے بھی ثقہ ہوتے کے باوجود خلط ملط کر دیا ہے، یا پھر ایک روایت دوسری کے لیے ناسخ ہوتی ہے بشرطیکہ نسخ ہو سکتا ہے۔ نیز فہم سامع کے ذہن میں بھی تعارض ہو سکتا ہے۔ حقیقتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تعارض نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ ہر معنی کے لیے ایک وقت ومقام ہے۔ جب جگہ متعین ہو جائے تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

عدوی کی دو قسمیں ہیں۔

ایک جذامی کا عدوی۔ جذامی کی ہوا از حد شدید ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ مجالست و مخالطت رکھنے سے مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ نیز جذامی اپنی بیوی سے جب قربت کرتا ہے تو اس حرکت سے بھی اس کا یہ مرض عورت میں منتقل ہو سکتا ہے، نیز اس کا یہ مرض اولاد میں بھی منتقل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دق اور سل کے مرض کا معاملہ ہے،، یہ بھی انتقال پذیر ہیں ایک سے دوسرے کو لگ سکتے ہیں۔ چنانچہ اطباء مسلول اور جذامی کے پاس مجالست کرنے سے منع کرتے ہیں،، اور اس ممانعت سے وہ تو یہ مراد نہیں لے رہے ہوتے بلکہ ان کا مطلب فقط تغیر ہوا سے ہوتا ہے۔

دوسری قسم متعدی امراض کی طاعون ہے۔ جو شہر میں واقع ہو اس صورت میں پھوٹ لگ جانے کے ڈر سے لوگ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

وبا پھوٹ پڑنے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

جب وبا کسی شہر میں واقع ہو تو وہاں میں رہائش پذیر ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔ اور اگر یہ کسی شہر میں پہلے سے موجود ہو تو اس میں داخل نہ ہو،،

باہر نہ نکلنے سے مراد آپ کی یہ تھی۔ کہ جب تم اس شہر میں ہو۔ تو باہر نہ

جاؤ۔ گویا تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ اللہ کی تقدیر سے فرار اختیار کرنا تمہیں اللہ سے نجات دے دے گا۔ اور آپؐ کا یہ فرمان کہ جب یہ وبا کسی شہر میں ہو تو وہاں داخل نہ ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تم ٹھہرے ہو یعنی جہاں طاعون نہیں ہے وہ جگہ تمہارے قلوب کے لیے زیادہ اطمینان بخش اور تمہارے رہنے کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

دوسرے گروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جذامی سے اجتناب و فرار کا حکم استحباب اختیار وارشاد کے طور پر ہے۔ رہا اس کے ساتھ کھانا تو یہ صرف جواز کے لیے ہے۔ حرام نہیں۔

دوسرے گروہ نے کہا ہے۔ کہ یہ دونوں خطاب کلی نہیں بلکہ جزئی ہیں۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کے حسب حال حکم دیا ہے۔ بعض کا ایمان اور توکل قوی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی قوت توکل تقدیر کی قوت کو فنا کر دیتی ہے اس کے برعکس بعض لوگ اس کی قوت نہیں رکھتے۔ چنانچہ آپؐ نے احتیاط و تحفظ کے طور پر انہیں الگ خطاب فرمایا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے لیے نمونہ اقتداء چھوڑنے کے لیے دونوں امور ارشاد فرمائے تاکہ امت کے قوی توکل رکھنے والے ایک عمل اختیار کریں۔ اور جو کمزور ہوں وہ تحفظ واحتیاط کی صورت اختیار کریں اور یہ دونوں سنن صحیح ہیں۔ ایک مومن قوی کے لیے اور دوسری مومن ضعیف کے لیے۔

ایک جماعت نے کہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ متعدی امراض خود طبعی طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف اضافت کیے بغیر ہی تعدیہ کرتے ہیں۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اعتقاد باطل کیا۔ اور جذامی کے ساتھ کھایا۔ تاکہ انہیں بتا دیا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مریض کرتا اور شفاء دیتا ہے۔ اور قربت سے یوں منع فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسباب کو مسببات (امراض) تک پہنچ جانے کا سبب بنایا ہے

تو اثبات اسباب کی نفی میں آپ نے وضاحت فرما دی۔ کہ کسی چیز کو معمولی نہ سمجھو بلکہ پروردگار اگر چاہے تو اس کی قوت سلب کرلے۔ پھر کچھ بھی اثر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر باقی رکھنا چاہیے۔ تو اس کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

غرابت روایات سے بچنے کی تاکید ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ احادیث ایک دوسرے کے لیے ناسخ و منسوخ ہیں۔ اس صورت میں ان کی تاریخ دیکھی جائے گی۔ اگر متاخر حدیث کی تاریخ کا علم ہو جائے تو ایک کو ناسخ قرار دیا جائے گا۔ ورنہ توقف قائم کرنا ہوگا۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی کا ہاتھ پکڑ کر پیالے میں ڈالا، تو یہ حدیث ثابت نہیں، اور نہ صحیح ہے۔ امام ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ حسن ہے بلکہ اسے غریب قرار دیا ہے۔ اور شعبہؒ وغیرہ نے فرمایا۔ کہ ان غرائب (روایات) سے بچو۔ اور ہم نے کتاب المفتاح میں اس مسئلہ پر خوب سیر حاصل اور طویل تبصرہ کیا ہے۔[1]

---

[1] : احادیث کی پرکھ کے لیے آئمہ حدیث نے بڑے سخت اور بے لچک اصول و قواعد مقرر کیے ہیں، ان کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو بڑی آسانی سے کھوٹی اور کھری، صحیح اور غلط، حدیث کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے اس کے بعد پھر حدیث کی صحت شک و شبہ سے بالا ہو جاتی ہے۔

حرام چیزیں دوا نہیں بن سکتیں

یہ بجائے خود ایک قسم کی سخت اور شدید بیماری ہیں

سنن ابو داؤدؒ میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک اللہ تعالےٰ نے مرض بھی نازل کیا اور دوا بھی اتاری، اور ہر مرض کے لیے دوا پیدا کی۔ اس لیے دوا کرو۔ البتہ حرام چیز سے علاج مت کرو۔

اور صحیح بخاریؒ میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی ہے جنہیں تم پر حرام کر دیا ہے۔

سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپاک دوا سے منع فرمایا ہے۔

شراب دوا نہیں مرض ہے

صحیح مسلم میں طارق بن سوید جعفی سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا۔ آپؐ نے اس سے منع فرمایا، یا اس کے بنانے پر کراہت ظاہر فرمائی۔

اس نے عرض کیا۔ میں تو دوا کے لیے بناتا ہوں۔

آپ نے فرمایا! یہ دوا نہیں بلکہ مرض ہے۔

اور سنن میں مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوا میں ڈالنے کے لیے شراب کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہ مرض ہے۔ علاج نہیں! یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے۔

اور سنن نسائی میں منقول ہے۔ کہ ایک طبیب نے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دوا کے لیے مینڈک کا ذکر کیا۔ آپ نے اسے ہلاک کرنے سے منع فرمایا!

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، آپ نے فرمایا! جس نے شراب سے علاج کیا۔ اسے اللہ شفاء نہ دے۔

محرمات سے علاج کرنا عقل اور شرع ہر لحاظ سے قبیح فعل ہے۔ شریعت کا خیال تو ہم نے احادیث وغیرہ میں بیان کر دیا ہے۔ اور عقل کے لحاظ سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا، خدائے بزرگ و برتر نے خبث انہیں حرام کیا ہے، کیونکہ اس امت پر سزا کے طور پر کوئی طیب چیز حرام نہیں کی گئی۔ جیسے کہ بنی اسرائیل پر حرام کی گئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ۔

یعنی: پس ان کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کر دیں ان پر پاک (چیزیں)، جو حلال کی گئیں ان کے لیے۔

جو چیزیں حرام ہیں ان کی بنیاد خبیث ہے

اور اس امت (مسلمہ) پر جو چیز بھی حرام ہے۔ وہ محض خبث کی وجہ سے حرام ہوئی۔ تاکہ اس کے خبث سے پرہیز کر کے (مرض) سے بچاؤ حاصل کیا جائے۔ اس لیے امراض و اسقام سے شفاء نہیں مل سکتی۔ اور

اگر قوتِ (تبزی) کے اثر سے مرض کا ازالہ بھی کر دے پھر بھی خبث کے باعث قلب میں اس سے بھی زیادہ خطرناک مرض پیدا کرے گی اور ام الخبائث (شراب) میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذرّہ بھر بھی شفاء نہیں رکھی، کیونکہ یہ دماغ کے لیے شدید ترین ضرر رساں ہے۔ جو اطباء فقہاء اور متکلمین سب کے نزدیک عقل و دانش کا مرکز ہے۔

شراب کے بارے میں بقراط کی رائے

بقراط نے امراض حادہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ شراب دماغ کے لیے سخت ترین نقصان دہ ہے کیونکہ یہ تیزی کے ساتھ اوپر کی جانب چڑھ جاتی ہے۔ اور اس کے ارتفاع کے ساتھ ساتھ بدنی (فاسد) اخلاط بھی چڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ ذہن کے لیے بھی مضر ہے۔ اور صاحب کامل نے لکھا ہے۔ کہ شراب کی خاصیت دماغ اور اعصاب کو ضرر دینا ہے [1]۔

---

[1]: حرام چیزوں سے کوئی شبہہ نہیں احتیاط کامل اور مکمل پرہیز لازم ہے۔ اور ان سے گریز و اجتناب ایمان کی علامت ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اس طرح کے احکام و مسائل سے دو طرح کے اشخاص کو سابقہ پڑتا ہے۔

ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو صاحبِ عزیمت ہیں، یہ اتنے باعزم اور باحوصلہ ہوتے ہیں کہ ماتھے پر شکن لائے بغیر، احکام و اوامر الٰہی کی تعمیل ہر حالت میں کرتے ہیں۔ خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جائے، خواہ کیسے ہی مصائب کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۸۶ پر)

سر میں جوں کا پڑنا

اسباب، تحفظ، علاج، تدبیر

صحیحین میں کعبؓ بن عجرہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتلایا کہ میرے سر میں درد تھا۔ چنانچہ مجھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لے جایا گیا۔ جوئیں چہرے پر سر سے گر رہی تھیں۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ آپؐ نے انہیں سر منڈانے اور چھ آدمیوں کو کھانا کھلانے یا بکری کی قربانی دینے یا تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔

سر اور بدن میں دو وجوہ سے جوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک خارجی سبب سے، ایک داخلی سبب سے۔

(بقایا حاشیہ) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو صاحب رخصت ہوتے ہیں، یعنی ان کا عزم وحوصلہ کمزور ہوتا ہے لہٰذا انہیں صاحبِ عزیمت لوگوں کے مقابلہ میں سہولت اور آسانی حاصل ہوتی ہے، مثلاً مردار کا کھانا بھی شراب کی طرح حرام ہے، لیکن اگر کئی فاقوں کے بعد آدمی جان بچانے کے لیے کھالے تو جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

یعنی جو شخص سرکشی اور بغاوت کا مرتکب ہوئے بغیر جان بچانے کے لیے ایسا کر گذرے تو اس پر گناہ نہیں، ۔۔ یہی صورت شراب کی ہے۔

خارجی سبب سطح بدن پر میل کچیل کی زیادتی کے باعث ان کا پیدا ہونا ہے۔ دوسری قسم یعنی داخلی، ردی اور متعفن خلط سے ظاہر ہوتی ہے۔ جسے طبیعت ظاہر جلد کی طرف پھینک دیتی ہے۔ چنانچہ یہ خلط مسامات سے خارج ہونے کے بعد ظاہر جلد پر رطوبت دم کے باعث تعفن پذیر ہو کر جوؤں کی پیدائش کا سبب بنتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر امراض کے بعد یا میل کچیل سے جوئیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ اور بچوں کے سروں میں رطوبت کی کثرت سے زیادہ تر یہ مرض واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں جوئیں پیدا ہونے کے اسباب زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی جعفر کے لوگوں کے سر منڈوا دیئے۔ اور اس مرض کا سب سے بڑا علاج سر منڈوانا ہی ہے۔ تاکہ مسامات کھل جائیں۔ اور فاسد بخارات خارج ہو جائیں۔ اور مادہ خلط ختم ہو جائے۔ نیز یہ بھی مناسب ہے کہ جوئیں مارنے والی ادویہ سر پر لگائی جائیں۔

سر منڈوانے کی تین صورتیں

سر منڈوانا تین طرح سے ہوتا ہے۔
ایک مذہبی بنا پر،
دوسرا بدعت اور شرک کے باعث۔
تیسرا ضرورت اور علاج کے لیے۔

پہلا حج اور عمرہ میں کیا جاتا ہے۔

دوسرا اللہ تعالےٰ کے سوا حصولِ قرب کے لیے سر منڈوانا جیسے مرید اپنے شیوخ کے لیے منڈاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرید کہتا ہے میں نے فلاں کے لیے سر منڈوایا۔ اور تو نے فلاں کے لیے سر منڈوایا۔ اور یہ قول اسی طرح ہے کہ جیسے کوئی کہے! میں نے فلاں کو سجدہ کیا۔ کیونکہ حلق سر خشوع و خضوع اور عبودیت کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے یہ مکملات حج میں سے ہے امام شافعی رحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ یہ (حلق راس) حج کے ارکان میں سے ایک

رکن ہے۔ اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔ پھر شیوخ الضلال (گمراہی کے مرکز) اور دشمنان پروردگار ظاہر ہوئے جن کی مشیخیت کی بنیاد ہی شرک و بدعت پر ہے انہوں نے مریدوں سے اپنی عبادت کرانے کا قصد کیا۔ چنانچہ انہیں یہ بات خوب لگی۔ کہ وہ ان کے لیے سر منڈوائیں۔ جیسے انہوں نے سجدہ کو اپنے لیے خوب سمجھ رکھا ہے۔ اور اس کا نام دوسرا رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں یہ تو گویا اپنے شیخ کے سامنے سر رکھ دینا ہے۔ حالانکہ سجدہ تو صرف اللہ تعالٰی کے لیے جائز ہے۔ انہوں نے چاہا یہ ہے کہ مرید لوگ ان ہی کے نام کی نذریں دیں۔ ان ہی سے تائب ہوں۔ اور انہی کے ناموں کی قسمیں کھائیں۔ یہ صورت دراصل اللہ سے جدا رب بنانا اور اللہ کے سوا ان کو خدا ٹھہرانا ہے۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا!

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

یعنی کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے، پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ، اللہ کو چھوڑ کر بلکہ یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھاتے تھے۔ کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔ اور نہ یہ کہے کہ تم ٹھہرا لو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا تم کو کفر سکھائے گا۔ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔"

نام نہاد شیوخ اور صوفیہ پر اعتراض

سب سے افضل عبادت نماز کی عبادت ہے اور مصنوعی شیوخ و علماء نے اسے بھی تقسیم کر لیا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے شیخ (کاذب) نے سب سے بڑی عبادت (سجدہ) کو اپنا لیا۔ بعض نے رکوع کروا لیا۔ چنانچہ جب وہ ایک

دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو جس طرح ایک نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار کے سامنے رکوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ گمراہ (صوفی) ایک دوسرے کو رکوع کرتے ہیں اور ذرا جابر قسم کے (شیوخ) نے قیام اختیار کر لیا۔ چنانچہ آزاد و غلام ان کی عبادت کرتے ہوئے ان کے سامنے قیام کرتے ہیں۔ اور یہ شیوخ متکبرانہ انداز بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں امور سے مفصل طور پر ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ امور شریعت حنفیہ کے صریح طور پر خلاف ہیں۔

غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں

آپ نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا کسی کو مناسب نہیں کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے۔

اور جب معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ نے ان کے اس فعل (کی تصویب) کا انکار فرمایا۔ اور فرمایا!

ٹھہرو (الپسامت کرو)

اب اگر کوئی اس قسم کی (تکریم) ایک بشر کے لیے جائز کر دے۔ تو گویا اس نے غیر اللہ کی عبادت کو جائز کہا۔

اور صحیح روایت میں آپ سے ثابت ہے۔ کہ آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ اگر ایک آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو کیا وہ اس کے لیے جھک جائے۔

آپ نے فرمایا نہیں۔

عرض کیا گیا۔ کیا اس سے چمٹ جائے اور اسے بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا نہیں

عرض کیا گیا اس سے مصافحہ کرے آپ نے فرمایا۔ ہاں!

سلام کے موقع پر جھکنا بھی سجدہ ہے

نیز سلام کے موقع جھک جانا بھی دراصل ایک نوع کا سجود ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ کا کلام ہے۔ ادخلوا الباب سجداً یعنی جھکتے ہوئے (داخل ہونا) ورنہ یہ سب جانتے ہیں۔ کہ پیشانی کے بل لیٹ کر داخل ہونا تو محال ہے۔

صحیح روایت میں آپؐ سے قیام کی ممانعت ثابت ہے۔ جب کہ وہ بیٹھے ہوں جیسے کہ عجمی لوگ ایک دوسرے کے لیے کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز میں بھی اس سے منع فرمایا۔ اور حکم دیا۔ کہ جب آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھائیں۔ تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ حالانکہ صحابہؓ تندرست تھے۔ اور انہیں کوئی عذر نہ تھا۔ لیکن اس لیے بیٹھنے کا حکم ملا آپؐ کے بیٹھتے ہوئے وہ آپؐ کے سر پر کھڑے نہ رہیں۔ کیونکہ ان کا قیام تو اللہ کی (عبادت) کے لیے ہے۔

اس (برائی) کا اندازہ کیجیے جو غیر اللہ کی تعظیم و عبادت کے لیے قیام سے پیدا ہوتی ہے،

یہ تمام امور شرک ہیں، اور اللہ تعالٰے شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات

ادویہ طبعیہ، ادویہ روحانیہ، مفرد اور مرکب سے

معالجات

نظر برحق ہے

نظربد، اس کے اثرات اور معالجات

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ نظر حق ہے اگر کوئی چیز قدر سے بھی بڑھ جاتی تو وہ نظر ہی ہو سکتی تھی۔

نظربد کا علاج جھاڑ پھونک سے

اور اسی صحیح میں حضرت انس رضؓ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار، نظر اور پھوڑے پھنسی کے امراض میں جھاڑ پھونک کروانے کی اجازت دی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے حدیث مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نظر حق ہے۔

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ آپؐ نظر لگانے والے کو حکم دیتے۔ وہ وضو کرتا اور (مریض) نظر والا اس (پانی) سے غسل کرتا۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

حکم دیا یا (کسی کو) حکم دیا کہ ہم نظر (کے مرض) میں جھاڑ پھونک کروا لیا کریں۔
ترمذیؒ نے حضرت سفیانؓ بن عیینہ سے انھوں نے عمرو بن دینارؓ سے انھوں نے عروہ بن عامرؓ سے انھوں نے عبید بن رفاعہ زرقی سے روایت کیا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا،
اے اللہ کے رسول بن جعفر کو نظر لگ جاتی ہے، کیا میں ان کے لیے جھاڑ پھونک کروا لوں؟
آپؐ نے فرمایا، ہاں، اگر کوئی چیز قضا پر سبقت کر جاتی تو وہ نظر ہو سکتی تھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن شہاب سے انھوں نے ابی امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کی ہے انھوں نے بتایا کہ عامرؓ بن ربیعہ نے حضرت سہلؓ بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا، تو کہا۔
بخدا میں نے آج تک ایسا بانکا شخص نہیں دیکھا اور نہ ایسی خوبصورت جلد دیکھی۔
راوی کہتے ہیں اس پر حضرت سہلؓ کو نظر لگ جانے کے باعث دست شروع ہو گئے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم عامرؓ کے پاس تشریف لائے اور ناراض ہوئے اور فرمایا،
تم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی کو کس وجہ سے قتل کرتا ہے؟ اس کے لیے غسل کرو۔ حضرت عامرؓ نے اپنا چہرہ ہاتھ کہنیاں، گھٹنے، اطراف پاؤں اور اندرون ازار ایک پیالے میں دھویا۔ پھر یہ پانی ان پر بہایا گیا، تو ٹھیک ہو گئے۔

نظرِ بد کی دو قسمیں

نظر دو قسم کی ہوتی ہے، انسانی اور جناتی نظر۔
حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ایک باندی دیکھی، جس کے چہرہ پر (سعفہ) پھوڑا تھا۔
آپؐ نے فرمایا، اس کی جھاڑ پھونک کراؤ کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے۔
حسین بن مسعود فراء فرماتے ہیں کہ آپؐ کا فرمان "سعفہ" سے مراد جناتی نظر ہے اور جناتی نظر اس قدر تیز ہوتی ہے کہ نیزوں کی نوک سے بھی زیادہ۔

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگتے تھے۔

ایک گروہ نے عقل و خرد کی کمی کے باعث نظر کو غلط کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ نرے اوہام ان کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ لوگ عقل و خرد کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ فرومایہ اور جاہل ہیں۔

ارواح میں نظر کی تاثیر، ان کے طبائع۔ قوی، کیفیات و خواص کے لحاظ سے مختلف ہے۔ چنانچہ حاسد کی روح، محسود پر بیّن طور پر ضرر رساں اثر کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ محسود کے ضرر دینے میں حاسد کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ نفسِ حاسد خبیث قسم کی کیفیات کے ساتھ محسود کا تقابل کرتا ہے اور اس میں (خبیث) خاصیت کے ساتھ ہو کر (اسے ضرر دیتا ہے) اور اس کی تاثیر اتصال بدن پر موقوف نہیں، جیسا بعض کم علم اور طبیعت و شریعت سے جاہل لوگوں سے کا خیال ہے، بلکہ گاہے گاہے اتصال بدن سے کبھی تقابل ہو جانے سے کبھی محض دیکھ لینے اور کبھی صرف روحانی توجہ سے بھی تاثر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ادعیہ، منتروں اور تعویذات اور کبھی صرف وہم و تخیل سے بھی اثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔

یعنی، "تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی۔ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی، اور بدی سے اندھیرے کی، جب سمٹ آئے اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونک ماریں اور بدی سے برا چاہنے والے کی جب لگے ٹوک لگانے والے کی۔"

چنانچہ ہر نظر لگانے والا حاسد ہوتا ہے۔ ہاں ہر حاسد نظر لگانے والا نہیں ہوتا۔

نظرِ بد کا عِلاج
سنّت نبوی کی روشنی میں

نظر کے مرض میں علاج نبوی کی کئی انواع ہیں۔

سنن ابوداؤدؒ میں حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے، کہ ہم ایک سیلاب میں سے گزرے۔ میں اس میں داخل ہوا، اور اس میں غسل کیا۔ لیکن باہر آتے آتے مجھے بخار ہوگیا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا ابوثابت سے کہو کہ وہ تعوذ کرے۔

راوی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے میرے آقا دم کرانا اچھی بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دم صرف نظر[1] یا حمی[2] یا لاغ[3] میں ہوتا ہے۔ یہ تعوذات اور دم بکثرت معوذتین سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی سے مراد ہیں۔

نیز تعوذات نبوی بھی مروی ہیں۔

---

[1] نظرِ بد۔ [2] بخار۔

[3] بچھو وغیرہ کا ڈس لینا۔

مثلاً اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن برولا فاجر من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ما ینزل من السماء ومن شر ما یعرج فیھا ومن شر ما ذرأ فی الارض ومن شر ما یخرج منھا ومن شر فتن اللیل والنھار ومن شر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون۔

یعنی میں اللہ کے کلمات تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، جن سے کوئی نیک وبد نہیں بڑھ سکتا، اس کے شر سے جو اس نے پیدا کیا۔ اس کی تخلیق کی یا نیست سے ہست کیا اور اس کے شر سے جو آسمان سے اترتا ہے اور اس کے شر سے جو اس میں چڑھتا ہے اور اس کے شر سے جو زمین میں پیدا کیا۔ اور اس کے شر سے جو اس میں سے نکلتا ہے اور رات اور دن کے فتنوں کے شر سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وساوس سے اور اس بات سے کہ وہ (میرے پاس) آن موجود ہوں"

نیز یہ دعا بھی مروی ہے:

اللھم انی اعوذ بوجھک الکریم وکلماتک التامات من شر ما انت اخذ بناصیتہ اللھم انت تکشف الماثم والمغرم اللھم انہ لا یھزم جندک ولا یخلف وعدک سبحانک وبحمدک۔

یعنی "اے اللہ میں تیرے چہرہ انور کے ساتھ اور تیرے کلماتِ تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، اس کے شر سے جس کی پیشانی کا تو پکڑنے والا ہے اے اللہ تو ہی قرض اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔ اے اللہ تیرے عساکر کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، اور تیرا وعدہ خلاف نہیں ہو سکتا، تو پاک ہے، اور تیری ہی حمد ہے"

نظرِ بد سے بچنے کی ایک اور دعا

نیز یہ دعا بھی مروی ہے:

اعوذ بوجہ اللہ العظیم الذی لا شی

اعظم منه وبكلماته التامات التي لا يجاوزهن برولا فاجر واسماء الله الحسنى ما علمت منها وما لم اعلم من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر كل ذي شر لا اطيق شره ومن شر كل ذي شر انت اخذ بناصيته ان ربي على صراط المستقيم۔

یعنی "میں خدائے بزرگ و برتر کے چہرہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے کوئی چیز بزرگ نہیں اور اس کے کلماتِ تامہ کے ساتھ جن سے کوئی نیک و بد نہیں بڑھ سکتا۔ اور اللہ کے اسماء الحسنیٰ کے ساتھ جو میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا اور اس کے شر سے جو اس نے پیدا کیا۔ تخلیق کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور ہر شر والی چیز کے شر سے جس کے شر (سہنے کی) مجھ میں ہمت نہیں اور ہر اس شر والی چیز کے شر سے جس کی پیشانی کا تو مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے راہ پر ہے۔

نیز، اللهم انت ربي لا اله الا انت عليك توكلت وانت رب العرش العظيم ماشاء الله كان ومالم يشاء لم يكن لا حول ولا قوة الا بالله اعلم ان الله على كل شيء قدير وان الله قد احاط بكل شيء علما واحصى كل شيء عددا اللهم اني اعوذ بك من شر نفسي وشر الشيطان وشركه ومن شر كل دابة انت اخذ بناصيتها ان ربي على صراط مستقيم۔

یعنی " اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے تجھی پر توکل کیا اور تو ہی عرش عظیم کا پروردگار ہے جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ اللہ کے سوا نہ قوت ہے نہ توفیق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کیا ہے، اے اللہ میں اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور ہر چلنے والے کے شر سے

پناہ مانگتا ہوں، جس کی پیشانی کا تو مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔"

جس نے بھی ان ادعیہ ماثورہ اور تعوذات کا تجربہ کیا وہ سمجھ لے گا کہ یہ کس قدر فوائد سے مملو ہیں اور ان کی کس قدر اہمیت ہے۔ ان سے نظر سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور کہنے والے کی قوتِ ایمانی کے مطابق ان سے دفاع ہو سکتا ہے اور اس کی قوتِ توکل و ثبات قلب کے مطابق تحفظ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ہتھیار ہے اور ہتھیار چلانے والے کے (فائدہ) کے لیے ہی ہوتا ہے۔

خود اپنی نظر لگنا

نظر بد سے بچنے کی ایک عام اور جامع دعا

اور جب عاین (نظر لگانے والا) کو اپنی نظر لگ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے دعا پڑھ کر اس شر کو دور کرنا چاہیئے، دعا یہ ہے:

اللھم بارك علیه یعنی اے اللہ اس پر برکت فرما۔

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامرؓ بن ربیعہ سے فرمایا، جب سہل رضؓ بن حنیف نے انھیں نظر لگائی، کہ کیا تم نے دعائے برکت نہیں کی۔ یعنی اللھم بارك علیه نہیں پڑھا؟

نیز ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ سے بھی نظر دور ہو جاتی ہے۔

ہشام بن عروۃ اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ کوئی تعجب انگیز چیز دیکھتے، یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھ لیتے۔

اسی قبیل سے حضرت جبریل علیہ وسلم کا وہ دم ہے جو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا، جو صحیح مسلم میں مروی ہے۔

"باسم اللہ ارقیک من کل داء یوذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک،

یعنی اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں۔ ہر مرض سے جو آپ کو تکلیف دے۔ ہر نظرِ بد یا حاسد کی نظر کے شر سے اللہ آپ کو شفاء دے گا، اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں"

آیات قرآنی گھول کر پلانا سلف کی جماعت کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اس مرض میں قرآنِ پاک کی آیات لکھ کر مریض کو پلا دیتے۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی ہرج نہیں کہ قرآن (کی آیات) لکھی جائیں پھر انہیں دھو کر مریض کو پلا دیا جائے۔

ابی قلابہؓ سے اس طرح مروی ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک عورت کے لیے قرآن مجید کی آیات لکھ کر اسے دھو کر پلانے کا حکم دیا، تاکہ ولادت میں آسانی ہو جائے۔

ایوبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہؓ کو دیکھا کہ انھوں نے قرآن میں سے کچھ لکھا اسے پانی سے دھو کر درد والے کو پلایا۔

ایک علاج نظر بد کا یہ بھی ہے کہ نظر لگانے والے کو اطرافِ بدن داخلِ ازار وغیرہ کے غسل کا حکم دینا چاہیے۔ اس سے مراد دائیں جانب کا وہ حصّہ بدن ہے جو متصل ازار ہے۔ پھر اسے مریض کے سر پر پیچھے سے اچانک بہا دیا جائے یہ وہ علاج ہے جو اطباء کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا، اور منکرین اور استہزاء کرنے والے لوگ بھی اس سے مستفید نہیں ہو سکتے، بلکہ یوں کہیئے کہ محض تجربہ کے طور پر اسے کرنے والے بھی فائدہ سے محروم رہتے ہیں۔ اگر انھیں فائدہ کا یقین نہ ہو، الغرض پانی سے دھونا اس کی ناریت کو ختم کر دینے کے اور اس کی سمیّت کو زائل کرنے کے مترادف ہے اس سے نظر کو شفاء حاصل ہوتی ہے۔ نیز غسل کے اثرات قلب پر پہنچتے ہیں جو تمام مقامات سے زیادہ رقیق اور سریع النفوذ ہے۔

اس طرح (مرض) کی ناریت بجھ جاتی ہے اور نظر بد کے مریض کو صحت حاصل ہو جاتی ہے، اس کی مثال اس طرح ہے۔ جیسے ڈسنے کے بعد اگر زہریلے کیڑوں کو مار دیا جائے تو مریض کے بدن سے زہر کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ اور اسے آرام محسوس ہوتا ہے کیونکہ ڈسنے کے بعد اس کا تنفس مریض کی جانب زہر اور سمیت کے اثرات زیادہ مقدار میں بھیجتا رہتا ہے اور جب اسے مار دیا جائے تو درد میں کمی آجاتی ہے اور یہ مشاہدہ میں ہر روز آتا رہتا ہے۔

نیز ڈسنے والے کیڑے کو ہلاک کرنا مریض کی طبیعت کے لیے فرحت و انبساط کا باعث ہوتا ہے اس لیے اس کی طبیعت درد کے مقابلہ میں قوی ہو جاتی ہے اور اسے دور کر دیتی ہے۔

نظر بد سے بچنے کا طریقہ

حضرت عثمانؓ بن عفان کا ایک واقعہ

نظر بد کے علاج اور اس سے تحفظ کے سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ ایسے مقامات کو چھپا یا جائے، جن پر نظر بد کا خطرہ ہو جیسے کہ امام بغویؒ نے کتاب شرح السنہ میں لکھا ہے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا، تو فرمایا، اس کی ٹھوڑی میں سیاہ داغ لگا دو، تاکہ اسے نظر نہ لگ جائے۔
اور خطابیؒ ایک غریب حدیث میں فرماتے ہیں، جو عثمانؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک بچے کو دیکھا جسے نظر لگ جاتی تھی (حضرت عثمانؓ) نے فرمایا، اس کی ٹھوڑی میں سیاہ داغ لگا دو۔

جھاڑ پھونک اور دم

جن سے نظر بد کا اثر زائل ہو جاتا ہے

ابو عبداللہ سیاحی سے منقول ہے کہ وہ حج یا غزوہ کے کسی سفر میں ایک سریع السیر اونٹنی پر سوار تھے۔ جماعت میں ایک آدمی تھا جس کی طرف نظر کرتا۔ اسے ہلاک ہی کر ڈالتا ابو عبداللہ سے کہا گیا، کہ اپنی اونٹنی کو نظرِ بد سے بچا کر رکھنا۔

انھوں نے کہا، میری اونٹنی پر کوئی راہ نہیں پا سکتا۔

نظر لگانے والے کو اس کی خبر دی گئی، اس نے ابو عبداللہ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا اور اس کے سامان کی طرف آکر اس کی اونٹنی کو (نظرِ بد) کے خیال سے دیکھا، وہ تڑپی اور گر گئی۔

ابو عبداللہ آئے تو انھیں بتایا گیا کہ نظر لگانے والے نے اُس کو نظر لگا دی، اور اب اس کی یہ حالت ہے جیسی تم دیکھ رہے ہو۔

انھوں نے کہا، مجھے (نظر لگانے والے) کی اطلاع دو، کہ وہ کہاں ہے؟ انہیں اطلاع دی گئی، وہ اس کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور یہ دعا پڑھی:

بسم اللہ حبس حابس وحجر یابس وشہاب قابس رددت عین العائن علیہ وعلی احب الناس الیہ فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر۔

یعنی ؛ " اللہ کے نام سے روکنے والے کی روک ، خشک پتھر ، شعلے والا ستارا ، میں نے نظر لگانے والے کی نظر اس پر اور اس کے سب سے زیادہ محبوب پر لوٹادی ۔ پھر دوبارہ نگاہ کرکہیں نظر آتی ہے ، تجھ کو دراڑ ، پھر لوٹا کر دیکھ ، دو دو بار لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہوکر ، تھک کر "

چنانچہ یہ دعا پڑھتے ہی نظر لگانے والے کی دونوں آنکھوں (کے حدقے) باہر نکل آئے ، اور راونٹنی اس طرح اٹھ گئی جیسے اسے کوئی تکلیف نہ ہو[1]

---

[1] جھاڑ پھونک اور دم بھی درحقیقت ایک طرح کی دعا ہی ہے ، اور اس کا اثر حیرت انگیز طور پر مرتب ہوتا ہے ، خاص کر ایسی چیزوں میں جو بجائے خود دوسرے انسان کے لیے اذیت رساں تکلیف دہ اور مضر ہوتی ہیں ۔ مثلاً نظر لگنا ۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور روزمرہ کی زندگی میں ہر شخص کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہوتا رہتا ہے ۔

روحانی علاج
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیّبہ،

سنن ابوداؤدؒ میں حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا،

جسے تم میں سے کوئی تکلیف ہو، یا اس کا بھائی کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے اسے چاہیئے کہ یہ دعا پڑھے:

ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمك امرك فی السماء والارض کما رحمتك فی السّماء فاجعل رحمتك فی الارض واغفرلنا حوبنا وخطایانا انت رب الطیبین انزل رحمتہ من عندك وشفاء من شفائك علی ھٰذا الوجع۔

یعنی "اے ہمارے پروردگار اللہ، جو آسمان میں ہے، تیرا نام مقدس ہے۔ تیرا امر آسمان اور زمین میں بھی اپنی رحمت فرما، اور ہمارے گناہوں اور لغزشوں کو معاف فرما دے، تو ہی پاک لوگوں کا پروردگار ہے۔ اپنے پاس سے رحمت نازل فرما، اور اپنی شفاء سے شفاء (نازل فرما) اس درد پر۔

چنانچہ یہ دعا پڑھتے ہی وہ اللہ کے اذن سے شفایاب ہو جائے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا اے محمدؐ کیا آپؐ کو تکلیف ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ دم پڑھا:

بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيكَ۔

یعنی "اللہ کے نام سے میں آپؐ پر دم کرتا ہوں۔ ہر مرض سے جو آپؐ کو تکلیف دے ہر جان کے یا نظرِ حاسد کے شر سے، اللہ آپؐ کو شفا دے گا۔ اللہ کے نام کے ساتھ میں آپؐ پر دم کرتا ہوں[1]"

---

[1] جو دعا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی ہو اور جو گویا براہِ راست خدا کی طرف سے آپؐ پر نازل ہوئی ہو، اس کی افادیت میں کون صاحبِ ایمان شک کر سکتا ہے؟

ضرورت صرف اس کی ہے کہ ان دعاؤں کو ایقان کامل کے ساتھ پڑھا جائے پھر ان کا اثر دیکھا جائے۔

نیشِ عقرب

سورۂ فاتحہ کے ذریعے علاج اور اس کی مصلحت

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت ایک مرتبہ ایک سفر پر نکلی۔ آخر کار یہ لوگ قبائلِ عرب میں سے ایک قبیلہ کے ہاں اترے، اور ان سے کھانا مانگا، انھوں نے انکار کر دیا۔

اچانک قبیلہ کے سردار کو کوئی (کیڑا) ڈس گیا، انھوں نے اس کے لیے ہر دوا کر ڈالی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، کسی نے کہا، اس قافلے کے پاس جاؤ، جو یہاں اترا ہے، شاید وہاں کسی کے پاس اس درد کا درماں مل جائے۔

وہ آئے اور کہا اے قافلے والو! ہمارے سردار کو کوئی (کیڑا) ڈس گیا ہے، اور ہم نے اس کا ہر علاج کر ڈالا ہے، لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا، کیا تمہارے پاس کچھ (دوا وغیرہ) ہے؟ ایک نے جواب دیا، ہاں! اللہ کی قسم میں دم کرتا ہوں، لیکن ہم نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے انکار کر دیا، اس لیے میں تب تک دم نہ کروں گا، جب تک کہ تم کچھ اُجرت طے نہ کر لو۔

چنانچہ انھوں نے بکری کا ایک ٹکڑا دینا منظور کر لیا۔ یہ اس پر دم کرنے لگے اور الحمد للہ رب العالمین الخ پڑھنے لگے۔ فوراً گویا اسے قید سے رہا کیا گیا، اُٹھ کر چلنے لگا،

اور اسے کچھ بھی تکلیف نہ رہی۔

انھوں نے کہا، وہ وعدہ پورا کرو، جو طے ہوا ہے۔

بعض نے کہا اسے آپس میں تقسیم کر لو۔

دم کرنے والے نے کہا، ایسا مت کرو۔ جب تک کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو لیں، تاکہ آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کریں اور دیکھیں کہ آپ اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

چنانچہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور آپ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا گیا۔

آپ نے فرمایا، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم بھی ہے۔ پھر فرمایا، تم نے ٹھیک کیا، تقسیم کر لو۔ اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سب سے بہترین دوا قرآن مجید ہے۔

اور یہ کسے نہیں معلوم کہ بعض کلاموں کے مخصوص فوائد اور مجرب منافع ہوتے ہیں، پھر رب العالمین کے کلام کا کیا کہنا جس کی فضیلت تمام کلاموں پر مسلم ہے جیسے اللہ کی فضیلت اپنی مخلوق پر ہے۔ یہی شفاء کامل اور عصمت نافعہ، نور ہادی اور رحمتِ عامہ ہے۔ اگر اسے پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو اس کے عظمت وجلال سے پارہ پارہ ہو جاتا۔

قرآن میں شفاء اور رحمت ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين یعنی " اور نازل کرتے ہیں ہم قرآن میں سے جو شفاء ہے اور رحمت ہے واسطے مومنوں کے "

اور یہاں وہ قولوں سے اصح کے مطابق جنسِ بیان مراد ہے، بعض حصہ مراد نہیں اللہ کا فرمان: وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظيما

پس سورۂ فاتحہ کے متعلق تو بدرجہ اول ظاہر ہے، کہ اس جیسی کوئی سورت قرآن تورات، انجیل اور زبور میں نازل نہیں کیا گئی۔ نیز اس میں اللہ کی تمام کتب کے معانی پائے جاتے ہیں۔ یہ سورت رب تعالیٰ کے اسماء صفات اللہ۔ رب۔ رحمن۔ نیز اثبات معاد۔ ذکر توحید ربوبیت و توحید الہیت ذکر ضرورتِ استعانت از پروردگارِ کریم وطلبِ ہدایت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ نیز علی الاطلاق سب سے افضل اور نافع دعا بھی یہ سورت ہے۔

نیز طرح طرح کی مخلوق پر مشتمل ہے، جو معرفتِ حق اس کی محبت و ایثار۔ نیز مغضوب وضال مخلوق کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

اور یہ بھی قول مروی ہے کہ دم کے اصل کلمات ایاك نعبد و ایاك نستعین ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں کلمات سب سے قوی اجزاء پر مشتمل ہیں، کیونکہ ان میں تفویض و توکل، استعانت و احتیاج کی انتہا ہے۔

میرا ذاتی تجربہ مکہ مکرمہ میں رہائش کے دوران مجھ پر بھی ایک وقت ایسا آیا کہ میں بیمار ہو گیا اور طبیب اور علاج کچھ میسر نہ آیا۔ چنانچہ میں آبِ زمزم پر سورہ فاتحہ دم کر کے اس سے علاج کیا کرتا، اور بار بار اس پر (سورہ فاتحہ) پڑھتا، پھر اسے پی لیتا۔ مجھے اس سے شفاء کامل حاصل ہوئی۔ اس کے بعد تو زیادہ تر امراض میں اسی سے علاج کرنے لگا۔ اور خوب فائدہ حاصل کیا۔

دفع سمیّت میں

سورۂ فاتحہ کی برکتیں اور فائدہ رسانیاں

سورۂ فاتحہ وغیرہ کے دم سے زہر زدہ کے علاج میں شفائی اثر بھی ایک عجیب راز ہے، کیونکہ زہر اپنے خاص غلط خواص کے لحاظ سے اثر کرتے ہیں، جیسا کہ گزر چکا، اور کیڑوں کا ہتھیار وہ ڈنک ہی ہوتا ہے جس سے وہ ڈستے ہیں، اور ڈستے اسی وقت ہیں جب کہ انتہائی طیش میں آتے ہیں، اور جب غصہ میں آتے ہیں تو (ان کے ڈنک) میں زہر بن جاتا ہے، جسے وہ ڈنک کے ذریعہ منتقل کر دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی ہر مرض کا علاج فرمایا ہے اور ہر چیز کی ضد بنائی ہے اور دم کرنے والے اور دم کرانے والے کے تنفس مل کر آپس میں فعل وانفعال کا تعلق پیدا کر لیتے ہیں جیسے مرض اور دوا میں تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ دم کرتے وقت دم کرنے والے کا دم اور قوت مرض کے مقابلہ میں بڑھ جاتا ہے، اور اللہ کے اذن سے مرض کو دور کر دیتا ہے۔

ادویہ کی تاثیرات کا مدار بھی فعل وانفعال پر ہے اور جیسے مادی امراض اور علاج میں تعلق ہوتا ہے، اس طرح روح اور روحانی علاج کا آپس میں تعلق ہوتا ہے۔

الغرض جب روح، سورۂ فاتحہ کے معانی کے ذریعہ قوی اور مخصوص کیفیت کی حامل ہو جاتی ہے۔

اور پھونک بالعاب سے استعانت حاصل کرتی ہے، تو یہ اثرات نفوس خبیثہ کے تمریض خواص کے مقابلہ میں آتے ہیں۔

اور انھیں ختم کر دیتے ہیں۔

بچھو کا ڈنک

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

حالت نماز میں آپؐ کی انگلی پر بچھو ڈسنا

مسند ابن ابی شیبہ رضؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے حدیث مروی ہے فرمایا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بچھو نے آپؐ کی انگلی پر ڈس لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

سورۂ اخلاص اور نمک کے پانی سے علاج

اللہ تعالٰے بچھو کو غارت کرے یہ کسی نبی اور غیر نبی کو نہیں چھوڑتا

پھر آپؐ نے برتن میں پانی منگایا، نمک ڈالا اور ڈسی ہوئی جگہ کو پانی اور نمک میں رکھا اور قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ آپؐ کو سکون ہو گیا۔

اس حدیث میں طبعی اور الٰہی دو دواؤں کا مرکب علاج ذکر ہوا ہے۔

سورہ اخلاص کے برکات و فوائد

سورۂ اخلاص میں اعتقادی طور پر توحید نام ہے اور اللہ کے لیئے اثبات احدیث ہے جس سے شرک کی نفی ہوتی ہے نیز اثبات صمدیت ہے جس میں اس کے ہر کمال کا اثبات

ہوتا ہے۔ نیز مخلوق کا اس کی طرف محتاج ہونا بھی ثابت ہے۔ نیز سلسلہ توالد کی نفی بھی پائی جاتی ہے اور یہ ثلث قرآن کے برابر شمار کی گئی اور یہی تین اصول مرکز توحید ہیں

اور معوذتین میں ہر مکروہ چیز سے مفصل ومکمل طور پر استفادہ ہے، کیونکہ من شر ما خلق میں ہر چیز اجسام یا ارواح کے شر سے استعاذہ (پناہ) پایا جاتا ہے اور من شر الفاسق یعنی رات کا استعاذہ قمر پر ہے کہ جب وہ غائب ہو جائے۔ تو اس وقت جو ارواح خبیثہ زمین میں پھیل جاتے ہیں ان سے استعاذہ مقصود ہے۔

دوسری سورت میں شیاطینِ انس وجن سے استعاذہ بتایا گیا، گویا یہ دونوں مؤخر سورتیں ہر قسم کے شر سے استعاذہ کی راہ بتاتی ہیں۔

تحفظ اور مصائب آنے سے قبل دفاع کے سلسلہ میں ان دونوں سورتوں کی ایک عجیب شان ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہؓ بن عامر کو ہر نماز کے بعد یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حکم دیا (جامع ترمذی)

اس میں ایک نماز سے دوسری نماز تک تحفظ کے لیے ایک عجیب راز ہے۔ آپؐ نے فرمایا (کسی تعوذ کرنے والے نے ان جیسی (سورتوں) کے ساتھ تعوذ نہیں کیا۔

منقول ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ گرہیں لگا کر سحر کیا گیا اور حضرت جبریل علیہ السلام ان دو سورتوں کو لے کر نازل ہوئے۔ چنانچہ جوں جوں وہ ایک ایک آیت پڑھتے رہے ایک ایک گرہ کھلتی رہی۔ حتیٰ کہ تمام گرہیں کھل گئیں۔ اس طرح وہ گویا قید سے رہا ہوئے۔

اور اس میں علاجِ طبعی بھی ہے، چونکہ نمک کئی زہروں خصوصاً بچھو کے زہر کے لیے دافعانہ اثر رکھتا ہے (اس لیے آپؐ نے اسے بھی استعمال فرمایا)

صاحبِ قانون کہتے ہیں کہ بچھو کے ڈسے پر بیج کتاں کے ساتھ ملا کر ضماد کیا جائے، ان کے علاوہ دوسرے اطباء نے لکھا ہے کہ نمک میں ایک ایسی قوتِ جاذبہ ہوتی ہے جو زہر کو جذب کر کے ورم کو تحلیل کر دیتی ہے۔

بچھو کے ڈنک سے بچنے کی دعا صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، گذشتہ شب مجھے ایک بچھو ڈس گیا۔

آپؐ نے فرمایا کاش تو شام کے وقت یہ دعا پڑھتا ہوتا۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تو تجھے ضرر نہ ہوتا۔

یاد رکھیے، ادویہ الٰہیہ مرض آنے کے بعد فائدہ دیتی ہیں اور مرض آنے سے قبل اس سے تحفظ کرتی ہیں اور اگر مرض آئے بھی تو ضرر رساں نوعیت اختیار نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ موذی ہی کیوں نہ ہو۔ اور طبیعی ادویہ (طبی) مرض کے آنے کے بعد ہی فائدہ دیتی ہے۔ چنانچہ تعوذات و اذکار یا تو اسباب (آفت) کو دور کر دیتے ہیں یا ان میں اور ان کے کامل اثرات میں حسب کمال تعوذ حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تعوذ اور دم کو حفظانِ صحت اور ازالہ مرض ہر دو مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم کے متعلق صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہاتھوں پر قل ھو اللہ اور معوذتین پڑھ کر پھونک لیتے، پھر اپنے چہرہ انور اور تمام بدن مبارک پر پھیر لیتے جہاں تک بھی ممکن ہوتا۔

نیز حضرت ابو الدرداءؓ کی موضوع حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ:

اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت علیک توکلت و انت رب العرش العظیم پڑھتے

یعنی اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے تجھ پر توکل کیا اور تو عرش عظیم کا رب ہے"

یہ گزر چکا ہے کہ جس نے اسے ابتدائے دن میں پڑھا، اسے شام تک کوئی مُصیبت نہیں پہنچے گی، اور جس نے اسے دن کے آخر میں پڑھا، اسے صبح تک کوئی مصیبت لاحق نہیں ہو گی۔

مصائب سے بچنے کی دعا صحیحین میں مروی ہے کہ جس نے سورہ بقرہ کی دو آخری آیتیں رات کو پڑھ لیں، یہ دونوں اس کے لیے کافی ہیں۔

صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:
جو کسی جگہ اترے، اور یہ دعا پڑھے:

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق، یعنی "میں اللہ کے کلمات تام کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی"
اپنی جگہ سے سفر کرنے تک اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، اور رات کو یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

یا ارض ربی و ربک اللہ اعوذ باللہ من شرک و شر ما فیک و شر ما یدب علیک اعوذ باللہ من اسد و اسود ومن الحیۃ والعقرب ومن ساکن البلد ومن والد وما ولد۔

یعنی "اے زمین میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں اللہ کے ساتھ تیرے شر سے اور جو تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو تجھ پر چلتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، میں شیر اور سانپ سے اور اژدہے اور بچھو سے پناہ مانگتا ہوں اور شہر میں رہنے والے سے اور باپ سے اور جو پیدا ہو اس کے (شر سے پناہ مانگتا ہوں)"
دوسرا وہ ہے جو سورۂ فاتحہ کے ذریعہ دم کرنے اور بچھو کے دم میں ذکر ہوا[1]۔

---

[1] ادعیہ ماثورہ کی اثر آفرینی شک و شبہ سے بالا ہے۔ اگر صدق دل اور صدق نیت سے ان دعاؤں کو پڑھا جائے تو ان کا حسب دل خواہ اثر ہونا لازمی اور قطعی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔

پھوڑے پھنسی کا علاج دَم سے،

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث نقل ہو چکی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار، نظرِ بد اور نملہ (پھنسیوں) میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت شفاء بنت عبداللہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس تھی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا جس طرح تم نے کتابت سیکھ رکھی ہے کیا اسی طرح تم نملہ کا دم نہیں سیکھ لوگی؟ نملہ کا مرض اطرافِ بدن پر دانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ایک مشہور مرض ہے اور اس کا نام نملہ اس لیئے مشہور ہے کہ (نملہ کے معنی چھوٹی چیونٹی ہے) اور اس کا مریض یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا ایک چیونٹی اس کے بدن پر رینگ رہی ہے، اور اسے ڈس رہی ہے، اس کی کئی اقسام ہیں۔

اس حدیث سے عورتوں کے لیئے جوازِ کتابت ثابت ہے۔

سانپ کا ڈس لینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیّبہ

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو اور سانپ کے ڈسنے کے لیے دم کرنے کی اجازت دی ہے۔

ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ کو سانپ نے ڈس لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی دم کرنے والا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آلِ حزم سانپ کے ڈسنے کا دم کیا کرتے تھے۔ جب آپؐ نے اس کی ممانعت فرما دی تو انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔

آپؐ نے فرمایا، عمارہ بن حزم کو بلاؤ، انھیں بلایا گیا۔ انھوں نے دم کے الفاظ آپؐ کے سامنے پڑھے آپؐ نے فرمایا، اس میں کچھ حرج نہیں[1]

آپؐ نے دم کرنے کی اجازت دی، چنانچہ انھوں نے دم کر دیا۔

---

[1] یعنی اس دم میں ایسے الفاظ نہیں تھے، جو مشرکانہ ہوتے، لہٰذا آپؐ نے اجازت مرحمت فرما دی۔

درد اور پھوڑے پھنسی کا علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ جب کسی کو کوئی تکلیف ہوتی، یا زخم ہو جاتا، یا پھوڑا نکل آتا، تو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت شہادت کا سرا اس طرح زمین پر گرد دیتے پھر اسے اٹھاتے اور پھر پڑھتے:

بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا۔

یہ علاج از حد سہل ہے اور ہر جگہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی مرکب علاج ہے، دیگر ادویہ دستیاب نہ ہو سکنے کے موقع پر بطور خاص یہ علاج ایک کارگر معالجہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ہر جگہ اسے عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ خالص اور شفاف مٹی سرد خشک ہوتی ہے، اور رطوبات زخم اور پھوڑوں کو خشک کر دیتی ہے، سرعت اندمال کے باعث ایسے ردی اور خراب مادوں کو ختم کرتی ہے، جو صحت میں خلل انداز ہو جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بیمار عضو کا مزاج اعتدال پر آجاتا ہے۔ اور جب مزاج اعتدال پر آگیا تو طبیعت کی قوتِ مدبرہ قوی ہو جائے گی۔ اور اللہ کے اذن سے تکلیف دور ہو جائے گی۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپ انگشت شہادت کے سرے کو لعاب سے تر کر کے مٹی سے لگاتے پھر اسے مریض پر پھیر دیتے اس طرح ذکر الٰہی، تفویض امر اور

توکل علی اللہ کی برکت بھی ساتھ ہو جاتی۔

رہا یہ سوال کہ وہ "تربۃ ارضنا" سے مراد تمام زمین ہے یا صرف مخصوص طور پر اس سے مدینہ کی زمین مراد ہے؟

اس میں دو قول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ زمین میں ایسے خواص پائے جاتے ہیں جو کئی امراض میں فائدہ مند ہوتے ہیں اور کئی خراب قسم کے امراض میں مفید اور نافع اثر رکھتے ہیں۔

جالینوس کہتا ہے کہ میں نے اسکندریہ میں کئی معالجین کو دیکھا وہ مصر کی مٹی استعمال کراتے اسے پنڈلیوں، رانوں، کلائیوں پشت اور پسلیوں پر لیپ کراتے، اور اس سے خوب فائدہ ہوتا۔

کہتے ہیں، گاہے گاہے اورام متعفنہ پر یہ لیپ بہت زیادہ فائدہ بخش ثابت ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا کہ زیریں حصّہ سے اخراجِ خون کے باعث ان لوگوں کے بدن متورم ہو چکے تھے، انھیں اس مٹی سے کافی فائدہ ہوا، ایک دوسری جماعت کو دیکھا کہ انھیں مزمن درد سے صحت حاصل ہو گئی جو ایک طویل عرصہ سے بڑی شدت سے جاری تھا، اور کوئی تکلیف نہ رہی۔

جب عام مٹی کی یہ خاصیت ہوتی ہے تو زمین کی سب سے پاکیزہ اور بابرکت مٹی کا کیا کہنا جب کہ اس کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک بھی مخلوط ہو گیا ہو اور اس میں اللہ کا نام بھی ہو اور تمام امور میں تفویض اسی کی جانب ہو۔

درد پر دم کرنے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ

صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بن ابی عاص سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت پیش کی، جب سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا جسم میں ایک طرح کا درد سا محسوس کرتے تھے، نبی اکرمؐ نے فرمایا، بدن میں جہاں درد محسوس ہوتا ہو اس جگہ ہاتھ رکھو اور یہ دعا پڑھو۔

بسم اللہ تین بار۔

پھر سات بار یہ دعا پڑھو: اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر

نیز صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنے اہل میں سے کسی کو دم کرتے اور دائیں ہاتھ سے رگڑتے، اور یہ دعا پڑھتے:

اللھم رب الناس اذھب الباس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءک شفاء لا یغادر سقما۔

یعنی "اے اللہ لوگوں کے پروردگار تکلیف دور کردے اور شفا دے تو ہی صحت دینے والا ہے۔ تیری شفاء کے سوا کوئی شفا نہیں (ایسی شفاء دے) کہ کوئی تکلیف نہ رہے۔

اس میں شفاء حاصل کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ کی کمالِ ربوبیت ورحمت کا احساس کہ بس وہی ایک شفاء دینے والا ہے۔ اور اس کے سوا کسی سے شفاء نہیں مل سکتی، گویا اس کے ساتھ ساتھ توحید اور اس کے احسان وربوبیت کا تذکرہ بھی ہو گیا۔

مصیبت اور غم کے موقع پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعائیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ -

یعنی "اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر"

مسند میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کوئی شخص اگر مبتلائے مصیبت ہو جائے تو یوں دعا کرے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا

یعنی "ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف واپس جانا ہے، اے اللہ میری مصیبت

میں مجھے پناہ دے اور مجھے اس سے بہتر بدل عطا فرما"

اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں پناہ دے گا اور بہتر بدل عطا فرمائے گا۔ یہ کلام مصیبت کا سب سے بہتر علاج ہے، اور دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ فائدہ بخش ہے کیونکہ یہ دو عظیم اصولوں پر مشتمل ہے کہ اگر بندے کو ان کی معرفت ہو جائے تو مصیبت میں اسے اطمینان و سکون حاصل ہو گا۔ وہ اصول یہ ہیں:

جو کچھ تمہارے پاس ہے سب خدا ہی کا ہے

ایک یہ کہ بندہ اور اس کے اہل و عیال اس کا مال فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور بندے کے پاس، یہ جو کچھ ہے محض مستعار ہے، جب وہ انھیں واپس لے لیتا ہے تو گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ مستعار دینے والا اپنا مال واپس لے لیتا ہے، نیز وہ عبدِ مامور کی طرح امور میں تصرف کرتا ہے، مالکانہ حیثیت میں (اسے تصرف کرنے کی اجازت نہیں) یہی وجہ ہے کہ اسے مالکِ حقیقی کے احکام کے مطابق ہی تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

آخر کار اللہ کے پاس واپس جانا ہے

دوسرے بندے کا مرجع و مصیر تو اللہ جل شانہٗ کی ہی طرف ہے اور دنیا کو چھوڑ کر منفرد حالت میں پروردگار کے سامنے پیش ہونا ایک لابدی اور یقینی امر ہے بالکل اس طرح جیسے اللہ تعالٰے نے اسے اہل و عیال اور مال کے بغیر تنہا پیدا کیا تھا۔ تب نہ اس کا کوئی خاندان تھا نہ اہل و عیال لیکن حسنات و سیئات کا معاملہ ضرور تھا۔ جب بندے کی ابتداء اور انتہا یہ ہے تو پھر موجود پر فرحت کیسی؟ اور مفقود پر غم کیوں؟ پس اس مرض کا علاج درحقیقت مبداء اور معاد کے غور و فکر میں پنہاں ہے۔ نیز ایک علاج یہ بھی ہے کہ اسے اس بات کا یقینی علم ہے کہ جو تکلیف پہنچی ہے۔ وہ ٹلنے والی نہ تھی اور جو ٹل گئی وہ پہنچنے والی نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ

كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

یعنی "نہیں پہنچتی کوئی مصیبت تمہاری جان کو نہ زمین پر، مگر وہ جو کتاب کے اندر لکھا ہوا ہے قبل اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو بلاشبہ یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے"۔ تو نہ غم کھاؤ تم اس چیز کے اوپر کہ چوک گئی تم اور مت خوش ہو اس چیز پر کہ آئی تم کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی بھی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو"۔

اپنے غم پر دوسروں کا غم یاد کرو نیز اپنی مصیبت کو غمگینوں اور مجبوروں کی دلجوئی کر کے ہلکا کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ ہر جگہ خوش بخت اور غم و مشقت میں مبتلا لوگ موجود ہیں۔ اور یہ کہ دنیا کی خوشیاں محض خواب ہیں یا ڈھل جانے والا سایہ ہیں۔ اگر کچھ دیر ہنساتی ہیں تو زیادہ دیر رلاتی ہیں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، ہر فرحت کے بعد غم بھی ہے۔ اور جس گھر میں فرحت آئی غم بھی ضرور آیا۔

ابن سیرینؒ فرماتے ہیں، کوئی ایسی ہنسی نہیں جس کے بعد رونا نہ ہو۔

ہند بنت نعمان فرماتی ہیں، ہم نے دیکھا ہم تمام لوگوں پر غالب اور طاقتور حکمران تھے پھر سورج غروب بھی نہ ہوا تھا، کہ ہم نے اپنے آپ کو سب لوگوں سے کم زیادہ کم درجہ اور فروتر دیکھ لیا، اور اللہ کو یہ حق ہے کہ جس گھر کو خیر سے بھر دے، اس میں غبار بھی اڑا دے۔ ایک آدمی نے اس سے اس کی حالت معلوم کی تو انھوں نے جواب دیا۔ صبح تھی کہ تمام عرب ہم سے (سخاوت) کے امیدوار تھے اور شام ہوئی تو تمام عرب ہم پر رحم کھا رہے تھے۔ اور اس کا توڑ یہ ہے کہ آدمی یقین کر لے کہ جزع فزع اور واویلا اسے دور نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ اور درحقیقت زیادتی مرض کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے تو پھر اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ صبر و تسلیم و رضا کا ثواب ضائع ہو جانے کا خیال کرے۔ نیز یہ خیال کرے کہ صبر کے بعد جو

مسرت ولذت ملے گی وہ اس سے کئی گنا ہوگی۔ اور اگر وہ (صبر واستقامت) پر ثابت قدم رہا تو جنت میں بنا ہوا بیت الحمد (حمد کرنے والوں کا گھر) کافی ہوگا جو اسے اپنے پروردگار کی حمد اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے سے عطا ہوگا، پس انسان خود ہی سوچ لے، کونسی مصیبت بڑی ہے، دنیا کی مصیبت یا وہ مصیبت جس کے نتیجہ میں جنت کا بیت الحمد چھن جائے؟

جامع ترمذیؒ میں مرفوع روایت آئی ہے کہ قیامت کے روز لوگ خواہش کریں گے کہ (کاش) دنیا میں ان کے چمڑے قلنچیوں سے کاٹے جاتے (اور انہیں صبر کرنے پر اجر ملتا) جب وہ مصیبت زدگان (کے صبر کے باعث) ان کا ثواب عظیم دیکھیں گے

مصائب نعمت الٰہی کا سبب ہیں

بعض سلفؒ سے منقول ہے ہم پر اگر دنیا میں مصائب نہ آتے تو ہم قیامت کے روز مفلس اور قلاش ہی اٹھتے۔

مسند احمدؒ و ترمذیؒ میں حضرت محمود بن لبید سے مرفوع روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت رکھتا ہے تو اسے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چنانچہ جو راضی ہو گیا[1] اسی کے لیئے (اللہ) کی رضا ہے، اور جو ناراض ہوا[2]، اس کے لیے (اللہ) کی ناراضگی ہے۔ امام احمدؒ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جو جزع کرے۔ اس کے لیے جزع (واویلا) ہے۔

حضرت ابو الدرداؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعہ راضی ہو جاتے۔

حضرت عمرانؓ بن حصین اپنی بیماری کے دوران میں فرمایا کرتے تھے۔ مجھے بھی وہی بات محبوب ہے، جو اللہ کو محبوب ہے۔

لہ یعنی جس نے صبر کیا۔

ٹہ یعنی جو صبر نہ کر سکا۔

حضرت ابوالعالیہؒ کا قول بھی ایسا ہی منقول ہے۔

یہ علاج ودوا، صرف محبین کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے اور ہر آدمی کے امکان میں بھی نہیں کہ وہ اس طریقہ پر علاج کر سکے۔

مُصیبت صبر اور ایمان کا امتحان ہے

شیخ عبدالقادرؒ نے فرمایا اے میرے بیٹے مصیبت تجھے ہلاک کرنے کے لیے نہیں آتی، بلکہ تیرے صبر وایمان کا امتحان لینے آتی ہے۔ نیز اس کا علاج یہ بھی ہے کہ تو سوچے کہ اگر دنیا میں مصائب ومحن نہ ہوتے تو بندے عجب فرعونیت، شقاوتِ قلبی جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتے، جن سے آدمی دنیا میں اور آخرت میں ہر جگہ تباہ وبرباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے یہ تو ارحم الراحمین کا کمالِ رحمت ہے کہ بعض اوقات وہ مصائب کی دوا استعمال کرا دیتا ہے جن کے باعث امراض سے تحفظ رہتا ہے اور صحتِ عبدیت قائم رہتی ہے نیز (کفر وعدوان وشرک وغیرہ) کے فاسد مادّوں کا استفراغ جاری رہتا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو ابتلاء کے ذریعہ رحم فرماتی ہے اور انعامات کے ذریعہ ابتلاء میں ڈال دیتی ہے جیسا کہ مشہور شعر ہے۔

قد ینعم اللہ بالبلوی وان عظمت ویبتلی اللہ بعض القوم بالنعم

یعنی گاہے گاہے اللہ تعالیٰ مصائب کے ذریعہ انعام فرماتا ہے اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ بعض اقوام پر انعام کر کے انھیں ابتلاء میں ڈال دیتا ہے۔

دنیا کا دکھ آخرت کا ثمر شیریں

نیز اس کا علاج یہ بھی ہے کہ آدمی یقین رکھے کہ دنیا کا دکھ ہی دراصل آخرت کا ثمر شیریں ثابت ہوگا۔ جنھیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تبدیل کر دے گا اگر سمجھ میں نہ آئے تو نبی صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھ

حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشہوات۔

یعنی جنت کے سامنے ناپسند (تکلیفات) کی باڑ لگائی گئی اور دوزخ کے آگے مرغوبات (شہوات) کی باڑ لگائی گئی۔

پس اپنے آپ کو ان انعامات کے مطالعہ کی دعوت دو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کرام اور فرماں بردار بندوں کے لیئے دائمی انعامات سعادت ابدی اور کامرانی عظیمہ کی صورت میں تیار کر رکھے ہیں۔ نیز اس ذلت عذاب اور دائمی حسرتوں کا بھی (مطالعہ کرو) جو اہل باطل اور نافرمانوں کے لیئے اس نے تیار کر رکھی ہیں، پھر انتخاب کرو کہ کونسی صورت تمہارے لیے زیادہ مناسب ہے؟ اور آدمی اپنے طریقِ کار پر عامل ہے اور ہر آدمی اپنے مناسبِ حال کی طرف لپک رہا ہے۔

کرب والم اور حزن و ملال کا علاج

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم بے چینی کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

لا الٰہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الٰہ الا اللہ ربّ العرش العظیم، لا الٰہ الا اللہ رب السمٰوات السبع ورب الارض رب العرش الکریم

یعنی! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بزرگ اور حلیم ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم کا پروردگار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار اور زمین کا پروردگار، عرش کریم کا پروردگار ہے۔

نیز جامع ترمذیؒ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو کوئی غم لاحق ہوتا، تو آپؐ دعا فرماتے۔

یا حی یا قیوم برحمتك استغیث، یعنی "اے زندہ اے ہر چیز کو قائم رکھنے والے تیری رحمت کے طفیل مدد مانگتا ہوں"

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کسی بات کا صدمہ ہوتا تو آپؐ آسمان کی جانب سر مبارک اٹھاتے، اور سبحان اللہ العظیم پڑھتے،

اور جب دعا میں خوب سعی فرماتے تو یا حی یا قیوم پڑھتے۔

پریشانی اور حزن و کرب کے وقت کی دعائیں

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پریشان آدمی کی دعائیں یہ ہیں:

اللّٰھم رحمتك ارجوا فلا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کلہ لا الٰہ الا انت۔

یعنی اے اللہ میں تیری رحمت کا امید وار ہوں، اس لیے مجھے چشم زدن کے لیے بھی میرے سپرد نہ کر میری حالت درست فرما دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

نیز حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا:

کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ بتاؤں جنہیں تکلیف اور کرب کے وقت یا کرب کی حالت میں کہہ لیا کرو؟ وہ یہ ہیں:

اللہ ربی لا اشرك به شیئا، یعنی اللہ میرا پروردگار ہے، میں اس کا کسی کو شریک نہیں بناتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اسے سات بار کہا جائے گا۔

رنج و غم دور کرنے کی دعا

مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا۔

جس بندے کو غم اور دکھ پہنچے اور وہ یہ دعا کہے۔

اللھم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماض فی حکمك عدل فی قضاءك اسألك بكل اسم ھو لك سمیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی۔

"یعنی اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ مجھ پر تیرا حکم جاری ہے۔ مجھ پر تیرا فیصلہ ہی کارفرما ہے۔
میں تیرے ہر اس نام کے طفیل سوال کرتا ہوں جسے تو نے اپنا نام رکھا، یا تو نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا تو نے اسے اپنے پاس علم غیب (مخفی علم) میں رکھا کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کا مداوا اور میرے حزن کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے"
جو بھی اسے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کا حزن و ملال دور کر دے گا اور اس کی جگہ فرحت عطا فرمائے گا۔

حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا

جامع ترمذیؒ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ذوالنون علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یہ ہے۔
لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين یعنی تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں[1] میں سے ہوں"
کوئی مسلمان بھی ان الفاظ سے دعا کرے تو اس کی دعا ضرور بالضرور قبول کی جائے گی۔
ایک روایت میں منقول ہے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ کوئی مصیبت زدہ ایسا نہیں جو اسے کہے اور اس کی تکلیف دور نہ ہو جائے وہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا ہے۔

---

[1] یعنی اپنے اوپر ظلم کرنے والا، خطا کار۔

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد میں تشریف لائے، اچانک ایک انصاری حضرت ابوامامہؓ ان کے سامنے آ گئے۔

آپؐ نے فرمایا، اے ابوامامہؓ کیا بات ہے اس وقت نماز کا وقت بھی نہیں اور تم مسجد میں بیٹھے ہو!

انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ مجھے قرض اور آلام نے گھیر رکھا ہے

آپؐ نے فرمایا، میں تمہیں ایسا کلام نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھو تو اللہ عزوجل تمہارا غم دور کر دے اور تمہارا قرض ادا فرما دے؟

راوی کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، ہاں! ضرور اے اللہ کے رسول۔

آپؐ نے فرمایا، جب صبح ہو اور جب شام ہو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

اللهم انی اعوذ بك من الهم والحزن واعوذ بك من العجز والكسل واعوذ بك من الجبن والبخل واعوذ بك من غلبة الدين وقهر الرجال۔

یعنی" اے اللہ میں غم وحزن سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں عجز اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں غلبۂ قرض اور آدمیوں کے قہر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

راوی کہتے ہیں، میں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے تمام غم و حزن دور فرما دیے۔ اور میرے سارے قرضے ادا کر دیے۔

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو استغفار لازم کرلے۔ اللہ تعالیٰ اسے گویا اسے ہر غم سے نجات عطا کی، وہ اسے ہر تنگی سے نکال دے گا۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق ملے گا، جہاں کا اسے سان گمان بھی نہ ہوگا۔

اور مسند میں مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی غم ہوتا تو آپ نماز کی طرف رجوع فرماتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ، یعنی اور صبر کرکے اور نماز پڑھ کر اللہ سے مدد مانگو۔

جہاد جنت کا دروازہ ہے

اور سنن میں ہے کہ تم پر جہاد واجب ہے کیونکہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ لوگوں کو غم وحزن سے نجات دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس پر غم والم کی کثرت ہو، اسے کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہیے۔

صحیحین سے ثابت ہے کہ یہ (الفاظ) جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہیں۔

ترمذیؒ میں ہے کہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

دعائی دوا کے پندرہ دور رس اور اہم فائدے

نیز یہ ادویہ پندرہ انواع علاج پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ غم وحزن ان سے نہ بھی زائل ہو اور جب درد شکم اور اس کے اسباب محکم ہو گئے ہوں، اس وقت استفراغ کلّی کی احتیاج ہوتی ہے۔

وہ پندرہ انواع یہ ہیں!

۱۔ توحید ربوبیت خدائے عزوجل۔

۲۔ توحید الٰہیت۔

۳۔ توحید علمی اعتقادی۔

۴۔ تنزیہ پروردگار عالم کہ وہ کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا اور نہ بندے کا بغیر سبب کے مواخذہ کرتا ہے۔

۵۔ بندے کا اعترافِ ظلم وخطا۔

۶۔ پروردگار کے تصور میں اس کی محبوب چیز کا توسل اور یہ ذریعہ توسل اس

کے اسماء حسنہ اور صفات ہیں۔

۷۔ حرف خدا سے استعانت۔

۸۔ ذات ربوبیت سے بندے کی آس اور امید کا اقرار۔

۹۔ توکل علی اللہ و تفویض الی اللہ یعنی اس کا اعتراف کہ بندہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جو سلوک اس سے چاہے کرے۔

۱۰۔ ریاض قرآن سے اس کا قلب شمیم انگیزیاں حاصل کرے۔ جو اس سے قلب کے لیے موسم بہاراں بن جائے گا۔ جس کے باعث وہ شبہات و شہوات کے ظلمات میں روشنی لے کر چل سکے، جس کے باعث ہر فوت شدہ چیز پر تسلی حاصل کرے، ہر معیبت کو سہ سکے، اور دل کے روگ دور کر سکے، جو اس کے حزن کو دور کر دے، اور صدمہ غم سے شفا بخشے۔

۱۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار، وانابت ورجوع۔

۱۲۔ خدا کے راستے میں جہاد۔

۱۳۔ نماز۔

۱۴۔ توبہ خدائے بزرگ و برتر کی جناب میں۔

۱۵۔ لاحول ولا قوۃ کے سہارے براۃ اور تمام آلام وہموم کے بارے میں اللہ کی طرف معاملات کی سپردگی۔

ان امراض میں ادویہ بالا کی جہت تاثیر

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو اور اس کے اعضاء کو پیدا کیا۔ اور ہر عضو کا ایک کمال بنایا جب وہ کمال ختم ہو تو وہ عضو درد محسوس کرتا ہے۔ اور اعضا کے بادشاہ "قلب" کو بھی ایک کمال دیا۔ جب وہ مفقود ہو جائے تو اسے آلام وہموم کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ جب آنکھ بصارت کی قوت کھو دے کان شنوائی کی قوت سے محروم ہو۔ اور زبان کلام کی قوت سے عاجز آجائے، تو گویا ان اعضاء کا کمال چھن گیا، دل کا

کمال یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اس کی محبت و توحید اس کے ساتھ سرور وابتہاج، توکل ورضا اسی کے لیے حب و بغض اور موالات و معادات رکھے۔ چنانچہ توحید بندے کے خیر و سرور۔ لذت و فرحت کا دروازہ کھولتی ہے، اور توبہ اخلاط اور مواد فاسدہ کا استفراغ کرتی ہے۔ جو اس کی امراض کا سبب بنتا ہے۔ اور اختلاط سے تحفظ ہوتا ہے۔ گویا وہ بلاؤں کا دروازہ بند کرتی ہے۔ اور توحید کے ساتھ سعادت و خیر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور توبہ و استغفار کے ساتھ بلاؤں کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ متقدمین ائمہ اطباء کا کہنا ہے کہ جو شخص بدن کی صحت و عافیت چاہتا ہے۔ اسے کھانے اور پینے میں کمی کرنی چاہیے اور جو قلب کی عافیت کا جویا ہو۔ اسے گناہ ترک کر دینے چاہییں۔

ترک گناہ اور کم خوری و کم گوئی کے برکات

ثابت بن قرۃ فرماتے ہیں کہ جسم کی راحت کھانے کی کمی میں ہے۔ اور روح کی راحت گناہوں کی کمی میں ہے اور زبان کی راحت کلام کی کمی میں ہے۔ قلب کے لیے گناہ زہروں کے قائم مقام ہوتے ہیں یہ اگر اسے ہلاک نہیں کرتے تو کمزور تو بہر حال کر دیتے ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ جب قوت میں ضعف آگیا، تو امراض کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔ طبیب القلب (دلوں، روحانی کے ماہر) حضرت عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا ہے۔

رأيت الذنوب تميت القلوب   وقد يورث الذل إدمانها

یعنی میں نے گناہوں کو دیکھا کہ وہ دلوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔
اور کبھی کبھی ان پر دوام ذلت ڈال دیتا ہے۔

وترك الذنوب حياة القلوب   وخير لنفسك عصيانها

یعنی، اور گناہوں کا ترک دلوں کی زندگی ہے۔
اور تیرے نفس کی بھلائی اسی میں ہے کہ (گناہوں کی) نافرمانی کرے۔

"یا حیّ یا قیوم" کے منافع و برکات

اور یہ آپ کے ارشاد: یا حی یا قیوم برحمتك استغیث۔

اس میں دفع مرض کی ایک عجیب مناسبت ہے، کیونکہ صفت "حی" تمام صفاتِ کمال کو مستلزم ہے اور صفت قیوم "تمام صفاتِ افعال پر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے کہ جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جائے، تو قبول ہوتی ہے۔ اور جب کچھ سوال کیا جائے تو عطا ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ یہ اسم اعظم "الحی القیوم" کا اسم مبارک ہے، چنانچہ "حی قیوم" کے اسماء ایسے تمام امراض کے زائل کرنے میں ایک عجیب اثر رکھتے ہیں جو مفرحیات ہوں۔ اور اس کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا میں ملتی ہے۔ جب آپ نے اپنے پروردگار کریم سے جبریل و میکائیل اور اسرافیل کے رب ہونے کے وسیلہ سے دعا فرمائی کہ انہیں حق کے متعلق اختلاف میں ہدایت دے کیونکہ قلبی حیات ہدایت سے وابستہ ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان تینوں فرشتوں کو حیات کے معاملات سپرد کر رکھے ہیں۔ چنانچہ جبریلؑ وحی پر موکل ہیں جو قلوب کی اصل حیات ہے۔ اور میکائیل علیہ السلام بارش کے موکل ہیں جو ابدان و حیوان سب کے لیے حیات کا باعث ہے۔ اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر مقرر ہیں جو حیاتِ عالم اور ارواح کے دوبارہ اجسام میں واپس آنے کا باعث ہوگا۔ چنانچہ ان عظیم ارواح ثلثہ کی ربوبیت کے وسیلہ سے دعا کرنا استجابت کے لیے بہت ہی موثر ہے۔

الغرض حیّ اور قیوم کے اسماء اجابت دعوات اور کشفِ تکالیف میں بازحد فائدہ مند ہیں۔

اسم اعظم والی آیات شریفہ

سنن اور صحیح ابن حاتم میں مرفوع روایت ہے کہ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

وإلٰهكم إلٰه واحد لا إلٰه إلا هو الرحمٰن الرحيم۔
اور آل عمران کی ابتداء میں الٓمٓ ۝ اللہ لا الٰہ الا ہو الحی القیوم
ترمذیؒ نے اسے حدیث صحیح بتایا ہے۔
سنن اور صحیح ابن حبان میں بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے دعا کی اور یہ (الفاظ) کہے۔

اللهم إني أسألك بأن لك الحمد لا إلٰه إلا أنت المنان بديع السموات والأرض يا ذا الجلال والإكرام يا حي يا قيوم۔

یعنی اے اللہ میں تجھ سے یہ وسیلہ لے کر دعا کرتا ہوں کہ تو ہی سزاوار حمد ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بہت احسان کرنے والا، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اے بزرگی اور عزت والے اے زندہ اور ہر چیز کو قائم رکھنے والے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی جب اس کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے تو ضرور قبول ہوتی ہے اور جب مانگا جائے تو عطا ہوتا ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں خود سعی فرماتے تو یا حی یا قیوم کہتے۔ اور اس کی توجہ کے توسل کو مرض میں ایک موثر حیثیت حاصل ہے، اس طرح آپؐ کا یہ قول ہے، اللہ ربی لا اشرک بہ۔ یعنی اللہ میرا پروردگار ہے میں اس کے ساتھ شرک نہیں کرتا"

حدیث حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ

اور اس کے معارف الٰہیہ اور اسرار عبودیت

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت۔

اللّٰھم إنی عبدك وابن عبدك اس دعا میں اس قدر معارف الٰہیہ اور رموزِ عبودیت ہیں جو اس کتاب میں سما نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ الفاظ اس کی عبودیت اور اس کے آبا واجداد اور ماں کی عبودیت پر مشتمل ہیں۔ نیز یہ کہ اس کی پیشانی (یعنی وہ بندہ خود) اُسی کے قبضہ میں ہے خدا جس طرح چاہتا ہے اس پر تصرف کرتا ہے۔ اسی لیے بندہ اپنے نفع ونقصان کا تو کیا ذکر موت وحیات اور بعثت کا بھی مالک نہیں۔ کیونکہ اس کی پیشانی غیر عبد (اللہ) کے ہاتھ میں ہے اس کے اپنے اختیار میں کوئی بات بھی نہیں۔ بلکہ وہ اس کی سطوت و سلطانیت کے ماتحت بے بس اور مجبور ہے۔

اور آپ کا ارشاد!

ماضٍ فیّ حکمك عدل فیّ قضاءك۔

دو اصول جو مدار توحید ہیں

دو ایسے اصولوں پر مبنی ہے۔ جو درحقیقت مدار توحید ہیں۔

ایک اثبات قدر یعنی یہ کہ پروردگار کریم کے احکامات بہر حال بندے پر نافذ ہیں اس میں جاری وساری ہیں۔ اس سے الگ نہیں، نہ الگ ہونے کی کوئی صورت ہے۔ اور نہ ان کو ہٹانے کا کوئی طریقہ ہے۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کا توسل اختیار کیا یعنی جو اس نے اپنے نام رکھے ہیں۔ خواہ بندے انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اور ان میں سے بعض ایسے اسماء مبارک بھی ہیں، جو اس کے ہاں غیب ہی کے پردہ میں مستور ہیں۔ اور ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین بھی ان سے آگاہ نہیں ہو سکے۔ اور یہ وسیلہ تمام وسائل سے زیادہ بڑا اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور قرب قبولیت کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

پھر آپؐ نے دعا کی۔ کہ قرآن مجید کو آپؐ کے قلب کے لیے بہارستان بنا دے، جہاں سے حیوان غذا حاصل کرتے ہیں، اسی طرح قرآن دلوں کی بہار ہے۔ اور یہ کہ اسے اس کے غم والم کے لیے شفاء بنا دے، گویا یہ (قرآن مجید) ایسی دوا کا قائم مقام ہے۔ جو مرض کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔ اور بدن کو صحت واعتدال کی جانب واپس لے آتا ہے۔

دعائے یونس علیہ السلام کے اسرار ورموز

رہی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا! تو اس میں کمالِ توحید اور تنزیہ باری تعالیٰ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ نیز بندے کا اعتراف ظلم وخطا بھی موجود ہے۔ اور یہ پریشانیوں اور غم وحزن کو دور کرنے میں انتہائی طور پر موثر ہے اور قضائے حوائج کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک بہترین وسیلہ ہے۔ کیونکہ توحید و تنزیہ ہر کمال اللہ کے لیے ثابت کرنے اور ہر نقص وعیب کو اس سے جدا ماننے اور تسلیم کرنے پر مشتمل ہے اور اعتراف ظلم بندے کے لیے شرع۔ ثواب اور عتاب پر ایمان دار ہونے کی گواہی ہے۔ نیز اللہ جل شانہ، کی جانب انکساری اور انابت کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس کی

عبودیت کے اعتراف اور پروردگار کی احتیاج کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

چار امور جو ذریعہ توسل ہیں اس طرح یہاں چار امور ایسے ہیں۔ جن کے ذریعہ توسل کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ توحید باری تعالےٰ عز اسمہ۔
۲۔ نیز حمد خدائے تبارک و تعالیٰ۔
۳۔ عبودیت کاملہ، خدائے دانا و بینا کے حضور ہیں۔
۴۔ اعترافِ ظلم و گناہ۔

ابوامامہ کی حدیث کے اسرار و رموز رہی ابوامامہؓ کی حدیث۔

اعوذبك من الهم والحزن

اے اللہ میں غم اور حزن سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

تو یہ دعا آٹھ اشیاء سے استفادہ پر مشتمل ہے۔ ہر دو ایک ایک جوڑے کی طرح بیان ہوئی ہیں۔

ھم و حزن ایک جوڑا ہے۔ عجز و کسل ایک جوڑا ہے۔ جبن و بخل ایک جوڑا ہے۔ ضلع الدین و غلبۃ الرجال ایک جوڑا ہے۔

"ھم" او "حزن" کے اسرار کیونکہ ایذا دینے والا مکروہ امر جب بھی قلب پر آئیگا تو یا اس کا سبب کوئی گذشتہ امر ہوگا۔ تو حزن[1] پیدا کرے گا۔ اور اگر مستقبل میں اس کا خطرہ ہوگا، تو "ہم"[2] پیدا ہوگا۔

"عجز" و "کسل" کے اسرار اور (کبھی کبھی) بندہ اپنے مصالح سے پیچھے رہ جاتا ہے اور قادر نہیں ہو سکتا، یہ عدم

---

[1] غم اور صدمہ
[2] اندیشہ، خطرہ، الم،

قدرت یا تو عجز کے باعث ہوگی۔ یا عدمِ ارادہ یعنی کسل کے باعث ہوگی۔

"جبلت" اور "بخل" کے اسرار اور خیر کا رک جانا اپنے اور اپنی جنس سے نفع حاصل نہ کرنا، ایسی صورت میں بندہ یا تو اپنے بدن کے ذریعہ نفع نہ حاصل کرتا ہوگا۔ یہ جبن ہے، یا مال سے نفع نہ حاصل کرتا ہوگا۔ یہ بخل ہے"

"قہر رجال" اور "ضلع دین" کے اسرار اور قہر الرجال بھی یا تو حق پر مبنی ہوگا۔ مثلاً یہ ضلع الدین (قرض) ہے اور یا باطل کے سبب سے ہوگا۔ یہ محکومیت یعنی غلبتہ الرجال کہلائے گا۔ گویا یہ حدیث ہر قسم کے شر سے استفادہ اور پناہ کو متضمن ہے۔

استغفار کی تاثیر عجیب رہی غم و حزن اور تنگی کو دور کرنے میں استغفار کی تاثیر تو جملہ اہل ملل اور عقلائے امم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاصی اور فساد ہی غم و حزن۔ خوف و غم، نیز تنگی اور امراض قلب پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں پھر جب گناہوں اور خطاؤں کے اثرات قلب میں اس طرح جاگزیں ہوتے ہیں۔ تو ان کا علاج بھی صرف توبہ و استغفار ہی ہو سکتا ہے۔

نماز کے برکات و فوائد رہی نماز یا تو تفریح و تقویت قلب اور اس کے انشراح و لذت میں اس کی ایک عجیب شان ہے۔ اس میں قلب و روح اللہ کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ اس کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس کے انعامات کا تذکرہ کر کے مناجات میں تذلل دکھا کر اور اس کے سامنے قیام کر کے اور تمام بدن۔ اس کے قوٰی اور آلات بدن اس کی عبودیت میں مصروف کر کے اور ہر عضو کو اس کی عبادت کا ایک حصہ دے کر ایک طرح سے اتصالِ رحمت حاصل ہوتا ہے، تو گویا نماز دنیا و آخرت کے مصالح کے حصول اور دنیا و آخرت کی تکالیف دور کرنے کا ایک بہترین اور

سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ نیز یہ گناہ سے روکنے والی اور امراض قلب کو دور کرنے والی ہے۔ بدن سے بیماری ہٹانے والی۔ دل کو روشن کرنے والی ہے چہرے کو سفید (روشن) کرنے والی۔ اعضائے بدن اور روح کے نشاط کا باعث ہے۔ رزق دینے والی۔ ظلم دور کرنے والی ہے۔ مظلوم نادار کا مداوا کرنے والی ہے۔ اخلاط شہوانی کو جڑ سے اکھاڑنے والی ہے۔ انعامات کی محافظ۔ عذاب کی دافع۔ نزول رحمت کا سبب ہے۔ غم دور کرنے والی اور اکثر امراض شکم میں نفع دینے والی ہے۔

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت مجاہدؒ کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے بتایا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے دیکھا میں لیٹا ہوا تھا۔ میرے پیٹ میں درد تھا۔

آپؐ نے فرمایا! اے ابوہریرۃ۔ کیا پیٹ میں درد ہے؟ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔

آپؐ نے فرمایا! اٹھ اور نماز پڑھ۔ کیونکہ نماز میں شفاء ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث موقوف ہے۔

دفع غم والم کے لیے جہاد کی تاثیر

رہی غم وحزن کے دفیعہ کے لیے جہاد کی تاثیر۔ تو یہ وجدان سے ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ انسان جب باطل کی جارحیت اور استیلاء کو بلامقابلہ چھوڑ دیتا ہے تو اس کا غم وحزن اور کرب وخوف شدید ترین حد تک بڑھا جاتا ہے۔ اور جب وہ اللہ کے نام پر اس سے جہاد کرتا ہے۔ تو اللہ تعالٰے اس کے غم وحزن کو فرحت ونشاط اور قوت انبساط میں بدل دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے!

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ

یعنی "لڑو ان سے تاکہ عذاب دے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا

کرے، اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل مسلمانوں کے اور نکالے ان کے دل کی جلن"

چنانچہ جہاد سے زیادہ کوئی کام ایسا نہیں جو کہ قلب کے غم و حزن اور ملال کو دُور کر سکے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی تاثیر رہی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی تاثیر مرض سے کے دُور کرنے میں؛ تو اس کارگر ترکیب سے بندے نے تمام امور اللہ تعالےٰ کو سپرد کر دے۔ اور دوسروں سے برأت حاصل کر لی اور کسی امر میں اس ذات باری تعالےٰ سے منازعت نہ رہی۔ اور عالم علوی داخلی کا ہر تحول عام ہے اور یہ تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

بعض آثار میں آتا ہے کہ آسمان سے جو فرشتہ بھی اترتا ہے یا آسمان کی طرف چڑھتا ہے۔ تو وہ لاحول ولا قوہ الّا باللہ ہی کے الفاظ سے اترتا اور چڑھتا ہے۔ اور شیاطین کو دور کرنے کے لیے اس میں ایک عجیب تاثیر ہے۔

بے خوابی، وحشت اور پریشانی

دوا ۔ دعا ۔ علاج ۔ تدبیر

جامع ترمذیؒ میں حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ حضرت خالدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں شکایت پیش کی اور عرض کیا!

اے اللہ کے رسول۔ میں پریشانی کے باعث رات کو سو نہیں سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ جب بستر پر جاؤ، تو یہ دعا پڑھ لیا کرو!

اللھم رب السموات السبع وما اظلت ورب الارضین وما اقلت ورب الشیاطین وما اضلت کن لی جاراً من شر خلقك کلھم جمیعا ان یفرط علی احد منھم او یبغی علی عز جارك وجل ثناؤك ولا الٰہ غیرك۔

یعنی! اے اللہ سات آسمانوں کے پروردگار اور جن پر ان کا سایہ ہے اور اے زمینوں کے پروردگار اور جنہیں انہیں نے پھر پوشیدہ کر لیا۔ اور اے شیاطین کے پروردگار اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دینے والا بن جا۔ اس سے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر افراط کرے یا مجھ پر زیادتی کرے۔ تیرا پڑوسی (پناہ میں آنے والا) عزت والا ہو گیا۔ تیری ثنا و

بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اسی کتاب میں حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے، انہیں اپنے والد انہیں دادا سے روایت ملی۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ میں یہ دعا سکھایا کرتے تھے۔

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن همزات الشیاطین واعوذبک رب ان یحضرون۔

یعنی: میں اللہ کے نام نہیں تام لکھئے، کلمات کے ساتھ اس کے غضب اس کے عذاب۔ اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ کہ وہ (شیاطین) آن موجود ہوں۔

راوی کہتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بڑے بچوں کو یہ دعا سکھایا کرتے تھے اور جو چھوٹے تھے۔ اسے لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔ اور اس مرض میں استعاذہ کی مناسبت بھی کوئی مخفی بات نہیں۔

جل جانے کا مداوا

آگ بجھانے کی تدبیر

تکبیر کا اثر آگ بجھا دیتا ہے

حضرت عمرو بن شعیب سے منقول ہے۔ انہیں اپنے والد سے انہیں دادا سے روایت ملی۔ انہوں نے بتایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جب تم آگ دیکھو۔ تو تکبیر کہو۔ کیونکہ تکبیر آگ کو بجھا دیتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی کبریائی کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ جب مسلمان تکبیر کہتا ہے۔ تو تکبیر کا اثر آگ بجھا دیتا ہے۔ اور شیطان کو بھی بھگا دیتا ہے جو آگ کا اصل مادّہ ہے۔ چنانچہ آگ بجھ جاتی ہے۔

ہم نے نیز ہمارے سوا دوسروں نے بارہا اس کا تجربہ کیا اور ایسا ہی پایا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

حفظانِ صحت کے اصول

کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

جب ثابت ہو گیا کہ بدن کی صحت اور بقاء اور اس کا اعتدال ہی حرارت کے لیے رطوبتِ مدافعہ کا ذریعہ ہے توگو یا رطوبت اس کا مادہ ہے اور حرارت اس کا نضیج کرتی ہے۔ اور اس کے فضلات کو دور کر کے اس کی اصلاح و تلطیف کرتی ہے ورنہ بدن فاسد ہو جائے اور اس کا درست رہنا ناممکن ہو جائے۔ اسی طرح رطوبت حرارت کی غذا ہے اگر رطوبت نہ ہو، تو بدن جل اٹھے اور اسے خشک کر کے ختم کر دے۔ گویا دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ قوی تعلق ہے اور بدن کی حیات ان دونوں کی ترکیب سے ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مادہ کا کام دیتے ہیں۔ اس لیے حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحلیل کرتی رہتی ہے اور بدل ما تحلل کے طور پر مزید رطوبت کا محتاج ہوتا ہے۔ تاکہ اپنی زندگی قائم رکھ سکے۔ یہ رطوبت کھانے اور پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر رطوبت مقدار میں بڑھ جائے۔ تو حرارت اسے تحلیل کرنے سے عاجز رہ جاتی ہے تو اس وقت یہ رطوبت فاسد مواد کی صورت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ بدن متبلا ہو کر بیمار ہو جاتا ہے۔ اور مادہ کی نوع قبولیت اور استعداد مرض کے لحاظ سے مختلف

انواع کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تمام احتیاطیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مستفاد ہیں۔

کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو)

اعتدال اور احتیاط اصلی اصول ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بدل ما تحلیل کے مطابق کھانے پینے کا حکم دیا۔ تاکہ اس سے بدن کی کمیت اور کیفیت میں فائدہ مند حد تک استفادہ حاصل ہو لیکن جب یہ مقدار (خورد و نوش) بڑھ جائے گی تو یہ اسراف میں داخل ہو گی، اس لیے دونوں باتیں صحت کے لیے مضر اور مرض کی ذمہ دار ہیں، یعنی خورد و نوش بند کر دینا یا اس میں اسراف سے کام لینا۔

پس اللہ تعالیٰ کے ان دو کلمات طیبہ میں حفظانِ صحت کی تمام باتیں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں، اور جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کا مطالعہ کرے گا، وہ اسے حفظِ صحت کے لیے سب سے زیادہ اعلیٰ اور عمدہ پائے گا۔ کیونکہ صحت کی حفاظت، خورد و نوش۔ لباس، رہائش۔ ہوا۔ نیند بیداری حرکت و سکون۔ نکاح۔ استفراغ اور احتباس ہر بات میں حسن تدبیر پر موقوف ہے۔ اب اگر ان باتوں میں بدن۔ شہر۔ عمر اور عادت کے مطابق اعتدال قائم رہا۔ تو یہ مرنے تک بالکل صحت مند یا اس کے قریب ہی رہنے کا ذریعہ ہو گا۔ اور جب صحت و عافیت بندے پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام اور سب سے بہترین اور اعلیٰ عطیہ اور سخاوت ہے۔ بلکہ صحت کاملہ علی الاطلاق تمام نعمتوں سے بڑھ کر بڑی نعمت ہے لہٰذا جسے اس کی حفاظت۔ مراعت اور دفاع کا موقع ملے۔ اس کے لیے اس کی حفاظت کرنا واجب ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتلایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

وہ نعمتیں ایسی ہیں۔ کہ جن کے بارے میں کئی لوگ دھوکے میں ہیں، ایک صحت اور ایک فراغت۔

صحت بہت بڑی نعمت ہے

اور ترمذیؒ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن محصن انصاریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو صبح اس حالت میں کرے۔ کہ اس کا جسم مامون ہو۔ اپنے گھر میں وہ عافیت سے ہو اور اس کے پاس اس دن کی روزی موجود ہو۔ گویا اسے ساری دنیا دے دی گئی۔

اور ترمذیؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: قیامت کے روز انعامات میں سے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنے بندہ سے پوچھے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا! کیا ہم نے تجھے صحت مند بدن نہ دیا تھا اور تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہ کیا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ بعض نے اس آیت کی شرح۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (پھر البتہ ضرور تم سے انعامات الٰہی کے متعلق باز پرس ہوگی) میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد صحت ہے۔

دنیا و آخرت میں عافیت کی دعا

اور مسند احمدؒ میں مروی ہے۔ کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا! اے عباس اے رسول خدا کے چچا اللہ سے دنیا و آخرت میں عافیت کی دعا کیا کرو!

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا! کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا۔ اللہ سے یقین اور معافات کی دعا کرو، کیونکہ یقین کے بعد عافیت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں جو کسی کو عطا ہو، اس میں آپ نے دنیا و آخرت کی عافیت جمع فرما دی ہے۔ اور امر واقعہ یہی ہے کہ دارین میں بندے کے حالات یقین اور عافیت کے بغیر اصلاح پذیر نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ یقین سے آخرت کی سزائیں دور ہوتی ہیں۔ اور عافیت سے قلب وبدن امراض دنیا سے نجات پاتا ہے، پس جب عافیت وصحت کی یہ شان ہے تو ہم نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ ان امور میں مراعات کے متعلق بیان کریں گے۔ جو انہیں پڑھے گا۔ وہ محسوس کرے گا۔ کہ آپؐ کی سنتِ طیبہ علی الاطلاق سب سے کامل طریق زندگی ہے، جس سے ہر دو یعنی بدن وقلب اور دنیا وآخرت کی زندگی کی صحت وتعمت حاصل کی جاسکتی ہے۔

خور و نوش

میں

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

سنّت اور معمولات

سنّت نبویؐ

طعام واغذیہ اور ماکولات کے سلسلے میں

غذا کی یکسانیت مضر ہے خورد و نوش میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ نہ تھی کہ ایک ہی قسم کی غذاؤں پر قائم رہتے ان کے علاوہ دوسری استعمال نہ فرماتے کیونکہ یہ طریقہ طبیعت کے لیے از حد ضرر رساں ہوتا ہے، اور گاہے گاہے اس پر عمل پیرا ہونا دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ آدمی اگر دوسری اغذیہ استعمال نہ کرے گا تو کمزور ہو جائے گا یا ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اور اور اگر اچانک دوسری اغذیہ شروع کر دیں تو پھر ضرر ہو گا۔ اور اسے طبیعت قبول نہ کرے گی۔ اس لیے دائمی طور پر ایک ہی نوع کی اغذیہ پر قائم رہنا اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں خطرناک اور مضر ہے، بلکہ اہل شہر جس جس قسم کی اغذیہ کے عادی ہوں۔ مثلاً گوشت، پھل، روٹی اور کھجور وغیرہ سب استعمال کرنا چاہیے، جیسا کہ ہم ماکولات کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔

اور اگر کوئی غذا کسر و تعدیل چاہتی ہے تو اس کی ضد ہی سے اس کی کسر اور تعدیل ہو سکے گی، جیسے تربوز کے ساتھ کھجور کی حرارت کی تعدیل کی گئی اور اگر معدل نہ ملے تو صرف اتنا کھائے کہ جس قدر ضرورت ہو اور طبیعت خواہش رکھتی ہو۔ اسراف سے بالکل کام نہ لے۔ اس صورت میں کوئی نقصان نہ ہو گا۔

اور جب طبیعت راغب نہ ہو، تو کھانا نہ کھائے اور زبردستی پیٹ میں

بھرنے کی کوشش نہ کرے۔ حفظانِ صحت کے معاملہ میں یہ ایک مرکزی اصول ہے، کیونکہ اگر طبیعت کی خواہش کے خلاف کھائے گا، تو نفع سے زیادہ مضر ہوگا۔

آپؐ نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا

حضرت انسؓ فرماتے ہیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، جی چاہا، تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا، اور نہ کھایا۔

گوشت آپؐ کو مرغوب تھا

نیز آپؐ گوشت پسند فرماتے تھے۔ بازو اور گردن کا گوشت، آپؐ کو زیادہ اچھا لگتا، یہی وجہ تھی کہ (ایک یہودیہ نے) انہی اعضاء میں زہر ملا کر آپ کو کھلایا۔

اور صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا، تو کلائی (بازو) کا گوشت لایا گیا۔ آپؐ نے اسے پسند فرمایا، ابو عبید وغیرہ نے ضباعہ بنت زبیر سے نقل کیا ہے کہ ان کے گھر میں بکری ذبح کی گئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے کہہ دیا کہ ہمیں بھی اپنی بکری میں سے گوشت بھیجنا۔

انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس گردن کے سوا کچھ باقی نہیں رہا، اور اسے آپؐ کی خدمت میں بھیجتے مجھے شرم آتی ہے۔ قاصد واپس آیا، اور آپ کو جواب سنا دیا۔ آپؐ نے فرمایا، ضباعہ کے پاس واپس جاؤ، اور کہو وہی بھیج دیں، کیونکہ یہ بکری کا ہادی (اگلا حصّہ) اور خیر کے قریب اور اذی (گندگی یا تکلیف) سے دور ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں بکری کے گوشت میں گردن، بازو، اور کلائی کا گوشت بہت ہلکا ہوتا ہے، اور زود ہضم بھی،

اس سے ثابت ہوا کہ اغذیہ میں تین امور کی مراعات ضروری ہیں۔

۱۔ کثرت نفع و تاثیر۔

۲۔ عدم ثقل اور خفت (ہلکا ہونا)

۳۔ سرعت ہضم۔

شیرینی اور شہد کا بھی آپؐ کو شوق تھا

نیز آپؐ حلوا (میٹھی چیز) اور شہد پسند فرماتے اور یہ تینوں اشیاء یعنی گوشت۔ شہد اور شیرینی تمام اغذیہ سے افضل ہیں۔ اور بدن، جگر اور اعضاء کے لیے نافع ہیں۔ حفظِ صحت و قوت میں ان اغذیہ کو استعمال کرنا بہت زیادہ فائدہ بخش ہے اور صرف مریض اور بیمار ہی ان سے نفرت کرتے ہیں۔

اور آپؐ کی خدمت میں جیسا سالن بھی پیش کر دیا جاتا، آپؐ بے تامل اسے تناول فرماتے۔ گاہے گاہے گوشت کے شوربے سے تناول فرماتے، اور فرمایا کرتے یہ دنیا و آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔ (ابن ماجہؒ وغیرہ) اور کبھی کبھی تر لو زیا کھجور کے ساتھ بھی تناول فرماتے اور تر کھجور کو خشک کے ساتھ ملاتے اور فرماتے کہ یہ اس کا سالن (مصالحہ) ہے اس صورت میں غذائی طریق تدبیر ملحوظ ہے کہ جو کی روٹی سرد خشک ہوتی ہے اور کھجور اصح قول کے مطابق گرم تر ہوتی ہے۔ اس طرح جو کی روٹی کو اس کے ہمراہ کھانا غذائی طور پر حسن تدبیر میں شامل ہو گا۔ خصوصاً ان کے لیے جنہیں اہل مدینہ کی طرح اس کی عادت بھی ہو۔

کبھی کبھی سرکہ سے بھی کھانا تناول فرمالیتے، اور فرمایا کرتے "بہترین سالن سرکہ ہے۔ یہ جملہ مقتضائے حال کے مطابق ایک تعریفی کلمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے سالنوں پر اسے کسی طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ بعض جہال کا خیال ہے۔

اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک دن آپؐ اپنے گھر میں تشریف لائے آپؐ کی خدمت میں روٹی پیش کی گئی۔

آپؐ نے فرمایا، کوئی سالن بھی ہے؟

عرض کیا گیا، سرکہ کے سوا کچھ نہیں۔

آپؐ نے فرمایا" سرکہ تو بہترین سالن ہے (لاؤ)

آپ شہر کے تازہ پھل بھی استعمال فرماتے اور ان سے ہرگز پرہیز نہ کرتے۔ یہ طریقہ بھی آداب غذا میں سے ہے اور صحت و عافیت میں ایک مؤثر سبب کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اور ہر علاقہ میں ایسے ایسے میوے پیدا فرما دیے ہیں جو اپنے اپنے وقت کے مطابق وہاں کے رہنے والوں کے لیے فائدہ مند ہیں۔ اور ان کی صحت و عافیت کا سبب بنتے ہیں اور انہیں ادویہ کی کثرت سے بے نیاز کر دیتے ہیں اور جو شخص صحت کے خطرہ سے علاقائی پھلوں سے پرہیز کرتا ہے۔ وہ بدنی طور پر تمام لوگوں سے زیادہ مریض ہوتا ہے۔ اور صحت وقوت میں سب سے کمزور و ناتواں رہتا ہے، اور ان پھلوں کی رطوبت موسم، زمین اور معدہ کی حرارت تعدیل کرتی ہے۔ نیز ان کے برے اثرات کو زائل کرتی ہے بشرطیکہ کھانے میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔ اور معدہ کی قوت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈال دیا جائے اور ہضم سے قبل ہی غذا خراب نہ ہو جائے، اور نہ اوپر سے پانی پی کر یا کھانا کھا کر انہیں فاسد کر دیا جائے، کیونکہ قولنج کا مرض زیادہ تر اسی طرح غلطیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی مناسب وقت اور مناسب طریقہ سے پھلوں کا ناشتہ کرے، تو بلاشبہ بہ فائدہ بخش دوا کی حیثیت سے نافع ثابت ہوں گے۔

تناول طعام

طرز نشست، آداب طعام اور اصول اغذیہ

صحیح روایت میں آپ سے مروی ہے، کہ آپؐ نے فرمایا!
میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا بلکہ میں اس طرح بیٹھتا ہوں کہ جیسے بندہ بیٹھتا ہے اور اس طرح کھاتا ہوں کہ جیسے بندہ کھاتا ہے۔ "اتکا" سے مراد ٹیک لگانا بھی ہے، پلتھی مار کر بیٹھنا بھی، اور پہلو کے بل بیٹھنا بھی، ان تینوں صورتوں میں آخری صورت مضر صحت ہے، اس سے ہضم میں فتور پڑتا ہے اور پہلی دونوں صورتیں جبابرہ کی ہیں، جو منافی شان عبودیت ہیں۔

سنن ابن ماجہؒ میں مروی ہے کہ آپؐ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چہرے کے بل لیٹ کر کھائے۔

نیز آپؐ سے منقول ہے کہ آپ عام طور پر دو زانو ہو کر کھانے کے لیے بیٹھتے تھے، اس لیے بھی کہ کھانے کے لیے بہترین نشست یہی ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے احترام طعام مقصود تھا، اس ہیئت سے بیٹھ کر کھانا مناسب ہے کیونکہ تمام اعضا اپنی وضع طبیعی پر ہوتے ہیں، اور کھانا اچھی طرح کھایا جاتا ہے۔ اور ہضم بھی جلد ہوتا ہے۔

کھانے میں تین انگلیاں استعمال کرنا چاہئیں

آپ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ کھانے کے لیے یہ صورت سب سے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ ایک یا دو انگلیوں سے کھانے والے کو نہ پورا مزہ آسکتا ہے اور دیر تک کھاتے رہنے پر مجبور ہے کہ بغیر اس کے وہ سیری حاصل نہیں کر سکتا۔ پانچوں انگلیوں اور پورے ہاتھ سے کھانا کھانے میں یہ قباحت ہے کہ کھانا ایک ہی دفعہ کثیر مقدار میں معدہ کے اندر آجاتا ہے۔ اس سے کبھی کبھی آلات ہضم کو ضرر پہنچ جاتا ہے اور موت تک واقع ہو جاتی ہے اور بڑی مقدار میں کھانا پہنچ جانے سے آلاتِ ہضم اور معدہ میں مروڑ ہوتی ہے اور اسے ذرا بھی لذت یا سیری حاصل نہیں ہو سکتی، اس لیے سب سے زیادہ نافع طریقہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ طعام ہے، اور اس شخص کا طریقہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کرتے ہوئے تین انگلیوں سے کھایا۔

بعض چیزیں جو بیک وقت آپ نہیں کھاتے تھے

اور جو بھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اغذیہ اور ماکولات پر غور کرے گا۔ اسے محسوس ہوگا کہ آپ دودھ اور مچھلی ایک ساتھ استعمال نہیں فرماتے تھے اور نہ دودھ اور کھٹی چیز نہ دو گرم غذاؤں یا سرد غذاؤں کو جمع فرماتے تھے اور نہ دو قابض نہ دو اسہال اور نہ دو غلیظ، نہ دو ملین غذاؤں کو، اور نہ دو ایسی غذاؤں کو جمع فرماتے جو ایک خلط کی صورت میں تحلیل ہو جاتی ہو۔

نیز آپ دو مختلف غذاؤں مثلاً قابض اور مسہل، سریع الہضم، بھنی ہوئی اور پکی ہوئی، تازہ اور باسی، دودھ اور انڈا، گوشت اور دودھ کو جمع نہیں فرماتے تھے اور نہ شدتِ حرارت میں کھانا کھاتے، اور نہ باسی چیز کھاتے اور نہ ہی متعفن اور چٹ پٹی چیزیں استعمال فرماتے۔ یہ تمام انواع صحت و اعتدال کو ختم کرنے کی ذمہ دار اور ضرر رساں ہیں۔

نیز آپ بعض اغذیہ کے ضرر کے دوسری اغذیہ کے ذریعہ اصلاح فرما لیتے تھے۔ بشرطیکہ ایسا ممکن ہو، مثلاً آپ ایک غذا کی حرارت دوسری (غذا) کی برودت سے ایک کی یبوست دوسری کی رطوبت سے زائل کرتے، جیسے ککڑی اور کھجور کو ملا کر اصلاح فرمایا کرتے۔

نیز آپ کھجوریں گھی کے ساتھ بھی تناول فرماتے۔ نیز آپ کھجور کا نقیع (آب زلال) کھا کر شدید اغذیہ کی تلطیف کرتے۔

نیز آپ عشاء (رات) کا کھانا بھی کھایا کرتے۔ اگرچہ کھجور کے چند دانے کیوں نہ ہو، فرمایا کرتے۔ عشاء کا کھانا چھوڑ دینا بڑھاپا لاتا ہے (جامع ترمذیؒ، سنن ابن ماجہ)

کھاتے ہی سو جانے کی ممانعت

ابو نعیمؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ کھاتے ہی سو جانے سے منع فرماتے اور منقول ہے کہ یہ دل کی قساوت پیدا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اطباء کی ہدایت ہے کہ جو حفظان صحت چاہتا ہو اسے طعام شب سے فارغ ہونے کے بعد چہل قدمی کرنی چاہیے۔ خواہ وہ ایک سو قدم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد بھی آپ فوراً نہیں سوتے تھے کیونکہ یہ بہت زیادہ ضرر رساں ہے۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ (کھانے کے بعد) نماز پڑھتے، تاکہ قعر معدہ میں غذا کا استقرار ہو جائے اور ہضم میں آسانی ہو۔ یہ صورت صحت کے لیے بہت بہتر ہے۔[1]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جتنی صورتیں بھی مروی ہیں، اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے، حد درجہ نافع ہیں، وہ ہیں۔ ان پر اگر سختی اور پابندی سے عمل کیا جائے تو انسان کی صحت بہت بہت عمدہ رہ سکتی ہے۔ یہ جتنی احتیاطیں اور ہدایتیں ہیں، وہ ہیں جن کی تائید و توثیق آج ۱۴ سو سال کے بعد عہد جدید کے محققین اور ماہرین طب و علاج کی طرف سے ہو چکی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔

پانی پینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول اور معمول

پانی کب نہیں پینا چاہیے کھانے کے بعد پانی پینا آپ کی سنت نہیں ہے خصوصاً اگر پانی گرم ہو، یا زیادہ سرد ہو، کیونکہ یہ دونوں صورتیں بہت زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔

نیز آپ ریاضت کرنے، تکان ہونے اور کھانا یا پھل کھانے اور جماع یا حمام کے بعد پانی پینے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

پانی پینے میں آپ کی سنت سب سے زیادہ کامل ہے جس کے ذریعہ صحت کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔

آپ سرد پانی کے ساتھ شہد ملا کر پانی پیتے اور حفظانِ صحت کے لیے یہ ایک ایسا اصول ہے جس کی صرف فاضل اطباء ہی معرفت رکھتے ہیں، چنانچہ اگر اسے اس طرح پیا جائے یا بلغم کی حالت میں چاٹا جائے۔ تو یہ بلغم کو کاٹتا ہے اور معدہ کی جھلی کو دھوتا ہے۔ اور اس کے مادہ لزج میں جلا پیدا کرتا ہے، اس کے فضلات کو دور کرتا ہے۔ تسخین کرتا ہے اور سدّے کھولتا ہے۔ جگر اور گردے اور مثانے میں بھی اس کا یہی اثر ہوتا ہے، اور یہ معدہ کے لیے دوسری قسم کی شیرینیوں سے کہیں زیادہ نافع ہے۔ البتہ بالعرض صفراوی مزاج کو گرمی اور صفراوی علّت میں مضر

ہے۔ گاہے گاہے ہیجان پیدا کرتا ہے اور اس کی مضرت سرکہ سے دور کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں بے از حد فائدہ بخش ہو جاتا ہے۔ الغرض بہ صورت برودت اسے جلا دینے والی چیز مثلاً شہد، کشمش، کھجور یا شکر اس میں ڈال لی جائے تو یہ بدن کے لیے از حد نفع بخش ہے اور اس سے صحت کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب سرد اور شیریں پانی تھا۔

جاننا چاہیے کہ خراب پانی نفخ پیدا کرتا ہے اور اس سے طرح طرح کے امراض اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے اور چونکہ رکھا ہوا پانی بالکل تازہ پانی سے زیادہ نافع ہے اس لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوہثیم بن تیہان کے باغ میں تشریف لائے تو آپ نے دریافت فرمایا، کیا باسی پانی ہے؟ یہ پانی پیش کیا گیا، اور آپ نے اس میں سے کچھ نوش بھی فرمایا۔ اسے بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر تمہارے پاس مشکیزے میں پانی ہے تو خیر ورنہ ہم مونگھ سے پیتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیر سقیاد سے شیریں پانی لایا جاتا، اور جو پانی نئے یا پرانے مشکیزوں میں ہوتا ہے وہ مٹی یا پتھر کے برتنوں میں رکھے ہوئے پانی سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ خصوصاً جو چمڑے کے مشکیزے ہوں ان میں سے خاصیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے برتنوں کی بجائے مشکیزے کا پانی طلب فرماتے چونکہ مشکیزوں میں مسامات ہوتے ہیں اور ان سے پانی کا ترشح ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے اس پانی میں لطیف خصوصیات آجاتی ہیں، اور ایسا برتن جس میں ترشح ہوتا ہو اس کا پانی اس برتن کے پانی سے زیادہ لذیذ اور سرد ہوتا ہے۔ جس میں ترشح نہ ہو سکتا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کامل اور اعلیٰ طریقے پر ہیں اور آپ کی سنت طیبہ ہر بات میں سب سے افضل ہے۔ اور آپ نے امت کو ایسے امور کی خبر دی ہے جو قلوب و ابدان اور

دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سرد اور شیریں پانی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی مراد شیریں کنوؤں کا پانی ہو، کیونکہ ان کا پانی اکثر شیریں ہوتا ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے آپؐ شہد آمیز یا وہ پانی مراد لے رہے ہو، جس میں کھجور یا کشمش ڈال کر اس کا زلال تیار کیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دونوں صورتوں کے لیے عام ہے۔ اور حدیث میں آپؐ کا فرمانا، اگر تمہارے پاس مشکیزہ میں باسی پانی ہو تو ٹھیک ورنہ ہم مونگھڑ سے پی لیں گے۔

یہ کرع (منہ لگا کر برتن کے بغیر) پینے کے جواز پر دلیل ہے لیکن اس قسم کی صورت صرف ضرورت کے وقت جائز ہو سکتی ہے، یا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہہ کر آپؐ نے اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ بعض لوگ اسے مکروہ سمجھتے ہیں، اور اطبا، تو اسے حرام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ معدہ کے لیے مضر ہے۔

ایک حدیث میں جس کی (صحت) کی حالت سے میں آگاہ نہیں۔ جو ابن عمر رضؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں پیٹ کے بل یعنی صرف منہ سے بغیر برتن کے پانی پینے سے منع فرمایا، نیز ہمیں ایک ہی ہاتھ سے پینے کو بھی منع فرمایا، اور فرمایا!

تم میں سے کوئی اس طرح پانی کو نہ چاٹے جیسے کتا چاٹتا ہے۔

نیز آپؐ رات کو کسی برتن میں اس وقت تک پانی نہ پیتے جب تک معلوم نہ کر لیتے کہ اس میں سکر تو نہیں آگیا، لیکن بخاریؒ کی حدیث اس سے اصح ہے، اور اگر یہ حدیث بھی صحیح ہو تو بھی ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اغلباً اس وقت ہاتھ سے پانی پینا ناممکن ہو گا۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا، ورنہ ہم مونگھڑ سے پی لیں گے۔

اور منہ سے پینا نقصان دہ ہوتا ہے جب کہ پینے والا اپنے چہرے اور پیٹ پر بھی اسے بہا دے، جیسے کہ نہر اور تالاب سے پینے والا پی لیتا ہے۔ اور اگر کھڑے ہو کر کسی اونچے حوض سے پیا جائے تو اس میں کچھ فرق نہیں، خواہ ہاتھ سے پیا جائے تو اس میں کچھ فرق نہیں، خواہ ہاتھ سے پیا جائے یا منہ سے پیا جائے۔

آپ عام طور پر بیٹھ کر پانی پیتے تھے

عام عادت کے طور پر آپ کی سنت طیبہ بیٹھ کر پینے کی تھی، اور صحیح روایت میں آپ سے منقول ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے۔

نیز آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پینے والے کو قے کرنے کا حکم دیا۔ نیز آپ سے کھڑے ہو کر پینا بھی ثابت ہے۔

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نفی کے حکم کی ناسخ ہے۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ نہی تحریم کے لیے نہیں، بلکہ ارشاد اور ترک اولیٰ کے لیے ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان روایتوں میں قطعاً کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جب آپ زمزم کے پاس تشریف لائے اور وہ لوگ حجاج کو پانی پلا رہے تھے، تو آپ نے پانی طلب فرمایا۔ انہوں نے پیش کیا اور آپ نے کھڑے کھڑے پانی نوش فرمایا تو یہ ایک ضرورت اور حاجت تھی، ویسے کھڑے ہو کر پانی پینے میں کئی امراض کا خطرہ ہوتا ہے، اور اگر آپ نے نادر طور پر یا کسی ضرورت کی بنا پر ایک فعل فرما دیا، تو یہ مضر نہ ہوگا۔

پانی پیتے وقت تین بار سانس لینا

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین بار سانس لیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ طریقہ اچھی طرح سیراب ہونے اور حصول شفاء کے لیے اچھا ہے۔

شارع علیہ السلام اور حاملین شرع کے نزدیک "شراب" مطلب پینے کی

چیز یعنی پانی ہے اور پینے کے دوران میں سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ پیالے کو منہ سے ہٹا کر سانس لیا جائے اور پھر دوبارہ پینا شروع کیا جائے، جیسا دوسری حدیث میں صراحت سے ذکر آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو پیالے میں سانس نہ لے، بلکہ پیالے کو منہ سے ہٹا لے۔

فوائد اور احکام و مصالح اس طرح پینے میں کئی فوائد اور احکام و مصالح ہیں جنہیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان تین الفاظ اروٰی و امرأ و ابرأ ــــــ میں جمع فرما دیا، چنانچہ اروٰی کا مطلب خوب سیر کرنا ہے جس میں مبالغہ بھی ہے اور نفع بھی ہے، اور ابرأ کا صیغہ ابر سے ہے جس کا مطلب شفاء ہے، یعنی پیاس کی شدت اور اس مرض سے شفاء کی صورت ہے، کیونکہ گرم ترین معدہ پر بار بار ٹھنڈک پڑتی ہے۔ چنانچہ پہلی دفعہ جو کسر رہ جاتی ہے دوسری دفعہ میں تسکین ہو جاتی ہے اور دوسری دفعہ کی کسر تیسری بار میں پوری ہو جاتی ہے۔ مزید براں معدہ کی سلامتی کے لیے بھی یہ فائدہ بخش ہے اور اس بات سے حفاظت کرتی ہے کہ اچانک ایک ہی دفعہ سردی حملہ آور نہ ہو جائے، اور جو ایک ہی دفعہ سیراب کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں شدت برودت کے باعث حرارت غریزی ہی کم یا زیادہ نہ ہو جائے، جس سے معدہ اور جگر کا مزاج بگڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور گوناگوں امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ یہ خرابی گرم ممالک خصوصاً حجاز اور یمن وغیرہ میں یا گرم موسموں میں زیادہ تر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ان گرم موسموں اور گرم علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی حرارت غریزی کمزور ہوتی ہے۔ اور دفعتہً زیادہ مقدار میں پانی پی لینے سے خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

زیادہ مقدار میں پینے سے گریز کرنا چاہیے زیادہ مقدار میں پانی پی لینے کے آفات میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے پینے کی نالی کثرت آب سے بند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مرور اٹھتا

ہے۔ اور اگر سانس لے کر پانی پیے گا تو اس آفت سے بچا رہے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ و امام بیہقی وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ جب تم میں سے کوئی پیئے تو پانی کو نہ چوسے، نہ دفعتہً حلق میں انڈیل لے، کیونکہ اس سے دردِ جگر پیدا ہو جاتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر دفعتہً کثیر مقدار میں جگر پر پانی ڈال دیا جائے تو دردِ جگر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی حرارت کمزور ہو جاتی ہے۔

جامع ترمذیؒ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں مت پیو بلکہ دو یا تین دفعہ کرکے پیو۔ اور جب پیو تو بسم اللہ کہو اور جب فارغ ہو تو حمد کہو۔

خورد و نوش کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا، اور آخر میں حمد کرنا عجیب وغریب فوائد و منافع کا حامل ہے اس سے ضرر اور نقصانات سے تحفظ ہوتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ طعام میں اگر چار باتیں جمع ہو جائیں تو وہ کامل طعام ہے۔

۱۔ جب اس کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھی جائے۔

۲۔ اور آخر میں حمد کہی جائے۔

۳۔ اور کھانے پر ہاتھ (کھانے والے) کثرت سے ہوں۔

۴۔ کھانا حلال کمائی کا ہو۔

کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھکنے کی ہدایت

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے، فرمایا، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

برتنوں کو ڈھک دو، پینے کے برتنوں پر کپڑا ڈال دو، کیونکہ سال میں ایک شب ایسی بھی آتی ہے جب وباء نازل ہوتی ہے اور وہ کسی ایسے برتن کے پاس سے گزرتی ہے جس پر ڈھکنا نہ ہو یا پانی کے برتن کے پاس سے گزرتی ہے جو کھلا ہوا ہو تو یہ وبا اس میں گر پڑتی ہے، امراض کے یہ ایسے اسباب ہیں جن کا ادراک اطباء کے علوم و معارف حاصل نہیں کر سکتے اور تجربہ سے عقلاء نے بالآخر انھیں محسوس کیا۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں، یہ اعاجم کی احادیث کے ایک راوی ہیں کہ ہمارے ہاں سال میں ایک بار کانون الاول کے مہینہ میں اس شب کو احتیاط کی جاتی ہے۔ اور آپؐ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپؐ نے برتن ڈھانک دینے کا حکم دیا۔ اگرچہ ایک لکڑی کا تختہ ہی رکھ دیا جائے۔

لکڑی کے تختہ کے رکھ دینے میں بھی ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ گاہے گاہے کوئی کیڑا اگزرتا ہے اور برتن میں گر جانا چاہتا ہے، لیکن تختے پر سے گزر جاتا ہے، اور یہ لکڑی اس کے لیے ایک پل بن جاتی ہے اور اسے گرنے سے روک لیتی ہے۔

نیز صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے برتن ڈھانکتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ برتن ڈھانکتے وقت اگر بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان ہٹا دیا جاتا ہے اور (برتن) کا ڈھکنا کیڑوں وغیرہ کو دور رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دو مقامات پر ان مصالح ومفاہیم کے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزہ کے اندر سے پانی پینے کی ممانعت فرمائی، اس میں کئی فوائد وحکم ہیں۔ ایک یہ اس سے کئی بار پانی پینے والے کی سانس اندر جاکر مشروب کو مسموم ومکروہ بنادیتی ہے۔

نیز پانی کا ایک حصہ اس کے جوف میں داخل ہوکر ضرر رساں بن جاتا ہے۔

نیز گاہے گاہے اس میں کوئی جاندار گر جاتا ہے کہ پیتے وقت اس کا پتہ نہیں چل سکتا اور اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پانی میں خس وخاشاک ہوتے ہیں، جو پیتے وقت نظر نہیں آتے اور پیٹ میں داخل ہوجاتے ہیں۔

اگر یوں کہا جائے کہ جامع ترمذی کی اس روایت کا کیا جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز ایک مشکیزہ منگوایا اور ہیں نے اس کا منہ کھولا۔ پھر اس میں منہ لگا کر پانی نوش فرمایا۔ ہم کہیں گے ہم کو اس روایت کے متعلق امام ترمذیؒ کا قول ہی کافی ہے، یعنی اس حدیث کے اسناد صحیح نہیں۔

پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصہ سے پانی پینے کی ممانعت

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصہ سے پانی پینے اور مشروب کو پھونک کر پینے سے منع فرمایا ہے اور یہ پینے کے وہ آداب ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر پینے والے کی اصلاح ہوجاتی ہے، کیونکہ پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصہ میں کئی قسم کے مفاسد ہیں۔

اس حکم کے مصالح اور فوائد عامہ ایک یہ کہ پانی کی سطح پر جو تنکا وغیرہ ہوگا وہ درست جانب کی بجائے ٹوٹی ہوئی جانب جمع ہو جائے گا

دوسرے اکثر اوقات یہ چیز پینے والے کے لیے باعث تشویش ہوتی ہے۔ اور ٹوٹی ہوئی جانب بہتر طریق سے پینا ناممکن ہو جاتا ہے۔

تیسرے ٹوٹی ہوئی جانب میں میل وغیرہ جمع ہو جاتا ہے، اور صحیح طرف کی اس حصہ کو صاف نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

رہا پانی میں پھونک مارنا، تو پھونک مارنے سے منہ سے اکثر بدبودار ہوا خارج ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں کراہت سی آجاتی ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ منہ میں کوئی بیماری ہو۔

مشروبات نبویؐ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خالص صورت میں اور کبھی کبھی پانی ملاکر دودھ نوش فرماتے۔ حفظانِ صحت اور ترطیب بدن و سیرابیِ جگر کے لیے گرم ممالک میں شیرین دودھ کے استعمال میں بہت زیادہ فائدہ ہے۔

دودھ کے فوائد خصوصًا ان چوپاؤں کا دودھ جو شیخ۔ قیصوم اور خزامی یا ان جیسی بوٹیاں چرتی ہیں۔ چنانچہ ان کا دودھ غذاؤں کی طرح غذا اور پانی کی طرح مشروب اور ادویہ کی طرح دوائی حیثیت رکھتا ہے۔

جامع ترمذیؒ میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کہ جب تم میں کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ یہ دعا پڑھے۔

اللھم بارك لنا فیه واطعمنا خیرا منه (یعنی: "اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت فرما۔ اور ہمیں اس سے بہتر کھلا"

جب دودھ پیئے۔ تو یہ دعا پڑھے۔ اللھم بارك لنا فیه وزدنا منه (اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت دے۔ اور ہمیں زیادہ عطا فرما۔)

بات یہ ہے کہ خورد و نوش دونوں کا قائم مقام صرف دودھ ہی ہو سکتا ہے۔ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

آپ نبیذ بھی نوش فرماتے تھے صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے لیئے رات کو نبیذ تیار کیا جاتا۔ اور آپؐ اسے اس کی صبح کو اور آنے والی شب پھر کل اور دوسری شب اور پھر کل عصر تک نوش فرماتے، اس کے بعد بھی اگر کچھ بچ جاتا۔ تو آپؐ اسے خادم کو پلا دیتے یا پھینک دینے کا حکم فرماتے۔

نبیذ وہ آبِ شیریں ہوتا ہے، جس میں کھجوروں کو میٹھا کرنے کے لیئے ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ غذا اور مشروب دونوں میں داخل ہے۔ زیادتِ قوت اور حفظانِ صحت میں یہ از حد نافع ہے۔ اور سکر کے خطرہ کے پیشِ نظر اسے تین روز کے بعد نہیں پیتے تھے۔

لباس کا استعمال اور انتخاب

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت اور طریقہ

لباس پہننے اور اتارنے میں آپ کی سنّت سب سے کامل زیادہ فائدہ بخش۔ ہلکی پھلکی اور سہل و آسان تھی۔

اکثر اوقات آپ چادر یا تہ بند استعمال فرماتے۔ یہ کپڑا بدن پر دوسرے کپڑے کی نسبت خفیف ہوتا ہے۔ نیز آپ قمیص بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ محبوب لباس تھا۔

لباس بدن میں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ نافع اور صحت کے مطابق (فائدہ بخش) ہوتا تھا۔ اگرچہ آپ آستینوں کو لمبا نہ کرتے۔ اور نہ انہیں زیادہ چوڑا کرتے، وہ صرف پہونچوں تک لمبی ہوتیں، (لیکن) ہتھیلیوں سے آگے نہ بڑھتیں۔ ورنہ پہننے والے پر تنگی کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اور حرکت سے یا کسی چیز کو پکڑنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اور اس مقدار سے کم بھی نہیں ہوتی تھیں کہ حرارت و برودت سے تحفظ نہ ہو سکے۔

نیز آپ کی قمیص کی طوالت اور تہ بند کی لمبائی نصف پنڈلیوں تک ہوتی، ٹخنوں سے تجاوز نہ کرتی کہ چلنے والے کو تکلیف دے۔ اور ایک طرح کا قیدی بنا کر نہ رکھ دے۔ پنڈلی کے عضلات برہنہ نہ ہوتے تھے کہ برودت و حرارت سے تکلیف ہو۔

نیز آپ کا عمامہ مبارک اس قدر بڑا بھی نہ ہوتا جس سے سر کو اٹھانا مشکل ہو جائے

اور تکلیف میں مبتلا کر دے۔ انسان ضعف و ناتوانی محسوس کرے اور آفات و امراض میں گھر جائے۔ جیسا کہ بڑے بڑے پگڑ والوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ آپؐ کا عمامہ اس قدر چھوٹا ہوتا۔ کہ حرارت و برودت سے سر کا تحفظ نہ کر سکے، بلکہ متوسط ہی رہتا

آپؐ عمامہ کا ایک بل ٹھوڑی کے نیچے سے لے آتے۔ اس میں کئی فوائد پنہاں ہیں، کیونکہ اس طریقہ سے سردی و گرمی سے تحفظ ہو جاتا ہے۔ اور یہ زیادہ مفید ہوتا ہے خصوصاً گھوڑے یا اونٹ کی سواری یا بھاگ دوڑ کے موقع پر اس سے آرام ملتا ہے۔

کئی لوگوں نے اس طرح کے عمامہ کے بجائے کلاسیب (لوہے کی ٹوپیاں) بنا رکھی ہیں ان دونوں میں نفع اور زینت ہر لحاظ سے بہت ہی فرق ہے۔ اور جب تم اس لباس پر غور کرو گے تو اسے ازحد نافع صحت و قوتِ بدن کے لئے ازحد فائدہ بخش محسوس کرو گے۔ نیز بدن پر مشقت اور تکلف سے بھی اسے خالی دیکھو گے۔

نیز سفر میں آپؐ ہمیشہ یا اکثر موزے پہنتے تاکہ پاؤں کو سردی گرمی سے بچا سکیں اور کبھی کبھی حضر میں بھی استعمال فرما لیتے۔

تمام کپڑوں میں سے آپؐ کو سفید اور حبرۃ (یمنی کپڑا) زیادہ پسند تھا۔ حبرۃ یمنی چادر کو کہتے ہیں۔

سرخ یا سیاہ یا زرد یا تیز چمکنے والا لباس استعمال کرنا آپؐ کی عادتِ طیبہ میں داخل نہ تھا اور سرخ جوڑا جو آپؐ نے زیب تن فرمایا۔ وہ دراصل یمنی چادریں تھیں۔ جن میں سیاہی سرخی اور سفیدی پائی جاتی تھی۔ جیسے سبز جوڑے کے متعلق مروی ہے۔ گویا آپؐ نے کبھی اسے اور کبھی اُسے زیب تن فرمایا۔

نیز جس نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ آپؐ نے گہرا سرخ کپڑا استعمال فرمایا۔ اس کی تغلیط کی تفصیلات گذر چکی ہیں۔

رہائش کے سلسلے میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز و اصول

جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا۔ کہ اب چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے، یہ دنیا مسافر کی ایک منزل ہے، جس میں وہ عمر دنیا تک ٹھہرتا ہے۔ پھر آخرت کے سفر پر چل پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کی سنت طیبہ یہ نہ تھی کہ اعلیٰ اور مضبوط مکانات ہوں کہ جن میں پردے لٹکائے جائیں اور پچی کاری کی جائے۔ فراخ فراخ حویلیاں تعمیر کی جائیں۔ بلکہ ایک مسافر کی سب سے بہتر منزل یہی ہو سکتی ہے کہ سردی سے گرمی سے تحفظ ہو جائے۔ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اور چوپاؤں کے داخل ہونے میں رکاوٹ بن جائے، اور بوجھ کی زیادتی کے باعث گر جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور نہ فراخی کے باعث کیڑے مکوڑے اس میں گھونسلے بنانا شروع کر دیں اور نہ بلندی کے باعث آندھیاں اور تکلیف دہ ہوائیں اس میں ہنگامہ برپا کر دیں۔ اور نہ زیر زمین ہو کہ رہنے والے کو تکلیف ہو اور نہ بہت زیادہ اونچا ہو۔ بلکہ متوسط ہو۔

رہائش کے معاملہ میں یہ طریقہ سب سے زیادہ معتدل نافع اور سردی و گرمی سے تحفظ کرنے والا ہے۔ اس طرح یہ مکان نہ رہنے والے کو تنگ کرتا ہے کہ وہ مقید ہو جائے اور نہ بدوں کسی فائدہ و منفعت کے وسیع ہوتا کہ خالی حصے میں کیڑے مکوڑے بھاگتے پھریں اور نہ اس میں کوئی گودام ہوتا۔ کہ جس کی بدبو سے رہائش رکھنے والا تکلیف اٹھائے

بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئیں تو خوب عمدہ اور (فرحت بخش) تھیں۔ کیونکہ آپؐ خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ اور ہمیشہ آپؐ کے پاس سے بہترین خوشبو آتی رہتی۔ اور آپ کا پسینہ بھی خوشبودار ہوتا۔ اور گھر میں کوئی ایسا ذخیرہ نہ ہوتا جو بدبودار ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رہائش کے لیے یہ طریقہ سب سے زیادہ معتدل اور نافع ہے اور بدن و حفظانِ صحت کے لیے انتہائی موافق اور موزوں ہے [1]

---

[1] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفاست اور طہارت پسندی، ایک ایسی حقیقت ہے جو روزِ روشن کی طرح واضح اور نمایاں ہے، لیکن اس نفاستِ طبع کے ساتھ سادگی بھی آپؐ کی طبعِ مبارک کا ایک خاصہ تھا اور اس سادگی میں جلالِ شہریاری نہ تھا جمالِ فقر تھا! اور یہی آپؐ کی سب سے بڑی اور یکتا خصوصیت تھی۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسےٰ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

خواب اور بیداری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز و طرق

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیداری و نوم، بدن، اعضاء اور قوائے جسم کے لیے سب سے زیادہ معتدل اور نافع تھا۔ کیونکہ آپؐ ابتدائے شب میں سوتے۔ اور نصفِ شب کی ابتداء میں بیدار ہو جاتے۔ اٹھ کر مسواک فرماتے اور وضو کر کے جس قدر اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھی ہوتی نماز پڑھتے۔ گویا بدن۔ اعضا۔ اور تمام قویٰ کو نیند اور استراحت سے حصہ مل جاتا۔ اور وفورِ اجر کے باعث ریاضت حاصل کرتے۔ اور یہ معاملہ اصلاح قلب و بدن اور دنیا و آخرت کی (بھلائی) کے لیے سب سے بہتر ہے۔

آپؐ ضرورت سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ اور ضرورت سے زیادہ جاگتے بھی نہیں تھے، چنانچہ جب ضرورت لاحق ہوتی۔ تو آپؐ دائیں طرف اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آرام فرماتے۔ حتیٰ کہ آپؐ کی آنکھوں پر نیند غالب آجاتی۔ اس وقت آپؐ شکم سیر نہ ہوتے۔ نہ آپؐ سطحِ زمین پر لیٹ جاتے۔ اور نہ زمین سے بچھونا اونچا ہوتا بلکہ آپؐ کا بستر چمڑہ ہوتا۔ جس کے اندر کھجور کی روئی بھری ہوتی۔ آپؐ تکیہ پر ٹیک لگاتے اور کبھی کبھی رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ لیتے۔ اور سب سے بہتر نیند دائیں جانب کی ہے تاکہ اس ہیئت میں کھانا معدہ میں بہتر انداز میں قرار پکڑ لے۔ اور سب سے خراب صورت یہ ہے کہ چہرہ کے بل لیٹے۔

مسند اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابی امامہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک آدمی کے پاس سے گذرے جو چہرہ کے بل سو رہا تھا۔ آپؐ نے اسے ٹھوکر لگائی اور فرمایا "اٹھ" یا فرمایا "بیٹھ جا" کیونکہ یہ دوزخیوں کی سی نیند ہے۔

بقراط نے بھی کتاب التقدمہ میں لکھا ہے۔ غیر معتاد طور پر انسان کا پیٹ کے بل سونا اس کے اختلاط عقل یا پیٹ میں کسی جگہ درد کا ہونا ظاہر کرتا ہے۔

دوپہر کے سوا دن کو سونے سے پرہیز کرنا چاہیے

دن کا سونا سخت خراب ہے جو کئی مرطوب امراض و آفات پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ رنگ خراب کر دیتا ہے۔ تلی کا مرض پیدا کرتا۔ اعصاب میں استرخاء اور کسل پیدا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں گرمیوں میں دوپہر کے وقت سونے کے علاوہ (دن میں سونا) قوت رجولیت کو ضعیف کرتا ہے۔

سب سے خراب نیند ابتدائے دن اور اس سے بھی خراب تر عصر کے بعد کی نیند ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے ایک بیٹے کو صبح کے وقت سوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔ اٹھ جاؤ۔ کیا تم اس گھڑی سوتے ہو جبکہ رزق تقسیم ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں۔ کہ دن کی نیند حرق یا حمق (حماقت) ہوتی ہے۔ البتہ دوپہر کو سونا (یعنی قیلولہ کرنا) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے۔ اور چاشت کے وقت میں سونا دنیا و آخرت کے امور سے سو جانا (غافل ہو جانا) ہے۔ اور عصر کے وقت سونا حماقت (بے عقلی) پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض سلفؒ سے مروی ہے۔ کہ جو عصر کے بعد سو جائے۔ اور اس کی عقل مختل ہو جائے۔ تو وہ اپنے آپؐ کے سوا کسی دوسرے کو ملامت نہ کرے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

الا ان نومات الضحی تورث الفتی
خبالا ونومات العصیر جنون

یاد رکھو چاشت کے وقت سونا نوجوان کو غم و حزن کا وارث بناتا ہے۔
اور عصر کا سونا جنون (لاتا ہے)

صبح کے وقت سونا منحوس ہے

صبح کے وقت سونے سے رزق میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ یہ وقت مخلوق کے لیے طلب رزق کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس وقت رزق کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔ پس ایسے وقت بلا کسی مرض یا ضرورت کے سو جانا محرومی کی علامت ہے اور بدن کے لیے بھی مضر اور نقصان دہ ہے۔

دھوپ میں سو جانا پوشیدہ مرض کو اچھالنے کے برابر ہے۔

نیز کچھ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں سونا از حد خراب ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی دھوپ میں لیٹا ہو، اور چھاؤں بڑھ آئے اس طرح کہ وہ کچھ دھوپ اور کچھ چھاؤں میں ہو جائے تو اسے اُٹھ جانا چاہیے۔

اور سنن ابن ماجہؒ وغیرہ میں حضرت بریدۃؓ بن حصیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سایہ اور دھوپ کے درمیان بیٹھنے کی ممانعت فرمائی" یا ان دونوں کے درمیان بیٹھنے کی ممانعت کی تنبیہ ہے۔

سوتے وقت پڑھنے کی دعا

نیز صحیحین میں حضرت براءؓ بن عازب سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تو اپنے بستر پر جائے، تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرلے، پھر دائیں جانب لیٹ جا۔ پھر یہ دعا پڑھ۔

اللھم انی اسلمت نفسی الیک ووجھت وجھی الیک وفوضت امری الیک والجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لاملجأ ولا منجا منک الا الیک امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت۔

یعنی اے اللہ میں نے اپنی جان تیرے سپرد کردی اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف کر دیا اور میں نے اپنا معاملہ تجھے ہی تفویض کیا۔ اور میں نے تیری ہی جانب پناہ لی۔ تیری

طرف ہی رغبت سے اور ڈرتے ہوئے۔ تیرے سوا تجھ سے کوئی جائے پناہ نہیں اور نہ نجات ہے۔ میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے نبیؐ پر جو تو نے مبعوث فرمایا؛

سونے سے پہلے بس یہی کلام ہو۔ پس اگر تو اسی رات کو مر گیا، تو فطرت پر مرا۔

فجر کی سنتوں کے بعد آپؐ ذرا کے ذرا لیٹ جاتے تھے

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعتیں یعنی سنتیں پڑھتے (تو اس کے بعد) دائیں جانب لیٹ جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ دائیں جانب سونے میں یہ حکمت ہے۔ کہ سونے والے کو نیند میں بالکل استغراق نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل بائیں جانب ہوتا ہے۔ اور جب وہ دائیں جانب پر لیٹے گا۔ تو قلب اپنی بائیں جانب کی طلب میں ہو گا۔ اور اس طرح سونے والا نیند میں بالکل ڈوب کر نہ رہ جائے گا۔ بخلاف بائیں جانب سونے کے۔ کہ یہی جانب قلب کا مستقر ہے۔ اس صورت میں وہ عضو بالکل معطل ہو کر رہ جائے گا، اور نیند میں بالکل ہی مستغرق ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے اس کے کئی دینی و دنیوی مصالح و فوائد دھرے رہ جائیں گے اور چونکہ سونے والا مردہ کا قائم مقام ہوتا ہے اور نیند موت کی بہن ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گی اس پر نیند کا آنا محال ہے۔ نیز اہل جنت بھی وہاں نہیں سوئیں گے، کیونکہ سونے والا اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اس کی جان کی حفاظت کرے اور خطرات سے اس کا تحفظ کرے۔ اور چونکہ پروردگار کریم اس کا پیدا کرنے والا اور تنہا اس کا کارساز ہے۔ اس وجہ سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات التجاء تفویض اور رغبت و رہبت کی دعا سکھا دی۔ تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنی جان اور بدن کے لیئے اللہ تعالیٰ کی حفاظت و حراست کی دعا کرے نیز اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد دلایا۔ کہ وہ تجدید ایمان کر کے سوئے، اور اپنا آخری کلام ان ہی الفاظ تک محفوظ رکھے۔ کیونکہ گاہے گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

سونے والے کو نیند میں موت دیتا ہے۔ اور اگر اس کا آخری کلام یہ الفاظ ہوں گے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ نیند کے متعلق یہ آپ کی سنتِ طیبہ تھی۔

لو لم یقل انی رسول لکا۔

ن شاهد فی هديه ينطق

اگر آپؐ خود نہ بھی فرمائیں کہ میں رسول ہوں۔

پھر بھی آپؐ کی سنت میں شاہد مل جائے گا۔ جو پکار اُٹھے گا۔

حرکت و سکون میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

جب صارخ آواز دیتا تو آپ بیدار ہو جاتے۔ اور صارخ سے مراد مرغ ہے آپ اللہ تعالٰی کی حمد کہتے تکبیر کہتے۔ تہلیل پڑھتے اور دعا کرتے۔ پھر مسواک فرماتے۔ اس کے بعد وضو کرتے۔ پھر اپنے پروردگار کے سامنے نماز کے لیے کھڑے ہو کر مناجات ثنا اور دعاؤں میں مشغول ہو جاتے۔ پس صحت قلب و بدن۔ روح اور قویٰ سب کے لیے اس سے زیادہ اور کس طریقہ سے حفاظت کی جا سکتی ہے؟ رہے دنیا و آخرت کے انعامات وہ اس سے زائد اور الگ ہیں۔!

ہم اس کے متعلق ایک فصل باقاعدہ طور پر لکھیں گے۔ تاکہ اس میں آپ سنتِ طیبہ اکمل طریقہ سے سامنے آجائے۔ اور سب سے زیادہ صائب اور بہتر طریقہ نمایاں ہو جائے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ بدن زندہ اور باقی رہنے میں خورد و نوش کا محتاج ہے اور غذا تمام کی تمام جزو بدن نہیں بنتی۔ بلکہ ہر ہضم کے بعد کچھ حصہ ایسا ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ جب کچھ مدت تک وہ پڑا رہے اور اس کی مقدار بھی کثرت ہو جائے۔ تو وہ دیتا ہے۔ یعنی سدہ پیدا کرتا اور بدن کو بوجھل کر دیتا ہے۔ اور سدہ ہی قسم کی امراض پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اور اگر استفراغ کیا جائے۔ تو مسہل ادویہ کے ذریعہ بدن کو ضرر پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ اکثر سمی ہوتی ہیں۔ اور فائدہ بخش خلط کو بھی ساتھ ہی

خارج کر دیتی ہیں۔ نیز کیفیت کے اعتبار ضرر رسانی کرتی ہیں۔ کیونکہ ذاتی طور پر یا تعفن کے ذریعہ تسخین کرتی ہیں یا ذاتی طور پر سرد کر دیتی ہیں۔ اور یا حرارت غریزہ کو نفخ کرنے سے درماندہ وضعیف کر دیتی ہیں۔

فضلات کے سدّے ہر حالت میں مضر ہوتے ہیں۔ چاہے انھیں اپنی حالت پر رہنے دیا جائے اور چاہے ان کا استفراغ کیا جائے اور حرکت سدّوں کے پیدا ہونے میں ایک قوی مانع کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اعضائے بدن میں تسخین ہوتی ہے اور ان کے فضلات بہ نکلتے ہیں اس لیے زیادہ مدّت تک جمع نہیں رہ سکتے اور بدن میں ہلکا پن اور فرحت آجاتی ہے اور اُسے مزید غذا کے قابل بنا دیتی ہے۔

نیز جوڑ مضبوط ہوتے ہیں اور اعصاب اور رباطات میں توانائی آجاتی ہے۔

ورزش کے فوائد اور مصالح

تمام مادّی امراض اور اکثر مزاجی امراض سے بھی انسان مامون ہو جاتا ہے۔ اگر ورزش اپنے وقت پر اور اعتدال کے ساتھ کرے اور ریاضت کا بہترین وقت غذاء کے ہضم ہو جانے اور معدہ سے نکل جانے کے بعد کا ہے۔ نیز معتدل قسم کی ریاضت سے چہرہ سرخ اور بشاش ہو جاتا ہے۔ اور بدن توانا ہوتا ہے۔ اور وہ ریاضت جس میں پسینہ تک بہنے لگے۔ یہ افراط کی حالت ہے۔ اور جس عضو کی بھی کثرت سے ریاضت کی جائے وہ عضو قوی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کثرتِ حفظ سے قوتِ حافظہ مضبوط ہو جاتی ہے اور کثرتِ فکر سے قوت مفکرہ توانا ہو جاتی ہے۔

ہر عضو کی جُدا جُدا ورزش

ہر عضو کی مخصوص ورزش ہوتی ہے چنانچہ سینہ کی ورزش پڑھنا ہے۔ آہستہ آہستہ سے ابتداء کر کے بتدریج جہر تک پہنچے۔ سماعت کی ورزش آواز اور کلام سننا ہے، اس میں بھی آہستہ آواز سے تیز تک پہنچے۔ اسی طرح زبان کی ورزش کلام ہے۔ اور یونہی بصارت اور چلنے کی ورزش تدریج سے کرنی چاہیے۔

سارے بدن کی ورزش

رہی گھوڑ سواری۔ تیر اندازی۔ کشتی۔ اور دوڑنے میں

مقابلہ کرنا تو ان صورتوں میں تمام بدن کی ورزش پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ورزش۔ جذام استسقاء اور قولنج کا قلع قمع کرتی ہے۔ اور نفوس کی ورزش تعلم۔ تادب۔ فرحت و سرور۔ صبر و ثبات۔ اقدام و صرف نظر اور امور حسنہ میں ہے۔ جن سے طبیعت کو فرحت و انبساط حاصل ہو۔ اس کی سب سے بڑی اور عظیم ورزش صبر شجاعت اور احسان کرنا ہے۔ چنانچہ طبیعت آہستہ آہستہ ان سے مانوس اور راضی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ صفات اس میں راسخ اور پکی ہو جاتی۔ اور اس سلسلہ میں جب آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ آپؐ کی سنت طیبہ صحت و قوائے بدن کی بہترین محافظ اور دنیا و آخرت میں از حد نافع ہے۔

نماز کے جسمانی فوائد اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز صحتِ بدن اور اس کے اخلاط و فضلات کو دور کرنے میں دیگر ادویہ سے زیادہ فائدہ بخش ہے۔ نیز اس کے ساتھ صحتِ ایمان اور دُنیا و آخرت کی سعادت کی ضمانت ہے اسی طرح قیام اللیل (تہجد) بھی حفظ صحت کا نہایت ہی نفع بخش سبب ہے اور کئی مزمن امراض کو روکتا ہے۔ نیز بدن و روح اور دل کے لیے حد درجہ نشاط آور ہے جیسا کہ صحیحین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا:

"شیطان تم میں سے ایک کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ پر کہتا ہے۔" رات بہت لمبی ہے۔ اس لیے سوتے رہو" پس اگر وہ آدمی اٹھ گیا۔ اور اللہ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل گئی۔ اور اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ بھی کھل گئی اور اگر اس نے نماز پڑھی تو تیسری گرہ بھی کھل گئی۔ چنانچہ وہ فرحت و نشاط سے صبح کرے گا۔ ورنہ اس حالت میں صبح کو اُٹھے گا کہ اس کی طبیعت پر خبث اور سستی طاری ہو گی"

شرعی روزوں میں بھی بدن اور طبیعت کے لیے ورزش اسباب حفظ صحت میں سے ہے۔ اور جہاد کی ورزشیں اور حرکات و قوت، حفظِ صحت۔ قوت قلب و بدن

اور فضلات کے دفعیہ کے لیئے زبردست اور قوی اسباب ہیں۔ نیز غم وحزن اور ملال دُور کرنے میں مدد دیتی ہیں)، جو ان سعادتوں سے بہرہ ور ہوا ہے، وہ ان کا عارف ہے۔

حج اور تیراندازی اور اس کے برکات

اسی طرح حج اور اس کے تمام مناسک نیز گھوڑ دوڑ، تیراندازی کا مقابلہ اور اپنی اور اپنے بھائیوں کی ضروریات کے لیے اور قضائے حقوق۔ عیادتِ مرضا، اور جنازوں میں شرکت کے لیئے بھاگ دوڑ نیز جمعہ اور دیگر اجتماعات کے لیئے مساجد کی طرف جانا نیز وضو اور غسل وغیرہ کے لیئے سعی وجہد، یہ تمام امور یکساں نفع بخش اور موثر ہیں۔

مباشرت اور جماع

انواع واقسام حلال وحرام، افراط واعتدال کا بیان

مجامعت اور مباشرت کے سلسلہ میں بھی آپؐ کا طریقہ حفظِ صحت اور اتمام لذت و سرورِ نفس کے لحاظ سے ہر طرح کامل اور مکمل تھا اور مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی جن کے لیے یہ کام (مجامعت ومباشرت) وضع کیا گیا ہے۔

اصل میں جماع تین امور کے لیے ہے اور یہی اس کے اصل مقاصد ہیں۔

۱۔ ایک حفظِ نسل ونوع اور اس بات کا اتمام کہ وہ تعداد پوری ہو جائے جو اللہ تعالیٰ عالم نمود میں لانا چاہتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ اخراجِ آب کہ جس کا احتباس (روکنا) بہت مضر ہوتا ہے اور بدن میں اس کا احتقان نقصان دہ ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے حصولِ لذت، نعمت سے تمتع اور تکمیلِ خواہش۔ جنت سے صرف یہ آخری فائدہ ہی ہو گا کیونکہ وہاں سلسلہ تناسل نہ ہو گا اور نہ ہی انزال کے ذریعہ استفراغ ہو گا

اسبابِ صحت میں سے ایک اہم سبب

بڑے بڑے اطباء کا کہنا ہے کہ جماع بھی اسبابِ صحت میں سے ایک اہم سبب ہے۔ جالینوس کہتا ہے کہ منی کے جوہر پر آگ اور ہوا کا غلبہ ہے اور اس کا مزاج گرم تر ہے، کیونکہ یہ صاف خون سے بنتی ہے اور جب مادہ منویہ پیدا ہو جائے۔ تو سمجھ لو کہ اسے صرف طلب نسل یا استفراغ کے لئے خارج کیا جا سکتا ہے

کیونکہ اگر اسے زیادہ مدت تک روک دیا گیا تو طرح طرح کے امراض ردیئہ مثلاً وہمی ہو جانا، یا مرگی اور جنون وغیرہ پیدا ہو جائے گا۔

اس کے فوائد بے شمار ہیں، آدمی فعل حرام سے بچنے اور نظریں نیچی رکھنے کی قوت حاصل کر لیتا ہے، اسے عفت پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس بات کا حصول مرد اور عورت دونوں کے لیئے دنیا و آخرت میں فائدہ رساں ہے۔

آپؐ نے اپنی امت کو نکاح کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا:

نکاح کرو، کیونکہ میں تمہارے ذریعہ دوسری امتوں پر تمہاری کثرت دکھاؤں گا۔

اور ابن عباسؓ نے فرمایا، اس امت میں وہ شخص بہت اچھا ہے جو کثیر الاہل ہو۔

آپؐ نے فرمایا، میں نکاح کرتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، سوتا ہوں، (اٹھتا ہوں، بیدار ہوتا ہوں) روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، پس جو میری سنت پر عمل نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں۔

اور فرمایا، اے نوجوانوں کے گروہ جو تم میں سے استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہیئے کہ نکاح کرے۔ کیونکہ یہ غضِ بصر اور حفاظتِ کردار میں سب سے زیادہ معاون ہے۔ اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے۔ اس طرح اس کی شہوت ٹوٹ جائے گی[1]

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ شادی اس شخص کو کرنی چاہیئے جو استطاعت رکھتا ہو، یعنی بیوی کا اور اولاد کا خرچ برداشت کر سکتا ہو، اپنے مرتبہ کے موافق انھیں رکھ سکتا ہو، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکتا ہو، تاکہ وہ قوم کے لیئے بوجھ نہ بن جائیں یہ شرط ایک شادی کے لیئے ہے، تو تعدد ازدواج کے لیئے تو بدرجہ اولیٰ ہے، اور جو شخص استطاعت سے محروم ہے اس کے لیئے آپؐ نے علاج بھی تجویز فرما دیا۔ یعنی روزہ رکھنا کہ روزہ انسان کے قوائے شہوانی کو کمزور کر دیتا ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق — کہ یاراں فراموش کردند عشق

(رئیس احمد جعفری)

جب حضرت جابرؓ نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی، تو آپ نے ان سے فرمایا تم نے کسی کنواری سے شادی کیوں نہ کی کہ تو اس سے کھیلتا وہ تجھ سے کھیلتی؟[1]

سننِ ابنِ ماجہؒ میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کا طاہر و مطہر حالت میں دیدار کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔[2]

صالح عورت بہترین متاعِ دنیا ہے

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دنیا ایک متاع ہے، اور متاعِ دنیا میں سے سب سے بہتر زن صالحہ ہے۔

سنن میں ابن عباسؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ ہم نے محبت کرنے والے میاں بیوی سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔

آپؐ اپنی امت کے افراد کو برابر نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

سننِ نسائیؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کونسی عورت زیادہ بہتر ہے؟

آپؐ نے فرمایا، وہ عورت جسے (اس کا شوہر) دیکھے، تو اسے خوش کرے، جب وہ اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ اور شوہر کے مال اور اپنی ذات میں ایسا کام نہ کرے جسے (شوہر) ناپسند کرتا ہو۔

صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا،

عورت سے اس کے مال، حسب۔ جمال، اور دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے تیرے

---

[1] بیوہ سے شادی کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں اس کی تاکید ہے اور اجر کی بشارت ہے اس موقع پر برسبیل تفنن آپؐ نے یہ فرمایا تھا۔

[2] سوسائٹی میں آزاد عورت کا باندی کے مقابلہ میں مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہاتھ گرد آلود ہوں، دیندار عورت سے (نکاح) کر!"

نیز آپؐ زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے اور ایسی عورت کو ناپسند فرماتے جو بچے نہ جنتی ہو، جیسا سنن ابی داؤد میں حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا:

مجھے ایک بڑے خاندان والی اور خوبصورت عورت ملتی ہے لیکن وہ بچے نہیں جنتی، کیا میں اُس سے نکاح کر لوں؟

آپؐ نے فرمایا، نہیں۔

پھر وہ شخص دوسری بار حاضر ہوا، آپؐ نے پھر منع فرما دیا، پھر تیسری بار حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو، کیونکہ میں تمہارے ذریعہ کثرت امت چاہتا ہوں۔

اور ترمذیؒ میں آپؐ سے مرفوعاً مروی ہے کہ چار کام انبیاء علیہم السلام کی سنت میں داخل ہیں:

۱۔ نکاح کرنا۔[1]

---

[1] یہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا، اور مسلمانوں کی کثرت تعداد کی ضرورت تھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کثرت تعداد کی ضرورت نہ ہو تو اسے عزل سے یا کسی اور ایسے طریقہ سے جو شرع کی نظر میں مورد اعتراض نہ ہو۔ روکا جا سکتا ہے۔ عہدِ رسالتؐ میں اس کے بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں کہ لوگوں نے عزل کیا، اور اولاد نہ پیدا ہونے دی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عزل یعنی اولاد کا نہ پیدا کرنا، ایک ذاتی اور نجی معاملہ ہے، اگر کوئی شخص اپنے حالات مصالح کے اعتبار سے اسے ضروری سمجھتا ہے تو ایسا کر سکتا ہے اور حکومت اس میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ اور کثرت اولاد کی ضرورت ذاتی کے بجائے قومی مسئلہ ہے اس سلسلہ میں امام، یا حکومت کی طرف سے ہدایات جاری کیے جا سکتے ہیں۔

[2] تاکہ ثابت ہو کہ وہ بھی بشر ہیں، اور انسانوں کی طرح جذبات بھی رکھتے ہیں۔

۲۔ مسواک کرنا[1]۔

۳۔ عطر لگانا[2]۔

۴۔ اور مہندی کا استعمال کرنا[3]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جماع متعددہ سے ایک غسل بھی کافی ہے اور ہر جماع کے لئے جدا غسل بھی۔

پہلی صورت صحیح مسلم کی ایک روایت سے ثابت ہے۔ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور دوسری صورت سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے ثابت ہے، جو آں حضرت صلعم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع سے منقول ہے کہ ایک ایسے موقع پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جماع متعددہ کے لیے الگ الگ غسل کے بجائے ایک ہی غسل کے بارے میں عرض کیا، تو آپ صلعم نے فرمایا۔

رموزِ طہارت اور پاکیزگی اس میں ہے۔

مشروع صورت یہ ہے کہ اگر غسل سے قبل دوبارہ جماع کا ارادہ ہو تو درمیان میں وضو کر لے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے پھر دوبارہ جانا چاہیے تو اُسے وضو کر لینا چاہیئے۔

جماع کے بعد غسل اور وضو سے دوبارہ نشاط اور طبعی فرحت وقوت عود کر آتی ہے اور جماع کا بدل ما یتحلل مل جاتا ہے۔ نیز کمالِ طہارت و نظافت بھی ہو جاتی ہے اور جماع کے ذریعہ، جو حرارت غریزی منتشر ہو گئی تھی وہ دوبارہ بدن میں مجتمع ہو جاتی ہے۔

---

[1] یہ طہارت اور پاکیزگی کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔

[2] اس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ انبیا کا مزاج کس درجہ نفاست پسند ہوتا ہے اور وہ گندگی وغیرہ سے کتنے دور ہوتے ہیں۔

[3] مہندی سے مراد حسبِ ضرورت مہندی کا خضاب بھی ہو سکتا ہے۔ اور ویسے عام استعمال بھی۔

مباشرت کے آداب اور اصول

اور سب سے زیادہ نفع بخش طریق جماع غذا کے ہضم ہونے کے بعد اور سردی و گرمی میں بدن کی حالتِ اعتدال میں ہوتا ہے، جب خشکی تری، خلوئے معدہ اور امتلاء معدہ میں بھی اعتدال ہو۔ امتلاء معدہ کے وقت جماع سے جو نقصان ہوتا ہے وہ خلوئے معدہ کے وقت کے جماع سے کم ہوتا ہے۔ اس طرح یبوست کے مقابلہ میں، بحالت رطوبت نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے نیز حرارت کے موقع پر برودت سے کم خطرہ ہوتا ہے۔

مناسب یہ ہے کہ جب خواہشِ جماع خوب تیز ہو جائے اور انتشار کامل ہو، جو از راہِ تکلف یا خیالی صورت اور مسلسل نظر سے قصداً برپا نہ کیا جائے، بلکہ از خود ہو۔ اس وقت جماع کیا جائے اور یہ مناسب نہیں کہ خواہشِ جماع تکلف کے ساتھ پیدا کی جائے اور خواہ مخواہ طبیعت کو اس طرف راغب کیا جائے۔ بلکہ جب منی بکثرت ہو جائے اور خواہش از خود شدت اختیار کر لے اُس وقت یہ فعل کیا جائے۔

بڑھیا عورت، نیز بہت کم عمر کی بچیوں سے احتراز کرنا چاہیے جو ابھی بلوغ کو نہیں پہنچیں، اور جن میں ایسے جذبات نہیں پیدا ہوئے۔ نیز مریضہ، بدشکل اور مکروہ عورتوں سے بھی گریز کرنا چاہیے، کیونکہ ایسی عورتوں سے مجامعت کرنا قویٰ کو کمزور اور قوتِ باہ کو ضعیف کر دیتا ہے۔

"حورِ عین" کا ذکر، اور بیان

اللہ تعالیٰ نے جنت کی عورتوں کا کمال یہ ظاہر فرمایا ہے، کہ وہ "حورِ عین" ہوں گی، یعنی اس سے قبل کسی نے انھیں (ہاتھ تک) نہ لگایا ہوگا، وہ ان کے لیے جنت میں (بیویاں) ہوں گی

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، اگر آپؐ کسی درخت کے پاس سے گزریں جس سے (اونٹوں کو) چرایا گیا ہو، پھر کسی ایسے درخت کے پاس سے گذریں جس سے نہ چرایا گیا ہو تو آپؐ اپنا اونٹ کہاں چرائیں گے؟

آپؐ نے فرمایا جس میں نہ چرایا گیا ہو۔

نیز ایسی عورت سے جو محبوب ہو، جماع کرنا باوجود کثرتِ استفراغ کے بہت

کم ضعف پیدا کرتا ہے، اور مکروہ عورت سے جماع کرنا بدن کو تحلیل کرتا اور قلت استفراغ (کبھی کبھی جماع) کے باوجود قوی میں ضعف پیدا کرتا ہے۔

نیز حائضہ عورت سے جماع کرنا طب اور شرع۔ ہر اعتبار سے حرام ہے، کیونکہ یہ بیحد مضر ہے۔ تمام اطباء اس کی ممانعت کرتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جب انسان عورت سے بجانب عقب اندام نہانی میں جماع کرے تو لڑکا بھینگا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

نساءکم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس اپنی کھیتی میں جاؤ جہاں سے چاہو) اور مسلمؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر چاہے چہرہ کے سامنے سے آئے اور اگر چاہے تو دوسری طرف سے آئے، لیکن یہ ضروری ہے کہ غیر فطری اور طبعی طریقے سے قطعاً احتراز کیا جائے، کیونکہ پھر کھیتی کی مثال صادق نہیں آئے گی۔[1]

رہی دبر، تو یہ کسی نبی کی زبان سے مباح نہیں اور جس نے بعض سلف کا نام لے

---

[1] جماع کا مقصد صرف حظِّ نفسی، اور لذت شہوانی نہیں ہے، توالد و تناسل ہے اور جماع غیر فطری سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس طرح اولاد نہیں پیدا ہو سکتی تو الدو تناسل میں مدد نہیں مل سکتی کھیتی کی اصطلاح بڑی بلیغ ہے۔ آدمی زمین کو جب جوتتا اور بوتا ہے، تو اس میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور اناج، پھل، میوہ جو کچھ بھی بویا جائے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کھیتی کے بجائے زمین شور کو جوتا اور بویا جائے، تو ظاہر ہے یہ لاحاصل ہے۔ نہ روئیدگی پیدا ہو گی نہ پھل پھول اناج اگایا جا سکے گا۔ پس عورت مرد کی کھیتی ہے، اس سے جماع کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ کھیتی اگے، یعنی اولاد پیدا ہو، نہ یہ کہ محض وقتی طور پر جنسی جذبات کی تسکین حاصل کر لی جائے یہ اللہ کی دی ہوئی قوت اور اہلیت وصلاحیت کا نہایت غلط استعمال ہے، اسی لیے عتاب وعقاب کا اسے سزاوار قرار دیا گیا ہے۔ "لعنت" سے بڑھ کر عتاب وعقاب کی انتہا کیا
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کر اس کی اباحت کا پہلو پیدا کیا ہے کہ "عورت کی دبر میں وطی کرنا جائز ہے" اس نے غلط کہا ہے۔ سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو اپنی بیوی کی دبر کو استعمال کرے وہ ملعون ہے۔

احمدؒ اور ابن ماجہؒ کے الفاظ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرتا جس نے کہ اپنی بیوی کی دبر میں جماع کیا۔

ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ جو حائضہ کے پاس آیا، یا عورت سے دبر میں جماع کیا یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کا کفر کیا۔

امام بیہقیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے عورتوں کی دبر میں (جماع) کیا اس نے کفر کیا۔[1]

اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا

مصنف وکیعؒ میں ہے، ہمیں زمعہ بن صالح نے بتایا انھیں ابن طاؤسؒ سے انھیں اپنے والد سے انہیں عمرو بن دینار سے انھیں عبداللہ بن یزید سے روایت پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ حق کہنے سے نہیں شرماتا۔ عورتوں کے پاس ان کے عقب سے نہ جایا کرو۔

امام بغویؒ فرماتے ہیں، ہمیں حدبہ نے انھیں ہمام نے بتایا کہ حضرت قتادہؓ سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا، جو اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرتا ہے، تو انھوں نے فرمایا مجھے عمرو بن شعیب سے، انھیں اپنے والد سے انھیں دادا سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ چھوٹی لواطت[2] ہے۔

(بقیہ حاشیہ) شدت کا اظہار اور کس لفظ سے کیا جا سکتا تھا۔

[1] اس سے ثابت ہوا کہ اغلام بھی اس فہرست میں آتا ہے، یعنی اغلام کرنے والا بھی درحقیقت ایک طرح کے کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ [2] لواطت، یعنی اغلام بازی۔

مسند احمدؒ میں مروی ہے ہمیں عبدالرحمنؒ نے بتایا انھیں ہمامؒ سے انھیں قتادہؒ سے انھیں عمرو بن شعیب سے انھیں اپنے والد بزرگوار سے انھیں دادا سے روایت ملی اور پھر اس کا ذکر فرمایا۔

ترمذیؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ جو مرد یا عورت کے ساتھ اس کی دبر میں جماع کرتا ہے۔

ہمیں حضرت ابو علی حسن بن حسین بن دوما سے روایت ملی، انھیں حضرت براءؓ بن عازب سے مرفوع روایت ملی، کہ اس اُمّت کے دس آدمیوں نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا

۱۔ قاتل[1] ہو کہ جس نے کسی کو قتل کر ڈالا ہو۔

۲۔ جادوگر[2]، سحر و شعبدہ کا مظاہرہ کرنے والا۔

۳۔ دیوث[3]

۴۔ عورت کی دبر[4] میں جماع کرنے والا

۵۔ زکوٰۃ نہ دینے والا[5]۔

---

[1] جس نے بغیر کسی جائز اور شرعی عذر کے کسی کو قتل کر دیا ہو۔

[2] ساحر اور جادوگر اپنے شعبدوں سے غیر اللہ کی عظمت نا سمجھ لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے جو شرک پر ختم ہوتی ہے۔

[3] بے حیا قسم کا باپ یا شوہر، یا بھائی، جو لڑکی، یا بہن، یا بیوی سے پیشہ کرائے، یا انھیں فواحش میں مبتلا کر دینے میں ساعی ہو۔ [4] یہ اغلام ہی کی ایک صورت ہے۔

[5] زکوٰۃ خدا کا عائد کیا ہوا ٹیکس ہے۔ جو قومی اور مصالح پر صرف ہوتا ہے، اسی لیے زکوٰۃ کو انفرادی طور پر صرف کرنے کی اجازت نہیں، وہ بیت المال کا حق ہے، وہیں سے مقررہ اور معینہ مصارف میں اسے صرف کیا جا سکتا ہے زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسالت مآبؐ کے انتقال کے بعد جب قبائلی عرب میں ارتداد پھیلا، تو ایک جماعت نے اسلام پر قائم رہنے کی شرط یہ پیش کی کہ اس سے زکوٰۃ نہ لی جائے، حالات اتنے نازک تھے کہ حضرت عمرؓ جیسا شخص بھی اس

۶ ۔ جسے وسعت ملی اور مرگیا لیکن حج نہ کیا۔[1]

۷ ۔ شراب پینے والا۔[2]

۸ ۔ فتنہ برپا کرنے میں سعی کرنے والا۔

۹ ۔ اہلِ حرب سے ہتھیاروں کی بیع کرنے والا۔[3]

۱۰ ۔ جس نے کسی محرم[4] سے نکاح کیا۔

حضرت عبداللہ بن وہب فرماتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن لہیعہ سے انھیں مشرح بن ہاعان سے انھیں عقبہؓ بن عامر سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو عورتوں کی محاش یعنی دبر میں جماع کرے وہ ملعون ہے۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ

مسند حرث بن ابی اسامہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث مروی ہے۔ ان دونوں نے فرمایا، وفات سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اور مدینہ میں یہ آپؐ کا آخری خطبہ تھا۔ پھر آپؐ اللہ عزوجل

(بقیہ حاشیہ) موقع پر یہ رعایت دینے کو تیار ہو گیا مگر حضرت ابوبکرؓ نے نگاہِ عتاب سے حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ انت جبار فی الجاھلیہ وجبان فی الاسلام یعنی تم حالت کفر میں تو بڑے طرم خاں بنتے تھے، اور اسلام قبول کر کے بزدل بن گئے، پھر فرمایا "خدا کی قسم رسول اللہؐ کی زندگی میں جو شخص رسی کا ایک تسمہ بھی زکوٰۃ میں دیتا تھا اور اب اس کے دینے سے انکار کرتا ہے تو میں تنہا اس سے جہاد کروں گا حضرت ابوبکرؓ نے جہاد کیا اور انتہائی ناموافق اور ناساعد حالات میں کیا اور نصرت الٰہی سے کامیاب ہے شاہ ولی اللہؒ نے اسے کارِ پیمبری قرار دیا ہے۔

[1] اس نے امکان واستطاعت کے باوجود ایک فرض ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔

[2] اس لیے کہ شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔

[3] گویا وہ مسلمان ہو کر، مسلمانوں کے دشمنوں کو مدد پہنچاتا، اور انھیں سروسامان جنگ مہیا کرتا ہے۔

[4] جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان سے نکاح کر لیا۔ مثلاً بیوی کی زندگی اور موجودگی میں سالی سے شادی کر لی۔

سے جا ملے۔ آپؐ نے اس میں ہمیں نصیحت فرمائی ۔ اور فرمایا :

"جو عورت کے ساتھ اس کی دبر میں جماع کرے یا مرد یا بچے کے ساتھ یہ حرکت کرے قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ اس کی بدبو مردار سے زیادہ سخت تر ہو گی جس سے لوگوں کو ازحد تکلیف پہنچتی ہے ۔ آخر وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ، اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع کر دے گا ، اور اس سے کوئی حرف و عدل قبول نہ کیا جائے گا ۔ اور اسے آگ کے تابوت میں داخل کیا جائے گا اور اس پر آگ کی میخ ٹھونک دی جائے گی ۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ، یہ سزا اس کے لیے ہو گی ، جو توبہ کرے ۔ (یعنی اس فعل سے باز نہ آئے) ۔

نیز یہ فعلِ بد چہرے کو سیاہ کرتا ، سینے کو تاریک بناتا اور نورِ قلب کو ختم کر دیتا ہے اور چہرے پر ایسی وحشت برساتا ہے کہ جو معمولی سی بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ اس نشان کو پہچان لیتا ہے ۔

نیز یہ فعل شدید قسم کی نفرت اور بغض اور فاعل و مفعول میں تلخی پیدا کر دیتا ہے ۔

اغلام کے بد اثرات و نتائج

مزید برآں یہ فعلِ شنیع فاعل اور مفعول کی حالت اس درجہ خراب کر دیتا ہے کہ ان کی اصلاح کی امید ہی نہیں رہتی ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو توبۃ النصوح (کی توفیق بخش دے) ۔

نیز یہ زوالِ نعمت اور اتیانِ ذلت کا سب سے بڑا سبب ہے ۔ کیونکہ یہ اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کا موجب ہے ۔ پس سوچنا چاہیے ۔ اس کے بعد کسی خیر کی امید ہو سکتی ہے ؟ اور کسی شر سے پناہ مل سکتی ہے ؟ اور اس بندے کی بھی کیا زندگی ہے ۔ جو اللہ کے غضب اور لعنت کا سزاوار ٹھہرے یا جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اعراض کر لیا ہو ، اور اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے ؟

نیز یہ فعل حیاء کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے اور حیاء ہی دلوں کی زندگی کا نام ہے ۔ اب جب دل سے یہ چیز مفقود ہو جائے ، تو وہ برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی سمجھنے لگے گا اور اس حالت میں اس کی خرابی اور زیادہ مستحکم ہو جائے گی ۔

نیز یہ فعل اس قدر حقارت و ذلت اور کمینگی لاتا ہے جو دوسرے گناہوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے، اور بندے پر لوگوں کی جانب سے حقارت نفرت، غیض و غضب اور پستی وذلیلی آجاتی ہے، جس کا واقعاتی طور پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ پس اللہ کا صلوٰۃ وسلام اس ذات پر ہو کہ جس کی سنت طیبہ اور اس کے اتباع میں دنیا و آخرت کی سعادت ہے اور اس کی مخالفت میں دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔

ضرر رساں جماع کی دو قسمیں

ایک شرعی طور پر ضرر رساں اور ایک طبعی طور پر ضرر رساں جو شرعی طور پر ضرر رساں ہے، وہ قطعاً حرام ہے۔

مراتب تحریم بھی کم و بیش ہیں۔ بعض کی حرمت عوارض کے سبب دوسرے سے اخف ہے۔ جیسے کہ احرام وصیام اور اعتکاف کی تحریم، اور تکفیر سے پہلے ظاہر کی تحریم، اور حائضہ سے وطی کرنے کی تحریم وغیر ذالک اس نوع میں کوئی حد نہیں۔

دوسری قسم لازم ہے، تو اس کی دو نوع ہیں:

قسم لازم کے دو انواع

ایک نوع وہ ہے کہ اس کی حلت کی کوئی سبیل نہیں[1] جیسے ذوات محارم (محرم رشتے) یہ سب سے زیادہ ضرر رساں جماع ہے۔ چنانچہ علمائے کرام کے ایک گروہ کے نزدیک اس کا مرتکب قتل کا مستحق ہے، جیسا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے، نیز ایک مرفوع حدیث بھی ثابت ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی صورت میں حلال ہو سکے، جیسے اجنبی عورتیں۔ اب اگر یہ عورت شوہر والی ہے تو اس کے ساتھ کرنے سے دو حق (پامال ہوئے) ایک اللہ کا حق اور دوسرے شوہر کا حق۔ اور اگر مجبور کر کے یہ فعل کیا، تو تین حقوق ہو گئے۔ اور

---

[1] یعنی اسے کبھی بھی حلال نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً بہن یا بیٹی سے کبھی اور کسی حالت میں بھی جماع جائز نہیں ہے: حرام مطلق ہے ان کی حرمت دائمی ہے اور غیر دائمی وہ حرمت ہے جو کسی عارض کے سبب ہو۔ مثلاً بیوی کی موجودگی میں سالی سے شادی نہیں ہو سکتی، لیکن اس کے انتقال کے بعد

اگر اس عورت کے خویش واقارب بھی ہیں جنھیں اس کے فعل سے ننگ عار لاحق ہوا تو اب چار حقوق ہو گئے۔ اور اگر یہ محرم عورت تھی۔ تو پھر پانچ حقوق ہو لیے۔ پس اب اس نوع کی حرمت درجاتِ حرم کے لحاظ سے شدید تر ہوتی جائے گی۔

طبعی طور پر ضرر رساں طریقہ رہا طبعی طور پر ضرر رساں طریقہ، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک کیفیت کے اعتبار سے مضر ہے۔ اس کی بحث گزر چکی ہے وہ ایک کمیّت کے لحاظ سے نقصان دہ طریقہ ہے، جیسے اس کی کثرت میں مبتلا ہو جانا، کیونکہ اس صورت میں قوت گر جاتی ہے اور اعصاب کو نقصان پہنچتا ہے نیز رعشہ، فالج اور تشنج پیدا ہو جاتا ہے۔ بینائی اور تمام قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ حرارتِ غریزی بجھ جاتی ہے۔ مجاری کھل جاتے ہیں، اور فضلاتِ فاسدہ کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

بہتر اور موزوں وقت جماع کے لیے سب سے زیادہ مفید اور بہتر وقت معدہ میں غذا ہضم ہو جانے کے بعد کا ہے، جب بھوک بھی نہ ہو اور معدہ بالکل خالی بھی نہ ہو۔ بلکہ اعتدال کی حالت ہو۔ کیونکہ بھوک کی حالت میں حرارت غریزی بجھ جاتی ہے اور سیری کی حالت میں کئی شدید امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز تھکاوٹ کی حالت میں، اور کام کرنے کے بعد یا استفراغ کے فوراً بعد جماع نہ کرنا چاہیے۔

علاوہ ازیں غم و حزن یا فرحت شدید کی حالت میں بھی اس سے بچنا چاہیے۔ سب سے بہتر وقت رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد کا ہے۔ جب کھانا ہضم ہو چکا ہو۔ پھر غسل کرے یا وضو کر کے سو جائے، تاکہ اس کی قوت عود کر آئے۔ اور حرکتِ شدید اور ورزش سے احتراز کرے۔ کیونکہ اس حالت میں یہ حد درجہ ضرر رساں ہے۔

(بقیہ حاشیہ) یا اسے طلاق دینے کے بعد ہو سکتی ہے۔

عشق کا روگ اور اس کا علاج

عشق کی قسمیں، کیفیتیں اور ان کا تفصیلی بیان

یہ مرض بھی امراض قلب سے تعلق رکھتا ہے اور ذات و اسباب علاج میں تمام دیگر امراض سے علیحدہ ہے۔ جب یہ مرض مستحکم ہو کر جڑ پکڑ لے، تو اطباء کے لیے اس کا علاج دشوار ہو جاتا ہے۔ اور مریض کو بھی عاجز کر دیتا ہے۔

قرآن میں دو گروہوں کا ذکر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی دو گروہوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے۔ ایک عورتوں کے عاشق کا، اور ایک لڑکوں کے عاشق کا چنانچہ عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ یوسف علیہ السلام کے متعلق، اور قوم لوط کا واقعہ۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے بتایا۔ کہ جب ملائکہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ تو اہل شہر بھی خوشی خوشی آئے۔ (حضرت لوط علیہ السلام) نے فرمایا!

ان ھؤلاء ضیفی فلا تفضحون ٥ واتقوا اللہ ولا تخزون ٥ اولم ننھک عن العالمین...... یعنی لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو۔ اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھوؤ، بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا دنیا

جہاں کی حکایت سے، لوط نے کہا۔

قال هؤلاء بناتي ان كنتم فاعلين ۵ لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون۔

یعنی، یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں، جو تمہارا جی چاہے کرو، خدا کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف عشق کی غلط نسبت

اور جس نے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں کہا۔ کہ آپ بھی زینب بنت جحش کے متعلق عشق میں مبتلا ہو گئے اور یہ کہ آپ نے جب انہیں دیکھا، تو پڑھا!

سبحان مقلب القلوب؛

اور آپ کے دل پر جالگی، اور آپ نے حضرت زیدؓ بن حارث سے فرمایا!

اسے روکے رکھو!

حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی۔

واذ تقول الذی انعم الله عليه وانعمت عليه امسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس ج والله احق ان تخشاه ط

یعنی! اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو کو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے۔ اور ڈرتا تھا۔ لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیئے ڈرنا تم کو" پس اس گمانِ فاسد کرنے والے نے سمجھا۔ کہ یہ عشق کے متعلق حکم ہے، بعض نے تو عشق کے متعلق کتاب بھی لکھی ہے، جس میں انبیاء علیہم السلام کے عشق کا ذکر کیا ہے۔ اور اس واقعہ کو بھی (اس میں) ہی شمار کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کہنا قرآن اور رسالت سے یکسر اور سراسر جہالت کا ثبوت ہے۔ اور کلام اللہ کو ایسی بات پر محمول کرنا ہے جس کا وہ محتمل نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے جس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی براءت ظاہر فرمائی اسی کی طرف آپ

کی نسبت کرنا ہے۔
بات یہ تھی کہ حضرت زینبؓ بنت جحش حضرت زید بن حارثؓ کی زوجیت میں تھیں[1] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت زیدؓ) کو متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا تھا۔ اور وہ (زید) بن محمدؐ کے نام سے مشہور تھے۔ اور حضرت زینبؓ زید کو اپنا ہمپایہ نہیں سمجھتی تھیں۔ چنانچہ زید نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہیں طلاق دینے کے ارادہ کا اظہار کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
اپنی بیوی کو پاس رکھو۔ اور اللہ سے ڈرو[2] اور دل میں سوچا کہ اگر زید نے اسے طلاق دے دی تو آپؐ خود اس سے نکاح کریں گے۔[3] لیکن یہ

---

[2]: اگر آپؐ کو حضرت زینب سے عشق ہوتا، یا آپؐ ہر حالت میں ان سے نکاح کرنا چاہتے تو اس سے اچھا موقعہ اور کون تھا؟ آپؐ حضرت زید کو طلاق کی اجازت دے دیتے، اور نکاح کر لیتے، لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں طلاق دینے سے روکا اور منع کیا، خدا سے ڈرایا اور زینبؓ کو پاس ٹھہرائے رکھنے کا حکم دیا۔

[3]: جب حضرت زید سے حضرت زینبؓ کی، مصالحت اور نباہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی، تو آپؐ کے دل میں ان سے نکاح کا خیال آیا۔ اور اس لیے آیا کہ اسلامی مساوات کو برقرار رکھنے کے لیے آپؐ ہی نے حضرت زینب کو جو آپؐ کی بہن ہوتی تھیں، ایک غلام (حضرت زید) سے شادی کرنے پر راضی کیا، مگر دونوں میں نبھ نہ سکی، حضرت زینب کو (باقی صفحہ اگلے پر دیکھئے)

[1]: اور حضرت زینب کا یہ نکاح خود آپؐ نے کیا تھا۔ اگر آپؐ چاہتے تو زید سے نکاح نہ کرتے بلکہ خود ہی کر لیتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ کے دل میں حضرت زینب سے نہ نکاح کرنے کا خیال تھا، نہ آپؐ کو ان سے عشق تھا۔

لوگوں کے اعتراضات کا خطرہ تھا۔ کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ کیونکہ حضرت زید آپ کے بیٹے ہی مشہور تھے۔

اصل معاملہ اور اس کی نوعیت وکیفیت

یہ معاملہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں چھپا رکھا تھا، اور یہی خطرہ تھا جو لوگوں سے متوقع تھا، اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالےٰ نے اس آیت میں آپ پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا۔ اور عتاب نہیں کیا اور فرمایا! آپ کے لیے مناسب نہیں، کہ جو چیز اللہ تعالےٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔ آپ اس کے متعلق لوگوں سے ڈریں۔ بلکہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اس لیے لوگوں کے اعتراض کی وجہ سے حلال کام میں کچھ حرج نہ سمجھتے۔ پھر اللہ تبارک وتعالےٰ نے بتایا۔ کہ (اللہ تعالےٰ) نے ہی حضرت زیدؓ کے بعد (زینبؓ) کا نکاح آپ سے کر دیا۔ تاکہ اس معاملہ میں آپ کی امت آپ کا اقتدار کرے اور آدمی اپنے متبنّیٰ کی بیوی سے طلاق یا مرنے کے بعد اگر چاہے نکاح کر لے۔ بشرطیکہ صلبی لڑکے کی بیوی نہ ہو۔ اسی وجہ سے (صلبی لڑکے کی بیوی کو) آیت تحریم میں بیان فرمایا!

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ

اور صورت زیر بحث میں فرمایا!

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔

باقی حاشیہ! اس واقعہ سے فطری طور پر مغموم اور دلگیر ہونا چاہیئے تھا، چنانچہ ہوتیں لہٰذا تالیف قلب کے مدنظر آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اور اس طرح ان کی دلگیری دور ہو گئی، پہلے وہ ایسے شخص سے بیاہی گئی تھیں جسے وہ اپنے سے فروتر سمجھتی تھیں، اب ایسی ہستی کے حبالۂ عقد میں آئیں، جو سرور کائنات تھا، صلی اللہ علیہ وسلم، ......

یعنی محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے۔

اور اس کی ابتداء میں فرمایا! ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم

اور نہیں بنایا اس نے تمہارے پکارنے والوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہارے منہ کا قول ہے۔ لہ

چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت اور طعنہ دینے والوں کے طعن کا جواب خاص طور پر قابل غور ہے۔

عشق میں کون لوگ مبتلا ہوتے ہیں

عشق میں صرف وہی قلوب مبتلا ہوتے ہیں جو اللہ تعالے کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ اس سے اعراض کیے رہتے ہیں۔ اور کسی غیر کو دل میں بسالیتے ہیں، لیکن اگر دل اللہ کی محبت اور اس کے شوق لقاء سے پر ہو تو صوری عشق کا مرض خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا!

کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین۔

یعنی: یوں ہی ہوا۔ تاکہ ہم ہٹائیں اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں۔

چنانچہ بتایا۔ کہ خلوص ہی دفع عشق اور اس کی برائی اور فحاشی کو جو اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے دور کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ گویا مسبب کو دور کرنے سے سبب دور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلف نے فرمایا ہے: عشق فارغ دل کی حرکت (خلجشہ) ہے۔

لہ: یعنی یہ رشتہ تم نے خود قائم کر لیا ہے۔ جس کی خدا کے ہاں کوئی حیثیت نہیں، اصل رشتہ تو خدا کا قائم کیا ہوا ہے۔

محبّت کے انواع مختلفہ ومتعددہ

محبّت کی کئی انواع ہیں۔ سب سے اعلیٰ اور افضل قسم اللہ کے (دین) میں اور اللہ کے لیے محبت ہے، یہ محبت اس کی محبت کو جسے اللہ محبوب رکھتا ہو۔ مستلزم ہوتی ہے۔ نیز اللہ اور اس کے رسول کی محبّت بھی مستلزم ہو جاتی ہے۔

نیز ایک قسم کی محبت، ایک طریقت یا دین یا مذہب یا قبیلہ یا قرابت یا صنعت یا کسی مقصود ومطلوب بس اتفاق ہو جانے کی محبت ہے۔

نیز ایک قسم محبوب سے مطلب براری کی محبت ہے۔ چاہے اس کے مرتبہ سے ہو یا اس کے مال یا تعلیم، ارشاد یا تکمیل ضرورت سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ عارضی محبت ہوتی ہے جو سبب کے زائل ہو جانے پر معدوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص جو کسی ضرورت کے باعث محبّت کرے گا۔ وہ ضرورت پوری ہونے کے بعد ضرور منہ پھیرے گا۔

رہی محبّتِ مشاکلت ومناسبت جو محُب اور محبوب کے درمیان ہوتی ہے تو یہ مستقل محبّت ہوتی ہے۔ جو کسی عارض کے سبب زائل نہیں ہوتی اور عشق کی محبّت بھی اسی نوع سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ نفسانی امتزاج اور روحانی استحسان کا مرکب ہے۔

محبّت کی انواع میں وسوسہ۔ نخاندان۔ معروفیتِ قلب اور خطرۂ ہلاکت قطعاً حائل نہیں ہوتا۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے، آپ کے بیان کے مطابق اگر اتصال اور تناسب روحانی عشق کا سبب ہوتا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ جانبین سے نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ تر صرف عاشق کی جانب سے ہوتا ہے اگر اس کا سبب اتصال نفسی اور امتزاج روحانی ہوتا۔ تو محبت دونوں میں مشترک طور پر پیدا ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گاہے گاہے ایک شرط کے فوت ہو جانے یا کسی مانع

کی وجہ سے سبب سبب سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اس طرح جانب ثانی سے محبت بھی متخلف ہو جاتی ہے۔

محبت کے اسباب وعلل اس صورت میں تین میں سے ایک نہ ایک سبب ضرور ہوتا ہے۔

محبت کا پہلا سبب یہ ہے کہ ذاتی نہیں ہوتی بلکہ عرض پر مبنی ہوتی ہے اور خود غرض کی محبت میں اشتراک محبت ضروری نہیں۔ بلکہ کبھی کبھی ایسی صورت میں محبوب کی طرف سے تنفر بھی ظاہر ہونے لگتا ہے۔

دوسرے محبت میں کوئی ایسا مانع ہوتا ہے کہ محبوب کو محبت کرنے سے روکتا ہے خواہ مانع اخلاق میں ہو یا تشکل وصورت، یا طریقہ و عادات یا افعال ہیئت وغیرہ کسی میں بھی ہو۔

تیسرے محبوب کے سامنے کوئی ایسا مانع ہوتا ہے۔ جو عاشق سے محبت کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے اور اگر یہ مانع نہ ہوتا تو وہ بھی ضرور جانب ثانی کی طرح اپنے محب کے لیے اظہار کرتا۔ چنانچہ جب یہ موانع ہٹ جائیں گے۔ اور محبت ذاتی ہوگی۔ تو بلاشبہ وہ جانبین سے ہوگی۔

اگر کفار میں بھی کبر۔ حسد۔ سلطنت وحکومت اور بغض وعناد نہ ہوتا۔ تو وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اپنی جان، مال، اور اولاد سے زیادہ محبت کرتے اور انبیائے علیہم السلام کے تابعین کے دلوں سے جب یہ مانع زائل ہو گیا تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ۔ ان کی محبت اپنی جان و مال، اور اولاد سے زیادہ ہو گئی۔

عشق علاج پذیر مرض ہے مقصود یہ ہے کہ عشق ایک قابلِ علاج مرض ہے۔ اس کا علاج کئی طرح سے ہو سکتا ہے

اب اگر طبعاً اور شرعاً عاشق کے لیے معشوق تک پہنچ جانے کی کوئی راہ موجود ہو تو یہی اس کا علاج ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا!

اے نوجوانوں کے گروہ۔ تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہیے۔ کہ وہ نکاح کرلے اور جسے استطاعت نہ ہو۔ اسے چاہیئے کہ روزے رکھے۔ کیونکہ وہ اس کے لیے شہوت توڑنے والا ہو گا۔

اس ارشاد میں عاشق کو دو علاج بتائے ایک اصلی اور ایک اس کا بدل: اور اصل علاج کا حکم کہ وہی اس مرض کا علاج ہے۔ اس لیے اگر اس کی استطاعت ہو، تو اس سے عدول و اعراض نہ کرنا چاہیئے[1] اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ دو محبّت کرنے والوں کے لیے ہم نے نکاح سے زیادہ (بہتر) چیز نہیں دیکھی[2]

اگر شرعی یا طبعی طور پر وصال محال ہو

اور اگر عاشق کے لیے شرعی یا طبعی طور پر محبوب کا وصال محال ہو جائے یا ناممکن ہو۔ تو اس صورت میں اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمجھا دیا جائے کہ یہ عشق سر سبز نہیں ہو سکتا کیونکہ جب نفس کسی چیز سے مایوس ہو جائے گا تو اسے چین آجائے گا۔ اور اس کا اس طرف التفات نہ رہے گا۔ اور اگر ناامیدی کے باوجود مرض عشق قائم رہا۔ تو سمجھ لو کہ طبیعت شدید ترین حد تک فاسد ہو چکی ہے۔ پھر کوئی اور علاج کیا جائے گا۔ اور یہ اس کی عقل کا علاج ہو گا۔ کیونکہ کامراتی سے ناامید ہو کر بھی دل کا تعلق قائم رکھنا جنون کی ایک قسم ہے۔ اور اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی سورج پر عاشق ہو جائے۔ اور اس کی روح آسمانوں میں اس کی جانب اوپر چڑھنے کی کوشش کرتی رہے۔ اور یہ نوع تمام عقلا کے نزدیک مجنونوں میں داخل ہے۔ اور اگر اس کا وصال شرعاً محال ہو۔ قدر کے لحاظ سے ناممکن نہ ہو تو چاہیے کہ اُسے قدراً غیر ممکن کے مقام پر لے آیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس

---

[1] : نکاح کر لینا چاہیے۔

[2] : یہ زندگی کو درخشن بنا دیتی ہے۔

میں اذن نہیں دے رہا۔ اور بندے کی نجات بھی اس سے پرہیز کرنے میں ہی مضمر ہے۔ اس لیے چاہیے کہ اپنے آپ کو سمجھائے۔ کہ یہ ناممکن ہے بلکہ معدوم ہے۔ اور اس تک رسائی کی کوئی راہ نہیں۔ اور یہ محالات کے قائم مقام ہے۔

اب بھی اگر نفس امارہ (پرہیز پر) آمادہ ہو۔ تو اسے چاہیے کہ دو امور میں سے کسی ایک کے لیے معاملہ ختم کر دے۔ یا خطرہ کے لیے۔ یا محبوب کی خاطر فناء کے لیے۔ یہ اس کے لیے زیادہ پسندیدہ۔ نافع۔ بہتر اور دائمی لذت و سرور کا باعث ہوگا اور اگر یہ تمام معالجات بے کار ثابت ہوں۔ تو اسے چاہیے کہ وہ صدق دل کے ساتھ اس ذات تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو گرا دے۔ جو پریشان اور مضطر لوگوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ جب وہ اسے پکارے۔ اور اس کے دروازے پر اپنے آپ کو تضرع و خشوع و خضوع کرتے ہوئے فریاد کناں ڈال ہی دے اب جب اس بات کی توفیق ہوئی تو گویا اس نے (قبولیت) کا دروازہ کھٹکھٹا دیا اب اسے چاہیے کہ فراموش کر دے۔ خاموش رہے اور محبوب کا ذکر بھی نہ کرے۔ اور نہ اسے لوگوں میں رسوا کر کے ایذا دے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی حیثیت ایک ظالم اور زیادتی کرنے والے کی ہوگی۔

ایک موضوع حدیث اور اس پر بحث

اور اس موضوع حدیث سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ جسے عشق ہو گیا اور پھر وہ پاکدامن رہا اور مر گیا تو وہ شہید ہے۔

اور ایک روایت یہ مشہور ہے۔ کہ جسے عشق ہوا۔ اور اس نے چھپائے رکھا۔ اور پاکدامن رہا۔ اور صبر کیا۔ اللہ اُسے بخش دے گا۔ اور اُسے جنت میں داخل کرے گا! یہ حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے۔ صحیح نہیں ہے، اور یہ آپ کا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہادت ایک عظیم الشان مرتبہ ہے جو مرتبہ صدیقیت سے متصل ہے۔ اور اس کے لیے کچھ اعمال و احوال مقرر ہیں۔ جو اس کے حصول کی شرط ہیں۔

اور اس کے دو اقسام ہیں۔ ایک خاص۔ اور ایک عام۔
خاص شہادت تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ (میدان جہاد) میں ہو۔ اور عام کی پانچ انواع صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔ اور یہ (شہادت عشق) ان میں شمار نہیں کی گئی۔ اور یہ اس میں ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ جب کہ یہ مرض شرک فی المحبت) اللہ سے دور کر دے، یہ تو قلب اور روح کو غیر اللہ کی ملکیت میں دے دیتے کا نام ہے۔ اس سے درجہ شہادت کس طرح ملے گا؟ یہ بالکل محال ہے کیونکہ عشق صوری قلب کو حد درجہ فاسد اور خراب کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ روح کی شراب ہے، جو اسے بدمست بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کے سامنے مناجات کرنے اور اس سے متلذذ ہونے سے غافل کر دیتا ہے۔ اور اس بات کا موجب ہوتا ہے کہ دل غیر اللہ کی عبادت میں معروف ہو جائے۔ کیونکہ عاشق کا دل تو معشوق کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔ اس لیئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو دل غیر اللہ کی عبادت میں معروف رہتا ہے۔ وہ اس قدر درجات حاصل کرلے۔ جو خواص اولیائے کرام اور بزرگان عظام کو ہی مل سکتے ہیں۔ اور اگر اس حدیث کی سند سورج کی طرح صاف اور نمایاں ہو، جب بھی غلط فہمی اور واہمہ ہے۔ لہ اور صحیح حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ لفظ مروی نہیں۔

حلال اور حرام عشق

پھر بعض عشق حلال ہوتے ہیں، بعض حرام ہوتے ہیں۔ اس صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

لہ علامہ ابن قیمؒ حدیث رسولؐ کے پرستاروں میں ہیں تعجب ہے ایسی بات انہوں نے کہی اگر "سورج کی طرح صاف اور نمایاں سند" بھی، موجب یقین نہیں ہو سکتی، تو دوسری اسناد جو اس سے فروتر ہوں کس درجۂ یقین میں رکھی جائیں گی، اصل میں علامہ کا یہ ارشاد بھی ان کی انتہا پسندی کا ایک ثبوت ہے۔

متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ہر عشق کے متعلق فیصلہ فرمادیا کہ اگر وہ عشق چھپالے اور عفیف رہے تو شہید ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ایک آدمی کسی دوسرے کی بیوی پر عاشق ہو جاتا ہے۔ یا کسی فاحشہ عورت یا لڑکے پر عاشق ہو جاتا ہے۔ کیا وہ اس عشق کے ذریعہ شہادت پالے گا۔ ؁ یہ تو اس دین کے بالکل خلاف واقع ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے مرض عشق کی بھی شرعاً اور قدراً ہر طرح کی ادویہ پیدا فرمائی ہیں۔

اگر عشق حرام ہے تو اس کا علاج واجب ہے اور یا دوسری صورت میں مستحب ہے۔ اور جب آپ ان امراض پر غور کریں گے۔ جن میں مبتلا ہو کر فوت ہونے والوں کو، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید فرمایا۔ تو وہ سب لا علاج امراض ہوں گے ؁ جیسے!

مطعون (نیزہ زدہ)

مبطون (پیٹ کی تکلیف والا)

؁ : عشق اختیاری چیز نہیں، اگر کوئی شخص کسی ایسی ہستی سے عشق کرتا ہے۔ جو ناممکن الحصول ہے، لیکن عشق کو چھپاتا، پاک دامن اور خاموش رہتا ہے یہاں تک کہ مرجاتا ہے، تو کیا اس کا یہ صبر و ضبط اور عزیمت موجب اجر نہیں؟

؁ : یہ بھی ایک لا علاج مرض ہے۔

جو عشق نفسانی خواہشات پر مبنی ہو، وہ علاج پذیر ہے۔ لیکن جو ان چیزوں سے بالا ہو، نہ وہ علاج پذیر ہے، نہ اس کے علاج کی ضرورت ہے۔

خود رسول اللہ کا یہ حال تھا، کہ جملہ ازواج مطہرات کے ساتھ مساوات کامل کا برتاؤ فرماتے تھے، اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، لیکن فرماتے تھے جہاں تک قلبی لگاؤ کی زیادتی کمی کا تعلق ہے وہ اختیاری چیز نہیں۔

مجنوں (پاگل)
آگ میں جل جانے والا۔
پانی میں ڈوب جانے والا۔
اور اس عورت کی موت کو جو حالتِ حمل میں کسی وجہ سے فوت ہو جائے کیونکہ یہ تمام امراض اللہ کا ابتلاء ہیں۔ جن میں بندے کا دخل بالکل نہیں[1]
نہ ان کا علاج ممکن ہے۔ اور نہ ان امراض کے اسباب حرام ہیں۔ اور نہ ان کے نتیجہ میں قلبی فساد اور غیر اللہ کی عبودیت لازم آتی ہے۔ جو مرضِ عشق کا لازمی نتیجہ ہے۔
پس اگر یہ بحث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منطق اور اس روایت کو غلط ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔ تو دنیا بھر کے ائمہ حدیث اور ان کے علل کا مطالعہ کر لیجیے۔ ایک امام سے بھی یہ مروی نہیں کہ اس نے اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہو بلکہ اسے حسن ہی کہا ہو[2] بلکہ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ اور اسے منتر دکر دیا ہے اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ (جو اس حدیث کو روایت کرے) اس سے جنگ کرنا حلال ہے۔
نیز ابوالفرج ابن جوزی نے کتاب الموضاعات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔
نیز یحییٰ بن معین نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ راوی ساقط اور کذاب ہے۔ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا۔ تو میں اس سے جنگ کرتا۔

---

[1]: اس مرض میں بھی انسان کا کچھ دخل نہیں، اس لیے وہ موجب اجر و ثواب ہے۔
[2]: کسی حدیث کا صحیح ثابت نہ ہو سکنا، اس کے غلط ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہے، نہ یہ دعوٰی کیا جا سکتا ہے کہ کتب صحاح رسنن و مسانید و معاجم میں آپؐ کی تمام حدیثیں آ گئی ہیں۔ کوئی باقی نہیں رہ گئی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ مزدک ہے۔
نسائیؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ ثقہ نہیں۔
اور سب سے احسن وہ ہے جو ابو حاتم رازیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ یہ صدوق کثیر التدلیس ہے۔

حفظِ صحت اور خوشبو

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت طیّبہ

بادِ شمیم انگیز اور ہوائے عطر خیز روح کی غذا ہے۔ اور روح قوٰی کے لیے مایۂ زندگی ہے اور قوٰی میں خوشبو سے توانائی پیدا ہوتی ہے، جس سے دماغ قلب، بلکہ جملہ اعضائے باطنی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ فرحت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ نفس کو سرور اور روح کو انبساط حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ روح کے لیے حد درجہ خوشگوار، اور خوب تر چیز ہوئی۔ کہ اس میں اور روحِ طیبہ میں ایک طرح کا گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطیب الطیبین صلی اللہ علیہ وسلّم کو دنیا کی چیزوں میں سے ایک چیز یعنی خوشبو بہت زیادہ محبوب تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم خوشبودار تحفہ مسترد نہ فرماتے۔

صحیح مسلم میں۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا! جسے ریحان پیش کیا جائے وہ اسے رد نہ کرے کیونکہ یہ لطیف و خوشگوار اور سبک تر ہے۔

سنن ابی داؤدؒ اور نسائیؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا)
جسے خوشبو پیش کی جائے وہ اسے رد نہ کرے۔ کیونکہ یہ وزن میں سبک اور ہوائے خوشگوار کی حامل ہوتی ہے۔

مسند بزارؒ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالےٰ طیب ہے۔ طیب کو محبوب رکھتا ہے۔ پاک ہے اور پاک کو پسند کرتا ہے۔ کریم ہے کرم کو پسند فرماتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے، اس لیے اپنے مکان اور صحن کو صاف شفاف رکھو، اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ جو اپنے گھروں میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر جمع رکھتے ہیں، ہاں تھوڑا سا ہو تو خیر۔

ابن ابی شیبہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک عطر دان تھا۔ جس میں سے لے کر آپؐ عطر لگایا کرتے تھے۔

صحیحؒ روایت میں آپؐ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہر سات دن میں ایک بار غسل کرے[1] اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو، تو وہ بھی لگائے۔ اور خوشبو میں یہ خاصیت ہے۔ کہ ملائکہ اس آدمی سے جو معطر ہوتا ہے، محبت کرتے ہیں، اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور شیاطین[2] کے لیے سب سے زیادہ دل پسند اور مرغوب، مکروہ اور بدبودار چیز ہے چنانچہ ارواحِ طیبہ کو رائحۂ طیبہ محبوب ہوتی ہے، اور ارواح خبیثہ کو

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور غسل کرنا چاہیے، لیکن اگر کوئی روزانہ یا دن میں ایک سے زائد بار غسل کر لیتا ہے تو یہ اور زیادہ بہتر اور پسندیدہ امر ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو پاکیزگی، صفائی، ستھرائی اور نظافت حد درجہ مرغوب تھی، جس طرح آپؐ کے پاس دل اور پاک روح اور پاک دماغ تھے، اسی طرح پاک جامہ بھی تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] : بدروحیں۔

ائمۂ خبیثہ پسند ہوتی ہے۔ یعنی ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے[1] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات، والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔

(خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے، خبیث عورتوں کے لیے، پاک نہاد عورتیں پاک خو مردوں کے لیے، پاک سرشت مرد پاک نہاد عورتوں کے لیے)

اس آیۂ کریمہ میں خبیث اور طیب سے مراد، اگرچہ خبیث اور طیب مرد عورت ہیں لیکن درحقیقت یہ خبیث اور طیب مشتمل ہے اعمال واقوال مطاعم ومشارب، اور ملابس وروائح پر، عموم لفظ کے اعتبار سے بھی اور عموم معنیٰ کے اعتبار سے بھی[2]

---

[1] "ہر روح اپنی پسند کی طرف مائل ہوتی ہے!"۔ سچ پوچھیے تو یہ ایک بہت بڑا اور بے حد اہم نکتہ ہے، جو ایک ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی کے شب وروز اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔

[2]: ان ارشادات وہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، یہ کبھی نہیں چاہا کہ لوگ عبادت وریاضت میں اس درجہ غرق ہو جائیں کہ انہیں دنیا اور مافیہا کی خبر نہ رہے، جیسا کہ دوسرے مذاہب کے راہبوں، اور سادھوؤں وغیرہ کا دستور ہے۔ بلکہ آپؐ اپنی امت کے افراد کو توانا، چست وچالاک اور تنومند دیکھنا چاہتے تھے، اس لیے کہ اسلام دین کا مذہب بھی ہے اور دنیا کا بھی۔ وہ روح کی رہنمائی بھی کرتا ہے، اور بدن کو بھی سلامت رکھنا چاہتا ہے اور یہی اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

حفظِ صحت چشم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیّبہ

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت عبدالرحمٰن بن نعمان بن معبد بن ہوذہ انصاری سے مروی ہے، انہیں اپنے والد سے انہیں اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سرمہ اثمد مروح استعمال فرماتے تھے۔ فرمایا، البتہ روزے دار کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

ابو عبید فرماتے ہیں کہ مروح سے مراد ہے مشک سے خوشبودار کرنا۔

سنن ابن ماجہؒ وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپؐ ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالا کرتے تھے۔

جامع ترمذیؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جب سرمہ ڈالتے، تو دائیں آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے، بائیں میں دو، داہنی آنکھ سے شروع فرماتے اور اسی پر ختم کرتے۔

ابو داؤدؒ کی روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جو سرمہ لگائے اسے چاہیے کہ وترؔ[1] سلائیاں ڈالے۔

رات کے وقت سرمہ استعمال کرنے میں ایک ایسی خوبی ہے جو صرف سرمہ پر مشتمل ہے اور حرکت مضر سے سرمہ لگانے کے بعد سکون حاصل ہوتا ہے۔ نیز اثمد کی

---

[1]: وتر سے مراد طاق عدد ہے۔ مثلاً ۱-۳، ۵، ۷، ۹ وغیرہ۔

ایک مخصوص خاصیت ہے۔

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت سالمؒ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اثمد استعمال کرو کیونکہ اس سے بصارت میں جلا آتی ہے، یہ بال اگاتی ہے۔

ابو نعیم کی کتاب میں ہے کہ سرمہ بال اگاتا ہے۔ تنکوں کو دور کرتا ہے اور بصارت کو صاف کرتا ہے۔

سنن ابن ماجہؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوع روایت ہے سب سے بہترین سرمہ اثمد ہے، جو بینائی کو جلاء دیتا ہے۔ اور بالوں کو اگاتا ہے[1]

---

[1] بینائی اور بصارت بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ اگر چھن جائے تو انسان دوسرے اعتبارات سے صحت مند اور توانا ہوتے ہوئے بھی اس کی زندگی بے کیف اور بیکار ہے پھر وہ تماشا بن کر رہ جاتا ہے۔ نہ کوئی خوشی اسے خوش کر سکتی ہے، نہ کوئی منظر اس کے دل میں ارتزاز اور انبساط کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ نہ کسی چیز کو دیکھ کر اس سے تاثر قبول کر سکتا ہے۔

بینائی کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور ایسے وسائل اختیار کیے جائیں جو اس نور کو قائم رکھنے میں مدد دیں۔

ادویہ واغذیہ مفردہ

جن کا ذکر

لسانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آیا

بہ ترتیب حروف تہجی

حرف الھمزہ (الف)

اثمد یہ سرمہ سیاہ کا پتھر ہوتا ہے، اصفہان سے لایا جاتا ہے۔ سرمہ کے اقسام وانواع میں اسے سب پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ مغرب[1] کی طرف سے بھی یہ درآمد کیا جاتا ہے۔ سب سے عمدہ وہ ہے جو ایک ہی چوٹ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس کا اندرونی حصہ ملائم ہوتا ہے جس میں گندگی نہیں ہوتی۔ اس کا مزاج سرد خشک ہے۔ آنکھوں کو فائدہ اور قوت دیتا ہے، اعصاب کو قوی کرتا اور صحت کی حفاظت کرتا ہے۔ نیز زخموں سے زائد گوشت کو ختم کر کے انہیں مندمل کرتا ہے اور گندگی صاف کر کے انہیں جلا بخشتا ہے۔ جب آب آمیز شہد کے ساتھ سرمہ میں ڈالا جائے، تو دردِ سر کو فائدہ کرتا ہے۔ اور جب اسے کوٹ کر اس میں تھوڑی سی تازہ چربی ملائی جائے اور اسے آگ پر پختہ کر لیا جائے تو زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے اور تازہ پھنسوں کو فائدہ دیتا ہے۔ آنکھ کے سرموں میں یہ سب سے اعلیٰ قسم ہے، خصوصاً بوڑھے لوگوں کے لیے، اور ان کے لیے کہ جن کی آنکھیں کمزور ہیں از حد مفید ہے۔ اگر کچھ مشک بھی ملالی جائے تو فائدہ اور بڑھ جاتا ہے۔

---

[1] : علاقہ بربر۔

اترج صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، ایسے مومن کی جو قرآن مجید پڑھتا ہے، مثال اترج کی طرح ہے، کہ اس کا ذائقہ عمدہ ہے اور اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے۔

اترج کئی فوائد کا حامل ہے، یہ چار اجزا پر مشتمل ہے، چھلکا، گودا، کھٹاس اور بیج، ہر ایک کا مخصوص مزاج ہے۔

اس کا قشر (چھلکا) گرم خشک ہے، گودا گرم تر ہے۔ کھٹاس سرد خشک اور بیج گرم خشک ہے۔ اس کے چھلکے کا فائدہ یہ ہے کہ جب اسے کپڑوں میں رکھ دیا جائے، تو سوس (کپڑوں کا کیڑا) کو روکتی ہے) اس کی خوشبو ہوا اور وباؤ کی کیفیت کی اصلاح کرتی ہے۔ اگر اسے منہ میں رکھا جائے تو اسے خوشبو دار بناتی ہے اور ریاح تحلیل کرتی ہے۔ اور اگر مسالوں کی طرح اسے کھانے میں ڈالا جائے تو ہضم میں مدد دیتی ہے۔ اس کا گودا حرارت معدہ کا ملطف ہے۔ مرۃ صفراء کے مریضوں کے لیے فائدہ بخش ہے۔ گرم بخارات کو کاٹتا ہے۔

غافقی کہتے ہیں کہ اس کا گودا کھانا بواسیر میں نافع ہے۔ اس کی کھٹاس قابض ہے۔ صفراء کو توڑتی اور گرم خفقان میں تسکین دیتی ہے۔ یرقان کے مرض میں اسے پینا اور اس کا سرمہ لگانا فائدہ بخش ہے۔ قے صفراوی کو فائدہ ہوتا ہے، اور حرارت جگر کو بھی نفع بخش ہے۔ معدہ کو قوت ملتی ہے۔ اور مرۃ صفراء کی حدت ختم ہو جاتی ہے۔ تشنگی میں کمی ہوتی ہے۔ اس کے بیج میں تحلیل کرنے، اور خشک کرنے کی قوت ہوتی ہے۔ یہ طبعی طور پر ملین ہے اور مفرح ہے، نیز اس کے بیجوں میں زہر کا تریاق بھی ہے، جب کہ اس کا عصارہ دو مثقال کی مقدار میں استعمال کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس میں کیثر فوائد ہیں، اور یہی پھل اس قابل تھا کہ اس سے ایک مومن کی مثال دی جاتی، جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہو۔ بعض سلف اس کی طرف نظر کرنا باعث تفریح سمجھتے تھے۔

اُرز (چاول) یہ گرم خشک ہے اور گندم کے بعد سب سے بہتر اور اعلیٰ خوراک ہے۔ یہ پیٹ میں سدہ پیدا کرتا ہے۔ معدہ کو قوت دیتا ہے۔ اور کافی دیر تک اس میں ٹھہرا رہتا ہے۔

ہندی اطباء اسے سب اغذیہ سے زیادہ فائدہ مند اور قابلِ تعریف سمجھتے ہیں۔ جب اسے گائے کے دودھ میں پکایا جائے۔ تو بدن کو موٹا کرنے منی کی زیادتی، کثرت تغذیہ، اور رنگ صاف کرنے میں بہت ہی موثر ہے۔

اَرزہ یعنی صنوبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مومن کی مثال دیتے ہوئے فرمایا مومن کی مثال ایسی ہے جیسے پودے کی شاخ، جسے ہوائیں کبھی ادھر اور کبھی ادھر مائل کرتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کی طرح ہے، جو جڑ پر ایک ہی حالتِ نفاق میں کھڑا رہتا ہے، آخر کار یکلخت خشک ہو جاتا ہے۔

اس کے بیج گرم تر ہیں، اور ان میں تفتیح تلیت اور تحلیل کا اثر پایا جاتا ہے پانی میں بھگو کر استعمال کیا جائے تو سوزش کو فائدہ دیتا ہے، حلق دور ہو جاتی ہے۔ یہ دیر ہضم ہے اور غذائیت سے بھرپور ہے۔ کھانسی کے لیے فائدہ بخش ہے۔ پھیپھڑے کی رطوبات کا تنقیہ کرتا ہے۔ مولد منی ہے۔ اور مروڑ پیدا کرتا ہے اس کا مصلح حامض (کھٹا) انار دانہ ہے۔

اذخر صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت ہے۔ آپؐ نے مکہ میں فرمایا! خودرو پودے کوئی نہ اکھاڑے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اذخر (ایک قسم کی گھاس) کے سوا، اے اللہ کے رسول، کیونکہ یہ غلاموں اور گھروں کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں اذخر کے سوا۔

اذخر دوسرے درجہ میں گرم اور پہلے میں خشک ہے، لطیف ہے، سدّوں اور رگوں کا منہ کھولتا ہے مدر بول اور حیض ہے۔ پتھری کو توڑتا ہے، معدے جگر، گردوں کے سخت اورام کو تحلیل کرتا ہے، اگر اسے پیا جائے اور اس کا ضماد (لیپ) کیا جائے، اس کی جڑ، دانتوں اور معدہ کو قوی کرتی ہے ابکائیاں دور کرتی اور پیٹ کو درست کرتی ہے۔

حرف الباء

بطیخ (تربوز) ابوداودؒ اور ترمذیؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ تربوز کو تر کھجوروں کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے اس کی حرارت اس کی برودت کو کاٹ دے گی، اس کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں، لیکن اس ایک حدیث کے سوا کوئی بھی صحیح نہیں ہے، اس سے مراد وہ اخضر ہے جو سرد و تر ہوتی ہے اور اس میں قوتِ جلا ہے۔ اور یہ لکڑی اور کھیرے کے ساتھ جلد معدہ سے اتر جاتی ہے۔ اور معدہ میں اسے کوئی سی بھی خلط مل جائے جلد حل ہو جاتی ہے، اور اگر کھانے والا گرم مزاج ہو تو اسے از حد فائدہ دیتی ہے اور اگر سرد مزاج ہو تو قدرے زنجبیل وغیرہ (سونٹھ) سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

تربوز کو کھانے سے قبل کھانا بہتر ہے۔ ورنہ ابکائی لا کر قے لے آئے گی بعض اطباء کا کہنا ہے، کہ اسے کھانے سے پہلے کھایا جائے۔ اور معدہ کو صاف کرتا ہے اور مرض کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔

بلح (تازہ کھجور) نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں حضرت ہشام بن عروہؒ سے روایت کیا ہے انہیں اپنے والد سے انہیں حضرت عائشہؓ سے روایت پہنچی۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تازہ کھجور کو پرانی کھجور کے ساتھ کھایا کرو۔ کیونکہ شیطان جب ابن آدم کو تازہ

کھجور کے ساتھ پرانی کھجور کھاتے دیکھتا ہے۔ تو کہتا ہے۔
ابن آدم اتنی مدت زندہ رہا۔ کہ اس نے پرانے پھل کے ساتھ نیا پھل بھی کھایا
ایک روایت یہ ہے۔ کہ تازہ کھجوروں کے ساتھ تمر (کھجور) بھی کھایا کرو۔ کیونکہ
شیطان جب ابن آدم کو یہ کھاتے دیکھتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ
ابن آدم اتنی مدت تک زندہ رہا کہ وہ پرانے کے ساتھ نیا پھل بھی کھاتا ہے۔
(مسند بزار)

بلنح میں رطوبت اور یبوست دونوں کیفیات ملتی ہیں، یہ منہ، مسوڑھے اور معدہ کو نافع ہے۔ سینہ اور پھیپھڑے کو مضر ہے۔ غذائیت کم ہے۔ یہ نخلہ کے لیے اس طرح ہے جیسے انگور کے درخت کے لیے حصرم ہوتا ہے۔ یہ دونوں ریاح قراقر اور نفخ پیدا کرتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت کہ ان کے ساتھ پانی پیا جائے اور تمر یا شہد اور مکھن کے ذریعہ ان کے ضرر کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

بسر (خشک کھجور) صحیح روایت میں حضرت ابوالہیثم بن تیہان سے ثابت ہے کہ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی دعوت کی۔ تو کھجوروں کا خوشہ پیش کیا۔ جیسے انگور کا خوشہ ہوتا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ تو نے اس میں سے تر کھجوریں کیوں چن دیں؟
انہوں نے عرض کیا۔ میں نے چاہا۔ کہ آپ خشک اور تر ہر قسم کی کھجوریں استعمال فرما سکیں۔

بسر گرم خشک ہوتی ہے۔ اور اس کی یبوست حرارت سے زیادہ ہوتی ہے۔ جو رطوبت کو ختم کرتی اور معدہ اور پیٹ کو خشک کر کے قبض کرتی ہے۔ مسوڑھے اور منہ کے امراض میں نافع ہے۔
اسے بطور تمر بھی کھانا فائدہ بخش ہے۔ اس کی کثرت اور بلح کو بکثرت کھانے سے آنتوں میں سدے پیدا ہو جاتے ہیں۔

بیض (انڈے) بیہقیؒ نے شعب الایمان میں مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ایک نبی علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالٰی کے دربار میں ضعف کی شکایت کی۔ اللہ تعالٰی نے انہیں انڈے کھانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کی صحت مشکوک ہے۔

باسی کی بجائے تازہ انڈے زیادہ بہتر ہیں۔ اور مرغی کے انڈے تمام پرندوں کے انڈوں سے زیادہ فائدہ بخش ہیں۔ کیونکہ یہ معتدل قدرے مائل بہ برودت ہوتے ہیں۔ صاحب قانون نے لکھا ہے۔ کہ اس کی زردی گرم تر ہوتی ہے۔ خون صالح پیدا کرتی ہے۔ اور قلیل غذائیت رکھتی ہے۔ معدہ سے جلدی اتر جاتی ہے، اگر نرم ہو۔

علاوہ ازیں دیگر حکماء نے کہا ہے کہ اس کی زردی مسکنِ درد۔ حلق قصبہ ریہ کو نرم کرتی کھانسی پھیپھڑوں، گردے اور مثانہ کے زخموں میں فائدہ بخش ہے۔ خشونت کو زائل کرتی ہے۔ خاص کر جب اسے روغن بادام شیریں ملا کر لیا جائے سینہ کا مواد پکاتی ہے ملین اور مسہل خشونت حلق ہے۔ اس کی سفیدی جب گرمی سے متورم آنکھ میں ڈالی جائے تو اس کی تبرید کرتی ہے اور درد کو تسکین دیتی ہے۔ اور جب آگ کے جلنے پر جائے ماؤف پر لگائی جائے تو پھنسیاں پیدا نہیں ہونے دیتی اور جب درد کی جگہ لگائی جائے۔ تو دھوپ سے احتراق واقع نہیں ہوتا۔ جب اسے کندر میں ملا کر پیشانی پر لگائی دیا جائے تو نزلہ میں فائدہ دیتی ہے۔

صاحب قانون نے قلب کی ادویہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ اگرچہ مطلق اثر والی ادویہ میں سے نہیں لیکن تقویتِ قلب میں اس کا بہت زیادہ دخل ہے۔

بصل (پیاز) سنن ابن داؤدؒ میں حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ ان سے پیاز کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آخری کھانا تھا۔ اس میں پیاز بھی تھا۔

صحیحین سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔[1]

پیاز تیسرے درجہ میں گرم ہوتا ہے۔ نیز اس میں رطوبتِ زائد بھی ہوتی ہے۔ جو تبدیلی آب میں فائدہ بخش ہے۔ اور زہریلی ہوا کو دور کرتی ہے۔ نیز شہوت توڑتی معدہ کو قوی کرتی باہ میں ہیجان پیدا کرتی۔ مزید منی ہے۔ قاطع بلغم اور مجلی معدہ ہوتی ہے۔ نیز اس کا بیج بہق کو دور کرتا ہے۔ اور اسے والتغلیب پر رگڑا جائے تو بہت ہی فائدہ دیتا ہے۔ نمک کے ساتھ ملا کر استعمال کرنے سے مسوں کا قلع قمع کرتا ہے، اور مسہل دوا پینے کے بعد اسے سونگھا جائے تو قے اور متلی کو روکتا ہے۔ اور اس دوا (مسہلہ) کی بو کو زائل کرتا ہے۔ جب اس کے پانی کا سعوط (ناک سے سڑکا کیا جائے تو) سر کو ہلکا کرتا ہے۔ کانوں میں ڈالنے سے ثقل سماعت اور کان بجنے، پیپ اور کان میں پانی پڑ جانے کو نافع ہے۔ اس کا آنکھوں میں سرمہ ڈالا جائے تو موتیا بند کو روکتا ہے۔ اور اگر اس کے بیجوں کو شہد میں پیس کر آنکھوں میں ڈالا جائے تو سفیدی دور کرتا ہے اس کا مطبوخ کثیر الغذاء ہے۔ اور یرقان۔ کھانسی اور خشکی صدر میں فائدہ بخش ہے۔ نیز پیشاب آور ہے ملین ہے اور کتے کے کاٹے میں مفید ہے اگر زخم پر اس کے پانی میں نمک اور بیری کے پتے ملا کر طلا کیا جائے۔ اور جب اسے رکھا جائے تو بواسیر کا منہ کھولتا ہے۔

اس کی مضرت یہ ہے کہ دردِ شقیقہ اور سارے سر کا درد پیدا کرتا ہے مولد ریاح ہے۔ بینائی کو کمزور کرتا ہے زیادہ کھانے سے نسیان پیدا ہو جاتا ہے اور عقل خراب ہو جاتی ہے۔ منہ کا ذائقہ بگڑ جاتا ہے۔ پاس بیٹھنے والے اور فرشتوں کو تکلیف دیتا ہے۔[2] پکا کر اور مار کر کھانا اس کے تمام مضرات کو

---

[1] بدبو کے باعث فرشتے اس سے دور بھاگتے ہیں۔

[2] کیونکہ اس سے منہ بدبودار ہو جاتا ہے۔

دُور کر دیتا ہے۔

سنن میں مروی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور لہسن کے کھانے والے کو حکم دیا کہ ان دونوں کو پکا کر مارے [1]

باذنجان اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک سفید اور ایک سیاہ۔
اس میں اختلاف ہے کہ یہ سرد ہے یا گرم اور صحیح یہ ہے کہ یہ گرم ہے اور سودا، بواسیر، سدے، سرطان اور جذام پیدا کرتی ہے، رنگ کو بگاڑ کر سیاہ کرتی ہے۔ اور بوئے دہن کے باعث ضرر رساں ہے۔اور سفید جو فلدے لمبی ہوتی ہے وہ ان نقائص سے مبرّا ہے [2]

---

[1] : اس طرح اس کی بدبو ختم ہو جائے گی۔ پھر اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔

[2] : امراض دادویہ میں یہ دونوں قسمیں حسب ضرورت و مصلحت استعمال ہوتی ہیں، لیکن سفید باذنجان جو معمولی نقائص سے مبرّا ہوتی ہے اس لیے وہ فائدہ بخش بھی ہے، اور امراض و علاج کے سلسلہ میں اس کا استعمال مفید اور حسب دل خواہ نتائج بھی پیدا کرتا ہے۔

لیکن، کوئی دوا بھی، خواہ اس کے خواص و فوائد سے متعلق معلومات کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں بطور خود نہیں استعمال کرنی چاہیے، استعمال اور ترکیب استعمال ماہر طبیب سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

حرف التاء

تمر (کھجور) صحیح روایت میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کہ جو صبح کو سات تمر (کھجور) کھالے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں۔ کہ سات عالی کھجوریں کھالے۔ اسے اس دن زہر ضرر نہ دے گا۔ اور نہ جادو نقصان پہنچائے گا۔

نیز آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا! جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں۔ اس گھر والے بھوکے ہیں۔ نیز آپؐ سے کھجور کو مکھن کے ساتھ کھانا۔ اور کھجور کو روٹی کے ہمراہ اور تنہا کھانا ثابت ہے۔

یہ دوسرے درجہ میں گرم ہوتی ہے۔ کیا یہ پہلے درجہ میں تر بھی ہے؟ یا اس درجہ میں خشک ہے؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔

یہ مقوی جگر۔ ملین اور مقوی باہ ہوتی ہے، خصوصاً جب صنوبر کے ساتھ ملا کر استعمال کی جائے۔ اور خشونت حلق میں فائدہ بخش ہے۔ اور جو لوگ اس کے عادی نہ ہوں جیسے سرد علاقوں کے رہنے والے انہیں اس سے سدّے کی شکایت ہو جاتی ہے۔

یہ دانتوں کو تکلیف دیتی ہے۔ درد سر بڑھ جاتی ہے۔ اس کا مصلح بادام اور خشخاش ہیں اور یہ دیگر پھلوں کی نسبت بدن کے لیے غذائیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے اندر گرم تر جوہر غذا ہوتا ہے۔ اور خالی معدہ میں کھانے

سے کیڑوں کو ہلاک کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی حرارت میں قوت تریاقیہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب اسے مسلسل خالی پیٹ کھایا جائے۔ تو کیڑوں کو کم کرتی ہے اور ختم کرکے انہیں ہلاک ہی کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ ایک پھل۔ غذا، دوا۔ مشروب۔ شیرینی سب کچھ ہے۔ ہر چیز کے فوائد اس میں موجود ہیں۔

تین (انجیر) حجاز اور مدینہ کے علاقہ میں انجیر نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کا تذکرہ حدیث میں نہیں آیا۔ کیونکہ وہاں کی زمین اس کے لیے سازگار نہیں، لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اس کی قسم کھائی ہے۔
اس کے منافع و فوائد کثیر ہیں۔ یہ گرم ہوتا ہے اس کے تریا خشک ہونے میں دو قول ہیں۔ سب سے عمدہ انجیر وہ ہے۔ جس کا چھلکا پختہ ہو اور سفید ہو۔ گردے اور مثانہ کی ریت کو خارج کرتا ہے۔ زہر سے حفاظت کرتا ہے اور تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت رکھتا ہے، خشونت حلق۔ سینہ۔ قصبہ ریہ کو مفید ہے۔ جگر اور تلی کو صاف کرتا ہے۔ معدہ سے خلط بلغمی کا تنقیہ کرتا ہے اور بدن کے لیے عمدہ غذا ہے۔ ہاں اس میں یہ ضرر ضرور ہے کہ اگر اسے بکثرت استعمال کیا جائے۔ تو جوں پیدا کرتا ہے۔ اس کا گودا زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے۔ اگرم مزاج والوں کو پیاس لگاتا ہے۔ اور تسکین بلغم کی وجہ سے پیدا ہونے والی پیاس کو بجھاتا ہے۔ مزمن کھانسی کو فائدہ بخش ہے۔ پیشاب کا ادرار کرتا اور جگر اور تلی کے سدے کھولتا ہے۔

تلبینہ یہ پسے جو کا پانی ہوتا ہے۔ اس کے فوائد بہت ہیں۔ اہل حجاز کے لیے آش جو سے یہ زیادہ فائدہ بخش ہے۔

حرف الجیم

جمار یہ کھجور کا گودا ہوتا ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھجور کا جمارہ پیش کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوسرے درختوں کی طرح یہ بھی ایک درخت ہے۔ مرد مومن کی طرح کہ اس کا پتہ نہیں گرتا (الحدیث)

جمار پہلے درجہ میں سرد خشک ہوتا ہے۔ زخموں کو مندمل کرتا ہے، اور نفث الدم، پیٹ کے امراض۔ مرۃ صفراء اور خون کے غلبہ میں نافع ہے۔

بردی الکیموس نہیں ہے، اس میں غذائیت ہے، البتہ دیر ہضم ہے اس کا درخت منافع سے بھرپور ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد مومن کو اس سے تشبیہہ دی کہ خیر کثیر اور نفع بے شمار کا حامل ہوتا ہے۔

جبن (پنیر) سنن میں حضرت عبداللہ عمرؓ سے مروی ہے کہ تبوک میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ایک ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپؐ نے چھری منگوائی۔ اس کا نام لیا اور اسے کاٹا (ابو داؤد)

صحابہؓ نے شام اور عراق میں بھی پنیر کا استعمال کیا ہے، تازہ پنیر جو نمکین نہ ہو معدہ کے لیے عمدہ غذا ہے۔ اعضائے معدہ کے لیے ملائم ہے۔ بدن کا گوشت بڑھاتا ہے۔ اعتدال کے ساتھ پیٹ کو نرم کرتا ہے، جو پنیر باسی ہو اس میں غذائیت کم ہوتی ہے۔ معدہ کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ آنتوں کے لیے بھی ضرر رساں ہے۔ پرانا پنیر قبض پیدا کرتا ہے۔

تازہ اور تپایا ہوا زخموں کو فائدہ دیتا اور اسہال بند کرتا ہے اور بہ سرد تر ہوتا ہے۔ اگر اسے جلبھلا کر استعمال کیا جائے تو مزاج کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ آگ اس کی تعدیل واصلاح کر دیتی ہے اور اس کے جوہر میں لطافت اس کے ذائقہ اور رائحہ میں خوشگواری پیدا کر دیتی ہے۔ نمکین پنیر کی ایک خاصیت یہ ہوتی ہے کہ ہزل (دبلا کرنے والا) ہوتا ہے، پتھری پیدا کرتا ہے گردے میں بھی، علاوہ ازیں پرانا پنیر نمکین اور گرم خشک ہوتا ہے[1]

---

[1] پنیر عربوں کی خاص غذا ہے، اور ان کی قابلِ رشک صحت وتندرستی میں اس کے استعمال کو بھی دوسری چیزوں کے علاوہ بہت دخل ہے۔
دودھ سے جتنی چیزیں بھی بنتی ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اتنی نافع، سریع الاثر، مقوی اعصاب اور معدہ واحشاء نہیں ہے۔ جتنا پنیر، اس میں دودھ کی مضرت کوئی نہیں ہوتی، فائدے تمام کے تمام موجود ہوتے ہیں۔
آں حضرت ﷺ کی بنائی ہوئی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اپنے اندر فوائد ومنافع کے ذخیرے نہ رکھتی ہو۔

حرف الحاء

حنا مد مہندی اس کی فضیلت میں احادیث ذکر ہو چکی ہیں۔ اور اس کے فوائد بھی بیان ہو چکے، جن کے اعادہ سے کچھ فائدہ نہیں۔

حبۃ السودا صحیحین میں حضرت ابی سلمہؓ سے ثابت ہے، انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر یہ حبۃ السوداء استعمال کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں سام کے سوا ہر مرض کے لیے شفاء ہے، اور سام موت کو کہتے ہیں۔

حبۃ السوداء کو فارسی میں شونیز کہا جاتا ہے۔ یہی کلونجی اسود ہے اور اسے کمون ہندی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ یہ تمام سرد امراض میں فائدہ بخش ہے۔ اور بالعرض گرم خشک امراض میں بھی اس کا عمل دخل ہے۔ چنانچہ سرد ترادویہ کی قوتِ موثر سرعت نفوذ کے باعث اسے مقام مرض تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر کم مقدار میں استعمال کیا جائے۔

شونیز تیسرے درجہ میں گرم خشک ہے۔ نفخ دور کرتی ہے اور کدودانہ کو خارج کرتی ہے۔ برص چوتھ کا بخار اور حمی بلغمیہ میں مفید ہے۔ سدّوں کو کھولتی اور ریاح کو تحلیل کرتی ہے۔ رطوبت و فضلہ معدی کو خشک کرتی ہے، اور اگر اسے شہد میں کوٹ لیا جائے اور گرم پانی سے کھایا جائے تو گردوں! اور مثانہ کی پتھری کو نکال دیتی ہے۔ نیز مدر بول و حیض ہے۔ اگر اسے چند ایام مسلسل

استعمال کیا جائے تو جو عورت دودھ کی کمی کی شاکی ہے اسے یہ شکایت نہیں رہتی اور اگر سرکہ میں گرم کر کے پیٹ پر اس کا طلاء کیا جائے تو کدو دانہ کو مارتی ہے ۔ اگر تر یا خشک حنظل کے پانی یا جو شاندہ میں اسے گوندھ کر استعمال کرایا جائے تو کیڑوں کو خارج کرنے میں اس کی قوت بڑھ جاتی ہے ۔

نیز زکام باردین نافع ہے ۔ اگر کوٹ کر ایک دھجی میں باندھ کر اسے سونگھا جائے ، اس کا تیل داء الحیہ، مسوں اور جیلان کے لیے نافع ہے ۔ اگر اسے پانی کے ساتھ ایک مثقال کی مقدار میں کھایا جائے تو بہر اور دمہ میں فائدہ بخش ہے ۔ سرد دردِ سر میں اس کا ضماد دلیپ کرنا بہت فائدہ دیتا ہے ۔ اور اگر عورت کے دودھ میں اس کے سات دانوں کا نقوع تیار کر کے یرقان کے مریض کو اس کا سعوط رناک سے ہڑکا جائے) کرایا جائے تو اسے حد درجہ فائدہ دیتا ہے ۔ اور اگر سرکہ میں اسے پکا کر سردی کے باعث دردِ دنداں والے کو کلی کرائی جائے تو نفع دے گا ۔ اگر اسے پیس کر اس کا سعوط کرایا جائے تو موتیا بند کے آغاز میں فائدہ کرتا ہے ۔ اور اگر سرکہ کے ہمراہ اس کا ضماد کیا جائے تو پھنسیوں اور تر خارش میں مفید ہے ۔ اور زمن بلغمی ورموں اور اورام صلبیہ میں نافع ہے ۔ اس کے روغن کا سعوط لقوہ میں مفید ہے ۔ نصف مثقال سے ایک مثقال تک کی مقدار میں پیا جائے تو کیڑے کے کاٹے میں نافع ہے ۔ اگر اسے پیس کر روغن حبۃ الخضراء کے ساتھ ملا کر تین قطرے کان میں ٹپکائے جائیں تو سردی کے درد اور ہوا کے اثرات بد کو زائل کرتا ہے اور اگر سرکہ میں پیس کر برص بہق سیاہ میں اس کا طلاء کیا جائے تو نفع دے گا اور شفاء بخشے گا ۔ اور اگر اسے پیس کر ہر روز دو درہم آب سرد کے ہمراہ استعمال کیا جائے ۔ تو باؤلے کتے کے کاٹے سے فائدہ دیتا ہے اور ہلاکت سے مامون رکھتا ہے ۔ بشرطیکہ ابھی پانی دیکھ کر ڈرنے کی حالت طاری نہ ہوئی ۔ اور اگر اس کے روغن کا سعوط کیا جائے تو فالج اور کزاز سے حفاظت کرتا ہے ۔ نیز اس کا مواد ختم کر دیتا ہے ۔ اس کی دھونی دی جائے تو زہریلے کیڑوں کو بھگا دے گا ۔ یہ بو اسیریں

فائدہ مند ہے اور اس کے فوائد شمار سے خارج ہیں، اور ان کی تحدید انسانی دسترس سے باہر ہے۔

اس کی خوراک ۲ درہم ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس کا بکثرت استعمال موجب ہلاک ہے۔

حریر (ریشم) اوپر کہیں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف کو خارش کے باعث حریر استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس کے فوائد اور اس کے مزاج کا ذکر ہو چکا۔ لہٰذا اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حرف ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ بیج (دانہ) ہے، جس سے علاج کیا جاتا ہے، اور یہی شفاء ہے جس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

یہ ایک بوٹی ہے جسے حرف کہا جاتا ہے اور عام لوگ اسے رشاد کہتے ہیں۔

ابو عبیدؒ فرماتے ہیں کہ ثفاء ہی حرف ہے۔

میں کہتا ہوں۔ وہ حدیث کہ جس میں اس طرف اشارہ ہوا ہے، ابو عبیدؒ وغیرہ کی روایت ہے، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

دو امور میں شفاء ہے۔ ثفاء اور صبر میں۔

ابوداؤدؒ نے اسے مراسیل میں روایت کیا ہے۔

یہ دوسرے درجہ میں گرم خشک ہے، اور مسخن ہے نیز پیٹ کی تلیین کرتی۔ کیڑوں اور کدو دانہ کو خارج کرتی ہے۔ تلی کے ورم کو تحلیل کرتی، محرک باہ ہے۔ تر خارش اور قوباء کو مفید ہے۔ اگر اسے شہد میں ملا کر ضماد کیا جائے تو تلی کے ورم کو دور کرتی ہے، نیز تمام بدن میں استرخاء کو نافع ہے۔ قوت باہ میں اضافہ کرتی اور بھوک لگاتی ہے۔ ربو، تنگی نفس اور سختی طحال میں مفید ہے۔ پھیپھڑے کو صاف کرتی ہے۔ مدر حیض ہے۔ عرق النساء اور درد سرین میں فائدہ بخش ہے۔ جب اسے پیس کر پیا جائے۔ تو برص میں فائدہ دیتی ہے۔ جب سرکہ کے ساتھ ملا کر برص یا بہق پر طلاء کیا جائے تو

دونوں امراض میں نافع ہے۔ نیز سردی اور بلغم کے باعث درد سر میں فائدہ مند ہے۔ جالینوس کا قول یہ ہے کہ اس کی قوت دانہ خردل کے برابر ہے۔ اس لیے ان تمام امراض میں نافع ہے، جن میں خردل مفید ہے۔ خردل کی طرح یہ بھی اخلاط غلیظ کو تلطیف کرتی ہے۔

حلبہ (میتھی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی مکہ میں عیادت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کوئی طبیب بلاؤ۔ چنانچہ حارث بن کلدہ کو بلایا گیا۔ حارث نے انہیں دیکھ کر کہا، خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے اس کے لیے "فریقہ" تیار کرو۔ یہ میتھی اور تر چوہ کھجوروں سے تیار کیا جاتا ہے، دونوں کو پکا لیتے ہیں پھر انھیں گھونٹ گھونٹ کرکے پیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، اور شفایاب ہو گئے۔

میتھی دوسرے درجہ میں گرم اور پہلے درجہ میں خشک ہے۔ جب اسے پانی میں پکایا جائے تو حلق، سینہ اور پیٹ کو نرم کرتی ہے۔ اور کھانسی، خشونت، ربو اور تنگی تنفس کو سکون بخشتی ہے۔ باہ میں زیادتی کرتی ہے۔ نیز یہ ریاح، بلغم اور بواسیر کے لیے ازحد نافع ہے اور امعاء میں واقع کیموس کی تحریر کرتی ہے۔ سینہ سے بلغم کو دور کرتی ہے۔ پھوڑوں اور امراض ریہ میں فائدہ بخش ہے۔ اسی وجہ سے اسے گھی وغیرہ سے مخلوط کرکے استعمال کیا جاتا ہے۔

جب اسے پانچ درہم کی مقدار میں پیا جائے تو مدر حیض بھی ہے۔ جب اسے پکایا جائے، اور اس کے مطبوخ سے بال دھوئے جائیں تو انہیں لہر دار بناتی ہے۔ اور جب اسے سرکہ میں مخلوط کرکے ورم طحال پر ضماد کیا جائے تو اسے تحلیل کرتی ہے۔ اور اگر اس کے روغن کو موم میں ملا لیا جائے تو سردی کے باعث بدن جو پھٹنے لگتا ہے اس کیفیت کو دور کر دیتی ہے۔

اس کے گرم پانی میں اگر عورت بیٹھ جائے تو ورم کے باعث جو درد رحم ہو وہ دور ہو جاتا ہے۔ سینہ کا بلغم نکالتی ہے، معدہ کو نافع ہے، کھانسی دور کرتی ہے اس کے منافع اور فوائد بہت ہی زیادہ ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

قاسم بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میتھی سے شفا حاصل کرو۔

بعض اطباء کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کو میتھی کے فوائد کا علم ہوتا۔ تو اسے سونے کے بھاؤ بھی خرید لیتے۔

حرف الخاء

خبز (روٹی) صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ زمین قیامت کے روز ایک روٹی کی مانند ہوگی جسے (اللہ) جبار اپنی ہتھیلی میں رکھ لے گا۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے محبوب کھانا روٹی کا ثرید تھا۔ ثرید ایک چوڑا سا ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ایک سفید گندم کی روٹی گھی اور دودھ چوپڑی ہوئی ہو۔

چنانچہ ایک آدمی اٹھا، اور تیار کر کے خدمت اقدس میں لے آیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ گھی کس برتن میں تھا؟ اس نے عرض کیا گوہ کے مشکیزہ میں۔

آپؐ نے فرمایا، اسے اٹھا لے جاؤ۔

روٹی کی بہترین قسم خمیری اور گوندھی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر تنور کی روٹی تمام اقسام سے اعلیٰ ہے اس کے بعد تیسرا درجہ کوئلوں پر پکائی ہوئی روٹی کا ہوتا ہے۔ اور سب سے عمدہ اور اعلیٰ قسم نئی گندم کی روٹی ہے۔ تغذیہ سے بھرپور میدے کی روٹی ہوتی ہے لیکن دیر سے ہضم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں سبوس گندم (پھوس) بہت کم ہوتا ہے۔ اسے خبز حواری بھی کہا جاتا ہے۔

سب سے عمدہ وقت روٹی کھانے کا دن کا آخری حصہ ہے، جس روز پکائی

جائے۔ اور نرم روٹی زیادہ ملین مغزی اور مرطب ہوتی ہے اور بہت جلد معدہ سے اتر جاتی ہے، اور خشک اس کے برعکس اثرات رکھتی ہے۔

گندمی روٹی کا مزاج دوسرے درجے کے وسط میں گرم اور رطوبت و یبوست میں معتدل ہوتا ہے۔ اور اگر آگ زیادہ ہو تو یبوست غالب آجاتی ہے۔ ورنہ رطوبت غالب رہتی ہے۔ گندم کی روٹی میں یہ وصف ہے کہ بہ تیزی سے موٹا پا لاتی ہے۔ نانِ و ظائف خلطِ غلیظ پیدا کرتا ہے اور نانِ فتیت نفخ پیدا کرتی اور دیر ہضم ہوتی ہے۔ دودھ میں آمیزکی ہوئی سدے پیدا کرتی اور دیر میں معدہ سے اترتی ہے۔

جو کی روٹی سرد خشک درجہ اول میں اور گندم کی روٹی سے کم غذائیت رکھتی ہے۔

خل (سرکہ) صحیح مسلمؒ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ گھر میں تشریف لائے اور سالن طلب فرمایا، عرض کیا گیا، اور تو کچھ نہیں، البتہ سرکہ موجود ہے۔ آپؐ نے وہی منگوا کر کھانا شروع کر دیا، اور ارشاد فرمایا۔

بہترین سالن سرکہ ہے، بہترین سالن سرکہ ہے۔

سنن ابنِ ماجہؒ میں حضرت ام سعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم (نے فرمایا) بہترین سالن سرکہ ہے۔ اے اللہ سرکہ میں برکت دے، اور جس گھر میں سرکہ ہو اس میں فقر نہیں۔

سرکہ حرارت و برودت دونوں صفات سے مرکب ہے البتہ برودت غالب ہے۔ اور تیسرے درجہ میں خشک ہے۔ شدید ترین مجفف ہے۔ اور مادوں کو گرنے سے روکتا اور طبیعت کو لطیف کرتا ہے اور خمری سرکہ التہاب معدہ میں مفید ہے۔ صفراء کو کاٹتا ہے اور قاتل ادویہ کا ضرر دور کرتا ہے خون اور دودھ اگر معدہ میں منجمد ہو جائے تو اسے تحلیل کرتا ہے۔ تلّی کو نافع ہے اور معدہ کی دباغت کرتا ہے۔ پیٹ کو درست کرتا اور پیاس دور کرتا ہے۔ اور کہیں ورم ہو

رہا ہے تو اسے روک دیتا ہے معین ہضم، دافع بلغم، ملطف اغذیہ غلیظہ ہے نیز خون کو رقیق کرتا ہے۔

خلال اس کے متعلق دو حدیثیں مروی ہیں لیکن وہ ثابت نہیں۔ ایک ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

کھانے کے بعد خلال کرنے والے کتنے اچھے لوگ ہیں، فرشتوں پر اس سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں کہ منہ میں غذا کا کچھ حصہ باقی رہ جائے (اور بدبو پیدا کرے۔

اس حدیث کے ایک راوی دراصل بن سائب ہیں جنہیں بخاریؒ اور رازیؒ منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔

نسائیؒ اور رازی نے متروک الحدیث کہا ہے۔

دوسری حدیث ابن عباس کی ہے اس کے ایک راوی محمد بن عبدالملک تھے جو حدیث گھڑ لیا کرتے تھے اور کذاب تھے۔

بہرحال خلال کرنا دانتوں اور مسوڑوں کے لیے نفع بخش ہے۔ خلال کا استعمال صحت کی حفاظت کرتا ہے اور ضعف کے سبب تعفنوں کو نافع ہے۔ سب سے بہتر خلال زیتون اور داخلہ کی لکڑیوں کا ہوتا ہے لیکن سرکنور سے آس، ریحان اور بادروج کی لکڑی کا خلال مضر ہے۔

حرف الثاء

صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے دعا فرمائی اللھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد یعنی اے اللہ میرے گناہوں کو پانی۔ برف اور ٹھنڈ سے دھو دے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ کہ مرض کا ضد سے علاج کیا جاتا ہے۔ کیونکہ خطاؤں میں گرمی اور جلن ہوتی ہے۔ جو برف۔ سردی اور سرد پانی کی ضد ہے۔ اور یہ نہیں کہا جاتا۔ کہ گرم پانی سے دور کرنے میں زیادہ بہتری ہے کیونکہ سرد پانی سے صلابت جسم اور تقویتِ بدن کا فائدہ بھی ہوتا ہے، جو کہ گرم پانی میں نہیں ملتا۔ اور خطائیں میل اور ادخار پیدا کرنے کا موجب بھی ہوتی ہیں۔ پس مطلوب یہ ہے کہ ایسی چیز سے علاج کیا جائے۔ جو قلب کی طہارت اور صلابت کا کام دے سکے۔ چنانچہ سرد پانی۔ برف اور ٹھنڈک کا ذکر فرمایا۔

البتہ برف معدہ اور اعصاب کو مضر رساں ہے۔ اور اگر دانتوں میں حرارت مفرطہ کے باعث درد ہو تو اسے سکون بخشتی ہے۔

ثوم (لہسن) یہ پیاز کے قریب قریب ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اسے مار کر کھانا چاہیے آپؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ اس میں لہسن تھا۔ آپؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپؐ تو اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ اور میری طرف بھیجتے ہیں!

لہ تاکہ اس کی بدبو ختم ہو جائے۔

آپ نے فرمایا! میں ایسی ذات[1] سے سرگوشی کرتا ہوں۔ جس سے تو نہیں کرتا۔

لہسن چوتھے درجہ میں گرم خشک ہے۔ سخت ترین تسخین کرتا ہے۔ اور از حد مجفف ہے۔ بارد مزاج والوں کے لیے نافع ہے۔ بلغمی مزاج کو بھی فائدہ دیتا ہے، جس شخص کو فالج کا خطرہ ہو اس کے لیے بھی مفید ہے۔

جب اسے سرکہ۔ نمک اور شہد کے ساتھ ملا کر کوٹ لیا جائے، پھر بوسیدہ ڈاڑھ پر رکھا جائے۔ تو اسے توڑ کر گرا دیتی ہے، ڈاڑھ پر رکھنے سے درد کو تسکین ہو جاتی ہے۔ اور اگر دو درہم کی مقدار میں لے کر اسے آبِ شہد کے ہمراہ استعمال کیا جائے۔ تو بلغم اور کیڑوں کا اخراج ہو جاتا ہے۔

اگر اسے شہد میں ملا کر بہق پر لگایا جائے تو فائدہ مند ہے۔

اس کا ضرر یہ ہے کہ اس سے دردِ سر پیدا ہوتا ہے۔ دماغ اور آنکھوں کو نقصان دیتا ہے، بینائی اور باہ کو کمزور کرتا ہے۔ سفرا میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور پیاس لگاتا ہے[2]۔ بوئے دہن پیدا کرتا ہے۔ لیکن برگ سداب چبانے سے اس کی بدبو زائل ہو جاتی ہے۔

---

[1] مراد ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

[2] طب جدید (ڈاکٹری) نے بھی لہسن کے بے شمار فوائد تسلیم کیے ہیں، اور بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے تو اسے اکسیر قرار دیا ہے۔ اور فالج بلڈ پریشر ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

[3] یہ ضرر اس وقت ہے اگر بکثرت استعمال کیا جائے، اعتدال کے ساتھ اس کا استعمال تریاقی فوائد رکھتا ہے۔

لہسن ایسی چیز ہے جس کے بے شمار طبی فوائد کو ہر زمانے میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ہر طرزِ علاج نے اس کی افادیت اور اہمیت محسوس کی ہے، ویدک، طب اور ڈاکٹری سب ہی اس کے ثنا خواں ہیں۔

ثرید صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا! عائشہ رضؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید تمام کھانوں سے افضل ہے۔

یہ مرکب ہوتا ہے۔ روٹی اور گوشت سے اسے ترکیب دیا جاتا ہے۔ اور روٹی تمام کھانوں سے اعلیٰ اور گوشت سالنوں کا سردار ہے، جب یہ دونوں جمع ہوجائیں تو ان کی افضیلت میں اختلاف ہی نہیں رہ جاتا۔ ان دونوں کی افضیلت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ گوشت افضل اور اعلیٰ ہے۔

حرف الدال

دہن (روغن)

ترمذیؒ نے کتاب الشمائل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور ڈاڑھی میں کنگھی بھی فرماتے اور اکثر سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا رکھے رہتے،

تیل مسامات کو بند کرتا ہے۔ اور تحلیل ہونے والے مادوں کو روکتا ہے۔ اگر گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد اسے استعمال کیا جائے۔ تو جسم کے لیے موزوں اور مرطب ہے۔ بالوں پر لگایا جائے۔ تو انہیں حسین اور طویل بناتا ہے، مرض حصبہ میں مفید ہے۔ اور اکثر امراض میں فائدہ مند ہے۔

ترمذیؒ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے۔ کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور (بدن) پر مالش کرو، اور عنقریب انشاءاللہ اس کا تذکرہ آئے گا۔

گرم ممالک مثلاً حجاز وغیرہ میں حفظ صحت کے لیے (زیتون) کا تیل ایک نہایت ہی ضروری جزو ہے اور ان کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ البتہ سرد علاقہ کے رہنے والے اس کے محتاج نہیں۔

مفرد تیلوں میں سب سے اعلیٰ زیتون کا تیل ہے۔ پھر گھی۔ پھر تلوں کا تیل۔ اور مرکب تیلوں میں بعض سرد تر ہیں جیسے روغن بنفشہ جو درد سر کو نافع ہے اور نیند نہ آنے والے مریضوں کو مفید ہے، تو خوب نیند آتی ہے، دماغ کے لیے مرطب ہے۔ درد شقیقہ غلبہ یبوست اور خشکی میں فائدہ بخش ہے اور خارش اور خشک کھجلی میں مالش کرنے سے فائدہ دیتا ہے۔

بعض تیل گرم تر ہوتے ہیں۔ جیسے روغن بان ہوتا ہے ہر اس کے پھولوں سے

بیل سے نہیں نکالا جاتا۔ بلکہ روغن پستہ کی طرح اس کے سفید دانوں میں سے نکالا جاتا ہے۔ ان میں روغن کی مقدار کافی ہوتی ہے اور چربی صلابت اعصاب کے لیے اور اعصاب ملائم کرنے کے لیے فائدہ بخش ہے۔ نیز داغوں، دھبوں اور بہق، جیسے جلدی امراض میں فائدہ دیتا ہے۔ بلغم غلیظ کا مسہل ہے، نیز اعصاب کے لیے حرارت بخش ہے، گردے کی سردی اور تقطیر بول کے لیے بھی ہے سر اور منہ پر اس کا لگانا مفید اثرات پیدا کرتا ہے۔

حرف الذال

ذریرہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ حجۃ الوداع میں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور احرام میں اپنے ہاتھوں سے ذریرہ کی خوشبو لگائی۔

ذریرہ اور اس کے فوائد و حقیقت کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ذباب (مکھی) متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں گزر چکا ہے کہ جب مکھی کھانے میں گر جائے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے میں ڈبونے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے جو دوسرے پر کی سمیت کے لیے تریاق کا حکم رکھتی ہے۔

ذھب (سونا) ابوداؤد اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ بن اسعد کو اس کے استعمال کی اجازت دی جب یوم الکلاب کے موقع پر ان کی ناک کٹ گئی تھی۔ اور انہوں نے چاندی کی ناک بنوالی تھی۔ لیکن اس میں بدبو پیدا ہو گئی۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

اس حدیث کے سوا حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ مروی نہیں۔

سونا دُنیا کی زینت۔ موجودکا طلسم۔ دلوں کے لیے مقوی اور مفرح اور زمانے پر اللہ کا ایک راز ہے اس کے مزاج میں تمام کیفیات رلتی ہیں، نیز اس میں لطیف سی حرارت ہوتی ہے۔ اور تمام لطیف معجونوں اور مفرحات میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ علی الاطلاق تمام معدنیات سے زیادہ لطیف اور اعلیٰ ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے۔ کہ جب اسے زمین میں دفن کر دیا جائے۔ تو مٹی اسے نقصان نہیں پہنچاتی۔ اور نہ اس میں کمی کرتی ہے۔ جب اس کے سفوف کو ادویہ میں ملایا جائے تو ضعفِ قلب اور سودا کے باعث لرزہ کے مرض کو دور کرتا ہے۔ نیز (مراقی) کیفیات غم وحزن اور عشق میں نافع ہے۔ بدن کو فربہ اور قوی کرتا ہے۔ یرقان کو دُور کر کے رنگ نکھارتا ہے۔ جذام اور تمام امراض سوداوی اور دردوں میں فائدہ بخش ہے اور جسے کوئی ایسی تکلیف ہو۔ جس میں داغنے کی حاجت ہو۔ تو اس دھات سے داغنے کے باعث آبلے نہیں بنتے۔ اور داغ کی جگہ تیزی سے شفایاب ہوجاتی ہے۔

اگر اس کی سلائی سے سرمہ ڈالا جائے تو آنکھ کو قوت ملتی ہے یہ اس کے لیے مجلّی اثر رکھتا ہے۔

صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے۔

اگر ابن آدم کے پاس ایک وادی سونے کی ہو تو وہ دُوسری طلب کرے گا۔ اور اگر اس کے پاس دوسری بھی آجائے، تو تیسری طلب کرے گا۔ اور ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں پر اللہ تعالےٰ بھی (رحمت) سے رجوع فرماتا ہے۔

یہ دھات اہلِ زمین اور روزِ قیامت کی عظیم کامراتی کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اور سب سے بڑا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی ہوئی۔ اقربا میں پھوٹ پڑی۔ خون بہائے گئے۔ محرمات کو حلال سمجھا گیا، حقوق مارے گئے اور بندوں پر ظلم وستم ہوئے۔

حرف الراء

رطب (تر کھجور) اللہ تعالے نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا!
وھزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطبا جنیا فکلی واشربی وقری عینا۔
ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اس سے گر ہیں گی تجھ پر پکی کھجوریں۔ اب کھا اور آنکھ ٹھنڈی رکھ،

صحیح میں حضرت عبد اللہ بن جعفر سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ میں نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ککڑی تر کھجوروں کے ہمراہ کھا رہے تھے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت انس سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند تر کھجوروں (رطب) کے ساتھ نماز پڑھنے سے قبل روزہ افطار فرماتے تھے۔ اور اگر رطب نہ ہوتی تو تمر (خشک) کھجور تناول فرمالیتے اور اگر خشک کھجور بھی نہ ہوتی تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرمالیتے۔

تر کھجوروں کا مزاج پانی کے مطابق ہوتا ہے، یہ گرم تر اور سرد معدہ کے لیے مقوی اور اس کے مطابق ہوتی ہے۔ باہ کو قوت دیتی اور بدن میں تازگی پیدا کرتی، اور بارد مزاجوں کے موافق ہے۔ کثیر مقدار میں غذائیت رکھتی ہے یہ تمام پھلوں سے زیادہ عمدہ پھل ہے، جو اہل مدینہ اور اس جیسے علاقوں کے موافق ہے۔ جہاں یہ پھل ہوتا ہو بدن کے لیے از حد نافع ہے اور اگر انسان

اس کا عادی نہ ہو۔ تو جسم میں تیزی سے متعفن ہو جاتی ہے اور خراب قسم کا خون پیدا کر دیتی ہے۔ اکثر اس سے دردِ سر اور سودا پیدا ہو جاتا ہے۔ دانتوں کی ضرر رساں ہے۔ سکنجبین وغیرہ سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

افطار کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور کھانا، پانی پینا ایک قسم کی لطیف تدبیر ہے۔ روزے کی حالت میں معدہ غذا سے خالی ہوتا ہے اور جگر کو ایسی غذا نہیں ملتی کہ اُسے جذب کر سکے۔ اور اعضاء کی طرف بھیج سکے۔ شیرینی تیزی سے جگر کی طرف پہنچتی ہے، اور جگر بھی اسے محبوب رکھتا ہے۔ خصوصاً جب تر کھجور ہوگی۔ تو جگر کا شوق قبولیت بھی تیز ہو جائیگا۔ چنانچہ دوسرے قویٰ کو اس سے خوب فائدہ حاصل ہوگا۔ لیکن اگر یہ نہ ہو۔ تو خشک کھجوریں ہی سہی جو شیریں ہیں اور مغذی بھی ہیں۔ لیکن اگر یہ بھی نہ ہوں۔ تو پانی کے چند گھونٹ جو التہاب معدہ اور روزے کی حرارت کو بجھا دیں۔ تاکہ اس کے بعد انسان کھانا کھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ اور (کھانے کی) اشتہا پیدا ہو جائے۔

ریحان: اللہ تعالےٰ نے فرمایا!

فاما ان کان من المقربین ہ فروح وریحان وجنت نعیم۔

(سو جو اگر وہ مردہ ہوا مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا) اور دوسری جگہ فرمایا!

والحب ذوالعصف والریحان۔

(اور اسی میں اناج ہے جس کے ساتھ بھس ہے اور پھول خوشبودار)

صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جسے ریحان پیش کیا جائے۔ وہ اسے رد نہ کرے۔ کیونکہ یہ وزن میں ہلکا اور اچھی خوشبو والا ہوتا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت اسامہؓ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا!

خبردار جنت کے لیے تیار رہو کیونکہ جنت کو کوئی خطرہ نہیں، کعبہ کے رب

کی قسم وہ ایک نور ہے جو جگمگا رہا ہے۔ اور وہاں ریحان ہیں جو ہل رہے ہیں، اور پختہ محل ہے اور بہتی نہر ہے۔ اور پکی ہوئی کھجوریں اور حسین و جمیل بیویاں، اور کثرت سے زیورات ہیں اور ایسا مقام جو ابد تک سلامتی کے گھر میں ہے۔ پھل والا سبزہ زار۔ انعامات و اکرامات کا قیام۔ بلند و بالا جگہ ہیں۔

(صحابہؓ) نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہاں! ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

آپؐ نے فرمایا! کہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

لوگوں نے عرض کیا،، انشاء اللہ۔

ہر خوشبودار بوٹی کو ریحان کہا جاتا ہے، چنانچہ ہر علاقے کے لوگ اُسے مخصوص نام سے یاد کرتے ہیں۔ اہلِ مغرب اُسے اٰس کہتے ہیں عرب اسے ریحان کہتے ہیں۔ اہلِ عراق اور شام کے لوگ اُسے حبق کا نام دیتے ہیں۔

اُس کا مزاج پہلے درجہ میں سرد اور دوسرے درجہ میں گرم ہوتا ہے، یہ اسہال صفراء کو روکتا ہے۔ گرم تر بخار میں گرم ہوتا ہے، یہ اسہال صفراء کو روکتا ہر گرم تر بخار میں نافع ہے۔ اسے سونگھا جائے، تو تفریح قلب میں از حد مفید ہے۔ اس کا سونگھنا وباء میں فائدہ بخش ہے، اسی طرح اسے گھر کے فرش پر بکھیرنا بھی مذکورہ فائدہ دیتا ہے۔

جب اس کے پتّوں کو کوٹ کر سرکہ میں ملا کر سر پر رکھا جائے تو نکسیر کو روکتا ہے۔

جب اس کے خشک پتوں کو کوٹ کر مرطوب زخموں پر اس کا سفوف ڈالا جائے تو فائدہ دیتا ہے۔

جب اس کے مطبوخ میں مریض بیٹھے تو کانچ نکلنے اور خروجِ رحم اور استرخائے مفاصل میں فائدہ مند ہے، جب ٹوٹی ہوئی ہڈی پر اس کا سفوف ڈالا جائے، جس پر ابھی گوشت نہ آیا ہو۔ تو نفع بخش ہے۔ نیز اس کے بھوسی، مرطوب زخموں پھنسیوں کو فائدہ دیتی اور اور گرتے ہوئے بالوں کو روکتی اور سیاہ کرتی ہے۔ اس کا بیج سینہ اور پھیپھڑے کے نفث الدم (خون تھوکنا) میں مفید ہے، معدہ

کو صحت دیتا ہے، اس کی جڑ سے خلال کرنا مضر ہے۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

رمان (انار) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فیھما فاکھۃ ونخل ورمان: ان دونوں میں پھل اور کھجور اور انار ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے موقوف اور مرفوع روایت ہے کہ تمہارے یہاں کا ہر انار جنت کے دانۂ انار کا پیوند ہے۔ حرب وغیرہ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا! انار کو اس کے شحم سمیت کھاؤ۔ کیونکہ وہ معدہ کی دباغت کرتی ہے۔

انار شیریں گرم تر اور معدہ کے لیے نہایت مقوی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں لطیف سی تبض کی صفت ہے۔ حلق، سینہ، اور پھیپھڑے کے لیے نافع ہے۔ کھانسی میں نہایت عمدہ ہے۔ اس کا آب ملین اور مغذی ہے، اس میں غذائیت قلیل مقدار میں ہے لیکن رقت اور لطافت کے باعث اس کا تحلل بڑی سرعت سے ہوتا ہے، بخار کی حالت میں مفید نہیں۔ اس میں ایک عجیب وصف ہے کہ جب اسے روٹی کے ہمراہ کھایا جائے۔ تو کھانے کو معدہ میں خراب ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ کھٹا انار قابض لطیف التہاب معدہ میں نافع ہے۔ اور دوسری ادویہ کی نسبت زیادہ اور ادرار بول کرتا ہے۔ مسکن صفرا، صفرا۔ قاطع اسہال ہے اور قے کو روکتا ہے، حرارتِ جگر کو بجھاتا ہے۔

حرف الزاء

زیت (زیتون) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ
لا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار ۔
یعنی! تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ۔"
ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، کہ آپؐ نے فرمایا! زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو۔
کیونکہ یہ ایک مبارک درخت سے نکلتا ہے۔ اور بیہقیؒ و ابن ماجہؒ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی طرح کی روایت کی ہے،
زیتون کا مزاج درجہ اوّل میں گرم تر ہے، یہ سمیات کا دافع، پیٹ کے امراض میں مفید ہے اور کیڑوں کو خارج کرتا ہے۔ پرانا زیتون زیادہ سخن اور محلل ہوتا ہے، اس کی تمام انواع بشرہ کو نرم کرتی اور بڑھاپے کو دور کرتی ہیں، نمک آمیز آب زیتون جل جانے کے باعث آبلے کو روکتا ہے، مسوڑوں کو مضبوط کرتا ہے، اس کے فوائد حد بیان سے باہر ہیں۔

زبد (مکھن) سنن ابی داؤد میں بشر سلیمیؓ کے دونوں بیٹوں سے مروی ہے انہوں نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم نے ان کی خدمت میں مکھن اور کھجوریں پیش کیں۔

مکھن گرم تر ہے۔ اس میں نضج و تحلیل کے فوائد بکثرت ہیں، عورتوں اور بچوں کے جسمی اورام کو فائدہ بخش ہے۔ اگر اسے بچے کے دانتوں کی جڑ پر لگایا جائے، تو دانت جلد نکل آتے ہیں۔

کھانے کی اشتہا کم کر دیتا ہے۔ شہد اور کھجور اس کے مصلح ہیں۔

زبیب (کشمش) اس کے متعلق دو احادیث مروی ہیں، لیکن وہ صحیح نہیں کشمش پہلے درجہ میں گرم تر ہے اور اس کا مغز (دانہ) سرد خشک ہے، اور یہ انگور کے مانند ہے، اگر شیریں سے حاصل کیا جائے تو گرم تر اثر رکھتا ہے، اور کھٹے سے حاصل کیا جائے تو قابض اور سرد ہوتا ہے، جب اس کا گودا (پوست وغیرہ) کھایا جائے۔ تو قصبہ الریہ (پھیپھڑہ کی نالی) کو مفید ہے۔ نیز کھانسی درد گردہ، مثانہ کو نافع ہے۔ شیریں کشمش مقوی معدہ، جگر اور طحال ہے، درد حلق اور سینہ، پھیپھڑے اور گردہ اور مثانہ کے درد کے لیے فائدہ بخش ہے، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اسے بیج کے بغیر ہی کھایا جائے۔ اس صورت میں یہ ایک صالح غذا ہے اور خشک کھجور کی طرح سدّے پیدا نہیں کرتا، نیز قوت حافظ کے لیے فائدہ مند ہے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں، جو حدیث حفظ کرنا چاہے۔ تو اسے زبیب کھانا چاہیے۔

زنجبیل (سونٹھ) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا۔ (اور یہ لوگ پلائے جائیں گے وہاں وہ پیالہ جس کا مزاج سونٹھ والا ہوگا) ابونعیمؒ نے کتاب الطب النبوی میں حضرت ابی سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ شاہ روم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں زنجبیل کی ایک تھیلی ہدیۃً بھیجی، آپؐ نے ہر آدمی کو ایک ایک ٹکڑا

کھلایا۔ اور مجھے بھی ایک ٹکڑا دیا،

زنجبیل دوسرے درجہ میں گرم اور پہلے میں تر ہوتا ہے، مسخن اور کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ملین ہے۔ سردی اور تری کے باعث پیٹ میں واقع ہونے والے سدّوں کے لیے نافع ہے۔ انتڑیوں اور معدہ میں ریاح غلیظہ کی تحلیل کرتا ہے۔ اور عمومی طور پر سرد مزاج معدہ اور جگر کے لیے نافع ہے۔ بلغم کی تحلیل اور تنقیح کے لیے معجونوں میں بھی اسے ڈالا جاتا ہے۔ اور گرم خشک ہوتا ہے۔ مہیج باہ اور مزید منی ہے۔ معدہ و جگر کی تسخین کرتا ہے۔ بلغم چھانٹتا ہے۔ جگر و معدہ کی برودت دور کرتا ہے۔ رطوبات کو زائل کرتا ہے، ثقیل اور بارد، ماکولات کا ضرر اس سے رفع ہو جاتا ہے[1]

---

[1] طب اسلامی، جو غلط طور پر طب یونانی کے نام سے زبان زد خلائق ہے، زنجبیل کے فوائد سے معمور ہے، وید ک میں بھی اس کے فوائد کا فیاضی کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے، جدید ڈاکٹری بھی اس کے منافع کا اقرار کرتی ہے۔ اور تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ امراض معدہ اور امعاء و احشاء میں اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں، حد شمار سے خارج ہیں۔

لیکن یہ میوہ، یا کوئی اور چیز، ان سب چیزوں کے استعمال میں بنیادی طور پر جو چیز ملحوظ رکھنی چاہیے، وہ ہے اعتدال، اگر اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو مفید سے مفید چیز بھی زہر بن سکتی ہے، اور اس سے جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، جو لوگ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہیں، وہ خدا کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں، اور جو انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ بیماری اور علالت کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرتے ہیں۔

حرف السین

سنا سنا اور سنوت کے متعلق گزر چکا ہے۔

سفر جل ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں روایت درج کی ہے کہ طلحہؓ کہتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کے ہاتھ میں سفر جل تھا، آپ نے فرمایا! اے طلحہؓ یہ لو کیونکہ یہ دل کو قوت دیتا ہے۔

یہ سرد اور قابض ہوتا ہے۔ معدہ کے لیے اچھی چیز ہے۔ شیریں سفر جل سرد خشک ہوتا ہے اور اعتدال کی طرف مائل ہوتا ہے۔ البتہ کھٹا سخت سرد خشک ہوتا ہے، سفر جل کی تمام انواع پیاس اور قے کو سکون بخش ہیں۔ مدر بول اور زخم امعاء نفث الدم اور ہیضہ میں مفید ہے۔ نیز ابکائیاں آنے میں فائدہ بخش ہے۔ جب اسے کھانے کے بعد استعمال کیا جائے۔ تو تبخیر کو روکتا ہے۔ اس کا بکثرت استعمال اعصاب کے لیے مضر ہے۔ نیز قولنج پیدا کرتا ہے۔ سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ اسے بھون کر یا شہد میں پکا کر کھایا جائے۔ اس کے حبوب خشونت حلق و قصبۃ الریہ (پھیپھڑے کی نالی) میں مفید ہیں، اس کا روغن

پسینہ کو روکتا ہے اور معدہ کو قوت دیتا ہے۔

مسواک صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اگر میں اپنی امت پر اسے دشوار نہ سمجھتا۔ تو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو مسواک سے منہ صاف فرماتے۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ مسواک منہ کو پاک کرنے والی (اور) پروردگار کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس کے متعلق کثرت سے احادیث ہے۔ سب سے عمدہ مسواک درخت راک کی ہے۔ اور نامعلوم قسم کے درخت کی مسواک ٹھیک نہیں، کیونکہ بعض اوقات وہ زہریلہ ہوتا ہے اس کے استعمال میں اعتدال ضروری ہے اگر زیادہ استعمال کیا تو دانتوں کی چمک دمک چلی جاتی ہے۔ اور جب اعتدال کے ساتھ اسے استعمال کیا جاتا ہے تو دانتوں کو جلا کرتی ہے۔ جڑوں کو مضبوط اور زبان کو صاف کرتی ہے۔ نیز دماغ کو صاف کرکے کھانے کی اشتہا پیدا کرتی ہے۔ اور سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اسے عرق گلاب میں تر کرکے استعمال کیا جائے۔

مسواک میں کئی فوائد ہیں، یہ منہ کو خوشبودار کرتی، مسوڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔ بلغم چھانٹتی اور بینائی کو تیز کرتی ہے۔ دانتوں کی زردی دور کرتی ہے۔ اور معدہ کو درست کرتی ہے آواز صاف کرتی ہے۔ نیز کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے، مجاری کلام کو کھولتی اور قراءت اور نماز کے لیے نشاط پیدا کرتی ہے۔ نیند کو ہٹاتی اور پروردگار کو راضی کرتی ہے۔

سنن میں حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت بار مسواک کرتے دیکھا، حالانکہ آپ روزہ کی حالت میں ہوتے۔

سمن (گھی) محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مسند سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ تمہارے لیے گائے کا دودھ (پینا) ضروری ہے۔ کیونکہ یہ شفاء ہے، اور اس کا گھی دواء ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔

گھی درجہ اول میں گرم تر ہوتا ہے۔ نیز اس میں قدرے جلاء اور لطافت ہوتی ہے اور نرم ابدان میں پیدا ہونے والے اورام کے لیے شفا بخش اثر رکھتا ہے۔ اگر اسے شہد اور بادام کے ساتھ ملا لیا جائے تو سینہ اور پھیپھڑوں اور غلیظ لزج کیموس جلا کرتا ہے البتہ یہ معدہ کے لیے مضر ہے۔ خصوصاً اگر مریض کا مزاج بلغمی ہو۔ گائے اور بکری کا گھی جب شہد کے ہمراہ ملا کر استعمال کیا جائے۔ تو سمیّتِ قاتلہ کو مفید ہے۔ نیز سانپ اور بچھوڈ سنے میں مفید ہے۔"

کتاب ابن سنی میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا! گھی سے بہتر چیز کوئی نہیں جس سے لوگوں کو شفاء ہوتی ہے۔

سمک (مچھلی) مسند احمدؒ اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے۔ مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلّی۔

مچھلی کی کئی انواع ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ وہ ہے جس کا ذائقہ لذیذ اور خوشگوار اور اس کا جسم متوسط ہو نیز اس کی جلد پتلی ہو۔ اور اس کا گوشت نہ سخت ہو نہ خشک ہو۔ نیز یہ پانی میں ہو۔ تنکوں کی بجائے پودے کھاتی ہو۔ اور ان میں بھی سب سے اعلیٰ و افضل وہ ہے جو کہ کسی عمدہ نہر میں پائی جائے۔

سمندر کی مچھلی افضل اور لطیف ہوتی ہے، اور تازہ مچھلی سرد تر دیر ہضم اور مولد بلغم ہے۔ (یہ صفت) سمندری مچھلی میں نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ مچھلی اچھے اخلاط پیدا کرتی ہے اور بدن تر و تازہ کرتی منی بڑھاتی اور گرم مزاج کی اصلاح کرتی ہے۔

مچھلی میں سب سے اچھا حصہ اس کا پچھلا حصہ ہے۔

حرف الشین

شونیز یہ سیاہ رنگ کے دانے ہوتے ہیں۔ اس کا ذکر حرف حاء میں گذر چکا ہے۔

شبرم شبرم چھوٹا درخت ہے۔ اس کی بلندی آدمی کے قد کے برابر ہوتی ہے اعلیٰ قسم وہ ہے جس کی شاخیں سُرخ ہوں اور چمک رکھتی ہوں۔ اور شاخوں کے آخر میں پتوں کا ایک گچھا سا ہو، اس کی شاخوں کا چھلکا اور شاخوں کا دودھ مستعمل ہے۔ یہ چوتھے درجہ میں گرم خشک ہوتا ہے۔ سودا اور غلیظ کیموس کا مسہل ہے، نیز زرد پانی اور منّی اور سخت بلغم کا مسہل ہے۔ اسے کثرت سے استعمال کرنا مہلک ہے۔ اور جب اسے استعمال کیا جائے۔ تو چاہیئے کہ اسے ایک شب و روز دودھ میں تر رکھا جائے۔ اور دن میں دو یا تین بار دودھ بدل دیا جائے۔ پھر اسے نکال کر سایہ میں خشک کر لیا جائے۔ اور اس کے ساتھ گلاب کی آمیزش کر لی جائے۔ اور آبِ شہد کے ہمراہ یا عصار انگور کے ہمراہ استعمال کیا جائے۔ اور اس کی مقدار خوراک بقدر برداشت چار سے دو دانق ہے۔

حنین فرماتے ہیں، کہ شبرم کے دودھ میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا استعمال ناقع ہے۔ کیونکہ کئی اطباء نے اس سے مریضوں کو ہلاک کیا ہے۔

شعیر (جو) ابن ماجہ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کسی کو بخار ہو جاتا تو آپ جو کا دلیا سا بنانے کا حکم دیتے۔ وہ بنایا جاتا اور پلایا جاتا۔ پھر آپ فرماتے۔ کہ یہ غمگیں کے دل کو قوت دیتا اور بیمار کے لیے دل کو سرور پہنچاتا ہے۔ جیسے کہ تم میں کوئی چہرے پر پانی ڈال کر فرحت محسوس کرتا ہے۔ اور یہ تو گذر چکا ہے کہ ابلے ہوئے جو کا جو، پانی ہوتا ہے۔ اس میں ستو سے زیادہ غذائیت ہوتی ہے۔ یہ کھانسی اور خشونت حلق کے لیے مفید ہے، حدت فضلات کے لیے نافع ہے۔ مجلی معدہ ہے۔ پیاس بجھاتا اور حرارت کو دور کرتا ہے۔ اس میں مجلی۔ ملطف اور محلل قوت پائی جاتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اعلیٰ قسم کے جو میں پانچ گنا شیریں پانی ڈال کر آب جو حاصل کیا جائے اسے صاف کر کے حسب ضرورت استعمال کیا جائے

شحم (چربی) مسند میں حضرت انس سے مروی ہے، ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کی۔ اور آپ کی خدمت میں جو کی روٹی اور باسی چربی پیش کی۔ صحیح روایت میں حضرت عبداللہ بن مغفل سے ثابت ہے کہ خیبر کے روز چربی کا ایک مشکیزہ ہاتھ آیا۔ چنانچہ میں اس سے چمٹ گیا، اور میں نے کہا! بخدا اس میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا۔ میں نے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔[1]

سب سے بہتر چربی اس جانور کی ہوتی ہے۔ جو مکمل عمر والا ہو۔ یہ گرم تر اثر رکھتی ہے۔ اور گھی سے کم مرطوب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب چربی اور گھی پگھلایا جائے تو چربی جلدی جم جاتی ہے۔ یہ خشونتِ حلق میں نافع ہے۔ نیز استرخاء اور تعفن پیدا کرتی ہے۔ اس کا ضرر نمکین لیموں، سونٹھ سے دور کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] یعنی ناراض نہیں ہوئے۔

حرف الصاد

صلوٰۃ نماز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ ۔

نیز فرمایا!
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔
(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو مدد چاہو ۔ ساتھ صبر اور نماز کے ۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

نیز فرمایا! وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔
اور حکم دے اپنے اہل کو نماز کا ۔ اور اس پر صبر کر ، ہم تم سے کسی رزق کا سوال کرتے ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور (اچھا) انجام پرہیزگاری کے لیے ہے ۔)
سنن میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو آپؐ نماز کی طرف فوراً متوجہ ہو جاتے ۔
نماز رزق لانے والی ، صحت کی محافظ ۔ تکالیف دُور کرنے والی اور مقوی قلب ہے ۔ نیز چہرے اور روشن کرتی اور طبیعت کو فرحت بخشتی ہے کاہلی کو دُور کر کے تمام اعضاء میں نشاط لاتی قوتوں کی مدد اور شرح صدر کرتی ہے ۔ نیز روح کے لیے غذا ہے قلب کو روشن کرتی انعامات کی محافظ عذاب کی دافع ۔ حصول برکت کا ذریعہ

شیطان سے دور کرنے والی اور دشمن کا قرب نصیب کرنے والی عبادت ہے۔ الغرض نماز دنیا و آخرت کی تکالیف دُور کرنے میں ایک عجیب و غریب اثر ہے۔ خصوصاً اس وقت جب اس کے تمام ظاہری و باطنی قواعد کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور اس کا راز یہ ہے کہ نماز اللہ تبارک و تعالےٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر دیتی ہے اور اللہ تبارک و تعالےٰ کے ساتھ بندے کا جتنا زیادہ تعلق ہوگا۔ اتنے ہی اس پر خیر کے دروازے کھلتے جائیں گے اور تکالیف کے دروازے بند ہوتے جائیں گے۔

صبر صبر کرنا نصف ایمان ہے۔ کیونکہ ایمان صبر اور شکر سے مرکب ہے بعض سلف ؒ سے منقول ہے، کہ ایمان کے دو برابر حصّے ہیں، ایک صبر اور ایک شکر۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے! ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور۔ اور ایمان کے لیے صبر ایسا ہی ہے۔ جیسا بدن کے لیے صبر،

صبر کے تین اقسام ہیں، ایک اللہ کے فرائض پر صبر کرنا۔ کہ انہیں پابندی سے ادا کرے اور ایک محارم پر صبر کرنا۔ ان کا ارتکاب نہ کرے، اور ایک اللہ کی قضا و قدر پر صبر کرنا۔ کہ اس پر ناراض نہ ہو۔

حضرت عمر بن رضؓ خطاب فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے صبر کے ذریعہ بہترین زندگی حاصل کی ہے۔ اور جسم و دل کے اکثر امراض بے صبری کے باعث پیدا ہوتے ہیں اس لیے صبر سے زیادہ کوئی ایسی چیز نہیں، جس کے ذریعہ بدن و قلب اور روح کی صحت قائم رکھی جا سکے۔

صبر (ایلوا) سنن ابی داؤد میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ کہ جب ابو سلمہؓ نے وفات پائی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ایلوا لگا رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے ام سلمہؓ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول یہ (ایلوا) صبر ہے۔ اور اس میں خوشبو نہیں

آپؐ نے فرمایا۔ یہ چہرے کو صاف کرتا ہے، اسے رات ہی کو استعمال کیا کرو۔ آپؐ نے دِن کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

ایلوے میں بہت سے فوائد ہیں، خصوصاً صبر ہندی میں، یہ دماغ اور اعصاب و بصارت کے صفراوی خراب مادّوں کا تنقیہ کرتا ہے۔ جب اسے روغن گلاب میں حل کرکے پیشانی اور کنپٹیوں پر ملا جائے۔ تو دردِ سر میں فائدہ دیتا ہے۔ نیز یہ ناک اور منہ کے زخموں میں بھی نافع ہے سوداء اور مالیخولیا کے مادہ کا مسہل ہے، ایر فارسی عقل کا تزکیہ کرتا دِل کو قوت دیتا اور معدہ اور دماغ کے صفراوی زائد مواد کا تنقید کرتا ہے۔ اس کے دو چمچے پانی کے ساتھ پینے چاہئیں۔

صوم (روزہ) روزہ قلب و روح اور بدن کا علاج ہے۔ اس کے فوائد بے شمار ہیں، حفظانِ صحت اور فضلات ختم کرنے میں ایک عجیب تاثیر ہے۔

روزہ ادویہ روحانیہ اور جسمانیہ ہر دو میں داخل ہے کیونکہ محض کھانا پینا چھوڑ دینے کے بجائے قصداً روزہ رکھنا ایک دوسرا فعل ہے، اسی وجہ سے یہ تمام اعمال میں زیادہ مخصوص شمار کیا گیا۔ اور چونکہ بندے اور اس کے قلب و بدن کے لیے مضر چیز کے درمیان عاجل اور آجل (دنیا و آخرت) ہر جگہ ڈھال اور پرہیز ہے تو اللہ تعالٰے نے بھی حکم فرمایا! يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے۔ تم پر بھی فرض کیے گئے روزے جیسے فرض کیے گئے ان پر جو تم سے پہلے تھے۔ شاید کہ تم بچ سکو۔

روزہ کا دوسرا مقصد اللہ تعالٰے پر قلبی توکل اور اس کی طاعت و محبت میں قوائے نفس کا دقوِ انہماک ہے۔

حرف الضاد

ضب (گوہ) صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوہ پیش کی گئی تو آپؐ اس کے کھانے سے رک گئے۔ دریافت کیا گیا! کیا یہ حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا! نہیں ہے لیکن یہ میری قوم کی سرزمین میں نہیں ہوتی اس لیے میں اس سے بچتا ہوں۔ ویسے گوہ آپؐ کے سامنے، آپؐ کے دسترخوان پر کھائی گئی۔ اور آپ دیکھتے رہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ میں اسے حرام کرتا ہوں۔ گرم خشک ہوتی ہے۔ شہوت جماع کو قوی کرتی ہے جب اسے کوٹ کر کانٹا چبھنے کی جگہ پر رکھا جائے۔ تو اسے جذب (باہر نکال) دیتی ہے۔

ضفدع (مینڈک) امام احمدؒ نے فرمایا: کہ دوا میں ابھی مینڈک استعمال کرنا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

صاحب قانون کہتے ہیں۔ کہ جو مینڈک کا خون پیئے یا اسے کھائے اس کا بدن متورم ہو جاتا ہے۔ اس کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اس کی منی ختم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اطباء نے اس کی مضرت کے پیش نظر اس کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ آبی اور خاکی۔ خاکی کا کھانا ہلاکت کا باعث ہے۔

حرف الطاء

طیب (خوشبو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری دنیا کی دو چیزیں مرغوب ہیں۔ عورت اور خوشبو[1] میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

آپؐ کثرت سے خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے۔ بدبو سے آپؐ کو از حد اذیت ہوتی۔

طین (مٹی) اس کے متعلق موضوع احادیث مروی ہیں، جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ مثلاً جس نے مٹی کھائی، اس نے اپنے آپ کو قتل کرنے میں مدد دی۔

مٹی کے متعلق تمام احادیث نہ صحیح ہیں۔ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مٹی خراب چیز ہے۔ مضر ہے اور مجاری عروق کو بند کرتی ہے۔ نیز یہ سرد خشک سخت ترین مجفف ہے۔ پیٹ کی تلیین کو بند کرتی ہے۔ نفث الدم اور منہ کے زخموں کا باعث ہوتی ہے۔

طلح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ طلح منضود (کیلے ہیں تہہ بہ تہہ) اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ کیلا ہے اور منضود کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے پر گتھا

---

[1] اس لیے کہ عورت مرد کے لیے وجہ سکون و طمانیت ہے۔ اور خوشبو نشاط قلب و روح کا سبب ہے۔

ہوا، جیسے کنگھی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ طلح ایک خاردار درخت کا نام ہے۔ ہر کانٹے کی جگہ پر ایک پھل اُگ آتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے گھس جاتا ہے جیسے کیلا ہوتا ہے۔

یہ گرم تر ہوتا ہے اور اس میں اعلیٰ قسم وہ ہے جو پختہ اور شیریں ہو۔ یہ خشونت سینہ۔ ریح اور کھانسی گردوں اور مثانہ کے زخموں میں فائدہ بخش ہے۔ مدر بول مزید منی اور محرکِ شہوت ہوتا ہے۔ بلیّن ہے اور کھانے سے قبل کھایا جاتا ہے۔ معدہ کے لیے مضر ہے۔ صفراء اور بلغم بڑھاتا ہے۔ اس کا ضرر شکر یا شہد سے دور کیا جا سکتا ہے۔

طلع اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والنخل باسقات لها طلع نضید: یعنی اور کھجوریں ہیں لمبی کہ ان کا خوشہ سے تہہ بہ تہہ۔ طلع النخل سے مراد وہ (کھجور کا) پھل ہے جو شروع میں ظاہر ہو۔

"طلع" کی دو اقسام ہیں، ایک مذکر اور دوسری مونث، اور صحیح مسلم میں حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ سے مروی ہے، انہوں نے بتایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھجوروں کے ایک باغ میں سے گزرا، تو آپ نے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ پیوند لگا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا۔ یہ مذکر اور مونث میں پیوند لگا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نہیں سمجھتا کہ اس سے انہیں کچھ فائدہ ہوگا۔ انہیں خبر ہوئی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ چنانچہ (اس بار) فصل اچھی نہیں ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ میرا ذاتی خیال تھا اس لیے اگر مفید ہو تو ایسا کر لیا کرو۔ میں تو تم جیسا کہ ایک بشر ہوں۔ اور ظن سے بعض اوقات غلط ہوتا ہے اور بعض اوقات درست ہوتا ہے۔ البتہ جو کچھ میں اللہ عزوجل کی جانب سے حکم دوں تو اس میں میں اللہ پر جھوٹ نہیں بولتا۔ (انتہیٰ)

کھجور کا ابتدائی پھل (طلع النخل) مقوی باہ ہوتا ہے عورت اسے قبل از

میں کثرت استعمال کرے، تو حمل قرار پانے میں ازحد معین ہوتا ہے۔ یہ برودت یبوست کے اعتبار سے دوسرے درجہ میں ہے۔ مقوی معدہ اور مجفف ہے، غلیظ اور دیر ہضم ہونے کے باوجود مسکّن دم ہے۔ صرف گرم مزاج لوگ اسے برداشت کر سکتے ہیں۔ اور جو اسے کثرت سے استعمال کر بیٹھے اسے چاہیے کہ وہ کچھ گرم جوارشات بھی کھالے۔ یہ پھل طبیعت کو درست کرتا ہے۔ انتڑیوں کو قوت دیتا ہے۔

حرف العین

عنب (انگور) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منقول ہے کہ آپؐ انگور اور خربوزے کو پسند فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے انگور کا اپنی کتاب میں چھ مواقع پر تذکرہ فرمایا ہے۔ اور یہ بندوں پر اس دنیا اور جنت میں بھی اللہ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ یہ تمام پھلوں سے افضل ہے اور فائدہ بخش ہے۔ اسے تر اور خشک کچا اور پکا ہر طرح کھایا جاتا ہے۔ یہ پھلوں کے ساتھ پھل غذا کی طرح غذا، سالن کی طرح سالن دوا کی طرح دوا، اور مشروب کی طرح مشروب ہے۔ اس کا مزاج گرم تر ہے۔ اعلیٰ قسم بڑے آبی انگور کی ہے اور سفید سیاہ کی نسبت زیادہ اچھا ہے۔ اور دو یا تین دن کا توڑا ہوا تازہ توڑے ہوئے سے بہتر ہے کیونکہ تازہ نفاخ اور پیٹ کے لیے ملین ہوتا ہے۔ یہ ایک عمدہ غذا ہے۔ مقوی بدن ہے، اس کے کثرت استعمال سے دردِ سر پیدا ہو جاتا ہے۔ انار سے اس کی حضرت دور کی جا سکتی ہے۔ انگور کا فائدہ یہ ہے کہ یہ مسہل ہے۔ فربہ کرتا ہے عمدہ غذا ہے۔

عسل (شہد) اس کے فوائد گزر چکے ہیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ زہری نے فرمایا، تمہیں شہد کھانا، واجب ہے، کیونکہ یہ حفظانِ صحت کے لیے نہایت عمدہ ہے۔ اور سب سے اعلیٰ وہ ہے جو سب سے زیادہ صاف اور سفید ہو، اور نرم اور خوب شیریں ہو، جو کہ پہاڑوں سے حاصل کیا جائے اور شہد کی مکھی چراگاہ کے لحاظ سے اس درخت کی ہو جو سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

عجوہ صحیحین میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھا لے۔ اُسے اس روز کوئی زہر اور جادو ضرر نہیں دے گا۔ سنن نسائیؒ اور ابن ماجہؒ میں حضرت جابرؓ اور ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ عجوہ جنت کا پھل ہے، اور یہ زہر کا تریاق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صفت مدینہ کی عجوہ میں ہے۔

عجوہ کھجور کی اقسام میں سے ایک ہے اور یہ قسم حجاز کی تمام اقسام کھجور سے اعلیٰ و افضل ہے۔ یہ ایک بہترین نوع ہے جو انتہائی لذیذ ہوتی ہے۔ بدن کو فربہ اور قوی کرتی ہے۔ اور کھجور کی تمام اقسام سے زیادہ نرم۔ عمدہ اور ذائقہ دار ہوتی ہے۔

عنبر عنبر ایک قسم کی گراں ڈیل مچھلی بھی ہے اور ایک قسم کی خوشبو بھی، مشک کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ یہ سونے کی طرح طویل مدت تک بھی خراب نہیں ہوتا۔

اس کی کئی انواع و اقسام ہیں۔ اس کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ سفید۔ گندمی سرخ زرد، سبز۔ نیلا سیاہ اور دورنگا۔ سب سے اعلیٰ قسم (شہب رنگ کی طرح) پھر نیلا پھر زرد اور سب سے خراب نوع سیاہ کی ہوتی ہے۔ اس کا مزاج گرم خشک ہوتا ہے۔ مقوی قلب، دماغ و حواس و اعضائے بدن ہے۔ فالج۔ لقوہ۔ امراض بلغمیہ اور ریاح غلیظ میں نافع ہے۔ جب اسے پیا جائے یا باہر سے طلاء کیا جائے تو سردوں میں بھی مفید ہے۔ جب اس کا بخور لیا جائے تو زکام، درد سر اور سر درد شقیقہ میں بھی فائدہ بخش ہے۔

عود عود ہندی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دوا میں استعمال ہوتی ہے۔ اسے کست کہتے ہیں۔ نیز اسے قسط بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ (حرف ق) میں آئے گا۔ دوسری خوشبو میں استعمال کی جاتی ہے۔ اسے الوہ بھی کہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہؓ الوہ (عود) کی دھونی لیا کرتے اور ساتھ ہی کافور ڈال دیتے، اور فرمایا کرتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

طرح دھونی لی تھی۔ اہلِ جنت کے انعامات کے تذکرہ میں بھی آیا ہے کہ اہل جنت کی انگیٹھیاں بھی عود کی ہوں گی۔ اور اس کی کئی اقسام ہیں۔ سب سے اعلیٰ نوع سیاہ، اور نیلی، جو سخت اور روغنی ہو۔ اور سب سے گھٹیا وہ ہے جو ہلکی ہو اور پانی پر تیر جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک درخت ہوتا ہے جسے کاٹ کر ایک سال تک زیرِ زمین دفن کر دیتے ہیں۔ پھر غیر مفید حصہ زمین کھا جاتی ہے۔ اور خوشبودار عود باقی رہ جاتی ہے۔ یہ تیسرے درجہ میں گرم خشک ہے۔ جو اس کو قوی کرتی ہے۔ اور مثانہ کی سردی کے باعث پیدا ہونے والے سلسل بول میں فائدہ دیتی ہے۔

حرف الغین

غیث غیث، یعنی بارش کا تذکرہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ اس کا پانی ہر پانی سے زیادہ افضل، لطیف، فائدہ بخش اور برکت عظیم کا حامل ہے خصوصاً اس وقت جب کہ گرجدار بادلوں سے بارش ہو، اور یہ پانی شفاف پہاڑوں پر جمع ہو۔ یہ ہر پانی سے زیادہ مرطوب ہوتا ہے۔ کیونکہ زمین پر یہ دیر تک نہیں رہتا کہ اس کی یبوست بھی اپنائی ہو۔ اور نہ ابھی اس میں کوئی خشک جوہر مخلوط ہوتا ہے اسی لطافت اور سرعتِ انفعال کے باعث یہ پانی جلدی سے متغیر اور متعفن ہوجاتا ہے آیا جاڑے کی بجائے بہار کی بارش افضل ہوتی ہے، یا اس کے برعکس معاملہ ہے؟ اس باب میں دو قول ہیں جس نے جاڑے کی بارش کو افضل کہا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت سورج کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ اس وجہ سے سمندر سے طرف لطیف زمین حصّہ کی تبخیر ہوتی ہے۔ اور فضا بھی صاف ہوتی ہے۔ اس میں غبار یا بخارات دخانیہ نہیں ہوتے جو کہ اکثر پانی کے ساتھ آمیز ہو جاتے ہیں ان تمام وجوہ کی بناء پر اس کی لطافت۔ صفائی اور کسی دوسری آمیزش سے تحفظ کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور جس نے بہار کی بارش کو ترجیح دی اس کی دلیل یہ ہے کہ حرارت بخاراتِ غلیظہ کو تحلیل کر دیتی ہے اور ہوا کی رقت و لطافت کا موجب بنتی ہے۔ اس وجہ سے پانی خفیف ہو جاتا ہے اس میں ارضی اجزاء کم ہوجاتے ہیں۔ پودوں اور درختوں کی پیدائش کے مناسب موقع پر یہ بارش ہوتی ہے جب ہوا بھی اچھی حالت میں ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے چنانچہ بارش ہوئی۔ آپ نے اس کا پانی بارنوش فرمایا اور فرمایا، کہ یہ اپنے پروردگار کے پاس سے نیا نیا آیا ہے

حرف الفاء

فاتحۃ الکتاب یہ ام القرآن، سبع مثانی۔ شفائے تام۔ دوائے نافع، رقیۂ تامہ کلید غناء محافظ قوت اور دافع غم و حزن اور وہم و خوف ہے۔ جو بھی اس کی قدر کو پہچان لے اور اسے پڑھنے کا حق ادا کرے۔ اور طریقہ طب شفاء و علاج سے واقف ہو۔ اور اس راز سے بھی آگاہ ہوگا، جس کے باعث یہ برکات حاصل ہوتی ہیں۔ جب صحابہؓ کو ان اسرار کی خبر ہوئی تو ایک صحابیؓ سے سانپ ڈسنے پر دم کیا۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔

معرفت الٰہی۔ اعمال قلوب، امراض قلب کے تمام معالجات سورہ فاتحہ میں ذکر ہیں۔ یہ ہی کنجی ہے۔ اور ان پر روشنی ڈالنے والی ہے۔ اور رب العالمین کی جانب جانے والے تمام راستوں کی منزل اس میں مذکور ہے۔ اور اللہ کی قسم اس کی شان اس سے بھی کہیں بالا و بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفائے تام عصمت بالغہ، نور مبین بناکر نازل فرمایا۔ اور اگر خزانوں کے متلاشی اس سورت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہو جائیں۔ اور اس کے معانی سے واقف ہو جائیں۔ اور اس کنجی کو خوب مضبوطی سے پکڑ لیں، تو بغیر مشقت اور رکاوٹ کے وہ بڑے بڑے خزائن کے مالک بن جائیں۔ اور یہ الفاظ محض مجازی یا استعارۃً نہیں بلکہ حقائق ہیں لیکن اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے اکثر لوگوں سے ان رموز کو مخفی رکھا ہے، جیسے زمین کے خزانوں کو مخفی رکھنے میں اس کی حکمت ہے۔ اور خزائن

کے سامنے شیطانی خبیث ارواح حائل ہیں، اور ان پر صرف ارواح علویہ ہی قابو پا سکتی ہیں۔ ایمان ہی ان کا ہتھیار ہے جس کے سامنے شیاطین قطعاً نہیں ٹھہر سکتے اور اکثر لوگ اس حالت میں نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے نہ وہ ان ارواح (خبیثہ) کے سامنے ٹھہر سکتے ہیں اور نہ ان پر قابو پا سکتے ہیں۔ اور ان کا سلب[1] حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ جو کسی کو (میدانِ جہاد میں) قتل کرے اس کا سلب اسی قاتل کے لیے ہوتا ہے۔

فاغیہ یہ مہندی کا عطر ہوتا ہے۔ اور یہ تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبو والا ہوتا ہے۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں حضرت عبداللہؓ بن بریدہ سے انہوں نے اپنے والدؓ سے مرفوع روایت کی، کہ دنیا و آخرت میں تمام خوشبوؤں کا سردار (فاغیہ) (عطرِ حنا) ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ فاغیہ کی خوشبو محبوب تھی۔ ان احادیث کی صحت کا حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔ ہم نہیں جانتے۔

یہ حرارت و یبوست میں معتدل ہے۔ اس میں کچھ قابض کیفیت ہوتی ہے۔ جب اسے سوت کے کپڑوں کی تہہ میں رکھا جاتا ہے تو کیڑے سے اس کی حفاظت کرتی ہے۔ نیز فالج اور تمدد کے مرہموں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس کا روغن اعضائے بدن کی تحلیل کرتا اور اعصاب کو نرم کرتا ہے۔

فضہ چاندی سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ نیز آپؐ کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا نیز لباس میں چاندی لگاتے تھے اس کا زیور بنانے کی ممانعت اسی طرح ثابت نہیں، جیسے اس کے برتن میں پانی پینے

---

[1] حریف کا ساز و سامان اور لباس وغیرہ۔

کی ممانعت ہے۔ اور برتنوں کا معاملہ لباس اور زیور سے زیادہ تنگ ہے۔ اسی وجہ سے عورتوں کو اس کا لباس اور زیور حلال ہے۔

سنن میں مروی ہے کہ "چاندی سے کھیلو۔ اب ممانعت کے لیے ضرورت اس کی ہے کہ ایک واضح دلیل نص یا اجماع سے ثابت ہو۔ اب اگر دونوں میں سے ایک بھی ثابت ہو جائے تو مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ میں سونا اور دوسرے میں ریشم پکڑا اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں پر حلال ہیں۔ اور چاندی بھی زمین پر اللہ کے اسرار میں سے ایک راز اور بھید ہے اور اہل دنیا پر آپس کے معاملات قائم رکھنے کے لیے احسان ہے۔ اس کا مالک بڑا سمجھا جاتا ہے۔ مجلس میں اس کا اعلیٰ مرتبہ ہوتا ہے نہ اس سے مجالست رکھنے میں کوئی اکتاہٹ محسوس کرتا ہے نیز یہ مفرح ادویات میں سے ہے۔ غم وحزن۔ ضعفِ قلب میں پیدا ہونے والے اخلاطِ فاسدہ کو جذب کر لیتی ہے۔ خصوصاً اگر اسے شہد مصفیٰ اور زعفران میں ملا کر استعمال کیا جائے۔ اس کا مزاج سرد خشک ہوتا ہے۔ اور اس سے حرارت ورطوبت بھی پیدا ہوتی ہے۔

وہ جنت جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے بنا رکھی ہیں، چار ہیں دو سونے کی ہیں، اور دو چاندی کی ہیں۔ اور ان کے برتن اور لباس بھی اسی کے ہیں۔ صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور نہ ان کی طشتریوں میں کھاؤ کیونکہ یہ دنیا میں ان (کفار) کے لیے ہے اور آخرت میں تمہارے لیے ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی حرمت کی علت، سکے" میں کمی آجانے کا خطرہ ہے، کیونکہ جب اس سے برتن بنائے گئے تو جس حکمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا تھا کہ بنی آدم کے مصالح (ملکی وخرید وفروخت) اس سے طے پائیں وہ فوت ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی علت فخر وغرور ہے۔

ایک قول میں اس کی علت یہ ہے کہ فقراء و مساکین جب یہ برتن دیکھیں گے تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ اور صحیح یہ ہے۔ اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ان کے استعمال سے عبودیت کی منافی اور متضاد حالت سامنے آتی ہے۔ اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دنیا میں کفار کے لیے ہے۔ کیونکہ انہیں دنیا میں عبادت میں سے کچھ حصہ نہیں ملا، جس کے ذریعہ وہ آخرت کما سکیں۔ اس لیے اللہ کے بندوں کے لیے دنیا میں اس کا استعمال درست نہیں، انہیں صرف وہی استعمال کرتا ہے، جو کہ اللہ کی عبودیت سے خارج ہو گیا۔ اور دنیا کی سہولتوں پر راضی ہو گیا۔

حاشیہ صفحہ نمبر ۵۶۷ کا! لیکن یہ علت وزنی نہیں ہے۔ کیونکہ زیورات کے مقابلہ میں برتنوں کا استعمال کبھی بھی عام نہیں تھا۔

حرف القاف

قرآن اللہ تعالٰے نے فرمایا:
ونتزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمومنین۔
نیز اللہ تعالٰے نے فرمایا: یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور۔ یعنی (اے لوگو! تمہارے پاس آئی نصیحت تمہارے رب کی جانب سے اور شفاء واسطے اس کے جو کہ سینوں میں ہے) تو قرآن تمام امراض قلبی وبدنی کے لیے اور دنیا وآخرت کے تمام دکھوں کے لیے شفائے تام ہے۔ اور ہر آدمی جو اس کا اہل ہو وہ ضرور اس سے شفاء حاصل کرتا ہے بشرطیکہ اس سے بہترین طور پر علاج کیا جائے۔ پورے صدق وایمان، قبولِ تام، پختہ اعتقاد اور تمام شرائط کے ساتھ، تو پھر مرض کبھی بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اور آسمان وزمین کے پروردگار کے کلام کے مقابلہ میں امراض ٹھہر بھی کیسے سکتے ہیں۔ جب کہ اس کلام کا یہ عالم ہے، کہ اگر اسے پہاڑوں پر نازل کیا جاتا ہے تو انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ زمین پر نازل کیا جاتا تو زمین شق ہو جاتی ہے اس لیے امراض قلب وبدن میں سے کوئی مرض ایسا نہیں، جس کا علاج، سبب اور پرہیز قرآن مجید میں ذکر نہ ہو۔

قسط وکست دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ مسند میں حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ سے روایت کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا تم جس سے علاج کرتے ہو ان میں سے بہترین چیز حجامت اور قسط بحری ہے۔

مسند میں حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر عود ہندی کا استعمال واجب ہے کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں جن میں سے ذات الجنب بھی ہے۔

قسط کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سفید جیسے قسط بحری کہا جاتا ہے۔ دوسری قسط ہندی، آخر الذکر زیادہ گرم ہوتی ہے۔ سفید زیادہ نرم ہوتی ہے۔ دونوں میں کثیر فوائد ہیں اور یہ دونوں تیسرے درجہ میں گرم خشک ہیں۔ بلغم کو صاف کرتی ہیں۔ جب انہیں پیا جائے تو ضعف جگر و معدہ اور ان کی برودت میں نافع ہیں نیز باری، چوتھئے بخار میں فائدہ دیتی ہیں۔ درد پہلو کو دور کرتی اور سمیات میں فائدہ بخش ہیں۔ کدو دانہ کو مارتی ہیں۔ اکثر جاہل اطباء کو ذات الجنب میں اس کا فائدہ معلوم نہیں۔ اس لیے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے اگر یہ جہلاء جالینوس سے یہ کلام اخذ کرتے تو اسے نص قطعی کے طور پر تسلیم کر لیتے۔ حالانکہ کئی متقدمین اطباء نے واضح کہا ہے کہ قسط ذات الجنب کی بلغمی قسم میں فائدہ بخش ہے۔ خطابی نے محمد بن جہم سے اسے نقل کیا ہے۔

قصب (گنا) بعض صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حوض (کوثر) کا پانی شکر سے زیادہ میٹھا ہوگا، اور میں نے شکر لفظ اس حدیث میں دیکھا ہے۔ اور شکر نئی چیز ہے۔ متقدمین اطباء نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ اور نہ وہ اسے جانتے تھے۔ اور نہ وہ اسے مشروبات میں استعمال کیا کرتے، بلکہ وہ لوگ تو صرف شہد کو جانتے تھے۔ اور ادویہ میں اس کو ملا کرتے۔

گنا گرم تر ہے، کھانسی میں فائدہ دیتا ہے۔ رطوبت مثانہ اور قصبۃ الریہ کا مجلّی ہے۔ شکر سے زیادہ ملیّن ہے۔ قے لانے میں مدد دیتا ہے۔ مدر بول اور مقوی باہ ہے عفان بن مسلم الصفار نے کہا ہے، جو کھانے کے بعد گنا چوس لے۔ وہ دن بھر فرحت و سرور سے شادکام رہے گا (انتہی)

یہ خشونت سینہ و حلق میں نافع ہے۔ اگر اسے بھون لیا جائے۔ مولد ریاح

ہے اس کی اصلاح چھیلنے اور اسے گرم پانی سے دھونے سے ہو سکتی ہے۔ شکر اصح قول کے مطابق گرم تر ہے۔ ایک قول میں سرد ہے۔ جب اسے پکایا جائے اور اس کی جھاگ اتار دی جائے تو پیاس اور کھانسی کے لیے مسکّن ہے۔ البتہ معدہ کے لیے مضر ہے۔ صفراء کی طرف مستحیل ہو جانے کے باعث صفراء پیدا کرتی ہے۔ اس کا ضرر آب لیموں یا آب سنترہ یا آب انار ملک لینے سے دور کیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ اس کی کمی حرارت و نرمی کے باعث اسے شہد سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ بات ان کی جانب سے شہد پر افتراء ہے کیونکہ شہد کے فوائد شکر کے فوائد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کو شفاء دواء، سالن، اور شیرینی بنایا ہے۔ اس لیے شکر میں شہد جیسے فوائد کہاں ہوئے؟ (شہد میں) تقویتِ معدہ، تلیین، تقویت بصارت، اندھیرا دور کرنے، غرغرہ سے خناق کے دور کرنے، فالج، لقوہ اور بارد امراض میں جو رطوبات کی وجہ سے جسم میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شفا بخش اثر ہے۔ یہ انہیں قعر بدن سے جذب کرتا ہے۔ محفظِ صحت کرتا ہے۔ فربہ کرتا ہے۔ مقوی باہ محلّل، مجلّی، مفتّح افواہِ عروق۔ منقّی اور مخرج دودات ہے۔

حرف الکاف

کتاب للحمی (بخار کے لیے تعویذ) مروزیؒ فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ کو اطلاع ہوئی کہ مجھے بخار ہے۔ انہوں نے مجھے بخار کا تعویذ دیا، جس میں لکھا تھا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ وباللہ محمد رسول اللہ قلنا یانار کونی بردا وسلاماً علی ابراھیم وارادوابہ کیداً فجعلنا ھم الاخسرین اللھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل اشف صاحب ھذا الکتاب بحولک وقوتک وجبروتک الٰہ الحق آمین۔

امام احمدؒ سے تعویذات کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔

عسر ولادت کا تعویذ خلالؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن احمدؒ نے بتایا کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ انہوں نے ایک عورت کے لیے تعویذ لکھا جسے ولادت کی تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ تعویذ ایک سفید پیالہ پر لکھا جاتا، یا کسی پاک چیز پر، یہ تعویذ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ذیل کی صورت میں تھا۔

لا الٰہ الا اللہ العلیم الحکیم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العالمین کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار بلاغ کانھم یوم

یرونھا لم یلبثوا الاعشیۃ اوضحاھا

خلالؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر مروزیؒ نے بتایا کہ ابوعبداللہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے عرض کیا اے ابوعبداللہ کیا آپ ایک عورت کے لیے تعویذ لکھ دیں گے۔ جو دو دن سے بچہ کی پیدائش کی تکلیف میں مبتلا ہے؟

انہوں نے فرمایا اس سے کہو، ایک چوڑا، پیالہ اور زعفران لا دے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ کئی ایک کے لیے لکھا کرتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا، فرمایا! حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک گائے کے پاس سے گذرے جس کے پیٹ میں بچہ پھنسا ہوا تھا گائے نے عرض کیا! اے کلمۃ اللہ میرے لیے دعا کیجئے کہ جس مصیبت میں گرفتار ہوا۔ اس سے مجھے اللہ تعالےٰ نجات دے۔ انہوں نے دعا فرمائی۔

یا خالق النفس من النفس ویا مخلص من النفس ویا مخرج النفس من النفس من النفس خلصھا۔

راوی فرماتے ہیں اس نے بچہ جن دیا۔ اور اسی وقت کھڑی ہو کر اسے سونگھنے لگی، کہتے ہیں، کہ جب عورت پر بچہ کی پیدائش دشوار ہو جائے، میں اسے یہ تعویذ لکھ دیتا ہوں۔

سلف کی ایک جماعت نے قرآن مجید کی بعض آیات کو لکھنے اور پینے کی اجازت دی ہے اور اس کو شفاء حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بتایا ہے۔

اگر ایک پاک برتن میں یہ الفاظ لکھے جائیں۔

اذا السمآء انشقت ○ واذنت لربھا وحقت واذا الارض مدت ○ والقت مافیھا وتخلت اور حاملہ عورت اس کو دھو کر پی لے۔ نیز اس کے پیٹ پر بھی چھڑک دیا جائے۔

نکسیر کا تعویذ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس کی پیشانی پر لکھا کرتے تھے۔

وقیل یا ارض ابلعی ماءك ویاسماء اقلعی وغیض المآء وقضی الامر

میں نے سنا کہ انہوں نے کئی آدمیوں کے لیے یہ لکھا اور وہ صحتیاب ہو گئے اور فرمایا کہ یہ الفاظ نکسیر والے کے خون سے لکھنا جائز نہیں کیونکہ خون نجس ہوتا ہے اور اس سے کلام اللہ کے الفاظ تحریر کرنے کی اجازت نہیں۔

حرف اللام

لحم (گوشت) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،
"وامددناھم بفاکھۃ ولحم مما یشتھون"
نیز فرمایا! ولحم طیر مما یشتھون۔
اللہ تعالیٰ نے اس طرح انعام کے طور پر گوشت کا ذکر فرمایا!
سنن ابن ماجہ میں ابو الدرداء کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
اہل دنیا اور اہل جنت کے کھانوں کا سردار گوشت ہے۔
بریدہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ دنیا و آخرت میں سب سے بہتر سالن گوشت کا ہے۔
صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ عورتوں پر عائشہ رضہ کی برتری ولیسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید بالا ہے — ثریدہ مرکب ہوتا ہے روٹی اور گوشت سے! زہری کہتے ہیں گوشت کھانے سے ستر گنا طاقت پیدا ہوتی ہے۔ محمد بن واسع کہتے ہیں گوشت سے بینائی میں قوت آتی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے گوشت کھاؤ، اس سے خون صاف ہوتا ہے، اخلاق میں خوبی پیدا ہوتی ہے، نافع کہتے ہیں، رمضان کے مہینہ میں ابن عمرؓ گوشت ناغہ نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح سفر میں بھی گوشت ترک نہیں کرتے تھے۔
گوشت کی مختلف قسمیں اختلاف اصول و طبائع کے مطابق ہوتی ہیں اب

ہم ہر جنس کا اور اس کی منفعت و مضرت کا ذکر کرتے ہیں۔

بھیڑ کا گوشت

بھیڑ کا گوشت خون صالح پیدا کرتا ہے۔ بارد اور معتدل مزاج رکھنے والوں کے لیے مفید ہے، ورزش کرنے والوں کے لیے بھی سود مند ہے، اس سے ذہن قوی ہوتا ہے۔ یادداشت بڑھتی ہے۔ بوڑھی بھیڑ کا گوشت بادی ہوتا ہے۔ خاص طور پر نر کا گوشت ہلکا، لذیذ اور نافع ہوتا ہے، خصی اور زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس کا آگے کے حصہ کا گوشت پیچھے کے حصہ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، بقول غرزوق اس کے پیٹ اور سر میں بیماری ہوتی ہے کہ اس سے بچنا چاہیے، گردن اور بازو کا گوشت سریع الہضم، لذیذ اور لطیف ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ پٹھ کا گوشت کثیر الغذا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ بہترین گوشت پٹھ کا ہے۔ نر کا گوشت ہلکا، لذیذ اور نافع ہوتا ہے، خصی اور زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ اس کا آگے کے حصہ کا گوشت پیچھے کے حصہ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے بقول غرزوق اس کے پیٹ اور سر میں بیماری ہوتی ہے کہ اس سے بچنا چاہیے گردن اور بازو کا گوشت سریع الہضم، لذیذ اور لطیف ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ پٹھ کا گوشت کثیر الغذا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ بہترین گوشت پٹھ کا ہے۔

بکری کا گوشت

یہ گوشت قلیل الحرارت اور خشک ہے۔ اس سے جو خلط پیدا ہوتے ہیں اچھے نہیں ہیں۔ ہضم و غذا کے اعتبار سے بہتر نہیں ہے۔ بقول جاحظ اس سے سوداء میں تحریک ہوتی ہے۔ نسیان پیدا ہوتا ہے، خون خراب کرتا ہے۔

سنن نسائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، کہ اس سے اچھا برتاؤ کرو۔ اسے تکلیف نہ دو، کیونکہ یہ جنت کے جانوروں میں سے ہے لیکن یہ مشکوک ہے، اطباء نے اس کی مضرت کا جو حکم لگایا ہے، وہ جزئی ہے کلی

اور عام نہیں ہے۔

بکری کا بچہ قریب بہ اعتدال ہے، خاص طور پر حلوان کا گوشت، سریع الہضم ہے، اور لذیذ بھی۔

گائے کا گوشت بارد، یابس، دیر ہضم ہے، اس سے سوداوی خون پیدا ہوتا ہے۔ یہ صرف غیر معمولی محنت مشقت کرنے والوں کے لیے سزاوار ہے۔ اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

گھوڑے کا گوشت بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ہم نے گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

اونٹ کا گوشت یہود اور رافضی اس کی مذمت کرتے ہیں اور نہیں کھاتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے اسے سفر و حضر میں کھایا ہے۔ بچہ کا گوشت بہت لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے، یہ سودا پیدا کرتا ہے، اور دیر ہضم ہے۔

گوہ کا گوشت اس کی حلّت کا ذکر گزر ہو چکا ہے۔ اس کا گوشت حار اور یابس ہوتا ہے، شہوت پیدا کرتا ہے۔

ہرن کے بچہ کا گوشت یہ بہتر شکار ہے۔ اس کا گوشت بھی بہتر ہوتا ہے۔ معتدل مزاج والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔

ہرن کا گوشت حار یابس ہے، مجفف بدن ہے، تر مزاج والوں کے لیے سودمند ہے۔ صاحب قانون کا قول ہے، چوپایوں میں سب سے بہتر گوشت ہرن کا ہوتا ہے۔ سوداویت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے۔

خرگوش کا گوشت حرارت اور یبوست کے اعتبار سے معتدل ہے، اس کے کولھوں کا گوشت بہت عمدہ اور لذیذ ہوتا ہے، اس کے کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے۔ پتھری کو توڑتا ہے۔ اس کا سر رعشہ کے مرض میں مفید ہے۔ ابو طلحہؓ نے اس کے کولھوں کا گوشت آپؐ کی خدمت میں بھیجا جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔

پرندوں کا گوشت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولحم طیر مما یشتہون"۔ مسند بزار وغیرہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ بعض پرند حرام ہیں، بعض حلال، ذو مخلب[2] پرند حرام ہیں۔ مثلاً شکرا، بازی، شاہین، اور وہ پرندے جو مردار کھاتے ہیں جیسے گدھ، لعلق۔ کوّا، جن پرندوں کو ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہ ہدہد اور لٹورا ہے، جن پرندوں کو ہلاک کرنے کا حکم ہے وہ ہیں سے چیل، اور کوّا۔

مرغی کا گوشت جو پرند حلال ہیں وہ بہت سی اقسام کے ہیں، ان میں ایک مرغی ہے۔ بخاری اور مسلم میں ابو موسیٰ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے مرغ کا گوشت تناول فرمایا۔ یہ زود ہضم ہے۔ معدہ بآسانی اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس سے عمدہ خلط پیدا ہوتے ہیں۔ دماغی قوت بڑھاتا ہے۔ آواز صاف کرتا ہے۔ رنگ نکھارتا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔

بطخ کا گوشت اس سے فضلہ بہت پیدا ہوتا ہے۔ دیر ہضم ہے، معدہ اس سے موافقت نہیں کرتا۔

---

[1] حکیم بو علی سینا کی کتاب "القانون" عربی کے قدیم نصاب میں شامل ہے۔

[2] یعنی وہ پرند جو چنگل والے ہوتے ہیں، جن کے پنجے نا دار ہوتے ہیں کہ شکار کے بدن میں پیوست ہو جائیں۔

گوریا کا گوشت سنن نسائی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اگر کوئی انسان بغیر حق کے گوریا کو ہلاک کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس سے بازپرس کرے گا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، ذبح کرو۔ اور کھالو، بیرنہ ہو کر سرکاٹ لو اور پھینک دو۔

اس کا گوشت حار اور یابس ہوتا ہے۔ طبیعت کو تیز کرتا ہے، باہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کا شوربا ملین طبع ہے، جوڑوں کے لیے مفید ہے۔

کبوتر کا گوشت اس کا گوشت ہلکا ہوتا ہے، غذائی اعتبار سے بہتر ہوتا ہے نر کبوتر کا گوشت استرخاء کے مرض میں مفید ہے۔ سکتہ اور رعشہ کو بھی فائدہ دیتا ہے۔

ٹڈی کا گوشت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی صحیحین میں روایت ہے کہ سات غزوات کے مواقع پر ہم آپ کے ساتھ تھے۔ ہم نے ہر مرتبہ ٹڈی کھائی۔ مسند میں روایت ہے کہ ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں، ایک مچھلی، دوسری ٹڈی۔ اور دو خون حلال ہیں، کلیجی اور جگر۔

اسے ہمیشہ کھانا دبلاپن پیدا کرتا ہے، پیشاب اگر قطرہ قطرہ کرکے آتا ہو یا مشکل سے اترتا ہو، تو یہ مفید ہے۔ خاص طور پر عورتوں کے لیے، بواسیر کو بھی فائدہ دیتا ہے۔ مرگی کے مریضوں کے لیے مضر ہے؟ روی الخلط ہے۔

لبن (دودھ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔

نیز فرمایا! فیہا انہار من ماء غیر اسن وانہار من لبن لم یتغیر طعمہ۔

حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا جسے اللہ دودھ پلائے، وہ یہ دعا پڑھے!

اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ ــــ (بارالٰہا ہمیں اس میں برکت دے

اور زیادہ عطا کر)

دودھ بظاہر ایک بسیط چیز ہے لیکن درحقیقت اپنی اصل خلقت میں تین جوہروں سے مرکب ہے وہ یہ ہیں، جبنیہ، سمنیہ، مائیہ، ان میں سے جبنیہ (پنیر کا جز) بارد اور تر ہے۔ بدن کا تغذیہ کرتا ہے۔ اور سمنیہ (چکنائی) حرارت اور رطوبت کے اعتبار سے گرم تر ہے۔ دودھ علی الاطلاق بارد اور تر ہے۔ تازہ دوہا ہوا دودھ بہترین ہے۔ جتنا جتنا وقت گزرتا جاتا ہے۔ ناقص ہوتا جاتا ہے۔ یہ بہترین غذا ہے، وسوسے سے نجات دیتا ہے۔ پریشانی دور کرتا ہے۔ امراض سوداویہ کا علاج ہے۔ شہد کے ساتھ پیا جائے تو باطنی زخموں کو جو اخلاط متعفن سے پیدا ہوتے ہیں صاف کرتا ہے شکر کے ساتھ آمیز کر کے اسے پینا رنگ کو نکھارتا ہے۔ یہ ضرر جماع کا تدارک کرتا ہے۔ سینہ اور ریہ کے لیے مفید ہے۔ سل کے مریضوں کے لیے نفع بخش ہے، معدہ، جگر اور طحال کے لیے ردی ہے۔ اس کی کثرت دانت اور مسوڑے کو ضرر پہنچاتی ہے۔ بہتر ہے کہ دودھ استعمال کرنے کے بعد پانی سے کلی کر لی جائے۔ بخاری اور مسلم میں روایت درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا پھر پانی منگوایا، اور کلی کی۔

بھیڑ، بکری اور گائے کا دودھ بھیڑ کا دودھ غلیظ ہوتا ہے، بکری کا دودھ لطیف، اور معتدل ہوتا ہے۔ حلق کے زخموں کے لیے مفید ہے۔ خشک کھانسی کو فائدہ دیتا ہے۔ نفث الدم کو بھی نافع ہے بدن انسانی کے لیے مشروبات میں سب سے بہتر ہے۔ گائے کا دودھ بدن کا تغذیہ کرتا ہے۔ یہ معتدل ترین ہوتا ہے۔ بھیڑ اور بکری کے دودھ سے افضل ہے۔

حرف المیم

ماء (پانی) یہ مادۂ حیات ہے۔ سیّد الشراب ہے، یکے از ارکان عالم ہے، بلکہ عالم کا رکن اصلی ہے۔ آسمانوں کی تخلیق اس کے بخارات سے ہوئی۔ زمین اس کے جھاگ سے پیدا ہوئی۔ ہر چیز کی زندگی اللہ نے اس پر منحصر کی ہے۔ یہ بدن کی حرارت کو دور کرتا ہے۔ رطوبات بدن کا محافظ ہے۔ بدل ماتحلل کا سبب ہے، غذا کو رقیق کرتا ہے۔ رگوں میں پہنچاتا ہے۔

نیل، فرات، سیحون اور جیحون کا پانی بہت عمدہ ہوتا ہے۔ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سیحان وجیحان اور نیل وفرات، جنّت کی نہروں میں سے ہیں"

شیریں پانی مریضوں کے لیے بھی نافع ہے۔ اور تندرستوں کے لیے بھی ٹھنڈا پانی بہت زیادہ نافع اور لذیذ ہوتا ہے۔ جماع کے بعد پانی نہ پینا چاہیے، نہ سوتے سے اٹھ کر فوراً پینا چاہیئے، نہ غسل کے بعد، نہ پھل کھانے کے بعد، البتہ کھانے کے اوپر پی لینے میں مضائقہ نہیں، نہ پیئے تو اچھا ہے۔ پیئے تو کم، اور وہ بھی گھونٹ گھونٹ کرکے، اس طرح، نہ صرف مضرت نہیں باقی رہتی بلکہ معدہ کی تقویت حاصل ہوتی ہے اور تشنگی دور ہوتی ہے۔

آبِ زمزم قیمت کے لحاظ سے گراں بہا، صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا۔ "یہ بیماری کی شفا ہے"

مشک صحیح مسلم میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خوشبوؤں میں سب سے بہتر خوشبو مشک کی ہے۔

دوسرے درجے میں مشک حار اور یابس ہے دل کو سرور بخشتا ہے اور قوی کرتا ہے۔ جمیع اعضائے باطنی کے لیے طاقت بخش ہے۔ دوسری چیزوں کی اس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اسے کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاتی۔ اس کا پینا اور سونگھنا مفید ہے۔ بوڑھوں اور سرد مزاج کے لوگوں کے لئے ازحد نافع ہے۔ خاص طور پر موسم سرما میں غشی اور خفقان کو دور کرتا ہے۔ حرارت عزیزی کو قوت دیتا ہے۔ سمیت دور کرتا ہے۔ یہ مفرحات میں سب سے قوی ہے۔

ملح (نمک)

سنن ابن ماجہ میں انسؓ کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"نمک تمہارے سالن کا سردار ہے۔"

نمک اجسام کا مصلح ہے، کھانے کا بھی مصلح ہے۔ جس چیز میں ملا دیا جائے اس کا مصلح ہے۔ یہاں تک کہ سونے اور چاندی کا بھی مصلح ہے۔ اس میں وہ قوت ہے کہ سونے کی زردی اور چاندی کی سفیدی میں اضافہ کرتا ہے یہ عفونت کو دور کرتا ہے۔ اسے سرمے کے طور پر لگایا جائے تو آنکھ کے زائد گوشت کو نکال دیتا ہے۔ قروح (زخم) خبیثہ کو پھیلنے سے روکتا ہے۔ دانت کی حفاظت کرتا اور اس کی بدبو دور کرتا ہے۔ مسوڑھے کو مضبوط کرتا ہے۔ بے شمار فوائد کا حامل ہے۔

حرف النون والھاء

نخل (کھجور) قرآن میں متعدد مواقع پر اس کا ذکر آیا ہے۔
صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں خوشہ، نخل لایا گیا۔ آپ نے فرمایا" درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ مرد مسلمان اس کے مانند ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ ۔
لوگ دوسرے درختوں کا نام لینے لگے، میرا جی چاہا کہ عرض کر دوں، یہ نخلہ ہے لیکن حاضرین میں سب سے کم سن میں ہی تھا خاموش رہا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ "نخلہ" ہے پھر یہ بات میں نے عمرؓ سے کی، انہوں نے فرمایا، اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو تم فلاں فلاں سے مجھے عزیز ہوتے۔

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ:

- عالم، اگر چاہے تو مسائل کو اپنے اصحاب کے سامنے امتحان او تربیت کے طور پر پیش کر کے جواب طلب کر سکتا ہے۔
- ضرب الامثال اور تشبیہہ سے کام لیا جا سکتا ہے۔
- اپنے اکابر کے مقابلہ میں صحابہ کا ادب، خاموشی، شرم۔
- بیٹے کی قوت فہم پر باپ کی خوشی۔
- بیٹے کے لیے جائز ہے کہ اگر کوئی چیز اسے معلوم ہے تو باپ کی موجودگی

بیں بیان کر دے خواہ اس کا باپ اسے نہ جانتا ہو، یہ سوءِ ادب نہیں ہے۔

● ۔ مرد مسلمان کی مشابہت نخلہ سے اس کی کثرت جڑ، طیب ثمر، اور دائمی طور پر سایہ افگنی۔

● ۔ نخلہ کو ہر حالت میں خواہ وہ خشک ہو، تر ہو، پکی ہو کچی ہو ادھ پکی ہو درگدر، کھایا جاتا ہے، وہ غذا، دوا، شیرینی، شراب، اور پھل ہے۔

نرگس: یہ دوسرے درجہ میں گرم خشک ہے۔ اس کی جڑ زخم کو مندمل کرتی ہے خواہ اتنا گہرا ہو کہ پٹھوں تک پہنچ گیا ہو، اس میں قوت غسالہ جالیہ ہوتی ہے۔ اگر اسے پکا کر اس کا پانی پیا جائے یا اسے کھایا جائے تو یہ قئے معدہ کی رطوبت جذب کر لیتا ہے۔ یہ زکام بارد میں فائدہ بخش ہے، دماغ کے سدّے کھولتا ہے۔

حِنّا: اس کا مزاج انقلاب موسم کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ موسم سرما میں یہ سرد تر ہے۔ موسم گرما میں گرم خشک، ربیع و خریف میں معتدل، یہ نقرس کا مرض دور کرتا ہے۔ آنکھ کے ورم کو نافع ہے۔ اس کی جڑ اور پتیوں کا اگر لیپ بچھو کے ڈنک زدہ مقام پر کیا جائے تو فائدہ دیتا ہے۔ معدہ کو قوی کرتا ہے جگر کے سدّے کھولتا، دردِ جگر کو مفید ہے، اس کا افشردہ، یرقان، سردی کو فائدہ دیتا ہے۔ اس کی قوت تریاقیہ ہر قسم کے زہر کا توڑ ہے۔

حرف الواؤ و حرف الیاء

ورس[1] ترمذیؒ نے اپنی جامع میں زید بن ارقمؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے زیتون اور ورس کو ذات الجنب کے لیے مفید بتایا ہے۔

ابو حنیفہ لغوی کہتے ہیں کہ ورس کی کاشت ہوتی ہے، یہ خود رو نہیں ہے ارض عرب کے سوا یمن نے اسے کہیں اور نہیں دیکھا، اور ارض عرب میں بھی بلادیمن کے سوا کہیں نہیں پایا جاتا۔

سطح بدن پر جو دانے ابھر آتے ہیں ان میں بھی یہ مفید ہے اگر اس کا طلا (مالش) کیا جائے۔

وسمہ یہ بیل کی پتی ہے، بالوں کو سیاہ کرتی ہے۔ یہ لفظ کدو کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ یقطین زیادہ عام ہے۔ از روئے لغت یہ ہر اس درخت پر بولا جاتا ہے جو تنے پر قائم نہ ہو، جیسے خربوزہ، تربوز۔ کدو، ککڑی وغیرہ، قرآن مجید میں جس "شجر یقطین" کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کدو کی قسم کی نباتاتی بیل ہے۔ اس پھل کو کدو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

صحیحین میں انس بن مالکؓ کی حدیث ہے کہ خیاط نے رسول اللہ صلی علیہ وسلّم کی دعوت کی میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ آپ کے سامنے جو کی روٹی اور

---

[1] ایک قسم کا گھاس ہے جو رنگائی کے کام آتی ہے۔ یہ تیل کی طرح ہوتی ہے۔

شوربا پیش کیا گیا جس میں کدو، اور گوشت تھا میں نے دیکھا آپ کدو چن چن کر کھا رہے تھے، اس دن سے میں کدو کو بہت مرغوب رکھنے لگا۔

یقطین سرور تر ہے، اس میں غذائیت ہے، جلدی سے معدہ میں اتر جاتا ہے اگر قبل از ہضم فاسد نہ ہو جائے، اس سے خلط محمود پیدا ہوتی ہے۔ اس کی خاصیت ہی یہ ہے کہ خلط محمود پیدا کرتی ہے۔

گرم مزاج والوں کے لیے زیادہ مفید ہے۔ سرد مزاج والوں کے لیے مناسب نہیں۔ اس کا پانی تشنگی کو دور کرتا ہے اور دردِ سر کو اگر وہ گرمی سے ہو دفع کرتا ہے۔ معدہ میں اگر اس کا سابقہ کسی خلط ردی سے پڑ جائے تو خلط ردی پیدا کرتا ہے۔ اس کی مضرت سرکہ سے دور کی جا سکتی ہے۔ یہ بہت لطیف اور سریع الانفعال غذا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اکثر تناول فرمایا کرتے تھے۔

خطرات سے متعلق طبی ہدایتیں

اب یہ حصّہ طب ختم کرنے کے لیے ایک مختصر لیکن عظیم النفع فصل محاذر (خطرات) یں اور طبی ہدایتوں سے متعلق ذیل میں درج کرتا ہوں۔ ابن ماسویہ نے کتاب المحاذیر میں ایک فصل اس موضوع پر لکھی ہے۔ میں وہی درج کر رہا ہوں۔

اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرو

ابن ماسویہ نے لکھا ہے کہ جس نے مسلسل چالیس روز تک پیاز کھایا، اور اس کے چہرے پر چھائیاں پڑ گئیں، وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے فصد کھلوائی، پھر فوراً کھانا کھا لیا، اسے اگر خارشت کی شکایت ہو جائے، تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جو حمام میں داخل ہو، اور اس کی نبض میں امتلا ہو، اسے اگر فالج ہو جائے تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے اپنے معدے میں دودھ اور مچھلی کو جمع کر لیا، اسے اگر جذام، یا برص یا نقرس کی شکایت لاحق ہو جائے تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے اپنے معدے میں دودھ اور نبیذ کو جمع کر لیا اور اسے برص یا نقرس کا مرض ہو گیا تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جسے احتلام ہو گیا، اور غسل نہیں کیا، پھر بیوی سے مباشرت کر لی، اس کا بیٹا اگر پاگل پیدا ہو تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

● جس نے رات کو آئینہ دیکھا، اور لقوے میں مبتلا ہوگیا، یا کوئی اور بیماری ہوگئی تو اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

بقراط کا قول بقراط کا قول ہے کہ کاہلی اور زیادہ کھانے سے احتراز کرنا صحت کو دائمی بنانا ہے بعض حکماء کا قول ہے جو صحت چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی غذا کھائے جب بھوکا ہو تب کھائے۔ جب پیاسا ہو تب پیئے، اور پانی زیادہ نہ پیئے۔ رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کرلے۔ دن کے کھانے کے بعد قیلولہ کرے، بوڑھے جانور کا گوشت نہ کھائے، دوا اسی وقت استعمال کرے جب بیمار ہو۔ پھل پکا ہوا کھائے۔ لقمے چبا چبا کر کھائے، جب پیشاب لگے تو نہ روکے، کھانے پر کھانا نہ کھائے۔ ہر ہفتہ قے کرکے تنقیۂ جسم کرے۔ غسل کی عادت ڈالے، کثرت جماع سے پرہیز کرے۔

بیمار ڈالنے والی چار چیزیں چار چیزیں ہیں جو جسم کو بیمار ڈال دیتی ہیں (۱) کلام کثیر، (۲) جماع کثیر (۳) نوم کثیر (۴) اکل کثیر، چار چیزیں ہیں جو جسم کا ناکارہ بنا دیتی ہیں (۱) حزن وغم (۲) بھوک (بھوک) (۳) ہم (پریشانی) (۴) رات کا زیادہ جاگنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وقضایا

آپ کا اصول اور معمول احکام جزئیہ کے نفاذ میں

اس باب میں ہم تشریع عام کا ذکر نہیں کریں گے۔ اگرچہ آپ قضایائے خاصہ بھی تشریع عام ہی کی حیثیت رکھتے تھے، مقصد صرف یہ ہے کہ احکام جزئیہ میں آپؐ کے اصول و معمول کا ذکر کیا جائے کہ آپؐ کس طرح خصوم کا فیصلہ فرماتے تھے، اور لوگوں کے مابین اجرائے احکام کے سلسلہ میں آپؐ کا طرز کار کیا تھا؟

غلام کو عمداً یا غلطی سے قتل کرنے کی سزا

اوزاعی عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے بواسطہ جد روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے جان بوجھ کر اپنے غلام کو قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سو کوڑے لگائے۔ سال بھر کے لیے جلاوطن کر دیا اور حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرے[1] امام احمد نے سمرہ سے حسن کی حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جو اپنے غلام کو قتل کرتا ہے ہم اسے قتل کی سزا دیتے ہیں۔ حسن کہتے ہیں کہ غلام کا قاتل امام کے سامنے پیش کیا جائے گا، اور وہ جو فیصلہ مناسب سمجھے گا کرے گا۔

---

[1] یہ کوئی مخصوص صورت تھی، ورنہ قتل عمد کی سزا قتل ہے، خواہ مقتول غلام ہو، یا

ایک یہودی کو عبرت انگیز سزا صحیح بخاری اور مسلم سے ثابت ہے کہ ایک یہودی نے ایک جاریہ کا سر دو پتھروں سے کچل کر ریزہ ریزہ کر دیا، تاکہ اس کے زیور پر قبضہ کر لے، وہ پکڑا گیا اور آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا کہ اس نے اقرار جرم بھی کر لیا، آپؐ نے حکم دیا کہ دو پتھروں سے اس کا سر بھی کچل دیا جائے۔

اس حدیث سے جو امور ثابت ہوتے ہیں یہ ہیں۔

- عورت کے قاتل کو سزائے قتل،
- مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جس میں وہ خود ماخوذ ہو۔
- سزائے قتل میں اذن ولی کی ضرورت نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے مقتول کے اولیا کے حوالے نہیں کیا، نہ ان سے یہ فرمایا کہ اگر چاہو تو اسے قتل کرو، چاہو معاف کردو، بلکہ اسے قتل کر دیا۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

جنین کا تاوان، اور قتل خطا کی دیت صحیحین میں روایت درج ہے کہ ہذیل کی دو عورتوں نے ایک دوسری پر سنگ باری کی، جس سے ایک عورت قتل ہوگئی، اور اس کا جو بچّہ پیٹ میں تھا، ہلاک ہوگیا۔ اس مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنین کے لیے تاوان کا حکم دیا۔ اور مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبہ سے دلوائی۔

حضرت علیؓ کا ایک عجیب فیصلہ امام احمد اور بزار وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یمن میں ایک جماعت نے ایک کنواں کھودا، اس میں ایک آدمی گرنے گرتے اس نے دوسرے کو، دوسرے نے تیسرے کو، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، چاروں کے چاروں کنوئیں میں گر پڑے، اور مر گئے۔

ان لوگوں کے اولیاء نے حضرت علی کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ انہوں

نے ان لوگوں کو طلب کیا، جنہوں نے کنواں کھودا تھا، اور فیصلہ کیا کہ پہلے کی چوتھائی دیت ہوگی، اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر کے تین آدمیوں کو ہلاک کیا دوسرے کی ایک تہائی دیت ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے اوپر کے ایک آدمی کو ہلاک کیا۔ اور چوتھے کی پوری دیت ہوگی۔

دوسرے سال یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سارا ماجرا کہہ سنایا، آپؐ نے فرمایا علیؓ کا فیصلہ درست ہے۔

محرمات سے شادی کرنے والا، سزائے قتل کا مستحق ہے

امام احمد اور نسائی وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ، کی روایت درج کی ہے وہ کہتے ہیں میں اپنے خالو حضرت ابو براہؓ سے ملا، تو دیکھتا کیا ہوں ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہے۔

انہوں نے فرمایا۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کے پاس بھیجا ہے (جس نے اپنے باپ کی عورت سے شادی کر لی ہے کہ اسے قتل کر دوں اور اس کا مال ضبط کر لوں۔

ابن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث درج کی ہے جسے معاویہ بن قرہؒ نے اپنے والد سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے پاس بھیجا جس نے اپنے باپ کی عورت سے شادی کر لی تھی۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور اس کا مال ضبط کر لیا۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"جو محرم عورت کے ساتھ مجامعت کرے اسے قتل کر دو"

جوزجانی نے ذکر کیا ہے کہ حجاج کے سامنے ایک آدمی پیش کیا گیا جس نے اپنی بہن کو اپنے لیے حلال کر لیا تھا، حجاج نے حکم دیا اسے قید کر دو، اور یہاں

جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان سے مسئلہ دریافت کرو، چنانچہ عبداللہ بن مطرف رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا!

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو محرمات کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کرے، اس کے تلوار سے دو ٹکڑے کر دو۔

امام شافعیؒ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ ایسے شخص کے لیے وہ سزا تجویز کرتے ہیں جو زانی کی ہے۔

تاخیر قصاص زخم مجروح کا مندمل ہونے تک

سنن دار قطنی میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جارح سے اس وقت تک تاوان لینے سے منع فرمایا ہے جب تک مجروح کا زخم مندمل نہ ہو جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ زخم جب تک مندمل نہ ہو جائے یا سرایت مستقرہ کی صورت نہ اختیار کرے قصاص لینا درست نہیں ہوگا۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ ضرب کا قصاص ہے، خواہ وہ ضرب ڈنڈے سے لگائی گئی ہو یا کسی اور چیز سے۔

نیز یہ کہ اگر مضروب قصاص کی جلدی کرے پھر اس کے بعد اس کا زخم سرایت اختیار کرے، یعنی ایک عضو سے دوسرے عضو تک پہنچ جائے، تو پھر قصاص لے چکنے کے بعد اس سرایت کی الگ سے کوئی سزا نہیں ملے گی، قصاص کافی سمجھا جائے گا۔ اب امام کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ مجرم کو قید کرے، یا کوئی اور سزا دے۔ جمہور کا قول ہے کہ قصاص عقوبت زائدہ سے محفوظ کر دیتا ہے۔ اس کی مثال حد کی طرح ہے۔ اگر کسی آدمی پر حد جاری کر دی گئی تو اب وہ عقوبت دیگر کا سزاوار نہیں۔

معاصی کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک قسم وہ ہے جس کے لیے حد مقرر ہے، تو اب اس حد کے ساتھ کوئی

دوسری تعزیر نہیں دی جائے گی"۔

۲- دوسری قسم وہ ہے جس کے لیے نہ کوئی حد مقرر ہے، نہ کفارہ، اس صورت میں امام تعزیر کا فیصلہ کرے گا۔

۳- تیسری قسم وہ ہے جس میں کوئی حد تو نہیں مقرر ہے لیکن کفارہ ہے، جیسے احرام یا روزے کی حالت میں بیوی سے مجامعت کرلے، اس صورت میں کفارہ لیا جائے گا، تعزیر نہیں ہوگی۔

گھر میں تاک جھانک کرنے والے کی سزا صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص بغیر اذن کسی کے گھر میں جھانکتا ہے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے، تو اس کی کوئی دیت (تاوان) نہیں ہے۔ نہ قصاص ہے۔ فقہائے حدیث، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا فتویٰ یہی ہے، لیکن امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند احکام و قضایا

ذیل میں آپؐ کے چند اور احکام و قضایا، متفرق مسائل کے سلسلے میں درج کیے جاتے ہیں۔

مقتول کی دیت کیا ہے اہل سنن اربعہ نے ابن عباسؓ کی حدیث ذکر کی ہے کہ ایک آدمی قتل کر دیا گیا، رسول اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار مقرر کی۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے اعلان فرمایا، کہ چونکہ اونٹ گراں ہو چکے ہیں[1] لہٰذا ان کے بدلے میں بارہ[12] سو دینار، اہل زر پر، اور بارہ ہزار درہم اہل سیم پر[2] عاید ہوں گے، البتہ جو گائے دے سکیں وہ دو سو گائے دیں، جو بکری دے سکیں وہ دو ہزار بکریاں دیں، جو حلے دے سکیں، وہ دو سو حلے دیں[3] نیز اہل ذمہ کی دیت ترک کر دی۔[4]

---

[1]: مقتول کی دیت سو اونٹ ہے۔
جملہ اعضائے انسانی مثلاً، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ کی الگ الگ دیت بھی ہے

[2]: جیسے اشرفی اور روپیہ، کہ ایک سونے کا سکہ ہے، ایک چاندی کا۔

معاہد کی دیت کیا ہے؟

اہل سنن اربعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدؔ کی دیت، نصف دیت ؔ مقرر فرمائی ہے۔ ابن ماجہ سے اسی طرح کی حدیث میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے لیے اتنی ہی دیت مقرر کی گئی ہے۔

اس بارے میں فقہا کا باہم اختلاف ہے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ کسی معاہد کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دے، تو مسلمان کی دیت سے نصف دیت دی جائے گی، خواہ یہ قتل غلطی سے ہو یا عمداً،

امام احمد فرماتے ہیں کہ مسلمان نے اگر معاہد کو عمداً قتل کیا ہے تو اس کی دیت اتنی ہی ہوگی۔ جتنی ایک مسلمان کی ہوتی ہے۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو ایک قول کے مطابق مسلمان سے نصف، اور دوسرے قول کے مطابق ایک تہائی دیت دینا ہوگی۔

امام شافعی کا ارشاد ہے کہ قتل خواہ غلطی سے کیا ہو یا جان بوجھ کر ایک تہائی دیت واجب ہوگی۔

باقی حاشیہ صفحہ ۵۹۴ کا! ؔ دیت، یا خراج، یا جزیہ، اگر بہ صورت نقد نہ دیا جائے تو بہ صورت پارچہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

ؔ: لیکن معمول بہ اور متفق علیہ مسلک یہ ہے کہ ذمّی کی دیت بھی ہوگی، اختلاف جو کچھ ہے وہ مقدار میں ہے۔

ؔ: معاہد شرع کی اصطلاح میں اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو از روئے معاہدہ سلامتی جان و مال خود، مسلمانوں کے ملک میں ان کی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرے۔ متعدد احادیث صحیحہ میں معاہد پہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو عذاب شدید کی وعید دی گئی ہے۔

ؔ آزاد مسلمان۔

امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ جب قصاص کا اصول دونوں میں یعنی مسلم اور غیر مسلم میں، جاری ہے، تو دیت بھی مساوی ہو گی، [1]

---

[1] ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول بھی، انفرادی حیثیت سے نہیں ہے، وہ بہر حال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے، بلکہ ہر ایک کا معیار اور قبول جدا ہے، اور درحقیقت یہیں سے اختلاف و نزاع کی صورت پیدا ہوتی ہے، دیت، یعنی خون بہا کے سلسلے میں، جو اختلافی اقوال ائمہ اربعہ کے اوپر گزرے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی ہیں، ہر امام کا مسلک اس خبر یا اثر پر مبنی ہے، جو اس کے نزدیک زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے، یہی صورت امام ابو حنیفہ کے ساتھ بھی ہے، لیکن چونکہ وہ لفظ کے ساتھ مغز و معنی پر غور کرتے ہوئے، قیاس سے بھی کام لیتے ہیں، اسی لیے بالعموم ان کے اقوال زیادہ وزنی اور محکم نظر آتے ہیں۔

جرم زنا کا اقرار اور اس کی سزا

ایک زانی مرد اور ایک زانیہ عورت کا واقعہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ ایک شخص جس نے اسلام قبول کر لیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے زنا کا اعتراف کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، یہاں تک کہ چار مرتبہ اس نے اپنے خلاف گواہی دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا۔

"کیا تو پاگل ہے!"

اس نے عرض کیا "نہیں،!"

آپ نے پوچھا، "کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟"

اس نے اعتراف کیا، "جی ہاں!"

اب آپ نے اسے وہیں مسجد میں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ وہ سنگسار کیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خیراً"، پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اقراری مجرم سے استفسار

بخاری اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے ،!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا !

تمہارے بارے میں مجھے جو خبر ملی ہے کیا وہ صحیح ہے؟"

اس نے پوچھا ،

میرے بارے میں آپ کو کیا خبر ملی ہے؟"

آپ نے ارشاد فرمایا ،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے فلاں قبیلہ کی ایک باندی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہے۔

اس نے کہا ، جی ہاں یہ صحیح ہے"!"

پھر اپنے خلاف چار مرتبہ شہادت دی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس بلایا ، اور پوچھا ،

"کیا تو پاگل ہے"!

اس نے جواب دیا" نہیں !"

آپ نے پوچھا ، "کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟"

اس نے اقرار کیا" جی ہاں"!"

پھر آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

اقراری مجرم کو جرم زنا کی تحریم سے واقف ہونا چاہیے

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

اس کی شہادت لینے کے بعد اس سے پوچھا ،

کیا تو جانتا ہے زنا کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا ، —— "جانتا ہوں میں نے اس باندی کے ساتھ وہ فعل حرام کیا ہے جو ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے تو حلال ہوتا ہے"!"

آپؐ نے پوچھا، "وہ یہ کہنے سے تیرا مطلب کیا ہے؟"
اس نے جواب دیا۔
"میں چاہتا ہوں آپؐ مجھے پاک کر دیں"
چنانچہ آپؐ نے حکم دیا، اور وہ سنگسار کر دیا گیا،

ایک زانیہ کا واقعہ

صحیح مسلم میں ہے کہ غامدیہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے کہا۔
"یا رسول اللہ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، مجھے پاک کر دیجیے"
آپؐ نے اسے واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر حاضر ہوئی اور کہنے لگی،
"یا رسول اللہ، (زنا سے) میں خدا کی قسم حاملہ بھی ہوں"!
آپؐ نے فرمایا، "ابھی جاؤ، جب بچہ جن لینا تب آنا"!
جب اس نے بچہ جن لیا، تو پھر حاضر خدمت ہوئی، بچہ ایک کپڑے میں لپٹا ہوا تھا کہنے لگی،
"یہ ہے جسے میں نے جنا ہے"!
آپؐ نے فرمایا "واپس جاؤ اسے دودھ پلاؤ، جب اس کے دودھ پینے کی مدت ختم ہو جائے تب آنا"!
جب دودھ پلانے کی مدت ختم ہو گئی، تو پھر بچہ لے کر حاضر ہوئی، بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، وہ عرض گزار ہوئی۔
"یا نبی اللہ، میں نے اس کا دودھ بڑھا دیا، اب یہ کھانا کھانے لگا ہے"
آپؐ نے وہ لڑکا ایک مسلمان کو دے دیا، پھر آپؐ کے حکم سے ایک گڑھا کھودا گیا جو سینہ تک تھا، پھر آپؐ نے حکم دیا، اور لوگ اس پر پتھر پھینکنے لگے، خالد بن ولیدؓ نے بھی ایک پتھر اس کے سر پر کھینچ مارا، جس سے خون کے چھینٹے اڑ کر ان کے منہ پر لگے، خالدؓ نے اسے گالی دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ سے کہا،

"اے خالد ٹھہرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے" اس عورت نے وہ توبہ کی ہے کہ کیسا ہی گنہگار ایسی توبہ کرتا تو وہ قبول کرلی جاتی"!

پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ دفن کردی گئی۔

غیر شادی شدہ زانی کی سزا صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ زانی کے لیے حد سو کوڑے جاری کرنے کی سزا تجویز فرمائی۔ اور سال بھر کے لیے جلاوطنی کا حکم دیا۔

قضائے رسول سے احکام و مسائل مستنبطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قضایا سے جو امور ثابت ہوتے ہیں یہ ہیں!

-: حدود کا نفاذ مسجد میں بھی ہوسکتا ہے۔

-: اگر کوئی آزاد شادی شدہ شخص کسی باندی سے زنا کرلے تو بھی سنگسار کیا جائے گا،

: شادی شدہ شخص کی سزائے زنا سنگساری ہے۔

-: زانی جب تک چار مرتبہ اقرار جرم نہ کرلے، سنگسار نہیں کیا جائے گی۔

-: اگر چار مرتبہ اقرار نہ کرے، دو یا تین مرتبہ کرے، تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ نصاب اقرار کی تکمیل نہیں ہوئی" امام کو چاہیئے کہ اس سے اعراض کرے، اور عدم تکمیل اقرار کے باعث اس کو ماخوذ نہ کرے۔

-: پاگل، یا نشہ میں وحشت شخص کا اقرار لغو ہے" اس پر اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس طرح اس کی طلاق، عتاق، قسم" اور وصیت بھی غیر معتبر ہے۔

-: امام کے لیے انسب یہ ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو، عدم اقرار پر سائل کرے۔

-: جو شخص تحریم زنا سے لاعلم ہے اس پر حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی سے حکم زنا کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور اس نے جواب میں کہا تھا میں نے اس باندی کے ساتھ وہ فعل حرام کیا ہے" اگر شوہر

بیوی کے ساتھ کرے تو حلال ہوتا ہے۔

-: حاملہ عورت پر حد جاری نہیں ہوتی، جب تک وہ بچہ نہ جن لے، اسے پوری مدت تک دودھ نہ پلالے۔

-: اہل معاصی پر تائب ہونے کے بعد سب وشتم ناجائز ہے۔

-: حد زنا میں جو قتل ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

-: زنا کا اقرار کرنے والا، اگر اثنائے حد میں بھاگ جائے، تو چھوڑ دیا جائے۔ اور حد پوری نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ فرار یا تو اقرار زنا سے رجوع ہے، یا تکمیل حد سے قبل توبہ ہے، اب اس پر حد جاری نہیں ہوگی، ہماری شیخ ابن تیمیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

-: کوئی شخص اگر اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہے، تو اس پر حد قذف (تہمت) جاری نہیں ہوگی، زنا کی حد جاری ہوگی۔

-: عورت کو جلاوطنی کی سزا نہیں دی جائے گی۔

لواطت

وضع خلاف فطرت کی عبرت انگیز سزا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی فیصلہ لواطت (اغلام) کے بارے میں ثابت نہیں ہے، کیونکہ یہ عرب میں رائج نہیں تھی، لہٰذا ایسا کوئی مقدمہ آپ کے سامنے پیش نہیں ہوا، لیکن یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا!

"فاعل اور مفعول کو قتل کر دو، ا"

حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہ حکم نافذ کیا، اور صحابہ سے مشورہ کے بعد خالدؓ کو فرمان بھیج دیا،

ابن قصار اور ہمارے شیخ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ صحابہ کا لواطت کرنے والے کو قتل کر دینے کے بارے میں مکمّل اتفاق ہے اگرچہ کیفیت قتل میں اختلاف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

"جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کر دو،!

ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ جو کسی جانوری کے ساتھ بدفعلی کرے اسے اور جانور، دونوں کو قتل کر دو۔

اور یہ حکم، حکم شارع کے عین موافق ہے، کیونکہ محرمات جتنے غلیظ ہوں گے، سزا بھی اتنی ہی سخت ہوگی، وہ مجامعت جو کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ اس مجامعت سے کہیں زیادہ سنگین ہے، جو بعض احوال میں جائز ہے۔

سلف کا اس بارے میں اختلاف ہے، حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس کی حد، زانی کی حد ہے، ابوسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔ ؎

؎ وضع خلاف فطرت بہت بڑا سماجی گناہ ہے، ان افعال کا ارتکاب کرنے والے جتنے بے حیا ہوتے ہیں کوئی نہیں ہو سکتا، لہٰذا سزا بھی اتنی ہی سنگین ہونی چاہیے، جتنا سنگین جرم ہے۔

بعض لوگ لواطت کو جرم نہیں سمجھتے، یا سمجھتے ہیں تو بہت ہلکا، لیکن اخلاقی طبی، ہر اعتبار سے یہ بہت بڑا جرم ہے، فاعل کے لیے بھی اور مفعول کے لیے بھی، اس کے ارتکاب سے نہ صرف سماج میں گندگی پیدا ہوتی ہے بلکہ فطرت بھی مسخ ہو جاتی ہے، اللہ نے انسان میں قوت رجولیت اس لیے پیدا کی ہے۔ اور جذبۂ شہوانی کا مقصد یہ ہے کہ توالد و تناسل کا سلسلہ قائم رہے، یہ جذبہ اس لیۓ نہیں ہے کہ انسان جانور بن جائے، ـ بلکہ جانور بھی اس فعل شنیع کا ارتکاب نہیں کرتے۔

لہٰذا اگر غور کیا جائے تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس جرم کی سزا انتہائی سنگین ہونا، مصلحت ملی و عمومی پر مبنی ہے۔

زنا کا اقرار و انکار

اقراری زانی پر حد جاری ہو گی منکر عورت سے ساقط

اگر کسی شخص نے مجلس اور مخصوص عورت کے ساتھ زنا کا اعتراف کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر زنا کی حد جاری فرمائی۔

چنانچہ سہل بن سعدؓ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس عورت سے دریافت کرایا، اس نے ارتکاب زنا سے صاف انکار کر دیا۔

آپؐ نے مرد پر کوڑے کی حدؐ[1] جاری کرا دی، اور عورت کو سزا نہیں دی۔

اس حکم سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ اقرار زنا کے بعد، مرد پر حد جاری ہو جائے گی، اگرچہ عورت نے اسے جھٹلایا کیوں نہ ہو۔ ——— امام ابو حنیفہ، اور امام ابو یوسف کا مسلک یہ ہے کہ مرد پر بھی حد جاری نہیں ہوگی۔

دوسرے یہ کہ مرد پر حد قذف (تہمت) جاری نہیں ہوگی۔

باقی رہی سنت ابو داؤد کی روایت کہ ایسے موقع پر آپؐ نے حدِ زنا کے ساتھ حدِ قذف بھی جاری کی تو نسائی کہتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔

[1] یہ اقرار زنا کرنے والا شخص شادی شدہ نہیں تھا، اسی لیے سنگسار نہیں کیا گیا۔

حدِّقذف

ارتداد اور شراب نوشی کی سزائے شرعی

آسمان سے حضرت عائشہ رضؓ کی جب تہمت سے برأت نازل ہوئی، تو اس جرم میں آپ نے دو آدمیوں اور ایک عورت کو سزائے "تازیانہ" دی، وہ دو مرد تھے حسان بن ثابت رضؓ اور مسطح بن اثاثہ، ابوجعفر نفیلی کا قول ہے کہ عورت کا نام حمنہ بنت جحش تھا۔

مرتد کی سزا آپ نے مرتد کے لیے قتل کی سزا کا حکم دیا، ارتداد کی سزا کا حکم دیا، ارتداد کی سزا، مرد اور عورت دونوں پر یکساں جاری ہوگی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک عورت ام قرفہ کو سزائے قتل دی، جو اسلام لانے کے بعد، مرتد ہوگئی تھی۔ ؎

شرابی کی سزا آپؐ شرابی کو لکڑی سے بھی پٹوایا، اور جوتے سے بھی، اسی طرح حضرت ابوبکر کا عمل ثابت ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ آپؐ نے شرابی کو اسی کوڑے لگوائے۔

؎ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں مرتد کے لیے سزائے قتل نہیں ہے۔

درحقیقت سزائے قتل ان مرتدوں کو دی گئی جو اسلام سے منحرف ہو کر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی سزا ثابت نہیں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے شرابی کو چالیس کوڑے لگوائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہی سزا دی، حضرت عمرؓ نے ان دونوں کا مجموعہ اسّی کوڑے نافذ کیا۔

آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس جرم کے چوتھی یا پانچویں مرتبہ ارتکاب کے بعد آپؐ نے سزائے قتل دی۔

اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے۔[1]

شرابی کو حسب مصلحت سزائے قتل دی جاسکتی ہے

ایک قول یہ ہے کہ یہ سزا منسوخ ہو چکی ہے، اس کی ناسخ عبداللہ بن حمار کی حدیث ہے کہ وہ بار بار جرم شراب نوشی میں ماخوذ ہو کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیے گئے، ہر مرتبہ آپؐ نے سزائے تازیانہ دی، سزائے قتل کبھی نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ قتل ایسی تعزیر ہے جو حسب مصلحت روا رکھی جاسکتی ہے۔

---

[1] یعنی شرابی کو قتل کرنے کے بارے میں۔

چور کی سزا

قطع ید کا نصاب اور اس سے متعلق مباحث

آپ نے تین درہم کی چوری تک چور کے ہاتھ کٹوائے، آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ چار دینار سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹنے چاہییں، آپؐ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا چار دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ لو، اس سے کم کی چوری پر مت کاٹو۔"

اُچکے اور خائن کے لیے قطع ید نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچکے، ذکیت اور خائن کے لیے قطع ید کا حکم ساقط فرما دیا۔ خائن سے مراد، خائن ودیعت ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔"

کھجور کے چور کا حکم کھجور کے چور سے آپؐ نے قطع ید کی سزا ساقط فرما دی، اور فیصلہ کیا اگر ان کے منہ میں کچھ پائی جائے، تو وہ محتاج ہے۔ اس پر کوئی سزا نہیں ہے، اور جس نے ڈال سے توڑا اس سے دوگنا تاوان لیا جائے گا۔ اور سزا دی جائے گی، اور جس نے کھلیان سے چوری کی اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، بشرطیکہ مالیت نصاب ایک ترکش کی قیمت کے برابر ہو۔

بکری چرانے کی سزا چراگاہ سے کوئی شخص بکری چرا لے تو اسے دوگنی قیمت دینی پڑے گی۔ البتہ کسی نے اگر بکری کی چوری اس کی

چوری اس کی بیٹھک سے کی تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، بشرطیکہ وہ مالیت نصاب کے برابر ہو،

مقدمہ پیش کرنے کے بعد واپس نہیں لیا جا سکتا

صفوان بن امیہ کی چادر جب وہ مسجد میں سو رہے تھے، ایک شخص نے چرائی، آپؐ نے اس کے لیے قطع ید کی سزا کا فیصلہ کیا، صفوان نے کہا میں یہ چادر اسے ہبہ کرتا ہوں۔ اسے معاف کر دیجیے آپ نے فرمایا،

"میرے پاس شکایت لے کر آنے سے پہلے تم ہبہ کر سکتے تھے، اب نہیں"

جو شخص خود چوری کا اقرار کر لے

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک شخص چوری کے الزام میں آپؐ کے سامنے لایا گیا، اس نے چوری کا اعتراف کر لیا، لیکن اس کے پاس کچھ مال (چوری کا) نہیں پایا گیا، آپؐ نے فرمایا!

"میں نہیں خیال کرتا کہ اس نے چوری کی ہو گی"!

لیکن ملزم نے کہا، "میں نے چوری کی ہے"!

جب دو یا تین مرتبہ اس نے چوری کا اقرار اعادۂ سوال کے بعد کر لیا تو آپؐ نے قطع ید کا فیصلہ فرمایا۔

چوری کا ایک اور اقراری مجرم

اسی طرح ایک اور شخص چوری کے الزام میں آپؐ کے سامنے لایا گیا، آپؐ نے فرمایا۔

"میں نہیں خیال کرتا کہ اس نے چوری کی ہو گی"!

لیکن اس شخص نے اعتراف کر لیا،

آپؐ نے فرمایا، اسے لے جاؤ اور اس کے ہاتھ قطع کر دو، پھر اس کا علاج کرو اس کے بعد میرے پاس لاؤ!

چنانچہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اس کے بعد وہ آپؐ کی خدمت میں پیش

کیا گیا، آپ نے اس سے فرمایا،
خدا سے توبہ کرو "!
اس نے کہا، "میں خدا سے توبہ کرتا ہوں"!
آپؐ نے فرمایا، "خدا نے تیری توبہ قبول کرلی"!

جن لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی جائے ان کا حکم

ابو داؤد نے ازہر بن عبداللہ کی روایت درج کی ہے کہ ایک جماعت کا کچھ مال چوری ہو گیا، ان لوگوں نے بعض جولاہوں پر چوری کی تہمت لگائی، اور صحابی رسولؐ نعمان بن بشیرؓ کے پاس شکایت لے کر حاضر ہوئے انہوں نے چند روز تک ان جولاہوں کو قید رکھا، پھر رہا کر دیا، شکایت کرنے والے نعمان کے پاس آئے، اور کہا۔
"آپ نے بغیر مارے پیٹے اور سزا دیے ان لوگوں کو چھوڑ دیا؟"
نعمانؓ نے کہا! "تم کیا چاہتے ہو کہ میں انہیں سزائے ضرب دوں، تو ایسا جب ہوتا کہ ان کے پاس سے مالیت برآمد ہوتی، اور اب اگر انہیں سزا ملے گی تم بھی سزا پاؤ گے
انہوں نے کہا، "یہ آپ کا فیصلہ ہے۔
نعمانؓ نے جواب دیا، اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کے رسولؐ کا فیصلہ ہے"۔!

احکام و قضایائے بالا سے احکام مستنبط

ان مذکورۂ بالا احکام و قضایا سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں یہ ہیں!
۱۔ تیس درہم، یا چار دینار سے کم مالیت کی چوری، شراب سازی، اغلام بازی وغیرہ کے مرتکب پر لعنت کا جواز، — جیسا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ رسن سفیدۂ اور بیضہ (آہن)، پر لعنت فرمائی، ! — لیکن عبداللہ بن حماد پر جو شراب کے رسیا تھے لعنت سے منع فرمایا۔
لیکن دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، جس میں وہ وصف پایا جائے

جو مستحق لعن ہو، تو اس پر لعنت روا ہے، لیکن جس کے حسنات سیآت سے زیادہ ہوں، یا جس نے توبہ کرلی ہو۔ تو پھر انواع پر لعنت جائز ہے اعیان پر نہیں۔

۳۔ سدّ ذرائع کا ارشاد بھی ملتا ہے، — کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ رسن (سقیتہ) اور بیضتہ (آہنی) کے چور کو نہ چھوڑو، اس کا ہاتھ کاٹ دو، (کیونکہ ان کی قیمت ۳-۴ درہم کے برابر ہوتی تھی)

۴۔ مستعار چیز لینے والا اگر واپس کرنے کے بجائے، جھگڑنے لگے، تو وہ بھی چور کے حکم میں ہے، لہٰذا اسے قطع ید کی سزا ملے گی، جیسا کہ ایک عورت کے لیے آپؐ نے حکم دیا تھا۔

۵۔ جس کی سزائے قطع ید ساقط ہوگی، اس پر دوگنا تاوان عائد کیا جائے گا، جیسا کہ ثمار معلقہ اور بیٹھک سے چوری کی ہوئی بکری کے بارے میں آپؐ نے فیصلہ کیا۔

۶۔ تاوان اور (کچھ) سزا کا اجتماع بھی درست ہے، یعنی عقوبت مالی بھی اور سزائے بدنی بھی۔

۷۔ حرز[1] کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے درخت پر لٹکے ہوئے ثمار کی چوری پر قطع ید کی سزا نافذ نہیں کی، بلکہ کھلیان سے چوری کرنے والے کے لیے قطع ید کا حکم دیا۔

چوری کے تین احوال جمہور کا قول یہ ہے اور وہی صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چوری کو تین احوال پر منحصر رکھا ہے۔

الف ۔ کوئی سزا نہیں ہے، اگر ثمار چور کے منہ سے برآمد ہوں،

ب ۔ دوگنا تاوان اور سزائے ضرب، نہ کہ قطع ید، اگر ثمار درخت پر لٹکے ہوں۔

---

[1] یعنی مالک نے اپنے مال کی حفاظت کی ہو، اور پھر چوری ہو جائے تو دوسرا حکم ہے اور یوں ہی کھلا چھوڑ دیا ہو، پھر چوری ہو جائے، تو اب حکم بدل جائے گا۔

ج - قطع ید، اگر چوری کھلیان سے کی جائے، چاہے وہ پھل پکے ہوں، یا نہ پکے ہوں، اصل اعتبار مکان، (جائے حفاظت) اور حرز (احتیاط و نگہداشت) کا ہے، چنانچہ جس نے بکری چراگاہ سے چرائی تھی، آپؐ نے سزائے قطع ید نہیں دی، لیکن جس نے بیٹھک سے چرائی تھی اسے قطع ید سے معاف نہیں کیا۔

۸ - اثبات عقوبات مالیہ، — یہ بات متعدد وغیرہ معارض سنن اور عمل خلفائے راشدین سے ثابت ہے۔

۹ - انسان کے کپڑے اور فرش کو مال محفوظ مانا جائے گا، خواہ وہ سو رہا ہو، اور کہیں بھی ہو، مسجد ہی میں کیوں نہ ہو۔

۱۰ - مسجد، جائے محفوظ ہے، پس وہاں سے جو چیز، چٹائی، قندیل، فرش وغیرہ چرائے گا وہ قطع ید کا مستحق ہے۔

۱۱ - چوری کا مقدمہ دائر کرنے سے پہلے اگر آدمی چاہے تو چور کو مال مسروقہ صبہ کردے، یا معاف کردے۔

۱۲ - مقدمہ پیش ہونے کے بعد، قطع ید کی سزا ساقط نہیں ہوگی، یہی حال دوسری شرعی سزاؤں، (حدود) کا بھی ہے، بلکہ سنن میں ایسے شافع اور مشفع دونوں کیلئے لعنت آئی ہے۔

۱۳ - اگر کسی نے کوئی ایسی چیز چرائی، جس میں اس کا بھی حق تھا، تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

۱۴ - اقراری چور اگر دو یا تین مرتبہ اقرار نہ کرے تو ہاتھ نہیں کٹے گا۔ کیونکہ جب چور نے آپؐ کے سامنے پہلی مرتبہ اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا۔

میں نہیں خیال کرتا تو نے چوری کی ہوگی۔!"

پھر جب اس نے دوبارہ اقرار جرم کیا، تب حد نافذ کی، یعنی جب تک اس نے دو مرتبہ اقرار نہیں کر لیا۔ سزائے قطع ید نہیں دی۔

۱۵ - جو خود سے جرم کا اقرار کرے، یعنی، خود اقرار کناں حاضر ہو گیا ہو، ماخوذ

کرکے دیا نہ گیا ہو۔ تو امام کو چاہیے، اسے ٹالنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ اقرار کرکے مستحق سزا نہ بن جائے، اور اپنے ارادہ سے باز آجائے، اور قول سے (اگر ایک مرتبہ اقرار کیا ہو) رجوع کرلے۔!

۱۶ - قطع ید کے بعد اس کا علاج کرو۔ پھر میرے پاس لاؤ، اس بات کی دلیل ہے کہ مصارف علاج سارق کے ذمہ نہیں حکومت کے ذمہ ہوں گے۔

۱۷ - تنکیل اور عبرت کے طور پر سارق کے ہاتھ اس کی گردن سے لٹکائے جا سکتے ہیں۔

۱۸ - اگر علامات شبہہ موجود ہوں تو متہم کو سزائے ضرب دی جا سکتی ہے۔

۱۹ - اگر متہم کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہو تو اسے نہ قید رکھا جائے گا، نہ سزا دی جائے گی، جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے ثابت ہے،

۲۰ - سزائے ضرب، کوڑے سے بھی دی جا سکتی ہے، اور چھڑی سے بھی۔

مسلمان یا ذمّی اور معاہد

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کریں تو کیا سزا ہوگی

بعض یہودیوں کو اس جرم میں قتل کیا گیا کہ انہیں نے آپؐ پر سب وشتم کی تھی اور آپؐ کو ایذا دی تھی۔

فتح مکہ کے دن آپؐ نے عام لوگوں کو امان دے دی، سوا ان لوگوں کے جو آپؐ کو اذیت دیتے اور آپؐ کی ہجو کرتے تھے، یہ چار مرد تھے، اور دو عورتیں تھیں [1]

ایک یہودیہ عورت کا انجام

ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ ایک یہودیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالیاں دیا کرتی تھی، ایک مرتبہ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا جس سے وہ مرگئی، آپ نے اس کا خون بہا نہیں دلایا۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جو آپؐ کو گالیاں دیا کرتا تھا، انہوں نے

---

[1] یہ وہ لوگ تھے، جنہیں بار بار معاف کیا گیا، گرفتار کرنے کے بعد رہائی عطا کی گئی قابو پالینے کے بعد چھوڑ دیا گیا، ان کے قول واقرار پر اعتبار کیا گیا، لیکن انہوں نے ہر موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے، ان کی زندگی کا مقصد یہ رہ گیا تھا کہ آپؐ پر سب وشتم کریں، اور تخریبی سرگرمیوں میں معروف و منہمک رہیں، اسلام اور داعی اسلامؐ کو ختم کرنے کی سازشیں کرتے رہیں۔

اسے قتل کر دیا، اور کہا۔

جو اللہ اور اس کے رسول کو گالیاں دیتا ہے، یا انبیاء میں سے کسی نبی پر سب وشتم کرتا ہے اسے قتل کر دو!

معاہد کا عہد اس وقت تک ہے کہ سبِّ نبی نہ کرے

مجاہدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ:

"جو مسلمان اللہ، اس کے رسول ﷺ، اور انبیاء میں سے کسی نبی پر سب وشتم کرتا ہے وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے، یہ ارتداد ہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ رجوع کرلے تو خیر، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اور جو معاہد اور اس کے رسول، اور انبیاء میں سے کسی نبی پر سب وشتم کرتا ہے تو اس نے نقض عہد کا ارتکاب کیا، اسے قتل کر دو!"

ایک راہب اور حضرت ابن عمرؓ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ ایک راہب کے پاس سے گزرے ان سے کہا گیا یہ شخص، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرتا ہے، انہوں نے فرمایا اگر میں اس کے منہ سے ایسی بات سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا، ہم ان کی جان ومال کا ذمہ اس شرط پر لیتے ہیں کہ یہ ہمارے نبی ﷺ پر سب وشتم نہ کریں

شاتم رسول ﷺ کے قتل پر اجماع امت

صحابہ کے آثار اس باب میں بہت زیادہ ہیں۔ اکثر ائمہ شاتم رسول ﷺ کے قتل پر اجماع کے قائل ہیں، ہمارے شیخ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ اجماع صدر اوّل کا ہے۔ اس میں صحابہ اور تابعین سب شامل ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

اور آپ کا اپنے قادح کو قتل نہ کرنا، تو اس کی توجیہہ

یہ ہے کہ یہ آپ کا حق تھا۔ آپ کو اختیار تھا کہ اسے لیں یا ترک کر دیں۔ لیکن آپ کی امت حق نبیؐ کو ترک نہیں کر سکتی۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ آپؐ عفو و صفح پر مامور تھے، آپؐ تالیف قلب کی مصلحت کے پیش نظر معاف کر سکتے تھے۔

نیز جمع کلمہ سوء کے لیے بھی آپؐ عفو اور درگزر سے کام لے سکتے تھے۔ کہ لوگ آپؐ سے بیزار نہ ہو جائیں، اور یہ چرچا نہ کریں کہ آپؐ اپنے اصحاب (منافقین) تک کو قتل کر دیتے ہیں۔

لیکن یہ ساری باتیں، (عفو و درگزر) آپؐ کی زندگی تک تھیں، آپؐ کے بعد امت اس حق کو حاصل کرے گی، اور معاف نہیں کرے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک میں

زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش اور آپ کا طرزِ عمل

بخاری اور مسلم سے ثابت ہے کہ ایک یہودی عورت نے بکری زہر آلود کر دی اور اس کا گوشت پکا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا، پھر اسے تھوک دیا، آپ کے ساتھ بشر بن براء بھی شریکِ طعام تھے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ کو معاف کر دیا، اور اسے کسی طرح کی سزا نہیں دی، یہ صحیحین کی روایت ہے۔

ابو داؤد کی روایت ہے کہ اس یہودی عورت کے لیے جس نے زہر ملایا تھا۔ آپ نے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جہاں تک خود آپ کے حق کا تعلق تھا یہودی عورت کو معاف کر دیا، سزا نہیں دی، لیکن اس سم آلود کھانے کے باعث بشر بن براء کا انتقال ہو گیا، تو آپ نے اس کے قتل کا فرمان صادر کر دیا۔

اگر جاسوس مسلمان ہو

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اصول اور معمول

ثابت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے جب آپؐ کے خلاف جاسوسی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی، کہ گردن اڑا دیں، آپؐ نے اجازت نہیں دی، اور فرمایا! "تم کیا جانو اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے درگزر کر دیا ہے فرمایا ہے اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم (یعنی جو چاہو کرو، میں نے تم سے درگزر کیا)۔"

جاسوس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، اس باب میں فقہا کا اختلاف ہے، سحنون کا قول ہے اگر کوئی مسلمان اہل حربؒ کا کاتب ہو تو قتل کر دیا جائے گا، اس کی توبہ نہیں قبول کی جائیگی، اس کا مال ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا،

اصحاب مالک میں سحنون کے سوا دوسروں کا خیال ہے کہ بڑی سخت کوڑوں کی مار ماری جائے گی، لمبی سزائے قید دی جائے گی، اور کسی ایسی جگہ جلا وطن کر دیا جائے گا، جو کفار کے علاقہ کے قریب ہو۔

ابن القاسم کہتے ہیں کہ ایسا شخص قتل کر دیا جائے گا، اس جرم کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، وہ زندیق کی طرح ہے۔

امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

ؒ یعنی وہ کافر جن سے مسلمانوں کا معاملہ جنگ کا ہو، صلح و امن کا نہ ہو،

دونوں فریق حاطب[1] کے واقعہ سے دلیل لاتے ہیں۔

---

[1] یہ واقعہ یوں ہے کہ جب آپ نے فتح مکہ کے لیے کوچ کی تیاریاں شروع کیں تو حاطبؓ نے مکہ میں اس کی اطلاع دیدی، جب آپ کو خدا نے یہ بات بتادی، تو باز پرس پر انھوں نے عذر پیش کیا کہ مہاجرین کے جو متعلقین مکہ میں ہیں وہ بہر حال مامون ہیں، لیکن میرا وہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے اطلاع اس لیے دی کہ ان پر میرا احسان ہوجائے، اور وہ میرے متعلقین کو گزند نہ پہنچائیں، فتح تو آپ کو خدا ہر حالت میں دے گا، حاطب جنگ بدر میں شریک تھے، اور اس جنگ کے جانبازوں کو اللہ نے مغفرت کی بشارت دیدی تھی، چنانچہ آپ نے حاطب کا عذر قبول فرمالیا، اور انہیں کوئی سزا نہیں دی، جاسوسی بہت بڑا جرم ہے — خواہ وہ نیک نیتی ہی سے کیوں نہ کیا گیا ہو — لیکن اس بہت بڑے جرم کو بھی بدر کی شرکت نے محو کردیا۔

اسیرانِ جنگ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اصول اور معمول

اسیرانِ جنگ کے لیے آپؐ نے بعض کے قتل کا حکم بھی دیا، بعض کو احسان رکھ کر رہا کر دیا، بعض نے فدیہ لیا پھر چھوڑ دیا، بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں رہائی عطا کی۔ بعض کو غلام بنایا، بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی بالغ شخص کو غلام نہیں بنایا۔ [1]

جنگ بدر کے اسیروں میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کا حکم دیا [2]، یہودی اسیرانِ جنگ میں سے بھی کئی کے لیے یہی حکم نافذ فرمایا [3]
جنگ بدر میں جو مشرکین گرفتار ہو کر آئے ان سے چار ہزار سے لے کر چار سو تک

---

[1] یہ ثبوت ہے اس کا کہ اسلام نے درحقیقت نظامِ غلامی کا یکسر خاتمہ کر دیا کیونکہ غلام وہی بنائے جاتے ہیں جو میدانِ جنگ میں گرفتار ہوں

[2] مدور جہ سازشی اور تخریبی لوگ تھے، طرح طرح کے احسانوں اور بار بار کی رعایتوں کے باوجود اپنے حرکات سے باز نہ آئے۔

[3] اہل کتاب سے خواہ وہ یہودی ہوں، یا عیسائی، آپؐ کا برتاؤ خاص طور پر زیر بحث آگے ہے۔

فدیہ لے کر چھوڑا، بعض اسیرانِ جنگ کا فدیہ صرف یہ قرار دیا کہ وہ چند مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں، یوم بدر کے موقع پر ابو عزہ شاعر کو احسان رکھ کر رہا کر دیا، آپؐ نے دو مسلمانوں کا فدیہ ایک مشرک کو قرار دیا، ثمامہ بن اُثال کو از راہِ احسان پروانۂ رہائی عطا کیا، فتح مکہ کے دن قریش کی ایک بڑی جماعت کو اسی طرح رہا کر دیا، اور انہیں "طلقا" (آزاد کرکے) فرمایا۔

اسیرانِ جنگ۔ اہل کتاب میں بھی مشرک بھی

ان احکام میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ امام کو اختیار ہے کہ حسبِ مصلحت جو صورت چاہے اختیار کرلے۔

اسیرانِ جنگ میں سے جو لوگ غلام بنائے گئے، وہ اہل کتاب بھی تھے، بلکہ بت پرست تھے، عربوں کے دیوتاؤں اور دیویوں کے پجاری،

اسی طرح عہدِ صحابہ میں بنو حنیفہ کے قیدی بھی اہل کتاب نہیں تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ فدیہ، احسان، قتل اور استعباد میں سے جو صورت چاہیں عمل میں لائیں، اور کوئی شبہہ نہیں کہ یہ بات صحیح ہے۔

یہود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا

یہود کے ساتھ آپؐ کے متعدد قضایا وابستہ ہیں۔

پہلے پہل آپؐ نے یہود مدینہ سے معاہدۂ صلح وامن کیا، لیکن بنو قینقاع نے معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے آپؐ سے جنگ کی، آپؐ غالب آئے، اور از راہ احسان چھوڑ دیا۔

پھر بنو نضیر نے آپؐ سے خلافِ عہد، جنگ کی، آپؐ غالب آئے اور انہیں

بائیں حاشیہ صفحہ ۶۴۱ کا! لیکن یہود اپنی سرکشی، شرارت اور طغیان سے کبھی باز نہیں آئے۔

جلا وطن کر دیا۔

(کچھ عرصہ بعد) بنو قریظہ نے پھر آپؐ سے جنگ کی، آپؐ غالب آگئے، آپؐ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

پھر خیبر کے یہود نے آپؐ سے جنگ کی، ہار گئے، آپؐ نے انہیں ارضِ خیبر میں بود و باش کی اجازت دے دی، سوا ان لوگوں کے جنہیں سزائے قتل دی گئی۔

پھر جب (یہود کی حسب مرضی) سعد ابن معاذ۔ (جو اسلام لانے سے پہلے یہودی تھے) کو بنو قریظہ پر حاکم بنایا گیا، تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ ان کے جنگ جو قتل کر دیے جائیں، بچے غلام بنا لیے جائیں، مال ضبط کر لیا جائے۔

خیبر کے یہودیوں کے ساتھ معاملہ فتح خیبر کے دن آپؐ نے یہود کو ارض خیبر میں سکونت رکھنے اور بٹائی پر کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دیدی۔ اور ابن ابی الحقیق کے قتل کا حکم دیا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ کا اعلان فتح مکہ کے دن آپؐ نے فرمان صادر فرمایا کہ! جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے اسے اماں ہے۔

جو شخص ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے اسے اماں ہے۔

جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے اماں ہے۔

جو ہتھیار رکھ دے اسے اماں ہے۔

آپؐ نے اس موقع پر سات آدمیوں کے قتل کا حکم دیا، جن میں مقیس بن صبابہ اور ابن اخطل تھے، اور دو مغنیہ تھیں جو آپؐ کی ہجو گایا کرتی تھیں۔

آپؐ نے حکم دیا کہ زخمی کو نہ چھیڑا جائے، بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے اور کسی جنگی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ واقعہ ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے۔

آپؐ نے بنو قزاعہ کو حکم دیا کہ بنو بکر پر نماز عصر کے وقت تک تلوار چلاتے رہیں پھر آپؐ نے فرمایا۔

قزاعہ، قتل سے اپنے ہاتھ (اب) اٹھالو، ا،،

مقتول کا سلب قاتل کا ہے

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فیصلہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فیصلہ فرمایا کہ سلب[1] سارا کا سارا قاتل کا ہے، اس میں سے خمس[2] نہیں نکالا جائے گا۔ نہ اسے خمس میں شمار کیا جائے گا، اس کی اصل ہے، یہ تھا آپؐ کا فیصلہ اور قضا۔

سلب کے چار احکام امام بخاری نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ ۱۔ سلب قاتل کا ہے، (۲) اور یہ خمس کے علاوہ ہے۔ ۳۔ آپؐ نے ایک آدمی کی شہادت پر سلب دلوا دیا۔ (۴) اور قتل کے بعد بھی اس کے دینے کا فیصلہ فرما دیا،

پس بخاری کی اس حدیث سے مذکورہ چار احکام نکلتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس حکم پر مبنی ہیں۔ کہ سلب اسی کا ہے جو مقتول کو قتل کرے۔

کیا سلب کا شمار خمس میں ہوگا مالک اور ان کے اصحاب کہتے ہیں! کہ سلب کا شمار خمس میں ہوتا ہے، آں حضرت کا کوئی قول و فعل سوا جنگ حنین کے ہمارے پاس اس خیال کی تائید میں نہیں ہے،

---

[1] سلب میدان جنگ کے مقتول کے لباس اور اسلحہ وغیرہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ اس کا حق بلا شرکت غیرے ہوتا ہے جو دشمن کو للکار کر قتل کرتا ہے۔

نہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما نے ایسا کیا" ابن اعواز کہتے ہیں۔ کہ براء بن مالک کے سوا کسی کو آپؐ نے سلب نہیں عطا فرمایا!

سلب صرف قاتل کا حق ہے لیکن جو مالک اور اصحاب مالک کے اس خیال سے متفق نہیں ہیں وہ کہتے ہیں۔

"۔ سلب قاتل کا حق ہے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنگ حنین سے سات سال قبل ارشاد فرمائی تھی۔ چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ معاذ بن الجموح اور معاذ بن عفراء دو انصاریوں نے جنگ بدر کے موقع پر ابوجہل بن ہشام کو اپنی تلوار سے ہلاک کیا۔ پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے اور آپؐ کو اس واقعہ کی خبر دی۔

آپؐ نے دریافت فرمایا، "تم دونوں میں کس نے اسے قتل کیا ہے۔؟

دونوں میں سے ہر ایک نے جواب دیا، "میں نے اسے قتل کیا ہے،!"

آپؐ نے پوچھا، "کیا تم دونوں نے اپنی تلوار یں پونچھ ڈالی ہے؟"

دونوں نے کہا، "ابھی نہیں،!"

پھر آپؐ نے دونوں تلواروں پر ایک نظر ڈالی، اور سلب معاذ بن عمرو بن الجموح کا قرار دیا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا ایک امر معلوم شروع ہی سے چلا آرہا تھا البتہ اس کی تجدید جنگ حنین کے موقعہ پر اعلام عام اور منادی کے ذریعہ ضرور ہوئی تھی۔

ابن اعواز کے قول کی تردید رہا ابن اعواز کا قول کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کے دو جواب ہیں:

بقیہ حاشیہ ۶۲۱ کا!

لہ خمس ۔ پانچواں حصّہ، جو اللہ اور رسول کے لیے ہوتا ہے۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ منفی شہادت درخور اعتنا نہیں ہوتی اور یہ منفی شہادت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں (حضرت ابوبکر وعمر) کے عہد میں چونکہ یہ بات ثابت اور طے شدہ تھی، لہٰذا اعلام و ندا کی ضرورت نہ رہی، اور بہ فرض محال اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ترک کی روایت ان دونوں کے بارے میں صحیح ہے تو بھی اسے ارشاد رسول ﷺ پر مقدم نہیں رکھا جا سکتا۔

وہ لوگ جنہیں آپ نے سلب دلوایا

اور یہ بات کہ آپ نے مقتول کا سلب براء بن مالک کے سوا کسی کو نہیں دیا غلط ہے کیونکہ ثابت ہے کہ آپ نے مسلمہ بن الاکوع، معاذ بن عمرو، ابوطلحہ انصاری کو بھی جنہوں نے جنگِ حنین کے موقع پر بیس آدمی قتل کیے تھے، سلب دیا۔

یہ تمام واقعات صحیح ہیں اور ان کا بڑا حصہ صحیح بخاری میں موجود ہے،

سلب کا خمس میں ہونا بے دلیل ہے

باقی رہی یہ بات کہ سلب کا شمار خمس میں ہے تو اس کی تائید میں کوئی اثر موجود نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کے خلاف ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد میں خالدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب میں پانچواں حصہ نہیں لگایا۔

ایک آیت اور اس کی تعبیر

اصحاب مالک اپنے خیال کی تائید میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں کہ واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ لیکن یہ حکم عام ہے، اور سلب کا قاتل کو دیا جانا خاص ہے اور عموم کتاب (قرآن) کی تخصیق جائز ہے۔

حضرت ابوقتادہؓ کا واقعہ اور اس سے استدلال

اور یہ قول کہ اگر سلب قاتل کا حق ہوتا تو ابوقتادہ نے جنگ حنین کے موقع پر منادی کی ندا سننے سے پہلے مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس

کا جواب یہ ہے کہ اس واقعہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ بات مقرر اور معلوم نہیں تھی اسی لیے وہ خاموش رہے، ان کے سکوت کی وجہ یہ تھی کہ مجرد دعوے کی بنا پر سلب نہیں حاصل کر سکتے تھے، جب ایک گواہ نے شہادت دیدی تو انہیں سلب دیدیا گیا۔

ایک گواہ کی شہادت کافی ہے

اور صحیح یہ ہے کہ دعوائے سلب کے لیے ایک گواہ کی شہادت کافی ہے، دوسرے گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ سنت صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔

جب دشمن مسلمان کے مال و املاک پر قبضہ کرلے

پھر اس کے قبول اسلام کے بعد وہ چیزیں اسی کی رہیں گی

ابن عمرؓ کا ایک واقعہ بخاری میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک گھوڑا بھاگ گیا، دشمن نے اس پر قبضہ کرلیا۔ پھر مسلمان اس پر غالب آگئے، لیکن ابن عمر نے وہ گھوڑا واپس لینے سے انکار کردیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ہے۔

حضرت خالدؓ کا واقعہ خالدؓ کا ایک غلام بھاگ گیا۔ اور روم میں چلا گیا، پھر مسلمان جب غالب آئے تو خالد نے اسے لینے سے انکار کردیا۔

یہ واقعہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ کا ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھاگے ہوئے غلام کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

آں حضرت کا فیصلہ مدوّنہ اور واضحہ میں ہے کہ ایک مسلمان نے اپنا ایک گم شدہ اونٹ مال غنیمت میں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا،

"اگر وہ تمہیں مل جائے تو پھر مال غنیمت کے ساتھ تقسیم نہیں ہوگا، اور اگر تقسیم ہو چکا ہے تو پھر اس کی قیمت نہیں ملے گی۔

مہاجرین نے فتح مکہ کے بعد اپنا مال و املاک واپس نہ لے سکے فتح مکہ کے دن مہاجرین

جب مکہ واپس آئے تو انہوں نے اپنے مکانوں کا مطالبہ کیا جن پر مشرکین قابض ہو چکے تھے لیکن آپ نے کسی مشرک کے قبضہ سے چھین کر مسلمان کا چھنا ہوا مکان اسے واپس نہیں دلایا۔

آں حضرتؐ اور جناب عقیلؓ

فتح مکہ کے روز آپؐ سے پوچھا گیا:
"آپ مکہ میں کل کہاں اتریں گے؟"

آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا:
عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟

اصلی صورت واقعہ

اور معاملہ یوں تھا کہ جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو عقیل نے مکہ میں املاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قبضہ کر لیا، پھر جب وہ اسلام لائے، تو آپؐ کی مملوکہ چیزیں ان کے قبضہ اور تصرف میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اسلام قبول کرتے وقت جس کے قبضہ میں جو چیز ہو گی وہ اسی کی ہے۔

عقیلؓ ابو طالب کے وارث ہوئے۔ علی کرم اللہ وجہہ باپ کے وارث تقدم اسلام کے باعث نہ بن سکے۔[1] اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میراث عبدالمطلب میں سے کچھ حصّہ نہیں ملا، کیونکہ آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور ان کے والد عبدالمطلب ابھی زندہ تھے۔ پھر جب عبدالمطلب کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اولاد وارث ہوئی، جو اعمام نبیؐ تھی، لیکن اکثر اولاد کا انتقال ہو گیا۔ اور ابو طالب تنہا وارث بنے، پھر جب ان کا انتقال ہوا، تو عقیل اس وارث پر قابض ہو گئے اور علی کرم اللہ وجہہ کو باپ کے ترکہ میں سے اختلاف دین کے باعث کچھ نہیں ملا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو عقیل ان کے گھر پر بھی قابض ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے؟"

---

[1] وراثت کا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا (باقی اگلے صفحہ پر)

کفار محاربین قبول اسلام کے بعد

مشرکین نے یہ وطیرہ بنالیا تھا کہ جہاں کسی مسلمان نے ہجرت کی۔ اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، فوراً ہی انہوں نے اس کے گھر، اور املاک و جائیداد پر قبضہ کر لیا۔

چنانچہ یہ سنت جاری ہو گئی، کہ کفار محاربین جب اسلام قبول کرتے تھے تو انہوں نے مسلمانوں جو کچھ بھی مال اور جانی نقصان پہنچایا ہوتا تھا، نہ اس کا تاوان دینا پڑتا تھا نہ جو کچھ ان کے قبضہ میں رہ گیا ہو وہ واپس کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کا مالی منصوبہ بدستور ان کے قبضہ اور تصرف میں رہتا تھا کیونکہ آپ کا ارشاد یہ تھا کہ اسلام قبول کرتے وقت جس کے قبضہ میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کا مال اور اسی کا حق ہے۔

یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں فیصلہ اور قضا۔

باقی حاشیہ۱: وارث نہیں بن سکتا۔ ابو طالب کے انتقال کے وقت علی کرم اللہ وجہہ مسلمان ہو چکے تھے لہذا باپ کی وراثت سے محروم رہے۔ عقیل اپنے دین پر قائم تھے لہذا وراثت انہیں مل گئی۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تحائف و ہدایا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل و طریق کار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ کھانا وغیرہ پیش کیا کرتے تھے اور آپ قبول فرما لیتے تھے، اور جو کچھ قبول فرماتے تھے اس کی مکافات دوگنا تحفہ یا عطیہ دے کر فرمایا کرتے تھے۔

بادشاہوں کی طرف سے ہدایا اور تحائف بادشاہوں کی طرف سے بھی آپ کی خدمت میں ہدایا آتے رہتے تھے۔ آپ ان کے ہدایا قبول فرمایا کرتے تھے، اور انہیں اپنے اصحاب کے مابین تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی کچھ حصہ اپنے لیے بھی رکھ لیتے تھے۔ یہ گویا مال غنیمت میں سے آپ کا حصہ ہوتا تھا۔

دیباج کی زرکار قباؤں کی تقسیم صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیبا کی زرکار قبائیں بطور ہدیہ پیش کی گئیں۔ یہ قبائیں آپ نے صحابہ میں سے کئی لوگوں کو تقسیم فرما دیں، اور ایک مخرمہ بن نوفل کے لیے رکھ لی۔

پھر مخرمہ آئے۔ ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مسعد بھی تھے۔ وہ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اذن طلب کیا۔ ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی آپ ان سے ملے، اور ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا!

یہ (قبا) میں نے تمہارے لیے چھپا رکھی تھی!

مقوقس (شاہ مصر) کا تحفہ آپ کی خدمت میں بادشاہ مصر مقوقس نے ماریہؓ کو، اور سیرین کو ہدیتہً بھیجا۔ آپ نے حسان بن ثابت کو سیرین دے دی۔ اور ماریہ کو اپنے پاس رہنے دیا، مقوقس نے آپ کی خدمت میں ایک خچر اور گدھا بھی بھیجا تھا۔

نجاشی بادشاہ حبشہ کا ہدیہ حبش کے بادشاہ نجاشی نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ آپ نے اسے قبول فرمالیا، اور عوض میں اپنی طرف سے ہدیہ بھیجا، لیکن یہ ہدیہ پہنچنے سے پہلے اس کے مرنے کی خبر آگئی اور وہ واپس آگیا۔

آپ کی خدمت میں خچر کی پیش کش نیز آپ کی خدمت میں فروہ بن نفاثہ جذامی نے سفید رنگ کا ایک خچر ہدیہ بھیجا۔ یہی خچر تھا جنگ حنین کے موقع پر آپ نے جس پر سواری کی تھی۔

بادشاہ ایلہ کا ہدیہ بخاری کی روایت ہے کہ بادشاہ ایلہ نے آپ کی خدمت میں ایک سفید رنگ کا خچر ہدیہ بھیجا۔

ابوسفیان کا تحفہ آپؐ نے قبول کرلیا ابوسفیان نے بھی آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا، اور آپؐ نے اسے قبول فرمایا۔

مشرک کا ہدیہ ناقابل قبول ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ عامر بن مالک نے آپؐ کی خدمت میں ایک گھوڑا بطور ہدیہ بھیجا لیکن آپؐ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا!

"ہم کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے!"

اسی طرح، عیاض مجاشعی نے جب آپ کو ہدیہ دیا تو فرمایا۔

ہم مشرکوں کا عطیہ نہیں قبول کرتے!"

ابوعبید کہتے ہیں کہ حالت شرک میں ابوسفیان کا ہدیہ آپؐ نے اس لیے

قبول کر لیا کہ اس زمانہ میں آپ کے اور اہل مکہ کے مابین صلح تھی۔

مقوقس نے اقرار نبوت کر لیا تھا

مقوقس صاحب اسکندریہ رشاہ مصر کا ہدیہ آپ نے قبول فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے حاطب بن ابی بلتعہ کی بڑی تکریم و توقیر کی تھی۔ یہ اس کے پاس آپ کے قاصد اور سفیر کی حیثیت سے گئے تھے۔

علاوہ ازیں مقوقس نے آپ کی نبوت کا بھی اقرار کیا تھا۔

محارب مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کیا جا سکتا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی محارب مشرک[1] کا ہدیہ کبھی اور کسی زمانہ میں بھی قبول نہیں فرمایا

غیر مسلموں کا تحفہ مال غنیمت سمجھا جائے گا

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ائمہ مسلمین کے پاس ہدایا کے بارے میں سحنون بجے از اصحاب مالک کہتے ہیں کہ اگر امیر روم، امام المسلمین کو ہدیہ بھیجے تو اس کے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ ہدیہ مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ اور اس کی مکافات اسی نہج سے بیت المال سے کی جائے گی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ کفار امام المسلمین کو جو ہدیہ دیں یا مسلمانوں کے امیر عسکر اور سپہ سالاروں کو کوئی ہدیہ پیش کریں تو وہ مال غنیمت ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو غنائم کا ہے۔

---

[1] یعنی وہ مشرک جن سے صلح و امن کا معاہدہ نہ ہو، بلکہ جنگ برپا ہو یا جنگ کی سی کیفیت ہو۔

دشمن سے وفاء عہد کا حکم

قاصدوں اور سفیروں کے قتل و حبس کی ممانعت

- آپؐ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں سے جب انھوں نے مسیلمہ کے رسولِ خدا ہونے کی شہادت دی فرمایا،

"اگر قاصد کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا"

- قریش نے ابورافع کو اپنا پیامی بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا، ابورافع نے آپؐ ہی کے پاس رہ جانا چاہا، اور قریش کے پاس واپس جانے سے انکار کر دیا۔ آپؐ نے ان سے کہا۔

"میں عہد شکنی کرنا نہیں چاہتا (اب) اپنی قوم کے پاس جاؤ، اور اگر وہ بات (اسلام) جو اب تمہارے دل میں ہے قائم رہے تو واپس آجاؤ"

- آپؐ نے ابوجندل کو (جو مسلمان تھے) اس عہد کی بنا پر جو قریش سے تھا، یعنی جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے گا واپس کر دیا جائے گا (جو مسلمان مدینہ سے بھاگ کر مکہ جائے گا، واپس نہیں طلب کیا جائے گا) ابوجندل کو واپس کر دیا۔

غیر مسلم کو امان اور پناہ دینا

امان مسلمان مرد بھی دے سکتا ہے اور مسلمان عورت بھی

ام ہانیؓ کا واقعہ آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ان دو آدمیوں کو امان عطا فرمائی۔ جنہیں آپؐ کی بنت عم ام ہانی نے پناہ دی تھی۔

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ابوالعاص بن ربیع کو امان عطا فرمائی۔ جب آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے انہیں پناہ دی تھی۔

حکم قتال کے بغیر دعوت اسلام اللہ عزوجل نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو آپؐ کے ذمہ اسلام کی دعوت بغیر قتال اور بغیر جزیہ کے تھی، اس حالت میں آپؐ دس سال سے زیادہ مکہ میں مقیم رہے۔

قتال کی مشروط اجازت اس کے بعد آپؐ کو حکم ملا کہ جو مقاتلہ کرے اس سے قتال کیا جائے، جو مقاتلہ نہ کرے۔ اسے چھوڑا۔ دیا جائے۔

قتال سے معاہدین کا استثناء پھر سنہ ۹ھ میں سورۂ برأت نازل ہوئی جس میں آپؐ کو حکم دیا گیا کہ جمیع عرب سے جو اسلام قبول نہ کریں قتال کیا جائے، اور صرف ان لوگوں سے قتال۔ کیا جائے جو معاہد ہوں۔ اور اپنے عہد پر راستی کے ساتھ قائم ہوں، ساتھ ہی ساتھ آپؐ کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ آپؐ بھی وفائے عہد کریں۔ لیکن مشرکین سے جزیہ لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔

متعدد مرتبہ آپؐ نے یہودیوں سے جنگ کی، لیکن ان سے بھی جزیہ لینے کا آپؐ کو حکم نہیں دیا گیا۔

اہلِ کتاب سے قتال کا حکم

اس کے بعد آپؐ کو تمام اہلِ کتاب سے قتال کا حکم دیا گیا۔ بجز اس صورت کے کہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں۔

آپؐ نے حکم الٰہی کی پابندی کی اور اس پر عمل کیا آپؐ نے ان سے مقاتلہ کے نتیجہ میں بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ بعض جنگ و پیکار پر قائم رہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران اور اہل ایلہ سے جزیہ قبول کر لیا۔ یہ لوگ عرب عیسائی تھے۔ اہل دومۃ الجندل سے بھی آپؐ نے جزیہ لینا منظور کر لیا۔ ان کی اکثریت بھی عرب تھی۔

مجوس سے بھی جزیہ لیا گیا

آپؐ نے مجوس (پارسی) سے بھی جزیہ لیا اور یمن کے اہلِ کتاب سے بھی جو یہودی تھے۔ لیکن مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا۔

مجوس اور اہل کتاب کے سوا کسی سے جزیہ نہیں

احمد اور شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جزیہ سوا مذکورہ تین گروہوں کے کسی اور سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی یہود، نصاریٰ، اور مجوس، ان تین کے علاوہ جو لوگ ہیں ان سے یا اسلام قبول کیا جائے گا یا قتل؟

جزیہ ہر غیر مسلم سے لیا جا سکتا ہے

ایک دوسری جماعت کا قول ہے کہ جو قوم بھی جزیہ دے اسے قبول کر لیا جائے گا

اہلِ کتاب (یہود اور نصاریٰ) سے اس لئے کہ قرآن کا حکم ہے۔

مجوس سے اس لئے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا بھی ہے۔

اور دوسری قوموں سے اس لیے کہ وہ بھی ان سے ملحق مانی جائیں گی۔ کیونکہ مجوس

اہل شرک ہیں ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں، اگر ان سے جزیہ لینا جائز ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مشرکوں سے خواہ وہ مجوس ہوں یا کوئی اور، جزیہ قبول کر لیا جائے گا۔

عربوں سے جزیہ کیوں نہیں لیا گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا کیونکہ یہ سب کے سب آیہ جزیہ کے نزول سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ آیۂ جزیہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں قتال عرب سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور یہ سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اور کوئی اگر باقی رہ جاتا تو یقیناً آپ قبول فرما لیتے جس طرح آپؐ نے صائبان (صلیب) اوثان (صنم) اور نیران (آگ) کے پرستاروں سے جزیہ قبول کر لیا۔

مجوس اور مشرکین کا فرق اور بعض طوائف کے کفر کا دوسرے کے گروہ کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور سنگین تر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ بت پرستوں کا کفر، اگر دیکھا جائے تو مجوس کے مقابلہ میں ہلکا ہے۔ اور غور کیجیے، تو بت پرستوں اور آتش پرستوں کے درمیان فرق بھی کیا ہے؟ اور اگر ہے تو مجوس کا کفر، بت پرستوں کے مقابلہ میں زیادہ غلیظ اور سخت ہے۔

بت پرست اور مجوس کا امتیاز بت پرست توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ خالق خدائے یکتا کے سوا کوئی نہیں۔ وہ دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا تقرب الٰہی کے لیے کرتے ہیں، انہیں صانع عالم نہیں مانتے۔ نہ یہ مانتے ہیں کہ صانعین عالم میں سے ایک خالق خیر ہے۔ دوسرا خالق شر، جیسا کہ مجوس کہتے ہیں۔ نہ وہ ماؤں بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ شادی جائز رکھتے ہیں۔ وہ بقیہ دین ابراہیم علیہ

السلام پر قائم ہیں لیکن مجوس، ان کے پاس سرے سے کوئی آسمانی کتاب ہی نہیں ہے نہ وہ انبیاء میں سے کسی نبی کے دین کے پیرو ہیں ان کے عقائد و شرائع میں کوئی ایسا اثر نہیں پایا جاتا جس سے معلوم ہو کہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب یا شریعت تھی جو اٹھالی گئی اور اگر یہ اہل کتاب تھے بھی تو وہ اٹھالی گئی اور ان کی شریعت باطل ہوگئی۔ اب ان میں سے کوئی چیز ان کے پاس باقی نہیں ہے۔

اور یہ معلوم ہی ہے کہ عرب دین ابراہیم علیہ السلام کے پیرو تھے۔ ان کے پاس صحف تھے۔ شریعت تھی۔ اور ان بت پرستوں نے دین ابراہیم علیہ السلام میں وہ عظیم تبدیلی نہیں کی، جو مجوس نے اپنے نبیوں کے دین میں کر ڈالی اور بخلاف عرب کے شرائع انبیاء میں سے کسی پر ان کا تمسک ثابت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مجوس جنہوں نے اپنے دین کو قبیح الادیان بنا دیا، مشرکین عرب کے مقابلہ میں بہتر حالت میں رہیں

عرب اور غیر عرب میں تفریق

ایک تیسرا گروہ ہے جو عرب اور غیر عرب میں تفریق کرتا ہے وہ کہتا ہے جزیہ ہر کافر سے قبول کیا جا سکتا ہے۔ سوا مشرکین عرب کے۔

قریش اور غیر قریش میں تفریق

ایک چوتھا گروہ ہے جو قریش اور غیر قریش میں فرق کرتا ہے لیکن یہ بے معنی سی بات ہے کیونکہ قریش میں کوئی کافر باقی نہیں رہ گیا تھا جس سے قتال کیا جاتا، یا جزیہ لیا جاتا۔

عربی اور غیر عربی کا کوئی سوال نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر اور منذر بن ساری اور ملوک طوائف کو اسلام یا جزیہ کی دعوت دی، عربی اور غیر عربی کا کوئی سوال نہیں پیدا کیا۔

جزیہ کی تعداد کا تعین

اب رہی جزیہ کی تعداد تو آپ نے معاذؓ کو یمن بھیجا اور حکم دیا، کہ ہر بالغ سے ایک دینار، یا اس قیمت کی یمنی چادر جزیہ میں لیں۔

بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدار میں اضافہ کر کے چار دینار اہل ذہب (سونا) پر، اور چالیس درہم اہل فضہ (چاندی) پر سالانہ عائد کر دیئے۔

اہلِ مکّہ سے معاہدۂ صلح

نقضِ عہد کی صورت میں بغیر اعلان کے جنگ کی جاسکتی ہے

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اہلِ مکہ سے دس سال کے لیئے جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر صلح کرلی۔ قریش کے حلیفوں میں بنو بکر تھے اور آپ کے حلفا میں بنو خزاعہ،

خلفاء قریش نے بدعہدی کی، قریش نے ان کا ساتھ دیا، انھیں منع نہیں کیا۔ اس طرح وہ نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے اور ان سے لڑائی بغیر اعلان جنگ کے جائز ہوگئی۔ کیونکہ اب وہ جنگ آزما تھے، انھوں نے خود باہمی رضامندی سے معاہدہ صلح توڑا تھا۔

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپؐ مدینہ میں وارد ہوئے، تو یہود سے آپؐ نے معاہدہ صلح کرلیا۔ لیکن یہود نے بار بار نقضِ عہد اور بدعہدی کا مظاہرہ کیا ہر مرتبہ جب آپؐ نے ان سے جنگ کی غالب آئے۔

• آخر میں آپؐ نے خیبر کے یہود سے صلح کی، شرط یہ رکھی کہ زمین آپؐ کی ہوگی۔ وہ وہاں کارکن کی حیثیت سے رہیں گے۔ جب تک آپؐ چاہیں۔

آپؐ کے اس عمل سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ کام کے وقت دشمن سے صلح کرنا اپنی معیّن کی ہوئی مدت کے لیئے جائز ہے اور اس معاہدے کو وہ اپنی صواب دید پر جب چاہے فسق کرسکتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر منسوخ حکم ہے۔

زاد المعاد

حصّہ چہارم

زاد المعاد جلد چہارم

مندرجات اور مباحث پر ایک طائرانہ نظر

زادالمعاد کے تین حصے آپ کی خدمت میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ یہ چوتھا حصہ ہے اور اگر میں یہ کہوں تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ اپنی احادیث اور اہمیت کے اعتبار سے یہ حصہ جان سخن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اتنے اہم اور فکر انگیز مباحث موجود ملیں گے جو گذشتہ تین حصوں میں مجموعی طور پر بھی نظر نہیں آئیں گے۔

فقہی خصوصیات

اس حصہ کی ایک سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے نہایت اہم اور دور رس نتائج کے حامل فقہی مباحث بہ کثرت موجود ہیں۔

مصنف نے جب کسی فقہی مسئلہ پر بحث کی ہے پہلے قرآن کریم کی آیتیں پیش کی ہیں۔ پھر احادیث نبوی ؐ میں سے وہ تمام حدیثیں پیش کر دی ہیں جن سے موافقت یا مخالفت میں استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ترجیح ادلہ سے کام لیتے ہوئے صورت مسئلہ کو منقح اور صاف کر دیا ہے۔

اس طرح نہ صرف، ہر مکتب فکر کے افکار و خیالات سے آگاہی بہم پہنچ جاتی ہے نہ صرف آئمہ فقہ کے فقہاء مسائل علم میں آجاتے ہیں، نہ صرف ان کے ادلہ، اقوال اور

وجوہ ترجیح وواضح ہوجاتے ہیں۔ بلکہ مطالعہ کرنے والا خود بھی اپنی بصیرت اور فراست کی روشنی میں ایک رائے قائم کرسکتا ہے اور اس ذخیرہ معلومات کو سامنے رکھ کر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اس طرح مطالعہ کرنے والے میں بجائے خود اجتہادی بصیرت پیدا ہوجاتی ہے جہاں وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے وہاں یہ حقیقت بھی نظر کے سامنے آجاتی ہے کہ کم ازکم ترجیح ادلّہ سے ہر دینی ذوق رکھنے والا، اور پڑھا لکھا شخص کام لے سکتا ہے۔

ایک اور نمایاں خصوصیت

اس حصّہ کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو مسائل زیادہ جامعیت اور نسبتہً بسط و تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ وہ ایسے ہیں جن سے ہر شخص کو، اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے، یا ذاتی طور پر۔ یا صفاتی طور پر۔ یعنی یا تو ان مسائل سے انسان خود دوچار ہوتا ہے یا اگر وہ نہیں دوچار ہوتا تو اس کے دوستوں عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوتے ہیں جو ان میں سرگرداں اور پریشان ہوتے ہیں، ضیق سے نکلنا چاہتے ہیں مگر نہیں نکل پاتے۔ آسان دین (الدین لیسیرٌ) کی آسانیوں سے مستفید ہونا چاہتے ہیں مگر نہیں ہو پاتے۔ لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جائز حدود کے اندر کوئی دشواری ایسی نہیں ہے جو حل نہ کردی گئی ہو۔

اور یہ بہت بڑی نعمت ہے جو معاد کی طرف سے ملّت کو دی جاسکتی ہے۔

آنحضرتؐ کے احکام وقضایا

علاّمہ ابن قیم مصنف کتاب نے، آغاز ہی میں بسط و تفصیل کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام وقضایا کی جامعیت کے ساتھ اجمالی تفصیل پیش کی ہے جو نکاح وطلاق سے متعلق آپؐ نے صادر فرمائے۔

نکاح اور طلاق ــ بظاہر یہ دو لفظ ہیں جنھیں ہم ہر روز سنتے رہتے، اور جن کا انعقاد اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، کون ہے جس نے کسی کا نکاح ہوتے نہ دیکھا ہو؟

ایسے بھی بہت کم لوگ ہوں گے طلاق کے واقعات جن کے علم میں نہ ہوں۔
لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ دو سادہ سے اور معمولی لفظ اپنے اندر ایک کائنات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یہ کائنات نشاط وانبساط کی بھی اور رنج وملال کی بھی ہے۔
ان الفاظ کا صحیح استعمال جہاں زندگی کو سرسبز اور شاداب بنادیتا ہے وہاں غلط استعمال اس سرسبزی اور سادابی کو ویرانے میں بھی تبدیل کردیتا ہے۔
نکاح سے جہاں زندگی بنتی ہے وہاں طلاق سے بگڑ بھی جاتی ہے۔
یہ بڑا نازک مسئلہ ہے۔
اور کوئی شبہ نہیں اس نازک مسئلے کو بڑی خوبی سے مصنف علام نے سمجھانے کی سعی کی ہے۔

تین طلاقیں ایک وقت میں

ہمارے ہاں عام طور پر ایک مجلس میں تین طلاقیں اگر شوہر دے دے تو وہ نافذ ہو جاتی ہیں۔
مثلاً اگر شوہر بیوی سے کہتا، یا اسے اطلاع دیتا ہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تو یہ ایک وقت میں دی ہوئی تینوں طلاقیں نافذ ہو جائیں گی، یعنی طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ اب شوہر اور بیوی ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔ ان کا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ ان کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اور ایک مسرور شادماں خاندان، غم وحسرت کے سیہ خانے میں ہمیشہ کے لیے اسیر ہو جائے گا۔ اب وہ عورت شوہر پر اس وقت تک حرام ہے۔ جب تک کسی دوسرے آدمی سے نکاح نہ کرلے۔ اور وہ شخص اس سے وظیفہ زوجیت نہ ادا کرے۔ اور جب تک وہ مر نہ جائے، یا خوشی اور رضامندی سے طلاق نہ دے دے۔

بیک وقت تین طلاقوں کی اصل وحقیقت

حقیقت یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک وقت میں دینا بہت بڑی معصیت ہے۔ اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک معصیت کو واقع اور نافذ کر دیا جائے۔

قرآن میں صاف طور پر ارشاد ہوا ہے :

الطلاق مرتان، فامساك بمعروف اوتسريح باحسان

یعنی طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو بھلائی کے ساتھ اسے روک لو (رجعت کر لو) یا شرافت کے ساتھ رخصت کر دو۔

پہلی طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

دوسری طلاق کے بعد۔ یا تین طلاق کی عدت گزرنے کے بعد، عورت بائنہ ہو جاتی ہے۔ اب شوہر رجعت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر بیوی راضی ہو تو تجدید نکاح ہو سکتی ہے۔

یہ صورت انسانی مصالح کے بالکل مطابق ہے، اور اس کی تنفیذ و ایقاع بالکل بجا ہے۔ اور درحقیقت شرع کا بتایا ہوا یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔ یہی شرعی طلاق ہے اس میں نہ کسی طرح کی قباحت ہے۔ نہ طرفین میں سے کسی کا زیاں اور خسارہ ہے۔ اس طرح نہ کوئی خاندان تباہ ہوتا ہے، نہ زندگی برباد ہوتی ہے۔ نہ اولاد کے مستقبل کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

چنانچہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابوبکر صدیق کے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر کے عہد خلافت کے اوائل میں بھی شرعی طلاق کی صورت رائج اور نافذ و شائع رہی۔

لیکن بعد میں لوگوں کی جلد بازی سے تنگ آ کر حضرت عمرؓ نے ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں نافذ کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

ظاہر ہے حضرت اپنی جلالت قدر کے باوجود شارع نہیں تھے۔ لہٰذا شرع کے کسی اصول و آئین میں وہ ترمیم یا تنسیخ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ امیر المومنین اور امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے انھیں یہ حق ضرور تھا کہ وقتی اور ہنگامی طور پر کسی شرعی حکم کو ملتوی کر دیں، یا معطل کر دیں، اور یہ حق صرف انہیں کو نہیں

ہر امیر اور امام کو حاصل ہے۔ چنانچہ قحط کے زمانہ میں چور کے ہاتھ نہ کاٹنا اس دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو وقتی اور ہنگامی فیصلہ یا آج کل کی اصطلاح میں آرڈی ننس کہا جا سکتا ہے۔ اسے ابدی، اور دائمی حیثیت دے دینا، اور فقہ کا ایک مستقل اور قائم بالذات مسئلہ بنا دینا زیادتی ہے۔ جب کہ یہ بات بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے اپنی ایک دوسری کتاب "اعلام الموقعین" میں لکھا ہے کہ۔ حضرت عمرؓ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس فیصلہ پہ ندامت کا اظہار فرمایا۔

اس مسئلہ پر اگر خالی الذہن ہو کر غور کیا جائے۔ اس کے مالہ وماعلیہ کو سمجھا جائے۔ آیات قرآنی سنت نبوی۔ آثار صحابہ وتابعین وتبع تابعین کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کا نفاذ، شرعی طور پر جائز نہیں خیال کیا جا سکتا۔ حضرت عمرؓ کا فیصلہ ایک وقتی فیصلہ تھا۔ دائمی اور ابدی نہیں تھا۔ جس طرح آرڈی ننس ہنگامی حالات میں نافذ کیے جاتے ہیں۔ کتاب الآئین میں ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ پر علامہ ابن قیم نے بڑی خوبی کے ساتھ تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور کوئی گوشہ بحث بھی تشنہ نہیں رہنے دیا ہے۔ قرآن سے بھی استدلال کیا ہے۔ احادیث کی روشنی میں بھی بحث کی ہے۔ اسناد کو بھی پرکھا ہے راویوں کی جرح وتعدیل بھی کی ہے۔ آثار صحابہ بھی پیش کیے ہیں ائمہ فقہ کے جو مسلک ہیں، انھیں بھی پیش کیا ہے۔ اور ان کے دلائل سے بھی بحث کی ہے اور پھر ہر طرح سے منقح کر کے اس مسئلہ دشوار کو آسان بنا دیا ہے۔

ظہار۔ ایلاء اور لعان کے مسائل

اسی طرح ظہار، ایلاء اور لعان کے مسائل بھی ہیں۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا، یا اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا، یا اس کی عصمت کے خلاف حلف اٹھانا۔ یہ بڑے ٹیڑھے مسئلے ہیں اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں اکثر پیش آتے

رہتے ہیں۔ ناواقفیت اور لاعلمی کے باعث لوگ اس طرح کی حرکتیں کر کے پریشان بھی ہوتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کریں؟ اور اس گتھی کو کیونکر آسانی کے ساتھ سلجھائیں۔

ان مسائل پر حسن استدلال کے ساتھ علامہ ابن قیم نے بحث کی ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو کو اس طرح اجاگر کر دیا ہے کہ شک وریب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ اور صحیح صورت مسئلہ نظر کے سامنے آجاتی ہے۔

ان مباحث ومسائل کے ذکر میں بھی حسب سابق، مصنف علامؒ نے مدار استدلال قرآن اور حدیث کو بنایا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ آئمہ فقہ کے استدلال اور وجوہ ترجیح کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے ان کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے قاری کو اندھیرے اور دھوکے میں نہیں رکھتے، اس کے سامنے سارا مواد رکھ دیتے ہیں۔ اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر یہ توقع رکھتے ہیں کہ قاری اب خود ایک رائے قائم کرتے اور بلاشبہ یہی اصح طریقہ ہے۔

تخییر ازواج، عدت اور سوگ کے مسائل

ایک شوہر کی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ کس طرح عدل وانصاف کے سرشتہ سے مضبوطی کے ساتھ منسلک رہ سکتا ہے؟

ایک عورت کو اگر طلاق دے دی جائے یا اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت کیا ہے اور یہ زمانہ عدت اسے کس طرح بسر کرنا چاہیئے؟

کسی شخص کا کوئی عزیز قریب وفات پا جائے تو شرعی طور پر اس کا سوگ کس طرح اور کب تک منانا چاہیئے؟

یہ مسائل بھی روزمرّہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون ہے جسے ان سے کسی نہ کسی صورت میں سابقہ نہ پڑتا ہو؟

علامہ ابن قیم نے ان مسائل سے بھی بحث کی ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بتایا ہے کہ ان مسائل کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ اور اگر ان سے دوچار

ہونا پڑے تو ان سے عہدہ برآ ہونے کی صورت کیا ہے؟

ان مسائل کی اہمیت اور افادیت اس کی متقاضی تھی کہ ان کا ذکر کیا جاتا اور اس سلسلہ میں شرع دین متین کے احکام و ہدایات واضح کر دیے جاتے۔ کتاب کے مصنف علامہ نے یہ فریضہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

خلع، اقسام طلاق اور مسائل متضمنہ

خلع یہ ہے کہ عورت کسی وجہ سے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہے اور وہ اپنے مہر اور حقوق سے دستبردار ہو کر طلاق کی طالب ہو۔

طلاق دینے والے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔

وہ بھی جو بہ ثبات ہوش و حواس یہ کام کرتے ہیں۔ وہ بھی جو از راہ مذاق اس طرح کی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ وہ بھی جو نشہ میں ہوتے ہیں یا جن پر غصہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے یا یہ الفاظ استعمال کرتے وقت جن کا ارادہ کچھ اور ہوتا ہے۔ یا جو دباؤ اور جبر کے ماتحت ایسا کر گزرتے ہیں۔

یہ ساری صورتیں پیش آتی ہیں اور پیش آسکتی ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ شرع کی روشنی میں ان پر غور کیا جائے۔ اور صورت مسئلہ واضح کی جائے۔

اسی طرح ان مسائل سے متفرع ہو کر، اور بھی بہت سے ضمنی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن سے قاضی اور حاکم کو عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے ان تمام چیزوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ دلائل و براہین کا سررشتہ کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ اپنے نقطہ نظر کے ساتھ دوسروں کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا ہے جس کے باعث حقیقت کی تہہ تک پہنچنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

مہر، محرمات، اور مسائل متفرقہ

مہر عورت کا حق ہے جو اسے ملنا چاہیے، لیکن یہ حق کبھی سوخت بھی ہو جاتا ہے، کبھی اس میں کمی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ واجب ہی نہیں ہوتا۔

اس طرح نکاح وطلاق کے محرمات ہیں۔ اور ان مسائل مربوطہ میں کچھ اور مسائل ہیں، جو خود بھی اپنے اندر محرمات کا ایک سلسلہ رکھتے ہیں۔

شادی اور بیاہ، نکاح اور طلاق کے سلسلے میں اور بھی بہت سے متفرق مسائل پیدا ہوتے رہیں جو کافی نازک ہیں، اور جن پر نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب مسئلہ سے متعلق تمام مواد سامنے ہو۔ ہر نقطۂ نظر کا علم ہو۔ لوگ اپنے مسلک کی بنیاد جن دلائل اور براہین پر رکھتے ہیں ان سے پوری پوری واقفیت ہو۔ اور کوئی شبہ نہیں یہ کار صعب علامہ ابن قیم نے بڑی حد تک آسان کر دیا ہے۔ پڑھنے والا اگر صاحب نظر ہے، تو اس کے سامنے زیر بحث مسائل کے تمام پہلو اجاگر ہو جائیں گے، وہ کہیں بھی تشنگی محسوس نہیں کرے گا، اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ اپنی بصیرت اور فراست کی رہنمائی میں وہ ان مسائل کو سمجھے۔ اور ان کے مالہ وما علیہ پر خود رائے قائم کر سکے۔

مسائل بیع ونفقہ اقارب وغیرہ

بیع کے مسائل بھی ان گنت ہیں۔ ان کی نوعیتیں اور کیفیتیں بھی جدا ہیں۔ ان کے اقسام، انواع بھی رنگا رنگ ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے، جسے نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ جس سے دامن چھڑایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح نفقہ اقارب کا معاملہ ہے۔

بیوی کا نفقہ، والدین کا نفقہ۔ غریب عزیزوں اور قرابت داروں کا نفقہ ان نفقات کی حیثیت کیا ہے؟ نوعیت کیا ہے؟ وجوب کیا ہے؟ لزوم کی صورت کیا ہے؟

استحسان اور استحباب کے مدارج کیا ہیں؟

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے ہمیں واقف ہونا چاہیے اور ہمارے معلومات مستند بھی ہونے چاہئیں۔ ساتھ ہی ساتھ، وہ معلومات یک طرفہ نہ ہو۔ تمام متعلقہ مسائل پیش نظر ہوں۔ ان کے دلائل ان کے ماخذ، اور ان کے مصادر بھی نظر کے روبرو

ہوں۔ تب ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکتے۔ اور کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

مسائل بیع اور نفقہ اقارب کے سلسلہ میں کتاب کے مصنف علام نے بحث و نظر کا کوئی پہلو نا تمام اور نامکمل نہیں چھوڑا ہے۔ صرف اصولوں ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ جن جزئیات کو اہم اور ضروری سمجھا ہے، انھیں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے بلکہ ان پر کھل کر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح کی ہے کہ صورت مسئلہ آئینہ کی طرح صاف اور واضح ہو جائے۔

سخن ہائے گفتنی

یہ تو تھا اس کتاب کے عام مباحث اور مسائل پر ایک اجمالی تبصرہ۔

اب میں ایک دوسری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

کوئی شبہ نہیں علامہ ابن قیم اپنے علم و فضل تحقیق و تدقیق، ژرف نگاہی، اور وسعت نظر کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ ہیں۔ وہ علم کا ایک بحر زخار ہیں۔ وہ رمز حقیقت کے آشنا ہیں۔ شرع کے مسائل پر ان کی حد درجہ وسیع نظر ہے، قرآن کے وہ ماہر ہیں؛ حدیث کے فن کے امام ہیں۔ فقہ کے دلائل و براہین مسالک اور مفروضات، مسلمات اور مذاہب کے ایک ایک جزئیہ سے وہ واقف ہیں، ان سب چیزوں نے مل کر ان میں مجتہدانہ موقف پیدا کر دیا ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں، مجتہد کی مسند انھیں زیب دیتی ہے۔ ان جیسے یگانہ روزگار اور عالم اجل شخص کو بھی اگر مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ مانا جائے، تو اور کسے مانا جائے گا؟

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود، یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ وہ بہر حال ایک انسان تھے اور انسانوں میں ـــ نبی کے سوا ـــ کوئی معصوم اور لغزش و خطا سے مبرا نہیں ہوتا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی اور جلالت مآب شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو؟ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ بھی انسان تھے۔ ان سے بھی لغزش اور خطا کا صدور ممکن تھا۔

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں ان کی ہر رائے واجب التسلیم نہیں ہے۔ اپنے مسلک میں وہ متشدد بھی بہت ہیں اور مخالفین کے ساتھ رعایت کم کرتے ہیں اور ان

کا یہ طرزِ عمل تمام تر حسن نیت، خلوص، للہیت، اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے اصول کے تحت ہے۔ اسی لئے انھیں موردِ الزام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن بایں ہمہ، جس طرح انھوں نے دوسروں کے مسلک کو پرکھا، جانچا۔ اس پر تنقید اور جرح کی ہے۔ اسی طرح ان کے افکار و آرا کو بھی پرکھا، جانچا، اور ان پر تنقید اور جرح کی جاسکتی ہے، تقلیدِ اعمٰی ایک مسلمان کا شیوہ نہیں اسے اپنی بصیرت اور فراست کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا چاہیے۔

رئیس احمد جعفری
۸۹۔ ٹیگور پارک لاہور

مباحث کتاب کا اجمالی خاکہ

قبل اس کے کہ اصل کتاب شروع ہو میں زاد المعاد جلد چہارم کے مباحث کا اجمالی خاکہ پیش کر دینا چاہتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ مصنف علّام نے کتنی کاوش ژرف نگاہی، اور جامعیت و اکملیت کے ساتھ، زیر بحث مسائل پر گفتگو کی ہے بلغیر اس کے اتنی ضخیم کتاب کا مطالعہ چنداں سود مند نہ ہوگا۔

- نکاح اور توابع نکاح کے سلسلہ میں مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا پیش کیے ہیں، کیونکہ وہ ہر مسلمان کے لیے فیصلہ کن ہیں۔ ان سے سرتابی یا اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یہ مبحث خاصا طویل ہے۔ لیکن اس میں جو متفرع اور متضمن مسائل آ گئے ہیں۔ ان کی اہمیت متقاضی بھی اس طوالت کی تھی، مثلاً مصنّف نے بتایا ہے کہ:

- کنواری یا بیوہ یا مطلقہ کی شادی اگر باپ کر دے تو آپ کا حکم کیا ہے؟
- پھر نکاح بلا ولی اور نکاح مفوضہ پر روشنی ڈالی ہے۔
- بعد ازاں زنا سے حاملہ عورت اور شروط نکاح کے سلسلہ میں آپ کے احکام کا ذکر ہے۔
- پھر نکاح شغار اور نکاح محلل پر بحث کی ہے۔
- بعد میں نکاح محرم اور نکاح متعہ پر، فکر انگیز اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔
- جو شخص اسلام قبول کر لے اور اسلام سے پہلے اس کے حبالۂ عقد میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں۔ تو ان کا کیا حکم ہے؟ ان میں سے کس کو طلاق

پڑے گی؟ اور کس طرح پڑے گی؟ اس سلسلہ میں احکام نبویؐ کے ساتھ ساتھ آئمہ فقہہ کا مسلک بھی بیان کیا ہے۔

- نکاح عبد کا ذکر اس کے بعد ملے گا۔
- پھر یہ معلوم ہوگا کہ نکاح کس سے حرام ہے؟
- بعدازاں قیدی عورتوں سے نکاح کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔
- اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ زوجین میں سے اگر ایک دوسرے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہوگا؟
- عزل، جو آج کل کی اصطلاح میں "منع حمل" کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ ایک بہت اہم مسئلہ ہے، موجودہ عہد میں اس مسئلہ کی اہمیت نے اور زیادہ شدت اختیار کرلی ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کے دوران میں جہاں یہ معلوم ہوگا کہ یہ نیا مسئلہ نہیں ہے۔ آج سے ۱۴ سو برس پہلے بھی موجود تھا، وہاں یہ امر بھی واضح ہو جائے گا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
- یہ بھی بتایا ہے کہ کنیز کی آزادی اس کا مہر قرار پاسکتی ہے۔
- نیز یہ بات بھی واضح کی ہے کہ صحت نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے
- علاوہ ازیں کفارہ نکاح، اور اس ذیل میں فقہا اور روایات کا اختلاف بھی زیر بحث آیا ہے۔
- خیار معتقہ شرط فاسد کی بحث۔ مرد آزاد یا غلام کی زیر نکاح کنیز کے خیار کا مسئلہ ان مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ سب اس کتاب میں موجود ہیں۔
- صداق (مہر) اور نکاح کی بحث بھی پوری ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہے
- مرد یا عورت کے وہ عیوب، جن کی بنا پر فسخ نکاح کی صورتیں واقع ہو سکتی ہیں، یا جن کی بناء پر نکاح یا طلاق قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا جن کے باعث، تفریق زوجین ممکن ہے۔ یہ مسئلہ نازک بھی ہے اور اہم بھی۔ کتاب میں اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

•۔ شوہر کی خدمت گزاری، یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور اس سلسلہ میں ضمنی طور پر کئی مباحث پیدا ہوتے ہیں، خدمت گزاری کے حدود۔ اس کی نوعیت، کیفیت، لزوم، یہ ساری باتیں زیر بحث آئی ہیں۔

•۔ خلع اور طلاق کے مسائل، جتنے پیچیدہ ہیں، اتنے ہی ضروری بھی ہیں۔ ان سے واقفیت اور ان کے متضمنات کا علم ہر شخص کے لیئے لابدی ہے۔ اور یہ علم بحمرو جوہ ان ابواب و مضمون کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

•۔ حائض اور نفساء حالت طہر میں طلاق دینے کی تحریم پر جو بحث ہے وہ دلچسپ بھی ہے، مدلل بھی اور فکر انگیز بھی۔

•۔ طلاق مرد کا حق ہے۔ عدت عورت کا، لیکن مرد اور عورت کو یہ حق دینے میں مصلحت کیا ہے؟ اس کے اسباب و عوامل کیا ہیں؟ اس کے مضمرات و نتائج کیا ہیں؟ یہ بھی بڑا اہم سوال ہے اور اس سوال کا تسلی بخش جواب کتاب میں موجود ہے۔

•۔ اگر کوئی شخص کسی جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، یا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو صورت مسئلہ کیا ہوگی؟ اور اس کے اس فعل کے اثرات و نتائج شرعی نقطہ نظر سے کیا ہو سکتے ہیں؟ یہ بحث اس کتاب میں دل نشین طور پر موجود ہے

•۔ کبھی شوہر اپنی بیوی سے کہہ دیتا؛

جا اپنے گھر والوں کے ساتھ رہ

آیا اس لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس کا شمار کنایات طلاق میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ان سوالات کا جواب اطمینان بخش طور پر کتاب میں موجود ہے۔

•۔ کنایات طلاق، یعنی ایسے الفاظ کہ صاف اور واضح طور پر جن سے طلاق نہ ثابت ہوتی ہو، لیکن جن کے مفہوم اور مضمرات ایقاع طلاق پر دلالت کرتے ہوں؟

وہ کون سے کنایات ہیں جن سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

وہ کون سے کنایات ہیں جو لغو اور باطل ہیں، جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی؟

یہ بحث بھی اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ ملے گی۔

● استلحاق کا مسئلہ بھی بڑا نازک۔ اہم اور پیچیدہ ہے
استلحاق سے مراد ہے۔ ولدالزنا کو اپنے نسب میں شریک کر لینا۔
اس مسئلہ کے علاوہ اس سے متعلق اور متضمن احکام بھی ذکر کیے۔
● اسی طرح حضانت کا مسئلہ ہے، یعنی اولاد صغیر کی پرورش اور پرداخت کس کا حق ہے، یا کون اس کا ذمہ دار ہے؟
یہ ایسا مسئلہ ہے جو آئے دن اختلاف و نزاع کا سبب بنتا رہتا ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ صحیح اور مستند شرعی صورت مسئلہ کیا ہے تو اختلاف نزاع کا سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا، کیونکہ حکم خدا اور رسول ﷺ سے سرتابی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔
اس سلسلے میں بھی بتایا گیا ہے کہ ماں کا حق حضانت کب اور کس طرح ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ چیز بھی معلوم کرنے کی ہے۔
یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے مباحث کتاب سے متعلق جو میں نے پیش کیا ہے تفصیل خود کتاب سے معلوم ہو گی تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل۔
رئیس احمد جعفری

مسائل ضروریہ

نکاح و توابع نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قضایا

اس عنوان کے ماتحت ذیل کے اہم ترین مسائل زیر بحث آئے ہیں

- نکاح بلا ولی
- نکاح مفوضہ
- زانیہ عورت سے نکاح کے احکام اور شروط نکاح
- نکاح شغار
- نکاح محلل
- نکاح محرم
- نکاح متعہ
- عزل اور اس کے احکام
- خیار معتقہ
- مہر وغیرہ

اور ان مذکورہ بالا مسائل و احکام و قضایا کے علاوہ دوسرے احکام و مسائل پر بھی بحث و نقد کی گئی ہے

نکاح اور اس کے متعلقات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

صحیحین سے ثابت ہے کہ حضرت خنساء بنت جذام کا ان کے والد نے نکاح کر دیا، حالانکہ انھیں یہ نکاح ناپسند تھا۔ اور یہ ثیبہ[1] تھیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے ان کا نکاح رد کر دیا[2]۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت

نیز سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیارِ (فسخ) نکاح دے دیا[3]۔ یہ واقعہ

---

[1] ثیبہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کنواری نہ ہو۔ اور باکرہ اسے کہتے ہیں جو کنواری ہو۔

(رئیس احمد جعفری)

[2] اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو شادی کے معاملہ میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس کی مرضی اور اذن کے بغیر باپ بھی اس کی شادی نہیں کر سکتا اور اسلام کی دی ہوئی اس آزادی کو خود مسلمانوں نے کس طرح چھینا ہے، اسے کون نہیں جانتا۔

[3] ثیبہ تو خیر، بہرحال دانا و بینا عورت ہوتی ہے۔ لیکن کنواری لڑکی تک کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اگر والدین اس کی شادی خلاف مرضی کر دیں تو وہ قاضی کی عدالت میں اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے اسلام کے عورت پر بے شمار احسانات ہیں، انھی میں ایک یہ عظیم و جلیل احسان بھی ہے جسے مسلمانوں نے "ناک" کے خیال سے غصب کر رکھا ہے۔ گویا ان کی ناک اسلام سے بڑی ہے۔

خنساء کے علاوہ دوسری عورت کا ہے۔ یہ دو واقعات ہیں۔ ایک میں آپؐ نے بیوہ کو اختیار دیا اور دوسرے میں کنواری کو بھی اختیار دیا۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، باکرہ سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے۔

لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ، اس سے کیسے اذن لیں؟

آپؐ نے فرمایا، وہ خاموش رہے، (تو بھی اس کا اذن سمجھ لیا جائے۔

اور صحیح مسلمؒ میں ہے، اس کے دل میں اذن ہے۔ یعنی اس کی خاموشی ہی اذن ہے۔ اور اس حکم کا سبب یہ ہے تاکہ بالغہ باکرہ عورت کو (مرضی کے خلاف) نکاح پر مجبور نہ کیا جا سکے اور اس کی رضا کے بغیر اس کی شادی نہ ہو۔ یہی جمہور سلف ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اسی قول پر اللہ کا دین ہم اپناتے ہیں اور اس کے سوا ہمارا کچھ عقیدہ نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور امر و نہی کے مطابق بھی ہے۔ نیز قواعدِ شریعت اور مصالح امت سے بھی موافق ہے حکم کا توافق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم ایک مجبور کردہ کنواری کو اختیار دینے کے متعلق ہے اور یہ حدیث کسی علت سے بھی مرسل نہیں، کیونکہ یہ مسند اور مرسل ہر طرح مروی ہے اگر ہم فقہاء کے قول کے مطابق یہ کہیں کہ اتصال افضل ہوتا ہے اور متصل مرسل پر مقدم ہوگی، تو ظاہر ہے کہ وہ اکثر احادیث میں تصرف کرتے ہی رہتے ہیں۔ آخر یہ روایت اس تصرف سے کس طرح بچ گئی۔ اور اگر ہم ایسال ہی کا حکم دے دیں، جیسا اکثر محدثین نے فرمایا ہے تو یہ آثار صحیحہ صریحہ، قیاس اور قواعد شریعت سے قوی ہو جائے گی، لہٰذا قول اسی کے ساتھ متعین ہو جائے گا۔

کنواری عورت سے اذن لیا جائے گا

رہا آپؐ کے امر کے ساتھ توافق قول، تو آپؐ نے فرمایا "کنواری عورت سے اذن لیا جائے گا"

یہ امر مؤکد ہے کیونکہ صیغہ خبر کے ساتھ امر دیا گیا۔ جو مخبر بہ اور اس کے ثبوت و لزوم

کے تحقق پر دلالت کرتا ہے اور آپؐ کے اوامر کے متعلق یہ اصول ہے کہ جب تک اس کے خلاف اجماع ثابت نہ ہو تب تک آپؐ کے اوامر وجوب کے معنی میں ہیں۔

نکاح بغیر اذن جائز نہیں

اور نہی کے ساتھ توافق، کہ آپؐ کا فرمانا، کنواری کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہ کیا جائے۔ اسی طرح امر و نہی اور تخییر یہ طریقہ اثباتِ حکم کے لئے سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ رہا قواعدِ شرع سے توافق، تو کنواری اگر بالغہ عاقلہ سمجھ دار ہو تو اس کا والد اس کی مملوکہ میں سے کسی معمولی سی چیز میں بھی اس کی مرضی کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔ اور نہ اس کی مرضی کے بغیر اسے اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ معمولی سی چیز بھی اپنی ملکیت سے خارج کر دے[1]۔ تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے کنیز بنا دے اور اس کی مرضی کے بغیر جس کو چاہے اس کی ملکیت میں دے دے، حالانکہ وہ شخص اس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند ہے، اور وہ اسے سب سے زیادہ مبغوض سمجھتی ہے۔ اس کے باوجود وہ جبراً اس کا نکاح کسی کے ساتھ کیسے کر دے گا؟ اور اس کے پاس ایک قیدی کی حیثیت میں کیونکہ بھیج دے گا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ یہ تمہارے پاس پابند یعنی قیدی ہیں۔

اب اگر یہ صریح حدیث اس کے متعلق مروی نہ بھی ہوتی پھر بھی قواعد شریعت کا یہی

---

[1] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کے جملہ معاملات میں، یعنی نکاح، ملکیت، تجارت، کاروبار ہر چیز میں اسلام نے عورت کی انفرادیت غیر مشروط طور پر تسلیم کی ہے۔ خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ اس کے اس حکم میں نہ والدین مداخلت کر سکتے ہیں، نہ شوہر، نہ کوئی اور،
یہ ایسی آزادی ہے جو اس ترقی کے دور میں بھی بہت سی قوموں اور ملتوں کی طرف عورتوں کو نہیں ملی ہے۔ مسلمان فخر کر سکتے ہیں کہ انھوں نے انسان کے "بنیادی حقوق" جس طرح مرد کو دیئے ہیں بالکل اسی طرح عورت کو بھی دیئے ہیں۔ دونوں میں کسی طرح کی تفریق اور امتیاز روا نہیں رکھا ہے۔

مقتضی تھا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری اور بیوہ میں فرق کیا۔ اور فرمایا، بیوہ کا نکاح اس کا اذن لئے بغیر نہ کرو۔ اور کنواری کا نکاح اس کا اذن لئے بغیر نہ کرو۔

اور فرمایا، بیوہ اپنے ولی کی بجائے خود اپنے آپ کی زیادہ حقدار[1] ہے اور کنواری سے اس کا والد اجازت لے۔ تو آپؐ نے بیوہ کو ولی سے زیادہ اپنے آپ کا حقدار قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کنواری کا ولی (والد) اس کا اس سے بھی زیادہ حقدار ہے ورنہ پھر اس بات سے بیوہ کی تخصیص قائم نہ رہی۔

ثیبہ اور باکرہ کے طریق اذن میں فرق

نیز طریقہ اذن میں بھی آپؐ نے فرق فرمایا۔ ثیبہ کا اذن بولنا قرار دیا اور باکرہ کی طرف خاموشی ہی کو اذن تسلیم کیا۔ یہ چیز اس بات کی شاہد ہے کہ اس کی رضا کا کچھ اعتبار نہیں اور والد کے ہوتے ہوئے اسے کچھ حق حاصل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کے بالغہ، عاقلہ اور سمجھدار ہونے کے باوجود اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا جائے۔ اور ایسے آدمی کی بیوی اُسے بنا دیا جائے جسے وہ تمام مخلوق سے زیادہ مبغوض سمجھتا ہے۔

جن احادیث سے استدلال مروی ہے

اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے وہ اس قول کے ابطال میں واضح تر ہیں اور تمہارے پاس اس قول کے سوا کچھ دلیل نہیں کہ بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے آپ کی حقدار ہے۔ اور یہ تو طریقہ افہام پر دلالت کرتا ہے۔ اور تم سے

---

[1] بیوہ عورت چونکہ آزادی کی فضا میں سانس لے چکتی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے واقف ہو چکتی ہے، زندگی کو برت چکی ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لئے کسی ولی کی بھی ضرورت نہیں وہ خود اپنی ولی ہے۔

تنازعہ کرنے والے اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ یہ حجت بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر اسے حجت مان بھی لیا جائے تو حکم صریح پر اسے مقدم نہیں سمجھا جا سکتا۔ نیز یہ بھی اس وقت اس قسم کی دلیل ہو گا جب کہ یہ کہا جائے کہ اس کا مفہوم عموم پر مبنی ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عموم میں داخل نہیں کیونکہ اس کی دلالت تخصیص مذکور پر ہے جس سے کچھ حاصل نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہو گئی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اس کے ماسوا کو اثبات حکم اور انتفائے حکم کی طرف تقسیم کرنا بلاشبہ فائدہ مند ہے۔ نیز مسکوت عنہ کے لئے دوسرا حکم ثابت کرنا بھی مفید ہے۔ اگر حکم منطوق کے خلاف نہ ہو۔ اور اس کی وضاحت سے بھی ایک فائدہ ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب مفہوم قیاس صریح کے خلاف ہو۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قیاس اس سے بہتر ہے۔ اور یہ بات نصوص مذکورہ کی مخالف بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر غور کیجیے۔

"کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت لے۔"

اور یہ جملہ آپ نے اس کے بعد فرمایا۔

"بیوہ اپنے ولی سے زیادہ اپنے آپ کی حقدار ہے۔"

یہ کلام اس قول کو وہم ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اور ثیبہ کے اپنے آپ کے حقدار ہونے کے قول سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ کنواری کو اپنے نفس اور وجود پر کوئی استحقاق حاصل نہیں۔

اجبار کے بارے میں فقہا کا اختلاف رائے

فقہا میں اجبار کے متعلق اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چھ اقوال مروی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ بکارت کے باعث اس پر جبر ہو گا۔

یہ شافعیؒ۔ مالک کا قول ہے اور ایک روایت میں احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ دوسرا، صغر سنی کے باعث جبر ہو گا یہ ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور دوسری روایت

میں احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔
۳۔ تیسرا دونوں مذکورہ علل کے باعث جبر ہوگا۔ یہ احمدؒ سے تیسری روایت ہے۔
۴۔ چوتھا، یہ کہ دونوں میں سے کسی ایک سبب کے باعث بھی جبر کیا جا سکتا ہے۔ یہ احمد کا چوتھا قول ہے جو اُن سے مروی ہے۔
۵۔ پانچویں، ایلاد کے باعث جبر ہوگا۔ چنانچہ بالغ ثیبہ پر بھی جبر ہوگا۔ اسے قاضی اسماعیل نے حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے۔ اور یہ خلافِ اجماع ہے۔ لیکن بقول سبب پر مبنی ہے، لیکن یہ سبب سراسر ظلم و جور ہے۔
۶۔ چھٹے یہ اس لیئے جائز ہے کہ عورت باپ کی عیال ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اذنِ باکرہ خاموشی ہے۔ اور اذنِ ثیبہ زبان سے ہوگا، لیکن اگر باکرہ بھی زبان سے اذن دے، تو یہ زیادہ پختہ اذن ہوگا۔
ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صرف خاموشی ہی کی صورت میں نکاح کر دینا چاہیئے۔ ظاہر الفاظ کے لحاظ سے یہ مسلک زیادہ درست ہے۔

یتیم لڑکی کا نکاح اسکی بلا منظوری نہیں کیا جا سکتا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یتیم لڑکی سے اس کی شادی کے بارے میں اجازت لی جائے گی۔ لیکن بلوغ کے بعد اس پر نفاذ امر نہیں ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلوغ سے پہلے بھی یتیم بچی کا نکاح کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا مذہب یہی ہے اس پر قرآن و حدیث شاہد ہے، اور احمدؒ اور ابو حنیفہؒ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے:

ویستفتونك فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء اللاتی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن۔

یعنی اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی، کہہ دے اللہ تم کو اجازت دیتا ہے، ان کی، اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے ان یتیم عورتوں کا، جن کو تم نہیں دیتے، جو ان کے لئے مقررہ کیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ یتیم بچی کے متعلق ہے، کہ جس نے اپنے ولی کے گھر میں پرورش پائی ہو، اور ولی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔

لیکن اس سے سنّتِ صداق (مہر) ختم نہ ہو گی۔ اس لئے ان کے نکاح سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر ان کا مصداق مناسب (مہر) مقرر کر لیا جائے (تو کوئی ہرج نہیں)

سننِ اربعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ یتیم بچی کے متعلق اس کا اذن طلب کیا جائے۔ اب اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کا اذن ہے۔ اور اگر انکار کر دے تو پھر اس کا (نکاح) جائز نہ ہوگا۔

ؔ یتیموں کی بے بسی اور کس مپرسی اظہر من الشمس ہے اور یتیم لڑکی تو معاشرہ میں ایک پونجی ہوتی ہے۔ جس پر ہر شخص کو پوری دسترس حاصل ہوتی ہے۔

لیکن اسلام نے یتیموں کا خیال رکھا ہے۔ ان کے حقوق کی پوری نگہداشت کی ہے۔ ان پر ظلم و زیادتی کو روکا ہے اور انھیں وہی حقوق و مراعات دیئے ہیں جو دوسروں کو حاصل ہیں اور خاص طور پر یتیم لڑکی کے بارے میں تو اس کے احکام اور زیادہ سخت ہیں۔ چنانچہ نکاح کے بارے میں اس پر کوئی تعدی نہیں ہو سکتی۔ وہ آزاد ہے اس کا نکاح صرف اس کی مرضی اور اجازت سے ہو سکتا ہے۔

نکاح بلاولی

سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔

اور اگر وہ کرے تو مہر کی مستحق ہوگی، جیسا رواج ہو۔

لیکن اگر ولی سے جھگڑا ہو جائے۔ تو اس صورت میں بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں (ترمذی حسن صحیح) اور سنن اربعہ میں آپؐ سے مروی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں[1]۔ نیز صحیحین میں آپؐ سے مروی ہے ایک عورت دوسری عورت کا ولی بن کر نکاح نہیں کر سکتی۔ اور نہ اپنا خود نکاح کر سکتی ہے۔ کیونکہ زنا کرنے والی ہی اپنا نکاح خود کرتی ہے۔

آپؐ نے فیصلہ فرما دیا کہ جب دو ولی ایک عورت کا نکاح کر دیں تو پہلے ولی کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کسی نے دو آدمیوں کے ہاتھ (ایک چیز) فروخت کر دی تو وہ پہلے خریدار کی ہوگی۔

---

[1] ولی کے بغیر اس عورت کا نکاح درست نہیں ہوگا جو نابالغ اور صغیر سن ہو۔ بصورت دیگر جائز ہے۔ اس میں ولی کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔

نکاح تفویض کے بارے میں آپؐ کا فیصلہ

ثابت ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی کے متعلق، جس نے ایک عورت سے نکاح کیا، مگر مہر مقرر نہیں کیا، نہ خلوت کی اور فوت ہو گیا۔ فیصلہ فرمایا کہ عورت کے لئے مہر مثل ہو گا، نہ افراط ہو گی اور نہ تفریط[1] اس کا میراث میں حصہ ہے اور اس پر چار ماہ دس دن کی عدت لازم ہے۔

اور ترمذیؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی سے فرمایا:

کیا تم اس پر راضی ہو کہ میں تمہارا فلاں عورت سے نکاح کر دوں؟

اس نے عرض کیا، جی ہاں!

پھر آپؐ نے (عورت کو خطاب کر کے) فرمایا، کیا تم راضی ہو کہ میں فلاں مرد سے تمہارا نکاح کر دوں؟

وہ کہنے لگی۔ جی ہاں! آپؐ نے دونوں کا نکاح فرما دیا۔ چنانچہ مرد نے عورت سے خلوت کی اور مہر مقرر نہ کیا اور نہ عورت کو کچھ دیا۔ چنانچہ مرض وفات میں آپؐ نے مرد کا وہ حصہ جو خیبر کی غنیمت میں اسے ملا تھا۔ عورت کو مہر کے طور پر عطا فرما دیا۔[2]

احکام متضمنہ حدیث | یہ احکام اس بات پر متضمن ہیں کہ

---

[1] یعنی جو خاندانی مہر ہے نہ اس سے زیادہ دلایا جائے گا نہ کم

[2] اس سے ثابت ہوا کہ انعقاد نکاح مہر کو واجب کر دیتا ہے۔

(۱) مہر مقرر کیے بغیر نکاح جائز ہے۔ اور نکاح کے بعد خلوت بھی جائز ہے۔
(۲) اس صورت میں موت ہو جانے پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اگرچہ خلوت نہ کی ہو۔
(۳) اس موت پر عدت وفات لازم ہوگی، اگرچہ خاوند نے اس سے خلوت کی ہو۔

یہی مسلک ابن مسعودؓ۔ فقہائے عراق اور علمائے حدیث احمدؒ اور شافعیؒ نے بھی ایک روایت کے مطابق اختیار کیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زیدؓ بن ثابت کا قول ہے کہ عدم خلوت کی صورت میں عورت مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ اہل مدینہ۔ مالکؒ اور دوسرے قول کے مطابق امام شافعیؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

(۴) نیز یہ روایت اس پر بھی متضمن ہے کہ دونوں طرف سے ولی بننا جائز ہے۔ جیسے جانبین کا خرید و فروخت میں وکیل ہوتا ہے یا دونوں میں سے کسی ایک کا وکیل ہو یا ایسا ولی ہو جسے زوج نے مقرر کیا ہو یا زوج کو ولی نے وکیل بنایا ہو۔

ولی کے لیے صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے۔

میں نے فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح کر دیا۔

یا میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا جب کہ کہنے والا خود خاوند ہو۔

یہ ظاہر مذہب احمدؒ کا ہے۔ ان سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے کہ "یہ قول صرف ولی مجبر کے لیے جائز ہے جیسے کسی نے اپنی کنیز مجبرہ کی لڑکی کا نکاح عبد مجبر سے کر دیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طرفین سے ایک ہی (کی) رضا معتبر نہیں ہو سکتی۔ نیز احمدؒ کے مذہب میں اک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ یہ صورت صرف خاوند کے لیے جائز ہے کیونکہ احکام طرفین متضاد ہونے کے باعث ولدیت طرفین صحیح نہیں ہوگی۔

نکاح کے بعد اگر معلوم ہو عورت حاملہ ہے

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک فیصلہ

سنن اور مصنف میں حضرت سعد بن حسیب رضؓ کی بصرہ بن اکثم سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت سے جو کہ باکرہ تھی نکاح کیا۔ میں نے خلوت کی تو معلوم ہوا وہ حاملہ تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو نے چونکہ اس سے خلوت کر لی، اس لیے تجھے مہر دینا پڑے گا[1]۔ اور لڑکا تیرا غلام ہوگا[2]۔ اور جب یہ بچہ[3] جن چکے گی تو اس پر حد جاری ہوگی۔

---

[1] بیوی کیسی ہی خطاکار اور عصیان شعار، بلکہ فریب کار ثابت ہو۔ ان جرائم کی اسے قاضی کی عدالت سے سزا بھی ملے گی، لیکن اگر شوہر اس سے خلوت کر چکا ہے، متمتع ہو چکا ہے۔ تو مہر بہرحال ادا کرنا پڑے گا۔

[2] کوئی آزاد غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

[3] نہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے، لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ پھر ماں کے جرم کی سزا وہ بچہ کیوں بھگتے جو معصوم پیدا ہوا ہے۔ جس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ جسے صالح مواقع حاصل ہوتی تو وقت کا بہت بڑا عالم، فاضل، متقی اور پرہیزگار بن سکتا ہے۔

اس روایت کو اگر روایت کی کسوٹی پر علامہ ابن قیمؒ رکھتے تو نہ اسے درج کرنے کی ضرورت تھی، نہ اس پر نکتہ سنجیوں کی۔

پھر دونوں میں آپؐ نے تفریق کرادی[1]

اہل مدینہ اور جمہور فقہا کا قول اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:
(۱) زنا کے باعث حاملہ عورت کا نکاح باطل ہے یہی اہل مدینہ اور امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کا قول ہے۔

۲۔ نکاحِ فاسد میں مقرر کردہ مہر دینا واجب ہے۔ اقوال ثلٰثہ میں سے یہی قول صحیح ہے

۳۔ نیز یہ کہ مہر مثل واجب ہے۔ یہ شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۴۔ دونوں میں سے ہلکا امر اختیار کیا جائے گا۔

۵۔ نیز یہ روایت حمل کی وجہ سے حد لگانے کو بھی متضمن ہے، اگرچہ بینہ (دلیل) قائم نہ ہو اور نہ اعتراف ہو۔ کیونکہ حمل تمام دلائل سے زیادہ پختہ دلیل ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حدیث مذکور سے متعلق چند اقوال اور آپؐ کا یہ حکم کہ جو بچہ اس عورت کے بطن سے پیدا ہوگا، وہ غلام ہوگا، تو اس کے بارے میں چند قول ہیں۔

● یہ لڑکا ولد الزنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں۔ اس کی ماں نے شوہر کو دھوکا دیا۔ اور شوہر نے مہر بھی دے دیا۔ لہٰذا اس نے تاوان کے طور پر بیٹے کو خدمت میں دے دیا، اور وہ بہ منزلہ غلام ہوگیا۔ حالانکہ وہ باقاعدہ غلام نہیں ہے[2] بلکہ ماں کے ساتھ

---

[1] قاضی کے سامنے اگر اس طرح کا مقدمہ آئے تو وہ میاں بیوی میں اس فریب کاری کے باعث تفریق کرا دینے کا مجاز ہے۔

[2] پھر اسے کس اصول کے ماتحت، قرآن کی کس آیت کے مطابق۔ کس سنت صحیحہ صریحہ کے مطابق کن آثار صحابہ وتابعین کے مطابق، کن آئمہ فقہ وتشریع کے اقوال، احکام اور قضایا کے مطابق غلام قرار دیا جا سکتا ہے؟

تبعاً آزاد ہے۔

- یہ محتمل مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلامی ماں کی عقوبت کے طور پر ہو، کہ اس نے شادی سے پہلے زنا کی تھی[1]۔ اور شوہر کو دھوکا دیا تھا۔
- یہ فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو[2]۔ اس صورت میں یہ حکم ایسے کسی دوسرے مقدمہ میں متعدی نہیں ہو گا۔
- ہو سکتا ہے کہ یہ منسوخ ہو۔
- یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی عہد کا موقعہ ہو۔ جب قرض کے بدلے میں آزاد غلام بنایا جا سکتا تھا[3]۔

---

[1] ماں نے شادی سے پہلے یا بعد میں اگر کوئی جرم کیا، اسے سزا مل گئی اور یہ کافی ہے۔ علاوہ ازیں اگر اسے سزا نہیں بھی ملی، تو بھی کسی اصول کے مطابق بھی اس کے لڑکے کو، جس کا ماں کے گناہ سے کوئی تعلق نہیں کس طرح سزا دی جا سکتی ہے۔

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے وہ تو گنہگاروں اور معصیت شعاروں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرتے تھے ان کے بارے میں یہ خیال کرنا حد درجہ مستبعد از عقل ہے کہ وہ گنہگار کی سزا، بے گناہ کو دیں گے۔ نہ یہ تخصیص ہے نہ تعمیم۔

[3] اسلام کے ابتدائی عہد میں ایسا کوئی واقعہ نہ سنت سے ثابت ہے نہ تاریخ سے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ اصول رائج ہو، لیکن اسلام تو جہالت کی رسمیں مٹانے آیا تھا۔ ان کی تجدید و احیاء کے لیے عالم وجود میں نہیں آیا تھا۔

شرائطِ نکاح

عقد نکاح کے شرائط لازمہ و معلومہ

صحیحین میں آپؐ سے مروی ہے کہ شرائط نکاح کا حق یہ ہے کہ بیوی سے خلوت کر لینے کے بعد، وہ تمام شرائط پورے کرو۔ جو تم نے بہ سلسلہ نکاح کیئے تھے۔

ایک حکیمانہ فرمان نیز صحیحین میں آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ کوئی عورت اپنی (مسلمان) بہن کی طلاق کی خواہاں نہ ہو[1] کہ جو کچھ اس کے کشکول میں ہے اسے بھی خود ہی حاصل کرلے، کیونکہ جس کا جو مقدر ہے وہ اسی کے لیے ہے

طلاق کا مطالبہ نکاح ثانی کے لیے حرام ہے۔ نیز صحیحین میں آپؐ سے مروی ہے، کہ آپؐ نے اس بات

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، اور اس کی پہلی بیوی موجود ہے، تو یہ عورت اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے یہ مطالبہ اقدار انسانی کے یکسر منافی ہے۔ اور اسلام اقدار انسانی کو سربلند کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ انہیں پامال کرنے۔

موجودہ دور میں بھی اس طرح کی شرطیں ہوتی رہتی ہیں، اور ان سے معاشرہ میں جو فتنے اور مفسدے پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ کس کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

سے منع فرمایا کہ عورت اپنی بہن کو طلاق دینے کی شرط لگائے۔
مسند امام احمدؒ میں آپؐ سے مروی ہے کہ کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ دوسری عورت کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کرے۔
ان سنن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے موقع پر جو شرائط کیئے گئے ہوں۔ ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ بشرطیکہ یہ شرائط اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں تغیر کرنے کا باعث نہ ہوں[1]۔
نیز مہر فوری طور پر یا بعد میں ادا کرنا واجب[2] ہے۔ یا اس کی ضمانت یا رہن کی صورت (جانبین کے اتفاق سے) اختیار کی جا سکتی ہے۔
اور اگر شرائط میں ترک خلوت[3]، ترک انفاق[4] اور ترک[5] مہر وغیرہ ہوں تو ان کی پابندی ضروری نہیں ہے۔
بیوی کے شہر اور بیوی کے گھر میں رہنے کی شرط کی وفا و عدم وفا پر اختلاف ہے، اس

---

[1] نکاح کے وقت جو شرائط بیوی کی طرف سے پیش ہوں۔ اور شوہر انھیں منظور کرے۔ نکاح کے بعد پوری دیانت اور سچائی کے ساتھ ان کا ایفا کرنا اور ان پر عمل کرنا شوہر کے لیئے واجب اور لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو بیوی فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ لیکن شرائط کے لیے پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اصول سے معارض نہ ہوں۔ ان کی بجا آوری، احکام خدا اور رسول کی بجا آوری میں مانع نہ ہو نا اگر ایسا ہو گا تو خدا اور رسولؐ کے احکام قائم رہیں گے اور شرائط ساقط ہو جائیں گے۔
[2] مہر کی دو قسمیں ہیں، ایک معجل، دوسرا موجل۔ پہلا مہر فوراً ادا کر دینا چاہیئے دوسرا عند الطلب۔
[3] ترک خلوت، یعنی یہ شرط کہ شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا۔ اس صورت میں نکاح درست ہو گا۔ شرط خود بخود ساقط ہو جائے گی۔
[4] ترک انفاق کی شرط بھی واجب العمل نہیں ہے اس پر عمل کرنا پڑے گا۔
[5] ترک مہر کی شرط بھی نافذ نہیں ہو گی۔ مہر ہر حالت میں دینا ہو گا، بجز اس صورت کے کہ بیوی خود معاف کر دے۔

شرط کی وفا اور عدم وفا میں بھی اختلاف ہے کہ شوہر بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا یا اس پر سوت نہیں لائے گا۔

امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ان شرائط کو پورا کرنا لازم ہے اگر کسی نے یہ شرط پوری نہ کی تو عورت فسخ نکاح کی مجاز ی ہے۔

بکارت و نسب اور جمال و سلامتی عیوب کی شرطیں اگر کی گئی ہوں، اور وہ نہ پائے جائیں تو نکاح فسخ نہیں ہوگا[1]

عدم ایفاء شرائط نکاح اور آیا عدم ایفاء شرائط نکاح، فسخ نکاح میں موثر ہے۔ اس کے بارے میں چند قول ہیں۔

- عدم نسب کی صورت میں فسخ نکاح ہے
- شرط نکاح اگر یہ ہو کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دی جائے، تو ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ باطل ہے، اس کی وفا لازم نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پہلی بیوی کی طلاق اور سوت نہ لانے میں فرق کیا ہوا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایک کو جائز اور دوسری کو باطل ٹھہراتے ہو؟

تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ پہلی بیوی کی طلاق کی شرط پہلی بیوی کے لیے اضرار، دل شکنی، خانہ ویرانی اور شماتت وعدا پر منتج ہوگی۔ اس کے برعکس سوت نہ لانے میں یہ صورتیں نہیں پیش آتیں، چنانچہ نص نے دونوں میں فرق کیا ہے اور ایک کا دوسرے پر قیاس، قیاس فاسد ہے۔

---

[1] وہ شرطیں جو عقلا اور عرفا ناروا ہوں، ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

نکاحِ شغار

ادلا بدلی کے نکاح کی شدید ممانعت

حضرت ابن عمرؓ اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت کے مطابق نکاح شغار کی ممانعت ثابت ہے۔ نیز امیر معاویہؓ کی روایت سے بھی ممانعت ثابت ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اسلام میں شغار نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں شغار کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے سے اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا۔ اور ان کے درمیان مہر نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں شغار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دوسرے سے کہے تو اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں، یا تو اپنی بہن کا مجھ سے نکاح کر دے اور میں اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں۔

امیر معاویہؓ کی حدیث یہ ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباسؓ نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی، لیکن انھوں نے مہر بھی مقرر کیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے مروان کو لکھا کہ ان دونوں میں تفریق کرا دے اور فرمایا، یہ شغار ہے۔ جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نکاح شغار کے بارے میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شغار اس صورت میں باطل ہے۔ جب ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے گا۔ اور ان دونوں کے درمیان مہر بھی نہ ہو۔ امام محمد کا یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر مبنی ہے۔

لیکن اگر دونوں نے مہر طے کر لیا۔ تو مہر معین کرنے کی وجہ سے نکاح درست ہو گا۔

خرقیؒ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کی حدیث کے مطابق اگر مہر کا نام لے بھی لیا جائے، تو بھی نکاح درست نہ ہو گا۔

امام ابن تیمیہؒ کا قول

اصحابؒ احمد میں سے ابوالبرکات علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اگر مہر کا نام اس طرح لیا جائے کہ ایک عورت سے تمتع کو دوسری سے تمتع کا مہر قرار دیا جائے۔ تو نکاح درست ہے۔ لیکن اگر یہ شرط نہ لگائی جائے اور سیدھا سادھا مہر کا نام لیا جائے تو درست ہے۔

علّت نہی اور فقہاء اسلام

علّت نہی میں بھی فقہا کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں عقدوں میں سے ہر ایک کی شرط کو دوسرے کی شرط قرار دینا علّت نہیں۔

ایک قول یہ ہے

کہ علّت نہی تشریک بضع۔ یعنی اشتراک تمتع ہے، کیونکہ ایک سے تمتع کو دوسری سے تمتع کا مہر قرار دیا گیا ہے۔

جس سے عورت کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

نہ اسے مہر مل سکتا ہے۔

بلکہ مہر ولی کی طرف عائد ہو جائے گا۔ اور یہ ظلم ہے ہر دو عورتوں کے لئے اور نکاح کا مہر سے خالی ہونا ہے۔ حالانکہ مہر وہ چیز ہے جس سے وہ مستفیع ہوتی ہے لیکن

اگر مہر مقرر کردیا جائے تو محذور زائل ہو جائے گا۔ اور ایک دوسرے کے لیے اشتراط فاسد باقی نہیں رہے گا، لہٰذا فساد عقد بھی واقع نہیں ہوگا[1]

---

[1] نکاح شغار بھی ان برائیوں میں ہے جو سماج، سوسائٹی اور معاشرہ کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نکاح شغار ایک طرح کا سودا ہے۔ جس میں عورت کی حیثیت مال تجارت سے زیادہ کچھ نہیں وہ ایک بے بس معمولی کی طرح اپنی قسمت پر مہر لگتے دیکھتی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ پھر اولا بدلی کے نکاح میں جو مفاسد شنیعہ ہیں وہ کس سے پوشیدہ ہیں؟ زید نے خالد کی بہن سے خالد نے زید کی بہن سے اس اصول پر شادی کر لی، زید اپنی بیوی سے نہ نباہ سکا۔ خالد کی اچھی طرح نبھ رہی ہے، لیکن چونکہ زید سے خالد کی بہن کو تکلیف پہنچی، لہٰذا خالد زید کی بہن یعنی اپنی بیوی کو بے خطاء اور بے قصور تکلیف دے گا۔

یہ صورتیں ہماری سماج میں اب بھی جاری ہیں اور ان کے ہولناک اور لرزہ خیز نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔

نکاحِ محلّل

حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے پر لعنت کی وعید

ترمذی اور مسند میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت کی ہے۔

مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ محلل اور محلل لہٗ[1] پر لعنت کرتا ہے۔ اس کی سند بھی حسن ہے۔ نیز ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اور سنن ابن ماجہؒ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ میں تمہیں مستعار بکرا نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول۔

---

[1] محلل وہ ہے، جو تین طلاق والی عورت سے شادی کرے اس ارادہ سے کہ اس سے خلوت کیے بغیر طلاق دے دے گا، تاکہ سابقہ شوہر پھر اس سے نکاح کر سکے۔ اور یہ چیز منافی مقصد نکاح ہے۔ یہ صرف قانونی خانہ پُری ہوگی، قواعد شرع سے بچ نکلنے کا ایک چور دروازہ اور ظاہر ہے اس طرح کی حیلہ گری احکام خدا اور رسولؐ کے ساتھ تمسخر ہے۔ محلل لہٗ وہ ہے جس کے لیے حلالہ کیا جائے

آپؐ نے فرمایا، وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ حلالہ کرنے والے پر، اور جو حلالہ کرائے اس پر۔

یہ چار سادات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ آپؐ نے اس فعل کے کرنے والے پر یعنی حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرنے والے پر لعنت کی۔ اور یہ اگر اللہ کی جانب سے خبر ہے، تو خبرِ صادق ہے اور یا بد دعا ہے، تو قطعی طور پر دعائے مستجاب ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فعل کبائر معاصی میں سے ہے، جس کا مرتکب ملعون ہے۔ اہل مدینہ اہل حدیث اور فقہائے کرام کے نزدیک قول یا وطی اور قصد میں کچھ فرق نہیں کیونکہ عقود میں قصد کا اعتبار ہے اور اعمال نیت پر منحصر ہیں اور شرط وطی سے تو جانبین کے نزدیک طے شدہ ہوتی ہے۔ جیسے ملفوظ ہی ہو۔ اور الفاظ کے معنی بعینہ وہی ہیں بلکہ دلالۃً لیے جاتے ہیں۔ پس جب معانی اور مقاصد ظاہر ہو گئے، تو محض الفاظ کا کیا اعتبار رہا، کیونکہ یہ تو وسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔ جب مقصود متعین ہو گیا، تو اس کے احکام بھی مرتب ہو گئے۔

نکاحِ متعہ

حلّت اور حرمت سے متعلق روایات

آپؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے نکاح متعہ کو فتح کے سال سے حلال کیا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے اسی سال اس سے منع بھی فرمایا۔

اور خیبر کے روز آپؐ نے اس کی ممانعت کی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اس باب میں دو قول ہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ ممانعت فتح کے سال میں ہوئی۔ اور خیبر کے سال میں پالتو گدھوں کی ممانعت ہوئی۔

روایت علیؓ و ابن عباسؓ حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سال عورتوں سے متعہ کی ممانعت کی۔ اور پالتو گدھوں کی ممانعت فرمائی۔

اس روایت سے دو مسائل کی دلیل ملتی ہے۔ چنانچہ بعض رواۃ نے سمجھا کہ یوم خیبر کی تقیید دونوں کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا روایت بالمعنی کر دی۔ پھر بعض نے ایک

ایک حصہ کو مفرد کر کے بیان کیا۔ اور دوسرے کو خیبر کے دن سے مقید کر دیا۔ ویسے غزوہ فتح میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔

اباحت متعہ از روئے روایت ابن مسعودؓ

ابن مسعودؓ کے ظاہر کلام سے نکاح متعہ کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیحین میں ان سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد تھے، لیکن ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں۔

پس ہم نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ کیا ہم خصی ہو جائیں؟

آپؐ نے اس سے منع فرمایا، اور بعد میں ہمیں اجازت دے دی کہ ہم مدت معینہ کے لئے کسی عورت سے نکاح چند گز کپڑے ہی پر کر سکتے ہیں۔ پھر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی؛

یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

حرمت متعہ از روئے روایت علیؓ

لیکن صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کو حرام کر دیا ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں یہ تحریم رخصت اباحت کے بعد کی ہے، ورنہ اس سے دو مرتبہ نسخ لازم آجائے گا۔

ابن عباسؓ کا فتویٰ حلت متعہ کے لئے

حضرت ابن عباسؓ نے عند الضرورت اور خوف معصیت کی صورت میں نکاح متعہ کو مباح قرار دیا ہے، اور ضرورت کے وقت اس کی حلت کا فتویٰ دیا ہے۔

لیکن جب لوگوں نے نکاح متعہ کو صرف حد ضرورت تک محدود نہ رکھا، بلکہ وسیع پیمانہ پر اسے اختیار کرتے تھے تو ابن عباسؓ حلّت کے فتوے سے باز آگئے اور اباحت کی رائے سے رجوع کر لیا [1]

---

[1] اس بحث کو اگر مختصر کیا جائے تو صورت مسئلہ یہ ہے۔

۱۔ حضرات شیعہ کے نزدیک متعہ حلال ہے، اور اس پر عمل درآمد جائز ہے۔

۲۔ اہل سنّت کے نزدیک حرام ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ از روئے روایات ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اسے حلال سمجھتے تھے۔ اور اس کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ چنانچہ ان سے اور حضرت عمرؓ سے اس بارے میں ایک مرتبہ سخت گفتگو بھی ہو گئی، لیکن حضرت ابن عباسؓ نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے برہم ہو کر فرمایا "تم متعہ کر کے دیکھو پھر میں تمہیں بتاؤں گا"

تفصیل درکار ہو تو کتب روایت تاریخ سے رجوع کیا جائے۔ شرح نووی کے ساتھ میں نے صحیح مسلم کا تمام و کمال ترجمہ کیا ہے۔ اس میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث، طرفین کے دلائل، اور مسئلہ مفتیٰ بہ پیش کر دیا ہے۔

نکاحِ محرم

حالتِ احرام میں شادی کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

روایات مختلفہ ومتعددہ نکاح محرم کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حالتِ احرام میں نکاح نہ کیا جائے اور نہ محرم نکاح کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا آپؐ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح کیا یا حلال ہونے کی حالت میں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ان سے حالتِ احرام میں نکاح فرمایا۔

ابو رافع فرماتے ہیں کہ آپؐ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔ اور یہ دونوں کے درمیان قاصد تھا۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ کا قول کئی وجوہ سے قوی تر ہے۔

۱۔ اول یہ کہ (ابو رافع رضی اللہ عنہ) ایک بالغ آدمی تھے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت کم سن تھے، بلکہ ان کی عمر تقریباً دس کی تھی۔ اس لیے ابو رافع ان سے زیادہ کسی بات کو یاد رکھ سکتے تھے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ کے درمیان قاصد تھے۔ انہی کے ذریعہ یہ معاملہ ہوا۔ اس لیے بلاشبہ ان کا بیان اس واقعہ سے متعلق

زیادہ مستند ہے۔

۳ - ابن عباسؓ اس عمرہ میں جو عمرہ قضا کہلاتا ہے، آپؐ کے ساتھ نہ تھے۔ وہ اس واقعہ کے شاہد نہیں ہیں۔

۴ - چوتھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے، تو آپؐ نے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، پھر حلق کرایا۔ پھر آپؐ نے احرام اتارا اور معلوم ہے کہ آپؐ نے راستہ میں نکاح نہیں کیا۔ اور نہ طواف سے قبل نکاح کیا۔ نہ حالتِ طواف میں نکاح کیا۔ یہ سب واقعات معلوم و معروف ہیں۔ لہٰذا حضرت ابورافعؓ کا قول یقینی طور پر درست ہے۔

۵ - پانچویں صحابۂ کرام نے ابن عباسؓ کی روایت کی تغلیط کی ہے۔ لیکن ابورافع کی روایت کو کسی نے غلط نہیں بتایا۔

۶ - قول ابورافع نکاح محرم کی نہی کے عین مطابق ہے اور قول ابن عباس اس کا مخالف جو مستلزم ہے یا تو فسخ پر، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تخصیص جواز نکاح بحالت احرام ہے، اور دونوں باتیں بے اصل ہیں، ان کی تائید میں کوئی دلیل نہیں، لہٰذا ناقابل قبول ہیں۔

۷ - حضرت میمونہ کے بھانجے یزید بن الاصم نے شہادت دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا۔

نکاح زانیہ

فاحشہ عورت سے عقد اور اس کے اثرات ونتائج

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ نور میں تحریم نکاح زانیہ کی صراحت فرما دی اور فرما دیا کہ جو اس سے نکاح کرے، وہ زانی ہے یا مشرک۔

پس کوئی شخص یا تو حکم الٰہی کو مانتا اور اس کے وجوب کا قائل ہے، یا نہیں مانتا اور نہیں قائل ہے۔ اگر اس حکم کو نہیں مانتا اور اس کے وجوب کا قائل نہیں ہے تو وہ مشرک ہے اور اگر حکم لازم بھی مانتا ہے اور اس پر اعتقاد بھی رکھتا ہے۔ مگر زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ زانی ہے[1]

اللہ تعالیٰ نے اس حرمت کی وضاحت بھی کر دی، چنانچہ فرمایا:

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، یعنی اور یہ (نکاح) مومنوں پر حرام کر دیا گیا۔

اور انکحوا الایامی منکم کی آیت سے تحریم نکاح زانیہ پر دعوائے فسخ بالکل بودی اور کمزور دلیل ہے اور یہ اور زیادہ مستبعد ہے کہ نکاح کو زنا پر محمول سمجھ لیا جائے اور آیت کا مطلب یہ لیا جائے کہ زانی صرف زانیہ عورت یا مشرکہ ہی سے زنا کرے گا۔ اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک ہی سے زنا کرے گی اور کلام اللہ ایسی باتوں

---

[1] اس لیے کہ اس نے اسلام کے بنائے ہوئے اساسی اصول اور ضابطہ کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ خلاف ورزی ایک ایسا جرم ہے جو ذاتی نہیں، بلکہ سوسائٹی کے لیئے حد درجہ مضر ہے۔

سے بالکل محفوظ ہے۔
اسی طرح آیت کو مشرکہ زانیہ عورت پر محمول کرنا بھی لفظی اور سیاقِ کلام ہر لحاظ سے بعید تر بات ہے، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آزاد اور غلام عورتوں سے نکاح پر یہ شرط لگا دی کہ وہ محصنہ اور عفیف ہوں چنانچہ فرمایا
فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان -
یعنی "سو ان سے نکاح کرو۔ ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر موافق دستور کے۔ قید میں آنے والیاں، نہ مستی نکالنے والیاں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں گویا کسی اور صورت میں نہیں صرف اس صورت میں نکاح مباح کیا۔
اور یہ بات از قبیل دلالۃ المفہوم بھی نہیں۔ کیونکہ اصل میں ابضاعِ تحریم پر ہوتی ہے۔ اس طرح اباحت محض مسائے شریعت میں رہ جاتی ہے اور جو اس کے علاوہ ہو وہ اصل تحریم ہوگی۔ نیز اللہ تعالےٰ نے فرمایا:
الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات، یعنی "خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں" خبیثات سے مراد زانیہ عورتیں ہیں۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جن سے وہ نکاح کریں وہ ان کی طرح خبیث ہوں۔
نیز یہ بھی از حد قباحت کی بات ہے کہ ایک آدمی فاحشہ عورت سے نکاح کرے اور اس کی قباحت مخلوق کی فطرت میں داخل ہے اور ان کے ہاں یہ بات گالی کی حد تک قابل نفرت ہے۔
حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ عناق سے نکاح کرلیں جو ایک آوارہ عورت تھی۔ آپؐ نے سورۂ نور کی آیت پڑھی اور فرمایا:
"اس سے نکاح مت کرو"

چار سے زیادہ بیویوں اور دو بہنوں کا ایک نکاح میں اجتماع

قبل از اسلام کے ازواج کو اسلام نے کس طرح بدلا؟

ترمذیؒ میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ غیلان مسلمان ہو گیا، اس کی دس بیویاں تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

ان میں سے چار رکھ لے[1]

فیروز دیلمی مسلمان ہوئے ان کی زوجیت میں بہنیں تھیں۔

آپؐ نے فرمایا، ان میں ایک رکھ لے جسے تو پسند کرے۔

یہ حکم اس بات کا متضمن ہے کہ نکاحِ کفارہ درست ہے[2]۔ اور اسے حق حاصل ہے کہ پرانی اور نئی میں سے جسے چاہے پسند کرے، کیونکہ آپؐ نے (غیلان اور فیروز) کو یہی اختیار دیا، جمہور کا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا ارشاد ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا؛ اگر اس نے ان عورتوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تھا

---

[1] کیونکہ اسلام نے چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

[2] کفر کی حالت میں جو نکاح کیا جاتا ہے، وہ قبول اسلام کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ تجدید کی ضرورت نہیں،

تو سب کا نکاح ٹوٹ گیا، اور ترتیب وار نکاح کیا تھا۔ تو پہلی چار کا باقی رہا۔ اور ان کے علاوہ سب کا نکاح ٹوٹ گیا۔

اب اسے حق تخییر حاصل نہیں ہے[1]

---

[1] امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک عقلی اعتبار سے بالکل درست ہے۔ ویسے شوہر اگر چاہے تو کسی بیوی کو طلاق دے کر، اس بیوی سے نکاح کر سکتا ہے، جسے طلاق پڑ گئی ہو، لیکن اصولی اعتبار سے ترتیب ازواج طلاق میں قائم رہے گی۔

حضرت علیؓ کے نکاح ثانی کا معاملہ

ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں

اور بنو ہاشم بن مغیرہ نے اجازت چاہی۔ کہ علیؓ بن ابی طالبؓ کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کردیں۔ آپؐ نے اس کی اجازت نہ دی، اور فرمایا:

ابن ابی طالب یہ چاہتا ہے کہ میری بیٹی کو طلاق دے دے، اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔ یاد رکھو۔ کہ فاطمہ میری لختِ جگر ہے، جو اسے تکلیف دیتا ہے۔ وہ مجھے تکلیف دیتا ہے، جو اسے ایذا دیتا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ فاطمہ اپنے دین کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور میں حلال کو حرام نہیں کرتا، اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کی بیٹی کبھی بھی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں[1]

---

[1] اصل بات یہ ہے کہ حضرت علی سے حضرت فاطمہ کے نکاح کی شرط یہ تھی کہ وہ ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کریں گے، اور یہ شرط شرعی طور پر بالکل جائز ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرماتے ہوئے کہ میں حلال کو حرام، اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔ حضرت علی سے کہا کہ اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں کیونکہ از روئے شرع عدم ایفاء شرط نکاح کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے

اس حکم سے امور واضحہ متعددہ

اس حکم سے کئی امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے وقت نکاح وعدہ کرلے۔ کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا تو اس وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر شادی کرلی۔ تو پہلی بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے اور اس سلسلہ میں حدیث کو شامل کرنے کا باعث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ چیز فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ایذا دینے اور پریشان کرنے کا سبب ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء اور پریشانی کی وجہ بھی بن جائے گی۔ اور یہ تو قطعی طور پر معلوم ہی ہے کہ اگر وقت عقد بھی یہ شرط نہ ہوتی۔ تو یہ حرکت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے اور پریشان کرنے کے برابر تھی، کیونکہ اس کا ہونا بداہتًا معلوم تھا۔

اور شرط کی عدم وفا سے مشترط کو فسخ کا حق حاصل ہے۔ اس لیئے اگر فرض کیا جائے کہ کسی قوم کی عادت یہ ہے۔ کہ ان کی عورتیں اپنے علاقہ سے باہر نہیں جاتیں۔ اور یہ ان کی عادت مسلسل اس طرح چلی آرہی ہے۔ جیسے یہ ان کی شرط ہو۔ تو قواعد اہل مدینہ اور امام احمد کے مسلک کے مطابق ہی ان پر عمل ہوگا کہ عرفی شرط لفظی شرط کے

(باقی حاشیہ) لیکن اس حدیث میں رسول اللہ اور عدو اللہ کی بیٹی کے ایک جگہ مجتمع ہونے کے بارے میں جو قول آپؐ سے منسوب ہے، مجھے اسے صحیح ماننے میں تامل ہے، یہ الفاظ شانِ رسالت کے بھی منافی ہیں اور مساوات اسلام کے بھی اور سب سے بڑھ کر عمل، رسولؐ کے بھی مخالف، عکرمہؓ ابی جہل کے بیٹے تھے اور جلیل القدر صحابی تھے، اور آنحضرتؐ نے ان کے اسلام پر عددرجہ مسرت کا اظہار فرمایا تھا اور ہمیشہ ان کا بہت لحاظ کرتے رہے، "عدو اللہ" کے بیٹے کا اگر آپؐ اس درجہ لحاظ کر سکتے تھے تو عدو اللہ کی بیٹی کو بھی، حقیر نہیں سمجھ سکتے تھے، واللہ اعلم بالصواب،

برابر حیثیت رکھتی ہے[1] اسی وجہ سے انھوں نے اس پر اُجرت دینا لازم قرار دیا ہے جو دھوبی کو کپڑا دے یا نانبائی کو آٹا دے یا باورچی کو کھانا پکانے کے لیئے دے۔ جو اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ یا حمام میں داخل ہو اور وہاں غسل کرے جہاں عموماً لوگ اُجرت کی بنیاد پر غسل کرتے ہیں، غرض اسی قسم کے معاملات میں اگرچہ انھوں نے اجرت کی شرط نہ لگائی ہو، پھر بھی اجرت مثل دینی پڑے گی۔

اگر شرط ہو تو تزوج لازم ہے

اسی طرح جو یہ جانتا ہے کہ پہلی بیوی پر سوت لانا اس کے شرف وحسب اور جلالت شان کے باعث لانا ممکن نہیں ہے، تو اس پر ترک تزوّج تسلیم شدہ شرط کی طرح عائد ہوگا، چنانچہ اس اصول کے ماتحت سیدہ نساء عالمین اور بنت سید اولاد آدم اجمعین، اس کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اور اگر حضرت علی رضؓ لفظی طور پر یہ شرط لگا دیتے تو زیادہ موکد بات ہو جاتی، لیکن نہ لگاتے تو بھی قائم رہتی۔

ایک عجیب وغریب حکمت

اور حضرت فاطمہ رضؓ اور بنت ابی جہل جمع کو کرنے کی سے

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ کا یہ مسلک بے حد قوی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ عرف یعنی مقامی رسم ورواج، جو معارض قواعد شرعیہ نہ ہو، بجائے خود ایک واجب التعمیل قانون ہے اور اسلام کی حکمت آمیز شریعت کا یہ کمال ہے کہ اس نے عرف کو اگر اس کے خلاف کوئی شرط واضح طور پر پہلے سے موجود نہ ہو واجب التعمیل قانون ہی کی طرح سے تسلیم کیا ہے۔
امر واقعہ یہ ہے، کہ جائز حدود کے اندر اسلام نے اپنے احکام وضوابط، اور قواعد وآئین میں بہت زیادہ لچک رکھی ہے۔ تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اور دین پر عمل کرنا حیل کے قواعد پر عمل کا مترادف نہ بن جائے، جیسا دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے۔
چنانچہ خاص حالات میں ترک تزوج کا عرف بھی تسلیم شدہ شرط کی طرح واجب العمل ہے۔

ممانعت میں ایک عجیب وغریب حکمت ہے، وہ یہ کہ عورت اپنے خاوند کے مساوی درجہ کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات سے بھی اعلیٰ وارفع ہوتی ہے۔ اور شوہر کے باعث بھی درجہ عالیہ پر متمکن ہوتی ہے، یہی شان حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں کی تھی، اور اللہ عزوجل کو یہ گوارا نہ تھا کہ ابو جہل کی لڑکی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی درجہ میں رکھے۔ نہ ذاتی طور پر، نہ شوہر کے باعث، اور دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے اس لئے سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنا نہ شرعاً مستحسن تھا، نہ قدرتاً، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اپنے اس فرمان میں ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم بنت رسول اللہ اور بنت عدو اللہ ایک گھر میں کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

وہ عورتیں

جن سے ازروئے شریعت نکاح حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو حرام کردیا - یعنی ہر وہ عورت جس کے درمیان اور مرد کے درمیان ماں یا باپ کی جانب سے ایلاد (پیدائش) کا تعلق ہو - جیسے مائیں - باپ کی مائیں، مردوں اور عورتوں کی جانب سے دادا - دادی - اگرچہ اوپر تک چلے جائیں - اسی طرح بیٹیاں حرام ہیں - اور یہ ہر وہ عورت ہے - جسے اس کے ساتھ ایلاد کا تعلق ہو جیسے صلبی بیٹیاں، بیٹیوں کی بیٹیاں، اور ان کے بیٹے، اگرچہ نیچے تک چلے جائیں - یہ سب ہر جہت سے بہنیں حرام ہیں، نیز پھپھیاں حرام ہیں اور یہ وہ عورتیں ہیں جو باپ کی بہنیں ہوں - اگرچہ ہر جہت سے اوپر چلی جائیں -

رہی چچی - تو اگر یہ باپ کا چچا ہے - تو وہ گویا اس کے باپ کی چچی ہے، اور اگر ماں کی چچی ہے تو اجنبی چچی - اس لیے یہ پھپھیوں میں داخل نہ ہوگی - رہی ماں کی چچی کی چچی تو یہ ان میں داخل ہے - جیسے باپ کی چچی اس کی پھپھیوں میں داخل ہے -

کیسی خالائیں حرام ہیں - یہ وہ عورتیں نہیں، جو اس کی ماں یا باپ کی ماں کی بہنیں ہوں - اگرچہ اوپر تک جائیں اور چچی کی خالہ، اگر باپ کی طرف سے چچی ہے -

تو اجنبیہ ہے۔ اور اگر ماں کی جانب سے ہے تو اس کی خالہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ خالہ ہے، رہی خالہ کی چچی، تو اگر ماں کی خالہ ہے تو اس کی چچی اجنبیہ ہے اور اگر باپ کی ہے تو اس کی چچی حرام ہے، کیونکہ وہ باپ کی چچی ہے۔

نیز بھائی کی بیٹیاں حرام ہیں اور بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ تو گویا بھائی اور بہن پر یہ حکم ہر جہت سے حاوی ہوگا۔ نیز ان دونوں کی بیٹیوں پر بھی یہی حکم ہوگا۔ اگرچہ نیچے تک چلے جائیں اور رضاعی ماں حرام ہے۔ اس میں باپ یا ماں کی جانب سے (رضاعی ماں) کی ماں بھی داخل ہوگی۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔

اور اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی) اس کی ماں ہوئی۔ تو یہ دودھ والا ہوگیا۔ اور وہ خاوند یا آقا ہوتا ہے۔ اگر یہ اس کے باپ کی باندی ہو، اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبن فحل کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ یہ نص سے ثابت ہے۔ اور حرمتِ رضاع مرتضعے کی ماں اور رضاعی باپ تک چلی گئی۔ اور یہ ان دونوں کا بیٹا اور وہ اس کے ماں باپ بن گئے۔ اس سے خود ہی لازم آگیا۔ کہ ان دونوں کی بہنیں اور بھائی اس کے لیے خالائیں اور پھوپھیاں ہو جائیں گی اور ان دونوں کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے بھائی اور بہنیں قرار پائیں گی۔ چنانچہ اسی فرمان سے اس بات پر تنبہ فرمایا۔ کہ تمہاری رضاعی بہنیں حرمتِ رضاع کے باعث اسی طرح حرام ہوں گے۔ جیسے سگی بہنیں اور بھائی اور یہ حرمت ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو جائے گی۔ پس جس طرح رضیع (بچہ شیر) کے بھائی اور بہنیں ہو گئیں، اسی طرح ان دونوں رضاعی والدین کے بھائی بہنیں، اس بچہ کے ماموں اور خالائیں چچا اور پھوپھیاں قرار پائیں گی۔ پہلی بطریق نص اور دوسری بطریق تنبیہ و اشارہ! جیسے کہ حرمتِ رضاع بطریقِ نص ماں کی جانب منتقل ہوئی۔ اور بطریق تنبیہ باپ کی جانب بھی منتقل ہو گئی، اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ اس پر صرف وہی آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو معانی قرآن اور وجوہ اولہ میں درک رکھتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا۔ کہ نسب سے جو حرام ہو جاتا ہے۔ وہ

رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

اب دلالتیں دو ہیں۔ ایک خفی اور ایک جلی۔

چنانچہ آپ نے امت کے لیئے دونوں بیان فرما دیئے تاکہ وضاحت مکمل ہو جائے اور شک زائل ہو جائے۔

نیز عورتوں کی ماؤں کو حرام قرار دیا۔ عورت کی ماں داخل ہے۔ نسب اور رضاع کے لحاظ سے اگرچہ اوپر تک چلی جائے۔ اور اگرچہ اس نے عورت سے خلوت کی ہو۔ ان سب پر یہ نام صادق آئے گا۔

نیز بیویوں کی گود میں پرورش پانے والی لڑکیاں بھی حرام ہوں گی، اور یہ ان کی مدخولہ بیویوں کی بچیاں کہلائیں گی۔ اس جملہ سے ان کی بیٹیوں۔ بیٹی کی بیٹیوں اور بیٹوں کی بیٹیوں شمار میں آگئیں۔ یہ سب کی سب ربائب کے ضمن میں ہیں۔

اور تحریم کی قید دو شرطوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک یہ بیویوں کی گود میں ہوں اور دوسرے یہ کہ ان کی مائیں ان کی مدخولہ ہوں۔ اگر یہ صورت نہ ہوئی، تو حرمت ثابت نہ ہو گی۔ چاہے فرقت موت یا طلاق سے ہو۔ یہ مقتضائے نص ہے۔

حضرت زید بن ثابت اور ان کے اتباع اور ایک روایت میں امام احمدؒ بھی اس کی طرف گئے ہیں کہ ربیبہ کی حرمت اس کی ماں کی موت سے بھی اسی طرح ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ اس کے تمتع سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ اس کے مہر کو مکمل کر دیتا ہے۔ عدت کا پابند بنا دیتا ہے۔ اور وراثت کو واجب کرتا ہے۔ تو گویا مدخولہ کے مساوی ہو گئی۔

لیکن جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میت غیر مدخولہ بہا[1] کی بیٹی حرام نہیں ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمتع کے ساتھ حرمت کی قید لگا دی۔ اور عدم تمتع کے موقع پر اس کی صراحت سے نقل کر دی، رہا اس کی گود میں پرورش پانا۔ تو یہ حرمت

---

[1] یعنی جس سے شوہر نے جماع اور تمتع نہ کیا ہو۔

کی قید کے طور پر نہیں ہے، گویا یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قائم مقام آگیا:
لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ یعنی اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔
اور جب لڑکی اپنی ماں کے پاس ہو گی۔ تو وہ گویا خاوند کی ہی پرورش میں ہے واقعۃً بھی اور جواز کے لحاظ سے بھی۔ تو گویا فرمایا، وہ عورتیں جن کی حالت ہے۔ کہ وہ تمہاری گودوں میں آن پڑیں۔ اس کے تذکرہ میں ایک بہت ہی بڑا فائدہ ہے یعنی یہ اس کی گود میں اسے لاڈ النا جائز ہے۔ اور اسی بچی کو دور کر دینا۔ اسے کھلانے سے اجتناب برتنا اور خاطر و مدارت سے ہٹنا واجب نہیں۔ تو اس سے نہ رکنے سے یہ بات مستفاد ہوئی۔

اور چونکہ یہ چیز بعض اہل ظاہر پر پوشیدہ رہی۔ اس لیئے انھوں نے تحریم ربیبہ کے خاوند کی گود میں ہونا شرط قرار دیا۔ اور ماں کے مدخول بہا ہونے کو حرمت کی قید قرار دے دیا۔ اور عورت کی ماں کو مطلق حرام کر دیا۔ اور تمتع کی شرط نہیں لگائی۔ چنانچہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد کے علماء کا فرمان ہے کہ ماں اسی وقت حرام ہو جاتی ہے، جب اس کی بیٹی سے عقد کیا گیا۔ خواہ بیٹی کے شوہر نے اس سے خلوت کی ہو، یا نہ کی ہو۔

اور بیٹی صرف اس وقت حرام ہوتی ہے، جب اس کی ماں سے خلوت کر لی گئی ہو۔ اسی طرح ہی ہم کہتے ہیں کہ جب کسی نے اپنی لونڈی سے وطی کی۔ تو اس کی ماں اور بیٹی بھی اس پر حرام ہو گئی۔ اور اگر کہا جائے کہ تم نے کہا تھا۔ کہ ماں کی حرمت کے لیئے بیٹی سے دخول شرط نہیں۔ تو یہاں کیسی شرط لگا رہے ہو۔ ہم کہیں گے۔ تاکہ اس کی بیویوں میں ہو جائے، کیونکہ اس کی زوجہ محض عقد ہی سے اس کی بیویوں میں سے ہو گئی۔ اور مملوکہ عورت اس بیویوں میں سے نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ اس سے وطی نہ کر لی جائے۔ جب وطی کر لی۔ تو اس کی ازواج میں شامل ہو گئی۔ اب اس کی ماں اور بیٹی حرام ہو گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ بیٹوں کی ازواج کو حرام فرمایا۔ اور یہ وہ عورتیں ہوتی ہیں۔ جو ان کے

بیٹوں سے موجود ہوں، نکاح یا ملک یمین کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اس وقت یہ حلیلہ یعنی محللۃ بن جائے گی۔ اور اب اس میں اس کے صلب کا بیٹا، بیٹے کا بیٹا اور اس کی بیٹی کا بیٹا داخل ہو جائے گا۔ لیکن متبنیٰ اس سے خارج ہوگا۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے باپ کی منکوحہ کو حرام کر دیا۔ اور یہ حکم باپ کے ملکِ یمین یا عقد نکاح ہر طرح کی منکوحہ عورتوں پر حاوی ہے، نیز دادا اور نانا پر بھی صادق آتا ہے۔ اگرچہ اوپر تک چلے جائیں۔ (یعنی الاّ ما قد سلف) سے استثناء کر دیا۔ اور استثناء منجملہ نہی ہے۔ یعنی وہ تحریم جو متلزم تاثیم و عقوبت (سزا اور گناہ) ہے لیکن کتاب و سنت کی حجت قائم ہونے سے پہلے کی بات جدا ہے۔

ایک نکاح میں

دو بہنوں کو جمع کرنا ازروئے شریعت حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے نکاح میں دو بہنوں کا جمع کرنا حرام قرار دیا یہ حکم عقدِ نکاح اور ملک یمین ہر دو پر مشتمل ہے، جیسے آیتِ محرمات کے دیگر احکام کی حالت ہے۔

جمہور صحابہؓ اور تابعین کا یہی فرمان ہے۔ اور یہی درست بھی ہے۔

البتہ ایک گروہ تحریم ملک یمین کے بارے میں توقف کرتا ہے۔ کیونکہ یہ عموم اللہ تعالیٰ کے فرمان عام سے معارض ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔

یعنی اور جو اپنی خواہش نفسانی کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر سو ان پر کچھ الزام نہیں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کا مسلک

اسی وجہ سے امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو ایک آیت سے حلال بتایا اور دوسری آیت سے حرام بتایا۔

امام احمدؒ کی ایک روایت اور امام احمدؒ سے ایک روایت مروی ہے کہ فرمایا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے۔ لیکن ہم اس سے منع ضرور کرتے ہیں، اور ان کے اصحاب میں سے بعض نے ان سے روایت کرتے ہوئے اسے مباح بتایا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اسے مباح نہیں بتایا۔ بلکہ صحابہؓ کے معاملہ میں ادب کا طرزِ عمل اختیار کیا۔ جس معاملہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے توقف فرمایا ہو۔ اس میں لفظِ حرام استعمال نہیں کیا۔ بلکہ یوں کہا، کہ ہم اس سے منع کرتے ہیں۔

آیت تحریم کے اسباب ترجیح اور جو لوگ اس کی حرمت پر مصر ہیں۔ انھوں نے کئی وجوہ سے آیت تحریم کو ترجیح دی ہے

۱۔ ایک یہ کہ محرمات کے تمام احکامات عقدِ نکاح اور ملکِ یمین ہر جگہ عام ہیں۔ تو پھر کوئی ان سے کیوں خارج کیا جائے؟

۲۔ دوسرے ملک یمین کے ذریعہ آیتِ اباحت قطعی طور پر کئی لحاظ سے مخصوص ہے جس میں بیان کردہ دو احکام مختلف نہیں ہو سکتے۔ جیسے ماں اور اس کی بیٹی، بہن اور پھوپھی اور رضائی خالہ۔

۳۔ تیسرے ملک یمین کا حلال ہونا محض جہت اور سبب حلت کو واضح کرنے کی غرض سے ہے۔ اور اس میں شرائط حلت سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ موانع کا بیان ہے اور آیت تحریم میں نسب۔ رضاع اور مہر وغیرہ کے باعث موانعِ حلت بیان ہو رہے ہیں۔ اسی لیے ان دونوں میں کسی قسم کا تعارض نہیں، ورنہ ہر وہ مقام جہاں شرطِ حلت اور موانع ذکر ہوتے وہ تقاضائے حلت سے متعارض ہوتے اور یہ قطعی طور پر باطل ہے۔ جہاں شرط و موانع کے سلسلہ میں دلیلِ حلت سے خاموشی اختیار کر لی گئی۔ وہاں یہ اس بات کی وضاحت بھی ہے۔

۴۔ چوتھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی (مادۂ تولید) دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے۔

کہ جس طرح عقدِ نکاح سے "مادہِ تولید" جمع ہوتا ہے۔ اسی طرح ملکِ یمین سے بھی جمع ہوتا ہے اور ایمان اس سے روکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت اور اس (عورت) کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو جمع کرنے سے منع فرمایا۔

یہ تحریم دراصل دو بہنوں کو جمع کرنے کی ممانعت سے ماخوذ ہے اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام بتایا ہے۔ وہ بھی اسی طرح حرام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام بتایا۔ لیکن (حضور) کا بتایا ہوا دلالۃ الکتاب سے مستنبط ہے اور صحابہؓ قرآنِ مجید سے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استنباط کرنے کے از حد شائق تھے۔

اور جو بھی اس کام میں لگ گیا۔ تو اسے محسوس ہوگا۔ کہ تمام سنت (حدیث) قرآنِ پاک کی تفسیر۔ اس کے مخفیات کی وضاحت اور مراد اللہ کا بیان ہے۔ اور یہ کام مراتب علم کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ جو بھی اس پر ظفریاب ہوا۔ اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے۔ اور جو اس سے محروم رہا۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے اور اپنے ضعف ہمت اور عجز کا اقرار کرے۔

جمع بین الاختین، نیز عورت اور اس کی پھوپھی بیٹی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت سے پتہ چلتا ہے۔

کہ ایسی دو عورتیں جن کی آپس میں قرابت ہو اور اگر ان میں سے ایک مذکر ہو۔ اور دوسری مونث تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ پس ان کا بھی ایک ہی عقد میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور اس کلیہ سے کوئی بھی صورت خارج نہ ہوگی۔

البتہ اگر ان کی آپس میں قرابت ہوگی۔ تو ان کا آپس میں جمع کرنا حرام نہیں۔

اور آیا یہ مکروہ ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک آدمی کی بیوی اور دوسرے کی بیٹی کو جمع کرنا (کراہت کی بات ہے) اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ محرمات مذکورہ سے مستفاد ہے کہ ہر وہ عورت جس کے ساتھ نکاح حرام ہو۔ ملک یمین کے ذریعہ اس سے وطی کرنا جائز نہیں۔ سوائے اہل کتاب کی لونڈیوں

کے۔ کیونکہ ان کا نکاح اکثر کے نزدیک حرام ہے۔ اور ملک یمین کے ذریعہ ان سے وطی کرنا جائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اسے مساوی قرار دیا اور فرمایا ہے کہ ان سے نکاح بھی اسی طرح مباح ہے جیسے ملکِ یمین کے ذریعہ ان سے وطی کرنا مباح ہے، اور جمہور نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وصف ایمان کے باعث لونڈیوں سے نکاح حلال قرار دیا ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ماملکت من فتیاتکم المومنات واللہ اعلم بایمانکم

یعنی اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں مسلمان تو نکاح کرے ان سے جو تیرے ہاتھ کا مال ہیں، یعنی تمہارے آپس کی مسلمان لونڈیاں، اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہارا ایمان۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن یعنی اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ حتیٰ کہ ایمان لے آئیں۔

اسی طرح اہل کتاب کی آزاد عورتیں مخصوص کر دی گئیں۔ البتہ لونڈیاں حرمت کے حکم پر باقی رہ گئیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہؓ نے اس آیت کے تحت کتابیہ عورتوں کو داخل سمجھا ہے اور فرمایا ہے:

میں اس سے بڑا شرک نہیں جانتا۔

کہ یوں کہا جائے،

کہ مسیح خدا ہے۔

تو اصل بات ایقاعِ حرمت میں ہے۔ البتہ مومن لونڈیوں کا نکاح مباح قرار دیا گیا ہے اور جس نے انہیں بھی اصلِ تحریم پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ ان کی حرمت اس مفہوم سے نہیں

نکلتی اور سیاق آیت اور اس کے مدلول سے متضاد ہوتا ہے۔ کہ ہر وہ عورت جو حرام ہو اس کی بیٹی بھی حرام ہوگی۔ سوائے اس کی پھوپھی۔ خالہ۔ بیٹے کی زوجہ اور باپ کی زوجہ اور زوجہ کی ماں کے۔

چنانچہ سورۃ احزاب میں چار مذکورہ کے سوا تمام اقارب حرام ہیں۔ اور چچی اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں نہیں۔

گرفتارِ شدہ منکوحہ عورتیں

آیا ان سے تمتع کی شرطِ اسلام ہے یا نہیں ؟

ملکِ یمین کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔

کئی لوگوں کو اس استثنا سے اشکال ہو گیا۔ کیونکہ شادی شدہ لونڈی سے آقا کو وطی کرنا حرام ہے۔ اب استثنا کا موقع کہاں رہا؟

دوسرے گروہ نے جواب دیا ہے کہ یہ منقطع۔ یعنی "لیکن وہ جن کے تم مالک (آقا) ہو" تو گویا لفظی اور معنوی طور پر اسے رد کر دیا۔

منکوحہ عورت باندی بننے کے بعد پہلے شوہر سے مطلقہ ہو جائیگی

دوسری جماعت کا خیال ہے۔ کہ استثنا اس کے باب (آغاز) میں ہے۔ اور جب مرد اپنی منکوحہ لونڈی کا مالک ہو جائے گا۔ تو اس کی ملکیت ہی اس کے لیے طلاق بن جائے گی اور اسے وطی کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

اور یہ مسئلہ بیع کنیزک کا ہے کہ آیا (فروخت سے) اس کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

اس بارے میں صحابہؓ کے دو مذہب منقول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اسے طلاق قرار دیتے ہیں۔ اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے صحابہؓ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جس طرح ملک سابق نکاحِ لاحق کے ساتھ اتفاقاً جمع ہو جاتا ہے۔ اور

اس میں باہمی منافات نہیں۔ اسی طرح ملکِ لاحق نکاحِ سابق کا منافی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بریرہؓ کو جب فروخت کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اختیار دیا، ورنہ اگر نکاح فسخ ہو جاتا۔ تو آپؐ اختیار کس طرح دیتے؟

گرفتار شدہ عورت کی مالک اگر عورت ہو تو کیا حکم ہو گا؟ ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ اگر خریدار عورت ہو، تو نکاح فسخ نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ لونڈی سے تمتع (وطی) کی مالک نہیں ہوتی۔ اور اگر مالک مرد ہو گا تو نکاح فسخ ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ تمتع (جماع) کر لینے کا مالک ہوتا ہے۔ اور ملکِ یمین ملکِ نکاح سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور ملکیت کی یہ قسم (ملکِ یمین) نکاح کی ملکیت کو باطل کر دیتی ہے لیکن اس کا عکس نہیں ہو سکتا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس توضیح و تشریح کے بعد حدیث بریرہؓ میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا لیکن سلف نے اس کا جواب دیا ہے کہ خریدنے والی عورت اگرچہ باندی سے فائدہ (وطی وغیرہ کا) حاصل کرنے کی مالک نہیں ہوتی، لیکن وہ اس کے معاوضہ اور قیمت کی مالک ہوتی ہے۔ نیز اس کا نکاح کرنے کی مالک ہوتی ہے، علاوہ ازیں اس کا مہر لینے کی حقدار ہے، اور یہ ملکیت ایسی ہی ہے۔ جیسی مرد کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بضع امت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی یعنی اس سے تمتع نہیں کر سکتی۔

گرفتار شدہ عورت کا شوہر اگر زندہ ہو تو کیا حکم ہے؟ ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے، دوسری آیت قیدی عورتوں کے لیئے خاص ہے۔ کیونکہ ایک عورت جب قید ہو جاتی ہے تو اس کے باندی بننے، اور اس سے استبراء کے بعد وطی کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ منکوحہ ہو۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

اور اصحاب احمدؒ کا بھی ایک قول ہے، اور یہی صحیح ہے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا۔ دشمن سے مقابلہ ہوا، اور جنگ ہوئی، اور فتح یاب ہونے کے ساتھ

انہیں باندیاں ہاتھ آئیں، اور اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کے بارے میں تردد ہوا کہ ان کے مشرک خاوند بھی زندہ ہیں۔ (پھر یہ مسلمانوں پر کیسے حلال ہو سکتی ہیں
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم نازل فرمایا:

وَالمحصنٰتُ من النّساء الّا ما ملکت ایمانکم یعنی: اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ یعنی ان عورتوں کی جب عدت ختم ہو گی۔ تو یہ تمہارے لئے حلال ہوں گی۔ اس طرح یہ حکم جنگی قیدی عورت سے وطی کی اباحت کا متضمن ہے اگرچہ اس کا کافر خاوند موجود ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ (گرفتاری) کے بعد عورت کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اور اس کی زائل سمجھی جائے گی، اور یہی صحیح مسلک ہے،

گرفتار کرنے والا عورت کا مالک ہے | کیونکہ جس نے عورت کو گرفتار کیا ہے۔ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے، پھر اس پر اس کی بضع (تمتع) کیونکر حرام ہو سکتی ہے؟

اس قول کی نہ نص معارض ہے، نہ قیاس۔

اور اصحاب احمد میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ گرفتار شدہ عورت سے جماع اس وقت جائز ہے جب وہ تنہا گرفتار ہوئی ہو، کیونکہ اس کے شوہر کی بقا مجہول ہے، اور مجہول معدوم کے مانند ہوتا ہے۔ لہٰذا استبرا کے بعد اس سے وطی جائز ہے۔

اور اگر گرفتار شدہ عورت کے ساتھ اس کا شوہر بھی گرفتار ہو تو اس لیے کہ اس کی بقا مجہول نہیں معلوم ہے، اس کی گرفتار شدہ بیوی سے مجامعت جائز نہیں ہے۔

گرفتار شدہ عورت کسی چیز کی مالک نہیں | لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت جو گرفتار ہوئی ہے۔ اب کسی چیز کی مالک نہیں ہے، اصل چیز ہے فرد کا الحاق اعم اغلب سے، یعنی جو بات عمومی طور پر زیادہ قرین

ـلـه اصحاب امام احمد کا یہ مسلک زیادہ قوی اور قواعد و مصالح شرع سے قریب تر ہے۔

قیاس ہو، لہٰذا ان عورتوں کی تنہا گرفتاری کے وقت ان کے شوہروں کا زندہ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، اور سب شوہروں کا مرجانا قطعاً مستبعد ہے۔!

اور اگر یہ کہا جائے کہ گرفتار شدہ مرد خود غلام ہو گیا، اور اس کی املاک سابق (گرفتار کرنے والے) کی ملکیت ہو گئی۔ پھر اس کی بیوی کی عصمت خاص طور پر کیونکر مملوکہ نہیں مانی جائے گی؟ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ عورت اور اس کی املاک سابق ہو گئی۔

بُت پرست اور مشرک باندیوں کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بت پرست اور مشرک باندیوں سے وطی کی جاسکتی ہے کیونکہ اوطاس کی گرفتار شدہ عورتیں کتابیہ نہیں تھیں، اور آپؐ نے ان سے وطی کی شرط اسلام نہیں قرار دی تھی۔ اور مانع تمتع استبرا کے سوا کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔ اور بوقت حاجت تاخیر حاجت منع ہے۔ حالانکہ یہ لوگ حدیث (جدید) الاسلام تھے، اور ان عورتوں میں سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ نہ انہیں اسلام کے بارے میں کوئی بصیرت حاصل تھی۔ نہ اسلام سے رغبت اور محبت۔ جس کے باعث انہوں نے بہ سرعت اسلام قبول کر لیا ہو۔

آں حضرتؐ اور صحابہؓ کا تعامل

چنانچہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد صحابہؓ کا عمل یہی تھا۔ کہ مملوکہ عورتوں کے ساتھ وطی کرنا چاہئیے، وہ کسی بھی دین کی ہوں۔ اور یہی طاؤسؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ اور صاحب کتاب نے اس کو قوی قرار دیا ہے، اور اس کے دلائل کو ترجیح دی ہے۔

باندی سے تمتع کے لیے اسلام کی شرط نہیں

اور وہ حدیث ان کے اسلام کے عدم اشتراط پر دلالت کرتی ہے جو جامع ترمذیؒ میں حضرت عرباض رضی اللہ عنہ بن ساریہ سے مروی ہے، کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیوں سے اس وقت تک وطی کرنا حرام بتایا، جب تک کہ وہ وضع حمل نہ کر لیں۔ گویا آپؐ نے ایک ہی سبب حرمت وطی کا بتایا اور وہ وضع حمل (تک کا زمانہ) ہے اور اگر یہ چیز اسلام پر موقوف ہوتی۔ تو اس کا بیان کرنا استبرا (وضع حمل) کے بیان کرنے سے زیادہ اہم تھا۔

شرط صرف وضع حمل یا استبراء ہے اور سنن اور مسند میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ کسی لونڈی سے مباشرت کرے۔ جب تک کہ وہ وضع حمل نہ کرے۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ جب تک وہ اسلام نہ لے آئے۔

اور سنن میں آپؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے اوطاس کی گرفتار شدگان کے متعلق فرمایا کہ کسی حاملہ سے وضع حمل تک وطی نہ کی جائے۔ اور غیر حاملہ سے وطی کی جائے جب تک کہ اُسے ایک حیض نہ آجائے، اور یہ نہیں فرمایا۔ کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے گویا کہیں بھی آپؐ سے باندیوں کے لیے شرطاً اسلام مروی نہیں، لہ

لہ ان ساری نکتہ سنجیوں اور دقیقہ آفرینیوں کے باوجود یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی کہ گرفتار شدہ عورت باندی بننے کے بعد، خاص طور پر اگر وہ مشرکہ ہو، اس طرح حلال ہو جاتی ہے کہ صرف وضع حمل اور استبراء کافی ہو، کتابیہ عورت کے بارے میں تو یہ بات درست ہو سکتی ہے، لیکن مشرکہ کے بارے میں قطعاً نہیں مانی جا سکتی۔

اسلام نے مشرکہ عورت سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔

پھر مشرکہ باندی سے جماع کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ جب کہ اس سے جماع ایک طرح کا نکاح ہی ہے، بلا گواہ اور قاضی کے، اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد، باپ کی وارث اور شریک نسب ہے، جس عورت سے نکاح حرام ہو، اس کے بطن سے جو اولاد پیدا ہو۔ وہ شرعی اصطلاح میں صرف ولد الزنا ہی کہی جا سکتی ہے۔

لہٰذا ماننا پڑے گا۔ مشرکہ باندی سے جماع کے لیے اسلام شرط ہے، اور یہ اتنی واضح شرط ہے کہ اس کے لیے ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ الگ سے اسے بیان کیا جاتا۔ اس کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مشرکہ عورت سے نکاح حرام ہے۔ جب نکاح حرام ہے تو وطی بھی حرام ہے اور اس کے بطن کی اولاد بھی حلال نہیں ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کے سبقت اسلام کے بعد

تفریق، بقاء نکاح اور تجدید عقد کے احکام

قبول اسلام سے پہلے محرمات نکاح کا مسئلہ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی، حضرت زینبؓ کو نکاح ہوتے ہی ابو العاص بن ربیع کے ہاں رخصت کر دیا۔ اور مزید کچھ نہ کیا، اسے احمدؒ۔ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ چھ سال کے بعد (بھیجا) اور نیا نکاح نہیں کیا۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کچھ نقص نہیں۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ (حضرت زینب) کا اسلام ان کے اسلام سے چھ برس پہلے واقع ہوا۔ بغیر شہادت اور صدق (مہر) کے۔

ابن عباسؓ کی روایت

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے اسلام قبول کیا۔ پھر اس نے نکاح کر لیا۔ اس کا (پہلا) خاوند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول، مَیں تو اسلام قبول کر چکا ہوں۔ اور اسے آپ کو میرے اسلام کا علم بھی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے واپس لے لیا۔ اور پہلے خاوند کے ہاں بھیج دیا۔ اس کے راوی ابوداؤد ہیں۔

نیز مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک آدمی اسلام قبول کرتا ہوا حاضر خدمت ہوا۔ اس کے بعد اس کی بیوی بھی اسی طرح اسلام قبول کر کے حاضر

ہوگئی اس نے عرض کیا :

اے اللہ کے رسول، یہ (میری بیوی)، بھی میرے ساتھ اسلام لے آئی ہے۔

آپؐ نے اسے خاوند کے پاس بھیج دیا۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں، یہ حدیث صحیح ہے۔

نیز ترمذی کا قول ہے کہ حارث بن ہشام کی بیٹی ام حکیمؓ فتح مکہ کے روز اسلام لائیں۔ ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے فرار ہو کر یمن چلے گئے۔ چنانچہ ام حکیمؓ نے یمن کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں پہنچ کر انہیں بھی اسلام کی دعوت دی، وہ مسلمان ہو گئے۔ اور فتح کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ جوش مسرت وانبساط سے بے قابو ہو کر اٹھے۔ آپؐ کے جسد مبارک پر چادر بھی نہ تھی آپؐ نے عکرمہ سے بیعت لی۔ اور دونوں (میاں بیوی) کو سابقہ نکاح پر باقی رکھا۔

راوی فرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ کسی عورت نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہجرت کی ہو۔ اور اس کا خاوند دارالحرب میں بر حالت کفر مقیم رہا ہو۔ اور ہجرت نے ان دونوں کے مابین تفریق نہ کرادی ہو۔ ہاں عدت ختم ہونے سے قبل ہی اس کا خاوند بھی اگر ہجرت کر کے حاضر ہو جائے تو الگ بات ہے، جیسا کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔

احکام متضمنہ حدیث یہ حکم اس بات کا متضمن ہے کہ جب دونوں ساتھ ساتھ اسلام لے آئیں تو انھیں سابق نکاح پر باقی رکھا جائے گا۔ اور یہ معلوم نہ کیا جائے گا کہ اسلام سے قبل وقوع نکاح کی کیفیت کیا تھی؟ صحیح ہوا تھا، یا غلط؟ جب تک کہ کوئی باطل کرنے والی کوئی بات موجود نہ ہو۔ مثلاً دونوں مسلمان ہوئے اور (حالتِ کفر) میں یہ نکاح یوں ہوا تھا کہ عورت غیر کی عدت میں تھی، یا مسلّمہ طور پر اس کے لیے حرام تھی۔ یا موبد تھی اور نسبی یا رضاعی طور پر اس کے لیے حرام تھی۔ یا ایسی عورت تھی کہ جیسی دو عورتوں کا آپس میں جمع کرنا جائز نہیں۔ مثلاً دو بہنیں یا پانچ بیویاں، یا پانچ سے زائد بیویاں۔ ان تین صورتوں میں احکام مختلف ہوں گے۔ چنانچہ جب دونوں اسلام لے آئیں اور عورت ومرد کے درمیان نسبی۔ رضاعی یا صہری حرمت ہو۔ یا زوجہ کی بہن ہو یا اس کی پھوپھی یا خالہ ہو یا

ایسی ہو کہ جن دونوں کے درمیان جمع کرنا حرام ہو۔ تو دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔

لیکن اگر محض دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت ہو۔ تو اسے اختیار دیا جائے گا۔ ان دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لیے اختیار کر لے۔

یا یہ عورت بہ سبب زنا اس کی بیٹی ہو تو بھی دونوں کے درمیان جمہور کے نزدیک تفریق کر دی جائے گی۔

اور اگر اسے یقین ہے کہ یہ زنا ہی کی ہے، تو بالاتفاق ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور زوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا، لیکن وہ کسی ایسے مسلمان کی عدت میں تھی اور اس کے عقد سے مقدم تھی، تو بھی دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

اور اگر کافر کی عدت میں تھی۔ اب اگر دوام فساد یا اس کے اجماع کا اختیار ہو تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ کیونکہ کافر کی عدت دوام اختیار نہیں کر سکتی اور ان اصحاب سے نزدیک مانع نکاح ہو سکتی ہے جن کے خیال میں نکاح کفار باطل ہے اور اسے وہ زنا کا حکم دیتے ہیں۔

اور اگر ایک مسلمان ہو گیا۔ اور یہ عورت قبل از عقد زنا سے حاملہ تھی، تو پھر مفسدہ کے خطرے یا اجماع کی صورت میں دونوں ہیں۔

اگر دونوں اسلام لے آئے اور انھوں نے (حالت کفر) میں بغیر کسی ولی یا گواہوں کے۔ یا عدت کے اندر نکاح کیا تھا۔ اور اب عدت گزر چکی ہے۔ یا بہن پر نکاح کیا تھا۔ اور اب وہ بہن مر چکی ہے۔ یا پانچویں عورت تھی (اور اب ایک مر چکی ہے) تو پھر یہ قائم رکھا جائے گا۔

اسی طرح کسی حربی نے کسی حربیہ عورت پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بعد دونوں نے نکاح کر لیا۔ پھر دونوں مسلمان ہو گئے، تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔

اسی طرح اگر زوجین میں سے ایک پہلے مسلمان ہو جائے۔ تو نکاح فسخ نہ ہو گا، اگرچہ ہجرت نے دونوں کے درمیان تفریق کی ہو، یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زوجین کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ جن میں سے ایک پہلے مسلمان ہو گیا ہو، بلکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نکاح موقوف ہے۔

اگر عدت پوری ہونے سے قبل ہی مرد اسلام لے آیا۔ تو وہ اس کی زوجہ ہے۔ اور اگر عدت ختم ہو گئی تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے نکاح کرے۔

تجدید نکاح قبول اسلام کے بعد ضروری نہیں

اور اگر عورت پسند کرے تو (خاوند کے) اسلام لانے کا انتظار کرے۔ پھر اگر وہ کسی وقت اسلام لے آئے، تو وہ بغیر تجدید نکاح کے اس کی بیوی ہو گی۔ اور ہم نہیں جانتے کہ آپؐ نے کسی کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ بلکہ دو ہی کام ہوئے یا دونوں میں افتراق ہو گیا اور دوسرے سے نکاح ہوا۔ اور یا پھر نکاحِ سابق قائم رہا چاہے مرد کا اسلام متاخر ہو یا عورت کا اسلام متاخر ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

اور حضرت حماد بن سلمہ کی سند سے ثابت ہے۔ انھوں نے ایوبؒ اور قتادہؒ سے روایت کیا انھوں نے ابن سیرینؒ سے، انھوں نے حضرت عبد اللہؓ بن یزید حطمی سے، کہ ایک نصرانی کی بیوی مسلمان ہو گئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے اختیار دیا، کہ چاہو، تو اس نصرانی سے جدا ہو جاؤ۔ اور چاہو تو اسی پر قائم رہو۔ اور یہ تو واضح طور پر معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے اسے اس بات کا اختیار دیا کہ چاہو تو نصرانی کے اسلام قبول کر لینے کا انتظار کرو۔ تو تم پہلے کی طرح اس کی زوجہ ہو گی۔ اور یا جُدا ہو جاؤ۔

حضرت عمرؓ کا ایک اور فیصلہ

اسی طرح صحیح طور پر حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک نصرانی کی عورت مسلمان ہو گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر وہ مرد بھی مسلمان ہو گیا تو یہ اس کی بیوی ہے۔ اور اگر اسلام نہ لایا تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ آخر وہ مسلمان نہ ہوا تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی۔

اسی طرح عبادۃ بن نعمان تغلبی کے متعلق فرمایا، جب ان کی بیوی مسلمان ہو گئی۔ کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ یا اس عورت کو جدا کر دیا جائے گا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ جدا کر دی گئی[1]

---

[1] بہر حال یہ ثابت ہے کہ میاں بیوی ساتھ ساتھ یا تقدیم و تاخیر کے ساتھ لیکن زمانہ عدت میں مسلمان ہوں، تو سابقہ عقد، کیا زمانہ کفر کا نکاح قائم رہتا ہے۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

عزل کا مسئلہ

تقلیل اولاد کا ایک وسیلہ عہد رسالتؐ میں

سوال و جواب صحیحین میں حضرت ابی سعیدؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہمیں لونڈیاں ملیں۔ ہم ان سے عزل[1] کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپؐ نے فرمایا بے شک تم ایسا کرتے ہو۔ یہ کلمہ تین مرتبہ دہرایا پھر فرمایا، یاد رکھو، قیامت تک جو جان آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔

آپؐ نے عزل سے منع نہیں کیا صحیح مسلم میں ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپؐ نے ممانعت نہیں فرمائی۔

نیز صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

میرے پاس لونڈی ہے۔ اور میں اس سے عزل کرتا ہوں۔

---

[1] عزل، یعنی بیوی سے جماع کرنا، لیکن انزال نہ کرنا، تاکہ اولاد نہ ہو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ راوی بتاتے ہیں کہ پھر وہ آدمی حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول جس لونڈی کا میں نے آپ کی خدمت میں تذکرہ کیا تھا۔ وہ حاملہ ہو گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

نیز صحیح مسلم میں حضرت اسامہؓ بن زید سے مروی ہے کہ آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا،

اے اللہ کے رسولؐ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، تم یہ کیوں کرتے ہو؟

اس آدمی نے عرض کیا، میں اس کے بچے پر شفقت کے باعث ایسا کرتا ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ مضر ہوتا تو اہل فارس اور اہل روم کو بھی ضرر دیتا۔

آزاد عورت کی اجازت کے بغیر عزل نہیں

سند احمدؒ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرہ (آزاد عورت) کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرنے سے منع فرمایا۔ اور ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ کو سنا کہ انھوں نے ابن لہیعہ کی حدیث بیان فرمائی۔ انھوں نے جعفر بن ربیعہ سے انھوں نے زہری سے انھوں نے محرر بن ابی ہریرۃؓ سے انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

محرہ سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے۔

عزل کی تائید احادیث سے

یہ احادیث عزل کے جواز میں صراحت سے منقول ہیں نیز دس صحابہؓ سے اس کے متعلق رخصت (اجازت) مروی ہے، جو یہ ہیں:

علی۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابی ایوب۔ زید بن ثابت۔ جابر۔ ابن عباس۔ حسین بن علیؓ

خباب بن ارت، ابی سعید خدری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور یہی صحیح ہے۔

بعض لوگ عزل کو حرام قرار دیتے ہیں

اور ایک جماعت نے اسے حرام قرار دیا ہے جس میں سے ابو محمد بن حزمؒ وغیرہ شامل ہیں۔ اور ایک جماعت نے تفریق کی ہے کہ اگر حرہ کی اجازت سے ہو تو مباح ہے اور اگر اجازت کے بغیر ہو تو حرام ہے۔ اور اگر بیوی لونڈی ہو تو آقا کی اجازت سے مباح ہے۔ اور آقا کی اجازت کے بغیر مباح نہیں۔ اور یہی امام احمد سے منصوص ہے اصحاب احمدؒ میں سے بعض فرماتے ہیں کہ یہ کسی صورت میں مباح نہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ہر حالت میں مباح ہے۔

بیوی کے اذن سے عزل مباح ہے

اور بعض کا خیال ہے کہ بیوی کے اذن سے مباح ہے چاہے وہ حرہ ہو یا لونڈی۔ جس نے اسے مباح مطلق قرار دیا۔ اس نے مذکورہ احادیث سے استدلال کیا ہے اور یہ کہ بیوی کا حق صرف حظ حاصل کرنے کا ہے۔ انزال کا نہیں[1]

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت

اور جس نے اسے حرام کہا ہے۔ اس نے صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا ہے۔ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ جو حضرت جذامہ کی بہن حضرت عکاشہؓ نے بیان کی۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے، اور میں حاضر ہوئی انھوں نے عزل کے متعلق دریافت کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مخفی طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔ اور اللہ کا اس فرمان کا یہی مطلب ہے واذا الموؤدۃ سئلت[2]

---

[1] یہ ذاتی رائے ہے، کتاب وسنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
اولاد کا پیدا کرنا یا نہ کرنے کا جذبہ بیوی میں بھی ہوتا ہے۔ اور وہ انسانی نقطہ نظر سے قطعاً قابل احترام ہے۔ لہٰذا یہی مسلک درست ہے کہ عزل بیوی کی اجازت سے کیا جا سکتا ہے۔

[2] یہ قیاس مع الفارق ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ اس سے اباحت کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ وہ اصل سے ناقل ہے۔ اور احادیث اباحت کی روایات کے موافق ہیں۔ اور احکام شرع براءت اصلیہ سے نقل ہونے والے ہوتے ہیں۔

حضرت جابرؓ کی روایت صریحہ تائید عزل میں حضرت جابرؓ کا قول ہے۔ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اور ہم عزل کرتے تھے۔ اس لیے اگر یہ ممنوع بات ہوتی تو قرآن اس سے منع کر دیتا، تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے، کہ جس نبیؐ پر قرآن نازل ہوا اس نے اپنے قول سے اس کی ممانعت فرمادی کہ یہ زندہ درگور کرنا ہے۔

حسن بصریؒ کا مسلک اور حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے ممانعت ہی کا مفہوم لیا ہے۔ جب کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "اگر تم یہ نہ کرو۔ تو بھی تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسنؒ کے سامنے یہ بات عرض کی، تو وہ واللہ یہ ہے زاور اس کی توجیہہ میں بتاتے ہیں کہ اس میں نکاح کے باعث جو نسل مطلوب تھی۔ اس کا انقطاع پایا جاتا ہے۔ نیز سوء معاشرت اور طبیعت کی چاہت کے وقت لذت کا انقطاع بھی ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عزل نہ کرتے اور فرماتے، کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ میرا کوئی بیٹا عزل کرتا ہے تو میں اسے سزا دوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ عزل کو مکروہ سمجھتے تھے، جیسا کہ شعبہ نے عاصم سے روایت کیا ہے۔

ابن مسعودؓ کی روایت اور حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایت میں ہے کہ انھوں نے عزل کو ایک طرح کا زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔

اور حضرت ابی امامہؓ سے ثابت ہے کہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا۔ تو فرمایا میں نے کسی مسلمان کو اس کا مرتکب نہیں پایا۔

حضرت نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے

کسی بیٹے کو عزل کرنے پر مارا۔

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ انصاری نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما عزل سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ احکامات ان احادیث کے متعارض ہیں۔ جن میں یہ بات صراحت سے مباح ہے۔

جوازِ عزل میں حضرت جابرؓ کے مرویات

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت جابرؓ کی احادیث جوازِ عزل میں صراحت سے آتی ہیں اور صحیح ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اور کئی اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ انھوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں خیال کیا۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت سعد بن ابی وقاص۔ ابی ایوبؓ انصاری زیدؓ بن ثابت اور ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی روایت ملی ہے۔ نیز امام مالکؒ اور شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ اہل کوفہؒ اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔

حضرت جذامہ کی حدیث

اور حضرت جذامہ کی حدیث کہ یہ حکم تنزیہ کے لیئے ہے۔ ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق یہود کی تکذیب کریں۔ پھر اس کے بعد اس کی خبر بھی دے دیں۔ یہ واضح طور پر محال ہے۔

اور دوسرے گروہ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیثِ تکذیب میں اضطراب ہے اور حدیث جذامہ صحیح ہے۔

کچھ یہود کے بارے میں

دوسرے گروہ نے ان دونوں احادیث کو جمع کیا ہے اور کہا ہے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ عزل کرنے سے حمل نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکذیب فرمائی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی اس پر شاہد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا ارادہ کر لیا۔ تو تم اس کو روک نہیں سکتے۔ اور آپؐ کا فرمان یہ وارخفی (مخفی زندہ درگور کرنا) اگرچہ

قطعی طور پر حمل میں مانع نہیں لیکن اس کی تقلیل اس سے ممکن ہے۔ جیسے بیوی سے جماع نہ کرنا۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ دونوں احادیث صحیح ہیں۔ البتہ حدیث تحریم ناسخ ہے اور یہ ابو محمد بن حزمؒ کا طریق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ اصل سے ناقل ہے۔ اور حرمت سے قبل احکامات صرف اباحت کے ہوا کرتے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ واضح تاریخ کے تعین کا محتاج ہے کہ ایک حدیث دوسری کے بعد اور کب فرمائی گئی۔

باندی سے بغیر اجازت عزل کیا جا سکتا ہے

اور ایک روایت میں صالح، ابنِ منصور حنبل، ابن الحرث، فضل بن زیاد اور مروزی فرماتے ہیں کہ حرہ سے اس کے اذن کے ساتھ اور لونڈی سے بغیر اجازت عزل جائز ہے۔ اور ابن ہانی کا قول ہے، جو عزل کرے گا اس پر بچہ لازم ہو گیا کیونکہ گاہے گاہے عزل کے باوجود بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے میرا ہر بچہ عزل ہی سے ہوا[1]

---

[1] عزل کے بارے میں، یہ واثق اور مخالف حدیثیں آدمی کو اضطراب فکر میں مبتلا کر دیتی ہیں لیکن صحیح مسلک از روئے حدیث، اور از روئے فقہ اسلامی یہی ہے کہ عزل جائز ہے، بشرطیکہ بیوی بھی اس پر رضامند ہو۔ اگر وہ رضامند نہ ہو تو عزل نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ شادی کا اصل مقصد، اور مرد و عورت کی تخلیق کا رمز صرف توالد و تناسل ہے، تاکہ اللہ کے بندوں میں اضافہ ہو، لیکن اگر حالات و مصالح کے ماتحت کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بچے پیدا ہوں، تو بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ رضامندی طرفین ہی سے ہو سکتا ہے۔ بیوی اگر چاہتی ہے کہ اس کے بچے ہوں تو شوہر اس کی اس آرزو کو ٹھکرا نہیں سکتا۔

مرضعہ سے جماع کا مسئلہ

صحیح مسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے ارادہ کیا کہ غیلہ سے روک دوں۔ آخر میرے سامنے روم و فارس کا تذکرہ کیا گیا کہ انھیں اس سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ نہ ان کی اولاد کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت یزید کی حدیث سے آپؐ سے منقول ہے۔ اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر یہ ایک شہ سوار کو پکڑ لے تو اُسے بھی گرا دے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اس سے آپؐ کا کیا مطلب تھا؟ انھوں نے فرمایا، آپؐ کا مطلب غیلہ سے تھا کہ ایک آدمی حالتِ رضاعت میں بیوی کے پاس آئے۔ اور حالتِ رضاعت میں وطی نہ کرنے سے ابتلاء عام ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے لیے بہت ہی دشوار ہے کہ مدتِ رضاعت کے اندر عورت سے رکا رہے اور اگر اس وقت وطی کرنا حرام ہوتا تو بہرحال یہ دین کا ایک مسئلہ تھا، اور ضرور تھا کہ اس کی وضاحت کی جاتی۔ اور ائمت اور اصحاب خیر القرون اسے کبھی بھی خارج از بحث نہ خیال کرتے۔ نہ کسی نے اس کی حرمت بیان کی ہے۔ پس معلوم ہوا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث بچہ کے لیئے محض بربنائے ارشاد و احتیاط سے عربوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی اولاد کو ماؤں کے علاوہ، دوسری عورتوں سے دودھ پلایا کرتے تھے۔ اور اس سے منع کرنا محض ایسے اسباب کو بند کرنے کے مترادف ہے کہ جن سے بچے کو ضرر ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور سدِّ ذرائع کا قاعدہ جب کسی مصلحت راجح سے ٹکراتا ہو تو اس وقت اس کو مقدم سمجھتے ہیں۔

کئی بیویوں میں باری کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انس رضؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: یہ سنّت ہے کہ جب ایک آدمی ثیبہ کے بعد کنواری لڑکی سے شادی کرے۔ تو اس کے پاس سات روز رہے۔ اور پھر (ایام کو) تقسیم کر دے۔ اور جب ثیبہ سے شادی کرے، تو اس کے پاس تین روز رہے پھر اس کے بعد تقسیم کر دے۔

ابو قلابہؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم چاہو۔ تو کہو۔ کہ حضرت انسؓ نے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعًا روایت کیا ہے۔ اور یہ ہے وہ بات، جو ابو قلابہؒ نے فرمائی اور جس کی صراحت حضرت انسؓ نے کر دی۔ جیسا کہ مسند بزارؒ میں حضرت ایوب سختیانیؒ اور انھوں نے ابو قلابہؒ سے انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے۔

اور سنن میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری کے لیے سات دن اور ثیبہ کے لیے تین دن مقرر فرمائے۔

اور سنن میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے اور عدل کرتے اور کہتے: اے اللہ یہ میری تقسیم ہے۔ جس کا میں مالک ہوں، اس کے لیے جس کا تو مالک ہے اور میں اس کا مالک نہیں۔ یعنی "دل" اس

کے متعلق مجھے ملامت نہ کرنا۔

سفر کی صورت میں قرعہ اندازی

اور صحیحین میں مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ چنانچہ جس کا نام نکلتا۔ اسی کو ہمراہ لے جاتے اور صحیحین میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ دونوں کا دن (حضرت عائشہؓ) کے لیے تقسیم فرماتے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس قیام کے معاملہ میں ہمیں ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیتے۔ اور شاذ ہی کوئی ایسا دن ہوتا۔ کہ آپؐ ہم سب کے پاس تشریف نہ لاتے۔ حتیٰ کہ باری والی بیوی کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں شب گزارتے۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ (ازواجِ مطہراتؓ) ہر رات وہاں جمع ہو جائیں۔ جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب گزارنی ہوتی۔

اپنے حق سے دست برداری

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے متعلق مروی ہے۔

وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزًا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا۔

یہ آیت ایک خاتون کے متعلق اتری۔ آپؐ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر رہے تھے تو وہ کہنے لگی مجھے طلاق نہ دیجیے۔ اور میرے اخراجات کے لیے آپؐ کو اختیار ہے۔ نیز میری باری بھی آپؐ (دوسری ازواج) میں تقسیم کر سکتے ہیں[1]۔ تو یہی وہ معاملہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہوا۔ فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحًا والصلح خیر۔ یعنی آپس ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ آپس میں صلح کر لیں صلح بہتر ہے۔

---

[1] آیت کی یہ شانِ نزول ایک مختلف فیہ مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت علی کا مسئلہ آپؐ کے خلیفہ راشد اور ابن عم علیؓ بن ابی طالب نے یہی فیصلہ فرمایا کہ جب لونڈی کے بعد آزاد عورت سے نکاح کیا جائے تو لونڈی کے لیے ایک شب اور آزاد کے لیے دو راتوں کی تقسیم ہو گی۔ اور آپؐ کے خلفاءؓ کی قضا اگرچہ (مرتبہ کے لحاظ) سے آپؐ کے فیصلوں کے مساوی نہیں، لیکن بہرحال امت پر ان کا اتباع واجب ضرور ہے۔

امام احمد کا استدلال امام احمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے استدلال بھی کیا ہے۔

نیز محبت کے لحاظ سے عورتوں میں مساوات قائم رکھنا واجب نہیں۔ کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی تمام ازواجِ مطہرات سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی سے یہ لیا گیا کہ خلوت میں بھی عورتوں کے درمیان مساوات ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ چیز بھی محبت اور میلان طبعی پر موقوف ہے۔ اور یہ چیز مقلب القلوب ذات کے ہاتھ میں ہے۔

نیز جب سفر کا ارادہ کرے۔ تو بغیر قرعہ کے کسی ایک کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ہو گی۔ جب کہ دوسری عورتیں ہمراہ نہ ہوں۔ نیز جب واپس آئے تو باقی دونوں کے لیے فیصلہ نہ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ نہ فرماتے۔

اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں۔

ایک یہ کہ قرعہ کے ساتھ یا بغیر قرعہ کے فیصلہ نہ کرے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کا یہی قول ہے۔

دوسرے یہ کہ باقیوں کے لیے فیصلہ کرے۔ خواہ قرعہ سے، یا بغیر قرعہ کے، یہ اہلِ ظاہر کا مذہب ہے۔

اور تیسرے یہ کہ اگر قرعہ ڈالا۔ تو فیصلہ نہ کرے، اور اگر قرعہ نہ ڈالا تو فیصلہ کرے یہ احمدؒ اور شافعیؒ کا قول ہے۔

نیز عورت کو حق حاصل ہے کہ اپنی باری دوسری سوکن کو دے دے۔ اس صورت

میں شوہر موہوب کے علاوہ کسی اور کو یہ دن نہیں دے سکتا۔
اور اگر وہ یہ باری خاوند کو ہبہ کر دے۔ تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ جسے چاہے دے دے۔
نیز مرد کو حق حاصل ہے کہ ایک ہی دن میں باقی دوسری بیویوں سے ملے جلے۔ لیکن جس کی باری ہے اس کے علاوہ خلوت نہ کرے۔

تمام بیویاں ایک بیوی کے ہاں جمع ہو سکتی ہیں

نیز باری والی عورت کے ہاں سب بیویوں کو جمع ہونے کی اجازت ہے اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ سونے کے وقت تک بات چیت کریں پھر ہر ایک اپنے اپنے گھر چلی جائے۔
نیز جب ایک مرد ایک عورت سے خلوت کرے۔ اور پھر وہ اس سے بیزار ہو جائے یا وہ اس کے ادائے حقوق سے عاجز آجائے۔ تو وہ اُسے طلاق دینے کا مجاز ہے۔ اور اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ اُسے اختیار دے دے کہ چاہے تو اس کے ٹھہری رہے۔ اور تقسیم خلوت اور نفقہ میں اس کا کچھ حصّہ نہ ہو۔ یا حسب مصالحت ان میں بعض سے محروم رہے۔ جب رضامندی ہو گئی تو اب یہ واجب ہے۔
اور رضامندی کے بعد عورت کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔
یہ سنت کا موجب اور مقتضیٰ ہے۔ اور یہی صائب ہے۔
نیز شادی شدہ باندی آزاد عورت سے نصف حق رکھتی ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا ہے۔ اور صحابہؓ میں اس کے متعلق اختلاف بھی نہیں۔ اور جمہور کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک کا مسلک

ہاں مالکؒ کی ایک روایت مروی ہے کہ یہ دونوں صورتیں مساوی ہیں۔ اور اہل ظاہر نے بھی یہی کہا ہے۔
اور جمہور کا قول عدل کا مقتضیٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آزاد اور غلام میں مساوات نہیں بنائی۔ نہ طلاق میں نہ عدت میں، نہ حد میں نہ ملک و میراث میں

نہ حج ہیں۔ نہ خاوند کے پاس دن رات رہنے میں۔ اور نہ اصل نکاح میں بلکہ اس کا نکاح ضرورت کے درجہ پر رکھا۔ اور تعداد منکوحات میں۔ کیونکہ غلام دو سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا۔[1]

---

[1] اس جگہ ایک نازک فرق ہے اسے ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

بے شک نکاح، طلاق، میراث، عدت، اور ملک و میراث میں آزاد اور غلام یکساں نہیں ہیں لیکن اس عدم یکسانیت کو عدم مساوات قرار دینا بھی درست اور روا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عدم مساوات نہیں، بلکہ غلام کے مخصوص حالات اور مصالح، اور معذرات کی بنا پر ذمہ داریوں کی کفالت اور انجام دہی میں رعایت ہے، اس رعایت کو عدم مساوات کہنا غلط فہمیوں کا دروازہ کھولنا ہے۔

کنیز کی آزادی

کیا اس کا مہر قرار پا سکتی ہے

آں حضرتؐ اور حضرت صفیہ کا نکاح! از روئے روایت صحیحہ آپؐ سے ثابت ہے۔ کہ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو مہر قرار دیا۔

حضرت انسؓ سے دریافت کیا گیا کہ ان کا مہر کیا تھا؟

انھوں نے فرمایا: ان کی حرّیتِ وجود'!

علیؓ بن ابی طالب بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اور انسؓ بن مالک نے اس پر عمل بھی کیا ہے تابعین میں سب سے بڑے عالم اور سردار حضرت سعید بن مسیبؒ۔ ابی سلمۃ بن عبدالرحمانؒ حسن بصریؒ۔ زہریؒ۔ احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے کہ کنیز کی آزادی اس کا مہر اس وقت تک قرار نہیں پا سکتی، جب تک اس سے اذن لے کر یہ کام انتمام کو نہ پہنچے، اور اگر وہ باندی آزادی کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔

صحت نکاح موقوف بر اجازت

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام وقضایا

لڑکی کو رد وقبول کا اختیار

سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ ایک کنواری لڑکی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

میرے والد نے میرا نکاح جبراً کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے اختیار دیا۔ جی چاہے اس نکاح کو قائم رکھے جی چاہے رد کر دے۔

امام احمد سے جو نص مروی ہے، وہ اس حدیث کے مقتضا کے مطابق ہے چنانچہ حسب روایت صالح انہوں نے اپنے چچا کے چھوٹے لڑکے کے بارے میں جس کی شادی بہ حالت نابالغی ان کے چچا نے کر دی تھی فرمایا ہے۔ کہ اگر کسی وقت بھی وہ (بعد بلوغ) راضی ہوگیا۔ تو جائز ہوگیا۔ اور اگر راضی نہ ہوا۔ تو نکاح فسخ ہوگیا۔

یتیمہ کو بعد بلوغ حق اختیار ہے

نبزان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ یتیم عورت کا جب نکاح کیا جائے۔ تو جب وہ بالغ ہوگی تو اسے اختیار ہوگا کہ قبول کرلے یا رد کر دے، اسی

طرح ابن منصور نے ان سے نقل کیا ہے۔ ان کے سامنے سفیان کا قول پیش کیا گیا۔ کہ یتیم بچی کا نکاح ہو جائے۔ اور خاوند اس سے خلوت بھی کر لے اس کے بعد سے خاوند کے پاس حائضہ ہو جائے تو کہتے ہیں اسے اختیار دیا جائے گا، اگر اس نے اپنے تیئں اختیار کر لیا تو تزویج واقعہ نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کی کسی دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر وہ کہے کہ جس نے اپنے خاوند کو اختیار کر لیا تو ان دونوں کے نکاح پر دو گواہیاں ہونی چاہئیں۔ احمد کے نزدیک یہی درست ہے۔

آقا غلام کا نکاح فسخ کر سکتا ہے

غلام کے بارے میں حنبل کی ایک روایت ہے کہ فرمایا۔

اگر آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کر دیا جائے۔ پھر آقا کو اس کا علم ہو۔ تو آقا کو حق ہے، کہ طلاق واقع کر دے، کیونکہ طلاق درحقیقت آقا کا حق ہے، البتہ اگر آقا خود غلام کو نکاح کی اجازت دے دے۔ تو پھر طلاق غلام کے ہاتھ میں ہوگی۔ آقا کے حق طلاق واقع کرنے سے مراد یہ ہے کہ عقد باطل ہو جائے گا اور اس کی تنفیذ و اجازت رک جائے گی۔ قاضی نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے جو بظاہر نص کے خلاف ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور مالک رضؒ کا مذہب یہی ہے۔ اور از روئے قیاس صحیح ہے۔

کفو کا مسئلہ

فقہا اور علما کے اقوال اور اختلافی مباحث

قرآن وسنّت کا مقتضاء

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

یعنی: اے لوگو ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ اور رکھا تمہیں ذاتیں اور قبیلے ہیں تاکہ متعارف ہو سکو، بلاشبہ عزت اللہ ہی کے ہاں اسی کو حاصل ہے جو زیادہ متقی ہو۔

نیز فرمایا! انما المومنون اخوۃ۔ یعنی بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

نیز فرمایا! والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یعنی اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اور فرمایا! فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض یعنی پس قبول کر لیا ان کے رب نے اُن کے لیئے کہ ہیں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل مرد یا عورت کا ضائع نہ کروں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا! کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے۔ نہ کسی سفید کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سفید پر، ہاں مگر تقوے سے تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آلِ بنی فلاں میرے دوست نہیں۔ میرے دوست تو متقی لوگ ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہوں۔ اور کہیں بھی ہوں۔

نکاح کی تائید

اور ترمذیؒ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، جب تمہارے پاس ایسا آدمی آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو، تو اس کا نکاح کر دو۔ اگر تم نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔

عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ۔ اور اگر اس میں یہ بات ہو؟ آپؐ نے فرمایا! جب تمہارے پاس وہ آدمی آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو۔ تو اس کا نکاح کر دو۔ یہ آپؐ نے تین بار فرمایا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ سے فرمایا! ابو ھند کا نکاح کر دو۔ اور یہ ابو ھند حجام (سنگیاں لگانے والے) تھے۔

عالی خاندان عرب عورتوں کی شادی کم نسب لوگوں سے

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنتِ جحش قریشیہ کا زید بن حارثہ اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور فاطمہ بنتِ قیس فہریہ کا اسامہؓ ابن زید سے نکاح کر دیا اور بلالؓ بن رباح کی شادی عبدالرحمانؓ بن عوف کی ہمشیرہ سے کر دی،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات . یعنی پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

نیز فرمایا! فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ پس نکاح کر لو جو عورتیں تمہیں خوش (اچھی) لگیں۔

کفو میں اصل اعتبار دین کا ہے

نکاح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتضائے احکام کے مطابق کفو میں

بنیادی طور پر دین کا اعتبار ہے، چنانچہ مسلمہ کا نکاح کافر سے نہیں ہو سکتا، نہ کسی عفیفہ کا کسی فاجر شخص سے عقد ہو سکتا ہے۔ قرآن و سنت نے اس سے زیادہ کفو سے متعلق کوئی اور بات نہیں فرمائی۔ چنانچہ اس نے مسلمہ کی شادی ایک بدکار اور زانی شخص سے روا نہیں رکھی ہے، اور اس کے نسب اور پیشے کا اعتبار نہیں کیا ہے، نہ دولت و ثروت کا اعتبار رکھا ہے۔ چنانچہ کنگال غلام کا ایک اعلیٰ نسب والی دولت مند آزاد عورت سے نکاح بالکل جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ پاکباز مسلمان ہو۔ اور غیر قریشی مرد، قریشی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور غیر ہاشمی مرد کو ہاشمی عورتوں سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں، نیز فقراء کو اجازت ہے کہ وہ دولت مند خواتین سے نکاح کریں، فقہاء نے کفو کے اوصاف میں اختلاف کیا ہے۔ مالکؒ نے ظاہر مذہب میں فرمایا ہے (کفو) صرف دین میں ہے۔ ایک روایت ان سے یہ بھی ہے کہ کفو تین باتوں میں ہے۔

۱۔ دین۔

۲۔ آزادی۔

۳۔ اور عیوب سے سلامتی۔

ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ نسب اور دین (دونوں) میں ہے۔

امام احمدؒ سے ایک روایت میں ہے، کہ کفو دین میں اور خاص کر نسب میں ہے۔

کفو کے امور معتبرہ خمسہ

انہی سے ایک دوسری روایت مروی ہے۔ کہ کفو پانچ باتوں میں ہے۔

۱۔ دین۔

۲۔ نسب۔

۳۔ حریت۔

۴۔ صنعت۔

۵۔ مال۔

اور جب نسب میں کفو کا اعتبار کیا جائے۔ تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں۔ دوسرے یہ کہ قریشی صرف قریش کا اور بنو ہاشم صرف بنو ہاشم کے لیے کفو ہوں گے۔

اصحاب شافعی کا مسلک

اور اصحاب الشافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں دین، نسب، حریت، صنعت اور نفرت انگیز عیوب سے سلامتی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور ان کے نزدیک تین اور وجوہ ہیں۔ اس کا اعتبار کرنا۔ اسے کفو کر دینا اور بادیہ کی بجائے مدن میں اس کا اعتبار کرنا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک عجمی، عربی کا کفو نہ ہو گا۔ اور نہ غیر قریشی قریشی کا، اور نہ غیر ہاشمی ہاشمی کا کفو ہو سکتا ہے۔ نہ علماء و صلحا سے نسب رکھنے والوں کا کفو علماء صلحا سے نسب نہ رکھنے والا ہو سکتا ہے، نہ غلام آزاد عورت کا کفو ہوگا، نہ تو آزاد پیدائشی حرہ کا کفو بن سکتا ہے۔ اور وہ آدمی کہ جس کے باپ دادا میں سے کوئی غلام رہا ہو۔ وہ اس کا کفو نہ ہوگا جس کی کوئی نسل غلام نہ رہی ہو۔ ماں کی طرف غلامی کی نسبت میں دو وجوہ ہیں۔

عدم کفو کے قابل فسخ اسباب

نیز ایسا آدمی جس میں کوئی قابل فسخ والا عیب ہو۔ ایسی عورت کا کفو قرار پا سکتا ہے، جو ان عیوب سے بری ہو۔

اور اگر قابل فسخ نہ ہوگا، مگر قابل نفرت ہو، جیسے اندھا پن عضو کا کٹا ہونا۔ اور پیدائشی خرابی میں دو وجوہ ہیں۔ رویانیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ ایسا شخص کفو نہیں ہو سکتا۔

نیز حجام۔ جولاہا اور پہرے دار ایک تاجر، درزی وغیرہ کی بیٹی کا کفو نہیں بن سکتا۔ اور صاحب حرفت ایک عالم کی بیٹی کا اور فاسق ایک شریف عورت کا کفو نہیں بن سکتا۔ اور ایک بدعتی ایک اہل سنت عورت کا کفو نہیں بن سکتا

جمہور کے نزدیک کفاءت عورت اور اس کے ولی کا حق ہے۔

فسخ کا اختیار عورت کے ولی کو ہے

اختلاف کفو میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اصحاب شافعی رحمۃ اللہ کے کفو کے سلسلہ میں فسخ نکاح کا اختیار عورت کے ولی کو ہے۔ امام احمد کے نزدیک یہ حق جمیع اولیا کو حاصل ہے، خواہ وہ قریب کے ہوں یا بعید کے ان میں سے اگر ایک ولی بھی ناراضمند ہو تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ کفو اللہ کا حق ہے، لہٰذا اس کے الفاظ پر ان کی رضا کا کوئی اثر مترتب نہیں ہوگا، لیکن اس روایت پر حریت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ائمہ سے منسوب غلط باتیں

یہ قول نہ امام احمد کا ہے نہ علماء میں سے کسی اور کا کہ غریب آدمی کا دولت مند عورت سے نکاح باطل ہے، اگرچہ عورت رضامند کیوں نہ ہو، احمدؒ نے یا کسی اور عالم نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ نکاح ہاشمیہ غیر ہاشمی سے، اور نکاح قرشیہ غیر قرشی سے باطل ہے۔

یہ بات ہم نے اس لیے واضح کر دی کہ ہمارے اصحاب میں سے اکثر اس باب میں مختلف الآراء ہیں کہ کفاءۃ (کفو) آیا خدا کا حق ہے یا آدمی کا؟[1]

---

[1] کفاءت یعنی کفو ہونے کے بارے میں ائمہ فقہہ کے جو اقوال سطور بالا میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ صرف بحث کے اور نفس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ہیں تاکہ ہر پہلو نظر کے سامنے آجائے، اور کوئی گوشہ فکر و نظر، اور نطق و کلام تشنہ نہ رہ جائے۔ ورنہ فقہ اسلامی کا مسلّمہ مسلک یہ ہے کہ اگر بالغہ عورت اپنی مرضی اور پسند (باقی اگلے صفحہ پر)

شادی شدہ غلام اور باندی

باندی اگر آزاد ہو جائے تو نکاح قائم رہے گا یا نہیں؟

شوہر کی آزادی کا انتظار کیا جا سکتا ہے صحیحین اور سنن میں مروی ہے کہ بریرہ رضؓ نے اپنے آقا سے مکاتبت کرلی، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد کی درخواست کے لیے حاضر ہوئیں، حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ اگر تیرا آقا اس پر رضا مند ہو کہ تیرا حق ولا مجھے حاصل ہو گا۔ تو میں مدد کے لیے تیار ہوں، وہ واپس اپنے آقا کے پاس آئیں اس نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ولا بنت ہمیں حاصل رہے گی۔

ولا آزاد کرنے والے کا حق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا۔ اسے خرید لو۔ اور ولا ان کے آقاؤں کے لیے رہنے دو۔ کیونکہ ولا کا حق آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔

(بقیہ حاشیہ) سے، کسی مسلمان سے شادی کرے تو وہ جائز ہے، لیکن اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے، جو خاندانی اعتبار سے باعث ننگ ہو تو صرف باپ قاضی کے ہاں جا کر ایسا نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ فسخ نہ کرائے تو نکاح نافذ رہے گا۔ اور باپ کے سوا کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں قاضی کے ہاں جا کر فسخ نکاح کی درخواست کرنے کا حق نہیں ہے۔

خلافِ کتابِ اللہ کوئی شرط قابلِ قبول نہیں ہے | پھر آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا

اور فرمایا:

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ ایسی شرائط لگاتے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ (یاد رکھو) جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ شرط باطل ہے۔ اگرچہ سو شرائط ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ اتباع کے قابل ہے۔ اور اللہ کی شرط زیادہ پختہ اور محکم ہے۔ ولاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

عورت شادی پر مجبور نہیں کی جا سکتی ہے | پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت بریرہؓ کو اختیار دیا: چاہیں تو اپنے خاوند سے نکاح قائم رکھیں۔ مرضی ہو تو فسخ کر دیں۔ انہوں نے اپنے تئیں اختیار کر لیا، یعنی نکاح فسخ کر دیا۔

آپؐ نے فرمایا: وہ تمہارا خاوند ہے۔ اور تمہارے بچے کا باپ ہے۔

بریرہ نے کہا،

اے اللہ کے رسول کیا یہ آپؐ کا حکم ہے؟

آپؐ نے فرمایا! نہیں۔ میں محض سفارش کر رہا ہوں۔

بریرہ نے کہا۔ مجھے اس کی سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔

آپؐ نے بریرہ کو حق خیار دیتے ہوئے فرمایا۔

اگر اس نے تم سے مقاربت کر لی۔ تو پھر تمہارا حق خیار قائم نہیں رہے گا۔

بعد ازاں آپؐ نے بریرہ کو عدت گزارنے کا حکم دیا۔ اور بریرہ کو گوشت کا صدقہ دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ اور فرمایا! یہ اس کے لیے صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

مسائل فقہیہ کا استنباط

فقہی طور پر حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں!
۱۔ عورت کے لیے مکاتبت کر لینے کا جواز نکلتا ہے۔
۲۔ نیز یہ کہ مکاتب کی بیع جائز ہے۔ اگرچہ اس کا آقا عاجز نہ ہو۔ یہ امام احمدؒ کا مشہور مذہب ہے۔ اور ان کے اکثر نصوص اس پر دال ہیں۔
۳۔ اور ابی طالب سے مروی ہے کہ مکاتبہ عورت سے اس کا آقا مجامعت نہ کرے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اب وہ اسے فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ابوحنیفہؒ مالکؒ اور شافعیؒ نے بھی فرمایا ہے۔
۴۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہؓ کی خدخرید اور بریرہ کے آقا کی فروخت کو درست قرار دیا۔ اور یہ دریافت فرمایا۔ کہ آیا وہ عاجز ہے یا نہیں کیونکہ ان کا مدد کی درخواست کے لیے حاضر ہونا۔ اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ وہ عاجز ہو گئی تھیں۔
۵۔ نیز اس واقعہ میں سکّوں میں گنتی کے لحاظ سے معاملہ کرنا بھی جائز ہے۔ اگر اس کی مقدار مختلف نہ ہو۔
۶۔ نیز اس میں یہ بھی ذکر ہوا۔ عقد کرنے والوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں۔ کہ وہ دوسرے پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کوئی شرط عائد کر دے۔
۷۔ اور آپ کے اس فرمان کہ کتاب اللہ میں نہیں کا مطلب یہی ہے۔ کہ اللہ کے احکامات میں اس کا جواز نہیں۔ کہ قرآن میں اس کا ذکر اور اباحت نہیں۔
۸۔ اور آپ کا فرمان کہ کتاب اللہ زیادہ مستحق ہے اللہ کی شرط زیادہ اوثق ہے، اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔
۹۔ اور جس نے ایسے عقد کو درست قرار دیا ہے، جس میں شرط فاسد

بھی ہو، اس نے اسی سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ مسئلہ نزاعی ہے، اور وضاحت سے صائب پہلو ظاہر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس قول میں لوگوں کے لیے اشکال ہو گیا ہے، کہ "ان کے لیے ولا کی شرط لگا دو، کیونکہ ولا اسی کی ہوتی ہے۔ جو آزاد کرے"، چنانچہ آپؐ نے (حضرت عائشہ رضؓ) کو اس شرط (فاسد) کی اجازت دی اور خبر دی۔ کہ یہ اس (آقا) کے لیے فائدہ مند نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کا مسلک شافعیؒ نے اس لفظ میں طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ عروۃ بن ہشام اس میں منفرد ہے، اور دوسرے نے اس کے خلاف کہا ہے۔

چنانچہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا ہے۔ لیکن اصحاب صحیحین وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے۔ اور اس میں کوئی طعن نہیں کیا اور ہمارے علم کے مطابق شافعیؒ کے سوا کسی نے اسے معلول بھی نہیں قرار دیا۔

پھر اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا۔ کہ لام "علی" کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلہا ———
میں مطلب "فعلیہا" ہے جیسا اللہ تعالےٰ نے فرمایا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا۔

اور ایک گروہ نے سیاقِ واقعہ اور موضوع کے باعث اس اعتذار کو رد کر دیا ہے۔

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ لام اپنے معنی ہی میں ہے۔ لیکن حذف تقدیر کے ساتھ یعنی "اشترطی ام لاتشترطی (شرط لگاؤ یا نہ لگاؤ) کیونکہ اشتراط سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ شرط کتابِ اللہ کے خلاف ہے۔

دوسروں نے اس عذر کو بھی رد کیا ہے کیونکہ بے دلیل اضمار لازم آتا ہے۔

آں حضرتؐ کا فرمان کہ ولا آزاد کرنے والے کے لیے ہے یہ عموم میں سے ہے جس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔ جو سائبہ کو آزاد کرے۔ یا زکوٰۃ یا کفارہ یا عتق واجب میں کسی کو آزاد کرے۔ یہ شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ

کا قول ہے۔

اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے، دوسری روایت میں ان کا قول یہ ہے کہ اسے حق ولا نہیں۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ اس کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ مسلمان نے جب کسی ذمی غلام کو آزاد کرے، پھر وہ نو آزاد مر جائے۔ تو ولا کے باعث یہ وارث ہوگا۔ یہ عموم اس قول سے خاص ہے۔ کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ چنانچہ یا اس کی تخصیص کرتا ہے۔ یا التقلید کرتا ہے، شافعی و مالک اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ ولا کے باعث صرف اسی صورت میں وارث ہوگا۔ جس صورت میں کہ نو آزاد مسلمان ہو کر مرے۔ گویا ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آزاد کرنے والے کو حق ولا اس صورت میں ملے گا کہ نو آزاد مسلمان ہو چکا ہو، ورنہ نہیں۔

چند اور مسائل فقہی کا استنباط

اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ!

ا۔ منکوحہ لونڈی جب آزاد ہو جائے اور اس کا خاوند غلام ہو، تو اسے حق خیار حاصل ہے۔ البتہ بریرہؓ کے خاوند میں اختلاف ہے، کہ وہ غلام تھا یا آزاد؟

قاسمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ غلام تھا۔ اور اگر وہ آزاد ہوتا، تو آپؐ بریرہ کو اختیار نہ دیتے۔

عروہؓ نے نقل کیا ہے کہ وہ آزاد تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ وہ حبشی غلام تھا۔ اسے مغیث کہا کرتے تھے۔ اور یہ بنی فلاں کا غلام تھا، گویا میں اُسے ابھی دیکھ رہا ہوں، کہ مدینے کی گلیوں میں وہ بریرہ کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔ یہ تمام روایات صحیح میں ہیں۔

اور سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ وہ آلِ احمد کا غلام تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بریرہؓ) کو اختیار دیا اور فرمایا۔

اگر وہ تیرے نزدیک گیا (قربت کی)، تو پھر تجھے اختیار نہ ہوگا۔

اور مسند احمدؒ میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے۔ کہ بریرہؓ ایک غلام کی زوجیت میں تھیں۔ جب انہیں آزادی ملی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، تجھے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اس غلام کی زوجیت میں رہ، اور اگر مرضی ہو تو اس سے الگ ہو جا۔

آزادی کے بعد باندی کو حق خیار حاصل ہے

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب باندی کو آزادی ملے۔ اور اس کا خاوند غلام ہو۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے۔ لیکن جب (خاوند) آزاد ہو۔ تو اس میں اختلاف ہے شافعیؒ اور مالکؒ امام احمدؒ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اسے کوئی اختیار نہیں ہے، امام احمدؒ نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ اسے اختیار ہے۔ اور یہ دونوں روایات اس بات پر مبنی نہیں ہیں۔ کہ اس کا خاوند غلام یا آزاد ہو، بلکہ اسے اختیار حاصل ہو جانے کی تحقیق میں ہے۔

اور فقہا کے اس باب میں تین ماخذ ہیں۔

ا۔ ایک یہ کہ اس طرح کفو زائل ہو جاتی ہے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ عتقا کے باعث خاوند کو تیسری طلاق کا حق حاصل ہو گیا۔ جو عقد کے وقت نہ تھا۔ اور یہ ابو حنیفہؒ کے اصحابؒ کا ماخذ ہے، اور اسی اصل پر انہوں نے کہا ہے کہ طلاق کا اعتبار عورتوں کے ساتھ ہے، مردوں کی (حالت) کے ساتھ نہیں ہے۔

ج۔ تیسرے اس کی ملکیت اپنے نفس پر!

اور ہم اس کے متعلق مزید وضاحت کریں گے، پہلا ماخذ ہے، ناقص کے تحت کامل کا ہونا، تو یہ دوامی طور پر کفو کے اعتبار کرنے کی طرف راجع ہے، جیسے ابتداء میں تھا۔ اب اگر یہ زائل ہو جائے، تو عورت کو حق خیار حاصل ہے، بالکل اسی طرح جیسے مرد کی عدم کفو ظاہر ہونے کے بعد

عورت کو اختیار حاصل ہے، لیکن یہ قول دو وجوہ سے ضعیف ہے۔
ایک یہ کہ شرائط کفو دوامی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اور نہ انہیں مستمر سمجھا جا سکتا ہے۔ اور عقد میں ان کے توابع کو بھی دوام نہیں بخشا جا سکتا۔
دوسرے خاوند کی فسق و فجور کے باعث اگر دوران نکاح میں کفو زائل ہو جائے یا موجب فسخ عیب آ جائے، تو بھی ظاہر مذہب کے مطابق عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔ اور فقہا کا، نیز مالکؒ کا یہی اختیار و مذہب ہے۔
اور قاضی نے نئے عیب پر اختیار ثابت کیا ہے۔ اور خاوند کے فسق کے حدوث پر اس کا اثبات مستلزم ہے۔
شافعیؒ فرماتے ہیں، اگر خاوند میں یہ نیا پیدا ہوا ہے تو اختیار ثابت ہوگیا اور اگر زوجہ میں ہے۔ تو اس کے بارے میں دو قول ہیں۔
رہا دوسرا ماخذ کہ عورت کے عتق نے خاوند کو تیسری طلاق کا مالک بنا دیا۔ تو یہ ازحد ضعیف ماخذ ہے، تیسری طلاق کے ثبوت اور عورت کے اختیار کے ثبوت میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ باقی تیسرا ماخذ یعنی یہ کہ اب وہ عورت اپنے نفس کی مالک ہے، یہ سب سے زیادہ قابل ترجیح ماخذ ہے اور اصول شرع کے سب سے زیادہ قریب اور تناقض سے بعید تر ہے۔ اور اس ماخذ کی لم یہ ہے۔ کہ آقا جب اس کا ہر اعتبار سے مالک تھا۔ اس نے حکم ملک کے ذریعہ اس کا عقد کیا تھا۔ اور عتق اس بات کا متقاضی ہے کہ تملیک رقبہ و منافع آزاد کنندہ کے لیے ہو۔ اور عتق سے مقصود اور حکمت یہی ہے۔ اب جب وہ اپنے آپ کی مالک ہوگئی، تو اپنی ہر حیثیت اور منافع کی بھی مالک قرار پائے گی اور منافع "بضع" (حق تمتع) بھی اس میں شامل ہے۔ تو خاوند محض اس کے اختیار سے ہی ان چیزوں کا مالک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شارع علیہ السلام نے عورت کو اختیار دیا، چاہے تو اپنے خاوند کے ساتھ رہے۔ اور چاہے تو نکاح فسخ کر دے۔ کیونکہ وہ اپنی بضع (تمتع کرانے) کے

اختیار کی مالکہ بن چکی ہے۔

فسخ کے بعد مجامعت سے حق خیار ساقط ہو جاتا ہے

اور بعض طرق میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے متعلق آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

تو اب اپنی خود مالک ہو گئی۔ اس لیے جو چاہے اختیار کرے۔ (تجھے اختیار ہے بقائے نکاح یا فسخ نکاح کا)

امام احمدؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے۔ تو اسے حق خیار حاصل ہے۔ بشرطیکہ اُس سے جماع نہ کیا جائے، وہ چاہے تو جدا ہو جائے، لیکن اگر (عتق کے بعد شوہر نے) مجامعت کر لی۔ تو اب اُسے کوئی اختیار باقی نہیں رہا۔ اور نہ وہ جدا ہو سکتی ہے۔

اور اس سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ جب وہ جماع پہ رضامندی نہ کرلے، تب تک اسے اختیار رہتا ہے، اور یہ مالکؒ۔ ابو حنیفہؒ احمدؒ کا مذہب ہے۔

امام شافعی کے تین اقوال

امام شافعیؒ سے تین اقوال مروی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ دوسرا یہ کہ فوراً ہی فیصلہ کرلے۔ تیسرا یہ کہ اسے تین روز تک اختیار حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ جماع کرنے کی شوہر کو اجازت دے گی، تو اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا۔ اور یہ جب ہوگا۔ کہ اُسے آزاد ہو جانے اور اختیار کا حق ثابت ہو جانے کا علم ہو چکا ہو، اور اگر وہ دونوں سے ناواقف ہے تو محض جماع کرانے سے حق خیار ساقط نہ ہوگا۔

اور امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ملک فسخ ہوتے ہوئے

اس کا جہل دشوار ہے بلکہ جب اسے عتق کا علم ہوگیا اور پھر اس نے جماع کرانے کا موقع دیا۔ تو اس کا اختیار ساقط ہوگیا۔

اگر چہ اسے اس مسئلہ کا علم نہ ہو کر اُسے فسخ کا حق حاصل ہے۔

پہلی روایت اصح ہے، کیونکہ عتق زوج اختیار سے قبل کی بات ہوتی ہے۔

آزاد شوہر کی بیوی آزاد ہونے کے بعد حق خیار نہیں رکھتی

اور ہم کہتے ہیں کہ آزاد کی زوجیت میں آزاد ہونے والی کا اختیار باطل ہوگیا، کیونکہ اسے خاوند کے ساتھ مساوات اور فسخ سے قبل کفو میں برابری حاصل ہے اور مدت طلاق میں اس کا اختیار صحیح ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اس کا اختیار ایک محال تفریق کی جانب راجع ہے، چنانچہ جب رجوع ہوگا، تو اسی وقت حق ہے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اس کے ہمراہ رہائش رکھے، کیونکہ وہ اب اس کی بیوی بن چکی ہے، اختیار کا عمل اس کا ذاتی عمل ہے، اور اس کا اثر مرتب ہوچکا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب خلوت کے بعد لونڈی کا خاوند مرتد ہوجائے، پھر اس کے زمانہ ارتداد میں اسے آزادی مل جائے، تو پہلے قول کے مطابق (لونڈی) کو اس کے مسلمان ہونے سے قبل اختیار حاصل ہے۔ اب اگر اس نے اُسے اختیار کیا۔ پھر وہ اسلام لے آیا۔ تو اس کی ملکیت فسخ (اختیار) ساقط ہوگئی۔

اور امام شافعی کے قول کے مطابق اس کے اسلام لانے سے قبل اس کا حق خیار درست نہیں۔ کیونکہ عقد باطل کی طرف راجع ہے۔ جب وہ اسلام لے آیا۔ تب اس کا اختیار صحیح ہوا۔

بریرہ کے سوال اور آپ کے جواب سے احکام مستنبط

بریرہ کا یہ سوال کہ آیا یہ آپ کا حکم ہے؟ اور آپ کا جواب کہ نہیں میں تو صرف سفارش

کر رہا ہوں، پھر بریرہ کا کہنا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، اس سے یہ احکام ملتے ہیں۔

الف۔ ایک یہ کہ آپؐ کا حکم وجوب کے لیے ہے، اسی وجہ سے آپؐ نے امر اور شفاعت میں فرق فرمایا۔ اور کوئی شبہ نہیں۔ کہ آپؐ کی شفاعت قبول کرنا بھی تمام مستحب سے بڑھ کر استحباب ہے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ کے انکار پر برا نہیں منایا اور نہ ہی آپؐ برہم ہوئے جب انہوں نے آپؐ کی شفاعت قبول نہیں کی کیونکہ شفاعت میں مشفوع کا حق ساقط کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس کی مرضی ہے، چاہے اس سے دستبردار ہو جائے، اور چاہے تو اسے باقی رکھے۔ یہی وجہ ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ماننا حرام نہیں۔ البتہ آپؐ کے حکم کا نہ ماننا حرام ہے۔

اپنا صدقہ، نہ خریدا جا سکتا ہے نہ ہدیہ لیا جا سکتا ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہؓ کو صدقہ میں آئے گئے گوشت کا تناول فرمانا اور ارشاد کرنا کہ یہ اس کے لیے صدقہ، ہمارے لیے ہدیہ، اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص بے نیاز اور غنی ہو، یا بنو ہاشم میں سے ہو، وہ ایسے صدقہ کو ہدیہ کے طور پر کھا سکتا ہے۔

اور ہر وہ آدمی جس پر صدقہ کھانا حرام ہے، اگر فقیر اپنا صدقہ ہدیہ کے طور پر پیش کرے تو اختلاف جہت، ماکول کے باعث کہ وہ اپنے صحیح محل پر پہنچ چکا ہے۔ وہ اسے خرید بھی سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خود اس کا اپنا صدقہ نہ ہو، اور اگر اپنا صدقہ ہو، تو اسے خریدنا، یا ہبہ لینا یا اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا صدقہ خریدنے کی ممانعت فرمائی تھی، اسے مت خریدو اگرچہ وہ تمہیں ایک ہی درہم میں دے دے۔

مہر اور اس کی قلّت و کثرت

ہر دو صورتوں میں نکاح جائز اور نافذ رہے گا

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ تھا، لیکن پھر پانچ سو اوقیہ تک پہنچ گیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی بارہ اوقیہ سے زیادہ پر نکاح کیا ہو، یا کسی بیٹی کا نکاح (اس سے زیادہ) مہر پر کیا ہو۔

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

ایک معمولی انگشتری بھی مہر بن سکتی ہے

صحیح بخاریؒ میں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا۔ نکاح کر لو۔ چاہے ایک لوہے کی انگوٹھی (مہر) پر ہی کیوں نہ کرو،

اور سنن ابی داؤد میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے مہر میں مٹھی بھر ستو یا کھجوریں (مہر میں) دیں۔ اس نے حلال کام کیا۔

ترمذیؒ میں ہے۔ بنی فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑا جوتوں پر نکاح کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا تو اس پر رضامند ہے؟

اس نے عرض کیا جی ہاں ہے!

آپؐ نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حضرت عائشہؓ کی روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، کہ "سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں دشواریوں کو آسان بنایا گیا ہو۔

قرآن سکھانا بھی مہر بن سکتا ہے

صحیحین میں ہے کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول۔ میں اپنے تئیں آپؐ کو ہبہ کرتی ہوں، پھر وہ طویل قامت عورت کھڑی ہو گئی۔

ایک آدمی نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول اگر آپؐ کو اس کی حاجت نہ ہو، تو اس کا مجھ سے نکاح کر دیجئے۔

آپؐ نے فرمایا! کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے جو تم مہر میں دے سکو؟

اس نے عرض کیا میرے پاس صرف یہ میرا تہ بند ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر اسے تہ بند دے دو گے۔ تو اس کے بغیر رہو گے۔ اس لیے کسی اور چیز کی جستجو کرو۔

اس نے عرض کیا! میرے پاس اس تہ بند کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا! تلاش کرو اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی کیوں نہ ہو، اس نے کوشش کی لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے کچھ قرآن یاد ہے۔

اس نے عرض کیا، فلاں فلاں سورت مجھے حفظ ہے پھر اس نے سورتوں کا نام لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تیرے پاس جو حصہ قرآن ہے اسی میں تیرا اس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہوں۔

قبول اسلام کی شرط بھی مہر بن سکتی ہے

اور نسائی میں ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح بھیجا، انہوں نے جواب دیا! اے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تم جیسے شخص کو مسترد نہیں کیا جاتا، کیونکہ تم کافر ہو، اور میں مسلمان عورت ہوں۔ میرا تم سے نکاح حلال نہیں۔ اگر مسلمان ہو جاؤ تو یہی میرا مہر ہے۔ میں اس کے سوا تم سے اور کچھ طلب نہ کروں گی۔ وہ اسلام لے آئے۔ اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! ہم نے کوئی ایسی عورت نہیں سنی۔ کہ جس کا اس قدر اعلیٰ اور قیمتی مہر ہو، جیسا ام سلیم رضی اللہ عنہا کا تھا۔ چنانچہ وہ ان کی زوجیت میں آئیں، اور ان کے ہاں بچے ہوئے۔

حدیث سے احکام و مسائل مستنبط

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر کے قلیل ہونے کی کوئی معین مقدار نہیں اگرچہ ستو کی ایک مٹھی، لوہے کی ایک انگوٹھی، اور ایک جوڑ جوتے ہی ہوں۔ ان سب کو مہر قرار دینا جائز ہے، اور نہ وجہ اس سے حلال ہو جاتی ہے۔

۲۔ نیز یہ حدیث اس کی متضمن ہے کہ نکاح میں از حد زیادتی مہر مکروہ ہے، اور اس سے برکت کم ہو جاتی ہے۔

۳۔ نیز یہ کہ عورت جب خاوند کے علم اور حفظ قرآن سے واقف ہو جائے۔ یا اس کے بعض حصہ کا۔ تو اسے مہر قرار دینا جائز ہے اور یہ تمام مہروں سے زیادہ افضل اعلیٰ اور نافع ہے۔

۴۔ بعض کا اس میں اختلاف ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ مہر صرف مال ہی کی صورت میں ہونا چاہیئے۔ اور دوسرے منافع وعلوم اور تعلیم کو مہر قرار دینا درست نہیں، ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

۵- بعض کا کہنا یہ ہے، کہ مہر تین درہم سے کم نہ ہونا چاہیئے، امام مالکؒ کا خیال یہی ہے۔ اور دس درہم بھی ہے جو ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور اس میں دیگر شاذ اقوال بھی مروی ہیں، لیکن ان پر کتاب وسنت اور اجماع و قیاس سے کوئی دلیل نہیں۔

اور جس نے ان احادیث کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے تخصیص کا دعوےٰ کیا ہے۔ یا انہیں منسوخ مانا ہے، یا عمل اہلِ مدینہ کو ان کے خلاف بنایا ہے۔ یہ دعویٰ قطعاً اور یکسر بلا دلیل ہے۔

۶- اہلِ مدینہ کے سردار حضرت سعیدؒ بن مسیّب (تابعیؒ) نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر پر نکاح کیا، اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی، بلکہ اسے ان کے فضائل و مناقب کا ایک حصہ سمجھا۔ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے پانچ درہم پر نکاح کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی منظوری دی۔ اور مقدار کے ثبوت کے لیے صاحبِ شریعت کی جانب سے کوئی دلیل ضروری ہے۔

زوجین میں سے کسی کا جذامی، مبروص اور مجنون ہونا

فسخ نکاح کا موجب بہ شرائط بن سکتا ہے

نامرد کے نکاح کا مسئلہ

مسند احمد میں یزید بن کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ لیکن اس کی بغل میں برص کا اثر دیکھ کر، اس سے علیحدگی اختیار کر لی، لیکن جو کچھ اس نے اسے دیا تھا، واپس نہیں لیا۔

موطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: جس عورت کو کسی مجنون جذامی، یا مبروص کی بیوی از راہ فریب بنا دیا جائے، تو وہ مہر کی حق دار ہے، (پھر جدائی کرا دی جائے گی) اور مرد کا مہر اس پر ہوتا ہے جو دھوکہ دے۔ اس روایت کے دوسرے لفظ یہ ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مبروص، جذامی اور مجنون عورت کے متعلق فرمایا: ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے، اور اس کے مس کرنے کے باعث مہر واجب ہوگا۔ اور وہ اس عورت کے ولی پر لازم ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

اور سعید بن منصور نے نقل کیا ہے، کہ ہمیں ہشیم نے بتایا۔ انہیں عبداللہ بن عوف نے ابن سیرین سے روایت ملی، کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کسی جگہ بھیجا۔ وہاں اس نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ وہ نامرد تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے اسے بتایا تھا کہ تم نامرد ہو۔ اس نے عرض کیا، نہیں۔

راوی بتاتے ہیں کہ وہ چلا اور جا کر اس (عورت کو خبر کر دی، پھر اُسے اختیار دیا، اور مجنوں کو ایک سال کی مہلت ہے، اگر اسے آفاقہ ہو جائے، تو ٹھیک ورنہ اس کے اور عورت کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔

فقہا کے اقوال مختلفہ

لیکن فقہا کا اس میں اختلاف ہے۔ داؤدؒ ابن حزم اور ان کے موافقین نے فرمایا ہے۔ کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوگا۔

ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ: نکاح نامردی کے باعث فسخ ہوگا۔

امام شافعیؒ اور مالک نے فرمایا ہے: جنون۔ برص۔ جذام۔ شرمگاہ اور منہ کی بدبو۔ پیشاب گاہ کے انخراق۔ شرمگاہ میں سیلان اور قروح عیالہ (بہنے والے زخم) بواسیر۔ ناسور استحاضہ۔ سلسل بول۔ خص یعنی خصیتیں کے مقطوع ہونے اور رسل کی امراض میں نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یا درج کی حالت یعنی اسی حالت میں جبکہ مرد عورت کا تعین) کرنا مشکل ہو، یعنی خنثیٰ مشکل ہو، یا ان ساتوں عیوب میں سے کوئی عیب ہو۔

عیوب منفرہ کی صورت میں حق خیار حاصل ہے

اور عقد کے بعد اگر کوئی عیب پیدا ہو جائے، تو اس کے متعلق دو وجوہ ہیں۔

اور مطلق طور پر نکاح کر لینے کا مطلب سلامتی کا ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ اور وہ بچے پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو چاہیے کہ عورت کو بتا دے میں نامرد ہوں۔ اور اسے اختیار دے (کہ چاہے تو جدا ہو جائے)

قیاس یہی کہتا ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے فریق ثانی متنفر ہو جائے اور مودت و محبت یعنی نکاح کا مقصود حاصل نہ ہو۔ تو اس صورت میں اختیار دینا واجب ہے۔ اور یہ اختیار بیع سے زیادہ اولیٰ ہے، جیسے نکاح کے وقت کی طے شدہ شرائط ایفاء شرائط بیع سے زیادہ واجب ہے۔ اور اللہ اس کے رسول نے کبھی بھی دھوکہ دہی کو واجب قرار نہیں دیا۔ اور جو شخص مقاصد شریعت اور ان کے عدل و حکمت کا مطالعہ کرے گا، اور ان پر

مشتمل مصالح پر غور کرے گا۔ اس پر اس قول کی ترجیح اور قرب الی الشریعت مخفی نہ رہے گا۔

یحییٰ بن سعیدؒ انصاری نے حضرت ابن مسیبؓ سے روایت کیا، کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو عورت نکاح کرے اور اسے جنون یا جذام یا برص ہو، اور مرد نے خلوت کرلی، پھر اسے اس کی خبر ہوئی، تو عورت کو جماع کے باعث مہر لینے کا حق ہے۔ اور ولی پر واجب ہے کہ وہ اُسے مہر ادا کرے۔ کیونکہ وہ فریب کار ہے، لیکن بعض اسے اس بنا پر رد کرتے ہیں کہ ابن مسیبؒ نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سُنی، لیکن یہ تمام محدثین کے اجتماع کے خلاف ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر سعید مسیب کی روایت حضرت عمرؓ سے قبول نہ کریں گے، تو کس کی روایت قبول کی جائے گی؟ حالانکہ جمہور آئمہ اسلام حضرت سعید مسیب کی روایت جب رسول اللہ ؐ کے بارے میں قبول کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ سے کیوں قبول نہ کریں گے؟

اور صورت حال یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسا شخص حضرت سعید کے پاس پیغام بھیج کر حضرت عمرؓ کے فیصلوں کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا، اور اس پر فتویٰ دیتا تھا، اور اہل عصر اور ان کے بعد کسی نے بھی ان پر طعن نہیں کیا۔

حضرت علی کا فیصلہ حضرت شعبیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے روایت کی ہے کہ جو عورت نکاح کرے، اور اُسے برص یا جنون یا جذام ہو۔ تو اس کے خاوند کو اختیار ہے، جب تک مَس نہ کرے۔ چاہے تو روک لے اور چاہے تو طلاق دے دے۔ اور اگر اس نے مس کر لیا (مجامعت کرلی) تو خلوت کر چکنے کے باعث اُسے مہر کا حق حاصل ہو گا۔

اور وکیعؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ سے انھوں نے حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے، انھوں نے سعیدؓ بن مسیب سے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب مبروص یا اندھی عورت سے کوئی نکاح کرے۔ اور اس سے خلوت بھی کرلے۔ تو اسے مہر کا حق حاصل ہے۔ اور دھوکہ دینے والے سے مہر وصول کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان گزشتہ عیوب کو تخصیص وحصر کی بنا پر ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح قاضی اسلام شریح کا فیصلہ ہے۔ جن کے علم دین کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں۔ (کہ ہمیں) معمرؒ سے انہیں ایوب سے، انھیں ابن سیرین سے روایت ملی، کہ ایک آدمی مقدمہ لے کر قاضی شریحؓ کی عدالت میں گیا اور عرض کیا۔ کہ ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔ کہ ہم تیرا حسین ترین عورت کے ساتھ نکاح کر دیتے ہیں چنانچہ ایک نابینا عورت لے کر آئے تو قاضی شریحؒ نے فرمایا! اگر تیرے ساتھ کسی عیب کے باعث فریب ہوا ہے تو یہ جائز نہیں۔

اس فیصلہ پر غور کیجیے، ان کا قول اگر تیرے ساتھ کسی عیب کے باعث فریب ہو کس طرح اس بات کا متقاضی ہے۔ کہ عورت جس عیب میں تدلیس کرے۔ تو خاوند کو رد کرنے کا حق حاصل ہے۔

اور زھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہر مرض نامرغوب کے باعث نکاح رد ہو جائے گا۔ اور جو بھی صحابہؓ اور سلفؒ کے فتاویٰ پر غور کرے گا۔ وہ سمجھ لے گا۔ کہ انھوں نے کسی خاص عیب کو رد کے لیے مخصوص نہیں کیا تھا۔

حضرت ابن عباس کا مسلک

اور حضرت ابن عباسؓ سے سند متصل کے ساتھ مروی ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہوگا۔ جب خاوند نے مطلق طور پر نکاح کیا ہو، یا جب اس نے سلامتی یا حُسن کی شرط لگائی ہو، اور اس کی بدصورتی ظاہر ہو جائے، یا نوجوان اور کم سن ہونے کی شرط لگائی ہو، لیکن وہ بڑھیا نکلے۔ یا سفید فام ہونے کی شرط لگائی۔ اور کالی نکلی، یا کنواری ہونے کی شرط لگائی اور ثیبہ نکلی، تو ان تمام صورتوں میں مرد کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ اگر یہ معاملہ خلوت سے قبل ہوا۔ تو کوئی مہر نہ ہوگا۔ اور اگر خلوت کے بعد ظاہر ہوا۔ تو عورت کو مہر کا حق حاصل ہوگا۔ اور یہ تاوان ولی پر ڈالا جائے گا۔ اگر اس نے دھوکہ دیا ہے۔ اور اگر خود عورت نے دھوکہ دیا ہے، تو مہر ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا مہر پر قبضہ ہو چکا ہے تو مرد

اس سے واپس لے گا۔

آنے والے شوہر کے عیوب کا افشاء کیا جا سکتا ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بن قیس سے فرمایا جب انھوں نے امیر معاویہ یا ابی جہم سے نکاح کرنے کا مشورہ کیا تھا کہ معاویہؓ کنگال ہے اس کے پاس کچھ نہیں اور ابوجہمؓ کاندھوں سے لاٹھی نہیں اتارتا۔ اس سے معلوم ہوا، کہ نکاح میں عیب کا ظاہر کر دینا اولیٰ اور واجب ہے، پھر اس کو پوشیدہ رکھنا اور تدلیس کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ اور غش (دھوکہ) تو حرام ہے۔ اور غل کو شدتِ تنفر کے باعث دھوکہ دینے والے کے گردن پر لازم بتایا۔ خصوصاً جب سلامتی کی شرط موجود ہو۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ شریعت کے قواعد واحکام اس کے خلاف ہیں۔

سلامتی عیوب کی شرط کے بعد عیب پایا جائے تو نکاح باطل ہے

ابو محمد بن حزمؒ اس طرف گئے ہیں۔ کہ جب خاوند عیوب سے سلامت ہونے کی شرط لگا دے۔ اور پھر کوئی سا بھی عیب دیکھ لے تو نکاح بالکل ہی باطل ہے۔ عقد ہی نہیں ہوا، اور نہ اس کا اس میں اختیار یا اجازت یا نفقہ یا میراث ہوگا۔

بیوی پر شوہر کا حق

بیوی سے کون کون سی خدمتیں لی جا سکتی ہیں

اہم مباحث فقہیہ

ابن حبیب نے "الواضحہ" میں فرمایا ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ رسالت مآب کی خدمت میں شکایت کناں حاضر ہوئے جو خدمت باہمی کے بارے میں تھی۔ آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا امور خانہ داری کی خدمت بجا لائیں۔ اور حضرت علی جو بیرون خانہ سے متعلق ہوں انھیں انجام دیا کریں۔

ابن حبیبؒ کہتے ہیں خدمت باطنہ یعنی امور خانہ دار سے مراد ہے، آٹا گوندھنا۔ کھانا پکانا، بستر بچھانا، گھر صاف کرنا، پانی بھرنا، غرض گھر کے جملہ کام۔

حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا معاملہ

اور صحیحین میں ہے کہ فاطمہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور چکی چلانے کے باعث تکلیف کی شکایت کرتے ہوئے خادم کی درخواست کی، لیکن کامیابی نہیں ہوئی، پھر انھوں نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے کہی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے آپؐ کو اس بات کی خبر دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپؐ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم بستروں میں گھس چکے تھے آپؐ کو دیکھ کر ہم اٹھنے لگے۔

آپؐ نے فرمایا۔ اپنی جگہ رہو۔ چنانچہ آپؐ تشریف لائے، اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔ حتی کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپؐ کے قدم مبارک کی برودت محسوس کی۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں

وہ بات بتاؤں جو اس سے بہتر ہے جسے تم نے طلب کیا ہے؟ جب تم بستر پر چلے جاؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھو۔ اور ۳۳ بار الحمد للہ پڑھو اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو۔ یہ بات تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے اب تک اسے ترک نہیں کیا حتیٰ کہ شب جنگ صفین میں بھی نہیں!

حضرت اسماء بنت ابی بکر کا واقعہ

حضرت اسماءؓ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

میں حضرت زبیرؓ کے گھر تمام خدمات سرانجام دیتی تھی۔ ان کا گھوڑا تھا جس کی مالش اور دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس کے لیے تمام انتظامات کرتی، اور اس کا خیال رکھتی تھی، نیز ان سے صحیح روایت میں مروی ہے کہ اسماء ان کے گھوڑے کو چارہ دیتیں، پانی پلاتیں ڈول کھینچتیں۔ آٹا گوندھتیں۔ اور تین فرسخ کی مسافت سے گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں۔

خاوند کی خدمت مستحسن ہے واجب نہیں

فقہاء کو اس مسئلے میں مختلف رائیں ہیں۔ چنانچہ سلف اور خلف کے ایک گروہ نے اس کام کو بھی مصالح خانہ میں واجب قرار دیا ہے۔

ابو ثورؒ فرماتے ہیں کہ بیوی پر ہر بات میں خاوند کی خدمت ہے۔ مگر دوسرے گروہ نے اس معاملہ میں خاوند کی خدمت کے وجوب کا انکار کیا ہے۔ امام مالکؒ۔ شافعیؒ اور ابو حنیفہ اس طرف گئے ہیں۔ اہل ظاہر کا کہنا یہ ہے، کہ عقد نکاح استمتاع کا متقاضی ہے استخدام اور بذل منافع کا نہیں، اور ان کا قول یہ ہے کہ احادیث مذکورہ کا مطلب صرف اخلاق حسنہ اور تطوع ہے ان سے شوہر کی خدمت کا وجوب نہیں ثابت ہوتا۔

اور جو لوگ بیوی پر شوہر کی خدمت واجب مانتے ہیں، ان کی بنائے استدلال یہ ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام مبین میں انہیں مخاطب فرمایا ہے، اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے اعتبار سے عورت کے لیے خاوند کی خدمت، گھر کی صفائی، آٹا پیسنا، چکی چلانا (کپڑے) دھونا بستر بچھانا اور گھر کی جملہ خدمات مکمل کرنا شامل ہے

کیا اس کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ وہ بھی اس صورت میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف یعنی عورتوں پر اس قدر (خدمت) واجب ہے جو بہ طریق معروف ہو۔

نیز فرمایا: الرجال قوامون علی النساء ترجمہ: مرد عورتوں کے سردہرے ہیں

پس جب عورت مرد کی خدمت نہ کرے گی۔ بلکہ (مرد) خادم ہوگا۔ تو عورت مرد پر حکمران اور قوام بن جائے گی۔ نیز مہر کی رقم کا مقصد بضع سے (تمتع) ہے۔

عقود مطلق عرف عام پر وقوع پذیر ہوتے ہیں

چنانچہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے اپنی حاجت روائی کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالٰی نے (مرد) پر (عورت) کا لفقہ، لباس اور جائے رہائش استمتاع اور خدمت کے عوض واجب کیا ہے، جو حسب عرف و رواج معمول میں داخل ہو۔ کیونکہ عقود مطلقہ عرف عام کے مطابق وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اور عرف میں عورت کا خدمت کرنا اور گھر کے تمام اندرونی مصالح سرانجام دینا داخل ہے۔

اور یہ قول کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماءؓ محض احسان اور تبرع (رضا کارانہ) کے طور پہ کام کر دیا کرتی تھیں، اسے یہ روایت رد کرتی ہے، کہ حضرت فاطمہؓ خدمت کے متعلق فریاد لے کر جاتی ہیں۔ تو آپؐ حضرت علیؓ سے یہ نہیں فرماتے، فاطمہ پر شوہر کی خدمت واجب نہیں تم ان کی خدمت کرو۔

اسی طرح جب آپؐ نے حضرت اسماءؓ کو چارے کا گٹھر سر پر اٹھائے دیکھا۔ اور حضرت زبیرؓ ان کے ہمراہ تھے۔ تو یہ نہیں فرمایا: کہ اسماء پر خدمت کرنا واجب نہیں۔ اور یہ ظلم ہے، بلکہ انہیں خدمت پر قائم رہنے دیا اور تمام صحابہؓ کی ازواج کو ان کی خدمت کرنے پر قائم رکھا حالانکہ ان میں سے بعض اس کام سے راضی تھیں اور بعض کو ناپسند بھی تھا۔ یہ بات شک و شبہہ سے بالا ہے کہ معاملہ خدمت میں شریف، ذلیل، فقیر اور امیر عورت کے مابین کوئی امتیاز نہیں، چنانچہ یہ اشرف نساء العالمین فاطمۃ الزہرا ہیں۔ جو اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لے کر

حاضر ہوتی ہیں، لیکن شکایت قبول نہیں ہوتی۔

عورت کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے۔ کہ عورت تمہارے بس میں ہے، پھر فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ وہ تمہارے بس میں ہیں۔ اور جو جس کے بس میں ہو وہی اس کی خدمت کرتا ہے۔

اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ نکاح ایک قسم کی چاکری ہے، جیسا کہ بعض سلف نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ چاکری ہے۔ پس تم پر لازم یہ ہے کہ دیکھو کہ جس کے پاس چاکر ہو، وہ با اخلاق ہو، انصاف پسند طبائع کے لیے دونوں مسئلوں میں سے اقویٰ اور راجح دلیل کا سمجھ لینا مستبعد نہیں۔

تفرقہ زوجین

احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سنن ابی داؤدؒ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت حبیبہؓ بنت سہل ثابت بن شماس کی زوجیت میں تھیں۔ ثابت نے انہیں مارا جس سے ان کے اعضائے جسم میں سے کوئی عضو ٹوٹ گیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز صبح کے بعد حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ کو بلایا اور فرمایا:

اس سے اپنے دئے ہوئے مال میں سے کچھ لے لو، اور اسے چھوڑ دو[1]!

انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا اس پر بات طے ہو جائے گی۔؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں!

انھوں نے عرض کیا: میں نے دو باغیچے اس کے مہر میں دئے تھے۔ وہ اس کے قبضہ میں ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو لے لو۔ اور انہیں چھوڑ دو۔

انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اختلاف زوجین کے معاملات و حالات

اور اللہ تعالیٰ نے اختلافِ زوجین کے موقع پر فرمایا ہے۔

[1] یعنی خلع دے دو۔

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ان الله کان علیما خبیرا۔

یعنی تم کو ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک مرد کے اہل سے حکم لاؤ۔ اور ایک حکم لاؤ عورت کے اہل سے وہ ان دونوں میں ارادہ کریں اصلاح کا۔ اللہ توفیق دے گا۔ ان کو بے شک اللہ جاننے والا خبر والا ہے۔

حکمین کی حیثیت کیا ہے؟

سلفؒ اور خلفؒ نے حکمین میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ دونوں حاکم ہوں گے؟ اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں وکیل ہوں گے۔ یہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا قول ہے، اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسری روایت میں ان کا قول یہ ہے کہ وہ دونوں حاکم ہوں گے، اہلِ مدینہ، مالکؒ اور دوسری روایت کے مطابق امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

حکمین حاکم ہیں وکیل نہیں

اور یہ از حد تعجب انگیز امر ہے کہ بعض لوگ حکمین کو حاکم کے بجائے وکیل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان دونوں کو حکم قرار دیا ہے اور ان کو غیر زوجین کی طرف نصب کیا ہے۔ اگر یہ وکیل ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا:

فلیبعث وکیلا من اهله ولتبعث وکیلا من اهلها

نیز اگر وکیل ہوتے تو ان کے لیے اہل میں سے ہونے کی تخصیص نہ ہوتی۔ نیز حکم کا ایما میاں بیوی کی طرف ہے، فرمایا ہے کہ:

ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما یعنی اگر یہ دونوں ارادہ کریں صلح کا اللہ توفیق بخشے گا: اور وکیلوں کا ذاتی ارادہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض موکل کے ارادہ پر تصرف کرتے اور اس کے ترجمان ہوتے ہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے، اور وکیل کو حکم کہنا نہ از روئے لغت درست ہے، نہ از روئے عرف عام نہ از روئے عرف خاصہ، علاوہ ازیں لسان شارع پر بھی یہ لفظ اس مفہوم اور معنی میں نہیں آیا ہے۔

حضرت عثمان کا فیصلہ حضرت عثمان بن عفان نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہؓ بنت عتبہ بن ربیعہ کے درمیان حکم بنا کر بھیجا، اور ان سے کہا، اگر مناسب سمجھو، کہ تفریق ہو جائے۔ تو ان دونوں میں تفریق کرا دو۔

اور صحیح روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انھوں زوجین کے درمیان حکم بننے والوں سے فرمایا:

اگر تفریق مناسب سمجھو۔ تو تفریق کرا دو۔ اور اگر زوجین کو اکٹھا رکھنا مناسب سمجھو تو انہیں جمع کر دو،

پس حضرت عثمانؓ، علیؓ ابن عباسؓ اور معاویہؓ نے اس سے حکم ہی مراد لیا ہے۔ اور صحابہؓ کا اس میں اختلاف بھی نہیں ہے، ہاں بعد میں تابعینؒ کے اندر اختلاف ہوا، یا تبع تابعین میں،!

خلع کا مسئلہ

عورت کن حالات میں خلع حاصل کرسکتی ہے

صرف ناپسندیدگی بھی وجہ خلع بن سکتی ہے صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی بیوی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، ثابت بن قیس کے اخلاق و دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں[1]

---

[1] "ثابت کے اخلاق و دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا" "اور میں اسلام میں کفر ناپسند کرتی ہوں!" اس کا مطلب یہ ہے کہ ثابت (شوہر) کے اخلاق اور دین میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے، لیکن میرا دل ان سے نہیں ملتا، میں خلوص اور دیانت کے ساتھ حق وفا ادا نہیں کر سکتی۔ اگر میں ان کی بیوی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میرا دین اس طرزِ عمل کے باعث خطرے میں پڑ جائے گا۔

آں حضرت نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اور خلع کرادی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کا اگر شوہر سے دل نہ ملتا ہو تو اس بنیاد پر بھی وہ قاضی کی عدالت میں جاکر خلع حاصل کر سکتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو اس کا باغ (جو مہر میں ملا تھا) اُسے واپس کردے گی؟

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ
باغ قبول کرلو، اور اسے ایک طلاق دے دو۔

سنن نسائی کی ایک روایت

سنن نسائیؒ میں حضرت ربیعؓ بنت معوذ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس نے اپنی زوجہ کو مارا۔ اور ان کا ہاتھ توڑ دیا۔ بیوی کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ اپنے بھائی کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کرنے حاضر ہوئیں، آپؐ نے (ثابت) کو بلا بھیجا۔ اور فرمایا: جو کچھ تمہارا اس کے اُوپر ہے لے لو، اس کی راہ چھوڑ دو، (طلاق دے دو)

ثابت نے عرض کیا: بہت اچھا!

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے کہا، ایک حیض تک انتظار کرو۔ اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

اور سنن ابی داؤدؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی زوجہ نے اپنے خاوند سے خلع کرایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔

اور سنن دارمی میں یہ واقعہ یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے فرمایا۔

کیا تم وہ باغ اُسے واپس کردو گی، جو اس نے تمہیں دیا تھا؟

جمیلہ نے عرض کیا، جی ہاں! بلکہ زیادہ بھی دینے کو تیار ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں زیادہ نہیں! بلکہ صرف اس کا باغ۔

انھوں نے عرض کیا! ہاں! (تیار ہوں)

آپ نے مال لیا۔ اور اسے طلاق دیدی[1] حضرت ثابتؓ بن قیس کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے کہا: میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا فیصلہ قبول کیا۔

دار قطنیؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

فیصلہ نبویؐ سے احکام متضمنہ

یہ فیصلہ نبویؐ کئی احکام کا متضمن ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ خلع جائز ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اس کی صراحت کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئًا الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ

یعنی تمہارے لیے روا نہیں ہے کہ کچھ تم عورت کو دے چکے ہو واپس لے لو کچھ بھی، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکو گے تو دونوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت فدیہ دے کر الگ ہو جائے۔

۲۔ صرف ایک قلیل شاذ گروہ نے خلع کی مخالفت کی ہے، لیکن درحقیقت وہ نص اور اجماع کے خلاف کیا ہے۔ کیونکہ آیت میں اذن حاکم کے ساتھ جواز خلع کی دلیل مطلق ہے ایک گروہ نے حاکم کی اجازت کے بغیر اس سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ائمہ اربعہ اور جمہور اس کے خلاف ہیں۔

۳۔ اور آیت میں جدائی حاصل کر سکنے پہ دلیل بھی موجود ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے فدیہ کا نام دیا ہے اور اگر رجعی طلاق ہوتی جیسا بعض لوگوں نے کہا ہے۔ کہ تو عورت اپنے پاس سے کچھ دینے دلانے کے باوجود شوہر سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکتی۔

ارشاد خداوندی

۴۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے فدیہ کی قلت و کثرت کے جواز پہ بھی دلیل نکلتی ہے فرمایا!

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ حاکم خود بھی اگر عورت کا مقدمہ مضبوط دیکھے تو شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے، اور وہ نافذ ہوگی۔

فلا جناح علیهما فی ما افتدت به

نیز مرد کے لیے جائز ہے، کہ جس قدر اس نے بیوی کو دے رکھا ہے، اس سے زیادہ بھی لے سکتا ہے۔

خلع حاصل کرنے کے لیے عورت جو چاہے دے دے

اور عبدالرزاقؒ نے معمر سے انھوں نے عبداللہ بن عقیل سے روایت کی ہے۔ کہ ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء نے بتایا۔ کہ انھوں نے اپنے خاوند سے ہر چیز جس کی وہ مالک تھیں سب کے عوض خلع کرایا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ پہنچا۔ تو انھوں نے اجازت دی۔ اور حکم دیا۔ کہ اس کے سر کی اوڑھنی تک لے لو۔

نیز ابن جریج نے ابوموسیٰ سے، انھوں نے عقبہ سے، انھوں نے نافعؒ سے روایت کی۔ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیوی کی باندی حاضر ہوئی، جس نے اپنی ہر چیز کے بدلہ میں اپنے شوہر سے خلع حاصل کیا تھا۔ ہر پارچہ تک کے عوض جو اس کے پاس تھا۔ حتیٰ کہ اپنے نقاب تک کے بدلے میں۔

مرد حق خلع کے طور پر اپنے دیے ہوئے سے زیادہ بھی لے سکتا ہے

زہریؒ فرماتے ہیں کہ مرد کے لیے جائز ہے۔ کہ اس سے زیادہ لے لے جس قدر اس نے دیا ہے۔

اور میمونؒ بن مہران نے فرمایا۔ کہ اگر اس نے عطا کردہ سے زیادہ لیا۔ تو اس نے احسان نہ کیا۔

اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قضاۃ اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ کہ اس سے کوئی بھی ایسی چیز لی جائے۔ ہاں جو اسے پہلے سے دے رکھی ہو۔

ظاہر قرآن و آثار صحابہؓ سے استدلال

اور جنہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے انھوں نے ظاہر قرآن اور آثار صحابہؓ سے استدلال کیا ہے۔ اور جنہوں نے اسے روکا ہے۔ انھوں نے حضرت ابی زبیرؓ

کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس کی زوجہ نے جب خلع کرانا چاہا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ تم اس کا باغ واپس کرنا چاہتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں! بلکہ زیادہ بھی! حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں زیادہ نہیں دار قطنیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اسے ابو زبیرؓ نے ایک سے زیادہ سے سنا۔ اور اس کے اسناد صحیح ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ آثار صحابہؓ میں اختلاف ہے۔ بعض نے زیادتی کو حرام کہا ہے اور بعض نے مباح کہا ہے۔ اور بعض سے کراہت منقول ہے۔

خلع کیا ہے

مسائل ضروریہ

خلع میں حاکم بھی تفریق کرسکتا ہے اور باہمی رضامندی سے بھی ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلع کو فدیہ کا نام دینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اس میں معاوفت (بدلہ دینے لینے) کے معانی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں زوجین کی رضامندی معتبر ہے۔ سو جب خلع میں تقابل ہوگا۔ اور جو اس سے لیا ہوا سے رد کرے گا۔ اور دوران عدت میں رجوع کرلے گا تو کیا یہ ان دونوں کے لیے جائز ہے۔

خلع سے عورت بائن ہو جاتی ہے ائمہ اربعہؒ وغیرہ نے اس کی ممانعت کی ہے اور کہا ہے کہ نفسِ خلع سے وہ بائن (جُدا) ہوگئی۔

عبدالرزاقؒ نے معمرؒ سے انھوں نے قتادہؒ سے، انھوں نے سعیدؓ بن مسیبؓ سے روایت کیا ہے، انھوں نے خلع کرانے والی کے متعلق فرمایا، اگر مرد چاہے تو خلع سے رجوع کرسکتا ہے[1] اس صورت میں اسے عدت کے اندر اندر (عورت

---

[1] لیکن فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ نہیں کرسکتا، خلع طلاق بائن کی حیثیت رکھتی ہے جس میں شوہر رجعت کا حق نہیں رکھتا۔

سے حاصل کردہ مال واپس کرنا ہوگا۔ اور رجعت پر گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ معمرؒ فرماتے ہیں۔ کہ زہریؒ کا مسلک بھی یہی تھا۔

قتادہؒ فرماتے ہیں، کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے، کہ باقاعدہ پیام کے بغیر رجوع نہ کرے

عورت چاہے تو بعد از خلع نکاح کر سکتی ہے

نیز سعیدؒ بن مسیب اور زہریؒ کا قول لطیف الماخذ دقیق فقہی مسئلہ پر مشتمل ہے جو قواعد و اصول فقہ کے مطابق ہے۔ اس میں کوئی نکیر نہیں، ہاں البتہ عمل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ عورت جب تک عدت کے اندر رہے گی، تو وہ مرد کی گرفت میں ہوگی، اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک طلاق کا حق لاحق ہوگی کیونکہ وہ محض اجنبی عورت بن چکی ہے، پیام دیکر اب رضامندی طرفین سے نکاح ممکن ہے، اور یہ قواعد شرع کے خلاف نہیں کیونکہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ غیر کی بجائے عدت کے اندر اندر شوہر سے نکاح کر لے۔

فرمان نبوی کہ خلع کرنے والی ایک حیض عدت گزارے

یہ فرمان دو حکموں کی دلیل ہے ایک یہ کہ خلع والی عورت پر تین حیض واجب نہیں، بلکہ ایک ہی حیض عدت کے لیے کافی ہے اور یہ گویا صریح سنت ہے۔ یہی مذہب امیر المومنین حضرت عثمانؓ بن عفان۔ عمرؓ بن خطاب۔ ربیعؓ بنت معوذ اور ان کے چچا کا ہے۔ کبار صحابہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔ صحابہؓ میں سے یہ چار ایسے ہیں کہ ان کا کوئی مخالف معروف نہیں۔ جیسے کہ لیث بن سعد نے نافعؒ مولی بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ربیعؓ بنت معوذ سے سنا، وہ عبداللہ بن عمرؓ کو بتا رہی تھیں کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کے عہد میں اپنے خاوند سے خلع کرایا۔ چنانچہ (ربیعؓ) کا چچا حضرت عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا: معوذ کی بیٹی نے آج خلع کرایا ہے۔ کیا وہ گھر چھوڑ سکتی ہے؟

خلع کے بعد عورت شوہر کا گھر چھوڑ سکتی ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں وہ جہاں چاہے

منتقل ہو جائے اور اب دونوں کے درمیان میراث کے احکام نہیں نافذ ہوں گے اور اس پر کوئی عدت نہیں ہاں مگر ایک حیض سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اس اندیشہ سے کہ کہیں حاملہ نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ عالم اور بہتر ہیں۔

اسی طرف اسحاقؒ بن راھویہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی گئے ہیں شیخ السلام ابنؒ تیمیہ نے بھی مسلک اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو بھی اس قول پر غور کرے گا اسے تقاضائے شریعت کے مطابق پائے گا۔ کیونکہ عدت کو زمانہ رجعت کو طویل کرنے کے لیے تین حیض طویل کیا ہے۔ تاکہ خاوند زمانہ عدت میں رجعت پر قادر ہو سکے۔ اگر (زمانہ عدت میں بھی) رجعت نہ ہوئی۔ تو مقصود رحم کو (حمل) سے خالی ثابت کرنا ہے اور اس کے لیے استبراء کی طرح ایک حیض بھی کافی ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طلاق والی میں یہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ باب طلاق میں حکم عدت ایک ہی ہے، چاہے وہ بائنہ ہو یا رجعیہ

خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں

ان کا کہنا ہے کہ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ خلع فسخ نکاح ہوتا ہے۔ طلاق نہیں ہوتا یہی ابن عباسؓ۔ عثمانؓ۔ ابن عمرؓ ربیعؒ اور ان کے چچا کا مذہب ہے۔ اور کسی صحابیؓ سے اسے طلاق کہنا ثابت نہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ نے یحییٰ بن سعید سے انھوں نے سفیانؒ سے، انھوں نے عمروؒ سے، انھوں نے طاؤسؒ سے، انھوں سے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ خلع (خاوند بیوی کے درمیان) تفریق ہے، یہ طلاق نہیں۔

دو طلاقوں کے بعد بھی خلع جائز ہے

عبدالرزاقؒ نے سفیانؒ سے نقل کیا ہے انہیں عمروؒ سے انہیں طاؤس سے روایت ملی۔ کہ ابراہیم بن سعد نے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا۔ جس نے کہ اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر اس نے اس سے خلع کرا لیا۔ لیکن اب

وہ اس سے نکاح کرلے سکتا ہے؟

ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے آیت کے شروع اور آخر میں طلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ اور درمیان میں خلع کا ذکر فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طلاق نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلوت کے بعد طلاق پر جو تین احکام مرتب فرمائے ہیں، سب کے سب خلع سے منتفی ہیں

الف۔ ایک یہ کہ خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہے۔

ب۔ دوسرے یہ تین طلاقیں شمار کی جائیں گی، اس لیے تکمیل عدت کے بعد صرف نئے خاوند سے نکاح اور اس سے ہمبستری کے بعد ہی نکاح جائز ہے۔

ج۔ تیسرے یہ کہ عدت کی مدت تین حیض ہوگی۔ اور اجماع ونص سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ خلع میں رجعت نہیں ہو سکتی، نیز سنت اور اقوالِ صحابہؓ سے ثابت ہے، کہ اس میں عدت ایک حیض ہے، اور نص سے یہ بھی ثابت ہے کہ دو طلاقوں کے بعد بھی خلع جائز ہے۔ اور تیسری کے بعد یہ واقع ہو جاتا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ یہ طلاق نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے فرمایا؛

الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان ولا يحل لكم ان تاخذوا مما آتيتموهن شيئًا الا ان يخافا الا يقيما حدود الله فان خفتم ان لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به

یعنی؛ طلاق رجعی ہے دو بار تک۔ اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جب کہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے۔ حد حاکم البتہ اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے حکم کو تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس بات میں کہ عورت بدلہ دے کر چھوٹ جاوے۔

اس میں اگرچہ دو طلاقوں کی تخصیص ذکر نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ ہر طرح بیجا وہی

ہے۔ اور غیر مذکور کی طرف ضمیر کو راجع کرنا جائز ہے۔ کہ مذکور اس سے خالی ہو۔ بلکہ یا تو سابق سے مختص ہوگا۔ غیر پر حاوی ہوگا، پھر فرمایا:

وان طلقها فلا تحل لہ من بعد یعنی پس اگر وہ اسے طلاق دے۔ (تیسری بار)

یہ اس پر متضمن ہے، جیسے فدیہ اور دو طلاق کے بعد طلاق دی جائے۔ کیونکہ یہی مذکور ہے۔ اسی لیے اس کا لفظ میں داخل ہونا ضروری ہے۔

یہ ترجمان القرآن کا فہم ہے۔ جس کے لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اسے تاویل قرآن کا علم عطا فرما اور آپ کی دعا یقیناً قبول ہوئی۔

خلع الگ جنس ہے طلاق الگ

اور جب احکام فدیہ احکام طلاق سے مختلف ہیں۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ الگ جنس ہے، یہی نص و قیاس اور اقوال صحابہؓ کا مقتضا ہے۔

عمرو طاؤس سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، کہ خلع تفریق ہے طلاق نہیں۔

ابن جریج طاؤس سے روایت کرتے ہیں، کہ میرے والد فدیہ (خلع) کو طلاق نہیں مانتے تھے۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میرے والد (امام احمد) قول ابن عباس پر فتویٰ دیتے تھے۔

مسائل ومعاملات

اور

انواعِ طلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وقضایا اور اقوال

طلاق غیر معتبر

کن لوگوں کی طلاق شرعی طور پر ناقابل قبول ہے

حضرت علیؓ کی روایت بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت علیؓ کی روایت درج کی ہے کہ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا!

"کیا آپ نہیں جانتے تین آدمی مرفوع القلم ہیں[1]

- مجنوں جب تک تندرست نہ ہو جائے۔
- لڑکا جب تک صاحب فہم وادراک نہ ہو جائے۔
- محو خواب، جب تک بیدار نہ ہو جائے۔

نیز صحیح بخاری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالے نے میری امت کی ان باتوں کو معاف کر دیا ہے جو دل میں گزریں، لیکن زبان پر یا عمل میں نہ آئیں۔

لزوم نیت پر نہیں عمل پر ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلاق عتاق یمین، اور نذر وغیرہ کے معاملات میں جب تک زبان سے کچھ نہ کہے محض نیت اور قصد سے کوئی بات لازم نہ ہوگی۔ جمہور کا قول یہی ہے۔

اس مسئلہ میں دو قول اور ہیں۔

---

[1] مرفوع القلم، اس شخص کو کہتے ہیں جس سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائے۔

ایک ہے توقف - چنانچہ عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ جو شخص دل میں طلاق دے ، وہ نافذ ہوگی یا نہیں۔

ابن سیرین نے جواب دیا۔

"تمہارے دل میں جو کچھ ہے خدا کو اس کا علم ہے کہ نہیں ؟

"سائل نے جواب دیا" ضرور ہے ۔

ابن سیرین نے فرمایا ، "اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے"!

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر آدمی دل میں قطعی فیصلہ کرے تو وہ واقع ہو جائے گا - یہ امام مالک سے اشہب کی روایت ہے - نیز زہری سے بھی یہی مروی ہے۔

اس قول کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ۔

لہٰذا جو شخص دل میں کفر کرتا ہے وہ کافر ہے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ یعنی اپنے دل کی بات چاہے ظاہر کرو ، چاہے چھپائے رکھو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ ہوگا "

اور معصیت پر اصرار کرنے والا فاسق ہے ، اگرچہ ارتکاب معصیت نہ کرے پھر بھی قابل مؤاخذہ ہے - کیونکہ اعمال قلوب پر بھی ثواب و عتاب اسی طرح مرتب ہوتا ہے جس طرح اعمال جوارح پر لہٰذا حب ، بغض - دوستی ، دشمنی ، اگر اللہ کے لیے دل میں رکھے گا ثواب پائے گا - اسی طرح توکل رضا ، عزم اور طاقت پر بھی ثواب ملے گا لیکن کبر حسد ، غرور ، شک ریا - سوءِ ظن اکابر اور صالح لوگوں کے ساتھ ، یہ وہ چیزیں ہیں جن پر عتاب ہوگا ۔

***

نیت اور قصد بے معنی ہے اصل چیز اقدام و عمل ہے

لیکن ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہو، کہ صرف نیت اور قصد سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، یا غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوگا۔ جب آدمی صاف الفاظ میں یہ بات کہے۔

رہی الاعمال بالنیات والی حدیث سو یہ تو آں حضرت کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ نیت کے ساتھ اگر عمل ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ نہ کہ محض نیت کا۔

اور دل میں جو شخص کفر پر اعتقاد رکھتا ہو، یا شک ریب میں مبتلا ہو تو وہ زوال ایمان کے باعث بے شک کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔ اور اگر قلب ایمان سے خالی ہے تو پھر اس کی ضد یعنی کفر موجود ہے اس کی مثال علم و جہل کی طرح ہے۔ اگر علم نہ ہوگا تو جہل ضرور پایا جائے گا۔ یہی حال تمام نقیضین کا ہے۔ ایک کا زوال دوسرے کے وجود کا ثبوت ہے۔

اسی طرح آیۂ احتساب کا معاملہ ہے۔

انسان کے دل میں جو کچھ ہے اور اسے وہ چھپاتا ہے، تو احکام شرع کے لحاظ سے اسے کوئی سزا نہیں ملے گی۔ سزا کا فیصلہ صرف ان باتوں پر ہوگا جنہیں وہ ظاہر کرتا ہے۔

اب جن باتوں کو ظاہر کرتا ہے، یا جنہیں صرف دل میں رکھتا ہے۔ ان پر بخش دیا جائے یا سزا پائے۔ لیکن اس سے بہر حال یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قصد اور نیت کے باعث طلاق واقع، ہو جائے گی۔

ثواب و عقاب کا تعلق اعمال سے ہے

باقی رہا معصیت پر اصرار کرنے والا تو بے شک وہ فاسق ہے۔ اور قابل مواخذہ ہے، کیونکہ نیت کے ساتھ عمل معصیت بھی موجود ہے، اور اس پر

وہ اصرار کر رہا ہے تو سزا سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر مقصد و نیت کے ساتھ عمل نہیں ہے تو یا تو اس کی معصیت پسندی زیر تحریر نہیں آئے گی یا ان کے حسنات لکھ لیے جائیں گے۔ اگر وہ اس قصد و نیت سے خدا کے لیے باز آگیا۔

بہر حال ثواب و عقاب کا تعلق اعمال قلوب سے ہے۔ قرآن و سنت میں یہ بات بار بار اور بکثرت آئی ہے، لیکن صرف نیت سے وقوع طلاق و عتاق، جب کہ لفظا استعمال نہ کیے گئے ہوں۔ خارج از ثواب و عتاب ہیں۔ اور ان دونوں امروں میں کسی طرح کا تلازم نہیں ہے۔

اور کبر، غرور، ریا، سوء ظن، یہ ساری باتیں ہیں، ان کا شمار امور اختیاری میں ہے، ان سے اجتناب ممکن ہے۔ لہٰذا ان کا ارتکاب مستحق عقوبت ہے لیکن عتاق طلاق ایسے مسمّٰی کا اسم ہیں جن کا وجود الفاظ کا محتاج ہے۔

طلاق ہازل و مکرہ

کیا مذاق میں دی ہوئی طلاق اور جبر سے دلائی ہوئی طلاق جائز ہے

ہازل کی طلاق واقع ہو جائے گی

تصریحات بالا اس بات کو متضمن ہیں کہ مکلف[1] اگر طلاق نکاح، رجعت میں دل لگی، اور مسخرے پن سے کام لیتا ہے، تو یہ چیزیں اس پر لازم ہو جائیں گی لیکن اگر اس نے طلاق دی ہے واقع ہو جائے گی۔ نکاح کیا ہے نافذ ہو جائے گا۔ رجعت کی ہے۔ تسلیم کر لی جائے گی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسخرے شخص کی مزاحیہ باتوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ البتہ جو شخص سوتے میں کچھ کہہ گزرے، یا کمزور حافظہ کا شخص جو کہہ کر بھول جاتا ہو، یا فاتر العقل شخص یا مکرہ[2] ان لوگوں کی کہی ہوئی بات کا اعتبار شرعی طور پر نہیں کیا جائے گا۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہازل نے منہ سے جو الفاظ نکالے ہیں قصداً اور

---

[1] مکلف شرع کی اصطلاح میں وہ عاقل و بالغ شخص ہے جو مرفوع القلم نہیں ہے، فہم و ادراک سے قبول کر سکتا ہے، احکام کی بجا آوری پر مجبور ہے

[2] مکرہ سے مراد شرعاً وہ شخص ہے، جو اپنے ارادے اور نیت کے خلاف کسی کام پر مجبور کیا جائے اور بے بس ہو کر اسے کر گزرے۔

ارادہ سے نکالے ہیں گو ان کے نفاذ حکم کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو، لیکن اعتبار اس کا کیا جائے گا کہ ان الفاظ کو اس نے اس وقت استعمال کیا جب اس کے ہوش و حواس درست تھے، اور وہ اچھی طرح مکلّف تھا، پس جب اس نے اپنے الفاظ کے ذریعہ ایک قصد کیا، تو شارع نے اس قصد کا حکم اس پر مرتب کر دیا، خواہ اس نے یہ بات سنجیدگی سے کی ہو یا از راہ مذاق، بخلاف، نائم، مجنون اور فاتر العقل وغیرہ کے ان کا قصد، قصد صحیح نہیں مانا جا سکتا، کیونکہ یہ از روئے شرع مکلّف نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے الفاظ لغو ہیں، جیسے ایک طفل ناداں کے الفاظ ہوتے ہیں جو اپنے الفاظ کے مفہوم اور مقصد سے آشنا نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کا رمز وہ فرق ہے، جس کی رو سے ایک آدمی وہ ہے کہ جو کچھ کہتا ہے اس کے مفہوم اور مطلب نتائج سے خبر دار نہیں ہوتا۔

جو شخص مجبور کیا جائے اس کی طلاق لغو ہے

چنانچہ اس بنیاد پر، مکرہ کا کلام لغو تصور کیا جائے گا، اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، چنانچہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے، تو وہ کافر نہیں ہو گا اسی طرح جو قبول اسلام پر مجبور کیا جائے وہ مسلمان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

سنّت سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مکرہ کی ان باتوں پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ جو اس نے مجبور اور بے بس ہو کر کی ہوں۔

اباحت مکرہ کے دو پہلو

لیکن مکرہ کے قول و فعل میں اباحت کے دو پہلو ہیں۔

جہاں تک قول کا تعلق ہے، اس سے بالکل در گزر کیا جائے گا۔ اور جہاں تک افعال کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل حسب ذیل ہے کہ حالت اکراہ میں کیا جائز ہے اور کیا نہیں؟ مثلاً رمضان کے مہینے میں دن کے کھانے پر مجبور کیا جائے۔ یا نماز کے دوران میں کلام پر مجبور کیا جائے۔ یا حالت احرام میں سلا ہوا لباس پہننے

پر مجبور کیا جائے یا اسی طرح کے دوسرے کاموں پر مجبور کیا جائے تو وہ قابل معافی ہے۔

لیکن جو باتیں بر حالت اکراہ مباح نہیں ہیں، ان میں کسی معصوم کا قتل کرنا، یا کسی کے مال کا تلف کرنا شامل ہے۔

زنا اور چوری پر جو مجبور کیا جائے وہ قابل مواخذہ ہے

لیکن بعض چیزیں مختلف فیہ بھی ہیں، جیسے شراب پینے، زنا کرنے اور چوری کرنے پر کسی کو مجبور کیا جانا، آیا اس صورت میں مکرہ پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟

اس بارے میں احمد کے دو قول ہیں۔ ایک قول کے ماتحت مکرہ پر حد جاری ہوگی۔ دوسرے کے مطابق نہیں، کیونکہ مکرہ کے قول و فعل میں فرق ہے۔ افعال جب واقع ہو جائے تو ان کا مفسدہ مرتفع نہیں ہوتا بلکہ صدور افعال کے ساتھ ہی واقع ہو جاتا ہے۔ بخلاف اقوال کے کہ ان کا الغا اور ازالہ ممکن ہے۔ اور انہیں بمنزلہ اقوال و مجنوں قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مفسدہ فعل و عمل بالاکراہ بھی مباح نہیں ہے۔

امام مالک عدم وقوع طلاق مکرہ کے قائل ہیں

امام مالک اور ان کے اصحاب عدم وقوع طلاق مکرہ کے قائل ہیں۔ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا!

"آدمی کو اگر اذیت دی جائے، یا اسے مارا پیٹا جائے یا اسے شکنجہ میں کس دیا جائے تو وہ اپنے آپ کا مالک نہیں رہتا۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے شہد حاصل کرنے کے لیے رسی (درخت پر چڑھنے کے لیے لٹکائی) اور چڑھا) اتنے میں اس کی بیوی آئی اور کہنے لگی،

"یا تو مجھے طلاق دو، ورنہ میں رسی کاٹے دیتی ہوں، مرد نے اسے خدا کا

واسطہ دیا۔
لیکن وہ نہ مانی۔ آخر اس نے طلاق دے دی۔ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور یہ ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا، اپنی بیوی کے پاس واپس جا، یہ طلاق نہیں ہے"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا فیصلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی طلاق مکرہ کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

ثابت الاعرج کہتے ہیں۔
میں نے ابن عمر اور ابن زبیر سے طلاق مکرہ کے بارے میں سوال کیا، دونوں نے بالاتفاق جواب دیا، یہ کچھ نہیں ہے"!

مدہوش کے سوا ہر طلاق جائز ہے

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ عمرو بن اعصم کی اس روایت کے جواب میں کیا کہو گے جو انہوں نے ایک صحابی سے بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے سینہ پر اس کی بیوی بیٹھ گئی۔ اور چھری اس کے حلق پر رکھ دی اور کہا مجھے طلاق دو، ورنہ میں تمہیں ذبح کر دوں گی، اس نے خدا کا واسطہ دیا، لیکن وہ نہ مانی۔ آخر اس نے تین طلاقیں دے دیں۔ اس شخص نے اس واقعہ کا آپؐ سے ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"طلاق میں قیل وقال نہیں ہے!"

اسی طرح عطا ابن عجلان سے، وہ عکرمہ سے، وہ ابن عباس سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ہر طلاق جائز ہے سوا مغلوب العقل اور مدہوش کے۔"

اسی طرح سعید بن منصور فرج بن فضالہ سے، اور وہ عمرو بن شراحیل المعافری سے روایت کرتے ہیں کہ:

ایک عورت نے تلوار سونت لی اور اسے اپنے شوہر کے پیٹ پر رکھ دیا اور کہا!

خدا کی قسم میں یہ تیرے پیٹ میں پھونک دوں گی ورنہ مجھے طلاق دے۔
اس شخص نے تین طلاقیں دے دیں، پھر یہ معاملہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے یہ طلاق نافذ کردی۔
اسی طرح حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مدہوش کے سوا، ہر طلاق جائز ہے

ایرادات اور ان کا جواب

تو ان ایرادات کے جواب میں کہا جائے گا کہ جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے، اس میں تین علل ہیں۔
ایک یہ کہ صفوان بن عمر ضعیف راوی ہے۔
دوسرے اس روایت کا ایک اور راوی، غماز بن جبلہ ہے۔ یہ بھی ایسا ہی ہے۔
تیسرے، باقی رواۃ اس روایت کے مرسل ہیں۔
اور ظاہر ہے اسی طرح کی روایت نہیں قبول کی جاسکتی۔
محمد بن حزم کہتے ہیں۔
یہ خبر (روایت) حد درجہ ساقط ہے"
رہی ابن عباس والی حدیث کہ ہر طلاق جائز ہے۔
تو اس روایت کے سلسلۂ اسناد میں ایک راوی عطاء بن عجلان ہیں۔
اور ان کا ضعیف ہونا اصحاب رجال کے نزدیک مشہور و معلوم ہے۔ ان پر دروغ گوئی کا الزام ہے۔
ابو محمد بن حزم اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔
"یہ پہلی حدیث سے بھی زیادہ ساقط الاعتبار اور ناقابل قبول ہے"

حضرت عمر کا اثر غلط ہے

اب رہ جاتا ہے حضرت عمر بن الخطاب کا اثر، سو وہ بھی غلط، اور یکسر ناقابل قبول ہے
اور اس کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ معافری "اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاصرت ثابت نہیں ہے۔
اس کے دوسرے راوی فرج بن فضالہ ہیں۔ لیکن یہ بھی ضعیف ہیں۔
البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر جسے کافی لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے طلاق مکرہ
درست نہیں ہے، بالکل صحیح ہے اور اس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

طلاق سکران

شرابی کی طلاق جائز ہے یا نہیں

اللہ تعالےٰ کا ارشاد طلاق سکران (شرابی) کے بارے میں اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے :۔

یاایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون

یعنی اے ایمان والو! نماز کے قریب حالت سکر (نشہ) میں نہ جاؤ، جب تک جان لو تم کیا کہہ رہے ہو!،

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قول سکران غیر معتبر ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کیا کہہ رہا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا۔

"مجنون اور سکرانؔ کی طلاق، طلاق نہیں،!"

ابن ابی شیبہ وکیع سے، وہ ابی ذئب سے، وہ زہری سے، وہ ابانؓ بن عثمانؓ سے۔ وہ عثمانؓ سے بھی یہی روایت کرتے ہیں۔

عطاء کہتے ہیں طلاق سکرانؔ جائز نہیں،

ابن طاؤس کا قول ہے کہ طلاق سکرانؔ ناجائز ہے۔

قاسم بن محمد فرماتے ہیں، کہ سکرانؔ کی طلاق جائز نہیں ہے۔

شرابی پر حد جاری ہوگی طلاق نہیں مانی جائے گی

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک شرابی پر جس نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ حد جاری کی، اور طلاق تسلیم نہیں کی، یحییٰ بن سعید الانصاری حمید ابن عبد الرحمان ربیعہ اور لیث بن سعد اور عبد اللہ بن الحسن اور اسحاق بن راہویہ، ابو ثور اور شافعی (ایک قول کے مطابق) کا مسلک بھی یہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔

احناف طلاق سکران جائز سمجھتے ہیں

یہ مذہب جو اوپر ذکر ہوا حضرات اہل ظاہر کا تھا، لیکن حنفیہ میں سے ابو جعفر طحاری، اور ابو الحسن الکرخی، وغیرہ سکران کی طلاق کو جائز سمجھتے اور نافذ قرار دیتے ہیں۔

ان حضرات کے مذہب کی بنیاد سات ماخذ پر ہے، جو یہ ہیں،!

۱۔ یہ کہ سکران مکلّف ہے، لہٰذا، جرائم اور خیابات پر ماخوذ ہوگا، اور سزا پائے گا،

۲۔ ایقاع طلاق اس کے کیے کی سزا ہے،

۳۔ طلاق دیتے ہی طلاق کا واقع ہونا اپنے اسباب کے لحاظ سے منجملۂ ابواب ربط احکام ہے، لہٰذا، سکر اور نشہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ واقع ہو جائے گی۔

۴۔ صحابۂ کرام نے اسے از روئے کلام اسے مقام صاحی میں رکھا ہے۔ ان کا قول ہے کہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہو جاتا ہے جب نشہ میں آتا ہے تو ہذیان بکنے لگتا ہے، اور جب زیادہ گوئی (ہذیان) پر اتر آتا ہے، تو افترا پردازی کرنے لگتا ہے، اور فتوٰی کی حد انشی کوڑے ہے۔

۵۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلاق میں قیل وقال نہیں

ہے، یعنی وہ نافذ ہو جائے گی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔

۶۔ مدہوش کے سوا، ہر ایک کی دی ہوئی طلاق جائز ہے، اس کا ذکر بھی گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

۷۔ صحابۂ کرام سکران (شرابی) کی طلاق واقع کر دیتے تھے۔

حضرت عمر تفریق کرا دیتے تھے

چنانچہ ابو عبید نے عمرو اور معاویہ سے اسی طرح کی روایت کی ہے، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے یزید بن ہارون نے، انہوں نے جریر بن حازم سے انہوں نے زبیر بن حارث سے، انہوں نے ابو لبید سے روایت کی کہ ایک آدمی نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی، معاملہ حضرت عمر رض کے سامنے پیش ہوا چار عورتوں نے گواہی دی، حضرت عمر رض نے دونوں کے مابین تفریق کرا دی۔

جواز طلاق سکران کی کوئی دلیل نہیں

بہرحال یہ ہیں وہ دلائل جن سے وہ لوگ جو طلاق سکران کے قائل ہیں۔ دلائل لاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی دلیل بھی دلیل نہیں ہے۔

سکران مکلّف نہیں ہے

۱۔ ان حضرات کا پہلا ماخذ یہ ہے کہ سکران مکلّف ہے، لیکن یہ سراسر باطل ہے، کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ شرط تکلیف یعنی مکلّف ہونے کی شرط عقل ہے۔ اور جو عقل سے باہر ہو وہ مکلّف نہیں مانا جائے گا۔

اجرائے حد کافی ہے

۲۔ دوسرا ماخذ یہ ہے کہ ایقاع طلاق بطور عقوبت ہوگی لیکن یہ نہایت بودی بات ہے، کیونکہ عقوبت کے لیے حد (سزائے تازیانہ) کافی ہے اور از روئے شریعت ہم اس پر مامور نہیں ہیں کہ سزائے تازیانہ کے علاوہ اس کی طلاق واقع کر کے زوجین کے مابین تفریق کرا دیں۔

ربط احکام کی دلیل بودی ہے

۳- تیسرا ماخذ یہ ہے ایقاع طلاق از روئے اسباب منجملہ ربط احکام ہے- لیکن یہ دعویٰ غایت فساد و سقوط کا مظہر ہے کیونکہ اس طرح تو اس شخص کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی جو شراب پینے پر مجبور کیا جائے یا جسے شراب پلا دی جائے، اور وہ جانتا نہ ہو کہ یہ شراب ہے، بلکہ مجنوں اور نائم تک اس زد سے نہیں بچ سکیں گے-

صحابہ سے مروی آثار غلط ہیں

۴- چوتھا ماخذ کہ صحابہ نے سکران (شرابی) کو صاحی کے درجہ میں رکھا ہے- کہ شراب پیئے گا تو مخمور ہوگا تو اُول فول بکے گا- یہ ایسی روایت ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے-

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں یہ خبر مکذوب ہے-

علاوہ ازیں اس میں تناقص بھی ہے- اور یہی اس کے بطلان کی دلیل ہے، کیونکہ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اُول فول بکنے والے پر حد لازم ہوگی، حالانکہ ہاذی پر، (اُول فول بکنے والے پر) حد نہیں ہے-

ایک غلط حدیث سے استدلال

۵- پانچواں ماخذ وہ حدیث ہے کہ طلاق میں قیل و قال نہیں (وہ جائز ہے) لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح ہے، تو اس کا محل مکلف کی طلاق پر کیا جائے گا، جو ہوش میں ہوتا ہے، نہ کہ اس پر جو ہوش میں نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں مبرسم (سرسام میں مبتلا) مجنوں، اور نابالغ کی داخل نہیں ہے-

سکرانی کی عقل زائل ہو چکی ہوتی ہے

چھٹا ماخذ یہ روایت ہے کہ "مدہوش کے سوا ہر ایک کی طلاق جائز ہے-"

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو بھی تو

اس کا طلاق مکلّف پر ہی ہوگا۔

علاوہ ازیں سکران (شرابی) عقل کھو چکا ہوتا ہے، پس وہ بھی مدہوش ہی ہوتا ہے۔ یا کم از کم اسی کے ذیل میں آتا ہے، چنانچہ ایک تو اسے معتوہ (مدہوش) ہی قرار دیتا ہے۔

لغت میں "معتوہ" اس شخص کو کہتے ہیں۔ جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ اس کے منہ سے جو بول نکل رہے ہیں، وہ کیا ہیں ــــ؟

ابن عباس کا اثر غیر صحیح ہے:۔

۷۔ ساتواں ماخذ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے سکران کی طلاق واقع کی ہے۔

لیکن اس باب میں خود صحابہ باہم مختلف الرائے ہیں، حضرت عثمان سے منسوب روایت ہم بیان کر چکے ہیں، اور یہ صحیح ہے، ابن عباس کا اثر صحت سے خالی ہے۔

طلاق اغلاق

غصہ میں دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی یا نہیں؟

طلاق اغلاق کے بارے میں امام احمد حنبلؒ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ اغلاق یعنی حالت غضب میں طلاق وعتاق کا وقوع نہیں ہوتا"

یہ احمدؒ کی نص ہے جس کی روایت خلالؒ اور ابوبکر نے "الشافی" میں کی ہے اور اس میں مسافر کا لفظ زیادہ ہے۔

"اغلاق" سے مراد کیا ہے؟

ابوداؤد نے بھی اغلاق سے غضب مراد لیا ہے اور باب اطلاق میں اس لفظ کی غضب سے تعبیر کی ہے۔ ابوعبیدہ وغیرہ اس سے اکراہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی دوسرے لوگوں نے اس کی تفسیر "جنون" سے کی ہے۔

ہمارے شیخ کا قول ہے کہ اغلاق سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جیسے تالا پڑ جائے، اس کے منہ سے جو کلام نکلے وہ بے مقصد ہو، یا وہ اس کی حیثیت سے ناآشنا ہو، گویا اس کے مقصد اور ارادے پہ تالا پڑ گیا۔

ابو العباس المبرد کا قول ہے کہ "غلق" کے معنی ہیں، ضیق صدر، اور قلت صبر، جس سے کوئی خلاصی نہ حاصل کر سکے۔

اخلاق بہت سے مفاہیم کا جامع ہے ہمارے شیخ کا ارشاد ہے کہ اس لفظ (اغلاق) میں طلاق مکرہ، طلاق مجنون، طلاق سکران طلاق غضب، ہر ایسی طلاق داخل ہے جس کا ارادہ درحقیقت نہ ہو، اور آدمی جو کچھ کہہ رہا ہو اس کی معرفت سے محروم ہو چکا ہو۔

غضب کی تین قسمیں غضب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عقل زائل ہو جائے۔ اور آدمی کو احساس نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس صورت میں بلا نزاع طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۲۔ غصہ زیادہ شدید نہ ہو، اور آدمی اپنے کہے کو سمجھ رہا ہو یعنی اس کے قصد و قول میں غصہ مانع نہ ہو۔ اس صورت میں بلا نزاع طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳۔ غصہ شدید ہو۔ لیکن بالکلیہ عقل زائل نہ ہوتی ہو اور اپنی زیادتی پر اسے ندامت کا احساس ہو جب غصہ اتر جائے۔

یہ صورت محل نظر ہے، لیکن اس حالت میں عدم وقوع طلاق زیادہ قوی ہے۔

طلاق قبل نکاح

آیا یہ واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سنن میں عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابن آدم کی نذر نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو، عتق نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو، طلاق نہیں ہے مگر اس میں جس کا وہ مالک ہو"!

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

نکاح سے قبل طلاق بے معنی ہے

ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ بیع اس چیز کی ہو سکتی ہے جو ملکیت میں ہو، وفا، نذر اس وقت لازم ہے جب وہ ملکیت میں ہو۔

سنن ابن ماجہ میں مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نکاح سے قبل طلاق نہیں، ملک سے قبل عتق نہیں"

وکیع ابن ابی زنب سے، وہ محمد بن المنکدر سے وہ عطاء بن ابی رباح سے، اور یہ دونوں جابر بن عبداللہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ

نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی!

عبدالرزاق ابن جریج سے اور وہ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے۔

"طلاق نکاح کے بعد ہو سکتی ہے!

ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن عباس کو اطلاع ملی کہ ابن جریج طلاق قبل از نکاح کو جائز سمجھتے ہیں، ابن عباس نے فرمایا،

"انھوں نے غلطی کی اس مسئلہ میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،" اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن یہ نہیں ارشاد فرماتا کہ اذا طلقتم المومنات ثم نکحتموھن

حضرت علی کا قول: نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے

ابو عبید، علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کہتا ہے اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے۔

علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، ملکیت سے پہلے طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔

نیز حضرت علی سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: "نکاح کے بعد ہی طلاق ہو سکتی ہے، اگرچہ کوئی شخص اسے کیوں نہ دے!

حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک

امام شافعی، احمد، اسحاق اور ان کے اصحاب، داؤد اور ان کے اصحاب، اور جمہور اہل حدیث اسی طرف گئے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق ہے تو گویا وہ ایک غیر اور اجنبی عورت کو طلاق دیتا ہے، اور یہ امر محال ہے۔

طلاق محرم

تحریم طلاق حائض و نفساء، و تحریم طلاق ثلاثہ

حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں طلاق دیدی۔

حضرت عمرؓ نے اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپؐ نے فرمایا،

"اسے حکم دو کہ رجعت کرلے، پھر اسے روکے رکھے، جب تک وہ حالت طہر میں نہ آجائے پھر حائضہ ہو، پھر طہر سے ہو، اس کے بعد اگر چاہے تو روک لے، چاہے طلاق دے دے، بغیر اس سے خلوت کیے ہوئے، یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالٰے نے طلاق نساء کے سلسلہ میں حکم دیا ہے،"

مسلم کی روایت میں "حاملہ" کا لفظ زیادہ ہے، بخاری کی روایت میں "قبل عدتہ" کے الفاظ ہیں۔

طلاق کے وجوہ اربعہ اس حکم سے ثابت ہوا کہ طلاق وجوہ اربعہ پر مبنی ہے، ان میں سے دو حلال ہیں، دو حرام ہیں۔

حلال صورت یہ ہے کہ

۱- آدمی بغیر جماع کیئے ہوئے حالت طہر میں عورت کو طلاق دے۔

۲- یا اس حالت میں طلاق دے کہ اس کا حمل ظاہر ہو۔

اور حرام صورت یہ ہے کہ:

۱- آدمی حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دیدے۔

۲- جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں طلاق دیدے،

لیکن یہ صورت اس عورت کے ساتھ ہے جس سے خلوت ہو چکی ہو، لیکن جس سے خلوت نہ ہوئی ہو، وہ خواہ حائضہ ہو یا طاہرہ، اسے طلاق دی جا سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،!

لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،!

یایھا الذین امنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا

غرض طلاق نساء کے لیئے یہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب

سنن نسائی وغیرہ میں محمود بن لبید وغیرہ کی حدیث ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں- آپ غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

"میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اور وہ کتاب اللہ سے کھیلتا ہے — ؟ — !

اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے عرض کیا۔

"کیا میں اس کی گردن اڑا دوں ؟"

مطلقہ عورت کے اقسام

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ:

۱۔ مطلقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مدخول بھا[1]۔ دوسرے غیر مدخول بھا۔ اور ان دونوں کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جہاں تک غیر مدخول بھا کا تعلق ہے، اسے حائضہ اور طاہرہ، ہر حالت میں طلاق دی جا سکتی ہے۔

۳۔ لیکن مدخول بھا کو اگر وہ حیض سے ہے یا نفاس سے ہے، طلاق دینا حرام ہے، اگرچہ وہ طہر کی حالت میں نہ ہو۔

۴۔ ہاں اگر وہ حمل سے ہو تو اسے طلاق دینا جائز ہے۔ خواہ جماع سے پہلے دی جائے یا بعد میں۔

۵۔ اور اگر وہ حاملہ نہ ہو تو بہ حالت طہر اسے جماع کے بعد طلاق نہیں دی جا سکتی یہ ہے طلاق کے بارے میں وہ اصول جو رسول ؐ کی زبان پر اللہ نے جاری کیا ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وہی طلاق واقع ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مباح کیا، اور جس کا اذن دیا ہے، جیسا کہ طلاق دینے والا، مختار، مکلّف، مدلول لفظ کا عالم، اور اس کا قصداً ارادہ کرنے والا ہیں۔

وقوع محرم میں اختلاف فکر و رائے

البتہ وقوع محرم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اس میں دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ اس طلاق کا ہے جو حالتِ حیض میں دی جائے یا طہر میں جماع کے بعد دی جائے۔ اور دوسرا مسئلہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا ہے۔

اب ہم فریقین کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔

اجماع کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے

پہلا مسئلہ یعنی وقوع طلاق محرم چنانچہ اس

[1] "مدخول بھا" فقہ کی اصطلاح میں وہ عورت ہے۔ جس سے شوہر جماع کر چکا ہو۔

کے بارے میں سلف اور خلف کے مابین ہمیشہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں جو اس کے اجماع کا مدعی ہے وہ کاذب ہے اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف معلوم الثبوت ہو، متقدمین اور متاخرین کے نزدیک۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دیدی تھی فرمایا، اس کی عدت نہیں ہے، ابو محمد بن حزم نے محلّٰی میں بھی یہ روایت اسناد کے ساتھ درج کی ہے۔

عبدالرزاق اپنی "مصنف" میں ابن جریج سے، انھوں نے ابن طاؤس سے انھوں نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ وہ اس طلاق کو تسلیم نہیں کرتے تھے جو وجہ طلاق کے خلاف ہو یا وجہ عدت کے خلاف ہو، اور وجہ طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو بغیر جماع حالت طہر میں طلاق دے، یا جب وہ حاملہ ہو۔

زید بن ثابت اور ابو محمد کی رائے

زید بن ثابت سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا جو شخص اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دی کہ وہ حائضہ ہو۔ اس پر طلاق لازم کر دی جائے گی، اور عورت تین حیض کی عدّت گزارے گی۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ اہل علم میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے حتّٰی کہ ہمارے مخالفین بھی اسے مانتے ہیں کہ جو طلاق حیض میں دی جائے، یا طہر میں جماع کر کے دی جائے۔ وہ بدعت ہے۔

مانعین وقوع طلاق کے افکار

جو لوگ وقوع طلاق محرم کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ادلہ متکاثرہ سے اس کا عدم وقوع ثابت ہے، یہ وہ طلاق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا ہے، نہ اس کی اجازت دی ہے لہٰذا یہ شرع کے ماتحت نہیں آ سکتی، پھر اس کے نفوذ اور صحت کے بارے میں کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔؟

اذن شارع اور اذن مخلوق

اگر کوئی شخص وکیل بنا کر کسی کو بیوی کے پاس بھیجے اور اس کے ذریعہ سے طلاق دے، تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس نے طلاق حرام[1] دی تو وہ واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ غیر ماذون[2] ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحت ایقاع طلاق میں اذن شارع کے مقابلہ میں اذن مخلوق مان لیا جائے؟

علاوہ ازیں شارع نے شوہر کو حالت حیض میں یا بہ حالت طہر بعد از جماع کی ممانعت کی ہے، پس اگر یہ طلاق صحیح مان لی جائے تو شارع کی ممانعت بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم جمعہ کی اذان کے وقت بیع کو باطل قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس وقت کی بیع شارع نے ممنوع قرار دی ہے، لہٰذا اس کی تنفیذ و تصحیح جائز نہیں،

نیز طلاق محرم منہی عنہ[3] ہے، پس اگر اس طلاق کو ہم صحیح قرار دیں تو پھر طلاق منہی عنہ اور ماذون[4] میں فرق کیا رہ جائے گا صحت فساد کے اعتبار سے؟

اس کے علاوہ طلاق حرام کی شارع نے ممانعت کی ہے، اسے مبغوض قرار دیا ہے اس کے وقوع کو غیر پسندیدہ بنایا ہے، بلکہ مکروہ اور حرام کیا ہے، لیکن اس کی تصحیح اور تنفیذ کے معنی یہ ہوئے کہ مقصود شارع کے بالکل خلاف عمل کیا گیا۔

پھر ایک بات اور بھی ہے،

جب نکاح منہی عنہ صحیح نہیں ہے اور اس کی عدم صحت کی بنیاد نہی ہے، پھر اس میں اور طلاق منہی عنہ میں کیا فرق ہے؟ پھر تم کس طرح نکاح منہی عنہ کو باطل قرار

---

[1] طلاق حرام، یا طلاق محرم وہ ہے، جو حالت حیض یا حالت طہر میں بعد جماع دی جائے۔

[2] غیر ماذون، یعنی جس کی اجازت نہیں ہے۔

[3] منہی عنہ یعنی ممنوع۔

[4] ماذون، جس کی اجازت ہو۔

دیتے ہو۔ اور طلاق منہی عنہ کو جائز قرار دیتے ہو؟ حالانکہ نہی کا مقتضا بطلان ہے اور وہ دونوں جگہ موجود ہے۔

پھر یہ بھی ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو بات ہمارے حکم کے خلاف ہو وہ قابل رد ہے!"

یہ بالکل صریح بات ہے کہ طلاق محرم کا آپؐ نے حکم نہیں دیا ہے، لہٰذا وہ مردود اور باطل ہے، اسے صحیح کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اور لازم و ماخذ کیونکر مانا جا سکتا ہے

علاوہ ازیں یہ طلاق محرم اللہ تعالیٰ نے کبھی مشروع نہیں فرمائی، پس یہ اسی طرح باطل ہے۔ جیسے کسی اجنبی عورت کو طلاق دینا، اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجنبیہ محل طلاق نہیں ہے، زوجہ بھی طلاق محرم کی محل کب ہے؟

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ طلاق کی دو ہی صورتیں ہیں، یا امساک بمعروف یا تسریح باحسان، اور تسریح محرم مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت ہے، لہٰذا اس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ ہم طلاق محرم کے جواز کا فتویٰ دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

قائلین وقوع طلاق محرم کے دلائل

جو لوگ طلاق محرم کے وقوع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں، اے لوگو جو طلاق محرم کے قائل نہیں ہو، تم نے جس سیڑھی پر قدم رکھا ہے، اس پر چڑھنا بہت مشکل ہے تمہارے دعوے کی تصدیق، نہ جمہور سے ہوتی ہے، نہ فتاوے صحابہ سے، نہ قرآن وسنت سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره (یعنی طلاق کے بعد پہلے شوہر کے لیے بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک دوسرے

شخص سے نکاح نہ کر لے۔

اور یہ ارشاد ہر طلاق کو عام ہے،

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء۔

یعنی طلاق شدہ عورتیں تین قروء (حیض) تک رکی رہیں۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے،

الطلاق مرتان یا فرماتا ہے والمطلقات متاع

پس طلاق محرم والی عورت بھی اس عموم میں داخل ہے، اس کے خلاف نص یا اجماع کے بغیر تخصیص جائز نہیں۔

چنانچہ حماد بن زید عبدالعزیز بن صہیب سے، وہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

"جو طلاق بدعی دے گا ہم اس پر اس کی بدعت کو لازم کر دیں گے،"

نیز عبدالباقی بن قانع اسماعیل بن امیتہ الدراع سے اور وہ حماد سے یہی روایت کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی طلاق محرم کے وقوع کا فتویٰ دے چکے ہیں۔

نیز، یہ[1] طلاق بے شک حرام ہے، لیکن اس کی تحریم اس کے ترتیب اثر کو روک سکتی، اس کا حکم ظہار کی طرح ہے جو قول منکر ہے، اور دروغ ہے، اور محرم ہے، لیکن بایں ہمہ ترتیب اثر تحریم زوجہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب تک وہ انکار نہ کر دے، اسی طرح طلاق بدعی محرم ہے، اور اس کا اثر اس پر ضرور مرتب ہوگا، جب تک رجعت نہ کر لے، لہٰذا ظہار و طلاق محرم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح قذف (تہمت) حرام ہے، لیکن اس کا اثر حد اور رد شہادت کی

---

[1] مراد وہی طلاق ہے، جو حیض کی حالت میں یا حالت طہر میں بعد جماع دی جائے۔

صورت میں مرتب ہوتا ہے۔

اسی طرح طلاق ہازل کو لیجئے، وہ بھی حرام ہے کیونکہ آیات اللہ کے ساتھ ہزل و مزاح حلال نہیں ہے، پھر اگر طلاق ہازل باوجود تحریم واقع ہو سکتی ہے، تو بہ ثبات ہوش وحواس تو اور اولیٰ ہے کہ باوجود تحریم واقع ہو۔

علاوہ ازیں عہد نکاح میں تشدید و تائید ہے، ایجاب و قبول ضروری ہے، ولی کا اور دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، زوجہ کی رضامندی (بلا جبر) ضروری ہے۔

لیکن دائرہ نکاح سے نکل جانا بہت آسان ہے، اس خروج کے لیے مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں ہے۔

نیز طلاق کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ طلاق سنت۔

۲۔ طلاق بدعت۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طلاق کی چار قسمیں ہیں۔ دو حلال۔ دو حرام، پس یہ اطلاق و تقسیم دلیل ہے اس امر کی کہ طلاق بدعی بھی طلاق ہی ہے، اس کے لیے بھی طلاق کا لفظ اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح طلاق حلال کے لیے، اگر یہ لفظ لغو ہوتا تو اس کا وجود عدم کی طرح ہوتا، اور اس فعل کو طلاق کے لفظ سے یاد نہ کیا جاتا، نہ اقسام طلاق میں شامل کیا جاتا۔

قائلین عدم وقوع طلاق محرم کے دلائل

وقوع طلاق محرم سے تمسک کرنے والوں کے یہ تھے دلائل، لیکن عدم وقوع طلاق محرم کے قائل ان کا توڑ یوں کرتے ہیں۔

تمہارا دعوائے اجماع یکسر غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں البتہ انتفاء معلوم ہے۔

کسی بات پر جمہور کا فتوے دینا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔

طلاق محرم شارع کے مرتب کیے ہوئے نصوص طلاق میں شامل نہیں ہے۔

تمہارا یہ دعویٰ کہ طلاق کرم نصوص طلاق کے ماتحت ہے اور وہ طلاق کی دو قسموں میں سے ایک ہے، تو پھر "بیع محرم" اور "نکاح محرم" بھی تو نصوص بیع و نکاح کے ماتحت ہیں، بلکہ جملہ عقود دمعہ الفاظ نقود شرعیہ کے تحت بیان کی جاتی ہیں، تو کیا انہیں صحیح مان لیا جائے گا؟

اور تم نے جو حدیث انس رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہے کہ جس نے طلاق بدعت دی اس پر ہم اس کی بدعت لازم کردیں گے۔

تو یہ حدیث باطل ہے حماد بن زید کے اصحاب ثقات میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ یہ اسماعیل بن امیہ الدراع کی حدیث ہے اور وہ کذاب ہے، اس کا ایک اور راوی عبدالباقی بن قانع ہے، برقانی نے اس کی تصنیف کی ہے، دارقطنی کہتے ہیں یہ بہت غلطی کرتا ہے اگر کسی حدیث میں یہ منفرد ہو، تو اس کی حدیث ہرگز حجت نہیں ہو سکتی۔

تم نے عثمان بن عفان، اور زید ثابت رضی اللہ عنہما کے فتوے کا ذکر کیا ہے کہ یہ وقوع طلاق محرم کے قائل تھے، لیکن یہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔

تم نے کہا ہے کہ تحریم ظہار کی طرح ترتب اثر کو مانع نہیں ہے، لیکن ظہار کی دو صورتیں نہیں ہیں کہ ایک حلال ہو دوسری حرام ہو، بلکہ وہ سراسر حرام ہے، وہ تو منکر اور دروغ ہے پس ممکن نہیں کہ اس کی دو قسمیں کی جاسکیں ایک حلال اور جائز، دوسری حرام اور باطل، پس ظہار ان افعال محرمہ کی نظیر ہے جو بہ صورت وقوع اپنے مفاسد سے مقارن ہوتے ہیں اور ان پر ویسے ہی احکام کا ترتب ہوتا ہے۔

رہی طلاق ہازل سو وہ برمحل ہے یعنی حالت طہر میں بغیر جماع دی گئی ہے، لہٰذا اسے نافذ ہونا ہی چاہیے۔

تم کہتے ہو دائرہ نکاح میں آدمی عزیمت و احتیاط کے ساتھ داخل ہوتا ہے اور اس دائرے سے نکلنا بہت آسان ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ خروج اللہ کے مقررہ کیے ہوئے قواعد کے ماتحت ہی ممکن ہے۔

ہر دو فریق کے دلائل و افکار طلاق محرم کے وقوع اور عدم وقوع کے سلسلہ میں یہ تھے، دونوں گروہوں کے دلائل، اور افکار خیالات، اس معرکہ آرا، اور نہایت نازک اور پیچیدہ مسئلہ سے متعلق۔

میں نے انھیں بسط و تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا کہ ان معرکہ آرائیوں کی روشنی میں آدمی ان کے ماخذ، دلائل، اور، اسلوب فکر کو اچھی طرح پرکھ لے اور ان سے پوری پوری واقفیت پیدا کر لے[1]

---

[1] بہرحال یہ ایک نہایت اہم اور بے انتہا معرکہ آرا مسئلہ ہے، اور سلف و خلف کے مابین، مابہ انتزاع چلا آ رہا ہے، جو مقلد جامد ہے، وہ حدود تقلید سے باہر نہیں جا سکتا، جو صاحب فکر و نظر ہے وہ اس مواد کی روشنی میں خود ایک رائے قائم کر سکتا ہے۔

تین طلاقیں ایک دفعہ میں

شریعت کے ساتھ استہزا اور تمسخر کی بدترین مثال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں، آپؐ غضبناک ہو کر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور کتاب اللہ کے ساتھ یوں وہ کھیل رہا ہے؟"

اس حدیث کے اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہیں۔ ابن وہب نے مخرمہ بن بکیر بن اشجع سے انھوں نے اشجع سے روایت کیا کہ میں نے محمود بن لبید کو اس حدیث کا ذکر کرتے سنا ہے۔

مخرمہ بن بکیر پر جرح و تعدیل اس سلسلہ اسناد میں مخرمہ ایک ثقہ شخص ہیں مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایت ان کے والد سے قبول کی ہے بعض کا دعویٰ ہے کہ مخرمہ نے بکیر سے خود سماعت نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے اپنے والد کی کتاب سے روایت کی ہے۔ ابو طالب کہتے ہیں میں نے احمدؒ بن حنبل سے مخرمہ بن بکیر کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں

نے جواب دیا۔ وہ ثقہ ہیں، انھوں نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے بلکہ ان کی کتاب سے روایت کی ہے۔ ابوبکر ابن ابی خثیمہ کہتے ہیں، میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ مخرمہ بن بکیر کے پاس ان کے والد کی کتاب تھی جس سے وہ روایت کرتے تھے۔ اپنے والد سے انھوں نے سماعت نہیں کی ہے۔

کیا مخرمہ نے کتاب سے روایت کی ہے؟

عباس الدوری کی روایت ہے کہ مخرمہ ضعیف ہیں اور ان کی حدیث اپنے والد کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے ابوداؤد کہتے ہیں مخرمہ نے اپنے والد سے صرف ایک حدیث، حدیث وتر کی سماعت کی ہے اور بس!

سعید بن مریم اپنے ماموں موسیٰ بن مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مخرمہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے پوچھا:

"کیا آپ کے والد نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے؟

مخرمہ نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے والد کو نہیں پایا، لیکن یہ ان کی کتابیں ہیں۔"

کیا مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی؟

مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ان کی کتاب سے روایت کی ہے اس کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ اپنے والد کی کتاب مخرمہ کے پاس محفوظ تھی، لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انھوں نے حدیث کی روایت باپ سے سن کر کی ہے یا ان کی کتاب دیکھ کر کی ہے۔ بلکہ کتاب سے اخذ کرنا زیادہ محتاط طریقہ ہے بشرطیکہ راوی کو یقین ہو کہ یہ اس کے شیخ کا نسخہ ہے۔

صحابہ اور سلف کا بھی یہی طریقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکاتیب ملوک وسلاطین کو بھیجا کرتے تھے اور اسی سے ان پر حجت قائم ہوتی تھی۔ بلاد اسلام

میں اپنے فرامین ارسال فرماتے تھے۔ اور عمال ان پر عمل درآمد کرتے تھے اور ان سے حجت لاتے تھے، سلف وخلف کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تحریر پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ حفظ خیانت کر سکتا ہے۔ کتاب خیانت نہیں کر سکتی متقدمین اہل علم میں سے کسی نے بھی احتجاج بالکتاب سے انکار نہیں کیا ہے نہ یہ کہا ہے کہ میں نے تو کاتب سے بالمشافہ بات نہیں کی ہے، اور اس کی کتاب کو قبول نہیں کرتا بلکہ سب کا قبول کتاب پر اجماع ہے۔

خود مخرمہ کا قول کیا ہے؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت نہیں کی ہے۔ اور مخرمہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سماعت کی ہے تو دوسرا قول زیادہ قابل قبول ہے۔

عبدالرحمٰن بن حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد سے مخرمہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا، وہ صالح الحدیث ہیں۔

ابن ابی ذئب کتاب مالک میں فرماتے ہیں کہ میں نے مخرمہ سے پوچھا کہ آپ کی جو حدیثیں آپ کے والد سے روایت کی گئی ہیں آیا آپ نے وہ اپنے والد سے سنی ہیں؟ مخرمہ نے اب البنیۃ یعنی مسجد کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے اپنے والد سے سماعت کی ہے۔

علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے معن بن عیسٰی کو کہتے ہوئے سنا کہ مخرمہ نے اپنے والد سے سماعت کی ہے۔

امام مالک کا مخرمہ سے استفسار

اور ویسے اتنا ہی کافی ہے کہ امام مالک نے ان کی کتاب بھی دیکھی اور اس سے اپنی مؤطا میں احتجاج کیا، اور فرمایا کرتے تھے۔

"مجھ سے یہ حدیث مخرمہ نے بیان کی اور وہ ایک صالح شخص تھے۔

ابوحاتم کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن ابی اویس سے پوچھا:

"مالک بن انس یہ جو کہا کرتے ہیں کہ حدثنی الثقہ (مجھ سے ایک ثقہ شخص

نے حدیث بیان کی) تو یہ ثقہ کون ہے؟

انھوں نے جواب دیا" مخرمہ ابن بکیر!

کیا ایک دفعہ کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

(اب ہم اصل مسئلہ پر آتے ہیں) صحیح مسلم میں ابن عمرؓ نے ایک دفعہ تین طلاقیں دینے والے شخص سے کہا۔

اب تیری بیوی تجھ پر حرام ہوگئی۔ جب تک وہ تیرے علاوہ کسی غیر شخص سے نکاح نہ کرلے۔ یہ طلاق دے کر تو نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

یہ ہے ابن عمرؓ کی تفسیر طلاق ماموریہ[1] سے متعلق، اور یہ تفسیر ایک (جلیل القدر) صحابی کی ہے جو بہر حال حجت ہے۔ حاکم کا قول ہے کہ ابن عمر کی یہ تفسیر در حقیقت مرفوع حدیث ہے۔

طلاق مشروع کیا ہے؟

جو شخص قرآن کریم پر پوری طرح غور کرے گا اس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ طلاق مشروع بعد خلوت صحیحہ وہ طلاق ہے جس میں رجعت ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقوں کا کہیں بھی حکم نہیں دیا ہے وہ فرماتا ہے:

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء

نیز فرماتا ہے:

وبعولتھن احق بردھن، یعنی شوہروں کو (طلاق دے کر) انھیں واپس لے لینے کا زیادہ حق ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر طلاق بعد جماع میں شوہر کو رجعت کا حق ہے، سوا اس طلاق کے جو ان دو کے بعد ہو یعنی تیسری۔

قرآن میں اقسام طلاق کا ذکر

غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جملہ اقسام طلاق اور ان کے احکام بیان کر دیے ہیں چنانچہ

[1] ماموریہ، یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن میں طلاق قبل از خلوت کا ذکر ہے جس کے لیے کوئی عدت نہیں تیسری طلاق کا ذکر ہے جس کے بعد بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کر لے۔ طلاق فدیہ یعنی خلع کا ذکر ہے۔ طلاق رجعی کا ذکر ہے۔ اس سے احمدؒ اور شافعیؒ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ شرع میں بعد جماع پہلی طلاق کے بغیر دوسری طلاق (بائنہ) نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے۔

"میں نے تجھے طلاق بائنہ دی"

تو یہ بائنہ کے بجائے رجعی قرار دی جائے گی اور اس کا وصف بلنونت لغو ہوگا کیونکہ شوہر کو حق ابانت بغیر رجعی طلاق دیئے نہیں حاصل ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاق واقع ہو جائیں گی، کیونکہ رجعت شوہر کا حق ہے اور وہ اپنے اس حق سے چاہے تو فائدہ نہ اٹھائے۔

لیکن اس کے برعکس جمہور فقہا کا کہنا یہ ہے کہ بے شک رجعت شوہر کا حق ہے لیکن مطلقہ رجعیہ کا نفقہ اور لباس، عورت کا حق ہے۔ شوہر کو اسے ساقط کرنے کا حق کہاں سے ملا؟ یہ اسی وقت ساقط ہو سکتا ہے۔ جب بیوی خود اس سے دستبردار ہونے پر تیار ہو جائے۔

علاوہ ازیں اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے اکمل وجوہ پر مشروع پر کیا ہے، جو مرد اور عورت دونوں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ مرد جب چاہتا طلاق دے دیتا جب چاہتا رجعت کر لیتا اس طرح مرد کے لیے تو آسانی ہی آسانی تھی۔ لیکن عورت کے لیے ضرر ہی ضرر تھا اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ منسوخ کر دیا۔ تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی، اور قبل از انقضائے عدت تک رجعت کا حق دیا۔ استیفاء عدت کے بعد عورت کو مرد پر حرام کر دیا۔ اس طرح مرد کو یہ آسانی ہو گئی کہ ایک طلاق سے عورت حرام نہیں ہوئی، اور عورت

کو یہ سہولت ہے کہ تین طلاقیں ختم ہونے کے بعد مرد کا اس پر کوئی زور نہیں رہا، پس یہ اللہ کی کوئی شرع اور حکمت ہے اور حدود ہیں جن میں صلاح عباد کا خیال رکھا گیا ہے۔ پس اگر ایک ہی دفعہ کی طلاق میں وہ حرام ہو جاتی تو یہ خلاف شرع و حکمت ہوتا۔ مرد ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ ایک ایک کر کے دے سکتا ہے ایک سے زیادہ اگر دیتا ہے تو وہ غیر مباح ہے، پس جس طرح ایک طلاق دے شوہر ابانت (بائنہ) کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ خلاف شرع ہے، اسی طرح، ایک ساتھ تین طلاقیں دے کر ابانت کا حق نہیں حاصل کر سکتا۔ کیونکہ یہ بھی خلاف شرع ہے۔

مسئلہ زیر بحث کا اصل نکتہ

اس مسئلہ میں اصل نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے طلاق بائنہ کی صرف دو موقعوں پر اباحت رکھی ہے۔

ایک طلاق غیر مدخول بہا — یعنی جس عورت سے ابھی جماع نہ کیا گیا ہو۔

دوسری تیسری طلاق کے بعد۔

ان دونوں صورتوں کے علاوہ شوہر کے لیے رجعت کا حق رکھا ہے، اور یہ بالکل مقتضائے قرآن ہے اور یہی جمہور کا قول ہے، مثلاً امام احمدؒ، امام شافعیؒ وغیرہ

اہل ظاہر کا قول

اہل ظاہر کا قول ہے کہ بدون طلاق ثلاث، شوہر ابانت کا مالک نہیں ہو سکتا سوا خلع کے۔

ابن وہب کا مسلک

اصحاب مالک میں، ابن وہب ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو رجعی قرار دیتے ہیں۔ یہی کتاب، سنت اور قیاس کا مقتضا ہے اور یہی اکثر فقہا کا مسلک ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق مذاہب فقہ

اور ایک ساتھ تین طلاقوں کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس میں چار مذاہب ہیں۔

الف۔ ایک مذہب یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہ ائمہ اربعہ، جمہور تابعین، اور اکثر صحابہ کرام کا مذہب ہے۔

ب۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی بلکہ رد کر دی جائیں گی۔ کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے۔ اور بدعت مردود ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا ہے وہ قابل رد ہے"۔

اس مذہب کی حکایت ابو محمد بن حزم اور امام احمد کی طرف کی جاتی ہے لیکن وہ اس کے منکر ہیں۔ ؟ کا قول بھی یہی ہے۔

ج۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق مانی جائے گی جو رجعی ہو گی۔ یہ مسلک ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔ جس کی ابو داؤد نے ان سے روایت کی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں ابن اسحاق کا مذہب بھی یہی ہے وہ کہتے ہیں خلاف سنت بات، سنت کی طرف رد کر دی جائے گی۔ طاؤس اور عکرمہ کا قول بھی یہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

د۔ اس معاملہ میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کیا جائے گا۔ چنانچہ مدخول بہا (جس سے جماع کیا جا چکا ہو) پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور غیر مدخول بہا پر ایک واقع ہو گی۔

یہ اصحاب ابن عباس کی ایک جماعت کا قول ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا مذہب بھی یہی ہے جن سے محمد بن نصر مروزی نے کتاب اختلاف العلماء میں نقل کیا ہے۔

جو لوگ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں، وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ نص اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے۔

ابن عباس سے سوال وجواب

جہاں تک نص کا تعلق ہے، معمر اور ابن جریج ابن طاؤس سے اور وہ طاؤس سے روایت کرتے

ہیں کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے کہا۔

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں؟ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے پورے عہد خلافت میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ نیز امارت عمر رضی اللہ عنہ، کے عہد میں بھی کافی مدت تک یہی طریقہ جاری رہا۔

ابن عباس نے جواب دیا" ہاں!"

یہ روایت مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔

امام احمدؒ کا ارشاد

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم سے سعد بن ابراہیم نے، انھوں نے اپنے والد ابراہیم سے، انھوں نے محمد بن اسحاق سے انھوں نے داؤد بن حصین سے انھوں نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں مجلس واحد میں (بیک وقت) دیں، پھر بعد میں اپنی اس حرکت پر بہت ملول اور غمگین ہوئے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا۔

"تم نے کس طرح طلاق دی تھی۔؟"

رکانہ نے جواب دیا۔

میں نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں؟

آپؐ نے پوچھا، "مجلس واحد میں؟

رکانہ نے کہا، "جی ہاں!"

آپؐ نے فرمایا،

"وہ ایک ہی ہے چاہو تو رجعت کر لو"

رکانہ کہتے ہیں "پھر میں نے رجعت کر لی!

ابن عباس کے نزدیک طلاق ہر طہر ہی میں دی جا سکتی ہے۔

قیاس کیا کہتا ہے

اب رہا قیاس۔ سو اس نقطہ نظر سے بھی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تین طلاقوں کا بیک وقت جمع کرنا حرام ہے اور بدعت ہے اور ہر بدعت مردود ہے۔ کیونکہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہے۔ غرض بیان تحریم طلاق ثلاثہ سے متعلق جو کچھ بتایا اور کہا جا چکا ہے وہ اس پر دال ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں۔

اپنے خلاف چار شہادتیں بھی تابڑ توڑ نہیں

اقرار زنا سے متعلق حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بعض صحابہ نے ماعز سے کہا،

"اگر تو نے چار مرتبہ اقرار (زنا) کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے سنگسار کرا دیں گے!"

اور یہ چار مرتبہ تابڑ توڑ کہنا خلاف عقل ہے، ایک ہی واقعہ میں چاروں اقرار نہیں ہو سکتے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کی تفریق

وہ لوگ جو مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کرتے ہیں، ان کی دو دلیلیں ہیں، ایک تو وہ ہے جو ابو داؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ طاؤس سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی جس کا نام ابوالصہباء تھا، ابن عباس سے اکثر سوالات کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس سے ابن عباس نے کہا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو جماع سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا، تو وہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیق اور صدر امارت عمرؓ تک ایک ہی مانی جاتی، پھر جب عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بہ کثرت یہ کام کرنے لگے ہیں تو انہوں نے فرمایا:

"ان لوگوں پر پھر اسے مسلط ہی کر دو!"

نقل وقیاس کی تائید یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو لازم کر دینا حضرت عمرؓ کا فیصلہ تو تھا، لیکن مدخول بہا کے لیے ہے اور حدیث ابو الصہباء غیر مدخول بہا کے لیے ہے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کی تفریق میں جانبین کے پاس منقولی دلائل موجود ہیں قیاس تائید بھی دونوں کو حاصل ہے، اور بقول ابن حزم ان اقوال میں سے ہر قول کے ساتھ اہل فتویٰ کی جماعت موجود ہے۔

مذہب امامیہ اور اہلِ بیت کا مسلک لیکن ایک وقت میں دی ہوئی تین سے طلاقوں کا قطعاً کسی صورت میں بھی واقع نہ ہونا امامیہ فرقہ کا مذہب ہے، اہلِ بیت کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے

ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں پر گفتگو جو لوگ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو درست مانتے ہیں وہ کہتے ہیں، اس مسئلہ پر گفتگو کرو گے تو دُو باتیں سامنے آئیں گی، ایک تحرم جمع ثلاث، یعنی ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کی حرمت، دوسرے، ان طلاقوں کا فوری وقوع، حرمت کے باوجود،

اب ہم اس مسئلہ پر دُو طرح گفتگو کریں گے،

پہلی بات یہ کہ شافعی، ابو ثور، احمد بن حنبل (ایک روایت میں) اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ جمع ثلاث سنت ہے، اور دلیل قول خدائے تعالیٰ سے یہ ہے کہ (یعنی اگر (کوئی شخص اپنی) بیوی کو طلاق دیدے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے)۔

اس ارشاد خداوندی میں اس کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ طلاق ایک ساتھ دی جائے یا الگ الگ کر کے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جس چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفریق نہیں کی ہے ہم کرنے لگیں، بالکل اسی طرح جیسے اس چیز میں ہم جمع نہیں کر سکتے جس میں خدا نے تفریق کر دی ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

(یعنی اگر تم، عورتوں کو ہاتھ لگانے (جماع) سے پہلے طلاق دو۔
اس طلاق میں بھی جمع وتفریق کا کوئی ذکر نہیں ہے، (اسی طرح کئی دوسری آیتیں ہیں جن میں طلاق کا بغیر جمع وتفریق کی تصریح کا ذکر ہے۔

فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال

صحیحین میں ابوسلمہ بن عبدالرحمانؒ کی حدیث ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے انھیں خبر دی کہ ان کے شوہر ابوحفص بن مغیرہ مخزومی نے انہیں تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، پھر یمن چلے گئے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا،
"ابوحفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، آیا وہ نفقہ کی مستحق ہیں؟"
آپؐ نے فرمایا، "وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے، عدت گزارے!"
صحیح مسلم کی ایک روایت میں اسی قصہ سے متعلق یہ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا
"جس عورت کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں، اس کے لیے نہ نفقہ ہے، نہ سکنیٰ!"
عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں یحییٰ بن علاء سے انھوں نے عبیداللہ بن ولید سے، انھوں نے ابراہیم بن عبیداللہ بن عبادہ بن صامت سے انھوں نے داؤد سے، انھوں نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا، میرے دادا نے اپنی (ایک) بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں میرے والد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!
"تمہارا جد خدا سے نہیں ڈرا، ان (طلاقوں میں سے) تین تو ہو گئیں باقی ۹۹۷ ظلم وعدوان کی حیثیت رکھتی ہیں، خدا نے اگر چاہا تو اس حرکت پر عذاب دے گا، چاہے گا تو بخش دے گا!"
بیہقی کہتے ہیں سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک بن حارث، محمد بن ایاس بن بکیر وغیرہ، نیز معاویہ بن ابی عیاش انصاری، یہ سب کے سب ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک وقت میں دی گئی تین

طلاقوں کو جائز رکھا۔ اور انہیں ماخذ کیا۔

ابن منذر کہتے ہیں یہ بات قطعًا نادرست ہے کہ ابن عباس کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات جانتے ہوں، اور اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

حدیث میں تعارض ہو تو عمل صحابہ دیکھا جائے گا

اور اگر احادیث میں کچھ تعارض نظر آئے، تو ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھیں گے، کیونکہ وہ سنت رسول ؐ کے زیادہ عالم تھے چنانچہ حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی ایک ہزار دی ہوئی طلاقوں میں سے تین نافذ کر دیں، جب اس نے مذاق کا عذر کیا تو اسے درّے سے مارا بھی،

اسی طرح، وکیع، اعمش سے، اور وہ حبیب بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا۔

"میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں"!

حضرت علی نے فرمایا، "وہ تین طلاق سے بائنہ ہو گئی! باقی طلاقیں اپنی دوسری بیویوں پر تقسیم کر دے"!

اسی طرح حضرت عثمان کا فیصلہ بھی مروی ہے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں محمد بن ریاس کی روایت درج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوہریرہ و عبداللہ بن عمرو بن العاص، رضی اللہ عنہم سے ایک باکرہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا۔ جس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں دیدی تھیں ان سب نے یہ فتویٰ دیا کہ اب یہ عورت اپنے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ اور ظاہر ہے یہ سب جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے! انھوں نے ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کو جائز ٹھہرایا۔

امر صواب حرام نہیں کیا جا سکتا

غرض اس مسئلہ میں ہم اصحاب رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کے تباع ہیں کہ یہ سنت و شرع رسول ؐ کے زیادہ عالم تھے۔ اگر شریعت سے یہ ثابت ہوتا کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہوں گی، تو یہ بات ان سے مخفی نہ رہتی، تو یہ ہرگز ایک امر صواب کو حرام نہ قرار دیتے۔

مانعین طلاق ثلاث کا قول مانعین وقوع طلاق ثلاث کہتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے تم پر کوئی بات نہیں ٹھونستے ہم تو جو کچھ کہتے ہیں۔ وہ منصوص من اللہ ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ثابت ہے، یا اجماع متیقن ہے جو شک وشبہہ سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (یعنی اگر تم میں کسی مسئلہ پر تنازعت ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ)!

پس یہ مسئلہ خدا اور رسول کے سوا، کسی اور طرف لوٹایا نہیں جا سکتا۔

قرآن سے جمع ثلاث ثابت نہیں تمہارا یہ دعویٰ کہ قرآن جواز جمع طلاق ثلاث پر دال ہے یہ سراسر غیر مقبول دعویٰ ہے، بلکہ باطل ہے، تم نے قرآن کے لفظ طلاق کو مطلق طور پر لیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ قرآن ہر طلاق کو جائز نہیں قرار دیتا، اسی نے احکام طلاق کو صاف اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اور حلال وحرام کی تشریح کر دی ہے۔

روایت کا اخذ، اور فتوے سے اعراض اور تمہارا فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال تو حد درجہ حیرت انگیز ہے۔ تم نے اس چیز کی تو مخالفت کی ہے جو صریح ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے یعنی بائن کے لیے سقوط نفقہ وکسوہ (لباس) حالانکہ صحت صراحت کے ساتھ ثابت ہے، اور اس کی معارض کوئی اور حدیث بھی نہیں ہے۔ اور تمسک اس چیز سے کیا ہے جو یہ ہے اس حدیث میں "طلقھا ثلاثۃ (فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دیں)، یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، بلکہ زہری نے عبید اللہ

بن عبداللہ بن عتبہ سے جو روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ ابو حفص نے فاطمہ بنت قیس کو وہ طلاق دی جو باقی تھی، بلکہ صحیح کے لفظ یہ ہیں کہ ابو حفص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقوں کی آخری (تیسری) طلاق دی، یہ سند صحیح متصل ہے اور آفتاب کی طرح روشن ہے، پھر اس سے اپنے مطلب کی دلیل لانا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ جب کہ درحقیقت یہ حجت خود تمہارے خلاف ہے۔

ساقط الاعتبار حدیث تم نے عبادہ بن صامت کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جسے عبدالرزاق نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث قطعاً ساقط الاعتبار ہے، اس کے سلسلہ روایت میں یحییٰ بن علاء ہیں، جنہوں نے عبیداللہ بن ولید وصافی سے، اور انھوں نے ابراہیم بن عبیداللہ سے روایت کی ہے اور یہ ضعیف ہیں، مجہول ہیں،

اور سب سے بڑھ کر اس حدیث کے کذب و بطلان کی جو دلیل ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن صامت نے اسلام قبول کیا تھا پھر وہ اپنے دادا کی طلاق کے بارے میں کس طرح سوال کر سکتے تھے؟

حدیث ابو الصہباء پر گفتگو اور حدیث ابو الصہباء کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مسالک گوناگوں اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح اور درست نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں یہ اعتراض کہ اس کی روایت میں مسلم منفرد ہیں اور بخاری نے اسے قبول کرنے سے اعراض کیا ہے، حدیث کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے؟ کیا بخاری نے کبھی بھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے جو حدیث اپنی کتاب میں درج نہیں کی وہ باطل ہے؟ حجت نہیں ہے؟ ضعیف ہے؟

تم نے ابن عباس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی مناقض سے خالی نہیں، ابن عباس نے بریرہ کی حدیث وتخییر کی روایت کی ہے، مگر یہ بیع طلاق نہیں تھی، ابن عباس کی رائے میں باندی کی بیع اس کی طلاق ہے، تم نے ابن عباس کی روایت

لے لی، اور رائے چھوڑ دی۔ تم کہتے ہو، روایت معلوم ہے، اور صحابی کی رائے غیر معلوم ہے، حالانکہ روایت بھی احتمالات عدیدہ مثلاً، انسیان، تاویل، نسخ، تخصیص وغیرہ کی محتمل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ کی حدیث تسبیع ہے جو وقوع قلب سے متعلق ہے، جس کے خلاف انھوں نے فتویٰ دیا ہے۔ تم نے ان کی روایت قبول کر لی، اور فتویٰ ترک کر دیا، اگر ہم اس طرح کی مثالیں پیش کرنے پر آئیں کہ تم نے صحابی کی روایت لے لی۔ اور اس کا فتویٰ نظر انداز کر رہے ہو تو فہرست لمبی ہو جائے گی۔

تم نے ابن عباس سے عکرمہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے جو طلاق ثلاث کے بعد نسخ مراجعت (رجعت) پر مشتمل ہے، اسے اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی تمہاری حسب دل خواہ بات اس سے نہیں نکلتی، اس میں بھی تو ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور اس سے جتنی بار چاہے مراجعت کر لے، بے شک یہ بات منسوخ ہے پھر معاملہ تین طلاقوں پر محدود ہو گیا۔ جس کے بعد رجعت کی اجازت نہیں رہی، لیکن اس سے تین طلاقیں ایک دفعہ میں کب ثابت ہوتی ہیں؟ علاوہ ازیں کیونکر ممکن تھا کہ عہد رسالت مآبؐ، عہد ابوبکر صدیق، اور دورِ خلافت عمرؓ کے زمانہ وسطیٰ تک نسخ کے بعد بھی یہ تعامل جاری رہتا؟ کیونکر ممکن تھا کہ امت ایک ایسے مسئلہ سے لاعلم رہتی جس پر کسی عورت کے حلال یا حرام ہونے کا انحصار تھا۔

قضائے عمر رضی اللہ عنہ کی مصلحت

نیز حضرت عمرؓ کی قضا جمع طلاق ثلاث کی تو یہ ایک طرح کی عقوبت تھی۔ کہ طلاق دینے والا جان لے کہ اگر اس نے بیک مجلس تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، تو وہ باز رہے گا۔ اور طلاق مشروع و ماذون کی طرف لوٹ آئے گا، یہ رعیت کے لیے حضرت عمرؓ کی تادیب تھی، کیونکہ لوگوں نے بکثرت یہ کام شروع کر دیا تھا۔

تعارض حدیث اور عمل صحابہ

تم کہتے ہو کہ اگر ہمارے سامنے متعارض حدیثیں ہوں تو ہم عمل صحابہ کو دیکھیں گے، یہ ٹھیک ہے

لیکن تمہیں یہ کب زیب دیتا ہے، کہ ہمیں تو ایک امر کی دعوت دو، اور خود ہی اس سے روگرداں ہو جاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی، تو کم و بیش ایک لاکھ صحابہ موجود تھے۔ جنھوں نے آپؐ کو دیکھا تھا اور آپؐ سے سنا تھا، کیا تم ان سب سے، یا ان کے دسویں حصہ سے یا دسویں کے دسویں حصہ سے

بیک وقت لزوم طلاق ثلاث ثابت کر سکتے ہو؟ تم پوری کوشش کر ڈالو، بیس صحابی بھی جو آپس میں گو مختلف الراے ہوں، ایسے نہیں ملیں گے جن سے تم اپنا دعویٰ نقل کر سکو، اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارا کہنا سچ ہی ہوگا کہ اس مسئلہ پر قدیم سے اجماع ہے، رسول اللہؐ کے وقت سے لے کر ابو بکر صدیق کے عہد تک دو صحابی بھی ایسے نہیں ملیں گے، جنہوں نے عدم وقوع طلاق ثلاث سے انکار کیا ہو، اور یہ عصر اجماع اس وقت تک ختم نہیں ہوا، جب تک اختلاف رونما نہیں ہوا، اور صحابہ کے دو قولوں پر ہونے کے باعث اجماع اور مستقر بھی نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ ان کے مابین اختلاف پیدا ہوا، اور یہ مستمر طور پر آج تک موجود ہے

حضرت عمرؓ کی رائے، حدیث نہیں

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اپنے عہد سے پہلے کے اجماع سے اختلاف نہیں کیا بلکہ وقوع طلاق ثلاث کو عقوبت کے طور پر لازم کیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا حرام ہے، اور کوئی شبہہ نہیں کہ امام وقت کے لیے یہ روا ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو تادیب عقوبت کے طور پر قطعی طور پر اللہ کی دی ہوئی رخصت واپس لے لے۔ اور شدت اور سختی کی پالیسی اختیار کر لے، ائمہ نے ایسا کیا ہے، پھر حضرت عمرؓ جیسا شخص جس کی نگاہ امت اور اس کی تادیب پر بہت زیادہ تھی، اس فعل حرام کے شیوع عام پر ایسا کیوں نہ کرتا؟ عقوبت، اختلاف، اشخاص و ازمنہ کے ساتھ مختلف ہوتی رہتی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس فعل کے جواز میں یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یہ صرف ان کی رائے ہے جو امت کی مصلحت عمومی کی بنیاد

پھر انھوں نے قائم کی تھی، جو انہیں ایقاع طلاق ثلاث میں جلد بازی سے روکنے کے لیے کافی تھی، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا۔

"بہتر ہو کہ ہم اسے (تین طلاقیں ایک دفعہ) ان پر عائد کر دیں!"

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کی رائے تھی،

حدیث نبوی نہیں تھی"؟

غلام کی طلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ایک غلام نے اپنی بیوی کو، — جو خود بھی باندی ہے — دو طلاقیں دیں پھر اسے آزاد کر دیا، آیا اب وہ اس کے لیے حلال ہوگئی۔

ابن عباس کا فتویٰ اہل سنن نے ابوالحسن مولیٰ بنی نوفل کی حدیث روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے ابن عباس سے فتویٰ پوچھا کہ ایک غلام اپنی بیوی کو جو باندی ہے، دو طلاقیں دے دیتا ہے، اس کے بعد، دونوں آزاد ہو جاتے ہیں، تو کیا اب یہ آزاد شدہ غلام اس آزاد شدہ باندی سے شادی کر سکتا ہے؟

ابن عباس نے جواب دیا، "ہاں، — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا ہے!

ایک اور روایت میں ہے کہ ابن عباس نے کہا، "اور اب اس شخص کے لیے ایک طلاق باقی رہ گئی،! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اسی طرح کا ہے،!"

فقہاء کے اقوال اربعہ

نسائی کہتے ہیں، اگر غلام آزاد ہوگیا، اور زوجہ اس کے حبالۂ عقد میں ہے تو اب وہ پوری تین طلاقوں کا مالک بن گیا، اور اس نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، تو اس بارے میں فقہا کے چار اقوال ہیں!

۱۔ وہ عورت اب اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی۔ جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کرلے، عام اس سے کہ وہ حرّہ ہو یا باندی، یہ امام شافعی، اور احمد کا قول (ایک روایت کے مطابق) ہے اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ طلاق مرد کا حق ہے۔ اور یہ غلام دو طلاقوں کا حق رکھتا ہے بیوی آزاد ہو یا غلام اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲۔ یہ کہ طلاق کے بعد، فوراً پھر اس عورت سے بغیر کسی شرط کے عقد کرلے۔ جیسا کہ عمرو بن معتب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے، نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اشوافع کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔

یہ قول نفقہ رفیق کا حامل ہے، کیونکہ غلامی کے باعث اسے دو طلاقوں سے زیادہ کا حق نہ تھا، اب اگر وہ آزاد ہوا، اور بیوی عدت میں ہے تو نقص غلامی زائل ہوگیا، اور تین طلاقوں کی ملکیت کا سبب پیدا ہوگیا، چونکہ نکاح کے آثار باقی ہیں، لہٰذا اسے رجعت کا حق حاصل ہے۔

البتہ انقضائے عدت کے بعد اگر وہ آزاد ہوا، تو بیوی بائنہ ہوگئی، البتہ بغیر دوسری شادی کیے ہوئے بہ حیثیت باندی کے وہ اس کے لیے حلال ہوسکتی ہے۔

۳۔ دورانِ عدت میں شوہر کو رجعت کر لینے کا حق حاصل ہے، اور اس کے بعد، بدون زوج و اصابہ کے اس سے نکاح کرلے، اگرچہ وہ آزاد نہ ہوا ہو۔ تمام اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے، ان کے نزدیک طلاق میں عبد اور حر برابر ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے ابو معبد مولیٰ ابن عباس سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں، ابن عباس نے اسے حکم دیا کہ رجعت کر لے، مگر اس نے رجعت کرنے سے انکار کر دیا ابن عباس نے کہا۔

"یہ (بہر حال) تیری ہے، !"

"ملک یمین"، کی حیثیت سے انہوں نے اس کے لیے اسے حلال کر دیا،

۴۔ اگر زوجہ حرّہ ہے، تو شوہر کو اس کے لیے تین طلاقوں کا حق حاصل ہے، اور اگر باندی ہے۔ تو جب تک کسی دوسرے شخص سے شادی نہ کرے حرام ہو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے،

مسئلہ زیر بحث سے متعلق چار اقوال

لیکن یہ مسئلہ سلف وخلف کے مابین اختلافی ہے اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں!

۱۔ عبد اور حر کی طلاق یکساں ہے، ۔ تمام اہل ظاہر کا مسلک یہی ہے، طلاق سے متعلق عموم نص سے انہوں نے احتجاج کیا ہے کہ اس میں عبد اور حر کی تفریق نہیں ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظ دی، جو باندی تھی، اس پر ابن عباس نے فرمایا۔

"تجھے طلاق کا حق نہیں ہے، لہذا رجعت کر لے، !"

عبد الرزاق معمر سے وہ سماک بن فضل سے روایت کرتے ہیں کہ اس غلام نے اس بارے میں ابن عمر رض سے سوال کیا، انہوں نے جواب میں کہا۔

"ہرگز رجعت مت کر، اگر چہ تیرا سر اڑا دیا جائے، !"

اس فتوے کی اساس یہ تھی کہ غلام کا نکاح اور طلاق آقا کے ہاتھ میں ہے۔

عبدالرزاق نے ابن جریج سے، انہوں نے ابوالزبیر سے روایت کیا کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔

"غلام اور باندی کو آقا (نکاح کے بندھن میں) جمع کر سکتا، اور وہی ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے۔"

ابوالشعثاء کا قول بھی یہی ہے۔

شعبی کا قول ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر طلاق نہیں دے سکتا، ابن عباس کا ماخذ یہی ہے، نہ یہ کہ غلام کو تین طلاقوں کا حق ہے اگر اس کی شادی باندی سے ہوئی ہو، لیکن ہمارے علم میں کسی اور صحابی کا اس طرح کا قول نہیں ہے۔

۲۔ زوجیت اگر غلام ہیں، تو بہ سبب رق (غلامی) دو طلاقیں ہوں گی۔

۳۔ طلاق رجال کا حق ہے،

مرد حر، تین طلاقوں کا مالک ہے اگر چہ اس کی بیوی باندی ہو، غلام دو طلاقوں کا مالک اگر چہ اس کی بیوی حرّہ ہو،

امام شافعی، مالک، اور احمد کا قول یہی ہے، علاوہ ازیں زید بن ثابت عائشہ رض ام سلمہ رض، ام المومنین، عثمان بن عفان، اور عبداللہ بن عباس کا قول بھی یہی ہے، نیز قاسم، سالم ابو سلمہ، عمر بن عبدالعزیز، یحییٰ بن سعید ربیعہ، ابوالزناد، سلیمان بن یسار، عمرو بن شعیب، ابن المسیب، اور عطا کا مذہب بھی یہی ہے۔

۴۔ عدّت کی طرح طلاق بھی عورت کی ہے۔

حسن، ابن سیرین، قتادہ، ابراہیم، شعبی، عکرمہ، مجاہد ثوری، حسن بن حی، اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے۔

ام المومنین ام سلمہ کی روایت

اگر کہا جائے کہ اس قول کی دلیل کیا ہے تو جواب میں کہا جائے گا کہ عبدالرزاق

ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ انصاری سے، اور وہ نافع سے، اور وہ ام سلمہ اور ام المومنین سے کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں جو حرّہ تھی، ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں استفسار کیا، وہ کہتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا،

اب یہ عورت اس پر حرام ہو گئی، جب تک کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے،،۔،،

آثار و قیاس میں تعارض

لیکن یہ آثار از روئے روایت ثابت نہیں ہیں، آثار صحابہ و قیاس بھی متعارض ہیں۔

جو لوگ مطلق (طلاق دینے والے) کی طرف مائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ طلاق کا مالک وہی ہے، اور غلامی کی وجہ سے یہ ملکیت منتصف رہ جائے گی، جیسے نصاب منکوحات غلامی کے باعث نصف رہ جاتا ہے۔

جو لوگ مطلقہ کی طرف مائل ہیں، وہ کہتے ہیں طلاق عورت پر واقع ہوتی ہے، عدت، تحریم اور توابع اس پر لازم آتے ہیں، لہٰذا عدّت کی طرح یہاں بھی نصف کا معاملہ ہو گا۔

اطلاق نصوص سے تمسک

جو لوگ مملوک کے لیے تین طلاق کا حق تسلیم کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ آثار ثابت نہیں ہیں، اور صحابہ سے جو کچھ منقول ہے وہ متعارض ہے، یہی حال قیاس کا ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر بھروسہ کیا جاسکے ہے، لہٰذا وہ اطلاق نصوص سے تمسّک کرتے ہیں جو اس پر دال ہیں کہ طلاق رجعی دو ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس باب میں مرد حر اور غلام میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ نہ حرّہ اور باندی کے مابین کسی طرح کا فرق رکھا ہے۔

ائمہ فقہ کے اقوال امام مالک کہتے ہیں کہ مملوک بھی مرد حر کی طرح چار بیویاں رکھ سکتا ہے کیونکہ اس کی حاجت بھی مرد حر کی طرح ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مملوک اور مرد حر کی طلاق عملاً یکساں ہیں اگر ان کی بیویاں حرہ ہوں، کیونکہ نصوص طلاق مطلق طور پر وارد ہوتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مملوک اور مرد حر کے صیام کفارات یکساں ہیں اسی طرح مملوک اور حُر کی حد سرقہ اور شراب نوشی کی یکساں ہے۔

اگر آثار صحابہ متفقہ ہوتے تو ہم کسی اور طرف رُخ نہ کرتے، کیونکہ حق وہیں مل سکتا ہے،

طلاق حقِ زوج ہے

اللہ تعالٰے فرماتا ہے،!

یاایھا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن ، یعنی اے مسلمانوں جب تم مؤمنات سے نکاح کرو، اور پھر انہیں طلاق دو)

نیز فرمایا!

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوفارقوھن بمعروف۔

اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، پس جب وہ اپنی عدت گزار لیں، تو باخوبی کے ساتھ رجعت کرلو، یا خوبی کے ساتھ جدائی اختیار کرلو)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالٰے نے طلاق کا حق اسے دیا ہے جو نکاح کرتا ہے۔ کیونکہ اسی کو امساک یعنی رجعت کا حق بھی ہے۔

سنن ابن ماجہ کی روایت

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابن عباسؓ کی حدیث درج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک شخص آیا اس نے عرض کیا۔

یارسول اللہ، میرے آقا نے اپنی ایک باندی سے میری شادی کر دی، اور اب وہ میرے اور اس کے درمیان تفریق چاہتا ہے،!"

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سن کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم منبر پر چڑھے اور فرمایا،!

لوگو یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے غلام کی شادی، اپنی باندی

سے کر دیتا ہے، پھر اسے دونوں میں تفریق کرانا چاہتا ہے ر یاد رکھو بے شک طلاق اس کا حق ہے، جو اپنی بیوی سے تمتع کرتا ہے۔!"

کیا نکاح و طلاق کا مالک آقا ہے

عبدالکریم جزری عطا سے روایت کرتے ہیں کہ "غلام کی طلاق کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔!"

ابوالزبیر جابر سے روایت کرتے ہیں کہ:

باندی اور غلام کو آقا جمع (نکاح) کر سکتا ہے، اور وہی ان دونوں میں تفریق (طلاق) کر سکتا ہے۔!"

قضائے رسول اللہ ﷺ سب پر مقدم ہے

لیکن بہر حال قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتباع اور پیروی کی زیادہ حقدار ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث اوپر ذکر ہوئی، اگرچہ اس کی اسناد کمزور ہے، لیکن قرآن سے اسے قوت حاصل ہے، اور اس پر لوگوں کا عمل ہے۔!"

تین طلاقیں

دوسرے شخص سے نکاح کے بعد پہلا شوہر پورا کرے گا

ابن مبارک عثمان بن مقسم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبیہہ بن بنت وہب کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ایسی عورت کے بارے میں جسے اس کے شوہر نے تین سے کم طلاقیں دی تھیں، اس کی دوسری شادی کے بعد پھر اس سے شادی کرلی تو اب وہ صرف بقیہ طلاق کا مالک ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ اثر اگرچہ ضعیف اور مجہول ہے لیکن اکابر صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے، جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں، مالک اور ابن وہب نے زہری سے، انہوں نے ابن المسیب اور حمید بن عبدالرحمان اور عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود اور سلیمان بن یسار سے روایت کی کہ ابوہریرہ کو کہتے ہوئے سنا:

"اگر کسی عورت کو اس کا شوہر ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر اسے چھوڑ دے، اور وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھر وہ دوسرا شخص مرجائے یا اسے طلاق دے دے پھر وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کرلے، تو اب اس عورت کی صرف بقیہ طلاقیں شوہر کی ملکیت ہوں گی۔"

اسی طرح کی روایت حضرت علی بن ابی طالب، ابی کعب، اور عمران بن حصین

رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اکابر صحابہ کا قول

امام احمدؒ کہتے ہیں، :
"اکابر صحابہ کا یہی قول ہے"۔[1]

ابن مسعود، ابن عمر، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اب وہ عورت تین طلاقوں کی طرف جائے گی، یعنی اسے تین طلاقیں حاصل کرنے کا حق ہوگا۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں،
"نکاح بھی جدید، طلاق بھی جدید"[2]

امام ابوحنیفہ کا مسلک

قول اوّل[3] کی طرف اہل حدیث حضرات گئے ہیں جن میں امام احمدؒ شافعیؒ، اور مالکؒ بھی ہیں،
دوسرے قول[4] کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گئے ہیں۔

---

[1] یعنی صرف بقیہ طلاقیں حاصل ہوں گی، دوسرے شوہر کی وفات یا طلاق کے بعد پہلے شوہر سے پھر نکاح کی صورت میں۔

[2] یعنی دوسرے شوہر سے شادی کے بعد سابق شوہر کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد نیا معاملہ ہوگا، یعنی تین طلاقیں ملک شوہر ہوں گی۔

طلاق مغلظ کے بعد

زوج ثانی کے تمتع کے بغیر پہلے شوہر پر عورت حلال نہیں ہوسکتی

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض گزار ہوئیں،

"اے اللہ کے رسول رفاعہ نے مجھے طلاق دی، اس کے بعد میں نے عبدالرحمان قرظی سے شادی کرلی، لیکن وہ اس جیسا نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے، نہیں، جب تک تم دونوں ایک دوسرے سے تمتع (مجامعت) نہ کرلو۔"

سنن نسائی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "عسیلہ" سے مراد جماع ہے، اگرچہ انزال نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے ایک دوسرے آدمی سے شادی کرلی، دروازہ بند کرلیا، پردہ ڈال دیا، پھر قبل از جماع اسے طلاق دے دی، آپ نے فرمایا یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوسکتی جب تک دوسرا شوہر اس سے جماع نہ کرلے۔

مذکورہ بالا حکم سے مسائل مستنبط

اس حکم سے کئی امور واضح ہوتے ہیں

۱۔ عورت کا یہ قول قبول نہیں کیا جا سکتا کہ شوہر جماع پر قادر نہیں ہے۔

۲۔ پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی شرط اصابت زوج ثانی ہے،

۳۔ مجرد جماع کافی ہے، انزال کی شرط نہیں۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرّد عقد کو، یا خلوت کو، یا دروازہ بند کر لینے اور پردہ ڈال دینے کو کافی نہیں قرار دیا ہے، بلکہ وطی (جماع) ضروری قرار دی ہے۔

بیوی کی طرف سے طلاق کا ایک گواہ

اور شوہر کا طلاق دینے سے انکار

ابن وضاح ابو مریم سے، وہ عمرو بن ابی اسلمہ سے، وہ زہیر بن محمدؒ سے، وہ ابن جریج سے، وہ عمرو بن شعیب سے، وہ شعیب سے، وہ اپنے والد سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے، اور ایک عادل گواہ کی شہادت پیش کرے تو شوہر سے قسم لی جائے گی کہ آیا اس نے طلاق دی ہے یا نہیں؟ اگر اس نے حلف لے کر انکار کیا تو گواہ کی شہادت اس کے خلاف باطل قرار دی جائے گی،

اس حکم سے چار مسائل کا استنباط

اس حکم سے چار امور واضح ہوتے ہیں۔

۱- طلاق میں ایک گواہ کی شہادت عورت کی قسم کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتی،

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شاہد و یمین کا معاملہ مالی معاملات سے خاص ہے، لیکن حد، نکاح، طلاق، اعتاق، اور سرقہ میں کافی نہیں ہے۔

یہ حدیث جو اوپر ذکر ہوئی، اپنے راویوں کے ثقہ ہونے کے اعتبار سے صحیح ترین حدیث ہے۔

۲- عورت کی طرف سے دعوائے طلاق میں شوہر سے حلف لیا جائے گا، اگر وہ اپنے دعوے کا بیّنہ نہ پیش کر سکے۔

۳۔ اگر مدعا علیہ حلف نہ لے تو پھر ایک گواہ کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا بلکہ امام احمدؒ تو کہتے ہیں کہ عورت صرف دعویٰ کرے کہ شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے اور کوئی گواہ نہ پیش کرے، اور شوہر حلف لینے سے انکار کر دے، تو بھی طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۴۔ شوہر کا حلف لینے سے انکار خود ایک ثبوت ہے اس کے طلاق دینے کا ——!

مسئلہ تخییر ازواج و توکیل طلاق

فقہ کا ایک بے حد اہم، نزاعی اور اختلافی مسئلہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت فرماتی ہیں:-

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو تخییر کا حکم دیا، تو مجھ سے آغاز کیا، آپ نے فرمایا، میں تم سے ایک بات کا ذکر کرنے والا ہوں، لیکن تم جلد بازی سے کام نہ لینا جب تک اپنے والدین سے اجازت نہ لے لو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ جانتے تھے میرے والدین آپ سے جدائی کا مجھے حکم نہیں دے سکتے تھے، اس کے بعد آپ نے وہ آیت پڑھی جس میں وارد ہوا ہے" اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی حیات و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دلا کر خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تم اللہ، اور رسول، اور دار آخرت کی متمنی ہو تو اللہ تعالے نے تم میں سے محسنات کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

میں نے عرض کیا!

کیا اس بارے میں مجھے اپنے والدین سے اجازت نہیں ہے؟

ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں -

حضرت عائشہ فرماتی ہیں پھر دوسری ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا جو میں نے کیا تھا، اور یہ طلاق نہیں تھی!

مسئلہ تخییر میں اختلاف

مسئلہ تخییر میں لوگوں کا اختلاف دو صورتوں میں ہے، ایک یہ کہ اس کی نوعیت کیا تھی، اور دوسرے یہ کہ اس کا حکم کیا ہے؟

جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے تو جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تخییر اس باب میں تھی کہ ازواج کو آپؐ کے ساتھ رہنے اور جدائی اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ:

"ازواج نبی کو دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز اختیار کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا، لیکن یہ اختیار طلاق سے متعلق نہ تھا"

لیکن سیاق قرآن، اور قول عائشہؓ سے مذکورہ قول درست ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالٰے نے ازواج نبی کو اختیار دیا کہ وہ اللہ، رسول، دار آخرت، اور حیات وزینت دنیا میں سے جو چاہیں اختیار کر لیں، اور بلاشک ونزاع یہ طلاق کی صورت تھی،

حکم تخییر کے دو پہلو

اب رہ جاتا ہے کہ تخییر کا مسئلہ، اس کے بھی دو پہلو ہیں، ایک حکم اختیار زوج، دوسرا حکم اختیار نفس

ان میں سے پہلی رائے پر اکابر صحابہ کی دو جملہ ازواج نبی متفق ہیں، یعنی ازواج نبی میں سے جس نے آپؐ کو اختیار کر لیا، اس پر طلاق نہیں پڑی، اور تخییر مجرد طور پر طلاق نہیں ہے، حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس، اور عائشہ رضی اللہ عنہما کا مسلک یہی ہے، وہ فرماتی ہیں!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا، ہم نے آپؐ کو اختیار کر لیا، ہم نے کبھی اسے طلاق نہیں سمجھا"!

کیا تخییر طلاق رجعی ہے؟

لیکن حضرت علی، زید بن ثابت، اور صحابہ کی ایک جماعت یہ رائے رکھتی ہے کہ تخییر کے بعد اگر بیوی نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو یہ طلاق رجعی ہے، حسن کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ سے اسحاق بن منصور نے روایت کی ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو حق تخییر کے بعد اختیار کر لیا تو ایک طلاق پڑ گئی، اور شوہر کو رجعت کا حق ہے، صاحب مغنی کہتے ہیں کہ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ تخییر کنایہ ہے، جس سے مراد طلاق ہوتی ہے اور فوراً واقع ہو جاتی ہے، جس طرح دوسرے کنایات سے فوری طور پر واقع ہو جاتی ہے۔

تخییر سے طلاق نہیں پڑتی

لیکن حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب اپنی ازواج کی تخییر کے بعد اختیار فرمایا تو یہ نہیں فرمایا "تم پر طلاق پڑ گئی"، نہ رجعت فرمائی، اور حضرت عائشہ ساری امت میں سب سے زیادہ شان تخییر سے واقف ہیں، ان سے مروی ہے کہ

"یہ طلاق نہیں تھی"!

ایک اور روایت میں ہے۔

"ہم نے اسے کبھی طلاق نہیں سمجھا"!

کیا تخییر سے مراد تملیک مستلزم وقوع طلاق ہے؟

لیکن جو لوگ تخییر کو طلاق رجعی مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تخییر سے مراد تملیک ہے، اور تملیک مستلزم ہے وقوع طلاق کو!

یہ دعویٰ دو مقدموں پر مبنی ہے، ایک یہ کہ تخییر تملیک ہے دوسرے یہ کہ تملیک وقوع طلاق کو مستلزم ہے۔

اور یہ دونوں مقدمات غلط ہیں، تخییر سے تملیک مراد لینا درست اور روا

نہیں ہے اور اگر ہو تو بھی اس سے وقوع طلاق کا مستلزم ہوگا اور نہ یادہ نادرست ہے، جب تک وہ شخص طلاق نہ دے دے جو اس کا مالک ہے نیز اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو پھر طلاق رجعی کے بجائے بائنہ ماننا پڑے گی، اس لیے کہ رجعی میں عورت اپنے نفس کی مالک نہیں ہوتی۔

تخییر تملیک ہے یا توکیل؟

فقہا کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ تخییر آیا تملیک ہے یا توکیل؟ یا کچھ تملیک اور کچھ توکیل؟ یا وہ تطلیق منجز ہے؟ یا اسے یکسر لغو قرار دیا جائے گا؟ اور اس کا کوئی اثر تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ اور تفریق واقع نہیں ہوگی، امام احمدؒ اور مالکؒ کا یہی مذہب ہے!

ابو الخطاب نے رؤس وسائل میں بیان کیا ہے کہ یہ تملیک ہے جو قبول پر موقوف ہے صاحب المغنی فرماتے ہیں اگر شوہر نے بیوی سے کہا"

"امسالٹ بیدلٹ" (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے)

اور جواب میں بیوی نے کہا، "قبلت" (میں نے قبول کیا) تو کچھ واقع نہیں ہوگا، کیونکہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" یہ توکیل ہے، اور عورت کا جواب کہ "میں نے قبول کیا" قبول وکالت سے انحراف ہے، لہٰذا کچھ بھی واقع نہیں ہوگا، یہ ایسے ہی جیسے کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہدے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور جواب میں وہ کہدے میں نے قبول کیا۔

اسی طرح اگر کوئی اپنی بیوی سے کہتا ہے،

"اختاری" (اپنے آپ کو اختیار کر لے)

اور وہ جواب میں کہتی ہے "قبلت نفسی" (میں نے اپنے آپ کو قبول کر لیا) یا "اخترت نفسی" (میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا) تو یہ زیادہ اصح صورت ہے

حنفیہ رحمہم اللہ اسے توکیل مانتے ہیں۔

حسن اور صحابہ کی ایک جماعت نے اسے تطلیق مانا ہے، جس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور شوہر کو رجعت کا حق ہوگا، ابن منصور نے امام احمد سے یہی روایت

کی ہے۔

اہلِ ظاہر اور ایک جماعت صحابہ کا خیال ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، چاہے عورت اپنے نفس کو اختیار کرے یا زوج کو، وقوع طلاق میں تخییر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔

اقوال بالا کے ماخذ و مصادر

اب ہم مختصر طور پر ان اقوال کے ماخذ بیان کریں گے۔

اصحاب تملیک کہتے ہیں کہ جب عورت کی طرف بضع (فرج) کی ملکیت لوٹ آئے تو یہ تملیک ہے،

ایک قول یہ بھی ہے کہ توکیل مستلزم ہے اہلیت وکیل کو، یعنی وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دے سکے، اور عورت ایقاع طلاق کی اہل نہیں ہے، لہٰذا اگر عورت کو شوہر کی طرف سے طلاق کی وکالت سونپ دی جائے، تب بھی یہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ طلاق نہیں دے سکتی۔

لیکن جو لوگ اس توکیل کو صحیح قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں، جس طرح یہ درست ہے کہ کسی مرد کو، کسی عورت کی طلاق کا وکیل بنا دیا جائے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ عورت خود اپنی طلاق کی وکیل بنا دی جائے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ توکیل مراد لینا درست نہیں ہے، کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو اپنے مؤکل کے لیے تصرف کرتا ہے نہ کہ اپنے لیے اور یہاں عورت اپنے لیے تصرف کر رہی ہے، اور یہ تصرّف، وکیل کے منافی ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ

طلقی نَفْسَکِ (اپنے آپ کو طلاق دیدے۔)

اور پھر قسم کھائے کہ وہ طلاق نہیں دے گا، اور عورت اپنے آپ کو طلاق دے لے تو مرد حانث (حلف شکست) ہوگا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کو شوہر نے وکیل نہیں نائب بنایا تھا، اصلی طلاق دینے والا وہ خود ہے۔

کنایات طلاق میں تخییر شامل ہے؟

بعض لوگ اور ان میں اصحاب مالک بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ شوہر نے جب بیوی سے کہا۔

امرک بیدک (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے)

جعلت امرک الیک (میں نے تیرا معاملہ تجھے سونپ دیا)

ملکتک امرک (میں نے تجھے تیرے معاملہ کا مالک بنا دیا)

تو یہ تملیک ہے، اور اگر کہا۔

اختاری (اپنے آپ کو اختیار کرلے)

تو یہ تخییر ہے،

اور تملیک و تخییر میں فرق حقیقت اور حکم کا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اختاری کہنے کی صورت میں تخییر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، عورت اپنے نفس کی مالک نہیں ہوگی، اسے صرف دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلینے کا حق ہے، بخلاف "امرک بیدک" کے کیونکہ عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ اس کی مالک نہ ہو۔

رہا حکم، تو اگر شوہر کہے "امرک بیدک" اور دعوی کرے کہ میں نے اس سے مراد ایک طلاق لی تھی، تو یمین کے بعد اس کا قول قبول کرلیا جائے گا، لیکن اگر وہ "اختاری" کہے اور عورت اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دے تو یہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اگرچہ شوہر دعوی کرے کہ میں نے تو ایک طلاق مراد لی تھی، یہ دعوی صرف اس صورت میں قبول ہوگا کہ عورت غیر مدخول بہا (جس سے جماع نہ کیا گیا) ہو پھر ایک طلاق کے بارے میں اس کا قول تسلیم کرلیا جائے گا،

یہ حضرات کہتے ہیں کہ تخییر اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ اپنے نفس کو اختیار کرلے، اور یہ بات بغیر بینونت کے حاصل نہیں ہوسکتی، لیکن اگر وہ مدخول بہا (جس سے جماع کرلیا گیا ہو) ہوگی تو بائن نہیں ہوگی، جب تک تین طلاقیں نہ

دی جائیں، اور اگر غیر مدخول بہا ہوگی، تو ایک ہی طلاق سے بائن ہو جائے گی، بخلاف "امساک بیدک"، کہ یہ تخییر کا مقتضی نہیں ہے، جو شوہر اور بیوی کے مابین ہو، رتبۂ تملیک امر ہے، اور یہ عام ہے تملیک ایا تت کو، خواہ وہ تین طلاقیں ہوں یا ایک، عورت کو عدت اس صورت میں پوری کرنی پڑے گی، اختیاری کا لفظ عام ہے، خواہ عورت ایک طلاق سے بینونت اختیار کرے یا تین سے، لیکن امساک بیدک، تملیک طلاق ثلاث کے بارے میں زیادہ صریح اور واضح ہے،

تخییر سے مراد طلاق منجز ہے؟

جو لوگ اس سے "تطلیق منجز" مراد لیتے ہیں ان کے قول کا ضعف ظاہر ہے،

اور جو لوگ اسے لغو قرار دیتے ہیں، ان کے دو ماخذ ہیں،۔۔۔!"

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا معاملہ عورتوں کے ہاتھ میں نہیں دیا ہے اسے مردوں کو سونپا ہے، اور اللہ کی شرع میں کوئی بندہ "تغیر" نہیں کرسکتا۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالغفار بن داؤد نے، ان سے ابن لعیہ نے، ان سے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا کہ امیثہ (ایک پارسی خاتون) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے نکاح میں تھیں، محمد نے انہیں ان کے امر کا مالک بنا دیا، انہوں نے شوہر سے تین مرتبہ کہا،

"تمہیں طلاق ہے،!"

اس پر حضرت عثمان بن عفان نے کہا۔

"تم نے غلطی کی، امیثہ پر طلاق نہیں پڑی کیونکہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے، اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی ہے،

تملیک زوجہ ایک لغو امر ہے؟

طاؤس کا مذہب صریح یہ ہے کہ طلاق شوہر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، اور تملیک زوجہ ایک لغو امر ہے، اسی طرح تو کیل ہے، ابو محمد بن حزم کہتے ہیں ہمارے جمیع اصحاب کا بھی قول ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے طلاق کا امر، مرد کو سونپا ہے۔

عورت کو نہیں، کیونکہ وہ ناقص العقل ہیں۔ ان پر سفہ (حماقت) غالب ہے، اگر طلاق کا حق انہیں دے دیا جائے تو اس میں ضررِ عظیم ہے شوہروں کے لیے، لہٰذا خدا کی رحمت و حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ فراق اور جدائی سے متعلق کوئی معاملہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے، اور اسے صرف ازواج (شوہروں) تک محدود رکھا جائے اگر ازواج کو اجازت دی جائے کہ وہ اس حق کو عورتوں کی طرف منتقل کر سکیں تو یہ خدا کی رحمت و حکمت سے متناقض ہوگا۔

حدیث سے صرف تخییر ثابت ہے ایک قول یہ ہے کہ حدیث سے صرف تخییر ثابت ہے، پس اگر انہوں نے اللہ، رسولؐ، اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیا، جیسا کہ ہوا بھی تو وہ حسبِ سابق آپؐ کی بیوی رہیں۔ اور اگر وہ اپنے نفس کو اختیار کر لیتیں تو آپ انہیں ان کا حق دے کر خود سے طلاق دیتے، اور خوبی و خوش اسلوبی سے رخصت کر دیتے، انہیں یہ اختیار نہیں تھا کہ اپنے آپ کو اختیار کر کے طلاق دے لیں۔

آثارِ صحابہ اس مسئلہ میں صحابہ سے جو آثار منقول ہیں وہ باہم شدید طور پر مختلف ہیں۔

۱۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ اور زید بن ثابت سے صحیح طور پر مروی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے معاملہ میں کہ شوہر نے بیوی کو اس کے امر کا اختیار دے دیا تھا، اور بیوی نے تین طلاقیں اپنے آپ کو شوہر کی طرف سے دے لی تھیں، ایک طلاق قرار دیا۔

۲۔ ایک روایت صحیحہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک ایسے ہی معاملہ میں فرمایا:

"جو ہونا تھا ہوگیا!"

۳۔ حضرت علی، زیدؓ، اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ تخییر کے بعد اگر عورت نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اور اگر شوہر

کو اختیار کر لیا، تو ایک طلاق رجعی پڑے گی۔

۴۔ بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ بہر حال تین طلاقیں پڑیں گی،

۵۔ ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے کہ کچھ نہیں واقع ہوگا۔

مروزی اور زید بن ثابت کی روایت

ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں صحابہ سے جو کچھ مروی ہے ہم نے بیان کر دیا، یہ اقوال سب طرح کے ہیں، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے۔

مروزی کی روایت ہے کہ بہ صورت تخییر ایک طلاق واقع ہوگی، اور رجعت کا حق ہوگا۔ زید بن ثابت کی روایت ہے کہ ابو محمد نے کہا، جس نے اپنی بیوی کو حق تخییر دیا، اور اس نے اسے اختیار کر لیا، یا طلاق اختیار کر لی، یا شوہر کو اختیار کر لیا یا کچھ بھی نہیں اختیار کیا، یہ ساری باتیں بیکار اور لاحاصل ہیں، اس طرح نہ طلاق پڑے گی، نہ تحریم واقع ہوگی، نہ کوئی اور حکم عمل میں آئے گا، اگرچہ تخییر کا حق بار بار دیا جائے، اور یہ حق بار بار استعمال کیا جائے سب یکساں ہیں، حکم خدا و رسول کے خلاف) شوہر کے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ جس چیز (بیوی) کو اللہ نے مباح کیا ہے اسے حرام قرار دے لے۔

مجرّد تخییر سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا مجرّد تخییر سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ یا نہیں واقع ہوگی؟ اور اس اختلاف پر صفحات بالا میں کافی گفتگو ہو چکی ہے۔

اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معاملہ مجلس کے ساتھ خاص ہے، یا ابداً عورت کے اختیار میں ہے اس باب میں دو قول ہیں، ایک تقیید مجلس کو ضرور قرار دیتا ہے، یہ ابو حنیفہ، شافعی، اور مالک رحمہم اللہ کا قول ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ابداً عورت کو یہ حق حاصل ہے، یہ منذرؒ، ابو ثورؒ اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام مالکؒ کا قول ہے۔

بیوی سے تمیز لی جائے گی؟

اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ آیا بیوی سے تمیز لی جائے گی کہ اس نے ترک کر دیا، یا نہیں لی جائے گی؟ اس بارے میں دو قول نفیاً اور اثباتاً ہیں۔

کیا شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا؟

اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے کہ آیا شوہر جب اپنی بیوی سے کہے دو تو اس کی نیت کیا تھی اس بارے میں اس سے قسم لی جائے گی یا نہیں؟ احمد، شافعی، اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ نیت دیکھی جائے گی، مالک کہتے ہیں نیت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

مضطرب اور مختلف فروع کثیرہ

بہر حال اس مسئلہ میں فروع کثیرہ ہیں، جو حد درجہ مضطرب ہیں، ان کی تائید میں کتاب وسنت اور اجماع سے دلیل لانا مشکل ہے، بہر حال بیوی شوہر کی بیوی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی حکم دلیل قائم نہ ہو جائے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نکاح اور طلاق کا معاملہ عورتوں کو نہیں مردوں کو سونپا ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام بنایا ہے، عورتوں کو ان کی قوامہ نہیں بنایا ہے، کہ چاہے تو رک جائے چاہے تو طلاق دے دے۔

کیا اجماع کا دعوےٰ صحیح ہے؟

جو شخص اجماع کا دعوےٰ اس مسئلہ میں کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے، کیونکہ صحابہ اور تابعین کے مابین نزاع ثابت ہے۔

حکم تخبیر میں اختلاف، اعتبار تخبیر میں اختلاف

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیشِ نشان راہ ہیں، وہ اگرچہ حکم تخبیر میں مختلف ہیں لیکن اعتبار تخبیر

میں متفق ہیں۔ اگر شوہر جسے پورے اختیارات حاصل ہیں اس میں مصلحت دیکھتا ہے کہ حق تفویض طلاق عورت کو دیدے تو یہ دونوں کے لیے مناسب ہے اگر وہ شوہر سے محبت کرتی ہے اس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی، اور اگر اس سے بیزار ہے تو جدائی اختیار کرے گی، یہ بیوی کی مصلحت کے مطابق ہے، اور شوہر کی مصلحت کے بھی مطابق ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو اقتضائے شرع خداوندی اور اس کی حکمت کے خلاف ہو، نیز توکیل کا حق خود بیوی کو دیا جائے یا کسی اجنبی کو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور طلاق میں منع توکیل اجنبی کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اگر اس کی توکیل، نکاح، اور خلع میں صحیح ہے تو اس میں کیوں نہ ہوگی؟ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے حکمین کو مجاز بنایا ہے کہ وہ اگر زوجین کے وجوہ شقاق پر نظر ڈالنے کے بعد، مناسب سمجھیں تو تفریق کردیں، ورنہ علی حالہ نکاح قائم رہنے دیں یہ طلاق یا فسخ نکاح، غیر زوج کی طرف سے ہے، خواہ بہ جبر و کراہ اگرچہ دونوں حکم ہوں۔

شوہر کو تفویض کا حق ہے

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حاکم کو اس کا اختیار دیا ہے کہ بطریق نیابت بعض صورتوں میں وہ شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے، پس اگر شوہر خود ہی کسی کو وکیل بنا دیتا ہے، اپنے حالات کے پیش نظر تو یہ عین مصلحت ہے، وہ اپنی مصلحت کا زیادہ شناس ہے لہٰذا جسے مناسب سمجھتا ہے اپنا حق تفویض کردیتا ہے پھر جب توکیل جملہ معاملات میں جائز ہے، تو اس میں کیوں غلط ہوگی؟

خود ساختہ تحریم وتحلیل

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں

ایک آیۂ قرآنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :
یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور الرحیم، قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم۔
یعنی اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام کرتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی ازواج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی کفارہ) مقرر فرما دیا ہے۔

احادیث نبوی صحیحین سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ کے گھر میں شہد نوش فرمایا، حضرت عائشہ اور حفصہ کی حیلہ گری کے باعث آپؐ نے آیندہ اسے استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق آیندہ شہد نہ استعمال کرنے کی قسم کھالی۔
صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے پر حرام کرے تو یہ یمین ہے اس کا کفارہ دینا ہوگا۔
لیث بن سعد یزید بن ابی حبیب سے، وہ عبداللہ بن ہبیرہ سے وہ قبیصہ بن ذہیب

سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا، جس نے اپنی بیوی سے کہہ دیا ہو کہ تو مجھ پر حرام ہے، دونوں بزرگوں نے جواب دیا۔

"اس پر کفارۂ یمین واجب ہوگا۔"

عبدالرزاق ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے، وہ ابن مسعود سے رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تحریم کے بارے میں فرمایا، "یہ یمین ہے، اور اس کا کفارہ لازم آئے گا۔"

ابن حزم کہتے ہیں ابو بکر صدیق رضی اور عائشہ رضی سے بھی یہی مروی ہے،

عبدالرزاق معمر سے، وہ یحییٰ بن ابی کثیر اور ایوب سختیانی سے روایت کرتے ہیں، اور یہ دونوں بزرگ عکرمہ سے، اور وہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "تحریم کی حیثیت یمین کی ہے۔"

مذہب متعدد و مختلفہ

اس مسئلہ میں[1] لوگوں کے متعدد مذاہب ہیں، آئندہ صفحات میں ہم ان کا، اور ان کے وجوہ و ماخذ کا، اور ان میں سے راجح مذہب کا ذکر کریں گے۔

تحریم مراۃ لغو ہے۔

۱۔ تحریم لغو ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، نہ زوجہ کے معاملہ میں نہ کسی اور معاملہ میں، یہ نہ طلاق ہے، نہ ایلاء نہ ظہار،

عبدالرزاق ثوری سے، وہ صالح بن مسلم سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا،

"عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینا عقل یا پوشش کی برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا۔"

یہ قول اہل ظاہر کا ہے۔

---

[1] یعنی کسی حلال چیز کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کر لینا۔

تحریم سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں

۲۔ زوجہ کو اپنے اوپر حرام قرار دینے سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں علی بن ابی طالب زید بن ثابت اور ابن عمر کا مسلک یہی ہے۔ نیز حسن محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کا قول بھی یہی ہے،

لیکن مستند روایات کے مطابق یہ دونوں روایتیں صحیح اور مستند نہیں ہیں۔ بقول شعبی نہ حضرت علی نے ایسا کہا نہ ابن عمر نے، حسن کے بارے میں ابو محمد کی بہ طریق قتادہ روایت ہے کہ جو حلال کو حرام کر لیتا ہے، تو یہ یمین ہے جس کا کفارہ واجب ہے۔

طلاق صرف مدخول بہا پر واقع ہو گی

۳۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے، اس سے تین طلاقیں تو پڑیں گی لیکن صرف مدخول بہا پر، غیر مدخول بہا پر نہیں، اس کے بارے میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص، اپنی باندی کو، یا طعام کو، یا متاع کو حرام کر لیتا ہے۔ اپنے اوپر تو یہ بیکار سی بات ہے، امام مالک کا مذہب یہی ہے۔

نیت کا اعتبار کیا جائے گا

اگر اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہوئے کوئی شخص طلاق کی نیت کر لیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور اگر کم کی نیت کی ہے تو ایک بائنہ پڑے گی، اور اگر نیت یمین کی ہے تو پھر یمین ہے، جس کا کفارہ لازم آئے گا۔[1] اور اگر کوئی نیت نہیں کی ہے تو

---

[1] کفارۂ یمین (یعنی قسم توڑنے کا کفارہ) یہ ہے:
۱۔ تین روزے (باقی آگے صفحے پر)

پھر یہ ایلا ہے، اس پر ایلاء کا حکم نافذ ہوگا۔ اور اگر طعام وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، تو یہ یمین ہے جس کا کفارہ دینا ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب یہی ہے۔

ایلاق کی صورت میں طلاق واحدہ بائنہ

۵ - اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے والے نے نیت طلاق کی رکھی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور جتنی طلاقوں کی نیت واقع کی ہے اتنی ہی واقع ہوں گی، اور اگر یہ بات مطلق رکھی تھی تو پھر صرف ایک طلاق پڑے گی۔ اور اگر ظہار کی نیت کی ہے تو پھر یہ صورت ظہار کی بن جائے گی، اور اگر بیوی

بقیہ حاشیہ ا ۲ - یہ ممکن نہ ہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

۳ - ورنہ ایک غلام کو آزاد کرنا۔

۴ - ایلا

ایلا سے مراد ہے بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔

اس کی مدت چار ماہ ہے، اس معاملہ میں، بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے آدمی یا تو کفارہ یمین ادا کرائے، پھر کوئی بات نہیں، ورنہ طلاق بائنہ پڑ جائے گی۔

۵ - ظہار

ایلا کی طرح ظہار بھی فقہ کی ایک اصطلاح ہے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے، یا بہن ہے، تو کوئی بات لازم نہ آئے گی، لیکن اگر تشبیہ کے ساتھ کہتا ہے تو میری ماں کی طرح ہے، تو میرے لیے بہن کی سی ہے، میرے لیے تو بیٹی کی مانند ہے، تو یہ ظہار ہے۔ (ظہار پر کفارہ لازم آتا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں۔

۱ - ایک غلام کا آزاد کرنا۔

۲ - یا دو مہینے کی مسلسل (شہرین متتابعین) روزے، اگر ایک مہینہ اور ۲۹ دن روزے رکھ لیے، آخری نہ رکھ سکا، تو سب ضائع گئے، اب پھر سے مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنا ہوں گے۔ ۳ - یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

کی نیت کی ہے تو پھر یمین ہے، اور اگر تحریم مطلق کی نیت کی ہے۔ بغیر طلاق اور ظہار کے، تو پھر کفارۂ یمین ادا کرنا پڑے گا، اور کسی بات کی نیت نہیں کی ہے تو اس باب میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ کچھ لازم نہیں آئے گا، دوسرے یہ کہ کفارۂ یمین لازم آئے گا۔

اور اگر جاریہ کا معاملہ ہو، اور نیت عتق (آزادی) کی ہو، تو عتق واقع ہو جائے گا، اور اگر نیت تحریم کی ہے تو کفارۂ یمین لازم آئے گا، اور اگر ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار صحیح نہیں ہوگا۔ اور کوئی چیز بھی لازم نہیں آئے گی، ایک قول یہ ہے کہ کفارۂ یمین لازم،

تحریم مرأۃ ظہار ہے

۶۔ بیوی کو اپنے پر حرام کر لینا ظہار ہے، اور مطلق طور پر ہے، خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بجز اس صورت کے کہ طلاق یا یمین کی طرف تصرف کر لیا ہو، اس صورت میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا، امام احمدؒ کا ظاہر مذہب یہی ہے اور ان سے ایک دوسری روایت ہے کہ تحریم بالا طلاق یمین ہے، بجز اس صورت کے ظہار یا طلاق کی طرف تصرف کر لیا ہو، پھر نیت کا اعتبار کیا جائے گا، ان سے ایک تیسری روایت ہے۔ کہ ہر حال میں یہ تحریم ظہار ہے، اگرچہ نیت کچھ بھی کیوں نہ کی ہو، طلاق ایک واقع ہوگی، اور یہ بائنہ ہوگی، اگر یمین کی نیت کی ہے تو یمین ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی ہے، تو یہ کذب و دروغ ہے، ان سے ایک چوتھی روایت ابوالحسین کی ہے کہ یہ تحریم طلاق بائن ہے۔

ہر حالت میں نیت کا اعتبار

۷۔ اگر تحریم سے مراد تین طلاقیں لی ہیں تو تین طلاقیں پڑیں گی، ایک لی ہے تو ایک پڑے گی، لیکن بائنہ اگر یمین کی نیت کی ہے تو یمین ہے اور اگر کوئی نیت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے صرف ایک قسم کی دروغ گوئی ہے یہ سفیان ثوری کا مذہب ہے، جیسے ابو محمدؒ ابن حزم نے روایت کیا ہے۔

طلاق واحدہ بائنہ

۸- عورت کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے ہر حال میں طلاق واحدہ بائنہ پڑتی ہے، یہ حماد بن ابی سلیمان کا مذہب ہے۔

اگر نیت نہ ہو تو بائنہ واحدہ

۹- اگر نیت تین طلاقوں کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، اگر ایک کی نیت کی ہے، یا کوئی نیت ہی نہیں کی ہے، تو واحدہ بائنہ پڑے گی، یہ ابراہیم کا مذہب ہے، جس کی حکایت ابو محمد بن حزم نے کی ہے۔

طلاق رجعی پڑے گی

۱۰- عورت کو اپنے لیے حرام قرار دے دینے سے طلاق رجعی پڑے گی، اس کی حکایت ابن صباغ، اور ابوبکر الشاشی نے زہری سے، انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

بغیر طلاق کے بیوی حرام ہو جائے گی

۱۱- تحریم کے اعلان سے بیوی اس پر حرف حرام ہو جائے گی، لیکن ظہار یا طلاق، یا یمین نہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں یہ بات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے، یہ حضرات اس فعل کو کسی نام سے موسوم نہیں کرتے نیز ابوہریرہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ لوگ اس صورت میں بیوی سے مجتنب رہنے کا حکم دیتے ہیں،

ایک مذہب توقف کا بھی ہے

۱۲- بارہواں مذہب توقف کا ہے، یعنی مفتی اس صورت میں نہ بیوی کو شوہر پر حرام کرے گا، جیسا کہ شعبی نے علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے، حضرت علی کا قول ہے،

> "اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص پر اس کی بیوی کو نہ حرام قرار دے سکتے ہیں نہ حلال، وہ خود جو مناسب سمجھے کرے۔"

تحریم منجز اور تحریم معلّق

۱۴۔ تحریم منجز بہرحال ظہار ہے، اگرچہ نیت طلاق کی ہو، اور تحریم معلّق یمین ہے جس کا کفارہ لازم ہے، مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا۔

"تو مجھ پر حرام ہے"!

یا کہا، "جب رمضان کا مہینہ شروع ہو جائے پھر تو مجھ پر حرام ہے!"، تو یہ ظہار ہے۔

اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا۔

"اگر تو نے سفر کیا"!

یا "اگر تو نے یہ بات منہ سے نکالی"!

یا "اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی"

پھر تو مجھ پر حرام ہے"!

یہ یمین مکفّرہ ہے، یعنی ایسی یمین جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

ل؛ ظہار کا مسئلہ، عوام میں ایک نہایت خطرناک چیز بن گیا ہے، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے تو میری ماں کی طرح ہے، تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور میاں بیوی میں تفریق واقع ہو جاتی ہے، حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، اس طرح کے الفاظ کہہ دینے سے طلاق نہیں پڑتی، ہاں اگر آدمی کفارہ نہ ادا کرے، اور مدت معیّنہ گزر جائے تب طلاق بے شک پڑ جاتی ہے۔

مسئلہ تحریم زوجہ سے متعلق

مختلف مذاہب و مسالک کے دلائل و براہین

قول تحریم کی لغویت کا ثبوت جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے والے شخص کا قول باطل ہے اور لغو ہے۔ وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے بندے کو حق تحریم دیا ہے۔ نہ حق تحلیل۔ یہ حق خدا کا ہے۔ کسی چیز کا حرام و حلال کرنا اس کے ہاتھ میں ہے بندے کے ہاتھ نہیں۔ فرماتا ہے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب۔

یعنی جن چیزوں کے بارے میں تمہارا محض جھوٹا زبانی دعوٰی ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے!

اسی طرح فرمایا یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك ———— یعنی اسے نبیؐ اللہ نے جو چیز حلال کر دی ہے تم اسے حرام کیوں کرتے ہو؟)

پس جب خدا اپنے رسولؐ کو یہ حق نہیں دیتا کہ اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا ہے اسے حرام کر دے۔ پھر کسی دوسرے کو یہ حق تحریم کس طرح دے سکتا ہے؟

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔
"جو شخص ایسا کام کرتا ہے جو ہمارے حکم کے خلاف ہے وہ رد ہے!"
پس خود ساختہ تحریم بھی رد ہوگی، اور اسے باطل قرار دیا جائے گا۔
نیز تحلیل حرام۔ اور تحریم حلال کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، دونوں لغو اور بے اثر ہیں۔ اسی طرح عورت اور کھانے کو حرام قرار دے لینے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، یہ بھی لغو اور بے اثر ہیں۔
علاوہ ازیں مرد کا عورت سے یہ کہہ دینا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" تو اس سے یا تو انشاء تحریم مراد ہوگی، یا اخبار کہ وہ حرام ہے۔ انشاء تحریم محال ہے کیونکہ یہ کسی شخص کا حق نہیں ہے۔ یہ اسی کا حق ہے جو حلال کو حلال کرتا، اور حرام کو حرام کرتا ہے، اور احکام کو مشروع کرتا ہے۔ اور اگر مراد اخبار سے تو یہ جھوٹ ہے، پس خبر کاذب اور انشاء باطل دونوں لغو اور بے اثر ہیں۔

تحریم کو تین طلاق ماننے کی دلیل

اور جو لوگ تحریم مرأۃ کو ہر حالت میں تین طلاق مانتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے تحریم کو طلاق ثلاث کا کنایہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحابہ نے خلیہ اور بریہ کے معاملہ میں تین طلاق کا فتویٰ دیا تھا۔

تحریم کو مدخول بہا تک محدود رکھنے کا سبب

جو لوگ اس تحریم کو مدخول بہا تک محدود رکھتے ہیں اور طلاق واحد بائنہ غیر مدخول بہا کے لیے مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مدخول بہا تین طلاقوں کے بغیر حرام نہیں ہوسکتی، اور غیر مدخول بہا طلاق واحدہ سے حرام ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ طلاقیں اگر دے دی جائیں تو وہ لوازم تحریم میں سے نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مدخول بہا بھی شوہر کی ایک طلاق سے بائنہ ہوسکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ ابانت مقیدہ ہے، بخلاف تحریم کے کہ وہ ابانت مطلق ہے، اور ابانت مطلق طلاق ثلاث کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

تحریم کو طلاق واحد بائنہ ماننے کی دلیل

جو لوگ تحریم کو طلاق واحدہ بائنہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے حق میں تقسیم کرتے ہیں ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ عدد سے بحث بیکار ہے شوہر نے جب بیوی سے کہا کہ:

میں نے تجھے طلاق بائنہ دی"!

تو اسے رجعت کا حق حاصل ہے، وہ خود ہی اس حق کو ساقط کر دے تو بے شک حق رجعت ساقط ہو جائے گا۔ اب اگر وہ ساقط کر دے، اور بائن ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے۔

تحریم کو طلاق واحدہ رجعیہ ماننے کا ماخذ

جو لوگ تحریم کو طلاق واحدہ رجعیہ مانتے ہیں۔ ان کا ماخذ یہ ہے کہ تعلق انقطاع ملک کو مفید ہے، اور یہ بات ایک طلاق سے حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ تحریم (اعم) زیادہ عام ہے۔ تحریم رجعیہ یا تحریم بائنہ سے۔ اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ اعم مستلزم اخص نہیں ہوتا، یا یوں کہو کہ اخص لوازم اعم میں سے نہیں ہے۔

تحریم کو ارادے اور نیت پر منحصر رکھنے کا ماخذ

یہ قول کہ معاملہ ارادے پر منحصر ہے، اگر ظہار، طلاق وجہی، یا محرم، یا یمین کا ارادہ تحریم سے ایا ہے، جو حسب ارادہ امر ظہور میں آئے گا، اس قول کا ماخذ یہ ہے کہ یہ لفظ انقطاع طلاق کے لیے خاص طور پر موضوع نہیں کیا گیا ہے۔ یہ طلاق، ظہار، ایلاء، سب کو محتمل ہے۔ اگر نیت کا تصرف ان میں سے کسی ایک کی طرف ہو گا تو وہی واقع ہو گا، اس سے متجاوز نہیں ہو گا، نہ اس سے کم ہو گا۔ چنانچہ اگر اس سے باندی کی آزادی مراد لی تو وہ آزاد ہو جائے گی، یا اگر ایلا کی نیت کی تو وہ لازم آجائے گا۔ غرض وہی لازم آئے گا، جس کی نیت کی گئی ہو گی۔ اور اگر تحریم علیحدہ کی نیت کی، تو نفس کا لزوم واقع ہو گا۔

یہ ایک طرح کی یمین ہوگی جس کا کفارہ دینا ہوگا۔

نیز یہ لفظ انشا اور اخبار دونوں کو متحمل ہے، اگر مراد اخبار ہے تو یہ سر عمل آئے گا، اور قبول کر لیا جائے گا، اور اگر ارادہ انشا کا ہے، تو سبب حرمت دریافت کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا میری مراد تین طلاقوں سے تھی، یا ایک سے تھی، یا دو سے تھی تو صلاحیت لفظ کے باعث اس کی بات قبول کر لی جائے گی اس طرح اگر ظہار کی نیت کی تھی تو وہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اگر تحریم مطلق مراد لی تھی تو وہ یمین مکفرہ ہے۔ یعنی ایسی یمین جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

تحریم کو ظہار ماننے کے وجوہ

اور جو لوگ اسے ظہار قرار دیتے ہیں بایں صورت کہ مراد طلاق نہ لی گئی ہو، تو ان کے قول کا ماخذ یہ ہے کہ یہ لفظ تحریم کے لیے ہے، اور یہ قول منکر و دروغ ہے کیونکہ بندے کو تحریم و تحلیل کا اختیار نہیں ہے۔ وہ صرف انشاء اسباب کا مالک ہے جو مرتب ہو کر رہیں گے۔ پس اگر وہ اس چیز کو حرام کہہ لیتا ہے اپنے اوپر جسے خدا نے حلال کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دراصل ظہار کرتا ہے۔

ظہار اور طلاق کی نیت و نفاذ

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نیت طلاق کے باوجود لفظ تحریم سے مراد ظہار لیا جائے گا، تو اس قول کے ماخذ کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پس اگر وہ طلاق بھی مراد لیتا ہے تو ایسی چیز کی نیت کرتا ہے جسے اللہ، اور اس کے رسولؐ نے باطل کر دیا ہے۔ اس کی یہ نیت حکم شرع پر منتقل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ نیت اللہ تعالیٰ کے حکم مستقر کے تغیر پر موثر نہیں ہوگی۔ اس صورت میں کفارۂ ظہار لازم آئے گا، جیسا کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے، ایک مرتبہ انہوں نے اس تحریم کو ظہار قرار دیا اور ایک مرتبہ یمین۔

تحریم کو یمین مکفرہ قرار دینے کا سبب

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تحریم ہر حالت میں یمین مکفرہ ہے، ان کے قول کا ماخذ یہ ہے۔ کہ طعام، شراب لباس جیسے حلال کی تحریم ، یمین ہے، جس کا کفارہ لازم آئے گا۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

تحریم زوجہ یمین کبری ہے، اس کا کفارہ وہ ہے جو ظہار کا کفارہ ہے، اور یمین صغری اس کے علاوہ دوسرے امور ہیں۔ ان کا کفارہ صرف کفارہ یمین ہے"

کفارۂ یمین لازم اور ثابت ہے

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو شخص ، زوجہ کے علاوہ دوسری چیزیں از قبیل طعام و شراب و لباس۔ کنیز، اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، تو یہ حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اس پر کفارۂ یمین لازم آئے گا۔ جمہور کا قول یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تحریم منفید واقع ہو جائے گی۔ جس کا ازالہ کفارۂ یمین سے ہوگا، جیسا کہ تحریم زوجہ کے بارے میں ظاہر ہے کہ جب تک یہ لفظ کہنے کے بعد کفارہ نہ ادا کر دیا جائے اس سے مجامعت اور تمتع جائز نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی نے اس کا حل کفارہ ہی قرار دیا ہے، کیونکہ جو شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے وہ بمنزلہ حلف کے ہے کہ اب وہ اسے استعمال نہیں کرے گا، اور جو شخص ایسی قسم کھاتا ہے اس کے لیے ہتک حرمت مخلوف جس کے بارے میں قسم کھائی جائے، اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ کفارہ نہ دے لے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد فعل محلوف پر اس کا اقدام جائز ہوگا۔ اور اگر اس نے ترک کفارہ کا عزم کیا تو شارع اس کے لیے اپنے حلف کے خلاف اقدام کو جائز نہیں رکھتا۔ یہ اجازت اس وقت ہوگی جب کفارہ ادا کر دیا جائے۔ اللہ تعالی بندے کی آسانی ملحوظ رکھتا ہے اس لیے

شرط کفارہ کے ساتھ اس نے حنث (حلف شکنی) کو جائز قرار دیا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ کفارہ جب تک ادا نہ کر دیا جائے۔ اس کا حلف تحریم برسرِ عمل رہے گا۔ یہ مسئلہ مفردات امام ابو حنیفہؒ میں نہیں ہے، بلکہ امام احمد کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ تحریم ثابت ہے اگر کفارہ کا التزام نہ کیا جائے، اور اگر التزام کیا جائے تو پھر تحریم مستمر نہیں رہتی۔

تحریم یمین ہے جس کا کفارہ واجب ہے

تحریم یمین ہے۔ اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے یہ قول صحابہ اور سوا مالک و شافعی کے فقہائے رائے و حدیث کا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ اس طرح کی تحریم پر کفارہ واجب نہیں ہے، لیکن یہ بات ظاہر الامتناع ہے کیونکہ تحریم ہتک حرمت شرع کو متضمن ہے، کیونکہ شرع نے جسے حلال کیا ہے مکلّف اسے حرام کر لیتا ہے۔ یہ تحریم ہتک حکم شریعت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حنث (حلف شکنی) یا جائز ہے یا واجب اور مستحب ہے، حالانکہ اللہ نے اسے کسی کے لیے جائز نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا کفارہ مقرر کیا ہے، حدیث نبویؐ ہے کہ جو قسم کھائے، اور بھلائی قسم پر عمل نہ کرتے میں ہو، تو وہ کفارۂ یمین دے کر محلوف پر عمل کر سکتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ کفارہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم کا حل کفارہ ہے۔

الحقی باھلک

اس لفظ سے طلاق پڑتی ہے یا نہیں

کعب بن مالک کا واقعہ صحیحین سے ثابت ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیامبر نے یہ حکم پہنچایا کہ اپنی بیوی سے الگ رہیں، تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہا [1] وو الحقی باھلک،، ر اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ،) ،،

اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، کہ وو الحقی باھلک،، کہنے سے عورت پر طلاق پڑتی ہے، یا نہیں

ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ طلاق نہیں ہے، ان الفاظ کے کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، خواہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو، یہ اہل ظاہر کا قول ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو واقعہ ابنتہ الجون کا بیان کیا جاتا ہے وہ نکاح کا نہیں پیام نکاح کا ہے۔

---

[1] یہ جہاد میں غفلت سے پچھڑ گئے تھے، لہٰذا تعزیراً ان سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا تھا۔

جمہور فقہا کا مسلک اور جمہور جن میں ائمہ اربعہ وغیرہ بھی شامل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اگر طلاق کی نیت ہو تو یہ الفاظ طلاق کے بن جائیں گے اور وہ واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ روایت عائشہ رضؓ کے مطابق ابنتہ الجون سے آپؐ نے نکاح کیا تھا۔[1]

ابن عباس کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث قصۂ اسماعیل میں صریح ہے، وہ کہتے ہیں یہ لفظ ان الفاظ میں ہے جو جاہلیت اور اسلام میں طلاق کے لیے بولے جاتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی انہیں علی حالہٖ قائم رکھا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے طلاق کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے لیے کوئی لفظ معین نہیں کیا ہے، اس نے یہ بات لوگوں کے عرف پر چھوڑ دی، جو لفظ عرفی طور پر لفظ طلاق کا حامل ہوگا اس سے بشرط نیت طلاق پڑ جائے گی۔ پس اگر شوہر نے مقصد و ارادے کے ساتھ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جو معنی طلاق پر دال ہو تو اس پر طلاق کا لفظ مرتب ہو جائے گا، چنانچہ عجمی، ترکی، ہندی اپنی زبان میں اس طرح کا لفظ استعمال کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن ان عجمیوں میں اگر کوئی شخص بزبان عربی صریح طلاق دیدے، لیکن عربی کا نہ جانتا ہو، اور ان الفاظ کے مفہوم سے لاعلم ہو تو قطعاً طلاق نہیں پڑے گی۔ اور کچھ لازم نہیں آئے گا، کیونکہ اس کے منہ سے وہ الفاظ نکلے ہیں جن کا مفہوم اسے نہیں معلوم، نہ اس کا یہ مقصد تھا، چنانچہ حدیث کعب بن مالک بھی اس بات پر دال ہے کہ ان الفاظ، اور اس طرح کے الفاظ سے طلاق نہیں پڑتی، بجز اس کے کہ نیت طلاق ہو،

---

[1] نکاح نہیں کیا تھا، نکاح کا پیام دیا تھا۔

قرآن کے الفاظ سے استدلال

بہت سے عربی لفظ بعض اقوام میں بطور کنایہ؛ اور بعض کنایہ کے الفاظ بعض اقوام میں بطور صریح استعمال ہوتے ہیں، یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقام اور ایک زمانہ میں کوئی لفظ صریح ہوتا ہے بعد کو کسی زمانہ اور کسی مقام میں کنایہ بن جاتا ہے،

لفظ "سراح" (رہا کرنا رخصت کرنا) کسی زمانہ میں بھی کنایۃً طلاق کے طور پر استعمال نہیں ہوا لہٰذا اس لفظ سے نیت اور عدم نیت کسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، جو اسے شرعی اور عرفی طور پر مانتا ہے اس کا دعویٰ باطل ہے، عملی طور پر بھی اور شرعی طور پر بھی، عملی طور پر یوں کہ کبھی کسی نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا، اور شرعی طور پر یوں کہ شرع نے اسے غیر طلاق کے موقع پر استعمال کیا ہے، مثلاً:

یا ایہا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ فمتعوھن وسرحوھن سراحاً جمیلاً۔

یعنی: اے مسلمانو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کا شمار کرنے لگو، انہیں کچھ مال دیدو، اور خوبی کے ساتھ رخصت کر دو، اسی طرح فراق کا لفظ بھی ہے، شرع نے اسے بھی غیر طلاق کے لیے استعمال کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف۔

یعنی: اے نبی کہہ دیجیے جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں زمانۂ عدت (طہر) میں طلاق دو — پھر جب وہ مطلقہ عورتیں

اپنی عدت گزارنے کے قریب پہنچ جائیں تو تا عدے کے مطابق روک لو یا خوبی سے رخصت کردو،

یہاں امساک سے مرآد رجعت ہے، اور مفارقت سے مراد ترک رجعت نہ کہ طلاق ثانی کا انشا اور اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے"

مسئلہ ظہار

ظہار طلاق ہے یا قابل کفارہ معصیت؟

آیۂ قرآنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الذین یظاھرون منکم من نسائھم ما ھن امھاتھم ان امھاتھم الا اللائی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور، والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتلک حدود اللہ وللکافرین عذاب الیم ۔

یعنی: تم میں جو لوگ ظہار[1] کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں (اس پے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً خدا معاف کرنے اور بخش دینے والا ہے، اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس سے اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ

---

[1] ظہار سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو، ماں کی طرح، کہدے، مثلاً انت منی کظھر امی۔ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں - اس طرح تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے، پھر جس کو (غلام یا لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں، قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، پھر اس سے یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ (اللہ اور رسولؐ پر ایمان لے آؤ، اور یہ ہیں حدیں اللہ تعالیٰ کی اور کافروں کے لیے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

خولہ بنت مالک کا واقعہ

سنن اور مسانید سے ثابت ہے کہ اوس بن صامت نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک بن ثعلبہ سے ظہار کیا، خولہ اس باب میں رسول اللہ سے الجھ پڑیں، اور جب آپؐ سے حسب دل خواہ جواب نہ پایا، تو اللہ سے فریاد کی، اللہ نے ہفت آسمان کی بلندی سے یہ فریاد سن لی، خولہ نے کہا،

اے اللہ کے رسول اوس بن صامت نے جب مجھ سے شادی کی تھی تو میں ایک نوجوان اور خوب رو عورت تھی، اور اب کہ میری عمر ڈھل گئی ہے، اور میرا پیٹ پھیل گیا ہے اس نے مجھے اپنی ماں کی طرح بنادیا ہے، (ظہار کر لیا ہے)۔!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ بنت مالک کی یہ بات سنکر ارشاد فرمایا،!

"تمہارے معاملہ میں میرے پاس کچھ نہیں ہے،" [1]

---

[1] بعثت نبوی سے قبل ظہار ایسی طلاق مانی جاتی تھی جو تحریم ابدی کی حامل تھی، یعنی پھر کبھی اور کسی صورت میں اس سے شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

خولہ جب آپؐ کے پاس آئیں تو چونکہ ابتک قرآن نے اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تھا، لہٰذا اسے عرف عام قرار دے کر، آپؐ نے بحال رکھا، اور فیصلہ صادر فرمایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا لیکن خدا نے سن لی، اور حکم ظہار نازل فرمادیا۔

خولہ نے کہا،

اے اللہ میں تجھ سے فریاد کرتی ہوں "!"

ایک روایت یہ ہے کہ خولہ نے کہا،

"میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر اوس انہیں لے لیتا ہے تو یہ ضائع ہوں گے، اور اگر میں لے لیتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔!"

اس پر قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ کہتی ہیں خولہ بنت ثعلبہ جب فریاد کناں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں گھر کے ایک گوشے میں بیٹھی تھی۔ بعض باتیں سن پائی، بعض سننے میں نہ آئیں، کہ اللہ عزوجل کی وحی آئی۔

قد سمع اللّٰہ قول التی تجادلك فی زوجها وتشتكی الی اللّٰہ واللّٰہ یسمع تحاورکما ان اللّٰہ سمیع بصیر۔

یعنی: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی، جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی، اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ (تو) سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے"

ادائے کفارہ میں مدد

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خولہ سے فرمایا،

"تیرے شوہر کو چاہیئے کہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرے (بطور کفارہ کے)

خولہ نے کہا، "اس کے پاس لونڈی غلام آزاد کرنے کی طاقت کہاں؟

آپؐ نے فرمایا، اچھا تو پھر لگاتار (بطور کفارہ کے) دو مہینے کے روزے رکھے!

خولہ نے عرض کیا، "وہ تو ایک بوڑھا شخص ہے، لگاتار دو مہینے کے روزے کیسے رکھ سکتا ہے؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا،
"پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے،"
وہ کہنے لگی، اس کے پاس ہے کیا، جو وہ مسکینوں کو کھانا کھلائے؟
آپؐ نے فرمایا، "اچھا ایک میں اس کی مدد کرتا ہوں، کھجوروں کی ایک تھیلی دے دیتا ہوں،"
خولہ نے عرض کیا، "میں اسی طرح کی مدد ایک تھیلی کھجور کی دے کر، کردوں گی"!
آپؐ نے فرمایا، "شاباش، بس وہی ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، اور اپنے ابن عم، (اوس بن صامت، شوہر) کے پاس واپس چلی جاؤ،"

سلمہ بن صخر البیاضی کا واقعہ

سنن میں ہے کہ سلمہ بن صخر البیاضی نے اپنی بیوی سے مدت ماہ رمضان میں ظہار کیا، پھر ایک رات یہ مہینہ ختم ہونے (اور کفارہ دینے) سے پہلے ہی جماع کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا،
"اے سلمہ کیا تم نے یہ کیا ہے؟"
سلمہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا،
"یا رسول اللہ، میں نے دو مرتبہ ایسا کیا ہے، اور اب میں امر الٰہی کا منتظر ہوں، فرمایئے اللہ تعالیٰ کا حکم اس باب میں کیا ہے؟"
آپؐ نے فرمایا،
ایک غلام یا ایک لونڈی آزاد کر دے۔
سلمہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا۔
"اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث کیا ہے میرے پاس دو گردن" (غلام) کے سوا کوئی اور نہیں ہے، پھر میں نے اپنی گردن پر ہاتھ مارا۔
آپؐ نے فرمایا، "اچھا تو پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھو،" یا پھر ساٹھ

مسکینوں کو کھجور ہی کھلا دو، میں نے عرض کیا،

"اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔"

آپؐ نے فرمایا، تم بنی زریق کے صاحب صدقہ کے پاس جاؤ، وہ تمہیں دے دے گا، پھر اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، اور جو باقی بچے وہ تم کھاؤ، اور اپنے عیال کو کھلا دو۔

سلمہ کہتے ہیں میں اپنی قوم کے پاس واپس گیا، اور میں نے کہا،

"تم سے میں نے تنگی اور سوء رائے پائی، اور رسول اللہؐ کے پاس وسعت اور حسنِ رائے دیکھی۔"

احکام متضمنۂ مسئلہ

یہ مسئلہ چند احکام کو متضمن ہے۔

۱۔ ابطال طلاق

جاہلیت اور صدرِ اسلام کے اس رواج کا ابطال کہ ظہار طلاق ابدی ہے اگر اس سے طلاق کی نیت ابدی ہو تو بھی طلاق نہیں پڑے گی ظہار ہی مراد لیا جائے گا، اس پر سب کا اتفاق ہے، اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو وہ شاذ ہے، احمد اور شافعی رحمہما اللہ اور دوسروں کا مسلک یہی ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر ظہار سے مراد لے تو بھی طلاق نہیں پڑے گی، اسی طرح اگر طلاق دی، اور نیت ظہار کی رکھی تو طلاق پڑ جائے گی،

امام احمدؒ کے نزدیک اگر شوہر نے بیوی سے کہا،

انت کظہر امی (تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

اور اس سے مراد طلاق لی، تو یہ طلاق نہیں ظہار ہے، کیونکہ ظہار جاہلیت میں طلاق تھی، جسے اسلام نے منسوخ کر دیا، پھر ایک منسوخ حکم کی طرف اعادہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

۲- ظہار فعل منہی عنہ ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب ظہار کو حرام کر دیا ہے اور اس سے روک دیا ہے، تو اب اگر کوئی اس کی طرف عود کرتا ہے تو فعل منہی عنہ کی طرف عود کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عسىٰ ربكم ان يرحمكم وان عدتم عدنا۔ یعنی اگر تم نے گناہ کی طرف عود کیا، تو ہم عقوبت کی طرف عود کریں گے،

۳- وجوب کفارہ عود کی صورت میں

جمہور کا قول ہے کہ وجوب کفارہ صرف عود کی صورت میں ہے، جو ظہار کے بعد ہو، لیکن عود کے معنی میں اختلاف ہے، کہ آیا اس سے مراد اعادۂ لفظ ظہار ہے کیونکہ زبان عرب میں عود اسے کہتے ہیں جو دوسری بار ہو، اسی طرح قول خدا ہے۔ وان عدتم عدنا، یعنی اگر تم نے گناہ کی تکرار کی تو ہم عقوبت کی تکرار کریں گے پس اس سے مراد دوسری مرتبہ کا ارتکاب ہے، اور اس کے علاوہ کی تکرار لفظ خواہ امساک ہو، یا عزم، یا فعل، تو ان میں سے کوئی چیز بھی ظہار کی طرف عود نہیں قرار دی جا سکتی،

۴- عود سے مراد کیا ہے

جو لوگ عود کو ایسا امر قرار دیتے ہیں جو اعادۂ لفظ مبنی نہ ہو۔ تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ مجرّد امساک ہے، بعد ظہار ہے یا کوئی امر دیگر۔

ایک گروہ کا کہنا ہے وہ امساک زبانی ہے جو قول طلاق تک وسیع ہے اور چونکہ ظہار سے طلاق نہیں ہوتی لہٰذا کفارہ لازم آئے، امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، لیکن سنا زعین کا کہنا ہے۔ کہ لفظ ظہار کے بغیر کفارہ لازم نہیں آئے گا، اور لفظ طلاق غیر موثر ہوگا ایجاباً بھی، اور نفیاً بھی۔

۵- امر، ورائے امساک

اور جو لوگ اسے امر، ورائے امساک مانتے ہیں وہ بھی باہم مختلف الرائے ہیں، امام مالکؒ کی چار روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے اور ابو عبیدہؓ اسے عزم وطی

قرار دیتے ہیں، قاضی ابو یعلیٰ کا قول بھی یہی ہے لیکن امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں امام مالکؒ کہتے ہیں، اگر ظہار اور طلاق کو، کوئی شخص جمع کر دے تو کفارہ لازم آئے گا،

پھر اس قول کے اصحاب اس میں بھی مختلف ہیں کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے یا عزم کے بعد، اور وطی سے پہلے طلاق دے، تو کیا کفارہ اس پر مستقر رہے گا،

امام مالکؒ اور ابو الخطابؒ کہتے ہیں، اس پر کفارہ مستقر رہے گا؟

قاضی اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کفارہ مستقر نہیں ہوگا،

۶- کفارۂ ظہار مجبور سے بھی ساقط نہیں ہوگا

اگر کوئی شخص ادا کرنے سے عاجز ہو تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی مدد کی، اور ان کی بیوی نے بھی مدد کی، مگر کفارہ سے خلاصی نہیں ہوئی، اسی طرح آپؐ نے سلمہ بن صخر سے صدقہ کی رقم سے کفارہ دلوایا، اگر یہ ساقط ہو سکتا، تو آپؐ ایسا نہ کرتے،

لیکن ایک گروہ کا خیال ہے کہ عجز کی صورت میں کفارہ ساقط ہو جائے گا، جیسے واجبات بہ صورت عجز ساقط ہو جاتے ہیں۔

ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ کفارۂ رمضان ساقط ہو جائے گا، دوسرے کفارات ساقط نہیں ہوں گے، اسے ابو البرکات ابن تیمیہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے،

اور سنت اس امر پر دال ہے کہ اگر آدمی عسرت کے باعث کفارہ نہ ادا کر سکے اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے وہ دے تو یہ کفارہ خود اس شخص پر (جس پر کفارہ واجب ہے) بھی صرف کیا جا سکتا ہے، اور اس کے اہل و عیال پر بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔

۷- ادائے کفارہ سے قبل مجامعت جائز نہیں

مظاہر (ظاہر کرنے والا) جب تک کفارہ نہ دے۔

لے بیوی سے جماعت نہیں کر سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "من قبل ان تیما سا" فرمایا ہے۔

۸۔ کھانا کھلانے کی مقدار معین نہیں
اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اطعام مساکین کا ذکر مطلق طور پر کیا ہے، کوئی مقدار کھانے کی معین نہیں کی ہے، اس کا اقتضا یہ ہے کہ چاہے اناج کھلائے، یا کھجور، جائز ہے، امر الٰہی کا امتثال ہو جائے گا، جمہور کا قول یہی ہے۔
ساٹھ مسکینوں کو کھانا چاہے ایک ساتھ کھلایا جائے، یا متفرق طور پر، دونوں صورتیں یکساں ہیں،

۹۔ ساٹھ کی تعداد پوری کرنا لازمی ہے
ساٹھ مسکینوں کا عدد پورا کرنا لازمی ہے اگر ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن تک کھلایا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے۔
ایک مذہب یہ ہے کہ واجب ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، خواہ ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن تک کھلایا جائے یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔
ایک تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ مسکین دستیاب ہو سکیں تو پھر ایک ہی کو کھلانا جائز نہیں ہے، ــ اور یہی تمام اقوال میں صحیح تر قول ہے۔

۱۰۔ کفارۂ ظہار کے مستحق صرف مساکین ہیں
کفارۂ ظہار کا مستحق مساکین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس میں فقراء بھی داخل ہیں جیسے فقراء میں مساکین شامل ہیں۔
ہمارے اصحاب نے اسے عام قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں، جو اپنی ضرورت واحتیاج کے باعث زکوٰۃ لے سکتا ہے، وہ اس کفارۂ ظہار میں بھی شریک ہو سکتا ہے، زکوٰۃ چار قسم کے آدمیوں کو دی جا سکتی ہے، فقراء مساکین مسافر، اور قرضدار، اور مکاتب،

لیکن ظاہر قرآن سے مساکین کا اختصاص ثابت ہوتا ہے، لہٰذا، ان کے علاوہ کسی اور کو شریک نہ کرنا چاہیے۔

۱۱۔ کافر غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے

غلام آزاد کرنے کا ذکر اللہ نے مطلق طور پر کیا ہے، ایمان کی شرط نہیں رکھی ہے، البتہ کفارۂ قتل میں یہ شرط رکھی ہے۔

غیر کفارۂ قتل میں اشتراط ایمان کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ مالکؒ احمدؒ شرط ایمان لگاتے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ شرط ایمان نہیں لگاتے،

جو لوگ عدم اشتراط ایمان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اگر یہ شرط ہوتی تو خدا نے اس کا ذکر کر دیا ہوتا، جس طرح کفارۂ قتل میں کر دیا ہے، اس جگہ اس نے مطلق رکھا ہے، لہٰذا مطلق طور پر عمل کیا جائے گا، حنفیہ کہتے ہیں اشتراط ایمان نص پر زیادتی ہے، جو نسخ ہے، اور قرآن کا کوئی حکم صرف قرآن، یا خبر متواتر ہی سے منسوخ ہو سکتا ہے،

جو اشتراط ایمان کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں جس طرح اللہ نے زکوٰۃ مسلمین ہی پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، مشرکین پر نہیں، اسی طرح اللہ نے جو صدقات فرض کیے ہیں وہ بھی مسلمان کے سوا کسی پر خرچ نہیں کیے جا سکتے،

۱۲۔ غلاموں کی تنصیف کب جائز ہے؟

اگر دو غلاموں کو آدھا آدھا آزاد کر دیا، تو ایک غلام کا آزاد کرنا نہیں ہو گا۔

لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ اگر آدھا آدھا غلام آزاد کرنے سے دو غلاموں کی حریت مکمل ہو جاتی ہے تو یہ جائز ہے، ورنہ نہیں،

۱۳۔ خلاف ورزی سے کفارہ مضاعف نہیں ہوتا

کفارہ ادا کرنے سے پہلے مجامعت کر لینے سے کفارہ ساقط نہیں ہو جاتا نہ دوگنا ہو جاتا ہے، بلکہ علی حالہ قائم رہتا ہے، جیسا کہ حکم

رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، صلت بن دینار کہتے ہیں میں نے ظاہر (ظہار کرنے والا) کے بارے میں فقہا سے پوچھا کہ اگر وہ کفارہ دینے سے پہلے مجامعت کرے تو کیا حکم ہے؟ سب نے یہی جواب دیا کہ ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا، اور یہ جواب دینے والے حسن، ابن سیرین، مسروق، بکر، عطاء، طاؤس، مجاہد، عکرمہ اور نافع تھے۔

ائمہ اربعہ کا قول بھی یہی ہے۔

مسئلہ ایلاء

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے اثرات ونتائج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایلا فرمایا۔

آپ ۲۹ دن تک بالا خانہ پر مقیم رہے۔ اس کے بعد نیچے واپس تشریف لائے لوگوں نے پوچھا:

کیا آپ نے ایک مہینہ ایلا فرمایا؟"

آپ نے فرمایا "مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

ایلا کے بارے میں آیت قرآنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ سبحانہ، وتعالےٰ فرماتا ہے۔

للذین یولون من نسائھم تربص اربعة اشھر فان فاؤ فان اللہ غفور الرحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم

یعنی، جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں (کے پاس نہ جانے) سے ان کے لیے چار مہینہ تک مہلت ہے، سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر بیوی کی طرف)

رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالےٰ معاف کر دے گا رحم کرے گا، اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ایلاء کے معنی ازروئے لغت ازروئے لغت ایلا کے معنی یہ ہیں کہ یمین کے ساتھ کسی چیز سے امتناع، اور شرع کے عرف میں زوجہ سے عدم مباشرت کی قسم کھا لینا ہے۔

ایلاء کا حکم اللہ سبحانہ، وتعالےٰ نے شوہروں کے لیے چار مہینہ کی مدت رکھی ہے کہ اس عرصہ میں وہ ایلا کے باعث بیویوں سے رُکے رہ سکتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد یا رجوع کر لیا جائے یا طلاق دے دی جائے۔

حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ایلا حالت غضب میں ہوتا ہے، حالت رضامندی میں نہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ اپنی ازواج کے ساتھ پیش آیا تھا۔

آیت بالا سے احکام مستنبط اس آیت سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو چار مہینے سے کم کی مدت کے لیے ترک مباشرت کی قسم کھائے گا وہ مولی (ایلا کرنے والا) نہیں ہو گا، جمہور کا قول یہی ہے ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ ایلا چار مہینے سے کم کی مدت کا بھی ہو سکتا ہے۔

ایک اور حکم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکم ایلا اس وقت تک ثابت نہیں ہو گا جب تک حلف چار ماہ سے زیادہ کا نہ ہو، پس اگر مدت امتناع چار ماہ ہو گی تو حکم ایلا ثابت نہیں ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے جو مدت رکھی ہے وہ چار ماہ کی ہے۔ اس کے ختم ہونے کے بعد ہی رجوع یا طلاق کی اجازت ہے۔ جمہور کا قول یہی ہے، جن میں احمدؒ، شافعیؒ، اور مالکؒ بھی شامل ہیں۔ لیکن ابو حنیفہ مولی (ایلا کرنے والے) کے لیے چار ماہ کی مدت رکھتے ہیں۔ اس قول

بناء اس اصل پر ہے کہ مدت معلینہ کا اختتام ہی وقوع طلاق کی مدت ہے۔ اور جمہور اس مدت کو استحقاق مطالبہ کی مدت تسلیم کرتے ہیں۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اختلاف

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں سلف..... صحابہ، تابعین تبع تابعین ـــ کا اختلاف ہے۔

سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول اللہ میں سے بارہ اصحاب سے مولی (ایلا کرنے والے) کے بارے میں استفسار کیا۔ ان سب نے جواب دیا۔

"جب تک چار مہینے نہ گزر جائیں اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی!"

جمہور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا قول یہی ہے۔

ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کی مدت گزر جائے اور شوہر رجوع نہ کرے، تو یہ مدت ختم ہوتے ہی طلاق پڑ جائے گی، تابعین کی ایک جماعت کا قول یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے مطالبہ کا حق ہے۔ اگر شوہر نے رجوع کر لیا، تو ٹھیک ورنہ مدت ختم ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

جمہور کے نزدیک مدت ختم ہونے سے پہلے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد شوہر سے کہا جائے گا یا رجوع کرو۔ یا طلاق دو، اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو اسے ایقاع طلاق پر مجبور کیا جائے گا یا حکم حاکم سے، یا وہ اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک طلاق نہ دے دے۔

آیۂ ایلا سے متعلق دس دلیلیں

قول جمہور یہ ہے کہ آیۂ ایلا سے متعلق ہمارے پاس دس دلیلیں ہیں۔

مطالبۂ رجوع یا طلاق کب؟

۱۔ ایلا کی اضافت شوہروں کی طرف ہے، جو رضا کارانہ ہے جبری نہیں۔ لہٰذا مطالبۂ رجوع یا طلاق مدت کے اندر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ختم ہونے کے بعد کیا جا سکتا ہے۔

رجوع مدت کے بعد

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم یعنی اگر وہ رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)

اس میں اللہ نے فیئت (رجوع) کا ذکر مدت کے بعد کیا ہے، کیونکہ آیت میں "ف" تعقیب کی ہے، اور یہ بعد مدت کی مقتضی ہے۔ اور اس کے مثال یہ ہے کہ الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسريح باحسان" تو اس امساک اور تسریح کا تعلق قطعاً بعد طلاق سے ہے۔

عزم کیا ہے؟

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان عزموا الطلاق ——— اور عزم وہ ہے جو عازم کسی فعل کا کرے، اگر کہا جائے کہ ترک فیئت (رجوع) عزم طلاق ہے، تو کہا جائے گا کہ عزم وہ ارادہ جازم ہے۔ جو معزوم علیہ کے ترک واختیار سے متعلق ہوتا ہے، اور تم مجرد انقضائے مدت سے طلاق واقع کیے دیتے ہو۔ اگرچہ اس کا عزم نہ ہو نہ مباشرت کا نہ ترک کا، بلکہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ اگر آدمی عزم فیئت (رجوع) کرے، لیکن مجامعت نہ کرے تو بھی تمہارے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ مدت گزر گئی، لہٰذا آیت تمہارے خلاف حجت ہے۔

تخییر بین امرین

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آیۂ ایلا میں طلاق و فیئت (رجوع) میں سے کسی ایک کا اختیار دیا ہے۔ اور تخییر بین امرین کفارات کی طرح ایک حالت میں نہیں ہو سکتی، اور اگر اس کی وہ حالتیں مانی جائیں گی، تو پھر ترتیب لازم آئے گی نہ کہ تخییر، اور جب یہ ثابت ہو گیا تو تمہارے نزدیک فیئت (رجوع) نفس مدت ہے۔ اور عزم طلاق انقضائے مدت، لہٰذا

التخییر حال واحد ہیں تو بہر حال نہ ہوئی۔

ترک رجوع طلاق نہیں

۵۔ اگر یہ کہا جائے کہ شوہر کو اختیار ہے کہ مدت کے اندر رجوع کرے۔ یا اسی اثنا میں ترک فیئت (رجوع) کرلے، تو مدت گزرنے کے بعد وہ عازم طلاق تصور کیا جائے گا، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ترک فیئت عزم طلاق نہیں ہے۔ انقضائے مدت کے بعد وہ تمہارے نزدیک عزم طلاق ہے۔ پھر عزم طلاق اور فیئت کے مابین تخییر کیسے ہوئی؟ کیونکہ مدت گزرنے کے ساتھ تمہارے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور پھر فیئت ممکن نہ ہوگی۔ اور مدت میں فیئت ممکن ہے، لیکن یہ عزم طلاق کا وقت نہیں ہے۔

حکم خیار کا ابطال

۶۔ تخییر بین امرین اس کی مقتضی ہے کہ آدمی دونوں میں سے ایک کو اختیار کرلے اور دوسرے کو ترک کردے، ورنہ حکم خیار باطل ہوجائے گا اور یہ مدت سے ہی ہوسکتا ہے۔

طلاق قولی ہونی چاہیے

۷۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔" اس کا مقتضی ہے کہ طلاق قولی ہو۔

مدت گزرنے کے بعد وفا اور حبس کی صورت

۸۔ کوئی شخص اپنے قرضدار سے کہتا ہے۔

"تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے اگر تم نے ادا کر دیا تو میں قبول کرلوں گا اور نہیں ادا کیا تو قید کرا دوں گا"

اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ وفا اور حبس مدت گزرنے کے بعد ہوں۔ نہ کہ مدت کے اندر، اور مخاطب اس قول سے یہی مراد لینے پر مجبور ہے۔

فسخ بیع کی مثال

۹۔ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی آدمی کہتا ہے۔

تمہیں تین دن کا اختیار ہے کہ بیع فسخ کردو، ورنہ یہ

تم پر لازم ہو جائے گی۔

گویا فسخ بیع تین دن کے اندر ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد نہیں۔

لیکن یہی دلیل سب سے زیادہ قوی دلیل تمہارے خلاف پڑتی ہے کیونکہ موجب عقد لزوم ہے۔ اور بائع نے خیار کی مدت تین دن رکھی ہے۔ یہ مدت ختم ہو جانے پر اگر مشتری بیع فسخ نہیں کرتا تو عقد (معاہدہ) قائم رہتا ہے، یعنی بیع لازم آ جائے گی۔ ایسا ہی معاملہ زوجہ کا ہے۔ زوجہ پر اس کا حق مباشرت ہے جیسے شوہر کا بیوی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف تو گویا شارع نے چار ماہ کا امتناع رکھا ہے نہ کہ حق زوجہ اس مدت کے گزرنے کے بعد، بیوی بموجب عقد اپنے حق پر واپس آ جائے گی اور مطالبہ ہے نہ کہ وقوع طلاق۔

تربص، رجوع، طلاق

(۱۰) اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے مولین (ایلا کرنے والوں) کے لیے ایک چیز رکھی ہے، اور ان کے خلاف دو چیزیں رکھی ہیں، جو چیز ان کے لیے رکھی ہے وہ ہے تربص (انتظار) مدت مذکورہ، اور جو ان کے خلاف ہے، وہ ہے رجوع یا طلاق، اور تمہارے نزدیک فلیئت (رجوع) کے سوا کچھ لازم نہیں ہے۔ اور یہ خلاف نص ہے۔

مسئلہ لعان

لعان کی نوعیت وکیفیت اور حکم لعان کی شان نزول

لعان کے بارے میں قرآنی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم، فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ من الکاذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین

یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر (بدکاری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس (علیٰ) گواہ نہیں ہیں سو خود اپنے آپ کے، تو ان میں سے ہر ایک خدا کی قسم کھا کر شہادت دے گا کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار شہادت دے گا کہ اگر جھوٹا ہے تو اس پر خدا کی لعنت، اور بیوی پر سے سزا ساقط ہو جائے گی۔ اگر چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر شہادت دے گی اس کا شوہر جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ شہادت دے گی کہ اس پر خدا کا غضب نازل ہو اگر شوہر سچا ہو۔

عویمر العجلانی اور ان کی بیوی کا قصہ

صحیحین میں حدیث سہل بن سعد سے ثابت ہے کہ عویمر العجلانی نے عاصم بن عدی سے کہا، اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی (غیر) آدمی کو (ملوث) پائے تو کیا اسے قتل کر دے؟ لیکن وہ بھی قتل کر دیا جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے؟ میری طرف سے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپؐ نے اس سوال

سے کراہت محسوس فرمائی اور اسے برا مانا، عاصم نے جو کچھ آپؐ سے سنا وہ انہیں گراں گزرا۔ آخر خود عویمر نے آپؐ سے یہ سوال کیا آپؐ نے فرمایا، تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں حکم الٰہی نازل ہو چکا ہے، جاؤ اسے لے آؤ۔ پھر ان دونوں (میاں بیوی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک دوسرے پر لعنت کی اس کے بعد عویمر نے کہا:

یا رسول اللہ اگر میں اسے روک لوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ بولا۔

اس کے بعد تین طلاقیں قبل اس کے کہ آپؐ حکم دیتے دے دیں۔

سہل کہتے ہیں عویمر کی بیوی حاملہ تھی، اس کا بیٹا ماں کی طرف منسوب ہوا۔ پھر تو یہ اصول بن گیا کہ اس طرح کی صورت میں، ماں بیٹے کی وارث بن جاتی، اور بیٹا ماں کا وارث بن جاتا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرض کیا ہے۔

اس روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ عویمر اور ان کی بیوی نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ان دونوں کے مابین تفریق ہو گئی۔

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ عویمر کی بیوی حاملہ تھی، مگر عویمر نے اس حمل کو اپنا ماننے سے انکار کیا۔

لعان سے پہلے وعظ و تذکیر اور پند و نصیحت

صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ

فلاں بن فلاں نے کہا:

"یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو فحش فعل کا مرتکب پائے تو کیا کرے؟

اگر اس بات کا چرچا کرتا ہے۔ ایک امر عظیم زبان پر لاتا ہے۔ اگر خاموش رہتا ہے تو ایسی شرمناک بات پر خاموش رہتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔
اس کے بعد وہ شخص پھر آپؐ کے پاس آیا، اور عرض گزار ہوا کہ جو سوال میں نے آپؐ سے کیا تھا وہ خود میرا ماجرا ہے۔
چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ نور میں مذکورہ آیات نازل فرمائیں.......
والذین یرمون ازواجھم
آپؐ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں، اور اس شخص کو پند و نصیحت کی، اور فرمایا، عذاب دینا عذاب آخرت سے آسان ہے۔ اس نے کہا۔
اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپؐ کو مبعوث فرمایا ہے، میں اپنی بیوی پر جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔
اس کے بعد آپؐ نے اس کی بیوی کو طلب فرمایا، اور پند و نصیحت کے بعد فرمایا:
عذاب دینا عذاب آخرت سے آسان ہے،،
وہ کہنے لگی،، نہیں اس ہستی کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، یہ شخص جھوٹا ہے۔
پھر کارروائی کا آغاز مرد سے ہوا، اس نے خدا کی قسم کھا کر چار مرتبہ کہا کہ وہ سچ بول رہا ہے اور پانچویں مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹ بول رہا ہو۔
پھر عورت کی باری آئی، اس نے چار مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اس پر خدا کا غضب نازل ہو اگر وہ سچا ہو۔
اس کے بعد آپؐ نے دونوں میں تفریق کرادی۔

لعان کے بعد شوہر بیوی سے کچھ واپس نہیں لے سکتا صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متلاعنین (لعنت والوں) سے ارشاد فرمایا:
،، تمہارا حساب خدا کے حوالے ہے (قطعاً) تم میں سے ایک جھوٹا ہے (بہرحال)

اب تو عورت پر کوئی داعیہ نہیں رکھتا۔ اس نے عرض کیا،

"یا رسول اللہ اور میرا مال؟

آپؐ نے فرمایا۔

"تیرا مال کیسا؟ اگر تو سچا ہے تو اب تک تو نے اس سے جو تمتع کیا ہے، وہ اسے کا صلہ ٹھہرا۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو وہ عورت زیادہ بعید ہے تیرے لیے۔"

بچہ ماں کے حوالہ کیا جائے گا

ایک اور روایت ہے کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص نے لعان کیا۔ آپؐ نے ان دونوں میں تفریق کرادی۔ اور بچہ کو ماں کے ساتھ ملحق کر دیا۔

لعان والی عورت کو متہم کرنے والے مستحق سزا ہیں

ابی داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں میں تفریق کرادی، اور فیصلہ صادر فرمایا کہ بچہ اب باپ کی نسبت سے نہ پکارا جائے۔ اور نہ عورت متہم کی جائے، نہ بچہ، اور اگر کوئی عورت کو یا بچہ کو متہم کرے تو اس پر حد جاری کی جائے۔

نیز آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اب عورت کو شوہر کی طرف سے نفقہ اور سکنی کا حق نہیں ہے کیونکہ دونوں میں بغیر طلاق اور وفات کے تفریق ہوئی ہے، عکرمہ کہتے ہیں یہ لڑکا بعد میں مصر کا امیر بنا اور اسے باپ سے منسوب نہیں کیا گیا۔

ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کا واقعہ لعان

بخاری نے ذکر کیا ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر بدکاری کی، تہمت شریک بن سحماء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لگائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"ثبوت، ورنہ حد (سزا)!"

ہلال نے عرض کیا "یا رسول اللہ ہم میں سے اگر کوئی اپنی بیوی کو کسی مرد کے

ساتھ آلودہ دیکھے تو کیا وہ ثبوت (گواہ) تلاش کرنے چلا جائے گا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہی فرماتے رہے کہ یا ثبوت لاؤ ورنہ تم پر حد جاری ہوگی۔

ہلال نے کہا "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، بیں سچا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل کرے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بچا لے گا"

اتنے میں جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، اور یہ آیت نازل ہوئی۔
والذین یرمون ازواجھم

سعد بن عبادہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو

صحیحین میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے کہا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو (ملوث) دیکھے تو کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا، "نہیں"

سعد نے کہا، بلکہ ضرور، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے"!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا،

"سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے عرض کیا۔

یارسول اللہ اگر میں اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ آلودہ دیکھ لوں، تو اسے مہلت دوں یہاں تک کہ چار گواہ (تلاش کرکے) لے آؤں؟"

آپ نے جواب دیا "ہاں، !"

سعد نے کہا "ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں تو (گواہ لانے سے) پہلے فیصلہ کر دوں تلوار سے!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا:

"سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ بے شک وہ غیور ہے، لیکن میں اس سے زیادہ غیرتمند ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے!"

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد نے کہا:

"اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو آلودہ دیکھ لوں تو میں تلوار سے اس کا خاتمہ کر دوں!

"کیا تمہیں سعد کی غیرت پر تعجب ہے؟ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ باغیرت ہے!"

مسئلہ لعان سے متضمّن

احکام ومسائل عدیدہ ومختلفہ!

کیا لعان غیر مسلموں کے لیے بھی ہے؟

اس حکم نبوی سے متعدد احکام مستفاد ہوتے ہیں، جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ یہ کہ لعان ہر طرح کے زوجین کے لیے صحیح ہے، عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، عادل ہوں یا فاسق، ان پر حد قذف جاری ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، یا ان میں سے کسی ایک پر اس طرح کا ماجرا گزرا ہو۔

امام احمدؒ جمیع ازواج میں اس اصول کو کار فرما تسلیم کرتے ہیں، مرد حر، حرّہ سے، اور باندی سے اگر وہ زوجہ ہو لعان کر سکتا ہے، مسلمان، یہودیہ اور نصرانیہ سے لعان کر سکتا ہے، اگر وہ زوجہ ہو، امام مالک اور اسحاقؒ کا قول یہی ہے، سعید بن المسیب، اور حسن اور ربیعہ اور سلیمان بن یسار کا مسلک بھی یہی ہے۔

حضرات اہل الرائے اور اوزاعیؒ ثوری، اور ایک پوری جماعت اس کی قائل ہے کہ لعان صرف مسلمان میاں بیوی کے مابین ہو سکتا ہے، جو،

: عادل ہوں ،
: آزاد ہوں ،
: ان پر حد قذف جاری نہ ہوئی ہو ،
امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے ،
ان مرد اقوال کا ماخذ یہ ہے کہ لعان میں دو اوصاف کا جمع ہونا ضروری ہے ، یعنی یمین اور شہادت اللہ تبارک وتعالیٰ اسے شہادت کہتا ہے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یمین" فرماتے ہیں ، اس لیے کہ یہ اللہ کی قسم کی محتاج ہے نیز اس میں مذکر و مؤنث مساوی ہیں بخلاف شہادت کے اگر یہ صرف شہادت ہوتی تو تکرار لفظ کی ضرورت نہ ہوتی تو برعکس یمین کے کہ اس میں تکرار ضروری ہے -

امور سہ گانہ ایک دوسری جماعت کا کہنا ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -
والذین یرمون ازواجھم ولم یکن شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربعۃ شھادات باللہ

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں ،
(الف) لعان کرنے والوں کو خدا نے دوسرے گواہوں سے مستثنیٰ کر دیا ہے ، یہ استثناء متصل قطعی ہے ، اسی لیے مرفوعاً آیا ہے -
(ب) اس بات کی ضرورت کہ التعان بجائے خود شہادت ہے ،
(ج) التعان شہود کا بدل اور قائم مقام ہے ، اگر وہ دستیاب نہ ہو سکیں ،

عمرو بن شعیب کی روایت ان کا کہنا ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے ، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"دو غلاموں ، اور دو کافروں کے مابین لعان نہیں ہو سکتی" !
ابو عمر بن عبدالبر نے "التمہید" میں اس کا ذکر کیا ہے دارقطنی نے اسی

سلسلۂ سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ چار شخص ایسے ہیں جن کے مابین لعان نہیں،

(الف) مرد حر اور باندی کے مابین لعان نہیں،

(ب) حرہ اور غلام کے مابین لعان نہیں۔

(ج) مرد مسلم اور یہودیہ کے مابین لعان نہیں۔

(د) مرد مسلم اور نصرانیہ کے مابین لعان نہیں۔

عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو وصیت کی کہ چار کے مابین لعان نہیں ہے، اور مذکورہ چار بیان کیے۔

لعان بدل ہے شہادت کا

یہ کہتے ہیں چونکہ لعان بدل ہے شہادت کا، اور قائم مقام ہے شہادت کا، اگر گواہ دستیاب نہ ہوں تو اس سے وہی چیز صحیح ثابت ہوگی، جو شہادت سے ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اگر شوہر لعان کرتا ہے اور عورت نہیں کرتی تو اس پر حد جاری ہوگی، کیونکہ اب شوہر کا لعان چار شہادتوں کا درجہ پائے گا،

نیز یہ کہ شریعت کا قاعدہ مستقرہ یہ ہے کہ بینہ (ثبوت) مدعی پر ہے اور یمین مدعا علیہ پر، اور یہاں شوہر مدعی ہے، لہٰذا اس کا لعان شہادت ہے، اگر یمین ہوتا تو اس کا آغاز مرد کی طرف سے نہ ہوتا،

لیکن دوسرے لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ شہادت درحقیقت یمین ہی ہے، کوئی شخص اگر کہتا ہے "   " تو گو اسے شہادت کہتے ہیں لیکن حقیقتہً یہ یمین ہے، خواہ نیت یمین کی ہو یا مطلق طور پر بولا گیا ہو عرب اہل زبان لغت میں اسے یمین ہی تسلیم کرتے ہیں۔

لہٰذا اس شہادت سے یمین منعقد ہوتی ہے، جیسا کہ امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے ایک سے ثابت ہے۔

بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ لعان دو وصفوں کا جامع ہوتا ہے، ایک شہادت کا دوسرے یمین کا، یہ شہادت مؤکد ہوتی ہے قسم اور تکرار سے، اور یمین مغلظ ہوتی ہے، لفظ شہادت، اور تکرار سے، لہٰذا تاکید میں دس انواع کا اعتبار ملحوظ ہوتا ہے۔

(الف) ذکر لفظ شہادت،

(ب) ذکر قسم، خدا کے ناموں میں سے کسی ایک نام کے ساتھ، اور جس ایک لفظ میں اسمائے حسنیٰ جمع ہیں، وہ "اللہ" ہے،

(ج) تاکید جواب۔

(د) تکرار لفظ شہادت (یعنی چار مرتبہ، اور پانچویں مرتبہ اپنے لیے بددعا، اور لعنت، جھوٹا ہونے کی صورت میں۔

(ہ) پانچویں قسم کے وقت یہ خبر کہ یہ عذاب الٰہی کی موجب ہے اور عذاب دنیا، عذاب آخرت سے آسان ہوتا ہے۔

(و) شوہر کے لعان کا مقتضائے حصول عذاب ہونا عورت پر، جو یا تو حد ہو گی یا حبس (قید) اور عورت کے لعان کا اس کے اوپر سے حد اور قید کا ساقط کر دینا۔

(ز) لعان کا دونوں میں سے کسی ایک پر، موجب عذاب ہونا، خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں۔

(ح) لعان کرنے والوں میں تفریق، اور خانگی زندگی کی ویرانی و تباہی۔

(ط) دونوں کے مابین دوام تحریم،

یمین و شہادت لازم و ملزوم

توجیہ لعان کا جال اور راز حکمت یہ ہے کہ یمین کو شہادت کے ساتھ مقرون کر دیا، اور شہادت کو یمین کے ساتھ مقرون کر دیا، اور ملتعن کے قول کو شاہد کے قول کا درجہ دیدیا، اور اگر عورت لعان سے انکار کرے تو شوہر کی شہادت مرتبہ،

قبول حاصل کرلے گی، اور عورت پر حد جاری کی جائے گی، اور مرد کی یمین و شہادت سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں، خود اس کے اوپر سے سقوط حد، اور عورت پر حد کا وجوب اور اگر عورت نے بھی جواب میں لعان کیا، اور شوہر کے لعان سے معارضہ کیا، تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شوہر پر سے حد ساقط ہو جائے گی، بجائے اس کے کہ عورت پر جاری ہو، پس یہ شہادت اور یمین ہے، اگر یمین محض ہوتی تو عورت پر حد جاری نہ ہوتی، اور اگر صرف شہادت ہوتی، تو اکیلے شوہر کی شہادت کی بنا پر عورت پر حد جاری نہ ہوتی، لیکن ان دونوں میں اگر عورت کا انکار یا پس و پیش ختم ہو جائے تو شوہر کے حق میں شہادت و یمین زیادہ قوی ہو جائے گی، کیونکہ عورت کا پس و پیش

بظاہر شوہر کے صدق کی دلیل ہے، لہٰذا شوہر پر سے حد ساقط ہو جائے گی، اور عورت پر جاری ہو جائے گی، اور یہ بہترین حکم ہے، پس ظاہر ہوا کہ یہ لعان، یمین ہے، جس میں شہادت کے معنی شامل ہیں، اور شہادت ہے جو یمین کے معنی پر مشتمل ہے۔

ایک حدیث کی تضعیف

رہی حدیث عمرو بن شعیب، تو اگرچہ عمرو تک اس کی سند صحیح ہے، لیکن عمرو تک پہنچنے میں بہت سی گھاٹیاں اور میدان ہیں ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے علاوہ اس سلسلۂ سند میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس سے احتجاج کیا جا سکے۔

رہی حدیث عبدالرزاق، تو ظاہر ہے کہ مراسیل زہری ضعیف ہیں ان سے احتجاج درست نہیں۔

اور عتاب بن اسید مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے، اور مکہ میں نہ کوئی یہودی تھا نہ نصرانی تھا، پھر آپ کس طرح وصیت ان کے بارے

میں فرما سکتے تھے، ان کے مابین لعان ناجائز ہے۔

شریعت کا قاعدہ مستقرہ

اور یہ قول کہ شریعت کا قاعدہ مستقرہ یہ ہے کہ شہادت مدعی کی جانب ہوتی ہے اور یمین مدعا علیہ کی جانب، تو اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ شریعت نے یہ امر شہادت میں نہیں بلکہ قسامت میں مستقر کیا ہے شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ یمین اقوی جہت کی طرف ہوتی ہے، قسامت میں مدعی کا پہلو زیادہ قوی ہوتا ہے لہٰذا یمین اس کی جانب ہوتی ہے، اور اگر یمین ایک ہی جانب دائمی طور پر مشروع ہوتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جانب راجح کی قوت رخصت ہو جاتی، اور حکمت شارع مجروح ہو جاتی، لہٰذا اس معاملہ میں شوہر کی جانب یمین کا رکھنا عورت کے مقابلہ میں زیادہ قوی اور باحکمت طریقہ ہے کیونکہ شوہر کو اپنی ہتک حرمت اور افساد فراش سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہو سکتی، نہ اپنی بیوی کو فجور سے وابستہ کرنے میں اس کا کوئی مقصد ہو سکتا ہر بلکہ یہ چیز تو اس کے لیے حد درجہ تکلیف دہ اور تشویش انگیز ہو سکتی ہے، اور اگر اس کی طرف عورت کا لعان سے انکار شامل کر دیا جائے تو معاملہ اور زیادہ صاف اور قوی ہو جائے، خواص کے دل میں بھی اور عوام کے دل میں بھی، اور عورت پر حکم زنا شرعاً ثابت ہو جائے گا، لہٰذا شوہر کے لعان کی بنا پر اس پر حد جاری کی جائے گی، لیکن اگر اس کی قسم شہادت اربعہ کے درجہ میں نہ ہوتی تو عورت دوسری قسم سے اس سے متعارض ہوتی، اور سزا ساقط ہو جاتی۔

اگر عورت لعان سے انکار کرے تو حد جاری ہو گی؟

اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے یہ کہ عورت اگر جواب میں لعان کرنے سے انکار کر دے تو آیا اس پر فوراً حد جاری کی جائے گی، یا اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک اقرار جرم نہ کرے؟ یا لعان پر آمادہ نہ ہو جائے؟

اس باب میں فقہا کے دو قول ہیں؛

شافعی اور سلف وخلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ عورت پر حد جاری کی جائے گی، اہل حجاز کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ کہتے ہیں قید رکھی جائے گی، یہاں تک کہ جرم کا اقرار کرلے یا لعان پر آمادہ ہو جائے، اہل عراق کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ عورت قید نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اہل عراق اور ان کے ہم نوا اصحاب کا قول ہے کہ اگر لعان اجل بینہ (ثبوت) مان لیا جائے تو عورت پر حد جاری ہوگی، جس کا اسقاط جوابی لعان سے نہیں ہو سکتا، نہ تکذیب بینہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ گویا اس کے خلاف چار شہادتیں گزر گئیں، حالانکہ اگر شوہر اپنے علاوہ تین گواہ پیش کر دے تب بھی حد جاری نہیں ہوگی، پھر اس اکیلے کی شہادت پر حد جاری نہ ہونا تو اور زیادہ اولیٰ واحریٰ ہے۔

حد جاری نہ ہونے کا ایک اور سبب اور حد اس لیے بھی جاری نہیں ہوگی کہ شوہر دو تلاعن کرنے والوں میں سے ایک ہے، لہٰذا دوسرے پر حد جاری نہیں ہو سکتی، جس طرح عورت کے لعان پر شوہر پر حد نہیں جاری ہو سکتی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بینہ مدعی پر ہے، اور لاریب شوہر مدعی ہے۔

نیز لعان شوہر خود اس کے اوپر سے حد ساقط کر دیتا ہے لیکن عورت پر وجوب حد کا مستلزم نہیں ہوتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایک موقعہ پر فرمایا؛

"ثبوت لاؤ، ورنہ تم پر حد جاری ہوگی!" کیونکہ شوہر کا قذف (بدکاری کی تہمت) بھی اجنبی کے قذف کی طرح ہوتا ہے۔ اور وہ حد ہے، اس سے

بچاؤ کی صورت اللہ نے لعان رکھی ہے، اور عورت پر اقامت کے لیے ڈو امر ضروری ہیں، چار گواہ، یا اعتراف گناہ، اس میں لعان شامل نہیں ہے، کیونکہ لعان سے زنا ثابت ہوتی ہے، نہ حد واجب ہوتی ہے، نہ عورت کے نکول (پس و پیش) سے یہ چیزیں ثابت ہوتی ہے، کیونکہ نکول سے حد ثابت نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ حد شبہات کے موقع پر ساقط ہو جاتی ہے پھر نکول سے کیسے واجب ہو جائے گی؟ کیونکہ نکول کا سبب، عورت کی گھبراہٹ شرم ہیبت بھی اس رسوا کن موقع پر ہو سکتا ہے، اور دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔!

قول راجح کیا ہے

بہر حال ترجیحی قول یہی ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت علی سے بھی ثابت ہے کہ حد یا تو بینہ کی بنیاد پر جاری ہو گی، یا اعتراف جرم، یا حاملہ ہونے کے باعث، لہٰذا اس صورت میں عدم تکمیل بینہ کے باعث وہ چھوڑ دی جائے گی،

شوہر بیوی پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کرے تو کیا ہو گا؟

اگر زوج (شوہر) عورت پر تہمت لگانے کے بعد لعان سے انکار کرے تو اس کے نکول کا حکم کیا ہو گا؟

ہم کہتے ہیں اس پر حد قذف جاری ہو گا، سلف و خلف کے جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، امام شافعیؒ، مالک احمدؒ، اور ان کے اصحاب کا قول یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں وہ قید کر دیا جائے گا، جب تک لعان نہ کرے۔

پہلے قول کی اساس قول خداوندی ہے،!

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة

یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں وہ اگر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے مارے جائیں گے،

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، آپؐ نے ہلال بن امیہ سے آیۂ لعان کے نزول سے پہلے فرمایا،

"ثبوت لاؤ ورنہ حد جاری ہوگی"۔ ا"

آنحضرتؐ کے فیصلے مطابق وحی ہوتے تھے

ایک اور حکم جو اس مسئلہ سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم وحی کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے، جو خدا بتاتا تھا، نہ کہ خود اپنی رائے سے، چنانچہ آپؐ نے مثلاً غیبق کے بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، جب تک وحی نازل نہ ہوئی، البتہ امور جزئیہ ان احکام کی طرف راجع نہیں ہوتے، جیسے کسی منزل معین میں نزول یا رحل معین کی تامیر (امیر بنانا) وغیرہ، یہ امور مشاورت سے متعلق ہیں۔ باقی رہا تلقیح نخل (کھجور میں پیوندکاری کرنا) یہ آپؐ کی ذاتی رائے تھی، لیکن یہ دوسری چیز ہے، اور احکام وسنت کلیہّ دوسری چیز، دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

لعان حاکم کے سامنے ہونا چاہیئے

ایک اور یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کو حضور رسالت مآبؐ میں لعان کے لیے پیش کرے، اس سے ثابت ہوا کہ لعان کہ امام، یا اس کے نائب کے سامنے ہوسکتا ہے، افراد قوم میں سے کسی کے سامنے نہیں، جس طرح اقامت امام یا اس کا کوئی نائب کر سکتا ہے۔ قوم کا کوئی فرد نہیں کر سکتا۔

لعان سے متعلق رسول اللہ کا فرمان

لعان اور اس سے پیدا شدہ بقیہ احکام و مسائل شرعی

لعان گواہوں کی ایک جماعت کے سامنے کیا جائے

ضروری ہے کہ تلاعن[1] ایک جماعت کے سامنے کیا جائے، تاکہ لوگ اس کے شاہد ہو جائیں۔ چنانچہ ابن عباس رض ابن عمر رض اور سہل بن سعدؓ نے ایسے ایک موقع پر اپنی کم سنی کے باوجود شرکت کی، اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تلاعن کے موقع پر بہت کافی لوگ جمع ہوا کرتے تھے، جن میں کم سن لڑکے بھی شریک ہوتے تھے۔

ایسے موقع پر لوگوں کی حاضری کی حکمت یہ ہے کہ لعان کی بنیاد ایک حد درجہ نامرغوب اور ناپسندیدہ امر پر ہے۔ چنانچہ تعزیر و زجر کے لیے لوگوں کی حاضری ایک بلیغ اور مصلحت آفرین چیز ہے۔

---

[1] یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے کہیں کہ اگر وہ جھوٹ بول رہے ہیں تو ان پر لعنت، پھر بدکاری کا الزام لگائیں۔

لعان کرنے والے کے لیے کھڑا رہنا ضروری ہے

یہ بھی ضروری ہے کہ لعان کرنے والے کھڑے ہو کر تلاعن کریں، چنانچہ ہلال بن امیہ کے قصہ میں آتا ہے کہ جب وہ لعان کرنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

"کھڑے ہو جاؤ، اور چار مرتبہ اپنے دعوے پر شہادت دو"

چنانچہ صحیحین میں ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ وہ کھڑی ہوئی پھر اس نے شہادت لعان دی۔

اس میں مصلحت یہ ہے کہ لعان کرنے والا جب کھڑا ہو گا تو اسے تمام حاضرین بہ چشم خود دیکھ لیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ واقعہ کی شہرت بھی زیادہ ہو گی اور لوگوں کے دل پر وہ نقش بھی ہو جائے گا۔

کیا لعان صرف مرد کی طرف سے ہو سکتا ہے؟

یہ بھی ضروری ہے کہ لعان کی ابتدا مرد کی طرف سے ہو۔ اگر عورت کی طرف سے آغاز ہوا۔ تو جمہور کے نزدیک یہ لعان قابل قبول نہیں ہو گا، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مان لیا جائے گا۔

اللہ تعالےٰ نے جہاں حدود و شرعی سزاؤں، سزائے زنا کا ذکر کیا ہے تو وہاں سزا کی ابتدا عورت کی ہے۔ الزانیۃ الزانی فاجلدوا کل واحد منہما مأۃ جلدۃ۔

یعنی زانیہ عورت، اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو[1] لیکن لعان کا ذکر جہاں کیا ہے سزا کا آغاز شوہر سے کیا ہے، اور یہ بالکل موزوں اور مناسب ہے، کیونکہ عورت کا ارتکاب زنا، مرد کے مقابلہ میں

---

[1] اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی شرعی سزا سو کوڑے ہے لیکن احادیث

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیں)

کہیں زیادہ قبیح فعل ہے، کیونکہ اس طرح اللہ تعالےٰ کے حق کی ہتک کرتی ہے شوہر کا حق غصب کرتی ہے۔ اور شوہر پر ایک دوسرے شخص کا نسب تھوپ دیتی ہے، اور سارے خاندان کی رسوائی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا سزا کے سلسلہ میں پہلا نام اس کا لیا گیا۔ لیکن لعان کی صورت دوسری ہے۔ اس میں شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے۔

اس کی رسوائی کا موجب بنتا ہے۔ لعان کی پیش کش کرتا ہے۔ اس کے خاندان اور کنبہ میں اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھتا، لہٰذا بدکاری کا الزام لگانے کے بعد اگر وہ لعان نہیں کرتا، تو اس پر حد قذف[1] (تہمت کی سزا) جاری کی جائے۔ لہٰذا عورت کے بجائے اس سے آغاز مناسب تھا۔

عذاب دنیا اور عذاب آخرت

یہ بھی ضروری ہے کہ جب لعان کرنے والے لعان پر آمادہ ہوں تو پہلے انہیں سمجھا بجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے اور وعظ و پند کے ذریعہ بتایا جائے کہ عذاب دنیا عذاب آخرت کے مقابلہ میں کہیں ہلکا ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) سے ثابت ہے کہ غیر شادی شدہ کو سو کوڑے مارے جائیں گے، اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔ فقہ کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا کا یہ اختلاف، مذکورہ آیۂ قرآنی سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہے تو قرآن کے فرمان کے بعد وہ ساقط ہوگیا۔ اگر بعد کا ہے تو اس کا ثبوت تاریخی ورکار ہے جو غیر مشتبہ طور پر ملتا نہیں۔

[1] تہمتِ (بدکاری) کی سزا، شرعی طور پر اسّی کوڑے ہیں۔

لعان کے لیے صرف مقررہ الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں

لعان کے لیے یہ بھی ضروری ہے، کہ اس میں صرف وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ اپنے منتخب کیے ہوئے الفاظ کا لعان قابل قبول نہیں، لعان کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام لگاتے ہوئے کہے:

"میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں سچ بول رہا ہوں!"

اس کے جواب میں بیوی کہے گی۔

"میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ یہ (شوہر) جھوٹا ہے"

بس اتنا کافی ہے، لعان کو مشروط کرنے یا اس میں پیچ لگانا درست اور جائز نہیں۔

لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق، اولاد کی ماں سے نسبت

لعان کے بعد عورت کے پیٹ میں جو حمل ہے، وہ خود بخود شوہر سے منتقل ہو جائے گا، شوہر کے استبراء یا انکار وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے، میاں بیوی میں تفریق ہو جائے گی، اور اولاد (لڑکا یا لڑکی) بیوی کی ہو جائے گی لیکن اگر شوہر کو یہ معلوم ہو کر حمل اسی کا ہے اور عورت سے زنا کا صدور بعد میں ہوا ہے، تو پھر لڑکا شوہر کا ہو گا، اور اس کے لعان کے باوجود منتقل نہیں ہو گا۔

لعان کرنے والے پر حد نہیں جاری ہو گی

اگر شوہر بیوی پر بدکاری کا الزام یوں لگائے، کہ اس نے خود دیکھا ہے، پھر لعان کرے تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی اور بیوی کو بھی اگر وہ شوہر کی تردید کرے سزا نہیں دی جائے گی، لیکن اگر

شوہر بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے مگر لعان نہ کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔

لیکن لعان کے باوجود کہ شوہر حمل کا استلحاق کرے، تو جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کا مانا جائے گا، ظواہر احادیث کے لحاظ سے یہ قول یہاں صحیح اور درست ہے۔

لعان کے بعد بھی عورت کو زنا سے متہم نہیں کیا جاسکتا

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ تلاعن کرنے والوں کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی، اور فیصلہ فرما دیا کہ اب شوہر بچہ کا دعویٰ نہیں کرسکتا، نہ عورت پر زنا کی تہمت کوئی لگا سکتا ہے، اگر ایسا کرے گا تو سزا پائے گا، اسی طرح اگر کوئی لڑکے کو متہم کرے گا، تو وہ بھی سزا پائے گا۔

آپؐ نے یہ بھی فیصلہ فرمادیا کہ اب شوہر کے ذمہ عورت کی سکونت اور نفقہ واجب نہیں رہا۔ کیونکہ دونوں میں افتراق بغیر طلاق کے ہوا ہے۔

سہل کا قول ہے کہ عورت کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوگا، وہ اپنی ماں سے منسوب ہوگا۔ اس کی جائداد کا وارث بھی ہوگا، وہ بھی بیٹے کی وارث بننے کا حق رکھے گی۔

لعان کے نتیجہ میں تفریق کے بعد، یہ دونوں مرد عورت پھر کبھی بھی میاں بیوی نہیں بن سکتے۔ زہری سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لعان کرنے والے اور اس کی بیوی کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کرادی، اور فرمایا:

"ان دونوں میں اب کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا۔"

شوہر نے کہا "یا رسولؐ اللہ، اور میرا مال؟"

آپؐ نے فرمایا، "تیرا مال کیسا؟ اگر تو نے سچ کہا ہے، تو اسنے ذلتے اس

سے متمتع بھی تو ہوتا رہے اور اگر جھوٹ بولا ہے، تو پھر تجھے کچھ پانے کا کیا حق رہا؟

مسئلہ لعان کے احکام عشرہ

مسئلہ لعان جملہ دس احکام پر مشتمل ہے۔

لعان کے بعد تفریق کے سلسلہ میں مذاہب متعددہ

(۱) لعان کرنے والوں کے مابین تفریق کے سلسلہ میں کئی مذاہب ہیں۔

ایک تو یہ کہ قذف (تہمت) کے ساتھ ہی دونوں میں تفریق ہو جائے گی۔ یہ ابو عبید کا قول ہے۔ لیکن جمہور ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں کہ لعان سے بجائے خود تفریق کا موجب ہے۔ ان کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ شوہر کے کہ لعان کے ساتھ فوراً تفریق ہو جائے گی، خواہ بیوی لعان کرے یا نہ کرے۔ یہ قول صرف امام شافعیؒ کا ہے۔

دوسرے یہ کہ جب تک دونوں (میاں بیوی) ساتھ ساتھ لعان نہ کریں، تفریق نہیں ہوگی، اگر دونوں نے ساتھ ساتھ لعان کیا تو ساتھ ہی ساتھ تفرقہ واقع ہو جائے گا، کیونکہ زوجین کے لیے اللہ تعالےٰ نے نکاح کو موجب مودت و رحمت قرار دیا ہے۔ اور دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا مایۂ تسکین قرار دیا ہے، لیکن بدکاری کی تہمت کے بعد وہ مایۂ تسکین زائل ہو گیا۔ اور ننگ و عار اور رسوائی نے اس کی جگہ لے لی۔

تیسرے یہ کہ تفریق اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک لعان مکمل نہ ہو اور حاکم تفریق نہ کرائے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

لعان کے بعد کی تفریق فسخ نکاح ہے طلاق نہیں

۲۔ لعان سے میاں بیوی کے مابین جو تفریق ہوگی، وہ فسخ نکاح ہے نہ کہ طلاق، اور یہ تفریق اس فسخ

نکاح کی سی ہوگی جو رضاعی رشتہ کی صورت میں ہوتی ہے، کیونکہ لعان طلاق سے جدا ایک چیز ہے، اس میں نہ شوہر طلاق دیتا ہے، نہ طلاق کی نیت کرتا ہے۔ نہ طلاق واقع ہوتی ہے، اگر لعان طلاق یا کنایۂ طلاق ہوتا تو شوہر کے لعان کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جاتی۔ بیوی کے لعان پر موقوف نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ طلاق وہ حق ہے جو شوہر کو حاصل ہوتا ہے، چاہے اس حق کو استعمال کرے، چاہے نہ کرے لیکن فسخ نکاح شرع کے حکم سے ہوتا ہے جس میں شوہر کے اختیار کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا۔

نیز سنت نبی کریمؐ اقوال صحابہ، اور دلالت قرآنیہ سے ثابت ہے کہ خلع سے جو تفریق ہوتی ہے وہ بھی طلاق نہیں ہے، بلکہ فسخ نکاح ہے، اگرچہ اس میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی شامل ہوتی ہے، پھر جب خلع تک طلاق نہیں ہے تو لعان کو طلاق کیسے مانا جا سکتا ہے؟

لعان کے بعد نہ رجعت ہو سکتی ہے نہ تجدید نکاح

لعان کی صورت میں جو تفریق زوجین کے درمیان ہوتی ہے وہ دائمی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد دونوں میں اس رشتہ کی تجدید زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔

بیہقی میں سعید بن جبیر نے ابن عمرؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں تو پھر کبھی ملاپ نہیں کر سکتے!"

اگر یہ کہا جائے کہ لعان کے بعد، اگر شوہر اپنی سابقہ بیوی کو بہ حیثیت باندی کے خرید لے تو اب ملک یمین کی حیثیت سے وہ اس پر تصرف کا حق رکھتا ہے۔ یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، کیونکہ ان دونوں کی تفریق دائمی ہے۔ وہ کسی صورت اور طریقہ سے بھی زائل نہیں ہو سکتی۔

۴۔ لعان کے بعد بھی بیوی کو حق مہر حاصل ہے

لعان کے باعث عورت اپنے حق مہر سے محروم نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ شوہر بیوی سے متمتع ہو چکا ہو۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے تو تمتع کے عوض مہر کا دین دار ٹھہرا اور اگر جھوٹا ہے تو اور زیادہ مہر ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر لعان قبل از تمتع ہو تو کیا پھر نصف مہر واجب ہوگا؟ یا ساقط ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال بیع کی سی ہے۔ اگر سودا کھرا ہے تو نافذ ہے۔ کھوٹا ہے تو فسخ ہو جائے گا۔ آخری صورت میں شوہر کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

۵۔ لعان کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق لعان کے بعد، عورت نہ جائے سکونت کی طالب ہو سکتی ہے نہ نفقہ کی۔

۶۔ لعان کے بعد لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا

لعان کے بعد لڑکے کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ لعان والی عورت کے بچہ کا باپ پر کوئی حق نہیں ہے یہی حق ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔

۷۔ لعان کے بعد لڑکے کا نسب ماں سے چلے گا

چونکہ لعان کے بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب باپ سے منقطع ہو چکا ہے لہٰذا اس کا نسب ماں سے چلے گا۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس الحاق کا مقصد اس توہم کو دور کرنا ہے کہ چونکہ اب

بچہ کا نسب باپ سے جس طرح منقطع ہو چکا ہے اس طرح ماں سے بھی منقطع ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے بچہ کا الحاق ماں سے کردیا، اور اس معاملہ میں شدّت ملحوظ رکھی اور اس کے ایجاب کو یہاں تک موکد کیا کہ فرمایا کہ اب جو شخص اس عورت یا اس کے بچہ پر (بدکاری یا بدنسی کی) تہمت لگائے گا اس پر حد قذف (تہمت) جاری کی جائے گی۔ امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اس الحاق سے ایک فائدہ زائدہ یہ حاصل ہوا کہ نسب کی تحویل باپ سے ماں کی طرف ہو گئی، اور ماں باپ کی قائم مقام بن گئی اب یہ ماں بھی اس کی عصبہ بن گئی، اور اس کے عصبات بھی اس کے عصبہ بن گئے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو وہ اس کے ورثہ میں حصّہ پائے گی۔ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور یہی قول صواب اور درست ہے۔

۸۔ لعان کے بعد عورت کو بدکاری سے متہم کرنا قابل سزا ہے

واقعہ ہو کر

لعان کے بعد اب نہ عورت کو کوئی متہم کر سکتا ہے، نہ اس کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کو۔ اگر کسی نے عورت پر بدکاری کی ہے اس کے بچہ پر بدنسبی کی تہمت لگائی تو اس پر حد شرعی جاری ہو گی۔ سنّت صریحہ صحیحہ سے یہ مسئلہ درست اور صواب ثابت ہے۔ جمہور امت کا بھی یہی قول ہے۔

۹۔ لعان زن وشوہر کی طرف سے ساتھ ساتھ ہونا چاہیے

یہ احکام اس صورت میں ہیں کہ لعان زن وشوہر کی طرف سے ساتھ ساتھ ہوا ہو، یعنی دونوں نے ساتھ ساتھ تلاعن کیا ہو۔ شوہر نے اپنے سچے ہونے کی قسم کھا کر بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی ہو۔ اور بیوی نے اپنے سچّے ہونے کی قسم کھا کر

اس کے الزام کی تردید کی ہو اور اسے جھوٹا قرار دیا ہو۔

لیکن اگر صرف شوہر نے لعان کیا ہو، بیوی نے نہ کیا ہو تو پھر یہ احکام مترتب نہیں ہوں گے۔

ابوالبرکات ابن تیمیہ نے اسی مسلک کی بنا پر صرف شوہر کے لعان سے انتفاء ولد کی تخریج کی ہے اور یہ تخریج بالکل صحیح ہے، کیونکہ جس طرح اس کے لعان سے، سقوط حد، اور عار قذف کا بلغیر اعتبار لعان کے افادہ ہوتا ہے اسی طرح سقوط نسب فاسد کا افادہ بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ عورت نے تلاعن نہ کیا ہو۔ کیونکہ نسب فاسد کا تقرر و ضرر، حد قذف سے زیادہ ہے، اور اس کی نفی کی ضرورت دفع حد سے زیادہ قوی ہے، پس اس کا لعان، جس طرح دفع حد کو محکم کر دیتا ہے، اسی طرح نفی ولد کو بھی۔

۱۰۔ عورت نفقہ اور سکنیٰ کا مطالبہ کیا کر سکتی ہے؟

مطلقہ یا بیوہ عورت کے لیے

اس سے نفقہ اور سکنیٰ (جائے قیام) کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ دونوں (مطلقہ اور بیوہ) حاملہ ہوں۔ کیونکہ آپ کے ارشاد کے مطابق ان دونوں میں چونکہ افتراق بغیر طلاق کے واقع ہوا ہے۔ یا بغیر بیوگی کے واقع ہوا ہے لہذا انہیں نہ سکنیٰ کا مطالبہ کرنے کا حق ہے نہ نفقہ کا۔

آپ کے اس ارشاد سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

۱۔ بائن عورت ــــ یعنی وہ عورت جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو۔ سکنیٰ، اور نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی، بشرطیکہ وہ شوہر سے حاملہ نہ ہو۔

۲۔ بلکہ اگر شوہر سے وہ حاملہ ہو تو پھر خواہ مطلقہ بائنہ ہو، یا بیوہ، دونوں صورتوں میں اسے سکنیٰ اور نفقہ حاصل کرنے کا حق ہے۔

کیا قیافہ سے نسب کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟

ایک عورت پر اس کے شوہر نے بدکاری کا الزام لگایا،

آپؐ نے فرمایا:

"دیکھتے رہو"، اگر وہ عورت ایسا ایسا بچّہ جنے تو وہ ہلال بن امیہ (شوہر) کا ہے اور اگر وہ ایسا ایسا (اس رنگ کا) بچّہ جنے تو وہ شریک بن سحما (جس سے بدکاری کا الزام لگایا گیا تھا) کا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایسے معاملات میں قیافہ سے حکم لگانا بھی معتبر ہے۔ نیز یہ کہ معرفت نسب میں شبہ کو بھی دخل ہے۔

ایک بے حد اہم فقہی مسئلہ

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے اور اسے قتل کردے، تو اسے قتل کردو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں کسی آدمی کو یہ الزام لگا کر قتل کردے کہ اسے میں نے اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھا تھا تو اس کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو گویا اس طرح اسے قتل کی اجازت دے دی گئی۔ وہ جسے چاہے اپنے گھر میں بلا کر قتل کردے، اور جب باز پرس ہو تو صفائی میں کہہ دے کہ میں نے تو اسے اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی مثال

لیکن یہ مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا جس کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا، اور جس کے پیچھے پیچھے لوگ بھاگے آرہے تھے۔

اس شخص نے کہا ایک شخص میری بیوی کے ساتھ بدکاری کر رہا تھا، میں نے اسے قتل کر دیا، لوگ جو مقتول کے آدمی تھے، اس الزام سے انکار نہ کر سکے، حضرت عمرؓ نے قاتل پر حد جاری نہیں کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کا فیصلہ

۲۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر

کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو بدکاری کرتے دیکھے تو وہ خود اسے قتل نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے الزام کی تائید میں چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا یا نہ کرسکا تو اسے عدالت کے کٹہرے میں قاتل کی حیثیت سے پیش ہونا پڑے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد

(۲) حضرت سعد بن عبادہ نے ایک مرتبہ اسی طرح کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، نہیں وہ شخص اسے قتل نہیں کرسکتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد نے پوچھا!

"اگر میں ایسا دیکھوں تو کیا اسے اس وقت تک مہلت دوں گا جب تک چار گواہ نہ لے آؤں؟

آپؐ نے فرمایا "ہاں"

سعد نے کہا" اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اگر ایسا اپنے گھر میں دیکھوں تو فوراً تلوار نکال کر فیصلہ کردوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا!

"سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے، بلاشبہ وہ غیور ہے، لیکن میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں۔ اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

ان تینوں مثالوں میں سے۔

ہرسہ واقعات کی توجیہہ وتعلیل

۱۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ یوں ہے کہ انہوں نے قاتل کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مقتول کے جو ولی تھے انہوں نے اعتراف کرلیا تھا، اور صاحب معنی فرماتے ہیں کہ اگر ولی جرم زنا کا اعتراف کرلے تو پھر قاتل پر نہ قصاص واجب ہے نہ دیت۔ خون ہدر (بہا)

۲۔ حضرت علیؓ کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چار گواہوں کی شہادت ضروری

قرار دیتے ہیں ورنہ قاتل کیفر کردار کو پہنچے گا، کیونکہ یہ قتل زنا کی سزا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ زانی پر اگر حد جاری ہوتی تو تلوار سے نہ ہوتی۔ اور اقامت حدود میں شروع کا اعتبار لازمی اور لابدی ہے۔

۴۔ سعد بن عبادہ کے قصہ میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار گواہوں کی شہادت لازمی قرار دی ہے۔ یہی عام حکم ہے امت کے لیے کیونکہ اگر اس کے قتل کی کھلی چھٹی دے دی جائے تو ہلاکت و فساد کی گرم بازاری شروع ہو جائے، جو چاہے کسی کو اپنے گھر میں بلا کر یہ الزام لگائے اور قتل کر دے اسی طرح بہت بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

آپ کے اس ارشاد سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اسے شرعی عدالت کے سامنے جواب وہ ہونا پڑے گا۔

اور سعدؓ کا معاملہ یوں ہے کہ آپؐ نے ان کی شدت غیرت پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ لوگوں کو بتایا کہ وہ غیور ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں سعدؓ سے زیادہ غیرت مند ہوں اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

اس ارشاد کے دو معنی ہوئے۔

ایک یہ کہ سعدؓ کے حلف پر آپؐ کا اقرار غیرت اور سکوت اس امر پر دال ہے کہ سعدؓ نے جو کہا تھا۔ وہ جائز تھا، یعنی انہی کی حد تک، باقی رہا قتل ظاہر شرع کے لحاظ سے عام ہے۔

لیکن حدیث کے یہ دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے متناقض ہرگز نہیں ہیں۔

حکمت، مصلحت اور احسان کا تقاضا

آپؐ نے سعدؓ کی بات سن کر جو کچھ فرمایا وہ نکیر کے طور پر تھا، یعنی آپؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اپنے سردار کی بات سنئے

ہو؟ یعنی میں تو اسے قتل سے منع کرتا ہوں، اور یہ ہیں کہ کہتے ہیں بے شک جس خدا نے آپ کو حق کے ساتھ اور اکرام کے ساتھ مبعوث کیا ہے مگر قتل کو بھی کہتے ہیں۔

گویا آپ نے خبر دی کہ سعد غیرت مند ہیں ... نیز میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور خدا مجھ سے زیادہ غیور ہے۔ اور اس نے اپنی شدت غیرت کے باوجود چار گواہوں کی شہادت کو لازمی اور ضروری قرار دیا ہے۔

خدا کا یہ حکم، حکمت، مصلحت، رحمت اور احسان کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالے اپنی شدت غیرت کے باوجود مصالح عباد کا زیادہ امر شناس ہے۔ چنانچہ اس نے ملزم پر قتل کے لیے لپکنے کو جائز نہیں قرار دیا جب تک چار گواہ اس کے جرم کی تائید و توثیق نہ کریں۔

اور آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ میں سعدؓ سے زیادہ غیرت مند ہوں تو اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ نے گویا دوسرے الفاظ میں انہیں قتل سے منع کیا، اور روکا کہ ظاہر شرع پر عمل بہر حال ضروری ہے

سوال یا استفتا کی صورت میں تعریض سے سائل یا مستفتی پر حد جاری نہیں ہوگی

صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا۔

"میری بیوی نے جو بچہ جنا ہے وہ سیاہ رنگ کا ہے"

گویا اس طرح وہ لڑکے کو ناجائز ثابت کرنا چاہتا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا:

کیا تیرے پاس کوئی اونٹ ہے؟"

اس نے جواب میں عرض کیا "جی ہاں ہے"!
آپؐ نے دریافت فرمایا۔
"اس اونٹ کا رنگ کیا ہے؟"
اس نے جواب میں عرض کیا،
"سرخ رنگ کا ہے"
آپؐ نے سوال کیا!
"کیا کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟"
اس آدمی نے عرض کیا "ہے"
آپؐ نے ارشاد فرمایا:
"یہ رنگ کہاں سے آیا؟"
اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے:

اگر سوال اور استفتا کی صورت میں تعریض کی جائے تو اس سے سائل یا مستفتی پر شرعی حد واجب نہیں ہوگی ـــ اگرچہ وہ حد درجہ ناگوار، اور بیہودہ انداز میں کیوں نہ ہو۔

۔ صرف شک وشبہ کا اظہار، لعان کا سبب نہیں بن سکتا نہ اس سے لعان لازم آتا ہے۔

۔ اس صورت میں نفیِ ولد (اپنا لڑکا نہ ماننا) بھی لازم نہیں آتی!

الوَلدُ للفراش

مسئلہ فراش کی تفصیل اور اس کی حقیقت اور واقعیت

سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا صحیحین میں حضرت عائشہ رضہ کی حدیث سے ثابت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں ایک لڑکے پر جھگڑا ہو گیا۔ سعد نے کہا،

"یا رسول اللہ! یہ لڑکا میرے بھائی عتبہ بن وقاص کا ہے، جس کے بارے میں انہوں نے عہد سے کہا تھا کہ ان کا بیٹا ہے، ملاحظہ فرمایئے یہ ان سے مشابہت بھی کتنی رکھتا ہے۔

عبد بن زمعہ نے کہا۔

یا رسول اللہ! یہ لڑکا میرا بھائی ہے جو میرے باپ کے فرش پر یعنی ان کی ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوا ہے!

آپ نے بہ نگاہ غور اس لڑکے کو ملاحظہ فرمایا تو اس میں واضح اور بیّن طور پر عتبہ کی مشابہت پائی، پھر آپ نے فرمایا!

اے عبد بن زمعہ یہ تمہارا[1] ہے، — لڑکا اس کا ہے جس کے فرش پر پیدا

[1] یعنی تمہارا غلام ہے۔

اور زانی کے لیے پتھر ہے[1]" اے سودہ[2] اس سے پردہ کرو۔!"
پھر حضرت سودہؓ نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔

ثبوت نسب میں اصل فراش ہے

اس حکم نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ:

ثبوت نسب میں اصل فراش ہے، اور باندی بھی فراش ہوتی ہے، لہٰذا اس سے جو اولاد ہوگی، وہ اس کے مالک کی تصور کی جائے گی۔

شبہہ کی صورت میں فراش کو تقدم ہے

اگر شبہہ پیدا ہو جائے تو فراش کو تقدم رکھا جائے

قیافہ کی شرعی حیثیت

قیافہ بھی ٹھیک ہے، اور شرع میں اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے لیکن ثبوت نسب میں، فراش کے تقدم پر سب کا اتفاق ہے۔

ثبوت نسب میں چار چیزیں دخل رکھتی ہیں۔

-: ایک تو فراش،
-: دوسرے استلحاق، یعنی اعلان واعتراف کے ذریعہ کسی کو اولاد تسلیم کر لیا جائے۔
: تیسرے، ثبوت اور دلائل سے کوئی، کسی کی اولاد ثابت ہو جائے۔
-: چوتھے، قیافہ سے ثابت ہوتا ہو،
:- اس سلسلہ میں اوّل الذکر تینوں تو متفق علیہ ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں،

بیوی اور باندی کی اولاد

اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ نکاحی عورت سے جو اولاد ہوگی وہ شوہر کی تسلیم کی جائے گی۔

---

[1]: بہتر ہے یعنی زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔
[2]: ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا۔

لیکن باندی کے پیٹ سے جو اولاد ہوگی اس میں اختلاف ہے، جمہور امت نے اسے بھی فراش کے اصول کے مطابق مالک کا تسلیم کیا ہے، اور دلیل میں بھی حضرت عائشہ رضؓ والی حدیث پیش کی ہے۔

لہ پردہ کا حکم اس لیے دیا کہ بہر حال مشتبہہ امر تھا، اگر ثابت ہوتا تو اس حکم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھر وہ حضرت سودہ کا بھائی ہوتا، اور بھائی سے پردہ نہیں کیا جاتا۔

امام ابو حنیفہ کا مسلک :- امام ابو حنیفہ رضؓ کا قول ہے کہ باندی پہلی ولادت کے موقع پر فراش تسلیم نہیں کی جائے گی، یہ بچہ جو اس کے بطن سے پیدا ہوگا استلحاق کے بغیر شریک نسب نہ ہوگا، یعنی جب تک باندی کا آقا، اور اس بچہ کا باپ اسے اپنا تسلیم نہ کرے، اور اب باپ سے اس کا الحاق فراش کی بنیاد پر نہیں، بلکہ استلحاق کی بنیاد پر ہوگا۔

البتہ پہلی ولادت کے بعد باندی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا، وہ باپ کے نسب سے ملحق ہوگا، بشرطیکہ باپ نے اس کے بیٹے ہونے کی نفی نہ کر دی ہو۔

استلحاق اور نسب گویا امام ابو حنیفہ کے نزدیک صورت مسئلہ یوں ہوئی کہ باندی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ، اس کے آقا، فراش کی بنیاد پر ملحق نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اس سے پہلے والا مستحق (استلحاق کیا ہوا بیٹا) موجود ہو، حالانکہ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو زمعہ سے ملحق کر دیا اور اس کے نسب کو تسلیم کر لیا۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باندی اس سے پہلے بھی کوئی بچہ جن چکی تھی، نہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی سوال فرمایا۔ یا پوچھ گچھ کی، نہ اس بارے میں کوئی تفصیل دریافت فرمائی۔ یہ روایت میں صرف سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے جھگڑے (منازعت) کا ذکر ہے۔ تفصیل کی کوئی اصل کتاب وسنت اور آثر سے ثابت نہیں ہے نہ وہ قواعد شرع اور اصول شرع پر

اثر انداز مانی جا سکتی ہے۔

فراش ضعیف اور فراش قوی

:- حنفیہ (حنفی حضرات) کہتے ہیں کہ ہم باندی کے فی الجملہ فراش ہونے سے انکار نہیں کرتے، لیکن یہ فراش ضعیف ہے، اور ایک آزاد عورت کے مقابلہ میں کم ہے، اس لیے پہلے بچہ کو جو باندی کے بطن سے پیدا ہو، بغیر استلحاق کے نسب پدر سے ملحق نہیں کرتے، البتہ اس کے بعد کی اولاد — اگر باپ کا انکار نہ کرے — نسب پدر سے ملحق مان لی جائے گی۔

بیوی اور باندی میں فرق یہ ہے کہ عقد نکاح بیوی سے تمتع اور مباشرت اور استفراش کے لیے ہوتا ہے، بہ خلاف ملکِ یمین (باندی) کے، کیونکہ اس میں تمتع اور استفراش کی حیثیت تابع کی ہے، اصل کی نہیں۔

رہا زمعہ کا معاملہ، تو اس لڑکے کو آپ نے استلحاق کی بنا پر عبد بن زمعہ کے حوالے کیا تھا - نہ کہ فراش پدر کی بنیاد و اساس پر۔

باندی فراش حقیقی کب ہے؟

جمہور کا قول ہے کہ جب باندی موطوئہ (جس سے تمتع کیا جائے) ہے تو وہ فراش حقیقی بھی ہے، اور اس کے فراش بننے کے لیے ولادت سابقہ کا اعتبار شرعی طور پر محروم دلیل ہے،

:- رہی یہ بات کہ زمعہ کے لڑکے کا لحوق استلحاق کی بنا پر تھا، تو اس کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ اس ذات کے ذمہ ہے جس نے اس کے الحاق کا فیصلہ کیا، اور زمعہ کے بیٹے سے کہا، یہ تیرا بھائی ہے۔

مستلحق کے لیے تمام اقربا کا اتفاق ضروری ہے

اور یہ دعویٰ کہ بھائی کے استلحاق پر اس کو نسب پدر سے ملحق کیا گیا تھا باطل ہے، کیونکہ اگر مستلحق کو، تمام اقربا ملحق کرنے پر متفق نہ ہوں، اس کا الحاق نسب پدر سے نہیں ہو سکتا،

بجز اس کے کہ ان میں سے دو گواہ شہادت دیں کہ یہ مرحوم کا ولد فراش ہے،

حضرت سودہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جو زیر بحث لڑکے کی بہن ہوتی تھیں انہوں نے استلحاق نہیں کیا تھا، اور اگر اقرار کر لیتیں تو یہی ثبوت نسب فراش کی بنا پر ہوتا، نہ کہ استلحاق کی بنا پر، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے فیصلۂ الحاق نسب کے فوراً بعد فرما دیا تھا "ان الولد للفراش" جو اس اصول پر معلّل تھا، اور اس میں یہ تنبیہ تھی کہ یہ ایک کلّی مسئلہ ہے، جو عام ہے، اور اس واقعہ پر اور ایسے دوسرے واقعات پر حاوی ہے۔

الحاق نسب پدر

اس اعتراض باطل کا جواب یہ ہے کہ باندی کے فراش ہونے کا ثبوت خود تمتع کرنے والے کا یا اس کے ورثا کا اقرار ہے، لحوق نسب کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے عبد بن زمعہ سے جب یہ سنا کہ یہ لڑکا میرے والد کی باندی کا ہے جو ان کے فراش پر پیدا ہوا تو الحاق نسب پدر کا فیصلہ کر دیا، یہ زمعہ آپؐ کے خسر تھے ان کی بیٹی آپؐ کی بیوی تھیں۔ پھر فراش آپؐ پر کیسے واضح نہ ہوتا، جس کی بنا پر وہ نسب پدر سے ملحق کیا گیا۔؟

فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی توجیہ

:-- ایک قول یہ ہے کہ آپؐ نے اس کا الحاق بھائی کی حیثیت سے نہیں کیا تھا، بلکہ اسے غلام قرار دیا تھا، چنانچہ یہاں جو "لام" آیا ہے، وہ تملیک کا ہے، یعنی آپؐ نے عبد بن زمعہ سے کہا۔

"یہ تمہارا ہے" یعنی تمہارا مملوک ہے، حدیث کے بعض الفاظ سے بھی اس قول کی تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک روایت یہ ہے کہ آپؐ نے عبد بن زمعہ سے کہا!

"یہ تمہارا غلام ہے"!

نیز یہ کہ آپؐ نے سودہؓ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا، اگر وہ بھائی ہوتا تو آپؐ حجاب کا حکم نہ دیتے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس لڑکے کی حیثیت اجنبی کی تھی، اور آپؐ کا یہ فرمانا کہ "الولد للفراش" تنبیہہ تھی نسب زمعہ سے عدم لحوق کی یعنی یہ باندی زمعہ کی فراش نہیں تھی، کیونکہ باندی فراش نہیں ہوتی، اور لڑکا فراش ہی کا مانا جاتا ہے، چنانچہ حضرت سودہؓ کو آپؐ نے پردہ کا جو حکم دیا وہ بالکل مناسب تھا ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت سودہؓ سے فرمایا۔

"اس سے پردہ کرو، کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔

:- لیکن یہ ادعا سراسر باطل ہے، اور جو اعتراضات وارد کیے گئے ہیں وہ یکسر غیر اہم ہیں، ہمارا جواب یہ ہے۔

۱۔ یہ قول کہ آپؐ نے زمعہ کی باندی کے لڑکے کو عبد بن زمعہ کا بھائی نہیں بلکہ غلام بنایا تھا، امام محمد اسماعیل بخاری کی اس حدیث سے باطل ہو جاتا ہے جو انہوں نے اپنی صحیح میں درج کی ہے، اس حدیث کی رُو سے آپؐ نے فرمایا، اے عبد بن زمعہ وہ تمہارا بھائی ہے"!

۲. رہا "لام" کا تملیک کے لیے ہونا، یہ بھی غلط ہے، یہ لام دراصل تملیک کے لیے نہیں بلکہ تخصیص کے لیے ہے، جیسے آپؐ کا یہ ارشاد ہے کہ "الولد للفراش"!

۳۔ یہ روایت کہ آپؐ نے عبد بن زمعہ سے فرمایا،

"یہ تمہارا غلام ہے"!"

بالکل باطل ہے، ؟ اس کی کوئی اصل نہیں،

۴۔ رہا آپؐ کا حضرت سودہؓ کو پردے کا حکم دینا، تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف۔ یا تو آپؐ نے یہ حکم ازراہ ورع و احتیاط دیا، جس کی بنیاد وہ شبہہ تھا، جو عتبہ سے مشابہت کے باعث پیدا ہو سکتا تھا۔

ب - یا پھر یہ صورت تھی کہ آپؐ نے دو شبہات کی مراعات اور دو دلیلوں پر عمل ملحوظ رکھا، کیونکہ فراش لحوق نسب کی دلیل ہے، اور مشابہت دلیل نفی ہے، پس آپؐ نے فراش کے بارے میں مدعی کی بات قوی مانی اور عتبہ سے مشابہت کے باعث آپؐ نے حضرت سودہؓ کو پردہ کا حکم دیا۔

لہ ان ساری نکتہ آفرینیوں کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول زیادہ اقرب الی الصواب نظر آتا ہے۔

مسئلہ فراش

فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے کہ زوجہ صحیح طور پر "فراش" کب بنتی ہے؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

۱۔ جیسے ہی عقد نکاح ہوا، بیوی "فراش" بن گئی، اگرچہ یہ بات معلوم ہو کہ شوہر نے بیوی سے کبھی تمتع نہیں کیا، بلکہ اگر عقد نکاح کے بعد طلاق دیدے تو بھی کوئی بات نہیں۔— یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

۲۔ عقد نکاح کے ساتھ ساتھ بیوی سے تمتع کا امکان کم از کم پایا جاتا ہو تو اس صورت میں بیوی فراش تسلیم کر لی جائے گی۔— یہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک ہے۔

۳۔ عقد نکاح کے ساتھ محقق طور پر بیوی سے تمتع ثابت ہو، امکانات مشکوک کی کوئی حیثیت نہیں۔— یہ امام ابن تیمیہ (شیخ الاسلام) کا اختیار ہے۔

باندی کب فراش بنتی ہے؟

فقہا کا اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ باندی کب فراش بنتی ہے؟

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تمتع کے وہ فراش نہیں تسلیم کی جا سکتی، اور صحیح تر مسلک یہ ہے کہ عورت، خواہ باندی ہو یا آزاد عورت (حرّہ) کسی حالت میں بھی وہ فراش نہیں تسلیم کی جا سکتی، جب تک اس سے تمتع (تعلقات زن و شو) ثابت نہ ہوں۔

صحت نسب کا مسئلہ

وہ چار امور جن سے نسب ثابت ہوتا اور تسلیم کیا جاتا ہے

وہ چار امور جن سے نسب ثابت ہوتا اور تسلیم کیا جاتا ہے

صحت نسب سے تعلق امور اربعہ | وہ امور جن سے نسب ثابت ہوتا ہے، چار ہیں۔

۱۔ ان چار امور میں سے ایک تو یہی فراش ہے۔

۲۔ دوسرا استلحاق ہے۔

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ صرف باپ ہی استلحاق کر سکتا ہے، باپ کی موجودگی میں دادا کا استلحاق غیر موثر ہے، اور اگر باپ زندہ نہ ہو، اور تمام ورثا استلحاق پر راضی ہوں تو بھی درست ہے، کیونکہ ورثا میت کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

۳۔ تبینہ (ثبوت) — یعنی دو آدمی اس بات کی شہادت دیں کہ یہ بچہ فلاں شخص کا ہے، یا اس کے فراش پر پیدا ہوا ہے، خواہ یہ فراش زوجہ ہو یا باندی، لیکن یہ دو گواہ، ورثا میں سے ہونا چاہییں، ان کی شہادت کے بعد اگر باقی ورثا انکار کریں۔ تو ان کا انکار تسلیم نہیں کیا جائے گا، نسب ثابت ہو جائے گا، اور اس سلسلہ میں جو منازعت برپا ہوگی اسے کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔

۴۔ قیافہ۔ صحت نسب میں قیافہ کو بھی دخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ کا اعتبار کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اور الحاق نسب کا اعلان فرمایا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث سے جو مجزز مدلجی کے بارے میں ہے، ثابت ہے۔

خلفاء راشدین کے احکام و قضایا اور قیافہ

اسی طرح خلفائے راشدین کے عمل اور احکام و قضایا سے بھی قیافہ کا اعتبار ثابت ہے۔

ایک عورت سے ایک طہر میں دو آدمیوں نے مجامعت کی، جس سے اس کے لڑکا پیدا ہوا، حضرت علی نے قیافہ شناس کی رائے لے کر فیصلہ کیا کہ یہ لڑکا، ان دونوں کا لڑکا ہے، اور یہ دونوں اس کے باپ ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر کے بارے میں بھی ایک روایت ہے کہ ایک ایسے ہی موقع پر انہوں نے حضرت علی کا سا فیصلہ کیا، کیونکہ عورت نے جو بچہ جنا تھا، وہ ان دونوں آدمیوں سے مشابہ تھا جنہوں نے اس سے ایک طہر میں مجامعت کی تھی، ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا کہ صحابہ میں سے کسی نے حضرت علی اور حضرت عمر کے فیصلہ پر اعتراض کیا، بلکہ حضرت عمر کے فیصلہ کی تو ایک مقبولیت یہ ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ مدینہ منورہ میں صادر فرمایا تھا، مہاجرین اور انصار موجود تھے، اور ان میں سے کسی نے نکیر نہیں کی اس فیصلہ پر۔

زید بن حارث اور اسامہ بن زید کا واقعہ

ابو حنیفہ کے نزدیک قیافہ کی بنیاد پر نسب سے متعلق حکم لگانا محض ظن و تخمین سے کام لینا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کے بارے میں حضرت عائشہ کی جو حدیث ہے کہ یہ دونوں چادر اوڑھے ہوئے تھے، جس سے منہ ڈھک گئے تھے، لیکن پاؤں کھلے ہوئے، قیافہ شناس نے ان دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی، ان دونوں کے اشتراک نسب کا حکم لگا دیا جس سے آپؐ

بے حد مسرور ہوئے، تو اس حدیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپؐ نے ان دونوں کے مابین لحوق نسب کا فیصلہ قیافہ شناس کا حکم سن کر کر دیا، بلکہ بات یہ تھی کہ منافقین زید اور اسامہ کے رنگ میں جو تفاوت تھا اس پر طعن اور چہ می گوئیاں کیا کرتے تھے، اور انہیں "ولد للفراش" نہیں مانتے تھے، حالانکہ اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ یہ تھا کہ اسامہ زید کے بیٹے ہیں، لیکن جب قیافہ شناس نے بھی اس کی تصدیق کر دی، تو آپؐ خوش ہوئے، محض اس لیے کہ اس تصدیق سے حکم خدا و رسولؐ کی موافقت اور ہر قول منافقین کی تکذیب ہوتی تھی، نہ اس لیے کہ اس سے صحت نسب ثابت ہوتی تھی۔

باقی رہی حضرت عمر اور حضرت علی والی روایت سو اس کی صحت نظری ہے۔

کیا ایک سے زائد باپ تسلیم کیے جا سکتے ہیں؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس بچہ کو کئی آدمیوں کا مانا جائے اس کے نسب کا الحاق ایک شخص سے ہوگا یا کئی اشخاص سے؟

یہ ایک نزاعی اور اختلافی مسئلہ ہے۔

امام شافعی اور ان کے ہم خیال اصحاب کا فتویٰ ہے کہ کوئی لڑکا دو باپوں سے ملحق نہیں کیا جا سکتا، کسی آدمی کا باپ ایک سے زائد نہیں ہو سکتا، اگر کوئی قیافہ شناس ایک لڑکے کو دو یا زیادہ اشخاص سے نسب میں مشترک قرار دیتا ہے تو اس کا قول ساقط ہے۔

جمہور کے نزدیک دو آدمیوں سے لحوق نسب درست ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت تین تک کے لیے ہے، صاحب نفسی کہتے ہیں کہ اگر دو سے الحاق نسب جائز ہے تو دو سے زیادہ سے جائز ہو سکتا ہے، لہٰذا، ایسے بچہ کا الحاق جسے قیافہ شناس دو آدمیوں کے نسب سے ملحق کرے، تین یا زیادہ سے بھی درست ہو سکتا ہے، قاضی کا قول ہے کہ تین سے زیادہ سے الحاق درست نہیں ہے امام محمد بن الحسن کا

بھی یہی قول ہے، ابن حامد کہتے ہیں کہ دو سے زیادہ الحاق نادرست ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سے زیادہ کے ساتھ الحاق نسب ناجائز اور نادرست ہے۔ کیونکہ سنتِ اللہ یہ ہے کہ لڑکے کا باپ ایک ہی ہو، اور ماں بھی ایک ہی ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے، فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلانہ، یہ نہیں کہا جاتا فلاں بن فلاں و فلاں، [1]

ایک آدمی اگر یہ روایت کرتا ہے کہ میں نے آج ایک سڑک پر موٹر چلتے دیکھی، تو یہ روایت مان لی جائے گی، لیکن اگر کوئی یہ روایت کرتا ہے کہ میں نے آج ایک گھوڑے کو بھی آدمی کی طرح بات کرتے دیکھا تو خواہ وہ کتنا ہی ثقہ ہو، اس کی روایت نہیں مانی جائے گی،

الحاق نسب عقلاً، عرفاً، اصولاً ایک ہی شخص سے ہو سکتا ہے، اگر کوئی روایت اس الحاق کو ایک سے زائد اشخاص تک ممتد کرتی ہے، تو اسے تلاش تسلیم کرنا پڑے گا، اس لیے تو اسلام لعبید از عقل باتوں کے مفروضات پر اصول بنانے کا عادی نہیں ہے۔

---

[1] یہ صرف لفظی بحث ہے۔
جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ روایت کے ساتھ درایت کو بھی دیکھنا چاہیے۔

ولد الزنا کا استلحاق اور توریث

کیا ایک ناجائز لڑکا شریک نسب کیا جا سکتا اور وراثت پا سکتا ہے

حدیث سے ثابت ہے کہ استلحاق کے ذریعہ، لڑکا شریک نسب کیا جا سکتا ہے، اور فراش سے بھی اس کا شریک نسب ہونا ثابت ہے، لیکن اگر کوئی زانی کسی لڑکے کا استلحاق کرے تو گویا وہ جائز ہو گا؟ یہاں کوئی فراش نہیں جو معارض ہو، پھر کیا اس صورت میں وہ شریک نسب پدر کر لیا جائے گا؟ اور احکام نسب اس پر جاری ہو جائیں گے۔

یہ ایک اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے اہل علم و فقہ کے اس باب میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔

زانی کا لڑکا شریک نسب کر دیا جائے گا اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ زنا سے پیدا ہو، اور کوئی صاحب فراش اس کا مدعی نہ ہو، اور یہ زانی اسے اپنا بیٹا مان رہا ہوں تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی، اور یہ لڑکا اس کے نسب میں شریک کر لیا جائے گا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "الولد للفراش"، کی بنیاد یہ ہے کہ اگر زانی اور صاحب فراش میں جھگڑا ہو تو صاحب فراش کا دعوٰی مانا جائے گا، حضرت حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے، ان سے اسحاق نے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ اگر ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو

اسے اپنا تسلیم کرتا ہے، تو اسے زنا کے جرم میں کوڑے لگائے جائیں گے، اور لڑکا اس کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔

کیا زانی کا لڑکا شریک وراثت ہو سکتا ہے

عروہ بن زبیر اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ ان دونوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی لڑکے کو اپنا بتاتا ہے اور وہ اس کی ماں سے زنا کا ارتکاب کر چکا ہے۔ اور اس لڑکے کا مدعی کوئی اور نہیں ہے، تو یہ لڑکا زانی کا مانا جائے گا، اس کے نسب میں شریک ہوگا، اور اس کی وراثت کا حق دار ہوگا۔

ولد الزنا شریک وراثت نہیں ہو سکتا ہے

ابو داود نے اپنی سنن میں ابن عباس کی ایک حدیث درج کی ہے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں زنا جائز نہیں ہے، جس نے جاہلیت میں زنا کا ارتکاب کیا تو وہ اپنے غصبہ سے ملحق ہو گیا، اور جس نے کسی لڑکے پر جو حلالی نہ ہوا دعویٰ کیا، تو دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔"

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں زنا کو حرام، اور نا جائز اولاد کو شریک نسب ہونے سے محروم کر دیا، البتہ عہد جاہلیت (قبل از اسلام) جو ہو چکا اسے درگزر کیا اور الحاق نسب کی اجازت بھی دے دی۔

مسئلہ حق حضانت

اولاد کی پرورش کا حق باپ کو حاصل ہے یا ماں کو؟

ایک فریادی عورت دربار رسولؐ میں ابو داؤد نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث درج کی ہے، جو یہ ہے، کہ ایک عورت آپؐ کے پاس آئی، اور عرض گزار ہوئی۔

"یارسول اللہ، یہ میرا لڑکا ہے، میرا پیٹ اس کا برتن ہے، میرے پستان اس کا مشکیزہ ہیں، میری گود اس کے لیے جائے اماں ہے، اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے، اور اب وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا۔

اس لڑکے کو پرورش کرنے کی تو زیادہ حق دار ہے، جب تک دوسرا نکاح نہ کر لے"۔

خالہ ماں کی جگہ ہے بخاری اور مسلم میں براء بن عازب کی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ کی لڑکی کے بارے میں، علیؓ، جعفرؓ اور زیدؓ کے مابین جھگڑا کھڑا ہو گیا علیؓ نے کہا میں اس کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوں، کیونکہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، جعفرؓ نے کہا مجھے زیادہ حق

ہے کیونکہ یہ میری بنت عم ہے، اور اس کی خالہ میری بیوی ہیں، زید نے دعویٰ کیا یہ میرے (اسلامی) بھائی کی بیٹی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرمایا، اور ارشاد کیا،

"خالہ ماں کی جگہ ہے،"

اہل سنن نے حضرت ابوہریرہ کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اس امر کا اختیار عطا فرمایا کہ جی چاہے کہ باپ کے پاس رہے مرضی ہو تو ماں کے پاس،" ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے،

اہل سنن ہی نے اس حدیث کو بھی روایت کیا ہے کہ ایک عورت آپ سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور کہنے لگی۔

"میرا شوہر میرے لڑکے کو لے جانا چاہتا ہے،"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے کہا،

یہ تیرا باپ ہے، یہ تیری ماں ہے، ان میں جس کا جی چاہے ہاتھ پکڑ لے،"

لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ اسے لے کر چلی گئی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

ابو داؤد کی روایت ہے کہ رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا، ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد کناں حاضر ہوئی، آپ نے رافع سے کہا ذرا دیر بیٹھو، یہی بات ان کی بیوی سے بھی کی، پھر آپ نے لڑکی کو دونوں کے مابین بٹھا دیا، پھر کہا اسے بلاؤ، لڑکی ماں کی طرف مائل ہوئی، رسول اللہ نے فرمایا،

"یا اللہ اسے ہدایت دے،"

پھر یک بیک وہ باپ کی طرف مڑی، باپ نے اسے لے لیا، اور چلا گیا۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ **ماں کا حق حضانت باپ کے مقابلہ میں زیادہ ہے**

اگر والدین میں افتراق ہو جائے اور ان کے کوئی بچہ ہو، تو ماں اس کی پرورش اور ولایت کی باپ کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے۔ بشرطیکہ بچہ کم سن ہو، اور عورت دوسری شادی اس اثنا میں نہ کرے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف، اور ان کی مطلقہ بیوی کے حق میں فیصلہ کیا جب کہ ان دونوں میں عاصم یعنی مطلقہ انصاریہ بیوی جمیلہ کے لڑکے کی ولادت کے بارے میں جھگڑا ہوا، پھر جب حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو وہ بھی اسی فیصلہ پر عمل کرتے رہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے وہ نہیں تھی، جو حضرت ابوبکرؓ کی تھی، لیکن انہوں نے حاکم وقت کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا، پھر اپنے عہد خلافت میں بھی اسی پر فتوٰی دیتے اور عمل کرتے رہے،

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی جمیلہ انصاریہ) کو طلاق دے دی جو ان کے بیٹے عاصم کی ماں تھیں، انہوں نے محسر میں عاصم کو دیکھا، تو جمیلہ سے چھین لینا چاہا، جمیلہ نے اس پر مخاصمت کی اور وہ لڑکے کو ان سے چھیننے لگی، اس کشمکش میں لڑکے کو تکلیف ہوئی اور وہ رونے لگا،

پھر یہ دونوں اپنا جھگڑا لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے کہا، "اس عورت کی خوشبو" اس کی گود، بچہ کے لیے تم سے زیادہ راحت بخش ہے جب تک کہ وہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے، اور خود بُرا بھلا نہ پہچاننے لگے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے کہا، ماں زیادہ رحیم، زیادہ مہربان، زیادہ شفیق، زیادہ محبّت کرنے والی، زیادہ حسن سلوک کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنی اولاد کی زیادہ مستحق ہے۔ جب تک وہ دوسری شادی نہ کرے۔

ولایت عقل کے اقسام

ولایت عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم میں باپ ماں پر، اور دوسری میں ماں باپ پر مقدم ہے، باپ کو تقدم مالی

معاملات اور نکاح میں ہے، ماں کو تقدم رضاعت اور پرورش میں ہے۔
ماں نہ ہو تو خالہ کو وہی درجہ حاصل ہو جاتا ہے جو ماں کو حاصل ہوتا ہے۔

حضانت ماں کا حق ہے

اور یہ ارشاد کہ:
"جب تک تو نکاح نہ کرے تو ہی (پرورش اولاد کی باپ کے مقابلہ میں) زیادہ مستحق ہے"!"
آپؐ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضانت ماں کا حق ہے،

اہل علم کا اختلاف فکر و رائے

اور آپؐ کا یہ ارشاد کہ:
"جب تک تو دوسرا نکاح نہ کرے۔"
اہل علم کا اس باب میں اختلاف ہے، کہ "جب تک" سے مراد تعلیل ہے یا توقیت اور اگر وہ عورت حق حضانت حاصل کرنے کے بعد شادی کر لے، اور شادی کر لینے کے باعث حق حضاعت ساقط ہو جائے، پھر اسے اس کا یہ دوسرا شوہر طلاق دیدے، تو آیا وہ ساقط شدہ حق حضانت دوبارہ طلب کر سکتی ہے یا نہیں۔
اگر "جب تک" سے مراد تعلیل (یعنی علت اور سبب کو) لیں تو طلاق کے بعد عورت کا حق حضانت اسے واپس مل جائے، کیونکہ اگر کوئی حکم، کسی علت کے باعث نافذ ہو تو زوال علت کے بعد، خود بھی زائل ہو جائے گا، اور چونکہ سقوط حضانت کی علت تزویج تھی، لہٰذا، طلاق کے بعد یہ علت زائل ہو گئی، لہٰذا حکم بھی زائل ہو گیا، — اکثر کا قول یہی ہے، جن میں امام شافعی، امام احمد، امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

رجعیہ کو حق حضانت کب ملے گا؟

لیکن مختلف الرائے اس میں ہے کہ اگر عورت کو طلاق رجعی ملی ہے، تو آیا اسے حق حضانت فوراً مل جائے گا، یا مدت گزرنے تک توقف سے کام لیا جائے گا اور مدت عدت ختم ہونے کے بعد حق حضانت اسے واپس ملے گا۔
امام شافعی وغیرہ کا قول ہے کہ طلاق کے ساتھ ہی (خواہ وہ رجعی ہو) حق حضانت

عورت کو واپس مل جائے گا،

امام ابو حنیفہ وغیرہ کا قول ہے کہ جب تک مطلقہ عورت عدت پوری نہ کرلے حق حضانت اسے واپس نہیں ملے گا۔

فقہاء اور ائمہ کے ان سارے اقوال کی تفریع لفظ "جب تک" کے لیے اصول تعلیل مان لینے کی بنیاد پر ہے، بہت بڑی جماعت اسی خیال کی حامی ہے۔

امام مالک کی رائے اور فتویٰ

امام مالک کہتے ہیں کہ عورت نے اگر نکاح کرلیا اور اس کا حق حضانت ایک مرتبہ ساقط ہو گیا، تو اب مطلقہ ہونے کے بعد بھی بہ بحال نہیں ہوگا، کیونکہ امام مالک اور ان کے ہم خیال اصحاب "جب تک" کو تعلیل کے لیے نہیں، توقیت (وقت) کے لیے مانتے ہیں، ان کے نزدیک آپ کے اس ارشاد کا کہ "جب تک" تو نکاح نہ کرلے، مطلب یہ ہے کہ تیرا حق حضانت بس اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تو نکاح نہیں کر لیتی، اگر نکاح کرلیا گیا، اور یہ واپس نہیں آسکتا، جس طرح بلوغ عقل کے بعد حق حضانت ختم ہوجائے گا، اور واپس نہیں آئے گا۔

بعض اصحاب کا قول ہے کہ عورت کو اگر اس کا (نیا) شوہر چھوڑ دے تو اس کا حق حضانت واپس مل جائے گا۔ جمہور کا قول یہی ہے، جعزہ اور ابن ابی حازم بھی یہی کہتے ہیں، کہ ...... عورت کو حضانت اس کی قرابت خاصہ کی بنا پر ملا تھا، لیکن اس میں ایک عارض (رکاوٹ)۔ نکاح ۔ پیدا ہو گیا، جس سے عقل کی اضاعت کا اندیشہ حقوق شوہر کی بجا آوری کے باعث پیدا ہو گیا۔ کیونکہ یہ شوہر تو لڑکے کے لیے اجنبی ہے، اسے اس کی فلاح و بہبود اور مصالح سے کیا سروکار ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر موت یا طلاق کے باعث تفرقہ ہو گیا، تو جو مانع تھا وہ زائل ہو گیا، لیکن قرابت خاصہ کا مقتضیٰ قائم رہا۔ چنانچہ اس پر اس کا اصلی اثر مرتب ہوگا، اور حضانت کا حق واپس مل جائے گا۔

مانع کی صورت میں حق حضانت سوخت ہو جائے گا - یہ اصول عام ہے

جو تمام صورتوں پر حاوی ہے - جب بھی کوئی مانع - مثلاً، کفر، غلامی، فسق وغیرہ - پیدا ہو گا، حضانت کا حق سوخت ہو جائے گا، لیکن اگر یہ موانع زائل ہو جائیں، تو اہل حضانت کو ان کا حق واپس مل جائے گا-

جو لوگ انقضائے عدت سے قبل اعادہ حق حضانت کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں عورت بدستور شوہر کی زوجہ ہے، اور اس پر عام احکام زواج کا اطلاق ہو گا، دونوں (میاں بیوی) کے مابین توارث اور نفقہ کا اصول جاری رہے گا، شوہر کو ظہار اور ایلاء کا حق بھی حاصل ہے وہ اس طلاق رجعی کے دوران میں اپنی مطلقہ کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا نہ اس کی چچی یا خالہ کو بیاہ سکتا ہے، نہ اسے ملا کر چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے، لہٰذا طلاق رجعی کے باوجود، جب تک عدت نہ گزر جائے، قانونی طور پردہ اس کی ہو رہے پھر محض طلاق رجعی کے باعث اسے حق حضانت کس طرح واپس دیا جا سکتا ہے؟ یہ اسی وقت ملے گا، جب عدت گزر جائے اور بات بالکل صاف ہو جائے-

جو لوگ محض طلاق رجعی کی بناء پر اعادہ حق حضانت کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے طلاق رجعی دے کر اسے اپنے فراش سے الگ کر دیا، وہ اس کی (شوہر کی) ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو گئی، لہٰذا، جس علّت کو ساقط کیا تھا، وہ طلاق سے زائل ہو گئی، لہٰذا اس کا حق حضانت واپس مل جائے گا، اسی قول کو نفسی میں شیخ نے ترجیح دی ہے خرقی کا ظاہر کلام یہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ شادی کے بعد اگر بچہ ماں سے لے لیا گیا، تو طلاق کے بعد وہ اپنا حق کفالت دوبارہ فوراً حاصل کرے گی-

مراد مجرّد عقد ہے یا شوہر کا تمتع بھی لازمی ہے؟

اور آپؐ کے ارشاد "جب تک تو نکاح نہ کرلے۔!" کے بارے میں ایک اختلاف اور ہے، وہ یہ ہے، کہ آیا مراد مجرّد عقد ہے، یا بیوی سے شوہر کا تمتع اور مباشرت ہے۔؟

اس مسئلہ میں دو قول ہیں"!

ایک قول یہ ہے کہ عقد کرتے ہی عورت کا حق حضانت زائل ہو جائے گا، یہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے اس لیے کہ عقد کے ساتھ ہی شوہر منافع استمتاع (مباشرت و مجامعت) کا مالک ہوگیا، اور اتنا کافی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عورت کا حق حضانت بغیر تمتع اور مباشرت کے زائل نہیں ہوگا،

یہ امام مالک کا قول ہے، کیونکہ تمتع کے بعد ہی شوہر کے اشتغال کا تحقق ہوگا۔

حدیث مذکورہ ان دونوں اقوال کو محتمل ہے، لیکن قرینہ قیاس یہ ہے کہ عقد کے ساتھ ہی عورت کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا، کیونکہ عقد کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ منکوحہ اشتغال بن آگئی، یعنی جو وقت بچہ کو دیتی تھی وہ شوہر کا ہوگیا، اور شوہر کو تمتع کا حق دینے پر بھی آمادہ ہوگئی، لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب اس کا حق حضانت قائم رہے، — جمہور کا قول یہی ہے۔

سقوط حق حضانت

طفل کا حق کفالت اور مباحث و مسائل متعلقہ

نکاح کے بعد سقوط حضانت کے سلسلہ میں چار اقوال ہیں:

ایک تو یہ کہ عقد نکاح کے فوراً بعد، حق حضانت سوخت ہو جائے گا، — یہ قول شافعی، مالک، اور ابو حنیفہ واحمد رحمہم اللہ کا ہے، قاضی شریح اسی کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے،

● دوسرا یہ کہ تزویج سے یہ حق ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ جہاں تک حضانت کا تعلق ہے بیوہ اور شوہر والی عورت میں کوئی فرق نہیں، — اس مذہب کی نسبت حضرت حسن بصری کی طرف کی جاتی ہے، ابو محمد بن حزم کا بھی یہی قول ہے۔

● ۔ تیسرا یہ کہ طفل اگر لڑکی ہے تو ماں کے نکاح سے حق حضانت ساقط نہیں ہوگا، اگر لڑکا ہے تو ساقط ہو جائے گا۔

ابو موسیٰ کا قول ہے اور احمدؒ سے بھی روایت ہے کہ ماں شادی کر چکنے کے باوجود لڑکی کے حق حضانت سے محروم نہیں ہوگی۔

● چوتھا یہ کہ اگر ماں نے کسی ایسے شخص سے شادی کی ہے جو طفل کا ہم خاندان

ہے، تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوگی،

یہ فیصلہ ہر ماں پر منطبق نہیں ہو سکتا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کہ طفل کا حق کفالت ماں کو ہے، اور آپؐ کا یہ ارشاد کہ "جب تک تو نکاح نہ کر لے" — اس سے عموم قضا منتفاد نہیں ہوتا، یعنی یہ فیصلہ ہر حالت میں، ہر ماں پر منطبق نہیں ہوگا اگر ماں کافر ہو، یا باندی ہو، یا فاسق ہو، یا مسافر ہو تو اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، البتہ اگر، اس کے اعتبار اسلام، حریت (آزادی) دیانت اور اقامت کے بارے میں دلیل وثبوت موجود ہو تو بے شک ماں کا حق ہے۔

شرائط حضانت

حضانت کے لیے چھ شرطیں ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

ماں بیٹے کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے

۱۔ ماں اور بیٹے کا ہم مذہب ہونا، کیونکہ کافر کو مسلم پر حق حضانت نہیں مل سکتا اس کے دو سبب ہیں:

ایک سبب تو یہ ہے کہ صاحب حضانت پوری سرگرمی سے طفل کو اپنے دین پر مائل کرنے کی کوشش کرے گا، وہ اسی پر حریص ہوگا کہ اس کی تربیت اپنے اصول دین پر کرے، پھر سمجھدار ہونے کے بعد عقل کے لیے اس ماحول سے نکل کر دوسرا مذہبی ماحول کرنا دشوار اور صعب ہوگا، اس طرح اس حضانت سے اسے نقصان یہ پہنچے گا کہ وہ اس فطرت سے محروم ہو جائیگا، جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے، اور پھر اس کا فطرت (دین اسلام) پر واپس آنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یہ نصرانی، مجوسی بنا لیتے ہیں۔

کافر اور مسلمان کے مابین قطع موالات

دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کے مابین قطع موالات کر دی ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کا، اور کافروں کو کافروں کا دل قرار دیا ہے اور حضانت، موالات کے قوی ترین اسباب میں سے ہے۔

بعض لوگ کافر ماں کو بھی حق حضانت دیتے ہیں، لیکن تعجب ہے کہ فاسق کو نہیں دیتے حالانکہ فسق سے کفر کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ میں سے کسی نے کسی فاسق کو اپنے بیٹے کی تربیت سے نہیں روکا ہے، نہ اس کی حضانت پر اعتراض کیا ہے۔

۲- مجنوں کو حق حضانت نہیں مل سکتا۔

۳- طفل کو حق حضانت نہیں حاصل ہو سکتا۔

۴- بے وقوف اور احمق کو بھی حضانت کا حق نہیں حاصل ہوگا۔
اس لیے کہ یہ سب بجائے خود دوسرے کی کفالت کے محتاج ہیں، کسی اور کی کفالت کیا کر سکیں گے۔

۵- حق حضانت حاصل کرنے والے کو آزاد اور خود مختار ہونا چاہیے۔

۶- اتحاد دار[1] بھی طفل اور حق حضانت حاصل کرنے والی ماں کے لیے ضروری ہے۔

کیا تخییر بین الابوین جائز نہیں ہے؟

آں حضرت[2] کے ارشاد "جب تک تو نکاح نہ کرے۔" سے ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے، کہ ظاہر حدیث سے تخییر بین الابوین[3] جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ

---

[1] اتحاد دار سے مراد یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ملک میں رہتے ہوں، ایک پاکستانی اور دوسرا افغانستان کا باشندہ نہ ہو۔

[2] ماں باپ میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔

صلی اللہ علیہ وسلّم نے حق حضانت ذاتی طور پر ماں کو دیا ہے، اگر تخییر کا اصول مان لیا جائے تو یہ ماں کے بجائے باپ کو بھی منتقل ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

ذیل میں ہم اس مسئلہ سے متعلق مذاہب ناس کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کے دلائل کا ذکر بھی کریں گے، پھر حکم رسول ؐ کے مطابق جو ترجیحی صورت ہے اسے بھی پیش کریں گے۔

حضرت ابو بکر کا فیصلہ حضرت ابو بکر رضؓ نے ماں کے حق میں حضانت کا فیصلہ حضرت عمر کے خلاف کیا کہ جب تک بچہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے اسے قبول کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت عمر نے طفل کو ردو قبول کا اختیار دیا عبد الرحمان بن غنم کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے طفل کو باپ اور ماں کے درمیان ردو قبول کا اختیار دیا۔

عبد الرحمان بن غنم کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک یتیم کی حضانت کا قضیہ پیش ہوا، چچا اور ماں دونوں کو دعوئی تھا، حضرت عمرؓ نے طفل کو اختیار دیا اس نے چچا کے مقابلہ میں ماں کو اختیار کر لیا، وہ کہنے لگے۔

انّ لطف امک خیر من خصب عمّک

(تیرے لیے ماں کا دامنِ محبت چچا کے مرغزار سے بہتر ہے)

حضرت علیؓ کا فیصلہ عمارہ جرمی کی روایت ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے اختیار دیا کہ ماں اور چچا میں سے جسے چاہوں اختیار کر لوں،

قول ابو ہریرہ رضؓ ہلال بن ابی میمون کی روایت ہے کہ میں نے دیکھا حضرت ابو ہریرہ نے ایک لڑکے کو اختیار دیا کہ باپ اور ماں سے جسے چاہے اختیار کر لے،

مذکورہ بالا آثار صحابہ کے تھے، اب ہم آئمہ فقہہ و حدیث کے افکار و اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اسحاق بن راہویہ کا قول

حرب بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ سے دریافت کیا، کہ لڑکا اور لڑکی، کب تک ماں کی کفالت میں رہیں گے جب کہ وہ طلاق پا چکی ہو؟ اسحاق نے جواب دیا، میری رائے میں سات برس کی عمر ایک، اس کے بعد انہیں اختیار ہوگا جسے چاہیں قبول کریں، میں نے پوچھا سات سال سے پہلے یہ اختیار نہیں مل سکتا؟ انہوں نے جواب دیا، بعض لوگ پانچ سال کے بھی قائل ہیں، لیکن میں سات سال کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

امام احمدؒ کی رائے

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے، کہ طفل یا تو لڑکا ہوگا یا لڑکی، یا اس کی عمر سات سال ہوگی، یا اس سے کم، اگر اس کی عمر سات سال سے کم ہے تو حق حضانت ماں کو بغیر تخییر حاصل ہے، اگر سات سال کی ہے تو اسے اختیار ہے جسے چاہے قبول کرے، اور اگر وہ خود سے کسی کو اختیار نہ کرے تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جس کا نام نکل آیا اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور اگر لڑکی ہے تو سات برس سے کم ہونے کی صورت میں ماں بغیر تخییر حضانت حاصل کرے گی، اس کے بعد بغیر تخییر کے یہ حق باپ کو مل جائے گا، ایک قول سات کے بجائے نو سال کا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ کیا ہے؟

امام شافعیؒ کے نزدیک سات سال کی عمر تک طفل کی حضانت کا ماں کو باپ کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، سات سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اسے اختیار ہوگا جسے چاہے قبول کرے۔

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول

ان دونوں کے نزدیک طفل کو حق تخییر نہیں دیا جائے گا۔

آگے چل کر دونوں کے مسلک میں اختلاف پیدا ہوا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لڑکی جب تک بالغ نہ ہو جائے، اور لڑکا جب تک خود سے کھانے پینے، پہننے کے قابل نہ ہو جائے، ماں کو حضانت کا حق حاصل ہے، اس کے بعد یہ دونوں باپ کے سپرد کر دیے جائیں گے۔

امام مالک فرماتے ہیں ماں کو، لڑکے اور لڑکی کا حق حضانت حاصل ہے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائیں، تخییر کا حق طفل کو کسی حالت میں حاصل نہیں ہے۔

لڑکے کا حق تخییر

جو لوگ لڑکے کو تخییر کا حق دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لڑکے کی تخییر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ابو ہریرہ کی رو سے ثابت ہے، نیز خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے آثار سے بھی ثابت ہے۔

عصبات پدر کے مقابلہ میں خالہ کا حق زیادہ ہے

تہذیب الآثار میں حضرت حمزہ کی صاحبزادی کا قصہ ذکر کرنے کے بعد مرقوم ہے کہ یہ بات دلائل واضحہ سے ثابت ہے کہ کم سن لڑکے، اور کم سن لڑکی کا حق حضانت اگر ماں زندہ نہ ہو، تو اس کے رشتہ والی عورتوں کو ہے، باپ کی طرف سے جو عصبات ہیں انہیں یہ حق حاصل نہیں، اگرچہ ماں کی طرف کی رشتہ والی عورت شادی شدہ کیوں نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت حمزہ کے لیے حضانت کا حق ان کی خالہ کو عطا فرمایا جو جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، حضرت علی کو نہیں دیا، جو ابن عم تھے، اور حضرت زید کو بھی نہیں دیا جو مدینہ کی مواخات، ہجرت کے مطابق حضرت حمزہ کے بھائی تھے۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عصبات پدر کو ماں کی طرف سے رشتہ رکھنے والی عورت (خالہ وغیرہ) کے مقابلہ میں ترجیح نہیں حاصل ہے۔ اگرچہ وہ خالہ شادی شدہ، اور شوہر والی کیوں نہ ہو۔

ایک اہم اور غور طلب نکتہ

اس واقعہ میں ایک نکتہ اور غور طلب ہے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق

میں بنت حمزہؓ کی وضانت کا فیصلہ کر دیا اگرچہ وہ شادی شدہ تھیں۔ کیونکہ ایک دوسری حدیث کے مطابق جو ابن عباس سے مروی ہے آپؐ نے حضرت جعفر سے فرمایا۔

"اے جعفر تم اس لڑکی کے زیادہ مستحق ہو، کیونکہ اس کی خالہ تمہاری بیوی ہیں۔ اور بیوی کی موجودگی میں اس کی پھپھی یا خالہ سے شادی نہیں کی جا سکتی"۔

اس سے ثابت ہوا کہ خالہ کفالت کرنے والے کی محافظ ہے کیونکہ اس کی بہن کی لڑکی اس کے شوہر پر حرام ہے۔

جو شخص ذرا بھی غور کرے گا کہ اس واقعہ میں آپؐ نے جو فیصلہ صادر فرمایا وہ عمیق حکمت اور عدل کا مقتضا تھا اس میں لڑکی کے لیے غایت درجہ احتیاط پر نظر تھی۔

زوجہ کا نفقہ

نفقۂ زوجہ کی حد نہیں مقرر کی گئی یہ عرف پر منحصر ہے

بیوی کے نفقہ کی کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی خاص حد معین ہے، درحقیقت اسے عرف[1] پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں آپؐ کا خطبہ حجۃ الوداع منقول ہے جو آپؐ نے وفات سے کچھ روز پیشتر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا تھا، آپؐ نے فرمایا تھا:

"اللہ سے اپنی بیویوں کے معاملہ میں ڈرتے رہو تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اللہ کے کلمہ پر تم نے ان سے تمتع کیا ہے، تمہارے اوپر ان کے نفقہ اور پوشش کے مصارف ہیں۔"

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ

بخاری اور مسلم میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا واقعہ درج ہے کہ اس نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اتنا نفقہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بیٹے کو کفایت کرے، بجز اس صورت کے کہ اسے بتائے بغیر (چوری چھپے) میں کچھ

---

[1] عرف ایک فقہی اصطلاح ہے ــ عرف سے مراد وہ مسائل حیات ہیں جن پر عمل درآمد پشتہا پشت سے چلا آرہا ہے۔ مثلاً اگر شادی کے وقت مہر کی تعین نہیں ہوئی، تو مہر "عرف" کے مطابق دلایا جائے، یعنی خاندان میں عام طور پر دوسری عورتوں کا جو مہر بندھتا چلا آیا ہے قاضی وہی دلائے گا۔

لے لوں!

آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

اتنا لے لیا کرو، "معروف طور پر" جو تمہارے اور تمہارے بیٹے کے مصارف کے لیے کافی ہو"

حکم بن معاویہؓ کی حدیث

سنن ابی داؤد میں حکم بن معاویہ کی حدیث ہے جو انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ آپ ہماری بیویوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

آپؐ نے جواب میں فرمایا،

"جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ، جو تم پہنو وہ انھیں پہناؤ، انھیں مار و مت، نہ ان کو برا بھلا کہو!"

غرض اللہ اور اس کے رسولؐ نے حسب تفسیر صحابہ "اطعام اہل" کے بارے میں مطلق طور پر انفاق کا ذکر کیا ہے، نہ کوئی تحدید کی ہے نہ کوئی تعداد معین کی ہے، نہ کسی طرح کی پابندی لگائی ہے، لہٰذا نفقہ کی تعین "عرف" سے ہوگی، اور اس کا ادا کرنا از روئے شرع واجب ہے۔

بیوی کی صواب دید پر فیصلہ

اگر نفقہ کی تعداد معین ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے صرف اتنا فرما دیتے از روئے شرع جو نفقہ مقرر ہے، وہ لے لیا کرو، لیکن اس کے بجائے آپؐ نے فرمایا حسب ضرورت لے لیا کرو، اور کوئی مقدار معین نہیں فرمائی، بلکہ اسے خود بیوی کی صواب دید پر چھوڑ دیا، اور ظاہر ہے کہ "حسب ضرورت" کو کسی پیمانہ کا پابند نہیں بنایا جا سکتا کہ نہ اس سے زیادہ ہو سکتا ہے نہ کم۔

نفقۂ واجبہ کے بارے میں جمہور کا مسلک

نفقۂ واجبہ کے بارے میں جمہور کا کہنا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی سے بھی نفقہ کی تعداد معین طور پر نہیں ثابت ہے، نہ سیر اور پاؤ کے اعتبار سے، نہ روپے پیسے کے حساب سے محفوظ جو کچھ ہے وہی ہے جو از روئے عمل ہر عصر، اور ہر مصر میں ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے پر جو کچھ تم اوسط طور پر کرو، وہ روٹی اور گھی ہے۔ روٹی اور زیتون ہے، روٹی اور گوشت ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص اوسط طور پر، اپنے اہل (بیوی) کو جو کھلاتا ہے وہ روٹی اور دودھ، روٹی اور زیتون، روٹی اور گھی ہے، اور بہتر چیز روٹی اور گوشت ہے۔

حضرات تابعین کے افکار و آرا

صحابہ کے بعد تابعین صحابہ کا دور آتا ہے تو اسود بن یزید، ابی ازین، علیدہ۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری، سعید بن جبیر۔ شریح، جابر بن زید، طاؤس، شعبی، ابن بریرہ۔ ضحاک، قاسم، سالم۔ محمد بن ابراہیم، محمد ابن کعب۔ قتادہ، اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے یہ سند ثابت ہے جیسے اسماعیل ابن اسحاق نے احکام القرآن میں درج کیا ہے کہ ان میں سے اکثر روٹی اور گوشت روٹی اور گھی۔ روٹی اور زیتون کو نفقہ مانتے تھے۔ اہل مدینہ اور اہل عراق کی رائے یہی ہے۔

صحیحین میں ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ سے فدیۂ اذی کے کفارے کے بارے میں فرمایا کہ چھ مسکینوں کو نصف صاع کھلاؤ، یعنی نصف صاع طعام ہر مسکین کو، اس طرح گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیۂ اذی کی تعیین کردی۔ اسی بنیاد پر ہم جملہ کفارات کی تعیین کر سکتے ہیں۔ بس جو طعام زوجہ کی تعیین کرنا چاہیے، تو نفقات اور کفارات وجوب میں مشترک ہیں۔ لہٰذا ہم نفقہ کو کفارہ کے مطابق قرار دیں گے۔

تنازعہ کی صورت میں فیصلہ خدا اور رسول پر چھوڑنا چاہیے

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ فیصلہ جو ہو سکتا ہے وہ اللہ رسول اور اجماع امت کے مطابق ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر ہم میں کسی بات پر تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹائیں۔ یہ چیز دین و دنیا ہر جگہ ہمارے لیے بہتر ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کفارہ میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا رکھا ہے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی رکھا ہے، اور "اطعام" پر اس امر کو معلق رکھا ہے، یعنی کھانا کھلاؤ۔ یہ نہیں کہ اتنا کھلاؤ، اور یہ کھلاؤ۔ گویا کھانے والوں کی تعداد مقرر کردی ہے۔ کھانے کی حد مقرر نہیں کی ہے، یعنی کھانے کو مطلق طور پر بیان کیا ہے، اور کھانے والوں کی تعداد بیان کردی ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب اپنی کتاب قرآن میں طعام مسکین کا ذکر کرتا ہے تو مراد اطعام معہود و متعارف ہوتا ہے

شکایت کے طور پر کسی کا ذکر غیبت نہیں ہے

ابوسفیان کی بیوی ہندہ والی جو حدیث مذکور ہوئی، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص شکوہ و شکایت کے طور پر اپنے عزیز کے کچھ عیوب بیان کر جائے تو وہ داخل غیبت نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کا نفقہ بجائے خود باپ پر واجب ہے، اس میں ماں شریک نہیں ہے۔

نفقہ بہ قدر میراث ملے گا

اس باب میں علماء کا اجماع ہے، بجز کسی شاذ قول کے وہ قابل التفات نہیں کہ ماں کو نفقہ بہ قدر میراث ملے گا۔

صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نفقہ میں عصبات کی انفرادیت ثابت ہے اور یہ بالکل مقتضائے قواعد شریعت ہے، کیونکہ عصبہ ولدیت نکاح، ولدیت موت، اور میراث میں از روئے ولا منفرد ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ماں اور باپ اور دادا، جمع ہو جائیں تو نفقہ صرف جد کو ملے گا۔ امام احمدؒ کے روایات میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اسی طرح اگر بیٹا اور بیٹی، یا ماں اور بیٹا، یا پوتا جمع ہو جائیں تو امام شافعی کا فتویٰ ہے کہ نفقہ لڑکے کو ملے گا، کیونکہ عصبہ وہی ہے۔ امام احمدؒ سے ایک روایت تو اس طرح کی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ نفقہ بہ قدر میراث ہوگا۔ ان تینوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کے اجتماع کی صورت میں نفقہ دونوں میں نصف نصف رہے گا، تاکہ ان کی مساوات قرابت قائم رہے، اور لڑکی اور پوتے کے اجتماع کی صورت میں نفقہ لڑکی کو ملے گا، کیونکہ وہ از روئے قرابت قریب تر ہے۔ اور ماں اور بیٹی کے اجتماع کی صورت میں ماں کو چوتھائی، باقی لڑکی کو ملے گا، یہ امام احمد کا قول ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ زوجہ اور اقارب کے نفقہ کی تعداد کفایت ہے، اور اس کا اعتماد "عرف" پر ہے

کیا نفقۂ زوجہ موثر بہ ماضی نہیں ہوتا؟

ہندہ کے واقعہ سے ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے کہ نفقۂ زوجہ موثر بہ ماضی نہیں ہوتا، جو زمانہ گزر چکا، اس کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ ہندہ نے ماضی کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ مستقبل کے بارے میں پوچھا تھا، چنانچہ آپؐ نے اسی کے مطابق فتویٰ دے دیا۔

زوجات و اقارب کے نفقات کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا زمانہ گزر جانے کے ساتھ

یہ ساقط ہو جائیں گے یا باقی رہیں گے ؟ یا صرف اقارب کا نفقہ ساقط ہوگا، زوجہ کا نہیں ؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں :

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

ایک قول یہ ہے کہ اقارب اور زوجات کے نفقات عہد ماضی پر موثر نہیں ہوں گے ، یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے ۔ امام سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے ۔

امام شافعیؒ کا مسلک

دوسرا قول یہ ہے کہ قرابت دار اگر طفل صغیر ہو تو ساقط نہیں ہوں گے ، یہ امام شافعی کا مسلک ہے ۔

امام احمدؒ اور مالکؒ کا مسلک

تیسرا قول یہ ہے کہ قرابت دار کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ زوجہ کا باقی رہے گا ۔ امام شافعی ، امام احمد ، اور امام مالک رحمہم اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے ۔

جو لوگ، سقوط نفقہ کے قائل ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ اگر حاکم نے نفقہ مقرر کیا ہو تو وہ ساقط نہیں ہوگا، بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی ساقط ہو جائے گا

زوجات و اقارب کے مابین فرق

نفقہ زوجہ کے موثر بہ ماضی نہ ہو سکنے کی بنا پر جو سقوط سے متعلق مختلف رائیں ہیں، اس طرح یہ ایک نزاعی مسئلہ بن گیا ہے ۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک روایت کے مطابق سقوط کے قائل ہیں اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعیؒ اور امام احمد سقوط کے قائل نہیں ہیں ۔

جو لوگ سقوط نفقہ زوجہ بہ عہد ماضی کے قائل نہیں ہیں وہ اقارب اور زوجات میں فرق کرتے ہیں ۔

ایک تو یہ کہ قرابت دار کو جو نفقہ ملتا ہے ، وہ ایک طرح کا صلہ ہے ۔

دوسرے یہ کہ نفقہ زوجہ ، فراخ دستی اور تنگ حالی ہر حالت میں واجب ہے ۔ برخلاف قرابت دار کے نفقہ کے کہ وہ ہر حالت میں واجب نہیں ہے ۔

تیسرے یہ کہ گو زوجہ ذاتی حیثیت سے مالدار کیوں نہ ہو پھر بھی شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے اس کے برعکس نفقہ اقارب صرف تنگی اور پریشان حالی کی حالت میں واجب ہوتا ہے ۔

چوتھے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم زوجہ کا نفقہ موثر بہ ماضی واجب قرار دیتے تھے لیکن کسی صحابی سے

یہ ثابت نہیں کہ اس نے اقارب میں سے کسی کا نفقہ مؤثر بہ ماضی واجب قرار دیا ہو۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے امراء اجنادہ کو فرمان بھیجا کہ جو لوگ اپنی بیویوں کی خبر نہیں لیتے اور ان سے دور رہیں، وہ اپنی بیویوں کو نفقہ بھیجیں یا انھیں طلاق دے دیں، اگر طلاق دیں تو اب تک کا سارا نفقہ دیں ــــ حضرت عمرؓ کے اس فرمان کی کسی صحابی کی طرف سے مخالفت نہیں ہوئی۔ کہیں سے مخالفت میں ایک آواز بھی نہیں اٹھی۔

نفقۂ زوجہ کا وجوب کتاب و سنت سے ثابت ہے

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفقۂ زوجہ کا کتاب و سنت اور اجماع سے وجوب ثابت ہے۔

جو نفقہ واجب ہے، وہ نفقۂ معروف ہے

رہا نفقہ کے معاوضہ میں دراہم کا تعین، تو اس کی کوئی اصل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا آثار صحابہ کرام میں کہیں نہیں ملتی۔ تابعیت اور تبع تابعین کے ہاں اور ائمہ اربعہ ــــ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ ــــ کے ہاں بھی اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسرے اللہ کے ہاں بھی اس کی اصل تلاش نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے سامنے کتب آثار و سنن اور کلام اللہ کا ذخیرہ اور مجموعہ موجود ہے، اس میں کہیں بھی اس کی اصل دستیاب نہیں ہوتی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اقارب، زوجات، رفیق (غلام) کا نفقہ معروف واجب کیا ہے اور معروف میں دراہم کا فرض ہونا شامل نہیں ہے، بلکہ معروف وہ ہے جو صاحب شرع کی نص سے ثابت ہے، اور وہ یہ ہے کہ نفقہ سے مراد ہے آدمی جو کچھ خود کھاتے وہی انھیں کھلاتے، جو خود پہنے وہی انھیں پہناتے، اس کے سوا کوئی چیز معروف میں داخل نہیں ہے۔ نفقہ دینے والے پر دراہم کی فرضیت ایک فعل منکر ہے، کیونکہ دراہم کا ادا کرنا من جملہ واجبات نہیں ہے، نہ یہ نفقہ کا عوض اور بدل بن سکتے ہیں، کیونکہ اقارب اور زوجات کا نفقہ یوماً فیوماً واجب ہوتا جاتا ہے۔ یہ کوئی مستقر چیز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو زیر ملکیت ہو۔ پھر اس کا معاوضہ کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ مستقر (قائم بالذات) ہوتا تب بھی بغیر زوج اور قرابت دار کی رضامندی کے اس کا عوض نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دراہم واجب اصلی کا عوض ہو سکتے ہیں اور وہ جمہور کے نزدیک

طعام فساد ہے، پھر اس کا عوض دراہم کی صورت میں بغیر رضامندی کے کیونکر ہو سکتا تھا۔ صاحب شرع نے بھی اسے اس پر مجبور نہیں کیا ہے، پس یہ قواعد شرع، نصوص ائمہ، اور مصالح عباد کے یکسر خلاف ہے۔ البتہ اس کے جواز کی صرف ایک صورت ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ منفق[1] اور منفق علیہ[2] دونوں اس پر متفق ہو جائیں۔

---

[1] منفق: خرچ کرنے والا

[2] منفق الیہ، جس پر خرچ کیا جائے۔

تنگ دست شوہر

اگر بیوی کا نفقہ نہ دے سکے تو کیا طلاق دینے پر مجبور ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث

دار قطنی نے سعید بن المسیبؒ کی روایت کردہ ایک حدیث درج کی ہے، جو ایک شخص کے بارے میں ہے جو اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی،

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث بھی اس مفہوم و معنیٰ پر دلالت کرتی ہے۔

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ ہم سے سفیان نے اور انھوں نے ابوالزناد سے روایت کی کہ انھوں نے ایک مرتبہ سعید بن المسیبؒ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا، جو اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ آیا، ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی؟

انھوں نے جواب دیا "ہاں"!

یہ حدیث حضرت سعیدؒ بن المسیب کے مراسیل میں سے ہے۔

فقہاء کا اختلافِ فکر اور اقوال مختلفہ

فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے چنانچہ مسئلہ زیر بحث سے متعلق متعدد اقوال ملتے ہیں۔

(۱) شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو نفقہ ادا کرے، ورنہ بیوی کو طلاق دے دے

سفیان یحییٰ ابن سعید الانصاری سے، اور وہ ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ:

"اگر شوہر بیوی کا نفقہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ طلاق دے دے"

(۲) شوہر کی طرف سے حاکم طلاق دے دے گا۔ اور وہ نافذ ہو جائے گی ـــــ یہ امام مالک کا قول ہے

زاد المعاد، حصہ چہارم

وہ فرماتے ہیں کہ عدم نفقہ کی صورت میں ایک مہینہ کی مہلت دی جائے گی۔ پھر مدت گزر جانے کے بعد حاکم طلاق دے دے گا، لیکن یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدّت ختم ہونے سے پہلے اگر شوہر کی مالی حالت درست ہوئی تو اسے رجعت کا حق ہے۔

امام شافعیؒ کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں :

ایک قول تو یہ ہے کہ زوجہ کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو بدستور شوہر کے پاس رہے۔ اور اس کا نفقہ شوہر پر قرض رہے گا، اگر چاہے نکاح فسخ کرلے۔

تفریق طلاق ہوگی یا فسخ تسلیم کی جائے گی ؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، آیا، یہ تفریق طلاق کی بنا پر ہوگی یا فسخ نکاح کی بنا پر ؟ ــــ اس سلسلہ میں دو قول ہیں :

ایک یہ کہ طلاق ہوگی، لہٰذا یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، وہ شوہر کو حکم دے گا کہ یا نفقہ ادا کرلے یا طلاق دے۔ اگر وہ نفقہ دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے گا، اور وہ نافذ ہو جائے گی، لیکن یہ طلاق رجعی ہوگی، اگر شوہر نے رجعت کرلی، تو قاضی دوسری طلاق دے دے گا، اگر شوہر نے پھر رجعت کرلی تو قاضی تیسری طلاق دے دے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معاملہ طلاق کا نہیں فسخ کا ہے، لہٰذا یہ مقدمہ بھی قاضی کے سامنے پیش ہوگا، تاکہ اس کے سامنے شوہر کی تنگ دستی ثابت کی جاسکے۔ پھر اسے فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

فسخ نکاح کی صورت میں رجعت نہیں

فسخ نکاح کی صورت میں رجعت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگرچہ عدت کے دوران میں شوہر کی مالی حالت درست ہو جائے۔

بیوی شوہر کی تنگ دستی سے واقف ہوتے ہوئے بھی اگر اس سے شادی کرکے اور اس کے بعد فسخ نکاح پر آمادہ ہو جاتے تو ایسا کرسکتی ہے اسے اختیار ہے۔

دوسرے مکتب فکر کے دلائل اور موقف

لیکن جو لوگ تنگ دستی کے باعث نفقہ زوجہ نہ دے سکنے کی بنا پر فسخ نکاح کے قائل نہیں ہیں وہ دلیل میں یہ آیت قرآنی پیش کرتے ہیں۔

لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتاھا

پھر جب تنگ دستی اور زبوں حالی کے عالم میں اللہ تعالےٰ نے نفقہ کا مکلف نہیں کیا ہے، پھر اگر کوئی نفقۂ زوجہ ادا نہ کرسکنے پر مجبور ہے، تو دونوں میں تفریق کیسے روا ہوگی ؟

ابوبکرؓ و عمرؓ بارگاہِ رسالت میں

صحیح مسلم میں ابوزبیرؒ کی جابرؓ سے روایت ہے کہ ابوبکرؓ وعمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے دیکھا آپؐ کے پاس ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور چپ چپ ہیں حضرت عمرؓ نے کہا:

یارسول اللہ کیا آپؐ دیکھتے ہیں بنت خارجہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہے۔ میں نے اس کی گردن پکڑ کر اینٹھ دی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے، آپؐ نے فرمایا:

"دیکھو یہ (ازواج مطہرات) میرے پاس نفقہ ہی طلب کرنے آئی ہیں"

حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو زجر و توبیخ

حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور انھوں نے حضرت عائشہ کی گردن پکڑ کر دبائی۔ حضرت عمرؓ اٹھے، اور انھوں نے حضرت حفصہؓ کی گردن پکڑ کر دبائی، دونوں نے کہا۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے ؟

ازواج مطہرات نے جواب دیا۔

ازواج مطہرات کا جواب

"خدا کی قسم ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز کبھی نہیں مانگتے جو ان کے پاس نہ ہو۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے کنارہ کشی کیے رہے

یہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں جو اپنی صاحبزادیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مارتے ہیں۔ جب وہ آپؐ سے نفقہ طلب کررہی تھیں، اور یہ محال ہے کہ وہ حق کا مطالبہ کررہی ہوتیں اور ان کے والد انھیں مارتے۔

عدم نفقہ اور نسخ نکاح کا مسئلہ

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو نفقہ وہ تنگ حالی کے دور میں طلب کر رہی تھیں اس کا انھیں حق نہیں تھا، اور جب یہ مطالبہ درست نہ تھا تو پھر عورت کی عدم نفقہ کی صورت میں نسخ نکاح کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ [1]

---

[1] اصل مسئلہ سے ذرا دیر کے لیے قطع نظر کرتے ہوئے میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیث جو پیش کی گئی ہے، اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جسے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شوہر پر جو نفقہ واجب ہے وہ یہ کہ جو خود کھائے وہی کھلائے، جیسا خود پہنے ایسا ہی پہنائے اور یہ بات ازواج مطہرات کو حاصل تھی۔ آپؐ کا یہی برتاؤ تھا،

اصل بات یہ تھی کہ اب اسلام کے بیت المال میں مال خراج اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے چھکڑے سیم وزر لے کر آیا کرتے تھے، یہ مال وزر آپؐ غربا اور مساکین اور اہلِ حاجت میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

لیکن، — آپؐ کے گھر میں اب بھی وہی عالم تھا جو پہلے تھا۔ کئی کئی دن گوشت نہ پکتا، گیہوں کی روٹیاں نہ پکتیں، لذیذ کھانوں کا سوال ہی نہیں تھا

ازواج مطہرات بھی بشر تھیں، وہ دیکھتی تھیں مال وزر کی کھیپ کی کھیپ آتی ہے، اور عامۃ المسلمین پر خرچ ہو جاتی ہے مگر ہم وہی عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو اس سے پہلے تھی، لہٰذا انھوں نے آپؐ کی خدمت میں اضافہ نفقہ کا مطالبہ پیش کیا، انھیں یہ شکایت نہیں تھی کہ ہمیں نفقہ نہیں ملتا، یہ تھی زیادہ کیوں نہیں ملتا؟ ان کا کہنا یہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اچھا کھاتے ہیں، اچھا پہنتے ہیں، ہم خراب کھاتے ہیں اور خراب پہنتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ خود اچھا نہیں کھاتے، اچھا نہیں پہنتے۔ لہٰذا ہم بھی اس زندگی پر مجبور ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آمادہ نہ تھے۔

بے شک آپؐ کے قدموں پر سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔

بے شک آپؐ کے پاس مال خراج، اور مال غنیمت کی اب کوئی کمی نہ تھی،

بے شک اسلام اب غریب نہ تھا دولت مند تھا۔

لیکن آپؐ غریب ہی رہنا چاہتے تھے۔ غربت ہی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تنگ دست قرض دار کو خوش حالی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔

(بقیہ حاشیہ) یہ نفقہ کی ادائیگی کا سوال نہ تھا!

یہ اس نظامِ حیات میں انقلاب کا مطالبہ تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے مخصوص کرلیا تھا —— اور یہ مطالبہ آپؐ کے لیے قطعاً قابلِ قبول نہ تھا، لہٰذا آپؐ نے فرمادیا تم میں سے جو اس حالت میں میرے ساتھ رہ سکتی ہے رہے۔ ورنہ میں عزت آبرو کے ساتھ رخصت کردینے کو تیار ہوں،

یعنی آپؐ نے اپنی زندگی کا جو سانچہ بنالیا تھا اسے تبدیل کرنے پر تیار نہ تھے، اور مطالبہ اسی کا تھا، یہ اصولی اختلاف تھا۔

اس پر کسی طرح کی مفاہمت ہو ہی نہیں سکتی تھی، اور نہیں ہوئی۔

میرے اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ، اور حفصہؓ کو گھرکتے ہوتے کہا:

"تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟"

تو ازواجِ مطہرات نے قسم کھاکر جواب دیا:

"نہیں خدا کی قسم ہم کبھی وہ چیز نہیں مانگتے جو آپؐ کے پاس نہ ہو"

یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت بہتر سمجھ رہی تھیں لہٰذا اضافہ نفقہ کی طالب تھیں، اور آپؐ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کو تیار نہ تھے۔

ورنہ جہاں تک نفس نفقہ کا تعلق تھا، خیبر سے آپؐ کو جو آمدنی ہوتی تھی اس سے سال بھر کا اناج وغیرہ آپؐ گھر میں لاکر رکھ دیتے تھے جس کی تصدیق احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نفقہ تو آپ دیتے تھے، اور وہی دیتے تھے، جو آپؐ پر واجب تھا، یعنی مقررکردہ لیکن اس اضافہ کے لیے تیار نہ تھے جس کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی بھی تھے۔ ایک ہادی بھی، ایک رہنما بھی!

آپؐ کی زندگی مسلمانوں کے لیے، خود قرآن کے الفاظ میں "اسوۂ حسنہ" تھی۔

اور آپ کا "اسوۂ حسنہ" یہ تھا کہ مال وزر سے الگ رہیں۔ مال وزر کی محبت دل میں نہ پیدا ہونے دیں

باقی اگلے صفحہ پر،

اور نفقہ بھی ایک طرح کا قرض ہی ہے ، لہٰذا عورت از روئے قرآن مامور ہے کہ شوہر کے حالات سازگار ہونے تک مہلت دے ، خواہ وہ شوہر کے ذمہ قرض رہے یا ساقط ہو جائے ، یہ الگ بحث ہے لیکن مہلت تو دینی پڑے گی ، اس بات پر فسخ نکاح بعید ترین چیز ہے ۔

عہد صحابہ کرام کی مثالیں صحابہ کرام کے گروہ میں خوش حال اور فارغ البال لوگ بھی تھے ، تنگ دست اور آشفتہ روزگار بھی ۔ اور تنگ دستوں کی تعداد خوش حالوں سے کئی گنی زیادہ تھی ، لیکن ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی تنگ دستی کے باعث کسی عورت کو فسخ نکاح کا حق دیا ہو ، یا اس سے کہا ہو کہ اسے فسخ کا حق حاصل ہے

(بقیہ حاشیہ) فقر اور غربت کی زندگی اختیار کریں اور اس پر فخر فرمائیں ۔

آپؐ کا اسوۂ حسنہ تو یہ تھا کہ مرض الموت میں جب آپؐ کا مزاج سخت ناساز تھا ، یک بیک آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا :

" وہ سونا جو کہ میں نے تمہارے پاس رکھایا تھا کہاں ہے ؟"

حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا " طاقچہ میں رکھا ہے "

جبین مبارک پُر شکن ہو گئی ، فرمایا : " کیا تم یہ چاہتی ہو ، محمدؐ اپنے رب سے بدگمان ہو کر ملے ؟ اسے تقسیم کر دو ! "

مال و زر کا وہ ذرا سا حصہ بھی ، جو کاشانۂ نبوت میں پڑا رہ گیا تھا ، فوراً تقسیم کر دیا گیا ۔ آپؐ اس کے روادار ہی نہیں تھے کہ اپنے لیے کچھ بچا کر رکھیں ، آپؐ کے پاس جو کچھ تھا وہ امت کا تھا ، مسلمانوں کا تھا ۔ یہ تھی آپؐ کی زندگی ، اور یہی زندگی بسر کرنے پر آپؐ کو اصرار تھا ۔ اس زندگی کے مطابق آپؐ نفقہ دیتے تھے ۔ آپؐ کے لیے بھی نفقہ معروف تھا ۔

اب اگر یہ نفقہ معروف کفایت کر سکتا تھا تو ٹھیک اور نہیں کر سکتا تھا تو بغیر فسخ یا طلاق کے مطالبہ کے آپؐ نے خود ہی علی الاعلان بڑے ٹھنڈے لیکن فیصلہ کن لہجہ میں فرما دیا ، جسے یہ منظور ہو وہ میرے پاس رہے ، ورنہ عزت اور احترام کے ساتھ میں رخصت کرنے کو تیار ہوں ۔

بھلا رسالت مآبؐ کا دامن چھوڑنے پر کون آمادہ ہوتا ؟ ـــــــ مطالبہ واپس لے لیا گیا ـــــــ

چاہے تو صبر سے کام لے چاہے نکاح فسخ کرالے[1]

فقر و غنا آنی جانی چیزیں ہیں

اور یہ فقر و غنا آنی جانی چیزیں ہیں، آج ایک شخص دولت مند ہے کل مفلوک الحال ہوگیا۔ آج ایک آدمی غریب ہے کل تونگر ہوگیا، اب ہر وہ شخص جس کی مالی حالت بگڑ جائے اور اس کی بیوی فسخ نکاح کے لیے تیار ہوجائے، تو یہ کتنی تکلیف دہ صورت احوال ہوگی۔ سرپھرا پیر زے نکالے گا، اور بہتوں کے نکاح فسخ ہوجائیں گے۔

ایک عورت اگر بیماری کے باعث استمتاع (مباشرت) سے معذور ہوجائے، اور یہ بیماری کافی طویل ہو تو بھی اس بنا پر شوہر فسخ نکاح کا دعوے نہیں کرسکتا۔[2] بلکہ بیوی کی اس معذوری کے باوصف شوہر پر پورا کا پورا نفقہ واجب ہے۔

اور تفریق سے متعلق سعید بن المسیب کے مراسیل اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث جو امام بخاری نے صحیح میں درج کی ہے، قابل اعتبار نہیں۔ یہ روایت بالمعنیٰ ہے، باللفظ نہیں۔

اصول و قواعد شریعت کے مطابق صورت مسئلہ کیا ہے؟

بہرحال شریعت کے اصول اور قواعد کے مطابق جو بات ہے وہ یہ کہ:

- اگر شوہر بیوی کو دھوکا دے، اور غلط طور پر اپنے آپ کو مال دار باور کرائے، بعد میں ثابت ہو یہ تو بالکل غریب اور تنگ دست ہے۔
- یا شوہر صاحب مال و منال ہو، لیکن بیوی کو دینے سے انکار کرتا ہو، یا ٹال مٹول سے کام لیتا ہو، تو بے شک عورت فسخ نکاح کا دعویٰ کرسکتی ہے اس کا اسے حق حاصل ہے۔

لیکن اگر:

---

[1] یہ حق عورت کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کرے، اگر دعویٰ نہ کرے، تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر اگر صحابہؓ میں سے کسی کی بیوی نے تنگ دستی کے باوجود فسخ نکاح کا دعویٰ نہیں کیا تو آپ ﷺ کو دخل دینے کی کیا ضرورت تھی۔

[2] لیکن دوسری شادی کرسکتا ہے

- بیوی جانتی تھی کہ شوہر غریب اور تنگ دست ہے اور یہ جاننے کے باوجود اس سے شادی کرلیتی ہے۔
- یا شادی کے وقت شوہر مالدار اور خوش حالی میں تھا، بعد میں کسی وجہ سے تنگ حال اور مفلوک ہوگیا۔

تو اس صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں حاصل ہے۔

لوگ امیر سے غریب، اور غریب سے امیر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں پر ادبار، مصیبت اور مالی بدحالی کا دور آتا ہی رہتا ہے، ان کی عورتیں حاکم کے پاس فسخ نکاح کی درخواست لے کر نہیں پہنچ جاتیں، اور قاضی سے یہ استدعا نہیں کرتیں کہ ان کے اور شوہر کے مابین تفریق کرادی جائے۔

جمہور فقہا اور امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

جمہور فقہا کا مسلک یہ ہے کہ اگر تنگ دستی کی بنا پر شوہر مہر نہ ادا کرسکے، تو فسخ نکاح نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا یہی مسلک ہے اور یہی درست ہے۔

نفقہ مبتوتہ

فاطمہ بنت قیس کی حدیث اور اس حدیث پر بحث ونظر

نفقہ کا عدم وجوب

امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث نقل کی ہے کہ عمرو بن حفص نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی[1] اور چلے گئے، فاطمہ کے پاس انھوں نے اپنا وکیل جو دے کر بھیجا، فاطمہ خفا ہوئیں، وکیل نے کہا،

"خدا کی قسم ہم پر کچھ ذمہ داری نہیں ہے"!

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا، اور جو کچھ وکیل نے کہا تھا وہ بھی دہرایا۔

آپؐ نے فرمایا،

"اب تمہارا کوئی نفقہ اس پر واجب نہیں ہے"!

اس کے بعد آپؐ نے فاطمہ کو حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں عدت گذاریں۔ پھر فرمایا،

---

[1] یہ قرآن کی رو سے، طلاق، ہر طہر میں دینا چاہتے، اور دو مرتبہ کر کے دینا چاہتے تھا،

الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان

اور بیک وقت تین طلاقیں خدا کو سخت نامرغوب اور ناپسندیدہ ہیں، اسی لیے اس طلاق کو ابغض المباحات، یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ کہا جاتا ہے۔

طلاق البتہ سے مراد وہ طلاق ہے، جس کے بعد رجعت نہ ہو سکے، نہ تجدید نکاح ہو سکے یہ صورت تیسری طلاق کے بعد پیدا ہوتی ہے،

"اس عورت نے میرے اصحاب کو موہ لیا ہے،۔ تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو، وہ ایک نابینا شخص ہے، جب عدت ختم ہو جائے، تو میرے پاس آؤ۔

فاطمہ کہتی ہیں، جب میری عدت گذر گئی، تو میں آپؐ کے پاس حاضر ہوئی، اور میں نے عرض کیا معاویہ بن ابوسفیان، اور ابوجہم نے مجھے شادی کا پیام دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابوجہم کا ڈنڈا اس کے کندھے سے نہیں اترتا، اور معاویہ مفلوک الحال ہے، اسامہ بن زید سے نکاح کر لو!"

میں نے اسامہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، آپؐ نے فرمایا،

"اسامہ سے نکاح کر لو!"

آخر میں نے اسامہ سے نکاح کر لیا، اللہ تعالٰی نے مجھے اس میں اتنا خیر دیا کہ میں اس پر فخر کرتی ہوں!"

صحیح مسلم کی ایک حدیث

صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شوہر نے طلاق دی، اور جو نفقہ دیا وہ کم تھا، جب انھوں نے یہ دیکھا تو بولیں۔

"خدا کی قسم میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں گی، اگر میرا نفقہ نکلا تو میں وہ لے لوں گی جو مناسب ہوگا، اور اگر میرا نفقہ نہ نکلا تو میں کچھ بھی نہیں لوں گی!" چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا عرض کیا، آپؐ نے فرمایا،

"اب نہ تو اس سے نفقہ لے سکتی ہے نہ سکنیٰ[1]!"

ابوعمرو حفص بن مغیرہ کا واقعہ

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ ابوعمرو حفص بن مغیرہ نے حضرت علیؓ کے ساتھ کوچ کیا، اور اپنی بیوی فاطمہ کے پاس بقیہ طلاق کی تکمیل کا پیام بھیج دیا، اور حارث بن

---

[1] سکنیٰ سے مراد جائے اقامت ہے، جس کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔

ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اپنا پیامی بنا کر اور نفقہ دے کر فاطمہ کے پاس بھیجا۔
ان دونوں نے فاطمہ سے کہا،
"خدا کی قسم تمہارا کوئی نفقہ واجب نہیں ہے، بجز اس صورت کے کہ تم پیٹ سے ہو۔!"
فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، اور ان دونوں کا قول بیان کیا، آپؐ نے فرمایا
"اب تمہارا نفقہ اس پر واجب نہیں ہے!"
فاطمہ نے شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت مرحمت فرمادی۔
انھوں نے پوچھا،
"یا رسول اللہ میں کہاں جاؤں۔؟"
آپؐ نے فرمایا۔ "ابن ام مکتوم کے ہاں! وہ نابینا ہیں، وہ تمہیں بے پردہ حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔!"
جب عدت پوری ہوگئی، تو آپؐ نے فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید کے ساتھ کر دیا۔

مروان کا امر فاطمہ بنت قیس پر

ایک مرتبہ مروان نے قبیصہ بن ذایب کو فاطمہ کے پاس بھیجا کہ اس حدیث سے متعلق پوچھ آئیں، فاطمہ نے پوری حدیث بیان کر دی، مروان نے کہا۔
"یہ حدیث ایک عورت کے سوا ہم نے کسی سے نہیں سنی ہے۔!"
فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب مروان کی یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا!
"میرے اور تمہارے درمیان قرآن ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے"!
ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ، الی قولہ۔ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا
یہ آیت پڑھ کر فاطمہ نے کہا،
"اس آیت میں اس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جس نے طلاق رجعی دی ہو[1]، لیکن طلاق بائنہ کے

---

[1] طلاق رجعی کے بعد شوہر اس سے رجعت کر کے بیوی سے از سر نو تعلقات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اب کون سی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ہو سکتی ہے تو پھر تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اب نفقہ نہیں رہا، ؟ جب اس کا نفقہ نہیں ہے، اور وہ حاملہ نہیں ہے کون سے جرم میں اسے محبوس رکھنا چاہتے ہو؟

طلاق ثلثہ کے بعد نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ

صحیح مسلم میں تو ایک اور روایت ہے جس کے راوی ابوبکر بن الجہم العدوی ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیس کو کہتے ہوتے سنا، وہ کہہ رہی تھیں کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔

عدت گزرنے کے بعد مجھے معاویہ بن ابوسفیان، اور ابوجہم، اور اسامہ بن زید نے پیام نکاح دیا، رسول اللہ نے (فاطمہ) کے استفسار پر فرمایا،

"معاویہ کی جیب میں دھیلا بھی نہیں، ابوجہم عورتوں کو مارتا پیٹتا ہے، لیکن اسامہ بن زید ـــ جن سے فاطمہ کراہت کرتی تھیں، اور شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں ـــ کے لیے سفارش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"اللہ اور رسول کی اطاعت تمہارے لیے موجب خیر ہوگی"!!

فاطمہ نے اسامہ سے شادی کر لی، اور ہمیشہ اس پر فخر کرتی رہیں۔

پانچ صاع کھجور، پانچ صاع جو

صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث ہے، فاطمہ کہتی ہیں:

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) زن وشوہر قائم کر سکتا ہے، اس کا اسے پورا حق اور اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر رجعی طلاق کے بعد بیوی گھر میں رہے گی، تو شاید شوہر کا دل بدل جائے، اور وہ اسے دیکھ کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے، اور طلاق واپس لے لے،

لے طلاق بائنہ میں یہ صورت نہیں۔

اب نہ رجعت ہو سکتی ہے نہ تجدید نکاح ممکن ہے، لہٰذا اب کوئی خوشگوار امید قائم نہیں کی جا سکتی اس صورت میں شوہر بیوی کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا، نہ وہ وہاں رہنے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔

"میرے شوہر ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ نے عیاش بن ابی ربیعہ کو طلاق نامہ دے کر میرے پاس بھیجا، اور پانچ صاع کھجور، اور پانچ صاع جو بھی بھیجے، میں نے کہا۔

"میرا نفقہ بس اتنا ہی ہے؟ اور اب میں تمہارے ہاں عدت نہیں گزار سکتی؟"

عیاش نے جواب دیا "نہیں"!

فاطمہ کہتی ہیں اس پر میں نے اپنے کپڑے باندھ لیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، آپ نے دریافت فرمایا!

"اس نے کتنی طلاقیں دی ہیں؟"

میں نے عرض کیا، "تین"

آپ نے فرمایا، "اس نے ٹھیک کہا، اب اس پر تمہارا نفقہ واجب نہیں ہے"!

نسائی کی حدیث طعن سے خالی ہے

نسائی نے بھی اپنی سنن میں، یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ بیان کی ہے، جس میں کوئی طعن نہیں ہے ان کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا!

"نفقہ اور سکنیٰ اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر نے اسے طلاق رجعی دی ہو"

قرآن مجید سے اس حکم کی تائید

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: یایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن، واحصوا العدة واتقوا الله ربكم، لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان ياتين بفاحشة مبينة وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله يحدث بعد ذالك امرا، فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوی عدل منكم اقيموا الشهادة لله - الی قوله - قد جعل الله لكل شیء قدرا!"

اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ: — "شوہر کو چاہیے بلوغ اجل (مدت گزرنے) کے وقت یا تو شرافت کے ساتھ بیوی کو روک لے۔ یا شرافت کے ساتھ رخصت کر دے۔

"نہ بیوی گھر چھوڑے نہ شوہر گھر سے نکالے،

"اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شوہر کو طلاق کے بعد امساک کا (روکنے کا یعنی رجعت کا)

حق نہ ہو، وہ بیوی سے اپنا گھر خالی کرا سکتا ہے،

ان مطلقات کے سلسلہ میں اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے چند احکام متلازمہ بیان فرمائے ہیں، جو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جا سکتے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ شوہر بیوی کو گھر سے نہیں نکال سکتا،

۲۔ بیوی شوہر کا گھر نہیں چھوڑ سکتی،

۳۔ وقت گزرنے سے پہلے شوہر کو رجعت کا یعنی طلاق واپس لینے کا حق ہے، اگر اس حق سے فائدہ نہ اٹھائے، تو شرافت کے ساتھ رخصت کردے،

۴۔ عادل گواہوں کی شہادت جو رجعت کی شہادت دیں۔

آیۃ کریمہ میں "لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً" (شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت نکال دے) سے مراد رجعت ہے، اسلف بھی مانتے چلے آتے ہیں، لیکن اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں، تو اب کسی صورت کے نکلنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا،

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر قدیم وجدید مطاعن

فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر سب سے پہلا طعن حضرت عمرؓ کا ہے،

امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ ابو اسحاق کہتے ہیں میں اسود بن یزید کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا، شعبی بھی ہمارے ساتھ تھے، اتنے میں شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا، یہ سن کر اسود نے مٹھی میں کنکریاں بھریں اور شعبی پر پھینک ماریں، اور کہا۔

"خدا تم سے سمجھے تم اس طرح کی حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ حضرت عمرؓ فرما چکے ہیں کہ ہم ایک عورت کے کہنے میں آکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے، کیا معلوم اس عورت نے ٹھیک یاد رکھا یا اس سے بھول چوک ہوگئی؟ عورت کے لیے سکنیٰ اور نفقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان يأتين بفاحشة مبينة

یہ حضرت عمرؓ ہیں، جلیل القدر صحابیِ رسولؐ، وہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ دیا جائے گا، ؎

عمر بن الخطابؓ اور فاطمہؓ بنت قیس کی حدیث میں اگر تعارض ہوگا تو ظاہر ہے ترجیح حضرت عمرؓ کی روایت کو ہوگی، جب کہ ظاہر قرآن سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہو،

سعید بن سفور ابو معاویہ سے اور وہ اعمش سے، اور وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جب فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی گئی، تو انھوں نے فرمایا:

"ایک عورت کی شہادت پر ہم اپنے دین میں تغیر نہیں کر سکتے، ؎"

طعن عائشہؓ و حدیث فاطمہؓ

بخاری اور مسلم میں ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے عبد الرحمان کی لڑکی سے شادی کی، پھر اسے طلاق دے دی، اور اپنے ہاں سے رخصت کر دیا، عروہ نے اسے بُرا سمجھا، انھوں نے کہا فاطمہ بنت قیس بھی تو اسی طرح رخصت کی گئی تھیں، عروہ کہتے ہیں پھر میں عائشہؓ کے پاس آیا، اور انھیں واقعہ سنایا، انھوں نے فرمایا،

"فاطمہ بنت قیس کے لیے یہ اچھا نہیں تھا کہ اس حدیث کا ذکر کرتیں، ؎"

صحیح بخاری میں عائشہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا۔

"کیا تم خدا سے نہیں خوف کھاتیں؟"

حضرت عائشہؓ کی مراد، یہ تھی کہ سکنیٰ اور نفقہ کے عدم وجوب والی حدیث بیان کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتیں!

بخاری ہی کی ایک اور حدیث ہے، جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں!

"فاطمہ ایک سنسان مکان میں رہتی تھیں جس سے وہ خوف زدہ تھیں، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عدت سے پہلے وہاں سے اٹھ آنے کی اجازت مرحمت فرمادی،

؎ حضرت فاطمہ بنت قیس بھی بہت بڑی اور باعظمت صحابیہ تھیں،

عبدالرزاق ابن ابی نجیح سے وہ ابن شہاب سے وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہما نے فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو درخور اعتنا نہ سمجھا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں وہ سکنیٰ اور نفقہ کا حق نہیں رکھتی،

قاضی اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا۔

"تمہیں اس زبان نے باہر نکالا،!

طعن اسامہ بن زید بر حدیث فاطمہ

عبداللہ بن صالح کاتب الیث روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے لیث بن سعد نے ان سے جعفر نے ان سے ابن ہرمز نے انھوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ محمد بن اسامہ بن زید کہا کرتے تھے کہ اسامہ سے جب فاطمہ بنت قیس اس حدیث کے بارے میں، — یعنی دوران عدت میں شوہر کے گھر سے اُٹھ آنے کے بارے میں — کچھ بیان کرتی تھیں تو اسامہ کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا وہی ان پر دے مارتے۔

طعن مروان پر حدیث فاطمہ

امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ کی حدیث درج کی ہے اور لکھا ہے کہ مروان نے اسے سنکر کہا،

"ہم نے یہ حدیث ایک عورت کے سوا کسی سے نہیں سنی ہے،!،،

طعن سعید بن المسیب بر حدیث فاطمہ بنت قیس

ابوداؤد نے اپنی سنن میں میمون بن مہران کی حدیث درج کی ہے، وہ کہتے ہیں میں مدینہ آیا، سعید بن المسیب کے پاس پہنچا، اور کہا، فاطمہ بنت قیس کو طلاق دی گئی، اور وہ عدت کے دوران میں شوہر کے گھر سے اُٹھ آئیں، سعید نے کہا،

"اس عورت نے لوگوں کو شبہہ میں مبتلا کرایا ہے،

طعن سلیمان بن یسار بر حدیث فاطمہ

ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ سلیمان بن یسار نے عدت کے دوران میں شوہر کے گھر سے چلے آنے پر، عمر بنت قیس کے بارے میں کہا،

"یہ سوءِ خلق تھا"!

طعن اسود بن یزید پر حدیث فاطمہ اسود کی حدیث کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ انھوں نے شعبی پر کنکریاں کھینچ ماریں اور کہا،

خدا تم سے سمجھے تم یہ حدیث بیان کرتے ہو؟"

نسائی کے الفاظ یہ ہیں:

"اس طرح کا فتویٰ! خدا تم سے سمجھے کیوں دیتے ہو؟"

طعن ابی سلمہ بن عبدالرحمان پر حدیث فاطمہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے بارے میں ابوسلمہ بن عبدالرحمان کہا کرتے تھے

"لوگوں نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا ہے"

فاطمہ بنتِ قیس کی حدیث پر مطاعن کا جواب

ایک تحقیقی، علمی اور تاریخی بحث

مطاعن مذکورہ بالا کا ماحصل

اس حدیث کے مطاعن کا حاصل حسب ذیل چار امور ہیں
(۱) ایک عورت کی روایت اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تصدیق نہ کریں۔

۲۔ فاطمہ کی حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔

۳۔ فاطمہ بنت قیس عدت گزارنے سے پہلے شوہر کے گھر سے اس لیے نہیں نکلیں کہ انھیں نفقہ اور سکنیٰ کا حق نہیں تھا، بلکہ اس لیے نکلیں کہ زبان کی تیز تھیں۔

۴۔ فاطمہ بنت قیس کی حدیث، حضرت عمر بن الخطاب کی حدیث سے معارض ہے۔

اب ہم اس کامل مطاعن پر باری باری سے غور کرتے ہیں اور ثابت کریں گے کہ ان مطاعن میں سے بعض میں انقطاع ہے، بعض میں ضعف ہے۔ بعض میں بطلان ہے، ــــ اور بعض صحیح بھی ہیں۔

۱۔ کیا عورت کا راوی حدیث ہونا غیر معتبر ہے

طعن اول یہ ہے کہ عورت کا راوی حدیث ہونا غیر معتبر ہے

لیکن یہ بالکل باطل خیال ہے، تمام علماء قطعاً اس اعتراض کے خلاف ہیں، تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت رسول اللہ کی روایت جس طرح مردوں سے قبول کی جاسکتی ہے اسی طرح عورتوں سے بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ علماء نے صحابیہ خواتین کی روائتیں قبول کی ہیں۔ خواتین صحابہ کی مسانید لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ پھر دنیا کی دوسری

خواتین کے مقابلہ میں فاطمہ بنت قیس کا کون سا گناہ ہے کہ ان کی حدیث نہ قبول کی جاتی ہے؟

فاطمہ بنت قیس کا علمی پایہ اور ان کی عظمت روایت

اگر فریعہ بنت مالک بن سنان کی روایت، بیوہ عورت کی، عدت شوہر کے گھر میں بسر کرنے کے بارے میں قبول کی جا سکتی ہے، تو فاطمہ بنت قیس کی حدیث کیوں نہیں قبول کی جا سکتی؟

فاطمہ کسی طرح فریعہ سے علم و جلالت شان، ثقاہت اور امانت میں کم نہیں تھیں، بلکہ بہت زیادہ تھیں اور کوئی شبہ نہیں وہ ان سے بہت زیادہ فقاہت رکھتی تھیں، کیونکہ فریعہ کے پاس اس ایک حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کے برعکس فاطمہ اپنے علم و قوت مناظرہ میں غیر معمولی شہرت کی حامل ہیں۔ ان مناظروں میں وہ ہمیشہ کامیاب رہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب کسی مسئلہ میں مختلف الرائے ہوتے تھے، تو امہات المومنین میں سے کسی کی روایت اگر ان سے بیان کی جاتی تھی تو اسے بے چون و چرا قبول کر لیتے تھے اور اپنے سابقہ قول سے رجعت کر لیتے تھے۔

امہات المومنین کو فاطمہ بنت قیس پر اس اعتبار سے ضرور فضیلت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں ورنہ فاطمہ بھی ان خواتین میں تھیں جن کا شمار مہاجرات اول میں ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے۔ اور ان کی شادی (اصرار کرکے) اسامہ بن زید سے کی تھی۔

اگر کوئی شخص فاطمہ بنت قیس کی مقدار حفظ و علم کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اسے وہ طویل ترین حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے جو رجال سے متعلق ہے اور جسے فاطمہ نے روایت کیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر جو طویل خطبہ رجال سے متعلق دیا تھا اسے فاطمہ بنت قیس نے تمام و کمال یاد رکھا اور اسی طرح بیان کر دیا جس طرح سنا تھا۔ اور طول و غرابت کے باوجود کسی نے فاطمہ کی روایت پر اعتراض نہیں کیا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو قصہ انہی کی وجہ سے عالم وجود میں آیا، جس کا سبب وجود انہی کی ذات ہے، جس کے بارے میں انھوں نے جھگڑا کیا۔ فریاد و کناں دربار رسول میں پہنچیں، اور آپؐ کا

حکم صرف مختصر سے کلموں " لا سکنی و لا نفقہ " (تین طلاق والی عورت نہ سکنیٰ کی مستحق ہے، نہ نفقہ کی) کی صورت میں سنا اور اسے یاد نہ رکھ سکیں کیا یہ ممکن ہے ؟ — جب کہ ان کی قوت حفظ و اخذ سب کو تسلیم ہے ؟

رہا نسیان کا احتمال تو یہ چیز فاطمہ میں اور ان کی روایت کا انکار کرنے والوں، دونوں میں مشترک ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ ہیں جو جنبی[1] کے تیمم والی حدیث بھول گئے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر نے یاد دلایا۔

واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں — عمرؓ اور عمارؓ — کو جنابت کی صورت میں تیمم کر لینے کا حکم دیا تھا، حضرت عمرؓ بھول گئے، اور اس پر مصر تھے کہ جنبی جب تک پانی نہ پاتے اور غسل نہ کرلے نماز نہیں پڑھ سکتا۔

وہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی بھول گئے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا

لیکن جب ایک عورت نے انھیں ٹوکا تو یاد آیا[2] اور اپنا قول واپس لیا۔

---

[1] جنبی اسے کہتے ہیں جس پر غسل جنابت — مباشرت یا احتلام وغیرہ کے باعث — واجب ہو۔

[2] حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب یہ دیکھا کہ لوگ اپنی بیویوں کا مہر زیادہ رقم کا باندھنے لگے ہیں، اور ان کی مالی ذمہ داریوں کو زیادہ وسیع پیمانے پر قبول اور برداشت کرنے کے عادی ہوتے جارہے ہیں تو یہ بات انھیں گراں گزری، اور انھوں نے تحدید کی کوشش کی، جو بات ان کے دل میں آجاتی تھی اس پر عمل بھی کر گزرتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بھی انھوں نے ایسا ہی کیا۔
حضرت عمرؓ کا دبدبہ اور جلال ایسا تھا کہ ان کے سامنے کسی کی مجال دم زدن نہ تھی۔ چنانچہ ان کے اس ارشاد پر احتجاج و اختلاف کی کوئی آواز بلند نہیں ہوئی — لیکن ایک مرتبہ ایک عورت نے بر سر منبر انھیں ٹوک دیا اور کہا " قرآن میں قنطار (بے شمار مال و زر) تک بیوی کو دے دینے کی اجازت آئی ہے، تم منع کرنے والے کون ؟ — ایک کمزور عورت کی یہ آواز سن کر حضرت عمرؓ کرز گئے انھیں اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ پھر اس مسئلہ پر کچھ نہیں کہا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد بھول گئے۔

انك میت وانھم میتون (اے محمد تم بھی ایک دن وفات پاؤ گے، اور یہ لوگ بھی موت سے ہم کنار ہوں گے)ؔ

پھر انھیں یہ آیت یاد دلائی گئی۔ تب ان کا جوش ٹھنڈا ہوا۔

پس اگر راوی نسیان و خطا کا سرزد ہونا، سقوط روایت کا موجب ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی ساقط ہو جائے گی جو فاطمہ بنت قیس کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں بطور عارض کے پیش کی جاتی ہے کیونکہ بھول چوک تو حضرت عمرؓ سے بھی ہوئی تھی۔

غرض ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی ثقہ اور عادل راوی کی روایت قبول کرنے کی شرط یہ رکھی گئی ہو کہ جب تک دو گواہ شہادت دے کر اس کی تائید و تصدیق نہ کر دیں وہ قبول نہیں کی جائے گی خاص طور پر جب کہ راوی کوئی صحابی ہو ——— اور حضرت فاطمہ بنت قیس جلیل القدر صحابیہ تھیں۔

اب ہم دوسرے طعن پر گفتگو اور بحث کریں گے۔

۲۔ کیا فاطمہؓ کی روایت مخالف قرآن ہے؟ یعنی یہ کہ فاطمہ بنت قیس کی روایت قرآن کریم کی مخالف ہے۔

ؔ تاریخ اسلام کا یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت عمر جیسا سخت شخص ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ انھوں نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا:

"جس نے بھی یہ کہا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

آنحضرتؐ کے اس حادثۂ وفات کا حضرت عمر کے دل و دماغ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ مذکورہ آیت قرآنی، اور دوسری قرآنی آیات، جن کی بارہا انھوں نے تلاوت کی تھی، سنا تھا، دہرایا تھا اور جن میں آں حضرتؐ کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بھی ایک روز اس دنیا سے رخصت ہوں گے، یکسر فراموش کر بیٹھے اور شدت الم اور شدت تاثر کے باعث ہر اس شخص کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے ——— لیکن جب یہ آیت سنائی گئی تو ان کے حواس بجا ہوئے۔ ان کا جوش و تاثر ختم ہو گیا اور انھوں نے اعتراف فرمایا "گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔"

غرض بھول چوک تقاضائے بشریت ہے، اور یہی علامہ ابن قیم کا مقصد ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی یہ حدیث نہ صرف کتاب اللہ کی مخالف نہیں بلکہ اس کے موافق ہے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب اللہ سے تین طور پر منطبق ہے۔

۱۔ یا تو یہ عام کی تخصیص ہے۔

۲۔ یہ اجمال کا بیان ہے۔

۳۔ یہ بیان ہے سیاق و تعطیل و تنبیہہ کا۔

اور یہی صورت زیادہ صحیح ہے۔ پس یہ کتاب اللہ کے موافق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔ اپنے حکم کے اعتبار سے یہ غلط ہے، معاذ اللہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا فیصلہ صادر فرمائیں جو کتاب اللہ کے خلاف اور منافی ہو۔ یا اس سے معارض ہو؟

امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ وہ تبسم کناں فرمایا کرتے تھے۔

"کتاب اللہ میں تین طلاق والی عورت کے لیے سکنیٰ اور نفقہ کا حکم کہاں ہے؟"

اور امام احمدؒ سے بھی پہلے اپنے وقت کی فقیہہ فاطمہ بنت قیس قول عمرؓ ماننے سے انکار کر چکی تھیں، انھوں نے فرمایا تھا۔

"میرے اور تمہارے مابین کتاب اللہ موجود ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: تم نہیں جانتے شاید اللہ کوئی صورت (رجعت کی) پیدا کر دے۔" (لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالك امرًا) لیکن تین طلاق کے بعد (جب نہ رجعت ممکن ہے نہ تجدید نکاح) کیا صورت پیدا ہو سکتی ہے؟ بلکہ اذا بلغن اجلھن فامسکوھن سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ آیات کریمہ طلاق رجعی سے متعلق ہیں۔

۳۔ ایک بودی اور ناقابل قبول تاویل

اب تیسرے طعن کو لیجیے یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس تین طلاق کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے محض اپنی زبان کی سختی اور درشتی کے باعث نکلیں۔

لیکن یہ تاویل کتنی بودی ہے۔

جو قانون چوٹی کے صحابہ میں شامل ہو جس کے علم و فضل اور دانش و تفقہہ کا سب کو اعتراف ہو، جو مہاجرین اولین کے گروہ میں شامل ہو، جو دین اور تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز اور یگانہ ہو، وہ اتنی تیز زبان ہو سکتی ہے کہ اس کی تیز زبان اسے اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دے؟ اور اس کا وہ حق سوخت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے؟

پھر کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیز زبانی پر انھیں کبھی نہیں ٹوکا، نہ ان سے یہ فرمایا کہ خدا سے ڈرو، اور اپنی زبان قابو میں رکھو اور اپنے شوہر کے قرابت داروں اور عزیزوں کو اپنی زبان سے تکلیف نہ پہنچاؤ، اور اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔

اور اس سب کے بجائے آپؐ نے یہ کیسے فرما دیا کہ:

"تمہیں اپنے شوہر سے نہ نفقہ لینے کا حق ہے نہ سکنیٰ کا مطالبہ کرنے کا، کیونکہ سکنیٰ اور نفقہ اس عورت کا حق ہے جس کے شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہو۔

۴. کیا فاطمہ بنت قیس کی حدیث اور روایت عمرؓ میں تعارض ہے

اب چوتھے طعن پر ہم بحث و گفتگو کریں گے، یعنی، فاطمہ بنت قیس کی حدیث، اور حضرت عمرؓ کی روایت میں تعارض کا مسئلہ۔ یہ تعارض دو صورتوں سے نمودار ہو سکتا ہے۔

ایک حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ترک نہیں کر سکتے۔

دوسرا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ تین طلاق والی عورت کو سکنیٰ اور نفقہ کا حق حاصل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کلام باطل کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ —— کبھی بھی نہیں!

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

اس قول کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف صحیح نہیں ہے"۔

ابوالحسن دار قطنی کا قول ہے۔

"قطعی طور پر سنت رسولؐ فاطمہ بنت قیس کے ہاتھ میں ہے!"

حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تین طلاق والی عورت بھی نفقہ اور سکنیٰ کی حق دار ہے، حضرت عمرؓ خدا سے ڈرنے والے اور تبلیغ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حریص تھے، وہ کس طرح اس حدیث صحیح سے انکار کر سکتے تھے۔

رہی حضرت عمرؓ سے ابراہیم کی یہ روایت کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ وہ فاطمہ سے کہہ رہے تھے کہ سکنیٰ اور نفقہ ان کا حق ہے، یہ عمر رضی اللہ عنہ پر کذب صریح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کذب صریح ہے۔ اور کسی انسان کے لیے یہ ہرگز زیبا اور مناسب نہیں ہے کہ تعصب اور انتصار مذاہب وغیرہ کے جوش اور حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صریحہ وصحیحہ کے مقابلہ میں کذب خالص اور دروغ محض سے کام لینے کی جرأت کرلے۔

اور اگر حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جھوٹ سچ ہوتا تو حضرت فاطمہ بنت قیس کی زبان گونگی ہو جاتی نہ وہ مناظرے کے لیے بلائی جاتیں۔ نہ ان کی کوئی بات سنتا اور نہ اس دعوے کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی تیز زبانی کے باعث شوہر کے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوئیں۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔

تین طلاق والی عورت کے نفقہ اور سکنیٰ کی حدیث ائمہ حدیث مصنفین سنن، واحکام اور منتصرین سنت نبویہ کی نظر سے کیوں پوشیدہ رہی؟

ایک راوی حدیث پر جرح

اس حدیث کے اصل راوی ابراہیم ہیں جو حضرت عمرؓ کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے۔ اس صورت میں اگر انتہائی حسن ظن سے کام لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ ابراہیم تک حضرت عمرؓ کا جو قول پہنچا اور جس کی انھوں نے روایت کی وہ باللفظ نہیں بلکہ بالمعنیٰ تھا اور غلط فہمی کے باعث روایت یوں کردی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق والی عورت کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم دیا تھا، جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن جہاں تک مرد کا تعلق ہے وہ اگر صالح ہو سکتا ہے تو مغفل بھی ہو سکتا ہے، اور اس صورت میں، وہ پورے طور پر حفظ حدیث اور روایت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کا مناظرہ

اس مسئلہ پر میمون بن مہران اور سعید بن المسیب کے مابین مناظرہ بھی ہوا۔

میمون نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی جس پر سعید نے کہا۔

"اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے۔"

یہ سن کر میمون گویا ہوتے :

انھوں نے تو وہی چیز بیان کی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا ہے۔ اور اس کے بعد لوگ کس طرح فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں ؟ حالانکہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تمام فقہا حدیث فاطمہؓ سے دلیل لاتے ہیں

فقہاء رحمہم اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حجت اور دلیل نہ لایا ہو۔ بعض احکام میں اس سے مالکؒ، شافعیؒ اور جمہور امت نے حجت اور دلیل قبول کی ہے، چنانچہ یہ سب سقوط نفقہ مبتوتہ کے قائل ہیں۔

اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعی نے بیک وقت تین طلاقوں کا جواز تسلیم کیا ہے، کیونکہ فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا کہ :

"ابو عمر بن حفص نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں۔"

اور اسی حدیث کی بنا پر بعض لوگ یہ بھی جائز رکھتے ہیں کہ عورت [1] مردوں پر نظر ڈال سکتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کے پیام کے باوجود کسی عورت کو نکاح کا پیام دے سکتا ہے اگر اس نے پہلا پیام نکاح قبول نہ کیا ہو۔

یہ بات بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی آدمی میں کوئی خامی کی بات ہو تو دوسرے کو اس سے بطور نصیحت اور مشورہ کے مطلع کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ شادی مناسب ہے یا نہیں ؟ معاملت درست ہے یا نہیں ؟ سفر بہتر ہے یا نہیں [2] اس طرح کی باتوں کا شمار غیبت میں

---

[1] اتفاقاً یا حسب ضرورت۔ [2] جیسے آپؐ نے فاطمہ بنت قیس کو نصیحت فرمائی کہ معاویہ کے پاس کوئی پونجی نہیں، ابو جہم عورتوں کو مارتا پیٹتا ہے۔ سالم بن زید زیادہ بہتر ہے اس سے نکاح کر لو اس میں بھلائی ہے۔

نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے یہ دلیل بھی لائی جاسکتی ہے کہ قرشیہ عورت کا نکاح غیر قرشی مرد سے جائز ہے[1]۔
یہ دلیل بھی اس حدیث سے ملتی ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی غیر موجود ہو تو بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے[2] اس کے لیے موجودگی اور مواجہت شرط نہیں ہے۔

صدق حدیث اور برکت روایت کا نتیجہ

یہ تمام احکام جو اوپر مذکور ہوئے، نتیجہ ہیں اسی صدق حدیث اور اس کی برکت روایت کا اس حدیث سے امت نے احکام و مسائل کا استنباط کیا، اور ان پر عمل کیا۔ پھر یہ کیا بات ہوئی، کہ ان احکام مستنبط میں سے ایک حکم کو رد کر دیا جائے۔ باقی قبول کر لیے جائیں۔ اگر یہ بات مانی جاتی ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا تو پھر ان کی کوئی روایت کردہ کوئی حدیث اور بیان کردہ کوئی حکم قبول نہیں کرنا چاہیے ــــ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس بحث پر ابھی ایک بہت بڑا اعتراض باقی ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کا ارشاد ہے:

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم

ظاہر ہے یہ آیت ان عورتوں کے بارے میں ہے جنھیں طلاق بائنہ مل چکی ہے۔ ان عورتوں کے بارے میں نہیں ہے جن سے رجعت کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بات مذکورہ آیت کے آگے کے جملوں سے بالکل واضح ہے۔

ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن، وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن

اس سے معلوم ہوا کہ بائن عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اگر رجعیہ کا ذکر ہوتا تو نفقہ کی قید حمل کے ساتھ کیوں ہوتی؟ کیونکہ بائن نہ ہونے کی صورت میں یہ حکم عدیم التاثیر تھا۔ رجعیہ عورت تو ہر صورت میں نفقہ کی مستحق ہے۔ خواہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ "اسکنوھن" میں جو ضمیر ہے اور

---

[1] فاطمہ بنت قیس قرشیہ تھیں اور سالم بن زید غیر قرشی۔

[2] بذریعہ خط، بذریعہ وکیل۔ بذریعہ پیامبر وغیرہ۔

ان کن اولات حمل فانفقوا علیھن، میں جو ضمیر آئی ہے وہ واحد ہے۔

آیت مذکورہ کے ضمائر پر بحث

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس سوال کا مورد یا تو وہ موجبین نفقہ سکنیٰ ہیں۔ یا صرف سکنیٰ۔

اگر پہلی صورت ہے تو بے شک معترض نے زعم کے مطابق یہ آیت خود اس پر حجت ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے شرط ایجاب نفقہ یہ رکھی ہے کہ وہ حوامل (حاملہ عورتیں) ہوں۔ لہٰذا یہ حکم ایک شرط کے ساتھ متعلق ہے۔ انتفاء شرط کے ساتھ یہ بھی منتفی ہو جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ بائن حائل (غیر حاملہ) کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ اس آیت سے مفہوم پر دلالت ہوتی ہے، نہ کہ الفاظ پر، تو جواب میں کہا جائے گا، ایسی بات نہیں ہے۔ یہ دلالت مفہوم نہیں ہے، بلکہ انتفاء شرط کے باعث انتفاء حکم ہے۔

اور یہ بھی غلط ہے کہ آیت مذکورہ میں ضمیر واحد ہے جو بائن کی تخصیص کرتی ہے۔

آیہ مذکورہ کے ضمائر کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

ایک قسم تو یہ ہے کہ قطعی طور پر ضمیر رجعیہ سے متعلق ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف

دوسری قسم یہ ہو سکتی ہے کہ ضمیر کا تعلق صرف بائن سے ہو، یا صرف رجعیہ سے ہو، یا دونوں سے ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن ـــ وقولہ ـــ واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم

تو اتحاد ضمائر کے باعث اس کا حمل و اطلاق رجعیہ ہی پر ہوگا۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے تو اختلاف ضمائر لازم آئے گا۔ اور یہ خلاف اصل ہے۔ لہٰذا اصل اولیٰ ہی پر حمل کا اطلاق درست ہے۔

نفقہ رجعیہ کے لیے حمل کی تخصیص

اور اگر یہ کہا جائے کہ نفقہ رجعیہ کے لیے حاملہ ہونے کی تخصیص کیوں ضروری تھی؟

جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ غیر حاملہ رجعیہ کے لیے نفقہ نہیں ہے، اصل

بات یہ ہے کہ رجعیہ کی دو قسمیں ہیں ، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔

ایک رجعیہ تو وہ ہے جو حاملہ نہ ہو۔ اس کا نفقہ عقد زوجیت کے باعث ہے کیونکہ ابھی تک وہ رشتہ ازدواج سے وابستہ ہے۔

ایک رجعیہ وہ ہے جو حاملہ ہو۔ اس کا نفقہ اس آیت کے مطابق ہے"

پس وضع حمل کے بعد کا نفقہ نفقہ قریب ہے نہ کہ نفقہ زوج ، کیونکہ اس کی حیثیت وضع حمل سے پہلے کچھ اور تھی بعد میں کچھ اور ہوگئی۔ شوہر پر نفقہ اس وقت تک واجب تھا جب تک وہ حاملہ تھی ، جب وضع حمل ہوگیا تو اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگیا ، جس پر نفقہ طفل واجب ہے ، اور یہ صورت حالت حمل کی حالت سے مختلف ہے۔ پس اس کا نفقہ ایک حکم ہے۔ دوسرے حکم میں منتقل ہوگیا ، لہٰذا فائدہ تقیید و سر اشتراط واضح ہوگیا۔ اور اپنے کلام کا مطلب اللہ ہی خوب جانتا ہے ،

وجوب نفقہ اقارب

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں

قرابت داروں کو ترجیح

ابوداؤد نے اپنی سنن میں کلیب بن منفعہ سے روایت کی ہے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا۔

یارسول اللہ میں کس کے ساتھ زیادہ بھلائی۔ اور سلوک کروں۔

آپ نے فرمایا:

اپنی ماں کے ساتھ، باپ کے ساتھ، بہن کے ساتھ، بھائی کے ساتھ، اور خادم کے ساتھ یہ حق واجب اور رحم موصول ہے۔

نسائی نے طارق المحاربی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ میں مدینہ آیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر سر منبر خطبہ دے رہے ہیں آپ نے فرمایا!

"دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے (بھلائی اور حسن سلوک کا) آغاز اپنی ماں، باپ، بہن اور بھائی سے کرو، پھر قریب عزیز سے، پھر اس سے قریب عزیز سے"!"

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ لوگوں میں میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے"؟"

آپ نے فرمایا تیری ماں،!"

اس شخص نے سوال کیا، اور اس کے بعد؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا "تیری ماں"!

وہ کہنے لگا "یا رسول اللہ اس کے بعد؟"

آپؐ نے فرمایا، "تیری ماں"!

اس نے دریافت کیا، "پھر اس کے بعد؟"

آپؐ نے جواب دیا، "پھر اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر قریب عزیز سے، اس کے بعد قریب عزیز سے"!

ترمذی میں معاویہ القشیری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں،

میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ سزاوار کون ہے؟"

آپؐ نے جواب دیا، "تیری ماں"!

قشیری نے پھر سوال کیا، "اور اس کے بعد؟"

آپؐ نے فرمایا! "تیری ماں"!

قشیری نے پھر پوچھا، "اور اس کے بعد؟"

جواب میں آپؐ نے فرمایا، "تیری ماں"!

قشیری نے پھر دریافت کیا، "بعد ازاں؟"

آپؐ نے جواب دیا "تمہارا باپ، اس کے بعد قریب کے عزیز، اور قریب کے عزیز"!

نسائی نے جابر بن عبداللہ رضؓ کی حدیث روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے آپ سے آغاز کرو، اور اپنے نفس پر صدقہ کرو، پھر اگر کچھ بچ رہے تو اپنے اہل وعیال پر، اس سے بچ رہے تو قرابت داروں پر، اور اگر قرابت داروں سے بھی بچ جاتے تو اس طرح"!

ارشاداتِ نبوی تفسیر ہیں کلام ربانی کی

یہ تمام ارشادات نبویؐ تفسیر ہیں قول خدائے عزوجل کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا" وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وآت ذا القربیٰ حقہ ....

وآت ذالقربی حقہ (قرابت داروں کو ان کا حق دو)!،

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ذول القربیٰ (قرابت داروں) کا حق والدین کے حق کے فوراً بعد رکھا ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے،

ان لذی القربی حقاً علی قرابتہ

اسی طرح خدا نے حکم دیا ہے کہ قرابت داروں کو (بشرط استطاعت) ان کا حق دیا جائے پھر اگر یہ حق نفقہ نہیں ہے تو ہم نہیں جانتے وہ کون سا حق ہے جس کا حکم خدائے تعالیٰ فرما رہا ہے؟

قرابت داروں کے ساتھ احسان کا حکم

اللہ تعالیٰ نے ذول قربیٰ کے ساتھ احسان کا حکم دیا ہے، پھر اس سے بڑھ کر برائی کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اسے بھوک سے مرتے دیکھے، یا تن سے ننگا دیکھے، اور وہ اس پر قادر ہو کہ اس کی بھوک رفع کر سکے، اس کی عریانی کا تدارک کر سکے، پھر بھی نہ اسے ایک لقمہ کھانا کھلائے، نہ ستر پوشی کے لیے کپڑا دے۔

ذول القربیٰ اور قرآن مجید

ذوی القربیٰ کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسن سلوک کا حکم اور تائید کتاب اللہ کے بالکل مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،!

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف، لا تکلف نفس الا وسعھا، لا تضار والدۃ بولدھا، ولا مولود لہ بولدہ، وعلی الوارث مثل ذالک

حضرت عمرؓ کے احکام و قضایا

اس آیہ کریمہ کے مطابق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وارث پر وہی واجب کیا ہے جو مولود لہ پر واجب کیا ہے، اور اسی حکم کے مطابق امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے حکم نافذ کیا ہے۔

سفیان بن عیینہ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں وہ عمرو بن شعیب سے، وہ سعید بن المسیب

سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بات پر سزائے قید دے دی تھی ۔،

ابن ابی شیبہ ابوخالد الاحمر سے، وہ حجاج سے، وہ عمرو سے، وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یتیم کا ولی حضرت عمر بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا،

"اس یتیم کو نفقہ دیا کر!"

پھر فرمایا، بعید ترین رشتہ سے بھی اس کے رشتہ دار مجھے مل جاتے تو میں ان پر اس کا نفقہ واجب کر دیتا،"

اسی طرح کا حکم زید بن ثابت کا بھی ثابت ہے، ابن ابی شیبہ کہتے ہیں، کہ ہم سے حمید بن عبدالرحمان نے انھوں نے حسن سے، انھوں نے مطرف سے، انھوں نے اسماعیل سے، انھوں نے حسن سے انھوں نے زید بن ثابت سے روایت کی کہ اگر ماں اور چچا ہوں، تو ماں پر اس کی میراث کے بقدر، اور چچا پر اس کی میراث کے بقدر واجب ہوگا، صحابہ میں سے کسی کا بھی اس فیصلہ سے اختلاف ثابت نہیں ہے،

حسن کہتے ہیں وارث پر بھی اسی طرح کا نفقہ واجب ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں وارث پر بھی نفقہ واجب ہے، اگر وہ غریب ہو تو اسے اتنا دینا چاہیے کہ مستغنی ہو جائے،

جمہور سلف نے آیۂ کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے، مثلاً قتادہ، مجاہد، ضحاک، زید بن اسلم شریح القاضی، قبیصہ بن ـــــ، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ابراہیم نخعی، شعبی، اصحاب ابن مسعود اور ان کے لوگوں کے بعد، سفیان الثوری، عبدالرزاق، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، اور ان کے بعد، امام احمد، اسحاق اور داؤد، رحمہم اللہ

فقہاء اسلام کے اختلافی اقوال متعددہ

اس مسئلہ میں فقہا کے متعددہ اختلافی اقوال ہیں، :

ـــ : ایک قول یہ ہے کہ کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے اقارب میں سے کسی کو نفقہ دے، کیونکہ یہ صرف عنایت اور احسان ہے،

اس مذہب کی نسبت شعبی کی طرف کی جاتی ہے،

عبد بن حمید الکشی کہتے ہیں ہم سے قبیصہ نے انھوں نے سفیان ثوری سے، انھوں نے اشعث سے، انھوں نے شعبی سے روایت کی کہ شعبی کہتے ہیں میں نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو نفقہ دینے کے لیے مجبور کرتے نہیں دیکھا،

اس ملک کے اثبات میں یہ شعبی کا یہ کلام محل نظر ہے،

شعبی کا مقصد یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے۔ کہ غنی اور مالدار لوگ بجائے اس کے کہ اجبار حاکم سے ڈر کر غریب رشتہ دار کی دستگیری کریں، خود ہی خدا سے ڈر کر اپنا یہ فرض انجام دے لیا کریں۔

:۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی باپ کا، اور ماں (جس کے پیٹ سے وہ پیدا ہوا ہو) کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، والدین اپنی اولاد سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اپنا نفقہ جبراً حاصل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ واقعی وہ حاجت مند اور مفلوک الحال ہوں،

نفقۂ اولاد

اب رہا نفقہ اولاد، تو آدمی کو اپنے بیٹے کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائیگا جب تک وہ بلوغ کو نہ پہنچ جائے، اسی طرح وہ بیٹی کا نفقہ ادا کرنے پر بھی مجبور ہے جب تک اس کی شادی نہ ہو جائے البتہ پوتے اور پوتی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ماں اولاد کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں

ماں بیٹے اور بیٹی کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کی جا سکتی، اگرچہ وہ دونوں حد درجہ حاجتمند کیوں نہ ہوں، اور ماں حد درجہ دولت مند کیوں نہ ہو۔

کسی شخص کو اس پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ پوتے دادا، نانا، بھائی، بہن، چچا، چچی خالو، خالہ، کو نفقہ ادا کرے، غرض کوئی شخص کسی بھی عزیز اور رشتہ دار کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ سوا ان قرابت داروں کے جن کا ذکر اوپر کی سطروں میں ہو چکا ہے۔

والدین کو نفقہ دینا ہر حالت میں واجب ہے

(والدین وغیرہ) کو نفقہ دینا ہر حالت میں واجب ہے۔

خواہ دین و مذہب میں اتفاق ہو یا اختلاف،۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ حالانکہ یہ مذہب نفقہ کے سلسلہ میں بہت تنگ واقع ہوا ہے۔

"— تیسرا قول یہ ہے کہ نفقہ بصورت عمودی نسب واجب ہے، نیز اتحاد دین ومذہب بھی ضروری ہے، علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے نفقہ طلب کیا جائے وہ ادا کرنے کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو، اور جسے نفقہ دلوایا جائے، وہ کمانے سے مجبور ہو، مثلاً صغرسنی کے باعث یا جنون کے باعث، خواہ عمود اسفل ہو یا اعلیٰ،[1]

ذی رحم کا ذی رحم پر نفقہ واجب ہے

منفق علیہ (جسے نفقہ دیا جائے) عجز عن الکسب (کما نہ سکنے) کے اشتراط کے بارے میں یہ ہے کہ اگر اولاد تندرست ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا، — یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور یہ مذہب، مذہب مالک رحمۃ اللہ سے زیادہ وسیع ہے۔

:— چوتھا قول یہ ہے کہ ہر ذی رحم کا ذی رحم[2] پر نفقہ واجب، خواہ وہ اولاد در اولاد ہو یا آباد اجداد، ان سب کا نفقہ واجب ہے، خواہ دین ومذہب میں اتحاد ہو یا اختلاف، مذکورہ بالا قرابت داروں کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے وجوب نفقہ کے لیے اتحاد دین ومذہب ضروری اور لازمی ہے، مثلاً کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے کافر ذی رحم کو نفقہ دے۔

علاوہ ازیں نفقہ اس صورت میں واجب ہے کہ منفق (نفقہ دینے والا) نفقہ ادا کرنے کی حیثیت اور استطاعت رکھتا ہو، اور منفق علیہ (جسے نفقہ دیا جائے) واقعی ضرورت مند ہو، مثلاً اگر وہ کم سن ہے تو اس کا فقر معتبر ہے اور اگر کمسن ہے، اور اگر وہ عورت ہے تو اس کا فقر معتبر مانا جائے گا اور اگر مرد ہے تو اگر وہ بیٹا اور تندرست ہے تو اسے نفقہ نہیں دلایا جائے گا ————

———— یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے جو مذہب شافعی سے زیادہ وسیع ہے۔

" پانچواں قول یہ ہے کہ اگر قرابت دار یکے از عمود النسب ہے تو اس کا نفقہ مطلق طور پر

---

[1] عمود اعلیٰ سے مراد ماں باپ وغیرہ ہیں، اور عمود اسفل سے مراد، لڑکا لڑکی وغیرہ ہیں۔

[2] ذی رحم، یعنی یک جدی عزیز۔

پر واجب ہے بشرطیکہ منفق اور منفق علیہ کے مابین توارث ہو، ـــــ یہ امام احمد کا مذہب ہے جو مذہب ابو حنیفہ رحمہ سے زیادہ وسیع ہے، اگرچہ دوسرے اعتبار سے امام ابو حنیفہ کا مذہب زیادہ وسیع ہے، اس لیے کہ وہ ذوی اللہ حام کو نفقہ دلاتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔

قواعد شرع اور اصول صلہ رحم

اور اس لیے صحیح ہے کہ قواعد شرع اور اصول صلہ رحم سے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے بالکل مطابق ہے نیز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کا واقعہ گزر چکا ہے کہ وہ ایک لڑکے کے عصبات کو اس لیے قید کرنے پر تیار ہو گئے تھے کہ وہ اسے نفقہ نہیں دے رہے تھے، یہ لوگ اس لڑکے کے بنو عم تھے، اور انہیں حضرت عمر نے حکم دیا کہ نفقہ دیں۔

اسی طرح زید بن ثابت کا فیصلہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر چچا اور ماں ہوں، تو چچا پر بقدر میراث اور ماں پر اس کی میراث کے بقدر نفقہ واجب ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے خلاف صحابہ میں سے کسی نے آواز نہیں اٹھائی

جمہور سلف کا مسلک

جمہور سلف کا مسلک بھی یہی ہے، جس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے، !

وآت ذی القربیٰ حقہ "قرابت داروں کو ان کا حق دو، !"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ (والدین پر احسان کرو، اور قرابت داروں پر)

نسب کے اعتبار سے ترتیب

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کو عطیہ دینا واجب قرار دیا ہے اور نسب کے اعتبار سے اس کی ترتیب بھی بیان فرما دی ہے، یعنی بہن، بھائی، پھر قریبی رشتے دار، پھر ان سے قریب رشتہ دار کو نفقہ دینا حق واجب۔ اور رحم موصول ہے۔

صلہ اور سلوک نہیں وجوب

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں مراد صلہ اور سلوک ہے نہ کہ وجوب تو یہ بات بالکل غلط اور ناقابل قبول ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائی کا حکم دیا ہے، اور اسے حق سے تعبیر فرمایا ہے،

نفقہ اقارب "حق" ہے

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے "حق" اور "واجب" قرار دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی اور بہن کا حق باپ اور ماں کے ساتھ رکھا ہے، فرمایا ہے:

"تیری ماں، اور تیرا باپ، اور تیری بہن اور تیرا بھائی، اور پھر تیرا قریبی عزیز، اور قریبی عزیز"!

غرض صلہ اور بر، والدین کی شرط کے ساتھ موقوف نہیں ہے، ——— نہ شرعاً نہ لغتہً، نہ عرفاً ——— !

مسائل رضاعت

کسی عورت کا دودھ پی لینے سے کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں کون سے حلال رہتے ہیں

بنت حمزہؓ کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: "رضاعت بھی ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

بخاری اور مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی سے شادی کر لینے کو کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

"وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، کیونکہ رضائی رشتہ سے میرے بھائی کی بیٹی ہے، اور رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو نسب سے حرام ہوتے ہیں"

علاوہ ازیں بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مروی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

ابوالقعیس کے بھائی افلح کو اپنے سامنے آنے کی اجازت دے دو، کیونکہ وہ تمہارے چچا (رضائی رشتہ سے) ہیں!

ابوالقعیس کی بیوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا۔

اسی طرح حضرت ابن عباس کا جواب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا۔

" ایک شخص کی دو باندیاں ہیں۔ ایک باندی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا۔ دوسری نے کسی لڑکے کو کیا اب اس لڑکے کی شادی اسی لڑکی سے ہو سکتی ہے؟

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، "نہیں لقاح (مادۂ منویہ) واحد ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"دو ایک مرتبہ اگر کوئی بچہ، کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے رشتے حرام نہیں ہوتے۔"

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سوال کیا۔

"یا رسول اللہ کیا رضعت واحد (ایک مرتبہ کسی عورت کا دودھ پی لینا) سے بھی رشتے حرام ہوجاتے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا، "نہیں!"

حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت سنن دارقطنی میں باسناد صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

"رضاعت وہ ہے جو دو سال ہو!"

سنن ابو داؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ:

"رضاعت سے رشتے اس وقت تک حرام نہیں ہوتے جب تک (بچّہ نے جو دودھ پیا ہو، اس کے اثر سے) گوشت نہ پیدا ہونے لگے، اور ہڈی نہ بڑھنے لگے۔

سہیلہ بنت سہیل کا ماجرا صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سہیلہ بنت سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض گزار ہوئیں۔

میں ابو حذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھتی ہوں۔ جب سالم میرے گھر میں آتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے دودھ پلا دو، پھر وہ تم پر حرام ہو جائے گا!"

وہ کہنے لگیں، لیکن وہ تو ہٹا کٹا جوان ہے اسے کس طرح دودھ پلا سکتی ہوں؟"

آپ نے تبسم فرمایا، اور جواب دیا "ہاں میں جانتا ہوں!"

ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ابو داؤد نے اپنی سنن میں، زہری کی حدیث درج کی ہے، جو

انھوں نے عروہ سے، انھوں نے عائشہ سے، انھوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے سالم کو متبنّٰی بنا لیا تھا، اور ان کا نکاح اپنی بھتیجی ہند سے کر دیا تھا، جو ولید بن عتبہ کی بیٹی تھیں۔

جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی کو متبنّٰی بنا لیتا تھا وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا، اور لوگ اسے اس کا بیٹا تسلیم کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اس بارے میں واضح حکم نازل فرمایا: ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اٰبائھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم فردوا الی آبائھم کہ سہیلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی ثم العامری آئیں، یہ ابوحذیفہ کی بیوی تھیں۔ انھوں نے رسالت مآبؐ سے عرض کیا:

"یارسول اللہ ہم سالم کو اس وقت سے دیکھتے چلے آرہے ہیں جب وہ بچہ تھا، وہ میرے اور ابوحذیفہؓ کے ساتھ (مدتوں) ایک گھر میں رہا۔

اور اب اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد نازل ہو چکا ہے۔ پھر اب آپؐ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا، "اسے اپنا دودھ پلا دو!"

سہیلہ نے انھیں پانچ گھونٹ دودھ پلا دیا۔ اور اب سالم ان کے لیے رضاعت کے باعث بمنزلہ ولد ہو گئے۔

ام سلمہ اور دوسری ازواج مطہرہ کا انکار

لیکن ام سلمہؓ اور دوسری تمام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ماننے سے انکار کیا ہے، وہ کہتی ہیں کسی بڑی عمر والے کو اپنا دودھ پلا کر رضاعی بیٹا نہیں بنایا جا سکتا۔ رضاعت تو صرف گود والے بچہ کی ہوتی ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم سالم کے لیے خاص ہو۔ اگر یہ صورت ہے، تو دوسرے لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

لے یعنی منہ بولا بیٹا بنا لینے کی تو آیہ مذکورہ کے بعد کوئی اصل نہیں رہ گئی، لیکن رضاعت کے رشتہ سے، ماں اور بیٹے کا رشتہ قائم ہو گیا، اور یہ رشتہ از روئے شرع اتنا ہی محکم اور مستحکم ہے جتنا خود عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے لڑکے کا ہوتا ہے۔

اس سنت ثابتہ سے احکام مستنبطہ عدیدہ

اس سنت ثابتہ سے متعدد احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں بعض نزاعی ہیں۔

پہلا حکم جو اس سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔ یہ حکم امت کے مابین متفق علیہ ہے، حتیٰ کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نص پر زیادتی نسخ ہے۔ اور قرآن کا کوئی حکم سنت سے منسوخ نہیں ہوسکتا۔ وہ بھی اس حکم کو قبول کرنے پر اپنے تئیں مجبور پاتے ہیں۔ حالانکہ یہ حکم قرآن پر بہرحال ایک اضافہ ہے۔ چاہے اسے نسخ کا نام دیا جائے یا کچھ اور۔

اسی طرح وہ لوگ جو سنت سے نسخ حکم قرآن کے قائل نہیں۔ یہ ماننے پر بھی مجبور ہیں کہ بیوی کی موجودگی میں نہ اس کی (عمہ) چچی سے شادی کی جاسکتی ہے نہ خالہ سے، حالانکہ یہ بھی نص قرآن پر زیادتی ہے۔

تحریم غیر مرتضع کی طرف متعدی نہیں ہوتی

لیکن یہ تحریم غیر مرتضع (یعنی غیر رضاعی) شخص کی طرف متعدی نہیں ہوتی، خواہ وہ بھائی اور بہن کے درجہ میں کیوں نہ ہو۔ مثلاً، بھائی اس عورت سے شادی کرسکتا ہے جس نے اس کے بھائی کو دودھ پلایا ہو۔

از روے نسب اور از روے صہر رشتے

شیخ الاسلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سات رشتے از روے نسب اور سات رشتے از روے صہر (سسرالی تعلق) حرام کیے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ اور معلوم ہے کہ تحریم رضاعت، صہر نہیں قرار دی جاسکتی، رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو ولادت سے ـــــ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں ـــــ نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

لیکن آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو مصاہرت سے

حرام ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں تحریم صہر کا ذکر فرمایا ہے، رضاعت کا ذکر نہیں کیا۔ نہ بہ سلسلہ رضاعت تحریم جمع کا ذکر فرمایا، جیساکہ نسب کے ذکر میں فرمایا ہے۔ صہر تو در حقیقت قسیم نسب ہے۔ اور اس کی برادری میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ھوالذی خلق من الماء بشرًا فجعلہٗ نسبًا وصھرًا۔

اس سے ثابت ہوا کہ لوگوں کے مابین جو علاقہ ہے وہ نسب اور صہر کا ہے، اور یہی دونوں چیزیں (نسب اور صہر) سبب تحریم ہیں۔ رہی رضاعت وہ نسب کی نوع ہے۔ اور مصاہرت کا بندھن صرف انساب کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں سے بیک وقت شادی کرکے اور بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی چچی۔ بہن، اور خالہ سے شادی کرنے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ رحم محرمہ کے قطع کرنے کا سبب نہ بن سکے۔ اور معلوم ہے کہ از روئے رضاعت دو بہنوں کے مابین رحم محرمہ کا رشتہ نہیں ہے۔ چنانچہ وراثت اور نفقہ بھی نہیں ہے۔

ایک اہم فقہی نکتہ

پس جب ایک شخص پر اس کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ از روئے رضاعت حرام ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس نے اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہو، کیونکہ ان دونوں کے مابین نہ نسب کا رشتہ ہے نہ مصاہرت کا، نہ رضاعت کا۔

رضاعت مثل نسب کے ہے لیکن ہر حکم میں نہیں

گو ایک اعتبار سے رضاعت مثل نسب کے ہے لیکن ہر حکم میں وہ نسب کے مانند نہیں ہے۔ بلکہ اگر نگاہ غور و تعمق سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا۔ یہ دونوں (نسب اور رضاعت) کا احکام میں اتنا اجتماع نہیں ہے جتنا افتراق۔

عبداللہ بن جعفر کی مثال

چنانچہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ دو عورتیں جو از روئے مصاہرت محرمہ ایک شوہر کے حبالۂ عقد میں جمع نہیں ہو سکتیں، رضاعت کے باوجود ایک شوہر کی بیوی بن سکتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر کی مثال موجود ہے کہ انھوں نے ایسا کیا، کیونکہ سبب تحریم تو وہ ان کے مابین ہے نہ کہ ان کے اور ایک اجنبی کے مابین جس کا کوئی رضائی رشتہ ان دونوں سے نہیں ہے۔ نہ صہر کا رشتہ ہے، آئمہ اربعہ اور دوسرے آئمہ فقہ

مذہب یہی ہے، امام احمد نے اس واقعہ سے حجت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے ایسا کیا۔ اور ان پر کوئی معترض نہیں ہوا۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں۔

جابر بن زید قطع مروت کے باعث اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔

تحریم کے بارے میں فرمان خداوندی

اور جہاں تک عدم تحریم کا تعلق ہے وہ خدائے عزوجل کے قول سے ثابت ہے:

واحل لکم ما وراء ذلکم (جن عورتوں سے شادی قرآن نے حرام کردی ہے ان کے علاوہ دوسری عورتیں حلال ہیں۔)

یہ بخاری کا کلام ہے۔

تحریم و حرمت اور محرمیت کا فرق

پس احکام نسب کا ثبوت اگر ایک اعتبار سے بر رضاعت موجود ہے تو دوسرے اعتبارات سے وہ مستلزم نہیں ہے۔ مثلاً ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لیجئے۔ یہ صرف تحریم و حرمت کے اعتبار سے مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ لیکن محرمیت کے اعتبار سے نہیں۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان سے شادی کرسکے، یا ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود امہات المومنین کو ان لوگوں سے پردے کا حکم دیا ہے، جن سے ان کا نکاح جائز نہیں ہے۔ پردے سے مستثنیٰ صرف قریبی رشتے دار ہیں، یا وہ جن کے مابین رضاعت قائم ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذا سألتموهن متاعا فاسألوهن من وراء حجاب!

لیکن یہ حکم ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب تک متعدی نہیں ہے، ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی ایسی بہنیں نہیں ہیں، جن پر نکاح ناجائز ہو۔ نہ ان کے بیٹے مسلمانوں کے ایسے بھائی ہیں کہ ان سے ان کی لڑکیاں نہ بیاہی جاسکیں۔ نہ ان ازواج نبیؐ کی بہنیں اور بھائی، مسلمانوں کے لیے خالہ اور خالو کے حکم میں ہیں۔ بلکہ یہ سب مسلمانوں کے لیے حلال ہیں، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

ام المومنین میمونہؓ کی بہن ام الفضل

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ام المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن ام الفضل کی شادی حضرت عباس سے ہوئی، حضرت

عائشہ رضی کی بہن اسماء کی شادی حضرت زبیر سے ہوئی۔ ام عائشہ رضی کی شادی ابوبکر رضی سے ہوئی، ام حفصہ رضی کی شادی عمر رضی سے ہوئی، حالانکہ کوئی شخص اپنی ام کی ام سے شادی نہیں کر سکتا۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر اور ان کے بھائیوں کی شادیاں ابوبکر رضی اور ابوسفیان کی لڑکیوں سے ہوئیں اگرچہ رضاعی رشتہ سے یہ ان کے اخوال (ماموں) ہوتے تھے۔ اور ماموں کے لیے یہ شادی قطعاً جائز نہیں ہے۔

حرمت اقارب کی طرف منتشر نہیں ہوئی

اس سے ثابت یہ ہوا کہ حرمت امہات المومنین سے ان کے اقارب کی طرف منتشر نہیں ہوئی اور اس پر محرمات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔

وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم

اور ظاہر ہے جب مطلق طور پر لفظ "ابن" بولا جاتا ہے تو اس سے مراد رضاعی بیٹا نہیں ہوتا ورنہ صلبی بیٹے "کی قید نہ بڑھائی جاتی، بے شک اس آیت نے جسے خارج کیا ہے وہ منہ بولا بیٹا ہے۔ لیکن اس کا اطلاق رضاعی بیٹے پر بھی ہوتا ہے۔

جو رشتے نسب سے حرام ہیں، رضاعت سے بھی حرام ہیں

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو رشتے ازروے نسب حرام ہیں وہ ازروے رضاعت بھی حرام ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو رشتے ازروے نسب حرام ہیں، ویسے ہی رشتے رضاعت سے بھی حرام ہوں گے۔ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو رشتے ازروے جمع و مصاہرت حرام ہیں ویسے ہی رشتے ازروے رضاعت بھی حرام ہیں بلکہ عموم قول (واحل لکم ما وراء کم) کے باوجود اس کے خلاف ہی جاتا ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی کی تحریم اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے۔

مالک بن اوس بن حدثان نصری کا واقعہ

بلکہ سلف کی ایک جماعت تو بیوی کی لڑکی سے اگر وہ اس کی پروردہ نہ ہو شادی کے جواز کا فتویٰ دیتی ہے، جیسا کہ مالک بن اوس بن حدثان نصری کے واقعہ سے واضح ہے، وہ کہتے ہیں

میں نے ایک عورت سے شادی کی۔ اس کے بطن سے میرا ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے بعد وہ مرگئی
پھر میری ملاقات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انھوں نے فرمایا،
"اللہ تم پر رحم کرے کیوں پریشان ہو ؟
میں نے جواب میں عرض کیا۔
"جس عورت سے میں نے شادی کی تھی اس کا انتقال ہوگیا"۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا،
"کیا اس کے کوئی لڑکی بھی تھی ؟"
میں نے عرض کیا" جی ہاں تھی !"
پھر حضرت علی نے پوچھا، کیا وہ تمہاری زیر پرورش ہے ؟"
میں نے کہا" نہیں تو ! وہ طائف میں ہے !"
حضرت علی نے فرمایا" پھر اس سے نکاح کرلو۔"
میں نے عرض کیا۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے :
وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم (تمہاری بیویوں کی پہلے شوہروں سے جو لڑکیاں ہوں، اور تمہارے زیر تربیت و پرورش ہوں تم پر حرام ہیں)[1]
حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا :
"وہ لڑکی تمہاری پرورش اور تربیت میں تو نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بے شک اس سے نکاح ناجائز تھا"
اس طرح کے ایک واقعہ میں حضرت عمرؓ نے بھی یہی روش اختیار کی تھی یہ
اہل ظاہر کا مذہب یہی ہے۔

کیا ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے ؟ پس اگر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور جو لوگ ان کا قول مانتے ہوں، ربیبہ سے جو نسباً اس کی بیوی کی بیٹی ہے۔ نکاح جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کی تربیت و پرورش میں نہ ہو، تو وہ رضاعی لڑکی سے نکاح کس طرح حرام قرار دے سکتے ہیں ؟

---

[1] ربیبہ اس لڑکی کو کہتے ہیں جو بیوی کے پہلے شوہر کے بطن سے ہو۔ اور جسے نیا شوہر پال پوس رہا ہو۔
[2] یہ سارے قول اپنی جگہ پر، لیکن مسئلہ یہی ہے کہ ربیبہ سے نکاح حرام ہے۔

ربیبہ سے نکاح کے متعلق قیود سہ گانہ

ربیبہ سے تحریم نکاح سے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تین قیود کا ذکر فرمایا ہے :

(۱) ربیبہ سوتیلے باپ کی پرورش اور تربیت میں ہو۔

(۲) ربیبہ بیوی کے بطن سے اور پہلے شوہر کے صلب سے ہو۔

(۳) ربیبہ کی ماں کے ساتھ یہ دوسرا شوہر (یعنی ربیبہ کا سوتیلا باپ) مجامعت کر چکا ہو۔

پھر بھلا محض رضاعی لڑکی ہونے کے باعث جب کہ نہ وہ اس کی پرورش اور تربیت میں ہے اور نہ ازروئے لغت اس کی ربیبہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپؐ تحریم کی علت حجر زوج (شوہر کے زیر تربیت و پرورش ہونا) قرار دیتے تھے۔

تحریم لبن فحل سے بھی منتشر ہوتی ہے

اس سنت سے دوسرا حکم جو مستفاد ہوتا ہے کہ تحریم "لبن فحل"[1] سے بھی اسی طرح منتشر ہوتی ہے، جیسے عورت سے۔

اور یہ بالکل ٹھیک ہے، اس کے خلاف کوئی بات درست نہیں مانی جائے گی کیونکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پیروی کی زیادہ مستحق ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر چیز ترک کر دی جائے گی۔ اسے کسی دوسرے قول کے مقابلہ میں ترک نہیں کیا جا سکتا، خواہ وہ قول کتنی ہی بڑی ہستی کا کیوں نہ ہو، اور اگر ایسے لوگوں کے اختلاف کے باعث سنن کو ترک کر دیا جائے جو نہ اس کے مغز و معنیٰ کو سمجھتے ہیں نہ اس کی تاویل و تشریح سے واقف ہیں تو ترک سنت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کا قول واجب الاتباع ہے وہ ترک کر دیا جائے گا اور جس کا قول واجب الاتباع نہیں ہے اس کی پیروی شروع ہو جائے گی۔ یعنی معلومؐ کے قول پر غیر معلوم کے قول کو ترجیح ہو جائے گی۔ یہ بہت بڑی بلا ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

حکم ابن عتیبہ کی اپنے قول سے رجعت

اثرم کہتے ہیں کہ قتادہ اور ابراہیم اور ہمارے اصحاب لبن فحل کے باعث کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے

[1] لبن فحل، یعنی عورت کا وہ دودھ جو اس کے شوہر کے باعث عالم وجود میں آیا ہے۔

تھے، یہاں تک کہ حکم ابن عتیبہ کو یہ خبر ابو القعیس سے معلوم ہوئی، تو انھوں نے فوراً اپنے قول سے رجعت کرلی۔ اور اہل علم کی یہی شان ہوتی ہے۔ جب ان کے پاس سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے مزعومات و اقوال سے رجوع کرلیتے ہیں۔ اور حدیث کے مقابلہ میں ہر قول ترک کردیتے ہیں۔

رضاعت مرد کی جہت سے نہیں عورت کی حیثیت سے ہوتی ہے

جو لوگ "لبن فحل" کی حرمت کے قائل نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تحریم رضاعت جہت ام (ماں کی طرف) سے قرار دی ہے:

واُمہاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ

یعنی، تمہاری وہ مائیں تم پر حرام ہیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ اس طرح رضاعی بہنیں بھی حرام ہیں۔

"رضاعت" پر جو "لام" آیا ہے، وہ عہد کا ہے، اور رضاعت مذکورہ یعنی رضاعت ام پر دال ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واحل لکم ما وراء ذٰلکم (یعنی محرمات کے سوا باقی عورتیں تم پر حلال ہیں۔

اب اگر ہم حدیث سے تحریم کو ثابت کریں تو گویا سنت سے نسخ قرآن کا اصول ہم نے مان لیا کیونکہ نص پر زیادتی نسخ ہی ہے اور یہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جنھوں نے امت سنت سے روشناس کرایا اور یہ سنت سے تحریم کے قائل نہیں ہیں۔

زینبؓ بنت ام سلمہ کا واقعہ

چنانچہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں زینب بنت ام سلمہ ام المومنین کو اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ نے دودھ پلایا جن کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی تھی۔

زینب کہتی ہیں زبیرؓ میرے پاس آئے۔ میں بیٹھی کنگھی کر رہی تھی، انھوں نے میرے سر سے جوئیں نکالنا شروع کردیئے اور کہنے لگے میری طرف متوجہ ہو، اور کچھ باتیں کرو۔ میں انھیں اپنا باپ، اور ان کی اولاد کو اپنا بھائی (رشتۂ رضاعت سے) گردانتی تھی۔ پھر عبداللہ بن زبیر نے میری لڑکی ام کلثوم

کے لیے حمزہ بن زبیر کا پیام بھیجا۔

کلبیہ کی طرف سے اس پر سوال اٹھایا:

"کیا وہ حمزہ کے لیے حلال ہوگی؟ وہ تو ان کی بھانجی ہے۔"

عبداللہ کا جواب یہ تھا کہ جو اولاد اسماءؓ کے ... بطن سے ہے ان سے تمہارا رشتۂ اخوت قائم ہے۔ اور جو اسماءؓ کے بطن سے نہیں ہے[1] وہ تمہارے بھائی نہیں ہیں۔ جی چاہے تو مسئلہ معلوم کرلو۔

اس زمانہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تعداد میں موجود تھے ان سے پوچھا گیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ جو رضاعت مرد کی طرف سے ہو، وہ کسی رشتہ کو حرام نہیں کرتی۔ چنانچہ ام کلثوم کی شادی حمزہ سے ہوگئی اور اس واقعہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم و معروف تھی کہ رضاعت عورت کی جہت سے ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جانب سے۔

قرآن کے بیان کردہ دو واضح امور

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں جو تم نے واقعہ بیان کیا وہ ہرگز سنت صحیحہ سے معارض نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے عدول کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ باقی رہا قرآن تو اس نے دو باتیں وضاحت سے بیان کردی ہیں۔

۱۔ اگر رضاعی بہن ایک ہی ماں باپ کی بیٹی ہے۔ تو پھر وہ حرام ہے۔

۲۔ یا یہ صورت نہیں ہے، اس صورت میں قرآن ساکت ہے پس جو تحریم از روئے سنت ثابت ہے تو وہ اُحل لکم ما وراء ذٰلکم تخصیص کرنے والی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رضاعی بہنوں کا ذکر عموم کے ساتھ کیا ہے۔ لہٰذا جس پر بھی لفظ "اخت" (بہن) کا اطلاق ہوتا ہے، وہ اس میں شامل ہے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ باپ کی طرف سے رضاعی بہن، بہن نہیں ہوتی، اس کا ثبوت یہ ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

"افلح کو (اپنے ساتھ) آنے دو، کیونکہ وہ تمہارے (رضاعی) چچا ہیں!"

آپؐ نے گویا عائشہؓ اور افلح کے مابین چچا کا رشتہ صرف "لبن فحل" کی بنا پر قائم کیا۔ پس جب مرتضعہ (جس نے دودھ پیا ہو) اس کے رضاعی باپ کے بھائی کے مابین چچا کا رشتہ

---

[1] حمزہ بن زبیر حضرت اسماءؓ کے بطن سے نہیں تھے۔

قائم ہو سکتا ہے تو مرتضعہ اور رضاعی باپ کے بیٹے کے درمیان اخوت کا رشتہ بدرجۂ اولیٰ قائم ہوگا لہٰذا سنت نے کتاب (قرآن) کے ایک حکم کی وضاحت کی ہے اس کی مخالفت نہیں کی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں قرآن ساکت ہے اس کی تحریم کی وضاحت کر دے، یا جس کے عموم کی وضاحت کتاب سے نہیں ہے سنت اس کی تخصیص کر دے۔

ایک دعوائے باطل اور اس کی تردید

رہا تمہارا یہ قول کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تحریم کے قائل نہیں تھے تو یہ دعویٰ باطل ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ تحریم ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا۔

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ایک نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا۔ دوسری نے ایک لڑکے کو، کیا ان دونوں کی شادی ہو سکتی ہے؟

حضرت ابن عباس رضؓ نے جواب دیا "نہیں" ــــ لقاح (مادۂ رجولیت) واحد ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ سے ثابت ہے کہ وہ فتویٰ دیا کرتی تھیں کہ "لبن فحل" سے حرمت منتشر ہوتی ہے۔

جہاں تک حضرت زبیر رضؓ کے اثر کا تعلق ہے اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ زینب کو اپنی لڑکی سمجھا کرتے تھے۔

اب لے دے کے تمہارے پاس عبداللہ بن زبیر رضؓ کا مذکورہ بالا واقعہ مدار دلیل رہ جاتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ ساری باتیں کہاں رونما ہوئیں؟ جن میں بہت زیادہ صحابہ رضؓ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے حلت کا فتویٰ دیا۔ ان کا ایک کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے۔ مجہول طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

راوی نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ زینبؓ نے براہ راست صحابہ سے فتویٰ لیا تھا، بلکہ ان سے مسئلہ پچھوایا تھا۔ اب مسئلہ کن صحابہ سے پوچھا گیا یہ نہیں معلوم۔

رہا صحابہ کی کثرت تعداد و تواتر کا مسئلہ، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس زمانہ میں مدینۂ منورہ میں صحابہ کی زیادہ تعداد نہیں تھی۔ ان کا بڑا حصہ اور خاص طور پر اکابر صحابہ کا بڑا حصہ شام، عراق اور

مصر میں تھا۔

باقی رہا تمہارا یہ دعویٰ کہ رضاعت ماں کی طرف سے ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرمت اس دودھ کی وجہ سے ہے جو مجامعت و مباشرت کے باعث، عورت کے پستان میں پیدا ہوتا ہے

کتنے رضعات کے بعد رضاعت ثابت ہوتی ہے

تیسرا حکم جو اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ آیا دو ایک گھونٹ پی لینے سے رضاعت ثابت ہوگی، یا جب تک کم از کم رضعات نہ ثابت ہوں، حرمت نہیں ثابت ہو سکتی؟"

یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

سلف اور خلف کا ایک بڑا گروہ صرف رضاع سے تحریم کا قائل ہے۔ خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر چنانچہ یہ بات حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے۔ سعید بن المسیب اور حسن کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ، حکم، حماد، اوزاعی اور ثوری بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ کا مسئلہ بھی یہی ہے ۔ لیث بن سعد کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ رضاع خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے تحریم ثابت ہے۔

کم از کم تین گھونٹ کی شرط

ایک دوسرا گروہ ہے جو کہتا ہے کہ کم از کم تین گھونٹ کے بغیر رضاعت سے تحریم ثابت نہیں ہوگی۔ یہ ابوثور، ابن المنذر ابو عبید۔ داؤد بن علی وغیرہ کا قول ہے۔

کم از کم پانچ گھونٹ ضروری ہیں

ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ رضاعت سے تحریم کے لیے کم از کم پانچ گھونٹ ضروری ہیں، یہ عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عطاء، طاؤس کا قول ہے حضرت عائشہ رضی کی تین روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ رضاعت سے تحریم کے لیے کم از کم سات گھونٹ ضروری ہیں اور تیسری روایت دس گھونٹ کی ہے۔

پانچ گھونٹ والی روایت کی تائید، امام شافعیؒ کے مسلک سے بھی ہوتی ہے۔ ان کا ظاہر مذہب یہی ہے، اور ابن حزم کا قول بھی یہی ہے۔

خدا نے تحریم کو اسم رضاعت کے ساتھ معلق کیا ہے

پہلے گروہوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے تحریم کو اسم رضاعت کے ساتھ معلق کیا ہے۔ لہٰذا جہاں یہ کام پایا جائے گا، وہاں یہ حکم بھی موجود ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں اور یہ اطلاق قرآن کے بالکل موافق ہے

صحیحین میں عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہ انھوں نے ام یحیٰی بنت ابی ہاب سے شادی کی اسی اثنا میں امۃ سوداآئیں اور انھوں نے کہا، میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے"

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"یہ کیونکر ؟ جب کہ تم جانتے تھے وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے ؟"

لیکن آپؐ نے گھونٹوں کی تعداد نہیں دریافت فرمائی۔

لہٰذا جب رضاعت موجب تحریم ہے تو قلیل وکثیر کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہڈیوں اور گوشت کا پیدا ہونا جس طرح زیادہ دودھ سے ہوتا ہے کم سے بھی ہوتا ہے، دودھ کے گھونٹوں کے بارے میں اقوال کافی مضطرب ہیں۔ لیکن بہرحال یہ حقیقت ہے کہ شارع نے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں کیا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت دربارۂ رضاعت

جو لوگ حرمت کے لیے تین گھونٹ لازمی قرار دیتے ہیں وہ دلیل یہ لاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ وہ ایک گھونٹ سے حرمت نہیں ہوتی۔

امام مسلم نے صحیح میں روایت درج کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ کیا تحریم ایک گھونٹ سے بھی ہو جاتی ہے ؟"

آپؐ نے فرمایا، "نہیں"

لہٰذا عموم آیت کے اعتبار سے تحریم کے لیے کم سے کم تین گھونٹ مقرر کرنا پڑیں گے، ویسے بھی عدد و تکرار میں تین ہی کا عدد معتبر ہے، کیونکہ مراتب جمع کا پہلا مرحلہ یہی ہے۔ اور بہت سے مواضع اور مواقع پر شارع نے اس کا لحاظ رکھا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت دربارۂ رضاعت

جو لوگ پانچ گھونٹ کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے، اور معاملہ اسی طرح تھا۔

اور سب سے بڑا ثبوت اور دلیل یہ ہے کہ سہیلہ بنت سہیل کے واقعہ میں آپؐ نے فرمایا تھا۔

"سالم کو پانچ رضعات (گھونٹ)، پلادے، تو اس پر حرام ہوجائے گی۔"

ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت عائشہؓ کا جو پایہ تھا، اور علم و تفضل کے اعتبار سے ان کا جو درجہ تھا وہ سب پر عیاں ہے۔

اور اگر ہم تحریم کو پانچ رضعات پر معلق کردیں، تو یہ ان نصوص سے ذرا بھی مخالفت نہیں ہوگی جن کا تم نے ذکر کیا ہے اور جن سے تم نے استدلال کیا ہے، کیونکہ ہم نے مطلق کی تقیید پانچ سے کردی ہے، اور مطلق کی تقیید بیان ہے نسخ نہیں، نہ تخصیص ہے۔

رضاعت کے چند اور پہلو

مسئلہ رضاع کبیر اور حدیث سہلہ سے متعلق مباحث ضروریہ

رضعت کی تعریف اور رضعت کیا ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رضعت ایک فعل ہے، یعنی بچہ کا دودھ پینا، اور یہ ایک مرتبہ ہی کافی ہے، جیسے مارنا، بیٹھنا، کھانا، جب پستان بچہ کے منہ میں چلا گیا، اور اس نے اس سے چوس لیا، اور پھر بغیر کسی عارض کے خود سے چھوڑ دیا، یہی رضعت ہے، کیونکہ شریعت نے اس کا ذکر مطلق طور پر کیا ہے، لہٰذا اسے عرف پر محمول کیا جائے گا، اور عرف یہی ہے۔

کس عارض سے انقطاع رضعت غیر مؤثر ہے اور رضعت کا کسی عارض سے انقطاع مثلاً سانس لینے کے لیے، یا کروٹ بدلنے کے لیے، یا کسی مرغوب چیز کی طرف چند قدم واپس چل کر آ جانے کے لیے، رضعت واحدہ سے خارج نہیں کرتا، جیسے کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو، پھر کسی وجہ سے اٹھے اور دو ایک قدم چل کر واپس آ جائے تو اسے دو مرتبہ کھانا نہیں کہیں گے، ایک ہی مرتبہ قرار دیں گے، — امام شافعی کا مذہب یہی ہے۔

مرضعہ کی طرف سے انقطاع رضعت کا حکم

اور اگر مرضعہ، (دودھ پلانے والی) خود یہ سلسلہ ذرا دیر کو منقطع کر کے پھر پلانا شروع کر دے تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں،!

ایک یہ کہ اسے رضعت واحدہ ہی قرار دیا جائے گا، اگرچہ مرضعہ سے کئی مرتبہ یہ سلسلہ منقطع کیوں نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں دودھ پینے والے کا فعل معتبر ہے، نہ کہ مرضعہ کا،

دوسرا قول یہ ہے کہ انقطاع کے بعد، اعادہ، رضعت آخری، (دوسری رضعت) قرار دیا جائے گا، کیونکہ رضاع مرتضع دودھ پینے والا) اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) دونوں سے درست ہے۔

کس رضاعت سے تحریم واجب ہوتی ہے

چوتھا حکم یہ ہے کہ جس رضاع سے تحریم واجب ہوتی ہے عہد قبل از فطام[1] ہے۔

اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام احمد، امام محمد، امام ابویوسف رحمہم اللہ کا قول ہے کہ عہد ارتضاع دودھ پینے کا زمانہ) دو سال ہے، اس عمر کے بعد اگر دودھ پیا گیا تو تحریم واجب نہیں ہوگی، حضرت عمر، ابن مسعود، ابو ہریرہ، ابن عباس، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی یہی تھا۔

سعید بن المسیب، شعبی، اور ابن شبرمہ سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ سفیان ثوری، اسحاق۔ ابو عبید ابن حزم، ابو عبید، ابن المنذر، داؤد اور جمہور کا قول ہے

امام ابو حنیفہ اور امام زفر کی مقرر کردہ مدت

امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمہما اللہ نے یہ مدت تین ۳ مہینے مقرر کی ہے۔

---

[1] یعنی وہ زمانہ جب بچے کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ دودھ پینے کی عمر دو سال تک ہے، اس زمانہ میں اگر دودھ پیا تحریم واجب ہوگئی، اس کے بعد پیا تو نہیں ہوئی۔

اصحاب مؤطا نے روایت کی ہے، کہ وقت وفات تک امام مالک اس مسلک پر قائم رہے کہ دو سال کی عمر کے بعد اگر دودھ پیا جائے گا تو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر تحریم نہیں واجب ہوگی، کیونکہ اب اس کی حیثیت پانی سے زیادہ نہیں ہے۔

حسن بن صالح اور ابن ابی ذویب، اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ مدت رضاع محرم دو نہیں، تین سال ہے، البتہ اس کے بعد نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز کا قول سات سال کا ہے، لیکن ان کی ایک روایت اس کے خلاف بھی ہے۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ مدت رضاع دو سال بارہ دن ہے۔

کیا رضاع کبیر بھی سبب تحریم ہے

سلف و خلف کی ایک جماعت رضاع کبیر کو بھی (بڑی عمر والا جو عورت کا دودھ پیئے، خواہ وہ بوڑھا کیوں نہ ہو، سبب تحریم قرار دیتی ہے، (قلت اور کثرت کی کوئی قید نہیں۔

علی کرم اللہ وجہہ، عروہ بن زبیر، اور عطاء بن رباح سے یہی مروی ہے، لیث بن سعد، ابو محمد بن سعد اور ابو محمد بن حزم کہتے ہیں رضاع کبیر اگرچہ وہ بوڑھا کیوں نہ ہو، اسی طرح موجب تحریم ہے جیسے رضاع صغیر، اس باب میں دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

غرض اس مسئلہ میں لوگوں کے مذاہب و مسالک یہ ہیں جن کا ذکر ہوا۔

ارباب مسالک کے دلائل اور ان پر ایک نظر

اب مذکورہ مسالک کے ارباب و اکابر کے دلائل پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیئے،

جو لوگ دو سال کی مدت مقرر کرتے ہیں اور رضاع کبیر کے قائل ہیں، ان میں اصحاب دو سال کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین من اراد ان یتم الرضاعۃ۔

اس آیت کی رُو سے خود خدا نے دودھ پینے کی مدت دو سال مقرر کردی ہے، اور اس مدت کے بعد اگر دودھ پیا جائے گا تو اس سے تحریم کے وجوب کا ثبوت نہیں ملتا،

اس کی تائید ابن مسعودؓ کی حدیث میں بھی ہوتی ہے کہ تحریم کے وجوب کا ثبوت جب تک اس سے گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما ہو سکے، اور رضاع کبیر کی صورت میں گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما خارج از بحث ہے۔

تحریم رضاع کبیر کی دلیل

جو لوگ رضاع کبیر کی تحریم کے قائل ہیں وہ دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ پیش کرتے ہیں جو ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ آپؐ نے سہلہ بنت سہیل کو حکم دیا کہ وہ سالم ابی حذیفہ کو دودھ پلا دیں، اور یہ سالم سن شعور کو پہنچ چکے تھے اور داڑھی مونچھ والے تھے، آپؐ نے فرمایا،

"سالم کو دودھ پلا دو پھر تم اس پر حرام ہو جاؤ گی ۔!"

حدیث سہلہ بنت سہیل سے استدلال

دو سال کی مدت کے جو لوگ قائل ہیں وہ حدیث سہلہ بنت سہیل کے بارے میں باہم مختلف الآراء ہیں۔

ان مختلف الآرا اصحاب کے مسالک کو تین صورتوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے،!

۱۔ یہ حکم منسوخ ہے

ایک مسلک تو یہ ہے کہ یہ حکم (سہلہ بنت سہیل کو جو حکم دیا گیا تھا کہ وہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ کو دودھ پلائیں تو ان پر حرام ہو جائیں گی) منسوخ ہے۔

لیکن یہ نسخ پر کوئی دلیل یا حجت سوا دعوے کے نہیں لاتے،!

۲- یہ حکم صرف سالم کے ساتھ مخصوص ہے

دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ حکم صرف بسالم کے ساتھ مخصوص ہے، سالم کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یہ مسلک ام المومنین ام سلمہ اور دوسری ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

کوئی شبہہ نہیں یہ مسلک، پہلے مسلک کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اس مسلک کے اصحاب کہتے ہیں کہ سہلہ نے سالم کے بڑے ہونے کا جو عذر پیش کیا تھا، وہ آیۂ حجاب کے نازل ہونے کے بعد کیا تھا، جس کا اقتضا یہ ہے کہ عورت اپنی زینت کی نمائش کسی غیر کے سامنے نہیں کر سکتی، سوا ان لوگوں کے جن کا ذکر مذکورہ آیت میں آیا ہے، لہ اور عورت اگر کسی اجنبی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے گی تو یہ فعل عموم آیت کے باعث ناجائز ہوگا،

پس اگر سہلہ نے اپنی زینت کا سالم کے سامنے اظہار کیا، تو یہ ایک خاص واقعہ تھا کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی بات کا حکم دیں یا اس سے منع کریں اور شریعت میں اس کا حکم معارض کوئی حکم نہ ہو تو اس حکم یا ممانعت کا اطلاق پوری امت پر ہوگا،

لیکن اگر صورت یہ ہو کہ کسی بات کا آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا ہو، یا کسی کام سے منع کیا ہو، اور پھر کسی ایک شخص کو اس امر یا نہی کے خلاف حکم دیا ہو، تو یہ حکم صرف اسی شخص کے لیے خاص ہوگا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی خاص شخص کو آپؐ نے جو حکم دیا ہے، وہ ساری امت کے لیے، یا کسی چیز کی اباحت آپؐ نے کسی خاص شخص کے لیے کی ہے تو اس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہوگا، کیونکہ اس کا نتیجہ حکم یا نہی اول کے ساقط ہونے کی صورت میں رونما ہوگا، لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ نیا حکم اس شخص کے لیے خاص ہے تاکہ نصوص میں توافق قائم رہے، اور

لہ یعنی باپ اور شوہر وغیرہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے زینت کی نمائش جائز نہیں ہے۔

ان میں تعارض لاحق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں غیر محرم کے لیے اظہار زینت کو حرام قرار دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سالم کی وجہ سے سہلہ کے لیے مباح کر دیا، لہٰذا اسے سالم کے لیے رخصت خاص قرار دیا جائے گا، یعنی عموم تحریم سے مخصوص استثناء، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اباحت عام ہے کیونکہ پھر اس سے آیۂ محرمہ کا ابطال لازم آئے گا، پس اگر ہم حدیث سہلہ کو رخصت خاص قرار دیں اور دوسری حدیثوں کو ان کے عموم پر رہنے دیں تو پھر نہ تعارض کا سوال پیدا ہوتا ہے، نہ نسخ کا۔

۳۔ یہ حکم نہ منسوخ ہے نہ عام حسب مصلحت جائز ہے

تیسرا مسلک یہ ہے کہ حدیث سہلہ (بنت سہیل) سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے، نہ وہ منسوخ ہے نہ مخصوص، نہ عام، بلکہ اگر ضرورت کا تقاضا ہو، تو جائز ہے۔ یعنی اگر حالات ایسے ہیں کہ ایک شخص کے سامنے کوئی عورت بے پردہ آنے پر مجبور ہے یا کوئی شخص کسی عورت سے پردہ نہ کرنے پر مجبور ہے، —— جیسا کہ سہلہ بنت سعید، اور سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے واقعہ سے ظاہر ہے ...... تو ایسے بڑی عمر والے شخص کو اگر عورت اپنا دودھ پلا دے گی، تو اثر رضاعت مرتب ہوگا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے، (رضاعی رشتہ کے باعث) حرام ہو جائیں گے۔

لیکن اگر ایسی خاص اور مستثنیٰ صورت واقع نہ ہو تو پھر موصل مسئلہ قائم رہے گا، یعنی صرف رضاع صغیر سے تحریم واجب ہوگی۔

شیخ السلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہی ہے۔

تخصیص و تقیید کا قبول کر لینا نسخ کے قبول کرنے سے اولیٰ ہے

باقی رہیں احادیث نافیۂ رضاع کبیر تو انہیں مطلق مانا جائے گا، اور حدیث سہلہ

سے ان کی تقیید کی جائے گی، یا ان کا عموم احوال تسلیم کیا جائے گا، اس صورت میں حدیث سہلہ سے ان کی تخصیص کی جائے گی، اور اس صورت کا تسلیم کرلینا، نسخ کے تسلیم کرلینے سے کہیں بہتر اور انسب ہے، کیونکہ جمیع احادیث طرفین پر عمل میں اس سے بہت زیادہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اور قواعد شرع سے بھی موافقت قائم رہتی ہے۔ واللہ الموفق!

مسئلہ عدّت

عورت کی عدّت اور اس کی مدّت کے بارے میں مسائل متفقہ

عدّت کے اقسام ازروئے قرآن کریم عدّت سے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو بیان فرمایا ہے وہ بہت زیادہ واضح، اور جامع ہے، قرآن حکیم سے عدّت کی چار قسمیں معلوم ہوتی ہیں!:

۱۔ عدّت کی پہلی قسم عدّت کی پہلی قسم حاملہ کی عدّت ہے، یہ عدّت وضع حمل کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، خواہ عورت بائنہ ہو یا رجعیہ میاں اور بیوی کے مابین تعارفت زندگی میں ہو یا موت کے باعث۔ اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے۔

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن یعنی حاملہ عورتوں کی مدّت وضع حمل ہے۔

۲۔ عدّت کی دوسری قسم دوسری قسم مطلقہ کی عدّت ہے!، مطلقہ کی عدّت، اگر ابھی وہ عمر کی اس منزل میں ہو کہ حیض بند نہ ہوا ہو، تو تین قروء ہے، جیساکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے!

للمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ یعنی مطلقہ عورتوں کی عدّت تین قروء ہے۔ [1]

۳۔ عدّت کی تیسری قسم

تیسری قسم اس عورت کی ہے جو حیض والی نہ ہو۔ ایسی عورت جو حیض والی نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

— وہ کم عمر لڑکی جیض ابھی جاری نہ ہوا ہو،

— وہ مسن عورت جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور وہ آئسہ [2] بن گئی ہو،

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں کی عدّت بیان فرمادی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:، واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن

یعنی جو عورتیں آئسہ ہو چکی ہیں، اور جن کا حیض ابھی جاری نہیں ہوا ہے ان کی عدّت تین مہینے ہے۔

۴۔ عدّت کی چوتھی قسم

چوتھی قسم اس عورت کی ہے جس کا شوہر وفات پا چکا ہو، ایسی عورت کی عدّت قرآن کریم نے چار مہینے دس روز مقرر فرمائی ہے، فرمایا ہے۔

۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

یہ عدت اس عورت کی ہے جو مدخول بہا ہو یا نہ ہو، کم سن ہو، یا مسن ہو

---

[1] قروء سے مراد حیض ہے۔

[2] فقہ کی اصطلاح میں آئسہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی عمر ڈھل ہو چکی ہو، حیض آنا بند ہو چکا ہو، اور توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو، یعنی اب وہ اولاد سے مایوس ہو چکی ہو، ایسی عورت کی عدّت حیض کے بجائے تین مہینے رکھی ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۹۹۹ پر

لیکن اس میں حاملہ عورت شامل نہیں ہے، وہ آیہ کریم واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن کے مطابق خارج ہو گئی۔ کیونکہ اس کی عدّت وضع حمل قرار دی گئی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ بیوہ عورت کی عدّت چار مہینے دس دن ہے۔ (یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا)۔

اس کا تعلق بالاتفاق غیر حاملہ عورت سے ہے۔

فہم مرادِ قرآت میں اختلاف

بہر حال یہ ہے عدّت کا اصول جسے واضح اور بیّن طور پر قرآن حکیم نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

لیکن فہم مراد قرآت میں اختلاف ہے، چنانچہ وفات پائے ہوئے شخص کی بیوی کی عدّت اگر وہ حاملہ ہو کیا ہو گی؟ اس میں سلف کا اختلاف ہے۔

حضرت علی، ابن عباس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت حاملہ بیوہ کی مدت البعد الاجلین رکھتی ہے، امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے جسے سحنون نے اختیار کیا ہے، امام احمد بھی البعد الاجلین ہی کو عدت مانتے ہیں،

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تاویل

ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیہ کریمہ کی تاویل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

ؔ مدخول بہا سے مراد وہ عورت ہے جس سے شوہر تمتع کر چکا ہو۔

ؔ غیر مدخول بہا سے مراد وہ عورت ہے جس سے شوہر نے ابھی مجامعت نہ کی ہو۔

ؔ کم سن سے مراد وہ عورت ہے جو بلوغ کی منزل تک نہ پہنچی ہو۔

ؔ یائسہ سے مراد وہ عورت ہے جو حد بلوغ کو پہنچ چکی ہو۔

لہ ابعد الاجلین" سے مراد یہ ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے اور دس دن کے مابین جو مدّت زیادہ طویل ہو وہ عدّت قرار پائے گی۔

کہ قرآن نے جو "اجل" یعنی عدّت کی مدت مقرر کی ہے، وہ بیوہ اور مطلقہ کے لیے ایک ہی ہے، یعنی مطلقہ عورت کی عدّت بھی وضع حمل کے ساتھ ختم ہو جائے گی، یعنی جس سے چاہے نکاح کر لے، کیونکہ اس کی عدّت تو ختم ہو چکی ہے۔

اسقاط حمل کی صورت میں عدّت کیا ہو گی

لیکن اگر حاملہ عورت کا اسقاط ہو جائے تو اس کی عدّت اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک بچّہ کی جسمیت ظاہر نہ ہو جائے مثلاً، ہاتھ یا پاؤں، اگر یہ صورت ہو گی تو باندی آزاد ہو جائے گی[1] اور عدّت ختم ہو جائے گی۔

اگر پیٹ میں دو بچّے ہوں تو عدّت کب ختم ہو گی

لیکن اگر کوئی عورت بچّہ جنتی ہے اور ابھی اس کے پیٹ میں دوسرا بچّہ ہو، تو عدت اس وقت تک ختم نہیں ہو گی، جب تک وہ دوسرا بچہ بھی نہ جن لے۔

ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اختلاف

اس مسئلہ میں ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضع حمل کو عدّت قرار دیتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ابعد الاجلین کو، چنانچہ ان دونوں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم بنایا، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موافق فیصلہ کیا، اور دلیل میں حدیث سبیعہ پیش کی، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

---

[1] باندی سے اگر ہم بستری کی جائے، وہ حاملہ ہو جائے، تو وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی غلامی ختم ہو جائے گی، اور وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی۔

صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین اور آئمہ اربعہ کا فتویٰ

لیکن صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے ائمہ، اور آئمہ اربعہ کا فتویٰ یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، اگرچہ شوہر کے جنازے کو غسل کیوں نہ دیا جارہا ہو، جیسے ہی وضع حمل ہوا، عورت حلال ہوئی، اب اسے اختیار ہے جس سے چاہے شادی کرلے۔

جمہور فقہا کا مسلک اور اس کی تفصیل

جمہور فقہا کا اس مسئلہ میں جو مسلک ہے وہ چند امور پر مشتمل ہے"!

عدت میں وضع حمل کا اعتبار ہے

۱۔ سنت صریحہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عدّت میں وضع حمل کا اعتبار ہے، جیسا کہ صحیحین میں سبیعہ اسمیہ کا واقعہ مذکورہ ہے کہ ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وہ حاملہ تھیں وضع حمل کے بعد انہوں نے نکاح کا ارادہ کیا ان سے ابوالسنابل نے کہا۔

تم نکاح نہیں کرسکتیں، جب تک دونوں مدتوں میں سے آخری مدت بھی پوری نہ کرلو[1]

سبیعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں استفسار کیا، آپؐ نے فرمایا!

ابوالسنابل نے غلط کہا، تم وضع حمل کے بعد حلال ہوچکیں، جس سے چاہو نکاح کرلو۔!"

۲۔ قرآن کریم کی آیت واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (یعنی حاملہ عورتوں کی مدّت وضع حمل ہے) مؤخر ہے اس آیہ کریمہ سے

---

[1] "ابعد الاجلین" کی رُو سے وضع حمل کے بعد بھی چار مہینے دس دن کی عدّت پوری کرنی چاہیئے تھی۔

والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا
یعنی بیوہ عورتوں کی عدت چار مہینے دس دن ہے)

استبراء کی صورت میں بھی عدت وضع حمل ہے

اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد کہ "وان یضعن حملھن" اس بات پر دال ہے کہ اگر عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں، تو جب تک وہ دونوں بچے نہ جن لے عدّت ختم نہیں ہوگی۔

یہ آیت اس بات پر بھی دال ہے کہ استبراء کی صورت میں بھی عدّت، وضع حمل ہی ہوگی۔

نیز اس بات پر بھی یہ آیۂ کریمہ دال ہے کہ بچہّ خواہ مردہ پیدا ہو یا زندہ، تام الخلقت ہو یا ناقص، اس میں روح پیدا ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی ہو، وضع حمل کے ساتھ ہی عدّت ختم ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر کسی عورت کو کئی مہینے یا سال سال بھر حیض نہیں آتا تو امام مالک کے نزدیک جب تک حیض نہ آئے، عدّت ختم نہیں ہوگی، لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ عورت حیض کا انتظار نہیں کرے گی، چار مہینے دس دن کے بعد اس کی عدّت ختم ہو جائے گی۔

لفظ "قروء" کی تفسیر

اختلاف، دلائل، بیان

لفظ "ما قراء" کی تفسیر ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، آیا اس سے مراد حیض ہے یا اطہار؟ اکابر صحابہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حیض ہے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابوموسیٰ عبادہ بن صامت ابوالدرداء، ابن عباس، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے، نیز عبداللہ بن مسعودؓ کے جلہ اصحاب کا بھی یہی قول ہے، مثلاً علقمہ، اسود، ابراہیم اور شریح وغیرہ، شعبی اور حسن کا قول بھی یہی ہے، نیز قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں، ابن عباس کے اصحاب میں سعید بن جبیر اور طاؤس کا یہی قول ہے، سعید بن المسیب بھی فرماتے ہیں، ائمہ حدیث مثلاً اسحاق بن ابراہیم ابوعبید القاسم، اور امام احمد کا قول بھی یہی ہے۔

امام احمد اطہار" مراد لیتے تھے

امام احمد اس لفظ سے مراد اطہار لیا کرتے تھے اثرم کی روایت ہے کہ امام احمد پہلے اس لفظ سے مراد اطہار ہی لیا کرتے تھے، بعد میں اس قول سے رجوع کر لیا، ابن ہانی کی روایت ہے، کہ امام احمد نے فرمایا!

"پہلے میں اس لفظ سے مراد اطہار لیا کرتا تھا، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ اس لفظ سے مراد حیض ہے"!

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مراد حیض ہے

آئمہ اہل الرائے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب بھی اقراء سے مراد اطہار نہیں بلکہ حیض لیتے ہیں۔

امام مالک اور امام شافعی کا مسلک

لیکن ایک جماعت ہے جس کا قول ہے کہ اقراء سے مراد حیض نہیں اطہار ہے، یہ قول ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہما، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر کا ہے۔

فقہاء سبعہ، اور ابان بن عثمان، اور زہری، اور عامۂ فقہاء مدینہ بھی اطہار مراد لیتے ہیں۔

امام مالک اور شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

مسئلہ عدت پر تین اقوال

ایک سوال یہ ہے کہ آیا مطلقہ عورت کی عدت اس وقت ختم ہوگی، جب (وہ حیض سے فارغ ہوکر) غسل کرلے؟ اس مسئلہ میں تین قول ہیں۔

۱۔ جب تک عورت غسل نہ کرلے، عدت ختم نہیں ہوگی،

اکابر صحابہ کا مسلک یہی ہے، امام احمد بھی یہی کہتے ہیں۔

شوہر کو حق رجعت کب تک حاصل ہے

۱۔ عمرؓ، علیؓ، اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ شوہر کو حق رجعت حاصل ہے جب تک عورت حیض سے فارغ ہوکر غسل نہ کرلے، ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان، ابو موسیٰ، ابوالدرداء اور معاذ بن جبل سے بھی یہی ثابت ہے کہ جب تک مطلقہ عورت تیسرے حیض سے فارغ ہوکر غسل نہ کرلے شوہر کو حق رجعت حاصل ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں عمر زید بن رفیع سے وہ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عثمان نے ابی کعب سے اس مسئلہ میں دریافت کرایا، ابی بن کعب نے جواب دیا کہ!

میرا خیال ہے کہ شوہر کو اس وقت تک رجعت کا حق حاصل ہے جب تک مطلقہ تیسرے حیض سے فارغ ہو کر غسل نہ کرلے، اور نماز اس پر حلال نہ ہو جائے،

کیا مجرّد طہر سے عدّت ختم ہو جائے گی؟

۲۔ حیض سے فارغ ہونے کے بعد مجرّد طہر سے عدّت ختم ہو جائے گی غسل کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

یہ قول سعید بن جبیر، اوزاعی، اور شافعی رحمہم اللہ کا ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے جسے ابو الخطاب نے اختیار کیا ہے۔!

انقطاع خون کے ساتھ ختم عدّت

۳۔ انقطاع خون کے بعد بھی مطلقہ کی عدت اس وقت تک قائم رہے گی، اور شوہر کو حق رجعت حاصل رہے گا جب تک طہر میں آنے کے بعد نماز کا وقت نہ گذر جائے، — یہ ثوری کا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ انقطاع خون کے ساتھ ہی عدّت ختم ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں جو "قرء" کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد، طہر یا حیض میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے، دونوں نہیں ہو سکتے، لیکن بوجوہ ارسباق، لغت، اور عرف کے لحاظ سے، حیض ہی کا مراد ہونا اولیٰ ہے۔

علاوہ ازیں "قرء" کا استعمال حیض کے لیے جتنا عام ہے طہر کے لیے نہیں، اس لفظ کے معنیٰ حیض کے لیے، مستفتی معلوم، اور مستفیض ہیں، لیکن طہر کے لیے یہ صورت نہیں ہے۔

"القرء" کا مفہوم و مقصد کیا ہے

جوہری کا قول ہے:

"القرء" — اس لفظ سے مراد حیض ہے، اس کی جمع اقراء بھی آتی ہے اور قروء بھی، حدیث میں آتا ہے لاصلوٰۃ ایام اقرائک یعنی ایام اقراء میں نماز واجب نہیں ہے ؎

؎ حالانکہ طہر میں ہے۔

نیز یہ لفظ "طہر" کے معنی میں بھی آتا ہے، یہ ایسا لفظ ہے جو صنعت اضداد رکھتا ہے، یعنی متضاد معنی کا حامل ہے۔

ابوعبید کا قول ہے۔

"اقراء" کے معنی حیض کے ہیں، یہ لفظ اطہار کے معنی میں بھی آتا ہے۔

نسائی کہتے ہیں:

"جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو کہتے ہیں، "اقرأت امرأۃ"!"

ابن فارس کا قول ہے۔

"القرء" سے مراد ایسے اوقات ہیں جو طہر کے لیے بھی مفہوم ہوتے ہیں اور حیض کے لیے بھی، اس لفظ کا واحد "قرء" ہے جس سے مراد طہر بھی لیا جاتا ہے، لیکن ایک جماعت اس سے حیض مراد لیتی ہے، نیز اوقات طہر وحیض کے مابین یہ لفظ مشترک بھی ہے، اور حرف اوقاتِ حیض، اور حرف اوقات طہر کے لیے بھی بولا جاتا ہے، گویا کسی ایک کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے لیے بولا جاسکتا ہے، جب عورت حیض سے نکل کر طہر میں، اور طہر سے حیض میں داخل ہوتی ہے تو کہتے ہیں" اقرأت امرأۃ"۔

شارع نے اسے کس معنی میں استعمال کیا ہے

پھر یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ لفظ قرء کلام شارع میں صرف حیض کے لیے آیا ہے، کسی ایک موقع پر بھی طہر کے لیے نہیں آیا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مستحاضہ سے فرمایا، !

دعی الصلوٰۃ ایام اقرائك (یعنی اپنے ایام اقراء میں نماز چھوڑ دے)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بہتر کلام الٰہی کی تعبیر اور کون کر سکتا ہے۔ آپ سے زیادہ اپنی قوم کے لغت کا ماہر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟ یہی لغت جس پر قرآن نازل ہوا، پس جب ثابت ہو گیا کہ شارع نے اسے حیض کے لیے استعمال کیا ہے، تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ قراء کا محل درحقیقت کس معنی پر کیا جائے گا؟

کیا "خلق" سے مراد حیض ہے

اسی طرح لا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن۔ میں "خلق" سے مراد حیض ہے، اور عامہ مفسرین کے نزدیک حمل، رحم میں جو مخلوق ہے، وہ درحقیقت حیض وجودی[1] ہے

یہی وجہ ہے کہ سلف اور خلف نے اسے حمل اور حیض قرار دیا ہے، البتہ بعض اسے صرف حیض اور بعض صرف حمل کہتے ہیں، لیکن کسی نے بھی طہر نہیں کہا۔

عدت کا حکم عدم حیض پر معلق ہے

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:! والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن

گویا اللہ نے عدم حیض پر عدّت کے حکم کو معلّق رکھا ہے نہ کہ عدم طہر پر۔

عدّت: تین حیض تک

اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا!

طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان...... یعنی باندی کے لیے دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدّت دو حیض ہیں) اس حدیث کو ابن ماجہ، ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے!

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی ایک اور حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ:

بریرہ کو حکم دیا گیا کہ تین حیض تک کی عدّت گزار رہے"!"

نیز ایک اور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کو جب انہوں نے اپنے شوہر سے خلع لے لی، ایک حیض تک اپنے تئیں روکے رہنے کا حکم دیا، ابن عباس کی ایک روایت میں ایک حیض تک عدّت

---

[1] حیض وجودی — یعنی بطن مادر میں جو مخلوق ہے، وہ درحقیقت حیض ہی ہے جو کہ ٹھہرا جس نے ایک پیکر کی صورت اختیار کر لی ہے۔

گزارنے کا لفظ آیا ہے، اسی طرح کی روایت ترمذی کی بھی ہے!

باندی کا استبراء ایک حیض ہے

اسی طرح استبراء کا معاملہ ہے، ابن عبدالبر کا قول ہے کہ بالاجماع باندی کا استبراء ایک حیض کی مدت ہے۔

غرض سنن صحیحہ سے ثابت ہے کہ استبراء حیض کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ طہر کے ساتھ امام شافعی کا بھی صحیح قول یہی ہے کہ باندی کا استبراء ایک حیض کا زمانہ ہے،

استبراء اور حیض میں مماثلت

غرض جمہور کا مسلک یہی ہے کہ عدت استبراء حیض ہے نہ کہ طہر، اور یہ استبراء باندی کے حق میں وہی حیثیت رکھتا ہے، جو ایک آزاد عورت کے حق میں عدت کی ہے۔

بہرحال امر متنبیّہ حیض ہے، ایک عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو اس کے بلوغ کے ساتھ ہی اس کے احکام میں تغیّر واقع ہو جاتا ہے۔ اس پر بعض عبادتیں اس دوران میں حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً نماز اور روزہ، اور طواف، اور مسجد میں داخلہ وغیرہ وغیرہ، لیکن جب خون بند ہو جاتا ہے وہ غسل کر لیتی ہے، اور طہر میں داخل ہو جاتی ہے، تو تجدّد طہر سے احکام میں کوئی تغیّر نہیں ہوتا ہے، بلکہ زمانۂ حیض کے احکام معتبرہ زوال آشنا ہو جاتے ہیں، یعنی طہر کے بعد، وہ اس حالت پر واپس آجاتی ہے جس پر حیض سے قبل تھی، غرض طہر سے احکام نہیں بدلتے، وہ قروء (حیض) ہے۔ جو عورت کے احکام بدل دیتا ہے، اور یہ تغیّر صرف حیض ہی سے حاصل ہوتا ہے، طہر سے نہیں۔

قرء کو طہر سمجھنے والوں کے استدلال کا جواب

ہم اس مسئلہ میں اکابر صحابہ تک اپنی گفتگو محدود رکھیں گے، یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ قرء سے مراد (طہر نہیں) حیض ہے،

طلاق قبل از عدت

طہر سے استدلال کرنے والے "فطلقوھن لعدتھن" سے حجت لاتے ہیں، حالانکہ یہ حجت ان کے خلاف جاتی ہے۔

درحقیقت آیت سے مراد طلاق قبل از عدت ہے نہ کہ در عدت، لہٰذا آیت کا محل، طلاق در عدت پر نہیں کیا جا سکتا، وجہ یہ ہے کہ ایقاع طلاق زمانہ عدت میں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سبب ہے اور سبب حکم پر متقدم ہوتا ہے، لہٰذا جب یہ ثابت ہو گیا تو اقراء کو حیض کہنے والا صحیح معنی میں آیت پر عمل کرتا ہے، اور قبل از عدت طلاق دیتا ہے، لہٰذا ہم کہتے ہیں، تمہارا احتجاج باطل ہو گیا۔ اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ مراد طلاق قبل از عدت ہے نہ کہ در عدت۔

اور "قرأت امرأة" میں قرء سے مراد حیض ہے، اس لیے کہ حیض اس چیز کا ظہور ہے جو چھپی ہوئی تھی، جیسے جنین کا ظہور مثلاً "قرء الثریا" اور "قرء النزع" وہ وقت ہے جب بارش اور ہوا کا ظہور ہوتا ہے یہ دونوں چیزیں وقت مخصوص پر ظاہر ہوتی ہیں، لہٰذا کوئی شبہ نہیں کہ قراء کے معنی حیض کے زیادہ واضح ہیں بہ نسبت طہر کے،

استدلال حضرت عائشہ کے کلام سے

رہا یہ استدلال کہ عائشہ رضی اللہ عنہا قراء سے مراد اطہار لیتی ہیں، اور مردوں کے مقابلہ میں عورتیں اس بات کی زیادہ عالم ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھلا کون شخص اس بات کو باور کرے گا کہ کلام الٰہی کے مفہوم سے عورتیں بہ نسبت مردوں کے زیادہ واقف ہیں، فہم کتاب (قرآن) میں ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور ابو درداء رضی اللہ عنہم، اور اکابر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فہم پر عورتوں کے علم و فہم کو کس طرح ترجیح دی جا سکتی ہے۔

اور یہ بات کہ یہ آیت انہی (عورتوں) کی شان میں نازل ہوئی ہے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ رجال سے زیادہ عالم ہیں، ایسا ہوتا تو ہر آیت جو عورتوں کے بارے میں نازل ہوتی اس کے مفہوم و معنی سے مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ واقف ہوتیں، اور مردوں پر ان کی تقلید واجب ہوتی، چنانچہ آیۂ رضاع، آیۂ حیض

اور تحریم جماع حائض اور آیۂ عدت بیوہ، اور آیۂ حمل اور فصال اور حمل فصال کی مدت آیۂ تحریم ابداء زینت رغیر محرموں پر) اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جو عورتوں سے متعلق ہیں ان کے علم وفہم کے بارے میں عورتوں کا علم اعلیٰ اور افضل ہوتا اور مردوں پر ان کی تقلید واجب ہوتی۔

پھر جب کہ صورت احوال یہ ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں عورتوں اور مردوں کے مابین اختلاف رونما ہوا، تو صواب مردوں ہی کے دامن سے وابستہ رہا،

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، یہ حضرت عائشہ رضؓ ہیں، جن کا خیال ہے کہ رضاع کبیر سے حرمت منتشر ہوتی ہے، اور محرمیت ثابت ہو جاتی ہے، کچھ صحابہ عائشہ رضؓ کے ساتھ بھی ہیں، اور ان کے اس خیال کے مخالف بھی لیکن تم نے کبھی نہیں کہا کہ عائشہ اتنے اختلاف رکھنے والے مردوں سے زیادہ عالم ہیں، بلکہ تم نے وہی قول قبول کیا، اور اسی کو مقدم رکھا، جو ان سے اختلاف رکھنے والوں کا ہے۔

طہر حیض سے اسبق ہے

تمہارا یہ قول کہ طہر حیض سے اسبق ہے۔ لہٰذا یہ اولیٰ بالاسم بھی ہے، یہ عجیب قسم کی ترجیح ہے، یہ دعویٰ اگر مان لیا جائے تو قرآن کے ارشاد "واللیل اذا عسعس" میں پھر اولیٰ یہ ہوگا کہ ظلمت کو روشنی پر سابق مان لیا جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے قروء کی تفسیر اطہار کی ہے؟

تمہارا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قروء کی تفسیر اطہار سے کی ہے، اگر ایسا ہوتا تو اس لفظ کے معنیٰ اطہار مراد لینے میں تم ہم سے سبقت نہ لے جاسکتے، اور ہم خود ہی اس قول کو لے کر تم سے آگے بڑھ جاتے، اعتقاد کے لحاظ سے بھی، اور عمل کے لحاظ سے بھی، ۔۔۔!"

واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کے صریح کلام سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے قروء کی تفسیر حیض سے کی ہے۔

طہر سے خون مسبوق نہیں ہوتا تم کہتے ہو کہ طہر وہ ہے جس سے خون مسبوق نہ ہو، لیکن اس لفظ کی یہ تفسیر نہ از روئے لغت ثابت ہے نہ عرف سے، نہ شرع سے، دم (خون) قرء کے مسمیٰ میں داخل ہے، قرء بغیر اس کے وجود کے کچھ ہے ہی نہیں۔

لسان شارع پر یہ لفظ کس معنی میں آیا ہے تمہارا یہ کہنا کہ لسان شارع پر قرء حیض کے معنی میں نہیں آیا ہے غلط ہے، لسان شارع پر یہ لفظ حیض کے معنی میں آیا ہے، اور کئی مرتبہ آیا ہے، بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ طہر کے معنی میں کبھی نہیں آیا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے ایوب سے، انہوں نے سلیمان بن یسار سے انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے ایک حیض والی عورت سے فرمایا۔

"اقرأ میں نماز نہ پڑھا کر"۔

آئسہ کی عدت مہینوں کے حساب سے تم کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آئسہ[1] کی عدت مہینوں کے حساب سے رکھی ہے۔ پھر یہ بات کیسے لازم ہو سکتی ہے کہ قروء سے مراد حیض لیا جائے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ آئسہ کی عدت اللہ تعالیٰ نے تین مہینے جو رکھی ہے، وہ تین قروء (حیض) کے عوض میں ہے،

اور یہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ

---

[1] آئسہ — وہ عورت جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو، یعنی تقاضائے عمر کے باعث جس کے حیض کا زمانہ ختم ہو چکا ہو، اور اب وہ حائضہ نہ ہوتی ہو۔

تو اس میں مہینوں کی طرف ان (کی عدت) کا انتقال تعذر، مبدل، یعنی حیض کے باعث ہے، ورنہ آئسہ نہ ہونے کی صورت میں قرو۔ (حیض) ہی سے ان کی عدت کا تعین ہونا،

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "اشہر" (مہینے) حیض کا بدل ہیں، جس سے اب وہ مایوس ہو چکی ہیں، نہ کہ طہر کا، اور یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے،!

ایک اعتراض اور اس کا جواب

تمہارا قول ہے کہ "ثلاثۃ" کی "ۃ" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا واحد مذکر ہے، اور وہ طہر ہی ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ قرو، کا واحد قرء ہے، اور یہ مذکر ہے "ۃ" مراعات لفظ کے باعث آتی ہے،

باندی کی عدّت

آزاد عورت کے برابر ہوگی یا اس سے نصف

فقہہ اسلامی کا ایک نزاعی مسئلہ | عموم عدد ثلاث (تین) کی بنا پر، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باندی اور حرہ (آزاد عورت) کی عدت ایک ہی ہے۔

ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں۔

شادی شدہ باندی کی عدت، اگر اسے طلاق دے دی جائے آزاد عورت کے مانند ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے یہ عدد (تین) کا عدد ہمیں اپنی کتاب (قرآن) سے سکھایا ہے، وہ فرماتا ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

یعنی مطلقات کی عدت تین حیض ہے، اور بیوہ عورتوں کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

یعنی آئسہ کی عدّت تین مہینے ہے، اور جسے ابھی حیض نہ آیا ہو اس کو بھی۔ اور

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

پس جب اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے باندیوں کے ساتھ ہمیں شادی کی اجازت دی ہے، تو ان کی طلاق کا بھی وہی اصول ہوگا جو دوسروں کا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرہ (آزاد عورت) اور باندی کے مابین کوئی تفریق اس معاملہ میں نہیں کی ہے، اور اس سے بھول چوک نہیں ہوسکتی۔

ابن حزم کی روایت

ابن حزم کہتے ہیں سلف سے بھی وہی ثابت ہے۔ جو ہم کہتے ہیں چنانچہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

"میرے خیال میں باندی کی عدت بھی وہی ہے، جو حرہ کی ہے"۔

آگے چل کر ابن حزم نے کہا ہے۔

احمد بن حنبلؒ نے قول مکحول کا ذکر کیا ہے جو یہ ہے کہ ہر صورت میں باندی کی عدت حرہ کے مانند ہے۔

ابو سلیمان اور ہمارے دوسرے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور امت کا مسلک کیا ہے؟

لیکن جمہور امت کی رائے اس باب میں دوسری ہے، وہ کہتے ہیں باندی کی عدت حرہ کی عدت سے آدھی ہے، فقہاء مدینہ، سعید بن المسیب، قاسم، سالم، زید بن اسلم، عبداللہ بن عتبہ، زہری مالک، اور فقہاء اہل مکہ، مثلاً، عطا بن ابی رباح، مسلم بن خالد، وغیرہ اور فقہاء بصرہ مثلاً قتادہ اور فقہا کوفہ، مثلاً، ثوری، ابو حنیفہ، اور ان کے اصحاب اور فقہاء حدیث، مثلاً احمد، اسحاق، شافعی، ابوثور رحمہم اللہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔

اور ان سب سے بھی پہلے کے بزرگ خلفاء راشد، عمر بن الخطاب، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، کا قول بھی یہی ہے، جیسا کہ مالکؒ نے نافع سے،

اور انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

"باندی کی عدت دو حیض، اور حرہ کی عدت تین حیض ہے"

باندی کی عدت کیا ڈیڑھ حیض ہو سکتی ہے؟

حماد بن زید نے عمرو بن اوس الثقفی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میرا بس ہوتا تو میں باندی کی عدت ڈیڑھ حیض کر دیتا" ایک شخص نے کہا،

"یا امیر المومنین پھر ڈیڑھ مہینہ کر دیجیے"

جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مطلقہ باندی کی عدت دو حیض رکھی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

غلام (چار کے بجائے) دو شادیاں کر سکتا ہے، (وہ تین کے بجائے) دو طلاقیں دے سکتا ہے، اور باندی کی عدت دو حیض ہے، اور اگر حیض نہ آتا ہو تو پھر دو مہینے ہے اور ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں" ڈیڑھ ماہ!

باندی کی عدت کے بارے میں دو حیض کی روایت

ابن وہب کہتے ہیں مجھ سے اہل علم اصحاب نے روایت کی کہ نافع، ابن قسیط، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور متعدد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کا قول ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، اور اس پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا۔

ابن وھب کہتے ہیں مجھ سے ہشام بن سعید نے، انہوں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، حالانکہ یہ عدت اللہ عزوجل کی کتاب (قرآن) میں مذکور نہیں ہے۔ نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سراغ ملتا ہے، لیکن مسلمانوں میں ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔

باندی اور حرّہ کے درمیان عدّت یکساں ہے

باندی اور حرّہ کے مابین عدّت میں مساوات، سلف میں سے محمد بن سیرین اور مکحول کے سوا کسی سے مذکور نہیں ہے۔

جہاں تک ابن سیرین کا تعلق ہے، ان کی یہ رائے جازم نہیں ہے۔ انہوں نے اس کو عدم سنت متبعہ پر معلّق کیا ہے۔

باقی رہے مکحول تو ان کے اس قول کی کوئی سند نہیں بیان کی گئی ہے ان سے احمد رحمۃ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت اہل ظاہر کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔

لیکن بلاشبہ اس باب میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنت، سنت متبعہ ہے، صحابہؓ میں سے کسی کی طرف سے بھی اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

نابالغہ باندی کی عدّت

اگر کہا جائے کہ اس مسئلہ میں تم اجماع صحابہ اور جماہیر امت کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو حالانکہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نابالغہ باندی کی عدّت تین ماہ ہے اور عمر بن عبدالعزیز مجاہد، حسن، ربیعہ، لیث بن سعید، زہری، بکر بن الاشیخ، اور مالک رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب، اور احمدؒ بن حنبل کی ایک روایت بھی یہی ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آئسہ اور صغیرہ کے حق میں مہینوں کی مدت افرا ثلاث (تین حیض) کے بدلے میں ہے، پس ثابت ہوا کہ باندی کے حق میں بھی تین مہینے بدل ہوں گے

ہمارا جواب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ خود بھی درحقیقت اس کے قائل ہیں کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، یہی انہوں نے فتویٰ بھی دیا ہے۔ رہی مہینوں کے اعتبار سے عدت سو اس بارے میں تین قول ہیں۔

ہر حیض کے مقابلہ میں ایک مہینہ

۱۔ حضرت عمرؓ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت جو اثرم وغیرہ سے مروی ہے یہ ہے کہ باندی کی عدّت افراد اعتبار سے دو حیض ہے۔ لہٰذا ہر

حیض کے مقابلہ میں ایک مہینہ شمار کیا جائے گا۔

اثرم اور میمون کی روایت

۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ باندی کی عدّت ڈیڑھ مہینہ ہے اسے اثرم اور میمونی نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے۔

علی بن ابی طالب۔ ابن عمر، ابن المسیب۔ ابو حنیفہ اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ مہینہ کی آدھوں آدھ تقسیم ممکن ہے، بلکہ حیض کی اس طرح تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ محرم اگر شکار کرے تو کفارہ کے طور پر، نصف مد، دے اور اگر نصف کے بدلے میں روزہ رکھنا چاہے تو پھر پورے دن کا روزہ رکھنا پڑے گا۔

۳۔ باندی کی عدت تین مہینے ہے، پورے تین مہینے۔ حضرت عمرؓ کی دو روایتوں میں سے دوسری روایت یہی ہے۔

مہینوں کے اعتبار سے اور حیض کے اعتبار سے عدّت کا فرق

مہینوں کے اعتبار سے عدت، اور حیض کے اعتبار سے عدت کا فرق یہ ہے کہ مہینوں سے براءۃ رحم کا، جو علم ہوگا وہ تین ماہ سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ اور صورت حرہ اور باندی دونوں کے لیے یکساں ہے، کیونکہ حمل میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس دن تک علقہ، پھر چالیس دن تک مضغہ۔ اس تیسری صورت میں حمل صحیح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس نسبت سے حرہ اور باندی برابر ہیں بخلاف اقراء کے، کیونکہ پہلا حیض استبراء کے لیے کافی ہے، مملوکہ کے حق میں اور جب اس کی شادی ہو گئی تو وہ حرائر سے مشابہ ہو گئی۔ اور ملک یمین (باندیوں) میں اسے ایک خاص مرتبہ حاصل ہو گیا لہٰذا اس کی عدّت بین العدتین (دو عدتوں کے درمیان) ہو گئی۔

کیا یہ اجماع ہے؟ یا حضرت عمرؓ کا دوسرا قول

شیخ نے مغنی میں کہا ہے جو اس قول کا رد کرتا ہے، وہ اجماع صحابہ کا مخالف ہے، کیونکہ ان کا اختلاف پہلے دو اقوال میں محدود ہے۔ اس صورت میں کوئی تیسرا قول پیدا کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقوال صحابہ کے دائرہ سے وہ باہر نکل گیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تیسری روایت احداث (نئی بات) نہیں ہے، بلکہ حضرت عمرؓ کی دو بڑی روایتوں میں سے ایک روایت ہے جسے ابن وہب وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدّت

دوررس نتائج پر متضمن بیان اور تحقیق

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے بدیں الفاظ کیا ہے۔ واللائی یئسن عن المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن (یعنی آئسہ اور غیر حائضہ کی عدت تین ماہ ہے)

عورت آئسہ کس عمر میں ہوتی ہے؟

عورت کی حد ایاس کیا ہے؟ اس باب میں لوگ شدید اضطراب فکر میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ عورت پچاس سال کی عمر میں آئسہ ہوتی ہے۔ اس عمر کے بعد عورت حائضہ نہیں ہوتی یہ اسحاق کا قول ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اس قول کے اصحاب حضرت عائشہ رضؓ کے قول سے حجت لاتے ہیں کہ عورت جب پچاس سال کی ہو جائے تو حد حیض سے خارج ہو جاتی ہے۔

ساٹھ سال کی عمر کا تعین

ایک دوسرا گروہ ہے جو ساٹھ سال کی عمر قرار دیتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ساٹھ سال کے بعد عورت کو حیض نہیں آتا۔

یہ دوسری روایت بھی امام احمد کی ہے۔ ان سے ایک تیسری روایت بھی

ہے جس میں وہ عرب اور غیر عرب عورتوں میں فرق کرتے ہیں کہ عرب عورتوں کی حد ایاس ساٹھ سال ہے اور نساء عجم کی پچاس سال، ان سے ایک چوتھی روایت بھی ہے کہ اگر پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے مابین مشکوک قسم کا خون ظاہر ہو تو عورت بدستور نماز پڑھے گی۔ روزہ رکھے گی، خرقی نے یہی قول اختیار کیا ہے امام احمد بن حنبل سے ایک پانچویں روایت بھی ہے کہ اگر پچاس سال کی عمر کے بعد خون پھر ظاہر ہو۔ اور بار بار ظاہر ہو۔ تو وہ حیض ہے، ورنہ نہیں۔

امام شافعیؒ کے دو قول

امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی نص نہیں ثابت ہے۔ لیکن بعد کے دو قول مروی ہیں۔

ایک یہ کہ عورت اس عمر میں آئسہ قرار دی جائے گی جس عمر میں اس کی قرابت دار عورتیں آئسہ ہوا کرتی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ سن ایاس وہی قرار دیا جائے گا، جو عام طور پر عورتوں کا ہوا کرتا ہے۔

اصحاب امام مالکؒ کا مسلک

اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ نے سن ایاس کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مسلک

بعض دوسرے علماء جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ زمانۂ یاس اختلاف نساء کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی جا سکتی، جو سب عورتوں پر چسپاں ہو سکے۔ آیت قرآنی سے مراد یہ ہے کہ ہر عورت کا سن ایاس خود اس کے ذاتی اعتبار سے مانا جائے گا۔

کیونکہ یاس رجا کی ضد ہے، پس جب عورت حیض سے مایوس ہو جائے اور اب اس کی امید نہ رکھے تو وہ آئسہ ہے، خواہ اس کی عمر چالیس سال کی کیوں نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ ایک دوسری عورت پچاس سال کی عمر میں بھی آئسہ نہ ہو۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عربی عورت کے سوا کوئی

عورت پچاس کی عمر میں زچہ نہیں بنتی۔ اور قرشیہ عورت کے سوا ساٹھ سال کی عمر میں کوئی عورت بچہ نہیں جنتی۔ چنانچہ ہند بنت ابی عبیدہ بن عبیدہ بن ربیعہ نے موسیٰ بن عبداللہ، بن حسن بن حسن، بن علی، بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کو جب جنا تو ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ نے ایک عورت کے بارے میں جسے طلاق کے بعد ایک یا دو مرتبہ حیض آیا پھر آنا بند ہوگیا، فرمایا:

وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کا حیض کیوں بند ہوا یا یہ نو مہینے تک انتظار کرے گی، اگر حمل ظاہر ہو گیا تو خیر ورنہ، تین مہینے کی عدت گزارے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے فقہاء و علماء کی جماعت کثیر نے موافقت کی ہے، جن میں امام مالک اور احمد اور شافعی رحمہم اللہ بھی ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ایسی عورت غالب مدت حمل تک انتظار کرے گی۔ پھر آئسہ کی عدت گزارے گی۔ پھر وہ دوسرے شوہر کے لیے حلال ہوگی اگرچہ اس کی عمر تیس یا چالیس سال ہی کی کیوں نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور سلف و خلف میں سے ان کے ہم خیال اصحاب کے نزدیک عورت پچاس اور چالیس سال کی عمر سے پہلے بھی آئسہ ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک سن ایاس کوئی خاص وقت نہیں ہے جو عورتوں کے لیے محدود ہو، بلکہ عورت تیس سال کی عمر میں بھی آئسہ ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور آئسہ نہ ہو، اور اگر اس کا حیض آنا بند ہو جائے، اور یہ نہ معلوم ہو کہ اس کی علت کیا ہے تو نو مہینے کی مدت گزرنے کے بعد وہ آئسہ قرار دی جائے گی۔ بخلاف اس عورت کے جس کا کسی مرض کے باعث یا رضاع کے سبب، یا حمل کی وجہ سے، حیض آنا بند ہو گیا ہو، اسے آئسہ نہیں تسلیم کیا جائے گا۔

عدت طلاق آئسہ کی پس وہ آئسہ جس کا مستقل طور پر، حیض بند ہو جائے یا کئی کئی سال تک منقطع رہے۔ ایسی عورت کو اگر طلاق دی جائے گی تو وہ نص قرآن کے مطابق تین مہینے عدت گزارے گی، چاہے اس کی عمر چالیس سال کی ہو یا اس سے کم یا زیادہ۔ اگر شک ہو گا تو نو مہینے کی پھر تین مہینے کی، عورتیں جس طرح ابتدائے حیض میں مساوی نہیں ہوتیں بعض دس سال کی عمر میں، بعض بارہ سال کی عمر میں، بعض پندرہ سال کی عمر میں حائضہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح آخر سن حیض میں بھی وہ یکساں نہیں ہوتیں۔ کوئی کسی عمر میں آئسہ ہوتی ہے کوئی کسی میں۔

جسے ابھی حیض نہ آتا ہو اس کی عدت اسی طرح اس عورت کے بارے میں اختلاف ہے جو حائضہ نہیں ہوئی۔ آیا اس کی عدت تین ماہ ہوگی، یا پہلے نو ماہ پھر تین ماہ، گویا سال بھر کامل۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔

عدّت وفات

تفصیل، شرائط، اصول

عدت وفات شوہر کی موت سے واجب ہوتی ہے، عام اس سے کہ اس نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، جیسا کہ عموم قرآن اور سنّت صحیحہ صریحہ سے ثابت ہوتا ہے۔

عدم اجماع کی صورت میں بھی عدت واجب ہے

اس امر پر اتفاق ہے کہ شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو تو بھی وفات کے بعد، دونوں ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہیں۔

نیز یہ کہ مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے، اگر وہ معیّن اور طے شدہ ہو[1]، اس لیے کہ موت انقضاء اور انتہاء عقد کا نام ہے، اس کے بعد احکام مرتب ہو جاتے اور مستقر ہو جاتے ہیں، چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہو جاتے ہیں، اور مہر بھی لازم ہو جاتا ہے، اور عدت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

---

[1] نکاح تعیّن مہر کے بغیر بھی جائز ہے، اس صورت میں، مہر خود بخود لازم ہو جاتا ہے، طلاق یا موت کی صورت میں عورت کو مہر مثل، یعنی خاندانی مہر دلایا جائے گا، یعنی وہ مہر جو اس عورت کے خاندان میں رائج ہو،

استقرار مہر سے متعلق مسائل مختلفہ

استقرار مہر کے بارے میں فقہا اور ائمہ کے مابین اختلاف ہے

یہ اختلاف دو مسئلوں میں ہے پہلا مسئلہ ہے وجوب مہر مثل کا،

امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اسے واجب قرار دیتے ہیں، امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے،

لیکن امام مالک اسے واجب نہیں قرار دیتے، امام شافعیؒ کا دوسرا قول اسی عدم وجوب مہر مثل کا ہے۔

سنت صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر مثل کا فیصلہ صادر فرمایا، جیسا کہ بروع بنت واثق کی حدیث سے ظاہر ہے،

تحریم ربیبہ کس صورت میں ہوتی ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ماں کی موت سے کیا تحریم ربیبہ ثابت ہو جاتی ہے جس طرح اس سے تمتع سے ثابت ہو جاتی ہے۔

اس باب میں صحابہ کے دو اقوال ہیں، جو امام احمد سے مروی ہیں، مقصود یہ ہے کہ جس عدت میں برأت رحم کا علم نہ ہو، وہ قبل از تمتع ومباشرت واجب ہوتی ہے بخلاف عدت طلاق کے۔

عدت وفات کی عدت وغیرہ کے حکم کے بارے میں لوگ اضطراب خیال میں مبتلا ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ برأت رحم کے لیے ہے، اور اس قول پر وجوہ کثیرہ وارد ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ صورت وفات قبل از تمتع یہ عدت واجب ہو جاتی ہے۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عدت تین قروء (حیض) پر مشتمل ہوتی ہے، اور برأت رحم کے لیے ایک حیض کافی ہے، جیسا کہ معتدہ میں ہوتا ہے۔

ایک اور قول یہ ہے کہ وہ عورت جو صغر سنی یا کبر سنی کے باعث برأت رحم سے

منقطع ہو چکی ہے، اس کی عدّت تین مہینے ہے۔

عدّت تعبد ہے ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ عدّت کا معاملہ تعبّد سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ تعلّق سے، لیکن یہ دعویٰ دو وجوہ سے فاسد ہے،

ایک وجہ یہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو حکمت سے خالی ہو، یہ دوسری بات ہے لوگوں کی ایک جماعت کثیر پر وہ حکمت منکشف نہ ہو سکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عدّت کا شمار صرف عبادات میں نہیں ہے، بلکہ اس میں حق زوجیت اور اولاد اور نکاح کی رعایت بھی مضمر ہے۔

رعایت حق زوج کی پابندی ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ صواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ عدّت وفات انقضاء نکاح اور رعایت حق زوج سے عبارت ہے، بیوہ عورت عدت وفات میں رعایت حق زوج کی پابند ہوتی ہے، لہٰذا یہ عدت اس عقد کے لیے حریم بن جاتی ہے جس میں اس کے لیے شان وخطر ہے، اس طرح نکاح اولی اور نکاح ثانی میں فصل پیدا ہو جاتا ہے، اور دونوں نکاح متصل نہیں ہونے پاتے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم حق کے باعث ازواج مطہرات کو اپنے بعد محرمات قرار دیا، لیکن یہ بات صرف رسول کے ساتھ خاص ہے، اس لیے کہ جو خواتین اس دنیا میں آپ کی ازواج تھیں، وہ آخرت میں بھی آپ کی ازواج ہوں گی، لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ صورت نہیں ہے، کیونکہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی یہ اجازت ہوتی کہ وہ اپنی وفات کے بعد، اپنی بیویوں کو دوسروں پر حرام کر جائیں تو بیوہ عورتیں سخت دشواری اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عورت کا دوسرا شوہر پہلے شوہر سے بہتر ہو اور وہ اس سے محروم رہ جائے۔

***

اولاد کے لیے ماں کے ایثار کی فضیلت

لیکن اگر وہ اولاد کی فلاح وتربیت کے لیے وہ رضاکارانہ طور پر بیوگی کی زندگی گزار دے تو یہ ایک مستحسن چیز ہے اور بالکل الگ بات ہے، حدیث میں ایسی عورت کے لیے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، کہ جس صاحب منصب وجمال بیوہ عورت نے اپنے بچوں (کی فلاح وتربیت کے لیے) اپنے کو (دوسری شادی سے روک لیا) قیامت کے دن میں اور وہ ان دو انگلیوں (انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی) کی طرح ہوں گے، ؎۱

عہد جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدّت

جاہلیت (عہد قبل از اسلام) میں بیوہ عورت کی عدّت ایک سال ہوتی تھی، لیکن اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے تخفیف کرکے اسے چار مہینے دس دن کردیا، کیونکہ اس عرصہ میں روح کے اندر روح پیدا ہو جاتی ہے، اور اس مدت میں برأت رحم حاصل ہو جاتی ہے، اور یہی مقصد ہے عدّت وفات کا، ؎۱

؎۱ یوں تو عورت کو شوہر کی وفات کے بعد، دوسری شادی کر لینے کا پورا پورا حق ہے، اور اس حق پر کسی طرح کی پابندی نہیں، لیکن جو عورت اپنے بچوں کے لیئے ایثار کرتی ہے، اور اپنا مستقبل ان کے مستقبل پر، اپنی راحت ان کی راحت پر قربان کردیتی ہے، وہ بہر حال انسانیت کبریٰ کے مرتبہ پر فائز ہے، اور اس کا یہ کارنامہ اس قابل ہے کہ اللہ اور رسول کی بارگاہ سے اسے نوازا جائے۔

عدّت طلاق

ایک پیچیدہ اور مختلف فیہ مسئلہ اور اس کے متعلقات

عدت طلاق ایک مشکل مسئلہ ہے، کیونکہ اس کی تعلیل بایں طور ممکن نہیں، عدّت سبیس (تمتع) کے بعد واجب ہوتی ہے، چونکہ طلاق نکاح کو منقطع کر دیتی ہے لہٰذا اس میں مسمّٰی بھی تنصیف ہو جاتی ہے۔ اور مہر مثل ساقط ہو جاتا ہے عدت طلاق بایں طور واجب ہوتی ہے کہ دوران عدت میں رجعت ممکن ہو، کیونکہ اس عدت میں شوہر کا حق ہے، اللہ کا حق ہے، اولاد کا حق ہے اور ناکح ثانی کا حق ہے۔

حقوق سرگانہ

شوہر کا حق یہ ہے کہ عدت کے زمانہ میں اس کا حق قائم ہے۔

اللہ کا حق یہ ہے کہ دوران عدّت میں شوہر اسے گھر کے اندر عدت اور احترام کے ساتھ رکھے، جیسا کہ اللہ سبحانہ، و تعالےٰ کی نص ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منصوص ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کا نسب ضائع نہ ہو۔ پدر صحیح کی طرف اس کی نسبت ہو سکے۔

خود عورت کا حق یہ ہے کہ زمانۂ عدّت میں اپنا نفقہ حاصل کر سکے اور اسے

اثنا میں اسے بیوی کے حقوق حاصل رہیں۔ موت کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کے وارث ہو سکیں۔

عدت درحقیقت شوہر کا حق ہے

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ عدت درحقیقت شوہر کا حق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔

اس آیت میں " فما لکم علیھن عدۃ " (یعنی اگر تم قبل از تمتع بیوی کو طلاق دے دو تو پھر اس پر تمہاری عدت نہیں ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ عدت مرد کے لیے ہے جو عورت پر واجب ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛

وبعولتھن احق بردھن

اس آیت میں شوہر کو دوران عدت میں اسے واپس لینے کا حق دیا۔ یہ ہے اس کا حق، اور عدت، تین قروء (حیض)، یا تین مہینے تک طویل ہو جائے تو اس لیے ہے کہ شوہر اچھی طرح رائے قائم کر لے کہ طلاق واپس لے کر اسے روک لے، بامعقولیت اور شرافت کے ساتھ رخصت کر دے۔ یہ تخییر مطلق ہے۔

بلوغ اجل سے مراد کیا ہے۔

نیز اللہ سبحانہ، وتعالیٰ فرماتا ہے۔

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف

بلوغ اجل سے مراد اس آیت میں مجاوزت ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف

یہاں مراد شوہر کی مقاربت اور مشارفت ہے۔

اغتسال شرطِ رجعت ہے

جمہور صحابہ رض کا قول ہے کہ عورت کا حیض سے فارغ ہو کر، غسل کر لینا شرط رجعت ہے اس کے بعد ہی شوہر اس تمتع کر سکتا ہے۔ گویا صحابہ رض کے نزدیک اغتسال شرط نکاح ہے، خواہ وہ صرف عقد ہو، یا ایسا نکاح ہو جو تمتع کا ہو۔

اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ اغتسال شرط نہیں ہے، نہ عقد میں، نہ نکاح وطی (جماع) میں جیسا اہل ظاہر کہتے ہیں۔

۲۔ اغتسال دونوں نکاحوں (عقدہ اور نکاح وطی) میں شرط ہے، یہ احمد رحمہ اللہ اور جمہور صحابہ رض کا مسلک ہے۔

۳۔ اغتسال صرف نکاح وطء میں شرط ہے۔ نکاح عقد میں نہیں۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول اور مسلک ہے۔

۴۔ اغتسال دونوں نکاحوں میں شرط ہے۔ خواہ وہ نکاح عقد ہو، یا نکاح وطء

اغتسال فراغت از حیض کا ثبوت ہے

عورت کا اغتسال اس بات کا ثبوت ہے کہ اب وہ غسل سے فارغ ہو گئی اور حیض کی مدت مکمل طور پر پوری ہو گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ

اور اللہ سبحانہ، وتعالےٰ نے عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ تین قروء تک انتظار کرے، جب تیسرا قرء (حیض) گزر جائے، تو اس کی اجل (عدت) ختم ہو گئی۔ اللہ سبحانہ، تعالےٰ نے دو حیضوں کے بعد کا لفظ نہیں فرمایا، بلکہ بلوغ اجل کے وقت شوہر کو امساک[1] اور تسریح[2] کا اختیار دیا۔

---

[1] یعنی طلاق دینے کے بعد رجعت کر لینا۔
[2] یعنی طلاق دینے کے بعد رجعت نہ کرنا، اور بیوی کو چھوڑ دینا۔

پس ظاہر قرآن سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کچھ سمجھا ہے یہ ہے کہ تیسرے قرء کے اختتام پر، شوہر کو، امساک بالمعروف[1] اور تسریح بالاحسان[2] کا اختیار ہے۔

اس اعتبار سے قرآن میں بلوغ اجل ایک ہے۔ اس کی دو قسمیں نہیں ہیں، اور وہ ہے مدت کا استیفاء اور استکمال، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف

حیض سے فراغت کے بعد عورت حلال ہو جاتی ہے

جو لوگ بلوغ اجل سے مراد مقارنت لیتے ہیں ان کے نزدیک حیض سے فارغ ہونے کے بعد عورت حلال ہے اور اب اسے جو چاہے پیغام نکاح دے سکتا ہے اور وہ جس کا چاہے پیام نکاح قبول کر سکتی ہے اور اب شوہر کو رجعت کا حق باقی نہیں رہا۔ یہ حق صرف اس وقت تک تھا جب تک وہ دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوئی تھی۔

اس ظن کا منشاء یہ ہے کہ عورت بلوغ اجل کے ساتھ ہی دوسرے مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

مطلقہ کو تین قروء تک انتظار کرنا چاہیے

لیکن قرآن سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کہ بلوغ اجل ہی کے ساتھ عورت دوسرے مرد پر حلال ہو جاتی ہے، بلکہ قرآن نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ مطلقہ تین قروء تک انتظار کرے۔

اور پھر ارشاد فرمایا:

اذا بلغت اجلھا فاما ان تمسك بمعروف، واما ان تسرح باحسان

(یعنی، بلوغ اجل کے بعد، یا تو قاعدے کے موافق وہ روک لی جائے، یا معقولیت

---

[1] امساک بالمعروف سے مراد ہے، معقولیت اور قاعدے کے مطابق بیوی کو روک لینا یعنی رجعت کر لینا
[2] تسریح بالاحسان سے مراد ہے، بیوی کو اچھی طرح دے دلا کر، اخلاق اور شائستگی کے ساتھ رخصت کر دینا۔

کے ساتھ رخصت کر دی جائے۔)

اللہ سبحانہ، وتعالےٰ نے اس امساک اور تسریح کو طلاق کے فوراً بعد ذکر فرمایا ہے۔

الطلاق مرتان، فامساك بمعروف، اوتسریح بلحسان (یعنی طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر تو قاعدے کے موافق رجعت ہے۔ بامعقولیت کے ساتھ رخصت)

پھر ارشاد فرمایا:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن

یہاں "ان ینکحن ازواجھن (یعنی انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو) سے مراد پہلے شوہر سے تزویج ہے اور مطلق طور پر اسے حق رجعت حاصل ہے اور "عضل" (روکنا) کی ممانعت شوہر کے حق کو اور زیادہ موکد طور پر ثابت کرتی ہے۔

بلوغ اجل اور قرآن کریم | قرآن میں کہیں وارد نہیں ہوا ہے کہ بلوغ اجل کے فوراً بعد عورت حلال ہو جاتی ہے، اور اسے منگنی کرنے یا منگنی قبول کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ اس حالت میں (بلوغ اجل کے بعد) شوہر کو حق حاصل ہے۔ کہ یا تو اُسے روک لے، یعنی اس سے رجعت کر لے، قاعدے کے موافق، یا اسے شرافت، اور بھلمنسایت کے ساتھ رخصت کر دے، جب شوہر معقولیت اور شرافت کے ساتھ رخصت کر دے تب وہ دوسرے مرد کے لیے حلال ہو گی۔ اور اسے دوسرے مرد سے شادی کرنے یا اس کا پیام قبول کرنے کی اجازت ہو گی۔

پس قرآن کی دلالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی عدت جب ختم ہو جائے اور یہ عدت تین قروء کا انقطاع دم کے ساتھ پورا ہونا ہے۔ تب یا تو غسل کرلے گی، یا رخصت کر دی جائے۔ اس صورت میں بھی بعد میں وہ غسل کرے گی اور پھر اسے حق ہو گا کہ جس سے چاہے شادی کر لے۔

صحابۂ کرام کی فہم و قدر کا اندازہ

اس سے فہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر کا بھی اندازہ ہوتا ہے؟ انہوں نے جو کچھ سمجھا، اور جو کچھ فرمایا، وہ ان کے غایت اجتہاد کا ثبوت ہے۔

بلوغ اجل کے ساتھ تخییر کی شرط کیوں؟

اگر یہ کہا جائے کہ عورت سے اس ساری مدت میں جب تک وہ غسل نہ کرے شوہر کو رجعت کر لینے کا حق حاصل تھا پھر بلوغ اجل کے ساتھ تخییر کی قید کیوں لگائی گئی؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید مدت کی تبیین اور وضاحت کے لیے لگائی گئی کہ اتنے عرصہ تک اسے انتظار کرنا ہے۔ اور یہ انتظار حق زوج (شوہر) کے لیے ہے۔ "تتربصن" کے معنی انتظار کے ہیں، اس عرصہ میں عورت گویا اس کی منتظر رہتی ہے کہ آیا وہ روک لی جائے گی یا رخصت کر دی جائے گی؟ اور یہ تخییر اوّل مدت سے آخر مدت تک ثابت ہے۔ اور احسان کے ساتھ رخصت کر دینا ممکن ہی اس وقت ہے جب بلوغ اجل ہو جائے۔ اس سے پہلے کا زمانہ تو درحقیقت عدّت ہی کا زمانہ ہے۔

تسریح باحسان اور ظاہر قرأت

کہا گیا ہے کہ تسریح باحسان، انقضائے عدت کے وقت موثر ہے لیکن ظاہر قرأت اس کے خلاف ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تسریح باحسان کے لیے بلوغ اجل کا وقت مقرر کیا ہے اور معلوم ہے یہ ترک اوّل مُدت سے ثابت ہے۔ لہٰذا صواب اور درست صورت یہ ہے کہ بلوغ اجل کے بعد عورت کو اس کے اہل تک پہنچا دینا اور اس سے دستبردار ہو جانا تسریح ہے، کیونکہ مدّت عدت تک عورت کو روکے رکھنا شوہر کے اختیار کی چیز ہے، پھر جب بلوغ اجل کا وقت آ گیا تب شوہر کے لیے ضروری ہو گا کہ اسے روک لے جس کا اسے حق ہے، یا اسے رخصت کر دے۔ جو اس پر واجب ہے۔

مطلقہ قبل مسیس اور قرآت مطلقہ قبل مسیس (تمتع) کے بارے میں ارشاد خداوندی اس بات کی دلیل ہے۔

فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا

اس آیت میں سراح جمیل کا حکم ہے نہ کہ عدت کا، پس معلوم ہوا کہ تخلیہ سبیل (راستہ چھوڑ دینے) کا مطلب ہو گا۔ عورت کو اس کے میکہ تک واپس پہنچا دینا، اس کے بعد ہی اس کی تطلیق اور اس کا راستہ چھوڑ دینے کی تکمیل ہو گی چونکہ اس سے قبل اطلاق نام نہیں تھا۔ اس سے قبل شوہر کو بس بر حق تھا، یا روک لے، یا رخصت کر دے، کیونکہ دوسرے مرد کے مقابلہ میں طلاق دینے والے شوہر کو بزمانہ تربص (انتظار) مطلقہ عورت پر (روک لینے یا رخصت کر دینے کا) پورا حق ہے۔ اور تربص کی مدت تین قروء ہے، اس کی تائید کئی باتوں سے ہوتی ہے۔

مختلعہ کی مدت ایک حیض ۱۔ شارع نے عدت مختلعہ[۱] صرف ایک حیض رکھی ہے، جیسا کہ سنت سے ثابت ہے، حضرت عثمان بن عفان، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی ثابت ہے۔ ابن مجفر النحاس نے اپنی کتاب ناسخ ومنسوخ میں اس پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کیا ہے۔ اسحاق اور احمدؒ بن حنبل کا مذہب یہی ہے۔

مختلعہ عدت کی پابند نہیں ہے چونکہ مختلعہ سے شوہر رجعت نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ عدت کی بھی پابند نہیں ہے، صرف ایک حیض سے استبراء کافی ہے، اس کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی اور اپنی مالک ہو جائے گی۔ چونکہ اب شوہر کو اسے روکنے یعنی اس سے رجعت کرنے کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا عورت کو تطویل عدت میں مبتلا کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ مقصود برأت رحم تھا۔ وہ ایک حیض کے بعد استبراء سے

---

[۱] جس عورت نے خلع لی ہو۔

حاصل ہو گیا۔ لہٰذا مجرد استبراء کافی ہے۔

طلاق بائن کی شرطِ مشروعیت

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمتع اور مباشرت کے بعد، طلاق بائن صرف تین کی صورت میں مشروع کی ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں جس طلاق کا مذکور ہے وہ رجعی ہے۔

طلاق محرم میں تربّص حریم نکاح ہے

اگر کہا جائے کہ استیفاء عدّت قروءِ ثلاثہ اور تخییر کے باعث یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے جیسا کہ از روئے حدیث واقعہ بریرہ سے ثابت ہے۔ تو جواب میں ہم کہیں گے کہ زوجہ کے لیے طلاق محرم میں تربّص شوہر کے حق رجعت نہیں ہے بلکہ یہ حریم ہے نکاح کے لیے اور عقوبت ہے شوہر کے لیے۔ کیونکہ اگر اسے یہ اجازت ہوتی کہ ایک حیض کے بعد مجرد استبراء سے وہ پھر دوسری مرتبہ شادی کر لے اور پھر طلاق دے دے، خواہ قصد تحلیل سے، یا اس کے بغیر تو بڑی آسانی سے عورت شوہر کے ہاتھ پھر آجاتی، اور شارع نے تیسری طلاق کے بعد اسے حرام کر دیا ہے تاکہ شوہر کو سزا مل سکے۔ کیونکہ طلاق اللہ کے نزدیک ابغض الحلال ہے۔ یہ صرف رشدید ضرورت کے وقت مباح ہے۔ اس کے بعد عورت اس وقت تک پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے آزاد نہ ہو جائے۔

اور یہ عین حکمت ہے، وہ دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی جب تک تین قروء تک انتظار نہ کرے اور اس میں اسے کوئی ضرر نہیں کیونکہ ہر مرتبہ کی طلاق کے بعد تین قروء تک بہر حال اسے انتظار کرنا ہے۔ یہ تربّص ایک مصلحت کے ماتحت ہے، اور یہ تربّص جو تین قروء کا ہے، تمام عقوبت ہے شوہر کے لیے، اسے جو عقوبت ملی ہے وہ تین طرح سے ہے۔

شوہر کی عقوبت سہ گانہ

طلاق مغلّظہ کے باعث شوہر کو جو تین طرح کی عقوبت پہنچتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

تین قروء تک تربص

۱۔ اس پر اس کی رفیقۂ حیات حرام ہو جاتی ہے۔ اور وہ تین قروء تک تربص کرتی ہے۔

حلالہ کی شرط

۲۔ اب وہ اس وقت تک شوہر کے لیے جائز نہیں ہو سکتی جب تک اس سے دوسرا شوہر لذت اندوز نہ ہو لے۔

۳۔ ایقاع لبغیض (طلاق مغلظہ) کی یہ بہت بڑی عقوبت موکلہ ہے کیونکہ دوسرے آدمی سے نکاح کیے، اور اس سے لذت اندوز ہوئے بغیر وہ اب اس پر حلال نہیں ہو سکتی، اور دوسرے شوہر سے چھٹکارا صرف اس کی مرضی پر ہے، نہ کہ عورت کی مرضی پر۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ دوسرا نکاح اس اصول کے مطابق ہوا ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے، اور جسے ان کی معاش ومعاد، اور حصول رحمت اور (وداد) کا سبب بنایا ہے۔ اس صورت میں دوسرا شوہر، محض سابقہ شوہر کے خیال سے اپنی بیوی کو طلاق دینے سے رہا۔ بلکہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھے گا۔ دنیا میں کسی شخص کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے اسے چھین کر سابقہ شوہر کے حوالے کر دے۔ البتہ عدت یا طلاق کے باعث بطور خود یہ دونوں جدا ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔ اب سابقہ شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا ممکن ہے۔

شریعت محمدیؐ اور شریعت موسویؑ وعیسویؑ کا فرق

اور یہ وہ امر ہے جسے اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے اپنی شریعت کاملہ ومہیمنہ میں حرام نہیں قرار دیا ہے۔ برخلاف ہماری شریعت کے دوسری شریعتوں میں یہ سہولت موجود نہیں ہے

چنانچہ شریعت توراۃ میں یہ حکم ہے کہ طلاق اور افتراق کے بعد بیوی اگر دوسرے شخص سے شادی کرے، تو اب وہ زندگی میں پھر کبھی اور کسی صورت میں بھی سابقہ شوہر سے شادی نہیں کر سکتی۔ اب وہ اس کے لیے تا ابد حلال نہیں ہو گی۔

شریعت انجیل کا حکم یہ ہے کہ بیوی کو سرے سے طلاق ہی نہیں دی جا سکتی۔
پھر ہماری شریعت کاملہ فاضلہ جو ہر اعتبار سے کامل، مکمل، جامع اور مجموعہ حسنات ہے، نمودار ہوئی اور اس نے خلق کے مناسب احوال احکام دیئے۔

حلالہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے

چنانچہ نکاح ثانی کے فسخ یا انقطاع کے بعد سابق شوہر کو مطلقہ بیوی سے نکاح کی اجازت دے دی، لیکن حلالہ[1] کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

---

[1] حلالہ سے مراد ہے۔ طلاق مغلظہ دے کر، پچھلے دروازہ سے مطلقہ بیوی کو حاصل کر لینا۔ مثلاً زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی۔ پھر اپنے کیے پر نادم ہوا، اور پچھتایا، چاہا کہ اسے پھر حاصل کرے، لیکن کس طرح حاصل کرے رجعت کا حق اب اسے حاصل نہیں رہا۔ تجدید نکاح بھی شرعی طور پر اب ممکن نہیں پھر کیا ہو؟
اس نے سوچا کسی طرح پہلے بیوی کو راضی کرے۔ جب وہ راضی ہو جائے تو کسی آدمی کو کچھ دے دلا کر، اس پر آمادہ کرے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے لیکن اسے ہاتھ نہ لگائے۔ اس کی صورت نہ دیکھے۔ اس سے حق شوہری نہ حاصل کرے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا، اس نے نکاح کر لیا۔ اور طلاق دے دی، سابقہ شوہر نے اس طلاق کے بعد پھر نکاح کر لیا، کیونکہ قانونی خانہ پری" ہو گئی لیکن ظاہر ہے یہ شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔
نکاح کوئی آدمی کسی عورت سے طلاق دینے کے لیے تو نہیں کرتا، یہ تو عہد ہے، جو میاں بیوی سے حسن سلوک، نباہ اور وفا کا باندھتا ہے یہ عہد عمل میں آنے سے پہلے کس طرح ٹوٹ سکتا ہے؟ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ) یہ دوسرا نکاح کامیاب نہ ثابت ہو، تو پھر تنک دوسرا شوہر طلاق دے سکتا ہے اور وہ عورت سابق شوہر پر حلال ہو سکتی ہے۔ لیکن اس نکاح کا کامیاب نہ ہونا تو تجربہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں بسیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کوئی اختلاف یا بدمزگی پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ اس کے بعد بھی اگر اندازہ ہو، کہ نباہ نہیں ہو سکتا تو دونوں جدا ہو جائیں۔ یہ الگ بات ہے لیکن یہ کچھ نہ ہو، قاضی نے نکاح کے دو بول پڑھائے اور دوسرے شوہر نے "ہاں" کہنے کے بعد ہی طلاق دے دی اگر اسے شریعت کے ساتھ تمسخر نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے گا؟

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ طلاق اندھا دھند نہیں دی جا سکتی۔ اس کے کچھ شرائط ہیں، کچھ آداب ہیں۔ کچھ اصول ہیں ان سب کو یکسر نظر انداز کر دینا، اور کچھ روپے لے کر سابق شوہر کو پھر حق زوجیت حاصل کرنے میں مدد دینا کیا مکر و فریب نہیں ہے۔

اور مکر و فریب بھی کس کے ساتھ؟

خدا کے ساتھ۔

یہ کتنی بڑی جرأت اور دیدہ دلیری ہے، جو کوئی شخص خدا اور شریعت حقہ اور شارع کے ساتھ روا رکھ سکتا ہے؟

کیا ایسا شخص بھی لعنت کا مستحق نہیں ہوگا؟

طلاق ویسے بھی ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ نامرغوب اور ناپسندیدہ اور مکروہ فعل ہے۔

یہ حال تو اس طلاق کا ہے، جو "مرتان" ہے، یعنی دو مرتبہ کر کے دی جاتی ہے اور از روئے شرع ہر اعتبار سے جائز اور مکمل ہے، لیکن جو طلاق ان حدود و شروط کو توڑ کر دی جائے، وہ تو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محلِّل[1] اور محلَّل[2] پر لعنت ہو!

قریب قریب ناجائز کے درجہ میں ہے۔ چنانچہ بعض اجل ائمہ فقہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یعنی وہ اسے جائز نہیں سمجھتے، لہٰذا اس کا نفاذ بھی نہیں رکھتے۔

طلاق مغلظہ کا جواز یا عدم جواز ایک دوسری چیز ہے، اس پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں، لیکن طلاق بائن کی صورت میں بھی، شوہر یہ حق کھو بیٹھتا ہے کہ اس سے شادی کر سکے۔ جب تک عورت کسی دوسرے مرد سے باقاعدہ شادی نہ کرے اور باقاعدہ بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کر کے کسی حسن اتفاق موت یا طلاق — کے باعث، وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو جاتی۔

شریعت نے طلاق کے جو حدود و شرائط مقرر کیے ہیں ان سے تجاوز کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری پر ایسا کرتا ہے تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بھی تیار رہنا، چاہیے ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو،

گندم بو کر جو، اور جو بو کر گندم نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

[1] محلل وہ مرد ہے، جو (اجرت لے کر) حلالہ کرے۔

[2] محلل وہ عورت ہے، جو ایسے شخص سے شادی کرنے پر رضامند ہوتی ہے۔ عورت اس لیے لعنت کی سزاوار ٹھیری کہ اس نے بھی اس معاملہ میں شریعت کے خلاف سابق شوہر کا ساتھ دیا، حالانکہ اسے کسی طرح بھی حلالہ کرانے پر، یعنی غلط اور ناجائز طور پر سابق شوہر کی خاطر، دوسرے شخص کی عارضی اور وقتی بیوی بن کر طلاق نہیں لینا چاہیے تھی۔

اسی طرح وہ بھی برابر کی مجرم ٹھیری، لہٰذا جس طرح حلالہ کرنے والا سزاوار لعنت ہے اسی طرح حلالہ کرانے والی بھی مستحق لعنت ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت کی ہے۔ یہ لعنت یا تو خبر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی جانب سے دونوں پر وقوع لعنت کی۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بد دعا ہے دونوں کے لیے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حلال حرام ہے۔ اور اس کا شمار گناہ کبیرہ میں ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں بعض دوسرے مسلک بھی ہیں۔

ابن اللبان کا بیان

ابن اللبان القرشی صاحب "الایجاز" وغیرہ۔ اس طرف گئے ہیں کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، وہ تین قروء تک انتظار نہیں کرے گی صرف ایک حیض کے بعد استبراء رحم کافی ہے۔ اسے حسین بن فاطمی ابی لیلیٰ نے کہا ہے۔

مسئلہ یوں ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اس سے تمتع اور مباشرت کے بعد دیں تو اس کی عدت تین قروء ہے۔

ابن اللبان کہتے ہیں اس پر ایک حیض کے بعد استبراء ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء

ابو الحسین اس کے خلاف کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

آئسہ اور غیر حائضہ کی عدّت کا مسئلہ

مسئلہ یوں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیتا ہے اور وہ ایسی ہے کہ ابھی اسے حیض نہیں آتا، یا بوڑھی ہے اور آئسہ ہو چکی ہے تو اس کی عدت تین مہینے ہو گی، لیکن ابن لبان، اس کے لیے عدت ہی تسلیم کرتے وہ کہتے ہیں ایک حیض کے بعد استبراء کافی ہے۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ فرماتا ہے:۔

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر واللائی لم یحضن۔

سنت تین قروء ہے

ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ جب سنت تین قروء ہے تو اس کی مخالفت جائز نہیں ہے، اگرچہ اس پر اجماع نہ ہو۔ آپ نے فاطمہ بنت قیس کو جو حکم دیا تھا، جس سے علماء نے تین قروء کا معنی لیا ہے

باقی رہی حدیث عائشہ، تو وہ منکر ہے، کیونکہ حضرت عائشہ اقراء سے اطہار مراد لیتی ہیں۔

عدّت رجعیہ اور بائن

وہ عورت جس سے رجعت ہو سکے اور وہ عورت جس سے رجعت کا وقت نکل جائے

بائن اور رجعیہ[1] کی عدّت میں جو فرق بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے "؛

عدت رجعیہ زوج (شوہر) کے لیے ہے، دوران عدّت میں عورت کے قیام و طعام (نفقہ اور سکنیٰ) کا انتظام مرد پر ہوگا، اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

عورت کے لیے شرط مکان کا مسئلہ مہمّہ | سکنیٰ (رجائے قیام) کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ سکنیٰ وہی ہے جو زوجہ کا ہوتا ہے، اور بایں صورت اپنی حسب مرضی جہاں چاہے جا سکتی اور جہاں چاہے رہ سکتی ہے یا وہ شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہے، نہ وہ خود جا سکتی ہے۔ نہ اسے جانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں دو قول ہیں،

---

[1] رجعیہ سے مراد وہ عورت ہے، جسے طلاق رجعی دی گئی ہو، یعنی دوران عدّت میں شوہر طلاق واپس لے سکے، اور اسے پھر بیوی بنالے۔ (باقی آگے ہے)

دوسرا قول یہی آخری قول ہے، یہ امام احمد، اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے منصوص ہے، قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

رجعیہ اور بیوہ کا سکنیٰ یکساں ہے۔

پہلا قول امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے، بعض اصحاب امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن مبنی بر صواب قول وہ ہے جس کی تائید قرآن سے ہوتی ہے۔ کیونکہ رجعیہ کا سکنیٰ ایسا ہی ہے جیسا بیوہ کا ہوتا ہے، دونوں اگر اس کے اسقاط پر راضی ہو جائیں تو بھی جائز نہیں ہوگا، جس طرح عدت میں ہوتا ہے،

بائن کو سکنیٰ کا حق نہیں حاصل ہے

بہ خلاف بائن کے، کیونکہ اسے سکنیٰ کا حق نہیں ہے، شوہر کو حق ہے کہ اسے اپنے گھر میں نہ رہنے دے۔ اور اسے خود بھی چاہیے کہ نہ رہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا تھا۔

"اب نہ تجھے نفقہ کا حق ہے نہ سکنیٰ کا"۔

رجعت شوہر کا حق ہے یا خدا!

لیکن رجعت، کیا یہ زوج (شوہر) کا حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک مرتبہ طلاق بائنہ دے کر اسے ساقط کر دے یا یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حق ہے۔ جو ساقط نہیں ہو سکتا؟ اگر شوہر بیوی سے یہ کہے کہ:

"تجھے بائنہ طلاق ہے"،

تو بھی چونکہ حق رجعت ساقط نہیں ہوا، اس لیے طلاق رجعی واقع ہوگی؟ یا دونوں کو یہ حق ہوگا کہ اگر چاہیں تو باہمی رضا مندی سے خلع بلا عوض کر لیں؟ کیا اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہوگی، اور رجعت کا حق شوہر کو

لہ بائن سے مراد وہ عورت ہے، جسے طلاق بائن یعنی جدا کر دینے والی طلاق ملی ہو اور پھر وہ بیوی نہ بنائی جا سکے۔

نہیں رہے گا!

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ عنہ کا مذہب ہے اور روایات امام احمدؒ میں سے ایک روایت یہ بھی ہے،

دوسرا قول امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور روایات امام احمدؒ میں سے ایک روایت یہ بھی ہے،

دوسرا قول امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور روایات امام احمدؒ میں سے دوسری روایت یہی ہے۔

تیسرا قول امام مالک کا ہے، اور روایات احمد میں سے تیسری روایت ہے۔

رجعت درحقیقت خدائے تعالیٰ کا حق ہے

لیکن صواب یہ ہے کہ رجعت اللہ تعالیٰ کا حق ہے، دونوں اس کے اسقاط کا حق نہیں رکھتے، اور شوہر کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق بائنہ دیدے اگرچہ وہ خود بھی کیوں نہ رضامند ہوگئی ہو، بالکل اسی طرح جیسے دونوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فسخ نکاح بلاعوض پر متفق ہو جائیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر خلع بلاعوض کیسے جائز ہوگی؟ جیسا کہ مالک اور احمد رحمہما اللہ کا مسلک ہے، اور کیا خلع بلاعوض اور فسخ نکاح بلاعوض یکساں نہیں ہیں؟ دونوں میں رضامندی طرفین پائی جاتی ہے۔

طلاق بہ صورت فسخ جائز نہیں

جواب میں کہا گیا ہے کہ احمد رحمۃ اللہ کی ایک روایت کے مطابق خلع بلاعوض جائز ہے لیکن طلاق اگر بہ صورت فسخ ہو تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ جائز ہو جائے تو پھر عدد طلاق میں کمی کیے بغیر بار بار یہ کھیل کھیلا جا سکتا ہے، اور ان دونوں کو حق رہے گا کہ جب مرضی ہو چاہیں کرتے رہیں، جب چاہیں تین

طلاقوں کے مابین جدائی اختیار کریں جب چاہیں ایک ہو جائیں، اور شوہر کو یہ حق تخییر مل جائے کہ جب عورت طلاق کے بعد، اس کی نوعیت کے بارے میں سوال کرے، تو جب چاہے رجعی کہہ کر واپس لے لے، اور جب چاہے، بائن کہہ کر اسے رخصت کر دے اور یہ ممتنع ہے، کیونکہ عملی طور پر اسے حق مل گیا کہ تین مرتبہ کے بعد بھی جب چاہے بیوی کو حرام کرے جب چاہے حلال کرے۔

اور قبول کا اختیار صرف مباحات میں ہے

اور ممتنع یوں ہے کہ کسی شخص کو حلال و حرام کے مابین اور قبول کا اختیار دے دیا جائے، یہ اختیار دو مباح باتوں میں تو دیا جا سکتا ہے، اسے انشاء تحلیل و تحریم کا حق نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد ایک طلاق مشروع کی ہے، ایک ہی مرتبہ میں اس کا ایقاع مشروع نہیں کیا ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے، کہ بعد میں اگر نادم ہو، تو اپنے فعل کی بہ آسانی تلافی کر سکے، اگر شارع نے ابتداء ہی میں اسے طلاق بائنہ کا حق دے دیا ہوتا تو محذور (خطرہ) بعینہ موجود رہتا، چونکہ شریعت مصالح عباد پر مشتمل ہے، لہٰذا وہ یہ حق دینے سے انکار کرتی ہے کیونکہ اس صورت میں اختیار عورت کے ہاتھ میں چلا جاتا، اگر وہ چاہتی تو رجعت پر رضا مند ہوتی، نہ چاہتی تو نہ ہوتی، اور اللہ نے طلاق کا اختیار زوج (شوہر) کے ہاتھ میں رکھا ہے، عورت کے ساتھ میں نہیں، اور یہ اس کی رحمت اور احسان ہے۔

مراعات مصلحت زوجین

اس میں مراعات مصلحت زوجین ملحوظ رکھی گئی ہیں، ہاں یہ درست ہے کہ شوہر چاہے تو وہ بیوی کو یہ اختیار دیدے کہ چاہے اس کے ساتھ رہے چاہے نہ رہے لیکن اگر معاملہ شوہر کے ہاتھ سے بالکلیہ (طلاق بائنہ کی صورت میں) نکل جائے تو یہ بات ممکن نہ ہوگی، لہٰذا نہ وہ حق رجعت ساقط کر سکتا ہے نہ اس کا مالک ہے۔

شارع نے بندے کو نافع کی ملکیت دی ہے مضر کی نہیں

شارع نے بندے کو اس چیز کا مالک بنایا ہے جس سے اسے نفع پہنچے، اس کا نہیں جس سے اسے ضرر پہنچے، یہی وجہ ہے کہ اسے تین طلاقوں سے زیادہ کا مالک نہیں بنایا، لیکن تینوں کا بیک وقت مالک نہیں بنایا، نہ زمانہ حیض میں اسے طلاق کا مالک بنایا نہ چار سے زیادہ شادیاں کرنے کا مالک بنایا، نہ عورت کو طلاق کا مالک بنایا جب طلاق کا مالک عورت کو نہیں بنایا تو رجعت کا بھی نہیں بنایا، اور مرد کو جس طرح طلاق بائنہ کا مالک نہیں بنایا، ایک مرتبہ محرم کا مالک بھی نہیں بنایا پس جب وہ اسقاط رجعت کا مالک نہیں ہے اثبات کا مالک کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ پھر تو مرد دو طلاقیں دینے کے بعد بھی تیسری کا مالک نہیں ہوا تو یہ غلط ہے، اللہ نے اسے طلاق کا حکم اس طرح دیا ہے کہ پہلے ایک طلاق دے، اب انقضائے عدت تک اسے رجعت کا حق حاصل ہے، پھر مناسب سمجھے تو دوسری اسی طرح دیدے، اب ایک طلاق کی ملکیت باقی رہ گئی، اسے بھی استعمال کرے تو عورت اس تدریج کے بعد اس پر حرام ہو گئی، جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرلے، تو اللہ نے ملکیت یوں دی ہے نہ کہ یوں کہ دوسرے مدارج چھوڑ کر یک جست طلاق حرام کو، بغیر دو طلاقیں دیے ہوئے اختیار کرلے ؎

؎ جو طلاق فوری طور پر دی جائے، اور وہ بھی مغلظہ، ظاہر ہے وہ وقتیہ برہمی اور اشتعال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جس پر بعد میں پچھتانا لازمی ہے۔
میاں بیوی کی تفریق مبنی کھیل ہے، یہ دو ہستیوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ ! کا معاملہ نہیں ہے ، یہ انفرادی معاملہ بھی نہیں ہے بلکہ ذاتی معاملہ بھی نہیں کہا جا سکتا ، اس کے ساتھ خاندان کی عزت ، ذاتی حرمت ، اولاد کا مستقبل بہت سی چیزیں وابستہ ہوتی ہیں ، لہٰذا مصلحت عملی کا تقاضا یہی ہے کہ تفریق کے راستے میں سہولتوں کے بجائے دشواریاں پیدا کی جائیں ، ساتھ ہی ساتھ ، اسلام غیر رضا کارانہ اجتماع وہ اتصال کا بھی قائل نہیں ہے ، اگر میاں بیوی میں نہیں نبھ سکتی ، تو علیحدگی ہو جانی چاہیے لیکن اس طرح کہ دونوں تمام پہلوؤں پر اچھی طرح سے غور کر لیں ، تاکہ بعد میں پشیمانی کی ضرورت نہ پڑے ، چنانچہ تدریجی طلاق میں یہی مصلحت رہے ، !

عدّت مختلعہ

شوہر سے خلع حاصل کرنے والی عورت کے مسائل

اس سے قبل بعض مواقع پر ہم بتا چکے ہیں کہ مختلعہ[1] کی عدّت ایک حیض ہے، عثمان بن عفان، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہی ہے، اسحاق بن راہویہ اور امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے، ہمارے شیخ[2] کا بھی اسی پر فتویٰ ہے۔

شوہر کی مار پیٹ کے باعث عورت خلع لے سکتی ہے

اب ہم اسناد کے ساتھ اس سلسلہ میں کچھ حدیثیں پیش کرتے ہیں:

نسائی نے اپنی مسند کبیر میں ایک باب عدت مختلعہ کے بارے میں باندھا ہے، اس میں ایک حدیث مروی ہے، جو ان سے ابو علی محمدؒ بن یحییٰ المروزی نے، انھوں نے شاذان بن عثمان ابو عبدان سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے علی بن مبارک سے، یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کی، وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن عبدالرحمان نے خبر دی، کہ ربیع بنت معوذ بن عفرا نے بتایا کہ ثابت بن قیس بن شماس نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا، ان کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی مجاد تھا۔

---

[1] مختلعہ وہ عورت ہے، جس نے شوہر سے خلع حاصل کر لیا ہو،

[2] ابن قیم جب "ہمارے شیخ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو امام ابن تیمیہ مراد ہوتے ہیں

جمیلہ کے بھائی نے اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ثابت کو طلب فرمایا۔

"جو کچھ یہ دیتی ہے اسے لے لو، اور اس کا راستہ چھوڑ دو!"

ثابت نے جواب میں عرض کیا،

"بہت بہتر!"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جمیلہ کو حکم دیا کہ ایک حیض تک وہ رکی رہیں، اور اپنے میکہ چلی جائیں۔[1]

---

[1] اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے "حقوق الزوجین" کا کتنا لحاظ رکھا ہے؛ اور خاص طور پر عورت کو ظلم و تعدّی سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کیے ہیں؛

اسلام کے پہلے مذاہب نے، عورت کا وجود تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسے کسی طرح کے حقوق نہیں دیے تھے، اس کی انفرادیت اور شخصیت کو کسی درجہ میں بھی تسلیم نہیں کیا تھا، وہ مال تجارت کی طرح ادھر سے ادھر منتقل ہوتی رہتی تھی۔

لیکن اسلام نے دفعتاً اسے پستی سے بلندی پر پہنچا دیا، اسے مردوں کا ہم پایہ بنا دیا، اور اسے وہ حقوق دیئے جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی!

انہی عدیم المثال حقوق میں سے ایک خلع کا حق بھی ہے۔

گزشتہ اوراق میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ طلاق کا حق مرد کو ہے، عورت کو نہیں، لیکن عورت کو طلاق کا بدل حاصل ہے، اور وہ خلع ہے، عورت طلاق نہیں دے سکتی، لیکن خلع لے سکتی ہے۔

مرد جب طلاق دیتا ہے، تو عورت کو مہر دیتا ہے جو کچھ بطور تحفہ اور عطیہ کے اب تک وہ زیورات یا زر نقد یا جائداد کی صورت میں دے چکا ہے، وہ واپس نہیں لے سکتا، اختتام عدت تک وہ اس کے نفقہ کا ذمہ دار ہے، اس کے لیے سکنیٰ کا انتظام کرنے پر مجبور ہے۔

اس کے برعکس عورت جب مرد سے خلع لیتی ہے، تو اسے ان ذمہ داریوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدّت کا مسئلہ

عکرمہؓ ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے ان سے جب خلع حاصل کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) عہدہ برآ نہیں ہوتا پڑتا، جو شوہر کے ذمہ از روے شرع عائد ہیں، جو کچھ وہ آسانی سے دے کر خلع حاصل کر لیتی ہے، گویا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ مرد طلاق دے کر گھاٹے میں رہتا ہے، اور عورت خلع لے کر فائدہ میں رہتی ہے، مرد کو طلاق کے وقت سے لے کر عدّت کے ختم ہونے تک برابر صرف کرنا پڑتا ہے، خواہ یہ اس کی استطاعت کے اندر ہو یا باہر، لیکن عورت صرف برائے نام کچھ تھوڑا بہت شوہر کو، اسی کی دی ہوئی چیزوں میں سے لوٹا دیتی ہے، اور خلع حاصل کر کے آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ عورت کے لیے اتنی بڑی سہولت ہے، جس کا اسلام سے پہلے تصوّر بھی نہیں کیا، جا سکتا۔

مرد اگر طلاق دینا چاہے تو از روے قرآن کریم پہلے اسے نباہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ اختلافات اور شکایات ہوں تو فریقین کے نامحدوں کو حالات روبراہ کرنے کی حکم کی حیثیت سے سعی کرنی چاہیے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو۔ اور نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ نظر آئے۔ تو شوہر طلاق دے سکتا ہے۔ لیکن شرعی طلاق۔ بیک وقت تین طلاقیں نہیں ہیں، ایک ایک مرتبہ کر کے دو طلاقیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

الطلاق مرتان، فامساك بمعروف اور تسریح باحسان

(یعنی طلاق ایک ایک کر کے دو مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق شوہر بیوی کو روک لے، (رجعت کر لے) یا بھلمنساہت اور شرافت کے ساتھ اسے رخصت کر دے)

غرض اسی طرح کے کئی مرحلے ہیں جو شوہر کو طے کرنا پڑتے ہیں، بخلاف اس کے عورت کے لیے یہ مرحلے ختم کر دیے گئے ہیں، وہ ان مرحلوں سے گزرے بغیر نہایت سادہ اور آسان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عدت ایک حیض قرار دی۔

قضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث کو ابوداؤد نے دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بالکل یہی سند لی ہے اور اس حدیث کو "حسن غریب" کہا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
طریقہ پر حکم حاصل کر کے نامرغوب اور نامطبوع شوہر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

کیا دنیا کا کوئی مذہب بھی عورت کو وہ حقوق آج تک دے سکا ہے جو اسلام نے آج سے ۱۴ سو برس پہلے اسے عطا کر دیئے تھے، ؟

اس حدیث سے جو فقہی نکتے پیدا ہوتے ہیں یہ ہیں،،

۱۔ شوہر اگر بیوی کو مارے تو وہ اس سے خلع لے سکتی ہے۔

۲۔ مہر معین ہوتا ہے، معین نہ ہو تو مہر مثل شوہر کو ادا کرنا پڑتا ہے، لیکن خلع کے لیے کوئی رقم معین نہیں ہے، نہ اس میں عرف، اور مثل کا قاعدہ چلتا ہے، بیوی جو کچھ آسانی سے دے سکے پیش کر دیتی ہے، اور وہ شوہر کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ خلع کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت خود فریادی بن کر عدالت میں پہنچے، اس کا کوئی قرابت دار بھی، مدعی بن کر پہنچ سکتا ہے، اور اس کی نالش پر، عدالت مدعا علیہ کو طلب کر کے فیصلہ کر سکتی ہے۔

۴۔ شوہر اگر طلاق دینا چاہے تو عورت طلاق لینے سے انکار نہیں کر سکتی، اسی طرح عورت اگر خلع لینا چاہے تو شوہر انکار نہیں کر سکتا، وہ عورت کی پیش کش قبول کر کے خلع دینے پر مجبور ہے۔ اور اگر انکار کرے، تو فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ قاضی خود اپنے اختیارات خصوصی سے کام لے کر نکاح فسخ کر سکتا ہے اور میاں بیوی میں تفریق کرا سکتا ہے،،

یہ حدیث موجب سنت و قضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور موافق اقوال صحابہ ہے، اور مقتضائے قیاس بھی ہے، اس کی عدت کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ جس سے برائت رحم ہو جاتی ہے۔[۱]

---

[۱] درحقیقت عدت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ معلوم ہو جائے عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ تاکہ نسب میں اختلاط اور اشتباہ واقع نہ ہو، عدت وفات اور طلاق میں، پہلی صورت سوگ کی ہوتی ہے، اور دوسری صورت مظلومیت کی، اور ان دونوں صورتوں میں عقد جدید کے لیے دل و دماغ کو تیار کرنے کے لیے نسبتاً زیادہ مہلت درکار ہوتی ہے اس لیے ان کی عدت ذرا طویل ہے، اور خلع چونکہ عورت خود لیتی ہے، لہٰذا اس کے لیے ایک ماہ کی عدت بہت کافی ہے،

بیوہ عورت کا زمانہ عدّت

شوہر کے گھر میں گزارنے کے احکام وشرائط

آں حضرت ؐ کا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیوہ عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے جہاں اس کی وفات ہوئی ہے، اور آپ ؐ کا یہ حکم اس حکم کے خلاف نہیں جاتا، جس کی رو سے آپ ؐ نے مبتوتہ عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی، اور جہاں مرضی ہو عدت گزار سکتی ہے۔

فریعہ بنت مالک کی حدیث سنن میں زینب بنت کعب بن عجرہ کی فریعہ بنت مالک امت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، انھوں نے اپنے میکہ بنی حذرہ واپس جانے کی اجازت چاہی، ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلے، راستے میں دشمن کے ہاتھ پڑگئے، جس نے انہیں قتل کرڈالا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا، میں اپنے گھر والوں کے پاس جاکر رہنا چاہتی ہوں، کیونکہ میرے شوہر نے کوئی ایسا مکان نہیں چھوڑا ہے جس کے وہ مالک ہوتے، نہ نفقہ کا کوئی بندوبست ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا، "ہاں ٹھیک ہے"!"

یہ سن کر میں واپس چلی، ابھی حجرہ نبوی یا مسجد نبوی میں ہی تھی کہ آپ ؐ نے مجھے واپس بلایا، اور پوچھا،

"تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

میں نے وہ ماجرا پھر سے کہہ سنایا،

آپؐ نے فرمایا، "اپنے گھر میں بیٹھو، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے"!
چنانچہ میں نے چار مہینے دس دن کی عدت وہاں گزار لی۔
وہ کہتی ہیں جب حضرت عثمانؓ کا عہد خلافت شروع ہوا، تو انھوں نے میرے پاس ایک آدمی بھیجکر میرا قصہ دریافت کرایا، میں نے پوری پوری بات بتادی، انھوں نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

اس حدیث پر جرح و تعدیل

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔!
ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں علماء حجاز و عراق کے نزدیک یہ حدیث معروف و مشہور ہے،
ابو محمد بن حزم کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ زینب ایک مجہول عورت ہیں، اور ان سے سعید بن اسحاق بن کعب کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی ہے، اور وہ عدالت کے اعتبار سے غیر مشہور ہیں۔
امام مالک وغیرہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

مؤطا میں یہ حدیث موجود ہے

ابو محمد ابن حزم نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث، صحیح ہے، حجاز اور عراق میں مشہور ہے، امام مالک نے اسے اپنی مؤطا میں درج کیا ہے، اس سے دلیل لاتے ہیں، اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے

ابن حزم کی جرح کا جواب

باقی رہا، ابن حزم کا یہ قول کہ زینب مجہول عورت ہیں، تو بے شک وہ ان کے نزدیک مجہول ہوں گی، ورنہ زینب تابعیات میں بلند درجہ رکھتی ہیں، وہ ابو سعیدؓ کی بیوی ہیں، ان سے سعد بن کعب بن اسحاق نے روایت کیا ہے، سعید نے نہیں، ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے،
ابو محمد ابن حزم نے علی بن المدینی کے قول سے دھوکا کھایا ہے، ورنہ ان سے سعد بن اسحاق کے سوا کسی نے روایت نہیں کی ہے۔
مسند امام احمد میں یعقوب کی حدیث ہے، وہ اپنے والد سے وہ ابن اسحاق سے، وہ عبداللہ بن عبدالرحمان سے۔ وہ معمر بن حزم سے وہ سلمان بن محمد بن کعب بن عجرہ سے، وہ اپنی پھپھی زینب بنت کعب بن عجرہ سے جو ابو سعید الخدری کی بیوی تھیں، وہ ابو سعید سے روایت کرتی ہیں کہ بعض لوگوں

نے حضرت علی کی شکایت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوتے، انھوں نے سنا آپؐ فرما رہے تھے:

" لوگو، علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم وہ ذات الٰہی (ایک روایت میں راہ خدا) کے معاملہ میں بہت سخت ہے، !"

اور یہ زینب ایک تابعی خاتون ہیں، اور ایک صحابی کی بیوی ہیں، ان سے بہت سے ثقات نے روایت کی ہے، اور کسی نے ان کے ایک حرف پر بھی طعن نہیں کیا ہے، ائمہ نے ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے،

ابن حزم کی جرح، پر تنقید

رہا ابن حزم کا یہ قول کہ سعید بن اسحاق عدالت کے اعتبار سے غیر مشہور ہیں تو اسحاق بن منصور نے یحییٰ بن لیث سے ان کے ثقہ ہونے کی روایت کی ہے،

نسائی کا قول بھی یہی ہے،

دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابو حاتم ان کو صالح کہتے ہیں،

ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے مثلاً حماد بن زید، سفیان ثوری، عبدالعزیز دراوردی ابن جریج، مالک بن انس، یحییٰ بن سعید الانصاری، زہری، حاتم بن اسماعیل، داؤد بن قیس اور جماعت کثیر نے ان کی روایت قبول کی ہے، نہ کسی نے ان پر قدح کی ہے، نہ جرح، بالاتفاق ایسے شخص سے احتجاج کیا جائے گا، اور دلیل لائی جائے گی، !

صحابہ اور تابعین کا اختلاف فکر و نظر

اس مسئلہ کے حکم میں صحابہ، اور تابعین کا اختلاف ہے۔

عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے، وہ عروہ بن زبیر سے، وہ عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت زمانۂ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، وہ اس کا فتویٰ دیا کرتی تھیں، بلکہ خود بھی، اپنی بہن ام کلثوم کو اپنے ساتھ لے گئیں، جب ان کے شوہر طلحہ بن عبید اللہ قتل ہوئے، ۔

چار مہینے دس دن کی عدت

ابن جریج عطاء سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن رکھی ہے، یہ کہیں نہیں فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھر میں عدت پوری کرے، لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جہاں چاہے عدت گزارے،

ابوالزبیر جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بیوہ عورت جہاں اس کی مرضی ہو عدت کا زمانہ بسر کرے۔

حضرت علی کا فیصلہ

عبدالرزاق ثوری سے، وہ اسماعیل بن ابی خالد سے، وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں کو ان کے زمانۂ عدت میں سفر کی اجازت دیا کرتے تھے،

عبدالرزاق نے محمد بن مسلم سے، انھوں نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ طاؤس اور عطا دونوں کہا کرتے تھے مبتوتہ اور بیوہ عورتیں حج و عمرہ کرسکتی ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتی ہیں، جہاں چاہیں رات گزار سکتی ہیں،

ابن جریج عطا سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت جہاں کہیں بھی عدت کا زمانہ بسر کرے کوئی حرج نہیں۔

ابن علیہ عمرو بن دینار سے، اور وہ عطا اور ابوالشعثاء سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ عورت زمانہ عدت میں جہاں چاہے آجاسکتی ہے۔

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے عطا سے تین طلاق والی مطلقہ اور بیوہ عورت کے بارے میں سوال کیا کہ آیا یہ عورتیں حج کرسکتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں کرسکتی ہیں،!،،

حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے۔

کیا بیوہ عورت میکہ میں عدت گزار سکتی ہے؟

ابن وہب کہتے ہیں، مجھے ابن لہیعہ نے خبر دی، اور انھیں حنین بن ابی حکیم سے روایت پہنچی کہ مزاحم کی بیوہ جب حامرہ میں بیوہ ہوگئیں، تو انھوں نے عمر بن عبدالعزیز

سے سوال کیا،

"کیا میں انقضائے عدت تک یہیں ٹھہروں؟"

انھوں نے جواب دیا، "اپنے میکہ چلی جاؤ، اپنے باپ کے گھر رہو جاکر! اور وہیں عدت پوری کرلو!"

ابن وہب ہی کی ایک روایت ہے کہ مجھے یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، اور انھیں یحییٰ بن سعید الانصاری سے روایت پہنچی، انھوں نے ایک آدمی کے بارے میں بتایا کہ اس کا اسکندریہ میں انتقال ہوگیا، اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، اس شخص کا ایک گھر اسکندریہ میں تھا ایک فسطاط میں تھا، انھوں نے اس سے کہا،

اگر تم چاہو تو وہاں عدت گزارو جہاں تمہارے شوہر کا انتقال ہوا تھا، جی چاہے تو اپنے شوہر کے گھر فسطاط میں چلی جاؤ، اور وہاں عدت بسر کرو، وہ فسطاط چلی گئیں۔

ابن وہب کی ایک اور روایت ہے کہ مجھے عمرو بن حارث نے خبر دی اور انھیں بکیر بن الاشج سے روایت ملی، انھوں نے کہا کہ میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے ایک عورت کے بارے میں سوال کیا، جسے اس کا شوہر اپنے ساتھ ایک شہر میں لے گیا، اور وہاں اس کا انتقال ہوگیا، تو اب وہ کیا کرے؟

سالم نے جواب دیا، "جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے وہاں بھی عدت گزار سکتی ہے، اور اپنے شوہر کے گھر بھی واپس جاسکتی ہے، وہاں عدت گزار لے۔

اہل ظاہر کے مذہب کی دو دلیلیں

یہ اہل ظاہر کا مذہب ہے۔ جو لوگ اس مسلک کے پیرو ہیں، وہ دو دلیلیں دیتے ہیں۔

ایک دلیل تو وہی ابن عباس والی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بیوہ عورت کے لیے چار مہینے دس دن کی عدت مقرر کی ہے، مگر یہ نہیں فرمایا ہے کہ کسی مکان معین میں عدت گزارے۔

دوسری دلیل وہ ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ہم سے احمد بن محمد المروزی نے، ان سے موسیٰ بن مسعود نے، ان سے شبلی نے، ان سے ابن ابی نجیح نے کہا کہ عطا بتایا کرتے تھے

کہ ابن عباس کا قول ہے کہ آیت قرآنی نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کی پابندی منسوخ کر دی، اب وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے، چاہے تو اپنے اہل میں عدت گزارے، جی چاہے چلی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ

عطا کہتے ہیں اس کے بعد میراث کا حکم نازل ہوا جس نے سکنیٰ کو منسوخ کر دیا، اب وہ جہاں چاہے زمانہ عدت بسر کر سکتی ہے۔

صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کا مسلک

لیکن صحابہ اور تابعین کا اور تبع تابعین کا ایک اور گروہ ہے، جو کہتا ہے کہ بیوہ عورت کو عدت شوہر ہی کے گھر میں بسر کرنی چاہیے، جہاں اس کا انتقال ہوا، اور جہاں انتقال کے وقت وہ تھی۔

وکیع کہتے ہیں ہم سے ثوری نے ان سے منصور نے، ان سے مجاہد نے ان سے سعید المسیب نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حج اور عمرہ کرنے والی بیوہ عورتوں کو ذی الحلیفہ سے واپس کر دیا۔

عبدالرزاق کہتے ہیں ہم سے ابن جریج نے، ان سے حمید الاعرج نے، ان سے مجاہد نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ، جحفہ اور ذی الحلیفہ سے، حاجات اور معتمرات (حج کرنے والی اور عمرہ کرنے والی عورتوں) کو واپس کر دیا کرتے تھے[1]

عبدالرزاق معمر سے، وہ ایوب سے، وہ یوسف بن ماہک سے، وہ اپنی والدہ مسیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت اپنے قرابت داروں سے ملنے آئی، یہ بات حضرت عثمان تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا۔

"اس عورت کو اس کے گھر پہنچا دو، اس کی مثال مکلفہ کی ہے"

یہ ہی معمر کی، اور ان کو ایوب سے، اور ان کو نافع سے اور ان کی ابن عمر سے روایت ہے کہ ان کی ایک لڑکی تھی جو بیوہ تھی، اور عدت گزار رہی تھی، وہ دن کو آ جاتی، اور بات چیت کرتی،

---

[1] یعنی، پہلے عدت کا زمانہ شوہر کے گھر میں ختم کر لیں پھر باہر قدم نکالیں۔

جب رات ہوتی تو اسے حکم دیتے کہ اپنے گھر واپس چلی جائے۔

حضرت عمرؓ کی اجازت

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہم سے وکیع نے، ان سے علی بن المبارک نے ان سے یحییٰ بن ابی کثیر نے، ان سے ابو ثوبان نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے بیوہ عورت کو اس کی اجازت دے رکھی تھی کہ دن دن میں اپنے قرابت داروں سے ملنے آسکتی ہے۔

عبدالرزاق سفیان ثوری سے وہ منصور بن المعتمر سے، وہ ابراہیم نخعی سے، وہ علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود سے ہمدان کی بعض بیوہ عورتوں نے کہا کہ ہم یہاں (اپنے گھروں میں) گھبراتے ہیں

ابن مسعود جواب دیا

"دن میں آجایا کرو رات کو اپنے اپنے گھر واپس چلی جایا کرو۔!"

حجاج بن المنہال بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ابو عوانہ نے، ان سے منصور نے، ان سے ابراہیم نے بیان کیا کہ ایک عورت نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہلایا کہ میرا باپ بیمار ہے، اور میں عدت میں ہوں کیا میں اس کی تیمارداری کو آسکتی ہوں؟

ام المومنین نے جواب دیا، "ہاں، کیوں نہیں!" لیکن رات اپنے گھر میں بسر کرنا۔!"

سعید بن منصور کہتے ہیں ہم سے ہشیم نے بیان کیا، اور انھیں اسماعیل بن ابی خالد سے خبر پہنچی، اور انھیں شعبی سے روایت ملی کہ ان سے ایک بیوہ عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ اپنے زمانہ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

انھوں نے جواب دیا،

اصحاب ابن مسعود کا مسلک

ابن مسعود کے اکثر اصحاب اس معاملہ میں بہت سخت تھے ان کا قول تھا کہ عدت والی عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، لیکن شیخ (یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) اسے سفر کی اجازت دیتے تھے۔

ابن عینیہ عمرو بن دینار سے، اور وہ عطا اور جابر سے روایت کرتے ہیں کہ،

بیوہ عورت اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔!"

وکیع حسن بن صالح سے، وہ مغیرہ سے، وہ ابراہیم سے بیوہ عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"اگر وہ ان میں باہر نکلے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن رات کو گھر سے باہر نہ رہے۔

فقہائے مذاہب کا مسلک

حماد بن زید ابوایوب سختیانی سے، وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، وہ بیمار تھی اس کے گھر والے شوہر کے گھر سے اسے منتقل کر کے اپنے ہاں لے آئے، پھر مسئلہ دریافت کیا سب نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر واپس بھیج دی جائے،

ابن سیرین کہتے ہیں پھر ہم نے اسے واپس کر دیا۔

امام احمد، امام مالک، امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ رحمھم اللہ اور ان کے اصحاب نیز اوزاعی ابوعبید اور اسحاق کا مسلک بھی یہی ہے، شام، حجاز، مصر، اور عراق کے فقہاء امصار بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، ان سب کی دلیل فریعہ بنت مالک کی حدیث پر ہے حضرت عثمان نے بھی اسے قبول کیا اور اسی پر مہاجرین و انصار کی موجودگی میں فیصلہ فرمایا۔

اہل مدینہ، حجاز و شام و مصر کے اہل علم نے اسے قبول کیا، اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اس حدیث میں کوئی طعن ہے،

قبول روایت کے بارے میں امام مالک رح کے تشدد اور سختی کا حال معلوم ہے، ان سے ایک آدمی نے کسی شخص کے بارے میں سوال کیا۔

"کیا وہ ثقہ ہے؟"

امام مالک رح نے جواب دیا، اگر ثقہ ہے تو میری کتاب میں موجود ملے گا۔

چنانچہ امام مالک رح نے اپنی کتاب "موطا" میں اس روایت کو شامل کیا ہے اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے

سنت کا فیصلہ آخری ہے

اس قول کے اصحاب کہتے ہیں کسی مسئلہ میں ہم سلف سے نزاع نہیں کرتے لیکن سنت تنازعہ کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیتی ہے،

ابوعمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جہاں تک سنت کا تعلق ہے بحمداللہ اس سے یہ مسلک ثابت ہے، رہا اجماع سو اس کی ثبوت سنت کے بعد ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف

رونما ہو تو وہ قول قبول کیا جائے گا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو!

اہل رخصت وعزیمت کا فرق

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی وہ کہتے ہیں جو لوگ صاحب رخصت ہیں[1]، وہ حضرت عائشہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، جو اہل عزیمت ہیں[2] وہ ابن عمر کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ دورانِ عدت میں بیوہ کا شوہر کے گھر رہنا عورت پر حق ہے، یا عورت کا حق ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ عورت پر حق ہے، اگر ورثا نے اس کے لیے جگہ چھوڑ دی ہو اور اس میں اس کے لیے کوئی ضرر بھی نہیں ہے، لیکن اب اس کے لیے مسکن موجود ہے، لیکن وارث اس میں مداخلت کریں، یا اس سے کرایہ طلب کریں، تو وہ شوہر کا مسکن چھوڑ سکتی ہے، پھر اس پر وہاں رہنا لازم نہیں ہے؟ جائز ہے،

ایک استفتا اور اس کا جواب

اس قول کے اصحاب کے مابین پھر ایک اختلاف پیدا ہوتا ہے، کہ ایسی صورت میں بیوہ جہاں چاہے جا سکتی ہے، یا اسے شوہر کے گھر سے قریب ترین مسکن میں رہنا چاہیے؟

اس صورت مسئلہ میں جواب یہ ہے:

اگر عورت کو مکان کے منہدم ہو جانے، یا غرق ہو جانے کا یا کسی اور طرح کا خطرہ ہو، یا صاحب منزل نے اسے ترک مسکن پر مجبور کیا ہو، اور وہ واپس آجائے، یا وہ مکان کرایہ پر ہو، اور جتنے دنوں کے لیے کرایہ پر دیا گیا تھا اس کی مدت ختم ہو گئی ہو یا وہاں ازراہ تحدّی اسے قیام کرنے سے روکا جائے، یا اس کا کرایہ دینا اس کے بس سے باہر ہو، یا اس سے عام نرخ سے زیادہ کرایہ طلب کیا جائے

---

[1] اہل رخصت وہ لوگ جو ہمت کے کچے ہوں، اور جنھیں کمزور طبعی کی بنا پر از روئے شریعت قانون میں لچک پیدا کر کے سہولت دیدی جائے، مثلاً نیسرے فاقہ مردار کھانے کی اجازت۔

[2] اہل عزیمت — جو باحوصلہ ہوں، اور رعایت وسہولت کے طالب نہ ہوں، مثلاً مر جانا لیکن مردار چیز نہ کھانا

لیکن امام احمدؒ کے نزدیک بیوہ عورت کا شوہر کے گھر میں عدت گزارنا، رجعیہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہے اور بائن میں واجب نہیں ہے،

اصحاب شافعیؒ اور امام احمدؒ کی نص

اصحاب شافعیؒ نے امام احمدؒ کی نص پر، جو بیوہ عورت کے لیے شوہر کے گھر میں لازم ہونے پر دال ہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق نص آخر پر، جس میں حق سکنیٰ سے انھوں نے انکار کیا ہے، اعتراض وارد کیا ہے، وہ کہتے ہیں، ایک ساتھ دو نصیں کیونکر واجب ہو سکتی ہیں۔

اس کا جواب اصحاب احمدؒ دو طرح سے دیتے ہیں،!

ایک جواب تو یہ ہے کہ اس قول کے مطابق لزوم مسکن بیوہ عورت پر واجب نہیں ہے، لیکن وارث اجرت مسکن اپنے اوپر عائد کر لیں، تو اس صورت میں عدت پر لزوم مسکن واجب ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ لزوم مسکن عورت پر بایں صورت واجب ہے کہ اسے کوئی ضرر نہ ہو یعنی اگر اس سے کرایہ طلب کیا جائے، یا وارث اسے نکال دیں، یا مالک مکان اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دے، تو یہ ضرر ہے، اور اس صورت میں لزوم مسکن ساقط ہو جائے گا۔

اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول

لیکن اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ مطلقہ رجعیہ اور بائن کے لیے، زمانۂ عدت میں دن کو یا رات کو کسی وقت بھی، شوہر کے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے،

لیکن بیوہ عورت دن میں، اور رات کے شروع کے حصہ میں بہ ضرورت باہر نکل سکتی ہے، لیکن ساری رات اپنے مسکن کے سوا کہیں اور نہیں گزار سکتی۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ مال زوج (شوہر) پر ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے خروج بہ خلاف زوجۂ متوفی عنہا (بیوہ) جائز نہیں، کیونکہ بیوہ عورت کا نفقہ نہیں ہوتا، لہٰذا ضروری ہے کہ دن میں اپنی ضروریات اور احتیاجات پوری کرنے کے لیے باہر نکل سکے، البتہ اس پر یہ لازم ہے کہ اس مکان میں اقامت رکھے جہاں اس کا شوہر مرا تھا، لیکن اگر اس کے حصہ میں اتنا آئے جو اس کی اقامت کے لیے کافی نہ ہو، یا میت کے وارث اسے نکال دیں تو وہ جہاں چاہے منتقل ہو سکتی ہے،

البتہ سکنائے نکاح[1] دوسری چیز ہے۔
نکاح کا سکنیٰ زوجین کا حق ہے،
اور صحیح و منصوص روایت یہ بھی ہے کہ رجعیہ کا سکنیٰ بھی اسی طرح کا ہے وہ بھی دونوں کے اتفاق سے باطل نہیں ہو سکتا۔۔۔!، نص آیت کا اقتضا بھی یہی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ سے بھی یہی منصوص ہے۔

امام احمد کی روایات سہ گانہ

لیکن امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ بیوہ عورت کا سکنیٰ ہر حالت میں واجب ہے، خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو۔
اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ سے تین روایتیں مذکور ہیں، !
۱۔ وجوب حق سکنیٰ حائل اور حامل (حاملہ اور غیر حاملہ) دونوں کے لیے۔
۲۔ حق سکنیٰ کا اسقاط دونوں کے حق میں۔
۳۔ حق سکنیٰ کا وجوب صرف حاملہ عورت کے لیے، غیر حاملہ عورت کے لیے نہیں۔
یہ ہے متوفی عنہا (بیوہ) عورت کے لیے امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب اور اس کے مختلف پہلو،۔!،

امام مالکؒ کا مسلک

اب رہے امام مالک رحمۃ اللہ، سو ان کا مذہب یہ ہے کہ بیوہ عورت کا حق سکنیٰ واجب ہے، خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور یہ سکنیٰ اس وقت تک واجب رہے گا جب تک عدت کی مدت ختم نہ ہو جائے۔

---

[1] نکاح کا سکنیٰ یہ ہے کہ شادی کے بعد، بیوی کے لیے مسکن کا انتظام کرنا اور اس کے مصارف برداشت کرنا شوہر پر واجب ہے، لیکن اگر بیوی اس ذمہ داری سے شوہر کو سبکدوش کر دے، اور دستبردار ہو جائے، تو یہ حق ساقط ہو جائے گا، ازروئے شرع شوہر پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔
لیکن بیوہ یا مطلقہ رجعیہ کا سکنیٰ اللہ کا حق ہے، یہ کسی صورت میں ساقط نہیں ہو سکتا۔

ابو عمر کا قول ہے کہ اگر مسکن کرایہ پر ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بیوہ عورت کا یہ حق سکنیٰ، قرضخواہوں، اور وارثوں پر متقدم ہوگا، پہلے یہ دیا جائے گا، پھر دوسرے مدات پر توجہ کی جائے گی، اور سکنیٰ کے مصارف میت کے راس المال سے ادا کیے جائیں گے، بجز اس صورت کے کہ مسکن کرایہ پر ہو، اور اہل مسکن عورت کو نکالنے کے درپے ہوں، لیکن اگر مسکن شوہر کی ملکیت ہو، تو اسے اس وقت تک قرض چکتا کرنے کے لیے فروخت نہیں کیا جا سکتا، جب تک عدت پوری نہ ہو جائے،

عدت کا سکنیٰ زیادہ قوی حق ہے

بعض اصحاب مالک رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ بیوہ عورت کا سکنیٰ قرض خواہوں اور وارثوں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، بشرطیکہ مکان شوہر کی ملکیت ہو، یا اگر کرایہ پر ہو تو اس کا کرایہ ادا کیا جا چکا ہو، لیکن اگر کرایہ نہ ادا کیا گیا ہو تو تہذیب میں ہے کہ مال میت میں سے سکنیٰ کے مصارف نہیں دیے جائیں گے، اگرچہ مرحوم شوہر نے کافی دولت کیوں نہ چھوڑی ہو۔

محمد مالک رح سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کرایہ مسکن میت پر لازم ہے، زوجہ اس پر کوئی حق نہیں رکھتی، وہ وارثوں سے اس باب میں نہیں جھگڑ سکتی، وارث اگر چاہیں تو اسے نکال سکتے ہیں، بجز اس صورت کے کہ وہ اپنے حصّہ میں اقامت گاہ میں آ جائے اس کا کرایہ ادا کرے۔

امام شافعی کے دو قول

امام شافعی رحمۃ اللہ کے دو قول ہیں بیوہ عورت کے سکنیٰ کے بارے میں۔!

ایک قول تو یہ ہے کہ اس کا حق سکنیٰ واجب ہے، خواہ وہ پیٹ سے ہو یا نہ ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں خواہ وہ پیٹ سے ہو یا نہ ہو، حق سکنیٰ واجب نہیں ہے، لیکن وہ شوہر کے گھر میں رہنے پر عدت کے ختم ہونے تک رہنے پر مجبور ہو، خواہ وہ بیوہ ہو یا بائن، اور یہ پابندی بیوہ کے مقابلے میں بائن عورت کے لیے زیادہ موکد ہے، کیونکہ بیوہ عورت دن میں اپنے احتیاجات پورے کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، لیکن بائن نہیں نکل سکتی البتہ رجعیہ کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا حق سکنیٰ واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

یا اس کی حالت اس کی مقتضی نہ ہو کہ کرایہ دے سکے یا یہ کرایہ اسے اپنی جیب خاص سے ادا کرنا پڑے تو وہ شوہر کے مسکن سے منتقل ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ معقول عذر ہے، کیونکہ اس کے ذمہ شوہر کے گھر رہ کر عدت پوری کرنا ہے، عدت پوری کرنے کے لیے گرہ سے درم خرچ کرنا نہیں ہے، کیونکہ اس پر واجب جو کچھ تھا وہ سکونت کا فعل تھا نہ کہ تحصیل مسکن، اور جب یہ چیز اس کے بس سے باہر ہو تو پھر یہ پابندی بھی ساقط ہو جائے گی۔

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول یہی ہے۔

زمانۂ عدت کے مصارف

اور اگر کہا جائے کہ آیا بیوہ عورت کا شوہر کے گھر میں عدت گزارنے کے مصارف کس پر ہوں گے؟ اور اس حق کے باعث زوجہ کو قرضخواہوں یا میراث پر تقدم ہوگا؟ یا پھر یہ صورت ہے کہ اس کا ترکہ میں سوا میراث کے کوئی حق نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عورت حائل (حاملہ نہیں) ہے تو ترکہ میں سے سکنیٰ کے مصارف نہیں ادا کیے جائیں گے، لیکن اس کے لیے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا لازم ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو، تو اس میں دو روایتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس صورت میں حکم جوں کا توں رہے گا، دوسری یہ کہ عورت کا حق سکنیٰ شوہر کے مال میں ثابت ہے، یہ حق، قرضخواہوں، اور وارثوں پر مقدم ہے، یعنی پہلے یہ دیا جائے گا، پھر قرضخواہوں اور وارثوں کو ان کا حق ملے گا، اور یہ حق راس المال پر ہوگا وہ گھر بیچ کر جس میں وہ رہتی ہے قرض نہیں ادا کیا جا سکتا، یہاں تک کہ وہ عدت گزار لے، اور اگر یہ متعذر ہو تو وارث پر یہ واجب ہے کہ مال میت میں اس کے لیے کرایہ پر مسکن حاصل کرے، اور اگر وارث ایسا کرنے سے انکار کر دے یا نہ کرے تو حاکم اسے مجبور کرے گا کہ مال میت میں سے یہ حق ادا کرے، وہ شدید ضرورت کے سوا کسی طرح بھی شوہر کا گھر نہیں چھوڑ سکتی، بلکہ اگر وارث اور عورت دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ عورت گھر چھوڑ دے تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سکنیٰ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہٰذا اس بارے میں ہر دو کا اتفاق بھی جائز نہیں ہوگا کہ اس حق کو باطل کر دیں۔

کیونکہ یہ عذر واقعی ہے، اس کا اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا ایک طرح کی عبادت تھی، اور اگر کوئی معقول عذر موجود ہو تو عبادت ساقط ہو جاتی ہے۔

اصحاب ابو حنیفہ کا یہ قول بھی ہے کہ جس گھر میں وہ رہ رہی ہے اس کا کرایہ زیادہ ہے اور اسے ادا کرنے سے وہ عاجز ہے، تو وہ ایسے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے جس کا کرایہ کم ہو،

اصحاب ابو حنیفہ کے اقوال سے کیا مستنبط ہوتا ہے

اصحاب ابو حنیفہ کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ:

— : اجرتِ مسکن عورت پر ہے، اور اگر وہ اجرت ادا کرنے سے عاجز ہو تو سکنیٰ ساقط ہو جائے گا۔

— : عورت کو شوہر کی جائداد میں سے جو ترکہ ملے گا، تو وہ اپنے حصہ میں اقامت کرے گی اگر وہ کفایت کرے، اور اگر اس کی اقامت گاہ میں دوسرے وارثوں کا بھی کچھ حصہ آجائے گا تو اس کا کرایہ ادا کرے گی —!، کیونکہ بیوہ عورت خواہ حاملہ ہو یا نہ ہو کسی صورت میں بھی اس کا حق سکنیٰ واجب نہیں ہے البتہ وہ اس گھر میں لازمی طور پر رہے گی، جہاں اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہیں دن رات اقامت رکھے گی، اگر وارثوں نے اجازت دے دی، نہ دی تو کرایہ دے گی —!،

شوہر کے گھر میں بیوہ عورت کا قیام لازم نہیں

فریعہ بنت مالک رحمتہ اللہ کو اس حدیث کے سلسلہ میں اسی مثال سے دوچار ہونا پڑا، جو فاطمہ بنت قیس کو اپنی حدیث کے سلسلہ میں پیش آئی تھی، اس مسئلہ میں بھی بعض متنازعین کہتے ہیں ہم اپنے رب کی کتاب ایک عورت کے کہنے سے ترک نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے اعتداد (عدت) کی مدت چار مہینے دس دن رکھی ہے، اور شوہر کے گھر رہنے کا حکم نہیں دیا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیوہ عورت کے لیے شوہر کے گھر میں لزوم قیام سے انکار کیا ہے، بلکہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

حدیث فریعہ پر بحث :- بعض لوگ جو حدیث فریعہ میں منازعت کرتے

ہیں کہتے ہیں، عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خلق کثیر صحابہ میں سے، جنگ احد یوم بئر معونہ، یوم موتہ وغیرہ میں شہید ہوئے، اور ان کے قتل کے بعد ان کی ازواج (بیویوں) نے عدت بھی گزاری، پس اگر ان میں سے ہر عورت نے شوہر ہی کے گھر میں عدت گزاری ہوتی تو یہ بات چھپی نہ رہتی، ہر شخص کے علم میں ہوتی پھر یہ بات دوسرے جلیل القدر صحابہ سے کیسے چھپی رہتی پھر یہ بات کہ اگر یہ سنت جاریہ ہوتی تو فریعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے میکہ جانے کی اور وہاں رہنے کی اجازت نہ طلب کی ہوتی، اور پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دی، پھر واپس لے لی، اگر یہ امر مستمر ہوتا، اور ہر طرح سے ثابت ہوتا تو ایسا کیونکر ہو سکتا تھا ـــــ؟

حضرت عثمان کا فیصلہ

دوسرے لوگ کہتے ہیں اس واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے وہ سنت صحیحہ، صریحہ رد کر دی جائے، جسے امیر المومنین عثمانؓ اور دوسرے اکابر صحابہ نے قبول کیا، بلکہ حضرت عثمانؓ نے تو اسے نافذ بھی کیا۔

کیا عورتوں کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی؟

اور اگر یہ بات ہے کہ ہم عورتوں کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں قبول کر سکتے تو یہ بھی غلط ہے، سنن اسلام کی بہت سی سنتیں ہیں جن کی روایت صرف عورتوں ہی سے ہم تک پہنچی ہے۔

رہی یہ بات کہ کتاب اللہ میں لزوم منزل کا ذکر نہیں ہے اور سنت میں ہے اور سنت خلاف قرآن ہو، پھر کیسے قبول کر لی جائے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت قرآن کے خلاف کیا ہے، ؟ وہ تو محض اس کا بیان اور توضیح و تشریح ہے، ایک ایسے مسئلہ کے بارے میں جس پر وہ ساکت ہے، ایسی سنت کسی طرح بھی رد نہیں کی جا سکتی، اور یہ وہی چیز ہے جس سے رسول اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا ہے کہ ایسا نہ ہو جس حکم کی مثال قرآن میں نہ ہو، اور سنت میں ہو اسے ترک کر دیا جائے۔

حضرت عائشہ اور حدیث فریعہ

رہا ام المؤمنین عائشہ رضؓ کا ترک حدیث فریعہ کو یا تو یہ حدیث ان تک نہیں پہنچی۔

یا پہنچی مگر انھوں نے اس کی کوئی دوسری تاویل کرلی، یا ان کے سامنے اس کی معارض کوئی اور روایت ہوگی ——!

ایک اعتراض اور اس کا جواب

باقی رہے وہ لوگ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قتل ہوتے، یا آپؐ کے زمانہ میں فوت ہوئے تو ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ ان کی بیواؤں نے جہاں چاہا وہاں عدت گزاری، ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو حدیث فریعہ کی مخالف ہو۔

عبدالرزاق ابن جریج سے، وہ عبداللہ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ مجاہد کی روایت ہے کہ جنگ احد کے مقتولین کی بعض بیویاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں۔

"یارسول اللہ ہم رات میں گھبراتے ہیں، لہٰذا ہم صبح تک اپنے میں سے کسی کے پاس رہتے ہیں، جب صبح ہوتی ہے اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں، !"

آپؐ نے فرمایا، "جب رات ہو اور تم سونا چاہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے گھر میں رات بسر کرے[1]!"

---

[1] یہ ہدایت سراسر حکمت اور مصلحت عمری پر مبنی ہے، ایک بیوہ عورت کو لوگ بڑی آسانی سے بدنام کرسکتے ہیں، وہ بڑی آسانی سے متہم کی جاسکتی ہے، لہٰذا اسے قید مقامی کا پابند کیا گیا ہے تاکہ نہ اس پر انگلیاں اٹھ سکیں، نہ اس کے بارے میں چہ می گوئیاں ہو سکیں، اور اس کے خلاف افواہ سازی کا سلسلہ جاری ہو سکے، بیوگی اور عدت کا زمانہ پوری احتیاط سے گزار لینا بہتر اور خوش زندگی اور مستقبل کا ضامن ہے، لہٰذا اس عرصہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جو موضع تہمت بن سکے، کیونکہ ایک ذرا سی بات اگرچہ وہ بے بنیاد ہی کیوں نہ ہو اس کی زندگی اور مستقبل کو برباد کرسکتی ہے —— پس احتیاط اور دانش کا تقاضا یہی ہے کہ یہ زمانہ پوری احتیاط کے ساتھ گزارا جائے۔

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن ظاہر ہے مجاہد نے یا تو اسے کسی ثقہ تابعی سے سنا ہوگا، یا صحابی سے اور تابعین میں سے کسی سے کذب ثابت نہیں ہے، اور وہ فضیلت والے زمانہ کے دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم خود دیکھا بھی ہے، ان سے علم حاصل کیا ہے، وہ صحابہ کے بعد خیر الامت ہیں، ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ آپؐ پر جھوٹ بولنے کی جراءت کریں گے، یا جھوٹوں کی روایت قبول کریں گے، خاص طور پر ایسا تابعی عالم جو روایت میں حد درجہ محتاط ہو۔

احداد معتدہ، نفیاً و اثباتاً

شوہر اور قرابت داروں کا سوگ اور اس کے شرائط و مسائل

صحیحین میں حمید بن نافع زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فریل کی تین حدیثیں روایت کیں،

۱۔ ام المومنین ام حبیبہؓ کی مثال

زینب کہتی ہیں: میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے والد ابوسفیان کی وفات ہوئی تھی، ام حبیبہ رضی نے خوشبو منگوائی، ایک جاریہ نے وہ ان کے لگائی، پھر ان کے دونوں رخسار پر اسے لگایا، حضرت ام حبیبہ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر منبر فرماتے سنا ہے، کہ آپؐ فرما رہے تھے جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے سوائے شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے۔

۲۔ حضرت زینب بنت جحش کی مثال

زینب کہتی ہیں، پھر میں زینب بنت جحش کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوئی جب ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا، انھوں نے خوشبو منگائی، اور اسے لگایا، پھر فرمایا: خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہیں تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے آپؐ برسر منبر فرما رہے تھے، کسی ایسی عورت کے لیے جو خدا، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں ہے کہ میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے، سوا شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینے

دس روز ہے۔

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

زینب کہتی ہیں میں نے اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ فرما رہی تھیں کہ ایک عورت ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے عرض کیا،

"یارسول اللہ میری بیٹی بیوہ ہو گئی ہے، وہ مرض چشم میں مبتلا ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے — ؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، :

"نہیں، — نہ ایک مرتبہ، نہ دو مرتبہ، نہ تین مرتبہ!"

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، :

شوہر کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے،

میت کا سوگ تین دن سے زیادہ نہیں کرنا چاہیے

صحیحین میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کا سوگ کوئی عورت تین دن سے زیادہ نہ منائے سوا شوہر کے، جس کا سوگ چار مہینے دس دن تک کا ہے، اور اس عرصہ میں نہ کوئی رنگا ہوا کپڑا استعمال کرے، نہ سرمہ لگائے، نہ خوشبو استعمال کرے، سوا طہارت کے لیے تھوڑی سی قسط یا اظفار کے۔

سوگ کی مدت میں سرمہ سے پرہیز

سنن ابوداؤد میں ابن وہب کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں مجھے — انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ میں نے مغیرہ بن ضحاک سے سنا، وہ کہتے تھے، مجھے ام حکیم بنت اسید نے اپنی ماں کے حوالہ سے خبر دی کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اور ان کی آنکھیں خراب تھیں، تو انھوں نے جلا کا سرمہ لگایا اور اپنی خادمہ کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کیا وہ جلاء کا سرمہ لگا سکتی ہیں،

حضرت ام سلمہ نے جواب دیا، جب تک شدید ضرورت نہ ہو کوئی سرمہ نہ لگائیں، اور اگر لگائیں۔ (شدید ضرورت کے باعث) تو رات کو لگائیں، اور دن کو پونچھ دیں،

اس سنت سے حاصل شدہ احکام — یہ سنت احکام عدیدہ کی حامل ہے، ایک یہ کہ میت کا سوگ، خواہ وہ کیسا ہی قرابت دار کیوں نہ ہو، تین دن سے زیادہ نہ منانا چاہیے، سوا شوہر کے اس کا سوگ چار مہینے دس دن کا ہے۔

— سوگ کی دو قسمیں ہیں، ایک واجب ہے ایک جائز، شوہر کا سوگ واجب ہے، دوسروں کا جائز ہے،

— دوسرا نکتہ حقدار احداد (سوگ) سے متعلق ہے پس احداد زوج (شوہر کا سوگ) عزیمت ہے، اور دوسروں کا سوگ رخصت!

بیوہ کے سوگ پر اجماع امت بیوہ کے لیے سوگ منانے پر ساری امت کا اجماع ہے، بجز اس روایت کے جو حسن اور حکم بن عیینہ کی ہے۔

حسن کی روایت یوں ہے کہ حماد بن سلمہ حمید سے روایت کرتے ہیں کہ تین طلاقوں والی عورت اور بیوہ، سرمہ بھی لگا سکتی ہیں، کنگھی بھی کر سکتی ہیں، خوشبو بھی استعمال کر سکتی ہیں، خضاب بھی لگا سکتی ہیں، جہاں چاہیں نقل مکانی بھی کر سکتی ہیں، جو چاہیں کر سکتی ہیں،

حکم کی روایت یوں ہے کہ شعبہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ بیوہ کے لیے کوئی سوگ نہیں ہے۔

تین دن کے بعد سوگ ختم ابن حزم کہتے ہیں کہ اس قول کے جو لوگ علمبردار ہیں، وہ عبداللہ بن شداد بن الہاد کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کی بیوی سے فرمایا کہ جب تین دن گزر جائیں، تو جو چاہو پہن سکتی ہو!"

اور حماد بن سلمہ نے حجاج بن ارطاۃ سے انھوں نے حسن بن سعد سے انھوں نے عبداللہ بن شداد سے روایت کی کہ اسماء بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ جعفر پر روئیں، یہ اسماء ان کی بیوی تھیں، آپ نے تین دن کی اجازت دے دی، پھر تین دن کے بعد ان سے کہلایا

کہ اب غسل کریں، لباس بدلیں، اور سرمہ لگائیں، ۔۔۔!،،

لیکن یہ حدیث منسوخ ہے

لیکن اس استدلال کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث احادیث احداد سے منسوخ ہے، جن میں سوگ کی تفصیل بتائی گئی ہے اور جو اوپر گزر چکی ہے۔

نیز اس استدلال میں ایک خامی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ اس کے آخری راوی عبداللہ بن شداد بن الہاد ہیں اور انھوں نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کچھ سنا، نہ آپ کی زیارت کی، پھر یہ حدیث ان احادیث صحیحہ پر کس طرح تقدم حاصل کر سکتی ہے، جن میں کوئی طعن نہیں ہے؟

اسی طرح حجاج بن ارطاۃ کی حدیث، ان احادیث کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی، جو ائمہ حدیث کی روایت کردہ ہیں، اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا ہیں،

سوگ عدت کا تابع ہے

:- سوگ، تابع ہے عدت کا، جو مہینوں کے حساب سے ہو، پس حاملہ کے وضع حمل کے بعد، عدت اور احداد دونوں ساقط ہو جائیں گے، اب وہ بناؤ سنگھار بھی کر سکتی ہے۔ خوشبو بھی استعمال کر سکتی ہے، اور شادی بھی کر سکتی ہے۔

ہر عورت پر احداد کا نفاذ ہوگا

احداد کا نفاذ ہر طرح کی بیویوں پر ہوگا، خواہ وہ مسلمہ ہوں یا کافرہ، آزاد ہوں، یا باندی، کم سن ہوں، یا مسن، جمہور کا قول یہی ہے، امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہ قول ہے۔

لیکن ابن اشہب اور نافع اس سے اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ذمیہ پر کوئی سوگ نہیں ہے۔

اشہب نے مالک رحمۃ اللہ سے روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کا قول بھی یہی ہے، کہ صغیرہ[1]

---

[1] کم سن)

پر بھی سوگ نہیں ہے۔

کیا کافرہ اس حکم کی مکلف نہیں

اس قول کے جو اصحاب علمبردار ہیں وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ان عورتوں کو دیا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں، لہٰذا کافرہ کو حکم احداد کا مکلف نہیں قرار دیا جا سکتا، وہ وہی کرے گی جو اس کے دین و شریعت کا اقتضا ہے۔

لیکن جو لوگ احداد کو ذمیہ پر واجب گردانتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ مسلمان شوہر کا حق ہے جو اسے ادا کرنا چاہیے، اس کی مثال غیر مسلموں کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی ہے، اور معاہدے کی صورت میں غیر مسلم احکام اسلام کے تابع ہیں، اگرچہ ان کے باہمی عقود میں اسلام مداخلت نہیں کرے گا۔ اگر ذمیہ اپنے ذمی شوہر کی عدت نہ منائے تو اس سے باز پرس نہ ہوگی، لیکن مسلمان شوہر کی عدت گزارنے پر وہ مجبور ہے،

باندی اور ام ولد پر سوگ نہیں

"سوگ، باندی، اور ام ولد پر واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں باقی عدہ بیویوں میں شمار نہیں کی جا سکتیں۔"

ابن منذر کہتے ہیں یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔

اگر سوال کیا جائے کیا باندی اور ام ولد تین دن کا سوگ منائے گی؟ تو جواب اثبات میں ہوگا، کیونکہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کیا جا سکتا، صرف شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن کا ہے۔ لہٰذا باندی اور ام ولد اس گروہ میں داخل ہیں جن کے لیے احداد جائز ہے اور اس گروہ میں نہیں شمار ہوں گی جس پر واجب نہیں ہے،

خوشبو سے سوگ کے درمیان میں اجتناب لازم ہے

— وہ چیزیں جن سے حادہ (سوگ منانے والی) کو اجتناب کرنا چاہیے، وہ نص سے ثابت ہیں، نہ کہ آرا و اقوال بے دلیل سے۔

ان میں ایک خوشبو ہے، خوشبو میں مشک، عنبر، کافور، بخور، اور خوشبو دار تیل وغیرہ شامل ہیں لیکن زیتون اور گھی وغیرہ شامل نہیں ہے۔

زینت بدن سے بھی پرہیز کرنا چاہیے

— دوسری چیز زینت بدن ہے، لہٰذا

سوگ منانے والی عورت پر خضاب، نقش، تطریف وغیرہ حرام ہیں،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کے بارے میں خاص طور پر تنبیہ کی ہے، کیونکہ اس سے زینت کا بھرم بہت بڑھ جاتا ہے، در حقیقت یہ بہت بڑا فتنہ ہے، اور مقصود سوگ کی ضد ہے۔

اسی طرح سرمہ بھی ہے، اس کی ممانعت نص صحیح و صریح سے ثابت ہے۔

بعض اصحاب شافعی کا قول

چنانچہ سلف و خلف کے ایک گروہ تھے جس میں ابو محمد ابن حزم بھی ہیں، کہا ہے کہ سوگ منانے والی عورت سرمہ نہ لگائے نہ دن کو، نہ رات کو، خواہ اس کی آنکھیں کیوں نہ ضائع ہو جائیں[1] کوئی شبہہ نہیں سرمہ خوشبو کی طرح بہت بڑی زینت ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ،

بعض شافعی اصحاب کا قول ہے کہ سیاہ رو عورت سرمہ لگا سکتی ہے، لیکن یہ تصرف ہے اور مخالف نص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اسود و ابیض کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتے، جس طرح بلند قامت اور پستہ قد کے درمیان کسی طرح کا فرق جائز نہیں رکھتے۔

جمہور علماء کا مسلک

لیکن جمہور علماء، مثلاً، مالک، احمد، شافعی، اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ عورت اگر مجبور ہو جائے سرمہ لگانے پر تو دوا کے طور پر نہ کہ زینت کے طور پر لگا سکتی ہے، لیکن رات کو لگائے، اور دن کو پونچھ ڈالے، دلیل میں یہ حضرت ام سلمہ کی حدیث پیش کرتے ہیں، جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے،

زینت لباس بھی ممنوع ہے

ایک اور ممنوع چیز، زینت لباس ہے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے آپ نے فرمایا ہے کہ اس مدت میں رنگا ہوا کپڑا استعمال کیا جائے، اور یہ عام ہے، اس میں تمام رنگے ہوئے کپڑے آجاتے ہیں

---

[1] یہ غیر ضروری قسم کی انتہا پسندی ہے، جو اسلام کی روح کے منافی ہے، اسلام کے نزدیک انسان کی جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں، اور زندگی بچانے کے لیے انسان منہیات شرع تک کا ارتکاب کر سکتا ہے۔

سرخ، زرد، سبز، نیگوں سب ہر وہ رنگ جس سے تحسین اور تزئین جھلکتی ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ کا قول

امام احمد رحمۃ اللہ، حسب روایت ابو طالب فرماتے ہیں معتدہ عورت زمانۂ عدت میں نہ زینت کی طرف توجہ کرے، نہ خوشبو کا استعمال کرے، نہ سرمہ لگائے نہ خوشبودار تیل برتے، صرف ایسا تیل استعمال کر سکتی ہے جو خوشبو نہ رکھتا ہو، نہ مشک اور زعفران کے قریب جائے، لیکن جس عورت کو ایک طلاق دی گئی ہو، یا دو طلاقیں دی گئی ہوں، وہ بناؤ سنگار کر سکتی ہے، کہ مبادا شوہر رجعت کر لے،

بناؤ سنگار سے احتراز کرنا چاہیے

ایک اور ممنوع چیز نقاب ہے، خرقی نے اپنی، مختصر، میں لکھا ہے،:

،، بیوہ عورت کو خوشبو سے، زینت سے، اور کسی دوسرے گھر میں رات گزارنے سے اجتناب کرنا چاہیے، نیز سرمہ اور نقاب سے مجتنب رہنا چاہیے، !،،

لیکن امام احمد سے اس طرح کی کوئی نص مجھے نہیں ملی، اسحاق بن ہانی نے ،، مسائل ،، میں لکھا ہے،

،، میں نے ابو عبداللہ سے، دریافت کیا کیا عورت زمانۂ عدت میں نقاب استعمال کر سکتی ہے؟ تیل کا استعمال کر سکتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا، ،، کوئی حرج نہیں ہے — !، لیکن اسے مکروہ خیال کیا کہ بیوہ عورت زمانہ عدت میں بناؤ سنگار کرے۔

ابو محمد نے مغنی میں کہا ہے کہ سوگ منانے والی عورت کو جن چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے ان میں نقاب بھی ہے، اور اس سے ملتی جلتی چیز بھی، مثلاً برقع اس لیے کہ معتدہ محرمہ سے مشابہ ہے، اور محرمہ کے لیے یہ چیزیں منع ہیں، اگر اسے منہ ڈھکنے کی ضرورت ہو تو چادر کا گوشہ لٹکا لے، ! جیسے محرمہ کرتی ہے۔ !؎

؎ اسلام کے احکام مصالح عمومی، اور صلاح و فلاح افراد و معاشرہ پر مبنی ہیں، انہی میں سے شوہر کی وفات کے بعد سوگ منانا اور عدت گزارنا بھی ہے —

دوسرے مذاہب میں بیوہ عورتوں کا چہرہ مسخ کر دیا جاتا ہے، ان کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے، انھیں نہ صرف سوسائٹی میں، بلکہ اپنے گھر میں، اپنے باپ اور بھائی کے گھر میں اچھوت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، انہیں منحوس سمجھا جاتا ہے، ان کے سایہ سے بچا جاتا ہے، انھیں بدترین لعنت تصور کیا جاتا ہے،

اسلام نے ان تمام چیزوں کو لغو اور باطل قرار دیا ہے، اور کسی حالت میں بھی بیوہ عورت کو سزاوار معصیت نہیں قرار دیا ہے، عدت کی مصلحت یہ ہے کہ،

۱۔ اس مدت میں عورت اپنے تاثرات غم والم پر قابو پالے۔

۲۔ اگر حاملہ ہو، تو اس کے بارے میں تیقّن ہو جائے۔

اس مختصر سے مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ آزاد ہے، جس سے چاہے شادی کر لے، پھر اسے نشاط حیات سے لطف اندوز ہونے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کسی اور کو ہو سکتا ہے،،

استبراء

ایک نہایت اہم اور فکر انگیز فقہی مسئلہ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح مسلم میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقع پر ایک لشکر اوطاس بھیجا، دشمن سامنے آیا۔ جنگ ہوئی، مقابلہ ہوا، مسلمان غالب آئے اور بہت سے قیدی ان کے ہاتھ آئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :...

والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم

یعنی یہ (مشرکوں کی) عورتیں تم پر حلال ہیں جب یہ عدت کا زمانہ پورا کرلیں۔

ترمذی میں عرباض بن ساریہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی (مشرکین کی) عورتوں سے اس وقت تک تمتع کی ممانعت فرمائی جب تک وہ وضع حمل نہ کرلیں۔

مسند میں اور سنن ابوداؤد میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا :

"کسی حاملہ عورت سے تمتع نہ کیا جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کرلے۔ اور نہ غیر حاملہ سے خلوت کی جائے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے۔"

ترمذی میں رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی دوسرے کے لڑکے کو نہ پلائے۔"

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

سنن ابوداؤد کی ایک حدیث سنن ابوداؤد کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا،

" جو کوئی اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آنے والی عورتوں میں سے کسی سے اس وقت تک تمتع کرے جب تک اس سے استبراء[1] نہ کر لے"،

بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابن عمرؓ کی ایک حدیث درج کی ہے، جس میں ہے کہ کنواری عورت کے لیے استبراء کی ضرورت نہیں ہے۔

عبدالرزاق معمر سے اور وہ طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مغازی کے موقع پر ایک منادی بھیجا جو ندا دے رہا تھا کہ کوئی شخص کسی حاملہ یا غیر حاملہ (میدان جنگ سے گرفتار کی ہوئی عورت سے) تمتع نہ کرے، جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

سفیان ثوری، زکریا سے اور وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو جنگ اوطاس کے موقع پر بہت سے قیدی ہاتھ آئے (ان میں عورتیں بھی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حاملہ عورت سے اس وقت تک تمتع نہ کیا جائے جب تک وہ وضع حمل نہ کر لے، اور غیر حاملہ سے اس وقت تک تمتع نہ کیا جائے جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

سنن بالا سے متضمن احکام عدیدہ

یہ سنن متعدد احکام و مسائل پر مشتمل ہیں:

استبراء کے بغیر تمتع کی اجازت نہیں

(۱) میدان جنگ سے گرفتار کی ہوئی کسی قیدی عورت[2] سے اس وقت تک جماع نہیں کیا جا سکتا جب تک

---

[1] استبراء کے لفظی معنی ہیں طلب براءت

اصطلاحی مفہوم اس کا یہ ہے کہ جب تک رحم کی براءت نہ حاصل کر لے۔ یعنی یہ نہ معلوم کر لے کہ یہ عورت کسی دوسرے شخص کے بیٹے کی ماں بننے والی تو نہیں ہے، اس سے تمتع نہ کرے، تاکہ نسب محفوظ رہے، مشکوک نہ رہے۔

[2] آج سے چودہ سو برس پہلے جب اسلام نمودار ہوا تھا۔ تب دنیا کا آئین جنگ کیا تھا؟

دنیا کا آئین جنگ یہ تھا کہ " جنگ میں سب کچھ جائز ہے"، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

استبراء یعنی برأت رحم نہ کرلی جائے، بالفاظ دیگر یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ کسی کے حمل سے تو نہیں ہے

چنانچہ بغیر اعلان کے جنگ کر دینا، جنگ مطلوب ہو تو معاہدہ صلح کو بغیر کسی سبب کے توڑ دینا، دوران جنگ میں اچانک دشمن پر جا پڑنا۔ جنگ کی حالت میں ان لوگوں کو بھی قتل کر دینا جو جنگ آزما نہ ہوں مغلوب حریف کے کھیتوں کو جلا دینا، مکانوں کو لوٹ لینا، زن و فرزند کو غلام اور باندی بنالینا، مملوکہ چیزوں پر قبضہ کرلینا، بوڑھے، زخمی، ناکارہ، مردوں اور بوڑھی، ناکارہ اور بدصورت عورتوں کو قتل کر دینا، مغلوب حریف کی عورتوں سے بدکاری اور زنا کا ارتکاب کرنا شعار عام تھا؛

اور اب کہ دنیا، نہضت و ارتقا کی تمام منزلیں طے کر چکی ہے، انسان حد درجہ شائستہ اور مہذب ہو چکا ہے، اقدار انسان کی عظمت اور تقدس کا سورج چمک رہا ہے۔ بربریت کا دور ختم ہو چکا ہے اور انسانیت کبری سریر فرماں روائی پر متمکن ہے۔ دنیا کا آئین جنگ و پیکار کیا ہے؟

پہلی جنگ عظیم ۱۴ ـ ۱۹۱۸ء اور دوسری جنگ عظیم ۳۹ ـ ۱۹۴۷ء اسی صدی کا واقعہ ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے اثرات دیکھنے والے ..... میدان جنگ میں شریک ہو کر داد دغا یا داد شجاعت دینے والے ہزارہا لوگ ابھی زندہ ہیں۔

دوسری جنگ عظیم تو گویا ابھی کل کا واقعہ ہے اس کے واقعات و حوادث، خون آشامیاں، اور سفاکیاں لوگوں کے حافظے میں ابھی تازہ ہیں، اخبارات کے فائلوں میں موجود ہیں۔ تازہ بتازہ اور نو بنو فلموں میں ان کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں قیصر ولیم نے بلجیم اور دوسرے معاہد ملکوں کی سرزمین اس لیے پامال کر دی کہ اس کے "مصالح جنگ" کا تقاضا یہی تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں، ہٹلر نے، یہودیوں پر جو مظالم توڑے، اور جمہوریت پسندوں کے ساتھ جو سلوک کیا، جنگی قیدیوں کو جس طرح تڑپا تڑپا کر مارا اور ہلاک کیا اور ان کے خاک و خون میں غلطاں ہونے کا تماشا دیکھا۔ مسولینی نے جس طرح اعلان دوستی کے باوجود یورپ کے واحد مسلم ملک البانیہ کو فتح کر لیا، اور اس کامرانی پر نازاں رہا۔ طرابلس الغرب کے حریت مآب عربوں پر جو ننگ انسانیت مظالم توڑے، روس نے جس طرح بے وجہ اور بے سبب مفتوح قوموں کی عزت و آبرو، اور ثروت و دولت لوٹی اور اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو لرزہ خیز مظالم روا رکھے ــــ حد یہ ہے کہ جاپان کے ہزاروں جنگی قیدیوں کا جو روس نے گرفتار کر لیے تھے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(تاکہ پیدا ہونے والی اولاد کا نسب محفوظ رہے) اگر وہ حاملہ ہے تو استبراء رحم کے لیے وضع حمل

(حاشیہ) آج تک پتا نہیں چل سکا کہ انھیں زمین کھا گئی، یا آسمان نگل گیا —— جاپان نے دوسری جنگ عظیم سے حاصل شدہ دور کشور کشائی اور جہاں بانی میں، اپنے مفتوحہ ممالک، برما۔ ملایا، جاوا سماٹرا، بورنیو، وغیرہ (یہ علاقہ اب انڈونیشیا کہلاتا ہے) کے ناکردہ گناہوں کے ساتھ جو سلوک مرعی رکھا، ان کے مردوں، عورتوں اور بچوں پر، جو بے پناہ مظالم توڑے، ان کے نام نہاد جنگی قیدیوں کے ساتھ جو طرح طرح فرساسفاکیاں جائز رکھیں، جنگی کیمپوں میں، ہندوستانی اور پاکستانی قیدیوں کو جس طرح ہدف ستم بنایا، جس درندگی اور بربریت کے ساتھ ان کی متاع حیات اور متاع عصمت لوٹی۔ وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش صفحہ ہے۔

اس طرح امریکہ نے ایٹم بم پھینک کر، جس طرح ناگاساگی اور ہیروشیما کو پیوند زمین بنایا اور دوسری جنگ عظیم کو کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے کون ناواقف ہے؟

اس دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد، امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور روس نے جس طرح جرمنی اور کوریا اور چین کے حصے بخرے کیے، وہ اس وقت تک فراموش نہیں ہو سکتے، جب تک مغربی اور مشرقی جرمنی، شمالی اور جنوبی کوریا کمیونسٹ چین اور فارموسا موجود ہیں۔

مانا کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست؟

آج کی دنیا، آج کا یورپ، اور آج کی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن اقوام کی زبان پر عظمت انسانیت کے ترانے ہیں، اس نے دونوں جنگوں میں انسانیت کی عظمت کو کس طرح پاؤں تلے روندا یہ معلوم ہو گیا۔

آج کی دنیا، آج کے یورپ، اور آج کی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن اقوام کی زبان پر، عورت کی عظمت کا ترانہ ہے۔

لیکن اس نے اس دور جنگ آزمائی میں، مظلوم، بے گناہ، تقدس مآب اور باعظمت عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے کیا اسے بتانے کی ضرورت ہے؟

جاپان کے دلاوروں نے، جس طرح اقوام مفتوحہ کی خواتین کی آبروریزی کی اس سے (باقی اگلے صفحہ پر)

کافی ہے۔ اگر حاملہ نہیں ہے تو استبراء رحم کے لیے ایک حیض کا آنا ضروری ہے۔

(بقیہ حاشیہ) کون ناواقف ہے؟

مسولینی کے مردان جنگی نے حبش میں، بدکاری کا ریکارڈ قائم کردیا، یہاں تک کہ نامگذر گان صحافت چیخ اٹھے، اس ملک میں ۱۲ سال سے زیادہ عمر کی کسی لڑکی کے لیے دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ باعصمت ہے۔

جاپان اختتام جنگ کے بعد امریکہ کے قبضہ میں چلا گیا، امریکی فوجیں جنرل میکارتھر کی سربراہی میں جاپان پر قابض ہوگئیں۔ مقبوضہ جاپان (اکوپائیڈ جاپان) میں امریکی سپاہیوں نے بدکاری، اور آبروریزی کے جو شاندار کارنامے انجام دیے انھیں دیکھ کر جاپانی قوم کی طرح غلام جاپانی پریس تک خاموش نہ رہ سکا۔ وہ فریاد کرنے پر مجبور ہوگیا کہ آج جاپان میں کوئی باعصمت عورت ڈھونڈنے سے بھی بہ مشکل دستیاب ہوسکے گی۔

پھر یہی نہیں فاتح قوم کے عیاش سپاہی، جب اپنے ملک، شادماں اور کامراں واپس ہوئے تو وہ ان عورتوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکے، جن سے انھوں نے برضا و رغبت نہیں بہ جبر و اکراہ تعلقات قائم کیے تھے، اور ان تعلقات کی یادگار کی صورت میں، ان کے صلب اور عورتوں کے بطن سے اولادیں بھی پیدا ہو چکی تھیں۔

ان ہزار لڑکوں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیے، جن کی مائیں نامعلوم سپاہیوں کے طفیل ماں بننے پر مجبور ہوگئیں، ان ہزار ہا لڑکوں اور لڑکیوں کو نگاہ کے سامنے لائیے، جو معلوم اور معروف سپاہیوں کی رفیقہ عشرت بنیں، جن کے صلب اور بطن سے باقاعدہ اولادیں پیدا ہوئیں، پھر بھی، دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہے۔

فاتح قوم کا وقار بھی تو کوئی چیز ہے۔

مفتوح قوم کو شکست کی ذلت سے بھی تو دوچار ہونا چاہیے، کیا انسانیت کی عظمت فاتح اور مفتوح کو ایک کھڑے گی؟

نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ــــ فاتح، فاتح ہے، مفتوح، مفتوح! اور یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے۔

یہ حال تو ہے آج کا! ــــ جب کہ غلامی ختم ہو چکی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر جنگی قیدی عورت غیر حائضہ ہو

(۲) لیکن گرفتار شدہ عورت اگر ذوات [الحیض] میں سے نہ ہو، یعنی اس عمر کو نہ پہنچی ہو کہ حائضہ ہو سکے، تو

(بقیہ حاشیہ) لیکن ذرا آج سے ۱۴ سو برس پہلے کے عہد مظلمہ پر ایک نظر ڈالیے، جب اسلام نمودار ہوا تھا!

اسلام کا آئین جنگ کیا تھا؟

(۱) بغیر اعلان کے جنگ نہیں کی جا سکتی۔

(۲) اپنی طرف سے معاہدہ فسخ نہیں کیا جا سکتا، دشمن خود فسخ کر دے تو یہ دوسری بات ہے۔

(۳) مسلمان فوجیں دشمن کے علاقہ میں ہرے درخت نہیں کاٹ سکتیں، کھیت نہیں جلا سکتیں، کشت و خون کا بازار نہیں گرم کر سکتیں،

(۴) دشمن قوم کی عورت نہیں قتل کی جا سکتی، بچہ نہیں قتل کیا جا سکتا، بوڑھا نہیں قتل کیا جا سکتا۔

(۵) بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) طالب اماں دشمن کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

(۷) جو ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہیں کیا جا سکتا،

(۸) دشمن کی درخواست صلح رد نہیں کی جا سکتی۔

(۹) جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوں، انھیں "کنسنٹریشن کیمپ" میں قید نہیں رکھا جا سکتا، جب تک ان کے فدیہ یا رہائی کا فیصلہ نہ ہو جائے وہ مہمان ہیں۔ وہ مسلمانوں میں تقسیم ہو جائیں گے، اور وہ انھیں مہمان کی طرح رکھیں گے، جو خود کھائیں گے وہی کھلائیں گے، بلکہ اگر مالی حالت درست نہ ہو تو مہمان کو کھلائیں گے، خود فاقہ کر لیں گے، جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے کیا تھا

(۱۰) دشمن کے جو سپاہی اگر فتار ہو کر غلام بن جائیں، ان سے کوئی ایسی مشقت نہیں لی جا سکتی جو ان پر گراں ہو۔ اور اگر ایسی مشقت کی جائے تو مالک خود بھی ان کا ہاتھ بٹائے، جیسا کہ بخاری اور مسلم کی احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔

(۱۱) ان غلاموں کو بھی آقا وہی کھلائے گا جو خود کھائے گا، وہی پہنائے گا جو خود پہنے گا،

(۱۲) جو عورتیں باندی بنیں گی، ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے بارے میں اختلاف ہے

وہ عورت جو باکرہ ہو (کنواری ہو) اور جس کی برأت رحم کا علم ہو، اس سے تمتع جائز ہے:

(بقیہ حاشیہ ۱۳۷) ماں اور بچہ میں تفریق نہیں کی جا سکتی۔

(۱۴۱) اس سے اس وقت تک جماع نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک استبراء رحم نہ کر لیا جائے۔

یہ نہیں کہ ادھر فاتح فوج نے قدم رکھا، ادھر جو عورت سامنے آگئی وہ باندی بن گئی، غیر محافی علاقہ کی کوئی عورت باندی نہیں بنائی جا سکتی۔ صرف قیدی عورتیں باندی بنائی جا سکتی ہیں۔ اور ان سے بھی باندی بننے کے فوراً بعد مباشرت نہیں کی جا سکتی۔ کم از کم ایک حیض تک آقا کو انتظار کرنا پڑے گا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ آیا یہ حاملہ ہے یا نہیں؟

اگر حاملہ ہے تو منع حمل تک حرام ہے۔ حاملہ نہیں ہے تو ایک حیض تک حرام ہے۔

یہ احتیاط، یہ انتظار، یہ پابندی کیوں؟

کیا باندیوں کے لیے بھی احتیاط، انتظار، اور پابندی کی ضرورت ہے؟ وہ تو جائداد ہیں انھیں ہر وقت اور ہر طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اسلام اسے نہیں مانتا۔

اسلام کے نزدیک عورت محترم ہے، اس کا ہونے والا بچہ محترم ہے اور جس نے اسے خریدا یا پایا ہے۔ وہ بھی محترم ہے۔

اور اس احترام کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاط، انتظار اور پابندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب محفوظ رہے۔ اس پر زبان طعن نہ دراز کی جا سکے۔

اگر مسولینی کی فوجوں نے حبش میں، ہٹلر کی فوجوں نے فرانس میں۔ امریکی سپاہیوں نے جاپان میں روس کے جوانان تیغ زن نے مفتوحہ علاقوں میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہوتا تو کیا پھر بھی ان کی مفتوحہ قوموں اور ملکوں میں جبری بدکاری اتنی عام ہو سکتی تھی؟

غلامی، غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اسلام کے احکام، انسانیت کی عظمت کا وہ چارٹر ہیں جو آج بھی دنیا کی ہر قوم کے لیے دلیل راہ ہیں۔ اور آئندہ بھی اس شمع کی روشنی سے رہروی کی جائے گی۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ استبراء کا مقصد یہ ہے کہ برأت رحم کا علم حاصل ہو جائے۔ پس جب مالک کو برأت رحم کا یقین ہو گیا، تو وہ اس سے تمتع کر سکتا ہے۔ اب استبراء کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عبدالرزاق معمر سے، وہ ایوب سے، وہ نافع سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ باندی اگر عذراء (کنواری، دوشیزہ) ہو تو اس سے استبراء رحم کی ضرورت نہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث

بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حماد بن سلمہ علی بن زید سے، وہ ایوب سے، وہ عبداللہ اللقمی سے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ جلولاء میں ایک جاریہ میرے حصہ میں آئی، اس کی گردن ایسی تھی جیسے چاندی کی صراحی، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو اس کا بوسہ لینے سے نہ روک سکا، حالانکہ لوگ کھڑے دیکھ رہے تھے۔

استبراء کے قواعد اور فروع

اب ہم استبراء کے قواعد اور فروع کا ذکر کرتے ہیں۔ ابوعبداللہ مازنیؒ نے اس موضوع پر ایک پورا باب باندھا ہے۔ ہم اسے بلفظہٖ نقل کرتے ہیں:

"اس مسئلہ میں قول جامع یہ ہے کہ ہر باندی جس کے حاملہ نہ ہونے کے بارے میں اطمینان ہو، اس پر استبراء واجب نہیں ہے اور جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ حاملہ ہے، یا اس کے حاملہ ہونے کا شک ہو یا تردد ہو تو اس کے لیے استبراء لازم ہے۔

اور جس کے بارے میں ظن غالب تو برأت رحم کا ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ آقا اگر چاہے تو استبراء کر سکتا ہے۔ غرض اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک ثبوت

(بقیہ حاشیہ) اور اسلام کے یہ احکام، صرف صفحۂ قرطاس کی زینت نہیں ہیں ان پر عمل بھی ہوا۔ اور نہایت امانت داری کے ساتھ ہوا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن دلوں کے دروازے اسلام کے لیے بند تھے وہ کھل گئے، جو اسلام کے دشمن تھے وہ مسلمان بن گئے، جن کی نظر میں اسلام سے بڑھ کر بدترین کوئی چیز نہ تھی، وہی اسلام کے پرستار بن گئے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔

استبراء کا، دوسرا اسقوط کا!

اس اصول پر فروع مختلفہ کی تخریج ہوتی ہے۔ مثلاً:

آئسہ اور وہ صغیرہ جو مجامعت کی طاقت رکھتی ہو ــــ اس بارے میں صاحب جواہر کا قول ہے کہ صغیرہ میں استبراء واجب ہے اگر وہ سن حمل کے قریب پہنچ چکی ہو، مثلاً اس کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی ہو، اور اس صورت میں استبراء واجب ہوگا اگر وہ جماع کی اہلیت رکھتی ہو۔ لیکن ۹ - ۱۰ سال کی لڑکی اس سے مستثنیٰ ہے۔

غرض اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، ابن القاسم کی ایک روایت اثبات کی ہے اور ابن عبد الحکم کی دوسری نفی کی۔

لیکن اگر صغیرہ جماع کی برداشت نہ رکھتی ہو تو پھر استبراء اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔

آئسہ کے لیے بھی استبراء واجب ہے

لیکن جو عورت سن حیض سے متجاوز کر چکی ہو اور سن آئسہ کو نہ پہنچی ہو، اس کے لیے بھی استبراء واجب ہے۔ مثلاً جس کی عمر چالیس، یا پچاس سال کی ہو چکی ہو۔

لیکن جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو، آیا اس کے لیے استبراء واجب ہے، یا نہیں؟ اس باب میں دو قول ہیں جو ابن القاسم اور ابن عبد الحکم کے ہیں۔

مازنی کہتے ہیں جو صغیرہ مجامعت کی استطاعت رکھتی ہو، اس کا اور آئسہ کا استبراء اس لیے واجب ہے کہ نادر طور پر سہی لیکن وہ بھی حاملہ ہو سکتی ہے۔

اسی طرح باندی کا استبراء بھی ہے اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے اس نے زنا کیا ہو۔ لہٰذا سوظن کی بنا پر اس کا استبراء ضروری ہے۔

اسی طرح جس باندی کو مجبوب (نامرد) نے خریدا ہو، یا کسی عورت نے خریدا ہو، یا ذو محرم نے خریدا ہو، تو اس کے وجوب میں امام مالک سے دو

روایتیں ہیں۔

اسی طرح مکاتبہ[1] کا استبراء ہے، جب وہ متصرف ہو، پھر عاجز آجائے اور مجبوراً مالک کے واپس آجائے تو ابن القاسم اس کے لیے استبراء ثابت کرتے ہیں اور اشہب اس کے لیے استبراء کی نفی کرتے ہیں۔

اس طرح بکرا کنواری کا استبراء ہے، ابو الحسن اللخمی کے نزدیک بربنائے احتیاط مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے، لیکن امام مالک کے دوسرے اصحاب اسے واجب بتاتے ہیں۔

اسی طرح ام ولد[2] کا معاملہ ہے کہ جب اس کے آقا کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت ایک حیض ہوگی۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے دریافت کیا، ام ولد کی عدت کیا ہوگی؟ جب اس کے آقا کا انتقال ہو جائے؟ یا وہ آزاد کر دے؟ انھوں نے فرمایا اس کی عدت ایک حیض ہے، کیونکہ یہ بہرحال باندی ہے،

---

[1] مکاتب اور مکاتبہ اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے یہ معاملہ کرلے کہ اتنی رقم اگر ادا کر دے تو اسے آزادی حاصل ہو جائے گی، پھر وہ محنت مزدوری کر کے، وہ رقم جو طے ہوئی تھی آقا کو ــــــ یکمشت یا بالاقساط ــــــ ادا کر دے، تو اسے آزادی حاصل ہو جائے گی ــــــ کوئی غلام یا باندی اگر مکاتب بننا چاہے تو آقا اسے مکاتب بنانے سے انکار نہیں کرسکتا ــــــ اسلام نے ویسے تو غلامی ختم ہی کر دی تھی، لیکن جو غلام باقی تھے ان کے لیے وہ سہولتیں عطا فرمائیں، جو انھیں کبھی اور کہیں حاصل نہ ہوسکی تھیں۔

[2] ام ولد وہ عورت ہے، جو باندی ہو، اور آقا کے صلب اور اس کے بطن سے اولاد پیدا ہوتی ہو۔ یہ صرف امام احمد کا مسلک ہے، ورنہ احناف، یہاں مسئلہ یہ ہے کہ آقا کا بچہ جنتے ہی وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی، اور عقلاً بھی یہی درست ہے۔ ایک آدمی صاحب اولاد ہو، اور اس اولاد کی ماں باندی ہو، پھر اس اولاد کی معاشرہ میں، اور باندی کی اولاد کی نظر میں کیا قدر و قیمت رہ جائے گی؟

اگر اس پر حد جاری ہوگی تو باندی کی حد جاری ہوگی[1] اور اگر اس کے پیٹ سے اولاد پیدا ہوئی، تو وہ بھی ماں کے درجہ میں ہوگی۔ اس کی آزادی کے ساتھ آزاد غلامی کے ساتھ غلام بن جائے گی[2]

باندی کی عدت

باندی کی عدت کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ یعنی اس کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں۔ جو حرہ کی عدت ہے، لیکن یہ پوری عدت اس باندی کی ہے جو غلامی کے حلقہ سے نکل کر آزادی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہو۔

جو لوگ اس کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں وہ اسے حرہ کے حکم میں داخل کرتے ہیں اس پر جو احکام مترتب ہوں گے وہ حرہ کے ہوں گے، کیونکہ اس نے عدت باندی کی نہیں حرہ کی گزاری ہے۔

ام ولد کی عدت

بعض کا خیال ہے کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہے۔ لیکن یہ ایسا قول ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، اور ظاہر ہے یہ مطلقہ نہیں ہے اور حرہ بھی نہیں ہے جس کی عدت اللہ نے چار مہینے دس دن مقرر کی ہے۔

اور ام ولد نہ حرہ ہے نہ زوجہ، کہ چار مہینے دس دن کی عدت گزارے۔ وہ ایسی باندی ہے جو غلامی سے آزادی کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ یہ امام احمد رحمۃ اللہ کی رائے ہے۔ اس طرح صالح کی روایت میں ہے کہ ام ولد بیوہ یا آزاد ہونے کے بعد ایک حیض کی عدت گزارے گی کیونکہ بہرحال وہ باندی ہے۔ محمد بن العباس کی ایک روایت یہ ہے کہ ام ولد چار مہینے دس دن کی عدت اپنے آقا کی وفات کے بعد

---

[1] آزاد اور غلام کی حد (شرعی سزا) میں فرق ہے۔
آزاد پر پوری مقررہ حد (سزا) جاری ہوتی ہے اور غلام پر صرف نصف۔

[2] یہ بھی صحیح نہیں۔ جب اولاد پیدا کرنے کے بعد وہ خود آزاد ہو گئی، تو اس کی اولاد کی غلامی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

گزرے گی۔

امام احمدؒ کی ایک تیسری روایت

شیخ نے مغنی میں کہا ہے کہ ابوالخطاب نے امام احمدؒ سے ایک تیسری روایت ذکر کی ہے، کہ ام ولد دو مہینے اور پانچ دن کی عدت گزارے گی، لیکن میں نے یہ روایت احمدؒ سے جامع میں نہیں پائی۔ نہ اسے میں امام احمدؒ سے صحیح خیال کرتا ہوں۔

ایک روایت یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کو آزاد کر دے، تو جب تک وہ عدت نہ گزار لے اس کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا۔

عمرو بن العاص کی روایت

جو لوگ ام ولد کی عدت چار مہینے دس دن قرار دیتے ہیں، ان کے قول کی بنیاد عمرو بن العاص کی روایت ہے۔ ابوداؤد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا، ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں فساد مت ڈالو۔ ام ولد کا آقا جب مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے، یہ قول سعید بن محمد ابن سیرین۔ مجاہد و عمر بن عبدالعزیز، خلاص بن عمرو۔ زاہری، اوزاعی اور اسحاق کا بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ام ولد حرہ ہے لہٰذا عدت وفات گزارے گی جو چار مہینے دس دن ہے۔

لیکن عطاء، نخعی، ثوری، اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں ام ولد کی عدت تین حیض ہے۔

حضرت علیؓ اور ابن مسعود رحمہم اللہ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"ام ولد کے لیے عدت تو بہر حال ضروری ہے لیکن وہ بیوی نہیں کہ آئین ازدواج میں داخل ہو، نہ باندی ہے کہ نصوص استبراء کنیز میں داخل ہو۔ وہ مطلقہ سے مشابہ ہے لہٰذا تین حیض کی عدت گزارے گی۔

ام ولد کی عدت حیض کی ہے

ان اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ ام ولد ایک حیض کی عدت گزارے گی۔ عثمان بن المعان رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نیز حسن شعبی، قاسم بن محمد۔ ابوقلابہ۔ مکحول، مالک، الشافعی۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا قول بھی یہی ہے۔

عمرو بن العاص کی حدیث ضعیف ہے

حدیث عمرو بن العاص کے بارے میں ابن المنذر کہتے ہیں کہ اسے امام احمدؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی مطر بن طہمان ابو رجاء الوراق ہیں۔ لیکن اس راوی کی کئی لوگوں نے تضعیف کی ہے۔ یحییٰ بن معین بھی اسے ضعیف بتاتے ہیں۔

لیکن ابو حاتم الرازی نے اسے صالح الحدیث مانا ہے۔

ابن حبان نے اپنی "کتاب الثقات" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام مسلمؒ اس سے حجت لاتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں۔

ایک راوی حدیث پر نقد و جرح

حضرت علیؓ سے جو حکایت بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں ایک راوی، خلاس بن عمرو ہے، اس کی روایت حدیث میں تکلم کیا جاتا ہے۔ ایوب کہتے ہیں اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے۔ بیہقی نے خلاس کے روایات کو جو حضرت علی سے ہوں، اہل علم کی نگاہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

استبراء سے مقصود برأت رحم ہے

بہر حال یہ مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف فیہ ہے خلاصۂ کلام یہ کہ باندی کے استبراء سے مقصود برأت رحم ہے اور اس کے لیے ایک حیض کافی ہے۔ لہٰذا نہ اس کے لیے حرہ کی طرح تین حیض کی عدت لازم ہے، نہ کوئی ایسی نص ہے جس کی رو سے اس کا زوجات سے الحاق جائز اور درست ہو لہٰذا صاحب شرع نے مسبیات، اور مملوکات کے بارے میں جو کچھ مشروع کیا ہے اس حد تک رہنا چاہیے۔

استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا

استبراء طہر سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس کے لیے حیض لابدی اور لازمی ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے، اور یہی صواب ہے۔

امام احمد کے نزدیک حدیث استبراء میں تین چیزوں کی نہی کی گئی ہے۔

۱۔ کنیز سے اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے، جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

۲۔ حاملہ باندی سے اس وقت تک مجامعت نہ کی جائے جب تک وہ وضع حمل سے فارغ نہ ہولے

۳۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی کنیز سے جو ثیبہ ہو، اس وقت تک مجامعت نہ کرے جب تک اسے حیض نہ آجائے۔

گویا باندی کے حلال اور جائز ہونے کو جن امور پر معلّق رکھا ہے وہ سب کے سب حیض سے متعلق ہیں، نہ کہ طہر سے، پس یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ جسے آپؐ نے معتبر قرار دیا ہے اسے ساقط کر دیا جائے اور جسے آپؐ نے ساقط کیا ہے اسے معتبر قرار دیا جائے۔

اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ جو کچھ ہے وہ استبراء ہے، اور برأت رحم کی دلیل جس چیز سے ملتی ہے وہ حیض ہے۔ باقی رہا طہر تو اس سے برأت رحم کی کوئی دلیل نہیں ملتی،

باندی سے کب استبراء ضروری نہیں

باندی حالت حیض میں اگر خریدار کے پاس آئے، تو اس سے استبراء نہیں ہوگا۔ "صاحب الجواہر" کا قول ہے، اگر باندی اپنے آخر ایام حیض میں فروخت کی گئی تو باقی ایام حیض استبراء کے لیے کافی نہیں ہوں گے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اگر اس حالت میں فروخت ہوئی کہ وہ حیض کے ابتدائی ایام ہوں تو مشہور مذہب یہ ہے کہ اس سے استبراء ہو جائے گا۔

وضع حمل سے استبراء ہو جاتا ہے

باندی اگر حاملہ ہو، تو وضع حمل سے وہ جیسے ہی فارغ ہوگی استبراء ہو جائے گا۔

یہ مخصوص حکم ہے، لہٰذا مجمع علیہ ہے، یعنی اس پر امت کا اجماع ہے۔

وضع حمل سے پیشتر تمتع ناجائز ہے

وضع حمل سے پیشتر اس کے ساتھ مجامعت نہیں کی جاسکتی۔

حاملہ نماز پڑھ سکتی اور طواف کر سکتی ہے

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ حاملہ سے جب تک وضع حمل سے فارغ نہ ہولے، اور غیر حاملہ سے جب تک اسے ایک حیض نہ آجائے، مباشرت نہیں کی جاسکتی،

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ اور اگر وہ کچھ خون دیکھے تو یہ فاسد خون ہے، بمنزلہ استحاضہ و بدستور روزے رکھ سکتی ہے، نماز پڑھ سکتی ہے۔ طواف خانہ کعبہ کر سکتی ہے۔ قرآن کریم کی

تلاوت کر سکتی ہے۔

فقہاء اختلاف پر ایک نظر لیکن یہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس میں فقہا باہم مختلف ہیں: عطاء، حسن، عکرمہ، مکحول، جابر بن زید۔ محمد بن المنذر، شعبی۔ نخعی۔ حماد، حکم۔ زہری، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں۔ ابو عبید۔ ابو ثور۔ ابن المنذر، امام احمد (اپنے مشہور مذہب کے مطابق) اور امام شافعی (دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق) کہتے ہیں کہ یہ خون حیض کا نہیں ہے۔

لیکن قتادہ، ربیعہ، لیث بن سعد، مالک، عبد الرحمٰن بن مہدی۔ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں یہ حیض کا خون ہے۔

حضرت عائشہؓ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حیض ہے، ایک یہ کہ نہیں ہے پہلی روایت میں ہے کہ نماز پڑھے گی، دوسری میں ہے کہ نہیں پڑھے گی۔

باندی کی دو قسمیں جو لوگ، حاملہ کے خون کو حیض تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کی دو قسمیں کی ہیں:

ایک حاملہ، اس کی عدت وضع حمل قرار دی ہے۔

دوسری غیر حاملہ، اس کی عدت ایک حیض رکھی ہے۔

اور یہ حیض باندی کی برأت رحم کا علم ہے اگر حیض حاملہ کو بھی آسکتا ہوتا تو پھر اسے اس کے عدم کا علم نہ مانا جاتا یہی وجہ ہے کہ مطلقہ کی عدت تین قروء رکھی تاکہ اس کے عدم حمل کی دلیل بن جائے۔ اگر حاملہ بھی حائضہ ہو سکتی، تو بھی دلیل عدم حمل کی کیسے بن جاتی؟

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالٰی نے حاملہ سے حیض اٹھا لیا ہے اور خون کو بچہ کی غذا بنا دیا ہے"

اثرم اور دار قطنی نے حضرت عائشہؓ سے اس حاملہ عورت کے بارے میں جو خون دیکھے، روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا،

"حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا، وہ نماز پڑھ سکتی ہے۔"

حیض کی تعریف از روئے شرع ولغت وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ حاملہ عورت بھی

حائضہ ہو سکتی ہے کہتے ہیں:

حیض وہ خون ہے جو ہر مہینہ اوقات معلومہ پر خارج ہوتا ہے"

حیض کی یہ تعریف از روئے لغت بھی درست ہے، اور از روئے شرع بھی۔

اندام نہانی سے جو خون خارج ہوتا ہے، شارع نے اس پر جو احکام مرتب کیے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک حیض، دوسرے استحاضہ، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں ہے اور ظاہر ہے حاملہ کے جو خون آ رہا ہے اسے استحاضہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ استحاضہ وہ خون مطبق و زائد ہے جو اکثر حیض پر ہوتا ہے، یا وہ خون ہے جو عادت کے خلاف خارج ہو، لیکن یہ حاملہ والا خون نہ دم زائدہ ہے۔ نہ خلاف عادت، لہٰذا اسے استحاضہ نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ یہ حیض ہی کہا جائے گا

باقی رہی ابن عمرؓ کی مثال کہ انھوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجعت کا حکم دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جب وہ طاہر ہو جائے پھر اگر چاہیں تو طلاق دے دیں اسے ہاتھ لگائے بغیر، تو یہ اباحت طلاق ہے، یعنی اگر بیوی حاملہ نہ ہو تو طہر اور عدم مسیس کی شرط کے ساتھ طلاق دینا مباح ہے، لیکن اس میں حاملہ کے خون دیکھنے کا حکم کہاں ہے؟ رہا یہ دعویٰ کہ حاملہ اگر حیض سے ہو تو زمانہ حیض میں اسے طلاق دینا بدعت ہے، حالانکہ اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ حاملہ کو طلاق دینا بدعت نہیں ہے، اگرچہ اس نے خون دیکھا ہو۔ ہم کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق حاملہ کو مطلقاً جائز کیا ہے جس میں کوئی استثنا نہیں، باقی رہی غیر حاملہ تو اس کی طلاق کی دو شرطیں ہیں۔ ایک طہر دوسری عدم مسیس۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کو اگر خون آ جائے تو وہ خون فاسد ہے۔

کیا حیض اور حمل مجتمع نہیں ہو سکتے؟

باقی رہی یہ بات کہ حیض اور حمل باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ تو یہ بات یا حس سے ثابت ہو سکتی ہے یا شرع سے، اور یہ دونوں منتفی ہیں، جہاں تک حس کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ رہی شرع تو کہیں سے بھی ثابت نہیں ہے کہ یہ دونوں مجتمع نہیں ہو سکے۔

مسائل بیع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام

محرمات بیع

وہ چیزیں جن کی بیع مسلمانوں پر حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کا سوال

صحیحین میں حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے،

"اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی بیع حرام کردی ہے"

اس پر ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ، کیا مردار کی چربی بھی فروخت کرنا حرام ہے حالانکہ اس سے کشتیاں چکنی کی جاتی ہیں اور کھالوں کو چرب کیا جاتا ہے، اور لوگ انھیں کام میں لاتے ہیں!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"نہیں وہ بھی حرام ہے"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خدا یہود کو غارت کرے، اللہ تعالیٰ نے جب ان پر چربی حرام کردی، اور اسے پگھلا کر فروخت کرنے لگے، اور اس کی قیمت کھانے لگے"

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

"خدا سمرہ کو غارت کرے، کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خدا یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کر دی گئی، تو وہ اسے پگھلا کر فروخت کرنے لگے۔"

بیہقی اور حاکم کی روایت بیہقی اور حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اسے ابن عباس سے منسوب کیا ہے اس میں ان کی پہلی روایت پر کچھ اضافہ ہے اس کے لفظ ابن عباس رضؓ سے یہ روایت کیے گئے ہیں کہ انھوں نے کہا:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے کہ آپؐ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، تبسم فرمایا، اور کہا، یہود پر خدا کی لعنت، یہود پر خدا کی لعنت، یہود پر خدا کی لعنت اللہ عز وجل نے ان پر چربی حرام کر دی وہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر کوئی چیز حرام کر دیتا ہے تو اس کی (فروخت کی) قیمت بھی ان پر حرام فرما دیتا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت بیہقی نے ابن عبدان سے، انھوں نے صفار سے، انھوں نے اسماعیل القاضی سے، انھوں نے ابن منہال سے، انھوں نے یزید بن ذریع سے، انھوں نے خالد الحذاء سے، انھوں نے ابوالولید سے، انھوں نے ابن عباس رضؓ سے یہی روایت کی ہے۔

نیز صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ نے اس طرح کی روایت کی ہے، اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا کھانا حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے۔"

حدیث مشتمل پر کلمات جوامع یہ حدیث مشتمل ہے کلمات جوامع پر جو تحریم اجناس سہ گانہ کے حامل ہیں:

(۱) وہ مشارب — جن سے عقل فاسد ہو جائے۔

(۲) وہ ؟ — جو مفسد طباع ہوں، اور غذا خبیث کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(۳) وہ اعیان — جن سے دین فاسد ہو جاتا ہو، اور جو فتنہ شرک کے داعی ہوں

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی جو تحریم فرمائی ہے اس کا مقصد صیانت ہے۔

نوع اوّل کی تحریم سے عقل ان چیزوں سے محفوظ ہو جاتی ہے جو اسے زائل کرنے والی، اور اس میں فساد پیدا کرنے والی ہوں،

نوع ثانی کی تحریم سے، قلوب کی ان چیزوں سے صیانت ہو جاتی ہے جو غذائے خبیث کے اثر سے اسے مبتلائے فساد کردیں کیونکہ غذائیں، اور کھانے والے میں، ایک دوسرے کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔

نوع ثالث کی تحریم سے ادیان کی ان چیزوں سے حفاظت کردی ہے، جو فساد دین کی موجب ہوں، یا ہو سکتی ہوں۔

پس یہ تحریم متضمن ہے صیانت عقول، صیانت قلوب، اور صیانت ادیان پر۔

تمام نشہ آور چیزوں کی بیع حرام ہے

پس تحریم بیع شراب میں ان تمام چیزوں کی حرمت شامل ہے جو مسکر (نشہ آور) ہوں، خواہ وہ سیال صورت میں ہوں، یا منجمد صورت میں۔ افشردہ ہوں، یا مطبوخ، چنانچہ انگور کا افشردہ، منقے، کھجور، مکئی، جو، شہد، گیہوں کی شراب۔ سب کا ایک ہی حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص صحیح و صریح کے مطابق اس کی سند میں کوئی طعن نہیں ہے۔ نہ اس کے متن میں کوئی اجمال ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کل مسکر خمر (ہر نشہ آور چیز شراب ہے)

نیز صحابہ کرام سے بھی یہ ثابت ہے، جو آپ کے خطاب و مراد کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے اور صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب کہ: کل مسکر خمر (ہر نشہ آور چیز شراب ہے) یہی لیا تھا کہ "خمر" ہر وہ چیز ہے جو عقل و دانش میں فتور پیدا کردے[1]

---

[1] یہ بحث کہ خمیرہ کی تعریف کیا ہے؟
خمر کا اطلاق کس قسم کی شراب پر ہوتا ہے؟
آیا کوئی شراب ایسی بھی ہے جو خمر نہ ہو (حاشیہ باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ) یہ سب بے معنی اور لاطائل بحثیں ہیں۔ ایسی بحثیں وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جن کے دل میں چور ہو، جو لفظی مباحث کی آڑ لے کر ایک غلط، حرام اور ناپاک چیز کو جائز اور روا قرار دینا چاہتے ہوں۔ ورنہ اس باب میں فیصلہ کن بات وہی ہے جو ارشاد نبوی علیہ التحیۃ والسلام پر مبنی ہے۔ یعنی

کل مسکر خمر، ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔

اس کے بعد کسی بحث و مناظرہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

تحریم بیع مردار

تحریم بیع مردار میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں، جن پر مردار کا اطلاق ہو سکتا ہے، خواہ ان کی موت کسی طرح ہوئی ہو، یعنی خواہ وہ اپنی موت مرے، یا ہلاک ہوئے ہوں، کسی حالت میں بھی حلال نہیں ہے، یہی صورت مردار کے اجزا کی بھی ہے، وہ بھی حرام ہیں، حلال نہیں قرار دیے جا سکتے،

مردار کی چربی بھی حرام ہے

چنانچہ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریم بیع شحم (چربی) کے سلسلہ میں مشکل پیش آئی، کیونکہ یہ کافی منفعت بخش چیز تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے، اگرچہ اس میں کتنی ہی منفعت کیوں نہ ہو۔

مراد رسول سمجھنے میں لوگوں کا اختلاف

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، آپؐ نے فرمایا تھا "لا ھو حرام"، نہیں وہ حرام ہے، آیا اس سے مراد بیع ہے، یا مسئول عنہا افعال کی طرف یہ حکم عائد ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے شیخ کہتے ہیں یہ حکم بیع کی طرف راجع ہے وہ فرماتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مردار حلال کر دی ہے، تو انھوں نے کہا، مردار کی چربی میں بہ فائدے ہوتے ہیں، مطلب یہ تھا آیا اس کی بیع جائز قرار دی جا سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا،
>
> "نہیں وہ حرام ہے"!

حضرت عباسؓ کا واقعہ میں کہتا ہوں، صحابہ کرام نے تمام مرداروں کی چربی کے لیے تخصیص طلب کی تھی، کہ اس کا جواز مل جائے، جیسے عباس رضی اللہ عنہ نے، جملہ نباتات حرم سے تخصیص، جواز اذخر سے چاہی تھی، لیکن جواب حسب دل خواہ نہ ہوا، آپؐ نے فرمایا،

لاھو حرام (نہیں وہ حرام ہے)

حضرت ابوہریرہ کی روایت سے استدلال اصحاب احمد رحمۃ اللہ میں سے بعض کا خیال ہے کہ تحریم افعال مسئول عنہا کی طرف عائد ہوتی ہے، کیوں کہ آپؐ نے "ھو" کا لفظ استعمال فرمایا ہے "ھی" کا نہیں، کیونکہ مراد جمیع مذکورہ سے تھی، اور ضمیر اقرب مذکور کی طرف عائد ہوتی ہے، اور معنوی جہت سے قابل ترجیح یہ ہے کہ ان اشیاء کی اباحت ذریعہ ہے شحوم کے بیع و اقتناء کا، نیز یہ کہ بعض الفاظ حدیث میں "لاھی حرام" فرمایا ہے، اور یہ ضمیر یا تو شحوم کی طرف راجع ہوگی یا افعال کی طرف، اور دونوں صورتوں میں تحریم افعال مسئول عنہا پر حجت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ چوہیا اگر گھی میں گر جائے تو اگر وہ جما ہوا ہے تو اس پاس کا حصہ نکال دینے کے بعد اسے استعمال کیا جا سکتا ہے، اور اگر سیال صورت میں ہے تو اس کے قریب نہ پھٹکنا چاہیے، البتہ چراغ وغیرہ کے جلانے میں وہ بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

مردار کھانے کے علاوہ دوسری طرح انتفاع جائز ہے جو لوگ اس نقطۂ نظر کے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، مردار کا کھانا حرام ہے اس سے یہ بات صریحی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کھانے کے علاوہ دوسری صورتوں میں اس سے انتفاع حرام نہیں ہے، مثلاً، ایندھن پر ڈال کر آگ سلگانے یا بند باندھنے کے سلسلے میں اس سے کام لینا یا اور اسی طرح کے کام،

حرام جو کچھ ہے وہ ظاہری یا باطنی پر ملابست ہے، مثلاً، کھانا یا پینا، لیکن بغیر ملابست کے اس سے انتفاع کیوں حرام ہوگا؟

جو شخص حدیث جابر کے سیاق پر غور کرے گا، وہ جان لے گا کہ سوال بیع کے متعلق تھا، انھوں نے آپؐ سے اجازت چاہی تھی کہ بیع شحوم کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے انکار کر دیا، اور فرمادیا وہ حرام ہے لیکن اگر ان افعال کے حکم کے بارے میں سوال کیا جاتا، تو سوال یوں ہوتا کہ آیا چراغ جلانے کے لیے، یا کھالوں کی تدہین کے لیے چربی استعمال کی جاسکتی ہے؟ لیکن انھوں نے یہ نہیں پوچھا، کہ اس سے یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ ان کی یہ بات خبر تھی نہ کہ سوال، لہٰذا، آپؐ نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

فعل رسولؐ سے استدلال

نہایت امر یہ ہے کہ حدیث دونوں باتوں پر محتمل ہے چنانچہ وہ چیز حرام نہیں ہوگی، جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اللہ اور رسولؐ نے اسے حرام کیا ہے

چنانچہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمود قوم کے خرابہ میں جو کنویں واقع تھے، ان کا پانی پینے سے منع فرمایا، لیکن اس پانی سے جو آٹا گوندھا گیا تھا اس کی روٹی جانوروں کو کھلانے کی اجازت دے دی، یہ چنانچہ معلوم ہوا کہ ایسی چیزوں سے انتفاع محض چراغ وغیرہ جلانے کی صورت میں نہ کہ ظاہری و باطنی ملابست کی صورت میں محض انتفاع ہے مفسدہ نہیں، اور نہ اسے شریعت نے حرام نہیں کیا ہے، کیونکہ شریعت مفاسد خالصہ یا راجحہ اور ان کے طرق وہ اسباب موصلہ کو حرام کرتی ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ نے دو روایتوں میں سے ایک میں مردار جانور کی چربی سے چراغ جلانا جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس میں کسی روغن طاہر کی آمیزش بھی ہو۔!

روغن مردار کی بیع جائز نہیں

اگر یہ کہا جائے کہ مردار کی چربی نجس العین ہے لیکن اگر اسے کسی چیز سے مخلوط کر دیا جائے تو صرف نجس ہے اور اس کی تطہیر دھولینے سے ہو جائے گی چنانچہ وہ ایک مطابق روغن تنجس کی بیع جائز ہے، لیکن روغن مردار کی بیع جائز نہیں ہے۔

جواب میں کہا جائے گا کہ یہ فرق دو سبب سے ضعیف ہے۔

ایک یہ کہ امام احمد یا امام شافعی میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے روغن نجس

کو دھو لینے کا فتویٰ دیا ہو، البتہ بعض متبعین نے یہ فتویٰ ضرور دیا ہے، لیکن امام مالک، مروی ہے کہ روغن نجس دھو لینے سے پاک ہو جائے گا، یہ روایت ابن نافع اور ابن القاسم کی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ حکم تمام روغنوں پر ماموریں نہیں ہے کیونکہ بعض ایسے ہیں جن کا دھونا ممکن نہیں، اور امام احمد و شافعی رحمہما اللہ نے روغن نجس کو مطلق طور پر چراغ وغیرہ کے جلانے میں جائز قرار دیا ہے، اور اس میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی ہے، گوبر نجس العین ہے، لیکن جمہور علماء نے کھیتی باڑی، اور پھل ترکاری کی کاشت کے سلسلہ میں اس سے انتفاع جائز قرار دیا ہے، اور اس کی ملابست، نجس چیز کی آگ سے زیادہ موثر ہے، یعنی پھل، غلہ اور ترکاری پر نجس چیز کی آگ کا اتنا اثر ظاہر نہیں ہوتا جتنا گوبر کا یا کھاد کا نمایاں ہوتا ہے، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جو مشکوک اور مشتبہ ہو، بلکہ حس اور مشاہدے سے ثابت ہے۔

گوبر کی بیع جائز ہے

چنانچہ بعض اصحاب مالک و ابو حنیفہ رحمہما اللہ نے اس کی بیع بھی جائز قرار دی ہے۔ چنانچہ ابن الماجشون کہتے ہیں کہ گوبر کی بیع جائز ہے، اس لیئے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے ——— !

ابن القاسم کہتے ہیں کہ گوبر اور کھاد کی بیع میں کوئی مضائقہ نہیں،
اشہب کہتے ہیں کھاد اور گوبر کی خریداری پر، خریدنے والا، فروخت کرنے والے سے زیادہ مجبور ہے۔
ابن الحکم کہتے ہیں خدا دونوں (فروخت کرنے والے اور خریدنے والے) میں سے کسی کو معاف نہیں کرے گا

تحریم بیع مردار، تحریم انتفاع کو لازم نہیں ہے

میں کہتا ہوں یہی قول صواب ہے، ان چیزوں کی بیع حرام ہے، اگرچہ ان سے انتفاع جائز ہی کیوں نہ ہو،
بہر حال خلاصہ بحث یہ ٹھیرا کہ تحریم بیع مردار تحریم انتفاع مردار کو لازم نہیں

ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ سے ایک نص یہ ہے کہ نجس روغن زیتون سے استصباح (چراغ جلانا) جائز ہے، لیکن مساجد میں نہیں،

جاننا چاہیے کہ انتفاع کا باب بیع کے باب سے زیادہ وسیع ہے، ہر وہ چیز جس کی بیع حرام ہے، اس سے انتفاع حرام نہیں ہے، بلکہ دونوں میں کوئی لازم نہیں ہے، چنانچہ تحریم انتفاع، تحریم بیع سے اخذ نہیں کی جا سکتی،!

تحریم بیع اجزاء مردار

بیع مردار میں تمام اجزاء شامل ہیں

تحریم بیع مردار میں اس کے تمام اجزاء کی بیع بھی شامل ہے، جو اس کی زندگی میں حلال تھے موت کے بعد حرام ہو گئے، مثلاً گوشت، چربی، پٹھے، لیکن بال، اون، اور روئیں تحریم میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ مردار نہیں ہیں۔

امام مالک و ابو حنیفہ وغیرہ کا مسلک

جمہور اہل علم کا قول ہے کہ مردار کے بال، اون، اور روئیں طاہر ہیں۔ بشرطیکہ وہ حیوان بھی طاہر ہو، یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کا مسلک ہے، نیز اوزاعی، ثوری، داؤد، ابن المنذر، مزنی اور تابعین میں، حسن، ابن سیرین اور اصحاب عبد اللہ بن مسعود بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

امام شافعی کی رائے کا تفرد

لیکن امام شافعی کی رائے اس بارے میں منفرد ہے وہ ان چیزوں کو نجس قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اسم مردار اس کے جملہ اجزاء کو اثر اور نظر کی دلیل سے شامل ہے۔

اثر کا جہاں تک تعلق ہے کامل میں ابن عدی کی مرفوعاً روایت ہے، کہ ناخن، خون اور بال دفن کر دو، کیونکہ یہ چیزیں مردار ہیں، اور نظر کا جہاں تک تعلق ہے، تو یہ چیزیں حیوان سے چپکی ہوتی ہیں، اس کی نشوونما کے ساتھ ان کا نشوونما بھی ہوتا ہے، لہذا اس کی موت کے ساتھ یہ نجس ہو جائے گی، جس طرح اس کے دوسرے جملہ اعضا نجس ہو جائیں گے۔

بالوں کی طہارت کا مسئلہ

لیکن جو لوگ بالوں کو طاہر قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعا الی حین۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے، حیوان کے اون، بال، اور روئیں کو اثاثہ اور متاع قرار دیا، اور یہ عام ہے، خواہ حیوان زندہ ہو یا مردہ۔

اسی طرح مسئلہ احمد رحمۃ اللہ میں عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے وہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میمونہ کی مردہ بکری کے پاس سے گذرے، آپ نے ارشاد فرمایا،

"تم اس کی کھال سے انتفاع کیوں نہیں کرتے؟"

لوگوں نے عرض کیا، "یہ کیونکر ممکن ہے، یہ تو مردار ہے!"

آپ نے فرمایا،

"اس کا صرف گوشت حرام ہے!"

آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوشت اور چربی، کلیجی جگر وغیرہ جو داخل لحم ہیں کے سوا باقی چیزیں مباح ہیں، ایک بات یہ بھی ہے کہ ان چیزوں میں روح بھی نہیں ہے، نہ یہ پکڑنے سے اذیت محسوس کرتی ہیں، نہ چھونے کو محسوس کرتی ہیں، اور یہ دلیل ہے عدم حیات کی، باقی رہا نشو و نما تو یہ زندگی پر دال نہیں ہے۔

ایک راوی پر جرح

رہی حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث تو اس کا ایک راوی عبداللہ بن عبدالعزیز بن ابی داؤد بھی ہے، اس کے بارے میں ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، میرے نزدیک یہ صادق نہیں ہے۔
علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں، "یہ شخص کوڑی برابر نہیں، جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتا ہے"

تحریم بیع میں دباغت شدہ کھال اور ہڈیاں بھی داخل ہیں

اگر یہ سوال کیا جائے، کہ تحریم بیع میں ہڈیوں

اور دباغت کی ہوئی کھال وغیرہ کی بیع بھی داخل ہے؟

جواب یہ ہے کہ جس بیع کو حرام کیا گیا ہے وہ ہے جس کا کھانا حرام ہے، اور استعمال کرنا حرام ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے،،

اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ جس چیز کی بیع حرام ہوتی ہے، اس کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے۔

لیکن کھال، جب اس کی دباغت کر لی جائے تو وہ ایک طاہر وجود بن جاتی ہے، جس سے لباس، فرش، اور دوسری بہت سی چیزوں میں انتفاع کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کی بیع بھی ممنوع نہیں ہے،،

امام شافعیؒ کی نص امام شافعی رحمۃ اللہ کی نص ان کی کتاب "القدیم،، میں یہ ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے، لیکن اس باب میں اصحاب شافعی مختلف الآرا ہیں۔

قفال کہتے ہیں اس کا ظاہر طاہر ہے، جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔

بعض اصحاب شافعی دوسرے کہتے ہیں اس کی بیع جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کا ظاہر اور باطن طاہر ہے، کیونکہ بہر حال یہ مردار کا جز ہے، لہٰذا اس کی بیع بھی ناجائز ہے، جیسے ہڈی اور گوشت کی بیع ناجائز ہے۔

بعض اصحاب شافعی کہتے ہیں اس کی بیع دباغت کے بعد جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک طاہر وجود ہے، جس سے انتفاع کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اس کی بیع جائز ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ دباغت یا ازالہ ہے یا احالہ ہے، پس اگر احالہ ہے تو اس کی بیع جائز ہے، کیونکہ مردار کا جز ہوتے کے باوجود اس نے ایک دوسرا پیکر اختیار کر لیا اور ازالہ ہے تو بے شک اس کی بیع جائز نہیں ہوگی، کیونکہ مردار کا وصف یہ ہے کہ اس کی بیع حرام ہے، اور یہ وصف باقی ہے،

امام مالکؒ کا مسلک: رہے اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ، تو ابن القاسم کی المدونہ،

میں اس کی بیع کی ممانعت ہے، اگرچہ دباغت ہو چکی ہو، صاحب "التہذیب" نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، مازنی کہتے ہیں کہ دباغت کے بعد بھی یہ طاہر نہیں ہے۔

امام مالک کے دو قول

میں کہتا ہوں، مدبوغ (دباغت شدہ) کھال کی طہارت کے بارے میں امام مالک سے دو قول منقول ہیں۔

ایک یہ کہ ظاہری اور باطنی طور پر وہ طاہر ہے، وہب کا قول بھی یہی ہے اور اس روایت کی بنیاد پر بعض اصحاب مالک اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے اور وہی زیادہ مشہور ہے کہ اس کی طہارت مخصوص قسم کی ہے، اسے صرف خشک چیزوں میں اور پانی میں استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن دوسری سیال چیزوں میں نہیں، اس روایت کی بنیاد پر بعض اصحاب مالک کہتے ہیں، کہ اس کی بیع ناجائز ہے، اس پر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔

امام احمد رحمۃ اللہ کا مسلک

امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دباغت سے پہلے مردار کی کھال کا بیچنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس کی دباغت ہو چکی ہو تو جائز ہے۔

امام احمد کے تین وجوہ

روغن نجس کے بارے میں امام احمد کے تین وجوہ ہیں!

۱۔ ایک یہ کہ اس کی بیع جائز نہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس کی بیع کافر کے ہاتھ جائز ہے، جو اس کی نجاست سے واقف ہو۔

۳۔ اس کی بیع کافر اور مسلم دونوں کے ہاتھ جائز ہے، جیسے گوبر دونوں کے ہاتھ نجس ہونے کے باوجود فروخت کیا جا سکتا ہے۔

اصحاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک گوبر کی بیع جو نجس ہے جائز ہے، بشرطیکہ وہ کسی چیز کا تابع ہو، صرف گوبر کی بیع جائز نہیں

اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول

مردار کی ہڈیوں کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نجس نہیں بعض اصحاب امام کا قول بھی یہی ہے۔ اصحاب امام مالک میں سے ابن وہب نے بھی

اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

ان حضرات کے نزدیک ہڈی کی بیع جائز ہے، اگرچہ ماخذ طہارت میں یہ باہم مختلف ہیں

اصحاب ابوحنیفہ رحمہ کا قول ہے کہ ہڈی مردار میں داخل نہیں ہے۔ نہ یہ رسم اس پر حاوی ہے۔

ابن القاسم کی روایت ابن القاسم کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے کہ مردار کی ہڈی کی خرید و فروخت درست نہیں ہے، اسی طرح ہاتھی کے دانت کا کاروبار بھی نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کی بنی ہوئی کنگھیوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

لیکن مطرف اور ابن الماجشون نے ہاتھی دانت کی بیع مطلق طور پر جائز رکھی ہے۔

تحریم بیع اصنام

جملہ آلات شرک کی حرمت

اصنام کی بیع بھی حرام ہے!

بیع اصنام کی حرمت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے جملہ آلات کی بیع بھی حرام ہے جو کسی جہت اور نوعیت سے بھی شرک کی طرف متوجہ کرنے والے ہوں، مثلاً بت، سسر، صلیب وغیرہ۔

کن کتابوں کی بیع حرام ہے؟

اسی طرح ان تمام کتابوں کی بیع بھی حرام ہے، جو مشتمل بر کفر ہوں، اور غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کا جن میں ذکر ہو، ایسی تمام چیزوں کا ازالہ اور اعدام واجب ہے، پس ان کی بیع تو ذریعہ ہے، شرک کے فروغ اور پرچار کا، لہٰذا اس کی تحریم تو اور زیادہ ضروری ہوگی، کیونکہ اس بیع میں وہ تمام مفاسد موجود ہیں، جو نفس اشیاء میں ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر ان کے خفت امر کے باعث نہیں کیا، یعنی یہ معمولی چیزیں ہیں اس لیے ان کے ذکر میں تاخیر نہیں روا رکھی بلکہ تدریج کو اختیار فرمایا، پہلے سہل چیز لی، پھر سخت پر آئے۔

بیع خمر کی تحریم

کفار آپس میں شراب کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں مسلمان نہیں

کہا جا سکتا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں خمر (شراب) حلال ہے، لہٰذا ان کے ہاتھ اس کی بیع جائز ہو گی، !!

حضرت عمرؓ کا فرمان جواب یہ ہے کہ یہ وہ وہم ہے جو حضرت عمر بن الخطاب کے عمال کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا، اور انھوں نے اس وہم کو دور بھی کر دیا تھا انھوں نے اپنے عمال کو اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کا فرمان بھیجا تھا، اور حکم دیا تھا کہ بیع خمر کو وہ اہل کتاب پر چھوڑ دیں، وہ آپس میں بے شک اس کی خرید و فروخت کریں، البتہ ان پہ جو سرکاری مطالبات ہوں اور ان کی ادائی وہ اس کی قیمت سے کریں، تو لے لیں،

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے عبد الرحمان نے، انھوں نے سفیان بن سعید سے، انھوں نے ابراہیم بن عبد الاعلیٰ الجعفی سے، انھوں نے سوید بن غفلہ سے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ لوگ خنازیر کی صورت میں جزیہ وصول کرتے ہیں، بلال رضؓ اٹھے اور انھوں نے کہا،

"وہاں لوگ ایسا کرتے ہیں"!،

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا،

"یہ نہ کرو، اگرچہ ان کی فروخت کا ارادہ کیوں نہ ہو"!

ابو عبید کہتے ہیں ہم سے انصاری نے، انھوں نے اسرائیل سے، انھوں نے ابراہیم بن عبد الاعلیٰ سے، انھوں نے سوید بن غفلہ سے روایت کیا کہ بلال رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے شکایت

کی کہ آپ کے عمال خراج میں خنزیر، اور خمر وصول کرتے ہیں،

حضرت عمرؓ نے فرمایا،

"(اہل کتاب سے خراج میں) یہ چیزیں مت لو، لیکن تم ان کی قیمت لے سکتے ہو!"

ابو عبید کا بیان

ابو عبید کا بیان یہ ہے کہ مسلمان اہل ذمہ[1] سے خراج اور جزیہ کی رقم کے بدلے، خمر اور خنازیر لے لیا کرتے تھے، (تاکہ انھیں فروخت کر کے مطالبہ کی رقم وصول کرلیں) حضرت بلالؓ کو یہ بات ناگوار گزری، انھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی، جس پر انھوں نے حکم امتناعی نافذ کردیا، البتہ اہل ذمہ اگر آپس میں فروخت شدہ خمر و خنزیر کی رقم سے جزیہ ادا کریں تو اسے لینے کی اجازت دے دی، کیونکہ اہل ذمہ ان چیزوں کی خرید و فروخت کر سکتے تھے، کیونکہ خمر اور خنزیر انہی کی ملکیت تھے۔ مسلمانوں کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہ تھا،

حرام چیزوں کی قیمت بھی حرام ہے

ابو عبید کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے بارے میں ایک اور روایت لیث بن ابی سلیم کی ہے کہ انھوں نے اپنے عمال کو فرمان بھیجا کہ خنازیر قتل کردیے جائیں، اور ان کی قیمت جمع ہو، وہ اہل جزیہ سے جزیہ کے حساب میں لے لی جائے کیونکہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ محصول کی رقم اس طرح لی جائے اگرچہ ذمی کو آپس میں ان چیزوں کی خرید و فروخت کی اجازت تھی، محصول کی رقم سے مراد وہ رقم ہے، جو ان چیزوں پر بطور محصول عائد ہوتی تھی، لیکن اس محصول کو، اور اس طرح کی قیمت کو وہ قول رسولؐ کی بنا پر پسند نہیں کرتے تھے، آپؐ کا ارشاد تھا خدا جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے کہ اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے۔

---

[1] اہل ذمہ وہ غیر مسلم ہوتے ہیں، جو اپنے دین و آئین شرع پر قائم رہتے ہوئے مسلم حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کریں، اسلامی حکومت میں فوجی خدمت ہر مسلمان سے لی جا سکتی ہے، لیکن اہل ذمہ اس حکومت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی رقم سالانہ ان سے وصول کی جاتی ہے، جس کے بدلے میں انکے جان و مال کی حکومت اسلامیہ ذمہ دار ہو جاتی ہے اس کے علاوہ ان سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عتاب

اسی طرح عبداللہ بن ھبیرہ سبائی کی روایت ہے کہ عتبہ بن فرقد نے عمر رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار درہم صدقہ (محصول) خمر کے ایک مرتبہ بھیجے، عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا،

"خدا کی قسم اب میں تجھے عامل نہیں بناؤں گا۔"

شراب کا محصول واپس کر دیا گیا

اسی طرح مثنیٰ ابن سعید کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو فرمان بھیجا کہ احوال و محاصل کی سابقہ تفصیل بھیجیں، انھوں نے جو تفصیل بھیجی اس میں عشر خمر (محصول شراب) کی رقم چار لاکھ درہم تھی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں لکھا،

"خمر پر نہ عشر ہے، نہ وہ فروخت کی جاسکتی ہے، نہ خریدی جاسکتی ہے، جیسے ہی میرا یہ فرمان پہنچے فوراً یہ رقم واپس کر دو،"

تحریم بیع سگ وگربہ

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت، اور کاہن کی بخشش سے منع فرمایا ہے،

ابوالزبیر کی روایت

صحیح مسلم میں ابوالزبیر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے جابرؓ سے کتے اور بلّی کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سخت ناپسند کرتے تھے،

علاوہ ازیں صحیح مسلم میں رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، !

"بدترین کمائی زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت اور پچھنے لگانے والے کا کسب ہے"!!

امور اربعہ مستنبطہ

یہ سنن متضمن ہیں امور اربعہ کو:

۱۔ تحریم بیع کلب ا___ اس میں ہر کتا شامل ہے خواہ وہ چھوٹا ہو، یا بڑا، شکار کے لیے ہو یا رکھوالی کے لیے، یا کھیتوں کی نگہبانی پر مامور ہو،

یہ فقہائے اہل حدیث کا مسلک ہے پوری قطعیت کے ساتھ،

لیکن اصحاب مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے اس باب میں نزاع مروی ہے، اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ بیع کلاب، کو جائز رکھتے ہیں، اور ان کی قیمت کھانا بھی درست قرار دیتے ہیں قاضی عبدالوہاب کا قول ہے، کہ بعض لوگ اسے مکروہ اور بعض حرام قرار دیتے ہیں۔

شکاری کتے کے بارے میں حکم

اور اگر یہ کہا جائے کہ شکاری کتا اس نوع سے مستثنیٰ ہے جس کی قیمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے نہی مروی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی سنن میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ درج کی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ثمن (قیمت) بیع کلب کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن شکاری کتے کے بارے میں اجازت مرحمت فرما دی ہے۔

اسی طرح نسائی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن الحسن مصیصی نے خبر دی، ان سے حجاج بن محمد نے حدیث بیان کی، انھوں نے حماد بن سلمہ سے، انھوں نے ابوالزبیر سے، انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کتے اور بلّی کی قیمت سے منع فرمایا ہے، سوا شکاری کتے کے (اسے مستثنیٰ کر دیا ہے۔)

قاسم بن اصبغ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے محمد بن اسماعیل نے، انھوں نے ابن ابی مریم سے انھوں نے یحییٰ بن ابی ایوب سے، انھوں نے مثنیٰ بن الصباح سے، انھوں نے عطا بن ابی رباح سے اور انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"کتے کی قیمت حرام ہے، سوا شکاری کتے کے"!

ابن وہب کہتے ہیں کہ ابن شہاب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا،

"تین چیزیں حرام ہیں، کاہن کی اجرت، زانیہ کی اجرت، اور کٹ کھنے کتے کی قیمت!"

نیز ابن وہب کہتے ہیں مجھ سے ھیثم بن منیر نے، ان سے حسین ابن عبداللہ بن حمزہ نے ان سے، ان کے والد نے، ان سے ان کے دادا نے، ان سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ!

بنی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کٹ کھنے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے"!

استثناء کی صحت پر ایک روایت

استثناء کی صحت پر، جابرؓ کی ایک روایت دال ہے، جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمن کلب سے منع فرمایا ہے، لیکن خود جابر رضؓ

نے شکاری کتے کی قیمت کی اجازت دی ہے اور قول صحابی تخصیص عموم حدیث کا پورے طور پر صالح اور حجت ہے، چنانچہ شافعی بھی اس کی بیع کو جائز کہتے ہیں، جیسے خچر اور گدھے کی بیع جائز ہے۔

استثناء کلب صید کی روایت درست نہیں

لیکن ان مزعومات کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استثناء کلب صید (شکاری) کی روایت صحیح نہیں ہے، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں حسن بن ابی جعفر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا، انھوں نے اسے ضعیف قرار دیا، دارقطنی اسے صواب گرداتنے ہیں کہ یہ جابر پر موقوف ہے،

امام ترمذی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے وہ کہتے ہیں یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا راوی ابوالمہزم ضعیف ہے۔

بیہقی کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثمن کلب کی تحریم کی روایت صحابہ کی ایک جماعت نے کی ہے جس میں ابن عباس، جابر، عبداللہ، ابوہریرہ، رافع، ابن خدیج اور ابوجحیفہ، رضی اللہ عنہم شامل ہیں، ان کے مرویات کے الفاظ مختلف ہیں لیکن معناً ایک ہیں، اور جو حدیث استثناء کلب صید کے سلسلہ میں مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ راوی کو شبہہ پڑ گیا ہے۔

حماد بن سلمہ کی حدیث پر ایک نظر

رہی حماد بن سلمہ کی حدیث جو انھوں نے ابوالزبیر سے روایت کی ہے، اسے امام احمد رضی اللہ عنہ نے ضعیف قرار دیا ہے، دارقطنی نے اسے صواب کہا ہے، لیکن موقوف قرار دیا ہے، ابن حزم نے اسے معلول بتایا ہے، کیونکہ ابن الزبیر نے تصریح سماع از جابر رضہ نہیں کی ہے، اور یہ راوی رلس ہے، بیہقی نے اسے معلل قرار دیا ہے، اس کا ایک راوی وہم میں مبتلا ہو گیا ہے، اس نے استثنا کلب صید کو بیع کی طرف منتقل کر دیا ہے،

مثنیٰ بن الصباح کی روایت باطل ہے

میں کہتا ہوں کہ مثنیٰ بن الصباح کی عطا سے اور ان کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت باطل ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب ہیں، مالکؒ ان کے کذب کی شہادت

دیتے، امام احمد ان پر جرح کرتے ہیں،

حضرت علی سے مروی اثر پر جرح

باقی رہا، علی رضی اللہ عنہ کا اثر، تو اس روایت میں ایک راوی، ابن ضمرہ ہے، جو حد درجہ ضعیف ہے اس طرح کے آثار ساقطہ معلولہ ان پر تقدم نہیں حاصل کر سکتے، جنہیں ائمہ ثقات نے روایت کیا ہے، چنانچہ بعض حفاظ حدیث کہتے ہیں کہ ان کی نقل، دراصل نقل متواتر ہے، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ جابر، ابوہریرہ، اور ابن عباس تو صاف الفاظ میں کہتے ہیں، کہ ثمن کلب، خبیث ہے،

وکیع اسرائیل سے، وہ عبدالکریم سے، وہ قیس بن جبیر سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت، اور شراب کے دام حرام ہیں۔

افسد القیاس

اور کتے کو، خچر اور گدھے پر قیاس کرنا تو افسد القیاس ہے، کتے کو اگر کسی چیز پر قیاس کیا جا سکتا ہے تو وہ خنزیر ہے، کیونکہ اس میں اور خنزیر میں جو مشابہت ہے، وہ خچر اور گدھے کی مشابہت سے کہیں زیادہ قوی ہے،

سراسر باطل دعوے

اور اگر یہ کہا جائے کہ ثمن کلب کی نہی، اس وقت تک تھی جب تک اسے قتل کرنے کا حکم نافذ تھا، لیکن جب اس کا قتل ممنوع ہو گیا تو اس کی قیمت، مباح ہو گئی، اور تحریم بیع کا حکم منسوخ ہو گیا۔

لیکن یہ دعوے سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے مدعی کے پاس اپنے دعوے کی صحت کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ اس کے پاس تائید میں کوئی اثر ہے، نہ کوئی تائیدی ثبوت ہے، جو اس دعوے کے ثبوت پر دلالت کرتا ہو،

اس کے برعکس اس کے بطلان پر وہ حدیثیں دال ہیں جو تحریم بیع، اور تحریم اکل ثمن کلب پر دلالت کرتی ہیں لے

لے یہ بڑی دور از کار اور غیر ضروری بحثیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں، لیکن اسے فراموش نہ کرنا چاہئے،

کہ جو چیزیں چند افراد کو دوراز کار اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں، وہ نہایت اہم قانونی مباحث سے تعلق رکھتی ہیں،

قانون خشک بھی ہوتا ہے، غیر دلچسپ بھی، اور پیچیدہ بھی،

لیکن بایں ہمہ اگر قانون نہ ہو، اور ایک مسئلہ کے سارے جزئیات کو، جو متوقع اور ممکن ہوں، اپنے دامن میں نہ سمیٹ لے، تو عوام کو گوناگوں مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور حاکم کو بھی فیصلہ کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، لہٰذا قانون کا فرض ہے کہ وہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو زیر بحث لائے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ رہنے دے۔

تحریم اجرت زانیہ

آزاد عورت اگر زنا پر مجبور کی جائے تو کیا مہر واجب ہوگا؟

باندی کے بارے میں حکم زنا کے معاوضہ کے طور پر زانیہ جو کچھ حاصل کرتی ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے خبیث ہے، خواہ اس کا صدور حرہ کی طرف سے ہوا ہو، یا باندی کی طرف سے بطور خاص اس لیے کہ اس زمانہ میں یہ کام حرائر کے مقابلہ میں باندیاں ہی زیادہ کرتی تھیں، چنانچہ آپؐ سے بعیت کرتے وقت ھند نے سوال کیا تھا،

"کیا آزاد عورت بھی زنا کا ارتکاب کرتی ہے ؟"

زانیہ مہر کی حقدار نہیں اس بارے میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ایک عاقل و بالغ عورت، کسی آدمی کو پسند کرتی اور اس سے زنا کراتی ہے، تو وہ کسی مہر کی حقدار نہیں ہے۔

آزاد عورت اور باندی کے مسئلہ میں فقہا کا اختلاف لیکن حرۂ مکرہہ[1] اور امت مطاوعہ[2] کے بارے میں اختلاف ہے۔

---

[1] یعنی وہ آزاد عورت جو زنا پر مجبور کی جائے،
[2] یعنی وہ باندی، جو حکم آقا کی پیروی میں یہ گناہ کرے۔

جہاں تک آزاد عورت کا زنا پر مجبور کیے جانے کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، اور یہ امام احمد رحمۃ اللہ کے روایات منصوص میں سے ہیں،

۱ ۔ ایسی آزاد عورت جو زنا پر مجبور کی جائے، مہر کی مستحق ہے، خواہ وہ کنواری ہو یا کنواری نہ ہو، خواہ اس کے ساتھ مجامعت کی گئی ہو یا اغلام،

۲ ۔ اگر عورت کنواری نہیں ہے تو مہر کی مستحق نہیں ہے، اگر کنواری ہے تو مہر کی سزاوار ہے۔

۳ ۔ اگر وہ محرم ہے تو مہر نہیں ہے، اگر اجنبی ہے تو مہر واجب ہوگا۔

۴ ۔ جس عورت کی لڑکی مرد پر حرام ہے، مثلاً ماں، بیٹی، بہن، اسے مہر نہیں ملے گا، اور جس کی بیٹی حلال ہے۔ مثلاً پھپھی، خالہ، تو وہ مہر پائے گی،

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مکرہہ کو کسی حالت میں مہر نہیں ملے گا، خواہ وہ کنواری ہو یا کنواری نہ ہو۔

شارع کے قول کے مطابق مہر عقد کی صورت میں ملتا ہے، پھر زنا کی صورت میں کیسے مل سکتا ہے؟

اور باندی کو نکاح پر قیاس کرنا فاسد ترین قیاس ہے، کیونکہ اس استمتاع (زنا) کے مقابلہ میں تو شارع نے حد، عقوبت، اور سزا رکھی ہے، یہ چیزیں ضمان مہر کے مقابلہ میں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں؟ مہر خصاص، نکاح میں لفظاً و معناً ہے، اس کی طرف تعات ہوتا ہے، چنانچہ "مہر نکاح" کہتے ہیں، "مہر زنا" نہیں کہتے،

لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا

اسی طرح جس عورت سے اغلام کیا جائے جو باندی لواطت کے باعث یہ فعل کرے اس کا مہر بھی واجب نہیں ہوگا، (البتہ زانی سزا پائے گا) کیونکہ پہلی صورت لواطت کی ہے جس میں مہر نہیں ہوتا، ابو البرکات ابن تیمیہ مکرھہ، مہر مثل واجب قرار دیتے ہیں، خواہ زنا بصورت جماع ہو یا اغلام، ابو محمد نے مغنی میں لکھا ہے کہ وطی فی الدبر اور لواطت سے مہر واجب نہیں ہوتا، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ شارع نے

اس فعل کی کوئی قیمت کسی اعتبار سے نہیں مقرر کی، نہ از روئے اصل، نہ از روئے قدر، اور فرج کا قیاس بالکل فاسد ہے، پھر تو اگر لڑکے سے اغلام کیا جائے تو اسے بھی مہر دینا پڑے گا۔[1]

---

[1] زانیہ کے مہر، اور لواطت کی صورت میں مہر، یا زانیہ کی اجرت، یہ محض قانونی اور فقہی مباحث ہیں ورنہ عقل عامہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح کی اجرت یا مہر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اسلام نے چونکہ انسان کی عظمت و تکریم کو دوبالا کیا ہے، اسی لیے وہ تحفظ نسب پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، ساتھ ہی ساتھ تطہیر اخلاق و کردار بھی، اور زنا کی صورت میں تحفظ نسب اور تطہیر اخلاق و کردار کی پوری عمارت آن کی آن میں منہدم ہو کر رہ جاتی ہے اسی لیے اس کی سزا، اتنی سخت تجویز کی جو کسی اور جرم کی نہیں ہے، اور چونکہ سزا اتنی سخت و شدید تجویز کی اسی لیے خاص اس مسئلہ میں شہادت اور گواہی کا اصول بھی اتنا سخت اور بے لچک رکھا کہ کسی درجہ میں بھی ناانصافی کا شائبہ نہ پایا جائے اور مجرم کو شبہہ کا پورا فائدہ دیا جائے۔

حرمت کسب کنیز و زانیہ

کیا توبہ کے بعد زانیہ اپنے کسب کی آمدنی خرچ کرسکتی ہے

مسئلہ مہر کنیز زانیہ آیا کنیز (باندی) بصورت زنا مرد سے مہر وصول کر سکتی ہے؟ اس باب میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ وصول کر سکتی ہے یہ امام شافعی اور اکثر اصحاب امام احمد کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ منفعت دوسرے شخص (مالک) کے لیے وہ حاصل کرتی ہے، لہٰذا اس کا بدل ساقط نہیں ہوگا لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ مہر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ایسا فعل قبیح ہے جس کے مہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ خبیث ہے کسب زنا اور اجرت کاہن اور ثمن کلب کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے، لہٰذا کنیز بھی اس حکم میں داخل ہے، عموم سے اس کی تخصیص کسی طرح بھی جائز نہیں، کیونکہ باندیاں تو اس پیشہ کے اعتبار سے شہرت رکھتی تھیں، چنانچہ ان کے اور ان کے آقاؤں کے بارے میں حکم الٰہی نازل ہوا،

ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا۔ یعنی اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو، (بالخصوص) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔
پس اس آیت کریمہ کی روشنی میں باندیاں اس نص سے کس طرح خارج کی جاسکتی

ہیں ؟ اور اگر تم یہ کہو کہ باندی جو منفعت حاصل کرتی ہے وہ اپنے آقا کے لیے کرتی ہے، تو آقا کے لیے بھی یہ آمدنی کب جائز ہے ؟ وہ عقد نکاح کا مالک بن سکتا ہے لیکن زنا کے لیے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ نے جو معاوضہ رکھا ہے وہ صرف عقوبت ہے۔

توبہ کے بعد زانیہ، اُجرت زنا کیا خرچ کرے گی؟

اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں ہیں کیا کہتے ہو کہ زانیہ اگر تائب ہو جائے، اور اُجرت زنا کی رقم اس کے قبضہ میں ہو، تو وہ کیا کرے ؟ آیا وہ رقم ارباب رقم کو واپس کر دے گی ؟ یا اپنے صرف میں لائے گی ؟ یا صدقہ کر دے گی ؟

جواب میں ہم کہیں گے کہ اسلام کے عظیم قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کے قبضہ میں ایسی چیز ہو جس پر قبضہ شرعاً جائز نہ ہو، اور وہ اس قبضہ سے گلو خلاصی چاہے تو اگر مقبوضہ چیز، اپنے مالک کی رضامندی کے بغیر حاصل کی گئی ہے، اور اس رقم کے بدلے میں اس نے کچھ حاصل نہیں کیا ہے تو وہ اسے واپس کر دی جائے گی، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان کے ورثا کو واپس کر دی جائے گی۔

اور اگر مقبوضہ چیز اپنے مالک کی رضامندی سے حاصل ہوئی ہے، اور وہ اس کا عوض جو حرام ہے۔ لے چکا ہے، تو یہ دینے والے کو واپس نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے یہ رقم دی تھی اور اس کا عوض ـــ گو حرام سہی ـــ بھی حاصل کر لیا تھا، لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ وہ منفعت بھی حاصل کرے، اور منفعت کے عوض میں جو کچھ دے وہ بھی حاصل کر لے، کیونکہ اس طرح تو گویا اثم وعدوان کے معاملہ میں اس کی اعانت کی گئی، اور اصحاب معاصی کو بڑا اچھا موقع ارتکاب معصیت کا مل جائے گا،

لیکن اس رقم پر جس کا قبضہ ہے۔ اس لیے اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خبیث ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، پس یہ رقم خبث کسب کے باعث خبیث ہے، ظلم کے باعث خبیث نہیں ہے، لہٰذا،

اس سے گلو خلاصی اور اتمام توبہ کی صورت یہ ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، لیکن خود محتاج ہو تو بقدر حاجت وضرورت اس رقم میں سے اپنے مصارف کے لیے رکھ لینا جائز ہے، باقی رقم صدقہ کر دینی چاہیے،

یہ حکم ہر کسب خبیث کے لیے ہے۔

زانی کو اس کا مال واپس نہیں مل سکتا

اور اگر یہ کہا جائے کہ ناجائز مقبوضہ چیز کا قبضہ بمنزلہ عدم کے ہے، لہٰذا بغیر حق کے جس کے قبضہ میں مال ہے اسے چاہیے کہ دینے والے کو واپس کر دے اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں نے وہ چیز دی جس کا انھیں حق نہیں تھا، اور وہ چیز لی، جس کا وہ حق نہیں رکھتے تھے، دونوں گنہگار ہیں پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک کے لیے تو یہ خصوصیت ہو کہ عوض اور معوض (رقم اجرت) دونوں اس کے لیے جمع کرائے جائیں، اور دوسرے کو دونوں سے محروم کر دیا جائے۔

تحریم اُجرت کاہن ومنجم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام عالیہ

رمال وغیرہ کی اُجرت بھی حرام ہے ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کاہن کو اس کی کہانت کے معاوضہ میں جو رقم دی جاتی ہے۔ اس کا کھانا مال باطل کا کھانا ہے اس اُجرت کو "حلوان" کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں عطیہ،

حلوان کاہن کی تحریم تنبیہہ ہے نجومی، قرعہ انداز، پانسہ پھینکنے والا، اور رمال وغیرہ کی تحریم حلوان پر اسی طرح وہ تمام لوگ جو غیب کی باتیں بتاتے ہیں، انہیں عطیہ یا اجرت دینا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کو اُجرت دینے سے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

"جو کسی نجومی کے پاس آیا اور اس نے اُسے کچھ صدقہ یا عطیہ اس کی باتیں سنکر دیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا"

بلاشبہہ اس چیز پر ایمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور اس چیز پر ایمان جو کاہن یا نجومی کی کہانت پر ہوا یہ دونوں ایمان قلب واحد میں جمع نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ایک کا صدق دوسرے کے کذب پر منسوب ہوگا، شیطان کے ذریعہ سے جو

خبریں آتی ہیں وہ اگر کبھی سچ ثابت ہوں تو لوگوں کی گمراہی اور ان کا فتنے میں مبتلا ہونا ممکن ہو جاتا ہے، اکثر لوگ ان باتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آتے ہیں۔ خاص طور پر ضعیف العقل لوگ مثلاً احمق، جاہل، عورت اور دیہاتی اور جو لوگ حقائق ایمان سے لاعلم ہوتے ہیں وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کاہنوں اور نجومیوں سے حسن ظن رکھتے ہیں اگرچہ وہ کافر مشرک کیوں نہ ہوں، وہ ان کی زیارت کو جاتے ہیں، انہیں نذر دیتے ہیں، اور اُن سے دعا کی التجا کرتے ہیں اس طرح کے بہت سے واقعات ہم نے دیکھے اور سنے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ رسول خدا ؐ اور دین حق کی تعلیمات سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو اللہ کے نور سے روشنی نہ پائے پھر وہ کسی نور سے روشنی نہیں پا سکتا،

صحابہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ کاہن اور نجومی جو باتیں ہمیں کسی واقعہ کے متعلق بتاتے ہیں تو کبھی وہ اسی طرح واقع ہو جاتا ہے جیسا انھوں نے کہا تھا، آپؐ نے صحابہ کو بتایا کہ یہ از جہت شیاطین ہے وہ کبھی کوئی ایسی بات انھیں بتا دیتے ہیں جو سچ ہوتی ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا دیتے ہیں لوگ اس ایک سچ کی وجہ سے ان جھوٹی باتوں کی بھی تصدیق کرنے لگتے ہیں۔

پیشن گوئیاں کرنے والے لوگ اب رہے پیشن گوئیاں کرنے والے لوگ، ان کی پیشن گوئیاں چند چیزوں پر مبنی ہوتی ہیں:

۱۔ کاہنوں کی بتائی ہوئی خبریں۔
۲۔ کتب سابقہ سے اخبارِ منقولہ جو اہل کتاب کے مابین متوارث چلے آ رہے ہیں
۳۔ وہ امور جس کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمالی اور تفصیلی طور پر دی ہے۔
۴۔ وہ امور جو صحابہ اور بعد کے لوگوں کے کشف میں سے ہیں۔
۵۔ کسی امر تھی یا جزئی سے متعلق خواب، جزئی کو بعینہ بیان کر دیتے ہیں اور ان کی

تفصیل قرائن سے کرتے ہیں جو صحیح یا قریب بہ صدق ہوتے ہیں۔

۶۔ ایسے آثار علویہ سے استدلال جنھیں اللہ تعالیٰ نے حوادث ارضی کا سبب اور دلیل بتایا ہے اور جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بیکار اور عبث پیدا نہیں کی ہے اس نے عالم علوی اور عالم سفلی کے مابین ایک ربط قائم رکھا ہے، اور علوی کو سفلی پر مؤثر رکھا ہے لیکن سفلی کو علوی پر مؤثر نہیں رکھا ہے چنانچہ سورج اور چاند شخص کی موت اور زندگی سے واسطہ نہیں رکھتا، البتہ حوادث ارضی کا سبب بن سکتا ہے اس شر کے تغیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز ذکر دعا، توبہ، استغفار اور عتق جیسی چیزیں مقرر کی ہیں، یہ چیزیں اسباب شر کو دفع کرتیں اور ان کی مقاومت کر اور ان کے موجبات کو روکتی ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرکت شمس وقمر اور ان کے مطالع کو سبب بنایا ہے موسم کا، چنانچہ گرمی اور سردی وغیرہ انھیں چیزوں کا نتیجہ ہیں پس جو شخص حرکات شمس وقمر پر اعتنا کرتا ہے اور اختلاف مطالع سے واقف ہے وہ بتا سکتا ہے کہ نباتات اور حیوانات وغیرہ پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوں گے یہ ایسی بات ہے جن سے اکثر کسان اور کاشتکار واقف ہوتے ہیں اسی طرح کشتیوں کے ناخدا احوال کواکب سے اور رفتار شمس وقمر سے اور ہواؤں کی شدت قوت سے سلامتی اور خطرے کا اندازہ لگا لیتے ہیں جو بہت کم غلط ثابت ہوتا ہے، اسی طرح اطباء کے استدلات ہیں جو احوال شمس وقمر کی بنیاد پر انسانی طبیعت کے اختلاف اور قبول تغیر کی استعداد سے متعلق ہوتے ہیں،

احکام وقیاسیات کا استخراج

چنانچہ پیش گوئیاں کرنے والے ان تمام چیزوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اور اسی بنا پر احکام وقیاسیات کا استخراج کرتے ہیں جو سابقہ احوال وواقعات سے مشابہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ خلق کے بارے میں حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ لہٰذا نظیر کی بنا پر حکم لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت حکم الٰہی کی نظیر پر مبنی ہوتا ہے۔

تعبیر کی اجرت جائز ہے

کہانت، نجوم، ملاحم، وغیرہ کی صرف ایک قسم ایسی ہے جو معتبر ہے اور وہ ہے تعبیر رویا جو شخص اس فن میں اچھی طرح نفوذ و اطلاع حاصل کر لیتا ہے اس سے عجائب امور سرزد ہوتے ہیں۔ ہم نے اور ہمارے علاوہ دوسروں نے خود ایسے امور عجیبہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ تعبیر دینے والا ایسی تعبیر دیتا ہے جو جلد یا بہ دیر صادق آتی ہے اور سننے والا کہہ اٹھتا ہے کہ یہ تو علم غیب ہے حالانکہ یہ غیب اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس سے ناواقف ہے، اور دوسرا اپنے علم کی انفرادیت کے باعث اُن چیزوں سے واقف ہے جو دوسروں سے مخفی ہیں۔

شارع صلوٰۃ اللہ علیہ نے ایسی چیزوں پر اجرت دینا حرام قرار دیا ہے کہ جن کی مضرت منفعت پر غالب ہو یا جن میں سرے سے کوئی منفعت ہی نہ ہو، جو شرک کی طرف لے جانے والی ہوں اس اجرت کا لینا صیانت امت کے لیے حرام قرار دیا ہے کہ ایمان میں مفسدہ پیدا نہ ہو لیکن تعبیر رویا کی اجرت میں یہ اندیشہ نہیں لہٰذا وہ باطل نہیں جائز ہے۔ کیونکہ رویا اجزاء نبوت میں سے ہے[1]، لہٰذا اگر صاحب رویا صادق، پاکباز، اور نیک سرشت ہے، تو اس کی تعبیر صحیح تر ہوگی بخلاف کاہن اور منجم وغیرہ کے انہیں جو کچھ ملتا ہے شیاطین سے ملتا ہے لہٰذا ان کی صناعت صدق، پاکبازی، اور بالشریعت پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ یہ جادوگروں سے مشابہ ہوتے ہیں، یہ جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے دور ہوتے ہیں،

تحریم معارضہ نسل کشی حیوانات

لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ سانڈ کو جستی کے لیے حاصل کیا کرتے تھے۔
بخاری میں ابن عمرؓ اور صحیح مسلم میں جابرؓ کی حدیث سے اس کی نہی ثابت ہوتی ہے، ایسا معاہدہ باطل ہے، خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا اجارے کی صورت میں ہو، جمہور علماء احمد، شافعی، ابوحنیفہ، اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے۔

ابوالوفا ابن عقیل کا قول

ابوالوفا ابن عقیل کہتے ہیں میرے نزدیک یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ معاہدہ سانڈ کے منافع کا ہے اور مادین پر اس کی جفتی منفعت مقصودہ ہے یہ عہد ویسا ہی ہے۔ جیسے دایہ سے بچے کو دودھ پلانے کا معاہدہ کیا جائے یا کوئی زمین اجارے پر لی جائے اور اس میں ایک کنواں بھی ہو تو کنوئیں کا پانی طبعًا اجارے میں شامل ہو جائے گا۔

امام مالک سے اس کے جواز کی روایت بیان کی گئی ہے ان کے اصحاب میں سے صاحب الجواہر نے نہی کو سانڈ کے ایسے اجارے پر محمول کیا ہے جو مادین سے جفتی کے لیے ہو ایسا اجارہ فاسد ہے۔

لیکن صحیح مسلک مطلق تحریم اور حالت میں فساد عقد کا ہے۔

تحریم کے اسباب وعلل

تحریم کے متعدد وعلل بیان کیے گئے ہیں!

۱۔ یہ معاہدہ کے معقول علیہ کی تسلیم پر قادر نہیں کیونکہ اس کا تعلق سانڈ کے اختیار اور شہوت سے ہے۔

۲۔ اس معاہدہ کا مقصد مادہ تولید کا حصول ہے اور یہ ان چیزوں میں ہے کہ جن کا عقد (معاہدہ) جائز نہیں کیونکہ اس کی قدر اور یمین مجہول ہے بخلاف دودھ پلائی کی اجرت کے کیونکہ یہ مصلحت آدمی پر محتمل ہے اور اس کا قیاس دوسری چیزوں پر نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے کہ اس امر کی نہی شریعت کے محاسن وکمالات میں سے ہے۔

کیونکہ اس سانڈ کے مادہ تولید کی قیمت لینا اور اسے عقود معاوضات کا محل قرار دینا عقلا کے نزدیک ایک قبیح چیز ہے، ایسا کرنے والا ان کے نزدیک پست اور سبک ہو جاتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو، اور خاص طور پر مسلمانوں کو حسن اور قبیح کی میزان قرار دیا ہے،

جو چیز مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے
وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے
اور جسے مسلمان قبیح سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

علاوہ ازیں سانڈ کے مادہ تولید کی کوئی قیمت نہیں لہٰذا اگر کسی آدمی کا سانڈ کسی دوسرے شخص کی مادین سے جفتی کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بالاتفاق مادین کے مالک کا ہے۔

لہٰذا شریعت کاملہ نے ایسی جفتی کا معاوضہ حرام قرار دیا ہے جس کے لوگ تکثیر نسل کے لیے محتاج ہیں اور جس سے سانڈ کے مالک کو ضرر یا مالی نقصان نہیں پہنچتا پس شرعی طور پر مستحسن یہ ہے کہ یہ چیز مفت دی جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ وہ حقوق ہیں جن سے لوگوں کو محروم کرنا ان کے لیے نقصان کا

باعث ہے۔

بطور عطیہ و تحفہ کچھ دینا جائز ہے | اور اگر کہا جائے کہ مادہ بن کا مالک سانڈ کے مالک کو بطور ہدیہ کے کچھ دے تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مقصد معاوضہ ہو تو ناجائز بصورت دیگر کوئی مضائقہ نہیں۔

زائد از ضرورت پانی کی فروخت حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حضرت جابرؓ کی حدیث صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زائد از ضرورت پانی سے (دوسروں کو) روکا نہ جائے، اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں ہے کہ اس سے گھاس اور سبزے کی پیدائش رک جائے گی

مسند میں عمر بن شعیب نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے زائد از ضرورت پانی اور گھاس (دوسروں سے) روک لی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے اپنا فضل روک لے گا۔

سنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہرگز نہ روکنی چاہییں، پانی، گھاس اور آگ، نیز سنن ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین

چیزوں میں لوگ باہم شریک ہیں، پانی، آگ اور گھاس۔

سنن ابی داؤد میں بھینہ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟

"آپ نے فرمایا پانی" میرے والد نے کہا یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟ آپ نے فرمایا "نمک"

میرے والد نے کہا یا نبی اللہ وہ کون چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں؟

آپ نے فرمایا "اگر بھلائی کرو گے تمہارا بھلا ہو گا"

پانی عباد اور بہائم کے مابین مشترک ہے

درحقیقت اللہ تعالےٰ نے پانی کو عباد اور بہائم کے مابین مشترک پیدا کیا ہے تاکہ وہ اُسے پی سکیں لہٰذا اس باب میں کوئی بھی ایک دوسرے پر خصوصیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ اس کا بانی کیوں نہ ہو، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مسافر پانی کا زیادہ مستحق ہے کنواں بنانے والے سے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں مسافر کو سب سے پہلے پانی پینے کا حق ہے لیکن جو شخص اُس پانی کو مشک میں یا کسی برتن میں جمع کرے تو یہ بات حدیث میں غیر مذکور ہے، اس کی حیثیت عام مباحات کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی ملکیت میں لکڑی گھاس اور نمک وغیرہ جمع کرلے پھر انھیں فروخت کردے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا ایک گٹھا رسی سے باندھے گا کہ اسے فروخت کرے اور اس طرح اللہ اس کی ضرورت پوری کردے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور کبھی اس کا سوال پورا ہو اور کبھی پورا نہ ہو، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے چنانچہ صحیحین میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جنگ بدر میں غنیمت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے بھی ایک اونٹ ملا پھر آپؐ نے ایک دوسرا اونٹ بھی مجھے مرحمت فرمایا ایک دن میں ان دونوں کو لے کر ایک انصاری کے دروازہ پر پہنچا اور وہاں انھیں بٹھا دیا تاکہ

ان پر گھاس لادوں اور فروخت کر دوں پھر انھوں نے یہ حدیث بیان کی جس سے ثابت ہوا کہ لکڑی اور گھاس کا اس طرح لینا اور فروخت کر دینا مباح ہے، مچھلی اور دوسرے مباحات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔ اسی طرح بڑی نہروں کا پانی بھی لوگوں کے درمیان مشترک ہے نہ اسے بیچا جا سکتا ہے نہ اس کو روکا جا سکتا ہے نہ اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے، اسی طرح اگر ارض مباح میں بارش کا پانی جمع ہو جائے تو کوئی شخص بھی اس پر اپنا زیادہ حق نہیں جتا سکتا بجز اس جگہ سے قریب رہنے والوں کے اس طرح کا پانی نہ فروخت کیا جا سکتا نہ اس سے روکا جا سکتا ہے، روکنے والا گنہگار اور وعید الٰہی کا مستوجب ہو گا۔

کنوئیں کا مالک بھی پانی فروخت نہیں کر سکتا

اگر کہا جائے کہ کوئی شخص اپنی ارضی مملوکہ میں پانی جمع کرنے کے لیے گڑھا کھودتا ہے یا کنواں کھودتا ہے تو آیا وہ اس کا مالک ہوگا اور اس کے لیے اس کا فروخت کرنا جائز ہو گا؟

جواب یہ ہے کہ بیشک وہ دوسروں کے مقابلے میں اس کا زیادہ مستحق ہے اور اگر پانی اس کے اور اس کے جانوروں کے پینے بھر کا ہو تو دوسروں پر اس کا خرچ کرنا واجب نہیں ہے یہ امام احمد کی نص ہے اور یہ صورت وعید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت نہیں آتی کیونکہ وعید زائد از ضرورت پانی کے لیے ہے۔ نہ صورت بالا کے مطابق زیادہ پانی کے بارے میں،

زائد از ضرورت پانی کا بے معاوضہ استعمال

اپنی حاجت اور اپنے جانوروں کی حاجت سے جو زیادہ ہو اور جس کے دوسرے آدمی اور بہائم محتاج ہوں بغیر کسی معاوضہ کے ہر شخص ایسے پانی پر آ سکتا ہے اسے پی سکتا ہے اور اپنے جانوروں کو پلا سکتا ہے پانی کا مالک منع نہیں کر سکتا نہ وہ کوئی معاوضہ لے سکتا ہے۔

کیا پانی کے مالک کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ ڈول رسی اور چرخی بھی فراہم کرے

توکیا اس صورت میں اجرت لے سکتا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں اصحاب احمد رحمۃ اللہ کے کہ ضرورت کے وقت عاریتاً اس طرح کی چیزیں دینا واجب ہیں، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یہ صورت صحرا اور میدان کے لیے ہے۔ عمارت کے لیے نہیں ہے یعنی اگر کسی عمارت کے اندر پانی ہے تو بلا اجازت کوئی شخص داخل نہیں ہوسکتا

امام احمد کی دو روایتیں

دوسرے کی کھیتی کے لیے زائد از ضرورت پانی کا دینا آیا لازم ہے یا نہیں اس سلسلے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔

۱۔ لازم نہیں ہے امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

۲۔ لازم ہے، دلیل میں احادیث مذکورہ پیش کی جاتی ہیں۔

کنواں ملکیت ہے، پانی نہیں

اگر یہ کہا جائے کہ اگر کسی شخص کی زمین یا گھر میں کنواں یا چشمہ ہے تو آیا وہ ملکیت زمین کے باعث داخل ملکیت ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ جہاں تک کنواں اور چشمہ کا تعلق ہے وہ مالک زمین کی ملکیت ہیں لیکن پانی کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں اور امام شافعیؒ سے دو وجہیں منقول ہیں،

۱۔ یہ پانی مملوکہ نہیں ہے کیونکہ مملوکہ زمین کے نیچے بہہ رہا ہے لہذا نہر کے جاری پانی سے مشابہ ہے۔

۲۔ یہ پانی مملوکہ ہے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں پانی کی فروخت کسی حالت میں بھی میں پسند نہیں کرتا،

حضرت اثرم کی روایت

اثرمؒ کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہؓ سے سنا اُن سے سوال کیا گیا کہ کچھ لوگوں کے درمیان ایک نہر بہتی ہے جس سے وہ اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں ایک دن یا دو دن وہ اس تقسیم حصص پر اتفاق ہے ایک دن جب میری باری آتی ہے تو میں پانی کی ضرورت نہیں

محسوس کرتا ہوں اور چند روپے کرایہ لے کر کسی دوسرے کو دے دیتا ہوں۔

ابوعبداللہؒ نے کہا میں نہیں جانتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

کہا گیا کہ وہ پانی نہیں بیچتا، کرایہ پر دیتا ہے۔

ابوعبداللہؒ نے کہا کہ یہ ایک حیلہ ہے تاکہ ایک غلط چیز کو اچھا رنگ دے سکو ورنہ یہ چیز بیع کے سوا اور کیا ہے۔

امام احمدؒ سے ایک سوال اور اس کا جواب

ایسا ہی ایک سوال امام احمدؒ سے کیا گیا جبکہ لوگ ارض شام میں اپنے باغات وغیرہ کے لیے ایسا کرنے لگے تھے،

امام احمدؒ نے کچھ توقف کے بعد یہ جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ یہ اجارے کی صورت ہے تو انھوں نے فرمایا نہیں یہ حیلہ ہے حقیقتاً یہ بیع ہے اور قواعد شرعیہ پانی کی فروخت سے منع کرتے ہیں۔ اگر پانی آدمی کی ضرورت سے زیادہ ہے تو اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں اور جو اس کا محتاج ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے، یہ قول شرع کے قواعد اور حکمت اور مصالح عام سے بالکل مطابق ہے۔

غیر مسکونہ مکان میں پانی کے لیے بلا اجازت داخلہ جائز ہے

اگر کہا جائے کہ کوئی شخص اپنے حدود ملکیت میں (پانی وغیرہ لینے کے لیے) داخل ہونے سے منع کر سکتا ہے یا کوئی بغیر اذن کسی کی ملکیت میں داخل ہو سکتا ہے؟

ہمارے بعض اصحاب کا قول ہے کہ کوئی شخص اس طرح کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بلا اجازت کسی دوسرے کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن اس قول کی کلام شارع میں یا کلام امام احمدؒ میں کوئی اصل نہیں ملتی، بلکہ احمد رحمۃ اللہ کی نص تو یہ ہے کہ ارض غیر مباح میں اس کے مملوکہ نہ ہونے کے باوجود، سیرابی جائز ہے، البتہ اس مقصد

کے علاوہ دوسرے مقصد سے داخل ہونا جائز نہیں ہے صواب یہ ہے کہ ایسے حق کے استعمال کے لیے اگر استئذان متعذر نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے، بشرطیکہ وہ خود پانی پینے یا اپنے بہائم کو پانی پلانے یا گھاس کو پانی دینے کا ضرورت مند ہو، اور مالک ارض موجود نہ ہو تو اس صورت میں اگر ہم اسے داخل ہونے سے روکیں گے تو یہ ایک ضرر رساں فعل ہوگا، اور ویسے بھی روکنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صاحب ارض منع کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اسے داخلہ کی اجازت دینا واجب ہے، لہٰذا داخلہ کو اذن پر موقوف رکھنا لاحاصل ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونة فیھا متاع لکم

تو اس صورت میں کہ خانہ غیر مسکونہ میں ضرورت کی چیز ہو اور آدمی داخل ہو جائے تو اجازت کی احتیاج نہیں، البتہ خانہ مسکونہ میں بغیر اجازت داخلہ کی اجازت نہیں، ظاہر قرآن کا منشا یہی ہے اور امام احمدؒ کی نص کا مقتضا بھی یہی ہے۔

کنواں اور چشمہ فروخت کیا جاسکتا ہے

اگر سوال کیا جائے کہ کنویں اور چشمہ کی بجائے خود فروخت جائز ہے یا نہیں؟

امام احمدؒ کا قول ہے کہ نہی کنویں اور چشمہ کے زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے کی ہے، باقی کنویں اور چشمہ کی فروخت جائز ہے اور خریدنے والا اس کا پورا حق رکھتا ہے اور پانی پر بھی اسی کا حق فائق ہے، یہ امام احمدؒ کا قول ہے، اور سنت نبوی سے اس کی تائید ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"جو بئر (کنواں) رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کردے اسے جنت ملے گی!"

حضرت عثمان نے ایک یہودی سے یہ کنواں حکم نبوی کے مطابق خرید لیا، اور مسلمانوں کے لیے عام کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے آدھا کنواں بارہ ہزار میں خرید لیا دونوں نے اپنے لیے ایک ایک دن کی باری مقرر کرلی، لوگ حضرت عثمان کی

باری کے دن دگنا دن کا پانی لے لیا کرتے تھے، یہودی نے کہا،
"آپ باقی آدھا بھی خرید لیجیے!"

چنانچہ حضرت عثمان نے باقی نصف کنواں بھی بارہ ہزار میں خرید لیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

- کنویں کی بیع جائز اور صحیح ہے۔
- کنویں کا خریدنا جائز اور صحیح ہے۔
- کنویں کا پانی عام کر دینا جائز اور مباح ہے۔ پانی کی باری تقسیم کر لینا بھی جائز ہے۔
- خریدنے والا دوسروں کے مقابلہ میں پانی کا زیادہ حقدار ہے۔

یہودی پر احکام اسلام کیوں منطبق نہیں ہوئے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر پانی کی ملکیت درست نہیں ہے اور ہر شخص اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے پھر یہودی اپنی باری کے دن مسلمانوں کو پانی پینے سے کیسے منع کر سکتا تھا؟ کہ حضرت عثمان دوسرا نصف بھی خریدنے پر مجبور ہو گئے؟

جواب یہ ہے کہ اوائل اسلام میں تقرر احکام سے قبل جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو یہودی مدینہ میں جاہ و جلال کے حامل تھے، اور اسلام کے احکام ان پر جاری نہیں تھے اور آپ نے ان سے صلح کر رکھی تھی کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں ہے۔ بدستور ان کے قبضہ میں رہے گا، اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ پھر جب احکام اسلام مستقر ہو گئے، اور شرکت یہود ختم ہو گئی تو احکام شریعت ان کے اوپر بھی جاری ہو گئے، اور ظاہر ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب آپ پہلے پہل مدینہ تشریف لائے تھے۔

آب جاری کسی کی ملکیت نہیں

آب جاری، مثلاً بڑی نہروں کا پانی یا اسی طرح کا دوسرا پانی کسی حالت میں بھی کسی کی ملکیت نہیں قرار پا سکتا، اگرچہ وہ کسی شخص کی مملوکہ زمین پر کیوں نہ جاری ہو، اس کی

مثال پرندکی سی ہے، جو کسی کی زمین پر اُتر آئے تو اس سے وہ اس کا مالک نہیں بن جاتا، ہر شخص اسے پکڑ سکتا یا اس کا شکار کر سکتا ہے۔

مغنی کا ایک غیر صحیح مسئلہ شیخ نے مغنی میں کہا ہے کہ تالاب وغیرہ داخل ملکیت ہو سکتے ہیں یا وہ گڑھے جو بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے تیار کیے گئے ہیں ملکیت میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کا پانی زیر ملکیت آسکتا ہے، اور اسے فروخت بھی کیا جا سکتا ہے، اور اذن مالک کے بغیر اس میں سے کچھ نہیں لیا جا سکتا۔

لیکن مذہب اور دلیل کے اعتبار سے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے امام احمدؒ کی نص موجود ہے کہ کنویں اور چشمہ کا زائد از ضرورت پانی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کنویں اور تالاب میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا تالاب کا پانی بھی فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہی دلیل تو گذشتہ صفحات میں جو نصوص ہم پیش کر چکے ہیں، اور صحیح بخاری کی روایت میں جن وعید ثلاثہ کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور اس آدمی کا ذکر کیا ہے جو زائد از ضرورت پانی سے مسافر کو روکتا ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارض مختصہ اور ارض مباحہ کے مابین کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ تین چیزیں لوگوں کے درمیان مشترک ہیں، نیز آپؐ سے سوال کیا گیا۔

"وہ کون سی چیز ہے جس سے روکنا جائز نہیں ہے؟"

اور اس ارشاد میں کسی طرح کی شرط نہیں ہے،

لہٰذا از روے دلیل بھی اثری اور نظری اعتبار سے پانی کی فروخت ناجائز ہے[1]۔

---

[1] اگر اسلام کے احکام وتعلیمات اور ہدایات پر سچے معنوں میں عمل کیا جائے تو پھر دنیا کو نہ سوشلزم کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ کیمونزم کی، کیمونزم اس وقت افراط وتفریط (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

کا ایک مجموعہ ہے، لیکن اگر یہ اسلام کے زیر سایہ آجائے تو اس کے نعمت کبریٰ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، اس لیے کہ اسلام نے جو متوازن، عادلانہ، اور افراد قوم کے حقوق کی رعایت و مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نظام پیش کیا ہے، اس کے بروئے کار آنے کے بعد، سوسائٹی اور سماج میں ایسی مساوات پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رکھتی، ہر شخص کو اپنا جائز، صحیح، اور پورا حق مل جاتا ہے، اور اس حق کے حاصل ہو جانے کے بعد نہ انقلاب کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نہ شورش کی، نہ فتنہ و فساد اور ہنگامہ آفرینی کی۔

اور کوئی شبہہ نہیں جب تک یہ نظام لفظ و معنی کے پورے ارتباط کے ساتھ قائم رہا، اس وقت تک دنیا نے اس کے سوا، کسی اور نظام کی طرف توجہ نہیں کی لیکن جب خود مسلمانوں نے اسے ترک کر دیا اس سے احتراز کرنے لگے، اور اس کے اصولوں کو توڑنے لگے، تو دنیا نے بھی دوسرے دروازوں پر دستک دینی شروع کر دی، آج بھی اگر مسلمان ایک مرتبہ پھر اس نظام کو اپنانے پر متوجہ ہو جائیں، اور خلوص و مستعدی کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں، تو دوسرے باطل نظام اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام

سنن اور مسند میں حکیم بن حزام کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور مجھ سے وہ ایسی چیز کی بیع چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے، میں بیع کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ چیز بازار سے خرید لیتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز کی بیع کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

ابن عمرؓ کی حدیث

ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے سنن میں اسی طرح کی ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے، یہ دونوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع سے منع کیا گیا ہے یہ بیع ایک طرح کا دھوکا ہے۔

یہ جوئے سے مشابہ صورت ہے

اگر کوئی شخص ایک معین چیز کی بیع کرتا ہے اور وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہے پھر جاتا اور اسے خرید لاتا ہے اور اس کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس صورت میں چیز کے حصول اور عدم حصول کا امکان ہوتا ہے یہ دھوکا ہے جو جوئے سے مشابہ ہے۔

چنانچہ اسے روک دیا گیا۔

بیع معدوم کی ممانعت بعض لوگوں کا خیال کہ یہ ممانعت چیز کے معدوم ہونے کے سبب وارد ہوئی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے بیع معدوم سے منع فرمایا ہے، لیکن یہ حدیث بے اصل ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دونوں احادیث کے برعکس اس کی روایت باللفظ نہیں بالمعنی ہے اور جو لوگ ان دونوں کے ایک ہی معنیٰ مراد لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں حکیمؓ اور ابن عمرؓ کی حدیث سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ چیز معدوم ہے، معدوم کی ایک قسم وہ ہے جو تبعًا موجود ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک متفق الیہ دوسری سے مختلف فیہ۔

معدوم پھلوں کی بیع متفق الیہ پھلوں کی بیع ہے جبکہ "بور" ظاہر ہو گیا ہو خواہ کسی ایک ہی پھل کا کیوں نہ ہو اس بیع کے جواز پر سب کا اتفاق ہے، حالانکہ معاہدے کے وقت بقیہ اجزائے ثمار معدوم ہوتے ہیں، مگر موجود کے ذیل میں اسے شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بیع جائز ہوتی ہے کیونکہ معدوم موجود سے متصل ہوتا ہے، اس کی مثال اس منافع کی سی ہے جو از روئے معاہدہ اجارہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ معدوم ہونے کے باوجود مورد عقد بن جاتا ہے۔

بیع سلم[1] اور بیع سلف[2]

ایک حدیث کا تعلق بیع سلم سے ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی ممانعت کا اصل مورد بیع سلم ہے۔

بیع سلم کیا ہے؟ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، کیونکہ بیع سلم میں وہ چیز داخل ہوتی ہے جسے حوالے کرنے کی قدرت اور استطاعت بائع رکھتا ہو، اس میں کوئی دھوکا نہیں ہے نہ کسی قسم کا خطرہ ہے، مسلم الیہ کے ذمہ جو مال ہے، اس کی ادائی اپنے محل پر واجب ہے، اسی طرح مشتری کو یہ سہولت ملتی ہے کہ وہ قیمت دیر سے ادا کرے، اس سلسلہ میں کئی قول ہیں، لیکن مبنی اصواب قول یہ ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع کی ممانعت میں جو حدیث

---

[1] بیع سلم اسے کہتے ہیں کہ آدمی پیشگی روپیہ اس شرط پر دیدے کہ فلاں مال، فلاں وقت اس قیمت پر ہم تم سے لیں گے، خواہ اس وقت اس کا نرخ کچھ ہی ہو، مثلاً آج گیہوں دس سیر کا بکتا ہے، لیکن پیشگی روپیہ دیتے ہوئے آدمی کہتا ہے فلاں وقت ہم تم سے بارہ سیر کے حساب سے لیں گے، خواہ اس وقت نرخ آٹھ سیر کا ہو، یا پندرہ سیر کا۔

[2] بیع سلف اسے کہتے ہیں کہ پہلے سودا کر لیا جائے، اور قیمت بعد میں دی جائے،

آئی ہے، وہ بیع سلم سے متعلق کسی طرح بھی نہیں ہے خواہ وہ بیع سلم مؤجل ہو یا فوری بیع سلم عبارت ہے تاجیل (تاخیر) مبیع سے، یہ اسی طرح ہے جیسے تاجیل ثمن، دونوں صورتوں میں اہل دنیا کی مصلحت پوشیدہ ہے۔

مبیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال

مبیع غائب کے سلسلہ میں چند اقوال ہیں:

۱۔ ایک گروہ مبیع غائب کو مطلق طور پر جائز قرار دیتا ہے لیکن معین طور پر جائز نہیں قرار دیتا، امام شافعی رحمۃ اللہ سے بھی یہی مسلک منسوب ہے۔

۲۔ ایک اور گروہ ہے جو مبیع غائب کو معیّن طور پر، جبکہ اس کی صفت ذکر کردی گئی ہو جائز قرار دیتا ہے، لیکن مطلق طور پر جائز نہیں قرار دیتا، مثلاً امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ،

امام شافعی کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ انھوں نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا:

اگر بیع مطلق مذکور بہ صفت جائز ہے، پھر بیع معین مذکور بہ صفت بطریق اوّل جائز ہوئی کیونکہ برخلاف معین کے مطلق میں بہرحال دھوکے، خطرے، اور حیل کا امکان ہے۔

اگر گیہوں کی بیع ذکر صفت کے ساتھ مطلقاً جائز ہے تو اس کی بیع ذکر صفت کے ساتھ معیّن طور پر بطریق اولیٰ جائز ہے اس صورت میں مشتری کو حق خیار بھی حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ صحابہ سے منقول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

عقود میں اعتبار حقائق کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا

قاضی وغیرہ اصحاب احمد رحمۃ اللہ نے بیع سلم فوری کو، لفظ بیع کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ عقود میں اعتبار حقائق اور مقاصد کا ہوتا ہے، نہ کہ مجرد الفاظ کا!

بیع سلم کی آپؐ کی طرف سے ممانعت

اور نفس بیع اعیان حاضرہ جن کا قبضہ متاخر ہو، اور قیمت پہلے دے دی جائے، اسے بیع سلف کہتے ہیں جیساکہ مسند میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے باغ کے سلم کی نہی فرمائی ہے۔ جب تک اس کا بور ظاہر نہ ہو جائے، بور ظاہر ہونے کے بعد اگر آدمی یہ کہے کہ

"اس باغ کی کھجوریں دس وسق کے عوض میں تم کو دیتا ہوں!"

تو یہ جائز ہے، لیکن ثمن (قیمت) بور کے مکمل ہونے تک متاخر رہے گی، لیکن اگر قیمت پیشگی دیدی جائے تو پھر یہ بیع سلف ہے، کیونکہ سلف اسے کہتے ہیں جو پہلے ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فجعلناہ سلفا و مثلا للآخرین

علاوہ ازیں سلف قرض کے معنی میں بھی آتا ہے،

بیع تجارت جائز ہے

غرض حاصل کلام یہ کہ اس چیز کی بیع جو بائع کے پاس موجود نہیں ہے، نہ اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے قمار اور جوئے کے مانند ہے، کیونکہ ایسے بائع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی بیع سے جو اس کے پاس نہیں ہے نفع کمائے، اور مشتری اس بات سے لاعلم ہوتا ہے کہ یہ شخص جو بیع کر رہا ہے، بعد میں خود جاکر اسے خریدے گا۔ تب حوالے کرے گا، اور اگر لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے تو اکثر صورتوں میں لوگ اس سے ہرگز سودا نہ کریں، بلکہ اس نے جہاں سے وہ چیز (نسبتاً سستے نرخ پر) خریدی ہے خود وہاں جاکر خرید لیں، اور اس صورت کو مخاطرۂ تجارت میں شامل نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر کوئی تاجر کچھ مال خریدتا ہے اور اب وہ اس کی ملکیت میں آجاتا ہے، اور اس کے قبضہ و تصرف میں داخل ہو جاتا ہے، تو اب وہ مخاطرہ تجارت میں آجاتا ہے اور جو بیع کرتا ہے وہ بیع تجارت ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔

بیع کی مختلف قسمیں اور ان کے احکام

بیع حصاۃ، بیع غرر، بیع علامت، بیع منابذۃ وغیرہ

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصاۃ اور غرر کی نہی فرمائی ہے۔

بیع ملامت کی ممانعت صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے بیع ملامت اور بیع منابذت سے منع فرمایا ہے۔

مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ سودا کرنے والے دیکھے بھالے بغیر ایک دوسرے کے کپڑے کو چھو لیں اور بیع واقع ہو جائے۔

بیع منابذت اور بیع منابذت یہ ہے کہ سودا کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے۔ اور دونوں میں سے کوئی کسی کے کپڑے کو نہ دیکھے۔

ایک دوسری روایت صحیحین میں ابوسعید کی یہ ہے کہ بیع ملامت یہ ہے، کہ خریدار اور فروخت کرنے والا دونوں ایک دوسرے کے کپڑے کو دن یا رات میں ہاتھ

سے چھولیں۔ اور بیع منابذہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے اور اس طرح مال کی بیع بلا اسے دیکھے اور بغیر رضامندی کے ہو جائے۔

بیع حصاۃ کی ممانعت

بیع حصاۃ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے۔ "یہ کنکری پھینکو کپڑے کے جس تھان پر یہ پڑ جائے گی۔ وہ ایک درہم میں تمہارا!"

یا اگر کوئی زمین خرید رہا ہے تو یہ صورت ہوگی کہ پھینکی ہوئی کنکری جہاں تک پہنچ جائے اتنی زمین کے تم مالک یہ ساری صورتیں قمار ہیں اور قمار سے مشابہ ہیں۔

بیع غرر کی ممانعت

بیع غرر ایسی چیز کی بیع ہے جسے حوالے کرنا بائع کے بس میں نہ ہو مثلاً کوئی شخص بھاگے ہوئے غلام یا اونٹ، یا ہوا میں سے اڑنے والے پرند، یا دریا میں تیرنے والی مچھلی کسی کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ بیع غرر (دھوکا) ہے۔ غرض ایسی چیز کا بیع کرنا جس کا حوالے کرنا بس سے باہر ہو، یا جس کی تعداد نامعلوم ہو، لیکن قیمت معین ہو بیع غرر ہے۔

بیع حبل الحبلہ کی ممانعت

اسی طرح بیع حبل الحبلہ ہے، یہ بیع بھی ممنوع ہے جیسا کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حبل الحبلہ یہ ہے کہ سانڈنی بچہ جنے، پھر یہ حاملہ ہو[1]، تب قیمت ادا کی جائے۔

بیع ملاقیح ومضامین کی ممانعت

اسی طرح بیع ملاقیح اور مضامین بھی ممنوع ہے جیسا کہ سعید بن المسیب نے ابوہریرہؓ سے روایت

---

[1] یعنی حاملہ اونٹنی کے بطن سے جو اونٹنی پیدا ہو، وہ جوان ہو کر جب حاملہ ہو اور بچہ جنے، اس وقت سانڈنی کی قیمت ادا کی جائے گی ظاہر ہے یہ سلسلہ اس طرح کی دوسری تمام بیعیں یکسر فاسد ہیں یہ عہد جاہلیت میں رائج تھیں لیکن اسلام نے انھیں ختم کر دیا۔

کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع کیا ہے۔

ابو عبید کہتے ہیں:

ملاقیح وہ ہے جو حیض میں ہو۔ اور مضامین وہ جو صلب میں ہو۔

بیع مجر کی ممانعت

اسی طرح بیع مجر بھی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ مجر اُسے کہتے ہیں جو بطن ناقہ میں ہو۔ نیز سود کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قمار کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس سے محاقلہ[1] اور مزابنہ[2] بھی مراد لیتے ہیں، اور ملامست اور منابذت بھی ان دونوں بیعوں کا ذکر گزر چکا ہے، بیع کی ان تمام صورتوں میں غرر (دھوکا) ظاہر ہے۔

مغیبات ارض داخل غرر نہیں ہیں

مغیبات ارض[3] بیع غرر میں داخل نہیں ہیں۔ مثلاً، لفت (شلغم) جزر (گاجر) اور بصل (پیاز) وغیرہ، کیونکہ یہ چیزیں عادۃً معلوم ہوتی ہیں۔ اور جاننے والے ظاہر سے باطن کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

لیکن مکان، دکان، اور حیوان کا اجارہ غرر سے خالی نہیں کیونکہ حیوان مر سکتا ہے اور مکان و دکان کا انہدام ممکن ہے۔

اسی طرح انڈے، انار، خربوزہ اور پستہ وغیرہ کی بیع بھی خالی از غرر نہیں۔

معمولی غرر جائز ہے

لیکن یاد رکھنا چاہیے ہر غرر تحریم کا سبب نہیں ہے اگر وہ معمولی ہو، یا اس سے احتراز ممکن نہ ہو تو وہ صحت عقد (معاہدہ) کو مانع نہیں ہے۔ برخلاف غرر کثیر کے جس سے احتراز ممکن ہے اور جس کے

---

[1] محاقلہ، کھیتی کو غلہ کے عوض فروخت کیا جائے۔ یا غلہ کے معاوضہ میں زمین کرایہ پر دی جائے۔
[2] مزابنہ، درخت کی تر کھجوروں کے بدلے میں خشک کھجوریں فروخت کر دی جائیں۔
[3] یعنی وہ چیزیں جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔

انواع ممنوعہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ برعکس زیر بیع مغیبات ارض معمولی ہیں۔ اور ان سے احتراز ممکن نہیں۔ ان کے بارے میں اگر یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ انھیں زمین سے کھود کر نکالا جائے، تب سودا کیا جائے، تو یہ غیر معمولی مشقت اور فساد مال کا سبب ہوگا، جسے شرع پسند نہیں کرتی، نہ مصالح عوام کا یہ تقاضا ہے۔ بہرحال یہ وہ غرر نہیں ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

مشک نافہ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے

نافہ کے اندر کے مشک کی بیع بھی پستہ اور اخروٹ وغیرہ کی طرح بیع غرر نہیں ہے، کیونکہ نافہ مشک ایک ایسا ظرف ہے جس میں مشک آفات سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی رطوبت بقا اور خوشبو کی حفاظت ہوتی ہے، اور وہ ہر طرح کے تغیر سے قریب قریب محفوظ رہتا ہے اور تاجروں کا یہ معمول ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ وہ اس کی بیع وشرا کرتے رہے ہیں، کیونکہ اس کی قدر وجنس کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، لہٰذا اس میں کوئی غرر نہیں ہے، نہ از روے لغت، نہ از روے شرع، نہ از روے عرف۔

مختلفین اور متفقین کے دلائل

لیکن جو لوگ اسے روا نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں۔ مشک نافہ کی مثال اس گٹھلی کی سی ہے جو کھجور کے اندر ہوتی ہے۔ یا اس انڈے کے مانند جو مرغی کے پیٹ میں ہوتا ہے یا اس دودھ کی طرح جو تھن میں ہوتا ہے۔ یا وہ گھی جو برتن میں بند ہوتا ہے۔ لیکن مشک نافہ اور اشیاء مذکورہ کے انواع کا فرق ظاہر ہے۔ چنانچہ جو اس بیع کو روا سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں نافہ کے اندر مشک اس طرح ہوتا ہے، جیسے بادام، اخروٹ اور پستے کے خول میں ان کا مغز۔ یہ خول حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس کی مصلحت ظاہر ہے۔ لہٰذا اسے ان چیزوں میں شمار نہیں کر سکتے، جن کی نہی شارع کی طرف سے وارد ہوئی ہے۔

مدت معلومہ کے لیے تھن کے دودھ کا اجارہ

لیکن اگر بکری گائے۔ اونٹنی کو مدت معلومہ کے لیے کسی کو دودھ حاصل کرنے کے لیے اجارے پر دے دیا جائے تو یہ جمہور کے نزدیک

ناجائز ہے، لیکن ہمارے شیخ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص معین اجرت پر بکری، گائے۔ یا اونٹنی کو اجارے پر لیتا ہے اور اس کا چارہ مالک پر ہوتا ہے۔ یا چارے کے مصارف بھی وہ اپنے ذمے ڈال لیتا ہے، اور شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ دودھ لے لیا کرے گا تو یہ جائز ہے یہ صورت بیع اور اجارے دونوں سے مشابہ ہے۔ لہٰذا بعض فقہا نے اسے بیع میں ذکر کیا ہے، بعض نے اجارے میں۔

دودھ کی بیع، بیع غرر نہیں ہے

اگر مشتری دودھ کی مخصوص مقدار اس طرح لیتا ہے، تو یہ بیع محض ہے۔ اور اگر مطلق طور پر لیتا ہے تو بھی یہ بیع ہے۔ اسے بیع غرر نہیں قرار دیا جائے گا، کیونکہ غرر (دھوکا) عبارت ہے وجود و عدم کے تردّد سے اس بیع کی ممانعت ہے۔ کیونکہ از قبیل جنس قمار ہے، جسے اللہ تعالےٰ نے حرام کیا ہے۔ اس کا قمار ہونا اس سے ظاہر ہے کہ متعاقدین میں سے ایک کو تو مال حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرے کے لیے حصول و عدم حصول کی دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یہ اس طرح ناجائز ہے جیسے بیع غلام مفرور وغیرہ۔

جنین اور تھن کا دودھ فروخت کرنے کی ممانعت

تھن کے اندر جو دودھ ہو اس کے عقود (معاہدے) کے بارے میں تین اقوال ہیں

۱ - اس کی بیع بھی ناجائز ہے۔ اور اجارہ بھی ناجائز ہے - یہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔

۲ - بیع تو جائز ہے لیکن اجارہ جائز نہیں ہے۔

۳ - اجارہ جائز ہے لیکن بیع ناجائز ہے۔

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

جانور کے تھن کا دودھ اور اس کی بیع

جانور کے تھن کے اندر جو دودھ ہو اس کی ممانعت کے بارے میں دو حدیثیں ہیں

۱ - پہلی حدیث عثمان بن فراخ - جو ضعیف ہیں - کی ہے جسے وہ حبیب بن زبیر سے اور وہ عکرمہ اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ کے اون - دودھ کے بننے والے گھی اور تھن کے اندر کے دودھ کو فروخت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

ابواسحاق نے عکرمہ سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے اس میں گھی کا ذکر نہیں ہے - اس روایت کو بیہقی وغیرہ نے درج کیا ہے۔

۲ - دوسری حدیث ابن ماجہ کی ہے ہشام بن عمار سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حاتم

بن اسماعیل نے ان سے جہضم بن عبداللہ الیمانی نے ان سے محمد بن ابراہیم الباہلی نے ان سے محمد بن یزید العبدی نے ان سے شہر بن حوشب نے ان سے ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ وضع حمل سے پہلے جو کچھ جانور کے پیٹ میں ہے اسے فروخت کیا جائے۔ یا جو دودھ تھن میں ہے اسے ناپے اور تولے بغیر فروخت کیا جائے۔ یا مفرور غلام کو فروخت کیا جائے یا مغانم جب تک تقسیم نہ ہولیں انھیں فروخت کیا جائے۔ یا صدقات جب تک قبضہ میں نہ آجائیں انھیں فروخت کیا جائے۔ نیز "ضربۃ الغائص"[1] سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

لیکن اس اسناد سے کوئی دلیل نہیں قائم ہوتی۔

وہ منہیات بیع جو ثابت ہیں

جہاں تک وضع حمل سے پہلے جو کچھ جانور کے پیٹ میں ہے اسے نہ فروخت کرنے کا سوال ہے۔ نہ نہی ملاقیح و مضامین[2] سے ثابت ہی ہے۔ اسی طرح مفرور غلام کو فروخت کرنے کی نہی بھی بجائے خود نہی غرر سے ثابت ہے۔ اور تقسیم سے پیشتر مغانم کے فروخت بھی اس بیع میں داخل ہے جو آدمی کے پاس نہ ہو۔ کہ یہ تو لم غرر اور خطر کی ہے۔ اسی طرح قبل از قبضہ صدقات کو فروخت کا معاملہ بھی ہے،

باقی رہا "ضربۃ الغائص" کا معاملہ، تو یہ کھلا ہوا غرر ہے۔

جانور کی پیٹھ پر اُون کی بیع

رہی اس اون کی بیع جو جانور کی پیٹھ پر ہو تو اگر اس کی بیع کی نہی والی حدیث صحیح ہے، تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت نہیں سنی جائے گی۔

لیکن اس باب میں امام احمد رحمۃ اللہ سے روایت کا اختلاف موجود ہے۔ ان کی ایک

---

[1] ضربۃ الغائص، یعنی غوطہ خور کہے تم مجھے اتنی اجرت دو، غوطہ سے جو برآمد ہوگا وہ تمہارا۔

[2] ملاقیح و مضامین، اس چیز کی فروخت جو ابھی جانور کے بطن یا صلب میں ہے۔

روایت میں اس فروخت سے منع کیا گیا ہے۔ اور دوسری میں اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ اُون فوراً اتار لیا جائے اور اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اس کی تسلیم (حوالے کرنا) ممکن ہے، لہٰذا بیع جائز ہوگی۔ جیسے کھجور کی بیع جائز ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ فوری طور پر اون اتار لینے کی شرط ضروری نہیں ہے جیسے کھجور جو تھوڑی تھوڑی کر کے اتاری جائے خواہ اس میں کتنی ہی دیر لگے تو جواب یہ ہوگا کہ یہ اس طرح ہے جیسے حاضر مال کی تبعیت میں غیر موجود مال کا سودا کیا جائے اور یہ ویسے ہی ہے جیسے پھلوں کا وہ حصہ جو ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے، مگر حاضر پھلوں کی تبعیت میں داخل ہے۔ اور اگر بائع اور مشتری ان کے لیے وقت معین کر لیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے پھلوں کے مکمل ہونے کے بعد سودا کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس کی منع کے قائل ہیں وہ اسے اعضائے حیوان پر قیاس کرتے ہیں جن کا بیع کے باعث الگ الگ کر دینا جائز نہیں ہے لیکن یہ فاسد ترین قیاس ہے اس لیے کہ اعضا حیوان کی سلامتی کے ساتھ کسی کے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اون اور تھن کے اندر کے دودھ میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ تھن کے دودھ میں ملک مشتری، ملک بائع کے ساتھ فوری طور پر مختلط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دودھ سریع الحدوث ہے۔ جب دوہا جائے گا بہہ پڑے گا۔ اون کی صورت اس کے برعکس ہے۔ واللہ اعلم و احکم۔

عہدِ اسلامی کی ابتدائی تاریخ کا بنیادی ماخذ

طبقات ابن سعد

(مکمل آٹھ حصوں میں)

تصنیف: علامہ ابو عبد اللہ محمد بن سعد البصری ۱۶۸ھ ۲۳۰ھ

اردو ترجمہ: علامہ عبد اللہ العمادی
مولوی نذیر احمد میرٹھی
مولانا راغب رحمانی

بڑا سائز، اعلیٰ سفید کاغذ، خوب صورت رنگین گردپوش

نفیس اکیڈمی
اردو بازار، کراچی